بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۨ ۝ (الفرقان:۱)

وہ بابرکت ذات ہے جس نے اپنے محبوب بندہ پر تدریجاً الفرقان (قرآن کریم) نازل فرمایا

تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والے ہو جائیں ۝

تبیان الفرقان

جلد چہارم

الکہف، آیت: ۷۵ تا ۱۱۰ ☆ مریم ☆ طٰہٰ ☆ الانبیاء ☆ الحج ☆ المومنون ☆ النور

☆ الفرقان ☆ الشعراء ☆ النمل ☆ القصص ☆ العنکبوت: آیت: ۱ تا ۴۴

علامہ غلام رسول سعیدی حفظہ اللہ تعالیٰ

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور پاکستان

نام کتاب	تبیان القرآن (جلد چہارم)
مفسر	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	بار اول فروری 2016ء
تعداد	دو ہزار
کمپیوٹر کوڈ	QT62

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور۔ فون:۔ 042-37221953
9۔ الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور۔ فون:۔ 042-37225085
14۔ انفال سنٹر اردو بازار، کراچی۔ فون:۔ 021-32210212

E.mail: info@zia-ul-quran.com www.zia-ul-quran.com
https://www.facebook.com/ziaulquranpublications

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشمولات

(سورۃ الکہف تا سورۃ العنکبوت)

عنوان	صفحہ
ترجمۃ الخطبہ	20
سلسبیل (افتتاحیہ)	21
حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان مزید عہد و پیمان	24
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کھانا طلب کرنے کی توجیہ	25
بعض صورتوں میں مہمان نوازی کا واجب ہونا	25
"فابوا ان یضیفوھما" کی جگہ "فاتوا ان یضیفوھما" پڑھنے کی تحقیق	26
حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فراق	26
جن تین مسائل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے اختلاف کیا، ان کی توجیہ	27
الکہف: ۷۹ کے چند فوائد	28
حضرت خضر علیہ السلام کے لڑکے کو قتل کرنے کی توجیہ	29
یتیم بچوں کے باپ کا تذکرہ	31
بعض مسلمانوں کی نیکیوں کی وجہ سے ان کے بعد والوں سے ضرر کا دور ہونا	32
حسن کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف اور قبیح کی اضافت اپنی طرف کرنے کے شواہد	33
ذوالقرنین کا تذکرہ	36
ذوالقرنین کے متعلق بعض احادیث، آثار اور اخبار	37
ذوالقرنین کے نام اور ان کو ذوالقرنین کہنے کے متعلق متعدد اقوال	38
ذوالقرنین آیا نبی تھے یا نہیں؟	40
یاجوج اور ماجوج کا تذکرہ	43
کافروں کے بتوں کو سفارشی قرار دینے کا ابطال	48
امام ماتریدی کا بتوں کے متعلق آیات کو فرشتوں اور رسولوں پر منطبق کرنا	48
"نزلا" کا معنی	49
مسلمانوں کے پاس مال و دولت کے نہ ہونے کا خسارہ نہ ہونا	49
آخرت کو چھوڑ کر دنیا کے فوائد کے حصول کی مذمت	50
جب علم کا حصول ممکن ہو تو جہالت سے غلط کام پر مواخذہ	50
جن کا آخرت میں وزن نہیں فرمایا جائے گا، ان کا مصداق	51
مومنین کے لیے چار جنتیں	52
جنات الفردوس کا معنی	52
الکہف: ۱۱۰ کا سبب نزول	53

عنوان	صفحہ
رسول اللہ ﷺ کس چیز میں عام انسانوں کی مثل ہیں؟	54
رسول اللہ ﷺ کے متعلق اہل سنت کے عقائد کا شرک نہ ہونا	54
نیک اعمال کی تلقین	55
ریاکاری کی مذمت	55
﴿سورۂ مریم ۱۹﴾	57
سورۂ مریم کا اجمالی تعارف	59
حضرت مریم بنت عمران کا تذکرہ	59
حضرت مریم کے متعلق احادیث	60
حروف مقطعات میں سے "کٓھٰیٰعٓصٓ" کی تخصیص	63
حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ	64
حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام کی شہادت	64
آہستہ آواز کے ساتھ دعا کرنے کا استحباب	65
آہستہ آواز کے ساتھ دعا اور ذکر کے متعلق حدیث	65
حضرت زکریا علیہ السلام کے دعا میں اپنی تکالیف کے ذکر کی توجیہ	66
حضرت مریم کے مشرقی جانب جانے کی وجوہ	74
مشرقی جانب کی تخصیص کی توجیہات	74
اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مجازاً عطا فرمانے کی رسول اللہ ﷺ اور دیگر مقربین کی طرف نسبت کرنے کا جواز	75
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گہوارہ میں نبوت عطا فرمانا ہمارے رسول سیدنا محمد ﷺ پر افضلیت کی دلیل نہیں ہے	81
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کنایۃً اپنی والدہ کی براءت بیان فرمانا	82
موت کو ذبح کرنے کے متعلق احادیث	84
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اُن کے عرفی باپ آزر کے ساتھ قصہ	87
حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس قصہ کی ابتداء کرنے کی مناسبت	87
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صدیق ہونے پر اعتراض کا جواب	88
کفار کو سلام کرنے کی تحقیق	91
مُخلَص کا معنی	94
حضرت ادریس علیہ السلام کا تذکرہ	96
حضرت ادریس علیہ السلام کا جنت میں داخل ہونے کے بعد باہر نہ آنا	97
حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق علماء اور مفسرین کا اختلاف	98
مریم: ۶۴ کی دو تفسیریں	100
"شیئاً" کا معنی	101
کفار، مشرکین اور بت پرستوں کا رد اور ابطال	109
﴿سورۂ طٰہٰ ۲۰﴾	115
سورۂ طٰہٰ کا اجمالی تعارف	117
سورۂ طٰہٰ کی فضیلت	117
سورۂ طٰہٰ کے مقاصد	117
"طٰہٰ" کے متعدد معانی	120
رسول اللہ ﷺ کے مشقت میں پڑنے کے محامل	120

عنوان	صفحہ
عرش کے متعلق مفسرین کے اقوال	121
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وحی سے سرفراز ہونے کا واقعہ	123
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے پاس جانے سے پہلے آٹھ دعائیں	132
شرح صدر کا معنی	133
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں گرہ کی توجیہ	133
گرہ کھولنے کی دعا کی حکمت	133
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وزیر کو طلب کرنے کی توجیہ	134
حضرت ہارون علیہ السلام کو وزیر بنانے کی تخصیص کی توجیہ	135
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں کی قبولیت کی وجوہ	135
عورتوں کو نبی نہ بنائے جانے کے دلائل	136
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف جو الہام فرمایا گیا تھا، اس کو وحی سے تعبیر کرنے کی وجوہ	137
اللہ تعالیٰ کے لیے آنکھوں اور دیگر اعضاء کا ثبوت	138
انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمانے کے لیے چالیس سال کی مدت	140
ان آیات کا مصداق جنہیں عطا فرما کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تھا	143
لاٹھی اور ید بیضاء میں متعدد نشانیاں	144
فرعون کے ساتھ نرمی سے بات کرنے کی توجیہ	145
مرتے وقت فرعون کا نصیحت حاصل کرنا	146
کفار کو سلام نہ کرنے کی دلیل	147
اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر نشانیاں	149
انسان کی نطفہ سے پیدائش کا مٹی سے پیدا ہونے کے منافی نہ ہونا	152
فرعون کو کل معجزات دکھانے پر اعتراض کا جواب	153
"یَوْمُ الزِّیْنَۃِ" کے مصداق میں مفسرین کے اقوال	154
"اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ" کی حرکات پر بحث	155
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوف محسوس کرنے کی توجیہ	157
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کے غلبہ کی کیفیت	158
اس کی توجیہ کہ جادوگروں نے ایمان لاتے وقت رب العالمین کے بجائے "ربِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی" کہا	159
فرعون کی دھمکی دینے پر سوال کا جواب	160
جادوگروں کے عذر پر اعتراض کا جواب	161
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر سے روانگی	164
بنی اسرائیل کے مصر سے روانگی کے وقت فرعونیوں سے عاریۃً زیورات لینا	165
سمندر پر عصا مارنے سے راستہ بنانا	165
بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں	166
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب کے لیے عجلت سے حاضر ہونا	167
سامری کا تذکرہ اور اس کا بنی اسرائیل کو گمراہ کرنا	167
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے پاس تاخیر سے واپس آنا	168
بچھڑے سے آواز نکلنے کی توجیہ	169
بچھڑے کے معبود ہونے کا ابطال	170
بچھڑے کی پرستش کی وجہ سے بنی اسرائیل کو سرزنش	172
حضرت ہارون علیہ السلام کا بنی اسرائیل پر سختی نہ کرنا	172
حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے اور ڈاڑھی کے بال	

عنوان	صفحہ
پکڑنے کی توجیہ	174
السامری کا تذکرہ	175
کفار کے سوال کے جواب کو "قُتِلَ" سے ذکر کرنے کی توجیہ	181
شفاعت کا لغوی معنی	182
شفاعت کا اصطلاحی معنی	182
گناہِ کبیرہ کی شفاعت کے جواز اور وقوع کے متعلق قرآن اور حدیث سے دلائل	182
"اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" کے اسمِ اعظم ہونے کے متعلق حدیث	184
اسمِ اعظم کی تحقیق	184
صرف حضرت آدم علیہ السلام کے مشقت میں مبتلاء ہونے کی توجیہ	192
بیوی کا خرچ خاوند کے ذمہ ہونے کی اصل	192
رزق کے حصول کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کی مشقت اور تھکاوٹ	192
حضرت آدم علیہ السلام کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دلیل میں غالب ہونے کی توجیہ	194
قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی خطاؤں کے ذکر کی توجیہ	194
سید ابوالاعلیٰ مودودی کی مذکور تفسیر کا دیگر مفسرین سے تقابل	195
"مَعِيْشَةً ضَنْكًا" کے معانی اور محامل	197
کفار اور مشرکین کے سخت کفر اور شرک کرنے کے باوجود ان پر فوراً عذاب نازل نہ فرمانے کی توجیہات	200
رسول اللہ ﷺ کو کفار کے اقوال سے ایذاء پہنچتی تھی	202
پانچ نمازوں کی فرضیت پر قرآن مجید سے دلائل	202
رات کے وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر کی فضیلت	203
تمام کائنات میں صرف رسول اللہ ﷺ کو راضی فرمانے کی خصوصیت	204
﴿سورۃ الانبیاء ۲۱﴾	211
سورۃ الانبیاء کا اجمالی تعارف	213
سورۃ الانبیاء کا نام	213
سورۃ الانبیاء کے اہم مقاصد اور ضروری مسائل	213
کفار اور مشرکین کو قیامت کے دن اُن کے حساب سے ڈرانا	215
ذِکرِ مُحْدَث سے قرآن مجید کے حادث ہونے کا اشکال اور اس کا جواب	217
رسول اللہ ﷺ کو دوسرے انبیاء علیہم السلام سے زیادہ معجزات عطا فرمائے گئے	219
فرشتوں کو رسول نہ بنانے کی توجیہ	222
رسلِ بشر پر کفار کے متعدد طعنوں کے جوابات	222
اللہ تعالیٰ کا ظلم کرنے والوں کو ہلاک فرما کر اُن کے بدلہ میں دوسرے لوگوں کو زندہ فرمانا	227
کفار کو زجر و توبیخ	227
ظالموں کا اعترافِ جرم کرنا اور اس کا غیر مفید ہونا	228
اللہ تعالیٰ کی بیوی بچوں سے برأت اور نزاہت	228
فرشتوں کے جو آدم سے افضل ہونے پر استدلال اور اس کا جواب	230

عنوان	صفحہ
معبودانِ باطلہ کی دو قسمیں	230
اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل	231
مخلوق سے سوال کیے جانے کے متعلق دو آیتوں کے تعارض کا جواب	232
اللہ تعالیٰ کے واجب اور قدیم ہونے پر دلیل	234
فرشتوں کا مکلف اور مکرم ہونا	234
مرتکب کبیرہ کے لیے شفاعت کا ثبوت	235
آسمانوں اور زمینوں کے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہونے اور الگ الگ کیے جانے کے محامل	238
فلک کی تحقیق میں اقوال	240
رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑانے والوں کو زجر و توبیخ	244
قیامت کے دن میزان پر وزن کرنے کی تحقیق	246
رُشد کی تفسیر میں اقوال	251
امام رازی کے استدلال میں تسامح اور مصنف کی تنبیہ	251
حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کس سے پہلے نبوت عطا فرمائی گئی؟	251
"التماثیل" کے معنی	252
حضرت لوط علیہ السلام پر رحمت کے معانی	264
حضرت نوح علیہ السلام کا اُن کی قوم کے ساتھ قصہ	267
حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ	268
مویشیوں کے کیے ہوئے نقصان میں تاوان کے لازم ہونے کے متعلق فقہاء کا اختلاف	269
دن میں مویشیوں کے کیے ہوئے نقصان پر تاوان لازم کرنے اور رات میں تاوان نہ لازم کرنے کی توجیہ	270
انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد کے جواز کے متعلق فقہاء کا اختلاف	271
رسول اللہ ﷺ کے اجتہادی حکم کو تبدیل کرنے کی توجیہ	272
نبی ﷺ کے اجتہاد کے متعلق علماء کا اختلاف	273
فروعی مسائل میں اجتہاد کی تحقیق	274
اجتہاد کی تعریف	274
مجتہد کو خطاء پر اجر عطا فرمانے کی توجیہ	274
اس پر دلیل کہ تمام مجتہدین کے اقوال برحق نہیں ہوتے	275
مجتہد کو صحت حکم کی صورت میں اجر ملنے کا بیان	275
خطا کی صورت میں مجتہد کو اجر ملنے کی توجیہ	276
حضرت داؤد علیہ السلام کی تسبیح کے معانی	276
جائز پیشوں کے ذریعہ روزی حاصل کرنے کی فضیلت	277
حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ	279
حضرت اسماعیل، حضرت ادریس علیہما السلام اور حضرت ذوالکفل کا قصہ	285
حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ	286
علمائے لغت کا اس آیت میں "نقدر" کو قدرت سے ماخوذ ماننے کو کفر قرار دینا	287
حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا قصہ	290
حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ	291
نیک اعمال کے مقبول ہونے کے لیے ایمان کا شرط ہونا	294

عنوان	صفحہ
جن بستیوں پر عذاب نازل فرمایا گیا، اُن کا ایمان نہ لانا	295
قیامت کے وقوع کی نشانیاں	295
بتوں کی عبادت کا بطلان	296
"اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ" میں انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کا داخل نہ ہونا	297
جنت کی نعمتوں کا دوام	298
"اَلۡفَزَعُ الۡاَكۡبَرُ" کا مصداق	298
"السِّجِلِّ" کے معانی	299
"الزَّبُوۡرِ" کا مصداق	299
"وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ" کے مختلف تراجم	300
توحید پر ایمان لانے کی تاکید	302
وقتِ وقوعِ قیامت کا کسی کو علم نہ ہونا	302
﴿سورۃ الحج ۲۲﴾	305
سورۃ الحج کا اجمالی تعارف	307
سورۃ الحج کا نام	307
سورۃ الحج کے مشمولات	307
"اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ" کی متعدد تفسیریں	315
الحج:۱۱ کے متعدد شانِ نزول	319
مذکورہ دو آیتوں میں تعارض کا جواب	320
پاکیزہ قول کی تین تفسیریں	327
مسجد حرام کی دو تفسیریں	327
مکہ کے باشندوں اور باہر سے آنے والوں کے مکہ میں رہائش کے متعلق مذاہب	327

عنوان	صفحہ
مکہ میں الحاد کے متعلق پانچ اقوال	328
جو شخص مکہ میں برائی کا ارادہ کرے اور برائی کا ارتکاب نہ کرے اس سے مواخذہ ہوگا یا نہیں؟	328
آیا البُدۡنَ میں گائے شامل ہے یا نہیں؟	338
کفار کے خلاف جہاد کی مشروعیت کا آغاز	343
بعض لوگوں کے شر سے دوسرے بعض لوگوں کو بچانا	344
غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی توجیہات	344
بعض اشرار کے شر سے دوسروں کو محفوظ رکھنے کے مزید محامل	345
جن مسلمانوں کو زمین پر اقتدار عطا فرمایا گیا ان کے مصادیق	345
دماغ کے محلِ عقل ہونے پر دلائل	347
اُس دن کا مصداق جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی	348
نبی ﷺ کی تلاوت کے دوران شیطان کے اپنی طرف سے کلمات ملانے کی روایت کا بطلان	351
"يَوۡمٍ عَقِيۡمٍ" کی توجیہات	356
اللہ کی راہ میں موت کی فضیلت	358
موت کے بعد دوبارہ زندہ فرمانے پر دلائل	364
الحج:۷۷ کے سجدۂ تلاوت ہونے میں فقہاء کا اختلاف	376
الحج:۷۷ کے سجدۂ تلاوت ہونے پر جمہور فقہاء کی دلیل	376
جمہور فقہاء کی استدلال کردہ حدیث پر نقد و نظر	376
فقہاء احناف کے الحج:۷۷ کے سجدۂ تلاوت نہ ہونے پر دلائل	377

عنوان	صفحہ
قرآن مجید میں سجود تلاوت کی تعداد	377
سجدۂ تلاوت کا شرعی حکم	378
﴿سورۃ المومنون ۲۳﴾	383
سورۃ المومنون کا اجمالی تعارف	385
سورۃ المومنون کا نام	385
سورۃ المومنون کے متعلق احادیث	385
سورۃ المومنون کے مقاصد	385
مومنین کی پہلی صفت: ایمان کامل کے ساتھ نماز پڑھنا	388
مومنین کی دوسری صفت: حضور ذہن کے ساتھ نماز پڑھنا	389
حضور ذہن کے ساتھ نماز پڑھنے کے متعلق احادیث	390
حضور ذہن کے ساتھ نماز پڑھنے کے متعلق امام غزالی کے ارشادات	390
حضور ذہن کے ساتھ نماز پڑھنے کے متعلق صحابہ اور تابعین کے اقوال	391
مومنین کی تیسری صفت: نماز میں لغو اور عبث کاموں سے اعراض کرنا اور لغو کی تعریف میں قرآن مجید کی متعدد آیات سے استشہاد	392
مومنین کی چوتھی صفت: زکوٰۃ کی ادائیگی	393
زکوٰۃ کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کے وجوب کی شرائط کا بیان	394
سورۃ المومنون میں زکوٰۃ سے مراد اعمال صالحہ ہیں	394
مومنین کی پانچویں صفت: عفت اور پاکیزگی اور المتعہ کا حرام ہونا	395

عنوان	صفحہ
مومنین کی چھٹی صفت	396
مومنین کی ساتویں صفت	397
معتزلہ اور اہل سنت کا اس وقت جنت کے مخلوق ہونے میں اختلاف	399
حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بار بار دہرانے کی توجیہ	407
حضرت نوح علیہ السلام کا نام نوح رکھنے کی متعدد وجوہ	407
بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھنے پر روح البیان کی نکتہ آفرینی پر مصنف کا تبصرہ	417
"یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ" کے خطاب سے تمام رسل علیہم السلام مراد ہیں یا صرف ہمارے رسول ﷺ؟	425
رسول اللہ ﷺ کا تمام رسل علیہم السلام کے کمالات کا جامع ہونا	426
ہمارے رسول ﷺ کا عام مسلمانوں سے زیادہ عبادات کا مکلف ہونا	426
مال حلال سے عبادات کا مقبول ہونا اور مال حرام سے عبادات کا مردود ہونا	427
مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی اور ان کی غیبت کا حرام ہونا	427
دین اور شریعت کا فرق	428
غمرۃ کے معانی	429
دنیاوی لذائذ میں منہمک ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا	430
دواء اور علاج کرنے کا شرعی حکم	431
مومن کا نیک کام کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور منافق کا برے کام کرنے کے باوجود اللہ	

عنوان	صفحہ
تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا	432
کفار قریش کا تکبر	433
عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کا شرعی حکم	434
عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کی اقسام	435
کفارۂ مجلس کے متعلق حدیث	435
رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ سے آپ کی رسالت کے برحق ہونے پر استدلال	436
ہر قوم کے اکثر لوگ اپنے رسول کے منکر ہوتے ہیں	437
حق سے مراد اللہ عزوجل کی ذات ہے یا قرآن مجید؟	437
ذکر سے مراد نصیحت ہے یا فضیلت؟	438
تبلیغ دین پر اجرت لینے کی تحقیق	438
تعلیم قرآن، امامت، اذان اور دیگر عبادات پر اجرت لینے کے متعلق مصنف کا موقف	439
رزق کی کفالت کے متعلق ہارون رشید اور بہلول کا مکالمہ	439
کفار قریش کی قحط سالی کو رسول اللہ ﷺ کی دعا سے دور فرمانا	440
مومن کے لیے دنیا کا قید خانہ ہونا اور کافر کے لیے جنت ہونا	441
انسان کے اعضاء میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں	443
انسان کے اعضاء کی نعمتوں کے شکر کا طریقہ	444
اللہ تعالیٰ کی توحید اور الوہیت پر دلائل	445
کفار کا اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں حشر کا انکار کرنا	445
اللہ تعالیٰ کے لیے اعضاء کے ثبوت کا محال ہونا	447
بعض نیکوکاروں کو بھی عذاب دینے کا ظلم نہ ہونا	452
ظالموں سے عذاب کو موخر کرنے کی حکمت	452
کس قسم کی برائیوں سے درگزر کرنے کا حکم ہے؟	453
"ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ" کا معنی	454
دنیا میں دوبارہ لوٹ کر جانے کی خواہش کا سب کے لیے عام ہونا	455
برزخ کے مصداق کے متعلق مختلف اقوال	456
کون سے صور میں پھونکنے کے وقت ایک دوسرے سے سوال نہیں کیا جائے گا؟	458
ایک دوسرے سے سوال کرنے کا محمل	458
"کٰلِحُوْنَ" کا معنی	459
اہل دوزخ کے نجات کے سوال کو رد فرما دینا	460
فقراء مسلمین کی تعظیم اور توقیر	461
دنیا میں قیام کی مدت کے سوال کا محمل	462
انسانوں کی تخلیق کا عبث نہ ہونا	463
رسول اللہ ﷺ کے مغفرت اور رحمت کے حصول کی دعا کرنے کی حکمت	464
سورۃ النور ۲۴	467
سورۃ النور کا اجمالی تعارف	469
سورۃ النور کا نام	469
سورۃ النور کے متعلق احادیث	469
سورۃ النور کے مقاصد اور مسائل	469
سورت اور آیت کا معنی	472
النور: ۲ سے النساء: ۱۵ اور ۱۶ کی سزا کے حکم کا منسوخ ہونا	474
زنا کا لغوی معنی	475

عنوان	صفحہ
زنا کا شرعی معنی	475
زنا کی تحریم کے متعلق قرآن مجید کی آیات	476
زنا کی حرمت کے متعلق احادیث	476
قرآن مجید سے رجم کا ثبوت	477
رجم کے متعلق احادیث	479
"المحصنت" سے مراد آزاد عورتیں ہونے پر دلیل	482
زنا کا قبیح ہونا	482
"احصان" کے تین معانی	483
حدود میں عورتوں کی گواہی کا معتبر نہ ہونا	484
زنا کے ثبوت کے لئے چار مسلمان آزاد مردوں کی گواہی کی شرط کی توجیہ	485
حد زنا میں چار مردوں کی گواہی پر اعتراض کا جواب	485
کیا زانی کے خلاف استغاثہ کرنے والی لڑکی پر حد قذف لگے گی؟	485
لعان کا طریقہ اور لعان کے متعلق احادیث	486
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کی توجیہ	490
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے احوال سے اس تہمت کا باطل ہونا	490
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کی مفصل حدیث	492
تہمت لگانے والوں کے تین گناہ	498
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا ان کی عظمت کے منافی نہیں ہے	500
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے منفرد فضائل	500
النور: ۲۱ کا حکم تمام مسلمانوں کے لیے ہے یا	

عنوان	صفحہ
خصوصیت سے تہمت لگانے والوں کے لیے ہے؟	504
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر بدستور خرچ جاری رکھنے کی تلقین	505
نفس کے ساتھ جہاد کرنے کا جہاد اکبر ہونا	505
"الابلہ" کا معنی اور ان کے متعلق حدیث	506
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کے متعلق سب سے شدید وعید	506
چار صالحین پر لگائی ہوئی تہمت اور ان کی اس تہمت سے براءت	507
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ خصوصیات جو باعث فخر ہیں	509
اس میں فقہاء کا اختلاف کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے سلام کرے یا اجازت طلب کرے	512
دخول سے پہلے اجازت طلب کرنے کے متعلق احادیث	513
کسی کے گھر میں جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑنے کا حکم	514
جن گھروں میں بغیر اجازت طلب کئے داخل ہونا جائز ہے ان کے مصادیق	515
مسلمانوں کو اپنی نگاہیں پست رکھنے اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم	515
اجنبی عورتوں کی طرف اچانک نظر پڑ جانے کی رخصت	516
اجنبی مردوں اور اجنبی عورتوں کو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کی ممانعت کی حدیث	517
مخفی زینت	517
زینت ظاہرہ	517
خاوند اور محارم کے سامنے زینت ظاہرہ کو کھولنے کا	

عنوان	صفحہ
جواز	518
عورتوں کے نوکروں کا گھروں میں دخول کا جواز	518
جن مردوں کو عورتوں کی خواہش نہ ہو، اُن کے متعلق اقوال	519
جن چھوٹے بچوں کا گھر میں دخول منع نہیں ہے	519
مذکور الصدر احکام میں تقصیر پر توبہ کا حکم اور رسول اللہ ﷺ کا ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرنا	520
ران کے شرمگاہ ہونے یا نہ ہونے کے متعلق اختلاف	520
مرد اور عورت کی شرمگاہوں کا بیان	521
بے نکاح مرد یا عورت کے نکاح کا اُن کے سرپرستوں کو حکم	521
نفلی عبادات سے افضل نکاح میں مشغول ہونے کے متعلق فقہاء کا اختلاف	522
عورت کے از خود نکاح کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف	523
بالغہ عورت کے از خود نکاح کے جواز پر احادیث سے دلائل	523
تنگدستوں کو نکاح کے بعد خوشحال کرنا	525
مکاتب کی تعریف اور زرِ مکاتبت میں تخفیف	526
جن باندیوں کو زنا پر مجبور کیا گیا تھا، ان کا مصداق	528
حیوانات کے ادراک پر علم کے اطلاق کی بحث	540
علم کی تعریف	540
شیخ تھانوی کا حیوانات اور بہائم کے ادراک پر علم کا اطلاق کرنا	541
لوگوں کے گھروں میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینے کا حکم	550
بوڑھی عورتوں کے لیے پردے کے حکم میں سہولت	553
دوسروں کے گھروں سے کھانا کھانے کی اجازت	553
اپنے گھروں میں دخول کے وقت سلام کرنے کا حکم	556
"اَمْرٍ جَامِعٍ" کے محامل	557
"لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ" کا ایک محمل	559
رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کے فوراً نہ آنے کی توجیہ اور کسی کے بلانے پر نماز چھوڑ کر جانے کی تفصیل	559
جن احادیث میں رسول اللہ ﷺ کو اُمت کے لیے ایک دعا کرنے سے منع فرمادیا	560
رسول اللہ ﷺ کو اُمت کے لیے ایک دعا سے منع فرمانے کی توجیہ	560
"لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ" کا دوسرا محمل	561
رسول اللہ ﷺ کی دعا کے واجب القبول ہونے پر دلائل	562
رسول اللہ ﷺ کو نداء کی ممانعت کا تیسرا محمل	562
یا محمد کہنے کے ثبوت میں احادیث، آثار اور عبارات علماء	563
سورۃ الفرقان ۲۵	569
سورۃ الفرقان کا اجمالی تعارف	571
سورت کا نام	571
سورۃ الفرقان کے مشمولات	571
برکت کے معانی	574
فرقان کے معانی	575

عنوان	صفحہ
اللہ عزوجل کی چار صفات	576
کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پرندوں کو بنانا اُن کے خالق ہونے کو مستلزم ہے؟	577
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خالقیت پر امام رازی کی طرف سے جواب	577
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خالقیت پر مصنف کی طرف سے جواب	577
بتوں کو معبود قرار دینے کا رد	578
منکرین نبوت کے شبہات کے جوابات	579
اس پر دلیل کہ قرآن مجید کو صرف اللہ عزوجل ہی نازل فرمانے والے ہیں	580
مشرکین کے مذکورہ پانچ اعتراضات کے مفصل جوابات	582
رسول اللہ ﷺ پر کفار کے اعتراضات کے جوابات	585
کفار کے عذاب کی شدت	586
جنت الخلد کہنے کی توجیہ	587
جنت میں ہر خواہش پوری کیے جانے پر ایک اعتراض کا جواب	589
اللہ تعالیٰ کے بتوں سے خطاب کی توجیہ	590
بتوں کی عبادت کرنے کا بطلان	591
سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر مشرکین کے مطاعن کے جوابات	592
مقبول بندوں کی آزمائش کی توجیہ	592
جس پر اللہ تعالیٰ کی زیادہ نعمتیں ہوں اس کی بجائے اس کو دیکھنے کی فضیلت جس پر کم نعمتیں ہوں	593
کفار کے رؤیت باری اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رؤیت باری کے مطالب کا فرق	595
کفار کی فرشتوں سے حجاب طلب کرنے کی توجیہ	597
مُستقر اور مقیل کا معنوی فرق	598
مومنین پر پچاس ہزار سال کا دن کس طرح گزرے گا؟	599
انگلیاں کاٹنے والے ظالم کا مصداق	599
نیک لوگوں کو دوست بنانے کے متعلق احادیث	601
قرآن مجید کو تدریجاً نازل فرمانے کی حکمتیں	602
کافروں کو منہ کے بل چلانے کی توجیہ	604
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ	606
حضرت ہارون علیہ السلام کے وزیر ہونے کا معنی	606
ایک سوال کا جواب	607
حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ	607
"وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ" کے مصداق کے متعلق اقوال	608
حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ	609
مشرکین کا اپنے باپ دادا کی تقلید کی وجہ سے کفر پر ڈٹے رہنا	610
اپنے نفس کو معبود بنانے کے متعلق اقوال	610
کافروں کے مویشیوں سے زیادہ گمراہ ہونے کی توجیہ	611
"ظِلّ" اور "الفیء" کا فرق	614
سُبات کا معنی اور نیند کو سبات فرمانے کی توجیہ	615
برسانے والی ہواؤں کو دیکھ کر دعاؤں کا ثبوت	616
آندھی کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی دعا کا بیان	617
الطہور کا معنی اور اس کے فقہی احکام	617

عنوان	صفحہ
جواز	518
عورتوں کے نوکروں کا گھروں میں دخول کا جواز	518
جن مردوں کو عورتوں کی خواہش نہ ہو، اُن کے متعلق اقوال	519
جن چھوٹے بچوں کا گھر میں دخول منع نہیں ہے	519
مذکور الصدر احکام میں تقصیر پر توبہ کا حکم اور رسول اللہ ﷺ کا ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرنا	520
ران کے شرمگاہ ہونے یا نہ ہونے کے متعلق اختلاف	520
مرد اور عورت کی شرمگاہوں کا بیان	521
بے نکاح مرد یا عورت کے نکاح کا اُن کے سرپرستوں کو حکم	521
نفلی عبادات سے افضل نکاح میں مشغول ہونے کے متعلق فقہاء کا اختلاف	522
عورت کے از خود نکاح کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف	523
بالغہ عورت کے از خود نکاح کے جواز پر احادیث سے دلائل	523
تنگدستوں کو نکاح کے بعد خوشحال کرنا	525
مُکاتب کی تعریف اور زرِ مکاتبت میں تخفیف	526
جن باندیوں کو زنا پر مجبور کیا گیا تھا، ان کا مصداق	528
حیوانات کے ادراک پر علم کے اطلاق کی بحث	540
علم کی تعریف	540
شیخ تھانوی کا حیوانات اور بہائم کے ادراک پر علم کا اطلاق کرنا	541
لوگوں کے گھروں میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینے کا حکم	550
بوڑھی عورتوں کے لیے پردے کے حکم میں سہولت	553
دوسروں کے گھروں سے کھانا کھانے کی اجازت	553
اپنے گھروں میں دخول کے وقت سلام کرنے کا حکم	556
''اَمْرٍ جَامِعٍ'' کے محامل	557
''لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ'' کا ایک محمل	559
رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کے فوراً نہ آنے کی توجیہ اور کسی کے بلانے پر نماز چھوڑ کر جانے کی تفصیل	559
جن احادیث میں رسول اللہ ﷺ کو اُمت کے لیے ایک دعا کرنے سے منع فرمادیا	560
رسول اللہ ﷺ کو اُمت کے لیے ایک دعا سے منع فرمانے کی توجیہ	560
''لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ'' کا دوسرا محمل	561
رسول اللہ ﷺ کی دعا کے واجب القبول ہونے پر دلائل	562
رسول اللہ ﷺ کو نداء کی ممانعت کا تیسرا محمل	562
یا محمد کہنے کے ثبوت میں احادیث، آثار اور عبارات علماء	563
﴿سورۃ الفرقان ۲۵﴾	569
سورۃ الفرقان کا اجمالی تعارف	571
سورت کا نام	571
سورۃ الفرقان کے مشمولات	571
برکت کے معانی	574
فرقان کے معانی	575

عنوان	صفحہ
اللہ عزوجل کی چار صفات	576
کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پرندوں کو بنانا اُن کے خالق ہونے کو مستلزم ہے؟	577
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خالقیت پر امام رازی کی طرف سے جواب	577
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خالقیت پر مصنف کی طرف سے جواب	577
بتوں کو معبود قرار دینے کا رد	578
منکرین نبوت کے شبہات کے جوابات	579
اس پر دلیل کہ قرآن مجید کو صرف اللہ عزوجل ہی نازل فرمانے والے ہیں	580
مشرکین کے مذکورہ پانچ اعتراضات کے مفصل جوابات	582
رسول اللہ ﷺ پر کفار کے اعتراضات کے جوابات	585
کفار کے عذاب کی شدت	586
جنۃ الخلد کہنے کی توجیہ	587
جنت میں ہر خواہش پوری کیے جانے پر ایک اعتراض کا جواب	589
اللہ تعالیٰ کے بتوں سے خطاب کی توجیہ	590
بتوں کی عبادت کرنے کا بطلان	591
سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر مشرکین کے مطاعن کے جوابات	592
مقبول بندوں کی آزمائش کی توجیہ	592
جس پر اللہ تعالیٰ کی زیادہ نعمتیں ہوں اس کی بجائے اس کو دیکھنے کی فضیلت جس پر کم نعمتیں ہوں	593
کفار کے رؤیت باری اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رؤیت باری کے مطالب کا فرق	595
کفار کی فرشتوں سے حجاب طلب کرنے کی توجیہ	597
مُستقر اور مقیل کا معنوی فرق	598
مومنین پر پچاس ہزار سال کا دن کس طرح گزرے گا؟	599
انگلیاں کاٹنے والے ظالم کا مصداق	599
نیک لوگوں کو دوست بنانے کے متعلق احادیث	601
قرآن مجید کو تدریجاً نازل فرمانے کی حکمتیں	602
کافروں کو منہ کے بل چلانے کی توجیہ	604
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ	606
حضرت ہارون علیہ السلام کے وزیر ہونے کا معنی	606
ایک سوال کا جواب	607
حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ	607
”وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ“ کے مصداق کے متعلق اقوال	608
حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ	609
مشرکین کا اپنے باپ دادا کی تقلید کی وجہ سے کفر پر ڈٹے رہنا	610
اپنے نفس کو معبود بنانے کے متعلق اقوال	610
کافروں کے مویشیوں سے زیادہ گمراہ ہونے کی توجیہ	611
”ظِلّ“ اور ”الفَیء“ کا فرق	614
سُبات کا معنی اور نیند کو سبات فرمانے کی توجیہ	615
برسانے والی ہواؤں کو دیکھ کر دعاؤں کا ثبوت	616
آندھی کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی دعا کا بیان	617
الطہور کا معنی اور اس کے فقہی احکام	617

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
"اَناسِیّ" کا معنی اور اس کی لفظی تحقیق	618	آخرت میں بلند مرتبہ کے طلب کی دعا	644
الفرقان: ۵۰ کی دو تفسیریں	619	تحیت اور سلام کے معانی	644
"مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ" کی متعدد تفاسیر	620	اللہ تعالیٰ کا بندوں کی عبادت سے بے نیاز ہونا	646
نسب اور صہر کی متعدد تعریفات	622	﴿سورۃ الشعراء ۲۶﴾	647
بت پرستی کا رد	623	سورۃ الشعراء کا اجمالی تعارف	649
برج کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور برج کے مصادیق	628	شعراء کا معنی	649
بارہ برجوں کے نام	629	سورۃ الشعراء کے مشمولات	649
رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے پیدا		سورۃ الشعراء کی فضیلت	650
فرمانے کی حکمت	630	"طٰسٓمّٓ" کے معانی اور مصادیق	652
"هَوْنًا" کا معنی اور اس کے متعلق احادیث	631	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ قصہ	657
جاہلوں کو سلام کرنے کا معنی	632	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ	677
سجدہ اور قیام میں رات گزارنا	632	بتوں کی عبادت کا ابطال	678
"غَرَامًا" کا معنی	633	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو اپنا دشمن فرمانے کا سبب	679
اعتدال اور توازن سے خروج کرنا	634	رب العالمین کے استحقاق عبادت کی وجوہ	679
آیت مذکورہ پر سوالات کے جوابات	635	بیماری کی نسبت اپنی طرف اور شفا کی نسبت اللہ	
پہلا سوال	635	تعالیٰ کی طرف کرنے کی توجیہ	681
دوسرا سوال	636	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی طرف خطا کو منسوب	
تیسرا سوال	636	کرنے کی حکمت	682
چوتھا سوال	636	دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنے کی وجوہ	683
عذاب دگنا کرنے کی توجیہ	637	حکم کی تفسیر میں متعدد اقوال	684
اُن لوگوں کے مصادیق جن کی برائیاں نیکیوں سے		لسان صدق کی تفسیر میں متعدد اقوال	685
تبدیل فرمائی جائیں گی	638	جنت کے حصول کی دعا کرنا	686
توبہ کے حکم کے تکرار کی توجیہ	641	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے عرفی باپ کی مغفرت	
"الزُّوْرَ" کے متعدد معانی	642	کی دعا کی توجیہات	687
آنکھوں کی ٹھنڈک سے مراد	643	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قیامت کے دن شرمندہ نہ	

عنوان	صفحہ
کرنے کی دعا کی توجیہ	688
ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی فضیلت	688
قلب سلیم کی تفسیر میں متعدد اقوال	689
جنت کے متقین کے قریب ہونے کے محامل	689
کفار کے باطل معبودوں کی پرستش کا بطلان	690
دوزخ میں ابلیس کے پیروکاروں کا جھگڑنا	690
رسول اللہ ﷺ کو تسلی فرمانا	691
حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ	693
الشعراء: ۱۰۶ سے علماء دیوبند کا انبیاء علیہم السلام کو اپنا بھائی کہنے پر استدلال اور مصنف کا اس پر رد بلیغ	694
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنا بھائی کہنے کے عدم جواز پر مصنف کے دلائل	694
حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم عاد کا قصہ	701
حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کا قصہ	707
"طلعہا" کا معنی	708
"ہضیم" کے معنی	708
حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ	714
عمل قوم لوط کی سزا	717
عورتوں کی باہم جنس پرستی کا حکم	718
جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال	719
جانور کو قتل کرنے کا وجوب	720
جانوروں کے ساتھ بدفعلی کرنے کے متعلق فقہاء احناف کا مسلک	720
حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ	723
﴿سورۃ النمل ۲۷﴾	745

عنوان	صفحہ
سورۃ النمل کا اجمالی تعارف	747
سورۃ النمل کی سورۃ الشعراء کے ساتھ مناسبت	747
سورۃ النمل کے مقاصد	747
حروف مقطعات کے محامل	750
دنیا اور آخرت میں مومنین کی صفات	750
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ	751
پچھلے گناہوں کو چھوڑ کر آئندہ زندگی میں توبہ کرنے والوں کے لیے نوید	753
حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ	757
حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولیوں کا علم عطا فرمایا جانا	758
حضرت سلیمان علیہ السلام کا چیونٹیوں کی بات سننا	759
ہدہد پر حضرت سلیمان علیہ السلام کا عتاب	760
ہدہد کے واقعہ پر مصنف کا تبصرہ	762
بلقیس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت گزار ہو کر اسلام قبول کر لینا	767
اولیاء اللہ کی کرامت کا ثبوت اور ان کی قوت کا جنات کی قوت سے زیادہ ہونا	770
حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کا قصہ	775
حضرت لوط علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ قصہ	779
اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور ان کی توحید پر دلائل	783
مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر دلائل	791
رسول اللہ ﷺ کے خلاف کفار کی سازش اور اس کی سزا	792
کفار کی وعید کا کچھ حصہ ان پر نازل ہونا	792

عنوان	صفحہ
"البکی" کا معنی	793
کینہ اور حسد کی مذمت	794
بنی اسرائیل کن چیزوں میں اختلاف کرتے تھے	795
سماع موتی کی تحقیق	796
سماع موتی کے متعلق احادیث اور آثار	797
دابۃ الارض کی تحقیق	799
قیامت کے دن کفار کے احوال	802
رات اور دن کے توارد اور دوسرے امور سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلائل	803
صور میں پھونکنے کی تحقیق	804
رسول اللہ ﷺ کے خود سے افضل قرار دینے سے منع فرمانے کی توجیہات	807
جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا ان کی تفصیل	807
سورۃ القصص ۲۸	813
سورۃ القصص کا اجمالی تعارف	815
سورۃ القصص کی وجہ تسمیہ	815
سورۃ القصص کے مشمولات	815
فرعون کے ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کے احوال	818
ایمان والوں کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی خبروں کی تخصیص کی توجیہ	818
فرعون کا زمین میں فساد	819
بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کروانے کی وجوہ	819
امام رازی کے قائم کردہ اشکال کا مصنف کی طرف سے جواب	820
بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات	820
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کا قصہ	821
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ	821
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے فارغ ہونے کی توجیہات	825
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دوسری دودھ پلانے والیوں کا دودھ نہ پینے کی توجیہ	826
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوانی اور جوانی کے بعد کے احوال	829
"الاشد" اور "الاستویٰ" کے معانی	829
چالیس سال کی عمر میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی حکمت	830
حکمت اور علم کے متعلق دیگر مفسرین کی عبارات	831
منکرین عصمت انبیاء کے دلائل	833
منکرین عصمت انبیاء کے جوابات	834
امام رازی کے مذکورہ جوابات پر مصنف کا تبصرہ	835
قبطی کو قتل کرنے کے متعلق دیگر مفسرین کی تحقیق	835
ظالم حکمرانوں کی ملازمت کرنے کا عدم جواز	836
بحث مذکور میں معتزلہ کا مذہب	838
مدین کی بستی کے متعلق مؤرخین کے متعدد اقوال	842
اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی عبارت پر مصنف کا تبصرہ	844
اس پر دلائل کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کا قصد نہیں کیا تھا	845

عنوان	صفحہ
اس سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت شعیب علیہ السلام کی دو بیٹیوں سے ملاقات	846
اُن لڑکیوں کے اپنی بکریوں کو پانی تک پہنچنے سے روکنے کی وجوہ	846
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُن لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلانے کی کیفیت	847
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کھانے کی طلب کی دعا کرنے کی توجیہ	848
حضرت شعیب علیہ السلام کے اپنی بیٹی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجنے کی توجیہ	849
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیوار بنانے کی اجرت کو طلب کرنے کو پسند کرنا اور پانی پلانے کی اجرت کی طلب کو ناپسند کرنے میں تعارض کا جواب	850
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قوی اور امانت دار ہونے پر قرائن	851
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی سے نکاح کی کیفیت	852
لڑکی والوں کی طرف سے نکاح کی پیش کش کرنے کا جواز	852
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا عطا کیا جانا	853
لفظ ان شاء اللہ کہنے کے ساتھ عقدِ نکاح کے جواز کی توجیہ	854
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام سے رخصت ہو کر مصر کی طرف روانہ ہونا	857
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ لینے کے لیے جانا	858
درخت سے اللہ عزوجل کا کلام سننے کے متعلق مفسرین کی عبارات	859
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا سانپ بن جانا	863
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے متعلق مختلف اقوال	864
پچھلی قوموں کے کفار کو ہلاک فرمانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنانا	872
ہمارے نبی ﷺ کی رسالت پر کفار کے اعتراض کا جواب	876
انسانی خواہش کی تین قسمیں	877
نبی ﷺ کے ساتھ پیدا ہونے والے شیطان کا مسلمان ہونا	878
ایک کے بعد دوسرا قول نازل فرمانے کے محامل	880
جن لوگوں کو نزولِ قرآن سے پہلے کتاب عطا فرمائی تھی، اُن کے مصادیق	881
مومنین سابقین کو دگنا اجر عطا فرمانے کی وجوہ	882
ابوطالب کے اسلام کے متعلق مفسرین کرام کی آراء	883
ابوطالب کے اسلام لانے کی روایت پر امام بیہقی اور علامہ ابی کا تبصرہ	885
ابوطالب کے اسلام لانے کی روایت پر علامہ آلوسی کا تبصرہ	885
القصص:۵۶ اور الشوریٰ:۵۲ میں تعارض کا جواب	886
القصص:۵۶ اور الشوریٰ:۵۲ میں تعارض کے دیگر جوابات	886
توحید پر اللہ عزوجل کے دلائل اور کفار کو زجر و توبیخ	893
قارون اور اس کے مال و دولت پر تکبر کرنے اور اس	

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
کو زمین میں دھنسانے کا قصہ	900	پچھلی امتوں کے احوال سے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا	934
تواضع اور انکسار کرنے والے مومنین کے لیے دائمی اجر و ثواب	908	علامہ اسماعیل حقی کی ذکر کردہ روایت پر مصنف کا تبصرہ	934
"لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ" کے محامل	910	مرنے کے بعد دوبارہ زندہ فرمانے پر دلائل	935
(سورۃ العنکبوت ۲۹)	917	اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونے اور ان سے مغفرت کی دعا نہ کرنے پر وعید	937
سورۃ العنکبوت کا اجمالی تعارف	919	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے منکروں کا تذکرہ	938
سورۃ العنکبوت کے نام کی توجیہ	919	عقائد میں اندھی تقلید کا مذموم ہونا	939
سورۃ العنکبوت کا زمانہ نزول	919	حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ	940
سورۃ العنکبوت کے مضامین	919	حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہم جنس پرستی	942
صرف دعویٰ ایمان کافی نہیں بلکہ اس کے ثبوت کے لیے آزمائشوں کی بھٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے	922	مختلف نافرمان قوموں پر نزول عذاب کی مختلف کیفیات	946
مرنے کے بعد حساب کتاب کی تیاری کی ترغیب	924	عالم دین کی تعریف اور اس کی شرائط	950
اللہ تعالیٰ کا سارے جہاں سے مستغنی ہونا	924	تبیان القرآن جلد رابع کی تکمیل	950
ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید	926	کلمات تشکر	951
اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اطاعت کرنے کی ممانعت	926	تبیان الفرقان فی تفسیر القرآن جلد رابع کی ڈائری	952
منافقوں اور کافروں کی مذمت	927	مصادر التحقیق فی تبیان الفرقان	953
حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ	930		
عمر میں اضافہ کا باعث فضیلت ہونا	932		
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ	932		

الخطبه

الحمد لله الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا، والشکر لله ذی العزة القاهرة والقدرة الباهرة الذی اوجدنا بعد العدم وجعلنا الخیار الوسط من الأمم وعولنا عوارف لاتحصی الذی انزل الینا الفرقان الکریم والقرآن العظیم وعد فیه وبشر واوعد وحذر وامر ونھی وجعله الوسیلة العظمی والذریعة الفائزة۔

وافضل الصلوات والتسلیمات علی رسوله العظیم سیدنا محمدن الکریم شفیع الخلائق فی یوم الدین صاحب المقام المحمود والحوض المورود الناھض باعباء الرسالة وتبلیغ الکافیة صلی الله تعالی علیه وعلی آله واصحابه وازواجه صلوة مستمرة الدوام جدیدة علی مر اللیالی والایام۔

اما بعد! فقد ذکرت فی تبیان الفرقان مباحث التفسیر وجمعت فیه احادیث النذیر والبشیر وحملت خواطری فیه علی التعب الخطیر فلیتصوب المرء فی تقریری وتحریری ولیعتذر فی تقصیری وخطئی وما ابرئ نفسی عن الخطأ والنسیان وعلی الله التکلان وهو کثیر الغفران وحسبنا الله ونعم الوکیل نعم المولی ونعم النصیر۔

سبحان الله والحمد لله والله اکبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم، لآ اله الا الله وحدہ لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر اللهم اغفرلی خطیئتی وجهلی واسرافی فی امری وما انت اعلم به منی انت المقدم وانت المؤخر وانت علی کل شیء قدیر۔ آمین یا رب العالمین بجاہ نبیک وحبیبک سید المرسلین!

ترجمۃ الخطبہ

تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے ساتھ مخصوص ہیں جنہوں نے اپنے محبوب بندہ پر تدریجا الفرقان (قرآن کریم) نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والے ہو جائیں، اور تمام نعمتوں کا شکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے جو بہت غلبہ والے ہیں اور بہت قدرت والے ہیں، جو ہم کو عدم سے وجود کی طرف لائے اور انہوں نے ہم کو تمام امتوں میں سے بہترین امت بنایا اور ہم کو بے شمار معارف عطا فرمائے، جنہوں نے ہماری طرف فرقان کریم اور قرآن عظیم کو نازل فرمایا، اس میں نیک اعمال کرنے پر اجر کا وعدہ ہے اور بشارت ہے اور بداعمالیوں پر وعید ہے اور عذاب سے ڈرایا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور کسی کام سے اللہ تعالیٰ کا منع فرمانا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس فرقان کو عظیم وسیلہ قرار دیا اور کامیابی کا ذریعہ بنایا۔

اور سب سے افضل درود اور سلام اس کے عظیم رسول پر نازل ہوں جن کا نام نامی سیدنا محمد (ﷺ) ہے، وہ کریم ہیں اور قیامت کے دن تمام مخلوقات کی شفاعت فرمانے والے ہیں، مقام محمود اور حوض کوثر پر فائز ہیں، جو رسالت کے بوجھ اور اس کی ذمہ داریوں کو اٹھانے والے ہیں اور کافی تبلیغ کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر صلوٰۃ بھیجیں اور ان کی آل پر اور ان کے اصحاب پر اور ان کی ازواج پر ایسی صلوٰۃ جو ہمیشہ دن اور رات کے گزرنے کے ساتھ تازہ بہ تازہ نازل ہوتی رہے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد! میں نے "تبیان القرآن" میں تفسیر کے مباحث ذکر کیے ہیں اور رسول معظم کی احادیث کو جمع کیا ہے جو عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور ثواب کی بشارت دینے والے ہیں، میں نے اپنے دل میں اس عظیم کام کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھایا ہے، پس میں نے آیات کی جو تفسیر اور تقریر کی ہے اس میں کوئی شخص صواب کا پہلو تلاش کرے اور جو مجھ سے تقصیر اور خطا ہو گئی اس میں مجھ کو معذور قرار دے اور میں اپنے آپ کو خطاء اور نسیان سے بری نہیں سمجھتا اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ ہے اور وہ بہت مغفرت فرمانے والے ہیں اور ہمیں اللہ کافی ہیں اور وہ اچھے کارساز ہیں کیا خوب مالک ہیں اور کیا خوب مددگار ہیں!

اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک ہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اللہ سب سے بڑے ہیں، اللہ بزرگ و برتر کی مدد کے بغیر نہ گناہوں سے باز رہنا ممکن ہے اور نہ نیکی کرنا ممکن ہے، انہیں کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہیں، اے اللہ! میری خطاؤں کو معاف فرما دیں اور جہالت سے کیے ہوئے میرے کاموں کو اور معاملات میں حد سے بڑھنے کو (معاف فرما دیں)، اور ان گناہوں کو معاف فرما دیں جن کو آپ مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں، آپ ہی مقدم کرنے والے ہیں اور آپ ہی مؤخر کرنے والے ہیں اور آپ ہر چیز پر قادر ہیں، اے رب العالمین! اس دعا کو اپنے نبی اور حبیب سید المرسلین ﷺ کے وسیلہ سے قبول فرمائیں۔

سلسبیل (افتتاحیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم!

اللہ جل شانہٗ کی بے حد و بے حساب ظاہری اور باطنی نعمتوں پر ہر لحظہ سپاس گزاری ہو اور اس کے افضل الرسل سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر ہر آن مشام جان کو معطر کرنے والے صلوٰۃ وسلام کے گلہائے عقیدت نچھاور ہوں، جنھوں نے انتہائی کم علم اور کم عمل شخص کو اتنا نوازا جتنا کبھی اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ میری تمناؤں اور آرزوؤں کے اتھاہ سمندروں میں کبھی یہ قطرۂ امید پیدا نہ ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کمزور، ناتواں اور ہیچ مداں شخص کو قرآن مجید کی تفاسیر اور احادیث صحیحہ کی تشریحات لکھنے کا موقع فراہم فرمائیں گے۔

اللہ کریم کا بے حد شکر ہے جنھوں نے پہلے میرے ہاتھوں شرح صحیح مسلم کی تکمیل فرمائی، پھر مجھے تبیان القرآن کے نام سے تفسیر القرآن لکھنے کی عزت عطاء فرمائی اور اس کے بعد پھر میرے ناتواں ہاتھوں سے صحیح البخاری کی شرح نعم الباری کو تکمیل سے نوازا۔ میں اب عمر کے اس حصے میں پہنچ چکا ہوں اور ان گنت سخت اور جان لیوا بیماریوں کے تسلسل سے اس مرحلہ پر آچکا ہوں جہاں انسان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سکون اور عافیت کے ساتھ زندگی کے بقیہ ایام گزار دیں اور عمر کے اس حصے میں انسان اپنے آپ کو کسی بڑے اور اہم کام کا اہل نہیں سمجھتا لیکن ہمیشہ سے میری یہ خواہش رہی ہے کہ اس حیاتِ مستعار کا جو وقت بھی اللہ تعالیٰ کے دین متین کی خدمت میں گزر جائے وہی زندگی کا حاصل ہے، سو اس نیت سے میں نے ایک نئے عزم اور ولولہ کے ساتھ "تبیان الفرقان فی تفسیر القرآن" لکھنے کا حوصلہ کیا، میں نے اس تفسیر کی پہلی جلد کو لکھنے کی ابتداء ۲ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ/ 2 مئی ۲۰۱۴ء بروز جمعۃ المبارک کو کی تھی اور ۵ ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ/ یکم اکتوبر ۲۰۱۴ء بروز بدھ اس کی پانچ پاروں پر مشتمل پہلی جلد مکمل ہو چکی ہے اور ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ/ ۱۴ مارچ ۲۰۱۵ء بروز ہفتہ تبیان الفرقان کی دوسری جلد بھی مکمل ہو چکی ہے، اور ۱۵ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ/ ۳ جون ۲۰۱۵ء بروز بدھ، تبیان الفرقان کی تیسری جلد بھی مکمل ہو چکی ہے، اور میں اب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مسرور ہو کر اس کی چوتھی جلد کا افتتاح کرنے لگا ہوں، میں نے اس جلد میں یہ کوشش کی ہے کہ اس میں قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ انوار تبیان القرآن سے بالکل مختلف اور بے حد آسان ہو، اور اس کی تفسیر بھی تبیان القرآن کی تفسیر سے یکسر مختلف اور بے حد سہل اور دلنشیں ہو۔

بعض آزاد خیال (Liberal) لوگوں نے قرآن مجید کی تفسیر میں جو اپنے گمراہانہ افکار سمو دیے ہیں، میں نے اپنی بساط کے مطابق پوری کوشش کی ہے کہ ان کے ملحدانہ افکار کا قلع قمع کروں اور صدہا سال سے قرآن مجید کی جو تفسیر سلف صالحین سے منقول چلی آ رہی ہے اسی کا دلائل و براہین سے احیاء کروں، میں نے اپنی اس تفسیر میں زیادہ تر احادیث صحیحہ سے استدلال کیا ہے اور اُن احادیث کے جامع اور مکمل حوالہ جات تحریر کیے ہیں، اس تفسیر میں، میں نے صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو دلائل کے ساتھ

پیش کیا ہے اور دوسرے ائمہ کرام کے مسالک کو روئے سخن نہیں بنایا ہے، اس موضوع پر میری پہلی تفسیر تبیان القرآن میں بہت زیادہ مواد پیش کیا جا چکا ہے اور دوسرے ائمہ کے مقابلہ میں فقہ حنفی کی ترجیح کو دلائل و براہین کے ساتھ رقم کیا جا چکا ہے، میں نے یہاں پر اُن مباحث کا تکرار اور اعادہ نہیں کیا، جو حضرات اُن مباحث کو تفصیل کے ساتھ پڑھنا چاہیں وہ تبیان القرآن کا مطالعہ کرلیں، نیز عقائد کی ابحاث میں، میں نے اسلام کے مُسلّمہ عقائد کو تبیان القرآن کی بہ نسبت زیادہ تفصیل اور عمدگی سے لکھا ہے اور منکرین عظمتِ رسول اور منتقصین شانِ صحابہ واہل بیت کے ردّ و ابطال میں کوئی کمی نہیں چھوڑی اور جس کے ساتھ بھی اختلاف کیا ہے اس کی عزتِ نفس کو قائم رکھا ہے اور کہیں مجروح ہونے نہیں دیا، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ اس تفسیر کو اپنی اور اپنے محبوب رسول کی بارگاہ میں مقبولیت سے نوازیں اور قیامت تک اس تفسیر کے مندرجات مینارۂ نور بنا دیں۔ آمین یارب العالمین بجاہ حبیبک سید المرسلین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۵ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ/ ۲ جون ۲۰۱۵ء
خادم الحدیث دار العلوم جامعہ نعیمیہ
بلاک 15 فیڈرل بی ایریا، دستگیر، کراچی 38

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾

خضر نے کہا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ بے شک آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے O

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾

موسیٰ نے کہا: اگر اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں، بے شک آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ چکے ہیں O

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ اِۨسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾

پس وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس پہنچ گئے تو ان دونوں نے اس بستی والوں سے کھانا طلب کیا، اس بستی والوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا، پس ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی، خضر نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا، موسیٰ نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر ضرور اجرت لے لیتے O

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

خضر نے کہا: یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت ہے، عنقریب میں آپ سے اُن کاموں کی توجیہ بیان کروں گا جن پر آپ صبر نہیں کر سکے تھے O

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾

رہی کشتی تو وہ چند مسکینوں کی ملکیت تھی جو سمندر کے پاس کام کاج کرتے تھے، پس میں نے ارادہ کیا کہ اس کشتی میں کوئی عیب ڈال دوں، اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر (صحیح سالم) کشتی کو چھین لیتا تھا O

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَاۤ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۰﴾

اور رہا لڑکا تو اس کے ماں باپ مومن تھے، پس ہمیں خطرہ ہوا کہ وہ لڑکا (بڑا ہو کر) ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گا O

فَاَرَدْنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾

پس ہم نے یہ ارادہ کیا کہ اُن دونوں کے رب اس کے بدلے میں ان کو ایسا بیٹا عطا فرمائیں جو اس سے زیادہ پاکیزہ ہو اور اس سے زیادہ رحم دل ہو O

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًاۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَ یَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖۗ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَۚ وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْؕ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ؕ۸۲

اور رہی دیوار تو وہ دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی جو شہر میں رہتے تھے اور اس دیوار کے نیچے ان دونوں کا خزانہ (مدفون) تھا اور ان دونوں کا باپ مرد نیک تھا، پس آپ کے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں یتیم لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے اپنا خزانہ نکال لیں، اور میں نے یہ کام اپنی رائے سے نہیں کیا، یہ ان کاموں کی توجیہ ہے جن پر آپ صبر نہیں کر سکے تھے ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”خضر نے کہا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ بے شک آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے ○“ (الکہف: ۷۵)

حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان مزید عہد و پیمان

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ، الکہف: ۷۵ تا ۸۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا“: حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال کرنے پر ملامت کی اور انہیں ان کا معاہدہ یاد دلایا تو صرف یہ کہا: ”اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا“۔ اور یہ وہی قول ہے جو انہوں نے پہلے مسئلہ میں کہا تھا مگر یہاں پر ”لَكَ“ کا لفظ زائد فرمایا ہے، کیونکہ یہ لفظ زجر و توبیخ میں اضافہ کرتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”موسیٰ نے کہا: اگر اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں، بے شک آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ چکے ہیں ○“ (الکہف: ۷۶)

”قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا“: یعقوب کے سوا باقی قراء نے اس آیت کو الف کے ساتھ ”فَلَا تُصٰحِبْنِیْ“ پڑھا ہے اور یعقوب نے اس لفظ کو بغیر الف کے ”لَا تَصْحَبْنِیْ“ پڑھا ہے، اور دونوں لفظوں کا معنی واحد ہے۔

”قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا“: ”مِنْ لَّدُنِّیْ“ میں کئی قراءات ہیں، نافع اور ابوبکر نے اس لفظ کو نون کی تخفیف اور دال کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے، اور ابن کثیر اور ابن عامر وغیرہما نے دال کے پیش اور نون مشددہ کے ساتھ پڑھا ہے، اور یہ اس لفظ میں کئی قراءات ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”پس وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس پہنچ گئے، تو ان دونوں نے اس بستی والوں سے کھانا طلب کیا، اس بستی والوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا، پس ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی، خضر نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا، موسیٰ نے

کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر ضرور اجرت لے لیتے O" (الکہف: ۷۷)

"فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ﹰاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا": اس بستی کا نام "انطاکیہ" ہے اور دوسرا قول ہے کہ اس بستی کا نام "الایلہ" ہے، اور یہاں پر چند سوالات ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کھانا طلب کرنے کی توجیہ

(۱) معزز لوگوں کا طریقہ کھانے کا سوال کرنا نہیں ہوتا، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن بستی والوں سے کھانے کو کیوں طلب کیا؟ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ جب وہ مدین کے پانی پر گئے تو انہوں نے کہا: "رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۔(القصص: ۲۴)" (اے میرے رب! میں اس کھانے کا محتاج ہوں جو آپ میری طرف نازل فرمائیں)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں سے سوال نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی ضرورت کا سوال صرف اللہ تعالیٰ سے کرتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بھوکے شخص کا کھانے کو طلب کرنا ہر شریعت میں مباح ہے، بلکہ جب انسان کو شدید بھوک ہو اور اس کو ہلاکت کا خطرہ ہو تو پھر کھانے کا سوال کرنا واجب ہے۔

بعض صورتوں میں مہمان نوازی کا واجب ہونا

(۲) مہمان نوازی کرنا مستحب ہے اور مستحب کے تارک پر ملامت نہیں کی جاتی، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام جن کا اتنا بلند مرتبہ تھا وہ ان بستی والوں کے مہمان نوازی کے ترک کرنے پر کیوں اس قدر شدید غضب میں آئے جس کی وجہ سے انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ کئے ہوئے کچھ معاہدوں کو ترک کر دیا کہ وہ ان سے سوال نہیں کریں گے، اور اگر اس کے بعد کوئی سوال کیا تو پھر آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ اور ایک رات میں کھانا نہ ملنے کی وجہ سے اس قدر شدید غضب میں آنا عام لوگوں کے لائق بھی نہیں ہے، چہ جائیکہ کلیم اللہ ایسا کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مطلقاً مہمان نوازی کرنا مستحبات میں سے نہیں ہے بلکہ کبھی مہمان نوازی کرنا واجب ہوتا ہے، جب کہ مہمان شدید بھوک میں مبتلاء ہو کہ اگر وہ کچھ نہیں کھائے گا تو ہلاک ہو جائے گا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غضب ناک ہونا ایک دن کھانے کے ترک کرنے کی وجہ سے نہیں تھا، اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھوک کی اس حد کو نہیں پہنچے تھے کہ اگر نہ کھاتے تو ہلاک ہو جاتے، کیونکہ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: "لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا"، اور وہ اس دیوار کی مرمت پر اجرت کو طلب کر رہے تھے، اگر وہ بھوک ہلاکت کی حد تک پہنچی ہوئی ہوتی تو وہ دیوار کی مرمت کرنے پر قادر نہ ہوتے، پھر اُن سے اجرت کو طلب کرنا کیونکر صحیح ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ وہ بھوک بہت شدید تھی لیکن اس حد تک نہیں پہنچی تھی کہ اگر وہ کچھ نہ کھاتے تو ہلاک ہو جاتے۔

(۳) اس آیت میں فرمایا ہے: "فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ"، پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ دیوار کے متعلق یہ

کہنا کس طرح صحیح ہے کہ وہ گرنے کا ارادہ کر رہی تھی، حالانکہ ارادہ کرنا زندہ لوگوں کی صفات میں سے ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دیوار کے لیے ارادہ کا لفظ بہ طور استعارہ فرمایا ہے، اور اس کی نظیر قرآن مجید میں ہے: "ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۗ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآىِٕعِيْنَ۔ (حم السجدہ: ۱۱)" (پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی جب کہ وہ دھواں تھا، پس اسے اور زمین سے فرمایا: "تم خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو جاؤ"، دونوں نے عرض کیا: "ہم بہ خوشی حاضر ہیں")۔ اس آیت میں آسمان اور زمین کی طرف خوشی سے حاضر ہونے کی نسبت فرمائی ہے، حالانکہ خوشی سے حاضر ہونا بھی زندوں اور جانداروں کی صفت ہے، سو یہ بھی بہ طور استعارہ ہے۔

"فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا" کی جگہ "فَاَتَوا اَن يضيفوهما" پڑھنے کی تحقیق

(۴) امام رازی فرماتے ہیں کہ میں نے بعض حکایات میں پڑھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اُن بستی والوں کی نسل کے لوگوں نے یہ سنا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے (کہ ان بستی والوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضیافت نہیں کی) تو ان کو بہت حیاء آئی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سونا لے کر آئے اور کہا: یا رسول اللہ! آپ یہ سونا لے لیں اور اس آیت "فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا" میں باء کو تاء سے تبدیل فرما دیں تاکہ یہ اس طرح ہو جائے "فَاَتَوا اَن يضيفوهما" یعنی وہ بستی والے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مہمان نوازی کے لیے کھانا لے کر آئے، اور انہوں نے کہا: اس سے ہماری غرض یہ ہے کہ ہم سے ملامت کا یہ داغ دور ہو جائے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کھانا نہیں کھلایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار فرمایا اور فرمایا: قرآن مجید میں ایک نقطے کو بدلنا اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کے دخول کو واجب کرتا ہے اور اس سے الوہیت میں طعن پیدا ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "خضر نے کہا: یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت ہے، عنقریب میں آپ سے اُن کاموں کی توجیہ بیان کروں گا جن پر آپ صبر نہیں کر سکے تھے O" (الکہف: ۷۸)

حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فراق

"قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا":

اس جگہ پر یہ سوال ہے کہ "هٰذَا فِرَاقُ" میں "هٰذَا" کا اشارہ کس کی طرف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر اس کے بعد انہوں نے کوئی سوال کیا تو اُن کی حضرت خضر علیہ السلام سے مفارقت ہو جائے گی، کیونکہ انہوں نے کہا تھا: "اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ"، پھر جب انہوں نے اس سوال کا ذکر کیا تو حضرت خضر علیہ السلام اُن سے الگ ہو گئے اور کہا: یہ وہ فراق ہے جس کا آپ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ پھر حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: "سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا" یعنی عنقریب میں آپ سے ان تین مسائل کی حکمت بیان کروں گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "رہی کشتی تو وہ چند مسکینوں کی ملکیت تھی جو سمندر کے پاس کام کاج کرتے تھے، پس میں نے ارادہ کیا کہ اس کشتی میں کوئی عیب ڈال دوں، اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر (صحیح سالم) کشتی

کو چھین لیتا تھا" (الکہف: ۷۹)

جن تین مسائل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے اختلاف کیا، ان کی توجیہ

"اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا": یہ تینوں مسائل (بے قصور لڑکے کو قتل کرنا، صحیح سالم کشتی کی دیوار توڑنا اور بغیر اجرت کے بستی والوں کی دیوار بنا دینا) ایک چیز میں مشترک ہیں اور وہ یہ ہے کہ انبیاء صلوات اللہ علیہم کے احکام ظاہر پر مبنی ہوتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مجھے حکم فرمایا گیا ہے کہ میں ظاہر کے مطابق فیصلہ کردوں اور باطن کا حال اللہ کے سپرد ہے"۔ (مسند الشافعی: ۸)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو مسجد میں آ کر بیٹھ گئے، پس جو لوگ غزوۂ تبوک میں آپ کے ساتھ نہیں گئے تھے وہ آئے اور عذر پیش کرتے رہے اور قسمیں کھاتے رہے اور یہ اسی (۸۰) سے زیادہ مرد تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہر کو قبول فرما لیا اور ان کو بیعت فرما لیا اور ان کے لیے استغفار فرمایا اور ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد فرما دیا۔

(صحیح البخاری: ۴۴۱۸، ۴۶۷۷، صحیح مسلم: ۲۷۶۹، الرقم المسلسل: ۶۹۳۷، رقم حدیث الباب: ۵۳، ابوداؤد: ۲۲۰۲، سنن نسائی: ۳۴۲۳)

حضرت خضر علیہ السلام کے امور ظاہر پر مبنی نہیں ہوتے تھے بلکہ اسباب حقیقیہ واقعیہ پر مبنی ہوتے تھے، کیونکہ پہلے مسئلہ میں یعنی کشتی کی دیوار کو توڑنے میں شرعی حکم یہ تھا کہ لوگوں کے اموال میں تصرف کرنا حرام ہے، کیونکہ کشتی کی دیوار توڑنا کسی انسان کی ملکیت میں بغیر کسی ظاہری سبب کے نقص پیدا کرنا ہے، اور دوسرے مسئلہ میں لڑکے کو بغیر قصور کے قتل کرنا بغیر قصاص کے شرعاً صحیح نہیں ہے، اور تیسرے مسئلہ میں ٹوٹی ہوئی دیوار کی مرمت بغیر اجرت کے مناسب نہیں ہے۔ اور ان تینوں مسائل میں حضرت خضر علیہ السلام کا فیصلہ کرنا اسباب ظاہرہ معلومہ کے خلاف ہے، بلکہ یہ ان اسباب پر موقوف ہے جو نفس الامر میں معتبر ہیں۔ اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت عقلیہ عطا فرمائی تھی جس کی وجہ سے وہ بواطن امور پر مطلع تھے اور حقائق اشیاء کو جانتے تھے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ ظاہر شرع کے اعتبار سے تھا اور حضرت خضر علیہ السلام کا مرتبہ بواطن اشیاء اور حقائق امور کے اعتبار سے تھا۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کا علم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم سے زائد تھا۔ اور ان تینوں مسئلوں سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ جب دو قسم کے ضرر میں تعارض ہو تو اعلیٰ ضرر کو دور کرنے کے لیے ادنیٰ ضرر کو برداشت کر لینا چاہیے۔

پہلے مسئلہ میں حضرت خضر علیہ السلام کو علم تھا کہ اگر وہ اس کشتی کی دیوار کو نہ توڑیں تو ظالم بادشاہ اس کشتی کو چھین لے گا اور اس کشتی کے منافع بالکلیہ زائل ہو جائیں گے۔ اب ان دو چیزوں میں تعارض ہو گیا، ایک یہ کہ کشتی کی دیوار توڑ کر اس میں عیب ڈال دیں اور یہ کشتی اس کے مالکوں کی ملک میں باقی رہے اور دوسرا یہ کہ کشتی کی دیوار نہ توڑیں اور ظالم بادشاہ اس کو غصب کر لے تو اس کی منفعت بالکلیہ مالکوں سے زائل ہو جائے گی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلا ضرر دوسرے ضرر سے کم درجہ کا ہے۔

رہا دوسرا مسئلہ وہ بھی اسی طرح سے ہے کیونکہ اس لڑکے کا زندہ رہنا اس کے ماں باپ کے دین اور دنیا میں فساد کا موجب تھا تو حضرت خضر علیہ السلام نے وحی سے جان لیا کہ اس لڑکے کو قتل کرنے کا جو ضرر ہے اس لڑکے کو زندہ چھوڑنے کے ضرر سے زیادہ ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے اس کے ماں باپ کے کفر اور سرکشی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے، اس وجہ سے حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کو قتل

کرنے کا اقدام کیا۔

اور رہا تیسرا مسئلہ اور وہ ہے بغیر اجرت کے دیوار کی مرمت کر دینا، کیونکہ اگر اس دیوار کی مرمت نہ کی جاتی تو اس سے یتیموں کا مال ضائع ہو جاتا اور اس کا ضرر زیادہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بواطن اشیاء پر اطلاع کے ساتھ مخصوص تھے اور ان کو ان اشیاء کے حقائق کا علم تھا، اور وہ اس کے ساتھ خاص فرمائے گئے تھے کہ احکامِ حقیقیہ کو احوالِ باطنہ پر مرتب کریں اور رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام تو وہ اس طرح نہ تھے بلکہ ان کا علم ظاہر شرع پر مبنی تھا، پس ضروری ہوا کہ ان دونوں کے علم میں فرق ہو، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کی صفت میں فرمایا: "وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ (الکہف: ۶۵)"، پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علمِ شریعت میں مرتبہ کامل تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس جہان کے لیے مبعوث فرمایا، کیونکہ وہ علمِ شریعت میں کامل تھے۔

الکہف: ۷۹ کے چند فوائد

"اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا۔ (الکہف: ۷۹)": (رہی کشتی تو وہ چند مسکینوں کی ملکیت تھی جو سمندر کے پاس کام کاج کرتے تھے، پس میں نے ارادہ کیا کہ اس کشتی میں کوئی عیب ڈال دوں، اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر (صحیح سالم) کشتی کو چھین لیتا تھا)۔

پہلا فائدہ: یہ کشتی اُن لوگوں کی ملکیت تھی جو محتاج اور ضرورت مند تھے اور اپنی معیشت کا سامان حاصل کرنے کے لیے سمندر کے کنارے کام کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو مسکین فرمایا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ ضرر اور حاجت میں فقیر کا حال مسکین سے زیادہ شدید ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مسکین فرمایا ہے، حالانکہ وہ لوگ کشتی کے مالک تھے۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، لکھتے ہیں:

مسکین اس کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، اور جب ان لوگوں کی ملکیت میں کشتی تھی تو پھر یہ مسکین کیسے ہوئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کشتی اُن کے پاس عاریۃً تھی اور اس آیت میں "لام" اختصاص کے لیے ہے ملکیت کے لیے نہیں ہے، لیکن یہ قول ظاہر کے خلاف ہے اور بغیر دلیل کے اس کو قبول نہیں کیا جائے گا، اس لیے صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں مسکین کا لفظ فقہاء کے اصطلاحی معنی کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ مسکین سے عرفی معنی مراد ہے۔ (روح المعانی، جز ۱۵ ص ۱۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

دوسرا فائدہ: حضرت خضر علیہ السلام نے یہ بتایا کہ اس علاقہ میں ایک ظالم بادشاہ تھا جو اس کشتی کو چھین لیتا تھا جس میں کوئی عیب اور نقصان نہ ہو، تو انہوں نے اس وجہ سے اس کشتی کی دیوار کو توڑ ڈالا تاکہ وہ کشتی اس ظالم بادشاہ کے غصب کرنے سے محفوظ رہے، کیونکہ کشتی کی دیوار توڑنے کا ضرر اس سے کم ہے کہ پوری کشتی کو ظالم بادشاہ غصب کر لے۔

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا کسی اجنبی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس غرض کے حصول کے لیے غیر کے ملک میں تصرف کرے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعتوں کے اختلاف سے اس کا حکم مختلف ہے، پس ہو سکتا ہے کہ اُن کی شریعت میں یہ جائز ہو اور ہماری شریعت میں اس حکم کی مثل بعید نہیں ہے، کیونکہ جب ہمیں معلوم ہو کہ لوگ ڈاکہ ڈالتے ہیں اور کسی انسان کی تمام املاک کو چھین لیتے

ہیں تو اگر ہم اس ڈاکو کی طرف کچھ تھوڑا مال دے دیں تاکہ باقی مال محفوظ رہے تو ہمارے اس اقدام کی تحسین کی جائے گی کہ ہم ڈاکو کو کچھ مال دے کر باقی مال کی حفاظت کرلیں۔

میں کہتا ہوں کہ امام رازی کے دور میں تو ہو سکتا ہے کہ ڈاکو کچھ مال پر قناعت کرلیں، ہمارے دور میں تو ایسا ممکن نہیں ہے، اور جب تک ڈاکو پورا مال نہ لوٹ لیں، وہ مالک کو نہیں چھوڑتے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

تیسرا فائدہ: کشتی کی دیوار توڑنے کے سلسلہ میں ضروری یہ ہے کہ کشتی کو اس طرح نقصان نہ پہنچایا جائے کہ کشتی بالکلیہ ضائع ہو جائے، اور ایسی صورت میں کشتی کی دیوار توڑنا جائز نہیں ہوگا۔

چوتھا فائدہ: اس آیت میں فرمایا ہے: "وَّ كَانَ وَرَآءَهُمْ" اور لفظ وراء کا معنی ہے کہ اُن کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر سالم کشتی کو چھین لیتا تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: "مِنْ وَّرَآىٕهِمْ جَهَنَّمُ۔ (الجاثیہ: ۱۰)" (اُن کے آگے دوزخ ہے)، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَیَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا۔ (الدہر: ۲۷)" (اور وہ قیامت کے بھاری دن کو اپنے آگے چھوڑ دیتے ہیں)۔ اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو تم سے غائب ہو تو وہ تم سے چھپ گئی اور تم اس سے چھپ گئے اور وہ چیز "وراء" ہو گئی، اور ہر وہ چیز جو تم سے غائب ہو وہ تمہارے "وراء" ہے اور تمہارے آگے ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور رہا لڑکا تو اس کے ماں باپ مومن تھے، پس ہمیں خطرہ ہوا کہ وہ لڑکا (بڑا ہو کر) ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گا ○" (الکہف: ۸۰)

حضرت خضر علیہ السلام کے لڑکے کو قتل کرنے کی توجیہ

"وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَاۤ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا": کہا گیا ہے کہ وہ لڑکا بالغ تھا اور وہ ڈاکہ ڈالتا تھا اور غلط اور ناجائز کام کرتا تھا، اور اس لڑکے کے ماں باپ بیٹے کی محبت کی وجہ سے لوگوں کی سزا سے اس لڑکے کو بچانے کے محتاج تھے اور یہ اس کے ساتھ تعصب کی وجہ سے تھا اور وہ لڑکا جو برے کام کرتا تھا تو وہ اس لڑکے کو بچانے کے لیے برے کاموں کا انکار کرتے تھے اور اس وجہ سے اس لڑکے کے ماں باپ فسق میں مبتلا ہو گئے۔ اور بعض اوقات یہ فسق کفر تک پہنچا دیتا ہے، اس وجہ سے حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ ہمیں یہ خوف ہوا کہ وہ لڑکا اپنے ماں باپ کو سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ لڑکا نابالغ تھا مگر اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اگر یہ بالغ ہو گیا تو اس سے یہ مفاسد ظاہر ہوں گے۔

اور اس آیت میں فرمایا ہے: "فَخَشِیْنَاۤ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا" اس آیت میں خشیت خوف اور غلبہ ظن کے معنی میں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کے لیے اس کو مباح قرار دیا تھا کہ جس کے متعلق فساد کا غلبہ ظن ہو اس کو قتل کر دیا جائے۔

اس آیت کے دو محمل ہیں:

(۱) وہ لڑکا اپنے ماں باپ کو سرکشی اور کفر پر برانگیختہ کرے گا، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا۔ (الکہف: ۷۳)" (اور اس معاملہ کو میرے لیے سخت نہ بنائیں)۔ یعنی مجھ کو مشکل اور تنگی میں مبتلا نہ کریں، کیونکہ اس لڑکے کے ماں باپ اس لڑکے سے محبت کی وجہ سے اس کی طرف سے مدافعت کرنے کے محتاج تھے۔ اور بسا اوقات یہ احتیاج ان برے کاموں

کی موافقت ہوتی۔

(۲) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ لڑکا اپنے ماں باپ کے ساتھ ایسا سلوک کرتا تھا جیسا سرکش کفار کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا اس قسم کے گمان کی وجہ سے کسی کو قتل کرنا جائز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ گمان اللہ تعالیٰ کی وحی سے مؤکد ہو جائے تو پھر جائز ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس ہم نے یہ ارادہ کیا کہ اُن دونوں کے رب اس کے بدلے میں ان کو ایسا بیٹا عطا فرمائیں جو اس سے زیادہ پاکیزہ ہو اور اس سے زیادہ رحم دل ہو O'' (الکہف:۸۱)

''فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا'': یعنی ہم نے یہ ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اس لڑکے کے ماں باپ کو اس لڑکے کے بدلے میں دین دار لڑکا عطا فرمائیں۔ اس آیت میں ''زَكٰوةً'' سے مراد پاکیزگی ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ کیا آپ نے ایک پاکیزہ نفس کو قتل کر دیا، یعنی جو حدِ بلوغ تک نہیں پہنچا تھا، اور جو نابالغ ہو وہ گناہوں سے پاک ہوتا ہے، پس حضرت خضر علیہ السلام نے بتایا کہ اگرچہ یہ نفس اس حال میں پاکیزہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ جب یہ بالغ ہو جائے گا تو کفر اور سرکشی کا اقدام کرے گا، تو ہم نے یہ ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسا بیٹا عطا فرمائیں جو بہت زیادہ پاکیزہ ہو جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہو کہ یہ بالغ ہونے کے بعد کوئی ممنوع کام نہیں کرے گا۔

اور جن مفسرین نے کہا ہے کہ وہ لڑکا بالغ تھا تو اُن کے نزدیک نفسِ زکیہ سے مراد وہ جان ہے جس نے کوئی ایسا اقدام نہ کیا ہو جس کی وجہ سے اس کو قتل کرنا واجب ہوتا ہو۔ ''وَ اَقْرَبَ رُحْمًا'': یعنی وہ لڑکا اپنے ماں باپ پر زیادہ رحم کرنے والا ہو اور ان کے ساتھ زیادہ نیکی کرنے والا ہو اور ان پر زیادہ شفیق ہو۔

روایت ہے کہ ان ماں باپ کے ہاں بعد میں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس سے ایک نبی علیہ السلام نے عقد کیا، پھر اس سے ایک نبی پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی وجہ سے ایک بہت بڑی امت کو ہدایت عطا فرمائی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور رہی دیوار تو وہ دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی جو شہر میں رہتے تھے اور اس دیوار کے نیچے ان دونوں کا خزانہ (مدفون) تھا اور ان دونوں کا باپ مردِ نیک تھا، پس آپ کے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں یتیم لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے اپنا خزانہ نکال لیں، اور میں نے یہ کام اپنی رائے سے نہیں کیا، یہ ان کاموں کی توجیہ ہے جن پر آپ صبر نہیں کر سکے تھے O'' (الکہف:۸۲)

''وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَ یَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا'':

اس آیت میں چند فوائد ہیں:

(۱) اس جگہ کو اللہ تعالیٰ نے قریہ فرمایا ہے جہاں فرمایا: ''اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ'' اور اس کو مدینہ بھی فرمایا ہے جس مقام پر فرمایا: ''وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ''۔

(۲) اس خزانہ کے متعلق اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ خزانہ مال تھا اور یہ دو اعتبار سے راجح ہے: پہلا اعتبار یہ ہے کہ لفظ "کنز" سے متبادر اور مفہوم مال ہوتا ہے، دوسرا یہ کہ اس آیت میں ارشاد ہے: "وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا" اس سے معلوم ہوا کہ وہ خزانہ مال تھا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ خزانہ علم تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا" اور جو مرد صالح ہو اس کا خزانہ علم ہوتا ہے مال نہیں ہوتا، کیونکہ مال کے خزانے کو صالح کہنا مناسب نہیں ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ (التوبہ: ۳۴)" (اور جو لوگ (زکوٰۃ نکالے بغیر) ڈھیروں سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، سوائے رسولِ اکرم! آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں)۔

میں کہتا ہوں: اس دوسرے قول پر یہ اعتراض ہے کہ اگر خزانہ سے مراد علم ہو تو یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ علم کو سینہ میں محفوظ رکھا جاتا ہے، زمین میں دفن نہیں کیا جاتا، زمین میں دفن کرنا تو صرف مال کے مناسب ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ خزانہ سونے کی تختی تھی جس پر یہ لکھا ہوا تھا: "مجھے اس پر تعجب ہوتا ہے جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے تو غمگین کیوں ہوتا ہے، اور مجھے اس پر تعجب ہوتا ہے جو رزق پر ایمان رکھتا ہے تو اپنے آپ کو مشقت اور تھکاوٹ میں کیوں مبتلا کرتا ہے، اور مجھے اس پر تعجب ہوتا ہے جو موت پر ایمان رکھتا ہے وہ خوش کیوں ہوتا ہے، اور مجھے اس پر تعجب ہوتا ہے جو حساب پر ایمان رکھتا ہے وہ غفلت کیوں کرتا ہے"۔ (تفسیر کبیر، ج ۷ ص ۴۹۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں: خزانہ کے مصداق کے متعلق درج ذیل حدیث ہے:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: وہ خزانہ سونے اور چاندی کا تھا۔

(سنن ترمذی: ۳۱۵۲، ۱۰۳ الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۸۲۳، المسند الجامع: ۱۱۰۴۹)

سنن ترمذی کی اس حدیث کے مقابلہ میں امام رازی کے ذکر کردہ اقوال کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

یتیم بچوں کے باپ کا تذکرہ

"وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا": اور ان دونوں کا باپ مرد نیک تھا۔

امام رازی لکھتے ہیں: اس آیت سے معلوم ہوا کہ آباء و اجداد کی نیکیاں ان کے بیٹوں اور پوتوں کو پہنچتی ہیں۔

جعفر بن محمد بیان کرتے ہیں کہ اُن دو لڑکوں اور اُن کے باپ کے درمیان سات آباء تھے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ، لکھتے ہیں:

سعید بن جبیر نے کہا ان کا باپ لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کرتا تھا اور ان کو ادا کرتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کے باپ کی نیکیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لڑکوں کے مال کی حفاظت فرمائی کیونکہ ان کی کوئی نیکی ذکر نہیں فرمائی، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ باپ کی نیکی کی وجہ سے اس کے بیٹے اور بیٹے کے بیٹے کے ساتھ نیکی فرماتے ہیں اور اس کی ذریت کی حفاظت فرماتے ہیں اور وہ ہمیشہ اللہ کے ستر اور ان کی حفاظت میں رہتے ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۱۲۸۸۲، ۱۲۸۸۳، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۵۴۳)

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

محمد بن منکدر نے کہا کہ اللہ عزوجل کسی ایک بندے کی نیکی کی وجہ سے اس کی اولاد، اس کی اولاد کی اولاد اور اس کے محلہ والوں کی حفاظت فرماتے ہیں۔

(الوسیط ج ۳ ص ۱۶۳، معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۴۷، النکت والعیون ج ۳ ص ۳۳۶، زاد المسیر ج ۵ ص ۱۸۲، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۱۰، تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۹۲، روح المعانی جز ۱۶ ص ۱۹۔۲۰)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

وہ ان کی پشت کے اعتبار سے ساتویں باپ تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ دسویں باپ تھے، ان کے والد کا نام کاشح تھا اور ان کی والدہ کا نام دنیا تھا۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک شخص کی حفاظت بھی فرماتے ہیں اور اس کی اولاد کی بھی حفاظت فرماتے ہیں خواہ وہ اس سے نسبت میں بعید ہوں، اور یہ بھی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک آدمی کی اولاد کی سات پشتوں تک حفاظت فرماتے ہیں اور اس پر قرآن مجید کی یہ آیت دلالت کرتی ہے: "اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ۔ (الاعراف: ۱۹۶)" (بے شک اللہ میرے مددگار ہیں جنہوں نے مجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک لوگوں کو دوست رکھتے ہیں)۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۱۱، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بعض مسلمانوں کی نیکیوں کی وجہ سے ان کے بعد والوں سے ضرر کا دور ہونا

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ۔ (البقرہ: ۲۵۱)" (اور اگر اللہ بعض لوگوں (کے شر کو) دوسرے بعض لوگوں سے دور نہ فرماتے رہتے تو (روئے زمین میں) فساد برپا ہو جاتا)۔

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں ہمیشہ سات شخص ایسے رہیں گے جن کی برکت سے تمہاری مدد فرمائی جائے گی اور جن کے وسیلہ سے تم پر بارشیں نازل ہوں گی اور جن کی وجہ سے تم کو رزق عطا فرمایا جائے گا حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں تیس ابدال ہیں، ان کی وجہ سے تم کو رزق عطا فرمایا جاتا ہے اور ان کی وجہ سے تم پر بارشیں ہوتی ہیں، قتادہ نے کہا: میرا گمان ہے کہ حسن بصری بھی انہیں میں سے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۳۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے ابدال اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوں گے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے اور جانوں کی سخاوت کی وجہ سے اور سینوں کو سلامت رکھنے کی وجہ سے اور تمام مسلمانوں پر رحمت کرنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۱۰۳۹۳)

"وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ": اور میں نے یہ کام اپنے رائے سے نہیں کیا۔

امام رازی فرماتے ہیں: میں نے ان احوال میں جو کچھ دیکھا اس کے متعلق میں نے اپنے اجتہاد اور اپنی رائے سے عمل نہیں

کیا، لیکن میں نے یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کے حکم اور ان کی وحی سے کیا ہے، کیونکہ لوگوں کے مال کو کم کرنا اور لوگوں کا خون بہانا بغیر وحی اور نصِ قطعی کے جائز نہیں ہے۔

اب یہاں پر یہ سوال باقی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: ''فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا'' اور کشتی میں عیب ڈالنے کی نسبت اپنی طرف کی ہے، نیز انہوں نے کہا: ''فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً'' اور یہاں اس لڑکے کے بدلہ میں اچھا بیٹا عطا کرنے کی نسبت اپنی اور اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے، نیز انہوں نے کہا: ''فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا'' اور یہاں پر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی ہے، پس ان آیات میں نسبتوں کے اختلاف کی کیا توجیہ ہے جب کہ یہ ایک ہی قصہ ہے اور ایک ہی فعل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے عیب کا ذکر کیا یعنی جب کشتی کی دیوار توڑنے کا ذکر کیا اور کہا: ''فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا'' تو اس کی اضافت صرف اپنی طرف کی اور جب انہوں نے اس لڑکے کو قتل کرنے کا ذکر کیا تو جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے اس لڑکے کو قتل کیا اور اس میں بہت بڑی حکمت تھی، اور جب حضرت خضر علیہ السلام نے دو یتیم لڑکوں کے خزانہ کی حفاظت کا ذکر کیا تو صرف اللہ عزوجل کی طرف نسبت کی۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ حسن کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنی چاہیے اور عیب کی نسبت اپنی طرف کرنی چاہیے، اگرچہ دونوں فعل اللہ تعالیٰ کے پیدا فرمائے ہوئے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۸۶۔ ۴۹۳ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حسن کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف اور قبح کی اضافت اپنی طرف کرنے کے شواہد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ٘ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ٘ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا٘ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا۔ (النساء: ۷۹)'' (اے مخاطب!) تمہیں جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے اور تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ تمہارے ہی نفس کی وجہ سے آتی ہے، اور (اے رسولِ اکرم!) ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ بہ طور گواہ کافی ہیں)۔ اسی اسلوب پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ (الشعراء: ۸۰)'' (اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفاء دیتے ہیں)۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس طرح دعا کرنے کی تعلیم فرمائی ہے: ''قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ٘ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ٘ بِیَدِكَ الْخَیْرُ٘ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (آل عمران: ۲۶)'' ((اے رسولِ اکرم!) آپ دعا کیجئے: اے اللہ! سلطنت کے مالک، آپ جس کو چاہتے ہیں سلطنت عطا فرماتے ہیں اور آپ جس سے چاہتے ہیں سلطنت چھین لیتے ہیں، اور آپ جس کو چاہتے ہیں عزت عطا فرماتے ہیں، اور آپ جس کو چاہتے ہیں ذلت میں مبتلا فرما دیتے ہیں، تمام بھلائی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے)۔

خیر اور شر دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں اور ان کے قبضہ وقدرت میں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں صرف خیر کا ذکر فرمایا ہے اور شر کا ذکر نہیں فرمایا، اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف حسن اور خیر کی نسبت کی جاتی ہے، عیب اور شر کی نسبت نہیں کی جاتی۔

وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ٘ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) یہ کفار آپ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے: میں عنقریب تمہارے سامنے ان کا

واقعہ بیان کروں گا O

إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾

بے شک ہم نے ان کو زمین میں اقتدار عطا فرمایا تھا اور انہیں ہر طرح کا سامان عطا فرمایا تھا O

فَأَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾

پس انہوں نے سامانِ سفر تیار کیا O

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾

حتیٰ کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پر پہنچے تو انہوں نے سورج کو سیاہ کیچڑ کے چشمہ میں غروب ہوتا ہوا پایا اور اس کے قریب ایک قوم بھی پائی، ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! آپ کو اختیار ہے خواہ ان کے ساتھ سختی سے پیش آئیں، خواہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں O

قَالَ أَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُكْرًا ﴿٨٧﴾

ذوالقرنین نے کہا: ان لوگوں میں سے جس نے اپنی جان پر ظلم کیا ہم اس کو سزا دیں گے، پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اس کو زیادہ سخت سزا دیں گے O

وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءً الْحُسْنَىٰ ۖ وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾

اور ان میں سے جو ایمان لے آیا اور اس نے نیک عمل کیے تو اس کے لیے اچھی جزا ہے اور ہم عنقریب اپنے کاموں میں سے اس کے لیے آسانی مہیا کریں گے O

ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾

پھر وہ دوسرے سفر پر روانہ ہوگئے O

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِنْ دُونِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾

حتیٰ کہ جب وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پر پہنچے تو وہاں انہوں نے دوسری قوم کو پایا جس کے لیے ہم نے سورج کے سامنے کوئی حجاب نہیں بنایا تھا O

كَذَٰلِكَ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾

اور واقعہ اسی طرح تھا اور جو کچھ اُن کے پاس تھا ہمیں اس کی سب خبر تھی O

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾

پھر انہوں نے تیسرا سفر شروع کیا O

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾

حتیٰ کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو وہاں ایسی قوم پائی جو کوئی بات نہیں سمجھتی تھی O

قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾

ان لوگوں نے کہا: اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کرتے پھر رہے ہیں، آیا ہم آپ کو کچھ خرچ مہیا کریں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنادیں O

قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ رَدْمًا ۙ﴿۹۵﴾

ذوالقرنین نے کہا: مجھے میرے رب نے جو مال عطا فرمایا ہے وہ بہت کافی ہے، پس تم افرادی قوت کے ساتھ میری مدد کرو میں تمہارے اور اُن کے درمیان مضبوط دیوار بنادوں گا O

اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ؕ﴿۹۶﴾

انہوں نے کہا: تم میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے تختے لاؤ حتیٰ کہ جب انہوں نے دو پہاڑوں کے درمیان کا حصہ بھر دیا تو کہا: اسے دھونکاؤ حتیٰ کہ جب اسے دھونکنے سے آگ بنادیا تو کہا: میرے پاس پگھلا ہوا تانبہ لاؤ تاکہ میں ان لوہے کے تختوں کو اس پگھلے ہوئے تانبے سے جوڑ دوں O

فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾

پھر یاجوج ماجوج نہ تو دیوار پر چڑھ سکے اور نہ ہی اس میں کوئی سوراخ کر سکے O

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ؕ﴿۹۸﴾

ذوالقرنین نے کہا: یہ میرے رب کی رحمت ہے، پھر جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا تو وہ اس دیوار کو زمین کے ساتھ برابر فرمادیں گے اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے O

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾

اور اس دن ہم یاجوج ماجوج کو زمین پر چھوڑ دیں گے وہ ایک دوسرے میں گھس جائیں گے اور صور پھونک دیا جائے گا، پھر ہم تمام مخلوق کو جمع فرما دیں گے ○

وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾

اور اس دن ہم جہنم کو کافروں کے سامنے پیش کر دیں گے ○

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾

جن کافروں کی آنکھیں میرے پیغام کو دیکھنے سے پردہ میں تھیں اور وہ حق بات کو سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور (اے رسول اکرم!) یہ کفار آپ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے: میں عنقریب تمہارے سامنے ان کا واقعہ بیان کروں گا ○" (الکہف: ۸۳)

ذوالقرنین کا تذکرہ

"وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا":

ذوالقرنین: (بہ معنی دو سینگوں والا) ۔اس بات پر تو تاریخ، لغت اور تفسیر سب کا اتفاق ہے کہ یہ کسی طاقت ور و صاحب فتوحات بادشاہ کا نام یا لقب تھا۔ (اس لقب کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کئی اقوال نقل کیے جاتے ہیں، مثلاً یہ کہ (۱) وہ دنیا کے شرق و غرب (قرنی الدنیا) تک پہنچا، (۲) اس کی دو زلفیں (قرنین) تھیں، (۳) اس نے دو بڑے طاقتور ملکوں یعنی روم و فارس پر حکومت کی، (۴) الزمخشری کا خیال ہے کہ اسے ذوالقرنین شجاعت اور بہادری کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ عام خیال یہی ہے کہ وہ اپنی طاقت، سطوت اور شجاعت کی وجہ سے ذوالقرنین مشہور ہوا۔ رہی یہ بات کہ وہ کونسا اور کس ملک کا بادشاہ تھا، کس زمانے میں تھا اور یہ نام یا لقب اس کا کیسے پڑا؟ یہ سب سوالات الجھے ہوئے ہیں اور بجز قرائن و قیاسات کے ان میں سے کسی سوال کا قطعی جواب ممکن نہیں۔

عرب میں اس سے چار مختلف شخصیتوں کی جانب اشارہ سمجھا گیا: (۱) یمن کے ملوک حمیر (جو تبّع کہلاتے تھے) کے سلسلے کا ایک طاقتور بادشاہ، جس کا نام الصعب بن قرین بن الہمال بیان کیا جاتا ہے۔ (۲) ملوک حیرۃ (عرب کی ایرانی سرحد) کے خاندان لخم کا فرمانروا منذر بن امرئ القیس، المعروف بہ منذر الاکبر، اس کی مدت سلطنت انچاس سال رہی۔ اس کی پیشانی کے دونوں طرف گھونگھریالی زلفیں تھیں اور اس سے اس کا یہ لقب پڑا۔ اس کے علاوہ ایک آدھ اور بھی وجہ تسمیہ ہو سکتی ہے۔ (۳) مشہور یونانی فاتح و کشور کشا سکندر بن فیلفوس (۳۵۶ تا ۳۲۴ قبل مسیح) کو اکثر مفسرین اور مورخین نے قرآنی ذوالقرنین کا مصداق بتایا ہے اور امام رازی نے تو شک و شبہ کے ساتھ نہیں بلکہ جزم و یقین کے ساتھ اسی سکندر یونانی ہی کو ذوالقرنین قرار دیا ہے۔ التفسیر الکبیر، البیضاوی، بحر المحیط، معالم، مدارک وغیرہ سب میں اسی قسم کے قول نقل ہوئے ہیں اور مورخین میں الطبری اور ابن ہشام بھی اسی طرف گئے ہیں۔ یہی شرح اہل لغت نے بطور ایک مسلمہ کے درج کر دی ہے: ذوالقرنین الموصوف فی التنزیل لقب لاسکندر

الروم، (لسان العرب، القاموس، تاج العروس، النہایہ) تینوں میں یہی تشریح اختیار کی گئی ہے۔حال میں قرآن کے انگریزی مترجم ومفسر عبداللہ یوسف علی نے اپنی تفسیر کے ایک مستقل ضمیمے میں شرح وبسط کے ساتھ اسی قول کو تاریخی وجغرافیائی دلائل سے مدلل کیا ہے۔ (۴) خورس، شاہ ایران، بلکہ بانی سلطنت ایران (متوفی ۵۳۹ قبل مسیح): اس کے نام مختلف زبانوں میں سائرس، کوروش اور کیخسرو آئے ہیں، سائرس فارس اور سوریا دونوں کا متفقہ بادشاہ تھا۔ وہ اپنے زمانے کا ایک زبردست کشور کشا اور عادل فرمانروا ہے۔ زمانہ حال کے بعض مفسرین نے شد ومد کے ساتھ اسے قرآنی ذوالقرنین کا مصداق ٹھیرایا ہے۔ (دیکھیے ابوالکلام آزاد: ترجمان القرآن بذیل سورۃ الکہف)۔

(۵) بعض مفسرین (مثلاً ابن کثیر) نے ایک اور سکندر کا نام لیا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر اور موحد اور صاحب ایمان تھا اور اس مشہور سکندر یونانی سے دو ہزار سال قبل گزرا ہے، لیکن تاریخ میں اس سکندر کا تذکرہ نہیں ملتا۔

قرآن مجید میں ذوالقرنین کا نام تین جگہ قریب قریب ہی آیا ہے، شروع جس طرح کیا گیا یعنی "وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ۔ (الکہف: ۸۳)" (اے پیغمبر! آپ سے یہ لوگ ذوالقرنین کی بابت دریافت کرتے ہیں)، اس سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ نام یا لقب قرآن کا دیا ہوا نہیں بلکہ پہلے سے موجود تھا۔

الراغب اصفہانی کی مفردات القرآن لغت قرآنی پر ایک مشہور ومعروف کتاب ہے۔ اس میں بھی اس لفظ کی کوئی تشریح درج نہیں۔ صرف اتنا لکھا ہوا ہے کہ ذوالقرنین معروف (ذوالقرنین کو سب جانتے ہیں)۔

(بعض لوگوں کی رائے میں) قرآن مجید نے ذوالقرنین کی فتوحات کے سلسلے میں جو نشانیاں بتائی ہیں وہ اچھی خاصی حد تک سکندر یونانی کی فتوحات پر منطبق ہوتی ہیں: "حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ۔ (الکہف: ۸۶)"۔ تاریخ کا بھی بیان ہے کہ سکندر کی ابتدائی فوج کشی شمال ومغرب ہی کی جانب تھی۔ "عَیْنٍ حَمِئَةٍ" سے مراد جھیل (Ochrida) ہوسکتی ہے، جو مناستر سے پچاس میل جانب مغرب واقع ہے۔ یہ چشمہ اپنے سیاہی مائل گدلے پانی کے لیے مشہور ہے، یہاں تک کہ جو دریا اس سے نکلا ہے اس کا نام بھی دریائے سیاہ (Black Drin) ہے (اس سے بحر اسود بھی مراد لیا گیا ہے)۔ "مَطْلِعَ الشَّمْسِ": سکندر کی بعد کی فوجی مہمات مشرق کی سمت میں ہوئیں (مراد یہ ہے کہ اس کی مملکت کی انتہائی مشرقی حد)۔ "یَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ": غالباً منگول قبیلے تھے جو پہاڑوں کی دوسری جانب آباد تھے اور کہیں کہیں موقع پا کر یلغار کرتے ہوئے ترکوں کے درمیان گھس آتے تھے۔ دربند میں ایک آہنی دیوار سد سکندر کے نام سے مشہور چلی آتی تھی اور اس کا پھاٹک باب الحدید کہلاتا تھا۔ یہ دربند وسط ایشیا کے مشرقی علاقے میں ضلع حصار میں بخارا سے ۱۵۰ میل جنوب ومشرق میں ۳۸ درجے عرض بلد شمالی اور ۶۷ درجے طول البلد مشرقی پر واقع ہے۔

(بہر حال یہ امر ثبوت طلب ہے کہ سکندر یونانی کی فتوحات شمالی یورپی روس اور سائبیریا تک ہوئی تھیں، الادریسی نے سد سکندری انہیں اطراف میں دکھائی ہے اور اس کا نقشہ بھی دیا ہے)۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۰ ص ۶۱، ۶۲، زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور)

ذوالقرنین کے متعلق بعض احادیث، آثار اور اخبار

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ، اور امام رازی اور دیگر مفسرین الکہف: ۸۳ تا ۱۰۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا":

ابن اسحاق نے کہا کہ ذوالقرنین کی خبر یہ ہے کہ اس کو وہ چیزیں عطا فرمائی گئی تھیں جو کسی اور کو عطا نہیں فرمائی گئی تھیں اور اس کو بہت سامان عطا فرمائے گئے تھے، حتیٰ کہ وہ ملکوں کو فتح کرتا ہوا زمین کے مشرق سے زمین کے مغرب تک پہنچا، اور جس زمین پر بھی وہ پہنچا وہاں کے لوگوں پر مسلط ہو جاتا حتیٰ کہ وہ مشرق سے لے کر مغرب تک مسلط ہو گیا اور اس کے بعد کوئی مخلوق نہیں بچی۔

ابن اسحاق نے بیان کیا کہ جو لوگ عجمیوں کی احادیث بیان کرتے ہیں انہوں نے بتایا کہ ذوالقرنین اہلِ مصر میں سے تھا اور اس کا نام مرزبان بن مردبۃ الیونانی تھا، یہ یونان بن یافث بن نوح کی اولاد میں سے تھا۔

ابن ہشام نے کہا: اس کا نام الاسکندر تھا اور یہ وہی ہے جس نے الاسکندریہ شہر کی بنیاد رکھی تو وہ اسی کے نام کی طرف منسوب ہو گیا۔

ثور بن یزید خالد بن معدان الکلاعی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ وہ بادشاہ ہے جس نے تمام روئے زمین کے نیچے سے سامان حاصل کیے۔

اور خالد نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یا ذی القرنین پکارتے ہوئے سنا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تمہیں معاف فرمائیں کیا تم انبیاء علیہم السلام کے نام رکھنے پر راضی نہیں تھے حتیٰ کہ تم نے ملائکہ کے نام پر بھی نام رکھنے شروع کر دیئے۔ ابن اسحاق نے کہا: اللہ ہی خوب جانتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے متعلق ہے یا نہیں۔

(کتاب العظمۃ لابی الشیخ: ۹۸۶، یہ حدیث خالد بن معدان سے مرسل روایت ہے اور معضب مرسل ضعیف کی قسم ہے)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی مثل منقول ہے، انہوں نے سنا ایک آدمی دوسرے سے کہہ رہا تھا: یا ذی القرنین! تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں تھا کہ تم انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھتے تھے حتیٰ کہ تم نے اب فرشتوں کے نام پر بھی نام شروع کر دیئے۔

امام الدار قطنی نے کتاب الاخبار میں ذکر کیا ہے: ایک فرشتہ جس کو رباقیل کہا جاتا ہے وہ ذوالقرنین پر نازل ہوتا تھا، اور یہ فرشتہ وہی ہے جو قیامت کے دن زمین کو لپیٹے گا تو تمام مخلوق کے قدم زمین میں پھسل جائیں گے۔

(یہ قول باطل ہے، کیونکہ کسی بشر کی نبوت قرآن مجید یا سنتِ صحیحہ سے ثابت ہوتی ہے ورنہ ہر شخص جو چاہے گا کہہ دے گا)۔

ذوالقرنین کے نام اور ان کو ذوالقرنین کہنے کے متعلق متعدد اقوال

ذوالقرنین کے نام میں اختلاف ہے اور اس سبب میں بھی اختلاف ہے کہ اُن کو ذوالقرنین کیوں کہا گیا۔ رہا اُن کا نام تو وہ اسکندر یونانی المقدونی ہے۔ دوسرا قول ہے کہ ان کا نام عرمس ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام ہردیس ہے۔ ابن ہشام نے کہا: ان کا نام الصعب بن ذی یزن الحمیری ہے جو وائل بن حمیر کی اولاد سے تھے۔ اور وہب بن منبہ نے کہا کہ وہ رومی تھے، اور امام طبری نے اُن کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کی ہے۔

وہ حدیث یہ ہے کہ ذوالقرنین روم کے ایک جوان ہیں اور ابن عطیہ نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

اور ان کو ذوالقرنین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مغرب سے مشرق تک پہنچ گئے گویا کہ دنیا کے دو سینگوں تک پہنچ گئے۔ اور ایک

جماعت نے کہا ہے کہ جب وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پر پہنچے تو خواب میں ان کو دو سینگ دکھائے گئے، اس وجہ سے ان کا نام ذوالقرنین ہو گیا۔ اور وہب بن منبہ نے کہا: ان کے عمامہ کے نیچے دو سینگ تھے۔

اور ابن الکواء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا آیا وہ نبی تھے یا بادشاہ تھے؟ تو انہوں نے کہا: نہ یہ تھے اور نہ وہ تھے، وہ اللہ کے نیک بندے تھے، انہوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تو لوگوں نے ان کے سینگ کی جگہ پر سر پھاڑ دیا، پھر دوبارہ دعوت دی تو دوسرے سینگ کی جگہ پر سر پھاڑ دیا تو ان کا نام ذوالقرنین ہو گیا۔

ذوالقرنین کے زمانہ کے وقت میں بھی اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا: ان کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب نبوت منقطع ہو گئی اس وقت ان کا ظہور ہوا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا ظہور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے زمانہ میں ہوا۔ اور حضرت خضر علیہ السلام اُن کے بڑے جھنڈے کو اٹھانے والے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو زمین میں جگہ عطا فرمائی اور اس زمانہ کے بادشاہ اُن کے تابع ہو گئے۔

روایت ہے کہ تمام دنیا کے بادشاہ چار گزرے ہیں، ان میں دو مومن ہیں اور دو کافر ہیں۔ پس جو دو مومن ہیں وہ حضرت سلیمان بن داؤد ہیں اور اسکندر ہیں۔ اور جو دو کافر ہیں وہ نمرود اور بخت نصر ہیں۔ اور عنقریب یہ امت پانچویں بار پورے روئے زمین کی حکمران ہو گی کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ۔ (الفتح: ۲۸)" (تا کہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب فرما دیں)۔ اور اس کے مصداق المہدی ہیں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُن کو ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ وہ اپنے باپ اور ماں دونوں کی طرف سے اہل بیت شریف سے تھے۔ اور یہ بھی وجہ بیان کی گئی ہے کہ جب وہ قتال کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے قتال کرتے تھے اور اپنے دونوں رکابوں سے قتال کرتے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کو علم الظاہر اور علم الباطن عطا فرمایا گیا تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ظلمت اور نور میں داخل ہو گئے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ فارس اور روم کے بادشاہ تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک ہم نے ان کو زمین میں اقتدار عطا فرمایا تھا اور انہیں ہر طرح کا سامان عطا فرمایا تھا ۝" (الکہف: ۸۴)

"إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ": (بے شک ہم نے ان کو زمین میں اقتدار عطا فرمایا تھا)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کے لیے بادلوں کو مسخر فرما دیا گیا اور ان کے لیے نور کو کشادہ فرما دیا گیا تھا، پس دن اور رات اُن کے حق میں برابر تھے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب کے چند لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے امر کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ وہ روم کا ایک لڑکا تھا جس کو ملک عطا کیا گیا، پس وہ روانہ ہوا حتیٰ کہ سرزمین مصر میں پہنچا اور وہاں پر ایک شہر کی بنیاد رکھی جس کو الاسکندریہ کہا جاتا ہے، جب وہ اس شہر کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو ان کے پاس ایک فرشتہ آیا اور وہ اُن کو لے کر اوپر چڑھا، پس اُن سے کہا: دیکھو تمہارے نیچے کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میں صرف اپنے شہر کو دیکھتا ہوں اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں دیکھتا۔ تو فرشتے نے کہا: یہ پوری زمین اور جو سمندر اس کو محیط ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ

فرمایا ہے کہ یہ زمین آپ کو دکھائیں جس میں آپ کی سلطنت ہوگی، پس آپ زمین میں سفر کیجئے اور جاہلوں کو تعلیم دیجئے۔

(یہ حدیث بھی اس سے پہلے ذکر کی ہوئی احادیث کی طرح ضعیف ہے)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں بہت تفصیل ہے اور اس حدیث کو ابو الشیخ کی "کتاب العظمۃ: ۲۷۵" اور امام بیہقی کی "دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۹۵-۲۹۶" اور "تاریخ دمشق ج ۱۷ ص ۳۳۸" میں ذکر کیا گیا ہے۔

"وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انہیں ہر اس چیز کا علم عطا فرمایا گیا جس کا وہ ارادہ کرتے۔ حسن بصری نے کہا: جہاں وہ جانا چاہتے تھے وہاں پہنچا دیے جاتے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ مخلوق کو جن چیزوں کی ضرورت ہوتی تھی وہ سب ان کو عطا فرما دی گئیں۔

ذوالقرنین آیا نبی تھے یا نہیں؟

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ذوالقرنین کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا وہ نبی تھے یا نہیں؟ پس جن لوگوں نے کہا کہ وہ نبی تھے انہوں نے اس پر کئی وجوہ سے استدلال کیا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ" اور اولیٰ یہ ہے کہ اس سے یہ مراد لی جائے کہ ان کو دین میں اقتدار عطا فرمایا اور دین میں اقتدار سے مراد نبوت ہے۔

(۲) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا" (اور انہیں ہر طرح کا سامان عطا فرمایا تھا)، پس اس آیت کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ ذوالقرنین کو نبوت کے خصائص بھی عطا فرمائے ہوں۔

(۳) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا"، اس آیت میں ذوالقرنین سے اللہ تعالیٰ کے کلام فرمانے کا ذکر ہے اور جس سے اللہ عزوجل کلام فرمائیں اس کا نبی ہونا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا" یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو وہ طریقہ عطا فرمایا جس سے وہ نبوت کو حاصل کریں۔

میں کہتا ہوں کہ نبوت کسبی نہیں ہے وہبی ہے اور کوئی ایسا طریقہ مقررہ نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے نبوت کو حاصل کیا جا سکے، اس لیے امام رازی کی یہ تفسیر درست نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ذوالقرنین نبی نہیں تھے، وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تھے۔ وہ اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو ایسی تمام چیزیں عطا فرما دیں جن سے وہ اپنے ملک کی اصلاح کریں۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۹۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس انہوں نے سامانِ سفر تیار کیا O حتیٰ کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پر پہنچے تو انہوں نے سورج کو سیاہ کیچڑ کے چشمہ میں غروب ہوتا ہوا پایا اور اس کے قریب ایک قوم بھی پائی،

نے کہا: اے ذوالقرنین! آپ کو اختیار ہے خواہ ان کے ساتھ سختی سے پیش آئیں، خواہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں O" (الکہف: ۸۵۔۸۶)

علامہ ابوالفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فَاَتْبَعَ سَبَبًا": سبب سے مراد ہے راستہ، یعنی وہ اس راستہ پر چل پڑے جو انہیں سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچاتا۔ اور ذوالقرنین جب کسی قوم پر غالب آتے تو انہی میں سے ایک لشکر تیار کر لیتے اور پھر اس لشکر کے ساتھ دوسروں کی طرف روانہ ہو جاتے۔

"حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ": یعنی ذوالقرنین نے مغرب کی جانب سفر اختیار کیا، وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں پر زمین اور خشکی کی حد ختم ہوگئی اور اس کے بعد سمندر تھا۔

"وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ": انہوں نے وہاں سورج کو ایک سیاہ دلدل میں غروب ہوتے دیکھا۔

"عَیْنٍ" کا معنی ہے چشمہ اور "حَمِئَةٍ" کا معنی ہے: کیچڑ اور دلدل۔ اگر آپ شام کے وقت سمندر کے کنارے کھڑے ہوں اور دور جہاں آسمان اور سطح سمندر کے کنارے ملتے ہوئے نظر آئیں تو ایسا لگے گا جیسے سورج سمندر میں ڈوب رہا ہو۔

ذوالقرنین نے وہاں پر ایسے لوگوں کو دیکھا جو درندوں کی کھالوں کے لباس پہنے ہوئے تھے۔ اور ان کی خوراک وہ مچھلیاں تھیں جن کو وہ چشمہ سے حاصل کرتے تھے۔

"وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا": اور ابن السائب نے کہا: انہوں نے وہاں پر ایسے لوگوں کو پایا جو مومن تھے اور کافر تھے۔

"قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ": جن لوگوں نے کہا کہ ذوالقرنین نبی تھے انہوں نے کہا کہ یہ قول اللہ تعالیٰ کی وحی ہے اور جن لوگوں نے کہا کہ وہ نبی نہیں تھے تو انہوں نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہے۔

"اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ": مفسرین نے کہا: آپ انہیں جس دین پر عمل کرنے کی دعوت دیں اگر وہ اس کو قبول کرنے سے انکار کریں تو آپ ان کو قید کر لیں۔ "وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا" اور جو آپ کی دعوت کو قبول کر لیں ان کے ساتھ آپ اچھا سلوک کریں۔

(زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۳ ص ۱۰۶، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ذوالقرنین نے کہا: ان لوگوں میں سے جس نے اپنی جان پر ظلم کیا ہم اس کو سزا دیں گے، پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اس کو زیادہ سخت سزا دیں گے O" (الکہف: ۸۷)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا": ذوالقرنین نے اپنے خواص اور مقربین سے کہا: جس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میرے پیغام کو قبول نہیں کیا اور جو وہ شرک کرتا تھا اس پر برقرار رہا، تو عنقریب ہم اس کو قتل کر کے عذاب دیں گے۔ ظاہر یہ ہے کہ تلوار سے اس کو قتل کر دیں گے۔ اور ابن ابی حاتم نے السدی سے روایت کی ہے کہ اُن کا عذاب دینے کا یہ طریقہ تھا کہ وہ ان کو پیتل سے بنی ہوئی گائے میں ڈال دیتے، پھر اس کے نیچے آگ دہکاتے حتیٰ کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے، لیکن یہ روایت صحت سے بعید ہے۔ اور ذوالقرنین نے اس آیت میں اپنے آپ کو جمع کے صیغہ سے تعبیر کیا جیسا کہ

بادشاہوں کی عادت ہے۔ پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ سخت عذاب دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ان میں سے جو ایمان لے آیا اور اس نے نیک عمل کیے تو اس کے لیے اچھی جزا ہے اور ہم عنقریب اپنے کاموں میں سے اس کے لیے آسانی مہیا کریں گے O'' (الکہف: ۸۸)

''وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ن ِالْحُسْنٰى'': اور رہا وہ جو میری دعوت کے تقاضا پر ایمان لے آیا اور اس نے نیک اعمال کیے جیسا کہ ایمان کا تقاضا ہے تو اس کے لیے دونوں جہانوں میں نیک جزا ہے، یعنی اس کے لیے عمدہ ثواب ہے یا جنت ہے۔

''وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا'': اور عنقریب ہم اس کو ایسے احکام عطا فرمائیں گے جن پر عمل کرنا دشوار نہیں ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر وہ دوسرے سفر پر روانہ ہو گئے O حتیٰ کہ جب وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پر پہنچے تو وہاں انہوں نے دوسری قوم کو پایا جس کے لیے ہم نے سورج کے سامنے کوئی حجاب نہیں بنایا تھا O'' (الکہف: ۸۹-۹۰)

''ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا'': پھر وہ سورج کے مغرب سے سورج کے مشرق کی طرف روانہ ہوئے۔

''حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ'': اور جب وہ اس جگہ پہنچے جہاں سورج طلوع ہوتا ہے، اور یہ زمین کی آبادی کی پہلی جگہ ہے جو مشرق کی جانب ہے۔

''وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا'': امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم اور امام ابوالشیخ نے از ابن جریج روایت کی ہے کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ہم نے سورج کی تمازت (گرمی) سے بچنے کے لیے ان کے لیے کوئی حجاب نہیں بنایا، جب سورج طلوع ہوتا تو وہ سرنگ میں داخل ہو جاتے حتیٰ کہ سورج ڈھل جاتا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اُن کے پاس اپنا جسم چھپانے کے لیے کوئی لباس نہیں تھا، اور وہ حبشیوں کی قوم تھے۔ اور دوسرا قول ہے کہ وہ ہندوؤں کی قوم تھے۔ اور اس آیت کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ اُن کے پاس بالکل کوئی لباس نہیں تھا جس سے وہ اپنے آپ کو چھپائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور واقعہ اسی طرح تھا اور جو کچھ اُن کے پاس تھا ہمیں اس کی سب خبر تھی O'' (الکہف: ۹۱)

''كَذٰلِكَ ؕ وَ قَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا'': اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس سفر میں جو واقعات اُن کو پیش آئے اُن سب کا ہمیں علم ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر انہوں نے تیسرا سفر شروع کیا O حتیٰ کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو وہاں ایسی قوم پائی جو کوئی بات نہیں سمجھتی تھی O'' (الکہف: ۹۲-۹۳)

''ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا'': پھر انہوں نے تیسرا سفر شروع کیا۔ یہ طلوع آفتاب کی جانب سے لے کر شمال کی جانب سفر تھا۔

"حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ": اس آیت میں "السَّدَّيْنِ" کا لفظ ہے، اس سے مراد ہے دو پہاڑ۔ القاموس میں مذکور ہے السّد: الجبل، یعنی سد کا معنی پہاڑ ہے اور رکاوٹ ہے۔ اور بعض علماء یہود سے منقول ہے کہ یاجوج اور ماجوج شمال کی انتہاء میں ہیں۔ "وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا": ذوالقرنین نے ان دو پہاڑوں کے درمیان ایسی قوم کو پایا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ تُرک تھے، بعض نے کہا کہ وہ جنات میں سے تھے، اور یہ زعم باطل ہے۔ "لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا": یعنی وہ لوگ ذوالقرنین کے متبعین کی بات نہیں سمجھتے تھے، کیونکہ اُن کی لغت بہت مختلف تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ان لوگوں نے کہا: اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کرتے پھر رہے ہیں، آیا ہم آپ کو کچھ خرچ مہیا کریں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنادیں O" (الکہف: ۹۴)

یاجوج اور ماجوج کا تذکرہ

"قَالُوْا": انہوں نے کسی ترجمان کے واسطے سے کہا کہ "يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ": اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کرتے پھر رہے ہیں۔ یاجوج اور ماجوج یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے دو قبیلے ہیں۔ وہب بن منبہ اور دوسروں نے اس کو وثوق سے کہا ہے اور اکثر متاخرین نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔

اور امام عبد الرزاق نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ یاجوج اور ماجوج کے بائیس (۲۲) قبیلے ہیں۔ ذوالقرنین نے اکیس (۲۱) قبیلوں کے اوپر سد یعنی رکاوٹ بنادی اور ایک قبیلہ اُن سے خارج رہا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یاجوج ترک سے ہیں اور ماجوج دیلم سے ہیں۔ اور کعب الاحبار سے روایت ہے کہ یاجوج اور ماجوج حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے بغیر حواء کے پیدا ہوئے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سو گئے تو اُن کو احتلام ہو گیا اور اُن کا نطفہ مٹی سے مل گیا تو اس سے یاجوج اور ماجوج کو پیدا کیا گیا۔ اور علامہ نووی نے اپنے فتاویٰ میں نقل کیا ہے کہ بغیر حواء کے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد جمہور علماء کا قول ہے۔

اس قول پر تعاقب کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو احتلام نہیں ہوتا۔ اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اس طرح احتلام نہیں ہوتا جیسے عام لوگ خواب میں اپنے آپ کو جنسی عمل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کے کپڑے بھیگ جاتے ہیں۔

نیز اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ طوفانِ نوح سے تو سب غرق ہو گئے تھے تو یاجوج ماجوج کیسے بچ گئے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس قول کا قائل اس طوفان کے عموم کا قائل نہ ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: یہ روایت صرف کعب الاحبار سے منقول ہے اور حدیث مرفوع میں اس کا رد ہے کہ یاجوج اور ماجوج حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت سے ہیں، اور حضرت نوح علیہ السلام حضرت حواء کی ذریت سے ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک یاجوج ایک امت ہے اور ماجوج دوسری امت ہے۔ اور ہر امت کے چار سو افراد ہیں، ان میں سے کوئی ایک مرد فوت نہیں ہوتا حتیٰ کہ اس کی پشت سے ایک ہزار افراد پیدا ہوتے ہیں اور وہ ہتھیاروں سے مسلح ہوتے ہیں اور وہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ وہ زمین کو برباد کرتے پھریں گے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں

نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ہمارے لیے یاجوج ماجوج کی صفات بیان فرمائیں، آپ نے فرمایا: اُن کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جن کے قد شام کے درخت کی طرح لمبے ہوں گے، ان کا طول ایک سو بیس ہاتھ ہوگا۔ اور دوسری قسم وہ ہے جن کا عرض اور طول برابر ہوگا، وہ ایک سو بیس ہاتھ ہوں گے اور یہ لوگ کسی پہاڑ اور لوہے کو خاطر میں نہیں لائیں گے۔ اور تیسری قسم وہ ہے جو کسی ہاتھی اور کسی وحشی جانور اور کسی خنزیر کے پاس سے نہیں گزریں گے مگر اس کو کھا لیں گے، اور جو اُن میں سے مر جائے اس کو بھی کھا لیں گے۔ وہ شام اور خراسان میں ہوں گے، وہ مشرق کے دریاؤں کا پانی پی لیں گے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ ان کے قد کا طول ایک بالشت ہوگا، اور بعض وہ ہیں جن کا طول بہت زیادہ ہوگا۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۳، رقم: ۲ ـ ۱۲۵)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس ایک دن گھبرائے ہوئے اور خوف زدہ فرماتے ہوئے تشریف لائے: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، عرب کے لیے شر سے ہلاکت ہو جو قریب آچکا ہے، آج یاجوج اور ماجوج کی دیوار سے اتنی مقدار کھل چکی ہے، اور آپ نے انگوٹھے اور اس کے قریب والی انگلی سے حلقہ بنایا، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے اور ہم میں صالحین بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جب بدکاری بہت زیادہ ہو جائے گی۔

(صحیح البخاری: ۳۳۴۶، ۳۵۹۸، ۷۰۵۹، ۷۱۳۵، صحیح مسلم: ۲۸۸۰، سنن ترمذی: ۲۱۸۷، سنن ابن ماجہ: ۳۹۵۳، مسند احمد: ۰ ـ ۲۶)

"مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ": یعنی وہ ہماری زمین میں لوگوں کو قتل کرتے ہیں اور دہشت گردی کرتے ہیں اور ہر قسم کا فساد کرتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ لوگوں کی روزی کھا جاتے ہیں۔ روایت ہے کہ وہ فصل بہار کے ایام میں نکلتے اور زمین سے کوئی سبز چیز نہ چھوڑتے مگر اس کو کھا جاتے اور کوئی خشک چیز نہ چھوڑتے مگر اس کو اٹھا کر لے جاتے۔ اور امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے کہ اُن کا فساد یہ تھا کہ وہ لوگوں کو کھا جاتے۔

"فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا": یعنی کیا ہم آپ کو اتنا مال لا کر دیں کہ آپ اس مال سے ہمارے اور یاجوج ماجوج کے درمیان ایک رکاوٹ بنا دیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ذوالقرنین نے کہا: مجھے میرے رب نے جو مال عطا فرمایا ہے وہ بہت کافی ہے پس تم افرادی قوت کے ساتھ میری مدد کرو میں تمہارے اور اُن کے درمیان مضبوط دیوار بنا دوں گا○"

(الکہف: ۹۵)

"قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ": یعنی اللہ سبحانہٗ نے مجھے ملک پر قادر بنایا ہے اور مال اور باقی اسباب عطا فرمائے ہیں۔

"فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا": سو تم مجھے آلات لا کر دو مثلاً لوہے کے تختے اور لوگ مہیا کرو تو میں تمہارے درمیان اور اُن کے درمیان ایک رکاوٹ بنا دوں گا۔ (روح المعانی جز ۱۵ ص ۳۹۔۵۸، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "انہوں نے کہا: تم میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے تختے لاؤ حتیٰ کہ جب انہوں

نے دو پہاڑوں کے درمیان کا حصہ بھر دیا تو کہا: اسے دھونکا ؤ حتیٰ کہ جب اسے دھو نکنے سے آگ بنا دیا تو کہا: میرے پاس پگھلا ہوا تانبہ لاؤ تا کہ میں ان لوہے کے تختوں کو اس پگھلے ہوئے تانبے سے جوڑ دوں O"

(الکہف: ۹۶)

"اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا":

ضیاء الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی متوفی ۱۴۱۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان دو پہاڑوں کے درمیان جو درہ تھا اس میں لوہے کی چادریں بھر دی گئیں، پھر اس پر آگ جلائی گئی یہاں تک کہ وہ لوہا پگھل گیا، پھر اس پر تانبا پگھلا کر ڈال دیا گیا، چنانچہ لوہے اور تانبے کی ایک ایسی دیوار بن گئی جس کو گرا دینا یا اس کو پھاندنا یا اس میں نقب لگانا ان کے لیے ناممکن ہو گیا۔ صدف کا معنی ہے بلند اور مضبوط عمارت۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پھر یاجوج ماجوج نہ تو وہ دیوار پر چڑھ سکے اور نہ ہی اس میں کوئی سوراخ کر سکے O"

(الکہف: ۹۷)

"فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا": ذوالقرنین نے ان کی خواہش کے مطابق ایسی مضبوط اور بلند دیوار تعمیر کر دی جس کو عبور کرنا یاجوج ماجوج کے لیے مشکل ہو گیا۔ انہوں نے اس کو پھاندنے یا اس کو گرانے کے جتنے جتن کیے اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر میں اس حقیقت کی طرف انہیں توجہ دلائی کہ یہ دیوار اس وقت تک تمہیں ان وحشیوں کی دست برد سے بچا سکتی ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو گی، اور جب ان کے نزدیک اس کی میعاد ختم ہو گئی اور ان کے خروج کا وقت آ گیا تو یہ مضبوط دیوار ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ (ضیاء القرآن، ج ۳ ص ۵۳ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ذوالقرنین نے کہا: یہ میرے رب کی رحمت ہے، پھر جب میرے رب کا وعدہ آ جائے گا تو وہ اس دیوار کو زمین کے ساتھ برابر فرما دیں گے اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے O"

(الکہف: ۹۸)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الکہف: ۹۸ تا ۱۰۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا": اس ملک کے جو لوگ ذوالقرنین کے پاس تھے، اُن سے ذوالقرنین نے کہا: یہ سد یار کاوٹ جو میں نے بنائی ہے، میرے رب کی رحمت سے ہے۔ اور جب میرے رب کے وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا یعنی قیامت تو اللہ تعالیٰ اس دیوار کو ریزہ ریزہ فرما دیں گے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب یاجوج اور ماجوج کے نکلنے کا وقت آئے گا یعنی جب اس کے مبادیات ظاہر ہوں گے اور دجال نکلے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس دیوار کو ریزہ ریزہ فرما دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اس دن ہم یاجوج ماجوج کو زمین پر چھوڑ دیں گے وہ ایک دوسرے میں گھس

جائیں گے اور صور پھونک دیا جائے گا، پھر ہم تمام مخلوق کو جمع فرمادیں گے O" (الکہف: ۹۹)

"وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ": ابو حیان الاندلسی نے کہا ہے: اس آیت کا معنی ہے کہ ہم بعض یاجوج اور ماجوج کو ایک دوسرے میں چھوڑ دیں گے حتیٰ کہ وہ اژدہام کے ساتھ رکاوٹ کو پار کر کے شہروں میں نکلیں گے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ہوگا جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اور اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کو بھیجیں گے اور وہ ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے آئیں گے، ان کی پہلی جماعتیں بحیرہ طبرستان سے گزریں گی اور وہاں کا تمام پانی پی جائیں گی، پھر جب دوسری جماعتیں وہاں سے گزریں گی تو وہ کہیں گی: یہاں پر کسی وقت پانی تھا، اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب محصور ہو جائیں گے حتیٰ کہ ان میں سے کسی ایک کے نزدیک بیل کی سری بھی تم میں سے ایک کے سو دینار سے افضل ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب دعا کریں گے۔ تب اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا فرمادیں گے، پھر صبح کو وہ سب دفعۃً مر جائیں گے۔ پھر اللہ کے نبی اور ان کے اصحاب زمین پر اتریں گے مگر زمین پر ایک بالشت برابر جگہ بھی ان کی گندگی اور بدبو سے خالی نہیں ہوگی۔

پھر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ بختی اونٹوں کی مانند پرندے بھیجے گا، یہ پرندے ان لاشوں کو اٹھائیں گے اور جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا وہاں پھینک دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک بارش نازل فرمائیں گے جو زمین کو دھو دے گی اور ہر گھر خواہ وہ مٹی کا مکان ہو یا کھال کا خیمہ وہ آئینہ کی طرح صاف ہو جائے گا، پھر زمین سے کہا جائے گا: تم اپنے پھل اگاؤ اور اپنی برکتیں لوٹاؤ، سو اس دن ان کی ایک جماعت ایک انار کو (سیر ہو کر) کھالے گی، اور ایک دودھ دینے والی گائے لوگوں کے ایک قبیلہ کے لیے کافی ہوگی اور دودھ دینے والی بکری ایک گھر والوں کے لیے کافی ہوگی۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجیں گے جو لوگوں کی بغلوں کے نیچے لگے گی اور وہ ہر مومن اور ہر مسلم کی روح قبض کرلے گی اور برے لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح کھلے عام جنسی عمل کریں گے اور ان ہی پر قیامت قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم، کتاب الفتن، رقم الحدیث: ۱۱۰، الرقم المسلسل: ۷۲۳۹، رقم بلا تکرار: ۷۲۹۳، سنن ابوداؤد: ۴۳۲۱، سنن ترمذی: ۲۲۴۰، سنن ابن ماجہ: ۴۰۷۵، ۴۰۷۶)

"وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا": یعنی ہم جنات اور انسانوں کو میدانِ قیامت میں جمع فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اس دن ہم جہنم کو کافروں کے سامنے پیش کر دیں گے O" (الکہف: ۱۰۰)

"وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا": اور اس دن ہم کافروں کے سامنے جہنم کو ظاہر فرمادیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جن کافروں کی آنکھیں میرے پیغام کو دیکھنے سے پردہ میں تھیں اور وہ حق بات سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے O" (الکہف: ۱۰۱)

"الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ": جن کی آنکھوں میں میرے ذکر سے پردہ تھا، یعنی وہ اس طرح

کہ ان کی آنکھیں بند ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل کی طرف نہ دیکھ رہے ہوں۔

''وَ كَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا'': اور وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ سو وہ گویا کہ بہرے ہیں۔

(احکام القرآن للقرطبی، جز ۱۱، ص ۶۱ - ۶۴، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَؕ-اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا(۱۰۲)

کیا کفار نے یہ گمان کرلیا ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا مستقل مددگار بنالیں گے! بے شک ہم نے کافروں کے لیے جہنم کو مہمانی کی جگہ بنادیا ہے O

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا(۱۰۳)

(اے رسول اکرم!) آپ کہیے: کیا ہم تم کو یہ خبر دیں کہ کن لوگوں کے اعمال سب سے زیادہ خسارے میں ہیں O

اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا(۱۰۴)

یہ وہ لوگ ہیں جن کی پوری کوشش دنیا کی زندگی سنوارنے میں خرچ ہوگئی اور وہ یہ گمان کرتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کررہے ہیں O

اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآىٕهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا(۱۰۵)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا اور اُن سے ملاقات کا کفر کیا سو اُن کے تمام اعمال ضائع ہوگئے، ہم قیامت کے دن ان کے اعمال کا کوئی وزن نہیں فرمائیں گے O

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَ اتَّخَذُوْۤا اٰیٰتِیْ وَ رُسُلِیْ هُزُوًا(۱۰۶)

ان لوگوں کی جزاء جہنم ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا O

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًاۙ(۱۰۷)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے جنات الفردوس میں مہمانی کی جگہ ہوگی O

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا(۱۰۸)

ان جنتوں میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور وہ کسی اور جگہ منتقل ہونے کو طلب نہیں کریں گے O

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَ لَوْ

جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ۝۱۰۹

(اے رسول اکرم!) آپ کہیے: اگر سمندر آپ کے رب کے کلمات لکھنے کے لیے سیاہی ہو جائے تو میرے رب کے کلمات لکھے جانے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا، خواہ ہم اس کی امداد کے لیے ایک اور سمندر لے آئیں O

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝۱۱۰

آپ کہیے: میں تمہاری مثل بشر ہوں (عبادت کا مستحق نہیں ہوں) مجھ پر یہ وحی فرمائی جاتی ہے کہ تمہاری عبادت کے مستحق معبود واحد ہیں، پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی توقع رکھتا ہو تو اس کو نیک عمل کرنے چاہئیں، اور وہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کیا کفار نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا مستقل مددگار بنالیں گے! بے شک ہم نے کافروں کے لیے جہنم کو مہمانی کی جگہ بنادیا ہے O" (الکہف: ۱۰۲)

کافروں کے بتوں کو سفارشی قرار دینے کا ابطال

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، الکہف: ۱۰۲ تا ۱۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ": اس آیت کے دو محمل ہیں:

(۱) بعض مفسرین نے کہا: اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ جن کفار نے دنیا میں فرشتوں اور رسولوں کی عبادت کی تھی اور مجھے چھوڑ کر اُن کو اپنا مددگار قرار دیا تھا، کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ اُن کے آخرت میں بھی مددگار رہوں گے اور اُن کی شفاعت کریں گے اور اُن کی مدد کریں گے، ہرگز نہیں! وہ اُن کے کبھی بھی مددگار نہیں ہوئے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ارشاد ہے: "وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ـــ (یونس: ۱۸)" (مشرکین اللہ کو چھوڑ کر اُن بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو اُن کو نہ کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی نفع مہیا کر سکتے ہیں، اور وہ مشرکین یہ زعم کرتے ہیں: "یہ بت اللہ کے حضور ہماری سفارش کرنے والے ہیں"، آپ کہیے: کیا تم اللہ کو ایسی خبر دیتے ہو جس کا علم اللہ کو نہ آسمانوں میں ہے اور نہ زمینوں میں ہے، وہ ان خبروں سے بلند اور برتر ہیں اور اُن بتوں سے پاک ہیں جن کو یہ مشرکین اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں)۔

امام ماتریدی کا بتوں کے متعلق آیات کو فرشتوں اور رسولوں پر منطبق کرنا

امام ماتریدی نے یونس: ۱۸ کو فرشتوں اور رسولوں کی عبادت کرنے کے بطلان پر پیش کیا ہے جو کہ بتوں کی عبادت کرنے کے بطلان میں نازل ہوئی ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ خوارج کا طریقہ تھا کہ جو آیات کفار کے متعلق نازل

ہوئی تھیں وہ ان کو مومنین پر منطبق کرتے تھے۔ اور امام ماتریدی نے جو آیت بتوں کے متعلق نازل ہوئی تھی اس کو فرشتوں اور رسولوں کی عبادت پر منطبق کیا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۚ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ'' (الزمر:۳) ''(سنو! خالص عبادت صرف اللہ ہی کے لیے ہے، اور وہ کفار جنہوں نے اللہ کے سوا بتوں کو معبود بنا رکھا ہے، کہتے ہیں: ''ہم تو ان بتوں کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں'' بے شک وہ جن چیزوں میں اختلاف کرتے ہیں اللہ ان کے متعلق فیصلہ فرما دیں گے، بے شک اللہ بڑے جھوٹے اور ناشکرے کی راہنمائی نہیں فرماتے)۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت بھی بتوں کی عبادت کے متعلق ہے اور اس کو فرشتوں اور رسولوں کی عبادت پر منطبق کرنا صحیح نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

(۲) کیا ان کفار نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ میرے مخلص بندوں کو اپنا مددگار بنالیں گے اور ان سے محبت کریں گے، یعنی وہ اس پر قادر نہیں ہیں کہ مجھے چھوڑ کر ان کو اپنا مددگار بنائیں، اور وہ پہلے مومنین کو اپنے دین کی دعوت دیتے تھے اور ان سے دوستی کی دعوت دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ'' (النحل:۹۹۔۱۰۰) ''(بے شک جو لوگ ایمان لائے اور وہ اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں ان پر شیطان کا کوئی غلبہ نہیں ہے ۝ شیطان کا غلبہ صرف اُن لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور جو لوگ اس کی وجہ سے اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں)۔

''نُزُلًا'' کا معنی

''اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا'': بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ''نُزُلًا'' کا معنی ہے ٹھہرنے کی جگہ اور وہ منزل ہے۔ یعنی وہ جہنم میں آگ کو کھائیں گے اور اُن کا کھانا اور پینا آگ ہوگا۔ الثعلبی نے کہا: نُزُل کا معنی ہے جو چیزیں مہمانوں کو پیش کی جاتی ہیں اور لشکر والوں کو پیش کی جاتی ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: کیا ہم تم کو یہ خبر دیں کہ کن لوگوں کے اعمال سب سے زیادہ خسارے میں ہیں ۝'' (الکہف: ۱۰۳)

مسلمانوں کے پاس مال ودولت کے نہ ہونے کا خسارہ نہ ہونا

''قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا'': (اے رسولِ اکرم! آپ کہیے: کیا ہم تم کو یہ خبر دیں کہ کن لوگوں کے اعمال سب سے زیادہ خسارے میں ہیں)۔

اس آیت میں کافروں کے سردار کے اعتراض کا جواب فرمایا ہے، ان کافر سرداروں پر اور اُن کے متبعین پر دنیا وسیع کر دی گئی تھی اور وہ اپنے متبعین کے ساتھ بہت فیاضانہ سلوک کرتے تھے، پھر بعد میں اُن کے متبعین رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے اور آپ کے متبع ہو گئے اور آپ کے دین میں داخل ہو گئے، پھر اُن پر دنیا تنگ ہو گئی اور پہلے جو اُن کو منافع حاصل تھے وہ نہ رہے تو اُن

کافروں نے اُن مسلمانوں کو ملامت کی اور عار دلایا اور زجر و توبیخ کی کہ تم نے جس دین کو اختیار کیا ہے، اگر وہ برحق ہوتا تو تم پر بھی دنیا وسیع ہو جاتی جیسا کہ ہم پر دنیا وسیع ہے، تب اللہ عزوجل نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: "(اے رسول اکرم!) آپ کہیے: کیا ہم تم کو یہ خبر دیں کہ کن لوگوں کے اعمال سب سے زیادہ خسارے میں ہیں"۔

اور اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جن بت پرستوں اور عیسائیوں نے رہبانیت کو اختیار کر لیا تھا اور عورتوں سے علیحدہ ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو بتوں کی عبادت کے لیے وقف کر لیا تھا اور اس میں بہت مشقت اٹھاتے تھے تو اللہ عزوجل نے اُن کے متعلق خبر دی کہ یہ لوگ سب سے زیادہ خسارے میں ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "یہ وہ لوگ ہیں جن کی پوری کوشش دنیا کی زندگی سنوارنے میں خرچ ہو گئی اور وہ یہ گمان کرتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں O" (الکہف: ۱۰۴)

آخرت کو چھوڑ کر دنیا کے فوائد کے حصول کی مذمت

"اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا": اس آیت میں "ضَلَّ" فرمایا ہے اور اس کے دو محمل ہیں:

(۱) یعنی جن لوگوں نے بتوں کی عبادت کے لیے اپنے آپ کو ذلیل کیا اور اپنی جانوں کو ناکامی اور نامرادی میں ڈالا، اُن کا حال یہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "كَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِیْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (التوبہ: ۶۹)" (اے منافقو! تم اُن لوگوں کی مثل ہو جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، وہ تم سے بہت زیادہ طاقت ور تھے اور اُن کے پاس اموال اور اولاد بھی تم سے زیادہ تھے، انہوں نے اپنے مقسوم سے فائدہ اٹھالیا، سو تم بھی اپنے مقسوم سے فائدہ اٹھالو جیسا کہ تم سے پہلے کافروں نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھالیا، اور تم بھی اُن کی طرح دنیاوی فوائد میں مشغول رہے، اُن لوگوں کے تمام نیک اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے، اور وہی لوگ نقصان میں مبتلاء ہیں)۔

(۲) ان لوگوں نے دنیا میں بتوں کی عبادت میں بہت کوشش کی، کیونکہ وہ کہتے تھے: "مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ (الزمر: ۳)" (ہم تو ان بتوں کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں)۔ اور وہ کہتے تھے: "هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ (یونس: ۱۸)" (یہ بت اللہ کے حضور ہماری سفارش کرنے والے ہیں)۔ سو اُن لوگوں نے بتوں کی عبادت کرنے سے جو امیدیں باندھ رکھی تھیں، آخرت میں اُن کی وہ امیدیں پوری نہیں ہو سکیں۔

جب علم کا حصول ممکن ہو تو جہالت سے غلط کام پر مواخذہ

"وَ هُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا": یعنی اِن لوگوں نے بتوں کی عبادت کی اور وہ یہ گمان کرتے تھے کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں، حالانکہ اس میں کوئی اچھائی نہیں تھی اور اس میں یہ دلیل ہے کہ خواہ انہوں نے جہالت سے کوئی غلط کام کیا ہو، اس پر اُن سے مواخذہ فرمایا جائے گا۔ اور اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جس نے جہالت سے کوئی کام کیا اور اس کے لیے حق تک پہنچنا ممکن تھا خواہ وہ اس کو طلب کرتا یا اس کا علم حاصل کرتا تو اس سے مواخذہ کیا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا اور اُن سے ملاقات کا کفر کیا، سو اُن کے تمام اعمال ضائع ہو گئے، ہم قیامت کے دن ان کے اعمال کا کوئی وزن نہیں فرمائیں گے O" (الکہف:۱۰۵)

جن کا آخرت میں وزن نہیں فرمایا جائے گا، ان کا مصداق

"أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا":
اس آیت میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ہم اُن کے اعمال کا وزن نہیں کریں گے، اس کی نظیر یہ آیت ہے: "أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ۔ (البقرہ:۱۶)" (یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خرید لیا ہے، سوان کی تجارت نہ سود مند ہوئی اور نہ وہ ہدایت یافتہ ہوئے)۔ اور یہ آیت ہے: "لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ۔ (النحل:۲۵)" (تاکہ انجام کار قیامت کے دن یہ کفار اپنے گناہوں کے پورے بوجھ کو اٹھائیں اور ان لوگوں کے گناہوں کے بوجھ کو بھی اٹھائیں جن کو یہ بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں، سنو! یہ بہت برا بوجھ ہے جسے وہ اٹھا رہے ہیں)۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کی تحقیر فرمائیں گے اور ہمارے پاس ان لوگوں کا کوئی وزن اور مقدار نہیں ہوگی۔

عبید بن عمیر القارء:۸ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک بہت لمبے چوڑے اور بسیار خور کو لایا جائے گا، سو اس کو میزان میں رکھا جائے گا تو اللہ عزوجل کے نزدیک وہ مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا۔ (تفسیر عبدالرزاق:۳۶۸۶)

اور کہا گیا ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کہ میزان اس لیے رکھی جاتی ہے تاکہ موحدین کی نیکیوں اور برائیوں کا وزن کیا جائے، تاکہ عبادات گناہوں سے متمیز ہوں۔ اور القاضی نے کہا ہے کہ جس کے گناہ زیادہ ہوں تو اس کی عبادتیں بہ منزلہ معدوم ہوں گی، تو اس کی عبادت میں سے کوئی چیز وزن میں داخل نہیں ہوگی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ان لوگوں کی جزاء جہنم ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا O" (الکہف:۱۰۶)

"ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا": "ذَٰلِكَ" کا اشارہ دو کاموں کے مجموعے کی طرف ہے، یعنی ان کے کفر کی طرف اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور ان کے رسولوں کا جو مذاق اڑایا تھا اس کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے جنات الفردوس میں مہمانی کی جگہ ہوگی O" (الکہف:۱۰۷)

"إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا": اس سے پہلی آیات میں کفار کے برے اعمال کا ذکر فرمایا تھا اور اُن کی سزا کا بیان فرمایا تھا، اب اس کے مقابلہ میں مومنین اور اُن کے نیک اعمال اور اُن کی جزاء کا ذکر فرمایا ہے۔

مومنین کے لیے چار جنتیں

اس آیت میں" جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ "کا ذکر فرمایا ہے اور مومنین سے چار جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے: (۱) جنات النعیم (۲) جنات الماویٰ (۳) جنات عدن (۴) جنات الفردوس۔ اور ان چاروں جنات کا قرآن مجید کی درج ذیل آیتوں میں ذکر ہے:

جنات الماوی کے متعلق اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی٘ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ (السجدہ: ۱۹)" (رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو آخرت میں اُن کے ٹھہرنے کے لیے جنتیں ہیں، یہ اُن کے کیے ہوئے نیک کاموں کی مہمانی ہے)۔ "الْمَاْوٰی" کا معنی ہے: ٹھہرنے کی جگہ۔

جنات النعیم کے متعلق اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ۔ (المائدہ: ۶۵)" (اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے رہتے تو ہم ان سے ان کے گناہوں کو مٹا دیتے اور ان کو ضرور دائمی جنتوں میں داخل فرما دیتے)۔

جنات عدن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ مَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍؕ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ (التوبہ: ۷۲)" (اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں سے ایسی جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، ان کی رہائش دائمی جنتوں کے پاکیزہ گھروں میں ہے اور اللہ کی تھوڑی سی رضا بھی بہت بڑی ہے، اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے)۔

اور جنات الفردوس کے متعلق یہ آیت ہے: "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (الکہف: ۱۰۷)" (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے جنات الفردوس میں مہمانی کی جگہ ہوگی)۔

جنات الفردوس کا معنی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کعب سے الفردوس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ انگوروں کی جنت ہے۔ اور دوسرے مفسرین نے کہا: اس جنت کو فردوس اس لیے فرمایا ہے کہ اس کے درخت بہت زیادہ ہیں اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کے سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین میں فاصلہ ہے، اور فردوس سب سے اوپر والی جنت ہے، اسی سے جنت کے چار دریا نکلتے ہیں، پس جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو۔

(صحیح البخاری: ۲۷۹۰، سنن ترمذی: ۲۵۳۱، مسند عبد بن حمید: ۱۸۲، کتاب الزہد والرقائق: ۱۵۳۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴۰۷۶، مسند احمد: ۲۲۷۳۸، السنۃ لابن ابی عاصم: ۵۸۱، صحیح ابن حبان: ۳۶۱۱، المستدرک علی الصحیحین: ۲۱۹، البعث والنشور للبیہقی: ۲۲۵، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۷۷۶۶، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ۱ ص ۲۲)

"نُزُلًا": مہمانوں کی ضیافت اور مہمانی کے لیے جو طعام اور مشروب پیش کیا جائے اس کو نزل کہتے ہیں، اس کی جمع انزال ہے، اور الفردوس کی جمع فرادیس ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان جنتوں میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور وہ کسی اور جگہ منتقل ہونے کو طلب نہیں کریں گے O'' (الکہف: ۱۰۸)

''خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا'': اس آیت کا معنی ہے کہ وہ جنت سے کسی اور جگہ جانے کو طلب نہیں کریں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسول اکرم!) آپ کہیے: اگر سمندر آپ کے رب کے کلمات لکھنے کے لیے سیاہی ہو جائے تو میرے رب کے کلمات لکھے جانے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا، خواہ ہم اس کی امداد کے لیے ایک اور سمندر لے آئیں O'' (الکہف: ۱۰۹)

''قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا'':

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی تخلیقات کو لکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز پیدا فرمائی ہے اور فلاں چیز پیدا فرمائی ہے، اور تمام تخلیقات کو لکھ لیا جائے اور اس کے لیے سمندر کو سیاہی قرار دیا جائے، تب بھی وہ سمندر ختم ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی تخلیقات کا ذکر ختم نہیں ہوگا۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور اپنی ربوبیت پر جو دلائل قائم فرمائے ہیں، ان تمام دلائل کو لکھا جائے اور ان کو لکھنے کے لیے سمندر کو سیاہی قرار دیا جائے تو وہ سمندر ختم ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور الوہیت کے دلائل ختم نہیں ہوں گے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے: ''وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۔ (لقمان: ۲۷)'' (اور اگر زمین کے تمام درخت قلمیں بن جائیں اور موجودہ سمندر کے بعد مزید سات سمندر اس کی امداد کے لئے آ جائیں اور سیاہی بن جائیں تو اللہ کے کلمات (ان کی توحید پر دلائل) ختم نہیں ہوں گے، بے شک اللہ سب پر غالب، بڑی حکمت والے ہیں)۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو علوم پیدا فرمائے ہیں اُن کی کوئی ایسی انتہا نہیں ہے جس کو مخلوق جان سکے۔ اور مقصود صرف علم نہیں ہے بلکہ مقصود علم کے تقاضا کے مطابق عمل کرنا ہے۔ اور علوم کی کوئی انتہا نہیں ہے اور نہ بشر اس انتہا تک پہنچ سکتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: میں تمہاری مثل بشر ہوں (عبادت کا مستحق نہیں ہوں) مجھ پر یہ وحی فرمائی جاتی ہے کہ تمہاری عبادت کے مستحق معبود واحد ہیں، پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی توقع رکھتا ہو تو اس کو نیک عمل کرنے چاہئیں، اور وہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے O'' (الکہف: ۱۱۰)

الکہف: ۱۱۰ کا سبب نزول

''قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ'': اس آیت کے دو محمل ہیں:

(۱) کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کرتے تھے کہ ایسی نشانیاں دکھائیں جو بشری طاقت سے خارج ہوں، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم فرمایا کہ آپ اُن کو یہ خبر دیں کہ آپ اُن کی مثل بشر ہیں، اور جن نشانیوں کا وہ مطالبہ کر رہے ہیں وہ بشر کی قوت اور طاقت سے باہر

ہیں۔ اور کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کوئی حکم لگائے، یہ صرف اللہ عزوجل کی شان ہے کہ وہ چاہیں تو کوئی نشانی نازل فرمائیں اور چاہیں تو نشانی نہ نازل فرمائیں، اور میں ان میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔

(۴) اللہ عزوجل نے آپ سے یہ اس لیے فرمایا کہ آپ کہیں کہ "میں اُن کی مثل بشر ہوں" تاکہ آپ کی محبت میں زیادتی اُن کو اس پر برانگیختہ نہ کرے کہ وہ آپ کو خدا اور رب بنا لیں جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور رب بنا لیا، کیونکہ وہ اُن سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز میں عام انسانوں کی مثل ہیں؟

میں کہتا ہوں: یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز میں ہماری مثل ہیں، ظاہر ہے کسی وجودی وصف میں آپ ہماری مثل نہیں ہیں، نہ آپ کی آنکھیں ہماری آنکھوں کی مثل ہیں، کیونکہ آپ سامنے سے اور پس پشت یکساں دیکھتے تھے اور ہم صرف سامنے سے دیکھ سکتے ہیں، آپ اپنی آنکھوں سے جنات اور فرشتوں کو دیکھتے تھے بلکہ آپ نے اپنی آنکھوں سے اللہ عزوجل کو بھی دیکھا اور ہم ان میں سے کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے، اور نہ آپ کے ہاتھ ہمارے ہاتھوں کی مثل ہیں، کیونکہ آپ کے ہاتھ زمین پر رہتے ہوئے جنت میں تصرف فرماتے تھے اور ہم تو پوری زمین پر بھی تصرف نہیں کر سکتے، اور نہ آپ کے کان ہمارے کانوں کی مثل ہیں کیونکہ آپ فرشتوں کی باتیں سنتے تھے اور جنات کا کلام سنتے تھے۔ علیٰ ھذا القیاس کسی وجودی وصف میں کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مماثل نہیں ہے، اس لیے یہاں پر وجودی وصف میں مماثلت مراد نہیں ہے بلکہ عدمی وصف میں مماثلت مراد ہے، یعنی نہ میں مستحق عبادت ہوں اور نہ تم مستحق عبادت ہو۔

بعض لوگ اس آیت سے عام انسانوں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مماثلت پر زور و بیان صرف کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا طٰۤـئِرٍ يَّطِيۡرُ بِجَنَاحَيۡهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمۡثَالُكُمۡ‌ؕ مَا فَرَّطۡنَا فِى الۡكِتٰبِ مِنۡ شَىۡءٍ‌ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمۡ يُحۡشَرُوۡنَ (الانعام: ۳۸)" (اور زمین پر چلنے والا ہر جاندار اور فضا میں اپنے پروں سے اڑنے والا ہر پرندہ صرف تمہاری مثل مخلوق ہیں، اور ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا، پھر وہ سب اپنے رب کی طرف جمع فرمائے جائیں گے)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو چوپایوں اور پرندوں کی مثل فرمایا ہے اور چوپایوں اور پرندوں میں خنزیر اور گدھ وغیرہ بھی شامل ہیں، پس اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم خنزیر اور گدھ کی مثل ہو اور ثبوت میں یہ آیت پڑھے تو کیا یہ اس شخص کی توہین نہیں ہوگی؟ حالانکہ عام لوگوں کو خنزیر اور گدھ پر اتنی فضیلت نہیں ہے جتنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر فضیلت ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اہل سنت کے عقائد کا شرک نہ ہونا

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں مذکور ہے کہ جب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس شفاعت کے لیے جائیں گے تو وہ کہیں گے: "انی عُبِدۡتُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ولکن ائتوا محمدا" (میری اللہ کے سوا عبادت کی گئی ہے لیکن تم محمد کے پاس جاؤ)، پھر لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں گے تو آپ اُن کی شفاعت فرمائیں گے۔

(سنن ترمذی: ۳۱۴۸، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ۵ ص ۱۸۷)

اہل سنت و جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے "ماکان و مایکون" کا علم مانتے ہیں، ہر چند کہ آپ پر عالم الغیب کا اطلاق

جائز نہیں قرار دیتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نفع رسانی کے قائل ہیں، اور آپ کے وسیلہ سے حاجت روائی کو مانتے ہیں، اور آپ کو حصولِ شفاء کا قوی ذریعہ جانتے ہیں، ان تمام امور کو بعض علماء شرک قرار دیتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اگر یہ امور شرک تھے تو گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کی گئی تھی، اور اگر آپ کی عبادت کی گئی ہوتی تو آپ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح قیامت کے دن مسلمانوں کی شفاعت سے گریز فرماتے لیکن ایسا نہیں ہوگا بلکہ آپ مسلمانوں کی شفاعت فرمائیں گے، تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مذکورہ اعتقاد رکھنا شرک نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

نیک اعمال کی تلقین

''فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا'': پس اگر یہ آیت مشرکین عرب کے متعلق ہے تو وہ مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرتے تھے اور نہ حشر کی توقع رکھتے تھے، پس اس آیت میں اُن کے رب سے ملاقات کا ذکر فرمایا تا کہ وہ اپنے دلوں میں جان لیں کہ اللہ عزوجل کا ان کی طرف احسان قدیم ہے، تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ نیک عمل کریں تا کہ یہ احسان ان کی طرف برقرار رہے اور یہ احسان ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق اور قیامت کا اقرار کرنے پر برانگیختہ کرے۔

اور اگر یہ آیت مومنین کے متعلق ہے تو پھر اس کی تاویل یہ ہے کہ جو شخص اپنے رب سے ملاقات کا یقین رکھتا ہے اور اپنے رب سے ثواب ملنے کا یقین رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے تا کہ اس پر ثواب عطا فرمایا جائے، کیونکہ ثواب صرف عمل صالح پر ملتا ہے نہ کہ اس کے غیر پر۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ علم سے مقصود نیک عمل کرنا ہے۔ اور جس علم کی کوئی انتہاء نہ ہو تو اس سے اس غیر متناہی علم کو طلب کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود اس علم کے تقاضا پر عمل کرنا ہے۔

ریاکاری کی مذمت

''وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا'': اس سے مراد حقیقتاً شرک کرنا ہے جیسا کہ بت پرست شرک کرتے تھے اور بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ موحدین اطاعت کرنے میں اور نیک کام کرنے میں ریاکاری اور دکھاوا نہ کریں، صرف اللہ عزوجل کے لیے عبادت کریں۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۷ ص ۲۱۱-۲۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

ابن ادہم بیان کرتے ہیں کہ ہر چیز کی ایک آفت ہے جو اس چیز کو فاسد کر دیتی ہے، پس عبادت کی آفت ریاکاری ہے اور حلم کی آفت ذلت ہے، اور حیاء کی آفت ضعف ہے اور علم کی آفت نسیان ہے، اور عقل کی آفت اپنے اوپر فخر کرنا ہے، اور حکمت کی آفت فحش گوئی ہے۔۔۔ الحدیث۔ (کتاب الزہد والرقائق: ۸۲۹)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ابن جبیر نے اس آیت کو شرک بالریا کے ساتھ مخصوص کیا اور اسی طرح حسن بصری سے مروی ہے۔ حدیث میں ریاکاری کو شرکِ اصغر فرمایا ہے، یعنی جو شخص بھی کوئی نیک عمل کرے تو اس میں کسی کو دکھانے کی نیت نہ کرے۔

حضرت جندب بن زہیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میں کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کرتا ہوں، پس جب اس پر کوئی دوسرا مطلع ہوتا ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے، تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول نہیں فرماتے جس میں کسی کو اس میں شریک کیا گیا ہو، تب یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں نازل ہوئی۔ اور بہ کثرت احادیث

میں ہے کہ ہر وہ عمل جو کسی دنیاوی غرض کی بناء پر کیا جائے، وہ قبول نہیں ہوتا۔

امام احمد، امام مسلم اور دوسرے ائمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل سے روایت کرتے ہیں: میں سب سے بہترین شریک ہوں، پس جس نے کوئی عمل کیا اور اس میں میرے غیر کو شریک کیا تو میں اس عمل سے بری ہوں، اور یہ عمل اس کے لیے ہے جس کو اس نے شریک کیا۔

(مسند احمد: ٧٩٩٩، مسند البزار: ٨٣٠٩، صحیح ابن خزیمہ: ٩٣٨، صحیح ابن حبان: ٣٩٥، تاریخ ابن عساکر: ١٣٩٢، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ٣ ص ٣٤٧)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! میں کوئی نیک عمل کرتا ہوں، اس پر لوگ مطلع ہوتے ہیں تو میں خوش ہوتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں دو اجر ملیں گے، ایک تنہائی میں عمل کرنے کا اجر ملے گا اور ایک اس کے ظہور کا اجر ملے گا۔

(سنن ابن ماجہ: ٤٢٢٦، مسند البزار: ٧٩٣٣، المعجم الاوسط للطبرانی: ٤٢٣، شعب الایمان: ٦٦١١، شرح السنۃ للبغوی: ٤١٤٣، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ٣ ص ٣٩٢)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: یہ اس صورت پر محمول ہے جب کسی شخص کا نیک عمل دوسروں کے لیے اس جیسے عمل کرنے کا باعث اور محرک ہو اور اس کی اقتداء کرنے کا سبب ہو۔ (روح المعانی، جز ١٦ ص ٧٨-٨٧، دارالفکر، بیروت، ١٤١٧ھ)
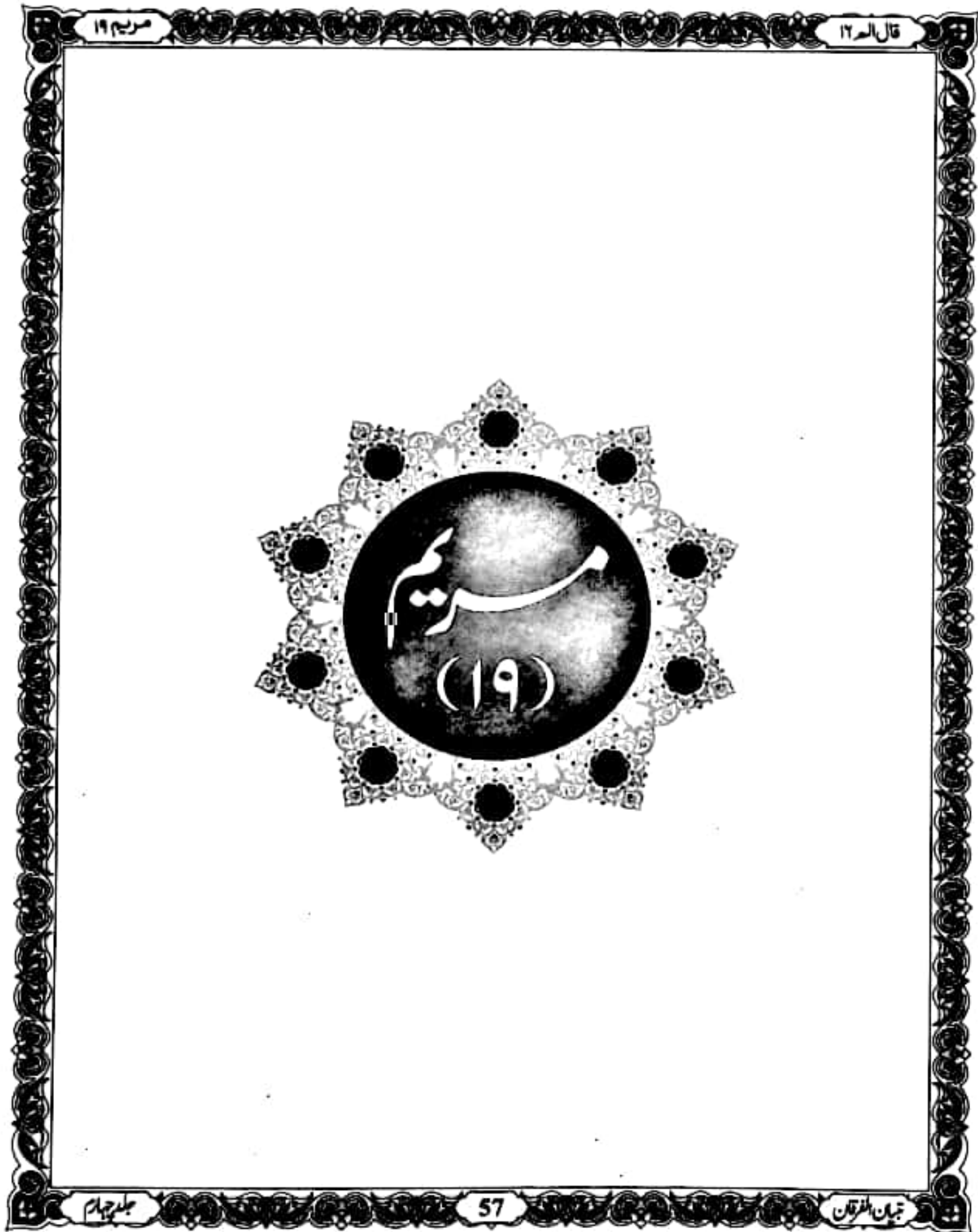
مریم
(۱۹)

سورۂ مریم کا اجمالی تعارف

حضرت مریم بنت عمران کا تذکرہ

امام ثقۃ الدین ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر شافعی متوفی ۵۷۱ھ، لکھتے ہیں:

حضرت مریم الصدیقہ ام عیسیٰ ربوہ میں تھیں، کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر غیرب میں ہے، اور یہ صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ۔ (المومنون: ۵۰)" (اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم اور ان کی والدہ کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا اور انہیں ایک بلند اور قابل رہائش جگہ میں پناہ عطا فرمائی جہاں چشمے جاری تھے)۔ حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: یعنی وہ ایسی زمین تھی جو ہموار تھی اور اس میں دریا اور درخت تھے، اس سے ان کی مراد دمشق کی سرزمین ہے۔

عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ مریم کی والدہ کا نام حنہ ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ (آل عمران: ۳۵)" (اور یاد کیجئے! جب عمران کی بیوی نے عرض کی: اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو حمل ہے میں آپ کے لیے اس کی نذر مانتی ہوں کہ وہ خاص آپ کے لیے آزاد کیا ہوا ہوگا، سو آپ اس نذر کو مجھ سے قبول فرمائیں، بے شک آپ سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں)۔ یعنی میں نذر مانتی ہوں کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ آپ کے لیے آزاد کیا ہوا ہوگا اور اس کو کوئی کام عبادت سے مشغول نہیں رکھے گا۔

سفیان نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ عمران کی بیوی نے کہا: وہ بچہ ایک سال تک عبادت گاہ کی خدمت کرے گا، پس جب اُن سے لڑکی پیدا ہوئی تو لوگوں نے کہا: عورت عبادت گاہ کی خدمت کیسے کرے گی حالانکہ عورت کو حیض آتا ہے، پھر انہوں نے قرعہ اندازی کے لیے قلم ڈالے، جن قلموں سے وہ وحی کو لکھتے تھے کہ مریم کی کفالت کون کرے گا تو حضرت زکریا علیہ السلام کے نام کا قرعہ نکلا، اور حضرت مریم کی خالہ ان کے نکاح میں تھیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ (آل عمران: ۳۶)" (پھر جب اس کا وضع حمل ہوا تو اس نے عرض کی: اے میرے رب! مجھ سے تو یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے اور اللہ اس کے وضع حمل کو خوب جاننے والے ہیں (عمران کی بیوی نے عرض کی:) اور میرا طلب کردہ لڑکا اس لڑکی کی مثل نہیں ہوسکتا جو آپ نے عطا فرمائی ہے، اور بے شک میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے، اور بے شک میں اس لڑکی کو اور اس کی اولاد (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں)۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی، پس شیطان نہ حضرت مریم کے قریب آیا اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قریب آسکا۔

حضرت مریم کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ابن آدم کے پاس شیطان پہنچ جاتا ہے اور جب وہ پیدا ہونے کے بعد رو کر آواز نکالتا ہے تو وہ اپنی انگلی اس کو چبھوتا ہے سوائے مریم بنت عمران اور اُن کے بیٹے عیسیٰ کے، شیطان ان دونوں تک نہیں پہنچ سکا۔ (مسند احمد: ج ۳ ص ۷۱۳، رقم الحدیث: ۲۸۸۳)

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت مریم نو مہینے بعد حاملہ ہو گئیں اور اُن کا حمل ظاہر ہوا تو اُن سے حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا: اے مریم! مجھے یہ بتاؤ کیا کوئی کھیت بغیر بیج کے پیدا ہو سکتا ہے یا کوئی درخت بغیر بارش کے پیدا ہو سکتا ہے، یا بغیر مرد کے اولاد ہو سکتی ہے؟ تو حضرت مریم نے کہا: رہا آپ کا قول کہ کوئی کھیت بغیر بیج کے ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے کھیت سے پہلے بیج کو پیدا فرمایا، اور رہا آپ کا یہ کہنا کہ کوئی درخت بغیر بارش کے پیدا ہو سکتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت کو بغیر بارش کے پیدا فرمایا، رہا آپ کا یہ کہنا کہ کیا اولاد بغیر مرد کے ہو سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر عورت اور مرد کے پیدا فرمایا۔

(تاریخ دمشق، جزء ۷۴، ص ۶۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ابو امامہ الباہلی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک مریم بنت عمران نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ انہیں بغیر شوربہ کے گوشت کھلائیں تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو ٹڈیاں کھلائیں۔ (تاریخ دمشق، جزء ۷۴، ص ۷۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام عورتوں میں افضل مریم بنت عمران ہیں اور تمام عورتوں میں افضل خدیجہ ہیں۔ (صحیح البخاری: ۳۴۳۲، ۳۸۱۵، صحیح مسلم: ۲۴۳۰، الرقم المسلسل: ۶۱۶۵، سنن ترمذی: ۳۹۰۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار عورتیں اپنے جہان کی عورتوں کی سردار ہیں: (۱) مریم بنت عمران (۲) آسیہ بنت مزاحم (۳) خدیجہ بنت خویلد (۴) فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان سب میں علم کے لحاظ سے فاطمہ افضل ہیں۔ (جامع الحدیث ج ۱ ص ۳۰۸، رقم الحدیث: ۲۷۹۱، تاریخ دمشق: ۱۵۳۰۳)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ اللہ عزوجل نے جنت میں مریم بنت عمران سے میرا نکاح فرمادیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کلثم سے میرا نکاح فرمادیا، اور فرعون کی بیوی آسیہ سے میرا نکاح فرمادیا، تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کو مبارک ہو۔ (تاریخ دمشق: ۱۵۳۲۸)

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں میں تو بہت لوگ کامل ہیں اور عورتوں میں سوائے مریم بنت عمران کے اور آسیہ زوجہ فرعون کے کوئی کامل نہیں ہے۔ اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۴۱۱، ۳۴۳۳، ۳۷۶۹، ۵۴۱۸، صحیح مسلم: ۲۴۳۱، سنن ترمذی: ۱۸۳۴، سنن نسائی: ۳۹۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۰، مسند احمد: ۱۹۰۲۹)

حضرت مریم کی فضیلت میں ہم نے احادیث کو ذکر کیا ہے، اور حضرت مریم کے احوال کے متعلق سورۂ مریم کی متعدد آیات ہیں، ہم نے یہاں پر اُن کو اس لیے ذکر نہیں کیا کہ عنقریب سورۂ مریم کی تفسیر میں اُن آیات کا بیان اور اُن کی تفسیر آجائے گی۔ یہ مختصر سا تذکرہ حضرت مریم کے متعلق ہے، اب ہم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سورۂ مریم کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔

آیاتها ۹۸ | ۱۹ سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ۴۴ | رکوعاتها ۶

(سورۂ مریم مکی ہے اور اس میں اٹھانوے آیات اور چھ رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے نہایت مہربان ہیں

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾

کھیعص O یہ آپ کے رب کی اس رحمت کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے مکرم بندے زکریا پر فرمائی O

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾

جب انہوں نے اپنے رب کو آہستہ سے پکارا O

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾

انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب! اب میرے جسم کی ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں اور بڑھاپے کے سبب سر سے سفیدی بھڑک اٹھی ہے، اور اے میرے رب! میں آپ سے دعا مانگ کر کبھی نامراد نہیں رہا O

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿۵﴾

اور میرے بعد مجھے اپنے قریبی رشتہ داروں سے خطرہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے، سو آپ مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرمائیں O

يَّرِثُنِیْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾

جو میرا اور آلِ یعقوب کا (علمی) وارث ہو، اور اے میرے رب! اس کو اپنا پسندیدہ بندہ بنا لیں O

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾

(اللہ نے فرمایا:) اے زکریا! ہم آپ کو ایک بیٹے کی بشارت فرماتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے، ہم نے اس سے پہلے اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں فرمایا O

حضرت مریم کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ابن آدم کے پاس شیطان پہنچ جاتا ہے اور جب وہ پیدا ہونے کے بعد رو کر آواز نکالتا ہے تو وہ اپنی انگلی اس کو چبھوتا ہے سوائے مریم بنت عمران اور اُن کے بیٹے عیسیٰ کے، شیطان ان دونوں تک نہیں پہنچ سکا۔ (مسند احمد: ج ۳ ص ۲۷۴، رقم الحدیث: ۲۸۸۴)

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت مریم نو مہینے بعد حاملہ ہو گئیں اور اُن کا حمل ظاہر ہوا تو اُن سے حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا: اے مریم! مجھے یہ بتاؤ کیا کوئی کھیت بغیر بیج کے پیدا ہو سکتا ہے یا کوئی درخت بغیر بارش کے پیدا ہو سکتا ہے، یا بغیر مرد کے اولاد ہو سکتی ہے؟ تو حضرت مریم نے کہا: رہا آپ کا قول کہ کوئی کھیت بغیر بیج کے ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے کھیت سے پہلے بیج کو پیدا فرمایا، اور رہا آپ کا یہ کہنا کہ کوئی درخت بغیر بارش کے پیدا ہو سکتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت کو بغیر بارش کے پیدا فرمایا، رہا آپ کا یہ کہنا کہ کیا اولاد بغیر مرد کے ہو سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر عورت اور مرد کے پیدا فرمایا۔

(تاریخ دمشق، جز ۷۳، ص ۶۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ابو امامہ الباہلی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک مریم بنت عمران نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ انہیں بغیر شوربے کے گوشت کھلائیں تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو ٹڈیاں کھلائیں۔ (تاریخ دمشق، جز ۷۳، ص ۷۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام عورتوں میں افضل مریم بنت عمران ہیں اور تمام عورتوں میں افضل خدیجہ ہیں۔ (صحیح البخاری: ۳۸۱۵،۳۴۳۲، صحیح مسلم: ۲۴۳۰، الرقم المسلسل: ۶۱۶۵، سنن ترمذی: ۳۹۰۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار عورتیں اپنے جہان کی عورتوں کی سردار ہیں: (۱) مریم بنت عمران (۲) آسیہ بنت مزاحم (۳) خدیجہ بنت خویلد (۴) فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان سب میں علم کے لحاظ سے فاطمہ افضل ہیں۔ (جامع الاحادیث ج ۱ ص ۳۰۸، رقم الحدیث: ۲۷۹۱، تاریخ دمشق: ۱۵۳۰۳)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ اللہ عزوجل نے جنت میں مریم بنت عمران سے میرا نکاح فرما دیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کلثم سے میرا نکاح فرما دیا، اور فرعون کی بیوی آسیہ سے میرا نکاح فرما دیا تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کو مبارک ہو۔ (تاریخ دمشق: ۱۵۳۲۸)

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں میں تو بہت لوگ کامل ہیں اور عورتوں میں سوائے مریم بنت عمران کے اور آسیہ زوجہ فرعون کے کوئی کامل نہیں ہے۔ اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۴۱۱، ۳۴۳۳، ۳۷۶۹، ۵۴۱۸، صحیح مسلم: ۲۴۳۱، سنن ترمذی: ۱۸۳۴، سنن نسائی: ۳۹۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۰، مسند احمد: ۱۹۰۲۹)

حضرت مریم کی فضیلت میں ہم نے احادیث کو ذکر کیا ہے، اور حضرت مریم کے احوال کے متعلق سورۂ مریم کی متعدد آیات ہیں، ہم نے یہاں پر اُن کو اس لیے ذکر نہیں کیا کہ عنقریب سورۂ مریم کی تفسیر میں اُن آیات کا بیان اور اُن کی تفسیر آ جائے گی۔ یہ مختصر سا تذکرہ حضرت مریم کے متعلق ہے، اب ہم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سورۂ مریم کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔

آیاتها ۹۸ ۱۹ سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ۴۴ رکوعاتها ۶

(سورۂ مریم مکی ہے اور اس میں اٹھانوے آیات اور چھ رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾

کٓھٰیٰعٓصٓ O یہ آپ کے رب کی اس رحمت کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے مکرم بندے زکریا پر فرمائی O

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾

جب انہوں نے اپنے رب کو آہستہ سے پکارا O

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾

انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب! اب میرے جسم کی ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں اور بڑھاپے کے سبب سر سے سفیدی بھڑک اٹھی ہے، اور اے میرے رب! میں آپ سے دعا مانگ کر کبھی نامراد نہیں رہا O

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿۵﴾

اور میرے بعد مجھے اپنے قریبی رشتہ داروں سے خطرہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے، سو آپ مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرمائیں O

يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾

جو میرا اور آلِ یعقوب کا (علمی) وارث ہو، اور اے میرے رب! اس کو اپنا پسندیدہ بندہ بنائیں O

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾

(اللہ نے فرمایا:) اے زکریا! ہم آپ کو ایک بیٹے کی بشارت فرماتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے، ہم نے اس سے پہلے اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں فرمایا O

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿۸﴾

زکریا نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا کیسے پیدا ہوگا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے، اور میں بڑھاپے کی انتہاء کو پہنچ چکا ہوں ○

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴿۹﴾

اللہ نے فرمایا: اسی طرح ہوگا، آپ کے رب نے فرمایا: یہ کام میرے لیے آسان ہے، جب کہ اس سے پہلے میں تم کو پیدا فرما چکا ہوں اور تم کچھ بھی نہ تھے ○

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿۱۰﴾

زکریا نے کہا: اے میرے رب! میرے لیے اس پر کوئی نشانی بنا دیں، اللہ نے فرمایا: تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم تین راتیں اور تین دن تک لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے ○

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ﴿۱۱﴾

پس وہ اپنی عبادت کی جگہ سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور انہیں اشارہ سے کہا کہ تم صبح اور شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو ○

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾

(ہم نے فرمایا:) اے یحییٰ! کتاب کے احکام کو مضبوطی سے پکڑ لو اور ہم نے ان کو بچپن میں ہی نبوت عطا فرما دی ○

وَّ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً ؕ وَ كَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾

اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی عطا فرمائی اور وہ اللہ سے بہت ڈرنے والے تھے ○

وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَ لَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾

اور وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش اور نافرمان نہ تھے ○

وَ سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾

ان پر اس دن سلام ہو جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وہ وفات پائیں گے اور جس دن ان کو زندہ فرما کر اٹھایا جائے گا ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کٓھٰیٰعٓصٓ ○ یہ آپ کے رب کی اس رحمت کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے مکرم بندے زکریا پر فرمائی ○" (مریم: ۱۔۲)

حروف مقطعات میں سے ''کٓھٰیٰعٓصٓ'' کی تخصیص

علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، مریم: ۱ تا ۱۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان حروف مذکورہ کے متعلق مفسرین کے چار اقوال ہیں:

(۱) پہلا قول: ''کٓھٰیٰعٓصٓ'': اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہ حروف اللہ عزوجل کے اسماء میں سے ہیں، پھر اُن کا اس میں اختلاف ہے کہ ''الکاف'' کون سا اسم ہے، اور اس کے متعلق چار اقوال ہیں:

یہ اللہ عزوجل کے اسم ''الکبیر'' سے ماخوذ ہے (۲) یہ اللہ عزوجل کے اسم ''الکریم'' سے ماخوذ ہے (۳) یہ اللہ عزوجل کے اسم ''الکافی'' سے ماخوذ ہے۔ (یہ تینوں اقوال سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیے ہیں)۔

(۴) محمد بن کعب نے کہا: یہ اللہ سبحانہٗ کے اسم ''الملک'' سے ماخوذ ہے۔

رہی ''الھاء'' تو سب نے کہا کہ یہ اللہ عزوجل کے اسم ''الھادی'' سے ماخوذ ہے سوائے القرظی کے، کیونکہ انہوں نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اسم ''اللہ'' سے ماخوذ ہے۔

رہی ''الیاء'' تو اس کے متعلق تین اقوال ہیں: (۱) یہ اللہ تعالیٰ کے اسم ''الحکیم'' سے ماخوذ ہے (۲) یہ اللہ تعالیٰ کے اسم ''الرحیم'' سے ماخوذ ہے، (۳) یہ اللہ تعالیٰ کے اسم ''الامین'' سے ماخوذ ہے۔ (یہ تینوں اقوال سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیے ہیں)۔

رہی ''العین'' تو اس کے متعلق چار اقوال ہیں: (۱) یہ ''العلیم'' سے ماخوذ ہے (۲) یہ ''العالم'' سے ماخوذ ہے (۳) یہ ''العزیز'' سے ماخوذ ہے، (یہ تینوں اقوال بھی سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیے ہیں)۔ (۴) الضحاک نے کہا کہ یہ ''العدل'' سے ماخوذ ہے۔

رہا ''الصاد'' تو اس کے متعلق تین اقوال ہیں: (۱) یہ ''الصادق'' سے ماخوذ ہے (۲) یہ ''الصدوق'' سے ماخوذ ہے۔ (یہ دونوں قول بھی سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیے ہیں)۔ (۳) محمد بن کعب نے کہا کہ یہ ''الصمد'' سے ماخوذ ہے۔

(۲) دوسرا قول: علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ''کٓھٰیٰعٓصٓ'' اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس اسم کے ساتھ قسم کھائی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ کہتے تھے: ''یا کٓھٰیٰعٓصٓ اغفرلی'' (یعنی اے ''کٓھٰیٰعٓصٓ'' میری مغفرت فرمائیں)۔ الزجاج نے کہا: ''کٓھٰیٰعٓصٓ'' کا قسم ہونا اور اس اسم سے دعا کرنا اس کی دلیل نہیں ہے کہ یہ اسم واحد ہے، کیونکہ دعا کرنے والے کو جب یہ علم ہو کہ ان حروف سے دعا کرنا اللہ تعالیٰ کی صفات پر دلالت کرتا ہے اور پھر وہ ان حروف کے ساتھ دعا کرے تو گویا کہ اس نے کہا: اے کافی! اے ہادی! اے عالم! اے صادق!، اور جب اس نے ان حروف کے ساتھ قسم کھائی تو گویا کہ اس نے کہا کہ الکافی، الھادی، العالم، الصادق کی قسم۔ اور ان حروف پر جزم ہے، کیونکہ یہ حروف ہجائیہ ہیں اور ان میں وقف کیا جاتا ہے۔

(۳) تیسرا قول: الحسن البصری اور مجاہد نے کہا: ''کٓهٰیٰعٓصٓ'' اس سورت کا اسم ہے۔

(۴) چوتھا قول: قتادہ نے کہا کہ ''کٓهٰیٰعٓصٓ'' قرآن مجید کے اسماء ہیں۔

''ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا'': یعنی جس کلام کی ہم آپ پر تلاوت فرما رہے ہیں، یہ آپ کے رب کی اپنے مکرم بندے پر رحمت ہے۔ اس آیت میں زکریا کا لفظ ہے، یہ عبدہ سے بدل ہے یا عطف بیان ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ

حضرت زکریا علیہ السلام کا نام ہے زکریا بن دان، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا نام زکریا بن اُدن بن مسلم بن صدوق بن داؤد بن سلیمان بن مسلم بن صدیقہ ہے۔

وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ اسحاق نے کہا کہ زکریا بن دان ابویحییٰ اُن انبیاء کے بیٹوں میں سے تھے جو بیت المقدس میں وحی لکھتے تھے۔ اور عمران بن فاتار جو مریم کے والد تھے وہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام کے بیٹوں میں سے ہر ایک کی نسل اور جنس سے ایک بیٹا بیت المقدس کے لیے آزاد کیا جاتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۵۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نجار یعنی بڑھئی تھے۔ (تاریخ دمشق: ۱۷: ۲۲)

حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام کی شہادت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو آپ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو آسمان میں دیکھا، پس آپ نے اُن کو سلام کیا اور آپ نے اُن سے فرمایا: اے ابویحییٰ! (یحییٰ علیہ السلام کے والد) مجھے آپ اپنے قتل کے متعلق خبر دیجئے کہ کس طرح آپ کا قتل ہوا اور بنی اسرائیل نے کیوں آپ کو قتل کیا؟ انہوں نے بیان کیا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم)، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یحییٰ اپنے زمانہ میں سب سے نیک تھے اور سب سے حسین تھے، اور جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''سَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ'' (آل عمران: ۳۹) ''(اور سردار ہوں گے اور عورتوں سے دور رہنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور ہمارے نیک بندوں میں سے ہوں گے)۔ انہیں عورتوں کی خواہش نہیں تھی، پس بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ کی بیوی اُن پر فریفتہ ہوگئی اور وہ بدچلن تھی، اس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پیغام بھیج کر بلایا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو بچائے رکھا اور انہوں نے اس عورت کی خواہش پوری کرنے سے انکار فرمایا۔ پھر اس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا، وہ عورت بادشاہ کے پاس گئی، بادشاہ اس کے حسن سے متاثر ہوا اور اس نے کہا: تم مجھ سے مانگو کیا مانگتی ہو تم جو مانگو گی میں تم کو دوں گا، اس عورت نے کہا: میں یحییٰ بن زکریا کا خون مانگتی ہوں، بادشاہ نے کہا: کوئی اور چیز مانگ لو، اس نے کہا: نہیں مجھے وہی چاہیے، پھر جب حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنی عبادت کی جگہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور میں بھی ایک جانب نماز پڑھ رہا تھا تو اس کا کارندہ آیا تو اس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ذبح کر کے ان کا سر ایک تھال میں رکھا اور ان کا سر اور خون اس عورت کی طرف بھیج دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زکریا علیہ السلام سے پوچھا: آپ نے اس پر کیسے صبر کیا؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا۔

جب صبح ہوئی تو بنی اسرائیل نے کہا: زکریا کا رب زکریا پر غضب ناک ہو گیا ہے، آؤ ہم زکریا کو قتل کر دیں، پس وہ لوگ میری تلاش میں نکلے تا کہ مجھے قتل کریں، سو میں اُن سے بھاگا اور ابلیس ان کے آگے آگے مجھ پر راہنمائی کر رہا تھا، جب مجھے یہ خوف ہوا کہ میں ان کو عاجز نہیں کر سکوں گا تو میرے سامنے ایک درخت ظاہر ہوا، اس درخت نے مجھے نداء کی کہ میرے پاس آ جائیں اور وہ درخت پھٹ گیا اور میں اس درخت میں داخل ہو گیا۔ ابلیس آیا اور میری چادر کی ایک طرف درخت میں پھنسی ہوئی تھی، اس نے ان لوگوں کو اس چادر کی طرف راہنمائی کی اور بتایا کہ یہ اپنے جادو سے اس درخت میں داخل ہو گئے ہیں، ان لوگوں نے کہا کہ ہم اس درخت کو جلا دیتے ہیں، ابلیس نے کہا: نہیں اس کو آری سے کاٹ ڈالو، پھر مجھے اس درخت کے اندر آری سے کاٹ ڈالا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے زکریا! جب اس درخت کو آری سے کاٹا گیا تو آپ نے کوئی تکلیف یا درد محسوس کیا؟ حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا: نہیں! (تاریخ دمشق، جز ۲۱ ص ۳۳-۳۹، ملخصاً وملتقطاً، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جب انہوں نے اپنے رب کو آہستہ سے پکارا" (مریم:۳)

آہستہ آواز کے ساتھ دعا کرنے کا استحباب

"إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا": اس آیت میں نداء کا معنی دعا ہے۔ اور اس دعا کو مخفی رکھنے کے متعلق تین اقوال ہیں:

(۱) ابن جریج نے کہا ہے: آہستگی سے دعا کرنا ریاکاری سے بعید ہے (۲) مقاتل نے کہا ہے: حضرت زکریا نے آہستگی کے ساتھ دعا اس لیے کی کہ کہیں لوگ سن کر یہ نہ کہیں کہ اس بوڑھے آدمی کو دیکھو، یہ بڑھاپے میں اولاد کے متعلق سوال کر رہا ہے (۳) ابوسلیمان الدمشقی نے کہا: انہوں نے آہستہ آواز کے ساتھ دعا اس لئے کی کہ کہیں اُن کے چچا زاد یہ دعا سن کر یہ گمان کریں کہ وہ اپنے بعد اپنے رشتہ داروں کے وارث ہونے کو ناپسند کرتے ہیں۔ یہ قصہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ دعا کرنے میں مستحب یہ ہے کہ پست آواز کے ساتھ دعا کی جائے۔

آہستہ آواز کے ساتھ دعا اور ذکر کے متعلق حدیث

حضرت ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھاٹی میں یا بتایا ایک وادی میں چلنا شروع فرمایا، پس جب ایک مرد اس کی بلندی پر پہنچا تو اس نے بلند آواز سے کہا "لا الہ الا اللہ واللہ اکبر" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار تھے تو آپ نے فرمایا: بے شک تم نہ کسی بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ کسی غائب کو، پھر آپ نے فرمایا: اے ابوموسیٰ! یا فرمایا: اے ابوعبداللہ! کیا میں تمہیں ایسے کلمہ کی رہنمائی نہ فرماؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے، میں نے کہا کیوں نہیں، آپ نے فرمایا: "لاحول ولا قوۃ الا باللہ"۔

(صحیح البخاری: ۴۲۰۵، صحیح مسلم: ۲۷۰۴، سنن ترمذی: ۳۴۶۱، سنن ابوداؤد: ۱۵۲۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۲۴، مسند احمد: ۱۹۱۰۲)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو بہ قدر کفایت ہو۔

(صحیح ابن حبان: ۸۰۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۳۷۵، مسند ابویعلیٰ: ۷۳۱، کتاب الدعاء للطبرانی: ۱۸۸۳، شعب الایمان ج ۱ ص ۳۳۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب! اب میرے جسم کی ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں اور بڑھاپے کے سبب سر سے سفیدی بھڑک اٹھی ہے، اور اے میرے رب! میں آپ سے دعا مانگ کر کبھی نامراد نہیں رہاO'' (مریم:۴)

''قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ'': ہڈیوں کے کمزور ہونے سے یہ مراد ہے کہ اُن کی ہڈیوں کی قوت بڑھاپے کی وجہ سے ختم ہو چکی تھی۔ اور قتادہ نے کہا: ہڈیوں سے مراد اُن کے دانت ہیں، یعنی اُن کی ڈاڑھیں کمزور ہو چکی تھیں۔ ''وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا'': یعنی اُن کے بڑھاپے کی سفیدی پھیل چکی ہے، جس طرح آگ کی شعاعیں لکڑیوں میں بھڑک جاتی ہیں۔

''وَلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآىِٕكَ رَبِّ شَقِیًّا'': اور اے میرے رب! میں آپ سے دعا کر کے کبھی نامراد نہیں ہوا، کیونکہ آپ نے ہمیشہ میری دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرمایا ہے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: بعض آثار میں مذکور ہے کہ جب بندہ اپنی دعا میں کہے ''یارب'' (اے میرے رب!) تو اللہ تعالیٰ اس سے فرماتے ہیں ''لبیك یا عبدی''، اور روایت ہے کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا: ''یارب'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لبیك یا موسیٰ'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: کیا یہ میرے ساتھ مخصوص ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہیں! لیکن جو بھی مجھے میری ربوبیت کے ساتھ پکارے گا (تو میں اس کو اسی طرح جواب دوں گا)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب بندہ یہ چاہے کہ اس کی دعا قبول فرمائی جائے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات میں سے جو اسم اور صفت اس دعا کے مناسب ہو، اس کے ساتھ دعا کرے۔ (روح المعانی، ج ۱۶ ص ۸۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

حضرت زکریا علیہ السلام کے دعا میں اپنی تکالیف کے ذکر کی توجیہ

میں کہتا ہوں کہ جب بندہ اپنی دعا میں اپنے ضعف کے احوال بیان کرے اور اپنی لاغری کا ذکر کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ بندے کو یہ چاہیے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی ہڈیوں کی کمزوری اور اپنے بڑھاپے کا ذکر فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ سے شکایت نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرنا تھا کہ اب چونکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں، اس لیے میں اس دعا کی قبولیت کا زیادہ محتاج ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۚۖ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِیْنَ'' (الانبیاء: ۸۳۔۸۴) (اور ایوب کا تذکرہ کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے سخت تکلیف لاحق ہو گئی ہے اور آپ سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیںO ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کی تکلیف دور فرما دی اور اپنی خاص رحمت سے انہیں صرف ان کی اولاد ہی (زندہ کر کے) عطا نہیں فرمائی بلکہ اتنی ہی مزید اولاد عطا فرما دی تاکہ عبادت گزاروں کے لیے نصیحت ہو)۔

اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام کا دعا میں اپنی تکالیف کا ذکر کرنا صرف اس لیے تھا تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اُن کے حال کی طرف متوجہ ہو اور وہ اُن کی دعا کو قبول فرمائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور میرے بعد مجھے اپنے قریبی رشتہ داروں سے خطرہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے، سو آپ مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرمائیں O'' (مریم:۵)

''وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ'': یعنی جو رشتہ دار نسب میں اُن کے قریب ہیں اور وہ اُن کے چچازاد اور دیگر عصبات ہیں۔

''مِنْ وَّرَآءِیْ'': یعنی میری وفات کے بعد۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے اپنے قریبی رشتہ داروں سے خوف کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کو یہ خوف تھا کہ وہ اُن کے وارث ہوں گے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ نبی کے لیے یہ کیسے جائز ہے کہ وہ اپنی وفات کے بعد اپنے قرابت داروں کے حقوق مفروضہ کی ادائیگی سے خوف زدہ ہو؟ اس اعتراض کے دو جواب ہیں:

(۱) جب کہ حضرت زکریا علیہ السلام نبی تھے اور نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا، تو اُن کو یہ خوف ہوا کہ اُن کے قریبی رشتہ دار اُن کے مال کے وارث ہو جائیں گے اور جس مال کو لینا اُن کے لیے جائز نہیں ہے اس مال کو وہ لے لیں گے۔

(۲) حضرت زکریا علیہ السلام پر اُن کی بشری طبیعت کا تقاضا غالب تھا، اس لیے انہوں نے چاہا کہ وہ اپنے مال اور اولاد کے خود متولی ہوں۔ ان دونوں جوابوں کا ذکر ابن الانباری نے کیا ہے۔

علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں: اس کا بیان یہ ہے کہ وہ خود اپنے مال کے متولی ہونا چاہتے تھے، اگرچہ وہ مال اُن کی وراثت نہیں تھا۔ پس انہوں نے پسند کیا کہ اُن کی اولاد اس مال کی متولی ہو۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ مفسرین کی جماعت نے ذکر کیا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو یہ خوف تھا کہ اُن کے قریبی رشتہ دار دین کو ضائع کر دیں گے۔ ''وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا'': اور میری بیوی بانجھ ہے۔

''فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا'': پس آپ مجھے اپنے پاس سے ایک نیک بیٹا عطا فرمائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو میرا اور آلِ یعقوب کا (علمی) وارث ہو، اور اے میرے رب! اس کو اپنا پسندیدہ بندہ بنائیں O'' (مریم:۶)

''یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ'': اس میراث کے متعلق چار اقوال ہیں:

(۱) عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ میرے مال کا وارث ہو اور آلِ یعقوب سے نبوت کا وارث ہو۔ (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ مجھ سے علم کا وارث ہو اور آلِ یعقوب سے ملک اور سلطنت کا وارث ہو، پس اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور اُن کے بیٹے کو علم کا وارث بنایا نہ کہ ملک اور سلطنت کا۔ (۳) حسن بصری نے کہا: وہ میری نبوت اور میرے علم کا وارث ہو اور آلِ یعقوب سے بھی نبوت کا وارث ہو۔ (۴) عطاء اور مجاہد نے کہا کہ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، اور کلبی کا یہ زعم ہے کہ آلِ یعقوب اُن کے ماموں تھے۔ اور یہ وہ یعقوب نہیں ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد تھے۔ اور مقاتل نے کہا: وہ یعقوب بن ماثان ہیں اور یہ یعقوب اور عمران جو مریم کے والد تھے دونوں آپس میں بھائی تھے۔

اور صحیح یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے مال کی وراثت کا ارادہ نہیں کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم (گروہ انبیاء) وارث نہیں بناتے، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۰۳۴، ۶۷۲۷، ۶۷۳۰، صحیح مسلم: ۱۷۵۹، سنن ابوداؤد: ۲۹۶۸، مسند احمد: ۱۰)

اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں ہے: "وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ۔ (النمل: ۱۶)" (اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے)۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیاء میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے مال کے وارث نہیں ہوئے، وہ اُن سے حکمت اور علم کے وارث ہوئے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔

(صحیح مسلم: ۲۳۷۹، الرقم المسلسل: ۶۱۱۲، رقم حدیث الباب: ۱۶۹، سنن ابن ماجہ: ۲۱۵۰، صحیح ابن حبان: ۵۱۴۲، المستدرک ج ۲ ص ۵۹۰)

"وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا": اہل لغت نے کہا ہے کہ "رَضِيًّا" کا معنی ہے مرضیا اور یہ فعیل بہ معنی مفعول ہے، یعنی اے میرے رب! میرے بیٹے کو اپنا پسندیدہ بندہ بنالینا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اللہ نے فرمایا:) اے زکریا! ہم آپ کو ایک بیٹے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے، ہم نے اس سے پہلے اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں فرمایا O" (مریم: ۷)

"يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى" یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی، پس فرمایا: اے زکریا! ہم آپ کو بشارت دیتے ہیں، آل عمران: ۳۹ میں فرمایا ہے: "فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ" (جس وقت زکریا اپنی عبادت کے حجرہ میں نماز پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے اُن کو آواز دے کر کہا: بے شک آپ کو اللہ یحییٰ کی بشارت فرماتے ہیں جو اللہ کے کلمہ (عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور سردار ہوں گے اور عورتوں سے دور رہنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور ہمارے نیک بندوں میں سے ہوں گے)۔ "لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا": اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے یعنی اس سے پہلے کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا گیا، عکرمہ، قتادہ اور ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔ اگر اس پر کوئی اعتراض کرے کہ اس میں مدح کی کون سی وجہ ہے کہ اُن سے پہلے کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا گیا تھا، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سارے ایسے اسماء ہیں جو پہلے کسی اور کے نہیں رکھے گئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کا نام رکھنے کے متولی ہوگئے اور اُن کے نام رکھنے کا معاملہ اُن کے ماں باپ کی طرف سپرد نہیں فرمایا۔

(۲) اور ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اُن کی کوئی نظیر نہیں بنائی۔

(۳) مجاہد نے کہا: ہم نے اس سے پہلے اُن کی مثیل اور شبیہ نہیں بنائی۔ اور اُن کی مثیل کا نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہیں کی اور نہ کبھی ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی معصیت کا خیال آیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''زکریا نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا کیسے پیدا ہوگا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے، اور میں بڑھاپے کی انتہاء کو پہنچ چکا ہوں O''(مریم:۸)

''قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا'': الکلبی نے کہا: جب حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ کی ولادت کی بشارت دی گئی اس وقت ان کی عمر بیانوے (۹۲) سال تھی، دوسرا قول ہے ننانوے (۹۹) سال تھی، اور الضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال تھی اور ان کی بیوی کی عمر اٹھانوے (۹۸) سال تھی اور ان کی بیوی بانجھ تھی ان کے ہاں بچہ نہیں پیدا ہوتا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''اللہ نے فرمایا: اسی طرح ہوگا، آپ کے رب نے فرمایا: یہ کام میرے لیے آسان ہے، جب کہ اس سے پہلے میں تم کو پیدا فرما چکا ہوں اور تم کچھ بھی نہ تھے O''(مریم:۹)

''قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْـًٔا'': ہمارے لیے تمہارے بیٹے کو پیدا فرمانا اس طرح ہے جس طرح ہم نے اس سے پہلے تم کو پیدا فرمایا تھا حالانکہ تم اس وقت کچھ بھی نہ تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''زکریا نے کہا: اے میرے رب! میرے لیے اس پر کوئی نشانی بنا دیں، اللہ نے فرمایا: تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم تین راتیں اور تین دن تک لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے O''(مریم:۱۰)

''قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا'': الزجاج نے کہا: تم کو کلام سے روک دیا جائے گا حالانکہ تم تندرست ہو گے۔ ابن قتیبہ نے کہا: تم صحیح و سالم ہو گے گونگے نہیں ہو گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''پس وہ اپنی عبادت کی جگہ سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور نہیں اشارہ سے کہا کہ تم صبح اور شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو O''(مریم:۱۱)

''فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ'': جس رات اُن کی بیوی حاملہ ہوئی، اس صبح کو وہ اپنی قوم کے پاس آئے۔''مِنَ الْمِحْرَابِ'' یعنی اپنے نماز پڑھنے کی جگہ سے۔''فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی حضرت زکریا علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف کوئی پیغام لکھا۔ اور مجاہد نے کہا: انہوں نے لوگوں کی طرف اپنے سر اور اپنے ہاتھوں سے اشارہ کیا۔''اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا'' یعنی تم نماز پڑھتے رہو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کو صبح اور شام نماز پڑھنے کا حکم فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''(ہم نے فرمایا:) اے یحییٰ! کتاب کے احکام کو مضبوطی سے پکڑ لو اور ہم نے ان کو بچپن میں ہی نبوت عطا فرما دی O''(مریم:۱۲)

''يٰيَحْيٰى'': الزجاج نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا فرمائے اور ہم نے اُن سے کہا: اے یحییٰ!''خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ'' یعنی آپ تورات کو مضبوطی سے پکڑ یئے۔ اور اُن کو تورات کے احکام پر عمل کرنے کا حکم فرمایا گیا تھا۔ ابن الانباری نے کہا: آپ اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان لائیں اور تورات کے احکام پر عمل کریں۔

''وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا'': اس آیت کی تفسیر میں چار اقوال ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: ہم نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو فہم عطا فرمائی۔ (۲) حسن بصری اور عکرمہ نے کہا: ہم نے اُن کو عقل عطا فرمائی۔ (۳) ابن السائب نے کہا: ہم نے اُن کو علم عطا فرمایا۔ (۴) ابوسلیمان دمشقی نے کہا کہ اُن کو تورات کا حفظ کرنا اور اس کا علم عطا فرمایا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جس نے بلوغت سے پہلے قرآن مجید کو پڑھ لیا تو وہ اُن لوگوں میں سے ہے جن کو بچپن میں حکم عطا فرمایا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُن کو سات سال کی عمر میں نبوت عطا فرمائی گئی ہے۔ اور قتادہ اور مقاتل نے کہا: ان کو تین سال کی عمر میں نبوت عطا فرمائی گئی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی عطا فرمائی اور وہ اللہ سے بہت ڈرنے والے تھے○'' (مریم: ۱۳)

''وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا'': الزجاج نے کہا: ہم نے ان کو شفقت عطا فرمائی۔ ابن الانباری نے کہا: ہم نے اُن کو اُن کے زمانہ کے لوگوں کے لیے شفیق بنایا۔ اور الحنان کی تفسیر میں چھ قول ہیں:

(۱) ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد رحمت ہے۔ حسن، عکرمہ، قتادہ اور الضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ ابن الانباری نے کہا: ائمہ لغت کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ الحنان کا معنی رحمت ہے، اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اُن کو حنان بنایا، یہ اُن کے ماں باپ کے لیے ہماری رحمت ہے۔ (۲) مجاہد نے کہا: وہ اپنے رب کی طرف سے رحم کرنے والے تھے۔ (۳) سعید بن جبیر نے کہا: وہ نرم دل تھے۔ (۴) یہ بھی ابن جبیر کا قول ہے کہ وہ برکت والے تھے۔ (۵) عکرمہ اور ابن زید نے کہا: حنان کا معنی ہے محبت۔ (۶) عطاء بن ابی رباح نے کہا: اس کا معنی ہے تعظیم۔

''وَزَكٰوةً'': اس کی تفسیر میں چار قول ہیں:

(۱) الضحاک اور قتادہ نے کہا: زکاۃ سے مراد عمل صالح ہے۔ (۲) ابن السائب نے کہا: زکاۃ کا معنی ہے صدقہ، یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُن کے ماں باپ پر صدقہ کیا۔ (۳) الزجاج نے کہا: زکاۃ سے مراد ہے تطہیر۔ (۴) ابن الانباری نے کہا: زکاۃ سے مراد ہے زیادہ ہونا۔ یعنی وہ خیر میں بہت زیادہ تھے۔ ''وَكَانَ تَقِيًّا'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اُن کو ایسا بنایا کہ وہ مجھ سے ڈرتے تھے اور کسی کو بھی میرے برابر نہیں قرار دیتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش اور نافرمان نہ تھے○'' (مریم: ۱۴)

''وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ'': یعنی ہم نے ان کو اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والا بنا دیا، یعنی وہ اپنے ماں باپ پر لطف کرتے تھے اور احسان کرتے تھے۔ ''وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا'': اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے اور ان کے احکام کے مقابلہ میں سرکشی کرنے والے نہیں تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ان پر اس دن سلام ہو جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وہ وفات پائیں گے اور جس دن ان کو زندہ فرما کر اٹھایا جائے گاO" (مریم:۱۵)

"وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا": "سَلٰمٌ" کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) سلام سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے معروف سلام ہے۔ عطاء نے کہا: ان ایام میں میری طرف سے ان پر سلام نازل ہو۔ (۲) سلام بہ معنی سلامتی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ سلام کو ان ایام کے ساتھ کیوں خاص فرمایا ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اُن کی ولادت رات میں ہوئی ہو اور وفات رات میں ہوئی ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یوم سے مراد وقت ہے۔

حسن بصری نے بیان کیا کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی ملاقات ہوئی، پس حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ مجھ سے بہتر ہیں، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہا: بلکہ آپ مجھ سے بہتر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام پڑھا ہے، اور میں نے خود اپنے اوپر سلام پڑھا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا۔ (مریم:۳۳)" (اور مجھ پر اللہ کا سلام ہو میری پیدائش کے دن، میری وفات کے دن اور جس دن مجھے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا)۔ (زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۳ ص ۱۱۹۔ ۱۲۳، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) آپ کتاب (قرآن مجید میں مذکور) مریم کا ذکر کیجئے، جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرق کی طرف چلی گئیںO

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾

پس مریم نے اُن کے سامنے ایک پردہ ڈال دیا، سو ہم نے مریم کی طرف اپنے فرشتہ (جبریل) کو بھیجا جو اُن کے سامنے صحت مند بشر کی شکل میں متشکل ہوئےO

قَالَتْ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾

مریم نے کہا: اگر آپ اللہ سے ڈرنے والے ہیں تو میں آپ سے رحمٰن کی پناہ طلب کرتی ہوںO

قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾

جبریل نے کہا: میں صرف آپ کے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تاکہ آپ کو پاکیزہ لڑکا عطا کروںO

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾

مریم نے کہا: میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا اور نہ میں بدکاری کرنے والی ہوںO

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

جبریل نے کہا: اللہ کا اسی طرح حکم ہے، آپ کے رب نے فرمایا: یہ کام مجھ پر آسان ہے اور تاکہ ہم اس لڑکے کو لوگوں کے لیے نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنا دیں، اور اس کام کا فیصلہ ہو چکا ہے O

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾

پس مریم کو اس لڑکے کا حمل ہو گیا، پس وہ اس حمل کے ساتھ گھر والوں سے دور جگہ چلی گئیں O

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾

پھر درد زہ ان کو کھجور کے تنے کی طرف لے آیا، مریم نے کہا: کاش! میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور میں بھولی بسری ہو چکی ہوتی O

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾

پس ان کے نیچے سے فرشتے نے ان کو ندا کی کہ تم غمگین نہ ہو، بے شک تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری فرما دیا ہے O

وَهُزِّيْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾

اور تم اپنی طرف کھجور کے تنے کو ہلاؤ تو تم پر تر و تازہ پکی ہوئی کھجوریں گریں گی O

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْۤ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ۚ

پس تم (کھجوریں) کھاؤ اور (چشمہ کا پانی) پیو اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھو، پھر اگر تم کسی بشر کو دیکھو تو اشارے سے کہنا: میں نے رحمٰن کے لیے چپ کے روزہ کی نذر مانی ہے، سو آج میں کسی انسان سے ہرگز بات نہیں کروں گی O

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾

پھر وہ اس لڑکے کو گود میں اٹھا کر اپنی قوم کے سامنے لائیں، ان لوگوں نے کہا: اے مریم! تم نے بہت بڑا جرم کیا ہے O

يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾ۚ

اے ہارون کی بہن! نہ تمہارے باپ بدکار تھے اور نہ تمہاری ماں فاحشہ تھی O

فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ﴿۲۹﴾

پس مریم نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا، ان لوگوں نے کہا: ہم اس سے کیسے بات کریں گے جو گہوارے میں بچہ ہے O

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ۫ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿ۙ۳۰﴾

عیسیٰ نے کہا: بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھ کو نبی بنایا ہے O

وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۪ۖ۳۱﴾

اور میں جہاں کہیں بھی ہوں مجھے برکت والا بنایا ہے، اور میں جب تک زندہ رہوں، مجھے نماز پڑھنے اور زکوۃ ادا کرنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے O

وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾

اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا ہے اور مجھے سرکش اور بد بخت نہیں بنایا O

وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَ یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾

اور مجھ پر اس دن سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں وفات پاؤں گا اور جس دن مجھے دوبارہ زندہ فرما کے اٹھایا جائے گا O

ذٰلِكَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾

یہ عیسیٰ ابن مریم ہیں اور یہ برحق قول ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں O

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿ؕ۳۵﴾

اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائیں، وہ اس سے بلند و برتر ہیں، جب وہ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو اس کام کے متعلق صرف یہ فرماتے ہیں "ہو" پس وہ ہو جاتا ہے O

وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۳۶﴾

اور بے شک اللہ میرے (بھی) رب ہیں اور تمہارے (بھی) رب ہیں، پس تم ان ہی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے O

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۳۷﴾

پھر (اہل کتاب) کے فرقوں نے آپس میں اختلاف کیا، سو ان لوگوں کے لیے سخت عذاب ہے جنہوں نے قیامت کے عظیم دن

میں حاضر ہونے سے انکار کیا O

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

جس دن یہ (منکرین حشر) ہمارے سامنے حاضر ہوں گے تو کس قدر زیادہ سننے والے اور کتنا زیادہ دیکھنے والے ہوں گے، لیکن آج یہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں O

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور (اے رسول اکرم!) ان کافروں کو پشیمانی کے دن سے ڈرائیے جب فیصلہ ہو چکا ہوگا، جب کہ آج وہ غفلت میں مبتلا ہیں اور وہ ایمان نہیں لائیں گے O

اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع

بے شک ہم ہی زمین کے اور زمین پر رہنے والوں کے وارث ہیں اور ہماری ہی طرف سب لوگ لوٹائے جائیں گے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور (اے رسول اکرم!) آپ کتاب (قرآن مجید میں مذکور) مریم کا ذکر کیجئے، جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرق کی طرف چلی گئیں O" (مریم: ۱۶)

حضرت مریم کے مشرقی جانب جانے کی وجوہ

علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، مریم: ۱۶ تا ۴۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ": "الکتٰب" سے مراد ہے قرآن مجید۔ یعنی آپ قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر پڑھ کر لوگوں کو سنائیے! "اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا": جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر "مَكَانًا شَرْقِيًّا" یعنی مشرق کی سمت میں ایک گھر میں چلی گئیں، اور اس دن سخت سردی تھی۔ پس وہ گھر کے بالا خانہ میں بیٹھ گئیں اور اپنے سر کو صاف کر رہی تھیں۔ دوسرا قول ہے کہ وہ حیض سے پاک ہو گئی تھیں تو غسل کرنے کے لیے مشرق کی جانب گئیں۔ حسن بصری نے کہا: اسی وجہ سے نصاریٰ نے مشرق کو اپنا قبلہ بنایا ہے

مشرقی جانب کی تخصیص کی توجیہات

(۱) وہ اپنے معروف گھر کو چھوڑ کر ایسی جگہ جانا چاہتی تھیں جہاں پردہ غسل کر کے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔

(۲) انہوں نے تنہائی کو اس لیے طلب کیا تھا تاکہ اُن کی عبادت میں کوئی اور حارج نہ ہو۔

(۳) وہ مشرقی جانب حیض سے غسل کرنے کے لیے گئیں اور کسی چیز سے انہوں نے ستر کیا ہوا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس مریم نے اُن کے سامنے ایک پردہ ڈال دیا، سو ہم نے مریم کی طرف اپنے فرشتہ (جبریل) کو بھیجا جو اُن کے سامنے صحت مند بشر کی شکل میں متشکل ہوئے O" (مریم: ۱۷)

"فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ انہوں نے اپنے اور دوسروں کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ دیوار کے پیچھے بیٹھ گئی تھیں۔ اور مقاتل نے کہا کہ وہ پہاڑ کے پیچھے بیٹھ گئی تھیں۔

عکرمہ نے کہا: حضرت مریم مسجد میں رہتی تھیں، پس جب اُن کو حیض آتا تو وہ اپنی خالہ کے گھر چلی جاتیں حتیٰ کہ جب وہ حیض سے پاک ہو جاتیں تو پھر مسجد کی طرف لوٹ آتیں، پس جس وقت کہ وہ حیض کے سبب سے غسل کر رہی تھیں اور انہوں نے اپنے کپڑے اتارے ہوئے تھے تو اس وقت اُن کے سامنے حضرت جبریل علیہ السلام ایک خوبصورت چمکدار چہرے والے اور گھونگھریالے بالوں والے متناسب الاعضاء نوجوان کی صورت میں ظاہر ہوئے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: "فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا" یعنی حضرت مریم کی طرف حضرت جبریل علیہ السلام کو بشری صورت میں متمثل کر کے بھیجا۔ پس جب حضرت مریم نے دیکھا کہ جبریل علیہ السلام اُن کا قصد کر رہے ہیں تو انہوں نے دور سے پکار کر کہا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "مریم نے کہا: اگر آپ اللہ سے ڈرنے والے ہیں تو میں آپ سے رحمٰن کی پناہ طلب کرتی ہوں O" (مریم:۱۸)

"قَالَتْ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا": یعنی اگر تم مومن اور اطاعت گزار ہو تو میں تم سے رحمٰن کی پناہ طلب کرتی ہوں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ فاجر اور بدکار شخص سے پناہ طلب کی جاتی ہے تو حضرت مریم علیہا السلام نے کیسے کہا کہ اگر تم اللہ سے ڈرنے والے ہو تو میں تم سے رحمٰن کی پناہ طلب کرتی ہوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص کہے کہ اگر تم مومن ہو تو مجھ پر ظلم نہ کرو، یعنی چاہیے کہ تمہارا ایمان تمہیں ظلم کرنے سے باز رکھنے والا ہو۔ اسی طرح یہاں اس آیت کا معنی ہے کہ اگر تم متقی ہو تو تمہارا تقویٰ تمہیں بدکاری سے مانع ہونا چاہیے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جبریل نے کہا: میں صرف آپ کے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تاکہ آپ کو پاکیزہ لڑکا عطا کروں O" (مریم:۱۹)

"قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا": نافع اور اہلِ بصرہ نے اس آیت کو یوں پڑھا ہے: "لِیَهَبَ لَكِ" یعنی میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ آپ کے رب آپ کو پاکیزہ لڑکا عطا فرمائیں۔ اور دوسروں نے اس آیت کو اس طرح پڑھا ہے: "لِاَهَبَ لَكِ"۔ اس آیت میں فعل یعنی لڑکا عطا کرنے کا اسناد رسول یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف کیا ہے، اگرچہ ہبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ "غُلٰمًا زَكِیًّا": یعنی آپ کو صالح بیٹا عطا کروں جو گناہوں سے پاک ہو۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مجازاً عطا فرمانے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مقربین کی طرف نسبت کرنے کا جواز

اس قراءت کے مطابق اور یہی جمہور کی قراءت ہے بیٹا عطا کرنے کے فعل کی نسبت حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف فرمائی ہے، حالانکہ بیٹا عطا فرمانے والے تو اللہ عزوجل ہیں۔ اس اسناد کو مجازِ عقلی کہا جاتا ہے اور اس میں علماء اہلسنت کی یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو عطا کرنے کی نسبت انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی طرف کرنا جائز ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ" (الاحزاب: ۳۷) "اور (اے رسولِ اکرم!) یاد کیجئے جب آپ اس شخص (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ)

رضی اللہ عنہ سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام فرمایا اور آپ نے (بھی) اس پر انعام کیا)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اسلام کی توفیق دے کر اس پر انعام فرمایا اور آپ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنی غلامی سے آزاد کر کے اس پر انعام فرمایا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف بھی انعام فرمانے کی نسبت ہے اور آپ کی طرف بھی انعام کرنے کی نسبت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف انعام فرمانے کی نسبت اسناد حقیقت عقلی ہے اور آپ کی طرف انعام کرنے کی نسبت اسناد مجاز عقلی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہوں، ان نعمتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی طرف مجازاً کرنا جائز ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''مریم نے کہا: میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا اور نہ ہی میں بدکاری کرنے والی ہوں O'' (مریم: ۲۰)

''قَالَتْ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِیًّا'': یعنی حضرت مریم نے کہا: مجھ سے لڑکا کیسے پیدا ہوگا حالانکہ نہ میرا خاوند میرے قریب ہوا اور نہ میں بدکار فاجرہ ہوں۔ حضرت مریم کی مراد یہ تھی کہ بیٹا یا نکاح سے پیدا ہوتا ہے یا زنا سے اور یہاں پر دونوں میں سے کوئی سبب نہیں ہے تو مجھ سے لڑکا کیسے پیدا ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جبریل نے کہا: اللہ کا اسی طرح حکم ہے، آپ کے رب نے فرمایا: یہ کام مجھ پر آسان ہے اور تاکہ ہم اس لڑکے کو لوگوں کے لیے نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنا دیں، اور اس کام کا فیصلہ ہو چکا ہے O'' (مریم: ۲۱)

''قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا'': یعنی اے مریم! بات اسی طرح سے ہے لیکن آپ کے رب نے فرمایا ہے کہ بغیر باپ کے بیٹا پیدا فرمانا میرے لیے بہت آسان ہے، اور تاکہ ہم بغیر باپ کے بیٹا پیدا فرمانے کو لوگوں کے لیے علامت بنا دیں اور اپنی قدرت پر دلیل بنا دیں، اور اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس مریم کو اس لڑکے کا حمل ہو گیا، پس وہ اس حمل کے ساتھ گھر والوں سے دور جگہ چلی گئیں O'' (مریم: ۲۲)

''فَحَمَلَتْهُ'': ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اُن کی قمیص اوپر اٹھائی اور ان کے چاک گریبان میں پھونک ماری، سو وہ اسی وقت حاملہ ہو گئیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اُن کی قمیص کے گریبان کو اپنی انگلی سے کھینچا پھر اس گریبان میں پھونک ماری۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ اُن کی قمیص کے آستین میں پھونک ماری۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے فاصلہ سے پھونک ماری تو ہوا نے وہ پھونک حضرت مریم تک پہنچا دی، تو اسی وقت ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حمل ہو گیا۔

''فَانْتَبَذَتْ بِهٖ'': یعنی جب اُن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حمل ہو گیا تو وہ اس جگہ سے دور چلی گئیں۔

''مَكَانًا قَصِیًّا'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ وادی کے آخری سرے پر پہنچ گئیں اور اس وادی کا نام بیت لحم ہے، وہ اپنی قوم سے اس لیے بھاگیں کہ بغیر شوہر کے لڑکے کی پیدائش پر لوگ اُن کو ملامت نہ کریں۔

اور ان کی حمل کی مدت اور وضعِ حمل کے وقت میں بھی مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اُن کو حمل اور وضعِ حمل ایک ساعت میں ہو گیا، دوسرا قول ہے کہ اُن کے حمل کی مدت نو ماہ تھی جس طرح دوسری عورتوں کے حمل کی مدت ہوتی ہے، اور ایک قول ہے کہ اُن کے حمل کی مدت آٹھ ماہ تھی۔ اور اس میں ایک اور دلیل ہے کیونکہ جو بچہ آٹھ ماہ کے بعد پیدا ہو وہ زندہ نہیں رہتا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس مدت میں زندہ رہے۔ اور ایک قول ہے کہ وہ چھ ماہ بعد پیدا ہوئے اور مقاتل بن سلیمان نے کہا کہ حضرت مریم اسی ساعت میں حاملہ ہو گئیں اور اسی دن جب دن ڈھل گیا تو اُن سے ولادت ہو گئی اور اس وقت حضرت مریم کی عمر ١٠ سال تھی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حمل سے پہلے ان کو دو مرتبہ حیض آیا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر دردِ زِہ اُن کو کھجور کے تنے کی طرف لے آیا، مریم نے کہا: کاش! میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور میں بھولی بسری ہو چکی ہوتی O'' (مریم: ٢٣)

''فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ'': ولادت کے وقت جو عورتوں کو دردِ زِہ ہوتا ہے وہ اُن کو ایک کھجور کے تنے کی طرف لے آیا اور وہ صحرا میں کھجور کا خشک درخت تھا اور یہ سخت سردی کا موسم تھا اور حضرت مریم کے پاس سردی سے بچاؤ کے کپڑے نہیں تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت مریم اس کھجور کے تنے کی طرف اس لیے آئیں تاکہ اس کے ساتھ ٹیک لگا لیں اور ولادت کے درد میں اس سے آرام حاصل کریں۔

''قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا'': لوگوں سے حیاء اور رسوائی کے خوف سے حضرت مریم نے موت کی تمنا کی۔

''وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا'': اور النسی کا لغت میں معنی ہے: ہر وہ چیز جس کو ڈال دیا جائے اور بھلا دیا جائے اور حقارت کی وجہ سے اس کا ذکر نہ کیا جائے۔ قتادہ نے کہا: ایسی چیز جو نہ معروف ہو اور نہ اس کا ذکر کیا جائے۔ عکرمہ، الضحاک اور مجاہد نے کہا: ایسا مردہ جو زمین پر پڑا ہوا ہو۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اُن کی مراد یہ تھی کہ میں پیدا ہی نہ کی جاتی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس اُن کے نیچے سے فرشتہ نے ان کو نداء کی کہ تم غمگین نہ ہو، بے شک تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری فرما دیا ہے O'' (مریم: ٢۴)

''فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ'': یعنی حضرت جبریل علیہ السلام نے اُن کو نداء کی۔ اور اس وقت حضرت مریم ٹیلہ پر تھیں۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام ٹیلہ کے پیچھے نیچے کی جانب تھے۔ پس حضرت جبریل علیہ السلام نے اُن کو نداء کی۔

اور حضرت جبریل علیہ السلام نے اُن کو دامنِ کوہ سے نداء کی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اپنی ماں کے پیٹ سے نکلے تو انہوں نے ان کو نداء کی۔

''اَلَّا تَحْزَنِىْ'': اور یہ مجاہد اور حسن بصری کا قول ہے، اور پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور السدی اور قتادہ اور الضحاک اور ایک جماعت کا ہے کہ نداء کرنے والے حضرت جبریل علیہ السلام تھے جب انہوں نے حضرت مریم کا کلام سنا اور ان کی بے صبری کو جانا تو ان کو نداء کی کہ آپ غمگین نہ ہوں۔

''قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا'': السری کا معنی ہے: چھوٹا دریا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دریا کو آپ کے حکم

کے تابع فرما دیا ہے، اگر آپ حکم دیں گی تو وہ دریا جاری ہوگا اور اگر آپ اس کو رکنے کا حکم دیں گی تو وہ رک جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنے پیر سے ٹھوکر ماری تو میٹھے پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہاں پر ایک خشک دریا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس میں پانی کو جاری فرما دیا اور وہ سوکھا ہوا کھجور کا درخت سرسبز ہو گیا، اس میں پتے لگ گئے اور تازہ پھل لگ گئے۔ حسن بصری نے کہا: اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند مرتبہ تھے، یعنی اُن کو آپ کے (یعنی حضرت مریم علیہا السلام کے) نیچے کر دیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم اپنی طرف کھجور کے تنے کو ہلاؤ تو تم پر تر و تازہ پکی ہوئی کھجوریں گریں گی O'' (مریم: ۲۵)

''وَهُزِّىْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا'': یعنی حضرت مریم سے کہا گیا کہ آپ اس درخت کو اپنی طرف ہلائیں، تو اس کھجور کے درخت سے تازہ کھجوریں گریں گی۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ پکی ہوئی کھجوریں گریں گی۔ اور ربیع بن خیثم نے کہا ہے: جو نفاس والی عورت ہو اس کے لیے تازہ کھجوروں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے اور نہ مریض کے لیے شہد سے بڑھ کر کوئی چیز ہے۔

میں کہتا ہوں: ہوسکتا ہے ربیع بن خیثم کی مراد یہ ہو کہ جس مریض کو شوگر نہ ہو اس کے لیے شہد سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس تم (کھجوریں) کھاؤ اور (چشمہ کا پانی) پیؤ اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھو، پھر اگر تم کسی بشر کو دیکھو تو اشارے سے کہنا: میں نے رحمٰن کے لیے چپ کے روزہ کی نذر مانی ہے، سو آج میں کسی انسان سے ہرگز بات نہیں کروں گی O'' (مریم: ۲۶)

''فَكُلِىْ وَاشْرَبِىْ وَقَرِّىْ عَيْنًا'': یعنی اے مریم! آپ تازہ کھجوریں کھائیں اور دریا کا پانی پئیں اور خوش رہیں۔ دوسرا قول ہے کہ اپنے بیٹے عیسیٰ کی وجہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھیں، یعنی اس کو دیکھنے سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر نیند طاری فرما دی اور ان کو سلا دیا اور وہ پر سکون ہو گئیں۔ اور ایک اور قول ہے کہ جب آنکھ خوشی سے روئے تو آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں اور جب غم سے روئے تو آنسو گرم نکلتے ہیں۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے ''اللہ اس کی آنکھوں کو ٹھنڈا فرمائیں اور اس کی آنکھوں کو گرم فرمائیں''۔

''فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِىْٓ'': پس اگر آپ کسی بشر کو دیکھیں جو آپ سے آپ کے بیٹے کے متعلق دریافت کرے تو آپ کہیں: ''اِنِّىْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا'' یعنی میں نے چپ رہنے کی نذر مانی ہے، اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے۔ اور صوم کا لغت میں معنی ہے کھانے اور پینے اور باتیں کرنے سے رکنا۔

السدی نے کہا کہ بنی اسرائیل کے لوگ جب کوئی مشقت کا کام کرنا چاہتے تھے تو کلام سے روزہ رکھتے تھے، جس طرح طعام سے روزہ رکھتے ہیں، پھر کسی سے شام تک بات نہیں کرتے تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم فرمایا کہ وہ یہ بات اشارہ

سے کہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اتنی بات تو آپ زبان سے کہیں پھر بات کرنے سے اس کے بعد رک جائیں۔

"فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡيَوۡمَ اِنۡسِيًّا": اس آیت میں فرمایا ہے کہ میں کسی انسان سے کلام نہیں کروں گی، یعنی فرشتوں سے کلام کروں گی اور انسانوں سے بات نہیں کروں گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پھر وہ اس لڑکے کو گود میں اٹھا کر اپنی قوم کے سامنے لائیں، ان لوگوں نے کہا: اے مریم! تم نے بہت بڑا جرم کیا ہے O" (مریم: ۲۷)

"فَاَتَتۡ بِهٖ قَوۡمَهَا تَحۡمِلُهٗ ؕ قَالُوۡا": ایک قول یہ ہے کہ ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور وہ اسی وقت انہیں اٹھا کر اپنی قوم کے پاس چلی گئیں۔ اور الکلبی نے کہا: یوسف نجار نے حضرت مریم علیہا السلام اور اُن کے بیٹے کو اٹھایا اور ایک غار میں لے گئے، اس غار میں وہ چالیس دن تک رہیں حتیٰ کہ وہ نفاس سے پاک ہو گئیں، پھر حضرت مریم علیہا السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر اپنی قوم کے پاس آئیں، پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ سے راستہ میں کلام کیا اور کہا: اے میری ماں! آپ کو خوش خبری ہو کیونکہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اُن کا مسیح ہوں۔ پس جب حضرت مریم اپنے گھر والوں کے پاس گئیں اور اُن کے ساتھ بچہ تھا تو گھر والے روئے اور غمگین ہوئے اور وہ نیک لوگوں کا گھرانا تھا، انہوں نے کہا: "يٰمَرۡيَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ شَيۡـــًٔا فَرِيًّا": یعنی اے مریم! آپ نے بہت سنگین کام کیا ہے۔ "فَرِيًّا" کا معنی ہے بہت بڑا جرم۔ امام ابوعبیدہ نے کہا: ہر وہ بات جس پر سخت تعجب ہو یا ہر وہ کام جس پر سخت تعجب ہو، اس کو "فری" کہتے ہیں۔

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے "فری" فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "فلم ار عبقریا فی الناس یفری فریہ" (اور میں نے عمر کی طرح لوگوں میں سے کسی کو کوئی غیر معمولی کام کرنے والا نہیں دیکھا جو اُن کی طرح کام کر سکے)۔

(صحیح البخاری: ۳۶۳۳، ۳۶۸۲، صحیح مسلم: ۲۳۹۲، سنن ترمذی: ۲۲۹۰، مسند ابویعلیٰ: ۵۵۱۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے ہارون کی بہن! نہ تمہارے باپ بدکار تھے اور نہ تمہاری ماں فاحشہ تھی O" (مریم: ۲۸)

"يٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ": اور ہارون ایک نیک مرد تھے جو بنی اسرائیل میں عبادت گزار تھے، انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ حضرت مریم کو تشبیہ دی کہ ہمارا گمان تھا کہ آپ بھی انہی کی طرح نیک ہوں گی، اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ان کی نسبی بہن تھیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّ الۡمُبَذِّرِيۡنَ كَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّيٰطِيۡنِ۔ (بنی اسرائیل: ۲۷)" (بے شک ناجائز کاموں میں خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں)۔ یعنی ناجائز کام کرنے والے شیطانوں کے مشابہ ہیں۔ حدیث میں ہے:

حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، جب نجران کا وفد آیا تو اس نے مجھ سے سوال کیا کہ تم قرآن میں پڑھتے ہو "يٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ" اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اتنے اور اتنے سال پہلے گزر چکے تھے (اور حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے، تو حضرت ہارون علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام سے اتنے سال مقدم تھے، لہٰذا حضرت مریم علیہا السلام ان کی بہن کیسے ہو سکتی ہیں؟)، پس جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کے متعلق آپ سے سوال کیا،

پس آپ نے فرمایا: وہ لوگ اپنے سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء اور صالحین کے ناموں پر نام رکھتے تھے۔ (یعنی حضرت مریم حضرت ہارون علیہ السلام کی بہن نہیں تھیں، بلکہ ان کو ایک نیک شخص سے تشبیہ دی گئی تھی جو ان کے زمانہ میں ہارون نام کا عبادت گزار تھا)۔ (صحیح مسلم: ۵۲۳۵، شرح السنۃ للبغوی: ۳۲۵۵، سنن ترمذی: ۳۱۵۵، الوسیط ج ۳ ص ۱۸۲، التفسیر للنسائی: ۳۲۵)

السدی نے کہا کہ اُن کی مراد ہارون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے کیونکہ حضرت مریم اُن کی نسل سے تھیں، جیسے تمیمی کے لیے کہا جاتا ہے اے تمیم کے بھائی! اور ایک قول یہ ہے کہ ہارون بنی اسرائیل میں ایک فاسق مرد تھا جس کا فسق بہت بڑا تھا تو انہوں نے حضرت مریم کو اس کے مشابہ قرار دیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قول نہ صرف یہ کہ بہت بعید ہے بلکہ اس سے پہلے بیان کیے ہوئے اقوال کے خلاف ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

''مَا كَانَ اَبُوْكِ '': یعنی حضرت عمران۔ ''امْرَاَ سَوْءٍ '': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یعنی وہ زانی نہ تھے۔ ''وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ '': یعنی حنہ۔ ''بَغِيًّا '': اور نہ آپ کی ماں زانیہ تھیں، تو آپ یہ بچہ (بغیر نکاح کے) کیسے لے آئیں؟

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس مریم نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا، ان لوگوں نے کہا: ہم اس سے کیسے بات کریں گے جو گہوارے میں بچہ ہے O'' (مریم: ۲۹)

''فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ '': پس مریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا کہ تم ان سے بات کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس اپنی پاک دامنی کے اوپر کوئی اور دلیل نہیں تھی تو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا تا کہ اُن کا کلام حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی پر حجت ہو جائے۔ اور اس قصہ میں یہ اشارہ ہے کہ اُن کی قوم غیظ وغضب کے باوجود اُن سے کہہ رہی تھی: کیا تم ہم سے مذاق کر رہی ہو؟

''قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا '': ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے جو بچہ ماں کی گود میں ہو۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد پنگوڑا ہے۔ السدی نے کہا: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کی اس بات کو سنا تو انہوں نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا تو انہوں نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور بائیں جانب ٹیک لگا کر ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور دائیں ہاتھ سے اشارہ کر کے کہہ رہے تھے:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''عیسیٰ نے کہا: بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھ کو نبی بنایا ہے O'' (مریم: ۳۰)

''قَالَ '': وہب بن منبہ نے کہا: حضرت مریم علیہا السلام کا جب یہود سے مناظرہ ہوا تو وہ اپنے بچہ کو لے کر حضرت زکریا علیہ السلام کے پاس آئیں، پس حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا: تم اپنی دلیل بیان کرو اگر تمہیں اس کا حکم ہے۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اور ان کی عمر اس وقت چالیس دن تھی اور مقاتل نے کہا: بلکہ ایک دن تھی۔

میں کہتا ہوں: اس رکوع میں مدتوں، فاصلوں اور جگہوں کے متعلق جو اقوال ہیں وہ باہم متعارض ہیں اور کسی قول میں اس کی دلیل بیان نہیں کی گئی، اللہ ہی کو علم ہے کہ ان مفسرین نے یہ اقوال کس دلیل اور کس بنیاد پر کہے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

"اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ": حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پہلے کلام کے وقت ہی اپنے بندہ ہونے کا اقرار کیا تا کہ اُن کو معبود نہ قرار دیا جائے۔ "اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا": ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: عنقریب اللہ عزوجل مجھے کتاب عطا فرمائیں گے اور مجھے نبوت پر فائز فرمائیں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے متعلق جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا، اس کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خبر دی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گہوارہ میں نبوت عطا فرمانا ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر افضلیت کی دلیل نہیں ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گہوارے میں نبوت عطا فرمائی گئی تھی اور ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیق آدم سے پہلے نبوت عطا فرمائی گئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی تھی؟ آپ نے فرمایا: اور آدم اس وقت روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن ترمذی: ٣٦٠٩، المستدرک للحاکم ج ٢ ص ٦٠٩، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ٢ ص ١٢٩، السنۃ لابن ابی عاصم: ٤٠٩، صحیح ابن حبان: ٦٤٠٣، مجمع الزوائد ج ٨ ص ٢٢٣، المعجم الکبیر للطبرانی: ١٢٥٧١، ١٢٦٤٦، مسند البزار: ٢٣٦٣، المقاصد الحسنۃ: ٨٣٧، الشریعۃ للآجری: ٨٢٨، ٣٣٠)

اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دی گئی اور اس وقت وہ کم عمر بچے تھے اور ان کی عقل مردوں کی طرح تھی۔ حسن بصری نے کہا: اُن کو تورات الہام فرمائی گئی اور اس وقت وہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور میں جہاں کہیں بھی ہوں مجھے برکت والا بنایا ہے، اور میں جب تک زندہ رہوں، مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے ○" (مریم: ٣١)

"وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ": یعنی میں جہاں بھی ہوں نفع پہنچانے والا ہوں۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے کہ مجھے خیر کا معلم بنا دیا۔ عطاء نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی طرف اور ان کی توحید کی طرف اور ان کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جو میری پیروی کرے اس کے لیے مجھے مبارک بنا دیا ہے۔

"وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ": اور مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس مال نہیں تھا تو انہیں زکوٰۃ کا کیسے حکم فرمایا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر میرے پاس مال ہو تو مجھے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ مجھے یہ حکم فرمایا ہے کہ میں تم کو زکوٰۃ ادا کرنے کی وصیت کروں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ مجھے خیر کو جمع کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

"مَا دُمْتُ حَیًّا": جب تک میں زندہ رہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا ہے اور مجھے سرکش اور بد بخت نہیں بنایا ○" (مریم: ٣٢)

"وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ": یعنی مجھے اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا ہے۔ "وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا": اور مجھے اپنے رب کا نافرمانی کرنے والا نہیں بنایا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: مجھے ایسا نہیں بنایا کہ جو گناہ کرے اور گناہ پر توبہ نہ کرے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور مجھ پر اس دن سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں وفات پاؤں گا اور جس دن مجھے دوبارہ زندہ فرما کے اٹھایا جائے گاO'' (مریم: ۳۳)

''وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ'': یعنی میں ولادت کے وقت شیطان کے انگلی چھونے سے محفوظ رہا۔

''وَیَوْمَ اَمُوْتُ'': اور جس دن میری وفات ہوگی تو میں شرک سے محفوظ رہوں گا۔

''وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا'': اور جس دن مجھے وفات کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام کیا تو لوگوں کو حضرت مریم علیہا السلام کی گناہ سے پاک دامنی پر یقین ہو گیا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاموش رہے اور اس وقت تک کلام نہیں فرمایا جس وقت میں بچے کلام کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کنایۃً اپنی والدہ کی براءت بیان فرمانا

میں کہتا ہوں: معترضین تو حضرت مریم علیہا السلام پر بدکاری کی تہمت لگا رہے تھے، کیونکہ وہ بغیر نکاح کے ایک نوزائیدہ بچہ لے آئیں، تو اُن کی بدکاری سے براءت ظاہر کرنے کے لیے چاہیے تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ فرماتے کہ میری ماں فاحشہ اور زانیہ نہیں ہے، لیکن بجائے اس کے انہوں نے اپنے فضائل بیان کرنے شروع کر فرما دیئے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے کتاب عطا فرمائی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا گیا ہے اور میں جہاں کہیں بھی ہوں مجھے برکت والا بنایا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کنایۃً یہ بتایا کہ جو نبی ہو اور صاحب کتاب ہو اور برکت والا ہو، اس کی ماں ایسی نہیں ہوسکتی جیسا تم اس کے متعلق گمان کر رہے ہو۔ نیز جب کسی کے اوصاف بیان کیے جائیں تو اس میں مثبت اوصاف بیان کیے جاتے ہیں منفی نہیں بیان کیے جاتے، مثلاً کسی مجاہد کی شجاعت کو بیان کرنا ہو تو یوں نہیں کہتے کہ یہ دشمن کو پیٹھ نہیں دکھاتے، میدان جنگ سے بھاگتے نہیں ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ بہت بہادر ہے اور متعدد کے مقابلہ میں یہ اکیلا ہی کافی ہے۔ اسی طرح اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوں فرماتے کہ میری ماں زانیہ اور فاحشہ نہیں ہے تو یہ نامناسب تھا، کیونکہ اپنی برگزیدہ ماں کے متعلق زنا اور فحش کا لفظ بہ طور نفی بھی ناپسندیدہ ہے، اس لیے انہوں نے فرمایا: میری ماں تو وہ ہے جو نبی کی ماں ہے، صاحب کتاب کی ماں ہے، برکت والے شخص کی ماں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ عیسیٰ ابن مریم ہیں اور یہ برحق قول ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیںO''

(مریم: ۳۴)

''ذٰلِكَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ'': الزجاج نے کہا کہ جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا ہے کہ میں اللہ کا بندہ عیسیٰ بن مریم ہوں۔
''قَوْلَ الْحَقِّ'': یہی برحق قول ہے۔ ''الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ'': یعنی جن کے متعلق تم اختلاف کر رہے ہو۔ پس کوئی کہنے والا کہتا ہے وہ اللہ کے بیٹے ہیں، اور کوئی کہنے والا کہتا ہے: وہ خود اللہ ہیں، اور کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ وہ ساحر کذاب ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی نعت ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائیں، وہ اس سے بلند و برتر ہیں، جب وہ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو اس کام کے متعلق صرف یہ فرماتے ہیں ''ہو'' پس وہ ہو جاتا ہے O'' (مریم: ۳۵)

''مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ'': یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ صفت نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائیں۔ ''سُبْحٰنَهٗ'': وہ اس سے بلند و برتر ہیں۔ ''إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ'': جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتے ہیں تو اس کے متعلق صرف اتنا فرماتے ہیں کہ ''ہو'' پس وہ ہو جاتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک اللہ میرے (بھی) رب ہیں اور تمہارے (بھی) رب ہیں، پس تم ان ہی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے O'' (مریم: ۳۶)

''وَإِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ'': یہ آیت اس آیت کے ساتھ متصل ہے: ''وَأَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ۔ (مریم: ۳۱)''۔ یعنی مجھے نماز پڑھتے رہنے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہنے کا حکم فرمایا ہے، اور مجھے یہ وصیت فرمائی ہے کہ اللہ میرے بھی رب ہیں اور تمہارے بھی رب ہیں، سو تم انہی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر (اہل کتاب) کے فرقوں نے آپس میں اختلاف کیا، سو ان لوگوں کے لیے سخت عذاب ہے جنہوں نے قیامت کے عظیم دن میں حاضر ہونے سے انکار کیا O'' (مریم: ۳۷)

''فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ'': یعنی نصاریٰ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تین فرقے ہو گئے: (۱) نسطوریہ، اس سے مراد ہے اللہ کا بیٹا (۲) الملکانیہ۔ یعنی تین میں کے تیسرے (۳) الیعقوبیہ، اس سے مراد خود اللہ عزوجل ہیں، یعنی بعض کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور بعض کہتے تھے کہ وہ تین میں کے تیسرے ہیں، اور بعض کہتے تھے کہ وہ خود اللہ ہیں۔

علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

ایک قول یہ ہے کہ الاحزاب سے مراد نصاریٰ کے فرقے ہیں، کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زمین سے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا تو نسطور نے کہا: وہ اللہ کے بیٹے ہیں، اور یعقوب نے کہا: وہ خود اللہ ہیں زمین پر آئے تھے پھر اوپر چڑھ گئے، اور ملک نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور ان کے نبی ہیں اور ''الملل والنحل'' میں مذکور ہے کہ ملکانیہ نے کہا کہ کلمہ یعنی علم کی اقنوم المسیح کے ساتھ متصل ہو گئی۔ (روح المعانی، جز۱۶، ص ۳۴۔۳۵، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور حضرت عیسیٰ کے باب میں نصاریٰ کے کئی فرقے ہو گئے: ایک یعقوبیہ، ایک نسطوریہ، ایک ملکانیہ۔ یعقوبیہ کہتا تھا کہ وہ اللہ ہے زمین پر اتر آیا تھا پھر آسمان پر چڑھ گیا۔ نسطوریہ کا قول ہے کہ وہ خدا کا بیٹا ہے جب تک چاہا اسے زمین پر رکھا پھر اٹھا لیا، اور تیسرا فرقہ (یعنی ملکانیہ) یہ کہتا تھا کہ وہ اللہ کے بندے ہیں مخلوق ہیں نبی ہیں، یہ فرقہ مومن تھا۔ (مدارک)

(تفسیر خزائن العرفان مع ترجمہ کنز الایمان ص ۵۷۴، مکتبۃ المدینہ، کراچی ۱۴۳۲ھ)

''فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ'': پس جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا، ان کو قیامت کے دن سخت عذاب ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس دن یہ (منکرینِ حشر) ہمارے سامنے حاضر ہوں گے تو کس قدر زیادہ سننے والے اور کتنا زیادہ دیکھنے والے ہوں گے، لیکن آج یہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں O'' (مریم: ۳۸)

''اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا'': یعنی وہ قیامت کے دن کتنا زیادہ سننے والے اور کتنا زیادہ دیکھنے والے ہوں گے، اور اس وقت ان کو ان کا سننا اور دیکھنا نفع نہیں پہنچائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ آخرت میں اتنا سنتے ہوں گے اور اتنا دیکھتے ہوں گے جتنا دنیا میں نہیں سنتے تھے اور دنیا میں نہیں دیکھتے تھے۔ الکلبی نے کہا: قیامت کے دن اُن سے زیادہ کوئی سننے والا نہیں ہوگا نہ اُن سے زیادہ کوئی دیکھنے والا ہوگا، جب اللہ عزوجل حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائیں گے: ''وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْۗ بِحَقٍّؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ (المائدہ: ۱۱۶)'' (اور جب اللہ ارشاد فرمائیں گے: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری والدہ کو دو معبود قرار دو، عیسیٰ عرض کریں گے: اے اللہ! آپ (ہر عیب سے) پاک ہیں، میرے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میں کوئی ناحق بات کہوں، اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو ضرور آپ اسے جان لیتے، آپ اس کو جانتے ہیں جو میرے دل میں ہے اور میں اس کو نہیں جانتا جو آپ کے علم میں ہے، بے شک آپ تمام غیوب کے جاننے والے ہیں)۔ ''لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ'': لیکن آج یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) ان کافروں کو پشیمانی کے دن سے ڈرایئے جب فیصلہ ہو چکا ہوگا، جب کہ آج وہ غفلت میں مبتلاء ہیں اور وہ ایمان نہیں لائیں گے O'' (مریم: ۳۹)

''وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُۘ وَ هُمْ فِیْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ'': یعنی جب اللہ عزوجل مخلوق کا حساب لینے سے فارغ ہو جائیں گے، اور اہل جنت کو جنت میں داخل فرمادیا جائے گا اور اہلِ دوزخ کو دوزخ میں داخل فرمادیا جائے گا اور موت کو ذبح فرمادیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ کافروں کو پشیمانی اور پچھتاوا اس لیے ہوگا کہ وہ اپنے دنیا میں کئے ہوئے کفر اور بدکاریوں کا کوئی تدارک نہیں کرسکیں گے، کیونکہ قیامت کے بعد انہیں ایسا موقع نہیں ملے گا اور وہ عذاب میں ہمیشہ مبتلاء رہیں گے اور اُن کو موت بھی نہیں آسکے گی، کیونکہ موت کو بھی ذبح فرمادیا جائے گا۔ (سعیدی غفرلہ)

موت کو ذبح کرنے کے متعلق احادیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سرمئی مینڈھے کی شکل میں موت کو لایا جائے گا، پس ایک منادی ندا کرے گا: اے اہل جنت! تو وہ گردن اٹھائیں گے اور دیکھیں گے، وہ کہے گا: کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ تو وہ کہیں گے: ہاں! یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ چکے ہوں گے، پھر وہ پکارے گا: اے اہل دوزخ! پھر وہ گردن اٹھائیں گے اور دیکھیں گے، وہ کہے گا: کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں یہ موت ہے اور ان سب نے اس کو دیکھ لیا ہوگا، پھر اس مینڈھے کو

ذبح کر دیا جائے گا، پھر وہ منادی کہے گا: اے اہلِ جنت! اب خلود اور دوام ہے، پس موت نہیں آئے گی اور اے اہلِ دوزخ! اب خلود اور دوام ہے، پس موت نہیں آئے گی، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''اور (اے رسولِ اکرم!) ان کافروں کو پشیمانی کے دن سے ڈرایئے جب فیصلہ ہو چکا ہوگا، جب کہ آج وہ غفلت میں مبتلاء ہیں۔ (مریم:۳۹)''، اور یہ لوگ اہل دنیا کی غفلت میں ہوں گے اور وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

(صحیح البخاری: ۴۷۳۰، صحیح مسلم: ۲۸۴۹، سنن ترمذی: ۳۱۵۶، سنن ابن ماجہ: ۴۳۲۷، صحیح ابن حبان: ۷۴۵۰، شرح السنۃ للبغوی: ۴۳۶۲، مسند ابویعلیٰ: ۱۱۷۵، کتاب الشریعۃ للآجری: ۹۵۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل جنت، جنت کی طرف چلے جائیں گے، اور اہل دوزخ، دوزخ کی طرف چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا اور جنت اور دوزخ کے درمیان رکھ دیا جائے گا، پھر اس کو ذبح کر دیا جائے گا، پھر ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: اے اہلِ جنت! موت نہیں ہے اور اے اہلِ دوزخ! موت نہیں ہے، سو اہلِ جنت کی خوشی میں اور خوشی زیادہ ہو جائے گی، اور اہل دوزخ کے غم میں اور غم زیادہ ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۶۵۴۴، ۶۵۴۸، صحیح مسلم: ۲۸۵۰، مسند احمد: ۵۹۵۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں جو شخص بھی داخل ہوگا اسے دوزخ میں اس کا ٹھکانا دکھایا جائے گا کہ اگر وہ برے کام کرتا تو اس کو دوزخ میں ڈال دیا جاتا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر ادا کرے۔ اور دوزخ میں جو شخص بھی داخل ہوگا، اسے جنت میں اس کا ٹھکانا دکھایا جائے گا کہ اگر وہ نیک کام کرتا تو اس کو جنت میں یہ ٹھکانا عطا فرمایا جاتا، تاکہ اس کے برے کام اس پر حسرت ہوں۔ (صحیح البخاری: ۶۵۶۹، سنن ابن ماجہ: ۴۳۴۱، شرح السنۃ للبغوی: ۴۳۶۳، صحیح ابن حبان: ۷۴۵۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص بھی فوت ہوگا تو وہ نادم ہوگا، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کس چیز پر نادم ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اگر وہ نیکوکار ہے تو وہ اس پر نادم ہوگا کہ اس نے زیادہ نیکیاں کیوں نہ کیں، اور اگر وہ بدکار ہے تو وہ اس پر نادم ہوگا کہ اس نے توبہ کیوں نہ کی۔

(سنن ترمذی: ۲۴۰۳، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۷۸، شرح السنۃ للبغوی: ۴۲۰۳، کتاب الزہد لابن المبارک: ۳۳)

ان مذکورہ احادیث میں اس کی وضاحت ہے کہ قیامت کے دن کو حسرت کا دن اس لیے فرمایا ہے کہ اس دن کافروں کو حسرت ہوگی کاش! وہ ایمان لے آتے اور مومنین کو حسرت ہوگی کہ کاش! وہ زیادہ نیک کام کرتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک ہم ہی زمین کے اور زمین پر رہنے والوں کے وارث ہیں اور ہماری ہی طرف سب لوگ لوٹائے جائیں گے○'' (مریم:۴۰)

''اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا'': یعنی جس دن ہم تمام زمین پر رہنے والوں کو مار دیں گے اور اُن سب کو ہلاک فرما دیں گے اور صرف آپ کے رب باقی ہوں گے، سو وہ اُن کے وارث ہوں گے۔ ''وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ'': اور ہماری ہی طرف سب لوٹائے جائیں گے، پس لوگوں کو اُن کے اعمال کے اعتبار سے جزا عطا فرمائی جائے گی۔

(معالم التنزیل، ج ۳ ص ۲۲۷۔۲۳۶، دار احیاء التراث العربی بیروت)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾

اور (اے رسول اکرم!) آپ کتاب (قرآن مجید میں مذکور) ابراہیم کا ذکر کیجئے، بے شک وہ بہت سچے نبی تھے O

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾

جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ سے کہا: اے میرے باپ! آپ اُن کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ آپ کے کسی کام آسکتے ہیں O

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾

اے میرے باپ! میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، سو آپ میری پیروی کیجئے میں آپ کو سیدھے راستے کی ہدایت دوں گا O

يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾

اے میرے باپ! آپ شیطان کی عبادت نہ کریں، بے شک شیطان رحمٰن کی نافرمانی کرنے والا ہے O

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾

اے میرے باپ! مجھے یہ خطرہ ہے کہ آپ کو رحمٰن کی طرف سے عذاب پہنچے گا اور آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں گے O

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾

ان کے (عرفی) باپ (یعنی آزر) نے کہا: اے ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے منہ موڑ رہے ہو، اگر تم باز نہ آئے تو میں تم کو سنگسار کر دوں گا اور تم ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جاؤ O

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾

ابراہیم نے کہا: آپ کو سلام ہے، میں عنقریب آپ کے لیے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا، بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہیں O

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾

اور میں آپ سے اور آپ کے اُن خود ساختہ معبودوں سے الگ ہوتا ہوں جن کی آپ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، اور میں صرف اپنے رب کی ہی عبادت کروں گا اور مجھے قوی یقین ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کرنے سے نامراد نہیں ہوں گا O

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾

پھر جب ابراہیم اُن سے اور جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے اُن سے الگ ہو گئے تو ہم نے ان کو اسحاق (نامی بیٹا) اور یعقوب (نامی پوتا) عطا فرمایا اور ہم نے اُن میں سے ہر ایک کو نبی بنایا O

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾

اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت سے بہت کچھ عطا فرمایا، اور ہم نے ان کے لیے ذکرِ جمیل بلند فرمایا O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) آپ کتاب (قرآن مجید میں مذکور) ابراہیم کا ذکر کیجئے، بے شک وہ بہت سچے نبی تھے O'' (مریم: ۴۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اُن کے عرفی باپ آزر کے ساتھ قصہ

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، مریم: ۴۱ تا ۴۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ'': اس سورت سے غرض توحید، نبوت اور حشر کا بیان کرنا ہے۔ اور توحید کے منکرین وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود قرار دیا تھا، اور ان کے دو گروہ تھے، ایک گروہ وہ تھا جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا ایسا معبود قرار دیا تھا جو زندہ تھا اور صاحبِ عقل تھا اور سمجھ بوجھ والا تھا اور وہ نصاریٰ ہیں۔ اور ان میں سے بعض وہ تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا ایسا معبود قرار دیا جو جماد تھا، نہ زندہ تھا اور نہ عقل والا تھا اور نہ سمجھ والا تھا، اور وہ بت پرست لوگ ہیں۔ اور یہ دونوں فریق اگرچہ گمراہی میں شریک تھے مگر دوسرے فریق یعنی بت پرستوں کی گمراہی بہت سنگین تھی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے پہلے گروہ یعنی نصاریٰ کی گمراہی بیان فرمائی تو دوسرے گروہ یعنی بت پرستوں کی گمراہی کو بھی بیان فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا: ''اور (اے رسولِ اکرم!) آپ کتاب (قرآن مجید میں مذکور) ابراہیم کا ذکر کیجئے، بے شک وہ بہت سچے نبی تھے''۔ یعنی پہلے آپ نے حضرت زکریا علیہ السلام کا حال بیان کیا ہے، اب آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیجئے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم آسمانی کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتی تھی، پھر جب آپ نے یہ قصہ بغیر زیادتی اور کمی کے بیان فرما دیا تو معلوم ہوا کہ آپ کو وحی سے اس قصہ پر اطلاع فرمائی گئی ہے اور وحی صرف انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتی ہے، یہ آپ کی نبوت پر بہت واضح دلیل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس قصہ کی ابتداء کرنے کی مناسبت

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام عربوں کے باپ تھے اور عرب اُن کے دین کی پاکیزگی اور اُن کی بلند شان کے معترف تھے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (البقرۃ: ۱۳۰)'' (اور ابراہیم کی ملت سے اس کے سوا کون اعراض کرے گا جس نے اپنے آپ کو جہالت میں مبتلاء

کرلیا ہو؟ ہم نے ان کو دنیا میں برگزیدہ بنالیا ہے اور بے شک وہ آخرت میں بھی ضرور صالحین میں سے ہیں)۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ عربوں سے فرمایا: تم اپنے کہنے کے مطابق اپنے باپ دادا کی اتباع کرتے ہو جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے: "اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ۔ (الزخرف: ۲۳)" (ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا ہے اور ہم بھی ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں)۔

اور یہ معلوم ہے کہ تمہارے باپ دادا میں سب سے زیادہ معزز حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، سو تم اُن کی تقلید کرو اور بتوں کی عبادت کو ترک کردو۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سارے کفار یہ کہتے تھے کہ ہم اپنے آباء واجداد کے دین کو کیسے ترک کریں، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا کہ انہوں نے اپنے عرفی باپ کے دین کو ترک کردیا اور دلائل سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعتراف اور اقرار کیا، سو تم بھی اپنے آباء واجداد کے بت پرستی کے دین کو ترک کرو اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لاؤ۔

"اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا": صدیق کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) ایک یہ کہ صدیق، صادق کا مبالغہ ہے، صادق وہ شخص ہے جس کی عادت سچ بولنا ہو۔ (۲) دوسرا یہ کہ جو بہت زیادہ سچ بولتا ہو حتیٰ کہ وہ صدق کے وصف کے ساتھ مشہور ہو گیا ہو۔ اور نبی کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنی ہر خبر میں صادق ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق فرمائی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب لازم آئے گا۔

الصدیق کا لفظ مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس سے مراد بہت زیادہ صدق ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بہ کثرت اللہ تعالیٰ کے غیوب کی خبریں دیتے تھے جو صادق ہوتی تھیں اور ان کی آیات کی تصدیق کرتے تھے اور ان کی کتابوں کی اور ان کے رسولوں کی تصدیق کرتے تھے۔ اور یہ کتابوں اور رسولوں کی تصدیق ہے، یعنی وہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتابوں کے مُصَدِّق تھے اور وہ فی نفسہٖ نبی تھے۔ قرآن مجید میں ہے: "بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (الصافات: ۳۷)" (بلکہ ہمارے رسول مکرم حق لے کر آئے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی)، یا حضرت ابراہیم علیہ السلام صدق میں انتہائی درجہ کو پہنچے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اُن کے معجزات کے مصدِّق تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صدیق ہونے پر اعتراض کا جواب

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے بتوں کو توڑ کر کہا تھا کہ "بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ۔ (الانبیاء: ۶۳)" ان بتوں کو اس کے بڑے بت نے توڑا ہے، اور بہ ظاہر یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صدق کے خلاف ہے۔

امام رازی نے الانبیاء: ۶۳ میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بڑے بت پر بہت غصہ تھا کیونکہ بت پرست اس بڑے بت کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے تو انہوں نے اس بڑے بت کی توہین کے لیے اس کی طرف ان بتوں کے توڑنے کی نسبت تعریضاً فرمائی۔ (التفسیر الکبیر ج ۸ ص ۱۵۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس کے علاوہ اور بھی جوابات دیئے ہیں جن کو ہم اس آیت کی تفسیر میں ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ سے کہا: اے میرے باپ! آپ اُن کی عبادت

کیوں کرتے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ آپ کے کسی کام آسکتے ہیں O" (مریم: ۴۲)

"اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ": "یٰۤاَبَتِ" میں "تاء" یاء کے عوض میں ہے اور مراد ہے اے میرے باپ!

"لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ": حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی تین صفات بیان کیں، اُن صفات میں سے ہر صفت الوہیت میں طعن کی موجب ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ عبادت غایت تعظیم کا نام ہے، اور انتہائی تعظیم اس کی کرنی چاہیے جس نے انتہائی انعام کیا ہو، جس نے تمام اصولی اور فروعی نعمتیں عطا فرمائی ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ (مریم: ۳۶)" (اور بے شک اللہ میرے (بھی) رب ہیں اور تمہارے (بھی) رب ہیں، پس تم ان ہی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ دعا کرنا عبادت کا مغز ہے، پس جب بت دعا کرنے والے کی دعا کو نہیں سنتا تو اس کی عبادت کرنے میں کیا فائدہ ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ جو سنتا ہو اور دیکھتا ہو اور نقصان پہنچا سکتا ہو اور نفع دے سکتا ہو، وہ اس سے افضل ہے جو ان اوصاف سے خالی ہو۔ اور انسان سنتا ہے اور دیکھتا ہے اور نفع اور نقصان پہنچا سکتا ہے تو وہ بتوں سے افضل ہے اور بت اس سے خسیس اور کم تر ہیں، تو جو افضل ہے اس کے لیے اپنے سے خسیس اور کم تر کی عبادت کرنا کس طرح صحیح ہوگا۔

"وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْــٴًـا": گویا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ الوہیت صرف میرے رب عزوجل کے لیے ہے کیونکہ وہی سنتے ہیں اور وہی دعا کرنے والے کی دعا کو قبول فرماتے ہیں اور وہی دیکھتے ہیں، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَ اَرٰى۔ (طٰہٰ: ۴۶)" (میں تمہارے ساتھ ہوں، سن اور دیکھ رہا ہوں)، نیز عبادت کا مستحق وہ ہے جو بندوں کی ضروریات کو پورا کرے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ۔ (النمل: ۶۲)" (بلکہ یہ بھی بتا دو کہ جب بے قرار آدمی انہیں پکارتا ہے تو اس کی پکار کو کون قبول فرماتے ہیں اور کون اس کی تکلیف کو دور فرماتے ہیں؟)

(التفسیر الکبیر، ج ۷، ص ۵۴۱-۵۴۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے میرے باپ! میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، سو آپ میری پیروی کیجئے میں آپ کو سیدھے راستہ کی ہدایت دوں گا O" (مریم: ۴۳)

علامہ ابوالمظفر السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ، مریم: ۴۳ تا ۵۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یٰۤاَبَتِ": اس کا معنی ہے "یا ابی" یعنی اے میرے باپ! یائے اضافت کے قائم مقام تاء کو کیا گیا ہے۔ "اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ": یعنی میرے پاس اللہ تعالیٰ کے علم اور ان کی معرفت کے وہ دلائل آئے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے۔

"فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا": پس آپ میری اتباع کیجئے، میں آپ کو سیدھے راستہ کی ہدایت دوں گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے میرے باپ! آپ شیطان کی عبادت نہ کریں بے شک شیطان رحمٰن کی

نافرمانی کرنے والا ہے O" (مریم: ۴۴)

"یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ": شیطان آپ کے لئے جو کفر اور شرک کو خوشنما بناتا ہے، آپ اس کی اطاعت نہ کریں۔

"اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا": شیطان رحمٰن کی نافرمانی کرنے والا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے میرے باپ! مجھے یہ خطرہ ہے کہ آپ کو رحمٰن کی طرف سے عذاب پہنچے گا اور آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں گے O" (مریم: ۴۵)

"یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ": خوف یہاں پر علم کے معنی میں ہے، اس آیت کا معنی ہے کہ میں جانتا ہوں۔

"اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ": یعنی اگر آپ اپنے کفر پر جمے رہے تو آپ کو رحمٰن کا عذاب پہنچے گا۔

"فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا": یعنی پھر آپ پر شیطان کی دوستی لازم ہوگی اور آپ اس کی مثل ہو جائیں گے۔ اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ پھر آپ کو شیطان کے سپرد کر دیا جائے گا اور وہ آپ کو ناکام اور نامراد کر دے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ان کے (عرفی) باپ (یعنی آزر) نے کہا: اے ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے منہ موڑ رہے ہو، اگر تم باز نہ آئے تو میں تم کو سنگسار کر دوں گا اور تم ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جاؤ O"

(مریم: ۴۶)

"قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ": اس قصہ میں یہ مذکور ہے کہ ابراہیم کے عرفی باپ بتوں کو تراشتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے اور اپنے بیٹوں کو بت فروخت کرنے کے لیے دیتے۔ پس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک بت فروخت کرنے کے لیے دیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کہتے تھے: مجھ سے اس چیز کو کون خریدے گا جو نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے، تو وہ واپس آ جاتے اور اس کو فروخت نہ کرتے، اور باقی بیٹے بتوں کو بیچ کر آتے تھے۔ تب ان کے عرفی باپ نے کہا: "اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ"۔ رَغِبَ عَنِ الشَّیْءِ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص اس چیز کو ترک کر دے اور رَغِبَ اِلَی الشَّیْءِ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص اس چیز کو طلب کرے۔ تو ابراہیم کے عرفی باپ نے کہا: اے ابراہیم! کیا تم میرے خداؤں کو ترک کر رہے ہو؟

"لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ": اگر تم اپنے عمل سے باز نہ آئے تو میں تمہیں رجم کر دوں گا۔ حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے کہ میں تمہیں پتھر مار کر ہلاک کر دوں گا۔ اور دوسروں نے کہا: میں تم کو اپنے سے دور کر دوں گا اور تمہیں سخت دشنام دوں گا۔

"وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا": حسن بصری نے کہا: تم ایک طویل زمانہ تک مجھ سے دور رہو۔ اور عکرمہ نے کہا: دہر تک مجھ سے دور رہو، یعنی ہمیشہ مجھ سے دور رہو۔ اس آیت میں "مَلِیًّا" کا لفظ ہے اور اس سے الملوان ماخوذ ہے اور وہ رات اور دن ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "مَلِیًّا" کا معنی ہے: تم میری سزا اور میری ایذاء سے سلامتی کے ساتھ دور ہو جاؤ۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ابراہیم نے کہا: آپ کو سلام ہے، میں عنقریب آپ کے لیے اپنے رب سے

مغفرت طلب کروں گا، بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہیں O" (مریم: ۴۷)

کفار کو سلام کرنے کی تحقیق

"قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ": بعض مفسرین نے کہا: یہ کسی کو چھوڑنے اور اس سے علیحدہ ہونے کے وقت کا سلام ہے۔ اور بعض نے کہا: یہ نیکی اور لطف کا سلام ہے۔ اور کسی جاہل آدمی سے بچنے کے لیے اسی طرح سلام کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ (الفرقان: ۶۳)" (اور جب جاہل اُن سے گفتگو کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: "بس ہماری طرف سے سلام ہو")۔

اس سے معلوم ہوا کہ سلام کی دو قسمیں ہیں: ایک سلام تحیت ہے یعنی تعظیم کے لیے سلام کرنا، یہ سلام کفار کو کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کا معنی ہے: اللہ تم کو سلامت رکھیں، یا تم جس حال میں ہو اللہ تمہیں اس میں سلامت رکھیں۔ اس معنی کے اعتبار سے کفار و فساق کو سلام کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں کفر و فسق پر سلامت رہنے کی دعا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود اور نصاریٰ کو سلام میں پہل نہ کرو، جب وہ تم سے راستہ میں ملیں تو تم ان کو تنگ راستہ میں چلنے پر مجبور کرو۔ (صحیح مسلم: ۲۱۶۷، سنن ترمذی: ۲۷۰۰، سنن ابوداؤد: ۵۲۰۵)

اور دوسری قسم ہے سلام متارکہ یعنی کفار کو چھوڑنے اور اُن سے جدائی اختیار کرنے کے لیے اُن کو سلام کرنا۔ کفار اور فساق کو تعظیماً سلام کرنا جائز نہیں ہے اور جو سلام متارکہ ہے وہ جائز ہے، کیونکہ جب کفار اور فساق سے بحث کو ترک کرنا اور ان سے تعلق کو ترک کرنا مقصود ہو تو ان کو سلام کر دیا جاتا ہے۔ "سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ": اس کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اگر تم ایمان لے آئے تو میں عنقریب اپنے رب سے تمہارے لیے استغفار کروں گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ میں عنقریب اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے توبہ کو طلب کروں گا جو مغفرت کو واجب کرتی ہے اور اُن کی توبہ یہ تھی کہ وہ ایمان لے آتے۔

"اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا": یعنی وہ میری دعاؤں کو قبول فرمانے والے ہیں یا مجھ سے محبت فرمانے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور میں آپ سے اور آپ کے اُن خود ساختہ معبودوں سے الگ ہوتا ہوں جن کی آپ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، اور میں صرف اپنے رب کی ہی عبادت کروں گا اور مجھے قوی یقین ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کرنے سے نامراد نہیں ہوں گا O" (مریم: ۴۸)

"وَ اَعْتَزِلُكُمْ": حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے عرفی باپ سے الگ ہونے کا مصداق یہ تھا کہ وہ ان کو چھوڑ کر شام کی طرف چلے گئے جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَ قَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ۔ (العنکبوت: ۲۶)" (اور ابراہیم نے کہا: میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں)۔ "وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ": اور اُن سے بھی الگ ہو جاؤں گا جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ "وَ اَدْعُوْا رَبِّيْ": یعنی میں صرف اپنے رب کی عبادت کروں گا۔

"عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا": اور قریب ہے کہ میں اپنے رب کی دعا سے ناکام اور نامراد نہیں ہوں گا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے کلام میں "عَسٰى" آئے تو وہ وجوب کے معنی میں ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب ابراہیم اُن سے اور جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے اُن سے الگ ہو گئے تو ہم نے ان کو اسحاق (نامی بیٹا) اور یعقوب (نامی پوتا) عطا فرمایا اور ہم نے اُن میں سے ہر ایک کو نبی بنایا ○'' (مریم:۴۹)

''فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ'': اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم کو نیک اور کریم اولاد عطا فرمائی، ان کے عوض میں جن کو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بلاتے تھے تو وہ ان کی بات پر عمل نہیں کرتے تھے۔

''وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا'': یعنی اسحاق اور یعقوب دونوں کو نبی بنایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت سے بہت کچھ عطا فرمایا، اور ہم نے ان کے لیے ذکرِ جمیل بلند فرمایا ○'' (مریم:۵۰)

''وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا'': یعنی قیامت تک اُن کی تعریف اور تحسین ہوتی رہے گی اور ہر دین والے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت رکھیں گے، پس یہ قیامت تک اُن کی ثنائے حسن ہے۔

(تفسیر القرآن لابی المظفر السمعانی، ج ۳ ص ۲۹۶-۲۹۷، دار الوطن، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوسٰى إِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) آپ کتاب (قرآن مجید میں مذکور) موسیٰ کا ذکر کیجیے، بے شک وہ منتخب تھے اور رسول نبی تھے ○

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾

اور ہم نے اُن کو طور کی دائیں جانب سے ندا فرمائی اور اُن کو مقرب اور راز دار بنایا ○

وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَا أَخَاهُ هٰرُونَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

اور ہم نے اُن کے لیے اپنی رحمت سے اُن کے بھائی ہارون کو نبی بنایا ○

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِسْمٰعِيلَ إِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) آپ کتاب (قرآن مجید میں مذکور) اسماعیل کا ذکر کیجیے، بے شک وہ سچا وعدہ کرنے والے اور رسول نبی تھے ○

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾

اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتے تھے، اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے ○

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٥٦﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) آپ کتاب (قرآن مجید میں مذکور) ادریس کا ذکر کیجئے، بے شک وہ بہت سچے نبی تھے ○

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾

اور ہم نے انہیں بلند جگہ پر اٹھایا ○

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿٥٨﴾

یہ انبیاء میں سے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، اور اُن لوگوں کی اولاد سے ہیں جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار فرمایا، اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے ہیں، اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت عطا فرمائی اور ان کو منتخب فرمالیا، جب ان پر رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے زمین پر گر جاتے ہیں ○

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾

پھر اُن کے بعد ایسے برے لوگ جانشین بنے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشات کی پیروی کی، پس اُن کو عنقریب دوزخ کے گڑھے میں جھونک دیا جائے گا ○

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿٦٠﴾

سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کئے، سو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر بالکل ظلم نہیں فرمایا جائے گا ○

جَنّٰتِ عَدْنِ ۨالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿٦١﴾

یہ دوامی جنتیں ہیں جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے (ان کے) دیکھے بغیر وعدہ فرمایا ہے، بے شک اُن کا وعدہ آ کر رہے گا ○

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿٦٢﴾

وہ اُن جنتوں میں سلام کے سوا کوئی لغو بات نہیں سنیں گے، اور انہیں اُن جنتوں میں صبح اور شام روزی عطا فرمائی جائے گی ○

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾

یہ وہ جنتیں ہیں جن کا ہم اپنے بندوں میں سے اُن کو وارث بنائیں گے جو اللہ سے ڈرنے والے ہوں گے O

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾

(جبریل نے کہا) ہم صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں، اور جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان میں ہے، سب کے وہی مالک ہیں، اور آپ کے رب بھولنے والے نہیں ہیں O

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۗ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾

وہ آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کے رب ہیں، پس اے رسولِ اکرم! آپ انہی کی عبادت کیجئے اور اُن کی عبادت کی مشقت پر صبر کیجئے، کیا آپ کو اُن کے کسی ہم نام کا علم ہے؟ O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) آپ کتاب (قرآن مجید میں مذکور) موسیٰ کا ذکر کیجئے، بے شک وہ منتخب تھے اور رسول نبی تھے O'' (مریم: ۵۱)

مُخلَص کا معنی

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی المتوفی ۳۹۸ھ، لکھتے ہیں:

اخلاص کا معنی ہے: عبادت میں ریا کو ترک کرنا۔ کہا جاتا ہے اَخْلَصْتُ لِلّٰهِ دِيْنًا، میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے دین کو خالص کر لیا، اور یہ چیز تمہارے لیے خالص ہے یعنی تمہارا خاصہ ہے۔ اور ذو الخَلَصَة، یہ خثعم کا ایک گھر تھا جس کو کعبۂ یمانیہ کہا جاتا تھا اور اس میں ایک بت تھا جس کو خلصہ کہا جاتا تھا، پھر اس گھر کو منہدم کر دیا گیا۔ (مختار الصحاح ص ۳۱۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، مریم: ۵۱ تا ۵۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى ۫ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا'': اس آیت میں مُخلَص کا لفظ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کو مخلص بنایا تھا۔ اور کہا جاتا ہے کہ مُخلَص کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے جس کو مختار اور خالص بنایا ہو۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے کفر اور نافرمانیوں سے خالص فرما لیا ہے۔ اس کی ایک قراءت مُخلِص بھی ہے یعنی وہ عمل میں اخلاص کرنے والے تھے۔

''وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا'': یعنی وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے اُن کو طور کی دائیں جانب سے ندا فرمائی اور اُن کو مقرب اور راز دار

بنایا O" (مریم: ۵۲)

"وَ نَادَیْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَیْمَنِ ": یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب سے ندا فرمائی۔ اور وہاں پر کسی پہاڑ کی دائیں یا بائیں جانب نہیں تھی۔ "وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا": یعنی ہم نے اُن سے بغیر وحی کے کلام فرمایا۔ اور الکلبی نے کہا: ہم نے اُن کو اپنا مقرب بنایا حتیٰ کہ انہوں نے لوح پر قلم کے چلنے کی آواز سنی۔ اور السدی نے کہا: اُن کو آسمانِ دنیا میں داخل فرمایا گیا اور اُن سے کلام فرمایا۔ اور الزجاج نے کہا: ہم نے انہیں اپنے قریب کر کے ان سے سرگوشی فرمائی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے اُن کے لیے اپنی رحمت سے اُن کے بھائی ہارون کو نبی بنایا O"

(مریم: ۵۳)

"وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِیًّا": یعنی ہم نے ان کو یہ نعمت عطا فرمائی کہ اُن کے بھائی ہارون کو نبی بنایا، اور وہ ان کے ساتھ وزیر اور مددگار رہتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور (اے رسولِ اکرم!) آپ کتاب (قرآن مجید میں مذکور) اسماعیل کا ذکر کیجئے، بے شک وہ سچا وعدہ کرنے والے اور رسول نبی تھے O" (مریم: ۵۴)

"وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ ": یعنی قرآن مجید میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خبر کا ذکر کیجئے۔

"اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ ": یعنی جب حضرت اسماعیل علیہ السلام وعدہ کرتے تھے تو اس کو پورا کرتے تھے۔ مقاتل نے کہا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کسی مرد سے وعدہ کیا تھا کہ وہ یہاں اس کا انتظار کریں گے، پس وہ اس جگہ تین دن تک ٹھہرے رہے حتیٰ کہ وہ مرد اُن کی طرف آیا۔ اور الکلبی کی روایت میں مذکور ہے کہ وہ ایک سال تک اس شخص کا انتظار کرتے رہے۔ اور مجاہد نے کہا: وہ صادق الوعد تھے یعنی جس شخص سے جو بھی وعدہ کرتے اس کو پورا کرتے۔

"وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا": یعنی وہ اپنی قوم کی طرف رسول تھے اور انہیں اللہ عزوجل کی خبریں دیتے تھے۔ (نبی کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبریں دینے والا)۔

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، لکھتے ہیں:

نبی: وہ اللہ کی طرف سے خبر دینے والے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی توحید کی خبر فرمائی اور اُن کو اپنے غیب پر مطلع فرمایا ہے اور ان کو یہ خبر فرمائی کہ وہ اللہ کے نبی ہیں۔ (تاج العروس من جواہر القاموس، جز ۱، ص ۲۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتے تھے، اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے O" (مریم: ۵۵)

"وَ كَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ ": اس آیت میں "اَهْلَهٗ" فرمایا ہے، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اُن کے دین پر تھے اور جو اُن کی قوم کے لوگ تھے۔ "بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ": یعنی اُن کو پوری نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرماتے تھے۔

"وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا": اور وہ اپنے رب کے نزدیک نیکوکار تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور (اے رسول اکرم!) آپ کتاب (قرآن مجید میں مذکور) ادریس کا ذکر کیجئے بے شک وہ بہت سچے نبی تھےO" (مریم: ۵۶)

حضرت ادریس علیہ السلام کا تذکرہ

"وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ": یعنی آپ اس کتاب میں حضرت ادریس علیہ السلام کی خبر پڑھ کر سنائیے۔

"اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا": یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچی خبریں بیان کرتے تھے۔ اور وہب بن منبہ سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ اُن کا نام حضرت ادریس علیہ السلام اس لیے رکھا گیا کیونکہ وہ اللہ عزوجل کی کتاب اور سنن کا بہ کثرت درس دیتے تھے اور اُن پر تیس (۳۰) صحیفے نازل فرمائے گئے تھے۔ اور وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے سوتی لباس پہنا تھا۔ اور اس سے پہلے لوگ درندے کی کھالوں سے اپنا بدن ڈھانپتے تھے، اور اُن کا نام اخنوخ تھا، اور دوسرا قول ہے کہ اُن کا نام الیاس تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے انہیں بلند جگہ پر اٹھایاO" (مریم: ۵۷)

"وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا": یعنی انہیں جنت میں اٹھالیا۔ اور مجاہد نے کہا: یعنی چوتھے آسمان میں اٹھالیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کعب الاحبار سے حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق سوال کیا تو کعب احبار نے کہا کہ حضرت ادریس علیہ السلام درزی تھے، وہ رات کو قیام کرتے تھے اور دن میں روزہ رکھتے تھے۔ اور اللہ عزوجل کا ذکر کرنے سے تھکتے نہیں تھے۔ اور وہ روزی حاصل کرتے تھے اور اس کا دو تہائی صدقہ کر دیتے تھے۔ پس اُن کے پاس فرشتوں میں سے ایک فرشتہ آیا جس کا نام اسرائیل تھا، سو اس نے اُن کو جنت کی بشارت دی اور کہا کہ آپ کی کوئی حاجت ہے تو بتائیے؟ انہوں نے کہا: میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میری موت کب آئے گی تو میں زیادہ سے زیادہ نیکی کروں۔ فرشتہ نے کہا: مجھے اس کا علم نہیں لیکن آپ چاہیں تو میں آپ کو آسمان کی طرف لے جاتا ہوں، پھر فرشتہ انہیں آسمان کی طرف لے گیا، وہاں اُن کی ملک الموت سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ملک الموت سے اپنی زندگی کی مدت کے متعلق سوال کیا، تو ملک الموت نے ایک کتاب کھولی جو اُن کے پاس تھی، پھر کہا: آپ کی زندگی میں سے صرف چھ یا سات ساعات رہ گئی ہیں اور مجھے یہ حکم فرمایا گیا ہے کہ میں آپ کی روح کو یہیں پر قبض کر لوں، پس اُن کی روح کو آسمان میں قبض کر لیا اور یہ اس کا معنی ہے کہ اُن کو اوپر اٹھالیا تھا۔

(تفسیر السمرقندی ج ۲ ص ۳۲۶۔۳۲۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ، مریم: ۵۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا" کا معنی ہے: اُن کو نبوت کا شرف عطا فرمایا اور اللہ عزوجل کا قرب عطا فرمایا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ فرشتے اُن کو چوتھے آسمان کی طرف اٹھا کر لے گئے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اُن کو دیکھا تھا۔ اور حسن بصری سے روایت ہے کہ اُن کو جنت کی طرف لے گئے اور کوئی چیز جنت سے زیادہ بلند نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی عبادت کی کثرت کی وجہ سے فرشتوں کے نزدیک محبوب ہو گئے تھے، تو انہوں نے ملک الموت سے کہا: مجھے موت کو چکھاؤ تا کہ وہ مجھ پر

آسان ہو، ملک الموت نے اللہ عزوجل کے اذن سے اس طرح کر دیا، پھر اُن کو زندہ کر دیا اور انہوں نے کہا کہ مجھے دوزخ میں داخل کرو تا کہ مجھے اس کا زیادہ خوف ہو، ملک الموت نے اس طرح کر دیا، پھر کہا: مجھے جنت میں داخل کرو تا کہ میری جنت کی طرف رغبت زیادہ ہو تو ملک الموت نے اس طرح کر دیا اور اُن سے کہا: اب آپ جنت سے باہر آ جائیں، تو حضرت ادریس علیہ السلام نے کہا: میں نے موت کو چکھ لیا اور میں دوزخ میں داخل ہو گیا، اب میں جنت سے باہر نہیں آؤں گا، اللہ عزوجل نے فرمایا: اس نے میری اجازت سے ایسا کیا تھا اور میری اجازت سے جنت میں داخل ہوا، پس اس کو چھوڑ دو۔

(مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ج ۲ ص ۳۴۱، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

حضرت ادریس علیہ السلام کا جنت میں داخل ہونے کے بعد باہر نہ آنا

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، اس قصہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ابن المنذر نے عفرہ کے آزاد کردہ غلام عمر سے روایت کی ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طویل قصہ ذکر فرمایا ہے اور اس قصہ کے آخر میں ملک الموت کا اور حضرت ادریس علیہ السلام کا مباحثہ ذکر کیا ہے کہ ملک الموت نے حضرت ادریس علیہ السلام سے کہا: اے اللہ کے نبی! میں نے آپ کی خواہش پوری کر دی اب آپ جنت سے باہر آ جائیں اور قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جنت میں داخل ہوں تو حضرت ادریس علیہ السلام نے درخت کی ایک شاخ پکڑ کر کہا: میں جنت سے باہر نہیں آؤں گا، اگر آپ چاہیں تو میں آپ سے بحث کروں، تو اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کی طرف وحی فرمائی، پس ملک الموت نے حضرت ادریس علیہ السلام سے پوچھا: اے اللہ کے نبی! آپ کے پاس جنت سے باہر نہ آنے پر کیا دلیل ہے؟ تو حضرت ادریس علیہ السلام نے کہا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ (آل عمران: ۱۸۵)'' (ہر جاندار موت کا مزا چکھنے والا ہے)، اور میں نے موت کا ذائقہ چکھ لیا، اور اللہ سبحانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے: ''وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا۔ (مریم: ۷۱)'' (اور انسانو! تم میں سے ہر شخص کا گزر دوزخ پر ہوگا، یہ بات آپ کے رب کے نزدیک قطعی اور طے شدہ ہے)، اور میں دوزخ میں داخل ہو چکا ہوں، اور اللہ عزوجل نے اہل جنت سے فرمایا: ''وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ۔ (الحجر: ۴۸)'' (اور نہ انہیں جنتوں سے کبھی نکالا جائے گا)۔ تب اللہ عزوجل نے ملک الموت کی طرف وحی فرمائی کہ میرا بندہ ادریس تم پر دلیل سے غالب آ چکا ہے اور مجھے پہلے سے اس کا علم تھا کہ اس طرح ہوگا، اب تم اس کو جنت میں چھوڑ دو، کیونکہ انہوں نے تمہارے سامنے قوی دلیل پیش کی ہے۔۔۔ الحدیث

علامہ آلوسی اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہی کو اس حدیث کی صحت کے متعلق علم ہے اور اس سے پہلے جو کعب احبار نے خبر دی ہے اس کی صحت کا بھی اللہ ہی کو علم ہے۔ اور حضرت ادریس علیہ السلام کو جو بلند مقام پر اٹھایا گیا یہ اُن کے بلند مرتبہ کی وجہ سے ہے۔ (روح المعانی، جز ۱۶، ص ۱۵۵۔۱۵۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

امام ابن جوزی فرماتے ہیں: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو ان آیات کا کیسے علم ہوا، یہ تو ہماری کتاب میں ہیں؟ تو ابن الانباری نے بعض علماء سے اس کا یہ جواب ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو ان باتوں کا یہ علم دے دیا تھا جو قرآن مجید میں ہیں کہ ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور ہر شخص کا دوزخ سے گزر ہوگا اور اہل جنت کو، جنت سے نکالا نہیں جائے گا۔ (زاد المسیر فی علم التفسیر، ج ۵ ص ۲۳۱۔۲۳۲، معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۶۷)

حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق علماء اور مفسرین کا اختلاف

کعب کی روایت میں ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کی روح چھٹے آسمان پر قبض کر لی گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ چوتھے آسمان پر ہیں، اور زید بن اسلم نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں زندہ ہیں۔

علامہ الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں، بعض نے کہا: وہ فوت شدہ ہیں اور بعض نے کہا: وہ زندہ ہیں، انہوں نے کہا: چار نبی زندہ ہیں، دو زمین پر ہیں حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام، اور دو آسمان میں ہیں حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۴ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ انبیاء میں سے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے اولادِ آدم میں سے انعام فرمایا ہے، اور اُن لوگوں کی اولاد سے ہیں جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار فرمایا، اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے ہیں، اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت عطا فرمائی اور ان کو منتخب فرمالیا، جب ان پر رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے زمین پر گر جاتے ہیں O'' (مریم: ۵۸)

ابواللیث نصر بن محمد بن احمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، مریم: ۵۸ تا ۶۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ'': یعنی حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس اور باقی انبیاء علیہم السلام۔ ''مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَ مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ'': جن کو ہم نے تمام انبیاء میں سے کشتی میں سوار فرمایا اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد تھے سوائے حضرت ادریس علیہ السلام کے، یعنی ہم نے اُن سب کو کشتی میں سوار فرمایا اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کی پشت میں تھے۔ ''وَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْرَآءِيْلَ'': اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔

''وَ مِمَّنْ هَدَيْنَا'': یعنی جن کو ہم نے نبوت سے شرف عطا فرمایا۔ کہا جاتا ہے ''اَكْرَمْنَا بِالْاِسْلَامِ'' ہمیں اسلام کے ساتھ عزت عطا فرمائی۔ ''وَ اجْتَبَيْنَا'': یعنی جن کو ہم نے منتخب فرمالیا۔

''اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ'': یعنی جب اُن پر قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے۔

''خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا'': تو وہ اللہ عزوجل کے خوف سے سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ اور ''بُكِيًّا'' کا لفظ باکی کی جمع ہے اور ''سُجَّدًا'' کا لفظ ساجد کی جمع ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر اُن کے بعد ایسے برے لوگ جانشین بنے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشات کی پیروی کی، پس اُن کو عنقریب دوزخ کے گڑھے میں جھونک دیا جائے گا O'' (مریم: ۵۹)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ، مریم: ۵۹ سے ۶۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ": پھر ان فضیلت یافتہ لوگوں کے بعد "خَلْفٌ" بری اولاد آئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ یہود ہیں۔

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی المتوفی ۳۹۸ھ، لکھتے ہیں:

خَلْفٌ: لوگوں کے بعد میں آنے والے برے لوگ۔ (مختار الصحاح ص ۱۲۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، لکھتے ہیں:

الخَلَف: لام پر زبر کے ساتھ، اس کا معنی ہے: نیک اولاد جو اپنے باپ کے بعد باقی رہے اور جب اولاد خراب ہو تو پھر لام پر جزم ہوتی ہے یعنی الخَلْف۔

اور بعض اوقات ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے "هُوَ خَلَفُ صِدْقٍ مِنْ اَبِيْهِ" جب کوئی شخص اپنے باپ کے طریقہ پر قائم ہو۔ اسی طرح کہا جاتا ہے "خَلْفُ سُوْءٍ مِنْ اَبِيْهِ" یعنی وہ اپنے باپ کے برے طریقہ پر ہے۔ اور الاخفش نے کہا: "الخَلَفُ و الخَلْفُ" دونوں برابر ہیں۔

اور کہا جاتا ہے "نِعْمَ الخَلَفُ وَبِئْسَ الخَلْفُ" اور کہا جاتا ہے "خَلَفُ صِدْقٍ وَخَلْفُ سُوْءٍ"۔

ابن الاثیر نے کہا: "الخَلَفُ" لام کی زبر کے ساتھ "والخَلْفُ" لام کی جزم کے ساتھ، مگر خَلَف کا لفظ خیر میں استعمال ہوتا ہے اور خَلْف کا لفظ شر میں استعمال ہوتا ہے۔

(تاج العروس من جواہر القاموس، جز ۲۳ ص ۳۲-۳۳، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

"اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ": یعنی انہوں نے فرض نمازیں ترک کر دیں۔ "وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ": اور انہوں نے اپنی خواہشات نفس کی پیروی کی۔ "فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا": عرب کے نزدیک ہر شر "غی" ہے اور ہر خیر "رشاد" ہے اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ "غی" جہنم میں ایک وادی ہے جس کو اُن لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے جو زنا کاری، شراب نوشی اور سود خوری اور ماں باپ کی نافرمانی پر اور جھوٹی گواہی دینے پر اصرار کرتے ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سوا اُن لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کیے، سو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر بالکل ظلم نہیں فرمایا جائے گا ○" (مریم: ۶۰)

"اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا": مگر جس نے کفر سے توبہ کر لی اور صحیح ایمان لے آیا اور ایمان لانے کے بعد نیک عمل کیے تو ان لوگوں کو جنت میں داخل فرمایا جائے گا اور ان کے نیک اعمال کی جزا میں سے کوئی کمی نہیں فرمائی جائے گی بلکہ ان کے نیک عملوں کا اجر دگنا فرما دیا جائے گا اور ان پر بالکل ظلم نہیں فرمایا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "یہ وہ دائمی جنتیں ہیں جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں کے دیکھے بغیر وعدہ فرمایا ہے، بے شک اُن کا وعدہ آ کر رہے گا ○" (مریم: ۶۱)

"جَنّٰتِ": یہ جنت سے بدل ہے، کیونکہ جنت، جنات عدن پر مشتمل ہے۔ "عَدْنٍ": یہ معرفہ ہے، کیونکہ یہ عدن کے معنی کا

علم ہے اور عدن کا لغوی معنی ٹھہرنا ہے۔ یا یہ جنت کی سرزمین کے لیے علم ہے، کیونکہ وہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

"الَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ": یعنی جن جنتوں کا اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے والے مومنین سے وعدہ فرمالیا ہے جو نیک عمل کرتے ہیں۔ "بِالْغَیْبِ" یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور جنت اُن سے غائب تھی، یا وہ لوگ جنت سے غائب تھے اور اس کا مشاہدہ نہیں کررہے تھے۔ "اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا": اور جس کا اُن سے وعدہ فرمایا گیا ہے وہ اُن کے پاس ضرور آئے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وہ اُن جنتوں میں سلام کے سوا کوئی لغو بات نہیں سنیں گے، اور انہیں اُن جنتوں میں صبح اور شام روزی عطا فرمائی جائے گی O" (مریم: ۶۲)

"لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا": وہ لوگ جنت میں کوئی بیہودہ بات یا جھوٹ یا بے فائدہ کلام نہیں سنیں گے۔ اس آیت میں یہ تنبیہ ہے کہ لغو اور بے فائدہ باتوں سے اجتناب کرنا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت کو ان چیزوں سے منزہ فرمایا ہے حالانکہ جنت میں انسان کسی کام کا مکلف نہیں ہوتا، لیکن وہ جنت میں ملائکہ سے سلام کرنے کو سنیں گے یا ایک دوسرے کے سلام کرنے کو سنیں گے، یعنی جنت میں وہ ایسا کلام سنیں گے جو عیب اور نقص سے منزہ ہو۔ اور سلام کا معنی ہے: سلامتی کی دعا کرنا۔

"وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا": یعنی دنیا میں صبح اور شام کے وقت کے برابر گزرنے پر اُن کو رزق عطا فرمایا جائے گا کیونکہ جنت میں نہ رات ہوگی اور نہ دن ہوگا اور وہ وہاں پر ہمیشہ نور میں رہیں گے، اور وہ پردہ ڈالنے سے رات کو پہچانیں گے اور پردے اٹھانے سے دن کو پہچانیں گے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ اُن کو دائما رزق دیا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "یہ وہ جنتیں ہیں جن کا ہم اپنے بندوں میں سے اُن کو وارث بنائیں گے جو اللہ سے ڈرنے والے ہوں گے O" (مریم: ۶۳)

"تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا": یہ جنتیں اُن کے نیک اعمال کی میراث ہیں، یعنی اس کا ثمرہ اور انجام ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگر دوزخی ایمان لے آتے تو اُن کو جو جنتیں دی جاتیں وہ جنتیں مومنین کو بہ طور وراثت ملیں گی، کیونکہ کفر بھی حکما موت ہے۔ "مَنْ كَانَ تَقِیًّا": یعنی جو شخص شرک سے مجتنب رہا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(جبریل نے کہا) ہم صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں، اور جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان میں ہے، سب کے وہی مالک ہیں، اور آپ کے رب بھولنے والے نہیں ہیں O" (مریم: ۶۴)

"وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا":

مریم: ۶۴ کی دو تفسیریں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل! آپ جتنا ہماری زیارت اور ملاقات کے لیے آتے ہیں اس سے زیادہ ہماری ملاقات کے لیے آنے سے آپ کو کون سی چیز منع کرتی ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی:

"(جبریل نے کہا:) ہم صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں، اور جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان میں ہے، سب کے وہی مالک ہیں، اور آپ کے رب بھولنے والے نہیں ہیں۔ (مریم: ٦٤)" امام بخاری نے کہا: یہ جواب (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۲۱۸، ۴۷۳۱، ۷۴۵۵، سنن ترمذی: ۳۱۵۸، مسند احمد: ۲۰۷۹)

دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب اہلِ مکہ نے ذوالقرنین اور اصحاب الکہف اور الروح کے متعلق آپ سے سوال کیا تھا تو حضرت جبریل علیہ السلام تاخیر سے آپ کے پاس وحی لے کر آئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کے تاخیر سے آنے پر عتاب فرمایا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا "ہم صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں، اور جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان میں ہے، سب کے وہی مالک ہیں، اور آپ کے رب بھولنے والے نہیں ہیں۔ (مریم: ٦٤)" یعنی آپ کے رب اس کو بھولنے والے نہیں ہیں کہ انہوں نے آپ کی طرف وحی نہیں فرمائی۔ اور کہا جاتا ہے کہ "مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا" سے مراد امرِ آخرت، ثواب اور عقاب ہے اور "وَمَا خَلْفَنَا" سے مراد تمام وہ امور ہیں جو دنیا کے کاموں سے گزر گئے اور "وَمَا بَیْنَ ذٰلِكَ" سے مراد وہ امور ہیں جو اس وقت میں واقع ہوں گے۔ "وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا" بے شک اللہ عزوجل کو علم ہے جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ آئندہ ہوگا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگرچہ آپ پر وحی کو نازل فرمانا مؤخر ہوا لیکن اللہ تعالیٰ آپ پر وحی کو نازل فرمانا بھولے نہیں تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وہ آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کے رب ہیں، پس اے رسولِ اکرم! آپ انہی کی عبادت کیجئے اور اُن کی عبادت کی مشقت پر صبر کیجئے، کیا آپ کو اُن کے کسی ہم نام کا علم ہے؟○" (مریم: ٦٥)

"رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ": یعنی آپ اپنے رب کی اطاعت کیجئے اور ان کی عبادت کی مشقت کے اوپر صبر کیجئے۔

"سَمِیًّا" کا معنی

"هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا": کیا آپ کو علم ہے کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی کا نام اللہ ہے، کیا آپ کو علم ہے کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی کا نام رحمٰن ہے، اور کیا آپ کو علم ہے کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی اس کا مستحق ہے کہ اس کو خالق، قادر اور عالِم ما کان و ما یکون کہا جائے۔ اور جب یہ صحیح ہے کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جس کی تمام بندے عبادت کریں تو پھر اللہ عزوجل کی عبادت کرنے اور ان کی عبادت پر مشقت برداشت کرنے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

(مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ج ۲ ص ۳۴۲-۳۴۳، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۲۰ھ، وتفاسیر اخری)

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا ﴿٦٦﴾

اور (کافر) انسان کہتا ہے: کیا جب میں مرجاؤں گا تو کیا عنقریب میں زندہ ہو کر (قبر سے) ضرور نکالا جاؤں گا○

أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾

کیا اس (کافر) انسان کو یہ یاد نہیں ہے کہ ہم نے اس کو اس سے پہلے پیدا فرمایا اور اس وقت وہ کچھ بھی نہ تھا ○

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾

پس آپ کے رب کی قسم! ہم ضرور بہ ضرور ان منکروں کو اور شیاطین کو جمع فرمائیں گے پھر ہم ضرور بہ ضرور ان کو جہنم کے گرد اس حال میں حاضر فرمادیں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے ○

ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾

پھر ہم ہر گروہ میں سے اُن کو کھینچ کر نکالیں گے جو رحمن پر بہت شدید سرکشی کرنے والے تھے ○

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾

پھر ہم اُن لوگوں کو خوب جاننے والے ہیں جو جہنم میں جھونکے جانے کے زیادہ لائق ہیں ○

وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾

اور تم میں سے ہر شخص کو دوزخ پر گزرنا ہوگا، یہ آپ کے رب کے نزدیک لازم اور مقرر ہے ○

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾

پھر ہم اللہ سے ڈرنے والوں کو جہنم سے نجات عطا فرمادیں گے، اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے ○

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾

اور جب اُن پر ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو کفار مومنین سے کہتے ہیں: ان دو گروہوں میں سے کس کے مکان زیادہ اچھے ہیں اور کس کی مجلس زیادہ عمدہ ہے؟ ○

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ﴿٧٤﴾

اور ہم اس سے صدیوں پہلے کتنے لوگوں کو ہلاک فرماچکے ہیں جو ساز و سامان اور شکل و صورت میں ان سے بہت اچھے تھے ○

قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ﴿٧٥﴾

آپ کہیے کہ جو شخص گمراہی میں مبتلاء ہے تو رحمٰن اس کو خوب ڈھیل دیتے ہیں، حتیٰ کہ جب وہ اس وعید کو دیکھ لیں گے جس سے اُن کو ڈرایا گیا ہے خواہ وہ عذاب ہو خواہ قیامت ہو تو وہ عنقریب جان لیں گے کہ کس کا مقام زیادہ برا ہے اور کس کا لشکر زیادہ کمزور ہے O

وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾

اور اللہ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اضافہ فرماتے ہیں اور نیک اعمال آپ کے رب کے نزدیک بہ طور ثواب کے بھی سب سے بہتر ہیں اور بہ طور انجام کے بھی سب سے بہتر ہیں O

اَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾

(اے رسول اکرم!) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا کفر کیا اور کہا: (قیامت کے دن) مجھے ضرور بہ ضرور مال اور اولاد عطا فرمائی جائے گی O

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾

کیا وہ غیب پر مطلع ہو چکا ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے O

كَلَّا ۗ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾

ہرگز نہیں! وہ جو کچھ کہہ رہا ہے ہم اس کو عنقریب لکھ رہے ہیں اور اس کے لیے عذاب کو بڑھاتے جاتے ہیں O

وَّنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَاْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾

اور جس مال اور اولاد کا وہ ذکر کر رہا ہے اس کو ہم اس سے چھین لیں گے اور وہ قیامت کے دن ہمارے پاس تنہا آئے گا O

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾

اور ان کافروں نے اللہ کو چھوڑ کر معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ خود ساختہ معبود ان کے لیے باعثِ عزت ہوں O

كَلَّا ۗ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ ع

ہرگز نہیں! اُن کے وہ معبود اُن کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور قیامت کے دن وہ اُن کے خلاف ہوں گے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (کافر) انسان کہتا ہے: کیا جب میں مر جاؤں گا تو کیا عنقریب میں زندہ ہو کر (قبر سے) ضرور نکالا جاؤں گا O'' (مریم:٦٦)

القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، مریم:٦٦ تا ٨٢ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا": اور ابی بن خلف مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا منکر تھا، اس نے ایک بوسیدہ ہڈی اٹھائی اور اس نے استہزاء اور تکذیباً کہا: کیا جب ہم اس طرح ہو جائیں گے تو ہم کو دوبارہ زندہ کر کے باہر لایا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کیا اس (کافر) انسان کو یہ یاد نہیں ہے کہ ہم نے اس کو اس سے پہلے پیدا فرمایا اور اس وقت وہ کچھ بھی نہ تھا O" (مریم: ۶۷)

"اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا": اس آیت کا معنی ہے: کیا یہ کافر انسان یہ کہتا ہے کہ میں موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا، اور وہ ہماری تخلیق پر غور وفکر نہیں کرتا کہ اس حالت سے پہلے جب وہ کچھ بھی نہ تھا، ہم اس کو پیدا فرما چکے ہیں۔ اور جو کسی چیز کو پیدا فرمانے پر ابتداء قادر ہو تو وہ اس کو دوبارہ پیدا فرمانے پر بھی قادر ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس آپ کے رب کی قسم! ہم ضرور بہ ضرور ان منکروں کو اور شیاطین کو جمع فرمائیں گے پھر ہم ضرور بہ ضرور ان کو جہنم کے گرد اس حال میں حاضر فرمادیں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے O" (مریم: ۶۸)

"فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ": پھر اللہ تعالیٰ اپنی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ ہم ان کفار کو اور ان کے ساتھ ان کے شیاطین کو ضرور جمع فرمائیں گے، کیونکہ ہر کافر اپنے شیطان کے ساتھ زنجیر میں جکڑا ہوا ہوگا۔

"ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا": پھر ہم ضرور بہ ضرور ان کو جہنم کے گرد اس حال میں حاضر فرمادیں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ اور جو شخص گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہوتا ہے وہ بہت خوف زدہ ہوتا ہے جیسے قیدی، وہ اس وقت سے خوف زدہ ہوگا اور جگہ کی تنگی سے خوف زدہ ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پھر ہم ہر گروہ میں سے اُن کو کھینچ کر نکالیں گے جو رحمٰن پر بہت شدید سرکشی کرتے والے تھے O" (مریم: ۶۹)

"ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا": "مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ" کا معنی ہے: ہم ہر جماعت سے ضرور اُن کو نکالیں گے جو رحمٰن پر زیادہ جرأت کرتے تھے اور جن کا جرم زیادہ تھا۔ اور جس کا جرم جتنا زیادہ ہوگا اور جس کی سرکشی جتنی زیادہ ہوگی اس کو پہلے نکالا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پھر ہم اُن لوگوں کو خوب جاننے والے ہیں جو جہنم میں جھونکے جانے کے زیادہ لائق ہیں O" (مریم: ۷۰)

"ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا": یعنی ہم خوب جانتے ہیں کہ ان میں سے کون عذاب کے زیادہ مستحق ہیں اور آگ میں جھونکے جانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ ہم ان لوگوں کو ان کے گناہوں کی مقدار کے اعتبار سے جہنم میں جھونک دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم میں سے ہر شخص کو دوزخ پر گزرنا ہوگا، یہ آپ کے رب کے نزدیک لازم اور مقرر ہے O'' (مریم: ۷۱)

''وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا'': اَلْوُرُوْد کا اصل معنی حاضر ہونا ہے اور اس کا حضور اور دخول دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے وُرُوْد کی تفسیر دخول کے ساتھ کی ہے، تاکہ جہنم مومنین پر ٹھنڈی اور سلامتی ہو جائے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تھی، اور کفار کے اوپر آگ ہو جائے۔

روایت ہے کہ جب مومنین دوزخ پر سے گزریں گے تو اس سے آگ کا جلانا محسوس نہیں کریں گے، اور حدیث میں ہے آگ مومن سے کہے گی ''جلدی سے گزر جا کیونکہ تیرا نور میرے آگ کے شعلے کو بجھا رہا ہے''۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۲ ص ۲۵۸، الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۹۳، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۹ ص ۳۲۹، تاریخ بغداد للخطیب ج ۵ ص ۱۹۳، شعب الایمان للبیہقی: ۳۷۵)

''كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا'': یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کام واجب ہے اور انہوں نے اس کا فیصلہ فرما لیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ہم اللہ سے ڈرنے والوں کو جہنم سے نجات عطا فرما دیں گے، اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے O'' (مریم: ۷۲)

''ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا'': اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہنم پر سے گزرنا ضروری ہے، پھر ہم مومن کو اس سے نجات عطا فرما دیں گے اور کافر کو اس میں عذاب میں مبتلا چھوڑ دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب اُن پر ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو کفار مومنین سے کہتے ہیں: ان دو گروہوں میں سے کس کے مکان زیادہ اچھے ہیں اور کس کی مجلس زیادہ عمدہ ہے؟ O'' (مریم: ۷۳)

''وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا'': یعنی جب ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو مشرکین قریش میں سے النضر بن الحارث اور اس کے اصحاب مومنین سے کہتے ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے فقراء سے کہتے ہیں، جن کا لباس کم قیمت تھا اور ان کے بال پراگندہ تھے، اور مشرکین اپنے بالوں میں کنگھی کرتے تھے اور سروں میں تیل ڈالتے تھے اور بہترین کپڑے پہنتے تھے، تو وہ مشرکین مومنین سے کہتے ہیں: ان دو گروہوں میں سے کس کا مقام اور مسکن زیادہ بہتر ہے اور کس کی مجلس زیادہ عمدہ ہے۔ مشرکین مومنین سے یہ بات مومنین کی تحقیر کے لیے کہتے تھے: ہم میں سے کس کی حالت زیادہ بہتر ہے اور کس کی مجلس زیادہ اچھی ہے، ہماری یا تمہاری؟

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم اس سے صدیوں پہلے کتنے لوگوں کو ہلاک فرما چکے ہیں جو ساز و سامان اور شکل وصورت میں ان سے بہت اچھے تھے O'' (مریم: ۷۴)

''وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا'': اللہ تعالیٰ ان کو جواب دیتے ہیں کہ ہم اس سے پہلے کتنی ایسی

امتوں کو ہلاک فرما چکے ہیں جن کے لباس اور ان کے احوال زیادہ اچھے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے کہ جو شخص گمراہی میں مبتلاء ہے تو رحمٰن اس کو خوب ڈھیل دیتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ اس وعید کو دیکھ لیں گے جس سے اُن کو ڈرایا گیا ہے خواہ وہ عذاب ہو خواہ قیامت ہو، تو وہ عنقریب جان لیں گے کہ کس کا مقام زیادہ برا ہے اور کس کا لشکر زیادہ کمزور ہے O'' (مریم: ۷۵)

''قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ'': یعنی جو شخص کفر میں مبتلاء ہے۔

''فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا'': یہ امر کا صیغہ خبر کے معنی میں ہے یعنی اللہ عزوجل اس کی گمراہی میں خوب ڈھیل دیتے ہیں۔ (اعلیٰ حضرت نے اس آیت کا ترجمہ امر کے صیغہ کے اعتبار سے کیا ہے: ''تم فرماؤ جو گمراہی میں ہو تو اسے رحمٰن خوب ڈھیل دے''۔ ترجمہ کنز الایمان ص ۵۸۰، مکتبۃ المدینہ کراچی)

''حَتّٰى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ'' حتیٰ کہ جب وہ دنیا میں یہ دیکھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے خلاف مسلمانوں کی مدد فرماتے ہیں، پس اُن کو قتل کیے جانے اور قید کیے جانے کی سزا دیتے ہیں۔ ''وَ اِمَّا السَّاعَةَ'': یعنی قیامت کے دن جب ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

''فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا'': اور جب وہ دوزخ میں جھونک دیے جائیں گے تو پھر اُن کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا درجہ زیادہ برا ہے۔ ''وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا'': اور جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد فرمادیں گے تو پھر اُن کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا عدد اور کس کی قوت زیادہ ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اضافہ فرماتے ہیں اور نیک اعمال آپ کے رب کے نزدیک بہ طور ثواب کے بھی سب سے بہتر ہیں اور بہ طور انجام کے بھی سب سے بہتر ہیں O'' (مریم: ۷۶)

''وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى'': یعنی جو لوگ ایمان لا کر اور نیک اعمال کر کے ہدایت یافتہ ہو گئے۔

''وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ'': اور نیک اعمال خواہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوں۔

''خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ مَّرَدًّا'': آپ کے رب کے نزدیک ثواب اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا کفر کیا اور کہا: (قیامت کے دن) مجھے ضرور بہ ضرور مال اور اولاد عطا فرمائی جائے گی O کیا وہ غیب پر مطلع ہو چکا ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے O'' (مریم: ۷۷-۷۸)

''اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا'':

یہ آیت العاص بن وائل السہمی کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا مذاق اڑاتے ہوئے حضرت

خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے کہا، اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے العاص بن وائل سے اپنا قرض لینا تھا، وہ اس کا تقاضا کر رہے تھے تو اس نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم! میں تمہیں یہ قرض نہیں دوں گا حتیٰ کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کفر کرو۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کفر نہیں کروں گا حتیٰ کہ تم مرجاؤ اور پھر تم کو دوبارہ اٹھایا جائے، اس نے کہا: جب میں مرجاؤں گا اور پھر مجھے دوبارہ اٹھایا جائے گا تو پھر میرے پاس مال اور اولاد ہوگی تو میں تمہارا قرض ادا کر دوں گا، کیونکہ تم یہ زعم کرتے ہو کہ جنت میں سونا اور چاندی ہے، اس نے یہ قول مذاق اڑاتے ہوئے اور تخفیف کرتے ہوئے کہا، تب یہ آیت نازل ہوئی:

''(اے رسول اکرم!) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا کفر کیا اور کہا: (قیامت کے دن) مجھے ضرور بہ ضرور مال اور اولاد عطا فرمائی جائے گی ○ کیا وہ غیب پر مطلع ہو چکا ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے ○'' (مریم: ۷۷-۷۸)۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹۱، ۲۲۷۵، ۲۴۲۵، ۴۷۳۲، ۴۷۳۳، ۴۷۳۴، ۴۷۳۵، صحیح مسلم: ۲۷۹۵، الرقم المسلسل: ۶۹۵۵، سنن ترمذی: ۳۱۶۳، صحیح ابن حبان: ۵۰۱۰، المعجم الکبیر للطبرانی: ۳۶۵۰، سنن بیہقی ج ۶ ص ۵۲، دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۸۰، شرح السنہ ج ۳ ص ۲۰۷، مسند احمد: ۲۱۰۶۸، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

''أَطَّلَعَ الْغَيْبَ'': یعنی کیا اس نے لوحِ محفوظ میں پڑھ لیا ہے؟

''أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا'': یا رحمٰن نے اس سے عہد کر لیا ہے کہ وہ اس کو وہ مال عطا فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ہرگز نہیں! وہ جو کچھ کہہ رہا ہے ہم اس کو عنقریب لکھ رہے ہیں اور اس کے لیے عذاب کو بڑھاتے جاتے ہیں ○'' (مریم: ۷۹)

''كَلَّا'': اس آیت سے اس کا رد فرمایا ہے، یعنی اس نے اپنے لیے جو تصور کیا ہے اس میں خطاء کی ہے۔

''سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ'': اس نے جو کچھ کہا ہے، ہم نے اس کو محفوظ فرما لیا ہے اور ہم اس پر اس کو سزا فرما دیں گے۔

''وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا'': اور ہم اس کے عذاب کے اوپر عذاب کا اضافہ فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جس مال اور اولاد کا وہ ذکر کر رہا ہے اس کو ہم اس سے چھین لیں گے اور وہ قیامت کے دن ہمارے پاس تنہا آئے گا ○'' (مریم: ۸۰)

''وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ'': وہ جس مال کا ذکر کر رہا ہے، ہم اس کو ہلاک فرما دیں گے اور اس کے مال اور اس کی اولاد کا دوسروں کو وارث بنا دیں گے۔ ''وَيَأْتِينَا فَرْدًا'': اور وہ ہمارے پاس بغیر اہل اور مال کے تنہا آئے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ان کافروں نے اللہ کو چھوڑ کر معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ خود ساختہ معبود ان کے لیے باعثِ عزت ہوں ○'' (مریم: ۸۱)

''وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ آلِهَةً لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا'': یعنی مشرکین قریش نے بت بنا رکھے ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں تاکہ ان بتوں کی وجہ سے اُن کو عزت حاصل ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ہرگز نہیں! اُن کے وہ معبود اُن کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور قیامت کے دن وہ

امتوں کو ہلاک فرما چکے ہیں جن کے لباس اور ان کے اموال زیادہ اچھے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے کہ جو شخص گمراہی میں مبتلاء ہے تو رحمٰن اس کو خوب ڈھیل دیتے ہیں کہ جب وہ اس وعید کو دیکھ لیں گے جس سے اُن کو ڈرایا گیا ہے خواہ وہ عذاب ہو خواہ قیامت ہو، تو وہ عنقریب جان لیں گے کہ کس کا مقام زیادہ برا ہے اور کس کا لشکر زیادہ کمزور ہے O'' (مریم:۷۵)

''قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ'': یعنی جو شخص کفر میں مبتلاء ہے۔

''فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا'': یہ امر کا صیغہ خبر کے معنی میں ہے یعنی اللہ عزوجل اس کی گمراہی میں خوب ڈھیل دیتے ہیں۔
(اعلیٰ حضرت نے اس آیت کا ترجمہ امر کے صیغہ کے اعتبار سے کیا ہے: ''تم فرماؤ جو گمراہی میں ہو تو اسے رحمٰن خوب ڈھیل دے''۔ ترجمہ کنز الایمان ص ۵۸۰، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

''حَتّٰى إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ'' حتیٰ کہ جب وہ دنیا میں یہ دیکھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے خلاف مسلمانوں کی مدد فرماتے ہیں، پس اُن کو قتل کیے جانے اور قید کیے جانے کی سزا دیتے ہیں۔ ''وَإِمَّا السَّاعَةَ'': یعنی قیامت کے دن جب ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

''فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا'': اور جب وہ دوزخ میں جھونک دیے جائیں گے تو پھر اُن کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا درجہ زیادہ برا ہے۔ ''وَأَضْعَفُ جُنْدًا'': اور جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد فرما دیں گے تو پھر اُن کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا عدد اور کس کی قوت زیادہ ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اضافہ فرماتے ہیں اور نیک اعمال آپ کے رب کے نزدیک بہ طور ثواب کے بھی سب سے بہتر ہیں اور بہ طور انجام کے بھی سب سے بہتر ہیں O''
(مریم:۷۶)

''وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى'': یعنی جو لوگ ایمان لا کر اور نیک اعمال کر کے ہدایت یافتہ ہو گئے۔

''وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ'': اور نیک اعمال خواہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوں۔

''خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا'': آپ کے رب کے نزدیک ثواب اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا کفر کیا اور کہا: (قیامت کے دن) مجھے ضرور بہ ضرور مال اور اولاد عطا فرمائی جائے گی O کیا وہ غیب پر مطلع ہو چکا ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے O'' (مریم:۷۷-۷۸)

''أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا'':
یہ آیت العاص بن وائل السہمی کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا مذاق اڑاتے ہوئے حضرت

خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے کہا، اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے العاص بن وائل سے اپنا قرض لینا تھا، وہ اس کا تقاضا کرنے گئے تو اس نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم! میں تمہیں یہ قرض نہیں دوں گا حتیٰ کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کفر کرو۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کفر نہیں کروں گا حتیٰ کہ تم مرجاؤ اور پھر تم کو دوبارہ اٹھایا جائے۔ اس نے کہا: جب میں مرجاؤں گا اور پھر مجھے دوبارہ اٹھایا جائے گا تو پھر میرے پاس مال اور اولاد ہوگی تو میں تمہارا قرض ادا کردوں گا، کیونکہ تم یہ زعم کرتے ہو کہ جنت میں سونا اور چاندی ہے، اس نے یہ قول مذاق اڑاتے ہوئے اور تخفیف کرتے ہوئے کہا، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''(اے رسول اکرم!) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا کفر کیا اور کہا: (قیامت کے دن) مجھے ضرور بہ ضرور مال اور اولاد عطا فرمائی جائے گی O کیا وہ غیب پر مطلع ہوچکا ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے O۔۔(مریم: ۷۷۔۷۸)''۔

(صحیح البخاری: ۲۰۹۱، ۲۲۷۵، ۲۴۲۵، ۴۷۳۲، ۴۷۳۳، ۴۷۳۴، ۴۷۳۵، صحیح مسلم: ۲۷۹۵، الرقم المسلسل: ۶۹۵۵۶، سنن ترمذی: ۳۱۶۲، صحیح ابن حبان: ۵۰۱۰، المعجم الکبیر للطبرانی: ۳۶۵۰، سنن بیہقی ج ۶ ص ۵۲، دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۸۰، شرح السنۃ ج ۳ ص ۲۰۷، مسند احمد: ۲۱۰۶۸، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

''اَطَّلَعَ الْغَيْبَ'': یعنی کیا اس نے لوح محفوظ میں پڑھ لیا ہے؟

''اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا'': یا رحمٰن نے اس سے عہد کرلیا ہے کہ وہ اس کو وہ مال عطا فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ہرگز نہیں! وہ جو کچھ کہہ رہا ہے ہم اس کو عنقریب لکھ رہے ہیں اور اس کے لیے عذاب کو بڑھاتے جاتے ہیں O'' (مریم: ۷۹)

''كَلَّا'': اس آیت سے اس کا رد فرمایا ہے، یعنی اس نے اپنے لیے جو تصور کیا ہے اس میں خطاء کی ہے۔

''سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ'': اس نے جو کچھ کہا ہے، ہم نے اس کو محفوظ فرمالیا ہے اور ہم اس پر اس کو سزا فرمادیں گے۔

''وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا'': اور ہم اس کے عذاب کے اوپر عذاب کا اضافہ فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جس مال اور اولاد کا وہ ذکر کر رہا ہے اس کو ہم اس سے چھین لیں گے اور وہ قیامت کے دن ہمارے پاس تنہا آئے گا O'' (مریم: ۸۰)

''وَنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ'': وہ جس مال کا ذکر کر رہا ہے، ہم اس کو ہلاک فرمادیں گے اور اس کے مال اور اس کی اولاد کا دوسروں کو وارث بنادیں گے۔ ''وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا'': اور وہ ہمارے پاس بغیر اہل اور مال کے تنہا آئے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ان کافروں نے اللہ کو چھوڑ کر معبود بنا رکھے ہیں تا کہ وہ خود ساختہ معبود ان کے لیے باعثِ عزت ہوں O'' (مریم: ۸۱)

''وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا'': یعنی مشرکین قریش نے بت بنا رکھے ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں تا کہ اُن بتوں کی وجہ سے اُن کو عزت حاصل ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ہرگز نہیں! اُن کے وہ معبود اُن کی عبادت کا انکار کردیں گے اور قیامت کے دن وہ

اُن کے خلاف ہوں گے O" (مریم: ۸۲)

"کَلَّا سَیَکْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَیَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِمْ ضِدًّا": ہرگز نہیں! عنقریب وہ اُن کے خود ساختہ معبود مشرکین کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور وہ مشرکین اپنی امیدوں کے برخلاف عزت کے بجائے ذلت میں مبتلاء ہوں گے۔

(فتح الرحمٰن ج ۴ ص ۲۶۵ ـ ۲۶۷، دار النوادر، بیروت، ۱۴۳۰ھ)

اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر مسلط فرما رکھا ہے جو اُن کو کفر پر برانگیختہ کرتے ہیں O

فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾

سو آپ اُن پر عذاب کی جلدی نہ کریں، ہم صرف اُن کی زندگی کے دن شمار فرما رہے ہیں O

یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾

جس دن ہم اللہ سے ڈرنے والوں کو رحمٰن کے سامنے بہ طور مہمان جمع فرمائیں گے O

وَّ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾

اور ہم پیاسے مجرموں کو دوزخ کی طرف ہانکیں گے O

لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾

صرف وہی لوگ شفاعت کرنے کے مجاز ہوں گے جنہوں نے رحمٰن سے عہد لیا ہوا ہے O

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾

اور کفار نے کہا: رحمٰن نے بیٹا بنا رکھا ہے O

لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾

(اللہ نے فرمایا:) تم نے بہت بری بات کہی ہے O

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾

قریب ہے کہ اس (سنگین) بات کی وجہ سے تمام آسمان اُن پر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر جائیں اور زمینیں پھٹ جائیں اور پہاڑ لرزتے ہوئے گر پڑیں O

اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾

کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹا قرار دیا ہے ○

وَمَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾

اور رحمٰن کے لیے شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائیں ○

اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾

اور آسمانوں اور زمینوں میں جتنے لوگ بھی ہیں وہ سب رحمٰن کے سامنے بطور بندہ پیش ہوں گے ○

لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَ عَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾

بے شک انہوں نے اپنے علم سے ان سب کا احاطہ فرما لیا ہے اور ان کو شمار کر رکھا ہے ○

وَ كُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾

اور وہ سب قیامت کے دن اس کے پاس تنہا حاضر ہوں گے ○

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، عنقریب رحمٰن اُن کے لیے (لوگوں کے دلوں میں) محبت پیدا فرما دیں گے ○

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾

(اے رسولِ اکرم!) بے شک ہم نے یہ قرآن آپ کی (عربی) زبان میں آسانی سے نازل فرمایا ہے تا کہ آپ اس کے ذریعے اللہ سے ڈرنے والوں کو خوش خبری دیں اور جھگڑنے والوں کو عذاب سے ڈرائیں ○

وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ ع

اور ہم اس سے پہلے کتنے گروہوں کو ہلاک فرما چکے ہیں، کیا آپ اُن میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا کسی کی آہٹ سنتے ہیں ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر مسلط فرما رکھا ہے جو اُن کو کفر پر برانگیختہ کرتے ہیں ○'' (مریم: ۸۳)

کفار، مشرکین اور بت پرستوں کا رد اور ابطال

علامہ ابوالمظفر السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ مریم: ۸۳ تا ۹۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ'': اس آیت پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے'' اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا

الشَّيٰطِيْنَ"، اس سے لازم آیا کہ شیاطین مُرسَل ہیں (یعنی بھیجے ہوئے ہیں جیسے رسل بھیجے ہوئے ہوتے ہیں)، اور مرسلین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ۔ (الصافات: ١٨١)" پس جب شیاطین مرسل ہوئے تو ضروری ہوا کہ وہ تمام مرسلین میں داخل ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ارسال کا وہ معنی نہیں ہے جو انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے میں پایا جاتا ہے، لیکن ارسال کا معنی یہاں پر شیاطین اور کفار کے درمیان تخلیہ کرنا ہے، یا شیاطین کو کفار پر مسلط فرماتا ہے۔

"تَؤُزُّهُمْ اَزًّا": "اَزّ" کے معنی ہیں حرکت دینا۔ یعنی شیاطین اُن کفار کو دینِ حق کی مخالفت پر برانگیختہ کرتے ہیں اور اُن کو مُشتعِل کرتے ہیں، اُن سے کہتے ہیں کہ تم کفر کا اقدام کرو۔ اور "الاَزّ" کا معنی ہے تحریک۔ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اور آپ کے پیٹ سے (خوفِ خدا کی وجہ سے) ایسی آواز آتی تھی جیسے ہانڈی ابلنے کی آواز ہوتی ہے۔

(سنن نسائی: ١٢١٤، سنن ابوداؤد: ٩٠٣، شمائل الترمذی: ٣٠٥)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سو آپ اُن پر عذاب کی جلدی نہ کریں، ہم صرف اُن کی زندگی کے دن شمار فرما رہے ہیں O" (مریم: ٨٤)

"فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا": الکلبی نے کہا: اس سے مراد دنوں کو گننا ہے اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد گھنٹوں کا گننا ہے۔ حسن بصری نے کہا: اس سے مراد سانسوں کو گننا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جس دن ہم اللہ سے ڈرنے والوں کو رحمٰن کے سامنے بہ طورِ مہمان جمع فرمائیں گے O" (مریم: ٨٥)

"يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ": حشر کا معنی ہے: لوگوں کو ہر طرف سے ایک جگہ جمع کرنا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ وہ لوگ ایسے اونٹوں پر آئیں گے کہ اُن کے پالان سونے کے ہوں گے اور ان کی لگامیں زمرد کی ہوں گی، وہ اُن پر سوار ہو کر آئیں گے حتیٰ کہ جنت کے دروازہ کو کھٹکھٹائیں گے۔

"وَفْدًا": یعنی وہ عزت کے ساتھ آئیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مومن کو جب اٹھایا جائے گا تو اس کے نیک اعمال کو حسین صورتوں میں لایا جائے گا، مومن ان سے پوچھے گا: تم کون ہو؟ تو وہ کہے گا: میں تمہارا نیک عمل ہوں۔ بہت عرصہ تک میں تم پر سوار رہا آج تم مجھ پر سوار ہو جاؤ۔ اور رہا کافر تو اس کا عمل بدترین صورت میں آئے گا، وہ اس سے پوچھے گا: تم کون ہو؟ تو وہ کہے گا: میں تمہارا خبیث عمل ہوں اور وہ کہے گا: تم بہت عرصہ مجھ پر سوار رہے اور آج میں تم پر سوار ہوتا ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم پیاسے مجرموں کو دوزخ کی طرف ہانکیں گے O" (مریم: ٨٦)

"وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا": اور مجرمین کو ہم پیدل اور پیاسا جہنم کی طرف ہانکیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "صرف وہی لوگ شفاعت کرنے کے مجاز ہوں گے جنہوں نے رحمٰن سے عہد لیا ہوا

ہے O" (مریم: ۸۷)

"لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ": بعض مفسرین نے کہا کہ یہ آیت فرشتوں کے متعلق ہے اور دوسرے مفسرین نے کہا کہ یہ مومنین کے متعلق ہے۔ "اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا": یعنی وہی لوگ شفاعت کر سکیں گے جنہوں نے رحمٰن سے شفاعت کا عہد لیا ہوا ہے۔ پس عہد لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ صرف مومن اللہ تعالیٰ کے سامنے شفاعت کر سکیں گے۔

حدیث میں ہے: جس نے کہا لا الٰہ الا اللہ، اس کا اللہ تعالیٰ کے پاس عہد ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۲ ص ۴۳۷)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: کیا تم کو یہ بات عاجز کرتی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص صبح اور شام کو اللہ تعالیٰ سے عہد لے؟ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ عہد کیسے لے گا؟ آپ نے فرمایا: وہ صبح اور شام کو کہے: اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اِنِّيْ اَعْهَدُ اِلَيْكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا اَنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ، وَاَنَّكَ اِنْ تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ تُقَرِّبْنِيْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدْنِيْ مِنَ الْخَيْرِ وَاِنِّيْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ لِّيْ عِنْدَكَ عَهْدًا تُوَفِّيْنِيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ (اے اللہ! زمینوں اور آسمانوں کو پیدا فرمانے والے! غیب اور شہادت کو جاننے والے، میں آپ سے اس دنیوی زندگی میں یہ عہد کرتا ہوں کہ میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، آپ واحد ہیں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے، اور بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے بندے اور آپ کے رسول ہیں، اور اگر آپ مجھے میرے نفس کے سپرد فرما دیں تو مجھے شر کے قریب فرمائیں گے اور خیر سے دور فرما دیں گے اور میں صرف آپ کی رحمت پر اعتماد کرتا ہوں، پس آپ مجھ سے ایک عہد فرمائیں جس کو آپ قیامت کے دن پورا فرمائیں گے اور بے شک آپ وعدہ خلافی نہیں فرماتے"۔ پس جب کوئی شخص یہ کلمات کہے گا تو عرش کے نیچے مہر لگا دی جائے گی، پھر جب قیامت کا دن قائم ہوگا تو کوئی منادی ندا کرے گا: وہ لوگ کہاں ہیں جن کا رحمٰن کے پاس عہد تھا، پس ان کو جنت میں داخل فرما دیا جائے گا۔ (الکشف والبیان، ج ۶ ص ۲۳۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور کفار نے کہا: رحمٰن نے بیٹا بنا رکھا ہے O (اللہ نے فرمایا:) تم نے بہت بری بات کہی ہے O" (مریم: ۸۸۔۸۹)

"وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا": یعنی نصاریٰ اور یہود نے کہا اور جن کا یہ زعم ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، انہوں نے کہا۔ "لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا": یعنی تم نے بہت سنگین اور بری بات کہی ہے۔

اور تفسیر میں مذکور ہے کہ کافر جب کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا رکھا ہے تو تمام آسمان اور زمینیں غضب میں آ جائیں گی اور جہنم بھڑکے گا اور وہ سب ان کو طلب کریں گے تاکہ اس سنگین بات کے کہنے والوں سے بدلہ لیا جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "قریب ہے کہ اس (سنگین) بات کی وجہ سے تمام آسمان اُن پر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر جائیں اور زمینیں پھٹ جائیں اور پہاڑ گر پڑیں O" (مریم: ۹۰)

"تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ": "تَنْشَقُّ الْاَرْضُ" کا معنی ہے زمین ان کو دھنسا دے۔ اور آسمان کے

انفطار کا معنی یہ ہے کہ آسمان ٹکڑے ہو کر ان کے اوپر گر پڑے۔ "وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا": یعنی پہاڑ ٹوٹ کر ان پر منطبق ہو جا

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹا قرار دیا ہے ۝" (مریم: ۹۱)

"اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا": کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹا قرار دیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور رحمٰن کے لیے شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائیں ۝" (مریم: ۹۲)

"وَمَا يَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا": اور رحمٰن کے لیے شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور آسمانوں اور زمینوں میں جتنے لوگ بھی ہیں وہ سب رحمٰن کے سامنے بہ طور بندہ پیش ہوں گے ۝" (مریم: ۹۳)

"اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا": اس آیت میں فرمایا ہے کہ سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور جس کسی کا بیٹا ہو وہ اس کا بندہ نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی شخص اپنے غلام بیٹے کو خرید لے تو وہ آزاد کر دیا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک انہوں نے اپنے علم سے ان سب کا احاطہ فرما لیا ہے اور ان کو شمار کر رکھا ہے ۝" (مریم: ۹۴)

"لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا": یعنی اللہ تعالیٰ اُن کو بھی جانتے ہیں اور اُن کے عدد کو بھی جانتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور وہ سب قیامت کے دن اس کے پاس تنہا حاضر ہوں گے ۝" (مریم: ۹۵)

"وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا": یعنی وہ سب قیامت کے دن تنہا حاضر ہوں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، عنقریب رحمٰن اُن کے لیے (لوگوں کے دلوں میں) محبت پیدا فرما دیں گے ۝" (مریم: ۹۶)

"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا": مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ اُن سے محبت فرمائیں گے اور مومنین کے دلوں میں بھی ان کے لیے محبت پیدا فرما دیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت جبریل علیہ السلام کو ندا فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتے ہیں، پھر اس سے حضرت جبریل محبت کرتے ہیں، پھر حضرت جبریل آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو، پھر اس بندے سے تمام آسمان والے محبت کرتے ہیں پھر اس بندے کے لیے زمین والوں میں مقبولیت کو لکھ دیا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۲۰۹، ۶۰۴۰، ۷۴۸۵، صحیح مسلم: ۲۶۳۷، سنن ترمذی: ۳۱۶۱، مسند احمد: ۱۰۲۹۶، موطا امام مالک: ۱۷۷۸)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اہلِ ایمان اُن سے محبت رکھتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم سے صرف مومن متقی محبت رکھے گا اور رحم

سے صرف منافق بد بخت بغض رکھے گا۔ (صحیح مسلم: ۷۸، سنن ترمذی: ۳۷۳۶، سنن نسائی: ۵۰۱۸)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے رسولِ اکرم!) بے شک ہم نے یہ قرآن آپ کی (عربی) زبان میں آسانی سے نازل فرمایا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعے اللہ سے ڈرنے والوں کو خوش خبری دیں اور جھگڑنے والوں کو عذاب سے ڈرائیں O" (مریم: ۹۷)

"فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا": اس آیت میں "لُدًّا" کا لفظ ہے اور "الالد" اس شخص کو کہتے ہیں جو باطل کی حمایت کے لیے جھگڑا کرے۔ اور ابو عبیدہ نے کہا: "الالد" وہ شخص ہے جو حق کی اطاعت نہ کرے اور اس کو قبول نہ کرے۔ حسن بصری نے کہا: یہ وہ شخص ہے جو حق بات کو سننے سے بہرا ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم اس سے پہلے کتنے گروہوں کو ہلاک فرما چکے ہیں، کیا آپ اُن میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا کسی کی آہٹ سنتے ہیں O" (مریم: ۹۸)

"وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا":

"هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ": اس کا معنی ہے کہ کیا آپ ان میں سے کسی ایک کو دیکھتے ہیں۔

"اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا": اہلِ لغت نے کہا کہ الرکز کا معنی ہے: آہستہ آواز۔ حسن بصری نے کہا: وہ سب اس طرح ظاہر ہوں گے کہ نہ اُن کی کوئی آنکھ باقی ہوگی اور نہ کوئی اثر باقی ہوگا۔ (تفسیر القرآن للسمعانی، ج ۳ ص ۳۱۵-۳۱۷، دار الوطن، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

...کا معنی یہ ہے کہ آسمان ٹکڑے ہو کر ان کے اوپر گر پڑے۔ "وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا": یعنی پہاڑ ٹوٹ کر ان پر منطبق ہو جائیں۔

...عزوجل کا ارشاد ہے: "کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹا قرار دیا ہے O" (مریم: ۹۱)

"اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا": کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹا قرار دیا۔

...عزوجل کا ارشاد ہے: "اور رحمٰن کے لیے شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائیں O" (مریم: ۹۲)

"وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا": اور رحمٰن کے لیے شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائیں۔

...عزوجل کا ارشاد ہے: "اور آسمانوں اور زمینوں میں جتنے لوگ بھی ہیں وہ سب رحمٰن کے سامنے بہ طورِ بندہ ...ہوں گے O" (مریم: ۹۳)

"اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا": اس آیت میں فرمایا ہے کہ سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ ...کسی کا بیٹا ہو وہ اس کا بندہ نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی شخص اپنے غلام بیٹے کو خرید لے تو وہ آزاد کر دیا جائے گا۔

...عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک انہوں نے اپنے علم سے ان سب کا احاطہ فرما لیا ہے اور ان کو شمار کر رکھا ہے O" (مریم: ۹۴)

"لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا": یعنی اللہ تعالیٰ اُن کو بھی جانتے ہیں اور اُن کے عدد کو بھی جانتے ہیں۔

...عزوجل کا ارشاد ہے: "اور وہ سب قیامت کے دن اس کے پاس تنہا حاضر ہوں گے O" (مریم: ۹۵)

"وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا": یعنی وہ سب قیامت کے دن تنہا حاضر ہوں گے۔

...عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، عنقریب رحمٰن اُن کے (لوگوں کے دلوں میں) محبت پیدا فرما دیں گے O" (مریم: ۹۶)

"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا": مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ اُن سے محبت فرمائیں گے اور ...کے دلوں میں بھی ان کے لیے محبت پیدا فرما دیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت ...کو ندا فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتے ہیں، پھر اس سے حضرت جبریل محبت کرتے ...حضرت جبریل آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتے ہیں تم بھی اس سے محبت ...اس بندے سے تمام آسمان والے محبت کرتے ہیں پھر اس بندے کے لیے زمین والوں میں مقبولیت کو لکھ دیا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۲۰۹، ۶۰۴۰، ۷۴۸۵، صحیح مسلم: ۲۶۳۷، سنن ترمذی: ۳۱۶۱، مسند احمد: ۱۰۲۹۶، موطا امام مالک: ۱۷۷۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس سے مراد یہ ...اہل ایمان اُن سے محبت رکھتے ہیں، اور نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم سے صرف مومن متقی محبت رکھے گا اور تم

سے صرف منافق بد بخت بغض رکھے گا۔ (صحیح مسلم: ۷۸، سنن ترمذی: ۳۷۳۶، سنن نسائی: ۵۰۱۸)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے رسولِ اکرم!) بے شک ہم نے یہ قرآن آپ کی (عربی) زبان میں آسانی سے نازل فرمایا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعے اللہ سے ڈرنے والوں کو خوش خبری دیں اور جھگڑنے والوں کو عذاب سے ڈرائیں O" (مریم: ۹۷)

"فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا": اس آیت میں "لُدًّا" کا لفظ ہے اور "الالد" اس شخص کو کہتے ہیں جو باطل کی حمایت کے لیے جھگڑا کرے۔ اور ابوعبیدہ نے کہا: "الالد" وہ شخص ہے جو حق کی اطاعت نہ کرے اور اس کو قبول نہ کرے۔ حسن بصری نے کہا: یہ وہ شخص ہے جو حق بات کو سننے سے بہرا ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم اس سے پہلے کتنے گروہوں کو ہلاک فرما چکے ہیں، کیا آپ اُن میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا کسی کی آہٹ سنتے ہیں O" (مریم: ۹۸)

"وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا":

"هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ": اس کا معنی ہے کہ کیا آپ ان میں سے کسی ایک کو دیکھتے ہیں۔

"اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا": اہل لغت نے کہا کہ الرکز کا معنی ہے: آہستہ آواز۔ حسن بصری نے کہا: وہ سب اس طرح غائب ہوں گے کہ نہ اُن کی کوئی آنکھ باقی ہوگی اور نہ کوئی اثر باقی ہوگا۔ (تفسیر القرآن للسمعانی، ج ۳ ص ۳۱۵-۳۱۷، دار الوطن، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

طٰہٰ
(۲۰)

سورۂ طٰہٰ کا اجمالی تعارف

سورۂ طٰہٰ کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے ایک ہزار سال پہلے پڑھا: ''طٰہٰ'' اور ''یٰسٓ''، پس جب فرشتوں نے قرآن سنا تو انہوں نے کہا: اس امت کے لیے مبارک ہو جس پر یہ قرآن نازل ہوگا اور اُن سینوں کے لیے مبارک ہو جو اس قرآن کو اٹھائیں گے اور اُن زبانوں کے لیے مبارک ہو جو ان کے ساتھ کلام کریں گی۔ (سنن دارمی: ۳۴۵۷)

سورۂ طٰہٰ کے مقاصد

دیگر کی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی چار اہم مضامین بیان فرمائے گئے ہیں: (۱) توحید کا اثبات اور شرک کا رد (۲) رسالت اور اس کے ضمن میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور حضرت آدم علیہم السلام کا ذکر ہے (۳) مرنے کے بعد اٹھنے کا ثبوت (۴) وحی الٰہی اور قرآن مجید کی حقانیت اور صداقت۔

سورۂ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے نازل فرمایا ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سابقہ فرعون کی متکبر اور ضدی قوم سے تھا، اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سابقہ کفارِ قریش سے تھا اور وہ بھی بہت متکبر اور ضدی تھے، سو ہدایت کے لیے جس قسم کی آیات فرعون کی قوم کے متعلق نازل فرمائی گئی ہیں، اسی قسم کی آیات کفارِ قریش پر بھی منطبق ہوتی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں جو اہم باتیں بیان فرمائی گئی ہیں، وہ یہ ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہجرت کر کے مصر سے مدین کی طرف سفر کرنا اور مدین سے واپس ہوتے ہوئے مقام طوٰی میں نبوت سے سرفراز فرمایا جانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور یدِ بیضاء کے معجزات عطا فرمانا، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے دربار میں تبلیغ کے لیے جانے کا حکم دینا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے مقابلہ میں جادوگروں کا اپنے جادو سے معارضہ کرنا اور اپنی شکست کو تسلیم کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا، فرعون کا اُن ایمان لانے والوں کو سولی پر چڑھانے کی دھمکی دینا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنو اسرائیل کے ساتھ مصر سے روانہ ہونا، فرعون کا تعاقب کرنا، بنو اسرائیل کا نجات پانا اور فرعون کا غرق ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہاڑ طور پر تورات لینے کے لیے جانا اور بنی اسرائیل کا سامری کے فتنہ میں مبتلا ہو کر بچھڑے کی عبادت کرنا۔

اس سورت میں قیامت اور حشر کے ہولناک امور کا ذکر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسیان سے محفوظ ہونے کا ذکر ہے۔

اس سورت میں حضرت آدم علیہ السلام اور شیطانِ لعین کے قصہ کا ذکر ہے، اس سورت میں قرآن سے اعراض کرنے والوں کی دنیا اور آخرت میں سزا کا بیان ہے اور پچھلی امتوں پر عذاب نازل فرمانے کا ذکر ہے، تاکہ اس زمانہ کے مشرکین نصیحت حاصل کریں۔

اس سورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو کفار کی اذیتوں پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی ہے، اور یہ حکم فرمایا ہے کہ اپنے گھر والوں کو بھی نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے۔

آیاتہا ۱۳۵ | ۲۰ سُوْرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ ۴۵ | رکوعاتہا ۸

(سورۂ طٰہٰ مکی ہے اور اس میں ایک سو پینتیس آیات اور آٹھ رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں

طٰهٰ ۚ﴿۱﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿۲﴾

طٰہٰ O (اے رسولِ اکرم!) ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لیے نازل نہیں فرمایا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں O

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۳﴾

بلکہ اس (قرآن) کو اس کی نصیحت کے لیے نازل فرمایا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے O

تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿۴﴾

یہ اس ذات کا نازل فرمایا ہوا ہے جس نے زمینوں کو پیدا فرمایا اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا O

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿۵﴾

رحمٰن نے عرش پر اپنی شان کے مطابق استویٰ فرمایا O

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾

آسمانوں میں اور زمینوں میں اور جو ان کے درمیان ہیں اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے، سب انہی کی ملکیت ہے O

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴿۷﴾

اور (اے مخاطب!) اگر تم بلند آواز سے بات کرو تو بے شک وہ راز کی باتوں اور پوشیدہ کلام کو جاننے والے ہیں O

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴿۸﴾

اللہ ہی عبادت کے مستحق ہیں، ان کے سوا اور کوئی برحق معبود نہیں ہے، اور تمام اچھے نام انہی کے ہیں O

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۘ﴿۹﴾

اور کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر آئی ہے؟ O

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿۱۰﴾

جب انہوں نے آگ دیکھی تو اپنی بیوی سے کہا: اس جگہ ٹھہرو! بے شک میں نے آگ دیکھی ہے، ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے پاس اس میں سے کوئی انگارا لاؤں یا آگ (کے حصول) کا کوئی راستہ پاؤں O

فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾

پس جب وہ آگ کے پاس آئے تو ان کو ندا فرمائی گئی: اے موسیٰ! O

اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾

بے شک میں آپ کا رب ہوں، پس آپ اپنے جوتے اتار دیں، بے شک آپ مقدس وادی "طُویٰ" میں ہیں O

وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰى ﴿۱۳﴾

اور میں نے آپ کو (رسالت کے لیے) منتخب فرمالیا ہے، پس جو آپ کی طرف وحی فرمائی جائے، اس کو غور سے سنیں O

اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾

بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، سو آپ میری عبادت کیجئے اور میری یاد کیلئے نماز قائم کیجئے O

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾

بے شک قیامت آنے والی ہے، عنقریب میں اس کو مخفی رکھوں گا تاکہ ہر شخص کو اس کے عمل کی جزا دی جائے O

فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾

(اے مخاطب!) تمہیں قیامت پر ایمان لانے سے وہ شخص نہ روکے جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے O

وَ مَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾

اور (اللہ نے فرمایا): اے موسیٰ! آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ O

قَالَ هِیَ عَصَایَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِیْ وَ لِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿۱۸﴾

موسیٰ نے کہا: یہ میرا عصا ہے، میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لیے (درخت کے) پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں

میرے لیے اور بھی فوائد ہیں O

قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰى ﴿۱۹﴾

فرمایا: اے موسیٰ! اس کو زمین پر ڈال دو O

فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾

پس موسیٰ نے اس عصا کو زمین پر ڈال دیا تو اچانک وہ دوڑتا ہوا اژدھا بن گیا O

قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ ٝ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿۲۱﴾

فرمایا: اس کو پکڑ لو اور مت ڈرو، ہم عنقریب اس کو اس کی پہلی صورت کی طرف لوٹا دیں گے O

وَ اضْمُمْ یَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُ جْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰى ﴿۲۲﴾

اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملالیں تو وہ بغیر کسی مرض کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا، یہ دوسری نشانی ہوگی O

لِنُرِیَكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿۲۳﴾

تاکہ ہم آپ کو اپنی بڑی نشانیوں میں سے دکھائیں O

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾

آپ فرعون کے پاس جائیں، بے شک وہ کفر میں حد سے بڑھ چکا ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "طٰهٰ O (اے رسول اکرم!) ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لیے نازل نہیں فرمایا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں O" (طٰہٰ:۱-۲)

"طٰهٰ" کے متعدد معانی

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، طٰہٰ:۱ تا ۲۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"طٰهٰ": بعض مفسرین نے کہا ہے کہ نبطی زبان میں "طٰهٰ" کا معنی ہے اے مرد۔ اور بعض مفسرین نے کہا: یہ معنی سریانی زبان میں ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: اے فلاں! اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشقت میں پڑنے کے محامل

"مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى": اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کرنے میں بہت سختیاں برداشت کرتے تھے اور اپنے آپ کو عبادت کرنے میں تھکاتے تھے تب یہ

آیت نازل ہوئی: "مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ" (اے رسول اکرم!) ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لیے نازل نہیں فرمایا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰ (طٰہٰ:۱۱۷)" (پس ہم نے کہا: "اے آدم! بے شک یہ آپ کا اور آپ کی اہلیہ حوا کا دشمن ہے، لہٰذا ہرگز ایسا نہ ہو کہ وہ آپ دونوں کو جنت سے نکال دے تو آپ مشقت میں پڑ جائیں)۔ اس آیت میں بھی "فَتَشْقَىٰ" "مشقت برداشت کرنے کے معنی میں ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو خواہشاتِ نفسانیہ سے روک رکھا تھا اور تمام نفسانی لذات سے دور رکھا تھا تو کفار نے کہا: یہ شقی ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو لذات سے دور رکھا ہوا ہے۔

(۳) جب کفار نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرعونوں اور جابروں کو اپنے دین کی دعوت دی اور اُن سے مخالفت کو مول لیا اور اُن کے سامنے اُن کے ناپسندیدہ کام کئے اور فرعونوں اور جابروں کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنے مخالف کو قتل کر دیتے تھے اور ہلاک کر دیتے تھے۔ پس اس وقت کفار نے کہا کہ یہ شقی ہیں، کیونکہ یہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں، تو اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ہم نے یہ قرآن آپ کو مشقت میں مبتلاء کرنے کے لیے نازل نہیں فرمایا بلکہ یہ قرآن ہم نے آپ کو آخرت کی سعادت کے حصول کے لیے نازل فرمایا ہے اور یہ خبر دی کہ جابروں اور ظالموں کی مخالفت سے آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدہ:۶۷)" (اور اللہ آپ کو لوگوں (کے ضرر) سے بچائیں گے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بلکہ اس (قرآن) کو اس کی نصیحت کے لیے نازل فرمایا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے O" (طٰہٰ:۳)

"إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ": اس آیت میں فرمایا ہے: جو اللہ سے ڈرتا ہو، اس سے مراد ہر مومن ہے، کیونکہ ہر مومن اپنے اصلِ ایمان میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور ان کے عذاب اور اُن کی گرفت سے پناہ چاہتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "یہ اس ذات کا نازل فرمایا ہوا ہے جس نے زمینوں کو پیدا فرمایا اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا O" (طٰہٰ:۴)

"تَنزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلَى": اس آیت سے کفار کے ان اقوال کا رد فرمایا ہے جو وہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے تھے کہ یہ ساحر (جادوگر) ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والے ہیں اور یہ شاعر ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کا رد کرنے کے لیے فرمایا کہ یہ قرآن اس طرح نہیں ہے یعنی نہ یہ قرآن جادو ہے نہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے اور نہ شعر و شاعری ہے، جس طرح یہ کفار کہتے ہیں، بلکہ یہ اس ذات کی طرف سے نازل فرمایا ہوا کلام ہے جنہوں نے بلند آسمانوں کو بنایا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "رحمٰن نے عرش پر اپنی شان کے مطابق استویٰ فرمایا O" (طٰہٰ:۵)

عرش کے متعلق مفسرین کے اقوال

"الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ": لغت میں عرش کا معنی تخت ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا: العرش سے مراد المُلک ہے، کیونکہ عرش اس کو کہتے ہیں جو دوسری چیزوں سے بلند ہو، اسی وجہ سے چھتوں کو اور درختوں کے سروں کو عرش کہا جاتا ہے۔

اور استویٰ کا معنی ہے غلبہ، یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہیں، اور اس کا معنی بلندی اور ارتفاع ہے، قرآن مجید میں ہے: فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ (المومنون: ۲۸) "(پھر جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی پر بلند ہو جائیں)، اسی طرح اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہیں۔ اس کی زیادہ تفصیل التوبہ: ۱۲۹ میں بیان کی گئی ہے۔

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص المتوفی ۳۷۰ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنے لطف اور تدبیر کے ساتھ عرش پر مستوی ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ عرش پر غالب ہیں۔ (احکام القرآن للجصاص، ج ۳ ص ۲۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی": یہ خدائے رحمٰن کی صفت بیان ہوئی ہے کہ وہ دنیا کو پیدا کر کے الگ تھلگ کسی گوشے میں جا بیٹھا ہے بلکہ بالفعل اپنی کائنات کے عرش حکومت پر متمکن ہے۔ اس کائنات کا حقیقی فرمانروا وہی ہے اس وجہ سے لوگوں کو قرآن کے ذریعہ سے اس نے اپنے احکام وقوانین سے آگاہ کر دیا ہے، اس آگاہی کے بعد جو لوگ اپنی من مانی کریں گے وہ حساب کے دن اپنا انجام خود دیکھ لیں گے۔ (تدبر قرآن، ج ۵ ص ۱۷، فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۱۴۳۳ھ)

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی پیدا کرنے کے بعد کہیں جا کر سو نہیں گیا ہے بلکہ آپ اپنے کارخانہ تخلیق کا سارا انتظام چلا رہا ہے، خود اس ناپیدا کنار سلطنت پر فرمانروائی کر رہا ہے، خالق ہی نہیں ہے بالفعل حکمراں بھی ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۳ ص ۸۷، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۴۳۰ھ)

ضیاء الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی متوفی ۱۴۱۸ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی وہ صرف خالق کائنات ہی نہیں بلکہ وہ فرمانروا اور حاکم اعلیٰ بھی ہے، کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں اسی کا حکم نافذ ہے۔ چھوٹے بڑے، اہم غیر اہم تمام حوادثات کا ظہور اسی کے اذن سے ہوتا ہے۔

(ضیاء القرآن ج ۳ ص ۱۰۳، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "آسمانوں میں اور زمینوں میں اور جو ان کے درمیان ہیں اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے، سب انہی کی ملکیت ہے O" (طٰہٰ: ۶)

"لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا وَ مَا تَحْتَ الثَّرٰی": یعنی یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی سلطنت میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور (اے مخاطب!) اگر تم بلند آواز سے بات کرو تو بے شک وہ راز کی باتوں اور پوشیدہ کلام کو جاننے والے ہیں O" (طٰہٰ: ۷)

"وَ اِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰی": یعنی اللہ تعالیٰ کو تمام غیوب کا علم ہے، ظاہر یا باطن میں جو بات بھی کی

جائے اس کا اللہ عزوجل کو علم ہوتا ہے تاکہ بندے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور اپنے تمام افعال اور اقوال میں خوف زدہ رہیں، اور تاکہ اُن کی امیدیں مخلوق سے منقطع ہو کر خالق کے ساتھ قائم رہیں۔ بعض مفسرین نے کہا کہ تم کسی دوسرے کو جو اپنے راز کی بات بتاؤ یا تم خود اپنے دل میں کسی راز کو چھپاؤ تو اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ ہی عبادت کے مستحق ہیں، ان کے سوا اور کوئی برحق معبود نہیں ہے، اور تمام اچھے نام انہی کے ہیں O'' (طٰہٰ: ۸)

''اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى '': ابوبکر الاصم نے کہا ہے: جس نے اللہ تعالیٰ کو واحد مانا تو اس کے لیے الحسنٰی یعنی جنت ہے۔

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے چار ہزار اسماء ہیں، ایک ہزار ایسے اسماء ہیں جن کا اللہ عزوجل کے سوا کسی کو علم نہیں ہے اور ایک ہزار ایسے اسماء ہیں جن کا اللہ عزوجل اور فرشتوں کے سوا کسی کو علم نہیں ہے، اور ایک ہزار ایسے اسماء ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور انبیاء کے سوا کسی کو علم نہیں ہے، اور جو چوتھا ہزار ہے تو اس کو مومنین بھی جانتے ہیں، ان میں سے تین سو اسماء تورات میں ہیں اور تین سو اسماء انجیل میں ہیں اور تین سو اسماء زبور میں ہیں اور ایک سو اسماء قرآن مجید میں ہیں جن میں سے ننانوے ظاہر ہیں اور ایک مخفی ہے۔ جس نے ان اسماء کو یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (التفسیر الکبیر ج ۸ ص ۱۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر آئی ہے؟ O'' (طٰہٰ: ۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وحی سے سرفراز ہونے کا واقعہ

''وَ هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰى '': حسن اور ابوبکر الاصم نے کہا: یعنی ابھی تک آپ کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خبر نہیں آئی اور عنقریب آپ کے پاس وہ خبر آئے گی، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خبر فرمائی اور اُن کی خبر کے بارے میں بتایا۔

اور بعض مفسرین نے کہا: اس آیت میں ''هَلْ'' کا لفظ ''قَدْ'' کے معنی میں ہے، یعنی تحقیق آپ کے پاس موسیٰ کی خبر آچکی ہے، تاکہ آپ لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق وہ امور بیان کریں جو اُن کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اور چونکہ آپ نے اُن کی کتابوں کو نہ پڑھا ہے، نہ کسی سے سنا ہے تو بغیر پڑھے اور سنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کو بیان کرنا آپ کی نبوت اور رسالت پر دلیل ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جب انہوں نے آگ دیکھی تو اپنی بیوی سے کہا: اس جگہ ٹھہرو! بے شک میں نے آگ دیکھی ہے، ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے پاس اس میں سے کوئی انگارا لاؤں یا آگ (کے حصول) کا کوئی راستہ پاؤں O'' (طٰہٰ: ۱۰)

''اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى '': اس آیت میں یہ

بیان نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت کس حال میں تھے اور کس وقت میں تھے، لیکن دوسری جگہ اس کا بیان ہے اور وہ یہ ہے:
"فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًاۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۔ (القصص:۲۹)" (پھر جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور اپنی اہلیہ کو لے کر (مصر کی طرف) چلے تو انہوں نے طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی، اپنی اہلیہ سے فرمایا: "تم یہیں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے، ہو سکتا ہے کہ میں وہاں سے (راستے کی) کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی شعلہ لے آؤں تا کہ تم اپنے ہاتھ تاپو (گرمی حاصل کرو)"۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سخت سردی کے ایام تھے۔

الثعلبی نے کہا: "اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا" کا معنی ہے: میں نے آگ دیکھی ہے، اور دوسری جگہ اس لفظ کا معنی علم ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا ۔ (النساء:۶)" (اگر تم کو ان میں عقلمندی کے آثار معلوم ہوں)۔

"لَعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ": ابوعبیدہ نے کہا: القبس کا معنی آگ ہے۔ اور یہیں سے معلوم ہوا کہ علم روشنی ہے۔ کہا جاتا ہے "اِقْتَبَسْتُكَ" یعنی میں نے تم کو علم دیا۔

"اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى": یعنی مجھے کوئی ایسا شخص مل جائے جو آگ کے راستہ کی طرف میری راہنمائی کرے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ راستہ گم کر چکے تھے اور اصل راستہ سے دوسری طرف نکل گئے تھے تو اس وقت انہوں نے کہا: مجھے کوئی ایسا شخص مل جائے جو صحیح راستہ کی طرف میری راہنمائی کرے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس جب وہ آگ کے پاس آئے تو ان کو ندا فرمائی گئی: اے موسیٰ!O" (طٰہٰ:۱۱)

علامہ ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی": حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک درخت دیکھا جو نیچے سے اوپر تک سرسبز تھا اور اس کے چاروں طرف سفید آگ نے احاطہ کیا ہوا تھا۔ اور نہ آگ کی روشنی درخت کے سبزہ کو متغیر کر رہی تھی اور نہ درخت کا سبزہ آگ کی روشنی کو متغیر کر رہا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ سبز درخت گندم کا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ درخت عناب کا تھا۔ اہل التفسیر نے بیان کیا ہے کہ جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا وہ آگ نہیں تھی، بلکہ نور تھا جس کو آگ کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو آگ گمان فرمایا تھا۔ اور اکثر مفسرین نے کہا کہ وہ رب عزوجل کا نور تھا اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ وغیرہ کا قول ہے۔ اور سعید بن جبیر نے کہا کہ یہ بعینہٖ آگ تھی اور یہ اللہ تعالیٰ کے حجابات میں سے ایک حجاب ہے، جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں کھڑے ہوئے اور آپ نے پانچ کلمات ارشاد فرمائے: آپ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل سوتے نہیں ہیں اور نہ سونا ان کی شان کے لائق ہے، وہ میزان کو جھکاتے ہیں اور اوپر اٹھاتے ہیں، دن کے عمل سے پہلے رات کے عمل ان کی جناب میں پہنچائے جاتے ہیں اور رات کے عمل سے پہلے دن کے عمل ان کی جناب میں پہنچائے جاتے ہیں، ان کا حجاب نور ہے اور ایک روایت میں نار ہے، اگر وہ اپنے چہرہ کے حجاب کو کھول دیں تو ان کے نور کی شعاعیں منتہائے بصر تک مخلوق کو جلا دے گا۔ (صحیح مسلم:۱۷۹، الرقم المسلسل:۲۹۳، سنن ابن ماجہ:۱۹۵، مسند احمد:۱۹۳۳۲، السنۃ لابن ابی عاصم

اس ۲۷۲، مسند البزار ج ۸ ص ۱۶، مستخرج ابی عوانہ: ۹۰۷۳، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۱ ص ۹۳، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ ج ۱ ص ۹۵)

اور اس قصہ میں مذکور ہے کہ آگ کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوکھی ہوئی گھاس اٹھائی اور درخت کا قصد کیا، پس جب وہ اس درخت کے قریب پہنچے تو آگ اُن سے دور ہو گئی اور جب وہ اس درخت سے دور ہوئے تو آگ اُن کے قریب ہو گئی۔ پس وہ حیران ہو کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے فرشتوں کی تسبیح سنی اور اُن کے دل پر سکون ڈال دیا گیا اور یہ ندا فرمائی گئی:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک میں آپ کا رب ہوں، پس آپ اپنے جوتے اتار دیں، بے شک آپ مقدس وادی ''طُوٰی'' میں ہیں O'' (طٰہٰ: ۱۲)

''اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ'': کہا گیا ہے کہ بے شک میں آپ کا رب ہوں۔

وہب بن منبہ نے کہا: یہ درخت سے ندا فرمائی گئی تھی۔ پس کہا گیا: اے موسیٰ! تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جلدی سے جواب دیا اور انہوں نے نہیں جانا کہ کس نے اُن کو آواز دی ہے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: میں آپ کی آواز سن رہا ہوں اور آپ کو دیکھ نہیں رہا، آپ کہاں ہیں؟ تو فرمایا: میں آپ کے اوپر ہوں اور آپ کے ساتھ ہوں اور آپ کے آگے ہوں اور آپ کے پیچھے ہوں اور آپ کی جان سے زیادہ آپ کے قریب ہوں، تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ اللہ عزوجل کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ پس اُن کو اللہ عزوجل پر یقین آ گیا۔

''فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ'': حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ'' کی تفسیر میں فرمایا کہ جس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے ہم کلام ہوئے تو انہوں نے ایک اون کی چادر اور اُون کا جبہ پہنا ہوا تھا، اس کی آستینیں بھی اون کی قمیص اور شلوار بھی اون کی تھی، اور اُن کے دو جوتے مردہ گدھے کی کھال سے تھے۔ (سنن ترمذی: ۱۷۳۴)

دوسری روایت ہے کہ وہ کچے چمڑے کے تھے رنگے ہوئے نہیں تھے۔ عکرمہ اور مجاہد نے کہا: انہیں جوتے اتارنے کا اس لیے حکم فرمایا تا کہ اُن کے قدم اس ارضِ مقدس کی مٹی سے مل جائیں اور اُن کی برکت کو حاصل کر لیں، سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن جوتوں کو اتار دیا اور وادی کے پیچھے ڈال دیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کو جوتے اتارنے کا اس لیے حکم فرمایا تا کہ آپ کی تواضع اور عجز کا اظہار ہو۔ ''اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى'': طُوٰی اس وادی کا نام ہے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ''طُوًى'' ''وطی الارض'' سے ماخوذ ہے، یعنی اس مبارک وادی میں ننگے پیر چلیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور میں نے آپ کو (رسالت کے لیے) منتخب فرما لیا ہے، پس جو آپ کی طرف وحی فرمائی جائے، اس کو غور سے سنیں O'' (طٰہٰ: ۱۳)

''وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ'': یعنی میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لیے منتخب فرما لیا ہے۔

''فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰى'': پس جو آپ کی طرف وحی فرمائی جائے، آپ اس کو غور سے سنیں۔

اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو ندا فرمائی گئی تھی وہ ندائے وحی تھی۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۵۶۔۲۵۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، سو آپ میری عبادت کیجئے اور میری یاد کیلئے نماز قائم کیجئے ○'' (طٰہٰ: ۱۴)

''اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ '': اس آیت کا معنی ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو ابتداءً اسی کا حکم فرماتا ہے۔ ''وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ '': تاکہ آپ میرا ذکر کرنے والے ہو جائیں، بندہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ ذکر نماز میں کرتا ہے کیونکہ نماز اول سے لے کر آخر تک اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، اسی وجہ سے نماز کو رب عزوجل کی مناجات کہا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نماز کو بھول جائے تو جب اس کو یاد آجائے تو پڑھ لے اور اس کے سوا نماز کا اور کوئی کفارہ نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۹۷، صحیح مسلم: ۶۸۴، ابوداؤد: ۴۴۲، سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۱۸، سنن ترمذی: ۱۸۷، سنن ابن ماجہ: ۶۹۶، صحیح ابن حبان: ۱۵۵۵، مستخرج ابی عوانہ ج ۱ ص ۳۸۵، سنن دارمی ج ۱ ص ۲۸۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک قیامت آنے والی ہے، عنقریب میں اس کو مخفی رکھوں گا تاکہ ہر شخص کو اس کے عمل کی جزا دی جائے ○'' (طٰہٰ: ۱۵)

''اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ اَکَادُ اُخۡفِیۡہَا لِتُجۡزٰی کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا تَسۡعٰی '': حسن بصری نے کہا گویا کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ قیامت آنے والی ہے جس کو میں مخفی رکھوں گا۔ اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ میں قیامت کے وقوع کو اپنے مختار بندوں سے بھی مخفی رکھوں گا باوجود اس کے کہ اُن بندوں کا مرتبہ اور مقام میرے نزدیک بہت بلند ہے مثلاً فرشتوں اور انبیاء اور رسل سے بھی مخفی رکھوں گا، کیونکہ زمین کے بادشاہوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنے رازوں کو اپنے خواص سے نہیں چھپاتے بلکہ اُن کو اُن رازوں پر مطلع کر دیتے ہیں تو اللہ عزوجل نے یہ خبر دی کہ انہوں نے قیامت کے وقوع کو اپنے خاص بندوں سے اور اخیار سے بھی چھپا رکھا ہے تو اُن کے علاوہ دوسروں کو کیسے قیامت کے وقوع پر مطلع فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مخاطب!) تمہیں قیامت پر ایمان لانے سے وہ شخص نہ روکے جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے ○'' (طٰہٰ: ۱۶)

''فَلَا یَصُدَّنَّکَ عَنۡہَا مَنۡ لَّا یُؤۡمِنُ بِہَا وَ اتَّبَعَ ہَوٰىہُ فَتَرۡدٰی '': یعنی قیامت پر ایمان لانے سے تمہیں وہ شخص منع نہ کرے جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتا ہے اور قیامت کی تکذیب کرتا ہے، پس تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ یہ خطاب اگرچہ بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن اس سے مراد ہر مومن ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اللہ نے فرمایا): اے موسیٰ! آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ ○''

(طٰہٰ: ۱۷)

''وَمَا تِلۡکَ بِیَمِیۡنِکَ یٰمُوۡسٰی '': گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ کی اس سوال سے کیا مراد ہے، آیا اللہ

تعالیٰ اس چیز کے نام کا سوال فرما رہے ہیں یا اس چیز میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے فوائد ہیں، ان کے متعلق سوال فرما رہے ہیں، اس لیے انہوں نے ان دونوں چیزوں کا بیان کیا، انہوں نے اس چیز کا نام بھی بیان کیا اور ان کے لیے اس چیز میں جو فوائد ہیں ان کو بھی بیان کیا اور کہا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "موسیٰ نے کہا: یہ میرا عصا ہے، میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لیے (درخت کے) پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لیے اور بھی فوائد ہیں O" (طٰہٰ: ١٨)

"قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ": حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں عصا ہے لیکن اللہ عزوجل نے ارادہ فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اقرار کرائیں کہ یہ عصا ہے، سانپ نہیں ہے تاکہ اس سے ایک نشانی کا علم ہو۔ یا یہ ارادہ فرمایا کہ ان کو متنبہ فرمادیں کہ جس وقت انہوں نے اس کو پکڑا ہوا تھا تو وہ لاٹھی تھی، پھر اللہ عزوجل نے اس کو سانپ بنا دیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فرمایا: اے موسیٰ! اس کو زمین پر ڈال دو O پس موسیٰ نے اس عصا کو زمین پر ڈال دیا تو اچانک وہ دوڑتا ہوا اژدھا بن گیا O" (طٰہٰ: ١٩۔٢٠)

"قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ ◎ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ": اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کو دوڑتا ہوا سانپ بنا دیا، کیونکہ فرعون کی قوم جادو کے معاملات میں بہت بصیرت رکھتی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کو ایسی نشانی دکھائیں جو اس نوع کی نشانی ہو جس میں ان کو پوری بصیرت اور مہارت ہے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ اس لاٹھی کو دوڑتا ہوا سانپ بنا دینا ان کی طاقت سے باہر ہے، اور یہ کوئی آسمانی نشانی ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی ہے۔ اور رسولوں کو ایسی نشانیاں عطا فرمائی جاتی ہیں جو عام انسانوں کی طاقت سے خارج ہیں، تاکہ اس سے وہ جان لیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمانی نشانی ہے اور کسی انسان کی طرف سے جادو نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فرمایا: اس کو پکڑ لو اور مت ڈرو، ہم عنقریب اس کو اس کی پہلی صورت کی طرف لوٹا دیں گے O" (طٰہٰ: ٢١)

"قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ": یعنی ہم اس کو پہلی صورت پر لوٹا دیں گے جس طرح وہ پہلی صورت میں لاٹھی تھی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت خوفزدہ ہوئے جب وہ سانپ بن گیا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے: "وَأَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يَا مُوسَىٰ لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ (النمل: ١٠)" (اور (یہ حکم فرمایا گیا) کہ اپنا عصا ڈال دو، پھر جب موسیٰ نے اسے لہراتا ہوا دیکھا جیسے وہ ہلکا پھلکا سانپ ہو تو پیٹھ پھیر کر چل دیے اور مڑ کر نہ دیکھا، (تب انہیں کہا گیا:) اے موسیٰ! نہ ڈرو، بے شک رسول میری بارگاہ میں ڈرا نہیں کرتے)۔

اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ ہم اس سانپ کو پہلے کی طرح لاٹھی بنا دیں گے۔

میں کہتا ہوں: بعض علماء نے کہا ہے کہ سانپ اللہ تعالیٰ کی صفتِ قہر کا مظہر ہے، سو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر سانپ سے اللہ تعالیٰ

کی صفتِ قہر کی طرف منتقل ہوئی، پس وہ سانپ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ قہر سے ڈر رہے تھے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملالیں تو وہ بغیر کسی مرض کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا، یہ دوسری نشانی ہوگی O'' (طٰہٰ: ۲۲)

''وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى'': اور دوسری آیت میں فرمایا: ''وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ'' (النمل: ۱۲) ''اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں تو وہ کسی عیب کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا)، یہ گویا پہلی آیت کی تفسیر ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا تھا ''اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملالیں'' اور اس آیت میں فرمایا ہے ''اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کرلیں'' دونوں سورتوں میں فرمایا کہ آپ کا ہاتھ بغیر کسی مرض کے چمکتا ہوا نکلے گا۔

''مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ'': یعنی بغیر برص کی بیماری کے۔ گویا کہ اُن کے نزدیک یہ مقرر تھا کہ جب انسان میں سفیدی بہت زیادہ کم حتیٰ کہ اس کے تمام بدن پر غالب ہو تو یہ صرف برص کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ''اٰيَةً اُخْرٰى'' اور یہ عصا کے علاوہ دوسرا معجزہ ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ'' کا یہ معنی ہو کہ آپ کا وہ ہاتھ بغیر کسی آفت اور عیب کے اور بغیر کسی ایذاء کے سفید نکلے گا، کیونکہ جب بدن کے کسی حصہ میں تغیر ہو تو وہ کسی عیب اور آفت کی وجہ سے ہوتا ہے، پس بیان فرمایا کہ یہ سفیدی نہ کسی آفت کی وجہ سے ہوگی اور نہ آپ کے بدن میں کسی عیب کی وجہ سے ہوگی اور نہ کسی ایذاء کی وجہ سے ہوگی، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تاکہ ہم آپ کو اپنی بڑی نشانیوں میں سے دکھائیں O'' (طٰہٰ: ۲۳)

''لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى'': بعض مفسرین نے کہا: ہاتھ میں اللہ تعالیٰ کی نشانی، لاٹھی میں اللہ تعالیٰ کی نشانی سے بڑی ہے، کیونکہ ان لوگوں کا جادو لاٹھی میں تھا۔ اور بعض مفسرین نے کہا: لاٹھی کی نشانی ہاتھ کی نشانی سے زیادہ بڑی ہے، کیونکہ وہ لوگ لاٹھی میں جادو کے علم پر بصیرت رکھتے تھے، پس جب لاٹھی اس کیفیت سے نکلی تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو پیش کیا ہے وہ جادو نہیں ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى'' کا تعلق اُن نشانیوں سے ہو جن نشانیوں کا اس آیت میں ذکر ہے: ''وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ'' (بنی اسرائیل: ۱۰۱) ''(اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نو (۹) واضح نشانیاں عطا فرمائیں)'' آیاتِ کبریٰ یہ نو (۹) نشانیاں ہیں۔ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان نو (۹) نشانیوں کے علاوہ جو دوسری نشانیاں عطا فرمائی گئی تھیں، وہ بھی بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ اور اس کی تفسیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کسی آیت کی دوسری آیت کے مقابلہ میں بڑی نشانی ہونے کی تخصیص نہیں ہے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا'' (الزخرف: ۴۸) ''(اور ہم انہیں عذاب کی جو نشانی دکھاتے وہ سابق نشانی سے بڑی ہوتی تھی)''۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا'' (النساء: ۱۱) ''(تم از خود نہیں جانتے کہ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹوں میں سے کون تمہارے لیے زیادہ مفید ہے)، یعنی ہر نشانی کے اندر دوسری نشانی کے مقابلہ میں نفع ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:" آپ فرعون کے پاس جائیں، بے شک وہ کفر میں حد سے بڑھ چکا ہےO"
(طٰہٰ:٢٤)

" اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ":(آپ فرعون کے پاس جائیں، بے شک وہ کفر میں حد سے بڑھ چکا ہے)۔
" طَغٰى " کا لفظ طغیان سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: مقرر شدہ حد سے تجاوز کرنا۔ اور فرعون نے ہر چیز کی حد میں تجاوز کیا حتیٰ کہ اس نے اپنے لیے رب ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا:" اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۔ (النازعات:٢٤)"(میں تمہارا سب سے بلند و بالا رب ہوں)۔(تاویلات اہل السنۃ ج ٧ ص ٢٦٦۔ ٢٧٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٦ھ، وتفاسیر اخریٰ)

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿٢٥﴾

موسیٰ نے دعا کی: اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کشادہ فرما دیںO

وَ یَسِّرْ لِیْۤ اَمْرِیْ ﴿٢٦﴾

اور میرے کام کو میرے لیے آسان فرما دیںO

وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿٢٧﴾

اور میری زبان کی گرہ کو کھول دیںO

یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴿٢٨﴾

تاکہ لوگ میری بات کو سمجھیںO

وَ اجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ﴿٢٩﴾

اور میرے گھر والوں میں سے میرے لیے وزیر مقرر فرما دیںO

هٰرُوْنَ اَخِی ﴿٣٠﴾

میرے بھائی ہارون کوO

اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ﴿٣١﴾

اس کے ذریعہ میری کمر مضبوط فرما دیںO

وَ اَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ﴿٣٢﴾

اور اُن کو میرا شریک بنا دیںO

كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾

تا کہ ہم آپ کی زیادہ تسبیح کریں O

وَّ نَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾

اور بہ کثرت آپ کو یاد کریں O

اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾

بے شک آپ ہمیشہ ہماری نگرانی فرمانے والے رہے ہیں O

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾

(اللہ نے) فرمایا: اے موسیٰ! تمہاری دعا قبول فرمائی جاتی ہے O

وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰۤى ﴿۳۷﴾

اور ہم اس سے پہلے بھی آپ پر ایک مرتبہ احسان فرما چکے ہیں O

اِذْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ مَا يُوْحٰۤى ﴿۳۸﴾

جب ہم نے آپ کی والدہ کی طرف وہ الہام فرمایا جو الہام فرمانا تھا O

اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ۬ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۘ﴿۳۹﴾

کہ اس بچہ کو صندوق میں بند کردو، پھر اس کو سمندر میں ڈال دو، پس سمندر اس صندوق کو ساحل پر لے آئے گا اور اس صندوق کو آپ کا دشمن اور میرا دشمن اٹھالے گا، اور میں نے آپ پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی اور تا کہ میری آنکھوں کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے O

اِذْ تَمْشِيْۤ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ ؕ۬ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۬ ؕ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ ۬ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾

جب آپ کی بہن جا رہی تھی تو اس نے (فرعونیوں سے) کہا: کیا میں تمہاری اس خاتون کی طرف راہنمائی کروں جو اس بچہ کی

پرورش کرے، پس (اے موسیٰ!) ہم نے آپ کو آپ کی والدہ کی طرف لوٹا دیا تاکہ ان کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ غمگین نہ رہیں، اور آپ نے ایک شخص کو (نادانستہ) قتل کر دیا تھا، سو ہم نے آپ کو اس غم سے نجات عطا فرمائی، اور ہم نے آپ کو مختلف آزمائشوں میں ڈالا، پس آپ کئی سال اہلِ مدین میں رہے، پھر اے موسیٰ! آپ وقتِ مقررہ پر آگئے O

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۱﴾

اور میں نے آپ کو اپنے لیے منتخب فرمالیا O

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾

(اے موسیٰ!) آپ اور آپ کے بھائی میرے معجزات کو لے کر جائیں اور میری یاد میں سستی نہ کریں O

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾

آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں، کیونکہ وہ حد سے بڑھ چکا ہے O

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾

پس آپ دونوں اس سے نرمی سے بات کریں تاکہ وہ نصیحت قبول کرے یا اللہ سے ڈرے O

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾

ان دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! ہمیں یہ خطرہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا حد سے تجاوز کرے گا O

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾

(اللہ نے) فرمایا: تم دونوں مت ڈرو، بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں O

فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾

پس تم دونوں اس کے پاس جاؤ، سو دونوں اس سے کہو: بے شک ہم تیرے رب کے فرستادہ (رسول) ہیں، پس تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دے اور ان پر تشدد نہ کر، بے شک ہم تیرے پاس اپنے رب کی طرف سے معجزہ لے کر آئے ہیں اور اس شخص پر سلام نازل ہو جو ہدایت کی پیروی کرے O

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾

بے شک ہماری طرف یہ وحی فرمائی گئی ہے کہ اس کو عذاب ہوگا جو ہمارے پیغام کو جھٹلائے گا اور منہ پھیرے گاO

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾

فرعون نے پوچھا: اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟O

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾

موسیٰ نے کہا: ہمارے رب وہ ہیں جنہوں نے ہر چیز کو اس کی خلقت عطا فرمائی، پھر اس کی راہنمائی فرمائیO

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾

فرعون نے پوچھا: پس پچھلی قوموں کا کیا حال ہے؟O

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَ لَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾

موسیٰ نے کہا: اس کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں محفوظ ہے، میرے رب نہ غلطی کرتے ہیں اور نہ بھولتے ہیںO

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾

وہی جنہوں نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور اس زمین میں تمہارے لیے مختلف راستے بنا دیے اور آسمان سے پانی نازل فرمایا، پس ہم نے اس پانی کے ذریعہ مختلف سبزوں کے جوڑے نکالےO

كُلُوْا وَ ارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾

تم خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی کھلاؤ، بے شک ان چیزوں میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیںO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "موسیٰ نے دعا کی: اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کشادہ فرمادیںO اور میرے کام کو میرے لیے آسان فرمادیںO" (طٰہٰ: ۲۵۔۲۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے پاس جانے سے پہلے آٹھ دعائیں

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، طٰہٰ: ۲۵ تا ۵۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ": جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا مقابلہ کرنے کا مکلف فرمایا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سینہ فرعون کی ہیبت، اس کے تشدد اور اس کے لشکر کی وجہ سے تنگ ہوا، پس انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کے سینہ کو کھول دیں اور وسیع فرمادیں تاکہ وہ فرعون اور اس کے لشکر سے نہ ڈریں۔

شرح صدر کا معنی

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

نور کا معدن قلب ہے اور انسان کا اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ مشغول ہونا اور لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے میں رغبت کرنا اور دشمنوں سے ڈرنا یہ اس نور کے دل تک پہنچنے سے مانع ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ بندہ کی بصیرت قوی فرمادیں حتیٰ کہ بندہ مخلوق کے عاجز ہونے کو پہچانے اور یہ جان لے کہ مخلوقات بہ منزلہ عدم ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص: ۸۸)'' (ان کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے) تو پھر بندہ مخلوق کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے جلال کے انوار اس کے قلب پر منعکس ہوتے ہیں اور حجابات زائل ہوجاتے ہیں اور دل سے ان حجابات کا زائل ہونا ہی سینہ کا کھلنا ہے، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ! میرے سینہ کو کھول دیں، یعنی میرا دل صرف آپ کی ذات کی طرف متوجہ ہے اور آپ کی ذات کے ماسوا سے میرا دل فارغ ہوجائے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

میں کہتا ہوں: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی اور طلب کیا کہ میرے سینہ کو کھول دیں، اور ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بغیر طلب اور بغیر دعا کے از خود ارشاد فرمایا: ''اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ (الانشراح: ۱)'' (اے رسول اکرم! کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟)۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور میری زبان کی گرہ کو کھول دیں O تا کہ لوگ میری بات کو سمجھیں O'' (طٰہٰ: ۲۷-۲۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں گرہ کی توجیہ

''وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ'': ابن قتیبہ نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں ہکلاہٹ یا تتلاہٹ تھی۔ مفسرین نے اس کی دو وجہیں بیان کی ہیں، ایک یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں یہ گرہ پیدائشی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس پیدائشی گرہ کو کھول دیں تا کہ وہ روانی سے بات کریں اور لوگ اُن کی بات سمجھ لیں، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں فرعون کی گود میں دیا گیا تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے فرعون کی ڈاڑھی نوچ لی، پس فرعون نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، تب فرعون کی بیوی آسیہ نے کہا: یہ نا سمجھ بچہ ہے اور میں آپ کو اس کی نا سمجھی دکھاتی ہوں، وہ ایک پلیٹ میں دو انگارے اور دو موتی رکھ کر لائیں اور کہا: اگر انہوں نے انگاروں سے اجتناب کیا تو تم جان لینا کہ یہ عقل والا ہے، اور اگر یہ انگارہ اٹھالیں تو جان لینا کہ یہ نا سمجھ ہیں، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انگارا اٹھالیا اور اس کو اپنے مونہہ میں رکھ لیا جس سے ان کی زبان جل گئی اور اس میں گرہ پڑ گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اُن کی زبان کی یہ گرہ کھول دیں تا کہ لوگ اُن کی بات سمجھ سکیں۔

گرہ کھولنے کی دعا کی حکمت

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بے شک ہماری طرف یہ وحی فرمائی گئی ہے کہ اس کو عذاب ہوگا جو ہمارے پیغام کو جھٹلائے گا اور منہ پھیرے گاO

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾

فرعون نے پوچھا: اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟O

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾

موسیٰ نے کہا: ہمارے رب وہ ہیں جنہوں نے ہر چیز کو اس کی خلقت عطا فرمائی، پھر اس کی راہنمائی فرمائیO

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾

فرعون نے پوچھا: پس پچھلی قوموں کا کیا حال ہے؟O

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾

موسیٰ نے کہا: اس کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں محفوظ ہے، میرے رب نہ غلطی کرتے ہیں اور نہ بھولتے ہیںO

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾

وہی جنہوں نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور اس زمین میں تمہارے لیے مختلف راستے بنادیے اور آسمان سے پانی نازل فرمایا، پس ہم نے اس پانی کے ذریعہ مختلف سبزوں کے جوڑے نکالےO

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾

تم خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی کھلاؤ، بے شک ان چیزوں میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیںO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''موسیٰ نے دعا کی: اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کشادہ فرمادیںO اور میرے کام کو میرے لیے آسان فرمادیںO'' (طٰہٰ: ۲۵۔۲۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے پاس جانے سے پہلے آٹھ دعائیں

علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، طٰہٰ: ۲۵ تا ۳۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ'': جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا مقابلہ کرنے کا مکلف فرمایا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سینہ فرعون کی ہیبت، اس کے تشدد اور اس کے لشکر کی وجہ سے تنگ ہوا، پس انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کے سینہ کو کھول دیں اور وسیع فرمادیں تاکہ وہ فرعون اور اس کے لشکر سے نہ ڈریں۔

شرح صدر کا معنی

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

نور کا معدن قلب ہے اور انسان کا اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ مشغول ہونا اور لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے میں رغبت کرنا اور دشمنوں سے ڈرنا یہ اس نور کے دل تک پہنچنے سے مانع ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ بندہ کی بصیرت قوی فرما دیں حتیٰ کہ بندہ مخلوق کے عاجز ہونے کو پہچانے اور یہ جان لے کہ مخلوقات بہ منزلہ عدم ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص: ۸۸)'' (ان کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے) تو پھر بندہ مخلوق کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے جلال کے انوار اس کے قلب پر منعکس ہوتے ہیں اور حجابات زائل ہو جاتے ہیں اور دل سے ان حجابات کا زائل ہونا ہی سینہ کا کھلنا ہے، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ! میرے سینہ کو کھول دیں، یعنی میرا دل صرف آپ کی ذات کی طرف متوجہ ہے اور آپ کی ذات کے ماسوا سے میرا دل فارغ ہو جائے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

میں کہتا ہوں: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی اور طلب کیا کہ میرے سینہ کو کھول دیں، اور ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بغیر طلب اور بغیر دعا کے از خود ارشاد فرمایا: ''أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ (الانشراح: ۱)'' (اے رسول اکرم! کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟)۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور میری زبان کی گرہ کو کھول دیں O تا کہ لوگ میری بات کو سمجھیں O'' (طٰهٰ: ۲۷_۲۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں گرہ کی توجیہ

''وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ'': ابن قتیبہ نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں ہکلاہٹ یا تتلاہٹ تھی۔ مفسرین نے اس کی دو وجہیں بیان کی ہیں، ایک یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں یہ گرہ پیدائشی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس پیدائشی گرہ کو کھول دیں تا کہ وہ روانی سے بات کریں اور لوگ اُن کی بات سمجھ لیں، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں فرعون کی گود میں دیا گیا تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے فرعون کی ڈاڑھی نوچ لی، پس فرعون نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، تب فرعون کی بیوی آسیہ نے کہا: یہ نا سمجھ بچہ ہے اور میں آپ کو اس کی نا سمجھی دکھاتی ہوں، وہ ایک پلیٹ میں دو انگارے اور دو موتی رکھ کر لائیں اور کہا: اگر انہوں نے انگاروں سے اجتناب کیا تو تم جان لینا کہ یہ عقل والا ہے، اور اگر یہ انگارہ اٹھا لیں تو جان لینا کہ یہ نا سمجھ ہیں، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انگارا اٹھا لیا اور اس کو اپنے منہ میں رکھ لیا جس سے ان کی زبان جل گئی اور اس میں گرہ پڑ گئی، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اُن کی زبان کی یہ گرہ کھول دیں تا کہ لوگ اُن کی بات سمجھ سکیں۔

گرہ کھولنے کی دعا کی حکمت

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس گرہ کو کھولنے کی حسب ذیل وجوہ سے دعا کی:

(۱) تاکہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں کوئی خلل نہ ہو۔ (۲) جو شخص بات کرنے میں ہکلاتا ہو یا تُتلاتا ہو تو لوگ اس سے متنفر ہوتے ہیں اور دور ہوتے ہیں اور اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور نبی کے لیے یہ ضروری ہے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں۔

(۳) جس طرح حضرت زکریا علیہ السلام کی زبان پر کلام سے بندش لگا دینا اُن کے حق میں معجزہ تھا، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے گرہ کو کھول دینا اُن کے حق میں معجزہ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور میرے گھر والوں میں سے میرے لیے وزیر مقرر فرما دیں ○ میرے بھائی ہارون کو ○" (طٰہٰ: ۲۹۔۳۰)

"وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ": ابن قتیبہ نے کہا: وزارت کا لغوی معنی ہے بوجھ اٹھانا۔ الزجاج نے کہا: یہ وَزَر سے ماخوذ ہے اور "وَزَر" اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس سے بچا جائے تاکہ ہلاک ہونے سے نجات ہو۔ اسی طرح خلیفہ کا وزیر ہوتا ہے جس پر خلیفہ اپنے کاموں میں اعتماد کرتا ہے اور اس کی رائے کو قبول کرتا ہے۔

"هٰرُوْنَ اَخِی": اور اس آیت کا معنی ہے کہ آپ میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دیں۔ الماوردی نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ حضرت ہارون علیہ السلام کو اُن کا وزیر بنا دیں، کیونکہ اُن کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ وہ وزارت میں منحصر رہیں حتیٰ کہ نبوت میں اُن کے شریک نہ ہو جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وزیر کو طلب کرنے کی توجیہ

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وزیر کو طلب کرنے کی اس لیے دعا کی کہ اُن کو خطرہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں اُن کو مشکلات پیش آئیں گی، تو اس لیے انہوں نے چاہا کہ اُن کا کوئی مددگار ہو جس کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں تسلی رہے جیسے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے کہا تھا: "مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ" (آل عمران: ۵۲) (کون اللہ کی طرف میرا مددگار ہے؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے مددگار ہیں)۔ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ" (الانفال: ۶۴) (اے نبی مکرم! آپ (کی مدد) کے لیے اللہ کافی ہیں اور وہ مومنین کافی ہیں جنہوں نے آپ کی پیروی کی ہے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دو وزیر آسمان والوں میں سے ہیں اور دو وزیر زمین والوں میں سے ہیں، رہے میرے وہ دو وزیر جو آسمان والوں میں سے ہیں وہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام ہیں، اور رہے میرے وہ دو وزیر جو زمین والوں میں سے ہیں تو وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

(مسند البزار: ۲۹۱۹، مسند ابن الجعد: ۲۰۲۶، تخریج الاحادیث المرفوعہ: ۲۴۳، المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۳۰۴۷)

حضرت ہارون علیہ السلام کو وزیر بنانے کی تخصیص کی توجیہ

وزارت کی وجہ سے دین میں تعاون کرنا عظیم منقبت اور فضیلت ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ یہ منقبت اور فضیلت کسی اور کے بجائے ان کے بھائی کو حاصل ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام میں چند خصوصیات تھیں، قرآن مجید میں ہے: "وَ اَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ٘ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ۔ (القصص: ۳۴)" (اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے، اس لئے انہیں میرے ساتھ معاون رسول بنا کر بھیجیں تا کہ وہ میری تصدیق کریں، مجھے خوف ہے کہ فرعونی مجھے جھٹلائیں گے)۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کے مزاج میں نرمی تھی، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "قَالَ یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَ لَا بِرَاْسِیْ٘ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ (طٰہٰ: ۹۴)" (ہارون نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! نہ تو آپ میری داڑھی پکڑیئے اور نہ ہی سر کے بال، مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ اگر میں نے سختی کی تو آپ کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل کو فرقوں میں تقسیم کر دیا اور میرے فیصلے کا انتظار نہیں کیا)۔ اور تیسری وجہ یہ تھی کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین سال عمر میں بڑے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اس کے ذریعہ میری کمر مضبوط فرما دیں O اور اُن کو میرا شریک بنا دیں O" (طٰہٰ: ۳۱۔۳۲)

"اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ۝ وَ اَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ": الفراء نے کہا: اس آیت کا معنی ہے اے میرے رب! میری کمر کو میرے بھائی سے مضبوط فرما دیں اور ان کو میرے معاملہ میں شریک فرما دیں، یعنی اُن کو نبوت میں میرا شریک بنا دیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "تا کہ ہم آپ کی زیادہ تسبیح کریں O اور بہ کثرت آپ کو یاد کریں O بے شک آپ ہمیشہ ہماری نگرانی فرمانے والے رہے ہیں O" (طٰہٰ: ۳۳۔۳۴۔۳۵)

"كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا": یعنی تا کہ ہم آپ کے لیے نماز پڑھیں۔

"وَّ نَذْكُرَكَ كَثِیْرًا": یعنی زبان سے ہم آپ کی اُن نعمتوں پر حمد کریں جو آپ نے ہم کو عطا فرمائی ہیں۔

"اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا": اور آپ ہمیں بہ خوبی جاننے والے ہیں، کیونکہ آپ نے ہم کو یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔

یعنی آپ جانتے ہیں کہ ہم ان اطاعات سے آپ کی خوشنودی اور رضا کا ارادہ کرتے ہیں اور آپ کے سوا کسی اور کا ارادہ نہیں کرتے۔ اور آپ ہماری ضرورتوں اور ہماری مصلحتوں کو خوب جاننے والے ہیں، پس آپ ہمیں وہی عطا فرماتے ہیں جس کی ہمیں ضرورت ہوتی ہے اور جس میں ہماری مصلحت ہوتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اللہ نے) فرمایا: اے موسیٰ! تمہاری دعا قبول فرمائی جاتی ہے O" (طٰہٰ: ۳۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں کی قبولیت کی وجوہ

"قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰى": (اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! تمہاری دعا قبول فرمائی جاتی ہے)۔

(۱) تمہاری ان دعاؤں سے پہلے بھی میں تمہاری ضروریات اور مصلحت کے تقاضوں کو پورا فرما چکا ہوں، تو اب تمہاری دعا کیوں نہیں قبول فرماؤں گا۔

(۲) میں اس سے پہلے دشمن کے گھر میں تمہاری پرورش فرما چکا ہوں، اب اگر تمہاری دعاؤں کو قبول نہ کروں تو تم پر احسان کے بعد تمہیں محروم کرنا ہوگا اور یہ میرے کرم کے کب لائق ہے!

(۳) ہم تمہیں نچلے درجے سے عالی درجہ تک پہنچا چکے ہیں اور مقامِ نبوت پر فائز فرما چکے ہیں اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ لوگوں پر میں نے لعنت کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی لعنت فرمائی ہے اور ہر نبی کی دعا قبول فرمائی جاتی ہے: (۱) جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اضافہ کرے (۲) جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو جھٹلائے (۳) جو جبر سے حاکم بنے تاکہ اُن کو عزت دے جن کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل فرمایا ہے اور ان کو ذلیل کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے عزت عطا فرمائی ہے (۴) اور اللہ تعالیٰ کی محرمات کو حلال کرنے والا (۵) اور میری آل اور اولاد میں اُن کاموں کو حلال کرنے والا جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا ہے (۶) اور میری سنت کو (اہانتاً) ترک کرنے والا۔

(سنن ترمذی: ۲۱۵۴، السنۃ لابن ابی عاصم: ۴۴، شرح مشکل الآثار: ۳۳۶۲، صحیح ابن حبان: ۵۷۴۹، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۶۶۷، المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۸۸۳، المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۳۹۴۱، شعب الایمان للبیہقی: ۳۷۲۲، موارد الظمآن: ۵۲، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ ج ۳ ص ۳۵۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم اس سے پہلے بھی آپ پر ایک مرتبہ احسان فرما چکے ہیں O" (طٰہٰ: ۳۷)

"وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى": ہم اس سے پہلے بھی آپ پر انعام فرما چکے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جب ہم نے آپ کی والدہ کی طرف وہ الہام فرمایا جو الہام فرمانا تھا O" (طٰہٰ: ۳۸)

"اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى": یعنی جب ہم نے آپ کی والدہ کی طرف اُن چیزوں کا الہام فرمایا جو آپ کی نجات کا سبب تھیں، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نبی نہیں تھیں اور غیر نبی کی طرف وحی نہیں فرمائی جاتی، اس کی طرف الہام فرمایا جاتا ہے۔

عورتوں کو نبی نہ بنائے جانے کے دلائل

(۱) امام شافعی کے نزدیک عورت قضاء اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اور عورت اپنا نکاح خود نہیں کرسکتی تو وہ نبی کیسے ہوسکتی ہے؟

(۲) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ ـــ (الانبیاء: ۷)" (اور (اے رسول اکرم!) ہم نے آپ سے پہلے صرف مرد رسول بنائے ہیں جن کی طرف ہم وحی نازل فرماتے ہیں)۔ اور یہ آیت اس باب میں نص صریح ہے کہ صرف مردوں کو رسول بنایا جاتا ہے، عورتوں کو رسول نہیں بنایا جاتا۔

(۳) نیز کسی عورت کی طرف وحی کی نسبت کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نبی ہو، کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ''وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ۔ (النحل:۶۸)'' (اور (اے رسولِ اکرم!) آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی)۔ نیز قرآن مجید میں ہے: ''وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ۔ (المائدۃ:۱۱۱)'' (اور جب میں نے حواریین کو الہام فرمایا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لے آؤ)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف جو الہام فرمایا گیا تھا، اس کو وحی سے تعبیر کرنے کی وجوہ

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف جو الہام فرمایا گیا تھا جس کی یہاں تعبیر وحی سے فرمائی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو خواب دکھایا گیا تھا جس کی تعبیر یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تابوت میں رکھا جائے اور اس تابوت کو سمندر میں ڈال دیا جائے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی والدہ کی طرف واپس لے آئیں گے۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں اچانک یہ جازم عزم (مضبوط ارادہ) پیدا ہوا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تابوت میں ڈال دیں، اس جازم عزم کو وحی سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

(۳) ہوسکتا ہے اس زمانہ میں بعض انبیاء علیہم السلام کی طرف اس کی وحی فرمائی گئی ہو مثلاً حضرت شعیب علیہ السلام یا اُن کے علاوہ کسی اور نبی کی طرف وحی فرمائی گئی ہو جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پہچانتی ہوں، یا بالمشافہ یا پیغام رسانی کے ذریعے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو خوف دامن گیر نہ ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خوف لوازمِ بشریہ سے ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے خوف زدہ تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کئی مرتبہ اُن کو فرعون کی طرف جانے کا حکم فرمایا۔

(۴) ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف اس طرح فرشتہ کو بھیجا ہو جس طرح حضرت مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا تھا، قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا۔ (مریم:۱۷)'' (جو اُن کے سامنے صحت مند بشر کی شکل میں متشکل ہوئے)۔

''اِذْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ مَا یُوْحٰۤى'': اس آیت میں ''مَا یُوْحٰى'' فرمایا ہے، اس کا معنیٰ ہے: ہم نے آپ کی والدہ کی طرف وہ وحی فرمائی جس کا وحی فرمانا واجب تھا۔ اور یہ وحی اس لیے واجب تھی کہ یہ بہت عظیم واقعہ ہے اور اس کی مصلحت کی معرفت بغیر وحی کے ممکن نہیں ہے، تو اس لیے یہ وحی واجب تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: '' کہ اس بچہ کو صندوق میں بند کر دو، پھر اس کو سمندر میں ڈال دو، پس سمندر اس صندوق کو ساحل پر لے آئے گا اور اس صندوق کو آپ کا دشمن اور میرا دشمن اٹھا لے گا، اور میں نے آپ پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی اور تاکہ میری آنکھوں کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے ○'' (طٰہٰ:۳۹)

''اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ'': یعنی موسیٰ کو تابوت میں رکھ دو۔ ''فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ'': اور اس تابوت کو سمندر میں ڈال دو۔ ''فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ'': پس سمندر اس تابوت کو ساحل پر لے آئے گا۔ بظاہر یہ امر کا صیغہ ہے لیکن اس کا معنیٰ خبر ہے۔

دراصل "فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ" امر کا صیغہ ہے یعنی سمندر کو حکم فرمایا کہ وہ صندوق کو ساحل پر لے آئے۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم فرمایا ہو اور اس کے اندر سماعت اور عقل پیدا فرمادی ہو، جیسے اللہ تعالیٰ نے پتھروں اور درختوں میں [illegible] پیدا فرمادی۔ رہا ساحل تو وہ سمندر کا کنارا تھا۔ "يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهٗ": یعنی فرعون۔

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایک تابوت بنایا اور اس میں روئی بچھادی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس روئی پر رکھ دیا اور تابوت کی جھریوں کو تارکول سے بند کر دیا، پھر اس تابوت کو سمندر میں ڈال دیا اور وہاں سے ایک بڑا دریا فرعون کے گھر میں جاتا تھا، پس جب فرعون اپنی بیوی آسیہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو وہاں پر وہ تابوت پہنچا، پس فرعون نے اپنے نوکروں اور باندیوں کو حکم دیا کہ اس تابوت کو پکڑ لیں، جب اس تابوت کو کھولا تو اس میں بچہ کو دیکھا، وہ تمام لوگوں سے زیادہ حسین تھا، پس جب فرعون نے ان کو دیکھا تو ان سے بہت زیادہ محبت کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے محبوب بنایا اور تمام مخلوق کی طرف ان کو محبوب بنا دیا، سو جو شخص بھی ان کو دیکھتا تو وہ ان سے محبت کرتا خواہ وہ مومن ہو خواہ کافر ہو۔ قتادہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں ملاحت تھی، پس جو شخص بھی ان کو دیکھتا تو وہ ان سے محبت کرتا۔

اللہ تعالیٰ کے لیے آنکھوں اور دیگر اعضاء کا ثبوت

"وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ": قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: تاکہ میری محبت اور میرے ارادہ کے مطابق آپ کو غذا دی جائے۔

یعنی ہم نے آپ کی بہن کا وہاں جانا اس لیے مقدر فرمایا تاکہ آپ کی پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے لیے آنکھوں کا ثبوت ہے اور متقدمین کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آنکھیں ہیں مگر ہماری آنکھوں کی مثل نہیں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۔" (الشوریٰ: ۱۱) "(اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے)۔ لیکن متاخرین نے جب دیکھا کہ مخالفین اسلام اس آیت سے اللہ تعالیٰ پر طعن کرتے ہیں کہ آنکھوں کا ہونا جسم کو مستلزم ہے اور جسم حادث ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا حدوث لازم آتا ہے تو انہوں نے اس آیت کی تاویل کی کہ میری محبت میں اور میرے ارادہ کے مطابق آپ کو غذا دی جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جب آپ کی بہن جارہی تھی تو اس نے (فرعونیوں سے) کہا: کیا میں تمہاری اس خاتون کی طرف راہنمائی کروں جو اس بچہ کی پرورش کرے، پس (اے موسیٰ!) ہم نے آپ کو آپ کی والدہ کی طرف لوٹا دیا تاکہ اُن کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ غمگین نہ رہیں، اور آپ نے ایک شخص کو (تادیبا) قتل کر دیا تھا، سو ہم نے آپ کو اس غم سے نجات عطا فرمائی، اور ہم نے آپ کو مختلف آزمائشوں میں ڈالا، پس آپ کئی سال اہل مدین میں رہے، پھر اے موسیٰ! آپ وقتِ مقرر پر آگئے O" (طٰہٰ: ۴۰)

"اِذْ تَمْشِيٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ": مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کے جانے کی وجہ یہ تھی کہ اُن کی والدہ نے اُن سے کہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تلاش کرو تو اُن کی بہن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پانی کے اثر پر پایا، [illegible]

جب آلِ فرعون نے اُن کو اٹھالیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ نہیں پی رہے تھے اور اس کا دودھ قبول نہیں کر رہے تھے، تو ان لوگوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا: کیا میں تمہاری راہنمائی ایسی خاتون کی طرف کروں جو اس کو دودھ پلائے اور اس کو اپنے ساتھ ملا کر رکھے تو پوچھا گیا: وہ عورت کون ہے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا: وہ میری ماں ہے، لوگوں نے پوچھا: کیا اُن کا دودھ اُتر رہا ہے، اس نے کہا: ہاں! میرے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے اُن کا دودھ اُتر رہا ہے، اور حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں تین سال زیادہ تھے۔ پس انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بلایا، پس اُن کی والدہ آئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کا دودھ قبول کر لیا جیسے اس آیت میں ارشاد ہے: "فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ": یعنی ہم نے آپ کو آپ کی والدہ کی طرف واپس فرمادیا تا کہ آپ کو دیکھ کر آپ کی والدہ کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔

"وَقَتَلْتَ نَفْسًا": اور آپ نے ایک قبطی کو (تادیبًا) گھونسا مارا تھا جس سے وہ قتل ہو گیا تھا اور عنقریب ان شاء اللہ اس کا ذکر آئے گا۔ "فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ": اور آپ اس وجہ سے غمزدہ تھے کہ اس قبطی کے بدلہ میں آپ کو قتل کر دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس غم سے نجات عطا فرمائی کہ آپ مدین کی طرف بھاگ کر چلے گئے۔

"وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا": اس کی تفسیر میں چار اقوال ہیں:

(۱) علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ہم نے آپ کے کئی امتحانات لیے۔

(۲) الضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور یہی مجاہد کا قول ہے کہ ہم نے آپ کو مخلص پایا۔

(۳) العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور یہی قتادہ کا قول ہے کہ ہم نے آپ کی متعدد آزمائشیں فرمائیں۔

(۴) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام متعدد آزمائشوں میں مبتلاء ہوئے جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلامت رکھا۔ پہلی آزمائش یہ تھی کہ آپ کی والدہ کو اس سال آپ کا حمل ہوا جس سال میں فرعون بچوں کو ذبح کرتا تھا، پھر آپ کو سمندر میں ڈال دیا گیا، پھر آپ کو اپنی والدہ کے سوا دوسری عورتوں کا دودھ پینے سے روک دیا گیا۔ پھر آپ کا فرعون کی ڈاڑھی کو کھینچنا حتیٰ کہ فرعون نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، پھر آپ کا موتی کے بجائے انگارے کو اٹھانا، پھر آپ کا قبطی کو (تادیبًا) قتل کرنا، پھر آپ کا خوف زدہ ہو کر مدین کی طرف نکل جانا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سعید بن جبیر کو یہ واقعات بتائے اور کہا کہ یہ وہ آزمائشیں ہیں جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔

"فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْٓ اَهْلِ مَدْیَنَ": اصل عبارت یوں ہے کہ پھر آپ اہلِ مدین کی طرف گئے اور مدین حضرت شعیب علیہ السلام کا شہر تھا اور وہ مصر سے آٹھ مراحل پر واقع تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھاگ کر وہاں چلے گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدین میں رہنے کے متعلق دو قول ہیں: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل نے کہا کہ وہ دس سال مدین میں رہے۔ (۲) وہب بن منبہ نے کہا کہ آپ وہاں اٹھائیس سال رہے تھے، دس سال تو اُن کی بیوی کا مہر تھا اور اٹھارہ سال اس کے بعد وہاں رہے حتیٰ کہ آپ کی اولاد ہوئی۔

"ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ یّٰمُوْسٰى": یعنی آپ کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے آنے کی جو مدت مقرر فرمادی تھی آپ اس مدت پر آئے، اور آپ اپنی عمر کے چالیس سال پورے ہونے کے بعد آئے، اور یہی وہ وقت ہے جس وقت میں انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل فرمائی جاتی ہے، یہ اکثرین کا قول ہے اور الفراء نے کہا: آپ اس مدت پر آئے جس مدت پر اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام

فرمانا تھا۔

انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمانے کے لیے چالیس سال کی مدت

(۱) ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد السمر قندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ اس مدت کے مکمل ہونے پر آئے ہیں جس مدت میں انبیاء علیہم السلام پر وحی فرمائی جاتی ہے اور وہ مدت چالیس سال ہے۔ (تفسیر السمر قندی ج ۲ ص ۳۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

(۲) علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشا پوری المتوفی ۴۶۸ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اے موسیٰ! آپ چالیس سال کی مدت پر آئے اور یہ وہ مدت ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی فرمائی جاتی ہے اور یہ اکثر مفسرین کا قول ہے، اور اللہ عزوجل کے علم میں یہ مقدر تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف رسالت کی وحی چالیس سال کی عمر میں فرمائی جائے گی۔ (الوسیط ج ۳ ص ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(۳) علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عبد الرحمن بن کیسان نے کہا: آپ چالیس سال پورے ہونے پر آئے ہیں اور یہ وہ عمر ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی فرمائی جاتی ہے۔ اور اکثر مفسرین نے یہی کہا ہے کہ آپ اس میعاد کے پورا ہونے پر آئے ہیں جس میں آپ کی طرف رسالت کی وحی فرمائی جائے گی اور وہ چالیس سال ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۶۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۴) علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ اس مدت پر آئے ہیں جس مدت میں انبیاء علیہم السلام پر وحی فرمائی جاتی ہے اور وہ چالیس سال پورے ہونے پر ہے۔ (الکشاف ج ۳ ص ۶۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۵) شیعہ مفسر شیخ ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی المتوفی فی القرن السادس، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ اس وقت پر آئے جس وقت میں انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی فرمائی جاتی ہے اور وہ چالیس سال کی عمر ہے۔ (مجمع البیان، جز ۷ ص ۱۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۶ھ)

(۶) امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں وقت کی اس قدر کا ذکر نہیں ہے جس قدر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تھے، یعنی آپ اپنی اس عمر میں آئے ہیں جس عمر میں انبیاء علیہم السلام پر وحی فرمائی جاتی ہے اور وہ عمر چالیس سال ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(۷) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور عبد الرحمن بن کیسان نے کہا: اس سے مراد وہ مدت ہے جو نبوت اور رسالت عطا فرمائے جانے کے موافق ہو، کیونکہ انبیاء علیہم السلام اسی وقت مبعوث فرمائے جاتے ہیں، جب ان کی عمر چالیس سال کی ہو جائے۔

(احکام القرآن للقرطبی، جز ۱۱ ص ۱۸۰، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۸) علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ رسالت عطا فرمائے جانے کی مدت اور وعدہ پورے ہونے کی مقدار پر آئے ہیں اور وہ چالیس سال ہے۔
(مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ج۲ص۳۶۵، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

(۹) علامہ علاؤ الدین علی بن محمد البغدادی الشہیر بالخازن المتوفی ۷۲۵ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

پھر اے موسیٰ! آپ چالیس سال پورے ہونے پر آئے ہیں اور یہ وہ مدت ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی فرمائی جاتی ہے۔(لباب التاویل المعروف تفسیر الخازن، ج۳ص۲۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۰ء)

(۱۰) علامہ نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین القمی النیشاپوری المتوفی ۷۲۸ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

میری قضاء اور قدر میں یہ مقرر تھا کہ میں آپ سے کلام فرماؤں گا اور آپ کو نبی بناؤں گا، جس مدت میں انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی فرمائی جاتی ہے اور وہ چالیس سال ہے۔(غرائب القرآن ورغائب الفرقان، ج۴ص۵۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

(۱۱) علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف گئے تو ان کی عمر بارہ سال تھی۔ پھر دس سال وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چراتے رہے۔ پھر اس کے بعد وہ اٹھارہ سال اپنی بیوی صفورا بنت شعیب کے ساتھ رہے اور ان سے ان کا ایک بیٹا ہوا، پھر ان کی عمر مکمل چالیس سال ہوگئی اور یہ وہ مدت ہے جس کے پورے ہونے پر انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمانے کی اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے۔
(البحر المحیط ج۷ص۳۳۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

(۱۲) علامہ محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم بن احمد بن ہاشم المحلی الشافعی المتوفی ۸۶۴ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(اللہ عزوجل نے فرمایا): میرے علم میں آپ کی رسالت کی عمر چالیس سال تھی۔
(تفسیر الجلالین، ص۴۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۱۳) علامہ ابو حفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عبدالرحمٰن بن کیسان نے کہا ہے کہ آپ چالیس سال پورے ہونے پر آئے ہیں اور یہی وہ مدت ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی فرمائی جاتی ہے، اور یہ اکثر مفسرین کا قول ہے، یعنی آپ اس مدت پر آئے ہیں جس میں یہ مقدر فرمایا گیا تھا کہ آپ کی طرف رسالت کی وحی فرمائی جائے گی اور وہ چالیس سال ہے۔(اللباب فی علوم الکتاب، ج۱۳ص۲۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

(۱۴) القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ اس مدت پر آئے ہیں جس مدت میں میں آپ کو نبی بناؤں گا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں آئے تھے۔ اور یہی وہ عمر ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی فرمائی جاتی ہے۔(فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن، ج۴ص۲۹۵، دار النوادر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

(۱۵) شیخ زادہ محمد بن مصلح الدین المصطفیٰ القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ وہب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے لیے چالیس سال کی مدت مقرر ہے۔(حاشیہ شیخ زادہ، ج۵ص۲۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۱۶) الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عبدالرحمٰن بن کیسان نے کہا: آپ چالیس سال پورے ہونے پر آئے ہیں اور یہ وہ مدت ہے جس میں انبیاء علیہم السلام پر وحی فرمائی

جاتی ہے اور یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ اور یہ مقدر کیا گیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر چالیس سال کی عمر میں وحی فرمائی گی۔ (السراج المنیر ج ۳ ص ۱۶۹۔۱۷۰، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

(۱۷) قاضی ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مقرر وقت پر آئے جس وقت میں انبیاء علیہم السلام پر وحی فرمائی جاتی ہے اور یہ وہ وقت ہے جب چالیس سال مکمل ہو جائیں۔ (تفسیر ابوالسعود ج ۴ ص ۲۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۱۸) علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۸ھ لکھتے ہیں:

سن نبوت چالیس سال مکمل ہونے کے بعد ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۶ ص ۳۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۱۹) القاضی محمد ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری المتوفی ۱۲۲۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ اس مدت پر آئے ہیں جس مدت میں انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی فرمائی جاتی ہے، یعنی جب آپ کی عمر چالیس سال کی ہوگی۔ عبدالرحمن بن کیسان نے کہا: اور یہی اکثر مفسرین کے قول کا معنی ہے کہ آپ اس مدت پر آئے ہیں جس مدت میں یہ مقدر فرمایا گیا تھا کہ آپ کی طرف رسالت کی وحی فرمائی جائے گی اور وہ چالیس سال ہے۔ (تفسیر المظہری ج ۶ ص ۱۹، مکتبہ عثمانیہ کوئٹہ پاکستان)

(۲۰) علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی آپ اپنی اس عمر میں آئے ہیں جس عمر میں انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی فرمائی جاتی ہے اور وہ چالیس سال ہے۔

حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا ہے وہ چالیس سال پورا ہونے کے بعد بھیجا ہے"۔ اس حدیث کو بحر العلوم نے ذکر کیا ہے۔ اور بعض محققین نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی بنایا گیا اور ان کو جس وقت آسمان کی طرف اٹھایا گیا، اس وقت ان کی عمر تینتیس (۳۳) سال تھی۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں نبی بنایا گیا اور اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی گئی اور وہ اس وقت بچے تھے، پس انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے متعلق چالیس سال کی شرط لگانا باطل ہے۔ (روح البیان ج ۵ ص ۳۵۹۔۳۶۰، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: نبوت کے لیے چالیس سال کی شرط درج ذیل حدیث کے بھی خلاف ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: جس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن ترمذی: ۳۶۰۹، صحیح ابن حبان ج ۱۴ ص ۳۱۳، کتاب الشریعہ للآجری: ۹۳۶۔۹۳۷، المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۴۲۱۰، شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ: ۱۴۰۳، القدر للفریابی: ۱۴، موارد الظمآن ج ۶ ص ۳۳۶، العرف الشذی: ۳۶۰۹، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۳ ص ۲۹۳، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ ج ۳ ص ۸۶)

(۲۱) علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام پر چالیس سال پورے ہونے کے بعد وحی فرمائی جاتی ہے۔ (روح المعانی جز ۱۶ ص ۲۸۲، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۲۲) مشہور غیر مقلد شیخ محمد صدیق خان بن حسن بن علی القنوجی المتوفی ۱۳۰۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی آپ اس مدت پر آئے ہیں جس مدت کے متعلق میرے علم اور میری قضاء میں یہ مقرر تھا کہ میں آپ سے کلام فرماؤں گا اور آپ کو نبی بناؤں گا، اور آپ اس مدت کے پورا ہونے پر آئے ہیں جس مدت میں انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی فرمائی جاتی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ مدت چالیس سال ہے۔ (فتح البیان ج ۴ ص ۳۳۰-۳۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۲۳) صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین حنفی مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ، اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کے ساتھ حرج کر کے لکھتے ہیں:

پھر تو ایک ٹھہرائے وعدہ پر حاضر ہوا اے موسیٰ! یعنی اپنی عمر کے چالیسویں سال اور یہ وہ سن ہے کہ انبیاء کی طرف اس سن میں وحی فرمائی جاتی ہے۔ (کنز الایمان وخزائن العرفان ص ۵۰۳، تاج کمپنی، لاہور)

ہم نے مختلف مکاتب فکر کے تیئیس (۲۳) مفسرین کی تصریحات درج کی ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا فرمائی جاتی ہے، تاہم یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے، کیونکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت نبوت عطا فرمائی گئی تھی جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ سال کی عمر میں کنویں میں نبوت عطا فرمائی گئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گہوارے میں نبی بنایا گیا، اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بھی بچپن میں نبوت عطا فرمائی گئی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور میں نے آپ کو اپنے لیے منتخب فرمالیا○'' (طٰہٰ:۴۱)

''وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ'': یعنی میں نے آپ کو اپنی رسالت اور وحی کے لیے منتخب فرمالیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے موسیٰ!) آپ اور آپ کے بھائی میرے معجزات کو لے کر جائیں اور میری یاد میں سستی نہ کریں○'' (طٰہٰ:۴۲)

ان آیات کا مصداق جنہیں عطا فرما کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تھا

''اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ'': اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ آپ اور آپ کے بھائی میری آیات کو لے کر جائیں اور آیات کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) ان آیات سے مراد عصا اور ید بیضاء ہیں۔ ہر چند کہ یہ دو چیزیں ہیں لیکن کبھی دو چیزوں کو بھی جمع کے ساتھ تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ (۲) ابن الانباری نے کہا: ان آیات سے مراد عصا، ید بیضاء اور زبان میں اس گرہ کو کھولنا ہے اور فرعون اور اس کی قوم ہمیشہ سے اس گرہ کو پہچانتی تھی، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی۔ (۳) اس سے مراد نو نشانیاں ہیں۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ'' (بنی اسرائیل:۱۰۱) ''اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نو (۹) واضح نشانیاں عطا فرمائیں''۔ عکرمہ، قتادہ، مجاہد اور عطاء نے کہا: وہ نو (۹) نشانیاں یہ ہیں:

(۱) طوفان (۲) ٹڈیاں (۳) جوئیں (۴) مینڈک (۵) خون (۶) العصا (۷) الید البیضاء (۸) قحط کے سال (۹) پھلوں میں کمی ہونا۔ اور محمد بن کعب القرظی نے قحط کے سال اور پھلوں میں کمی کے بجائے کہا: ان کے اموال کو مٹا دینا اور سمندر۔

اور ان تین اقوال میں سے پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

''وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ'': اور میرے ذکر میں آپ سستی نہ کریں اور کمزوری نہ دکھائیں۔ اس ذکر کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) فرعون کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجنا (۲) فرائض کو ادا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تہلیل کرنا۔

لاٹھی اور ید بیضاء میں متعدد نشانیاں

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لاٹھی ایک نشانی نہیں تھی بلکہ اس میں متعدد نشانیاں تھیں، کیونکہ لاٹھی کا حیوان بن جانا ایک نشانی ہے، پھر ابتداء میں اس لاٹھی کی جسامت کم تھی جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ (النمل:۱۰)" (اور (یہ حکم فرمایا گیا) کہ اپنا عصا ڈال دو، پھر جب موسیٰ نے اسے لہراتا ہوا دیکھا جیسے وہ ہلکا پھلکا سانپ ہو تو پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور مڑ کر نہ دیکھا، (تب انہیں کہا گیا:) اے موسیٰ! نہ ڈرو، بے شک رسول میری بارگاہ میں ڈرا نہیں کرتے)۔ پھر وہ لاٹھی بہت بڑا اژدھا بن گئی اور یہ ایک اور نشانی ہو گئی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس اژدھے میں اپنا ہاتھ داخل فرما دیتے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی ضرر نہ پہنچاتا اور یہ ایک اور نشانی ہے۔ پھر بعد میں وہ پھر لکڑی کی لاٹھی بن جاتا، یہ مزید نشانی ہے۔

اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ ہے، اس کی سفیدی اور اس کی شعاعیں الگ نشانی ہیں، پھر اس سفیدی اور اس شعاع کا زائل ہو جانا ایک الگ نشانی ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ لاٹھی ایک چیز ہے لیکن اس میں بہ کثرت نشانیاں ہیں، کیونکہ اس کا سانپ بن جانا اللہ عزوجل کے وجود پر دلالت کرتا ہے جو ہر چیز کے عالم ہیں اور ہر چیز پر قادر ہیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلالت کرتا ہے اور حشر کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ ایک جامد چیز کو اللہ تعالیٰ نے حیوان بنا دیا۔ (تفسیر الکبیر ج ۸ ص ۵۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں، کیونکہ وہ حد سے بڑھ چکا ہے ۝ پس آپ دونوں اس سے نرمی سے بات کریں تاکہ وہ نصیحت قبول کرے یا اللہ سے ڈرے ۝" (طہ: ۴۳-۴۴)

"اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى": اس سے پہلے طہ: ۲۴ میں فرمایا تھا: "اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى" (آپ فرعون کے پاس جائیں، بے شک وہ کفر میں حد سے بڑھ چکا ہے)، اور اب طہ: ۴۳ میں دوبارہ فرمایا ہے: "اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى" یعنی آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں، کیونکہ وہ حد سے بڑھ چکا ہے۔ اور یہ اس امر کا تکرار ہے، تاکہ یہ واضح کیا جائے کہ آپ کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دینا موکد حکم ہے۔

"فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا": (پس آپ دونوں اس سے نرمی سے بات کریں تاکہ وہ نصیحت قبول کرے یا اللہ سے ڈرے)۔

آپ کو فرعون کے ساتھ نرمی سے جو بات کرنے کا حکم فرمایا، اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) خالد بن معدان نے از معاذ اور الضحاک نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ آپ دونوں فرعون سے کہیں: تم کہو "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ" (اللہ واحد ہیں ان کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، ان کا کوئی شریک ہے)۔

(۲) ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور یہی مقاتل کا قول ہے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے یہ کہنا

ہے: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰىۙ وَ اَهْدِیَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى" (النازعات: ۱۸-۱۹)" (اسے کہیں: کیا تجھے پاکیزہ ہونے میں دلچسپی ہے؟ اور میں تیرے رب کی طرف تیری راہنمائی کروں؟ تو تو (اُن سے) ڈرے)۔

(۳) حسن بصری نے کہا: آپ دونوں اس سے یہ کہیں کہ اے فرعون! بے شک تیرا رب ہے اور بے شک تو نے مرنے کے بعد دوبارہ اس کے پاس لوٹنا ہے اور بے شک تیرے آگے جنت اور دوزخ ہے۔

(۴) السدی نے کہا: وہ نرم بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس آئے اور اس سے کہا: میں جو اپنے رب کے پاس سے پیغام لے کر آیا ہوں، تم اس پر ایمان لے آؤ اور تم رب العالمین کی عبادت کرو، سو تمہاری جوانی کبھی ختم نہیں ہوگی اور تم بوڑھے نہیں ہوگے اور تم ہمیشہ بادشاہ رہو گے، اور تم سے تمہارا ملک تاحیات چھینا نہیں جائے گا۔ اور جب تم مرو گے تو جنت میں داخل ہو جاؤ گے، پس فرعون کو یہ بات پسند آئی، پھر جب اس کا وزیر ہامان آیا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ بات سنا کر اس سے مشورہ لیا تو ہامان نے کہا: تم تو رب ہو، کیا اب تم مربوب بننا چاہتے ہو اور ہامان نے فرعون کو اس کی رائے سے پھیر دیا۔

فرعون کے ساتھ نرمی سے بات کرنے کی توجیہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ساتھ نرمی سے بات کرنے کا حکم فرمایا، حالانکہ وہ منکر اور معاند تھا؟ اس کے دو جواب ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون نے پرورش کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ اس کے حقوق کی رعایت کی وجہ سے اس کے ساتھ نرمی سے بات کریں۔ اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ والدین کی بہت زیادہ تعظیم کرنی چاہیے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ظالم بادشاہوں کی یہ عادت ہے کہ جب ان کے ساتھ سختی سے نصیحت کی جائے تو وہ سرکشی اور تکبر میں اور بڑھ جاتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجنے سے مقصود نفع کا حصول تھا نہ کہ ضرر میں اضافہ مقصود تھا۔

میں کہتا ہوں: چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلال کے مظہر تھے اور اُن کے مزاج میں سختی تھی جیسے انہوں نے ایک قبطی کو تادیباً گھونسا مار کر ہلاک کر دیا تھا، جیسا کہ انہوں نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ سختی سے بات کی اور ان کی ڈاڑھی اور سر کے بالوں کو پکڑ لیا، قرآن مجید میں ہے: "قَالَ یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَ لَا بِرَاْسِیْۚ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ" (طٰہٰ: ۹۴)" (ہارون نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! نہ تو آپ میری ڈاڑھی پکڑیئے اور نہ ہی سر کے بال.....)۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کو فرعون کے ساتھ بات کرنے میں نرمی اختیار کرنے کا حکم فرمایا، اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بہت نرم مزاج تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ" (آل عمران: ۱۵۹)" ((اے رسولِ اکرم!) سو آپ اللہ کی رحمت سے ایمان والوں کے لیے نرم دل ہو گئے ہیں، اور اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو ضرور یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے)۔ سو آپ کو کفار کے ساتھ سختی کرنے کا حکم فرمایا، جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ" (التوبہ: ۷۳)" (اے نبی مکرم! کفار اور منافقین کے خلاف جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے)۔ خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام طبعاً سخت مزاج تھے، اس لیے انہیں حکم فرمایا کہ فرعون کے ساتھ نرمی سے بات کرو اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ طبعاً نرم مزاج تھے اس لیے آپ کو حکم

فرمایا کہ آپ کفار کے ساتھ نرمی کریں۔ (سعیدی غفرلہ)

"لَعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰى": اس آیت میں "لَعَلَّ" کا لفظ فرمایا ہے اور "لَعَلَّ" کا لفظ لغت میں امید اور طمع کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً تم کہتے ہو کہ شاید میں خیر کو حاصل کر لوں، تو اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اُن کی سمجھ کے اعتبار سے خطاب فرمایا، اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ دونوں یہ امید کرتے ہوئے اور یہ طمع کرتے ہوئے جائیں کہ شاید وہ نصیحت حاصل کرے گا یا شاید وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ نہ وہ نصیحت حاصل کرے گا اور نہ وہ ڈرے گا، مگر حجت دلیل کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ اور رسولوں کو مبعوث کیا جاتا ہے حالانکہ وہ (از خود) غیب کو نہیں جانتے اور وہ یہ نہیں جانتے کہ آیا اُن کا پیغام قبول کیا جائے گا یا نہیں کیا جائے گا، اور وہ یہ امید رکھتے ہیں اور یہ طمع رکھتے ہیں کہ اُن کا پیغام قبول کیا جائے گا۔ اس اعتبار سے یہاں لفظ "لَعَلَّ" فرمایا ہے۔

خالد بن معدان نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ کی قسم! فرعون اس دنیا سے اس وقت تک نہیں نکل سکتا تھا حتیٰ کہ وہ نصیحت حاصل کر لیتا یا اللہ تعالیٰ سے ڈر جاتا۔ اور جب وہ سمندر میں غرق ہونے لگا تو اس نے نصیحت حاصل کی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ شاید کے ساتھ ذکر فرمائیں اس کا ہونا واجب ہے۔

مرتے وقت فرعون کا نصیحت حاصل کرنا

میں کہتا ہوں: یہی وجہ ہے کہ فرعون نے غرق ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اعتراف کر لیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ" (یونس: ۹۰-۹۱) "(حتیٰ کہ جب فرعون غرق ہونے لگا تو اس نے کہا: "میں اُس پر ایمان لاتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہی جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں اب اسلام قبول کرنے والوں میں سے ہوں ۝ (اُسے جواب دیا گیا:) کیا تو اب ایمان لا رہا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو نے مسلسل نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا)۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ شاید وہ نصیحت حاصل کرے گا یا اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پورا ہو گیا اور اس نے غرق ہوتے وقت کلمہ پڑھ لیا، لیکن عذاب کو دیکھنے کے بعد ایمان لانا مفید نہیں ہوتا۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ان دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! ہمیں یہ خطرہ ہے کہ ہم پر زیادتی کی جائے گی یا وہ حد سے تجاوز کرے گا ۝" (طٰہٰ: ۴۵-۴۶)

"اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَاۤ": حضرت عبداللہ بن عمرو، ابن السمیفع، ابن عمر اور ابو العالیہ نے "اَنْ یَفْرِطَ" پڑھا ہے یعنی معلوم کا صیغہ۔ اور عکرمہ اور ابراہیم النخعی نے "اَنْ یُفْرَطَ" پڑھا ہے یعنی مجہول کا صیغہ۔ اور اس کا معنی ہے: کسی چیز میں پیش قدمی کرنا، کیونکہ الفرط لغت میں المتقدم کو کہتے ہیں۔ اسی معنی کے موافق درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں حوض پر تمہارا پیش رَو ہوں گا۔

(صحیح البخاری: ۶۵۶۷، صحیح مسلم: ۲۲۸۹، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۷، مسند احمد: ۳۴۳۲، مسند الحمیدی: ۷۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۴۰، معجم

کبیر للطبرانی: ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۱، صحیح ابن حبان: ۶۳۳۵، ۶۳۳۶)

"اَوْ اَنْ يَّطْغٰى": اس کی تفسیر میں دو قول ہیں: مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بہت نافرمانی کرے گا، اور ہمارے ساتھ بدسلوکی کرنے میں حد سے تجاوز کرے گا۔ ابن زید نے کہا: ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہمیں آپ کا کلام پہنچانے اور آپ کا حکم بیان کرنے سے پہلے ہمارے خلاف کارروائی کرنے میں جلدی کرے گا۔

"قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى": اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں خوف نہ کرو، میں تمہاری مدد کے لیے تمہارے ساتھ ہوں، تمہاری باتوں کو سن رہا ہوں اور تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہوں۔ الکلبی نے کہا: وہ تمہیں جو جواب دے گا وہ میں سن رہا ہوں اور میں دیکھ رہا ہوں وہ تمہارے ساتھ کیا کارروائی کرتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس تم دونوں اس کے پاس جاؤ، سو دونوں اس سے کہو: بے شک ہم تیرے رب کے فرستادہ (رسول) ہیں، پس تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دے اور ان پر تشدد نہ کر، بے شک ہم تیرے پاس اپنے رب کی طرف سے معجزہ لے کر آئے ہیں اور اس شخص پر سلام نازل ہو جو ہدایت کی پیروی کرے O" (طٰہٰ: ۴۷)

"فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ": یعنی تو ہمارے اور بنی اسرائیل کے درمیان تخلیہ کر دے اور اُن کو عذاب نہ پہنچا، اور فرعون بنی اسرائیل سے بہت سخت کام لیتا تھا۔

"قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ نشانی العصا (لاٹھی) ہے، مقاتل نے کہا: ایک مقام پر انہوں نے اپنا ہاتھ دکھایا اور دوسرے مقام پر لاٹھی دکھائی۔

کفار کو سلام نہ کرنے کی دلیل

"وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى": مقاتل نے کہا: جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اسی کے لیے سلامتی ہے اور الزجاج نے کہا کہ یہ سلام تحیت نہیں ہے، اس کا معنی ہے: جو ہدایت کی پیروی کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اور ان کی ناراضگی سے سلامت رہے گا۔ اور اس کے سلامِ تحیت نہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ سلامِ تحیت کلام کی ابتداء میں کیا جاتا ہے اور اس سلام کا ذکر اثنائے کلام میں ہے، لہٰذا کفار اور فساق کو ابتداءً سلام کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی وجہ سے ان کو سلام کرنا ہی پڑے تو ان کے ساتھ جو دائیں بائیں فرشتے ہیں، اُن کی نیت کر کے اُن کو سلام کر لیا جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک ہماری طرف یہ وحی فرمائی گئی ہے کہ اس کو عذاب ہو گا جو ہمارے پیغام کو جھٹلائے گا اور منہ پھیرے گا O" (طٰہٰ: ۴۸)

"اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى": اس آیت میں فرمایا ہے: جو ہمارے پیغام کو جھٹلائے گا، اس سے مراد یہ ہے کہ جو ہمارے پیغام سے اعراض کرے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فرعون نے پوچھا: اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟O'' (طٰہٰ: ۴۹)

''قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى'': اس آیت سے پہلے کچھ کلام مقدر ہے، یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں فرعون کے پاس آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا، فرعون نے کہا: تم دونوں کا رب کون ہے؟ اس میں یہ دلیل ہے کہ وہ دونوں فرعون کے پاس آئے تھے اور دونوں نے اس کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''موسیٰ نے کہا: ہمارے رب وہ ہیں جنہوں نے ہر چیز کو اس کی خلقت عطا فرمائی، پھر اس کی راہنمائی فرمائیO'' (طٰہٰ: ۵۰)

''قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ'': اس آیت میں فرمایا ہے: ''ہمارے رب وہ ہیں جنہوں نے ہر چیز کو اس کی صورت عطا فرمائی ہے''۔

اس کی تفسیر میں تین قول ہیں: (۱) الضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی: یعنی ابن آدم کی صورت جانوروں کی صورت کی طرح نہیں بنائی اور اونٹ کی صورت گھوڑے کی صورت کی طرح نہیں بنائی۔ (۲) ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ہر مرد کو اس کی صورت کی شکل بیوی عطا فرمائی ہے۔ (۳) قتادہ نے کہا: اور ہر چیز کو وہ چیز عطا فرمائی جو اس کے لیے باعث اصلاح ہے۔

''ثُمَّ هَدٰى'': اس کی تفسیر میں بھی تین اقوال ہیں:

(۱) الضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: یعنی مرد عورت کے ساتھ کس طرح جنسی عمل کرے۔ (۲) اور ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: یعنی نکاح کرنے کا اور کھانا کھانے کا اور رہائش کا طریقہ بتایا۔ (۳) مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے: ہر چیز کو اس کی معیشت بتائی، یعنی زندگی گزارنے کا طریقہ بتایا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان چیزوں سے فرعون پر حجت پیش کرنے کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مخلوقات کا وجود اور اُن کا ہدایت یافتہ ہونا ثابت ہے، سو مخلوقات کے لیے کسی خالق کی ضرورت ہے اور اُن کی ہدایت کے لیے کسی ہادی کی ضرورت ہے۔ اور خالق اور ہادی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فرعون نے پوچھا: پس پچھلی قوموں کا کیا حال ہے؟O'' (طٰہٰ: ۵۱)

''قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى'': پچھلی قوموں کے متعلق جو فرعون نے سوال کیا تھا، اس کی تفسیر میں مقاتل نے کہا: فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پچھلی قوموں کی خبروں اور اُن کی احادیث کے متعلق سوال کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کا علم نہیں تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''موسیٰ نے کہا: اس کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں محفوظ ہے، میرے رب نہ غلطی کرتے ہیں اور نہ بھولتے ہیںO'' (طٰہٰ: ۵۲)

''قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ'': یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اور پچھلی امتوں کی خبروں کا علم غیب کا علم ہے اور مجھے (از خود) غیب کا علم نہیں ہے۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ پچھلی امتوں کے اعمال کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس

ہے۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، کیونکہ فرعون نے امتوں کے دوبارہ اٹھنے کے متعلق سوال کیا تھا تو اس لیے اس کو یہ جواب دیا۔ "فِیْ کِتٰبٍ": اس کتاب سے مراد اللوح المحفوظ ہے۔

"لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَ لَا یَنْسَى": یعنی میرے رب نہ خطاء کرتے ہیں اور نہ بھولتے ہیں، یعنی لوگوں کے کاموں کو نہیں بھولتے حتیٰ کہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا عطا فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وہی جنہوں نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور اس زمین میں تمہارے لیے مختلف راستے بنادیے اور آسمان سے پانی نازل فرمایا، پس ہم نے اس پانی کے ذریعہ مختلف سبزوں کے جوڑے نکالے O" (طٰہٰ:۵۳)

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر نشانیاں

"الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا": مھد کے معنی فرش ہیں۔ "وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا": اور تمہاری ضروریات کے لیے زمین میں مختلف راستے بنائے۔ "وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً": اور آسمان سے بارش نازل فرمائی۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیان فرمائی ہوئی آخری خبر تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف سے خبر فرمائی۔ "فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى": پس ہم نے بارش کے اس پانی سے مختلف رنگوں اور مختلف ذائقوں کے پھل اور سبزیاں پیدا فرمائیں اور ہر قسم میں سے ایک جوڑا بنایا۔

"شَتّٰى" کا اس کے لفظ سے کوئی واحد نہیں ہوتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "تم خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی کھلاؤ، بے شک ان چیزوں میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O" (طٰہٰ:۵۴)

"كُلُوْا": یعنی ہم نے تمہارے لیے زمین سے جو پھل نکالے ہیں، ان کو کھاؤ۔

"وَ ارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ": اور اپنے مویشیوں کو کھلاؤ۔ اس امر سے مقصود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد دلانا ہے۔

"اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى": ان مختلف رنگوں اور مختلف ذائقوں کے پھلوں اور سبزیوں میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ "لِّاُولِی النُّهٰى" کا معنی ہے ذوی العقول۔ اور الزجاج نے کہا: عقل کا معنی ہے: وہ چیز جو برے کاموں سے روکے اور اچھے کاموں میں داخل ہونے کا حکم دے۔ (زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۳ ص ۱۵۷۔ ۱۶۲، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ، وتفاسیر اخریٰ)

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾

اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا فرمایا اور اسی زمین میں ہم تم کو دوبارہ لوٹائیں گے اور اسی زمین سے ہم تم کو ایک مرتبہ پھر نکالیں گے O

وَ لَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَ اَبٰى ﴿۵۶﴾

اور بے شک ہم نے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھائیں، سو اس نے (توحید کی) تکذیب کی اور انکار کیا O

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾

اس نے کہا: اے موسیٰ! کیا تم اس لیے آئے ہو کہ تم اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال دو O

فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾

سو ہم ضرور بہ ضرور تمہارے مقابلہ میں ایسا ہی جادو پیش کریں گے، پس تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک وقت مقرر کرلو، نہ ہم اس وقت کی مخالفت کریں گے اور نہ تم کرنا اور (یہ مقابلہ) ایک ہموار جگہ میں ہوگا O

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾

موسیٰ نے کہا: تم سے میلے کے دن مقابلہ کا وعدہ ہے اور یہ کہ چاشت کے وقت لوگوں کو جمع کرلیا جائے O

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾

پھر فرعون پیٹھ پھیر کر چلا گیا، پھر اس نے اپنے تمام مکر کے سامان جمع کیے، پھر مقابلہ کے دن آگیا O

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾

موسیٰ نے اُن (جادوگروں) سے کہا: تم پر افسوس ہے، اللہ پر جھوٹا بہتان نہ باندھو، وہ تم کو عذاب سے ہلاک فرمادیں گے، اور جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا وہ نامراد رہا O

فَتَنَازَعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾

پس اُن جادوگروں نے آپس میں بحث کی اور چپکے چپکے سرگوشی کی O

قَالُوْۤا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾

انہوں نے کہا: یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ تم کو اپنے جادو کے زور سے تمہارے ملک سے نکال دیں اور تم سے تمہارا بہترین دین چھین لیں O

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾

پس تم اپنے جادو کا سامان اکٹھا کرلو پھر صف بنا کر مقابلہ کرو، اور آج جو غالب رہے گا وہی کامیاب ہوگا ○

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾

جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ! کیا آپ پہلے اپنی کوئی چیز ڈالیں گے یا ہم پہلے اپنی چیزیں ڈالیں ○

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾

موسیٰ نے کہا: بلکہ پہلے تم ڈالو، پس اچانک اُن کے جادو کے اثر سے اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں دوڑتی ہوئی دکھائی دیں ○

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾

پس موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا ○

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾

ہم نے کہا: آپ نہ ڈریں، بے شک آپ ہی غالب رہیں گے ○

وَ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾

اور جو (لاٹھی) آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے اس کو زمین پر ڈال دیں وہ ان کی بنائی ہوئی چیزوں کو نگل جائے گی، انہوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ صرف جادوگر کا مکر ہے، اور جادوگر جہاں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہوگا ○

فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ﴿۷۰﴾

پس تمام جادوگر سجدہ میں گرا دیے گئے، انہوں نے کہا: ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے ○

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَ لَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰى ﴿۷۱﴾

فرعون نے کہا: تم میری اجازت سے پہلے اس پر ایمان لے آئے، درحقیقت یہی تمہارا ماہر استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے، پس میں ضرور بہ ضرور تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو مخالف جانبوں سے کاٹ دوں گا اور تم سب کو کھجور کے درختوں کے تنوں میں سولی

پر چڑھا دوں گا اور تم ضرور بہ ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کون زیادہ سخت اور زیادہ دیر پا عذاب دینے والا ہے O

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَاؕ (۷۲)

انہوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے ہم کو پیدا فرمایا ہے ہمارے پاس جو واضح دلائل آچکے ہیں ان کے مقابلہ میں ہم تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے، پس تو جو چاہے فیصلہ کر تو صرف اسی دنیا میں فیصلہ کر سکتا ہے O

اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَ مَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِؕ وَ اللّٰهُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى (۷۳)

بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو بخش دیں اور جادو کے اس گناہ کو بخش دیں جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا، اور اللہ سب سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والے ہیں O

اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَؕ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰى (۷۴)

بے شک جو اپنے رب کے سامنے بہ طور مجرم حاضر ہوگا، پس یقیناً اس کے لیے جہنم ہے جس میں وہ نہ مرے گا اور نہ خوشی سے زندہ رہے گا O

وَ مَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓىٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى (۷۵)

اور جو ان کے سامنے بہ طور مومن حاضر ہوا جس نے نیک عمل کیے ہوں، تو انہی کے لیے بلند درجات ہیں O

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى (۷۶)

دائمی باغات جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہی اُن لوگوں کی جزاء ہے جو پاکیزگی اختیار کرتے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا فرمایا اور اسی زمین میں ہم تم کو دوبارہ لوٹائیں گے اور اسی زمین سے ہم تم کو ایک مرتبہ پھر نکالیں گے O“ (طٰہٰ: ۵۵)

انسان کی نطفہ سے پیدائش کا مٹی سے پیدا ہونے کے منافی نہ ہونا

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، طٰہٰ: ۵۵ تا ۷۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ“: اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے تم کو زمین سے یعنی مٹی سے پیدا فرمایا ہے، حالانکہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں ارشاد ہے کہ ہم نے تم کو نطفہ سے پیدا فرمایا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ (النحل: ۴)“ (انہوں نے انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا)۔ اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) ہماری اصل حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور اُن کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ۔۔(آل عمران:۹۵)'' (بے شک عیسیٰ کی مثال آدم کی شکل ہے، اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا)۔ اور جب ہماری اصل کو مٹی سے پیدا فرمایا تو ہمارے متعلق بھی یہ ارشاد صحیح ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔

(۲) انسان کی پیدائش نطفہ سے اور حیض کے خون سے ہوتی ہے اور وہ دونوں غذا سے پیدا ہوتے ہیں، اور غذا یا گوشت سے بنتی ہے یا سبزیوں سے۔ اور گوشت کی انتہاء بھی سبزیوں کی طرف ہوتی ہے اور سبزیاں پانی اور مٹی کے ملنے سے پیدا ہوتی ہیں، پس یہ صحیح ہے کہ ہم کو مٹی سے پیدا فرمایا گیا ہے اور یہ نطفہ سے پیدا ہونے کے منافی نہیں ہے۔

(۳) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارحام کا فرشتہ رحم کے پاس آتا ہے، جب وہ پیدا ہونے والے بچے کا رزق لکھتا ہے اور یہ لکھتا ہے کہ وہ کس زمین میں دفن ہوگا۔ پھر وہ اس جگہ سے مٹی لے کر اس کو نطفہ کے اوپر چھڑکتا ہے، پھر اس نطفہ کو رحم میں داخل کر دیتا ہے۔

''وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ'': یعنی جب تم کو موت کے بعد قبر میں دفن کر دیا جائے گا۔ ''وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ'': اور جب تم کو موت کے بعد اٹھایا جائے گا تو ہم تم کو قبر سے نکالیں گے۔ ''تَارَةً اُخْرٰی'': یعنی تمہارے جسم کے جو اجزاء مٹی کے ساتھ مل چکے ہوں گے، ان کو ہم لوٹا کر زندہ فرما دیں گے۔ اور اُن کو محشر کی طرف نکالیں گے جس دن لوگ قبروں سے نکل کر دوڑتے ہوئے محشر کی طرف جائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم نے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھائیں، سو اس نے (توحید کی) تکذیب کی اور انکار کیا○'' (طٰہٰ:۵۶)

''وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰی'': یعنی ہم نے فرعون کو کل نشانیاں دکھائیں۔ یہ وہ نشانیاں ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھیں: (۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) سمندر کو چیر دینا (۴) حجر، جس پتھر سے بارہ چشمے نکلے (۵) ٹڈیاں (۶) جوئیں (۷) مینڈک (۸) خون (۹) اور پہاڑ کو اُن کے سر پر مسلط فرما دینا۔ فرعون نے ان نشانیوں کی تکذیب کی اور یہ زعم کیا کہ یہ جادو ہے اور ان کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔

فرعون کو کل معجزات دکھانے پر اعتراض کا جواب

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ فرعون کو کل نشانیاں دکھائیں، حالانکہ بعض معجزات تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے دوسرے نبیوں کو عطا فرمائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد عطا فرمائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ ''کل'' اگرچہ عموم کے لیے ہے، لیکن اگر قرینہ ہو تو اس کا استعمال خصوص کے لیے بھی کیا جاتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے ''میں بازار میں داخل ہوا اور میں نے ہر چیز خریدی''۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کو اپنے معجزات دکھائے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات بھی گنوائے تو فرعون نے سب کا انکار کر دیا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ بعض معجزات کی تکذیب کل معجزات کی تکذیب کا تقاضا کرتی ہے۔

جب فرعون کو معلوم ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کس وجہ سے معجزہ پیش کیا ہے اور اس کو یہ خطرہ ہوا کہ لوگ اُن کی پیروی کریں

گے اور فرعون کو چھوڑ دیں گے، تب اس نے کہا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اس نے کہا: اے موسیٰ! کیا تم اس لیے آئے ہو کہ تم اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال دو O'' (طٰہٰ: ۵۷)

''قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى '': یعنی جس سرزمین کے ہم مالک ہیں، وہ سرزمین تمہارا ملک ہو جائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر اس کا کندھا کپکپانے لگا تو اس نے اپنے پیروکاروں کے دماغ میں یہ بات ڈالی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ پیش کیا تھا، وہ جادو تھا۔ اور پھر یہ بتایا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے مقابلہ میں اپنا جادو پیش کرے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو ہم ضرور بہ ضرور تمہارے مقابلہ میں ایسا ہی جادو پیش کریں گے، پس تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک وقت مقرر کرلو، نہ ہم اس وقت کی مخالفت کریں گے اور نہ تم کرنا اور (یہ مقابلہ) ایک ہموار جگہ میں ہوگا O'' (طٰہٰ: ۵۸)

''فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى '':

اس آیت میں ''سُوًى '' فرمایا ہے، اس کا معنی ہے: متوسط۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس جگہ کی مسافت دونوں فریقوں کے لیے مساوی تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''موسیٰ نے کہا: تم سے میلے کے دن مقابلہ کا وعدہ ہے اور یہ کہ چاشت کے وقت لوگوں کو جمع کرلیا جائے O'' (طٰہٰ: ۵۹)

''يَوْمُ الزِّيْنَةِ'' کے مصداق میں مفسرین کے اقوال

''قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى '': اس آیت میں ''يَوْمُ الزِّيْنَةِ'' کا ذکر ہے، مجاہد اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد نیروز ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد یوم عاشور ہے یعنی دس محرم۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اُن کی عید کا دن تھا جس دن وہ خوش نما لباس پہنتے تھے اور ہر سال وہاں جمع ہوتے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جس دن وہ بازار بناتے تھے اور اس دن میں زینت اختیار کرتے تھے۔

اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ ''لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں''، کیونکہ اس وقت خوب روشنی پھیل جاتی ہے اور اس وقت میں کیا ہوا کام سب پر ظاہر ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر فرعون پیٹھ پھیر کر چلا گیا، پھر اس نے اپنے تمام مکر کے سامان جمع کیے، پھر مقابلہ کے دن آ گیا O'' (طٰہٰ: ۶۰)

''فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى '': پھر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اعراض کیا اور اپنے مکر کی تیاری کرنے میں لگ

کیا، اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے کے لیے جو جادوگر تیار کیے تھے ان کو اکٹھا کرنا شروع کیا اور دور دراز کے شہروں سے اُن جادوگروں کو بلایا اور مصر کا شہر روئے زمین پر سب سے زیادہ جادوگروں والا تھا۔ پھر فرعون اس میعادِ مقرر پر آ گیا جس میعاد پر اس نے اپنے لشکروں کو اور جادوگروں کو اکٹھا کیا تھا۔ پھر چونکہ سننے والا اس کا مشتاق تھا کہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''موسیٰ نے اُن (جادوگروں) سے کہا: تم پر افسوس ہے، اللہ پر جھوٹا بہتان نہ باندھو، وہ تم کو عذاب سے ہلاک فرما دیں گے، اور جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا وہ نامراد رہاO'' (طٰہٰ: ۶۱)

''قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى'': پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے جادوگروں اور دوسروں کو نصیحت کرنے کے لیے کہا: اے لوگو! تم پر افسوس ہے، اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے، سو تم شرک کر کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھو ورنہ اللہ تعالیٰ تم سب کو ہلاک فرما دیں گے۔ اور جو اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا ہے وہ ناکام اور نامراد ہوتا ہے جس طرح فرعون ناکام اور نامراد ہوا، اس نے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھا اور اپنے ملک کو باقی رکھنے کا حیلہ کیا لیکن اس سے اس کو فائدہ نہیں ہوا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس اُن جادوگروں نے آپس میں بحث کی اور چپکے چپکے سرگوشی کیO'' (طٰہٰ: ۶۲)

''فَتَنَازَعُوْا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَأَسَرُّوا النَّجْوٰى'': پھر اُن جادوگروں نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ کلام سنا تو آپس میں بحث کی کہ فرعون جتنا عظیم لشکر لے کر آیا ہے اور جتنے زیادہ اس کے پیروکار ہیں، اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام مقابلہ نہیں کر سکیں گے، اور انہوں نے یہ سرگوشی کی کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہم پر غالب آ گئے تو ہم اُن کی پیروی کریں گے، کیونکہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھو تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: کوئی جادوگر یہ بات نہیں کہہ سکتا اور اس بات کو مخفی رکھنے میں انہوں نے بہت کوشش کی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''انہوں نے کہا: یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ تم کو اپنے جادو کے زور سے تمہارے ملک سے نکال دیں اور تم سے تمہارا بہترین دین چھین لیںO'' (طٰہٰ: ۶۳)

''قَالُوْا إِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ أَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى'': اس آیت میں 'إِنْ' مخففہ ہے، یعنی ''مَا هٰذٰنِ إِلَّا سٰحِرٰنِ'' حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں صرف جادوگر ہیں، جیسے اس آیت میں ہے: ''وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ۔'' (الشعراء: ۱۸۶) ''(تم تو ہم جیسے ہی بشر ہو، اور ہم تمہیں ضرور جھوٹے لوگوں میں سے گمان کرتے ہیں)۔'' اس آیت کا معنی ہے: ''مَا نَظُنُّكَ إِلَّا مِنَ الْكٰذِبِيْنَ'' (ہم تم کو صرف جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں)۔

''إِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ'' کی حرکات پر بحث

ابن کثیر نے اس آیت میں 'إِنَّ' پر تشدید پڑھی ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ لکھنے والے کی خطاء

ہے، کیونکہ اِنَّ کا اسم منصوب ہوتا ہے اور اس کی خبر مرفوع ہوتی ہے تو بہ ظاہر ہونا چاہیے تھا ''اِنَّ هٰذَيْنِ لَسٰحِرٰنِ'' اور ''هٰذَيْنِ'' منصوب ہے یہ اِنَّ کا اسم ہوتا اور لَسٰحِرٰنِ، اِنَّ کی خبر ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت الحارث بن کعب اور خثعم اور کنانہ کی لغت پر ہے اور اس لغت کے مطابق اِنَّ کا اسم مرفوع ہوتا ہے۔ اور ایک جواب یہ ہے کہ یہ آیت اصل میں اس طرح ہے ''اِنَّهٗ هٰذٰنِ'' اور ''ھاء'' کو حذف کر دیا گیا۔ اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حرف اِنَّ یہاں پر نَعَم کے معنی میں ہے یعنی ہاں یہ دونوں ساحر ہیں۔

ان دونوں نے جو رسالت کا دعویٰ کیا ہے، اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ تم لوگوں کو اپنے جادو کے زور سے تمہارے ملک سے نکال دیں اور یہ تمہارا وطن ہے جو تمہارے باپ دادا سے چلا آ رہا ہے اور تمہارے اس مذہب کو چھین لیں جو تمام مذاہب میں سب سے عمدہ ہے۔ اس قول سے انہوں نے اپنے مذہب کی برتری کا اظہار کیا اور اپنے دین کی سربلندی کا اظہار کیا، کیونکہ ہر جماعت اسی چیز پر خوش ہوتی ہے جو اس کے پاس ہوتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس تم اپنے جادو کا سامان اکٹھا کر لو، پھر صف بنا کر مقابلہ کرو، اور آج جو غالب رہے گا وہی کامیاب ہوگا O'' (طٰہٰ: ۶۴)

''فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى'': پس تم جادو کے تمام ذرائع کو جمع کرو، پھر موسیٰ اور ہارون سے مقابلہ کے لیے صف باندھ کر آؤ۔

جادوگروں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ الکلبی نے کہا: یہ بہتر (۷۲) جادوگر تھے، دو ان میں سے قبطی تھے اور ستر (۷۰) بنو اسرائیل سے تھے۔ عکرمہ نے کہا: یہ نو سو جادوگر تھے، ان میں سے تین سو فارس کے رہنے والے تھے اور تین سو روم کے رہنے والے تھے اور تین سو الاسکندریہ کے رہنے والے تھے۔ اور وہب بن منبہ نے کہا: یہ پندرہ ہزار جادوگر تھے اور السدی نے کہا: یہ تیس ہزار سے زائد تھے۔ اور ظاہر قرآن میں ان اقوال میں سے کسی قول پر دلیل نہیں ہے، اور یہ جادوگروں کی اتنی بڑی جماعت تھی کہ اس سے پہلے اتنے جادوگر جمع نہیں ہوئے۔ اور انہوں نے کہا: آج جو غالب ہو گیا وہی کامیاب ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ! کیا آپ پہلے اپنی کوئی چیز ڈالیں گے یا ہم پہلے اپنی چیزیں ڈالیں O'' (طٰہٰ: ۶۵)

''قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى'': اُن جادوگروں نے ادب کو اختیار کرتے ہوئے کہا، کیونکہ فریق مخالف کے ساتھ نرمی سے بات کرنا خواہ نفع نہ پہنچائے ضرر نہیں پہنچاتا بلکہ اُن کو نفع پہنچاتا ہے اور چونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ادب اختیار کرتے ہوئے یہ کہا ''کیا آپ پہلے اپنی کوئی چیز ڈالیں گے یا ہم پہلے اپنی چیزیں ڈالیں؟''۔ اسی ادب کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اُن جادوگروں کو ایمان عطا فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''موسیٰ نے کہا: بلکہ پہلے تم ڈالو، پس اچانک اُن کے جادو کے اثر سے اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں دوڑتی ہوئی دکھائی دیں O'' (طٰہٰ: ۶۶)

"قَالَ بَلْ اَلْقُوْاۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی": حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ اُن کی مراد خود ابتداء کرنا ہے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بعد میں مقابلہ کریں، اور عمدہ انجام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہو اور آپ کا معجزہ اُن کے جادو پر غالب ہو جائے، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "بلکہ پہلے تم ہی ڈالو" تو جادوگر اس سے خوش ہو گئے کیونکہ ان کی مراد یہی تھی۔ سو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور اُن کے جادو کے اثر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال ہوا کہ یہ لاٹھیاں اور رسیاں دوڑ رہی ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کو جادو کرنے کا کیسے حکم فرمایا جب انہوں نے فرمایا "بلکہ تم ڈالو"؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر یہ شرط ہے کہ اگر تم برحق ہو تو تم جو چیز ڈالنا چاہتے ہو تو ڈالو، جیسے قرآن مجید میں ہے: "فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔" (البقرہ: ٢٣) "(اس قرآن کی مثل کوئی ایک سورت بنا کر لے آؤ اور (اس کام کے لیے) اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو، اگر تم سچے ہو)۔

اور اس قصہ میں یہ مذکور ہے کہ جب انہوں نے رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اور لوگوں نے دیکھا کہ زمین سانپوں سے بھر گئی ہے اور انہوں نے دیکھا کہ وہ سانپ دوڑ رہے ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اُن لاٹھیوں اور رسیوں میں پارا بھر دیا تھا اور دھوپ سے وہ پارا پگھلنے لگا تو لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ وہ لاٹھیاں اور رسیاں حرکت کر رہی ہیں۔

شیخ عبد الماجد دریا بادی متوفی ١٩٧٧ء، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

توریت میں ہے: "ہارون نے اپنا عصا فرعون اور اس کے خادموں کے آگے پھینکا اور وہ سانپ ہو گیا۔ تب فرعون نے بھی داناؤں اور جادوگروں کو طلب کیا۔ چنانچہ مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادوؤں سے ایسا ہی کیا کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنا عصا پھینکا اور وہ سانپ ہو گیا" (خروج۔ ٧: ١٠۔١١)۔ اس سے قطع نظر کہ توریت میں عصا بجائے موسیٰ علیہ السلام کے ہارون علیہ السلام کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔ توریت و قرآن مجید کے بیان میں بڑا فرق یہ ہے کہ توریت میں سحر کے اثر سے رسیوں اور لاٹھیوں کا سانپ بن جانا مذکور ہے، برخلاف اس کے قرآن میں صرف اتنا ہے کہ ساحروں کی نظر بندی کے اثر سے حضرت موسیٰ کو (یا اور دیکھنے والوں کو بھی) وہ رسیاں اور لاٹھیاں دوڑتی پھرتی نظر آئیں۔ ان کے واقعۃً سانپ بن جانے کا قرآن مدعی نہیں۔

(تفسیر ماجدی ص ٦٦٩، پاک کمپنی اردو بازار، لاہور)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا ○" (طٰہٰ: ٦٧)

"فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی": (پس موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوف محسوس کرنے کی توجیہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب عظیم معجزات عطا فرمائے جا چکے تھے جیسے لاٹھی اور ید بیضاء، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ بھی فرمایا تھا "لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَ اَرٰی۔ (طٰہٰ: ٤٦)" (تم دونوں مت ڈرو، بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں) تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ خوف کیسے واقع ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خوف ہوا کہ اُن کا جادو بھی معجزہ کی جنس سے ہے تو لوگوں کو یہ اشتباہ ہوگا کہ کہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ بھی جادو نہ ہو اور وہ ایمان نہ لائیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ خوف بشری طبیعت کا تقاضا ہے جیسے جب انہوں نے پہلی مرتبہ اپنی لاٹھی کو سانپ بنتا ہوا دیکھا تو وہ خوف زدہ ہو گئے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم فرمایا گیا تھا کہ آپ بغیر وحی کے کوئی کام نہ کریں، پس جب اس وقت وحی کے نزول میں تاخیر ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خوف ہوا کہ کہیں اس عظیم مجمع میں اُن پر وحی نازل نہ ہو اور انہیں شرمندگی ہو، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خوف کو زائل فرما دیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ہم نے کہا: آپ نہ ڈریں، بے شک آپ ہی غالب رہیں گے O'' (طٰہٰ: ۶۸)

''قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى'': ہم نے کہا: آپ اُن کی اس کارروائی سے یا اس کے علاوہ کسی اور چیز سے نہ ڈریں، بے شک خصوصاً آپ ہی غالب ہیں اور آپ کا ایسا غلبہ ہوگا جس میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو (لاٹھی) آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے اس کو زمین پر ڈال دیں وہ ان کی بنائی ہوئی چیزوں کو نگل جائے گی، انہوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ صرف جادوگر کا مکر ہے، اور جادوگر جہاں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہوگا O'' (طٰہٰ: ۶۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کے غلبہ کی کیفیت

''وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى'':

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ اپنی لاٹھی ڈال دیں، یعنی آپ اُن کی رسیوں کی بہتات اور لاٹھیوں کی کثرت سے نہ ڈریں اور جو کچھ آپ کے ہاتھ میں ہے اس کو ڈال دیں، یعنی ان رسیوں اور لاٹھیوں کے اثر سے مرعوب نہ ہوں، کیونکہ آپ کے دائیں ہاتھ میں جو چیز ہے یعنی لاٹھی، وہ ان سب چیزوں سے زیادہ عظیم ہے۔ انہوں نے بہ کثرت تجربات اور بہت زیادہ مشق کے بعد یہ کارنامہ انجام دیا تھا، پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ بھی سانپوں میں سے ایک سانپ ہو گئی، پھر اس کا جسم بڑھتا گیا حتیٰ کہ اس سانپ نے پوری وادی کو بھر لیا، پھر وہ اوپر اٹھا حتیٰ کہ اس کی دم وادی کی طرف سے مل گئی، اور انہوں نے دو میلوں میں جو لاٹھیوں اور رسیوں کا عمل کیا تھا اس کو کھا لیا اور لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے، پھر وہ لاٹھی فرعون کی طرف بڑھی تا کہ اس کو بھی نگل لے، اس سانپ نے اپنا منہ اسی (۸۰) ہاتھ تک کھولا ہوا تھا، پس فرعون نے چیخ مار کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا تو وہ اسی طرح لاٹھی ہو گئی جیسے پہلے لاٹھی تھی اور جادوگروں نے دیکھا کہ اُن کی ڈالی ہوئی لاٹھیوں اور رسیوں میں سے کوئی چیز نہیں تھی مگر اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی نے نگل لیا تھا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ جادو نہیں ہے۔ اور اس جنس سے جادوگر جو بھی کرے اس میں کامیاب نہیں ہوتا، کیونکہ جادوگر ایسا کام کرتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس تمام جادوگر سجدہ میں گرا دیئے گئے، انہوں نے کہا: ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے O'' (طٰہٰ: ۷۰)

"فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى": جب جادوگروں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کا کام انتہائی جلدی کے ساتھ اور انتہائی آسانی کے ساتھ ہو گیا تو اس مشاہدہ نے ان کو سجدہ میں سونہہ کے بل گرا دیا اور انہوں نے فرعون کے حکم سے جو کارروائی کی تھی، اس پر توبہ کی کیونکہ وہ جادوگروں کے بہت بڑے طبقہ میں سے تھے۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فعل ان کی جادو کی صنعت سے خارج ہے تو انہوں نے جان لیا کہ یہ یقینی طور پر جادو نہیں ہے۔ اور اُن کے رئیس نے کہا: ہم لوگوں پر اپنے جادو سے غالب آ جاتے ہیں اور ہمارے آلات باقی رہتے ہیں، پس اگر موسیٰ کا فعل بھی جادو ہوتا تو ہماری وہ لاٹھیاں اور رسیاں کہاں گئیں جن کو ہم نے ڈالا تھا، پس انہوں نے اجسام کے احوال کے متغیر ہونے سے صانع اور قادر پر استدلال کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر اس معجزہ کے ظہور سے اس پر استدلال کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچے رسول ہیں، پس ضروری ہوا کہ وہ توبہ کرتے اور ایمان لے آتے۔ اور خضوع خشوع کی جو انتہاء ہے وہ سجدہ ہے، تو وہ سب سجدہ میں گر گئے۔

اس کی توجیہ کہ جادوگروں نے ایمان لاتے وقت رب العالمین کے بجائے "ربّ ھٰرون و موسٰی" کہا

الاصبہانی نے کہا: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کی کیسی عظیم شان ہے، انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں کفر اور انکار کے ثبوت کے لیے ڈالی تھیں، پھر ایک ساعت کے بعد انہوں نے توبہ کرنے کے لیے اپنے سروں کو سجدہ میں ڈال دیا، پس ان دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ انہوں نے کہا: "اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى" اور یہ نہیں کہا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے، کیونکہ فرعون بھی ربوبیت کا مدعی تھا، اس نے کہا تھا: "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" (النازعات: ۲۴) (میں تمہارا سب سے بلند و بالا رب ہوں)۔ اور وہ الوہیت کا بھی مدعی تھا، اس نے کہا تھا "یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ" (القصص: ۳۸) (اے سردارو! میں تو اپنے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں جانتا)۔ اس لیے اگر جادوگر یہ کہتے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ہیں تو فرعون یہ کہتا کہ یہ مجھ پر ایمان لائے ہیں، اس لیے انہوں نے کہا: ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔ نیز انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر اقتصار نہیں کیا بلکہ پہلے حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر کیا، کیونکہ فرعون نے بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی تو اگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اقتصار کرتے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلے ذکر کرتے تو اس سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ ان کی مراد فرعون ہے، اس لیے انہوں نے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر کیا اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا اس لیے پہلے ذکر کیا کہ وہ عمر میں بڑے تھے۔

پس سبحان اللہ! اُن کا معاملہ کتنا عظیم الشان ہے وہ صبح کی ابتداء میں جادوگر تھے اور فرعون کے رب ہونے کا اقرار کرتے تھے اور دن کے آخری حصہ میں نیک شہداء تھے۔ روایت ہے کہ انہوں نے اپنے سروں کو سجدہ سے نہیں اٹھایا حتیٰ کہ انہوں نے جنت اور دوزخ کو دیکھ نہیں لیا۔ اور عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ سجدہ میں گرے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو سجدوں میں اُن کے جنت کے مقامات دکھائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فرعون نے کہا: تم میری اجازت سے پہلے اس پر ایمان لے آئے، درحقیقت یہی تمہارا ماہر استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے، پس میں ضرور بہ ضرور تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو مخالف

جانبوں سے کاٹ دوں گا اور تم سب کو کھجور کے درختوں کے تنوں میں سولی پر چڑھا دوں گا اور تم ضرور بہ ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کون زیادہ سخت اور زیادہ دیر پا عذاب دینے والا ہے O" (طٰہٰ: ۷۱)

"قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى": یعنی فرعون نے ایمان لانے والے جادوگروں سے کہا: تم نے میری اجازت سے پہلے اللہ کی تصدیق کی یا موسیٰ کی اتباع کی، پھر اُس نے اپنے پیروکاروں کو اُن جادوگروں کی پیروی کرنے سے منع کرنے کے لیے کہا کہ یہ موسیٰ جادو میں تمہارا استاذ تھا جس نے تم کو جادو سکھایا تھا اور تم نے سازش کے ارادہ سے اس کی پیروی کی اور تم اس مقابلہ میں آنے سے پہلے ہی اس سے مل چکے تھے، پھر اس نے قسم کھا کر کہا: تم نے جو کچھ کیا ہے میں اس کے سبب سے تم میں سے ہر ایک کے ہاتھ اور پیر کو مخالف جانب سے کاٹ دوں گا یعنی سیدھا ہاتھ کاٹوں گا اور الٹا پیر کاٹوں گا اور میں ضرور کھجور کے تنوں پر تمہیں سولی چڑھاؤں گا۔ اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کون زیادہ سخت ہے۔ اس بات سے فرعون لعنہ اللہ نے اپنی ذات کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ کیا تھا۔

فرعون کی دھمکی دینے پر سوال کا جواب

اگر یہ سوال کیا جائے کہ فرعون یہ مشاہدہ کر چکا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن جاتی ہے اور اُن کی لاٹھی نے فرعون کو کھانے کا قصد کیا تھا یہاں تک کہ فرعون نے اس سانپ کے خوف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی تھی اور اس سانپ کو اپنی ذات سے دور کرنے سے عاجز رہا تھا تو یہ بات کیسے صحیح ہوگی کہ اس نے جادوگروں کو دھمکایا اور اُن کو وعید سنانے میں اس حد تک پہنچا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑایا اور کہا کہ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون زیادہ عذاب دینے والا اور کون باقی رہنے والا ہے۔

اس کا یہ جواب ہے کہ فرعون کے دل میں بہت زیادہ خوف تھا، لیکن اس نے اپنی عزت اور ناموس کو باقی رکھنے کے لیے دلیری اور بہادری کا اظہار کیا تا کہ اس کی حکومت باقی رہے اور فرعون کے عناد پر یہ دلیل ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا کہ یہ تمہارا بڑا استاذ ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان جادوگروں سے کبھی نہیں ملے۔ اور اُن جادوگروں کے ہر استاذ کے متعلق وہ جانتا تھا کہ فلاں جادوگر کا کون استاذ ہے اور فلاں کا کون استاذ ہے، تو اس نے محض اپنا رعب جمانے اور اپنا بھرم رکھنے کے لیے یہ دھمکی دی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "انہوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے ہم کو پیدا فرمایا ہے! ہمارے پاس جو واضح دلائل آ چکے ہیں ان کے مقابلہ میں ہم تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے، پس تو جو چاہے فیصلہ کر، تو صرف اسی دنیا میں فیصلہ کر سکتا ہے O" (طٰہٰ: ۷۲)

"قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا": ایمان لانے والے جادوگروں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہمارے پاس واضح دلائل آ چکے ہیں۔ مقاتل نے کہا:

یعنی ید بیضاء اور لاٹھی، اُن کو دیکھنے کے بعد ہم کبھی بھی تیری اتباع نہیں کریں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اُن کا استدلال یہ تھا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کارروائی جادو ہوتی تو ہماری وہ رسیاں اور لاٹھیاں کہاں گئیں۔ اور قاسم کی روایت میں ہے کہ جب وہ سجدہ میں گرے تو سجدہ سے اٹھنے سے پہلے انہوں نے جنت اور دوزخ کو دیکھ لیا اور جنتیوں کے ثواب کو دیکھ لیا تو اس وقت انہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں واضح دلائل عطا فرمائے ہیں انہیں دیکھنے کے بعد ہم کبھی تیری پیروی نہیں کریں گے اور اللہ جنہوں نے ہمیں پیدا فرمایا ہے، ہم ان کے مقابلہ میں تیری پیروی نہیں کریں گے، پس تو جو کرنا چاہتا ہے وہ کر لے، تو جو کچھ کر سکے گا اسی دنیا میں کر سکے گا، تیرا حکم اور سلطنت اسی دنیا میں جاری ہے اور وہ عنقریب زائل ہو جائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے تا کہ وہ ہماری خطاؤں کو بخش دیں اور جادو کے اس گناہ کو بخش دیں جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا اور اللہ سب سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والے ہیں O'' (طٰہٰ: ۷۳)

''إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَأَبْقٰى'': یعنی ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے جو ہماری اس پوری زندگی میں ہم پر احسان فرماتے رہے ہیں، باوجود اس کے کہ ہم کفر اور نافرمانی کرتے رہے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ہماری خطاؤں کو اور گناہوں کو معاف فرما دیں اور خصوصاً اُن گناہوں کو جن پر تو نے ہمیں مجبور کیا کہ تم معجزہ کا جادو سے معارضہ کرو اور یہ آپ کی نافرمانی میں ہمارا سب سے بڑا گناہ ہے۔

جادوگروں کے عذر پر اعتراض کا جواب

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اُن مسلمان ہونے والے جادوگروں نے یہ عذر کیسے پیش کیا حالانکہ وہ اپنے اختیار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے کے لیے آئے تھے اور انہوں نے قسم کھا کر کہا تھا کہ اُن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ حاصل ہوگا۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جادوگروں کے رئیس بہتر (۷۲) تھے، دو قبطی تھے اور باقی بنی اسرائیل میں سے تھے جن کو فرعون نے جادو سیکھنے پر مجبور کیا تھا، اور روایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے ہیں اور وہ عصا اُن کی حفاظت کر رہا ہے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ جادوگر جب سو جائے تو اس کا جادو باطل ہو جاتا ہے، تو ہم ان سے معارضہ کرنے پر قادر نہیں ہیں، پس فرعون نے انکار کیا اور ان کو معارضہ کرنے پر مجبور کیا۔

امام رازی نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں یہ مذکور نہیں ہے کہ فرعون نے ان مسلمان ہونے والے جادوگروں کے خلاف اپنی دھمکی پر عمل کیا اور نہ اس کا ذکر احادیث میں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جو اپنے رب کے سامنے بہ طور مجرم حاضر ہوگا، پس یقیناً اس کے لیے جہنم ہے جس میں وہ نہ مرے گا اور نہ خوشی سے زندہ رہے گا O'' (طٰہٰ: ۷۴)

''إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ ۖ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيٰى'': ہو سکتا ہے کہ یہ اُن مسلمان ہونے والے جادوگروں کا کلام ہو کہ جو شخص کفر پر مرے اور اپنے رب کے سامنے مجرم ہو کر پیش ہو تو اس کے لیے دار اہانت ہے جس میں وہ نہ

مرے گا تا کہ عذاب سے نجات پا جائے اور نہ اس طرح زندہ رہے گا جس زندگی میں اس کو خوشی ہو۔ اور اے فرعون! اس کے برخلاف تو جس کو عذاب دے گا وہ مرنے کے بعد تیرے عذاب سے راحت پا جائے گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ابتداءً اللہ عزوجل کا کلام ہو۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہے کہ جو جسم زندہ ہے یا تو وہ زندگی کے ساتھ باقی رہتا ہے یا مر جاتا ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے نہ وہ زندہ ہو اور نہ وہ مرے۔

اس کا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ جیسے کسی جانور کو ذبح کیا جائے اور وہ تڑپ رہا ہو تو وہ زندہ نہیں ہے کیونکہ اس کو ذبح کیا جا چکا ہے اور حیات اس کے ساتھ باقی نہیں ہے۔ اور نہ وہ مردہ ہے، کیونکہ ابھی روح اس سے الگ نہیں ہوئی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو ان کے سامنے بہ طور مومن حاضر ہوا جس نے نیک عمل کیے ہوں، تو انہی کے لیے بلند درجات ہیں O'' (طٰہٰ: ۷۵)

''وَمَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓىٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى'': یعنی جو اپنے رب کے سامنے اس حالت میں حاضر ہوا کہ وہ اللہ عزوجل کی تصدیق کرنے والا تھا اور وہ دنیا میں نیک اعمال کر چکا تھا یعنی جن کاموں کا اسے حکم فرمایا گیا تھا وہ کام کر چکا تھا اور وہ صادق الایمان تھا تو اُن کے لیے بلند درجات ہیں، جن درجات کی اُن درجات کے مقابلہ میں کوئی نسبت نہیں ہے جن کا تو نے ہمیں بہ طور انعام دینے کا وعدہ کیا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''دائمی باغات جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہی اُن لوگوں کی جزاء ہے جو پاکیزگی اختیار کرتے ہیں O'' (طٰہٰ: ۷۶)

''جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى'': یعنی وہ رہائش کی ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے کی زمین میں دریا جاری ہیں اور اُن جنتوں میں رہنے والے ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہی اُن لوگوں کی جزا ہے جو اپنے آپ کو کفر کے میل کچیل سے پاک کر لیتے ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ یہ آخری تین آیتیں ایمان لانے والے جادوگروں کا کلام ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ابتداءً اللہ عزوجل کا کلام ہو۔ (السراج المنیر، ج ۲ ص ۱۷۶۔۱۸۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

وَلَقَدْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى ۙ۬ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ آپ میرے بندوں کو لے کر رات کو (مصر سے) روانہ ہو جائیں، پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا دیں، نہ آپ کو (فرعون کے) پکڑنے کا خوف ہو گا اور نہ (ڈوبنے کا) خوف ہو گا O

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾

پس فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ اُن کا پیچھا کیا، پس سمندر نے ان کو ڈھانپ لیا جس طرح ڈھانپنے کا حق تھا O

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا اور سیدھے راستہ پر نہ چلایا O

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾

اے بنی اسرائیل! ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات عطا فرمائی اور تم سے کوہ طور کی دائیں جانب (تورات عطا فرمانے کا) وعدہ فرمایا، اور تم پر من اور سلویٰ نازل فرمایا O

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾

(ہم نے فرمایا:) اُن پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں اور اس میں حد سے تجاوز نہ کرو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا، اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ دوزخ میں گر گیا O

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾

اور بے شک میں اس کے لیے ضرور بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے، پھر ہدایت پر قائم رہے O

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) اے موسیٰ! آپ کو اپنی قوم سے پہلے کون سی چیز لے آئی؟ O

قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾

موسیٰ نے کہا: وہ میرے پیچھے آ رہے ہیں اور اے میرے رب! میں آپ کی بارگاہ میں اس لیے عجلت سے حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ مزید راضی ہو جائیں O

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾

فرمایا: ہم نے آپ کے آنے کے بعد آپ کی قوم کو آزمائش میں ڈال دیا اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا O

فَرَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾

پس موسیٰ سخت غصے اور افسوس کے ساتھ اپنی قوم کی طرف لوٹے، موسیٰ نے کہا: اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے (تورات کی عطا کا) اچھا وعدہ نہیں فرمایا تھا؟ کیا اس عہد کی تم پر بہت لمبی مدت گزر گئی تھی یا تم یہ ارادہ کر چکے تھے کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو، سو تم نے میرے وعدہ کی خلاف ورزی کی O

قَالُوْا مَاۤ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَاۤ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾

انہوں نے کہا: ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی لیکن ہم پر قوم فرعون کے زیورات لاد دیے گئے تھے جن کو ہم نے (آگ میں) ڈال دیا تھا، اسی طرح سامری نے بھی آگ میں (کچھ) ڈال دیا تھا O

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَاۤ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾

پس سامری نے اُن (پگھلے ہوئے زیورات) سے بنی اسرائیل کے لیے بچھڑے کا جسم ڈھالا جس سے گائے کی طرح آواز نکلتی تھی، پس اُن لوگوں نے کہا: یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے جسے موسیٰ بھول چکے ہیں O

اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۬ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾

کیا وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ وہ بچھڑا اُن کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا تھا اور نہ وہ انہیں کسی نقصان یا نفع پہنچانے کا مالک تھا O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور بے شک ہم نے موسیٰ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ آپ میرے بندوں کو لے کر رات کو (مصر سے) روانہ ہو جائیں، پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا دیں، نہ آپ کو (فرعون کے) پکڑنے کا خوف ہوگا اور نہ (ڈوبنے کا) خوف ہوگا O" (طٰہٰ: ۷۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر سے روانگی

علامہ ابو المظفر السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ، طٰہٰ: ۷۷ تا ۸۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَلَقَدْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى":

یعنی آپ ان کو سمندر میں خشک راستہ سے لے جائیں جس میں تری نہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ اس راستہ میں داخل ہو جاؤ، تو انہوں نے کہا: ہم اس راستہ میں کیسے داخل ہوں یہ تو گیلا راستہ ہے، اس میں تری ہے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

اپنے رب سے دعا کی تو وہاں پر ایسی ہوا چلی جس نے اس راستہ کی تری کو خشک کر دیا۔

روایت ہے کہ جب وہ سمندر پر پہنچے تو انہوں نے کہا: اے موسیٰ! یہ سمندر ہمارے سامنے ہے اور فرعون اور اس کا لشکر ہمارے پیچھے ہے، تو اللہ عزوجل نے فرمایا: نہ تم یہ خوف کرو کہ پیچھے سے آ کر فرعون تم کو پکڑ لے گا اور نہ اس سے ڈرو کہ تمہارے سامنے جو سمندر ہے تو وہ تم کو غرق کر دے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ اُن کا پیچھا کیا، پس سمندر نے ان کو ڈھانپ لیا جس طرح ڈھانپنے کا حق تھا O'' (طٰہٰ:۷۸)

''فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِیَهُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَهُمْ'': پس فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ اُن کا پیچھا کیا، تو فرعونیوں کو سمندر کی موجوں نے اس طرح ڈھانپ لیا جس طرح ڈھانپنے کا حق ہے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے نجات پائی اور فرعونی غرق کر دیے گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمام فرعونیوں کو ہلاک فرما دیا اور اُن کی جڑ کاٹ دی اور ان میں سے ایک بھی باقی نہیں رہا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا اور سیدھے راستہ پر نہ چلایا O'' (طٰہٰ:۷۹)

''وَ اَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَ مَا هَدٰی'': (اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا اور سیدھے راستہ پر نہ چلایا)۔

بنی اسرائیل کے مصر سے روانگی کے وقت فرعونیوں سے عاریۃً زیورات لینا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم فرمایا کہ وہ اپنی قوم کو لے کر سمندر کے راستہ پر جائیں اور بنو اسرائیل نے فرعون کی قوم سے اُن کی عید کے دن کچھ زیورات مانگ لیے تھے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کو لے کر رات کو روانہ ہوئے۔

سمندر پر عصا مارنے سے راستہ بنانا

سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنا عصا مارا تو وہ پھٹ گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اس میں داخل ہو جاؤ، تو انہوں نے کہا: ہم اس میں کیسے داخل ہو جائیں، یہ تو رطب یعنی تر ہے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو اس پر ایک ہوا چلی جس نے اس کو خشک کر دیا۔ تو انہوں نے کہا: ہم اپنے بعض کے بعض کے متعلق یہ خوف رکھتے ہیں کہ وہ غرق ہو جائیں گے، پھر اُن کے درمیان ایسے روشن دان بنا دیے کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، پھر وہ داخل ہو گئے حتیٰ کہ سمندر کو پار کر لیا اور فرعون بھی ان راستوں کی طرف بڑھا، تو اس کی قوم نے کہا کہ موسیٰ نے تو سمندر پر جادو کر کے راستہ بنا دیا اور وہ لوگ نر گھوڑوں پر سوار تھے، پس حضرت جبریل علیہ السلام مادہ گھوڑی پر آئے، پھر حضرت جبریل علیہ السلام فرعون کے آگے روانہ ہوئے، جب نر گھوڑوں نے مادہ گھوڑیوں کو دیکھا تو وہ اُن کے پیچھے لپکے، پس فرعون بھی اُن کے پیچھے داخل ہو گیا، پھر فرشتوں نے آواز دی کہ تم سب آ کر مل جاؤ تو وہ سب آ کر مل گئے، پھر وہ سب غرق کر دیے گئے اور بنی اسرائیل لوٹ کر اُن کی طرف دیکھ رہے تھے اور انہوں نے کہا: اے موسیٰ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ان فرعونیوں کو نکالیں حتیٰ کہ ہم ان کو دیکھیں، پس سمندر نے ان فرعونیوں کو ساحل کی طرف پھینک دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم، کاش! آپ مجھے اس وقت

دیکھتے کہ جب میں فرعون کے منہ میں کیچڑ ڈال رہا تھا اس خوف سے کہ کہیں وہ توبہ نہ کر لے۔ اور یہ اس آیت کا معنی ہے: "فَغَشِیَهُمۡ مِّنَ الۡیَمِّ مَا غَشِیَهُمۡ"۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ان مختلف اقسام کی نعمتیں نازل فرمائیں تو پھر ان کو ندا فرمائی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے بنی اسرائیل! ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات عطا فرمائی اور تم سے کوہ طور کی دائیں جانب (تورات عطا فرمانے کا) وعدہ فرمایا، اور تم پر من اور سلویٰ نازل فرمایا O" (طٰہٰ:۸۰)

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

"یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ قَدۡ اَنۡجَیۡنٰکُمۡ مِّنۡ عَدُوِّکُمۡ وَ وٰعَدۡنٰکُمۡ جَانِبَ الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنَ وَ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکُمُ الۡمَنَّ وَ السَّلۡوٰی":
تفسیر میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ ان کو اپنے پاس سے کتاب عطا فرمائیں گے اور وہ کتاب تورات ہے۔ یعنی جب تم اپنی دائیں جانب اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر کی طرف متوجہ ہو گے اور یہ جانب سندھ کے قریب ہے اور مکہ اور یمن کی سمت پر ہے اور اس کتاب میں ان کے دین کا بیان ہے اور ان کی شریعت کی تفصیل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی دنیاوی نعمت کی منفعت بیان فرمائی یعنی اس کتاب کے نازل فرمانے کے بعد تم پر "الۡمَنَّ" کو نازل فرمایا یعنی ترنجبین کو اور "السَّلۡوٰی" کو نازل فرمایا اور وہ آسمانی پرندہ ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(ہم نے فرمایا:) ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں اور اس میں حد سے تجاوز نہ کرو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہو گا، اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ دوزخ میں گر گیا O" (طٰہٰ:۸۱)

"کُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰکُمۡ وَ لَا تَطۡغَوۡا فِیۡهِ فَیَحِلَّ عَلَیۡکُمۡ غَضَبِیۡ ۚ وَ مَنۡ یَّحۡلِلۡ عَلَیۡهِ غَضَبِیۡ فَقَدۡ هَوٰی":
یعنی تم اللہ تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے رزق میں سے حلال چیزوں کو کھاؤ۔ "وَ لَا تَطۡغَوۡا فِیۡهِ": یعنی تم حلال کے ساتھ حرام کو نہ ملاؤ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ تم ذخیرہ نہ کرو ورنہ اس کھانے میں کیڑے پڑ جائیں گے۔ اور جو ایسا کرے گا تو اس پر میرا غضب واجب ہو جائے گا۔ اور جس پر میرا غضب واجب ہو گیا تو وہ ہلاک ہو جائے گا، اس آیت میں "هَوٰی" کا ذکر ہے اور وہ جہنم میں ایک وادی ہے جس میں دوزخی چالیس سال تک گرتا رہے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور بے شک میں اس کے لیے ضرور بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر ہدایت پر قائم رہے O" (طٰہٰ:۸۲)

"وَ اِنِّیۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهۡتَدٰی": اور بے شک میں اس کے لیے ضرور بخشنے والا ہوں جو شرک سے توبہ کر لے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے اور فرائض اور واجبات کو ادا کرے۔

اس کے بعد فرمایا: "ثُمَّ اهۡتَدٰی": اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنے ایمان میں شک

نہ کرے۔ اور قتادہ سے منقول ہے کہ وہ ایمان پر مرے۔ سعید بن جبیر نے کہا کہ وہ السنۃ والجماعۃ کو لازم رکھے۔ اور بعض علماء نے کہا: وہ اخلاص کے ساتھ عمل کرے۔ ثابت البنانی نے کہا: وہ اہلِ بیت سے محبت رکھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) اے موسیٰ! آپ کو اپنی قوم سے پہلے کون سی چیز لے آئی؟O موسیٰ نے کہا: وہ میرے پیچھے آ رہے ہیں اور اے میرے رب! میں آپ کی بارگاہ میں اس لیے عجلت سے حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ مزید راضی ہو جائیں O" (طٰہٰ: ۸۳ـ۸۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب کے لیے عجلت سے حاضر ہونا

"وَمَاۤ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ یٰمُوْسٰى": یعنی اے موسیٰ! آپ تورات کو لینے کے لیے اپنی قوم سے پہلے کیوں آ گئے؟۔

"قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰۤى اَثَرِیْ وَ عَجِلْتُ اِلَیْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى": تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کو جواب دیتے ہوئے عرض کیا: وہ عنقریب میرے پیچھے آ رہے ہیں اور میں جو اُن سے پہلے آ گیا ہوں، یہ معمولی سی خطاء ہے۔ اور میرے اور اُن کے درمیان صرف تھوڑی سی مسافت ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ عجلت کرنا مذموم ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مذموم کام کیا؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دین میں کسی نیک کام کو جلدی کرنا مستحب ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَ سَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ۔۔۔ (آل عمران: ۱۳۳)" (اور تم اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت (کے حصول) کی طرف جلدی کرو جس جنت کی چوڑائی تمام آسمان اور زمینیں ہیں، جس کو اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار فرمایا گیا ہے)۔

اس آیت میں فرمایا ہے "لِتَرْضٰى" یعنی اے میرے رب! میں نے آپ کی طرف آنے میں عجلت اس لیے کی ہے تاکہ آپ راضی ہو جائیں۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر پہلے راضی نہیں تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے دائماً راضی رہیں یا اُن کی رضا زیادہ ہو جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فرمایا: ہم نے آپ کے آنے کے بعد آپ کی قوم کو آزمائش میں ڈال دیا اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا O" (طٰہٰ: ۸۵)

سامری کا تذکرہ اور اس کا بنی اسرائیل کو گمراہ کرنا

"قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ": یعنی جب آپ بنی اسرائیل سے جدا ہوئے تو ہم نے ان کو فتنہ میں مبتلا فرما دیا اور یہ وہ لوگ تھے جن پر حضرت ہارون علیہ السلام خلیفہ تھے اور ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ اور اُن میں سے بچھڑے کی عبادت کرنے سے صرف بارہ ہزار محفوظ رہے۔ اور اُن کو سامری نے بچھڑے کی عبادت کی طرف بلا کر گمراہ کیا تھا۔ پس بعض لوگوں نے سامری کی بات مان لی اور بعض لوگوں نے انکار کیا۔ اور سامری کا لفظ بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ کی طرف منسوب ہے جن کو السامرہ کہا جاتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جو گائے اور بیل کی عبادت کرتے تھے اور بنی اسرائیل کے پڑوسی تھے اور بنی

اسرائیل میں سے نہیں تھے، اور سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا اور وہ منافق تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس موسیٰ سخت غصے اور افسوس کے ساتھ اپنی قوم کی طرف لوٹے، موسیٰ نے کہا: اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے (تورات کی عطا کا) اچھا وعدہ نہیں فرمایا تھا؟ کیا اس عہد کے اوپر بہت لمبی مدت گزر گئی تھی یا تم یہ ارادہ کر چکے تھے کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو، سو تم نے میرے وعدہ کی خلاف ورزی کی O'' (طٰہٰ: ۸۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے پاس تاخیر سے واپس آنا

''فَرَجَعَ مُوسٰى إِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ يٰقَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا'': جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم فتنہ میں مبتلا ہوئی تو وہ بہت سخت غم اور غصہ میں اپنی قوم کی طرف لوٹے اور کہا: اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا، یعنی یہ وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ تم پر کتاب نازل فرمائیں گے اور تم کو فرعون سے اور اس کی قوم سے نجات عطا فرمائیں گے۔ ''أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ'': کیا میں نے آنے کا جو وقت بتایا تھا، کیا اس وقت پر زیادہ مدت گزر گئی تھی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ چالیس دن کے بعد لوٹ آئیں گے، پھر جب بیس دن گزر گئے تو بنی اسرائیل نے دن کے بیس اور رات کے بیس دن گنے اور کہا کہ وعدہ پورا ہو گیا۔

''أَمْ أَرَدْتُّمْ أَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ'': یعنی تم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ تم ایسا کام کرو کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واجب ہو جائے۔ ''فَأَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ'': پس تم نے مجھ سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''انہوں نے کہا: ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی لیکن ہم پر قوم فرعون کے زیورات لاد دیے گئے تھے جن کو ہم نے (آگ میں) ڈال دیا تھا، اسی طرح سامری نے بھی آگ میں (کچھ) ڈال دیا تھا O'' (طٰہٰ: ۸۷)

''قَالُوْا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ'': انہوں نے کہا: ہم نے اپنے اختیار سے آپ سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی کیونکہ اگر سامری ہم کو گمراہ نہ کرتا تو ہم وعدہ کی خلاف ورزی نہ کرتے، یہ اُن لوگوں کا قول ہے جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی اور اس سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ ہمارے دلوں میں شبہ نہ ڈالتا تو ہم ایسا نہ کرتے۔

بنی اسرائیل نے ایک شادی یا عید کے سبب سے فرعون کی قوم سے بھاری زیورات مستعار لیے، پھر جب وہ مصر سے جانے لگے تو انہوں نے وہ زیورات فرعون کی قوم کو واپس نہیں کیے، ان کو یہ خوف تھا کہ اگر انہوں نے یہ زیورات فرعون کی قوم کو واپس کیے تو انہیں بنی اسرائیل کا پتا چل جائے گا۔

''فَكَذٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ'': روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اُن کے رب نے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ اُن سے کلام فرمائیں گے، پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم پر اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنایا اور تیس دن کی مدت مقرر

کی، پھر وہ گئے اور دن اور رات روزے رکھتے رہے، پھر انہوں نے اس کو ناپسند کیا کہ وہ اپنے رب سے ہم کلام ہوں اور ان کی منہ کی بو متغیر ہو، پھر زمین کی کوئی چیز لے کر انہوں نے اپنے منہ کو صاف کیا، تب ان کے رب عزوجل نے ارشاد فرمایا: کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے، آپ واپس جائیں اور دس دن اور روزے رکھیں۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے دیکھا کہ ابھی تک حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس نہیں آئے تو ان کو اس پر غم ہوا اور جب حضرت جبریل علیہ السلام سمندر عبور کرنے کے لیے گھوڑی پر سے گزرے تو سامری نے حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے قدم کے نیچے سے مٹی اٹھالی اور اس کو اپنی مٹھی میں رکھ لیا، حضرت ہارون علیہ السلام اس کے پاس سے گزرے تو اس سے کہا: اے سامری! جو تمہارے ہاتھ میں ہے تم اس کو پھینک دو تو سامری نے کہا: یہ اس رسول کا اثر ہے جس کے ساتھ تم نے سمندر کو عبور کیا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”پس سامری نے اُن (پگھلے ہوئے زیورات) سے بنی اسرائیل کے لیے بچھڑے کا جسم ڈھالا جس سے گائے کی طرح آواز نکلتی تھی، پس اُن لوگوں نے کہا: یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے جسے موسیٰ بھول چکے ہیں O“ (طٰہٰ: ۸۸)

بچھڑے سے آواز نکلنے کی توجیہ

”فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ“: اور اس قصہ میں مذکور ہے کہ جب آگ خالص ہوگئی تو اس سے سونے اور چاندی کے زیورات ڈھال دیے گئے اور سامری آیا اور اس نے حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم کے نشان سے مٹی اٹھالی تو اس نے ان ڈھلے ہوئے زیورات سے ایک بچھڑا بنایا اور اس میں وہ مٹی ڈال دی تو وہ بچھڑا آواز نکالنے لگا۔

اس آیت میں ”جَسَدًا“ کا لفظ ہے، جسد کا معنی ہے: بغیر سر کا جسم۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایسا جسم جو نہ کسی کو نقصان پہنچا سکے اور نہ نفع دے سکے۔ خلیل نے کہا: عرب ہر اس کو جو نہ کھائے اور نہ پیے جسد کہتے ہیں اور وہ بچھڑا نہ کھاتا تھا اور نہ پیتا تھا اور چیختا تھا۔ اور اس آیت میں ”خُوَارٌ“ کا لفظ ہے، اس کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر اس پر متفق ہیں کہ یہ زندہ بچھڑے کی آواز ہے اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، قتادہ اور ایک جماعت کا قول ہے۔ اور مجاہد نے کہا: کہ ہوا اس کے پیٹ میں داخل ہوتی تھی اور نکلتی تھی اور اس ہوا کے دخول اور خروج کی آواز کو ”خُوَارٌ“ فرمایا ہے۔

”فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِیَ“: اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود ہے، موسیٰ اس کو یہاں چھوڑ گئے اور خود اس کو طلب کرنے کے لیے چلے گئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سامری اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا بھول گیا اور اس نے اس کو چھوڑ دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہیں یہ بتانا بھول گئے کہ یہ بچھڑا تمہارا معبود ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”کیا وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ وہ بچھڑا اُن کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا تھا اور نہ وہ انہیں کسی نقصان یا نفع پہنچانے کا مالک تھا O“ (طٰہٰ: ۸۹)

بچھڑے کے معبود ہونے کا ابطال

"اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّ لَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا": کیا وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور جو خدا ہو وہ گونگا نہیں ہوتا۔ اور وہ اُن کے لیے کسی نقصان کا مالک نہیں تھا جس وجہ سے وہ اس سے ڈرتے جیسے وہ فرعون سے ڈرتے تھے۔ اور نہ وہ بچھڑا اُن کے لیے کسی نفع کا مالک تھا کہ کسی نفع کی توقع پر وہ اس کی عبادت کرتے۔

(تفسیر القرآن للسمعانی، ج ۳ص ۳۳۳-۳۳۹، دار الوطن بیروت، ۱۴۱۸ھ، السراج المنیر، ج ۳ص ۱۸۷-۱۹۳، دار احیاء التراث العربی۔ بیروت)

وَ لَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَ اَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ ﴿۹۰﴾

اور بے شک ہارون نے ان لوگوں سے پہلے ہی کہہ دیا تھا: اے میری قوم! تم اس بچھڑے کی وجہ سے صرف آزمائش میں مبتلاء کیے گئے ہو، بے شک تمہارے رب رحمٰن ہیں، پس تم میری پیروی کرو اور میرے حکم پر عمل کرو O

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰى یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾

انھوں نے کہا: ہم اسی بچھڑے کی عبادت پر ڈٹے رہیں گے حتیٰ کہ موسیٰ ہمارے پاس لوٹ کر آجائیں O

قَالَ یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْۤا ﴿۹۲﴾

موسیٰ نے کہا: اے ہارون! جب آپ نے ان کو گمراہی میں مبتلاء دیکھا تو آپ کو کس چیز نے روکا O

اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ ﴿۹۳﴾

کہ آپ میری پیروی کرتے (یعنی میرے پیچھے چلے آتے)، کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی O

قَالَ یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَ لَا بِرَاْسِیْ ۚ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ﴿۹۴﴾

ہارون نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! نہ میری ڈاڑھی پکڑیے اور نہ میرے سر کے بال، مجھے یہ خوف ہوا کہ آپ کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کا انتظار نہیں کیا O

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ یٰسَامِرِیُّ ﴿۹۵﴾

موسیٰ نے کہا: اے سامری تو بتا تو کیا کہتا ہے؟ O

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ

سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ ﴿۹۶﴾

سامری نے کہا: میں نے وہ دیکھا تھا جو ان لوگوں نے نہیں دیکھا تھا، پس میں نے جبریل کی گھوڑی کے نقش قدم سے مٹی کی ایک مٹھی اٹھالی، پھر اس کو بچھڑے کے جسم میں ڈال دیا اور اسی طرح میرے دل نے مجھے بات سجھائی تھی ○

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَ اِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾

موسیٰ نے کہا: پس تو دفع ہو جا (تیری سزا یہ ہے) کہ تو زندگی بھر یہ کہتا رہے گا: مجھے نہ چھونا، بے شک تیرے لیے عذاب کی وعید ہے جس کی تجھ سے ہرگز خلاف ورزی نہیں کی جائے گی، اور تو اپنے خود ساختہ معبود کی طرف دیکھ جس کی عبادت پر تو جم کر بیٹھا ہوا تھا، ہم ضرور بہ ضرور اس کو جلا دیں گے، پھر اس راکھ کو اڑا کر سمندر میں بکھیر دیں گے ○

اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

(پھر بنی اسرائیل سے کہا:) تمہارے حقیقی معبود وہ ہیں جن کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، ان کا علم ہر چیز کو محیط ہے ○

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَ قَدْ اٰتَیْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ۖ

(اے رسول اکرم!) ہم آپ کے سامنے پچھلی قوموں کے قصوں کی چند خبریں بیان فرماتے ہیں، اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ذکر (قرآن) عطا فرمایا ہے ○

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ۙ

جو لوگ اس سے روگردانی کریں گے، پس وہ قیامت کے دن (گناہوں کا) بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے ○

خٰلِدِیْنَ فِیْهِ ؕ وَ سَآءَ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ۙ

وہ اس کے عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور وہ قیامت کے دن ان کے لیے بہت برا بوجھ ہوگا ○

یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَىٕذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ۚۖ

جس دن صور میں پھونکا جائے گا اور ہم اس دن مجرموں کو اس حال میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں (دہشت سے) نیلی ہوں گی ○

یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾

وہ ایک دوسرے سے چپکے چپکے کہیں گے کہ تم دنیا میں صرف دس دن رہے تھےO

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا ۠

ہم اُن کی باتوں کو بہ خوبی جانتے ہیں، جب اُن میں سے سب سے عمدہ رائے والا کہے گا: "تم تو صرف ایک دن ٹھہرے تھے"O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور بے شک ہارون نے ان لوگوں سے پہلے ہی کہہ دیا تھا: اے میری قوم! تم اس بچھڑے کی وجہ سے صرف آزمائش میں مبتلاء کیے گئے ہو، بے شک تمہارے رب رحمٰن ہیں، پس تم میری پیروی کرو اور میرے حکم پر عمل کروO" (طٰہٰ: ۹۰)

بچھڑے کی پرستش کی وجہ سے بنی اسرائیل کو سرزنش

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، طٰہٰ: ۹۰ تا ۱۰۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَ لَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَ اَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ":
اور ہارون نے موسیٰ کے آنے سے پہلے بنی اسرائیل سے کہا تھا: اے میری قوم! اس بچھڑے کی وجہ سے تم آزمائش میں مبتلاء کیے گئے ہو، اور بے شک تمہارے رب رحمٰن ہیں، یہ بچھڑا تمہارا رب نہیں ہے۔

یعنی تمہارے ایمان کی صحت، صدق اور ثابت قدمی کی اس بچھڑے سے آزمائش کی گئی ہے جس کی یہ موجودہ شکل وصورت خلاف عادت ہے اور تمہارے رب صرف رحمٰن ہیں جن کا فضل اور ان کی نعمت سب کو شامل ہے خواہ وہ نیکوکار ہو یا بدکار ہو۔ پس اس سے پہلے کہ اس بچھڑے کی عبادت کی وجہ سے یہ نعمتیں تم سے چھن جائیں تم اس بچھڑے کی عبادت سے توبہ کرلو اور میری پیروی کرو اور میرے حکم پر عمل کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "انہوں نے کہا: ہم اسی بچھڑے کی عبادت پر ڈٹے رہیں گے حتیٰ کہ موسیٰ ہمارے پاس لوٹ کر آجائیںO" (طٰہٰ: ۹۱)

حضرت ہارون علیہ السلام کا بنی اسرائیل پر سختی نہ کرنا

"قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰى یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰى": حضرت ہارون علیہ السلام نے جب ان کو بچھڑے کی عبادت کرنے سے منع کیا تو ان لوگوں نے حضرت ہارون علیہ السلام سے لڑنے کا ارادہ کیا، اور ان کا بڑا گمراہ ہو چکا تھا۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس ایسا کوئی نہیں تھا جس کی وجہ سے ان کو طاقت حاصل ہوتی، پس حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ خطرہ ہوا کہ اب ان سے جہاد کرنا پڑے گا حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو گمراہوں سے جہاد کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تھا: "وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ۔" (الاعراف: ۱۴۲) "(اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا اور اُن کو (مزید) دس راتوں کے بعد پورا فرمایا، پس اُن کے رب کی مقرر کردہ مدت چالیس راتوں میں پوری ہوگئی، اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: میری

قوم میں میرے نائب (بن کر) رہو اور (ان کی) اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کے طریقہ پر نہ چلنا)۔

پس حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ ان کی اصلاح کی صورت یہ ہے کہ وہ اُن سے الگ رہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا یہ کہنا ان کی اپنے اوپر بھی شفقت تھی اور مخلوق کے اوپر بھی شفقت تھی، ان کے اپنے اوپر شفقت یوں تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم فرمایا تھا کہ نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور ان کے بھائی کی طرف سے ان کو یہ حکم تھا کہ میری قوم میں اصلاح فرمائیں، پس اگر وہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں مشغول نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کے مرتکب ہوتے۔ اور اگر اپنی قوم سے جھگڑا کرتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو فرمایا تھا کہ "قوم میں اصلاح کرنا" اس کی مخالفت کے مرتکب ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون کی طرف وحی فرمائی تھی کہ میں تمہاری قوم میں سے چالیس ہزار نیک لوگوں کو ہلاک فرمانے والا ہوں اور دو لاکھ بدکاروں کو ہلاک فرمانے والا ہوں، حضرت یوشع بن نون نے عرض کیا: اے میرے رب! آپ ان بدکاروں کو تو ہلاک فرمائیں گے تو نیکوکاروں کو کیوں ہلاک فرمائیں گے؟ فرمایا: کیونکہ وہ میرے غضب کی وجہ سے غضب میں نہیں آئے۔

حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص صبح کو اٹھا اور اس نے غیر اللہ کا ارادہ کیا ہوا تھا تو اس کا اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی حصہ نہیں ہے۔ الحدیث۔ (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۳ ص ۴۸)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت و محبت کا معاملہ کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ لطف و نرم خوئی میں ایک جسم جیسا پاؤ گے، جب اس جسم کا کوئی جز بھی تکلیف میں ہوتا ہے تو سارا جسم تکلیف میں ہوتا ہے اور اس کی ساری رات بیداری میں اور بخار میں گزرتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۰۱۱، صحیح مسلم: ۲۵۸۶، مسند احمد: ۱۷۹۰۷)

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ الاسلمی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں گھر سے نکلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے تھے اور ایک چھوٹا بچہ رو رہا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس بچہ کو اپنے ساتھ چمٹاؤ، کیونکہ یہ گم ہو چکا ہے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے ساتھ چمٹایا، پس جس وقت کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے تو اس کی ماں روتے ہوئے آئی اور کہہ رہی تھی: ہائے میرے بیٹے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس عورت کو بلاؤ، یہ اس بچہ کی ماں ہے اور اس کا سر برہنہ تھا، اس پر کوئی دوپٹہ نہیں تھا، کیونکہ وہ اپنے بیٹے سے جدائی کے غم میں تھی، پس وہ عورت آئی اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گود سے بچہ کو لے لیا اور وہ رو رہی تھی، پھر وہ آپ کی طرف متوجہ ہوئی، پس جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہا: ہائے افسوس! کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دیکھتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچہ پر رحم کرنے والی ہے، تو آپ کے اصحاب نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! اس کی اپنے بچہ پر رحمت بہت زیادہ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد کی جان ہے! اللہ مومن پر اس سے زیادہ رحم فرماتے ہیں جتنا یہ عورت اپنے بچہ پر رحم کرتی ہے۔

(المنتخب من مسند عبد بن حمید: ۵۳۰، مکتبہ ابن عباس، المنصورہ، ۱۴۳۰ھ، المطالب العالیہ ج ۷ ص ۲۸۷، رقم: ۳۰۹۴، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۱۳)

حضرت ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو نصیحت کرنے میں عمدہ طریقہ سے امر فرمایا، کیونکہ پہلے انہوں نے بنی اسرائیل کو باطل پر زجر و توبیخ کی اور کہا: "اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ" (تم اس بچھڑے کی وجہ سے صرف آزمائش میں مبتلاء کیے گئے ہو)، پھر دوسری بار اُن کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی دعوت دی، پس کہا: "اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ" (بے شک تمہارے رب رحمٰن ہیں)۔ اور تیسری بار اُن کو نبوت کی پیروی کی دعوت دی، پس کہا: "فَاتَّبِعُوْنِیْ" (پس تم میری پیروی کرو)، اور چوتھی بار ان کو شریعت پر عمل کرنے کی دعوت دی اور کہا: "وَ اَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ" (اور میرے حکم پر عمل کرو)۔ اور یہ بہت عمدہ ترتیب ہے، کیونکہ ہر کام سے پہلے راستہ سے ایذا دینے والی چیز کو ہٹانا چاہیے، اور شبہات کا ازالہ کرنا چاہیے، پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت ہونی چاہیے، کیونکہ وہی اصل ہیں، پھر نبوت کو ماننا چاہیے، پھر شریعت پر عمل کرنا چاہیے، پس واضح ہوا کہ یہ نہایت بہترین ترتیب تھی، کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام نے پہلے ان کو باطل سے زجر و توبیخ کی، پھر انہیں اللہ تعالیٰ کو یاد دلایا اور پھر شریعت پر عمل کی دعوت دی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "موسیٰ نے کہا: اے ہارون! جب آپ نے ان کو گمراہی میں مبتلاء دیکھا تو آپ کو کس چیز نے روکا ○ کہ آپ میری پیروی کرتے (یعنی میرے پیچھے چلے آتے)، کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی ○" (طٰہٰ: ۹۲_۹۳)

"قَالَ یٰہٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْۤا ۙ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ": پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام لوٹ کر آئے تو انہوں نے کہا: اے ہارون! آپ نے ان کو بچھڑے کی عبادت سے کیوں نہیں روکا، اس آیت کا معنی ہے: آپ کو میری اتباع کرنے سے کس چیز نے روکا، اور اس آیت میں "لَا" زائد ہے اور اس کے معنی میں تین اقوال ہیں: (۱) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ اپنے ساتھ مومنین کو لے کر میرے پیچھے آجاتے اور ان لوگوں سے الگ ہو جاتے۔ (۲) ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ ان سے جنگ کرتے۔ (۳) مقاتل نے کہا کہ آپ بچھڑے کی پرستش پر اُن کا رد کرتے۔ "اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ": کیا میں نے جو آپ کو وصیت کی تھی کہ آپ میری قوم میں خلیفہ بن جائیں اور اُن کی اصلاح کریں تو آپ نے اس حکم میں میری مخالفت کی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ہارون نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! نہ میری ڈاڑھی پکڑیئے اور نہ میرے سر کے بال، مجھے یہ خوف ہوا کہ آپ کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کا انتظار نہیں کیا ○" (طٰہٰ: ۹۴)

حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے اور ڈاڑھی کے بال پکڑنے کی توجیہ

"قَالَ یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَ لَا بِرَاْسِیْ ۚ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ": مفسرین نے کہا ہے کہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کے سر کے بالوں اور ڈاڑھی کے بالوں کو غصہ سے پکڑا۔

حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام بنی اسرائیل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے

زیادہ مہربان تھے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جلد غصہ میں آجاتے تھے، یہاں پر یہ سوال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اپنے بڑے بھائی کے سر کے بالوں اور ڈاڑھی کے بالوں کو پکڑنا کیسے جائز ہوا؟

علماء نے اس کی حسب ذیل تاویلات کی ہیں:

(۱) اس زمانہ میں کسی کے سر کے بالوں اور اس کی ڈاڑھی کے بالوں کو اکرام اور تعظیم سے پکڑنا جائز تھا اور ان کا یہ عمل توہین کے ارادہ سے نہ تھا (۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ اس لیے کیا کہ تورات کی تختیوں کا نزول بنی اسرائیل سے مخفی رکھا جائے، کیونکہ ان کا ارادہ یہ تھا کہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے ان تختیوں کو ظاہر نہ کیا جائے تو حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا کہ آپ میرے سر کے بالوں اور ڈاڑھی کے بالوں کو نہ پکڑیں ورنہ بنی اسرائیل پر یہ مخفی چیز ظاہر ہو جائے گی۔ (۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ غضب اللہ عزوجل کے لیے تھا اور بنی اسرائیل سے اس لیے سکوت فرمایا کہ وہ لڑ پڑیں گے اور متفرق ہو جائیں گے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا: مجھے یہ خوف تھا کہ اگر میں ان سے الگ ہو گیا اور آپ کے پیچھے چلا گیا تو آپ یہ کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ یعنی میرے پیچھے آکر اور اپنے ساتھ مومنین کو لا کر تم نے بنی اسرائیل کے دو فرقے بنا دیئے۔ اور تم نے میرے اس قول کا انتظار نہیں کیا کہ میری قوم میں خلیفہ بن جائیں اور اصلاح کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''موسیٰ نے کہا: اے سامری تو بتا تو کیا کہتا ہے؟○ سامری نے کہا: میں نے وہ دیکھا جو ان لوگوں نے نہیں دیکھا تھا، پس میں نے جبریل کی گھوڑی کے نقش قدم سے مٹی کی ایک مٹھی اٹھالی، پھر اس کو بچھڑے کے جسم میں ڈال دیا اور اسی طرح میرے دل نے مجھے بات سجھائی تھی○ موسیٰ نے کہا: پس تو دفع ہو جا (تیری سزا یہ ہے) کہ تو زندگی بھر یہ کہتا رہے گا: مجھے نہ چھونا، بے شک تیرے لیے عذاب کی وعید ہے جس کی تجھ سے ہرگز خلاف ورزی نہیں کی جائے گی، اور تو اپنے خود ساختہ معبود کی طرف دیکھ جس کی عبادت پر توجم کر بیٹھا ہوا تھا، ہم ضرور بہ ضرور اس کو جلا دیں گے، پھر اس راکھ کو اڑا کر سمندر میں بکھیر دیں گے○''

(طٰہٰ: ۹۵-۹۷)

السامری کا تذکرہ

''قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ'': پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تو نے یہ جو کچھ کارروائی کی اس کا کیا سبب ہے؟ اس آیت میں ''السامری'' کا لفظ ہے، اور السامری کے معنی میں دو قول ہیں، وہب بن منبہ نے کہا کہ سامری کا نام بھی موسیٰ تھا اور وہ حضرت موسیٰ بن عمران کے چچا کا بیٹا تھا، اور ابن السائب نے کہا: اس کا نام ''میخا'' تھا۔ اور آیا وہ بنی اسرائیل میں سے تھا یا نہیں، اس کے متعلق دو قول ہیں (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ بنی اسرائیل میں سے نہیں تھا (۲) اور قتادہ نے کہا: وہ بنی اسرائیل کے بڑے لوگوں میں سے تھا اور اس قبیلہ میں سے تھا جس کا نام سامرہ تھا۔

سامری کے شہر کے متعلق بھی دو قول ہیں: (۱) سعید بن جبیر نے کہا: اس کا شہر کرمان تھا (۲) وہب بن منبہ نے کہا: اس کا شہر

"باجرا" تھا۔

"قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ": ابوعبیدہ نے اس کے معنی میں بیان کیا کہ میں نے اس کو جان لیا جس کو ان لوگوں نے نہیں جانا۔ مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا: وہ کیا چیز تھی جس کو تم نے جانا اور لوگوں نے نہیں جانا، اس نے کہا کہ میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ایک گھوڑی پر دیکھا تو میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ میں اس گھوڑی کے پیروں کے نیچے سے مٹی اٹھالوں اور اپنی مٹھی میں بھرلوں۔

"فَنَبَذْتُهَا": پس میں نے اس خاک کی مٹھی کو بچھڑے میں ڈال دیا اور اسی طرح میرے دل نے یہ بات مزین کی تھی۔

اس آیت میں مذکور ہے "مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ "۔ عامۃ المفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں "الرَّسُوْلِ " سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور "اَثَرِ " سے مراد وہ مٹی ہے جس کو سامری نے گھوڑی کے پیر کے نیچے سے اٹھایا تھا، جس دن اس نے حضرت جبریل علیہ السلام کو گھوڑی پر سوار دیکھا تھا جب سمندر کو چیرا گیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور کی طرف لے جائیں تو السامری نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھ لیا، اس میں اختلاف ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنے کے ساتھ سامری کیسے مخصوص ہوا اور اس نے کیسے پہچان لیا کہ یہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ کلبی نے کہا: اس نے اس لیے حضرت جبریل علیہ السلام کو پہچان لیا تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے سامری کی بچپن میں پرورش کی تھی اور جب فرعون نے یہ حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کر دیا جائے، اس وقت انہوں نے سامری کی حفاظت کی تھی۔ اور جب کسی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو وہ اپنے بچہ کو ایک طرف ڈال دیتی تاکہ فرعون کے متبعین کو پتا نہ چلے۔ پس فرشتے اس بچہ کو پکڑ لیتے اور ان کی پرورش کرتے حتیٰ کہ وہ بچے بڑے ہو جاتے اور لوگوں سے ملنے جلنے لگتے، پس سامری بھی اُن لوگوں میں سے تھا جن کو حضرت جبریل علیہ السلام نے پکڑ لیا تھا اور اس کے منہ میں اپنا ہاتھ ڈال دیا تھا اور سامری نے ان کے ہاتھ سے شہد اور دودھ کو پیا تھا، پھر یونہی حضرت جبریل علیہ السلام سامری کے پاس آتے رہے حتیٰ کہ سامری نے حضرت جبریل علیہ السلام کو پہچان لیا، پس جب اس نے حضرت جبریل علیہ السلام کو سمندر چیرنے کے دن دیکھا تو ان کو پہچان لیا۔ ابن جریج نے کہا: اسی وجہ سے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ " یعنی میں نے اس کو دیکھا ہے جس کو تم نے نہیں دیکھا۔

اور جن مفسرین نے دیکھنے کی تفسیر علم کے ساتھ کی ہے وہ بھی صحیح ہے اور اس کا اب معنی یوں ہوگا کہ میں نے جان لیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے پیر کے نیچے کی مٹی کی زندہ کرنے میں تاثیر اور خاصیت ہے، اس لیے میں نے وہ مٹی اٹھا کر بچھڑے میں ڈال دی۔

ابو مسلم نے اس روایت کا رد کیا ہے، کیونکہ اگر سامری نے حضرت جبریل علیہ السلام کو پہچان لیا تھا تو ضروری تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی پہچان لیتا کہ یہ نبی صادق ہیں، پھر وہ ان کے دین سے گمراہ کیوں ہوتا؟

"قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَ اِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ":

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تو ہمارے درمیان سے نکل جا، پس جب تک تو زندہ رہے گا تو یہی کہتا رہے گا کہ مجھے مت چھو اور

میں تمہیں چھوؤں گا۔ پھر سامری جنگلوں میں وحشی جانوروں اور درندوں کے ساتھ رہتا تھا، کوئی شخص اس کو نہ چھوتا تھا اور نہ مس کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے جرم کی سزا دی اور اس کو یہ الہام فرمایا کہ وہ کہا کرے: مجھے مت چھونا، جب کوئی شخص اس سے ملتا تو وہ کہتا: مجھے مت چھوؤ اور میرے قریب نہ آؤ۔ اور یہ بھی حکایت ہے کہ جو سامری کو چھو لیتا تو اس کو اسی وقت بخار چڑھ جاتا۔ اور بے شک میں نے قیامت کے دن تیرا عذاب مقرر فرما رکھا ہے اور تو اس عذاب سے بھاگ نہیں سکتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(پھر بنی اسرائیل سے کہا:) تمہارے حقیقی معبود وہ ہیں جن کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، ان کا علم ہر چیز کو محیط ہے O'' (طٰہٰ: ۹۸)

''اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا'': یعنی تمہارے معبود وہ ہیں جو سب کی عبادت کے مستحق ہیں نہ کہ بچھڑا۔ ان کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ پس ہر چیز اُن کی محتاج ہے اور وہ ہر چیز سے غنی ہیں، اور جس بچھڑے کی بنی اسرائیل نے عبادت کی تھی، وہ کسی وجہ سے بھی الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) ہم آپ کے سامنے پچھلی قوموں کے قصوں کی چند خبریں بیان فرماتے ہیں، اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ذکر (قرآن) عطا فرمایا ہے O'' (طٰہٰ: ۹۹)

''كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا'': یعنی اے رسولِ اکرم صلی اللہ علیک وسلم! جس طرح ہم نے آپ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کی خبر نازل فرمائی ہے، اسی طرح ہم آپ پر پچھلی قوموں کی خبریں نازل فرمائیں گے اور اس آیت میں ذکر سے مراد قرآن مجید ہے اور قرآنِ مجید کو ذکر حسبِ ذیل وجوہ سے فرمایا ہے:

(۱) اس کتاب میں اُن تمام چیزوں کا ذکر ہے جن کی لوگ اپنے دین اور دنیا کی اصلاح میں محتاج ہوتے ہیں۔

(۲) اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کی متعدد انواع اور اقسام بیان فرمائی ہیں، اور اس کتاب میں تذکیر ہے یعنی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلائی ہے اور اس میں نصیحت ہے۔

(۳) اور اس کتاب میں آپ کا اور آپ کی قوم کا شرف ہے، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۔(الزخرف: ۴۴)'' (اور بے شک قرآن آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے عظیم شرف ہے اور تم سب سے اس کا شکر ادا کرنے کے متعلق پوچھا جائے گا)۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ہر جس کتاب کو نازل فرمایا اس کو ذکر فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔(النحل: ۴۳)'' (سوائے کافرو! اگر تم نہیں جانتے تو (قرآن کے) علم والوں سے پوچھ لو)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو لوگ اس سے روگردانی کریں گے، پس وہ قیامت کے دن (گناہوں کا) بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے O'' (طٰہٰ: ۱۰۰)

''مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا'': الزجاج نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کے گناہوں کا بوجھ بہت بڑا ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ اس کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے، اور وہ قیامت کے دن ان کے لیے بہت برا بوجھ ہوگا O'' (طٰہٰ:۱۰۱)

''خٰلِدِیْنَ فِیْهِ ؕ وَ سَآءَ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حِمْلًا'': اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اس بوجھ کو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس دن صور میں پھونکا جائے گا اور ہم اس دن مجرموں کو اس حال میں جمع کریں گے کہ اُن کی آنکھیں (دہشت سے) نیلی ہوں گی O'' (طٰہٰ:۱۰۲)

''یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَىٕذٍ زُرْقًا'': یعنی جس دن دوسری مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا اور ہم کافروں کو اس حال میں اٹھائیں گے کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے اور آنکھیں نیلی ہوں گی، کیونکہ اہل عرب کے نزدیک آنکھوں کے رنگ میں سب سے مبغوض رنگ نیلا رنگ ہے، کیونکہ رومی ان کے دشمن ہیں اور ان کی آنکھیں نیلی ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اندھے ہوں گے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ پیاسے ہوں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ ایک دوسرے سے چپکے چپکے کہیں گے کہ تم دنیا میں صرف دس دن رہے تھے O'' (طٰہٰ:۱۰۳)

''یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا'': وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کریں گے، کیونکہ خوف اور دہشت سے ان کی آواز بہت پست ہوگی، وہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ تم دنیا کے ایام میں سے دنیا میں کتنے دن رہے ہو؟ تو وہ کہیں گے: دس دن رہے ہیں اور یہاں دنوں کو کم کر کے بتائیں گے نہ کہ بہ طور تحدید بتائیں گے۔ اور ان کی مراد کس جگہ ٹھہرنے کے متعلق ہے تو اس میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ تم قبروں میں کتنی مدت رہے ہو۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ تم موت کے بعد صرف دس دن رہے ہو، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ دو بار صور میں پھونکنے کی مدت کے متعلق سوال کریں گے اور وہ چالیس سال ہے۔ پس اس وقت ان سے عذاب میں کمی فرمادی جائے گی تو وہ اپنے ٹھہرنے کی مدت کو قیامت کی ہولناکی اور دہشت کی وجہ سے کم بیان کریں گے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی مراد یہ ہوگی کہ دنیا میں کتنی مدت رہے۔

کیونکہ راحت کی مدت خوف کی مدت کے مقابلہ میں بہت کم ہوتی ہے اور خوشی کے ایام بہت کم ہوتے ہیں، یا وہ دس دن اس لیے کہیں گے کہ خوف اور دہشت کے غلبہ کی وجہ سے ان کو صحیح مدت یاد نہیں رہے گی۔ یا اس وجہ سے کہ آخرت کی مدت دنیا کی عمر کے اعتبار سے بہت زیادہ ہوگی۔ اور دنیا کی مدت آخرت کے مقابلہ میں بہت کم ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ ○ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّیْنَ ○'' (المومنون:۱۱۲۔۱۱۳) (اللہ فرمائیں گے: تم زمین میں کتنے سال رہے ہو؟ O کہیں گے: (صحیح یاد نہیں) ہم وہاں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے، لہٰذا آپ اعمال کی گنتی کرنے والے فرشتوں سے دریافت فرمائیں O)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ہم اُن کی باتوں کو بہ خوبی جانتے ہیں، جب اُن میں سے سب سے عمدہ رائے والا

کہے گا: "تم تو صرف ایک دن ٹھہرے تھے O" (طٰہٰ: ۱۰۴)

"نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا": اور ہم ان سب سے زیادہ اس دن کے متعلق جاننے والے ہیں، یعنی انہوں نے جس طرح بتایا ہے اس طرح نہیں ہے۔ یعنی دنیا میں ان میں سے سب سے زیادہ عقل والا اور سب سے زیادہ سمجھدار یہ کہے گا کہ تم صرف ایک دن رہے ہو، اور لوگ دنیا میں اپنے ٹھہرنے کی مدت کو قیامت کی ہولنا کیوں اور دہشت کی وجہ سے بھول جائیں گے۔ اور یا دنیا میں راحت اور مسرت کے ساتھ گزارے ہوئے ایام آخرت کی مصیبت کے ایام کے مقابلہ میں بہت کم معلوم ہوں گے، یا صرف دس دن معلوم ہوں گے یا صرف ایک دن معلوم ہوگا۔

(زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۳ ص ۱۷۲۔۱۷۵، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ، السراج المنیر ج ۳ ص ۱۹۳۔۲۰۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

وَ یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾

اور کفار آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے: میرے رب ان پہاڑوں کو غبار بنا کر اڑا دیں گے O

فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾

اور زمین کو چٹیل میدان بنا کر چھوڑ دیں گے O

لَّا تَرٰى فِیْهَا عِوَجًا وَّ لَاۤ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾

جس میں آپ نہ کوئی کجی دیکھیں گے اور نہ بلندی O

یَوْمَىٕذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗۚ وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾

اس دن سب لوگ ایک پکارنے والے کے پیچھے جائیں گے اور اس سے انحراف نہیں کریں گے اور رحمٰن کے سامنے تمام آوازیں پست ہو جائیں گی، اور تم ہلکی آواز کے سوا کچھ نہیں سن سکو گے O

یَوْمَىٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾

جس دن کسی کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر جس کو رحمٰن نے اجازت دی ہو اور اس کے کلام کو پسند فرمایا ہو O

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾

وہ لوگوں کے سامنے کے اور پیچھے کے تمام حالات کو جانتے ہیں اور لوگ اُن کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے O

وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾

اور تمام چہرے ان کے سامنے جھک جائیں گے جو ہمیشہ زندہ رہنے والے، ہمیشہ قائم رہنے والے ہیں، اور جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا ہوا ہوگا وہ نامراد رہے گا O

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾

اور جس نے نیک عمل کیے ہوں گے بہ شرطیکہ وہ مومن ہو، اس کو نہ کسی ظلم کا خوف ہوگا اور نہ نقصان کا O

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾

اور ہم نے اسی طرح اس کتاب کو عربی قرآن کی صورت میں نازل فرمایا ہے اور اس میں بار بار عذاب کی وعیدیں دہرائی ہیں تاکہ لوگ شرک سے بچیں یا قرآن اُن کے دلوں میں نصیحت ڈال دے O

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۖ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾

پس اللہ بلند ہیں، برحق بادشاہ ہیں، اور آپ اپنی طرف وحی پوری ہونے سے پہلے قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کریں اور آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرمائیں O

وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ ع

اور ہم نے اس سے پہلے آدم سے مؤکد عہد لیا تھا (کہ ممنوع درخت کے پاس نہ جائیں)، سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کی معصیت کا قصد نہیں پایا O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کفار آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے: میرے رب ان پہاڑوں کو غبار بنا کر اڑا دیں گے O'' (طٰہٰ: ۱۰۵)

علامہ ابوبکر الحداد الیمنی الحنفی المتوفی ۱۰۲۱ھ، طٰہٰ: ۱۰۵-۱۱۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا'': اے رسول اکرم! آپ سے یہ کفار پوچھتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ اتنے بڑے بڑے پہاڑ کہاں جائیں گے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ثقیف کے ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ قیامت کے دن پہاڑ کس طرح ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ آپ کہیے کہ میرے رب قیامت کے دن ان کو ریت کے ڈھیر کی طرح بنا دیں گے، پھر اس ریت پر آندھیاں بھیجیں گے پھر یہ پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔

کفار کے سوال کے جواب کو" فَقُلْ "سے ذکر کرنے کی توجیہ

الضحاک نے کہا ہے: یہ آیت مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ طور استہزاء یہ سوال کیا تھا اور اس سوال سے ان کا مقصد حشر اور نشر میں طعن کرنا تھا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے" فَقُلْ "فرمایا ہے اور بعض آیات میں سوال کے جواب میں صرف قُلْ فرمایا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ۔ (البقرہ: ۲۱۹) "(اور (اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہیے: جو مال (تمہاری ضرورت سے) زائد اور فاضل ہو (اس کو خرچ کرو)۔

اس کی توجیہ یہ ہے کہ کفار کا یہ سوال حشر ونشر سے متعلق تھا اور یہ سوال اصول اور عقائد سے متعلق تھا، اور اس کے جواب میں تاخیر جائز نہیں ہوتی، اس لیے" فَقُلْ "فرمایا۔ اور" فاء" تعقیب علی الفور کے لیے آتی ہے یعنی آپ فوراً جواب دیجئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:" اور زمین کو چٹیل میدان بنا کر چھوڑ دیں گے O جس میں آپ نہ کوئی کجی دیکھیں گے اور نہ بلندی O" (طٰہٰ: ۱۰۶۔۱۰۷)

" فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ": یعنی زمین کو ہموار بنا دیں گے جس میں کوئی سبزہ نہیں ہوگا۔ صفصف اس بنجر زمین کو کہتے ہیں جس میں کوئی پیداوار نہ ہو۔" لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عوج کے معنی ہیں وادیاں، اور" امت" کے معنی ہیں بلندیاں، اور مجاہد نے کہا: نہ اس میں کوئی نشیب ہوگا اور نہ فراز ہوگا۔ حسن بصری نے کہا: العوج کا معنی ہے: زمین میں گڑھا اور" الامت" کا معنی ہے: زمین میں بلندی۔

القاع کا معنی ہے: ہموار جگہ، دوسرا قول یہ ہے کہ جس زمین پر نہ کوئی عمارت بنی ہوئی ہو اور نہ کوئی سبزہ ہو۔ اور" صفصف" کے معنی میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ وہ چکنی زمین ہو اور دوسرا یہ کہ وہ ہموار زمین ہو۔ اور القاع اور الصفصف مترادف ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:" اس دن سب لوگ ایک پکارنے والے کے پیچھے جائیں گے اور اس سے انحراف نہیں کریں گے اور رحمٰن کے سامنے تمام آوازیں پست ہو جائیں گی، اور تم مخفی آواز کے سوا کچھ نہیں سن سکو گے O" (طٰہٰ: ۱۰۸)

" يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ": یعنی جس دن پہاڑوں کو غبار بنا کر اڑا دیا جائے گا، اس دن لوگ اپنی قبروں سے اٹھنے کے بعد انتہائی مشقت سے اس کی طرف دوڑ کر جائیں گے جو انہیں محشر کی طرف بلا رہا ہوگا اور وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں جو صور کو اپنے منہ میں رکھیں گے اور بیت المقدس کی چٹان پر کھڑے ہوں گے اور کہیں گے: اے بوسیدہ ہڈیو! اور اے ٹکڑے ٹکڑے کیے ہوئی کھالو! اور متفرق گوشت رحمٰن کی طرف آؤ، اور اس پکارنے والے کی پکار سے لوگ منحرف نہیں ہوں گے اور دائیں بائیں مڑنے پر قادر نہیں ہوں گے بلکہ تیزی سے بھاگ کر اس کے پیچھے جائیں گے۔ اور رحمٰن کے سامنے تمام آوازیں پست ہو جائیں گی، اور اس دن تم پست آواز کے سوا اور کچھ نہیں سنو گے۔ یعنی جس طرح اونٹ چلتے ہیں تو ان کے چلنے کی آواز نہیں ہوتی، اسی طرح لوگ محشر کی طرف چل کر جائیں گے اور ان کے چلنے کی کوئی آواز نہیں آئے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ الھمس کے معنی ہیں: ہونٹوں کو بغیر کلام کے ہلانا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جس دن کسی کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر جس کو رحمٰن نے اجازت دی ہو اور اس کے کلام کو پسند فرمایا ہو O" (طٰہٰ:۱۰۹)

"یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا": یعنی لوگوں میں سے کسی کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی سوا اس کے جس کو اللہ تعالیٰ نے شفاعت کرنے کی اجازت دی ہو اور دنیا میں اس کے کلام سے راضی رہا ہو اور وہ مومنین ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ مومنین کے سوا اور کسی کے کلام سے راضی نہیں ہوں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس قول سے مراد ہے: لا الٰہ الا اللہ۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ مومن کے سوا کوئی اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت نہیں کرے گا۔

شفاعت کا لغوی معنی

امام خلیل بن احمد الفراہیدی المتوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

شفاعت کا لفظ شفع سے بنا ہے، شفع کا معنی ہے جفت، کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز طاق تھی، میں نے اس کے ساتھ دوسری چیز ملا کر اس کو جفت کر دیا۔ قرآن مجید میں ہے: "وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ۔" (الفجر:۳) "اور قسم ہے جفت اور طاق کی۔ الشفع یوم الاضحیٰ کو کہتے ہیں، الوتر یوم عرفہ کو کہتے ہیں۔ میں نے فلاں کی شفاعت طلب کی۔ اس نے میری اس کی طرف شفاعت کی۔ اس کا اسم شفاعت ہے اور شفاعت کرنے والے کو شافع اور شفیع کہتے ہیں۔ (کتاب العین ج ۲ ص ۹۲۷۔ ۹۲۸، مطبوعہ تیز ہوش قم، ایران ۱۴۱۳ھ)

شفاعت کا اصطلاحی معنی

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

دنیا اور آخرت سے متعلق امور میں شفاعت کا ذکر احادیث میں بار بار آیا ہے اور شفاعت کی تعریف یہ ہے کہ گناہوں اور بندوں کے آپس کے جرائم کے بارہ میں تجاوز اور درگزر کرنے کا سوال کرنا۔ (النہایہ ج ۲ ص ۴۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

جس شخص کا جو جرم ہے اس سے اس جرم کے معاف کرنے کا سوال کرنا شفاعت ہے۔

(التعریفات ص ۹۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

گناہ کبیرہ کی شفاعت کے جواز اور وقوع کے متعلق قرآن اور حدیث سے دلائل

اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ کافر اور مشرک کی شفاعت نہیں کی جائے گی لیکن گناہ کبیرہ کرنے والوں کی شفاعت میں اختلاف ہے۔ معتزلہ اور خوارج کے نزدیک ان کی شفاعت نہیں کی جائے گی اور اہل سنت کے نزدیک ان کی شفاعت کی جائے گی۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے:

دنیا میں جو افسر کچھ بھی احساس ذمہ داری رکھتا ہے اس کی یہ روش ہوتی ہے کہ اگر اس کا کوئی دوست اس کے کسی قصور وار ماتحت

کی سفارش لے کر جاتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے کہ آپ کو خبر نہیں ہے کہ یہ شخص کتنا کام چور، نا فرض شناس، رشوت خور اور خلق خدا کو تنگ کرنے والا ہے، میں اس کے کرتوتوں سے واقف ہوں، اس لیے براہ کرم مجھ سے اس کی سفارش نہ فرمائیں۔ الخ

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۲۷)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جتنے گناہ گنوائے ہیں وہ سب گناہ کبیرہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کبیرہ کی شفاعت سے منع نہیں فرمایا بلکہ گناہ کبیرہ کی شفاعت قبول فرمانے کی بشارت دی ہے، فرمایا: ''وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا۔ (النساء: ۶۴)'' (اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے تو اچانک آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے، پس وہ اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول فرمانے والا، بے حد رحم فرمانے والا پاتے)۔

واضح رہے کہ اپنی جان پر ظلم کرنا گناہِ کبیرہ ہے جیسے نماز نہ پڑھنا، رشوت لینا اور دیگر حرام کام کرنا، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی شفاعت قبول کرنے کی بشارت دی ہے، اور حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر (کبیرہ گناہ کرنے والوں) کے لیے ہوگی۔ امام ترمذی نے کہا: اس سند سے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (صغائر نیک کام کرنے اور کبائر سے بچنے کی وجہ سے بغیر شفاعت کے محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے معاف ہو جاتے ہیں)۔

(سنن ترمذی: ۲۴۳۵، سنن ابوداؤد: ۴۷۳۹، مسند البزار: ۳۴۶۹)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ لوگوں کے سامنے کے اور پیچھے کے تمام حالات کو جانتے ہیں اور لوگ اُن کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے O'' (طٰہٰ: ۱۱۰)

''يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا'': یعنی اللہ عزوجل تمام مخلوقات کے دنیا میں کئے ہوئے کاموں کو جانتے ہیں اور جو انہوں نے آخرت کے لیے کام کر کے بھیجے ہیں، ان کو بھی جانتے ہیں۔ اور لوگ اللہ عزوجل کی معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تمام چہرے ان کے سامنے جھک جائیں گے جو ہمیشہ زندہ رہنے والے، ہمیشہ قائم رہنے والے ہیں، اور جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا ہوا ہوگا وہ نامراد رہے گا O'' (طٰہٰ: ۱۱۱)

''وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا'': اس آیت میں ''عَنَتْ'' کا لفظ ہے اور اسی سے العانی بنا ہے اور اس کا معنی ہے اسیر، یعنی قیدی۔ اور یہاں مراد یہ ہے کہ الحی القیوم کے سامنے تمام چہرے ذلت کے ساتھ جھکے ہوئے ہوں گے۔ حسن بصری نے کہا: ''الْقَيُّوم'' کا معنی ہے: جو ذات ہر شخص پر قائم ہوتا کہ اسے اعمال کی جزا دے، اور جس نے شرک یا معصیت کی تو وہ اس دن ناکام اور نامراد ہوگا۔

اس آیت میں چہروں کے ذلت سے جھکنے کا ذکر ہے اور چہروں کی تخصیص اس لیے ہے کہ چہروں سے انسان کا شرف ہوتا ہے

اور یہ اس لیے کہ چہروں پر سب سے پہلے ذلت کے آثار دکھائی دیں گے۔

''اَلْحَیُّ'' کا معنی ہے: جو تمام چھوٹی اور بڑی چیزوں پر مطلع ہوں۔ اور ''اَلْقَیُّوْمُ'' کا معنی ہے: جو اپنی تدبیر سے ہر نفس کو اس کے کیے ہوئے کام کی جزا عطا فرمائیں۔

''اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'' کے اسم اعظم ہونے کے متعلق حدیث

حضرت ابن اسامہ الباہلی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کو ان تین سورتوں میں تلاش کرو: البقرہ، آل عمران اور طٰہٰ۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۸۵۶، کتاب الدعاء، باب اسم اللہ الاعظم)

امام رازی نے کہا: ان تین سورتوں میں جو اسم مشترک ہے وہ ''اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'' ہے ''اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ (البقرہ: ۲۵۵)'' اور ''اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ (آل عمران: ۲)'' اور ''لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ۔ (طٰہٰ: ۱۱۱)''۔

اسم اعظم کی تحقیق

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، لکھتے ہیں:

امام ابوجعفر، امام ابوالحسن الاشعری، امام ابو حاتم بن حبان، قاضی ابوبکر باقلانی وغیرہ نے اسم اعظم کا انکار کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء کو بعض دوسرے اسماء پر فضیلت دینا جائز نہیں ہے، اور امام مالک نے اللہ تعالیٰ کے کسی اسم کو اعظم کہنا مکروہ قرار دیا ہے اور جن احادیث میں اعظم کا ذکر ہے، اس سے مراد عظیم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء عظیم ہیں۔ امام ابوجعفر طبری نے کہا: میرے نزدیک اس سلسلہ میں تمام اقوال صحیح ہیں، کیونکہ حدیث میں یہ نہیں ہے کہ فلاں اسم اعظم ہے اور کوئی اس اسم سے زیادہ اعظم نہیں ہے۔ امام ابن حبان نے کہا: کسی اسم کے اعظم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس اسم کے ساتھ دعا کرنے والے کو عظیم اجر ملے گا۔ امام جعفر صادق اور جنید وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے جس اسم میں ڈوب کر دعا کرے، وہی اسم اعظم ہے، اور بعض علماء نے یہ کہا کہ اسم اعظم کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور انہوں نے مخلوق میں سے کسی شخص کو اس پر مطلع نہیں فرمایا۔

بعض علماء اسم اعظم کے ثبوت کے قائل ہیں اور اس کی تعیین میں ان کا اختلاف ہے اور اس مسئلہ میں کل چودہ اقوال ہیں:

(۱) امام فخر الدین رازی نے بعض اہل کشف سے نقل کیا کہ اسم اعظم ''ھو'' ہے۔

(۲) اسم اعظم ''اللہ'' ہے، کیونکہ یہی وہ اسم ہے جس کا اللہ کے غیر پر اطلاق نہیں ہوتا۔

(۳) اسم اعظم ''اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہے۔ اس سلسلہ میں امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث روایت کی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

(۴) اسم اعظم ''الرحمٰن الرحیم الحی القیوم'' ہے۔ کیونکہ امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے: ''وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ (البقرہ: ۱۶۳)'' اور ''اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ (آل عمران: ۲)''۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

(۵) ''اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'' کیونکہ امام ابن ماجہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اسم اعظم تین سورتوں میں ہے، بقرہ، آل

عمران اور طٰہٰ۔ حضرت ابو امامہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سورتوں میں اسم اعظم کو تلاش کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ "اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" ہے۔ امام فخر الدین رازی نے بھی اس کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ربوبیت پر ان کی دلالت سب اسماء سے زیادہ ہے۔

(۶) "الحنان المنان بدیع السموات والارض ذوالجلال والاکرام الحی القیوم" امام احمد اور امام حاکم نے اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ سنن ابوداؤد اور سنن نسائی میں اس کی اصل ہے اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۷) "بدیع السموات والارض ذوالجلال والاکرام" اس کو امام ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے۔

(۸) "ذوالجلال والاکرام"۔ امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے "یا ذاالجلال والاکرام" کہا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی دعا قبول ہو گئی۔

(۹) "الله لا اله الا هو الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد" امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس کو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اسم اعظم کی روایت کے سلسلہ میں اس روایت کی سند سب سے زیادہ قوی ہے۔

(۱۰) "رَبِّ رَبِّ" امام حاکم نے حضرت ابودرداء اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا: اللہ کا اسم اکبر "رَبِّ رَبِّ" ہے۔ اور امام ابن ابی الدنیا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جب بندہ رَبِّ رَبِّ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لبیک میرے بندے! تو سوال کر تجھے عطا فرمایا جائے گا"۔

(۱۱) "لا اله الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین" امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ جو مسلمان شخص ان کلمات کے ساتھ دعا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول فرمائیں گے۔

(۱۲) "هو الله الذی لا اله الا هو رب العرش العظیم" امام رازی نے نقل کیا ہے کہ امام زین العابدین نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کو اسم اعظم کی تعلیم عطا فرمائیں تو انہوں نے خواب میں یہ کلمات دیکھے۔

(۱۳) اسم اعظم اسماء حسنیٰ میں مخفی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اسم اعظم ان اسماء میں ہے جن سے تم نے دعا کی ہے۔

(۱۴) اسم اعظم کلمۃ التوحید ہے۔ اس کو قاضی عیاض نے نقل کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۲۴۔۲۲۵، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جس نے نیک عمل کئے ہوں گے بہ شرطیکہ وہ مومن ہو، اس کو نہ کسی ظلم کا خوف ہوگا اور نہ نقصان کا O" (طٰہٰ:۱۱۲)

"وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّ لَا هَضْمًا": اس آیت میں "الصّٰلِحٰتِ" سے مراد وہ کام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اُن کی طاقت کے اعتبار سے کرنے کا حکم فرمایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کا مکلف نہیں فرماتے۔ اور فرمایا کہ نیک عمل کی شرط یہ ہے کہ وہ شخص صاحب ایمان ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَ مَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى۔ (طٰہٰ:۷۵)" (اور جو ان کے سامنے بہ طور مومن حاضر ہوا جس نے

نیک عمل کیے ہوں، تو انہی کے لیے بلند درجات ہیں)۔اور اس آیت میں فرمایا ہے: "فَلَا یَخٰفُ ظُلْمًا" یعنی اس کے برے کاموں اور گناہوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ "وَّلَا هَضْمًا" اور نہ اس کے کیے ہوئے نیک کاموں میں سے کوئی کمی کی جائے گی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا اس گناہ پر مواخذہ نہیں کیا جائے گا جس کا اس نے ارتکاب نہ کیا ہو، اور نہ اس کے کسی نیک کام کو باطل کیا جائے گا۔ اور یہ مومن کے متعلق ہے اور رہا غیر مومن تو اس نے اگر پہاڑوں کے برابر بھی اپنے زعم میں نیک کام کیے ہوں تو ان کا کوئی وزن اور کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے اسی طرح اس کتاب کو عربی قرآن کی صورت میں نازل فرمایا ہے اور اس میں بار بار عذاب کی وعیدیں دہرائی ہیں تا کہ لوگ شرک سے بچیں یا قرآن اُن کے دلوں میں نصیحت ڈال دے O" (طٰہٰ: ۱۱۳)

"وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّ صَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا":

یعنی ہم نے اسی طرح قرآن مجید لغتِ عربی پر نازل فرمایا ہے اور اس میں اپنے عذاب کی وعیدوں کو بار بار دہرایا ہے، اور "صَرَّفْنَا" کا یہ معنی بھی بیان کیا ہے کہ پچھلی جن امتوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی تھی، ان کے عذاب کے واقعات کو دہرایا ہے تا کہ بعد کے لوگ شرک سے اجتناب کریں اور اپنے پہلوں سے نصیحت حاصل کریں۔ یا قرآن مجید ان میں نصیحت ڈال دے، پس وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو یاد کریں۔ "اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا" کا یہ معنی بھی ہے کہ قرآن مجید اُن کے ایمان لانے کی وجہ سے اُن کی عزت اور شرف کو بیان کرے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ ۚ وَ سَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ۔ (الزخرف: ۴۴)" (اور بے شک قرآن آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے عظیم شرف ہے اور تم سب سے اس کا شکر ادا کرنے کے متعلق پوچھا جائے گا)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس اللہ بلند ہیں، برحق بادشاہ ہیں، اور آپ اپنی طرف وحی پوری ہونے سے پہلے قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کریں اور آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرمائیں O" (طٰہٰ: ۱۱۴)

"فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَ لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا":

یعنی اللہ عزوجل اپنی ذات میں اور اپنی صفات میں مخلوقات کی مماثلت سے بلند و برتر ہیں، اللہ عزوجل کا کلام مخلوقات کے کلام کے مماثل نہیں ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل کی ذات و صفات مخلوقات کی ذات و صفات کے مماثل نہیں ہیں۔

اور وہ "الْمَلِكُ" ہیں یعنی بادشاہ، انہیں کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اور ان کے سوا کسی اور کی سلطنت نہیں ہے۔ ان کی سلطنت کو زوال نہیں ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے مکلفین کے لیے قرآن مجید کے نفع پہنچانے کی کیفیت بیان فرمائی اور بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز سے بلند و برتر ہیں جو اُن کے لائق نہیں ہے، اور احسان اور رحمت کے ساتھ متصف ہیں اور جن کی یہ شان ہو وہ اپنے رسول کو وحی کے

معاملہ میں سہو اور نسیان سے محفوظ رکھتے ہیں، اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا: ''وَ لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤى اِلَیْكَ وَحْیُهٗ'' اور آپ وحی کے مکمل ہونے سے پہلے قرآن مجید نہ پڑھا کریں جس طرح ہم نے عجلت سے آپ کے اوپر پورا قرآن یک بارگی نازل نہیں فرمایا بلکہ ہم نے اس کو تدریجاً نازل فرمایا ہے، پس فرشتہ آپ کے پاس جو وحی لے کر آئے آپ اس کو سنیں اور قرآن پڑھنے میں اس پر سبقت نہ کریں، اور جب فرشتہ پڑھنے سے فارغ ہو جائے تو پھر آپ پڑھیں، کیونکہ ہم اس قرآن کو آپ کے دل میں جمع فرمادیں گے۔

حسن بصری نے کہا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ قرآن پڑھنے میں عجلت کرتے، اس خوف سے کہ کہیں آپ بھول نہ جائیں، اور آپ فرشتہ کے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے اس خوف سے کہ کہیں آپ سے کوئی چیز رہ نہ جائے تو آپ کو اس سے منع فرمایا کہ آپ قرآن پڑھنے میں عجلت نہ کریں، حضرت جبریل علیہ السلام آپ پر جو تلاوت کرتے ہیں ان کے تلاوت سے فارغ ہونے سے پہلے آپ نہ پڑھیں۔

''وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا'': یعنی آپ قرآن پڑھنے میں جلدی کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے علم میں زیادتی کا سوال کریں، کیونکہ جس چیز کی آپ کی طرف وحی فرمائی جائے گی آپ یقیناً اس کو حاصل کریں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! آپ نے جو مجھے علم عطا فرمایا ہے اس کا نفع مجھے عطا فرمائیں اور مجھے ایسا علم عطا فرمائیں جو مجھے نفع دے اور میرے علم میں اضافہ فرمائیں اور ہر حال میں اللہ کی حمد ہے اور میں اہل دوزخ کے حال سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔

(سنن ترمذی: ۳۵۹۹، سنن ابن ماجہ: ۳۸۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۳۹۳، المنتخب من مسند عبد بن حمید: ۱۳۱۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۸۱۹، کتاب الدعاء للطبرانی: ۱۴۰۳، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۷۴۸، المستدرک علی الصحیحین: ۱۸۷۹، شعب الایمان للبیہقی: ۳۰۶۶، شرح السنۃ للبغوی: ۱۳۷۴، السنۃ الرضوی الجامع للکتب الحشر ج ۱۵ ص ۳)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب اس آیت کی تلاوت کرتے تھے تو یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میرے علم اور یقین میں اضافہ فرمائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے اس سے پہلے آدم سے مؤکد عہد لیا تھا (کہ ممنوع درخت کے پاس نہ جائیں)، سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کی معصیت کا قصد نہیں پایا O'' (طٰہٰ: ۱۱۵)

''وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا'': اور جب فرمایا: ''كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۔ (طٰہٰ: ۹۹)'' ((اے رسول اکرم!) ہم آپ کے سامنے پچھلی قوموں کے قصوں کی چند خبریں بیان فرماتے ہیں)۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کو اپنا وعدہ پورا فرمانے کے لیے بیان فرمایا۔

یعنی ہم نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ حکم فرمایا تھا کہ آپ اس درخت سے اُن لوگوں سے پہلے نہ کھائیں جنہوں نے میرے عہد کو توڑ دیا تھا اور مجھ پر ایمان لانے کو ترک کر دیا تھا، اور یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں ذکر فرمایا ہے: ''لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۔ (طٰہٰ: ۱۱۳)'' اور اس کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں کے لیے قرآن مجید میں وعید کو دہرایا ہے، جب انہوں نے

میرے عہد کو ضائع کر دیا اور میرے حکم کی مخالفت کی تو ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے بھی ہم نے عہد لیا تھا، پس وہ اس عہد کو بھول گئے ہیں اور میرے عہد کو ترک کر دیا اور جو انہیں حکم فرمایا تھا اس پر عمل نہیں کیا۔

"وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا": یعنی ہم نے یہ نہیں پایا کہ انہوں نے اس عہد کو یاد رکھا تھا۔ اور حسن بصری نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کو جس کام سے منع کیا تھا اس پر ان کے صبر کو نہیں پایا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کے دشمن ابلیس کی اطاعت کرنے کا عزم نہیں پایا جو ان سے حسد رکھتا تھا اور جس نے ان کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ حسن بصری نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کی عقل ان کی تمام اولاد کی عقل کی مثل تھی۔ اور حدیث میں ہے:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سے حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، اس وقت سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام کے علم کا ان کی اولاد کے علم کے ساتھ وزن کیا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کا علم ان کی تمام اولاد کے علم پر راجح ہوگا۔

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا تم یہ کہتے ہو کہ بے شک حضرت آدم علیہ السلام نے جب درخت سے کھایا تھا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بھول گئے تھے؟ کہا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کو بھول گئے ہوں اور اس وقت انسان سے بھول سے مواخذہ کو اٹھایا نہیں گیا تھا بلکہ بھول پر بھی مواخذہ ہوتا تھا، بھول پر صرف ہم سے مواخذہ کو اٹھایا گیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مواخذہ کو بھول گئے اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تنزیہاً منع فرمایا ہے تحریماً منع نہیں فرمایا۔

(تفسیر الماوردی ج ۳ ص ۴۳۷-۳۵۱، مکتبہ حقانیہ پشاور، السراج المنیر ج ۳ ص ۴۰۰-۴۰۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے: میں نے جس چیز سے منع فرمایا تھا انہوں نے اس ممانعت کی حفاظت نہیں کی، جب ابلیس نے ان سے کہا: اگر آپ نے اس معین درخت سے کھا لیا تو آپ کو جنت میں خلود اور دوام حاصل ہو جائے گا تو انہوں نے اس کی بات نہیں مانی اور جب ابلیس نے اسی نوع کے دوسرے درخت سے کھانے کے لیے کہا تو انہوں نے تاویل کر کے اس درخت سے کھا لیا اور یہ بھول گئے کہ یہ درخت بھی ممانعت کے عموم میں داخل ہے، ابن زید نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے امر کی حفاظت نہیں کی، اسی لیے علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ وہ اولوالعزم رسولوں میں سے نہ تھے۔

(الجامع لاحکام القرآن، جز ۱۱ ص ۱۹۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا": عزم کا صحیح مفہوم صبر اور عزیمت و استقامت ہے، جس کی ضد بے صبری اور جلد بازی ہے۔ یہاں اصل مقصد کلام حضرت آدم علیہ السلام کی بے صبری اور جلد بازی ہی کی طرف اشارہ کرنا اور اس کے عواقب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کرنا ہے۔ (تدبر قرآن، ج ۵ ص ۹۷، فاران فاؤنڈیشن، لاہور)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے "اس میں عزم نہ پایا" کا مطلب یہ لیا ہے کہ "ہم نے اس میں نافرمانی کا عزم نہ پایا" یعنی اس نے جو کچھ کیا بھولے سے کیا، نافرمانی کے عزم کی بنا پر نہیں کیا، لیکن یہ خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔ یہ بات اگر کہنی ہوتی تو "لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا عَلَى الْعِصْیَانِ" کہا جاتا نہ کہ محض "لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا"۔ آیت کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ فقدان عزم سے مراد اطاعت حکم کے

عزم کا فقدان ہے نہ کہ نافرمانی کے عزم کا فقدان۔ (تفہیم القرآن ج ٣ ص ١٣٠، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں تفسیروں میں حضرت آدم علیہ السلام کے مقام نبوت اور ان کی عظمت کا لحاظ نہیں رکھا گیا بلکہ ان کو ایک عام انسان کے درجہ میں رکھ کر یہ تفسیر کی گئی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ٦٠٦ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا" میں کئی احتمالات ہیں:

(١) یعنی ہم نے ان کا معصیت کرنے پر عزم نہیں پایا اور یہ محمل ان کی مدح کے زیادہ قریب ہے۔

(٢) ہم نے معصیت کے ترک پر ان کا عزم نہیں پایا، یا اللہ تعالیٰ کے حکم کی حفاظت کرنے کا عزم نہیں پایا تا کہ وہ غفلت سے احتراز کریں۔

(٣) یا کیفیت اجتہاد میں احتیاط کرنے کا عزم نہیں پایا جب کہ ہم یہ کہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اجتہادی خطا سے اس ممنوعہ درخت سے کھایا تھا۔ (تفسیر الکبیر ج ٨ ص ١٠٦، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٥ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام رازی نے ان تینوں محامل میں سے کسی ایک محمل کو ترجیح نہیں دی لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے مقام اور ان کی عظمت کے پیش نظر پہلا محمل ہی راجح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (سعیدی غفرلہ)

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿١١٦﴾

اور (یاد کیجئے) جب ہم نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو، پس ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے انکار کر دیا ۝

فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿١١٧﴾

پس ہم نے فرمایا: اے آدم! بے شک یہ آپ کا اور آپ کی بیوی کا دشمن ہے، پس یہ آپ دونوں کو ہرگز ہرگز جنت سے نہ نکلوا دے، پھر آپ مشقت میں پڑ جائیں گے ۝

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۙ﴿١١٨﴾

بے شک آپ کو جنت میں نہ بھوک لگے گی اور نہ ہی آپ برہنہ ہوں گے ۝

وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿١١٩﴾

اور بے شک آپ کو جنت میں نہ پیاس لگے گی اور نہ دھوپ محسوس ہو گی ۝

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿١٢٠﴾

پس شیطان نے ان کی طرف وسوسہ ڈالا، کہا: اے آدم! کیا میں آپ کو ایسے درخت کی نشاندہی کروں جسے کھانے والا ہمیشہ زندہ رہے اور اس کی ایسی بادشاہت ہو جو کبھی کمزور نہ ہو ۝

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ٘ وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾

سواُن دونوں نے اس درخت سے کھالیا، پس اُن دونوں کی شرمگاہیں اُن پر کھل گئیں اور وہ جنت کے پتوں کو اپنے اوپر چپکانے لگے، اور آدم نے (صورتاً) اپنے رب کی نافرمانی کی سو وہ اپنے مطلوب سے بے خبر ہو گئے ○

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَ هَدٰى ﴿۱۲۲﴾

پھر اُن کے رب نے اُن کو منتخب فرما لیا، پس اُن کی توبہ قبول فرمائی اور اُن کو اپنے قربِ خاص کی راہ دکھائی ○

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِیْعًۢا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ٘ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى٘ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾

فرمایا: تم سب جنت سے اُتر جاؤ تم میں سے بعض بعضوں کے دشمن ہوں گے، پھر جب تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے سو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو نہ وہ (دنیا میں) گمراہ ہو گا اور نہ (آخرت میں) بدبخت ہو گا ○

وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾

اور جس نے میری ہدایت سے منہ پھیرا تو اس کی زندگی تنگی سے گزرے گی، اور ہم قیامت کے دن اس کو اندھا اٹھائیں گے ○

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ﴿۱۲۵﴾

وہ کہے گا: اے میرے رب! آپ نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا اور میں تو (دنیا میں) دیکھنے والا تھا ○

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا٘ وَ كَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾

اللہ فرمائیں گے: ایسا ہی ہونا چاہیے تھا، تیرے پاس دنیا میں ہماری توحید کی نشانیاں آئیں تو تو نے اُن نشانیوں کو بھلا دیا، اور اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیا جائے گا ○

وَ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَ لَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ٘ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾

اور جو شخص حد سے تجاوز کرتا ہے اور اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان نہیں لاتا تو ہم اس کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں، اور ضرور آخرت کی سزا زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والی ہے ○

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾

کیا ان کافروں کو اس چیز نے ہدایت نہیں دی کہ ہم ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک فرما چکے ہیں جن کے کھنڈرات میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں، بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (یاد کیجئے) جب ہم نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو، پس ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے انکار کر دیا O'' (طٰہٰ:۱۱۶)

امام ابوالفداء حافظ ابن کثیر الدمشقی الشافعی المتوفی ۷۷۴ھ، طٰہٰ:۱۱۶ تا ۱۲۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى'': اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کو شرف اور تکرم فرمانے کا ذکر فرمایا ہے اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو کثیر مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی ہے، اس قصہ کی تفسیر سورۃ البقرہ، سورۃ الاعراف، سورۃ الحجر اور سورۃ الکہف میں گزر چکی ہے۔ اور سورۂ ص کے اخیر میں اللہ تعالیٰ ذکر فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور تمام فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا اُن کو شرف اور تکرم کرنے کے لیے حکم فرمایا۔ اور ابلیس کی بنو آدم سے قدیم عداوت کو بیان فرمایا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى'' یعنی ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور تکبر کیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس ہم نے فرمایا: اے آدم! بے شک یہ آپ کا اور آپ کی بیوی کا دشمن ہے، پس یہ آپ دونوں کو ہرگز ہرگز جنت سے نہ نکلوا دے، پھر آپ مشقت میں پڑ جائیں گے O'' (طٰہٰ:۱۱۷)

''فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى'': یعنی ہم نے یہ فرمایا کہ ابلیس آپ کا اور آپ کی بیوی حوا دونوں کا دشمن ہے، پس یہ آپ دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے تاکہ آپ مشقت میں پڑ جائیں، یعنی پھر آپ اپنے رزق کی طلب میں مشقت میں پڑ جائیں گے، کیونکہ یہاں پر تو آپ کو وسعت سے رزق حاصل ہے اور رزق کے حصول کے لیے آپ کو کوئی مشقت نہیں کرنی پڑتی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک آپ کو جنت میں نہ بھوک لگے گی اور نہ ہی آپ برہنہ ہوں گے O اور بے شک آپ کو جنت میں نہ پیاس لگے گی اور نہ دھوپ محسوس ہوگی O'' (طٰہٰ:۱۱۸۔۱۱۹)

''اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى'': اس آیت میں بھوک اور برہنگی کو ملا کر ذکر فرمایا ہے، کیونکہ بھوک میں باطن کی ذلت ہے اور برہنگی میں ظاہر کی ذلت ہے۔

نیز فرمایا: ''وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى'': اور یہ دونوں بھی متقابل ہیں، پس پیاس باطن کی حرارت ہے اور دھوپ ظاہر کی حرارت ہے۔

صرف حضرت آدم علیہ السلام کے مشقت میں مبتلاء ہونے کی توجیہ

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ طٰہٰ: ۱۱۶۔۱۱۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ بتایا کہ جنت میں یہ تمام چیزیں موجود ہیں لباس، طعام، مشروب اور مسکن۔ پس اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل نہیں کیا اور اپنے دشمن کی اطاعت کی تو آپ کا دشمن آپ کو اور آپ کی بیوی دونوں کو جنت سے نکال دے گا۔ پھر آپ کام کاج کی تھکاوٹ میں مبتلاء ہو جائیں گے اور آپ کو بھوک لگے گی اور آپ بے لباس ہو جائیں گے اور آپ کو پیاس لگے گی اور آپ کو دھوپ لگے گی، کیونکہ جب آپ کو جنت سے نکال دیا جائے گا تو آپ کو زمین کی طرف لوٹا دیا جائے گا، اور اس آیت میں صرف حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فرمایا ہے کہ وہ مشقت میں مبتلاء ہوں گے اور یہ نہیں فرمایا کہ آدم اور ان کی بیوی دونوں مشقت میں مبتلاء ہوں گے۔

بیوی کا خرچ خاوند کے ذمہ ہونے کی اصل

اس آیت میں ہم کو یہ بتایا ہے کہ بیوی کا خرچ خاوند کے ذمہ ہوتا ہے، اور اس دن سے عورتوں کا خرچ اُن کے خاوندوں کے ذمہ ہے۔ پس جس طرح حضرت حواء کا خرچ حضرت آدم علیہ السلام پر تھا اسی طرح حضرت حواء کی بیٹیوں کا خرچ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد پر زوجیت کے حق سے ہے، اور اس آیت میں ہمیں یہ بتایا ہے کہ بیوی کا جو خرچ خاوند کے ذمہ ہے وہ ان چار چیزوں کا ہے، کھانے اور پینے کا، اور لباس کا اور رہائش کا۔ پس جب کسی شخص نے اپنی بیوی کو یہ چار چیزیں مہیا کر دیں تو وہ اس کے خرچ کے ذمہ سے بری ہو گیا۔ اور اگر تم نے اس کے علاوہ کچھ دیا تو تم کو اس پر اجر ملے گا۔ لیکن رہی یہ چار چیزیں تو انہیں بیوی کو مہیا کرنا ضروری ہے۔

رزق کے حصول کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کی مشقت اور تھکاوٹ

حسن بصری نے کہا: "فَتَشْقٰى" سے مراد دنیا کی مشقتوں کی تھکاوٹ ہے۔ اور سعید بن جبیر نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کو سرخ رنگ کے بیل پر اتارا گیا، وہ اس پر ہل چلاتے تھے اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے تھے، پس یہ وہ مشقت اور تھکاوٹ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا "فَتَشْقٰى"۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے اتارا گیا تو ان کی پہلی مشقت اور پہلی تھکاوٹ یہ تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام جنت سے غلہ کے چند دانے لے کر آئے، پس کہا: اے آدم علیہ السلام! ان کی کاشت کیجئے، پس حضرت آدم علیہ السلام نے ان دانوں کو زمین میں دبایا اور اُن کی کاشت کی۔ پھر جب فصل پیدا ہو گئی تو اس کو کاٹا، پھر جب اس میں دانے لگ گئے تو اُن کو پیسا، پھر جب آٹا بن گیا تو اس کی روٹی پکائی، پھر اس تھکاوٹ کے بعد وہ روٹی کھانے کے لیے بیٹھے، پھر وہ روٹی ان کے ہاتھ سے نیچے گر گئی حتیٰ کہ پہاڑ کے نیچے پہنچ گئی، اور حضرت آدم علیہ السلام اس کے پیچھے دوڑے اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا، حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: اے آدم! اب آپ کو اسی طرح مشقت اور تھکاوٹ سے رزق حاصل ہوگا اور آپ کے بعد آپ کی اولاد کو اسی طرح مشقت اور تھکاوٹ سے رزق حاصل ہوگا جب تک وہ دنیا میں رہیں گے۔

"اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۙ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى": کیونکہ جنت میں سورج نہیں ہے وہاں صرف ظل ممدود یعنی لمبے سائے ہیں، جیسا کہ طلوع فجر سے طلوع شمس تک لمبا سایا ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس شیطان نے ان کی طرف وسوسہ ڈالا، کہا: اے آدم! کیا میں آپ کو ایسے درخت کی نشاندہی کروں جسے کھانے والا ہمیشہ زندہ رہے اور اس کی ایسی بادشاہت ہو جو کبھی کمزور نہ ہوO''

(طٰہٰ: ۱۲۰)

''فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى'':

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی بیوی سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ دونوں جنت کے تمام پھلوں سے کھائیں اور جنت میں اس معیّن درخت کے قریب نہ جائیں، اور اُن کا دشمن ابلیس ان کو مسلسل اس درخت کے کھانے پر اکساتا رہا حتیٰ کہ اُن دونوں نے اس سے کھا لیا، اور جس درخت سے انہوں نے کھایا تھا وہ شجرۃ الخلد تھا، یعنی جو اس سے کھائے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

ابوداؤد الطیالسی نے کہا ہے: ہمیں شعبہ نے ابوالضحاک سے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ جنت میں ایک درخت ہے، ایک سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے گا اور اس کا سایا ختم نہیں ہوگا اور وہی شجرۃ الخلد ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو اُن دونوں نے اس درخت سے کھا لیا، پس اُن دونوں کی شرمگاہیں اُن پر کھل گئیں اور وہ جنت کے پتوں کو اپنے اوپر چپکانے لگے، اور آدم نے (صورتاً) اپنے رب کی نافرمانی کی سو وہ اپنے مطلوب سے باہر ہو گئےO پھر اُن کے رب نے اُن کو منتخب فرما لیا، پس اُن کی توبہ قبول فرمائی اور اُن کو اپنے قرب خاص کی راہ دکھائیO'' (طٰہٰ: ۱۲۱۔۱۲۲)

''فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى'':

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو طویل قد پر پیدا فرمایا اور اُن پر بال بہت زیادہ تھے، پس جب انہوں نے اس درخت سے چکھا تو اُن سے اُن کا لباس ساقط ہو گیا، سب سے پہلے اُن کی شرمگاہ ظاہر ہوئی، پھر جب انہوں نے اپنی شرمگاہ کو دیکھا تو جنت میں بھاگنے لگے تو اُن کے بال ایک درخت میں الجھ گئے، انہوں نے اپنے بالوں کو کھینچا تو رحمٰن نے اُن کو نداء فرمائی: اے آدم! تم کب تک مجھ سے بھاگتے رہو گے، پس جب انہوں نے رحمٰن کا کلام سنا تو کہا: اے رب! مجھے حیاء آتی ہے، آپ یہ بتائیں کہ اگر میں توبہ کر لوں اور رجوع کر لوں تو کیا میں جنت کی طرف لوٹ جاؤں گا؟ فرمایا: ہاں! اور اس کا مصداق یہ آیت ہے: ''فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ... (البقرہ: ۳۷)'' (پھر آدم نے اپنے رب سے چند (دعائیہ) کلمات سیکھ لئے، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والے اور بے حد رحم فرمانے والے ہیں)۔ تاہم یہ حدیث منقطع ہے۔

''وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ'': مجاہد نے کہا: وہ درخت کے پتوں کو اس طرح جوڑتے تھے جس طرح کپڑوں میں

پیوند لگاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ انجیر کے پتے اتار کر ان پتوں کو اپنی شرمگاہوں پر ڈالتے تھے۔

"وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۞ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى":

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں مباحثہ ہوا، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ وہ آدم ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو جنت سے نکالا، حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: آپ موسیٰ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور کلام سے فضیلت دی، آپ مجھے ایسے کام پر کیوں ملامت کر رہے ہیں جس کام کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے پہلے مقدر فرما دیا تھا، پس حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۰۹، ۴۷۳۶، ۴۷۳۸، ۶۶۱۴، ۷۵۱۵، صحیح مسلم: ۲۶۵۲، سنن ترمذی: ۲۱۳۴، سنن ابوداؤد: ۴۷۰۱، سنن ابن ماجہ: ۸۰، مسند احمد: ۷۵۳۴، موطا امام مالک: ۱۶۶۰)

حضرت آدم علیہ السلام کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دلیل میں غالب ہونے کی توجیہ

حضرت آدم علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ ان سے جو کام صادر ہوا جس کے نتیجہ میں مخلوق جنت سے نکلی وہ اس کام کے کرنے میں مستقل نہیں تھے اور ان کو اس کام کے ترک کرنے کا اختیار نہیں تھا بلکہ یہ وہ کام تھا جو مقدر ہو چکا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام نے جو کہا: "آپ مجھے اس کام پر کیوں ملامت کر رہے ہیں جو میری پیدائش سے پہلے مقدر ہو چکا تھا؟" اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا اس میں کسب اور اختیار نہیں تھا بلکہ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں میری پیدائش سے پہلے یہ لکھ دیا تھا کہ آدم اس کام کو اپنے کسب اور اختیار سے کریں گے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم معلوم کے مطابق ہوتا ہے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف کام کرتا اور آپ اللہ تعالیٰ کے علم سابق سے کیسے غافل ہو گئے اور آپ میرے کسب کا ذکر کر رہے ہیں جو کہ سبب ہے اور آپ اصل کو بھول گئے جو کہ تقدیر ہے حالانکہ آپ ان نبیوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرما لیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسرار کو جانتے ہیں۔

قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی خطاؤں کے ذکر کی توجیہ

"وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى": علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہمارے علماء میں سے بعض متاخرین نے کہا ہے: یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کے (ظاہری) گناہوں کی خبر دی ہے اور اُن ظاہری گناہوں کی ان انبیاء علیہم السلام کی طرف نسبت فرمائی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان ظاہری گناہوں اور خطاؤں کی وجہ سے اُن پر عتاب فرمایا ہے، اور خود انبیاء علیہم السلام نے بھی ان کاموں کی ان سے صدور کی خبر دی ہے اور اس سے استغفار کیا ہے اور توبہ کی ہے۔ اور یہ تمام چیزیں انبیاء علیہم السلام کے مراتب اور ان کے مقامات میں کمی نہیں کرتیں، اور ان کاموں کا انبیاء علیہم السلام سے نادراً بطور خطاء اور نسیان وقوع ہوا یا کسی تاویل سے وقوع ہوا، پس یہ کام دوسروں کے اعتبار سے حسنات ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے اُن کے بلند درجات کی وجہ سے سیئات ہیں، کیونکہ کبھی وزیر سے اس کام پر مواخذہ کیا جاتا ہے جس کام پر اس کے کوچوان کو اجر عطا کیا جاتا ہے، پس اس وجہ سے انبیاء علیہم السلام قیامت کے دن حشر میں کھڑے ہونے سے ڈرے حالانکہ اُن کو علم تھا کہ وہ امن، امان اور سلامتی کے ساتھ رہیں گے، اور یہی حق ہے۔ اور جنید کا یہ بہترین قول ہے کہ نیکوں کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ کے حکم میں ہوتی

ہیں، پس انبیاء علیہم السلام سے اگرچہ بعض ظاہری گناہوں کے صدور پر نصوص موجود ہیں لیکن اس سے اُن کے مراتب اور مقامات میں کمی نہیں ہوتی، بلکہ انہوں نے ان کاموں کی تلافی کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مزید ہدایت عطا فرمائی اور ان کی مدح فرمائی اور ان کا تزکیہ فرمایا اور ان کو اپنا پسندیدہ اور چنا ہوا قرار دیا۔ صلوات اللہ علیہم وصلاتہ۔

القاضی ابوبکر ابن العربی نے کہا ہے کہ ہم میں سے کسی کے لیے آج یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی خطاء کا از خود ذکر کرے، سوا اس کے کہ وہ قرآن مجید کی کسی آیت کے ضمن میں اس کا ذکر کرے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کا ذکر کرے، لیکن اگر وہ خود ابتداءً یہ کہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ کیا تو یہ ہمارے لیے جائز نہیں ہے، بلکہ جب یہ ہمارے ادنیٰ آباء کے لیے جائز نہیں ہے تو ہمارے سب سے بڑے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق از خود یہ کہنا کس طرح جائز ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری گناہ سے ان کو معذور قرار دیا اور ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کی مغفرت فرمائی ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: جب مخلوق میں یہ معاملہ ہے تو اللہ عزوجل کی صفات کے خبر دینے میں یہ کیسے درست ہوگا کہ کوئی شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور ان کا پیر ہے، اور ان کی انگلی ہے اور ان کا پہلو ہے اور وہ اترتے ہیں اور چڑھتے ہیں، سو ان تمام چیزوں کا ابتداءً ذکر کرنا جائز نہیں ہے سوا اس کے کہ قرآن مجید کی کسی آیت میں یہ ذکر ہو تو اس کو بیان کرے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث میں اس کا ذکر ہو تو اس کو بیان کرے، اسی وجہ سے امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جس نے اللہ تعالیٰ کی ذات کی یہ صفت بیان کی "وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ" ۔ (المائدہ: ۶۴) "(اور یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہے)" اور اس شخص نے اپنے ہاتھ سے اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، کیونکہ اس نے اپنے آپ کو اللہ عزوجل کے ساتھ مشابہ قرار دیا۔ اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کے سمع اور بصر میں اشارہ کرے گا تو اس کی آنکھوں اور کان کو بھی کاٹ دیا جائے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن، جز ۱۱ ص ۲۲۶۔ ۲۲۷، دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بس ایک فوری جذبے نے جو شیطانی تحریص کے زیر اثر ابھر آیا تھا، اُن پر ذہول طاری کر دیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۳۳، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی مذکور تفسیر کا دیگر مفسرین سے تقابل

میں کہتا ہوں: ہمارے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام نے حقیقت میں معصیت نہیں کی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا" اور ہم نے ان کی معصیت کا قصد نہیں پایا، انہوں نے بھولے سے یا اجتہادی خطاء سے درخت ممنوع سے کھایا، پھر اس پر نادم ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام بلند کے لیے چن لیا۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المتوفی ۵۴۳ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مولیٰ اور مالک کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے بندہ اور غلام کے متعلق کہے "عَصٰی" اس نے میری نافرمانی کی، اور پھر اس پر اپنے فضل سے رجوع کرے اور کہے: وہ تنزیہ کو بھول گئے اور ہم میں سے کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کی خبر بیان کرتے ہوئے کہے: انہوں نے معصیت کی اور نافرمانی کی، ماسوا اس صورت کے کہ وہ اس آیت یا حدیث کا

ترجمہ بیان کرے، اور رہا یہ کہ ہم اپنی طرف سے اس واقعہ کا بیان کریں، تو جب ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ہم اپنے آباء کو گنہگار کہیں حالانکہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی بہ نسبت بہت ادنیٰ درجہ کے ہیں تو ہمارے لیے یہ کس طرح جائز ہوگا کہ ہم حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ایسا کہیں جو ہمارے سب سے مقدم باپ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مکرم نبی ہیں، جن کی اللہ توبہ قبول فرما چکے ہیں اور ان کی مغفرت فرما چکے ہیں۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۲۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابن الحاج مالکی متوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں:

ہمارے علماء رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے قرآن مجید کی تلاوت کے بغیر یا کسی حدیث کے بغیر انبیاء میں سے کسی نبی کے متعلق یہ کہا کہ اس نے معصیت کی (اللہ کی نافرمانی کی) یا اللہ کی مخالفت کی تو وہ کافر ہو گیا، نعوذ باللہ من ذالک، اس کے بعد انہوں نے علامہ ابن العربی کی مذکور الصدر عبارت نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے۔ (المدخل ج ۲ ص ۱۴، دار الفکر، بیروت)

ایک اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ باقی مفسرین نے "وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى" کی تفسیر میں اس آیت کی توجیہ کی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کو ثابت کیا اور ان کی گناہ سے براءت کو بیان کیا ہے، اور سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اس آیت سے حضرت آدم علیہ السلام پر تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ "وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے"۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فرمایا: تم سب جنت سے اُتر جاؤ، تم میں سے بعض بعضوں کے دشمن ہوں گے، پھر جب تمہارے پاس میری طرف سے یقینی ہدایت آئے سو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو نہ وہ (دنیا میں) گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) بدبخت ہوگا ○" (طٰہٰ: ۱۲۳)

"قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا": اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس سے خطاب ہے کہ تم سب جنت سے اتر جاؤ، اور ابلیس کے متعلق فرمایا: "قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ"۔ (الاعراف: ۱۸) ((اللہ نے) فرمایا: تو جنت سے بدحال اور مردود ہوتا ہوا نکل جا، جو لوگ تیرے پیچھے چلیں گے میں ضرور بہ ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا)۔ پس شاید ابلیس کو جنت سے آسمان کی کسی جگہ کی طرف نکالا گیا، پھر اس کو زمین کی طرف اتارا گیا۔

"بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ": سورۃ البقرہ کی تفسیر میں یہ گزر چکا ہے کہ تو سانپ کے لیے دشمن ہے، اور ابلیس کے متعلق فرمایا کہ یہ دونوں تیرے دشمن ہیں۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ "اهْبِطَا" کا خطاب آدم اور حواء کے لیے نہیں ہے، کیونکہ وہ دونوں حد سے تجاوز کرنے والے نہیں تھے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے اترنا حضرت حواء کے جنت سے اترنے کو بھی متضمن ہے۔

"فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى": یعنی جب تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے یا برحق قول آئے۔

"فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ": یعنی جو رسولوں اور کتاب کے پیغام پر عمل کرے۔

"فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى": یعنی وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بدبخت ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کرے اور اس کے احکام پر عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ضامن ہیں کہ نہ وہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بدبخت ہوگا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ جس نے

قرآن مجید کی تلاوت کی اور اس میں جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت مذکور ہے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو برے حساب سے محفوظ رکھیں گے، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تلاوت کی:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جس نے میری ہدایت سے مونہہ پھیرا تو اس کی زندگی تنگی سے گزرے گی، اور ہم قیامت کے دن اس کو اندھا اٹھائیں گے O'' (طٰہٰ: ۱۲۴)

''مَعِيْشَةً ضَنْكًا'' کے معانی اور محامل

''وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ'': یعنی جس نے میرے دین اور میری کتاب کی تلاوت سے اعراض کیا اور اس کے تقاضوں پر عمل نہیں کیا۔ ''فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا'': ''ضَنْكًا'' کا معنی ہے: اس کی زندگی تنگ ہو گئی، اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے دین کے ساتھ تسلیم اور قناعت کو اور توقع کو رکھا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔'' (النحل: ۹۷) ''(جو لوگ نیک اعمال کریں گے خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں بہ شرطیکہ وہ ایمان رکھنے والے ہوں، تو ہم ان کو ضرور بہ ضرور پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے اور ہم ضرور بہ ضرور ان کو ایسا اجر عطا فرمائیں گے جو ان کے کئے ہوئے کاموں میں سب سے بہترین اجر ہوگا)۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین سے اعراض کریں گے اور دنیا پر حرص کریں گے اور دنیا کے حصول کی خواہش دن بہ دن ان میں زیادہ ہوتی رہے گی تو ان پر بخل کو مسلط کر دیا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کو کھینچ لیں گے۔

عکرمہ نے کہا ہے کہ ''ضَنْكًا'' کا معنی ہے: کسبِ حرام اور حسن بصری نے کہا ہے: ''ضَنْكًا'' کا معنی ہے طعام زقوم۔ اور حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد ہے قبر کا عذاب۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کافر پر اس کی قبر کو تنگ کر دیا جائے گا حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک طرف سے دوسری طرف نکل جائیں گی اور یہی ''مَعِيْشَةً ضَنْكًا'' ہے۔ (صحیح ابن حبان: ۳۱۲۲، مسند البزار: ۲۲۳۳)

العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب بھی تم اپنے غلاموں میں سے کسی غلام کو کوئی چیز دو خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، اور وہ اس کو خرچ نہ کرے تو یہ تنگی معیشت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی بدگمانی کی وجہ سے اور ان کی تکذیب کی وجہ سے ان کی معیشت میں تنگی نہیں فرماتے۔ پس جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرے اور اس کے ساتھ بدگمانی کرے اور اس پر اعتماد نہ کرے تو اس کی معیشت اس پر تنگ ہو جاتی ہے اور یہی ''الضنك'' ہے۔ اور الضحاک نے کہا: وہ برا عمل ہے اور خبیث رزق ہے۔ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ''مَعِيْشَةً ضَنْكًا'' سے مراد قبر کا اس کو دبانا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مومن اپنی قبر میں سرسبز باغ میں ہوتا ہے اور اس کی قبر میں ستر (۷۰) ہاتھ وسعت کی جاتی ہے اور اس کی قبر کو اس طرح روشن کر دیا جاتا ہے جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے، کیا تم جانتے ہو ''فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا'' کس کے متعلق نازل ہوئی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ قبر میں

عذاب کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اس کے اوپر ننانوے تنین مسلط کر دیے جائیں گے، کیا تم جانتے ہو کہ تنین کیا ہیں؟ یہ سانپ ہیں اور ہر سانپ کے سات سر ہوں گے، وہ اس کے جسم کو ڈستیں گے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے تک اس کو ڈستے رہیں گے۔ (حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا سخت منکر ہے)۔

"وَنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی": اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ مجاہد نے کہا ہے کہ وہ جنت سے اندھا ہوگا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ خیر کی تمام جہات سے اندھا ہوگا اور کسی خیر کی طرف ہدایت نہیں پائے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے نفس سے عذاب کو دور کرنے میں اندھا ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وہ کہے گا: اے میرب رب! آپ نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا اور میں تو (دنیا میں) دیکھنے والا تھا○" (طٰہٰ: ۱۲۵)

"قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا": یعنی آپ نے کس گناہ کے سبب سے مجھے اندھا اٹھایا ہے حالانکہ میں تو دنیا میں دیکھنے والا تھا، گویا کہ اس کا یہ گمان ہوگا کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: یعنی آپ نے مجھے میری حجت اور دلائل سے کیوں اندھا فرمادیا حالانکہ میں تو اپنی حجت اور دلائل پر بصیرت رکھتا تھا۔ لیکن یہ تفسیر بعید ہے، کیونکہ کافر کی دنیا میں کوئی حجت نہیں تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اللہ فرمائیں گے: ایسا ہی ہونا چاہیے تھا، تیرے پاس دنیا میں ہماری توحید کی نشانیاں آئیں تو تو نے اُن نشانیوں کو بھلا دیا، اور اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیا جائے گا○" (طٰہٰ: ۱۲۶)

"قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی": کیونکہ تیرے پاس میری توحید پر نشانیاں اور میری قدرت پر دلائل آئے تھے، تو نے ان کو بھلا دیا، یعنی تو نے ان کو چھوڑ دیا اور ان پر غور نہیں کیا اور ان سے اعراض کیا۔ اسی طرح آج تجھ کو جہنم کے عذاب میں چھوڑ دیا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جو شخص حد سے تجاوز کرتا ہے اور اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان نہیں لاتا تو ہم اس کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں، اور ضرور آخرت کی سزا زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والی ہے○" (طٰہٰ: ۱۲۷)

"وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی":

اور جس طرح ہم نے اس کو سزا فرمائی ہے جو قرآن مجید سے اعراض کرتا ہے اور مصنوعات میں غور وفکر کر کے خالق تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتا اور نافرمانی میں حد سے تجاوز کرتا ہے، اسی طرح ہم اس کو سزا دیں گے جو اپنے رب کی آیات پر ایمان نہیں لاتا اور ان کی تصدیق نہیں کرتا اور ضرور آخرت کا عذاب یعنی معیشت میں تنگی اور عذاب قبر زیادہ سخت اور زیادہ دیر تک رہنے والا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کیا ان کافروں کو اس چیز نے ہدایت نہیں دی کہ ہم ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک فرما چکے ہیں جن کے کھنڈرات میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں، بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور

نشانیاں ہیں O"(طٰہٰ:۱۲۸)

"اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى":

اے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جو معجزات اور دلائل لے کر اہل مکہ کے پاس آئے ہیں، کیا ایسے ہی دلائل ہم نے پچھلی اُن قوموں کے پاس نہیں بھیجے جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی، پھر اُن پر اللہ تعالیٰ کا ایسا عذاب آ گیا جس سے ان کا کوئی اثر باقی نہ رہا جیسا کہ لوگ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ان کے گھر خالی پڑے ہوئے ہیں۔ بے شک صحیح عقل والوں کے لیے اس میں ہماری ضرور نشانیاں ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَاۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ۔۔۔(الحج:۴۶)"(کیا اہل مکہ نے دیدۂ عبرت کے ساتھ زمین میں سفر نہیں کیا؟ اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنے دلوں سے منکروں کا انجام سمجھتے یا کانوں سے ان کی تباہی کی خبریں سنتے، حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں میں پائے جانے والے دل اندھے ہوجاتے ہیں)۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"اَوَ لَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍؕ اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ۔۔ (السجدہ:۲۶)"(کیا اس حقیقت نے اہل مکہ کی آنکھیں نہیں کھولیں کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے ہی قوموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جن کے گھروں میں آج تک یہ لوگ چل پھر رہے ہیں؟ بے شک قوموں کے ہلاک کرنے میں بہت سی نشانیاں ہیں، تو کیا یہ (ہماری آیتوں کو) سنتے نہیں؟)

(تفسیر القرآن العظیم، ج ۳ ص ۱۸۶۔۱۸۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، جز ۱۱ ص ۲۲۴۔۲۳۰، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾

اور اگر اس سے پہلے آپ کے رب کی طرف سے اعمال کی جزا کا وقت مقرر نہ ہوتا اور قیامت کا وقت مقرر نہ ہوتا تو ان کافروں پر ضرور عذاب آ چکا ہوتا O

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا یَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَاۚ وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

پس آپ ان کافروں کی طعن انگیز باتوں پر صبر کیجئے اور سورج کے طلوع سے پہلے اور سورج کے غروب سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے اور رات کے کناروں میں اور دن کی اطراف میں ان کی اس امید پر تسبیح کیجئے کہ آپ راضی ہو جائیں گے O

وَ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﳔ لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِؕ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾

اور ہم نے دنیا کی تر و تازگی کی جو مختلف چیزیں لوگوں کی آزمائش کے لیے انہیں عطا فرمائی ہوئی ہیں، آپ اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں، آپ کے رب کا رزق زیادہ بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے O

وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾

اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیجئے اور اس پر قائم رہیں، ہم آپ سے رزق کا سوال نہیں کرتے، ہم ہی آپ کو رزق عطا فرماتے ہیں اور نیک انجام اللہ سے ڈرنے والوں کا ہے O

وَ قَالُوْا لَوْ لَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَ لَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾

اور کفار نے کہا: یہ نبی اپنے رب کے پاس سے ہماری مطلوبہ نشانی کیوں نہیں لے کر آئے، کیا جو کچھ پہلے آسمانی صحیفوں میں ہے اس کا بیان ان کے پاس نہیں آچکا؟ O

وَ لَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾

اور اگر ہم اس رسول کے آنے سے پہلے انہیں کسی عذاب سے ہلاک فرما دیتے تو وہ قیامت کے دن ضرور کہتے: اے ہمارے رب! آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا، ہم دنیا میں ذلیل اور آخرت میں رسوا ہونے سے پہلے آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے O

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَ مَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

(اے رسول اکرم!) آپ کہیے: سب اپنے اپنے انجام کا انتظار کر رہے ہیں، سو تم بھی انتظار کرو، پس عنقریب تم جان لو گے کہ کون سیدھے راستہ پر ہیں اور کون ہدایت پانے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر اس سے پہلے آپ کے رب کی طرف سے اعمال کی جزا کا وقت مقرر نہ ہوتا اور قیامت کا وقت مقرر نہ ہوتا تو ان کافروں پر ضرور عذاب آچکا ہوتا O'' (طٰہٰ: ۱۲۹)

کفار اور مشرکین کے سخت کفر اور شرک کرنے کے باوجود ان پر فوراً عذاب نازل نہ فرمانے کی توجیہات

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، طٰہٰ: ۱۲۹ تا ۱۳۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى": اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ جن لوگوں نے سیدنا محمد ﷺ کی تکذیب کی اور آپ کا کفر کیا تو اُن پر جلدی عذاب کیوں نہیں آیا۔ یعنی اُس زمانہ کے کفار اگرچہ تکذیب کرتے تھے پھر بھی اُن پر عذاب کو موخر کیا جاتا تھا اور ان پر ایسا عذاب نازل نہیں فرمایا گیا جو اُن کو جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دیتا۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ ان کافروں پر فوراً عذاب کیوں نہیں نازل فرمایا گیا؟

بعض مفسرین نے کہا: کیونکہ اللہ عزوجل کو علم تھا کہ ان کفار میں بعض ایسے ہیں جو ایمان لے آئیں گے اس لیے اُن پر ایسا عذاب نازل نہیں فرمایا گیا جو اُن سب کو ملیامیٹ کر دے، اور بعض دوسرے مفسرین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان کفار کی نسل میں ایسے لوگ ہیں جو ایمان لے آئیں گے اور اگر ان پر عذاب نازل فرما دیا جاتا تو سب کو ہلاک فرما دیا جاتا۔

میں کہتا ہوں: اس تفسیر کی نظیر حسب ذیل حدیث ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے عرض کیا: کیا آپ کے اوپر کوئی ایسا دن بھی آیا جو آپ کے نزدیک غزوۂ احد کے دن سے بھی زیادہ شدید تھا؟ آپ نے فرمایا: تمہاری قوم سے مجھے جو مصائب پہنچے سو پہنچے، اور ان تمام مصائب میں سے سب سے زیادہ سخت مصیبت وہ تھی جو مجھے عقبہ کے دن پہنچی جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال پر پیش کیا، اس نے میرے ارادہ کے مطابق میری دعوت کو قبول نہیں کیا، میں وہاں سے بہت مغموم حالت میں چل پڑا۔ پھر جب میں قرن الثعالب پر پہنچا تو میری حالت سنبھلی، پس میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھ پر ایک بادل نے سایا کیا ہوا تھا، پھر میں نے غور کیا تو اس بادل میں حضرت جبریل علیہ السلام تھے، انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا: بے شک اللہ نے آپ کی قوم کی باتیں سن لی ہیں اور آپ کی قوم نے جو آپ کو جواب دیا وہ بھی سن لیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ اس کو ان لوگوں کے متعلق جو چاہیں حکم دے دیں، پھر مجھ کو پہاڑوں کے فرشتہ نے آواز دی، پس اس نے مجھ کو سلام کیا پھر اس نے کہا: اے محمد! اس نے بھی یہی کہا آپ جو چاہیں، اگر آپ چاہیں تو جن دو پہاڑوں کے درمیان یہ لوگ ہیں، ان دو پہاڑوں کو آپس میں ملا دیں (جس سے یہ ان کے درمیان پس جائیں)، تب نبی ﷺ نے فرمایا: بلکہ مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالیں گا جو صرف اللہ وحدہٗ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کریں گے۔ (صحیح البخاری:۳۲۳۱، ۷۳۸۹، ۱۷۹۵)

اور بعض مفسرین نے کہا: اُن پر عذاب نازل نہ فرمانے کی مصلحت مخفی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس مصلحت کا علم نہیں ہے، اور اہل سنت نے یہ کہا کہ اللہ عزوجل مالک علی الاطلاق ہیں، وہ چاہیں تو بعض کو اپنے فضل سے عذاب سے مخصوص فرما دیں اور وہ چاہیں تو بغیر کسی سبب اور وجہ کے اُن پر عذاب نازل فرما دیں۔

اس آیت میں "اَجَلٌ مُّسَمًّى" کا ذکر ہے، اس کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) اگر ان کے لیے دنیا میں عذاب کا وقت مقرر نہ ہوتا جیسا کہ کفار پر بدر کے دن عذاب کا وقت مقرر تھا۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اگر ان کے لیے آخرت میں عذاب کا وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر عذاب نازل فرما دیا جاتا جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ۔" (القمر:۴۶) (بلکہ قیامت ان کے (لیے عذاب کے) وعدہ کا دن ہے اور قیامت بڑی خوفناک اور بہت کڑوی ہے)۔ سو اگر قیامت کا وقت

پہلے سے مقرر نہ ہوتا تو جس طرح مشرکین ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کو ایذاء پہنچاتے ہیں، ان پر عذاب آچکا ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے اقوال سے ایذاء پہنچتی تھی

اور جن اقوال سے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچاتے تھے وہ یہ ہیں: وہ آپ کے متعلق کہتے تھے کہ یہ جادوگر ہیں، یا مجنون ہیں یا شاعر ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ جو نبوت کا دعویٰ کرتے تھے مشرکین اس کی تکذیب کرتے تھے، کیونکہ اس سے بھی آپ کو غم ہوتا تھا اور آپ کو ایذاء پہنچتی تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس آپ ان کافروں کی طعن انگیز باتوں پر صبر کیجئے اور سورج کے طلوع سے پہلے اور سورج کے غروب سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ ان کی تسبیح کیجئے اور رات کے کناروں میں اور دن کی اطراف میں ان کی اس امید پر تسبیح کیجئے کہ آپ راضی ہوجائیں گے O'' (طٰہٰ:۱۳۰)

''فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى'': اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے: ''وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔(البقرہ:۴۵)'' (اور صبر اور نماز سے مدد طلب کرو)۔ اس آیت میں فرمایا ہے: ''بِحَمْدِ رَبِّكَ'' یعنی آپ اپنے رب کی اس پر حمد کرنے والے ہوں کہ انہوں نے آپ کو تسبیح کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اور تسبیح پڑھنے پر آپ کی مدد فرمائی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ صبر کرنے کے بعد تسبیح پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، کیونکہ مومنین کو سب سے بڑی راحت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات سے پہنچتی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس تسبیح کے متعلق اختلاف ہے، اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ اس سے مراد نماز ہے، پھر اس میں تین اقوال ہیں:

پانچ نمازوں کی فرضیت پر قرآن مجید سے دلائل

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى۔(طٰہٰ:۱۳۰)'' (اور سورج کے طلوع سے پہلے اور سورج کے غروب سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ ان کی تسبیح کیجئے اور رات کے کناروں میں اور دن کی اطراف میں ان کی اس امید پر تسبیح کیجئے کہ آپ راضی ہوجائیں گے)۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نمازیں پانچ ہیں نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت میں پانچ نمازیں داخل ہیں، سورج کے طلوع سے پہلے جو نماز ہے وہ فجر کی نماز ہے اور سورج کے غروب سے پہلے جو نماز ہے وہ ظہر اور عصر کی نماز ہے، کیونکہ یہ دونوں نمازیں غروب سے پہلے پڑھی جاتی ہیں۔

اور ''وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ'' سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں۔ اور ''اَطْرَافَ النَّهَارِ'' جو فرمایا ہے یہ دو نمازوں کی تاکید کے لیے فرمایا ہے جو دن کی دو طرفوں میں پڑھی جاتی ہیں اور وہ فجر اور مغرب کی نماز ہیں۔ اور ان کی تخصیص اس طرح کی گئی ہے جس طرح الصلوٰۃ الوسطیٰ یعنی عصر کی نماز کی تخصیص فرمائی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۔(البقرہ:۲۳۸)''

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِیًّا وَّ حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ۔'' (الروم: ۱۷-۱۸) (شام کے وقت اور صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو ۝ اور اسی کے لیے حمد ہے آسمانوں میں اور زمینوں میں اور شام سے پہلے اور ظہر کے وقت)۔

ان آیات میں فجر، ظہر، عصر اور مغرب کے اوقات کا ذکر ہے، شام اور صبح میں فجر اور مغرب کے اوقات کا ذکر ہے اور ''شام سے پہلے'' عصر کی نماز کا وقت ہے اور ظہر کا وقت صراحۃً ذکر ہے۔ علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ ''عَشِیًّا'' میں شام اور عشاء دونوں مراد ہیں۔ اس طرح اس آیت میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے اور فرمایا: ''اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ۔'' (ہود: ۱۱۴) (اور (اے رسول اکرم!) آپ دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے قریب نمازیں پڑھتے رہیے)۔ اس آیت میں فجر اور مغرب کے علاوہ عشاء کا بھی ذکر ہے، کیونکہ فجر اور مغرب دن کے دو کناروں کی نمازیں ہیں اور عشاء رات کے ایک حصہ میں پڑھی جاتی ہے۔ ان تینوں آیتوں میں پانچ نمازوں کے اوقات کا ذکر آ گیا ہے۔

(۳) نیز فرمایا: ''حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ۔'' (البقرۃ: ۲۳۸) (تمام نمازوں کی اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی حفاظت کرو)۔ اس آیت میں پانچ نمازوں کا ذکر ہے کیونکہ صلوات جمع کا صیغہ ہے، عربی قواعد کے اعتبار سے اس کا اطلاق کم از کم تین نمازوں پر ہوگا اور صلوٰۃ وسطیٰ کا اس پر عطف کیا گیا ہے جو مغایرت کو مستلزم ہے، اس لیے صلوٰۃ وسطیٰ ان تین نمازوں کے علاوہ نماز ہوگی، اس طرح چار نمازیں ثابت ہوئیں اور چار میں درمیانی نماز نہیں ہو سکتی، اسلیے صلوات سے کم از کم چار نمازیں مراد ہوں گی اور ایک صلوٰۃ وسطیٰ اس طرح ملا کر پانچ نمازیں ثابت ہو گئیں۔

(۴) نیز قرآن کریم میں ہے: ''اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۔'' (بنی اسرائیل: ۷۸) (سورج کے زوال سے لے کر رات کی تاریکی تک نماز قائم کیا کریں اور فجر کی نماز میں قرآن مجید پڑھا کریں، بے شک فجر کی نماز میں قرآن پڑھتے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں)۔ اس آیت میں بھی پانچ نمازوں کا ذکر ہے، کیونکہ سورج ڈھلنے کے بعد سے لے کر رات کے اندھیرے تک چار نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ ظہر، عصر، مغرب یہ سورج ڈھلنے کے بعد ہیں اور عشاء رات کا اندھیرا چھا جانے کے بعد پڑھی جاتی ہے اور قرآن الفجر میں فجر کی نماز کا ذکر ہے۔

رات کے وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر کی فضیلت

اور دوسرا قول یہ ہے کہ نمازیں پانچ ہیں اور اُن سے زیادہ ہیں، رہا اُن کی دلالت پانچ نمازوں پر وہ اس طرح ہے کہ زمانہ یا تو سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ہوگا یا غروب ہونے سے پہلے ہوگا، پس رات اور دن دونوں اس میں داخل ہیں، اور فرض نمازوں کے اوقات اس میں داخل ہیں۔ اور باقی رہا یہ قول ''وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى'' تو اس سے مراد نفلی نمازیں ہیں۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ سب سے افضل ذکر وہ ہے جو رات کو ہو، کیونکہ رات میں جمعیت بہت زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ اس وقت میں تمام لوگ ساکن ہوتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا۔'' (المزمل: ۶) (بے شک رات کا اٹھنا اس میں حواس اور دل کی زیادہ موافقت ہے اور بات خوب درست نکلتی ہے)۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ" (الزمر: ۹) "(کیا وہ مشرک بہتر ہے یا وہ شخص جو رات کی ساعتیں سجدے اور قیام کر کے عبادت کرتے ہوئے گزارتا ہے، قیامت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے)۔ اور اس لیے کہ رات کا وقت سکون اور راحت کا ہوتا ہے، جب اس وقت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کیا گیا تو نفس پر بہت دشوار ہوگا اور بدن کے لیے سخت تھکانے والا ہوگا تو اس کی وجہ سے اجر اور فضل کا استحقاق زیادہ ہوگا۔

چوتھا قول یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے "وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ" تو کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ دن کی تو صرف دو طرفیں ہوتی ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے "وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ" کیسے فرمایا، بلکہ اولیٰ یہ تھا کہ اس طرح فرماتے: "وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ" (ہود: ۱۱۴) "(اور (اے رسول اکرم!) آپ دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے قریب نمازیں پڑھتے رہیے)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جمع کے صیغہ کے مصداق کے لیے کم از کم دو فرد ہوتے ہیں۔ پس سوال ساقط ہو گیا۔

تمام کائنات میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی فرمانے کی خصوصیت

پانچواں قول یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے "لَعَلَّكَ تَرْضٰى" اور اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اس کی نظیر ایسے ہے جیسے کوئی بہت بڑا بادشاہ اپنے خادم سے کہے کہ تم میری خدمت میں مشغول رہا کرو تو شاید تمہیں کوئی فائدہ ہو یا اس سے مراد یہ ہو کہ میں تم کو نعمت کے بہت بڑے مرتبہ پر پہنچا دوں گا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے اس طرف اشارہ ہو "وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" (الضحیٰ: ۵) "(اور بے شک عنقریب آپ کے رب آپ کو اتنا عطا فرمائیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں گے)۔ اور یا اس آیت کی طرف اشارہ ہو: "وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" (بنی اسرائیل: ۷۹) "(اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد پڑھا کریں، یہ نماز آپ کے لیے خصوصیت سے زائد ہے، عنقریب آپ کے رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائیں گے)۔

(۲) اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا ثواب عطا فرمائیں گے جس سے آپ راضی ہو جائیں گے۔

(۳) یعنی آپ کو اتنی شفاعت کرنے کا منصب عطا فرمائیں گے جس سے آپ راضی ہو جائیں گے۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: آپ دن کے حصوں میں بھی نماز پڑھیے تاکہ آپ راضی ہو جائیں، اس سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مقام اور بلند مرتبہ کی خبر دینا ہے کہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہے اور اللہ عزوجل آپ کو راضی فرماتے ہیں قرآن مجید میں ہے: "وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" (الضحیٰ: ۵) "(اور بے شک عنقریب آپ کے رب آپ کو اتنا عطا فرمائیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں گے)" نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" (بنی اسرائیل: ۷۹) "(عنقریب آپ کے رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائیں گے)۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا" (البقرہ: ۱۴۴) "(ہم آپ کو ضرور اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس سے آپ راضی ہوں گے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "ما اری ربک الا یسارع فی هواک" (میں صرف یہی دیکھتی ہوں کہ آپ کے رب آپ کی خواہش پوری فرمانے میں بہت جلدی فرماتے ہیں)۔ (صحیح البخاری: ۴۷۸۸، سنن نسائی: ۳۱۹۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۴۱۴)

اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا ثواب عطا فرمائیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں گے، اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ

آپ کے رب آپ کی شفاعت اس قدر زیادہ قبول فرمائیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں گے، اور اس کا چوتھا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کو اس قدر فتوحات عطا فرمائیں گے اور آپ کے دین کو اس قدر غلبہ عطا فرمائیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں گے، اور پانچواں محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے افراد کو باقی تمام امتوں سے اس قدر زیادہ فرمادیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں گے، اور چھٹا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے اس قدر زیادہ گناہ گاروں کی مغفرت فرمائیں گے اور آپ کی امت کے اس قدر زیادہ افراد کو جنت میں داخل فرمائیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ اور اس کا ساتواں محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو وہ تمام چیزیں عطا فرمائیں گے جو آپ کو پسند ہیں اور جن سے آپ راضی ہوتے ہیں۔ اور اس کا آٹھواں محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا دیدار عطا فرمائیں گے تو آپ راضی ہو جائیں گے کیونکہ آپ نماز اس کیفیت سے پڑھتے تھے کہ گویا آپ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔ واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور اللہ تعالیٰ کی رضا الگ الگ نہیں ہیں۔ آپ ان ہی چیزوں سے راضی ہوتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں، آپ کی رضا اللہ تعالیٰ کی رضا اور اللہ تعالیٰ کی رضا آپ کی رضا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”ہم نے دنیا کی تر و تازگی کی جو مختلف چیزیں لوگوں کی آزمائش کے لیے انہیں عطا فرمائی ہوئی ہیں، آپ اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں، آپ کے رب کا رزق زیادہ بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے ○“ (طٰہٰ: ۱۳۱)

”وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ۬ لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ ؕ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی“:

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی دل آزار باتوں پر صبر کرنے کا حکم فرمایا اور آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی طرف رجوع کریں تو اس کے بعد پھر کفار کی ان نعمتوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے سے منع فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی ہیں۔

”وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ“: اس کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ اُن نعمتوں کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں، یعنی آنکھ اٹھا کر اس طرح نہ دیکھیں کہ وہ نعمتیں اچھی معلوم ہوں جس طرح کہ قارون کے دیکھنے والوں نے کہا: ”فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۔۔۔(القصص:۷۹)“ (پھر وہ (ایک دن) پوری زیب و زینت کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے نمودار ہوا دنیا کی زندگی کے طلبگاروں نے کہا: ”کاش ہمیں بھی ایسی شان و شوکت دی جاتی جو قارون کو دی گئی ہے، بے شک وہ بڑا خوش قسمت ہے“)۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۔۔۔(القصص:۸۰)“ (اور جنہیں علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے: ”تم پر افسوس ہے، اللہ کا ثواب (جنت) اس شخص کے لئے بہتر ہے جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کئے اور وہ صبر کرنے والوں کو ہی ملتی ہے“)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کسی چیز کو سرسری نظر سے دیکھا جائے اور لگاتار نہ دیکھا جائے تو وہ معاف ہوتی ہے، جیسے انسان کسی چیز کو ایک مرتبہ دیکھے، پھر نظر پھیر دے۔

اور ابو مسلم نے کہا: اس آیت میں جو کفار کی نعمتوں کی طرف آنکھیں کھول کر دیکھنے سے منع فرمایا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ تم کو

جو نعمتیں نہیں ملی ہیں، ان پر افسوس کرتے ہوئے نہ دیکھو۔

حضرت ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مہمان آیا تو آپ نے مجھے ایک یہودی کے پاس بھیجا کہ میں اس سے کوئی چیز بہ طور قرض خرید کر لاؤں، اس یہودی نے کہا: میں ان کو کوئی چیز قرض نہیں دوں گا جب تک کہ یہ میرے پاس اپنی کوئی چیز رہن نہ رکھ لیں، میں نے آپ کو آکر بتایا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کی زرہ رہن رکھ لوں، تب یہ آیت نازل ہوئی: "وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ"۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں بہ ظاہر آپ کو خطاب ہے لیکن مراد آپ کی امت ہے، یعنی آپ کی امت کو اس چیز سے منع فرمایا گیا ہے کہ کفار کو جو دنیا کی زیب و زینت کی چیزیں دی گئی ہیں ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں، کیونکہ آپ کا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ آپ کفار کی ظاہری نعمتوں اور آسائشوں کی طرف رغبت سے دیکھیں، لہٰذا اس آیت میں آپ سے بہ طور تعریض خطاب ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

یحییٰ بن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کی طرف نظر نہیں فرماتے اور نہ تمہارے اموال کی طرف نظر فرماتے ہیں لیکن وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کی طرف نظر فرماتے ہیں۔ پس جس شخص کا نیک دل ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرماتے ہیں اور تم صرف آدم کی اولاد ہو، تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۵۶۴، سنن ابن ماجہ: ۴۱۴۳، صحیح ابن حبان: ۳۹۴، کتاب الزہد والرقاق: ۱۵۴۲، مسند اسحاق بن راہویہ: ۳۷۹، مسند احمد: ۷۸۲۷، المنتخب من مسند عبد بن حمید ج ۲ ص ۳۴۳، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ۱۰۰۱، کتاب الآداب للبیہقی: ۸۱۶، شعب الایمان للبیہقی: ۹۹۹۳، تاریخ ابن عساکر: ۲۶۳، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ، ج ۳ ص ۱۹۵)

اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو، اسی وجہ سے بے عقل لوگ دنیا کو جمع کرتے ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے فرمایا: تم دنیا کو جمع نہ کرو ورنہ تمہیں دنیا غلام بنا لے گی۔ اور عروہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ جب وہ سلاطین کے پاس مال دیکھتے تو اس آیت کی تلاوت کرتے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: "اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ" یعنی آپ اُن چیزوں کی طرف نہ دیکھیں جو ہم نے کفار کو بہ طور لذت دی ہیں، یعنی وہ چیزیں جو بہت حسین و جمیل ہیں اور دیکھ کر انسان اُن سے خوش ہوتا ہے اور وہ خوشبوئیں جنہیں سونگھ کر انسان خوش ہوتا ہے، اسی طرح پہننے کے کپڑے اور دیگر ساز و سامان، اُن کی طرف آپ نہ دیکھیں۔

نیز اس آیت میں فرمایا: "اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی ان کی مختلف قسموں کی طرف نہ دیکھو۔ الکلبی اور الزجاج نے کہا: اُن کے مردوں کی طرف نہ دیکھیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے: "زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" یعنی دنیا کی تر و تازہ چیزیں جنہیں دیکھ کر انسان ان کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور اس آیت میں فرمایا ہے "لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ" یعنی ان چیزوں کی وجہ سے ہم ان کو عذاب دیں گے، جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے: "فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ"۔

(الحزاب:۵۵)"(اے رسولِ اکرم!) آپ کو اُن کے اموال اور اولاد کی کثرت کسی تعجب میں مبتلا نہ کرے، اللہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ اُن کے مال اور اولاد کی کثرت کی وجہ سے اُن کو دنیا کی زندگی میں مزید عذاب میں مبتلا فرمائیں اور اس حال میں اُن کے جسموں سے اُن کی جانیں نکلیں کہ وہ کفر کر رہے ہوں)۔ یہی وجہ ہے کہ فقراء مسلمین کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خدمت میں رجوع کرنا اغنیاء کے رجوع کرنے سے بہت زیادہ ہے۔ اور اس لیے کہ جس کو دنیا کا مال بہ قدرِ ضرورت دیا گیا اس کا نافرمانیوں سے اجتناب کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا اس کا نافرمانیوں سے اجتناب کرنا زیادہ مشکل ہوتا ہے جس کو اس کی ضرورت سے زیادہ مال دیا گیا ہے۔ اور انہی وجوہ سے عاجز فقیر کا اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے اجتناب کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیجئے اور اس پر قائم رہیں، ہم آپ سے رزق کا سوال نہیں کرتے، ہم ہی آپ کو رزق عطا فرماتے ہیں اور نیک انجام اللہ سے ڈرنے والوں کا ہے O" (طہٰ:۱۳۲)

اس آیت میں فرمایا ہے: "وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ"۔ (یعنی آپ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیجئے)۔

بعض علماء نے کہا: اس سے مراد ہے آپ اپنے رشتہ داروں کو نماز پڑھنے کا حکم دیجئے۔ اور بعض نے کہا: اس سے مراد ہے جو آپ کے دین پر عمل کرتے ہیں ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیجئے۔

"وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا": اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح آپ اُن کو نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں، اس کی حفاظت کیجئے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز صبح اور شام حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے پاس جاتے اور اُن کو نماز پڑھنے کا حکم فرماتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کئی مہینوں تک اس طرح کرتے رہے۔

"لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ": ابومسلم نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی عبادت کا ارادہ فرماتے ہیں، اور اُن سے رزق کا ارادہ نہیں فرماتے ہیں جیسا کہ امیر لوگ اپنے غلاموں کو خراج ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں، اور یہ اس طرح ہے جیسے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَاۤ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ (الذاریات:۵۶۔۵۷)" (اور میں نے جن اور انسان اسی لئے پیدا فرمائے کہ وہ میری عبادت کریں O میں ان سے نہ تو رزق طلب کرتا ہوں اور نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا دیں)۔ یعنی ہم آپ کے لیے رزق کا سوال کرتے ہیں اور نہ آپ کے اہل کے لیے، بلکہ ہم آپ کو اور آپ کے اہل کو سب کو رزق عطا فرماتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مشقت اٹھانے والے، مصیبت میں مبتلاء اور تنگی سے گزارہ کرنے والوں کے پاس آتے تو اُن کو نماز پڑھنے کا حکم فرماتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے، اور ان کو یہ ارشاد فرماتے کہ اس آیت میں رزق کے حصول کے لیے کسب کرنے کی رخصت نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے متقین کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا ہے "رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۔۔۔ (النور:۳۷)" (وہ ایسے مرد ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی)۔

"وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى": عاقبت کا معنی ہے: کسی کام کا انجام، اور اس آیت میں مراد ہے کہ کسی کام کا عمدہ اور بہتر انجام جو ان کو حاصل ہوتا ہے جو اللہ عزوجل سے ڈرنے والے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اس مؤکد حکم کو ذکر فرمانے کے بعد کفار کے اس شبہ کا ازالہ فرمایا کہ اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں تو ان پر کوئی ہمارا مطلوبہ معجزہ کیوں نہیں نازل ہوا، اور مسلمانوں کو یہ بتایا کہ وہ کفار کی ان معاندانہ باتوں پر صبر کریں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مستقیم رہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ..... (طٰہٰ:۱۳۰)" (پس آپ ان کافروں کی طعن انگیز باتوں پر صبر کیجئے اور سورج کے طلوع سے پہلے اور سورج کے غروب سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ ان کی تسبیح کیجئے اور رات کے کناروں میں اور دن کی اطراف میں ان کی اس امید پر تسبیح کیجئے کہ آپ راضی ہو جائیں گے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور کفار نے کہا: یہ نبی اپنے رب کے پاس سے ہماری مطلوبہ نشانی کیوں نہیں لے کر آئے، کیا جو کچھ پہلے آسمانی صحیفوں میں ہے اس کا بیان ان کے پاس نہیں آچکا؟O" (طٰہٰ:۱۳۳)

"وَ قَالُوْا لَوْ لَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ": کفار اپنے کلام سے یہ وہم پیدا کرتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بغیر کسی معجزہ اور دلیل کے ایمان کی دعوت دیتے ہیں، اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو نقل فرمایا: "فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ..... (الانبیاء:۵)" (اگر یہ رسول ہیں تو پہلے رسولوں کی طرح ہمارے پاس کوئی نشانی لائیں)۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس اعتراض کا یہ جواب ارشاد فرمایا: "اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى": (کیا جو کچھ پہلے آسمانی صحیفوں میں ہے اس کا بیان ان کے پاس نہیں آچکا)۔

اس جواب کی تفصیل حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جو کچھ قرآن میں مذکور ہے، وہ پچھلی آسمانی کتابوں کے موافق ہے جب کہ ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی مکتب میں جا کر پچھلی کتابوں کی تعلیم اور درس حاصل کرنے کے لیے نہیں گئے اور نہ آپ نے کسی استاذ کو دیکھا جو آپ کو پچھلی کتابوں کی خبر دیتا ہو تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پچھلی آسمانی کتابوں کے موافق قرآن مجید کی آیات کا بیان کرنا غیب کی خبر ہے اور غیب کی خبر سوائے وحی کے اور معجزہ کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

(۲) پچھلی آسمانی کتابوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات ہیں جیسا کہ تورات اور انجیل میں مذکور ہیں، اور یہ آپ کے دعویٰ نبوت کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔

(۳) امام ابن جریر اور القفال نے "اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ گزشتہ آسمانی کتابوں میں ان قوموں کی خبریں ہیں جن کی مسلسل نافرمانی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہم نے ان کو ہلاک فرما دیا تھا، پھر جب انہوں نے مزید معجزات کا سوال کیا اور اُن کتابوں کا انکار کیا اور اُن کے ساتھ کفر کیا تو ہم نے اُن پر جلد عذاب نازل فرمایا، اب یہ کفار مکہ جو آپ سے آپ کی نبوت پر معجزات کا مطالبہ کر رہے ہیں تو ان کفار مکہ کو کیسے یہ اطمینان ہوا کہ پچھلی قوموں کی طرح ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر ہم اس رسول کے آنے سے پہلے انہیں کسی عذاب سے ہلاک فرمادیتے تو وہ قیامت کے دن ضرور کہتے: اے ہمارے رب! آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا، ہم دنیا میں ذلیل اور آخرت میں رسوا ہونے سے پہلے آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے O'' (طٰہٰ: ۱۳۴)

''وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى'':
یعنی اگر ہم نے ان کفار مکہ کی طرف آپ کو اپنا پیغامِ رسالت دے کر نہ بھیجا ہوتا تو یہ قیامت کے دن ضرور کہتے کہ اے اللہ! آپ نے ہمارے پاس اپنا پیغام کیوں نہیں بھیجا؟ یعنی اس وقت وہ ایسا کہہ سکتے تھے لیکن اب تو ہم نے آپ کو ان کے پاس بھیج دیا ہے اور ان کی زبان میں ہم نے بیان فرمادیا ہے کہ ان کے اوپر اللہ تعالیٰ نے کیا احکام نازل فرمائے ہیں، اور کون سے احکام ان کے لیے باعثِ مشقت ہیں اور کون سے احکام ان کے لیے باعثِ نفع ہیں، لہٰذا اب ان کے ہاتھ میں کوئی حجت نہیں ہے جس کو وہ قیامت کے دن پیش کر سکیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تین قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے حجت پیش کریں گے: (۱) جو زمانہ فترت میں ہلاک کر دیا گیا وہ کہے گا: میرے پاس کوئی رسول نہیں آیا ورنہ میں تمام مخلوق سے زیادہ اس کی پیروی کرنے والا ہوتا اور یہ آیت پڑھتا ''لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا''۔ (۲) جو شخص مغلوب العقل ہو وہ کہے گا کہ آپ نے مجھے عقل کیوں نہیں عطا فرمائی حتیٰ کہ میں اس سے نفع حاصل کرتا۔ (۳) نابالغ بچہ کہے گا: میں تو کم عمر اور نابالغ تھا، مجھے احکام کی سمجھ نہیں تھی تو ان سب کے سامنے آگ پیش کی جائے گی اور اُن سے کہا جائے گا: اس آگ میں داخل ہو جاؤ، پس جس شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ کو پیشگی علم ہوگا کہ وہ بدبخت ہے، وہ نہیں داخل ہوگا۔ اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم ہو کہ وہ سعید اور نیک بخت ہے، وہ باقی رہے گا۔ پس اللہ عزوجل اُن سے ارشاد فرمائیں گے: تم نے آج کے دن میری نافرمانی کی ہے، تو اگر تمہارے پاس میرے رسول آئے ہوتے تو پھر تم کیا کرتے؟

(مسند ابی الجعد: ۲۰۳۸، المعجم الاوسط للطبرانی: ۷۹۵۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۰ ص ۸۳، مسند الشامیین للطبرانی: ۲۲۰۵، مجمع ابن حبان ج ۱۶ ص ۳۵۸، الاستذکار ج ۳ ص ۱۱۳)

اللہ عزوجل کے ارشاد ''لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا'' میں اس پر بہت واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی حجتوں کو قبول فرماتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے ''لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ''۔ (الانبیاء: ۲۳) ''(اللہ جو کرتے ہیں ان سے باز پرس نہیں ہو سکتی جب کہ مخلوقات سے پوچھا جائے گا)، اس آیت کا معنی اس طرح نہیں ہے جس طرح اہل جبر کا گمان ہے کہ جو چیز ہمارے اعتبار سے ظلم ہو وہ اللہ عزوجل کے اعتبار سے عدل ہوتی ہے بلکہ اس کی تاویل یہ ہے کہ اللہ عزوجل جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ عدل ہی ہوتا ہے۔

ہمارے اصحاب نے کہا: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ وجوب صرف شریعت سے متحقق ہوتا ہے، کیونکہ اگر شریعت کے وارد ہونے سے پہلے عذاب ثابت ہو تو یہ عذاب ورودِ شرع سے پہلے ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ طٰہٰ: ۱۳۴ کا صرف اتنا مفاد ہے کہ کفار قیامت کے دن یہ کہیں گے کہ آپ نے ہمارے پاس پہلے رسول کیوں نہیں بھیجا، لیکن اُن کا یہ قول باطل ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ سب کی طرف پہلے رسول بھیج چکے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: سب اپنے اپنے انجام کا انتظار کر رہے ہیں، سو تم بھی انتظار کرو، پس عنقریب تم جان لو گے کہ کون سیدھے راستہ پر ہیں اور کون ہدایت پانے والے ہیں O"

(طٰہٰ:۱۳۵)

"قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ وَمَنِ اهْتَدٰی":

اللہ عزوجل نے سورۂ طٰہٰ کو وعید کی آیت پر ختم فرمایا ہے، ارشاد فرمایا: "قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا" یعنی تم میں سے ہر ایک اور ہم میں سے ہر ایک اپنے انجام کا انتظار کر رہا ہے، اور یہ انتظار ہو سکتا ہے موت سے پہلے ہو، یا تو جہاد کے حکم کے سبب سے ہو، یا حکومت اور قوت کے ظہور کے سبب سے ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ انتظار موت کے سبب سے ہو، کیونکہ ہر فریق اپنے صاحب کی موت کا انتظار کر رہا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ انتظار موت کے بعد ہو اور ثواب اور عذاب کے امر کے ظاہر ہونے کے بعد ہو، کیونکہ آخرت میں ہر فریق حق فریق باطل سے ممتاز ہو جائے گا، کیونکہ فریق حق پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کی انواع واقسام ظاہر ہوں گی، اور فریق باطل پر اہانت کی انواع واقسام کا ظہور ہوگا، اس وقت تم سب لوگ جان لو گے کہ کون دنیا میں سیدھے راستہ پر تھا اور کون دنیا میں گمراہی پر تھا۔ (تفسیر الکبیر ج ۸ ص ۱۱۲۔۱۱۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

الانبیاء ٢١
اقترب للناس ١٧
الانبیاء
(٢١)
تبیان القرآن
211
جلد چہارم

سورۃ الانبیاء کا اجمالی تعارف

سورۃ الانبیاء کا نام

اس سورت کا نام سورۃ الانبیاء ہے، کیونکہ اس سورت میں بہ کثرت انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔ اس سورت کے شروع میں انبیاء علیہم السلام کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے، پھر حضرت اسحاق کا، پھر حضرت یعقوب کا، پھر حضرت لوط کا، پھر حضرت نوح کا، پھر حضرت داؤد کا، پھر حضرت سلیمان کا، پھر حضرت اسماعیل کا، اور حضرت ادریس کا اور حضرت ذوالکفل کا اور حضرت ذوالنون (حضرت یونس علیہ السلام) کا، اور حضرت زکریا کا اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر ہے۔ اور خاتم النّبیین سیدنا محمد صلوات اللہ وسلامہ' کا اختصار کے ساتھ ذکر ہے۔ اور اس میں اختصار کے ساتھ بتایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن ہولناک احوال اور شدائد اور مصائب میں مبتلا رہے اور انہوں نے ان پر صبر کیا۔

عبدالرحمٰن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بنی اسرائیل، الکہف، مریم طٰہٰ اور الانبیاء قدیم سورتوں میں سے ہیں، اور ان کو ابتداء اسلام سے حفظ کیا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۷۰۸، ۴۷۳۹، ۴۹۹۴، شعب الایمان للبیہقی: ۲۲۲۴، کشف المشکل: ۲۵۰، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر ج ۱۹ ص ۱۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پانچ مسلسل اور ایک دوسرے کے بعد آنے والی سورتوں کے نام ذکر کیے ہیں اور یہ سب سورتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں، جمہور علماء کا یہی موقف ہے، اس کے خلاف جو قول ہے وہ شاذ ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۳، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

سورۃ الانبیاء کے اہم مقاصد اور ضروری مسائل

(۱) اس سورت کا موضوع عقائد اسلام ہیں اور خصوصیت کے ساتھ توحید، رسالت، قیامت، مرنے کے بعد اٹھنا اور جزاء اور سزا کا بیان ہے، اس کی ابتداء ہی قیامت کے ذکر سے فرمائی گئی ہے اور اس میں انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان فرمائے گئے ہیں۔

(۲) اس سورت کی ابتداء قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرانے والی ہے تاکہ لوگ لہو ولعب اور یاد الٰہی سے غافل کرنے والی جن چیزوں میں مشغول ہیں ان کو ترک کر کے آخرت کی تیاری کرنے میں منہمک ہو جائیں۔

(۳) کفار کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، ان کے اس قول کا رد فرمایا اور یہ بتایا کہ فرشتے تو اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت پر دلائل قائم فرمائے، انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا، دن اور رات کا سلسلہ قائم فرمایا، زمین کو قائم رکھنے کے لیے اس کے اوپر پہاڑوں کو نصب فرمایا، اور اپنی توحید پر یہ دلیل قائم فرمائی کہ اگر متعدد خدا ہوتے تو زمین اور آسمان اور پوری کائنات وجود میں نہیں آسکتی تھی۔ اور جب قیامت آئے گی تو ہر چیز فنا ہو جائے گی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہے گی۔

(۵) نیز اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ یاجوج اور ماجوج کے باہر نکلنے میں جو سد اور رکاوٹ ہے اس کو دور فرما دیا جائے گا۔

آیاتھا ١١٢ — ٢١ سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ ٧٣ — رکوعاتھا ٧

(سورۃ الانبیاء مکی ہے اور اس میں ایک سو بارہ آیات اور سات رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۚ (١)

لوگوں (کے اعمال) کا حساب قریب آپہنچا ہے حالانکہ وہ غفلت میں پڑے ہوئے (اس سے) اعراض کرنے والے ہیں O

مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۙ (٢)

اُن کے رب کی طرف سے اُن کے پاس جو بھی نئی نصیحت آتی ہے وہ اس کو مذاق اڑاتے ہوئے سنتے ہیں O

لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ
اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ (٣)

اُن کے دل غفلت میں ہیں اور ظالم لوگ باہم سرگوشی کرتے ہیں کہ (یہ مدعی نبوت) صرف تمہاری مثل بشر ہیں، پس تم دیدہ ودانستہ جادو (کے دام فریب) میں کیوں آتے ہو؟ O

قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۫ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (٤)

(رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا: آسمانوں اور زمینوں میں جو بات بھی کہی جاتی ہے میرے رب اس کو جانتے ہیں، اور وہ سب سے زیادہ سننے والے، سب سے زیادہ جاننے والے ہیں O

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ
الْاَوَّلُوْنَ (٥)

بلکہ مشرکین نے کہا: (یہ قرآن اس مدعی نبوت کے) پریشان خواب ہیں بلکہ یہ ان کی من گھڑت باتیں ہیں بلکہ یہ شاعر ہیں، ورنہ (اگر یہ واقعی رسول ہیں تو) یہ کوئی معجزہ لے کر آئیں جیسے انبیاء سابقین کو معجزات دے کر بھیجا گیا تھا O

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ (٦)

ہم نے ان سے پہلے جن بستیوں کو ہلاک فرمایا تھا وہ بھی ایمان نہیں لائی تھیں، تو یہ لوگ کیا ایمان لائیں گے ؟○

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷

اور (اے رسول اکرم!) ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی فرماتے تھے، سوائے لوگو! اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھ لو○

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ ۝۸

اور ہم نے اُن رسولوں کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے○

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَیْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِیْنَ ۝۹

پھر ہم نے اُن سے کئے ہوئے وعدہ کو سچا فرما دیا، پس ہم نے اُن کو اور جن کو ہم نے چاہا نجات عطا فرما دی اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہلاک فرما دیا○

لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰

اے لوگو! بے شک ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہارا ذکر ہے، کیا پس تم نہیں سمجھتے ؟○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''لوگوں (کے اعمال) کا حساب قریب آپہنچا ہے حالانکہ وہ غفلت میں پڑے ہوئے (اس سے) اعراض کرنے والے ہیں○'' (الانبیاء:۱)

کفار اور مشرکین کو قیامت کے دن اُن کے حساب سے ڈرانا

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، الانبیاء:۱ تا ۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ'': بظاہر یہ آیت مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور مکہ میں رہنے والے اکثر مشرک تھے، لیکن مسلمانوں کا بھی مکہ میں کچھ حصہ تھا اور اہل اسلام بھی کبھی قیامت کے دن کے حساب سے غافل ہو جاتے تھے مگر کفار کی وہ غفلت تکذیب کی غفلت تھی اور اُن کا اعراض کرنا حساب سے اعراض کرنا تھا اور اُن آیات سے اعراض کرنا تھا جو اُن کے متعلق نازل ہوئی تھیں۔ اور اہل اسلام کی غفلت اس طرح نہیں تھی، وہ حساب پر ایمان لا چکے تھے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تصدیق کی تھی اور وہ اُن کی معرفت رکھتے تھے لیکن وہ شہوات کے تقاضوں کے غلبہ کو پورا کرنے کی وجہ سے حساب سے غافل ہو گئے تھے۔ اور اس اعتبار سے اہل اسلام بھی مشرکین کی طرح تھے لیکن ایمان لانے کی جہت سے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی تصدیق کرنے کی وجہ سے وہ اُن کی مثل نہیں تھے۔ پھر اللہ عزوجل نے

فرمایا کہ لوگوں کے لیے ان کا حساب قریب آچکا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ـ (القمر:١)" (قیامت قریب ہے) ۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ـ (النحل:١)" ((قیامت کے متعلق) اللہ کا حکم آچکا ہے، پس (اے کافرو!) تم اس کا عجلت سے مطالبہ نہ کرو، اور اللہ مشرکین کے بنائے ہوئے شرکاء سے بہت بلند اور برتر ہیں) ۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام آیات میں یہ واضح فرما دیا ہے کہ قیامت کا وقوع قریب ہے لیکن مخلوق قیامت کو بہت بعید سمجھتی ہے، کیونکہ یہ اپنی عمروں اور مدت ہائے حیات کے اعتبار سے چیزوں کا اندازہ کرتے ہیں اور جو چیز ان کی عمر سے متجاوز ہو تو وہ ان کے نزدیک بعید ہوتی ہے قریب نہیں ہوتی ۔

قتادہ نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی "اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ ـ (الانبیاء:١)" اور جب یہ آیت نازل ہوئی: "اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ـ (النحل:١)" تو گمراہ لوگوں نے کہا کہ اس مرد کا گمان یہ ہے کہ قیامت قریب آچکی ہے، تم تھوڑی دیر رک کر اپنے کاموں کی طرف لوٹ آؤ، جب اس پر کچھ وقت گزر گیا تو وہ اپنے پہلے کاموں کی طرف لوٹ گئے کیونکہ انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ قیامت کے قریب آنے سے مراد یہ ہے کہ وہ فوراً آجائے گی، جب ایک مدت گزر گئی اور قیامت نہیں آئی تو انہوں نے سمجھا کہ یہ خبر جھوٹی تھی، انہوں نے اس کی تکذیب کی، کیونکہ انہوں نے اپنی عمروں کا اندازہ کیا اور اپنی عمروں سے قیامت کو قریب نہیں پایا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس دن کو کس طرح قریب فرمایا ہے حالانکہ نو سو سال سے زیادہ گزر چکے ہیں (اب ١٤٠٠ سال سے زیادہ گزر چکے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ) اور ابھی تک وہ دن نہیں آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ دن اللہ عزوجل کے نزدیک قریب ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ـ (الحج:٤٧)" (کفار آپ سے عذاب کی جلدی کا مطالبہ کرتے ہیں اور اللہ ہرگز وعدہ خلافی نہیں فرمائیں گے، اور بے شک آپ کے رب کے نزدیک آخرت کا ایک دن تمہاری گنتی کے مطابق دنیا کے ایک ہزار سال کی طرح ہے) ۔ اور اس لیے کہ ہر وہ چیز جو آنے والی ہو اگرچہ اس کے آنے کا وقت طویل ہو وہ قریب ہوتی ہے، بعید وہ چیز ہوتی ہے جو آئے اور ختم ہو جائے ۔ اور اس لیے کہ دنیا کی جو مدت ابھی باقی ہے وہ اس سے بہت کم ہے جو گزر چکی ہے، کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کو مبعوث فرمایا گیا حالانکہ یہ وعدہ فرمایا گیا تھا کہ ان کو زمانہ کے آخر میں مبعوث فرمایا جائے گا ۔ اور حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے اور قیامت کو ان دو کی مثل بھیجا گیا ہے اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

(صحیح البخاری: ٦٥٠٣، صحیح مسلم: ٢٩٥١، مسند احمد: ١١٩١٣، سنن دارمی: ٢٧٥٩، السنن الکبریٰ للنسائی: ١٧٩٩، سنن نسائی: ١٥٧٨، صحیح ابن خزیمہ: ١٧٨٥، المسند المستخرج: ١٩٥٢، حلیۃ الاولیاء ج ٣ ص ١٨٩، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر ج ١ ص ٣٢٢)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح قریب ہے جس طرح آپ کی ایک انگلی دوسری انگلی کے قریب ہے، حالانکہ آپ کی بعثت، پھر آپ کی وفات کے بعد چودہ سو سال سے زیادہ گزر چکے ہیں اور ابھی تک قیامت نہیں آئی، لیکن چونکہ قیامت کا آنا یقینی ہے اس لیے فرمایا ہے کہ قیامت قریب ہے۔ اور حال یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے حساب کے دن کی تیاری

سے غافل ہیں اور اپنے انجام کے متعلق غور وفکر نہیں کرتے۔ اور یہ نہیں سوچتے کہ ان کا انجام کس طرح ہوگا، حالانکہ ان کی عقل بھی یہ تقاضا کرتی ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے کاموں کا بدلہ دیا جائے گا، نیک کام کرنے والوں کا اچھا انجام ہوگا اور برے کام کرنے والوں کا اُن کے برے کاموں پر مواخذہ ہوگا۔ نیز یہ آیت کفار مکہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن کے رب کی طرف سے اُن کے پاس جو بھی نئی نصیحت آتی ہے وہ اس کو مذاق اڑاتے ہوئے سنتے ہیں O'' (الانبیاء: ٢)

ذکرِ مُحْدَث سے قرآن مجید کے حادث ہونے کا اشکال اور اس کا جواب

''مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ'': یعنی ان کے پاس جب بھی ایسی آیات نازل ہوتی ہیں جو ان کو غفلت اور جہالت سے متنبہ کرتی ہیں۔ اس آیت میں فرمایا ہے: ''مُحْدَثٍ'' یعنی اُن آیات کے نزول کا اللہ تعالیٰ احداث فرماتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی جن آیات کو ان کی نصیحت کے لیے نازل فرماتے ہیں۔ معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید حادث ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اُن کے پاس اُن کے رب کی طرف سے جو نئی نصیحت نازل ہوتی ہے، اور یہ اعتراض اس لیے وارد نہیں ہوتا کہ قرآن مجید قدیم ہے لیکن لوگوں کی ضرورت کے مطابق اس کی آیات کو نازل فرمانا وہ حادث ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک امر کے بعد دوسرے امر کو پیدا فرماتے ہیں، اسی طرح ضرورت کے وقت ایک آیت کے بعد دوسری آیت کو نازل فرماتے ہیں اور ایک سورت کے بعد دوسری سورت کو نازل فرماتے ہیں تاکہ لوگوں کے پیش آمدہ مسائل کے مطابق احکام بیان فرمائے جائیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ الذکر المحدث سے مراد قرآن مجید کی نئی اور حادث آیات نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد وہ احکام ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ طور سنت کے اور نصیحت کے بیان فرمایا اور وہ قرآن مجید کے ماسوا ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اللہ تعالیٰ نے اس لیے اپنی طرف اضافت فرمائی کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ۔ (النجم: ٣-٤)'' (اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے O ان کا فرمانا وہی ہے جو انہیں وحی فرمائی جاتی ہے)۔

''إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ'': یعنی وہ قرآن مجید کے سننے کے ساتھ اس طرح کے کام کرتے ہیں جن سے قرآن مجید کا استہزاء ہوتا ہے اور قرآن مجید کا مذاق اڑانا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ کفار انتہائی غفلت کے اندر مبتلاء ہیں اور آخرت اور مستقبل کے متعلق انتہا درجہ کا اعراض کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن کے دل غفلت میں ہیں اور ظالم لوگ باہم سرگوشی کرتے ہیں کہ (یہ مدعیٔ نبوت) صرف تمہاری مثل بشر ہیں، پس تم دیدہ ودانستہ جادو (کے دامِ فریب) میں کیوں آتے ہو؟ O'' (الانبیاء: ٣)

''لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ'': یعنی اُن کے قلوب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہیں۔ ''وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا'': ظالموں نے باہم سرگوشیوں میں کہا، یعنی اُن لوگوں نے اپنی بات کو چھپانے میں بہت زیادہ مبالغہ کیا۔

''هَلْ هٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ'': یعنی یہ شخص جو تمہارے پاس اس نصیحت کو لے کر آئے ہیں محض تمہاری مثل بشر ہیں، یعنی اُن کو

تعجب ہوتا تھا کہ جو شخص ان کی مثل بشر ہے وہ کیسے نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ یعنی وہ اپنی تخلیق میں تمہاری مثل ہے اور اپنے اخلاق میں اور کھانے پینے میں اور زندگی اور موت میں تمہاری مثل ہے، پس وہ کیسے تم پر یہ خصوصیت رکھے گا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا ہے۔ اور جس چیز کو یہ لے کر آئے ہیں اور اس کی مثل پر تم قادر نہیں ہو، یہ محض جادو ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اس لیے انہوں نے کہا: "اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ" یعنی کیا تم جادو کے دام فریب میں آ جاؤ گے حالانکہ تم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ یہ تمہاری مثل بشر ہیں، پس گویا کہ مشرکین مکہ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کی بناء پر آپ کی تکذیب کی اور آپ کی نبوت اور رسالت کے دعویٰ کا انکار کیا، کیونکہ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ رسول صرف فرشتہ ہوتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن مجید پیش کیا ہے جس کی نظیر کوئی نہیں لا سکا، اس کو جادو پر محمول کیا اور آپ کے سامنے حاضر ہونے سے انکار کیا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ انہوں نے اس بات کو چھپانے میں کیوں اتنا مبالغہ کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ گویا آپس میں مشورہ کر رہے تھے اور جب کوئی شخص کسی سے مشورہ کرتا ہے تو دوسروں سے اس کو چھپاتا ہے تاکہ اس کے دشمن بھی مشورہ میں شریک نہ ہو جائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا: آسمانوں اور زمینوں میں جو بات بھی کہی جاتی ہے میرے رب اس کو جانتے ہیں، اور وہ سب سے زیادہ سننے والے، سب سے زیادہ جاننے والے ہیں O"

(الانبیاء: ۴)

"قُلْ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ": یعنی اللہ تعالیٰ پر کوئی بات مخفی نہیں ہے جو آسمان میں کہی جائے اور زمین میں کہی جائے۔ اور مصاحف اہل کوفہ میں اس طرح مذکور ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: میرے رب ہر بات کو جانتے ہیں، یعنی جن باتوں کی تم سرگوشیاں کرتے ہو ان کو وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ مشرکین نے اس بات کو مخفی رکھا تھا تو اللہ عزوجل نے اس بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر فرما دیا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (الفرقان: ٦)" (آپ کہیے: قرآن اس ذات نے نازل فرمایا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کی ہر پوشیدہ چیز کو جانتے ہیں، بے شک وہ بہت بخشنے والے، سب پر مہربان ہیں)۔ نیز اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: "يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ (المائدہ: ١٠٩)" (جس دن اللہ رسولوں کو جمع فرمائیں گے، پھر استفسار فرمائیں گے: تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟ رسول عرض کریں گے: ہمیں کچھ علم نہیں، بے شک آپ ہی تمام غیوب کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں)۔ نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ (سبا: ٣)" (اور کفار نے کہا: ہم پر قیامت نہیں آئے گی، آپ کہہ دیجئے: کیوں نہیں! میرے رب کی قسم جو عالم الغیب ہیں! تم پر قیامت ضرور آئے گی، جن سے آسمانوں اور زمینوں میں پائی جانے والی ذرہ برابر کوئی چیز مخفی نہیں اور اس ذرے سے چھوٹی اور بڑی کوئی چیز ایسی نہیں جو روشن کتاب (لوح محفوظ) میں نہ ہو)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”بلکہ مشرکین نے کہا: (یہ قرآن اس مدعی نبوت کے) پریشان خواب ہیں بلکہ یہ ان کی من گھڑت باتیں ہیں بلکہ یہ شاعر ہیں، ورنہ (اگر یہ واقعی رسول ہیں تو) یہ کوئی معجزہ لے کر آئیں جیسے انبیاء سابقین کو معجزات دے کر بھیجا گیا تھا O“ (الانبیاء:۵)

”بَلْ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ“: اللہ عزوجل نے خبر دی کہ مشرکین میں سے جو بہت جاہل ہیں اور بہت کم غور و فکر کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ یہ ان کے پریشان خواب ہیں، بلکہ انہوں نے ان باتوں کو گھڑ لیا ہے، بلکہ وہ شاعر ہیں، یعنی انہوں نے آپ کی طرف شعر اور جادو کو منسوب کیا اور جھوٹ باندھنے کو منسوب کیا اور آپ کی باتوں کے متعلق کہا کہ یہ پریشان خواب ہیں، اور ان مشرکین کے اقوال میں تناقض ہے، کیونکہ سحر اور جادو کسی پر افتراء باندھنے کا غیر ہے، اور سحر اور جادو پریشان خوابوں کا غیر ہے، اور انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جتنی صفات منسوب کی ہیں، سب ایک دوسرے کی متناقض ہیں اور سب ایک دوسرے کو باطل کرتی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ باتیں محض سرکشی اور ہٹ دھرمی سے کہی ہیں نہ کہ علم اور معرفت سے کہی ہیں، کیونکہ ان کے قول اور کلام میں تناقض ہے۔ جادو کو دوام نہیں ہوتا اور وہ آخر وقت تک باقی نہیں رہتا، اور جب انہوں نے جان لیا اور ان کو معلوم ہو گیا کہ آپ دائم اور باقی ہیں تو پھر یہ جادو نہیں ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق پر دلیل یہ ہے کہ جادو بغیر سیکھنے کے حاصل نہیں ہوتا اور ان میں سے کوئی شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے جادو سیکھنے کے لیے گئے، جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روشن دلائل اور قوی معجزات لے کر ان کے سامنے آئے۔ اور معجزہ بشری طاقت سے باہر ہوتا ہے لیکن انہوں نے آپ کی تکذیب کرنے کے لیے عناداً کہا: ”فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَاۤ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ“ (ورنہ (اگر یہ واقعی رسول ہیں تو) یہ کوئی معجزہ لے کر آئیں جیسے انبیاء سابقین معجزات لے کر آئے تھے)۔ یعنی جیسے انبیاء سابقین معجزات لے کر آئے کہ پہاڑ تسبیح کرتے تھے اور ہواؤں کو ان کے لیے مسخر فرما دیا گیا اور پتھروں سے پانی کو جاری فرمایا گیا اور مُردوں کو زندہ فرمایا گیا اور مادر زاد اندھوں کو بینا کیا گیا اور برص کے مریضوں کو تندرست کر دیا گیا، تو آپ بھی ایسے معجزات لے کر آئیں۔

یہ مشرکین اچھی طرح جان چکے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس ایسی نشانیاں اور معجزات اور دلائل لا چکے ہیں کہ اگر وہ ان میں تامل اور غور و فکر کرتے تو عناد نہ کرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیاء علیہم السلام سے زیادہ معجزات عطا فرمائے گئے

میں کہتا ہوں: حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ اللہ کی تسبیح کرتے تھے اور پہاڑوں کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ“ (احد ایک پہاڑ ہے، یہ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں)۔

(صحیح البخاری: ۱۴۸۱، ۲۸۸۹، ۲۸۹۳، ۳۳۶۷، ۴۰۸۴، ۴۴۲۲، صحیح مسلم: ۱۳۶۵، سنن ترمذی: ۳۹۲۲، مسند البزار: ۶۲۳۳، شرح مشکل الآثار: ۳۱۷۵، شرح معانی الآثار: ۶۳۱۳، موطا امام مالک: ۳۳۱۳، ۳۳۲۶، مسند احمد: ۱۲۵۱۰، سنن سعید بن منصور: ۲۷۷۶، مصنف عبد الرزاق: ۱۷۱۶۹، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۹۹۵۷، المسند المستخرج علی صحیح مسلم: ۳۱۷۰)

حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ انہوں نے پتھروں سے چشمے جاری فرما دیے اور ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری فرما دیئے۔حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام زوراء پر تھے، پھر آپ کے ہاتھ پر پانی کا برتن رکھا گیا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے کی طرح پانی جاری ہو گیا اور تمام لوگوں نے وضو کر لیا، قتادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ لوگ کتنے تھے؟ تو انہوں نے کہا: تین سو تھے۔ اور صحیح البخاری: ۳۵۷۶ میں ہے کہ اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمارے لیے کافی تھا لیکن ہم پندرہ سو تھے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۷۲، ۳۱۵۲، ۳۱۵۳، ۳۱۵۴، ۳۸۳۰، ۵۶۳۹، صحیح مسلم: ۲۲۷۹، مسند احمد: ۱۲۲۳۱، ۳۱۳)

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ انہوں نے چند مردوں کو زندہ کیا لیکن اس سے بڑھ کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ہے کہ آپ کے معجزہ سے لکڑی میں جان پڑ گئی، حدیث شریف میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کے تنوں کی بنی ہوئی تھی، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تو کھجور کے کسی ایک تنے کی طرف ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے، پھر جب آپ کا منبر بنا دیا گیا تو آپ اس پر بیٹھے، پس ہم نے سنا اس تنے سے اس طرح چیخ کر رونے کی آواز آ رہی تھی جیسے دس سال کی حاملہ اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں روتی ہے، حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے اپنا ہاتھ اس کھجور کے تنے پر رکھا تو وہ پرسکون ہو گیا۔

(صحیح البخاری: ۳۵۸۵، سنن ابن ماجہ: ۱۴۱۷، سنن دارمی: ۳۳، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۵۶۹۶، الاعتقاد للبیہقی ج ۱ ص ۲۷۰، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرہ ج ۱ ص ۳۸۵)

جس مردہ جسم میں پہلے جان آ چکی ہو اس میں دوبارہ جان کو لوٹا دینا اتنا باعث حیرت اور سبب کمال نہیں ہے جتنا یہ کہ لکڑی میں جان ڈال دی جائے جس میں عادتاً جان ہوتی نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ فرمایا، ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھروں میں، پہاڑوں میں اور درختوں میں کلام پیدا فرمایا، حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ کے ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو اعلان نبوت سے پہلے مجھ پر سلام پڑھا کرتا تھا، میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم: ۲۲۷۷، الرقم المسلسل: ۵۸۹۸، رقم حدیث الباب: ۲، سنن دارمی: ۲۰، مسند احمد: ۲۰۸۲۸، ۲۰۸۹۳، المعجم الاوسط: ۲۰۱۲، المعجم الصغیر للطبرانی: ۱۶۷، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۹۰۷، شرح السنۃ للبغوی: ۳۷۰۹، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۱ ص ۳۳۸، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرہ ج ۱ ص ۳۲۸)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا، آپ کے سامنے جو پہاڑ بھی پیش ہوتا اور جو درخت بھی پیش ہوتا تو وہ یہ کہتا تھا السلام علیک یا رسول اللہ۔

(سنن ترمذی: ۳۶۲۶، سنن دارمی: ۲۱، کتاب العظمۃ ج ۵ ص ۱۷۰۹، الاحادیث المختارۃ: ۵۰۲، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۱ ص ۳۷۹، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرہ ج ۱ ص ۳۸۳)

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہواؤں کو مسخر فرما دیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا

شَهْرٌ ۔(سبا: ١٢)" (اور ہم نے ہوا سلیمان کے تابع فرما دی، وہ صبح کے وقت ایک مہینے کا اور شام کے وقت ایک مہینے کا سفر طے کرتی)۔ اور ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہواؤں کو اس سے زیادہ مسخر فرما دیا، کیونکہ آپ رات کے ایک لمحہ میں مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک کا سفر طے کر آئے۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم فرما دیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۔(سبا: ١٠)" (اور ہم نے اُن کے لیے لوہا نرم فرما دیا)۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم فرما دیا گیا تھا اور وہ لوہے سے زرہ بُن لیتے تھے لیکن لوہا تو نرم ہو ہی جاتا ہے، آگ سے پگھل کر لوہا نرم ہو جاتا ہے، اور پتھر وہ حقیقت ہے جو نرم نہیں ہوتی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پتھروں کو نرم فرما دیا حتیٰ کہ احد پہاڑ کے دل میں اپنی محبت پیدا فرما دی۔

حضرت یعلیٰ بن مرۃ الثقفی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ما من شیء الا ویعلم انی رسول الله الا کفرة او فسقة الجن والانس" (کفار اور فساق انسانوں اور جنات کے سوا ہر چیز پہچانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں)۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اسی طرح جس نبی کو جس نوع کے معجزات عطا فرمائے گئے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نوع کے قوی ترین معجزات عطا فرمائے گئے ہیں، اور مشرکین اور کفار جو دن رات آپ کی زندگی کا مشاہدہ کرتے تھے، ان کے سامنے ان میں سے بہت سے معجزات تھے جن سے انہوں نے آپ کی نبوت کے صدق کو پہچان لیا تھا لیکن وہ عناداً انکار کرتے تھے، اور جو نشانیاں آپ لا چکے تھے وہ آپ کے دعویٰ نبوت اور صدق پر دلالت کرتی ہیں اور وہ آپ کے صدق کو جان چکے تھے، اس کے باوجود انہوں نے آپ کا انکار کیا اور آپ کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کی۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ہم نے ان سے پہلے جن بستیوں کو ہلاک فرمایا تھا وہ بھی ایمان نہیں لائی تھیں، تو یہ لوگ کیا ایمان لائیں گے!O" (الانبیاء: ٦)

"مَا اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا": یعنی ان سے پہلے جس بستی نے بھی ہٹ دھرمی اور عناد سے کسی معجزہ کا سوال کیا، اس کو ہلاک فرما دیا گیا۔ "اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ": یعنی اس سے پہلے بستیوں والوں نے فرمائشی معجزات طلب کیے اور ان معجزات کو دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائے، اور اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی معجزہ کو طلب کرے اور اس معجزہ کو دیکھنے کے باوجود وہ ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو ملیا میٹ فرما دیتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ بھی ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ پچھلی بستیوں والے ایمان نہیں لائے تھے، جس طرح پہلے ایمان نہیں لائے کیونکہ انہوں نے عناد اور ہٹ دھرمی سے سوال کیا تھا اور ہدایت طلب کرنے کے لیے اور حق پر راہنمائی حاصل کرنے کے لیے سوال نہیں کیا تھا تو اب اگر یہ فرمائشی معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائے تو ان کو بھی ہلاک فرما دیا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور (اے رسولِ اکرم!) ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی فرماتے تھے، سوالے لوگو! اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھ لو O" (الانبیاء: ٧)

فرشتوں کو رسول نہ بنانے کی توجیہ

"وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ": یعنی ہم نے مردوں کو رسول بنایا ہے اور عورتوں کو نبی اور رسول نہیں بنایا، کیونکہ عورتیں رسالت اور نبوت کی شرائط پر پوری نہیں اترتیں۔ اور چونکہ کفار اور مشرکین کہتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌؕ-وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ۔ (الانعام: ٨)" (اور انہوں نے کہا کہ اس (رسول) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل فرمایا گیا، اور اگر ہم فرشتہ نازل فرمادیتے تو ان کا کام تمام ہو چکا ہوتا، پھر اُن کو مہلت نہ دی جاتی)۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف مردوں کی جنس سے رسول بناتے ہیں اور آپ سے پہلے بھی عامۃ الخلق کے لیے کسی فرشتہ کو رسول نہیں بنایا جاتا تھا۔ اسی طرح اس امت میں بھی عامۃ الخلق کے لیے فرشتوں کو رسول نہیں بنایا گیا ہے اور صرف مردوں کو رسول بنایا گیا ہے۔

"فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ": بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں مشرکین عرب سے خطاب فرمایا ہے اور اُن کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اہلِ کتاب سے سوال کریں جو حقد مین رسولوں پر ایمان رکھتے تھے تو وہ تم کو یہ بتائیں گے کہ عامۃ الخلق کے لیے رسالت صرف بشر میں رکھی گئی ہے یعنی ملائکہ میں نہیں رکھی گئی۔ اس آیت میں اہلِ کتاب کی طرف سوال کو حوالے کیا گیا ہے کیونکہ اہلِ کتاب اگرچہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے تاہم وہ اس بات کا انکار نہیں کرتے تھے کہ رسول بشر ہی ہوتے ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ اہل الذکر میں الذکر سے مراد قرآن ہے، یعنی اُن مومنین سے سوال کرو جو قرآن مجید کے عالم ہیں، یعنی تمہیں علم کی تحصیل کی اہلیت نہیں ہے بلکہ تم لوگ تو مقلدین ہو اور محض تقلید کرتے ہو، اس لیے اہلِ علم سے سوال کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے اُن رسولوں کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے ۝" (الانبیاء: ٨)

رسل بشر پر کفار کے متعدد طعنوں کے جوابات

"وَ مَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ مَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ": بعض مفسرین نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اُن انبیاء علیہم السلام کے ایسے اجسام نہیں بنائے تھے جن میں روحیں نہ ہوں، نہ وہ کھاتے ہوں اور نہ وہ پیتے ہوں، لیکن ہم نے ان کے ایسے اجسام بنائے جن میں روحیں تھیں، وہ کھاتے تھے اور پیتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت کا یہ معنی ہو کہ ہم نے اُن انبیاء علیہم السلام کو فرشتوں اور جنات کی شکل نہیں بنایا لیکن ہم نے ان کو بشر بنایا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام اور رسول علیہم السلام میں کئی وجوہ سے طعن کیا کرتے تھے۔ کبھی کہتے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓىٕكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَىٕنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل: ٩٣-٩٥)" (کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے ۝ (اے رسول اکرم!) آپ کہیے: اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے ۝)۔ نیز وہ کہتے: "هَلْ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ (الانبیاء: ٣)" (یہ (دعویٰ نبوت) صرف تمہاری مثل بشر ہیں)۔ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ بشر میں رسالت نہیں ہوتی۔ اور ان کے نزدیک ان کی نوع میں سے کوئی

رسول نہیں آسکتا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ حجت قائم فرمائی کہ اُن سے پہلے جو رسول تھے جن کی ان کے آباء و اجداد نے تصدیق کی تھی اور ایمان لائے تھے وہ بھی نوع بشر سے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (الانبیاء: ٧)'' (اور (اے رسول اکرم!) ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی فرماتے تھے، سوا اے لوگو! اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھ لو)۔ اور بھی وہ رسولوں پر یہ طعن کرتے کہ یہ تو کھانا کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں اور نکاح کرتے ہیں اور عام لوگوں کی طرح بازاروں میں چلتے ہیں جیسا کہ وہ کہتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا۔ (الفرقان: ٧)'' (انہوں نے کہا: ''اس رسول کو کیا ہے کہ وہ کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں؟ ان کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل فرمایا گیا جو ان کے ساتھ مل کر عذاب سے ڈرانے والا ہوتا'')۔ اور اس طرح کے اُن کے دیگر طعن تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر یہ حجت قائم فرمائی اور ان کو یہ خبر فرمائی کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو رسول تھے وہ بھی کھانا کھاتے تھے اور پانی پیتے تھے اور اپنی قضائے حاجات کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ۔ (الانبیاء: ٨)'' (اور ہم نے اُن رسولوں کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے)۔ اور دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: ''وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّیَّةً۔ (الرعد: ٣٨)'' (اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت رسول بھیجے ہیں اور ہم نے اُن کے لیے ان کی بیویاں اور اُن کے بچے بھی عطا فرمائے تھے)۔ لہٰذا جس رسول کو تمہاری طرف مبعوث فرمایا گیا ہے وہ ان رسولوں کی طرح ہیں جو ان سے پہلے مبعوث فرمائے گئے تھے اور وہ ان رسولوں کی طرح ہیں جو کھاتے تھے اور پیتے تھے اور بشر تھے اور اللہ کے رسول تھے۔

فرقۂ باطنیہ کا مذہب اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ رسالت جوہر کثیف جسمانی میں نہیں ہوتی جو کھاتا اور پیتا ہو اور فنا ہوتا ہو، رسالت جوہر بسیط میں ہوتی ہے جو نہ کھاتا ہو اور نہ پیتا ہو اور نہ فنا ہوتا ہے، تو اللہ عزوجل نے یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کا ایسا جسم نہیں بنایا جو نہ کھاتے ہوں اور نہ پیتے ہوں بلکہ ان کو ایسے اجسام بنایا ہے جو کھاتے ہیں اور فوت ہوتے ہیں، لہٰذا فرمایا: ''لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ''۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ہم نے اُن سے کیے ہوئے وعدہ کو سچا فرما دیا، پس ہم نے اُن کو اور جن کو ہم نے چاہا نجات عطا فرما دی اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہلاک فرما دیا O'' (الانبیاء: ٩)

''ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَیْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِیْنَ'': اس آیت میں اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ اس وعدہ کو ضرور پورا فرمانے والے ہیں، لیکن یہ بیان نہیں فرمایا کہ وہ کیا وعدہ ہے، لیکن اس آیت کے اخیر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ وعدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے مکذبین کو ہلاک فرما دیں گے اور رسولوں کو اور اُن کے متبعین کو نجات عطا فرمائیں گے، پس اللہ تعالیٰ نے جس طرح وعدہ فرمایا، اسی طرح وعدہ کو پورا فرما دیا اگرچہ وعدہ کے پورا ہونے میں تاخیر ہوئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ پورا ہونے کا وقت معین نہیں فرمایا تھا، لہٰذا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے جس عذاب کا وعدہ کیا وہ عذاب اُن پر ضرور نازل ہوگا، اگرچہ اس عذاب کے نزول میں تاخیر ہوئی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے لوگو! بے شک ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہارا ذکر ہے، کیا پس تم نہیں سمجھتے؟O" (الانبیاء:١٠)

"لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ": اس آیت میں "ذِكْرُكُمْ" سے مراد وہ نصیحتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ تمہیں فرمائیں گے جن کے مطابق تم عمل کرو گے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے، یا اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ اُن احکام کو ذکر فرمائیں گے جن میں تمہارے لیے نفع ہے اور ان احکام کو بیان فرمائیں گے جو تمہارے لیے باعث مشقت ہیں۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ "فِیْهِ ذِكْرُكُمْ" سے مراد ہے کہ اس میں تمہارا شرف ہے اور ہم تمہاری ان احکام سے آزمائش فرمائیں گے۔ حسن بصری نے کہا: "فِیْهِ ذِكْرُكُمْ" سے مراد ہے کہ جس میں تمہارے دین کے احکام ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں برقرار رکھا ہے، اور دوسروں نے کہا ہے کہ اس میں تمہارا شرف ہے اور تمہاری آزمائش ہے اگر تم اس کی اتباع کرو گے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: "وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ۔" (الزخرف:٤٤) "(اور بے شک قرآن آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لئے عظیم شرف ہے اور تم سب سے اس کے شکر کی ادائیگی کے متعلق پوچھا جائے گا)۔ یعنی اس قرآن میں مکارم اخلاق کا ذکر ہے جن پر عمل کرنے کی وجہ سے تمہاری تحسین کی جاتی ہے اور اس میں پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر ہے اور وعدہ پورا کرنے کا ذکر ہے اور بات میں سچ بولنے کا ذکر ہے اور امانت کے ادا کرنے کا ذکر ہے اور سخاوت کا ذکر ہے، اور اس طرح کے دیگر نیک کاموں کا ذکر ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ قرآن مجید تمہاری لغت میں نازل ہوا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس میں تمہارے لیے نصیحتیں ہیں تاکہ تم غلط کاموں سے احتراز کرو، اور اس میں وعد اور وعید کا ذکر ہے۔

(تاویلات اہل السنۃ، ج ٧، ص ٣٢٥۔ ٣٣٠، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٦ھ، السراج المنیر ج ٣ ص ٢١٥۔ ٢٢٠، دار احیاء التراث العربیہ بیروت، ١٤٢٥ھ)

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿١١﴾

اور ہم نے بہت سی ظلم کرنے والی بستیوں والوں کو ہلاک فرمادیا اور اُن کے بعد دوسرے لوگوں کو پیدا فرمادیاO

فَلَمَّاۤ اَحَسُّوْا بَاْسَنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَرْكُضُوْنَ ﴿١٢﴾

پس جب انہوں نے ہمارے عذاب کے آثار دیکھے تو اچانک وہ وہاں سے بھاگنے لگےO

لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْۤا اِلٰى مَاۤ اُتْرِفْتُمْ فِیْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿١٣﴾

(اُن سے کہا گیا): مت بھاگو اور اپنی آسائشوں کی طرف اور اپنے گھروں کی طرف لوٹ آؤ تاکہ تم سے سوال کیا جائےO

قَالُوْا یٰوَیْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿١٤﴾

انہوں نے کہا: ہائے افسوس! بے شک ہم ظلم کرنے والے تھےO

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِیْدًا خٰمِدِیْنَ ﴿۱۵﴾

اُن کی چیخ و پکار اسی طرح جاری تھی حتی کہ ہم نے ان کو کٹے ہوئے کھیت، بجھی ہوئی آگ کی طرح بنا دیا۔

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿۱۶﴾

اور ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بطورِ لہو ولعب نہیں پیدا فرمایا۔

لَوْ اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّاۤ ﳓ اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۱۷﴾

اگر ہم بیوی بچوں کو بطورِ لہو بنانا چاہتے تو ہم ضرور ان کو اپنے پاس سے بنا لیتے، ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیں۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌؕ وَ لَكُمُ الْوَیْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

بلکہ ہم باطل پر حق کی چوٹ مارتے ہیں تو وہ اس کا سر کچل دیتا ہے، پس اچانک وہ ختم ہو جاتا ہے، اور تمہارے لیے اُن باتوں کے سبب تباہی ہو جو تم کرتے ہو۔

وَ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز انہی کی ملکیت ہے، اور جو اُن کے پاس (فرشتے) ہیں وہ ان کی عبادت سے نہ تکبر کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾

وہ رات اور دن ان کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، اکتاتے نہیں ہیں۔

اَمِ اتَّخَذُوْۤا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

یا ان کافروں نے زمین سے چند معبود تراش لئے ہیں جو ان کو آخرت میں زندہ کریں گے!

لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَاۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾

اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور عبادت کے مستحق ہوتے تو زمین و آسمان ضرور درہم برہم ہو جاتے، پس عرش کے مالک اللہ مشرکین کی ان باتوں سے بہت بلند و برتر ہیں۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ ﴿۲۳﴾

وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کے متعلق اُن سے سوال نہیں کیا جائے گا اور مخلوق سے ان کے کیے ہوئے ہر کام کے متعلق سوال فرمایا جائے گا○

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۖ هَٰذَا ذِكْرُ مَن مَّعِيَ وَذِكْرُ مَن قَبْلِي ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ ۖ فَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿۲۴﴾

کیا ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دیگر معبود تراش کر رکھے ہیں، (اے رسول اکرم!) آپ کہیے: تم ان بتوں کی الوہیت پر اپنی دلیل پیش کرو، یہ قرآن میرے ساتھ کے لوگوں کی نصیحت ہے اور مجھ سے پہلے لوگوں کی نصیحت ہے، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ توحید کو جانتے ہی نہیں ہیں اور وہ اعراض کرنے والے ہیں○

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿۲۵﴾

اور ہم نے آپ سے پہلے جس رسول کو بھی بھیجا اس کی طرف یہ وحی فرمائی ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، پس تم سب میری ہی عبادت کرو○

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ﴿۲۶﴾

اور کافروں نے کہا: رحمٰن نے اولاد بنالی ہے، وہ اس سے پاک ہیں، بلکہ فرشتے ان کے معزز بندے ہیں○

لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ﴿۲۷﴾

وہ ان کے کسی حکم پر سبقت نہیں کرتے اور وہ انہی کے حکم پر عمل کرتے ہیں○

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴿۲۸﴾

جو کچھ اُن سے پہلے ہے اور جو کچھ اُن کے بعد ہے وہ سب کو جانتے ہیں، اور فرشتے اسی کی سفارش کرتے ہیں جس کی سفارش پر وہ راضی ہوں، اور فرشتے ان کی ہیبت سے لرزہ براندام رہتے ہیں○

وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِّن دُونِهِ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿۲۹﴾

اور اُن میں سے جس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے سوا عبادت کا مستحق ہوں تو ہم اس کو جہنم میں جھونک دیں گے، ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے بہت سی ظلم کرنے والی بستیوں والوں کو ہلاک فرمادیا اور اُن کے بعد دوسرے لوگوں کو پیدا فرمادیا O" (الانبیاء: ۱۱)

اللہ تعالیٰ کا ظلم کرنے والوں کو ہلاک فرما کر اُن کے بدلہ میں دوسرے لوگوں کو زندہ فرمانا

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ، الانبیاء: ۱۱ تا ۲۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَ كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً": "كَمْ قَصَمْنَا" کے معنی ہیں: ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک فرمادیا۔ قاصمۃ الظہر کمر توڑنے والی مصیبت کو کہتے ہیں۔ "وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ": اس بستی کے لوگوں کو ہلاک فرمانے کے بعد ہم نے اُن کے بدلہ میں دوسرے لوگوں کو پیدا فرمادیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس جب انہوں نے ہمارے عذاب کے آثار دیکھے تو اچانک وہ وہاں سے بھاگنے لگے O" (الانبیاء: ۱۲)

"فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ": جب انہوں نے ہمارے عذاب کی شدت کے آثار کو آنکھوں سے دیکھ لیا یا اس کو کانوں سے سن لیا۔ "اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ": وہ تیزی سے بھاگنے لگے۔ رکض کے معنی ہیں: سواری کا اچھلنا اور کودنا، قرآن مجید میں ہے: "اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۔" (ص: ۴۲) "(زمین پر اپنا پاؤں مارو)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اُن سے کہا گیا): مت بھاگو اور اپنی آسائشوں کی طرف اور اپنے گھروں کی طرف لوٹ آؤ تاکہ تم سے سوال کیا جائے O" (الانبیاء: ۱۳)

کفار کو زجر و توبیخ

"لَا تَرْكُضُوْا وَ ارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَ مَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ": اس آیت میں "اُتْرِفْتُمْ" کا لفظ ہے، اتراف کا معنی ہے کسی نعمت اور عیش و عشرت سے لذت حاصل کرنا۔ یعنی تم اپنی اسی عیش اور راحت کی طرف لوٹو تاکہ تم سے اس کے متعلق سوال کیا جائے۔ اس آیت میں اُن کو زجر و توبیخ کے لیے امر فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم اپنے انبیاء کو کیوں قتل کرتے تھے۔

دوسرے مفسرین نے کہا: اس آیت کا معنی ہے کہ تم اپنی نعمتوں کی طرف اور اپنے گھروں کی طرف لوٹ کر جاؤ تاکہ تم سے سوال کیا جائے کہ تم پر کیا احوال طاری ہوئے، اور تمہارے اموال پر اور تمہارے گھروں پر کیا مصائب آئے تم اپنے علم اور مشاہدہ سے اس کا جواب دو۔ اور ایک محمل یہ ہے کہ لوگ تم سے سوال کریں گے کہ اب تمہارے ہاتھوں میں کیا ہے اور تم سے تمہاری مہمات کے متعلق مشورہ کریں گے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے گھروں میں جا کر بیٹھو حتیٰ کہ تمہارے خدام اور نوکر چاکر تم سے سوال کریں، پھر تم ان کو بیان کرو کہ تم انہیں کیا حکم دیتے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "انہوں نے کہا: ہائے افسوس! بے شک ہم ظلم کرنے والے تھے O" (الانبیاء: ۱۴)

ظالموں کا اعتراف جرم کرنا اور اس کا غیر مفید ہونا

"قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ": جب فرشتوں نے اُن سے کہا: آج تم بھاگو مت، اور فرشتے پکاریں گے: اے انبیاء علیہم السلام کے خون کا بدلہ! اور وہ لوگ کسی شخص کو نہیں دیکھیں گے جس سے فرشتے بات کر رہے ہوں تو وہ جان لیں گے کہ اللہ عزوجل نے ہی اُن کے اوپر ان کے دشمنوں کو مسلط فرما دیا، کیونکہ انہوں نے اس نبی علیہ السلام کو قتل کیا تھا جو اُن کی طرف مبعوث کیا گیا تھا، پس اس وقت وہ کہیں گے: ہائے افسوس! بے شک ہم ظلم کرنے والے تھے، پس وہ اعتراف کر لیں گے کہ انہوں نے ظلم کیا تھا اور اس وقت اس اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اُن کی چیخ و پکار اسی طرح جاری تھی حتیٰ کہ ہم نے ان کو کٹے ہوئے کھیت، بجھی ہوئی آگ کی طرح بنا دیاO" (الانبیاء: ۱۵)

"فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ": مجاہد نے کہا: ان کی چیخ و پکار اسی طرح جاری تھی حتیٰ کہ ان کو تلواروں سے اس طرح کاٹ دیا گیا جس طرح کھیت کو درانتی سے کاٹ دیا جاتا ہے۔ اور حسن بصری نے کہا: اُن کو عذاب سے کاٹ دیا جائے گا۔ "خٰمِدِيْنَ": یعنی وہ مردہ پڑے ہوں گے جس طرح بجھی ہوئی آگ ہوتی ہے، جس طرح کوئی شخص مر جائے تو کہا جاتا ہے "اس کی زندگی کی حرارت کی آگ بجھ گئی"۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بہ طور لہو و لعب نہیں پیدا فرمایاO" (الانبیاء: ۱۶)

"وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ": یعنی ہم نے آسمان اور زمین کو اور اُن کے درمیان کی چیزوں کو بے مقصد اور باطل نہیں پیدا فرمایا۔ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے ایک خالق اور قادر ہیں جن کے احکام پر عمل کرنا واجب ہے اور وہ نیکی کرنے والے کو اچھی جزا دیتے ہیں اور برائی کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں۔ یعنی ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اس لیے نہیں پیدا فرمایا کہ وہ ایک دوسرے پر ظلم کریں، اور ایک دوسرے کی مخالفت اور کفر کریں۔ جس طرح جابر بادشاہ اپنے مکانوں اور چھتوں کو بناتے ہیں اور زیب و زینت کی چیزیں تیار کرتے ہیں، ہم نے ان چیزوں کو اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ لوگ ان میں غور و فکر کر کے اپنے خالق اور قادر کو پہچانیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اگر ہم بیوی بچوں کو بہ طور لہو بنانا چاہتے تو ہم ضرور اُن کو اپنے پاس سے بنا لیتے، ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیںO" (الانبیاء: ۱۷)

اللہ تعالیٰ کی بیوی بچوں سے براءت اور نزاہت

"لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ": اس آیت میں "لَهْوًا" کا لفظ ہے، یعنی اگر ہم کوئی کھلونا بنانا چاہتے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یمن کی لغت میں اس سے مراد بیوی بچے ہیں اور اس سے مراد نصاریٰ پر رد فرمانا ہے تو ہم

اپنے پاس سے بیوی بچے بنا لیتے۔ بڑی آنکھوں والی حوروں سے اور فرشتوں سے لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ یہ ہماری شان کے لائق نہیں ہے۔

قتادہ نے کہا کہ انہوں نے طاؤس، عطاء اور مجاہد سے "لَوْ اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا" کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اللھو سے مراد ہے بیوی، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللھو سے مراد ہے بچے۔ یعنی اگر ہم بیوی بچے بنانا چاہتے تو اپنے پاس سے بنا لیتے تمہارے پاس سے نہ بناتے، ابن جریج نے کہا: آسمان والوں سے بنا لیتے نہ کہ زمین والوں سے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے اُن لوگوں کے رد کا ارادہ فرمایا جو کہتے ہیں کہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں، یعنی تم کس طرح ہمارے لیے اولاد کو تراشتے ہو، ابن قتیبہ نے کہا: اس آیت سے نصاریٰ کا رد کرنا مقصود ہے۔

"اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ": قتادہ، مقاتل، ابن جریج اور حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے کہ ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بلکہ ہم باطل پر حق کی چوٹ مارتے ہیں تو وہ اس کا سر کچل دیتا ہے، پس اچانک وہ ختم ہو جاتا ہے، اور تمہارے لیے اُن باتوں کے سبب تباہی ہو جو تم کرتے ہو O" (الانبیاء: ۱۸)

"بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ": اس آیت میں "نَقْذِفُ" کا لفظ ہے، القذف کا معنی ہے کسی چیز کو پھینک کر مارنا، یعنی ہم حق کو باطل پر کھینچ کر مارتے ہیں۔ "فَيَدْمَغُهٗ" سو وہ اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔ یدمغ کا لفظ الدمغ سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: سر پر ایسی چوٹ مارنا جو دماغ تک پہنچ جائے۔ اور مجاہد نے کہا: الحق سے یہاں پر مراد قرآن مجید ہے، اور باطل سے مراد شیطان ہے۔ اور انہوں نے کہا: قرآن مجید میں جو بھی باطل کا لفظ آیا ہے اس سے مراد شیطان ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ باطل سے مراد اُن کا جھوٹ ہے اور اللہ تعالیٰ کو ایسی صفات کے ساتھ موصوف کرنا جو اُن کی شان کے لائق نہیں ہیں مثلاً اولاد وغیرہ۔ تیسرا قول یہ ہے کہ حق سے مراد حجت ہے اور باطل سے مراد اُن کا شبہ ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ حق سے مراد نصیحت ہے اور باطل سے مراد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے، اور یہ تمام معانی متقارب ہیں۔

"فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ": پس باطل ہلاک ہو جاتا ہے۔ "وَلَكُمُ الْوَيْلُ" اور تمہارے لیے آخرت میں عذاب ہے کیونکہ تم اللہ عزوجل کی ایسی صفات بیان کرتے ہو جو جائز نہیں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جہنم کی ایک وادی کا نام الویل ہے۔

"مِمَّا تَصِفُوْنَ": یعنی تم جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات بیان کرتے ہو جو محال ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز انہی کی ملکیت ہے، اور جو اُن کے پاس (فرشتے) ہیں وہ ان کی عبادت سے نہ تکبر کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں O" (الانبیاء: ۱۹)

"وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ": یعنی آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور ان کی مخلوق ہے، پس یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنا شریک بنائیں جو اُن کی ملکیت ہے اور ان کی مخلوق ہے اور ان کی غلام ہے۔

"وَمَنْ عِنْدَهٗ": یعنی وہ فرشتے بھی ان کے مملوک اور مخلوق ہیں جن کے متعلق تم کہتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

"لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ": وہ ان کی عبادت کرنے سے نہ اکتاتے ہیں اور نہ ان کی بارگاہ میں ذلت اختیار کرنے سے تھکتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وہ رات اور دن ان کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، اکتاتے نہیں ہیں O" (الانبیاء: ۲۰)

"يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ": یعنی وہ رات اور دن نماز پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی ان کاموں سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرتے ہیں جو اُن کی شان کے لائق نہیں ہے۔

فرشتوں کے بنو آدم سے افضل ہونے پر استدلال اور اس کا جواب

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ فرشتے بنو آدم سے افضل ہیں، کیونکہ بنو آدم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے اکتاتے ہیں اور تھکتے ہیں اور فرشتے اکتاتے اور تھکتے نہیں ہیں۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسی چیز نہیں رکھی جو اُن کو عبادت کرنے سے باز رکھے، اس کے برخلاف بنو آدم میں اللہ تعالیٰ نے بھوک اور پیاس رکھی ہے اور شہوت کے تقاضے رکھے ہیں اور وہ اپنی بھوک اور پیاس کو اور شہوت کے تقاضوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہوتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "یا ان کافروں نے زمین سے چند معبود تراش لئے ہیں جو ان کو آخرت میں زندہ کریں گے O" (الانبیاء: ۲۱)

معبودانِ باطلہ کی دو قسمیں

"اَمِ اتَّخَذُوْا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ": اس آیت میں فرمایا ہے "اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ" اور زمین کی طرف معبودانِ باطلہ کی نسبت فرمائی ہے، اس میں یہ خبر دی ہے کہ یہ وہ بت ہیں جن کی زمین میں عبادت کی جاتی ہے، کیونکہ معبودانِ باطلہ کی دو قسمیں ہیں: ایک زمین پر ہیں اور دوسرے آسمان والے ہیں۔ اسی وجہ سے درج ذیل حدیث ہے:

یحییٰ بن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے اپنی باندی کو تھپڑ مارا، پھر وہ اس باندی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آیا اور اس کو آزاد کرنے کے متعلق آپ سے مشورہ کر رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا: تمہارا رب کہاں ہے؟ تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا، آپ نے فرمایا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں، پھر آپ نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو کیونکہ یہ مومنہ ہے۔

(صحیح مسلم: ۵۳۷، سنن ابوداؤد: ۹۳۰، مصنف عبدالرزاق: ۱۶۸۱۹، مسند ابوداؤد طیالسی: ۱۳۰۱، موطا امام مالک: ۲۷۳۰، مسند ابن ابی شیبہ: ۸۲۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۳۳۲، مسند احمد: ۱۷۹۳۵، ۱۹۳۵۵، ۱۹۳۶۶، ۲۳۷۶۲، سنن دارمی: ۲۳۹۳، السنۃ لابن ابی عاصم: ۴۹۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۶۳۳، سنن نسائی: ۳۶۵۳، شرح مشکل الآثار: ۴۹۹۰، مستخرج ابی عوانہ: ۱۷۲۸، صحیح ابن حبان: ۱۶۵، ۱۸۹، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۵۹۸، الایمان لابن مندہ: ۹۱، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۵۲۶۶، شرح السنہ للبغوی ج ۳ ص ۲۳۹، موارد الظمآن: ۷۰۱۲، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۱ ص ۱۳۱، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر ج ۱ ص ۲۶۷، ۲۷۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی کے کلام سے یہ سمجھا کہ یہ زمین کے خود ساختہ معبودوں کی نفی کر رہی ہے، نہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے

آسمان میں کوئی مکان اور ظرف ثابت کر رہی ہے۔اور ہوسکتا ہے کہ اس آیت سے زمین کی جنس سے بنائے ہوئے خود ساختہ معبود مراد ہوں، کیونکہ یا تو پتھروں سے بت تراشے گئے تھے یا زمین کے بعض جواہر سے بت تراشے گئے تھے۔

''هُمْ يُنْشِرُوْنَ'': یعنی اُن کا زعم یہ ہے کہ یہ بت مُردوں کو زندہ کریں گے حالانکہ وہ اس پر قادر نہیں ہیں۔مشرکین نے اگرچہ یہ تصریح نہیں کی تھی کہ اُن کے بت مُردوں کو زندہ کریں گے لیکن جب وہ اُن کے متعلق معبود ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے تو اس سے یہ لازم آیا کہ اُن کے نزدیک وہ بت مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہیں، کیونکہ الوہیت کے لوازم سے ہے کہ اس کو تمام ممکنات پر قدرت ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''اگر زمین وآسمان میں اللہ کے سوا اور عبادت کے مستحق ہوتے تو زمین وآسمان ضرور درہم برہم ہوجاتے ،پس عرش کے مالک اللہ مشرکین کی اِن باتوں سے بہت بلند وبرتر ہیں O''(الانبیاء:۲۲)

اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل

''لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا'':اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلیل قائم فرمائی گئی ہے،اس کو برہان تمانع کہتے ہیں ،یہ بہت مشہور دلیل ہے اس کی چند تقریریں ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱) اگر دو خدا فرض کئے جائیں اور ان میں سے ہر خدا ایک معین وقت میں زید کے حرکت کرنے کا ارادہ کرے اور دوسرا خدا اسی وقت میں زید کے سکون کا ارادہ کرے تو یا تو دونوں خداؤں کا ارادہ پورا ہوگا اور اس سے لازم آئے گا کہ زید اسی وقت میں حرکت بھی کرے اور ساکن بھی ہو اور یہ اجتماع ضدین ہونے کی وجہ سے محال ہے،اور یا وہ صرف حرکت کرے گا تو جس خدا نے اس کے ساکن ہونے کا ارادہ کیا تھا اس کا ارادہ پورا نہیں ہوگا،سو وہ خدا نہیں ہوگا۔اور یا وہ صرف ساکن ہوگا تو جس خدا نے اس کے حرکت کرنے کا ارادہ کیا تھا اس کا ارادہ پورا نہیں ہوگا،سو وہ خدا نہیں ہوگا۔غرض یہ کہ جب دو خدا فرض کئے جائیں تو ان میں سے ایک خدا ہوگا اور دوسرا خدا نہیں ہوگا۔

(۲) اگر یہ کہا جائے کہ دونوں خدا اتفاق سے کام کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے اختلاف نہیں کرتے تو ہم کہیں گے کہ ان کا ایک دوسرے سے اختلاف کرنا ممکن تو ہے اور اس تقدیر پر کس کا ارادہ پورا ہوگا؟ جس کا ارادہ پورا ہوگا وہی خدا ہوگا دوسرا خدا نہیں ہوگا۔

(۳) اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے اختلاف نہیں کرتے تو ضرور ان میں سے ایک دوسرے کی موافقت کرے گا تو جو موافقت کرے گا وہ تابع ہوگا اور دوسرا متبوع ہوگا اور تابع خدا نہیں ہوسکتا۔

(۴) جب ہم دو خدا فرض کرتے ہیں تو اس عالم کو خلق کرنے اور اس کی تدبیر کے لیے ان میں سے ایک اکیلا خدا کافی ہے یا نہیں، اگر وہ اکیلا اس عالم کی خلق اور تدبیر کے لیے کافی ہے تو دوسرے کو ماننا عبث ہے اور اگر ان میں سے ایک اکیلا اس عالم کی خلق اور تدبیر کے لیے کافی نہیں ہے تو پھر وہ ناقص ہے اور ناقص خدا نہیں ہوسکتا۔

(۵) ہم دیکھتے ہیں کہ نظام کی وحدت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا ناظم واحد ہے، کسی نظام کے دو ناظم نہیں ہوتے،اس دنیا میں تکوینی اور طبعی نظام واحد ہے،سورج ،چاند اور ستاروں کے طلوع اور غروب کا نظام واحد ہے،انسانوں ،حیوانوں ،پرندوں اور

پرندوں کے پیدا ہونے اور مرنے کا نظام واحد ہے، کھیتوں اور باغوں کی روئیدگی کا نظام واحد ہے، بارش اور بادلوں کا نظام واحد ہے، غرض اس وسیع وعریض کائنات کے ہر شعبہ کا نظام واحد ہے اور ان نظاموں کی وحدت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان نظاموں کا ناظم بھی واحد ہے۔

"فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ": اللہ عزوجل نے اپنے نفس کی شریکوں سے تنزیہہ فرمائی اور بندوں کو حکم فرمایا کہ وہ بھی اللہ عزوجل کے شریک سے یا اولاد سے تنزیہہ بیان کریں۔ اور کفار اللہ تعالیٰ کے لیے جو بھی ایسی صفات بیان کرتے تھے جو ان کی شان کے لائق نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سے بلند و برتر ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کے متعلق اُن سے سوال نہیں کیا جائے گا اور مخلوق سے ان کے کیے ہوئے ہر کام کے متعلق سوال فرمایا جائے گا O" (الانبیاء: ۲۳)

"لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ": جب کہ بادشاہوں اور جابرہ کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنی مملکت میں جو کام بھی کرتے ہیں اس کے متعلق ان سے سوال نہیں کیا جاتا، حالانکہ ان سے خطاء اور لغزش ممکن ہے، اور اُن کے کیے ہوئے کاموں میں فساد کا ہونا بھی ممکن ہے۔ سو جو تمام بادشاہوں کے بادشاہ ہیں اور تمام ارباب کے رب ہیں اور ان کے خالق اور ان کے مالک ہیں، وہ ضرور اس لائق ہیں کہ اُن سے ان کے افعال کے متعلق سوال نہ کیا جائے، جب کہ عقول میں یہ بات ثابت ہے کہ اُن کا کیا ہوا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور نہ اُن کے کسی فعل میں خطاء ممکن ہے۔

مخلوق سے سوال کیے جانے کے متعلق دو آیتوں کے تعارض کا جواب

"وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ": اور مخلوق سے سوال کیا جائے گا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مملوک ہیں اور ان کی غلام ہیں، خطا کار ہیں، اس لیے اُن سے سوال کیا جائے گا۔

ابن جریج نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اور ان کی تخلیق کے متعلق مخلوق سوال نہیں کرے گی اور وہ مخلوق سے اُن کے اعمال کے متعلق سوال فرمائیں گے، کیونکہ تمام مخلوق اُن کی غلام ہے۔ یہ اس لیے بیان فرمایا کہ کل جس کے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو وہ الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور اُن کو ہم کلام فرمایا اور اُن پر تورات نازل فرمائی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! آپ رب عظیم ہیں، اگر آپ اطاعت کو چاہتے تو آپ کی اطاعت کی جاتی اور اگر آپ چاہتے کہ آپ کی نافرمانی نہ کی جائے تو آپ کی نافرمانی نہ کی جاتی، اور آپ اطاعت کو پسند فرماتے ہیں اس کے باوجود آپ کی نافرمانی کی جاتی ہے، اے میرے رب! یہ کیسے ہے؟ تو اللہ عزوجل نے اُن کی طرف وحی فرمائی کہ میں جو کچھ کرتا ہوں اس کے متعلق مجھ سے سوال نہیں کیا جائے گا اور لوگوں سے سوال کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے سوالات کیے جانے کو دیگر آیات سے بھی مؤکد فرمایا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۙ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ" (الحجر: ۹۲-۹۳) "(اے رسولِ اکرم!) آپ کے رب کی قسم ہم ضرور بہ ضرور ان

سب سے سوال فرمائیں گے O ان کاموں کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے O)۔

تاہم ان آیات پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ان آیات میں ارشاد ہے کہ مخلوق سے ضرور سوال کیا جائے گا اور دوسری آیات میں اس کے برخلاف ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۔ (الرحمٰن: ٣٩)" (تو اس دن کسی گنہگار کے گناہ کے بارے میں کسی انسان سے اور جن سے سوال نہیں کیا جائے گا)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں، اس لیے کسی سے یہ سوال نہیں فرمائیں گے کہ تم نے کیا، کیا ہے بلکہ یہ طور زجر و توبیخ کے یہ سوال فرمایا جائے گا کہ تم نے یہ غلط کام کیوں کیا ہے؟ دوسرا جواب یہ ہے کہ قیامت کا دن بہت طویل ہوگا اور کسی وقت میں اُن سے سوال نہیں فرمایا جائے گا اور دوسرے وقت میں اُن سے سوال فرمایا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کیا اِن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دیگر معبود تراش کر رکھے ہیں، (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: تم ان بتوں کی الوہیت پر اپنی دلیل پیش کرو، یہ قرآن میرے ساتھ کے لوگوں کی نصیحت ہے اور مجھ سے پہلے لوگوں کی نصیحت ہے، بلکہ اِن میں سے اکثر لوگ توحید کو جانتے ہی نہیں ہیں اور وہ اعراض کرنے والے ہیں O" (الانبیاء: ٢٤)

"اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً": اس آیت کو دوبارہ ذکر فرمایا ہے، کیونکہ مشرکین کا اپنے معبود تراشنا بہت سنگین جرم ہے اور اس میں اُن کی جہالت کا اظہار ہے، اور جب کہ مشرکین یہ جواب دے سکتے تھے کہ ہم نے اِن بتوں کو معبود قرار دیا ہے اور ہم اس سے رجوع نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا جواب دینے کا حکم فرمایا۔

"قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ": یعنی جس طرح میں نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر عقلی اور نقلی دلائل قائم کیے ہیں، تم بھی ان بتوں کی پرستش پر عقلی اور نقلی دلائل قائم کرو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر یہ دلیل پیش فرمائی: "هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ" یعنی یہ قرآنِ مجید جس کا معارضہ کرنے سے تم عاجز ہو چکے ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلیل ہے اور مجھ سے پہلی اُمتیں جو تورات اور انجیل اور دیگر آسمانی کتابوں کو مانتی تھیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلیل ہیں، تم غور کرو کہ کیا ان کتابوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے علاوہ اور کوئی حکم ہے اور شرک سے ممانعت کے علاوہ اور کوئی چیز ہے۔ یعنی تم آسمانی کتابوں میں غور کرو، کیا ان کتابوں میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور معبود بنانے کا حکم ہے؟ اور تمام شریعتیں اصول میں مختلف نہیں ہوتیں، وہ احکام میں مختلف ہوتی ہیں۔ اور جب کہ مشرکین کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا اور نہ کوئی دلیل تھی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی جہالت پر مذمت فرمائی: "بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ" یعنی وہ حق اور باطل کے درمیان تمیز نہیں دے سکتے، کیونکہ وہ اکثر جاہل ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے آپ سے پہلے جس رسول کو بھی بھیجا اس کی طرف یہ وحی فرمائی ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، پس تم سب میری ہی عبادت کرو O" (الانبیاء: ٢٥)

"وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ": پس عقلی دلائل اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے، اور تمام انبیاء علیہم السلام سے یہی نقل موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور دلیل یا عقلی ہوتی

ہے یا نقلی، اور عقلی اور نقلی دونوں دلیلوں سے اللہ تعالیٰ کی توحید ثابت ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی بھیجا، وہ توحید کا پیغام دے کر بھیجا۔ اور تورات، انجیل اور قرآن میں احکامِ شرعیہ مختلف ہیں لیکن یہ تمام کتابیں عقیدۂ توحید پر متفق ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کافروں نے کہا: رحمٰن نے اولاد بنالی ہے، وہ اس سے پاک ہیں، بلکہ فرشتے ان کے معزز بندے ہیںO'' (الانبیاء:٢٦)

''وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ'': یہ آیت خزاعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ وہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اور وہ اس طمع پر فرشتوں کی عبادت کرتے تھے کہ وہ ان کی شفاعت کریں گے، اللہ تعالیٰ نے اُن کا رد کرتے ہوئے فرمایا: ''بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ'' کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے معزز بندے ہیں۔

اس آیت میں الوَلَد کا لفظ جمع کے لیے ہے اور کبھی واحد اور جمع دونوں کو وُلْد کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے واجب اور قدیم ہونے پر دلیل

خزاعہ نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا جنات سے سسرالی رشتہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ جَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًاؕ وَ لَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ۔ (الصافات:١٥٨)'' (مشرکوں نے اللہ اور فرشتوں کے درمیان نسبی رشتہ قائم کردیا، حالانکہ واللہ فرشتوں کو معلوم ہے کہ مشرکین آگ کے سامنے حاضر کیے جائیں گے)، اللہ عزوجل نے اپنی ذات سے اولاد کی نفی فرمائی ہے کیونکہ بیٹے کے لیے ضروری ہے کہ وہ باپ کے مشابہ ہو، پس اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ سے مشابہ ہوتی، پھر اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی چیز ضروری تھی جس کی وجہ سے وہ ان سے ممتاز ہوتے تو اللہ عزوجل کی ذات میں ایک مابہ الاشتراک ہوتا اور ایک مابہ الامتیاز ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ دو چیزوں سے مرکب ہوتا اور ممکن ہوجاتا، پس اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے کو ماننا اس بات کو مستلزم ہے کہ اللہ تعالیٰ ممکن ہوں اور واجب نہ ہوں اور جو ممکن ہو اور واجب نہ ہو وہ الٰہ نہیں ہوسکتا۔ الٰہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ واجب اور قدیم ہو، اس کا ہونا ضروری ہو اور نہ ہونا محال ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ ان کے کسی حکم پر سبقت نہیں کرتے اور وہ انہی کے حکم پر عمل کرتے ہیںO'' (الانبیاء:٢٧)

فرشتوں کا مکلف اور مکرم ہونا

''لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ'': یعنی فرشتے اس وقت تک کوئی بات نہیں کہتے جب تک کہ اللہ تعالیٰ ارشاد نہ فرمائیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے ہیں اور اُن کی اطاعت کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو کچھ اُن سے پہلے ہے اور جو کچھ اُن کے بعد ہے وہ سب کو جانتے ہیں، اور فرشتے اسی کی سفارش کرتے ہیں جس کی سفارش پر وہ راضی ہوں، اور فرشتے ان کی ہیبت سے لرزہ براندام رہتے ہیںO'' (الانبیاء:٢٨)

مرتکب کبیرہ کے لیے شفاعت کا ثبوت

"یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ": فرشتوں نے جو کام کیے ہیں، اللہ عزوجل ان کو جانتے ہیں اور جو وہ آئندہ کرنے والے ہیں اللہ عزوجل اس کو بھی جانتے ہیں۔ "وَ لَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرشتے اُن کی سفارش کریں گے جو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیتے ہیں۔ اور مجاہد نے کہا: ہر وہ جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں، ان کی سفارش کریں گے۔ اور فرشتے کل آخرت میں سفارش کریں گے جیسا کہ درج ذیل آیت میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

"اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۔ (المؤمن:۷)" (وہ فرشتے جو عرش کو اٹھاتے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں ان پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کی بخشش کی دعا کرتے ہیں، کہتے ہیں: "اے ہمارے رب! آپ کی رحمت اور آپ کا علم ہر چیز کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے، لہٰذا ان لوگوں کو بخش دیں جنہوں نے شرک سے توبہ کی، آپ کے راستے (اسلام) کی پیروی کرتے رہے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالیں)۔ اس آیت سے معتزلہ کا یہ قول باطل ہو گیا کہ آخرت میں کبیرہ گناہ کرنے والوں کی فرشتے سفارش نہیں کریں گے۔

کیونکہ المعتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے: "وَ لَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى" یعنی فرشتے انہی کی سفارش کریں گے جن سے اللہ عزوجل راضی ہوں اور گناہ کبیرہ کرنے والوں کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لیے فرشتے شفاعت نہیں کریں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى" کا معنی ہے جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا۔ اور یہ اہل کبائر کی شفاعت کے لیے سب سے قوی دلیل ہے، کیونکہ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو گئے اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گئے تو فرشتے اس کی شفاعت کریں گے۔

"وَ هُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ": یعنی وہ اللہ عزوجل سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ اور جو خوف تعظیم کے ساتھ ہو اس کو "خشیت" کہتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اُن میں سے جس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے سوا عبادت کا مستحق ہوں تو ہم اس کو جہنم میں جھونک دیں گے، ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں O" (الانبیاء:۲۹)

"وَ مَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ": قتادہ، الضحاک اور اُن کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے کہ اس آیت سے مراد ابلیس ہے، وہ بھی پہلے فرشتوں میں سے تھا، اس نے اللہ تعالیٰ کے شریک ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنی عبادت کی طرف دعوت دی۔ اور ابلیس کے سوا اور فرشتوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ میں اللہ کے سوا عبادت کا مستحق ہوں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں تمام فرشتوں کی طرف اشارہ ہے، یعنی تمام فرشتوں میں سے جس نے بھی یہ کہا کہ میں عبادت کا مستحق ہوں، ہم اس کو جہنم میں جھونک دیں گے۔ اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ فرشتے ہر چند کہ معصوم ہیں تاہم وہ

عبادت کے مکلف ہیں اور وہ عبادت کرنے پر مجبور نہیں ہیں جیسا کہ بعض جاہلوں کا گمان ہے۔

"كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ": جس طرح ہم ان ظالموں کو سزا دیں گے جو الوہیت اور عبادت کو اس کے غیر محل میں رکھیں گے، اسی طرح ہم تمام ظلم کرنے والوں کو سزا دیں گے۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتے بھی مکلف ہیں، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ" ۔ اور اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ فرشتے معصوم ہیں، نیز اس آیت میں فرمایا ہے "كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ" ۔ قاضی عبد الجبار المعتزلی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ظالم کو جہنم کی سزا دیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وعید سنائی ہے، اور یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں گناہ کبیرہ کرنے والوں کی مغفرت نہیں فرمائیں گے۔ اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس آیت میں وعید کا عموم ہے اور اس کے معارض وہ آیات ہیں جن میں مغفرت فرمانے کے وعدہ کا عموم ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ" ۔ (الزمر: ٥٣)

(آپ کہہ دیجئے: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر گناہ کر کے زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، بے شک اللہ سب گناہ معاف فرما دیتا ہے، بے شک وہی بہت بخشنے والا، سب پر رحم فرمانے والا ہے)۔

(اللباب فی علوم الکتاب، ج ١٣ ص ٣٥٥۔٣٨١، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٣ھ، وتفاسیر اخری)

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٠﴾

کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ زمین و آسمان باہم ملے ہوئے تھے سو ہم نے ان کو الگ الگ کر دیا، اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز کو بنایا، کیا پس وہ ایمان نہیں لاتے ○

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۪ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٣١﴾

اور ہم نے زمین میں بھاری پہاڑ پیدا فرما دیے تا کہ زمین لوگوں کے ساتھ لرزتی نہ رہے، اور ہم نے زمین میں کشادہ راستے بنائے تا کہ لوگ ہدایت پائیں ○

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣٢﴾

اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا اور کفار ان نشانیوں سے اعراض کرنے والے ہیں ○

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿٣٣﴾

اور وہی اللہ ہیں جنہوں نے رات اور دن کو پیدا فرمایا اور سورج اور چاند کو پیدا فرمایا، تمام سیارے اپنے اپنے مدار میں گردش کر

رہے ہیں ○

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لیے دائمی زندگی نہیں بنائی، پس اگر آپ وفات پا جائیں تو کیا یہ (کفار) ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ○

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۗ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور ہر شخص موت کو چکھنے والا ہے، اور ہم تم سب کو شر اور خیر کی آزمائش میں مبتلا فرماتے ہیں، اور ہماری ہی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے ○

وَإِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ إِلَّا هُزُوًا ۗ أَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور کفار جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو وہ آپ کا مذاق ہی اڑاتے ہیں (وہ کہتے ہیں:) کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کی مذمت کرتا ہے؟ حالانکہ وہ خود رحمٰن کی یاد سے کفر کرنے والے ہیں ○

خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۗ سَأُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾

انسان کو عجلت سے پیدا فرمایا گیا ہے، میں عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھاؤں گا، پس تم عجلت سے نشانیاں طلب نہ کرو ○

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾

اور کفار کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا؟ ○

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾

کاش! کفار (اس وقت کو) جان لیتے جب وہ اپنے چہروں سے اور اپنی پیٹھوں سے آگ کو دور نہیں کر سکیں گے اور نہ اُن کی مدد فرمائی جائے گی ○

بَلْ تَأْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾

بلکہ قیامت اُن کے پاس اچانک آئے گی سو وہ اُن کو مبہوت کر دے گی، پس وہ قیامت کو موخر نہ کر سکیں گے اور نہ ہی انہیں مہلت عطا فرمائی جائے گی ○

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

اور (اے رسولِ اکرم!) بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا تھا، پس اُن مذاق اڑانے والوں کا اسی عذاب نے احاطہ کرلیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ زمین و آسمان باہم ملے ہوئے تھے سو ہم نے ان کو الگ الگ فرمادیا، اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز کو بنایا، کیا پس وہ ایمان نہیں لاتے O" (الانبیاء: ۳۰)

آسمانوں اور زمینوں کے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہونے اور الگ الگ کیے جانے کے محامل

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ، الانبیاء: ۳۰ تا ۴۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا": یہ آیت مکی ہے، گویا کہ ارشاد فرمایا: کیا کفار مکہ نے یہ نہیں دیکھا کہ "اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا" کہ آسمانوں کی جماعت اور زمینوں کی جماعت ایک دوسرے سے چپکی ہوئی تھیں، پس ہم نے ان دونوں کو پھاڑ کر الگ الگ کردیا۔ الفتق کا معنی ہے: دو چیزوں کے درمیان فصل کرنا، اور الرتق کا معنی ہے: دو چیزوں کا ملا ہوا ہونا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ مشرکین مکہ نے آسمانوں اور زمینوں کو کب ایک دوسرے سے چپکا ہوا دیکھا تھا کہ اُن سے یہ سوال فرمایا گیا کہ "کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو ایک دوسرے سے چپکا ہوا نہیں دیکھا؟"

ہم کہتے ہیں: اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں اسی طرح وارد ہے اور وہ معجزہ ہے، پس وہ دیکھنے اور مشاہدہ کے قائم مقام ہے، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ الگ کرنے کے لیے کسی مخصص کی ضرورت ہے اور وہ اللہ عزوجل کی قدیم ذات ہے۔

پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ آسمان زمین کے ساتھ چپکا ہوا تھا، ان کے درمیان کوئی فضا نہیں تھی، پس ہم نے ان کے درمیان ہوا کے ساتھ فصل فرمادیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمام آسمان طبقۂ واحدہ تھے، پس اللہ تعالیٰ نے اُن میں شگاف ڈال کر سات آسمان بنادیے۔ اسی طرح زمین بھی طبقۂ واحدہ تھی، پس اللہ تعالیٰ نے ان میں شگاف ڈال کر سات زمینیں بنادیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آسمان "رتقا" تھا اس سے بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین بھی "رتقا" تھی اس سے سبزہ نہیں پیدا ہوتا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے آسمان میں بارش کے ساتھ شگاف ڈالا اور زمین میں سبزہ کے ساتھ شگاف ڈالا۔

حضرت ابن عباس، مجاہد اور الضحاک نے کہا کہ آسمان اور زمین ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے تو ہم نے ہوا کے ساتھ ان میں فصل پیدا فرمادیا۔ کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا فرمایا، پھر ان کے درمیان میں ہوا پیدا فرمائی اور اس کی وجہ سے ان کے درمیان کشادگی فرمادی۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء، الانبیاء: ۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اصل میں "رتق" اور "فتق" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ رتق کے معنی ہیں: یک جا ہونا، اکٹھا ہونا، ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہونا، متصل اور متلاصق ہونا۔ اور فتق کے معنی پھاڑنے اور جدا کرنے کے ہیں۔ بہ ظاہر ان الفاظ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ کائنات کی ابتدائی شکل ایک تودے (mass) کی سی تھی، بعد میں اس کو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر کے زمین اور دوسرے اجرامِ فلکی جدا جدا دنیاؤں کی شکل میں بنائے گئے۔ (تفہیم القرآن جلد سوم ص ۱۵۲، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۱۲ء)

ضیاء الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی متوفی ۱۴۱۸ھ، الانبیاء: ۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتداء میں آفتاب ایک بھڑکتا ہوا شعلہ تھا۔ اس کی حرکت بہت ہی تیز تھی، مرورِ دہور میں اس کی حرکت کم ہوتی گئی اور وہ سکڑتا اور چھوٹا ہوتا چلا گیا اور اس سبب سے اس کے مادے میں گاڑھا پن آ گیا اور حرکت کی تیزی کے سبب اس میں سے چند ٹکڑے ٹوٹ کر دور دور تک چلے گئے اور اسی کے گرد چکر کھانے لگے۔ اس وقت تک ظاہر ہوا ہے کہ آفتاب سے گیارہ ٹکڑے ٹوٹے ہوئے ہیں، جن سے ہمارا نظامِ شمسی بنا ہے اور زمین بھی انہی سے ایک ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

صاف بات یہی ہے کہ یہ معاملہ عالمِ غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کی حقیقت ہم اپنے علم و ادراک کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتے اور قرآن کا مقصود ان اشارات سے تخلیقِ عالم کی شرح و تحقیق نہیں ہے، خدا کی قدرت و حکمت کی طرف انسان کو توجہ دلانا ہے۔

(ضیاء القرآن ج: ۳ ص ۱۶۲ ـ ۱۶۳ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، الانبیاء: ۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ابو مسلم الاصفہانی نے لکھا ہے کہ "الرتق" سے مراد حالت العدم ہے، کیونکہ حالتِ عدم میں ذوات متمیزہ نہیں تھیں، پس تمام آسمان اور زمینیں امرِ واحد متشابہ تھیں اور الفتق سے مراد ہے اُن کو الگ الگ کرنا۔

نیز علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تمام آسمان رتق تھے ان سے بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین بھی رتق تھی اس سے سبزہ پیدا نہیں ہوتا تھا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بنایا تو اس میں بارش سے فصل پیدا فرما دیا اور زمین میں نباتات سے فصل پیدا فرما دیا۔ (روح المعانی جز ۱۷ ص ۵۱ ـ ۵۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

"وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ": یعنی ہم نے پانی سے ہر جاندار پیدا فرمایا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ۔ (النور: ۴۵)" (اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا فرمایا)۔ یعنی ہم نے ہر جاندار کو پانی سے اس لیے پیدا فرمایا کہ اس کو پانی کی شدید ضرورت ہے اور پانی سے شدید محبت ہے اور وہ پانی سے بہت کم صبر کر سکتا ہے۔

"اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ": کیا یہ کفار ان چیزوں کا مشاہدہ کر کے ان پر ایمان نہیں لاتے!

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے زمین میں بھاری پہاڑ پیدا فرما دیے تاکہ زمین لوگوں کے ساتھ لرزتی نہ رہے، اور ہم نے زمین میں کشادہ راستے بنائے تاکہ لوگ ہدایت پائیں O" (الانبیاء: ۳۱)

"وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ": یعنی ہم نے زمین میں پہاڑ نصب فرما دیے۔ "رَوَاسِیَ" کا لفظ "رَسَا" سے ماخوذ ہے

جس کا معنی ہے: کسی چیز کا ثابت ہونا۔ "اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ": تاکہ زمین ان چیزوں کے بوجھ سے مضطرب نہ ہو۔ اس آیت میں لفظ "لَا" کو حذف فرمادیا گیا ہے، اصل میں تھا "اَنْ لَّا تَمِیْدَ بِهِمْ"۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لِئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ (الحدید: ۲۹)" (یہ اس لئے کہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پہ قدرت نہیں رکھتے۔) اس آیت میں لفظ "لَا" زائد ہے۔

"وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا": کشادہ راستے۔ فِجَاج کا لفظ فَج کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: وسیع راستہ۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۙ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا۔ (نوح: ۱۹_۲۰)" (اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا O تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو پھرو O) پس الانبیاء: ۳۱ اور نوح: ۲۰ میں کیا فرق ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ الانبیاء: ۳۱ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر فرمائی ہے کہ انہوں نے زمین میں کشادہ راستے بنادیئے ہیں، اور نوح: ۲۰ میں یہ بتایا ہے کہ جب زمین کو پیدا فرمایا تو اس کو کشادہ راستوں کی صفت پر پیدا فرمایا۔

"لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ": تاکہ وہ ان کشادہ راستوں پر چل کر اپنے اپنے شہروں میں اور منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنادیا اور کفار ان نشانیوں سے اعراض کرنے والے ہیں O" (الانبیاء: ۳۲)

"وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا": یعنی ہم نے آسمان کو ایسی چھت بنایا جو گرنے سے محفوظ ہے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ (الحج: ۶۵)" (وہی آسمان کو روکے ہوئے ہیں کہ وہ ان کے حکم کے بغیر زمین پر گر نہیں سکتا)۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ شیاطین پر آگ کے گولے جو مارے جاتے ہیں ان سے آسمان کو محفوظ بنادیا، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ۔ (الحجر: ۱۷)" (اور انہیں ہم نے ہر مردود شیطان سے محفوظ فرمادیا)۔

"وَهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ": یعنی سورج چاند اور ستاروں میں جو اللہ تعالیٰ نے نشانیاں رکھی ہیں، ان میں غور وفکر کرنے سے کفار اعراض کرنے والے ہیں۔ اگر وہ ان میں غور وفکر کرتے تو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور وہی اللہ ہیں جنہوں نے رات اور دن کو پیدا فرمایا اور سورج اور چاند کو پیدا فرمایا، تمام سیارے اپنے اپنے مدار میں گردش کررہے ہیں O" (الانبیاء: ۳۳)

فلک کی تحقیق میں اقوال

"وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ": اللہ عزوجل نے رات پیدا فرمائی تاکہ تم اس میں سکون پاؤ، اور دن پیدا فرمایا تاکہ اس میں تم تصرف کرو۔ اور دن کی روشنی کے لیے سورج پیدا فرمایا اور رات کی روشنی کے لیے چاند کو پیدا فرمایا اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: فلک سے مراد آسمان ہے اور جمہور کا موقف یہ ہے کہ فلک ایک موج مکفوف ہے جو آسمان کے نیچے ہے جس میں سورج، آسمان اور چاند ستارے گردش کر

رہے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد خلاء ہے اور یہ سیارگان خلاء کے اندر اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء، الانبیاء: ۳۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ'': ''سب ایک فلک میں تیر رہے ہیں'' سے دو باتیں صاف سمجھ میں آتی ہیں، ایک یہ کہ یہ سب تارے ایک ہی ''فلک'' میں نہیں ہیں، بلکہ ہر ایک کا فلک الگ ہے۔ دوسرے یہ کہ فلک کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں یہ تارے کھونٹیوں کی طرح جڑے ہوئے ہوں اور وہ خود انہیں لیے ہوئے گھوم رہا ہو، بلکہ وہ کوئی سیال شے ہے، یا فضا اور خلا کی سی نوعیت کی چیز ہے، جس میں ان تاروں کی حرکت تیرنے کے فعل سے مشابہت رکھتی ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۳ ص ۱۵۷، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۲۰۱۲ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسول اکرم!) ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لیے دائمی زندگی نہیں بنائی، پس اگر آپ وفات پا جائیں تو کیا یہ (کفار) ہمیشہ رہنے والے ہیں؟O'' (الانبیاء: ۳۴)

''وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ'': یعنی یہ کفار آپ کی وفات کی تمنا کر رہے ہیں، پس اگر آپ کو وفات آ جائے تو کیا یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اس آیت میں استفہام انکاری ہے، یعنی یہ بھی ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں اور ان پر بھی لامحالہ موت آتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہر شخص موت کو چکھنے والا ہے، اور ہم تم سب کو شر اور خیر کی آزمائش میں مبتلاء فرماتے ہیں، اور ہماری ہی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گےO'' (الانبیاء: ۳۵)

''كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ'': اللہ تعالیٰ نے اپنے امتحان لینے اور آزمائش فرمانے کا ذکر فرمایا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ عمل کرنے والوں کے اعمال کے پہلے ہی عالم ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے صورتاً امتحان لیا ہے، لوگوں کو فقر میں، ضرر میں اور خوشحالی میں مبتلاء فرمایا ہے۔ ''وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ'': اور تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر جس طرح تم میں صبر اور شکر پایا گیا اس کے مطابق تم کو جزا عطا فرمائی جائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کفار جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو وہ آپ کا مذاق ہی اڑاتے ہیں (وہ کہتے ہیں:) کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کی مذمت کرتا ہے؟ حالانکہ وہ خود رحمٰن کی یاد سے کفر کرنے والے ہیںO'' (الانبیاء: ۳۶)

''وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ'': یہ آیت ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزر کر ہنسا اور اس نے کہا: یہ بنو عبد مناف کا نبی ہے کیا یہی تمہارے معبودوں کی مذمت کرتا ہے؟ اس آیت میں ''يَذْكُرُ'' کا لفظ ہے، اور یہ ذکر سے ماخوذ ہے اور ذکر کبھی خیر کے ساتھ کیا جاتا ہے اور کبھی مذمت کے ساتھ کیا جاتا ہے، اگر ذکر کرنے والا دوست ہو تو وہ خیر کے ساتھ حمد و ثناء سے ذکر کرتا ہے اور اگر

دشمن ہو تو مذمت کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ اور یہ کفار رحمٰن کی وحدانیت کے ذکر سے کفر کرتے ہیں اور رحمٰن کے واحد ہونے کی بالکل تصدیق نہیں کرتے، سو وہ زیادہ اس بات کے حق دار ہیں کہ اُن کا مذاق اڑایا جائے کیونکہ آپ حق پر ہیں اور یہ باطل پر ہیں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رحمٰن کے ذکر سے مراد قرآن مجید ہے جو آپ پر نازل فرمایا گیا ہے، یہ کفار اس کا انکار کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''انسان کو عجلت سے پیدا فرمایا گیا ہے، میں عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھاؤں گا، پس تم عجلت سے نشانیاں طلب نہ کروO'' (الانبیاء: ٣٧)

''خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ'': اس آیت میں ''الْاِنْسَانُ'' سے مراد جنس انسان ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت نضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی جو عجلت سے عذاب کو طلب کر رہا تھا۔

انسان کو عجلت سے پیدا فرمایا گیا ہے، اس کے باوجود انسان کو عجلت کرنے سے منع فرمایا ہے، یہ ایسا ہے جیسے انسان کے اندر شہوت رکھی گئی ہے اس کے باوجود اس کو شہوت کے تقاضوں پر عمل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کفار کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا؟O'' (الانبیاء: ٣٨)

''وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ'': کفار کہتے ہیں کہ عذاب آنے کا وعدہ کب پورا ہوگا یا قیامت کے آنے کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ یہ بھی اُن کی عجلت سے طلب کی ایک قسم ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کاش! کفار (اس وقت کو) جان لیتے جب وہ اپنے چہروں سے اور اپنی پیٹھوں سے آگ کو دور نہیں کر سکیں گے اور نہ اُن کی مدد فرمائی جائے گیO'' (الانبیاء: ٣٩)

''لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ'':
یعنی کاش! وہ جان لیتے کہ جس وقت کو وہ عجلت سے طلب کر رہے ہیں اس وقت میں وہ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ کے عذاب سے دور نہیں کر سکیں گے اور وہ کوئی مددگار نہیں پائیں گے جو ان کی مدد کرے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بلکہ قیامت اُن کے پاس اچانک آئے گی سو وہ اُن کو مبہوت کر دے گی، پس وہ قیامت کو مؤخر نہ کر سکیں گے اور نہ ہی انہیں مہلت عطا فرمائی جائے گیO'' (الانبیاء: ٤٠)

''بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ'': بلکہ قیامت اُن پر اچانک آئے گی اور اُن کو حیران کر دے گی، وہ اس کو روک نہیں سکیں گے، قیامت اُن پر غالب آجائے گی اور اُن کو قیامت سے پہلے مہلت نہیں دی جائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسول اکرم!) بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا تھا، پس اُن مذاق اڑانے والوں کا اسی عذاب نے احاطہ کر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھےO'' (الانبیاء: ٤١)

''وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ'': اس آیت میں رسول اللہ

ﷺ کو اُن کا مذاق اڑانے والوں سے تسلی فرمائی ہے کہ آپ کے لیے انبیاء میں نمونہ ہے، اور کفار جس عذاب کا مذاق اڑا رہے ہیں وہ عذاب ان کا احاطہ کر لے گا جیسے انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مذاق اڑانے والوں کا عذاب نے احاطہ کر لیا تھا۔

(مدارک التنزیل ج ۲ ص ۴۰۱۔۴۰۵ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

قُلْ مَنْ یَّكْلَؤُكُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾

آپ کہیے: رات اور دن میں رحمٰن (کے عذاب) سے تمہیں کون حفاظت میں رکھتا ہے، بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرنے والے ہیں O

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَاؕ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

یا ان کفار کے خود ساختہ معبود ان کو ہمارے عذاب سے بچا لیں گے؟ وہ خود ساختہ معبود تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ وہ کفار ہماری طرف سے پناہ میں رکھے جائیں گے O

بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُؕ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَاؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

بلکہ ہم ان کفار کو اور ان کے آباء و اجداد کو نعمتوں سے نوازتے رہے ہیں حتیٰ کہ ان کی عمریں طویل ہو گئیں، کیا پس یہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کی اطراف سے کم کرتے جا رہے ہیں، کیا پس وہ غالب آنے والے ہیں؟ O

قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ ۖ٘ وَ لَا یَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

آپ کہیے: میں تمہیں صرف وحی سے ڈرا رہا ہوں، اور جب از خود بہرہ بننے والوں کو عذاب سے ڈرایا جائے تو وہ نہیں سنتے O

وَ لَىٕنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَیَقُوْلُنَّ یٰوَیْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۴۶﴾

اور اگر انہیں آپ کے رب کے عذاب کا ایک جھونکا بھی چھو جائے تو وہ ضرور بہ ضرور کہیں گے: ہائے کم بختی، بے شک ہم ہی ظلم کرنے والے تھے O

وَ نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْــٴًـاؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَاؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِیْنَ ﴿۴۷﴾

اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے، سو کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں فرمایا جائے گا، اور اگر کسی کا عمل رائی کے دانہ کے

برابر بھی ہوتو ہم اس کو حاضر فرمادیں گے، اور ہم حساب لینے کے لیے کافی ہیں O

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو حق اور باطل میں فرق کرنے والی اور روشن کتاب اور متقین کے لیے نصیحت عطا فرمائی O

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت کے عذاب سے خوف زدہ ہیں O

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور یہ قرآن برکت والی نصیحت ہے جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے، کیا تم لوگ اس کا انکار کرنے والے ہو! O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: رات اور دن میں رحمٰن (کے عذاب) سے تمہیں کون حفاظت میں رکھتا ہے، بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرنے والے ہیں O'' (الانبیاء: ۴۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے والوں کو زجر و توبیخ

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، الانبیاء: ۴۲ تا ۵۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ'': اے اشرف المرسلین! آپ ان مذاق اڑانے والوں سے کہیے: اگر رات یا دن کے کسی وقت میں تم پر رحمٰن کا عذاب آجائے تو تمہیں اس عذاب سے کون بچا سکتا ہے؟ یعنی رحمٰن کے عذاب سے تمہیں کوئی بھی نہیں بچا سکتا، بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر یعنی قرآن مجید سے اعراض کرنے والے ہیں، اس میں غور و فکر نہیں کرتے، اور اُن کے دل میں اس کا خیال بھی نہیں آتا چہ جائیکہ وہ اس میں ذکر کیے ہوئے عذاب سے ڈریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یا ان کفار کے خود ساختہ معبودان کو ہمارے عذاب سے بچا ئیں گے؟ وہ خود ساختہ معبود تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ وہ کفار ہماری طرف سے پناہ میں رکھے جائیں گے O'' (الانبیاء: ۴۳)

''اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ'': یا ان کے ایسے خود ساختہ معبود ہیں جو اِن کو ہمارے عذاب سے بچا لیں گے؟ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی ان کے خود ساختہ معبودان کو ہمارے عذاب سے نہیں بچا سکتے، پھر ان خود ساختہ معبودوں کے ضعف کا ذکر فرمایا کہ یہ خود ساختہ معبود تو خود اپنی مدد نہیں کر سکتے، چہ جائیکہ اپنے عبادت گزاروں کی مدد کریں۔ اور نہ یہ کفار ہمارے عذاب سے پناہ میں رکھے گئے ہیں۔ ''يُصْحَبُوْنَ'' کا معنی ہے يُجَارُوْنَ۔ کہا جاتا ہے ''صحبك الله'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی حفاظت میں رکھیں اور اپنی پناہ میں رکھیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بلکہ ہم ان کفار کو اور ان کے آباء و اجداد کو نعمتوں سے نوازتے رہے ہیں حتیٰ کہ ان کی عمریں طویل ہوگئیں، کیا پس یہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کی اطراف سے کم کرتے جارہے ہیں، کیا پس

وہ غالب آنے والے ہیں؟O" (الانبیاء:۴۴)

"بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُؕ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَاؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ": بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم ان کفار کو اور ان کے آباء واجداد کو ڈھیل دینے کے لیے نعمتیں عطا فرماتے رہے ہیں حتیٰ کہ یہ نفسی خوشی رہتے رہے اور اطمینان سے زندگی بسر کرتے رہے اور انہوں نے گمان کیا کہ ان سے یہ نعمتیں زائل نہیں ہوں گی، سو یہ دھوکہ میں مبتلاء ہو گئے اور یہ ان کی خواہش بے سود تھی اور امید جھوٹی تھی، کیا ان کو معلوم نہیں ہے کہ ہم کفار کی زمینوں کو اس کے کناروں سے کم کرتے جا رہے ہیں، یعنی مسلمانوں کو کفار کے علاقوں پر غالب فرما دیتے ہیں اور مسلمان اُن زمینوں کے رہنے والوں پر غلبہ پا کر قتل کرتے ہیں اور بعض کو اُن کے کفر یہ دین سے اسلام کی طرف لوٹا دیتے ہیں، پس یہ کفار دن بہ دن کمی میں ہیں اور ہمارے ماننے والے زیادتی میں ہیں۔ اور جب یہ کفار اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں تو پھر یہ کیسے توقع کرتے ہیں کہ وہ غالب ہو جائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:" آپ کہیے: میں تمہیں صرف وحی سے ڈرا رہا ہوں، اور جب از خود بہرہ بننے والوں کو عذاب سے ڈرایا جائے تو وہ نہیں سنتےO" (الانبیاء:۴۵)

"قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ ﳲ وَ لَا یَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ": اے اشرف الخلق! آپ ان مشرکین سے کہیے: میں تمہیں اس قرآن سے ڈراتا ہوں جو تمہارے رب کا کلام ہے، پس تم یہ گمان نہ کرو کہ میں تمہیں اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں۔ اور جو از خود بہرہ بنتا ہو وہ ڈرانے والے کلام کو نہیں سنتا۔

اس پر یہ سوال ہے کہ جو بہرہ ہو وہ خوش خبری کی بات بھی نہیں سنتا جیسا کہ وہ ڈرانے والے کی بات کو نہیں سنتا، پس یہ کیسے کہا گیا ہے کہ جب اُن کو ڈرایا جائے تو وہ نہیں سنتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والی آیات کو سننے سے بہرہ بن جاتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:" اور اگر انہیں آپ کے رب کے عذاب کا ایک جھونکا بھی چھو جائے تو وہ ضرور بہ ضرور کہیں گے: ہائے کم بختی، بے شک ہم ہی ظلم کرنے والے تھےO" (الانبیاء:۴۶)

"وَ لَىٕنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَیَقُوْلُنَّ یٰوَیْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ": اگر ان کو تھوڑا سا بھی اللہ کا عذاب چھو جائے، اس آیت میں کمی کے لیے بہت مبالغے استعمال کیے گئے ہیں۔ پہلا مبالغہ ہے "مَسَّتْهُمْ" یعنی اگر ان کو چھو جائے، یہ نہیں فرمایا کہ اگر یہ عذاب میں مبتلاء ہو جائیں، پھر فرمایا "نَفْحَةٌ"، اس کا معنی ہے: ایک مرتبہ پھونک ماری جائے، اور اس میں تاء بھی تقلیل کے لیے ہے یعنی ایک مرتبہ بھی تھوڑا سا عذاب چھو جائے، تو یہ ضرور کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! بے شک ہم ضرور ظلم کرنے والے تھے۔ وہ ظلم کا اقرار کرنے کے بعد خود پر عذاب کی دعا کریں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:" اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے، سو کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں فرمایا جائے گا، اور اگر کسی کا عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو تو ہم اس کو حاضر فرما دیں گے، اور ہم حساب لینے

کے لیے کافی ہیں O" (الانبیاء: ۴۷)

قیامت کے دن میزان پر وزن کرنے کی تحقیق

"وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ": اس آیت میں "الْمَوَازِيْنَ" فرمایا ہے اور یہ المیزان کی جمع ہے، میزان قیامت کے دن واحد ہوگی لیکن جن کا وزن کیا جائے گا وہ بہت زیادہ ہوں گے، اس وجہ سے میزان کی جمع الموازین لائے ہیں۔ اور ائمہ سلف کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقتاً میزان کو رکھیں گے جس سے بندوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا، حسن بصری نے کہا: اس میزان کے دو پلڑے ہیں اور ایک ڈنڈی ہے۔

روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ ان کو میزان دکھائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے میزان دکھائی اس کا ہر پلڑا مشرق اور مغرب کے برابر تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام بے ہوش ہو گئے، پھر عرض کیا: اے اللہ! اس میزان کو نیکیوں سے بھرنے پر کون قادر ہوگا؟ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: اے داؤد! جب میں اپنے بندے سے راضی ہوں تو اس کی دی ہوئی ایک کھجور کے صدقہ سے بھی میں میزان کو بھر دوں گا۔

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ اعمال کا کیسے وزن فرمایا جائے گا حالانکہ اعمال اعراض ہیں اور وزن اجسام کا ہوتا ہے؟

اس کے دو جواب ہیں: ایک جواب یہ ہے کہ بندوں کے صحائف اعمال کا وزن فرمایا جائے گا، ایک پلڑے میں نیکیوں کے صحائف رکھے جائیں گے اور دوسرے پلڑے میں برائیوں کے صحائف رکھے جائیں گے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نیکیوں کے پلڑے میں چمک دار جواہر رکھے جائیں گے اور برائیوں کے پلڑے میں سیاہ جواہر رکھے جائیں گے۔

میں کہتا ہوں: اس سوال کا یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ جدید تحقیق سے ثابت ہے کہ اعراض کا بھی وزن کیا جاتا ہے مثلاً حرارت اور برودت اعراض ہیں، اور تھرمامیٹر سے بخار کی مقدار کا وزن کیا جاتا ہے کہ کتنے سینٹی گریڈ بخار ہے یا کتنے فورن ہائیٹ بخار ہے۔ اسی طرح مٹھاس بھی ایک کیفیت اور عرض ہے اور جس مشین سے شوگر کی مقدار معلوم کی جاتی ہے اس سے مٹھاس کا وزن معلوم ہو جاتا ہے، خون کے ایک قطرہ کو اسٹرپ پر لگا کر مشین میں ڈالتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس قطرہ میں کتنے ملی گرام مٹھاس ہے۔ اسی طرح چکنائی بھی عرض ہے، اور اس کی مقدار بھی مشین سے معلوم ہو جاتی ہے کہ انسان نے جو کچھ کھایا ہے اس میں کتنے ملی گرام کولیسٹرول تھا۔ اسی طرح آلات سے ہوا کے دباؤ کی مقدار کا بھی علم ہو جاتا ہے، اور یہ سب اعراض ہیں۔ تو جب انسان آلات کے ذریعہ اعراض کی مقدار اور ان کے وزن کو معلوم کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ جو ان تمام چیزوں کے خالق ہیں، ان کے لیے کیا بعید ہے کہ وہ انسان کے اعمال کا میزان میں وزن فرما لیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ اعمال کا وزن کرنے کے معارض قرآن مجید کی یہ آیت ہے، اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا: "فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ (الکہف: ۱۰۵)" (ہم قیامت کے دن ان کے اعمال کا کوئی وزن نہیں فرمائیں گے)۔

اس کا یہ جواب ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کہ ہم کفار کے اعمال کی کوئی تکریم اور تعظیم نہیں فرمائیں گے۔

"فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا": پس کسی شخص کے اوپر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا کہ اس کی نیکی میں کوئی کمی کی جائے یا اس کی برائی میں

کوئی اضافہ کیا جائے۔"وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا": اگر کسی شخص کے عمل کا وزن رائی کے دانہ کے برابر ہو یا اس سے بھی کم ہو تو ہم اس کو وزن کے لیے لے آئیں گے، رائی کے دانہ کی مثال اس لیے دی ہے کہ وہ ہمارے نزدیک انتہائی کم شمار کیا جاتا ہے۔"وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ": اور ہم ہر چیز کو شمار کرنے والے ہیں، پس کوئی شخص بھی حساب لینے میں ہماری مثل نہیں ہو سکتا، اور اس میں یہ وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حساب میں نہ کوئی غلطی ہوتی ہے اور نہ وہ بھولتے ہیں۔

اور جب اللہ عزوجل نے توحید، نبوت اور معاد کے دلائل بیان فرمائے تو انبیاء علیہم السلام کے واقعات شروع فرمائے تا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی قوم کی طرف سے جو ایذاء پہنچتی ہے اس پر آپ کو تسلی دی جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے رہیں اور اس پیغام پہنچانے میں جو مشکلات ہوں ان پر صبر کریں، یہاں اللہ تعالیٰ نے دس قصے بیان فرمائے ہیں، پہلا قصہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کا ہے جس کا درج ذیل آیت میں ذکر ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:"اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو حق اور باطل میں فرق کرنے والی اور روشن کتاب اور متقین کے لیے نصیحت عطا فرمائی O" (الانبیاء:۴۸)

"وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ": جو موسیٰ کے بھائی تھے اور موسیٰ نے اپنے رب سے سوال کیا تھا کہ اُن کے بھائی کی وجہ سے اُن کی کمر کو مضبوط فرمائیں۔"الْفُرْقَانَ" یعنی تورات، جو حق اور باطل اور حلال اور حرام کے درمیان فرق فرمانے والی کتاب ہے، "وَ ضِيَآءً" اور وہ سرتاپا روشنی ہے، تا کہ حیرت اور جہل کے اندھیرے اس سے زائل ہوں۔"وَ ذِكْرًا" یعنی نصیحت "لِّلْمُتَّقِيْنَ" یعنی اللہ سے ڈرنے والے، احکام شرع پر عمل کرنے میں جن چیزوں کے محتاج ہوتے ہیں، ان چیزوں کی اس میں نصیحت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے متقین کی یہ صفت بیان فرمائی:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:"جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت کے عذاب سے خوف زدہ ہیں O" (الانبیاء:۴۹)

"اَلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَ هُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ": یعنی جو ہر وقت اپنے رب سے سخت خوف زدہ رہتے ہیں، جنہوں نے ان کو پیدا فرمانے کے بعد اُن پر طرح طرح کے احسانات فرمائے۔ وہ لوگ بن دیکھے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں جب اُن کے سامنے لوگ نہ ہوں، پھر بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ یا آخرت میں جنت کے حجابات اٹھنے سے پہلے اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں، اور اس ساعت سے ڈرتے رہتے ہیں جس ساعت میں ان کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ اور یہ موازین ہر نیکی پر سب سے زیادہ برانگیختہ کرنے والی ہیں اور ہر برائی سے سب سے زیادہ دور کرنے والی ہیں۔

اس آیت میں اللہ عزوجل نے فرقان کا ذکر فرمایا اور عرب مشاہدہ کرتے تھے کہ یہودی تورات کے ساتھ تمسک کرتے تھے پس تورات سے جو افضل کتاب ہے اور وہ قرآن مجید ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے برانگیختہ فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:"اور یہ قرآن برکت والی نصیحت ہے جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے، کیا تم لوگ اس کا انکار کرنے والے ہو! O" (الانبیاء:۵۰)

"وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ": یعنی یہ قرآن بابرکت نصیحت ہے جس کو ہم نے اشرف الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے، پھر زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم اس کا انکار کرو گے؟

(السراج المنیر ج ٣ ص ٢٣١ ـ ٢٣٢ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢٥ھ)

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾

اور بے شک ہم نے ابراہیم کو پہلے سے ہی ہدایت عطا فرمائی تھی اور ہم اُن کے احوال کو خوب جاننے والے تھے ○

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا: یہ کیسی مورتیں (مجسمے، بت) ہیں جن کے پاس تم جم کر بیٹھے ہو ○

قَالُوْا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ﴿۵۳﴾

انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ان ہی کا عبادت گزار پایا ہے ○

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۴﴾

ابراہیم نے کہا: اللہ کی قسم! بے شک تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے ○

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ﴿۵۵﴾

انہوں نے کہا: کیا آپ واقعی ہم سے حق بات کہہ رہے ہیں یا یونہی خوش طبعی کر رہے ہیں؟ ○

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ﳲ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۶﴾

ابراہیم نے کہا: نہیں! بلکہ تمہارے رب وہ ہیں جو آسمانوں اور زمینوں کے رب ہیں جنہوں نے ان کو پیدا فرمایا ہے اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں ○

وَ تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾

اور اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں ضرور تمہارے بتوں کے خلاف کوئی خفیہ تدبیر کروں گا ○

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾

پس ابراہیم نے اُن کے بڑے بت کے سوا تمام بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں ○

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾

انہوں نے کہا: ہمارے ان معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کس نے کی ہے؟، بے شک وہ ضرور ظالموں میں سے ہے O

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۰﴾

لوگوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو ان معبودوں کی مذمت کرتے ہوئے سنا ہے جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے O

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

انہوں نے کہا: اس جوان کو لوگوں کی آنکھوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ اس کے خلاف گواہی دیں O

قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۲﴾

(ابراہیم کے آنے پر) انہوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے؟ O

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْــٴَـلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

ابراہیم نے کہا: بلکہ اسی نے یہ کام کیا ہے، ان معبودوں میں سے سب سے بڑا یہ ہے، پس ان معبودوں سے سوال کرو اگر یہ بول سکتے ہیں O

فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

پس انہوں نے اپنے دلوں کی طرف رجوع کیا سو انہوں نے کہا: بے شک تم ظلم کرنے والے ہو O

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ یَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾

پھر انہوں نے شرمندگی سے اپنے سروں کو جھکا لیا، (اور کہا:) تم خوب جانتے ہو کہ یہ معبود بول نہیں سکتے O

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾

ابراہیم نے کہا: کیا پس تم اللہ کو چھوڑ کر ایسے بتوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ تم کو کچھ بھی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کچھ بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں O

اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

تُف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، کیا تم ذرا بھی عقل سے کام نہیں لیتے؟ O

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴿۶۸﴾

انہوں نے کہا: اس کو جلا دو اور اگر تم اپنے معبودوں کی مدد کرنا چاہتے ہو تو عمل کارروائی کرو۔

قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ ﴿۶۹﴾

ہم نے آگ کو حکم دیا اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔

وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ ﴿۷۰﴾

انہوں نے ابراہیم کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا، پس ہم نے ان کو ہی نقصان زدہ فرما دیا۔

وَ نَجَّیْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾

اور ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو اس سرزمین (شام) کی طرف نجات عطا فرمائی جس سرزمین میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکتیں رکھی ہیں۔

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ یَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ ﴿۷۲﴾

اور ہم نے ابراہیم کو (فرزند) اسحاق عطا فرمائے اور اُن کے بعد (پوتے) یعقوب عطا فرمائے، اور ہم نے ان سب کو (عظیم) نیکوکار بنایا۔

وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ﴿۷۳﴾

اور ہم نے اُن کو امام بنا دیا جو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت دیتے اور ہم نے اُن کی طرف نیکی کے کاموں کی وحی فرمائی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ ادا کرنے کی، اور وہ سب ہمارے ہی عبادت گزار ہیں۔

وَ لُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىٕثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ﴿۷۴﴾

اور لوط کا ذکر کیجیے، جن کو ہم نے نبوت عطا فرمائی اور شریعت کا علم عطا فرمایا، اور ان کو اس بستی کے لوگوں سے نجات عطا فرمائی جو ہم جنس پرستی کرتے تھے، بے شک وہ بدکار نافرمان لوگ تھے۔

وَ اَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾

اور لوط کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل فرما لیا، بے شک وہ (عظیم) پارسا لوگوں میں سے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور بے شک ہم نے ابراہیم کو پہلے سے ہی ہدایت عطا فرمائی تھی اور ہم اُن کے

احوال کو خوب جاننے والے تھے O''(الانبیاء:۵۱)

رُشد کی تفسیر میں اقوال

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ، الانبیاء: ۵۱ تا ۷۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ لَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ'': اس آیت میں رُشد کا لفظ ہے اور اس کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ رُشد سے مراد نبوت ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ اس آیت کے اخیر میں فرمایا ''وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ''۔

ان مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ عزوجل کے نزدیک نبوت کے ساتھ وہی مخصوص ہوتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم ہو کہ وہ مستقبل میں نبوت کا حق ادا کرے گا اور جو کام نبوت کے لائق نہیں ہے ان سے اجتناب کرے گا۔ اور اُن کاموں سے احتراز کرے گا جن کاموں کی وجہ سے لوگ اس کی بات کو قبول نہ کریں۔

امام رازی کے استدلال میں تسامح اور مصنف کی تنبیہ

دوسرا قول یہ ہے کہ دین اور دنیا میں ہدایت یافتہ ہونا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ۔ (النساء:۶)'' (سو اگر تم اُن میں عقل مندی کے آثار دیکھو تو اُن کے اموال اُن کے سپرد کر دو)۔

میں کہتا ہوں کہ النساء: ۶ میں صرف دنیاوی ہدایت اور سمجھداری کا ذکر ہے یعنی اگر یتیم بچوں میں تم دنیاوی سمجھداری کے آثار دیکھو تو اُن کی طرف اُن کے اموال سپرد کر دو، کیونکہ النساء: ۵ میں فرمایا ہے ''وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا۔ (النساء:۵)'' (اور کم عقل یتیموں کو ان کے وہ اموال نہ دو (جو تمہاری تحویل میں ہیں) جن اموال کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے)۔ الزہری نے کہا: تم اپنی کم عقل اولاد کو مال نہ دو کیونکہ وہ اس مال کو ضائع کر دیں گے، اور اس آیت میں دینی اعتبار سے ہدایت یافتہ ہونے کا ذکر نہیں ہے، اس لیے امام رازی کا دین اور دنیا میں ہدایت یافتہ ہونے کے ثبوت میں اس آیت کو پیش کرنا درست نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کس سے پہلے نبوت عطا فرمائی گئی؟

اس آیت میں فرمایا ہے ''مِنْ قَبْلُ'' اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت اور ہدایت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے عطا فرمائی گئی تھی۔ (۲) مقاتل نے کہا: اُن کو بالغ ہونے سے پہلے نبوت اور ہدایت عطا فرمائی جب اُن کے سامنے ستارے ظاہر ہوئے: ''فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۔ (الانعام:۷۶)'' (پھر جب ان پر رات تاریک ہوگئی تو انہوں نے ایک ستارا دیکھا، کہا: یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ستارا ڈوب گیا تو کہا: میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قول صحیح نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت نبی بنایا گیا جب وہ نابالغ تھے۔

(سعیدی غفرلہٗ)

(۳) الضحاک نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں تھے، اس وقت اُن کو نبوت اور ہدایت عطا فرمائی، جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے میثاق لیا تھا۔

میں کہتا ہوں: یہ قول اس لیے درست نہیں ہے کہ پھر اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی خصوصیت نہیں ہوگی، کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے میثاق لیا تھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اور دیگر مفسرین نے اس طرح لکھا ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے "مِنْ قَبْلُ" یعنی حضرت موسیٰ، حضرت ہارون علیہما السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رُشد یعنی نبوت اور ہدایت عطا فرمائی تھی۔

"وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ": اور ہم کو ظاہراً اور باطناً علم تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے جو منصب عطا فرمایا ہے وہ اس کے اہل ہیں، کیونکہ وہ اپنی فطرت اور جبلت کے اعتبار سے تمام محاسن اوصاف اور مکارمِ اخلاق کے جامع تھے اور وہ دن بہ دن اعلیٰ درجات کی طرف ترقی کر رہے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا: یہ کیسی مورتیں (مجسمے، بت) ہیں جن کے پاس تم جم کر بیٹھے ہو ○" (الانبیاء: ۵۲)

"اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ": "اِذْ قَالَ" کی تفسیر میں علامہ الزمخشری صاحب الکشاف نے کہا ہے کہ "اِذْ" کا تعلق یا تو "اٰتَيْنَا" کے ساتھ ہے یا "رُشْدَ" کے ساتھ ہے، یا ایک محذوف کے ساتھ ہے، یعنی ابراہیم کے رُشد کے اوقات میں سے اس وقت کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنے عرفی باپ اور اپنی قوم سے کہا: "مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ" (یہ کیسی مورتیں (مجسمے، بت) ہیں جن کے پاس تم جم کر بیٹھے ہو)۔

"اَلتَّمَاثِيْلُ" کے معنی

کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کے مشابہ بنایا جائے تو اس کو تمثال کہتے ہیں اور اس کی اصل یہ ہے کہ جب تم کسی چیز کو دوسری چیز کی شکل بنا دو تو کہتے ہو "مَثَّلْتُ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ"۔ اور اس مُمَثَّل کے اسم کو تمثال کہتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ بتوں کے عبادت گزار تھے اور بتوں کو مختلف صورتوں پر بناتے تھے انسان کی صورت پر یا کسی اور کی صورت پر، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کلام کی ابتداء میں اُن بتوں کے لیے تمثال کا لفظ استعمال فرمایا تا کہ وہ اُن کے داعیہ کیے ہوئے شبہ کا رد فرما سکیں۔

"عٰكِفُوْنَ": یعنی جن کی عبادت پر تم قائم ہو اور جن کی پرستش پر تم جم کر بیٹھے ہوئے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ان ہی کا عبادت گزار پایا ہے ○" (الانبیاء: ۵۳)

"قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ": انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح ان بتوں کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے، سو ہم اُن کی تقلید کر رہے ہیں اور اس کے سوا ہمارے پاس ان کی عبادت پر اور کوئی دلیل نہیں ہے، سو غور کرنا چاہیے کہ تقلید

کتنی بری چیز ہے اور شیطان نے کس طرح مقلدین کو اُن کے باپ دادا کی تقلید پر جمایا ہوا ہے۔ اور تقلید کی مذمت کے لیے یہ کافی ہے کہ بتوں کے عبادت گزار اُن میں سے تھے۔ اور تقلید صرف اُس صورت میں جائز ہے جب تقلید کرنے والوں کو یہ معلوم ہو کہ جن کی وہ تقلید کر رہے ہیں وہ برحق ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ابراہیم نے کہا: اللہ کی قسم! بے شک تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے O'' (الانبیاء: ۵۴)

''قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ'': حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بتایا کہ اگر باطل پر عمل کرنے والے بہت زیادہ ہوں تو اُن کی کثرت کی وجہ سے وہ باطل حق نہیں ہو جاتا، اس لیے فرمایا: ''اللہ کی قسم! بے شک تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے''۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''انہوں نے کہا: کیا آپ واقعی ہم سے حق بات کہہ رہے ہیں یا یونہی خوش طبعی کر رہے ہیں؟ O'' (الانبیاء: ۵۵)

''قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ'': انہوں نے یہ بات اس لیے کہی کہ اُن کا گمان تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کلام ظاہر کے مطابق نہیں فرمایا، اس لیے انہوں نے کہا: کیا آپ سنجیدگی سے یہ بات کر رہے ہیں یا مذاق کر رہے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ابراہیم نے کہا: نہیں! بلکہ تمہارے رب وہ ہیں جو آسمانوں اور زمینوں کے رب ہیں جنہوں نے ان کو پیدا فرمایا ہے اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں O'' (الانبیاء: ۵۶)

''قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ'': حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بتایا کہ میری بات محض مذاق یا خوش طبعی اور دل لگی نہیں ہے بلکہ میں نے سنجیدگی سے بتایا ہے کہ تم جن مورتیوں یا بتوں کی پرستش کر رہے ہو، یہ مورتیاں تمہارے رب نہیں ہیں اور یہ تمہاری عبادت کے مستحق نہیں ہیں، تمہاری عبادت کے مستحق وہ ہیں جو تمام آسمانوں اور زمینوں کے رب ہیں اور اُن کی مصلحتوں کے مدبر ہیں، جنہوں نے اُن کو بغیر کسی نمونہ اور مثال کے پیدا فرمایا، اور تم اور تمہاری یہ مورتیاں انہی کی مصنوعات میں سے ہیں اور تم خود اس کا مشاہدہ کرنے والے ہو، جب تم اپنی باطل خواہشوں سے رجوع کر کے اپنی عقلوں کی طرف رجوع کرو گے تو تمہاری عقلوں سے یہی نتیجہ نکلے گا، اور یہ بات بالکل کھلی ہوئی اور ظاہر ہے کہ تمہارے رب وہی ہیں جو پوری کائنات کے رب ہیں، اور میں بھی اس پر شہادت دینے والوں میں سے ہوں۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے یہ وہم ڈالا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن سے خوش طبعی کر رہے ہیں تو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ ظاہر فرمایا کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کے رب کائنات ہونے پر دلیل قائم فرمائی کہ خالق وہ ہوتا ہے جو مخلوق کو بندوں کی منفعت کے لیے پیدا فرمائے، اور وہی عبادت کے لائق ہے، کیونکہ جو اس پر قادر ہوگا وہ آخرت میں ضرر پہنچانے اور نفع پہنچانے پر بھی قادر ہوگا۔ یہ آیت اس طرح ہے جس طرح اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے عرفی باپ سے کلام کا ذکر فرمایا تھا، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَ لَا يُغْنِيْ

عَنْكَ شَیْـًٔا ـــ (مریم:۴۲) "(جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ سے کہا: اے میرے باپ! آپ اُن کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ آپ کے کسی کام آسکتے ہیں)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں ضرور تمہارے بتوں کے خلاف کوئی خفیہ تدبیر کروں گا O "(الانبیاء:۵۷)

"وَ تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ": السدی نے کہا ہے کہ جب وہ لوگ اپنی عید سے لوٹے اور اپنے بتوں کے پاس گئے سو اُن کو سجدہ کیا پھر اپنے گھروں کی طرف چلے گئے، اور یہی وہ وقت تھا جب آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: اگر تم بھی ہمارے ساتھ چلو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن کے ساتھ گئے اور آدھے راستہ سے انہوں نے اپنے آپ کو گرا دیا اور کہا: میں بیمار ہوں میرے پیر میں تکلیف ہے، پس جب وہ لوگ چلے گئے اور کمزور لوگ باقی رہ گئے تب انہوں نے بلند آواز سے کہا: "وَ تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ"۔

الکلبی نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن لوگوں میں سے تھے جو ستاروں میں غور و فکر کرتے تھے، اور جب وہ اپنی عید منانے چلے گئے تو انہوں نے صرف ایک بیمار آدمی کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا، پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے بتوں کو توڑنے کا ارادہ فرمایا تو عید کے دن سے پہلے آسمان کی طرف دیکھا اور اپنے اصحاب سے کہا کہ میرا گمان ہے کہ میں کل بیمار ہو جاؤں گا، جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے: "فَنَظَرَ نَظْرَةً فِی النُّجُوْمِ ۙ فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ۞ ـــ (الصافات:۸۸-۸۹) "(پھر ابراہیم نے ستاروں پر ایک نظر ڈالی O اور کہا: "میں بیمار ہونے والا ہوں" O) اور صبح کو اپنے سر پر پٹی باندھ کر باہر نکلے تو اُن کی قوم عید منانے چلی گئی اور اُن کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ اور کسی کو پیچھے نہیں چھوڑا تھا، تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: سنو اللہ کی قسم! میں ضرور تمہارے بتوں کے خلاف کارروائی کروں گا، اُن میں سے ایک آدمی نے اس بات کو سن لیا اور یاد رکھا، پھر اس مرد نے دوسرے مردوں کو اس کی خبر دے دی اور یہ بات جماعت میں پھیل گئی، اسی کے موافق اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے: "قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ ـــ (الانبیاء:۶۰) "(لوگوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو ان معبودوں کی مذمت کرتے ہوئے سنا ہے جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس ابراہیم نے اُن کے بڑے بت کے سوا تمام بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں O "(الانبیاء:۵۸)

"فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ": پھر پورا قصہ اس طرح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بیت الاصنام (مندر) گئے تو وہاں ایک صف میں ستر (۷۰) بتوں کو دیکھا، پھر دروازہ کے سامنے ایک بہت بڑا بت تھا جو سونے کا بنایا ہوا تھا اور اُس کی دو آنکھوں میں دو چمک دار جوہر تھے جو رات کو چمکتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھ میں کلہاڑا لے کر اُن سب بتوں کو توڑ ڈالا اور صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا، پھر کلہاڑا اس کے گلے میں ڈال دیا۔

"فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا": "فَجَعَلَهُمْ" میں جو جمع کی ضمیر ہے، یہ صرف مردوں اور عقل والوں کے لیے آتی ہے تو ان بتوں کے

لیے اس ضمیر کو لانا کس طرح درست ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اُن بتوں کو انسانوں کی طرح بہت تعظیم جانتی تھی، اس اعتبار سے اُن کے لیے ذوی العقول کی ضمیر لائی گئی ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے" اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ "اس کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو اپنی خلقت میں سب سے بڑا بت تھا، یا اس کا معنی یہ ہے کہ جس کی تعظیم سب سے زیادہ کی جاتی تھی۔

" لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ":اس آیت میں" اِلَيْهِ "کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں:

ہوسکتا ہے کہ یہ ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہو، یعنی شاید وہ لوگ اپنے بتوں کو ٹوٹا ہوا دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف رجوع کریں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ضمیر بڑے بت کی طرف لوٹ رہی ہو۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہے کہ شاید وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام اور اُن کے دلائل کی طرف لوٹیں اور باطل سے اعراض کرلیں، اور دوسری صورت میں معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ گمان تھا کہ وہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف رجوع کریں گے، کیونکہ انہوں نے سنا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن کے دین کا انکار کرتے تھے اور اُن کے بتوں کی مذمت کرتے تھے۔

اور اگر یہ ضمیر اُس بت کی طرف لوٹتی ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اُس بت سے جاکر کہیں گے کہ کیا وجہ ہے کہ یہ تمام چھوٹے چھوٹے بت ٹوٹے ہوئے ہیں اور تم صحیح وسالم ہو اور کلہاڑا تمہارے گلے میں پڑا ہوا ہے، اور یہ بات اُن کی جہالت پر مبنی ہے، شاید وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ بڑا بت جواب دے سکتا ہے اور کلام کرسکتا ہے۔

یہاں پر یہ سوال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم یا تو عقل مند تھی یا بے عقل تھی، اگر وہ لوگ عقل مند ہوں تو ضروری ہے کہ ان کو یہ علم ہو کہ یہ بت نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں، نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان دے سکتے ہیں تو انہیں توڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس باب میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ لوگ اُن بتوں کی اس طرح تعظیم کرتے تھے جیسے کوئی ایک شخص قرآن مجید کی، مسجد کی اور محراب کی تعظیم کرتا ہے اور اُن کو توڑنا اُن کے نزدیک اس کے معظم ہونے میں قباحت پیدا نہیں کرتا۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بے عقل تھی تو پھر ان کے ساتھ مناظرہ کرنا کوئی اچھی بات نہیں تھی اور نہ اُن کی طرف رسولوں کو بھیجنا کوئی اچھی بات تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بے عقل نہیں تھے، عقل والے تھے، اور وہ بالبداہۃ جانتے تھے کہ یہ بت جمادات ہیں، لیکن اُن کا اعتقاد یہ تھا کہ یہ بت درحقیقت ستاروں کی تماثیل ہیں، اور جو اُن کی عبادت کرے گا وہ نفع یاب ہوگا اور جو ان کی توہین کرے گا وہ سخت نقصان اٹھائے گا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن بتوں کو توڑ ڈالا تاکہ اُن کے مذہب کے فاسد ہونے پر استدلال فرمائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:" انہوں نے کہا: ہمارے ان معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کس نے کی ہے؟ بے شک وہ ضرور ظالموں میں سے ہے O "(الانبیاء:۵۹)

" قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ":یعنی جس نے ہمارے معبودوں کو توڑا ہے اور پاش پاش کیا ہے، یہ بہت بڑا ظلم ہے، کیونکہ معبودوں کی تعظیم اور توقیر کرنے کی بجائے اُن کی توہین کی جائے تو یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

کیونکہ ظلم کا معنی ہے: کسی چیز کو غیر محل میں رکھنا۔ اور یہ اہانت کا اور توہین کا محل نہیں ہے، کیونکہ معبود اس کے مستحق ہوتے ہیں کہ

عَنْكَ شَيْئًا ۔ (مریم: ۴۲) ''(جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ سے کہا: اے میرے باپ! آپ اُن کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ آپ کے کسی کام آسکتے ہیں)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں ضرور تمہارے بتوں کے خلاف کوئی خفیہ تدبیر کروں گا O'' (الانبیاء: ۵۷)

'' وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ '': السدی نے کہا ہے کہ جب وہ لوگ اپنی عید سے لوٹے اور بتوں کے پاس گئے سو اُن کو سجدہ کیا پھر اپنے گھروں کی طرف چلے گئے، اور یہی وہ وقت تھا جب آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: اگر تم بھی ہمارے ساتھ چلو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن کے ساتھ گئے اور آدھے راستہ سے انہوں نے اپنے آپ کو گرا دیا اور کہا میں بیمار ہوں میرے پیر میں تکلیف ہے، پس جب وہ لوگ چلے گئے اور کمزور لوگ باقی رہ گئے تب انہوں نے بلند آواز سے کہا: تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ''۔

الکلبی نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن لوگوں میں سے تھے جو ستاروں میں غور و فکر کرتے تھے، اور جب وہ اپنی عید منانے چلے گئے تو انہوں نے صرف ایک بیمار آدمی کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا، پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے بتوں کو توڑنے کا ارادہ فرمایا تو عید کے دن سے پہلے آسمان کی طرف دیکھا اور اپنے اصحاب سے کہا کہ میرا گمان ہے کہ میں کل بیمار ہو جاؤں گا جیسا کہ آیت میں مذکور ہے: '' فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۝ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝ ۔ (الصافات: ۸۸-۸۹) '' (پھر ابراہیم نے ستاروں پر ایک نظر ڈالی O اور کہا: ''میں بیمار ہونے والا ہوں'' O) اور صبح کو اپنے سر پر پٹی باندھ کر باہر نکلے تو اُن کی قوم عید منانے چلی گئی اور اُن کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ اور کسی کو پیچھے نہیں چھوڑا تھا تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: سنو اللہ کی قسم! میں ضرور تمہارے بتوں کے خلاف کارروائی کروں گا، اُن میں سے ایک آدمی نے اس بات کو سن لیا اور یاد رکھا، پھر اس مرد نے دوسرے مردوں کو اس کی خبر دے دی اور یہ بات جماعت میں پھیل گئی، اسی کے موافق اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے: '' قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗ اِبْرٰهِيْمُ ۔ (الانبیاء: ۶۰) '' (لوگوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو ان معبودوں کی مذمت کرتے ہوئے سنا ہے جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس ابراہیم نے اُن کے بڑے بت کے سوا تمام بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں O'' (الانبیاء: ۵۸)

'' فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ '': پھر پورا قصہ اس طرح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بیت الاصنام (مندر) گئے تو وہاں ایک صف میں ستر (۷۰) بتوں کو دیکھا، پھر دروازہ کے سامنے ایک بہت بڑا بت تھا جو سونے کا بنا ہوا تھا اور اُس کی دو آنکھوں میں دو چمک دار جواہر تھے جو رات کو چمکتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھ میں کلہاڑا لے کر اُن سب بتوں کو توڑ ڈالا اور صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا، پھر کلہاڑا اس کے گلے میں ڈال دیا۔

'' فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا '': '' فَجَعَلَهُمْ '' میں جو جمع کی ضمیر ہے، یہ صرف مردوں اور عقل والوں کے لیے آتی ہے تو ان بتوں کے

لیے اس ضمیر کو لانا کس طرح درست ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اُن بتوں کو انسانوں کی طرح بہت تعظیم جانتی تھی، اس اعتبار سے اُن کے لیے ذوی العقول کی ضمیر لائی گئی ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے" اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ "اس کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو اپنی خلقت میں سب سے بڑا بُت تھا، یا اس کا معنی یہ ہے کہ جس کی تعظیم سب سے زیادہ کی جاتی تھی۔

" لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ": اس آیت میں" اِلَیْهِ " کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں:

ہوسکتا ہے کہ یہ ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہو، یعنی شاید وہ لوگ اپنے بتوں کو ٹوٹا ہوا دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف رجوع کریں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ضمیر بڑے بت کی طرف لوٹ رہی ہو۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہے کہ شاید وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام اور اُن کے دلائل کی طرف لوٹیں اور باطل سے اعراض کرلیں، اور دوسری صورت میں معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ گمان تھا کہ وہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف رجوع کریں گے، کیونکہ انہوں نے سنا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن کے دین کا انکار کرتے تھے اور اُن کے بُتوں کی مذمت کرتے تھے۔

اور اگر یہ ضمیر اُس بت کی طرف لوٹتی ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اُس بت سے جا کر کہیں گے کہ کیا وجہ ہے کہ یہ تمام چھوٹے چھوٹے بت ٹوٹے ہوئے ہیں اور تم صحیح وسالم ہو اور کلہاڑا تمہارے گلے میں پڑا ہوا ہے، اور یہ بات اُن کی جہالت پر مبنی ہے، شاید وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ بڑا بت جواب دے سکتا ہے اور کلام کرسکتا ہے۔

یہاں پر یہ سوال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم یا تو عقل مند تھی یا بے عقل تھی، اگر وہ لوگ عقل مند ہوں تو ضروری ہے کہ ان کو یہ علم ہو کہ یہ بت نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں، نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان دے سکتے ہیں تو انہیں توڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس باب میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ لوگ اُن بتوں کی اس طرح تعظیم کرتے تھے جیسے کوئی ایک شخص قرآن مجید کی، مسجد کی اور محراب کی تعظیم کرتا ہے اور اُن کو توڑنا اُن کے نزدیک اس کے معظم ہونے میں قباحت پیدا نہیں کرتا۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بے عقل تھی تو پھر ان کے ساتھ مناظرہ کرنا کوئی اچھی بات نہیں تھی اور نہ اُن کی طرف رسولوں کو بھیجنا کوئی اچھی بات تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بے عقل نہیں تھے، عقل والے تھے، اور وہ بالبداہۃ جانتے تھے کہ یہ بت جمادات ہیں، لیکن اُن کا اعتقاد یہ تھا کہ یہ بت درحقیقت ستاروں کی تماثیل ہیں، اور جو اُن کی عبادت کرے گا وہ نفع یاب ہوگا اور جو اِن کی توہین کرے گا وہ سخت نقصان اٹھائے گا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن بتوں کو توڑ ڈالا تاکہ اُن کے مذہب کے فاسد ہونے پر استدلال فرمائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:" انہوں نے کہا: ہمارے ان معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کس نے کی ہے؟ بے شک وہ ضرور ظالموں میں سے ہے O" (الانبیاء:۵۹)

" قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ": یعنی جس نے ہمارے معبودوں کو توڑا ہے اور پاش پاش کیا ہے، یہ بہت بڑا ظلم ہے، کیونکہ معبودوں کی تعظیم اور توقیر کرنے کی بجائے اُن کی توہین کی جائے تو یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

کیونکہ ظلم کا معنی ہے: کسی چیز کو غیر محل میں رکھنا۔ اور یہ اہانت کا اور توہین کا محل نہیں ہے، کیونکہ معبود اس کے مستحق ہوتے ہیں کہ

اُن کا اکرام کیا جائے نہ کہ ان کی اہانت کی جائے ،لہٰذا ان معبودوں کی اہانت کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''لوگوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو ان معبودوں کی مذمت کرتے ہوئے سنا جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے O'' (الانبیاء:٦٠)

''قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ '': یعنی جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول 'وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ۔(الانبیاء:٥٧)' سنا تھا، انہوں نے کہا: ہم نے جوانوں میں سے ایک جوان سے سنا جو ان معبودوں کی مذمت کر اور ان کو برا کہتا تھا اور اس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔ اور یہ وہی ہے جس کے متعلق ہمارا گمان ہے کہ اسی نے یہ کارروائی کی ہے۔ پھر یہ خبر نمرود بادشاہ اور اس کی قوم کے سرداروں تک پہنچی تو انہوں نے کہا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''انہوں نے کہا: اس جوان کو لوگوں کی آنکھوں کے سامنے لاؤ تا کہ وہ اس کے خلا گواہی دیں O'' (الانبیاء:٦١)

''قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ '': یعنی اس شخص کو بیت الاصنام (مندر) میں لوگوں کے سامنے لا لوگ اس کی طرف دیکھ رہے ہوں، اور لوگ اس پر اس طرح قادر ہوں جس طرح سوار، سواری پر قادر ہوتا ہے۔

''لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ '': تا کہ لوگ یہ گواہی دیں کہ اسی نے ان معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے۔ وہ لوگ بغیر گ اور ثبوت کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ تا کہ لوگ اس پر حاضر ہوں جب ا سزا دی جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''(ابراہیم کے آنے پر) انہوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے معبود کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے؟O'' (الانبیاء:٦٢)

''قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ '': اس آیت سے پہلے کچھ عبارت محذوف ہے اور وہ یہ ہے کہ پھر لوگ حضر ابراہیم علیہ السلام کو لے کر آئے اور اُن سے کہا کہ کیا آپ نے یہ کارروائی کی ہے؟، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اعتراف کرانا چاہتے تا کہ اُن کو اُن کی اس کارروائی پر سزا دیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''ابراہیم نے کہا: بلکہ اسی نے یہ کام کیا ہے، ان معبودوں میں سے سب سے بڑا ہے، پس ان معبودوں سے سوال کرو اگر یہ بول سکتے ہیں O'' (الانبیاء:٦٣)

''قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ '': حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑا بڑے بت کی گردن میں ڈال دیا تھا تا کہ اُن لوگوں کو بتوں کی عبادت کی جہالت پر متنبہ فرمائیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ''بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ '' یہ جھوٹ ہے، کیونکہ اُن چھوٹے بتوں کو بڑے بت نے نہیں توڑا تھا بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توڑا تھا۔ علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ جھوٹ نہیں ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اس کے

حسب ذیل عذر پیش کیے ہیں:

(١) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصد یہ نہیں تھا کہ جو فعل اُن سے صادر ہوا ہے اُس کی نسبت اُس بڑے بت کی طرف کی جائے بلکہ انہوں نے بہ طور تعریض اُن بتوں کے توڑنے کی نسبت اپنی طرف کی ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: ''بلکہ اُسی نے یہ کام کیا ہے جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے''۔

(٢) حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن بتوں پر بہت غضب ناک تھے اور بڑے بت کی طرف اُن کا غضب سب سے زیادہ تھا، گویا کہ وہی چھوٹے بتوں کی عبادت کا سبب تھا، اسی لیے انہوں نے اُس بڑے بت کی طرف نسبت کی جس طرح کسی کام کی اُس کے سبب کی طرف نسبت کی جاتی ہے۔

(٣) گویا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے مذہب کے مطابق فرمایا: تم اس کا کیوں انکار کرتے ہو کہ اُن کے بڑے نے یہ کام کیا ہے؟ کیونکہ جس کی عبادت کی جائے اور جس کو معبود کہا جائے، اس کا حق ہے کہ اُس کی طرف اس سے بھی بڑے کام کی نسبت کی جائے۔

(٤) اس آیت کا محمل یہ ہے کہ یہ کام اُس نے کیا جس نے کیا اور سب سے بڑا بت یہاں موجود ہے، اب تم اس سے پوچھو۔ اور الکسائی سے مروی ہے کہ وہ ''بَلْ فَعَلَهٗ'' پر وقف کرتے تھے، پھر ابتداءً پڑھتے تھے کہ ان میں سب سے بڑا بت یہ ہے، اب اس سے پوچھ لو۔

(٥) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو فرمایا تھا ''بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ'' اس سے مراد اُن کی اپنی ذات تھی، کیونکہ ہر انسان بت سے بڑا ہے تو گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ انہوں نے ہی اِن بتوں کو توڑا ہے۔

اس آیت میں ''بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ'' فرمایا ہے اور بہ ظاہر یہ جھوٹ ہے اور حقیقت میں یہ جھوٹ نہیں ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کے توڑنے کی نسبت درحقیقت اپنی طرف کی تھی یا اُس بڑے بت کی طرف اس اعتبار سے توڑنے کی نسبت کی تھی کہ وہ ان چھوٹے بتوں کو توڑنے کا سبب تھا تا کہ اس طریقہ سے اِن بتوں کی خدائی کا بطلان ظاہر فرمائیں، تاہم چونکہ یہ کلام بہ ظاہر جھوٹ تھا اس وجہ سے مفسرین نے اس کلام کی مذکور الصدر توجیہات کی ہیں، احادیث صحیحہ میں بھی ظاہر کے اعتبار سے اس کلام پر جھوٹ کا اطلاق کیا گیا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین (ظاہری) جھوٹ بولے تھے، ان میں سے دو تو اللہ عزوجل کی ذات کے متعلق تھے، ایک ان کا قول یہ تھا کہ ''اِنِّیْ سَقِیْمٌ۔۔۔(الصافات: ٨٩)'' (بے شک میں بیمار ہوں۔ دوسرا قول یہ تھا کہ ''بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ۔۔۔(الانبیاء: ٦٣)'' یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے۔ اور (تیسرا ظاہری جھوٹ یہ تھا) کہ ایک دن وہ اور حضرت سارہ ظالموں میں سے ایک ظالم بادشاہ (کے ملک میں) آئے، اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ بے شک یہاں ایک آدمی آیا ہے اور اس کے ساتھ ایسی عورت ہے جو تمام لوگوں سے زیادہ حسین ہے، بادشاہ نے ان کی طرف کسی کو بھیجا اور اس عورت کے متعلق سوال کیا، پس پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: یہ میری (دینی) بہن ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ کے پاس آئے اور کہا: اے سارہ! اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مومن نہیں ہے اور اس نے مجھ سے سوال کیا

ہے تو میں نے اس کو بتایا ہے کہ تم میری (دینی) بہن ہو، سو تم میری تکذیب نہ کرنا، ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا، جب وہ ان کے پاس گیا اور اپنے ہاتھ سے ان کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا، پس اس نے کہا: آپ اللہ سے میرے لیے دعا کریں اور میں آپ کو کوئی ضرر نہیں دوں گا، حضرت سارہ نے اللہ سے دعا کی تو اس کا ہاتھ درست کر دیا گیا، اس نے دوسری بار ان کو پکڑنے کا ارادہ کیا وہ پھر اسی طرح مفلوج ہو گیا یا اس سے زیادہ، اس نے پھر کہا: آپ اللہ سے میرے لیے دعا کریں اور میں آپ کو ضرر نہیں دوں گا، حضرت سارہ نے دعا کی تو اس کو درست کر دیا گیا، پھر اس نے اپنے کسی محافظ کو بلایا اور کہا: تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے ہو، تم تو میرے پاس جنّیہ کو لائے ہو، پھر اس نے حضرت سارہ کو حضرت ہاجرہ بہ طور خادمہ دے دی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے ہاتھ کے اشارہ سے پوچھا: کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا: اللہ تعالیٰ نے کافر یا فاجر کی سازش کو اس کے اوپر الٹ دیا اور ہاجرہ بہ طور خادمہ دے دی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تمہاری ماں ہیں، اے بارش کے بیٹو!

(صحیح البخاری: ٣٣٥٧، ٣٣٥٨، صحیح مسلم: ٢٣٧١، سنن ابوداؤد: ٢٢١٢، سنن ترمذی: ٣١٦٦، مسند احمد: ٩٢٤١، ١٠١٦٥، سنن دارمی: ٣٥٤٣، السنۃ لابن ابی عاصم: ٨١٦، مسند البزار: ٩٩٧٩، السنن الکبریٰ للنسائی: ٨٣١٦، ٨٣١٧، صحیح ابن حبان: ٥٧٣٧، ٣١٩، الشریعۃ للآجری: ١٠٣١٣، المعجم الاوسط للطبرانی: ٩٥٦، ١، المعجم الکبیر للطبرانی: ٦٩٩٠، مسند الشامیین للطبرانی: ٢٧٩٠، الایمان لابن مندہ: ٧٨٣، المسند المستخرج: ١٨، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ٦١٦، السنن الکبریٰ للبیہقی: ١٥١٤٣، ١٥١٣٥، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ٢٠ ص ٣٢)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”پس انہوں نے اپنے دلوں کی طرف رجوع کیا سو انہوں نے کہا: بے شک تم ظلم کرنے والے ہو O“ (الانبیاء: ٦٤)

”فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ“: اور جب دلیل نے اُن کو اس پر مجبور کر دیا کہ وہ محض باطل پر تھے تو انہوں نے اپنے نفسوں پر غور و فکر کیا، پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: بے شک تم ظلم کرنے والے تھے، کیونکہ تم نے عبادت غیر محل میں رکھی۔ اور ابراہیم نے ان بتوں کی اہانت کر کے درست کام کیا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کو اُن کے غلط طریقہ پر تنبیہ فرمائی تو وہ متنبہ ہو گئے اور انہوں نے جان لیا کہ بتوں کی عبادت کرنا باطل ہے، اور وہ دھوکہ اور جہالت میں مبتلا تھے۔

مقاتل نے کہا: انہوں نے اپنے نفسوں کی طرف رجوع کیا اور اپنے نفسوں پر ملامت کی اور انہیں کہا کہ بے شک تم ظالم تھے، جب کہ تم نے ابراہیم کے متعلق یہ کہا کہ انہوں نے معبودوں کو توڑا ہے، حالانکہ کلہاڑا تو بڑے بت کے گلے میں تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”پھر انہوں نے شرمندگی سے اپنے سروں کو جھکا لیا، (اور کہا:) تم خوب جانتے ہو کہ یہ معبود بول نہیں سکتے O“ (الانبیاء: ٦٥)

”ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ“: اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جب انہوں نے اپنے نفسوں کی طرف رجوع کیا اور صحیح فکر کو حاصل کیا تو انہوں نے جان لیا کہ وہ باطل طریقہ پر تھے۔ ابن جریر نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں

نے حجت پلٹ دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حجت سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ تم خوب جانتے ہو کہ یہ معبود بول نہیں سکتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ابراہیم نے کہا: کیا پس تم اللہ کو چھوڑ کو ایسے بتوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ تم کو کچھ بھی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کچھ بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں O'' (الانبیاء:۶۶)

''قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ'': حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن پر رد کرتے ہوئے اور اُن کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہا: کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں کوئی نفع نہیں دے سکتے، اُن سے تم کوئی رزق حاصل نہیں کر سکتے، اور اگر تم اُن کی عبادت نہ کرو تو وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے (یعنی عذاب نہیں دے سکتے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تُف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، کیا تم ذرا بھی عقل سے کام نہیں لیتے؟O'' (الانبیاء:۶۷)

''اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ'': تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر تُف ہے جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، یعنی تم ہلاک ہو جاؤ اور خراب ہو جاؤ، تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے، تمہیں اپنے برے کام کی برائی کا احساس نہیں ہے حالانکہ تم عمر رسیدہ لوگ ہو اور تجربہ کار لوگ ہو۔ اور جب اُن کی حجت پست ہو گئی اور وہ بتوں کی عبادت پر حجت پیش کرنے سے عاجز ہو گئے اور حق غالب ہو گیا اور باطل مغلوب ہو گیا، تب انہوں نے کہا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''انہوں نے کہا: اس کو جلا دو اور اگر تم اپنے معبودوں کی مدد کرنا چاہتے ہو تو عملی کارروائی کروO'' (الانبیاء:۶۸)

''قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ'': قرآن مجید میں یہ مذکور نہیں ہے کہ کس نے یہ کہا تھا کہ ابراہیم کو آگ میں جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ اور مشہور یہ ہے کہ نمرود بن کنعان بن سنجاریب بن نمرود بن کوش بن حام بن نوح نے یہ کہا تھا۔ اور مجاہد نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا ہے کہ فارس کے رہنے والے ایک کُرد نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں زندہ جلانے کا اشارہ کیا تھا۔ اور ابن جریج نے از وہب از شعیب الجبائی روایت کی ہے کہ جس نے یہ کہا تھا کہ ابراہیم کو آگ میں جلا دو، اس کا نام ہیرین تھا، سو اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔

مقاتل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کے قصہ کی کیفیت بیان کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ جب نمرود اور اس کی قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلانے پر متفق ہو گئے تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک گھر میں بند کر دیا جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ۔ (الصافات:۹۷)'' (وہ آپس میں کہنے لگے: ابراہیم کے لیے ایک عمارت تیار کرو پھر اسے بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو)۔ پھر انہوں نے بہت زیادہ لکڑیاں جمع کیں حتیٰ کہ کوئی عورت بیمار ہوتی تو وہ یہ نذر مانتی کہ اگر اللہ نے مجھے اس بیماری سے شفاء دے دی تو میں ابراہیم کو جلانے کے لیے لکڑیاں ڈالوں گی، اور وہ اُن لکڑیوں کو چالیس چوپایوں پر لاد کر لائے، پھر جب آگ بہت زیادہ مشتعل ہو گئی اور ہوا بھی اس قدر گرم ہو گئی کہ اگر اس سے دور بھی کوئی پرندہ ہوا میں اڑتا تو جل جاتا، پھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکڑا اور اٹھا کر اس عمارت کے سر پر لے گئے اور اُن کو باندھ ڈالا، پھر وہ منجنیق

لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ پیر باندھ کر انہیں منجنیق میں ڈال دیا تو آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو فرشتے ہیں وہ چیخنے لگے اور وہ کہہ رہے تھے: اے ہمارے رب! ابراہیم کے سوا اس سرزمین میں اور کوئی آپ کی عبادت کرنے والا نہیں ہے، اور اُن کو آپ کی ذات کے ماننے کی پاداش میں جلایا جا رہا ہے، آپ ہمیں اُن کی مدد کرنے کی اجازت دیں، تو اللہ سبحانہٗ نے فرمایا: اگر وہ تم میں سے جس سے بھی مدد طلب کرے سو تم اس کی مدد کرو۔ اور اگر وہ میرے سوا کسی کو نہ پکارے تو میں اس کو جاننے والا ہوں اور میں اس کا ولی اور کارساز ہوں، پس تم میرے اور اس کے درمیان تخلیہ کردو۔

پھر جب اُن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو آپ کے پاس ہواؤں کا خازن آیا اور کہا: اگر آپ چاہیں تو میں اس آگ کو ہوا میں اڑا دوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: مجھے تمہاری مدد کی حاجت نہیں ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سر آسمان کی طرف بلند کیا گیا، انہوں نے دعا کی: اے اللہ! آپ آسمان میں واحد ہیں اور آپ زمین میں واحد ہیں، اور زمین میں میرے سوا آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہے، آپ ہمیں کافی ہیں اور آپ ہمارے اچھے کارساز ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے کہا: "لا الٰه الا انت سبحانك ربك العالمين لك الحمد ولك الملك، لا شريك لك"، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق میں رکھا گیا اور آگ میں پھینک دیا گیا، پس آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: اے ابراہیم! کیا آپ کی کوئی حاجت ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: تمہاری طرف کوئی حاجت نہیں ہے، حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: پس آپ اپنے رب سے سوال کیجئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میرے رب کو میرے حال کا علم ہے اور وہ میرے سوال سے کافی ہیں، تب اللہ عزوجل نے فرمایا: "یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر وہ آگ ٹھنڈک اور سلامتی والی نہ ہوتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی ٹھنڈک سے فوت ہو جاتے، اور کہا کہ دنیا میں کوئی آگ باقی نہ رہتی مگر وہ بجھ جاتی۔ السدی نے کہا: فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دونوں بغلوں کو پکڑ کر اٹھایا اور زمین پر بٹھا دیا تو وہاں ایک ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ تھا، اس کے پاس گلاب کے پھول اور نرگس کے پھول تھے۔

المنہال بن عمرو نے بیان کیا کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ اس آگ میں چالیس دن یا پچاس دن رہے، اور انہوں نے کہا کہ جتنے دن میں اس آگ میں رہا اس سے بہتر میری زندگی کے اور کوئی دن نہیں تھے۔

اس جگہ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مخالفین نے اُن کو آگ میں جلانے کی سزا دینے کا ارادہ کیوں کیا؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ وہ بہت سخت سزا تھی، اس لیے کہا گیا "اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ" یعنی اگر تم اپنے معبودوں کی شدید مدد کرنا چاہتے ہو تو ابراہیم کو سب سے شدید سزا دو اور وہ یہ ہے کہ اُن کو آگ میں جلا دیا جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ہم نے آگ کو حکم دیا اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا○"

(الانبیاء: ٦٩)

"قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ": اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب ٹھنڈک بہت زیادہ ہو تو وہ بھی آگ کی طرح ہلاک کر دیتی ہے، اس لیے اس میں اعتدال ضروری ہے، پھر اعتدال کے حصول کی تین صورتیں ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ ٹھنڈک کو اُس مقدار کے ساتھ مقدر فرما دیتے ہیں جس سے وہ موثر نہ ہو۔
(۲) آگ کا بعض حصہ ٹھنڈک ہو جاتا ہے اور بعض حصہ اپنی حرارت پر برقرار رہتا ہے تو حرارت اور ٹھنڈک دونوں معتدل ہو جاتی ہیں۔
(۳) اللہ تعالیٰ جسم کے اندر مزید حرارت پیدا فرما دیتے ہیں تو وہ اس ٹھنڈک سے سلامت رہتی ہے بلکہ نفع یاب ہوتی ہے اور لذت حاصل کرتی ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ کیا صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے جو آگ جلائی گئی تھی اس کو ٹھنڈا فرمادیا تھا، یا دنیا کی ہر آگ سے حرارت کو دور فرمادیا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس ٹھنڈک کا تعلق صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے جلائی ہوئی آگ سے تھا، کیونکہ آگ میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے منافع اور فوائد رکھے ہیں، لہٰذا ان کو معطل کرنا جائز نہیں تھا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلام پڑھا تھا، کیا واقعی ایسا ہی تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو ٹھنڈا فرمادیا تھا اور سلامتی بنادیا تھا، تاکہ وہ نجات پاجائیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اُن پر سلام بھی پڑھا تھا۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر اللہ عزوجل سلام نہ فرماتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سخت ٹھنڈک آتی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آگ کی ٹھنڈک صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اتنی ٹھنڈک نہ پہنچنے دیں جو ان کے لیے باعث ضرر ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''انہوں نے ابراہیم کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا، پس ہم نے ان کو ہی نقصان زدہ فرما دیاO'' (الانبیاء: ۷۰)

''وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ'': یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے دلائل کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر غالب آنے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کی حجت کو ساقط فرمادیا اور وہ مغلوب ہو گئے۔ پھر دلائل سے مقابلہ میں شکست کھانے کے بعد انہوں نے قوت اور جبروت کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدد فرمائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُن پر غالب اور اُن کو مغلوب فرمادیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر نعمت کو مکمل فرمایا بایں طور کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نجات عطا فرمائی اور اُن کے بھانجے لوط بن ہارون کو بھی نجات عطا فرمائی، اور اُن کو اس سرزمین کی طرف روانہ فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لیے برکت رکھی تھی۔ احادیث میں مذکور ہے کہ یہ واقعہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیش آیا تھا، بابل کی حدود میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بابل کی اس جگہ سے مبارک سرزمین کی طرف نجات عطا فرمائی۔ پھر اس سرزمین کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ وہ مکہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شام کی سرزمین ہے جیسا کہ اس آیت میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ۔۔۔ (بنی اسرائیل: ۱)'' (وہ ذات ہر نقص

اور عیب سے پاک ہے جنہوں نے اپنے عبدِ مکرم کو رات کے ایک لمحہ میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سفر کرایا، جس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھی تھیں)۔ مسجدِ اقصیٰ کی دینی برکت کا سبب یہ ہے کہ اکثر انبیاء علیہم السلام وہیں سے مبعوث ہوئے اور اُن کی شریعتیں اطرافِ عالم میں پھیل گئیں، اور اُس کی دنیاوی برکتیں یہ ہیں کہ اُس زمین میں اللہ تعالیٰ نے بہ کثرت پانی رکھا ہے اور درخت ہیں اور پھل ہیں اور زرخیزی ہے اور خوشگوار زندگی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ دنیا میں جہاں بھی میٹھا پانی ہے اس کی اصل اُس پتھر کے نیچے ہے جو بیت المقدس میں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو اس سرزمین (شام) کی طرف نجات عطا فرمائی جس سرزمین میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکتیں رکھی ہیں ○'' (الانبیاء: ۷۱)

''وَ نَجَّيْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ'': اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام پر یہ نعمت فرمائی کہ اُن دونوں کو مبارک سرزمین کی طرف نجات عطا فرمائی اور اس کے ساتھ دوسری نعمتوں کا بھی ذکر فرمایا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر اس لیے فرمایا کہ ان دونوں میں قرابت اور رشتہ داری تھی اور دونوں نبوت میں اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کے حصول میں شریک تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن خصوصی نعمتوں کا ذکر فرمایا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمائی تھیں، پھر اُن نعمتوں کا ذکر فرمایا جو حضرت لوط علیہ السلام کو عطا فرمائی تھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو خصوصی نعمتیں عطا فرمائیں اُن کا ذکر اس آیت میں فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے ابراہیم کو (فرزند) اسحاق عطا فرمائے اور اُن کے بعد (پوتے) یعقوب عطا فرمائے، اور ہم نے ان سب کو (عظیم) نیکوکار بنایا ○'' (الانبیاء: ۷۲)

''وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ'': اس آیت میں ''نَافِلَةً'' کا ذکر فرمایا ہے۔

''نَافِلَةً'' کا معنی خصوصاً عطیہ ہے اور اسی طرح نفل کا معنی ہے اور جس مرد پر بہت زیادہ عطائیں کی جائیں اس کو نوفل کہتے ہیں۔ مجاہد اور عطاء نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: ہم نے اُن کو خاص عطیہ ہبہ فرمایا، یعنی وہ اُن کے کسی عمل کی جزا نہیں تھی۔ اور حضرت اُبی بن کعب، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ اور دیگر نے کہا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے وَلدِ صالح کی دعا کی تھی اور کہا تھا: ''رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (الصافات: ۱۰۰)'' (اے میرے رب! مجھے نیک بیٹا عطا فرمائیں) تو اللہ عزوجل نے اُن کی دعا کو قبول فرمایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام عطا فرمائے، اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو بغیر اُن کی دعا کے حضرت یعقوب علیہ السلام عطا فرمائے، اس لیے فرمایا: ''نَافِلَةً'' جیسے کسی آدمی کو کوئی چیز بہ طور نفل عطا فرمائی جائے۔ یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے عطا فرمائے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام بہ طور نفل عطا فرمائے جیسے نفل نماز فرض پر زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام بغیر دعا کے بہ طور نفل عطا فرمائے۔

''وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ'': الضحاک نے کہا: یعنی حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام سب کو اللہ تعالیٰ نے انبیاء مرسلین میں سے بنایا۔ اور دوسروں نے کہا: یہ سب اللہ عزوجل کی اطاعت کرتے تھے اور ان کے حرام فرمائے ہوئے

کاموں سے اجتناب کرتے تھے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ لفظ "صلاح" سب کو شامل ہے، کیونکہ اللہ سبحانہٗ نے اس آیت کے بعد فرمایا ہے: "وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ۔۔ (الانبیاء: ٧٣)" (اور ہم نے اُن کی طرف نیکی کے کاموں کی وحی فرمائی)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے اُن کو امام بنادیا جو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت دیتے اور ہم نے اُن کی طرف نیکی کے کاموں کی وحی فرمائی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ ادا کرنے کی، اور وہ سب ہمارے ہی عبادت گزار ہیں O" (الانبیاء: ٧٣)

"وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ": اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر پہلی نعمت یہ ذکر فرمائی کہ اُن کو اُن کے مخالفین پر غلبہ عطا فرمایا۔ اور دوسری نعمت یہ بیان فرمائی کہ اُن کو صالح اولاد عطا فرمائی، اور اب تیسری نعمت کا ذکر فرمارہے ہیں کہ اُن کو ائمہ ہدایت بنادیا۔ اور ائمہ کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

(١) یعنی ہم نے اُن کو ایسا امام بنادیا جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف اور نیک کاموں کی طرف عمل کرنے کی دعوت دیتے تھے اور ہمارے احکام پر عمل کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ (٢) ابو مسلم کا قول یہ ہے کہ اس امامت سے مراد نبوت ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چوتھی نعمت کا ذکر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے: "وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ" اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے اُن کو شرفِ نبوت کے ساتھ خاص فرمالیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم نعمت ہے۔

ابو القاسم الانصاری نے کہا ہے: وہ عظیم نعمت نماز ہے، کیونکہ نماز بدنی نعمتوں میں سب سے زیادہ شرف والی نعمت ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اُسی سے اپنی نعمتوں کا ذکر شروع فرمایا ہے، اور زکوٰۃ مالی عبادات میں سب سے اشرف ہے اور ان دونوں کا مجموعہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت ہے۔

اللہ سبحانہٗ نے پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا صلاح اور نیکی کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں چلنے کا قصد کرتے ہیں اس کا سب سے پہلا مرتبہ صلاح اور نیکی ہے۔ پھر اُن کے اوصاف میں ترقی دے کر فرمایا کہ اُن کو امامت سے سرفراز فرمایا، پھر ترقی فرمائی اور اُن کا ذکر نبوت اور وحی کے ساتھ فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ" یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اُن پر اپنے احسانات اور انعامات کو جاری فرمایا تو انہوں نے عبودیت کے عہد کو مکمل کیا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور ان کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور لوط کا ذکر کیجئے، جن کو ہم نے نبوت عطا فرمائی اور شریعت کا علم عطا فرمایا، اور ان کو اس بستی کے لوگوں سے نجات عطا فرمائی جو ہم جنس پرستی کرتے تھے، بے شک وہ بدکار نافرمان لوگ تھے O" (الانبیاء: ٧٤)

"وَ لُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىِٕثَ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ":

اللہ سبحانہٗ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اپنے انعام بیان فرمانے کے بعد حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بیان کی ہوئی نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ حضرت لوط علیہ السلام پر جو نعمتیں عطا فرمائیں، اُن میں سے پہلی نعمت کے متعلق فرمایا: "انہیں حکم عطا فرمایا"۔ حکم کی تعریف ہے: حکمت۔ حکمت کا معنی ہے: جس کا فعل واجب ہو، یا دو فریقوں کے درمیان فیصلہ کرنا۔ اور ایک قول ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے؛ اور دوسری نعمت علم ہے، اس آیت میں "علمًا" پر تنوین ہے اور یہ تنوین تعظیم کے لیے ہے، یعنی اُن کو بہت عظیم علم عطا فرمایا۔ اور تیسری نعمت یہ بیان فرمائی کہ ہم نے اُن کو اُس بستی سے نجات عطا فرمائی جس بستی کے لوگ بدکاری کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس بستی کے لوگوں کو ہلاک فرمادیا اور حضرت لوط علیہ السلام کو نجات عطا فرمائی۔ پھر فرمایا: "اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ" بُرے اور فاسق سے مراد یہی ہے کہ جو خبیث کام وہ کرتے تھے اور ہم جنس پرستی کرتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور لوط کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل فرمالیا، بے شک وہ (عظیم) پارسا لوگوں میں سے تھے O" (الانبیاء: ٧٥)

حضرت لوط علیہ السلام پر رحمت کے معانی

چوتھی نعمت یہ فرمائی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ"۔ رحمت کی تفسیر میں دو قول ہیں: (١) مقاتل نے کہا ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے، کیونکہ جب حضرت لوط علیہ السلام نبوت کی استعداد اور صلاحیت رکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی رحمت میں داخل فرمالیا تاکہ وہ نبوت کے فرائض انجام دیں۔ (٢) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور علم عطا فرمایا تو وہ بدکار لوگوں کی مجلس سے علیحدہ ہوگئے، تو اُن پر مکاشفات کے دروازے کھول دیے گئے اور انوارِ الٰہیہ نے اُن کو ڈھانپ لیا اور یہ ایسا سمندر ہے جس کا کوئی ساحل نہیں ہے اور یہی حقیقت میں رحمت ہے۔

(تفسیر کبیر ج ٨ ص ١٥١۔ ١٦٢، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٥ھ)

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾

اور نوح کا ذکر کیجئے جب انہوں نے اس سے پہلے ہمیں دعا میں پکارا، سو ہم نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور ان کو اور اُن کے اہل کو بہت بڑی مصیبت (طوفان) سے نجات عطا فرمائی O

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٧٧﴾

اور ہم نے نوح کی اُن لوگوں کے خلاف مدد فرمائی جنہوں نے ہماری نشانیوں کی تکذیب کی تھی، بے شک وہ بہت بُرے لوگ تھے، سو ہم نے اُن سب کو (طوفان میں) غرق فرمادیا O

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ

وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾

اور داؤد اور سلیمان کا ذکر کیجئے جب وہ ایک کھیت کے متعلق جھگڑے کا فیصلہ کر رہے تھے جب کچھ لوگوں کی بکریاں اس کھیت میں داخل ہو گئی تھیں (اور انہوں نے اس کھیت کو چر لیا تھا)، اور ہم اُن کے فیصلہ کے وقت موجود تھے ○

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ۫ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ الطَّيْرَ ؕ وَ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾

ہم نے اس مقدمہ کا فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا، اور ہم نے اُن میں سے ہر ایک کو حکم اور علم عطا فرمایا تھا، اور ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر فرما دیا تھا، وہ پہاڑ اور پرندے اُن کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے، اور ہم ہی اس کام کو فرمانے والے تھے ○

وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور ہم نے داؤد کو تمہارے نفع کے لیے زرہ بنانے کا فن سکھایا تا کہ وہ زرہ تمہیں جنگ میں حملوں سے محفوظ رکھے، پس کیا تم شکر ادا کرنے والے ہو؟ ○

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾

اور ہم نے تیز ہوا کو سلیمان کے لیے مسخر فرما دیا جو اُن کے حکم سے اُس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں، اور ہم ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والے ہیں ○

وَ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ يَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

اور ہم نے چند جنات ان کے مسخر فرما دیے تھے جو اُن کے لیے سمندر میں غوطے لگاتے تھے اور اس کے علاوہ اور بھی کام کرتے تھے، اور ہم اُن کی نگرانی فرمانے والے تھے ○

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾

اور ایوب کا ذکر کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو دعا میں پکارا کہ بے شک مجھے شدید تکلیف پہنچی ہے اور آپ سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں ○

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ

عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

سو ہم نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور جو تکلیف انہیں پہنچ چکی تھی اس کو دور فرما دیا، اور ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے اُن کو اُن کے اہل و عیال اور اتنے ہی اور اُن کے ساتھ عطا فرمائے، تاکہ یہ عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت ہو O

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کا ذکر کیجیے، وہ سب بے حد صبر کرنے والے تھے O

وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت میں داخل فرما لیا، بے شک وہ بہت زیادہ نیکوکاروں میں سے تھے O

وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور مچھلی والے (یونس) کا بھی ذکر کیجیے جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے، پس انہوں نے یہ گمان کیا کہ ہم اُن پر تنگی نہیں فرمائیں گے، پھر انہوں نے اندھیروں میں دعا کی: (اے اللہ!) آپ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، آپ سبحان ہیں، بے شک میں ہی اپنی جان پر زیادتی کرنے والوں میں سے تھا O

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

سو ہم نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور اُن کو غم سے نجات عطا فرمائی، اور اسی طرح ہم مومنین کو نجات عطا فرماتے ہیں O

وَ زَكَرِيَّاۤ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور زکریا کا ذکر کیجیے جب انہوں نے اپنے رب کو دعا میں پکارا: اے میرے رب! آپ مجھے تنہا نہ چھوڑیں اور آپ سب سے بہترین وارث ہیں O

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾

سو ہم نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور اُن کو یحییٰ عطا فرمائے اور اُن کے لیے اُن کی بیوی کو قابل ولادت بنا دیا، یہ سب نیک کاموں میں سبقت کرتے تھے اور شوق اور خوف کی حالتوں میں ہم سے دعا کرتے تھے، اور سب ہمارے لیے خشوع کرنے والے تھے O

وَالَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۱﴾

اور اس خاتون کا ذکر کیجئے جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی، پس ہم نے اُس میں اپنی پسندیدہ روح پھونک دی اور اُن کو اور اُن کے بیٹے کو تمام جہان والوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیا O

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾

اے لوگو! یہ انبیاء کی جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں ہی تمہارا رب ہوں، سو تم میری ہی عبادت کرو O

وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

اور لوگوں نے اپنے دین کو باہم مختلف بنالیا، (حقیقت یہ ہے کہ) سب ہماری ہی طرف رجوع کرنے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور نوح کا ذکر کیجئے جب انہوں نے اس سے پہلے ہمیں دعا میں پکارا، سو ہم نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور اُن کو اور اُن کے اہل کو بہت بڑی مصیبت (طوفان) سے نجات عطا فرمائی O"

(الانبیاء: ۷۶)

حضرت نوح علیہ السلام کا اُن کی قوم کے ساتھ قصہ

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الانبیاء: ۷۶ تا ۹۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ": اور نوح کا ذکر کیجئے جب انہوں نے لوط اور ابراہیم سے پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنی قوم کے خلاف ہلاکت کی دعا کی اور کہا: "رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ﴿﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا یَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا۔ (نوح: ۲۶۔۲۷)" (اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑیں O بے شک اگر آپ انہیں چھوڑیں گے تو وہ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے اور صرف ایسے افراد کو جنم دیں گے جو بدکار، سخت کافر ہوں گے)۔ سو ہم نے اُن کی دعا قبول فرمائی، پس ہم نے اُن کو اور اُن کے اہل کو طوفان میں غرق ہونے سے نجات عطا فرمائی۔ یعنی اُن کے اُن گھر والوں کو جو ایمان پر ثابت قدم اور جمے رہے تھے اور یہ اُن کے وہ گھر والے تھے جو اُن کے ساتھ کشتی میں تھے۔

اس آیت میں "الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ" کا لفظ ہے، السدی نے کہا: اس سے مراد شدید غم ہے۔ ابو حیان نے کہا: اس سے مراد انتہائی غم ہے اور وہ طوفان سے غرق کرنا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے نوح کی اُن لوگوں کے خلاف مدد فرمائی جنہوں نے ہماری نشانیوں کی تکذیب کی تھی، بے شک وہ بہت برے لوگ تھے، سو ہم نے اُن سب کو (طوفان میں) غرق فرما دیا O"

(الانبیاء: ۷۷)

"وَنَصَرۡنٰہُ مِنَ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فَاَغۡرَقۡنٰہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ": ابو عبیدہ نے کہا: ہم نے نوح کا اُن لوگوں سے انتقام لیا جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی، پس ہم نے اُن سب کو غرق فرما دیا، کیونکہ وہ حق کی تکذیب کرتے تھے اور باطل میں ڈوبے ہوئے رہتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور داؤد اور سلیمان کا ذکر کیجئے جب وہ ایک کھیت کے متعلق جھگڑے کا فیصلہ کر رہے تھے جب کچھ لوگوں کی بکریاں اس کھیت میں داخل ہو گئی تھیں (اور انہوں نے اس کھیت کو چر لیا تھا)، اور ہم اُن کے فیصلہ کے وقت موجود تھے O'' (الانبیاء: ۷۸)

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ

" وَدَاوٗدَ وَسُلَیۡمٰنَ اِذۡ یَحۡکُمٰنِ فِی الۡحَرۡثِ اِذۡ نَفَشَتۡ فِیۡہِ غَنَمُ الۡقَوۡمِ ۚ وَکُنَّا لِحُکۡمِہِمۡ شٰہِدِیۡنَ ": یعنی حضرت داؤد اور اُن کے بیٹے حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر کیجئے جب وہ ایک کھیت کے جھگڑے کے متعلق فیصلہ کر رہے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہ انگوروں کا باغ تھا جس کے گچھے لٹکے ہوئے تھے۔ اور قتادہ نے کہا کہ وہ ایک کھیت تھا۔ ابن الخازن نے کہا: یہی عرف کے زیادہ مشابہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور شریح نے کہا: حرث کا لفظ باغ اور کھیت دونوں میں مستعمل ہوتا ہے، اور کھیت سے باغ کا استعارہ کرنا بعید ہے۔

جب رات کو بغیر چرواہے کے بکریاں اس کھیت میں گھس گئیں اور اس کھیت کو چر لیا۔ قتادہ نے کہا: النفش کا لفظ رات میں چرنے کے لیے ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: اس کا قصہ یوں ہے کہ دو مرد حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے، اُن میں سے ایک کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا مالک تھا۔ کھیت کے مالک نے کہا: اس شخص نے اپنی بکریوں کو رات میں میرے کھیت میں چھوڑ دیا، پس انہوں نے میرے کھیت کو چر کر فاسد کر دیا اب اس میں کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ پس حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کھیت کے بدلہ میں وہ بکریاں کھیت والے کو دینے کا فیصلہ فرما دیا۔ پھر وہ دونوں یعنی کھیت کا مالک اور بکریوں کا مالک حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے گزرے، پس انہوں نے پوچھا کہ تمہارے درمیان حضرت داؤد علیہ السلام نے کس طرح فیصلہ کیا ہے؟ تو ان دونوں نے خبر دی۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا اور اس وقت اُن کی عمر گیارہ سال تھی، انہوں نے کہا: اگر یہ مقدمہ میرے سپرد کیا جاتا تو میں اس کے علاوہ فیصلہ کرتا۔ اور روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں ایسا فیصلہ کرتا جو دونوں فریقوں کے حال کے مناسب ہوتا۔ پس حضرت داؤد علیہ السلام کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے جواب کی خبر دی گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلایا، پس کہا: تم کیسے فیصلہ کرتے؟ تو انہوں نے کہا: میں بکریاں کھیت کے مالک کو دے دیتا اور وہ اُن بکریوں کے دودھ سے اور اُن کی اون سے اور اُن کی نسل سے فائدہ اٹھاتا۔ اور بکریوں کا مالک اس کھیت میں بیج ڈالتا، پھر جب وہ کھیت اپنی پہلی مقدار پر تیار ہو جاتا تو میں وہ کھیت اس کے اہل کو دے دیتا اور بکریوں کا مالک اپنی بکریاں لے لیتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: صحیح فیصلہ وہی ہے جو تم نے کیا ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں کا فیصلہ وحی سے ہو، مگر حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ حضرت سلیمان

کے فیصلہ سے منسوخ فرمادیا ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں کا فیصلہ اجتہاد سے ہو، مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کا اجتہاد صحت اور صواب کے زیادہ مشابہ تھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ اس بنیاد پر تھا کہ ضرر بکریوں کی وجہ سے واقع ہوا تو اس وجہ سے بکریاں کھیت والے کے حوالہ کردی گئیں۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کی توجیہ یہ ہے کہ کھیت والے کا جو نقصان ہوا تھا اس کے بدلہ میں بکریوں کی منفعت کھیت والے کے حوالہ کردی گئی اور بکریوں کے مالک سے بکریوں کی ملکیت منقطع نہیں کی۔ اور انہوں نے بکریوں والے پر یہ واجب کیا کہ وہ کھیت میں کاشت کرے حتیٰ کہ بکریوں کے چرنے سے جو نقصان ہوا ہے، اس کا ازالہ ہو جائے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر اس قسم کا واقعہ ہماری شریعت میں ہو تو پھر اس کا کیا فیصلہ ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ رات یا دن میں جب جانوروں سے کوئی نقصان ہو تو اس کا تاوان اس وقت لیا جائے گا جب جانوروں کے ساتھ کوئی چرواہا ہو، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چوپایوں کے ایک دوسرے کو زخمی کرنے میں کوئی تاوان نہیں ہے اور کنویں میں تاوان نہیں ہے اور معدن میں کوئی تاوان نہیں ہے اور دفینہ میں سے پانچواں حصہ ہے۔

(صحیح البخاری: ١٤٩٩، ٢٣٥٥، ٦٩١٢، ٦٩١٣، صحیح مسلم: ١٧١٠، سنن نسائی: ٢٤٩٨، مسند احمد: ٧٨٣٨، موطا امام مالک: ١٦٢٢، سنن دارمی: ١٦٦٨)

مویشیوں کے کیے ہوئے نقصان میں تاوان کے لازم ہونے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

امام ترمذی نے کہا ہے: بعض اہل علم نے اس کی تفسیر کی ہے، انہوں نے کہا کہ "العجماء" سے مراد وہ سواری ہے جو اپنے سوار سے چھوٹ کر بھاگی ہو تو اس کے بھاگنے میں جو چیز روندی جائے تو اس کے مالک سے اس کا کوئی تاوان نہیں لیا جائے گا۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ سواریاں مطلقاً جس چیز کو تلف کردیں اور ضائع کردیں خواہ زخمی کرکے یا کسی اور طریقہ سے تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے خواہ یہ نقصان رات کو پہنچائیں یا دن کو پہنچائیں، عام ازیں کہ ان سواریوں کے ساتھ کوئی ہو یا نہ ہو، سوا اس صورت کے کہ اس سواری کے ساتھ جو مرد ہو وہ اس سواری کو کسی جانور کے تلف کرنے پر اکسائے یا قصداً کوئی چیز تلف کرائے، پس اس وقت وہ ضامن ہوگا کیونکہ اس کی طرف سے تعدی پائی گئی یعنی اس نے حد سے تجاوز کیا اور یہی داؤد ظاہری اور اہل الظاہر کا قول ہے۔

اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد نے کہا: اگر سواری کے ساتھ اس کے مالک میں سے کوئی ایک ہو یا سواری کو کرایہ پر لینے والا ہو یا سواری کو عاریۃً لینے والا ہو یا اس کو بطور امانت لینے والا ہو یا وکیل ہو یا غاصب ہو یا کوئی اور ہو تو پھر سواری جو نقصان کرے وہ اس کا ضامن ہوگا۔ اور جس حدیث میں مذکور ہے کہ سواری جو نقصان کردے اس میں تاوان نہیں ہے اس کو انہوں نے اس صورت پر محمول کیا ہے کہ جب سواری کے ساتھ کوئی ایک نہ ہو اور پھر وہ کسی چیز کو دن میں تلف کردے یا رات کے وقت وہ سواری اپنے مالک سے چھوٹ کر بغیر مالک کی تقصیر کے بھاگی ہو اور پھر اس نے کسی چیز کو تلف کردیا اور اس کے ساتھ کوئی بھی نہ ہو تب کوئی تاوان نہیں ہوگا۔

اور امام ابوحنیفہ کے اصحاب نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث مطلق اور عام ہے، لہٰذا اس کے عموم پر عمل کیا جائے گا، اور کسی شخص نے سواری کو نقصان کرنے پر اکسایا ہو تو یہ اس کا حد سے تجاوز کرنا ہے اور ظلم ہے جو اس حدیث کے حکم سے خارج ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "والبئر جبار" اس کی تفسیر ابھی گزر چکی ہے اور صحیح مسلم میں مذکور ہے: کنویں کے زخم میں کوئی تاوان نہیں ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ کنویں میں گرنے کی وجہ سے جو زخم آ گیا اس میں کوئی تاوان نہیں ہے۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے: تمام روایات مشہورہ اس پر متفق ہیں کہ یہ لفظ "البئر" ہے اور ایک شاذ روایت میں ہے "النار جبار" اور اس کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص نے وہاں آگ جلائی جہاں آگ جلانا جائز تھا، پس وہ آگ آگے بڑھ گئی حتیٰ کہ اس نے کسی چیز کو جلا دیا تو اس پر بھی کوئی تاوان نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ١٠٦۔١٠٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ اگر رات میں مویشی کسی کے کھیت کو نقصان پہنچائیں تو اُن مویشیوں کے مالک پر تاوان واجب ہوگا کیونکہ معروف یہ ہے کہ مویشیوں کو رات کے وقت حفاظت میں رکھا جاتا ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا:

حرام بن محیصہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کی اونٹنی ایک مرد کے باغ میں گھس گئی، پس اس باغ کو خراب کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال داروں کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا کہ وہ دن میں اپنے مویشیوں کی حفاظت کریں اور مویشیوں کے مالکوں پر لازم ہے کہ وہ رات میں اپنے مویشیوں کی حفاظت کریں۔

(مسند احمد: ٢٣٦٩٧، موطا امام مالک: ٢٧٦٦، ٢٩٠٣، مسند الشافعی: ٥٨٠، تفسیر عبدالرزاق: ١٨٧٦، مصنف عبدالرزاق: ١٨٤٣٧، شرح معانی الآثار: ٥٠٦٠، صحیح ابن حبان: ٦٠٠٨، المعجم الکبیر للطبرانی: ٥٣٦٩، سنن دارقطنی: ٣٣١٣، السنن الکبریٰ للبیہقی: ١٧٢٨٨، معرفۃ السنن والآثار: ١٤٢٢٢)

امام مالک اور جمہور فقہاء نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کے قول پر عمل کیا ہے، اور امام ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب اور فقہاء کوفہ کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے اور مویشی جب کسی کھیت کو رات یا دن میں خراب کر دیں تو اُن کے مالک پر کوئی چیز لازم نہیں ہے۔ اور مویشیوں کے فساد کو اس حدیث کے عموم میں داخل کیا ہے۔

دن میں مویشیوں کے کیے ہوئے نقصان پر تاوان لازم کرنے اور رات میں تاوان نہ لازم کرنے کی توجیہ

اللیث بن سعد نے کہا ہے: مویشی رات میں کسی کا نقصان کریں یا دن میں، اُن کے مالکوں پر تاوان لازم کیا جائے گا، اور مویشی کی قیمت سے زیادہ تاوان لازم نہیں کیا جائے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ ان کے درمیان فرق واضح ہے، کیونکہ مویشیوں کے مالکوں کو دن میں مویشیوں کو چرنے کے لیے چھوڑنے کی ضرورت ہوتی ہے، اور اغلب یہ ہے کہ جن کے کھیت ہوں وہ دن میں اس کی حفاظت کرتے ہیں اور جس سے چاہیں اس سے حفاظت کرتے ہیں، اس لیے کھیت والوں پر دن میں حفاظت کو لازم فرمایا ہے کیونکہ یہ وقت معاش میں تصرف کا ہوتا ہے جیسا کہ اللہ سبحانہٗ نے فرمایا: "وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا۔ (النبا: ١١)" (اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا)۔ اور جب رات کا وقت آ جائے تو ہر چیز اپنی جگہ کی طرف اور اپنے ٹھکانہ کی طرف لوٹتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ (القصص: ٧٢)" (آپ کہیے: "یہ بتاؤ کہ اگر اللہ قیامت کے دن تک تم پر ہمیشہ دن طاری فرما دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہارے پاس رات لائے گا، جس میں تم آرام کرو، کیا تم (اللہ کی نشانیاں) دیکھتے نہیں ہو؟")۔ نیز اللہ

عزوجل نے ارشاد فرمایا: "فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔" (الانعام: ۹۶) "((وہ) رات کی تاریکی کو چیر کر صبح کی روشنی نکالنے والے ہیں، اور انہوں نے ہی رات کو آرام اور سکون کے لیے بنایا ہے، اور سورج اور چاند کو گنتی اور حساب کے لیے بنایا ہے، یہ بہت غالب اور سب کچھ جاننے والے کا مقرر کردہ نظام ہے)۔

اس لیے مویشیوں کے مالکوں پر لازم ہے کہ رات کو وہ مویشیوں کو اپنی جگہ پر ٹھہرائیں، پس جب مویشیوں کے مالکوں نے مویشیوں کو اپنے ٹھکانوں پر پہنچانے میں کمی کی اور یا رات میں اُن کی حفاظت میں کمی کی حتیٰ کہ اُن مویشیوں نے کسی انسان کا کوئی نقصان کردیا تو اُن پر اس نقصان کا تاوان ادا کرنا لازم ہوگا اور یہ حکم قاعدہ کے موافق ہے اور اس میں دونوں فریقوں کی رعایت ہے اور دونوں فریقوں کے لیے سہولت ہے اور دونوں فریقوں کے مالوں کی حفاظت ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد کے جواز کے متعلق فقہاء کا اختلاف

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں نبی تھے اور اُن دونوں نے اس مقدمہ کے فیصلہ میں اختلاف کیا، اس لیے فقہاء نے اس کے متعلق غور و فکر کیا ہے۔ محققین نے انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد کو جائز قرار دیا ہے، کیونکہ کسی دلیل شرعی سے اس کا محال ہونا ثابت نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور دوسرے مجتہدین میں فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اجتہاد میں خطا سے اور غلطی سے معصوم ہوتے ہیں اور اجتہاد میں تقصیر سے بھی معصوم ہوتے ہیں اور دوسرے مجتہدین اس طرح نہیں ہیں، جیسا کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ تمام انبیاء صلوات اللہ علیہم اجتہاد میں خطا سے اور غلطی سے معصوم ہوتے ہیں۔ اور فقہاء شافعیہ میں سے ابوعلی ابن ابی ہریرہ نے کہا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد میں خطا سے معصوم ہیں اور یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ اور آپ میں اور دوسرے نبیوں میں فرق یہ ہے کہ آپ کے بعد اور کوئی نبی آنے والا نہیں ہے جو آپ کے اجتہاد کی خطا کا تدارک اور تلافی کرے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجتہاد میں خطا کے وقوع سے محفوظ رکھا ہے۔ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے بعد اور انبیاء علیہم السلام کا آنا ممکن تھا جو اُن کے اجتہاد میں خطاء کی تلافی کرتے ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام سب اجتہاد میں خطا کے وقوع کے جواز میں برابر ہیں، مگر انبیاء علیہم السلام کو اُن کی خطا پر برقرار نہیں رکھا جاتا، اس لیے اُن کے بعد آنے والے انبیاء کی اُن کے اجتہاد میں خطاء کی تلافی کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد میں خطا کے وقوع پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن کو پہلے یہ حکم فرمایا کہ وہ جہاں چاہیں عدت گزار لیں، پھر بعد میں آپ نے اس قول سے رجوع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اپنے گھر میں عدت گزاریں حتیٰ کہ عدت پوری ہو جائے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل حدیث ہے:

حضرت الفُرَیعہ بنت مالک بن سنان جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور آپ سے یہ سوال کیا کہ وہ بنی خُدرہ میں اپنے گھر والوں کے پاس چلی جائیں کیونکہ اُن کے خاوند اپنے اُن غلاموں کو ڈھونڈنے کے لیے نکلے تھے جو اُن کے پاس سے بھاگ گئے تھے حتیٰ کہ جب وہ طرف القدوم میں پہنچے تو اُن غلاموں نے اُن کو جالیا اور اُن کو قتل کردیا۔ پس حضرت فُریعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ وہ بنی خدرہ میں اپنے گھر والوں کے پاس (عدت گزارنے کے لیے) چلی جائیں، کیونکہ میرے خاوند نے میرے لیے کوئی رہائش کی جگہ چھوڑی ہے جس کے وہ مالک

ہوں اور نہ کوئی خرچ چھوڑا ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں"، وہ بیان کرتی ہیں کہ پس وہ لوٹ کر چلی گئیں حتیٰ کہ جب میں حجرہ میں پہنچی تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ندا فرمائی یا میرے متعلق حکم فرمایا، پس میرے لیے ندا کی گئی۔ آپ نے پوچھا: میں نے تم سے کیا کہا تھا؟ تو میں نے آپ کے سامنے آپ کا جواب بیان کیا جو آپ نے میرے خاوند کے متعلق فرمایا تھا، پس آپ نے فرمایا: تم اپنے گھر میں لازم رہو حتیٰ کہ عدت پوری ہو جائے۔ حضرت فریعہ بیان کرتی ہیں: پس میں نے اپنے گھر میں چار ماہ اور دس دن عدت گزاری، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو انہوں نے میری طرف کسی کو بھیجا اور مجھ سے اس واقعہ کے متعلق سوال کیا، پس میں نے اُن کو اس واقعہ کی خبر دی تو انہوں نے اسی کی اتباع کی اور اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

(موطا امام مالک: ١٢٨٧، ج ١ ص ٨٧، ابوداؤد: ٢٣٠٠، سنن ترمذی: ١٢٠٣، سنن نسائی: ٣٥٢٨، سنن ابن ماجہ: ٢٠٣١، دارالمعرفہ بیروت، ١٤٢٠ھ)

اس سلسلہ میں دوسری حدیث یہ ہے:

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے درمیان کھڑے ہوئے، پھر اُن سے ذکر فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا افضل اعمال ہیں، پس ایک مرد نے کھڑے ہو کر پوچھا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس سے میرے تمام گناہ مٹا دیئے جائیں گے؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جاؤ جب کہ تم صبر کرنے والے ہو اور ثواب کی نیت کرنے والے ہو اور آگے بڑھنے والے ہو اور پیچھے ہٹنے والے نہ ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے کیا سوال کیا تھا؟ میں نے کہا: اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں تو کیا اس سے میرے تمام گناہ مٹا دیئے جائیں گے؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! سوائے قرض کے، کیونکہ ابھی حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے یہ بتایا: بشرطیکہ تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کی نیت رکھنے والے ہو، آگے بڑھنے والے ہو، پیچھے ہٹنے والے نہ ہو۔

(صحیح مسلم: ١٨٨٥، الرقم المسلسل: ٤٨٥٧، رقم حدیث الباب: ١١٨، سنن ترمذی: ١٧١٢، سنن نسائی: ٣١٥٧، ٣١٥٦)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادی حکم کو تبدیل کرنے کی توجیہ

میں کہتا ہوں کہ ہر چند کہ بعض مسائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پہلے ارشاد سے رجوع فرمایا، لیکن اس میں آپ کی کوئی تنقیص نہیں ہے بلکہ آپ کا یہ رجوع فرمانا اس لیے تھا تاکہ امت کے مجتہدین کے لیے اجتہاد میں رجوع کرنے کی دلیل قائم ہو اور مجتہدین اجتہاد میں قولِ سابق سے رجوع کرنے کو اپنی شان کے خلاف نہ سمجھیں، جیسا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مطلقاً یہ بشارت دینے کا حکم فرمایا کہ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا اور بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متوجہ کرنے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ بشارت دینے سے منع فرما دیا۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: میری یہ دو نعلین لے جاؤ اور جو شخص بھی تمہیں اس باغ کے پیچھے یقینِ قلب کے ساتھ اس بات کی شہادت دیتا ہوا ملے کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو اس کو جنت کی خوش خبری دینا، پھر سب سے پہلے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے پوچھا: اے ابوہریرہ! یہ کیسی نعلین ہے؟ میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین ہے اور آپ نے مجھے یہ نعلین دے کر بھیجا ہے کہ میں جس سے بھی ملوں اور وہ یقین

کے ساتھ یہ شہادت دیتا ہو کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو میں اس کو جنت کی خوش خبری دوں، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرے سینہ پر تھپڑ مارا اور میں سرین کے بل گر پڑا، پس انہوں نے کہا: اے ابو ہریرہ! لوٹ جاؤ، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ کر گیا اور میں نے رو رو کر فریاد کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پیچھے آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے ابو ہریرہ! کیا ہوا؟ تو میں نے بتایا کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا اور میں نے اُن کو اس بشارت کی خبر دی جو آپ نے فرمایا تھا تو انہوں نے مجھے سینہ پر تھپڑ مارا حتیٰ کہ میں سرین کے بل گر گیا اور کہا: لوٹ جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! آپ کو اس فعل پر کس نے برانگیختہ کیا؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے باپ اور میری ماں قربان ہوں! کیا آپ نے ابو ہریرہ کو اپنی نعلین دے کر بھیجا تھا کہ جو بھی یہ شہادت دیتا ہوا ملے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو تم اس کو جنت کی بشارت دے دو؟ آپ نے فرمایا: ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پس آپ ایسا نہ کریں، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ لوگ اسی پر تکیہ اور اعتماد کر لیں گے، پس آپ لوگوں کو عمل کرنے دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس لوگوں کو عمل کرنے دو۔

(صحیح مسلم: ٣١، الرقم المسلسل: ١٣٦، رقم حدیث الباب: ٥٢، مستخرج ابی عوانہ: ١٧، صحیح ابن حبان: ٤٥٤٣، مسند احمد: ٢١٣٩٦، مسند البزار: ٩٣٨٨، المعجم الکبیر للطبرانی: ١٠٣٣١، المستدرک علی الصحیحین: ٣٣٣٨، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ١ ص ٧٢)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے متعلق علماء کا اختلاف

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ٦٧٦ھ، لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جو یہ حکم دیا تھا کہ وہ کلمۂ شہادت پڑھنے والوں کو نجات کی عام بشارت دے دیں اور پھر آپ نے اس سے منع فرما دیا تو وہ اس پر مبنی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد متغیر ہو گیا تھا اور محققین کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے بلکہ واقع ہے اور آپ کو تمام مجتہدین پر فوقیت حاصل ہے کہ آپ اجتہاد میں خطا پر برقرار نہیں رہتے، اور جو علماء آپ کے اجتہاد کی نفی کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ امور دینیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے بغیر کچھ نہیں فرماتے، ان کے طور پر بھی یہ ہو سکتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر سے گفتگو فرما رہے ہوں اس وقت آپ پر وحی نازل ہوئی ہو جس کی وجہ سے آپ نے اپنے سابق قول کو منسوخ فرما دیا ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد میں تفصیل مشہور ہے، دنیاوی امور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اجتہاد کے جواز اور وقوع پر تمام علماء کا اتفاق ہے، اور احکام دینیہ میں اکثر علماء کا یہ نظریہ ہے کہ آپ کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے، کیونکہ جب دوسروں کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے تو آپ کے لیے بہ طریق اولیٰ اجتہاد جائز ہوگا۔ اور بعض علماء نے کہا: آپ کے لیے اجتہاد جائز نہیں ہے کیونکہ آپ کو وحی کے ذریعہ یقینی حکم حاصل کرنے پر قدرت ہے۔ بعض علماء نے کہا: جنگی معاملات میں اجتہاد کرنا جائز ہے اور باقی معاملات میں جائز نہیں ہے، اور بعض علماء نے اس مسئلہ میں توقف کیا، پھر جمہور علماء جن کے نزدیک آپ کا اجتہاد کرنا جائز ہے، ان میں یہ اختلاف ہے کہ اجتہاد واقع ہے یا نہیں، ان میں سے اکثر نے کہا کہ آپ نے اجتہاد کیا ہے اور دوسروں نے کہا: آپ نے اجتہاد نہیں کیا اور بعض نے توقف کیا۔ پھر وہ اکثر علماء جنہوں نے کہا: آپ کا اجتہاد جائز ہے اور آپ نے اجتہاد کیا ہے، ان کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ کی اجتہادی خطا جائز ہے یا نہیں، محققین نے کہا آپ کی اجتہادی خطا جائز نہیں ہے اور اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ آپ کی اجتہادی

خطا جائز ہے لیکن آپ اس پر برقرار نہیں رہتے۔ (شرح مسلم ج ١ ص ٣٦ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ١٣٧٥ھ)

فروعی مسائل میں اجتہاد کی تحقیق

فروعی مسائل میں اجتہاد کے جواز اور وقوع پر حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "جب حاکم کوئی فیصلہ کرے پس اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں، اور جب وہ کوئی فیصلہ کرے پس اجتہاد کرے، پھر اس اجتہاد میں خطاء کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہوتا ہے"۔

(صحیح البخاری: ٧٣٥٢، صحیح مسلم: ١٧١٦، سنن ابوداؤد: ٣٥٧٤، سنن ابن ماجہ: ٢٣١٤، مسند احمد: ١٧٣٢٠)

اجتہاد کی تعریف

اجتہاد کا معنی ہے: جو حاکم عالم ہو وہ کسی پیش آمدہ مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے اپنی پوری قوت علمیہ کو صرف کرے۔

مجتہد کو خطاء پر اجر عطا فرمانے کی توجیہ

یہ اجر اس وقت ملے گا جب کہ وہ مجتہد خود علم میں متبحر ہو اور اپنے آپ کو اجتہاد سے فیصلہ کرنے کا اہل سمجھتا ہو اور لوگ بھی اس کو ایسا سمجھتے ہوں، لیکن جس کا علم قاصر ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کرے، اور اگر اس نے پیش آمدہ مسائل میں از خود اجتہاد کیا تو وہ ہلاک ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۔ (بنی اسرائیل: ٣٦) اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے درپے نہ ہو۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: خطاء کرنے والے حاکم کو اجر اس وقت ملے گا کہ جب وہ اجتہاد اور سنن کا عالم ہو، لیکن جس کو سنن کا علم نہ ہو تو وہ اس حدیث کے معنی میں داخل نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قاضی تین قسم کے ہیں، دو قسم کے قاضی دوزخ میں ہوں گے اور ایک قسم کا قاضی جنت میں ہوگا، پس جس قاضی نے دانستہ حق کے خلاف فیصلہ کیا تو وہ دوزخ میں ہوگا اور جس قاضی نے بغیر علم کے فیصلہ کیا اور لوگوں کے حقوق ضائع کیے وہ بھی دوزخ میں ہوگا، اور جس قاضی نے حق کے مطابق فیصلہ کیا تو وہ جنت میں ہوگا۔

(سنن ابوداؤد: ٣٥٧٣، سنن ترمذی: ١٣٢٢، سنن ابن ماجہ: ٢٣١٥)

نیز علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: حاکم کو اس کے اجتہاد پر اجر اس وقت ملے گا جب وہ صحیح شرعی حکم کو طلب کرنے کے لیے اجتہاد کرے نہ کہ خطاء فی المسئلہ کے لیے اجتہاد کرے، اس کی تائید درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ (الانبیاء: ٧٨)

اور داؤد اور سلیمان کا ذکر کیجئے جب وہ ایک کھیت کے متعلق جھگڑے کا فیصلہ کر رہے تھے جب کچھ لوگوں کی بکریاں اس کھیت میں داخل ہو گئی تھیں (اور انہوں نے اس کھیت کو چرلیا تھا)، اور ہم اُن کے فیصلہ کے وقت موجود تھے ۝

حسن بصری نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تحسین کی اور حضرت داؤد علیہ السلام کی مذمت نہیں کی، اور ابوالقاسم المالکی نے کہا ہے کہ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مجتہدین کے متعدد اقوال میں سے برحق ایک قول ہوتا ہے اور مجتہدین کے تمام اقوال برحق نہیں ہوتے۔

اور علامہ ابن القاسم نے بیان کیا ہے کہ امام مالک سے صحابہ کرام کے اختلاف کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: ان میں خطاء کرنے والے بھی ہوتے تھے اور صحیح حکم دینے والے بھی ہوتے تھے اور ان کے تمام اقوال برحق نہیں ہوتے تھے۔

اس پر دلیل کہ تمام مجتہدین کے اقوال برحق نہیں ہوتے

اس پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حاکم اجتہاد کرے اور صحیح حکم کا فیصلہ کرے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں، اور جب وہ اجتہاد کرے اور اس میں خطاء کرے تو اسے ایک اجر ملتا ہے، فقہاء نے کہا: اس حدیث میں یہ نص صریح ہے کہ مجتہدین اور حاکمین میں خطاء کرنے والے بھی ہوتے ہیں اور صواب پر پہنچنے والے بھی ہوتے ہیں، اور انہوں نے کہا: اگر یہ کہا جائے کہ ہر مجتہد کا حکم صحیح ہوتا ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ ایک چیز بیک وقت حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو، اور واجب بھی ہو اور مستحب بھی ہو، کیونکہ ایک مجتہد ایک چیز کو حلال کہتا ہے اور دوسرا مجتہد اسی چیز کو حرام کہتا ہے (مثلاً امام مالک اور امام شافعی مچھلی کے علاوہ سمندری شکار کو حلال کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہ مچھلی کے علاوہ سمندری جانوروں کے شکار کو حرام کہتے ہیں، اگر ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح ہو تو لازم آئے گا کہ سمندری جانور حلال بھی ہوں اور حرام بھی ہوں)۔ اسی طرح ایک مجتہد کسی عبادت کو واجب کہتا ہے اور دوسرا مجتہد اس عبادت کو مستحب کہتا ہے (مثلاً امام ابوحنیفہ وتر کی نماز کو واجب کہتے ہیں اور امام شافعی وتر کی نماز کو مستحب کہتے ہیں، اگر ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح ہو تو لازم آئے گا کہ وتر کی نماز پڑھنا واجب بھی ہو اور مستحب بھی ہو)۔ اسی طرح امام شافعی کہتے ہیں: جب تک کوئی عورت ملکیت میں نہ آئے اس پر طلاق واقع نہیں ہوتی اور امام ابوحنیفہ کہتے ہیں اس پر طلاق معلق واقع ہو سکتی ہے (مثلاً اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق، تو اگر ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح ہو تو لازم آئے گا کہ وہ عورت مطلقہ بھی ہو اور اس مرد پر حرام ہو اور غیر مطلقہ بھی ہو اور اس مرد پر حلال ہو)۔ تو اگر ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح ہو تو اس طرح کے متناقض احکام کا صحیح ہونا لازم آئے گا۔

اور جو علماء کہتے ہیں کہ ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح ہوتا ہے وہ صرف فروع اور مسائل اجتہادیہ میں کہتے ہیں جن مسائل میں عام آدمی پر تقلید کرنا لازم ہے، لیکن پانچ نمازوں کا وجوب اور روزوں کی فرضیت اور حج کا فرض ہونا یہ وہ احکام ہیں جن پر عمل کرنا تواتر سے ثابت ہے اور وہ ان احکام سے خارج ہیں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۹۱۔ ۳۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۱۳۸۔ ۱۴۳، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

مجتہد کو صحت حکم کی صورت میں اجر ملنے کا بیان

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے معالم السنن میں لکھا ہے: مجتہد کو اجر اس وقت دیا جائے گا جب کہ وہ اجتہاد کے آلات کا جامع ہو، اور اسی کو ہم خطا سے معذور رکھتے ہیں، اس کے برخلاف جو تکلف سے اجتہاد کرے اس پر خوف ہے، اور عالم کو اجر اس لیے دیا جائے گا کہ حق کو

طلب کرنے کے لیے اس کا اجتہاد کرنا عبادت ہے جب کہ اس کا حکم صحیح ہو، اور اگر اس کے اجتہاد کا حکم خطا ہو تو خطا پر اجر نہیں ملے گا بلکہ اس سے صرف گناہ کو اٹھالیا جاتا ہے گویا کہ خطابی کے نزدیک حدیث میں جو مذکور ہے کہ خطا کی صورت میں بھی مجتہد کو ایک اجر ملے گا، اس سے مراد یہ ہے کہ اس سے گناہ اٹھالیا جائے گا۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جب مجتہد کے سامنے کوئی مسئلہ پیش آئے تو اس کو از سر نو اس میں اجتہاد کرنا اور غور کرنا چاہیے اپنے پچھلے اجتہاد پر کفایت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ پہلے اس کو صحیح حکم معلوم نہ ہوا ہو اور اب معلوم ہو جائے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، وہ لڑ رہے تھے تو آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عمرو! تم ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو، تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میری بہ نسبت آپ ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں، اور انہوں نے کہا: اگر میں نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کیا تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا: اگر تم نے ان کے درمیان صحیح فیصلہ کیا تو تم کو دس نیکیاں ملیں گی، تاہم اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے: میرے نزدیک اس حدیث میں ایک فائدہ زائدہ ہے کہ جو شخص اجتہاد میں کوتاہی کرے اس کو ایک اجر ملے گا اور جو اجتہاد میں زیادہ کوشش کرے اس کو اجر بھی زیادہ ملے گا، اور اگر دو فریقوں میں سے ایک زیادہ چرب زبان ہو اور حاکم اس کے حق میں فیصلہ کر دے اور حق دوسرے کا ہو تو اس صورت میں حاکم کو صرف اجتہاد کرنے کا اجر ملے گا اور اس نے جو دوسرے کا حق کسی اور کو دے دیا اس سے اس پر مواخذہ نہیں ہوگا کیونکہ اس نے عمداً ایسا نہیں کیا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۷-۴۰۲، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

خطا کی صورت میں مجتہد کو اجر ملنے کی توجیہ

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک سوال یہ ہے کہ جو مجتہد فیصلہ میں خطا کرے اس کو اجر کیوں ملے گا؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کیونکہ اس نے صحیح حل کی طلب میں اجتہاد کیا تھا اور خطا کی طلب میں اجتہاد نہیں کیا تھا، اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: حاکم کو خطا پر اجر اس وقت دیا جائے گا جب کہ وہ اجتہاد کا عالم ہو پھر اجتہاد کرے، لیکن جو عالم نہ ہو اور اجتہاد کرے تو اسے کوئی اجر نہیں دیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”ہم نے اس مقدمہ کا فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا، اور ہم نے اُن میں سے ہر ایک کو حکم اور علم عطا فرمایا تھا، اور ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر فرما دیا تھا، وہ پہاڑ اور پرندے اُن کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے، اور ہم ہی اس کام کو کرنے والے تھے ○“ (الانبیاء: ۷۹)

حضرت داؤد علیہ السلام کی تسبیح کے معانی

”فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۚ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ“:

وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب پہاڑوں کے پاس سے گزرتے تو تسبیح کرتے ہوئے گزرتے تو پہاڑ

بھی تسبیح پڑھتے ہوئے اُن کا جواب دیتے اور اسی طرح پرندے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام کو تسبیح پڑھنے سے تھکاوٹ ہوتی تو وہ پہاڑوں کو تسبیح پڑھنے کا حکم فرماتے حتیٰ کہ پہاڑ بھی اُن کے ساتھ تسبیح پڑھتے، پھر حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھنے کے لیے مشتاق ہو جاتے۔ اور قتادہ نے کہا ہے کہ پہاڑوں کے تسبیح کرنے کا معنی یہ ہے کہ پہاڑ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور تسبیح پڑھنا نماز ہے۔ اور پہاڑ عقل نہیں رکھتے، اُن کی تسبیح اللہ تعالیٰ کی عاجزی کی صفات سے تنزیہ ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے داؤد کو تمہارے نفع کے لیے زرہ بنانے کا فن سکھایا تا کہ وہ زرہ تمہیں جنگ میں حملوں سے محفوظ رکھے، پس کیا تم شکر ادا کرنے والے ہو؟O'' (الانبیاء:۸۰)

''وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ'': یعنی لوہے کے آلات سے ہم نے داؤد کو زرہ بنانا سکھایا۔ عرب کے نزدیک ہر قسم کا لباس ہتھیار ہے خواہ وہ زرہ ہو یا تلوار ہو یا نیزہ ہو، اور اللہ عزوجل کی مراد یہاں پر زرہ ہے اور ''لَبُوْسٍ'' بہ معنی ملبوس ہے جیسے رکوب بہ معنی مرکوب ہے۔ قتادہ نے کہا: سب سے پہلے جس نے زرہ بنائی وہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ اس آیت میں فرمایا: ''لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ'' یعنی حالتِ جنگ میں وہ تم کو دشمن کے حملوں سے محفوظ رکھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ تمہیں تلواروں سے اور تیروں سے اور نیزوں سے محفوظ رکھے۔

''فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ'': کیا تم زرہ کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو گے اور میرے رسول کی اطاعت کرو گے۔

جائز پیشوں کے ذریعہ روزی حاصل کرنے کی فضیلت

یہ آیت اسبابِ معیشت اور پیشوں کے حصول کی اصل ہے اور جو اس میں طعن کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت میں طعن کرتا ہے۔ اور اللہ عزوجل نے خبر دی ہے کہ اُن کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے اور وہ تاج کو سونے کے پتروں سے آراستہ کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے مشقت کر کے روزی حاصل کرتے تھے اور حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے، اور حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی تھے، اور حضرت لقمان علیہ السلام درزی تھے، اور حضرت طالوت علیہ السلام رنگ ریز تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ وہ سقا تھے یعنی مشک میں پانی بھر کر لاتے تھے اور لوگوں کو پلاتے تھے۔ پس انسان کسی پیشہ کی وجہ سے اپنے آپ کو لوگوں سے سوال کرنے سے روکتا ہے اور اپنے نفس سے ضرر کو دور کرتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل اُس مومن سے محبت فرماتے ہیں جو کسی پیشہ کے ذریعہ روزی حاصل کرتا ہے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی:۸۹۳۴، المعجم الکبیر للطبرانی:۱۳۲۰۰، مسند الشہاب القضاعی:۱۰۷۲، شعب الایمان للبیہقی:۱۱۸۱)

مشہور فقہاء بھی کسی پیشہ کے ذریعہ روزی حاصل کرتے تھے۔ ابوالحسن القدوری مٹی کے برتن بناتے تھے، امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص دیواروں پر چونا پھیر کر سفیدی کرتے تھے، امام ابوبکر الحداد یعنی لوہار تھے، اس لیے کسی پیشہ کو معمولی اور حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہمارے ہاں الٹ معاملہ ہے، جو آدمی بینک سے سود لیتا ہے اس کو معزز سمجھا جاتا ہے اور جو شخص اسمگلنگ کے ذریعہ روپیہ کماتا ہے اس کی بھی تعظیم اور تکریم کی جاتی ہے، اور جو شخص جوتیوں کی مرمت کر کے حلال روزی حاصل کرتا ہے اس کو موچی

کہا جاتا ہے اور جو شخص کپڑا بُن کر نیک روزی حاصل کرتا ہے اس کو جولاہا کہا جاتا ہے، اور جو شخص لوگوں کے کپڑے دھوتا ہے اس کو دھوبی کہا جاتا ہے، سو چاہیے کہ جائز پیشہ کے ذریعہ حلال روزی کمانے والے کی تعظیم اور تکریم کی جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے تیز ہوا کو سلیمان کے لیے مسخر فرمادیا جو اُن کے حکم سے اُس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں، اور ہم ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والے ہیں O'' (الانبیاء: ۸۱)

''وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَةً تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِیْنَ'': یعنی ہم نے تیز ہواؤں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمادیا۔ ''عَاصِفَةً'' کا لفظ عصف سے بنا ہے اور عصف کے معنی ہیں: تنکے۔ کیونکہ تیز ہوائیں تنکوں کو اڑا دیتی ہیں اس لیے تیز ہواؤں کو ''عَاصِفَةً'' کہا جاتا ہے۔

وہ تیز ہوائیں سلیمان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھیں جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں یعنی ملک شام کی طرف۔ روایت ہے کہ وہ ہوائیں حضرت سلیمان علیہ السلام اور اُن کے اصحاب کو جہاں چاہیں لے جاتی تھیں، پھر اُن کو ملک شام کی طرف واپس لے آتی تھیں۔ وہب بن منبہ نے کہا ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام جب اپنی مجلس سے نکلتے تو وہاں پرندے آکر بیٹھ جاتے اور جنات اور انسان کھڑے ہوجاتے حتیٰ کہ وہ اپنے تخت پر بیٹھ جاتے۔ اور وہ ہوا انہیں ایک ماہ کی مسافت تک لے جاتی تھی اور ایک ماہ کی مسافت سے واپس لے آتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ'' (سبا: ۱۲) ''(اور ہم نے ہوا سلیمان کے تابع فرمادی، وہ صبح کے وقت ایک مہینے کا اور شام کے وقت ایک مہینے کا سفر طے کرتی)، نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ ۙ'' (ص: ۳۶) ''(پس ہم نے ہوا کو اُن کے تابع فرمادیا جو اُن کے حکم سے آہستہ آہستہ چلتی اور جہاں وہ چاہتے انہیں لے جاتی)۔ ''الرُّخَاء'' کے معنی ہیں نرمی سے اور آہستہ آہستہ۔

''وَ كُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِیْنَ'': یعنی ہم ہر جس چیز کا عمل کرتے ہیں ہم اس کی تدبیر کو جاننے والے ہیں۔

وہب بن منبہ نے کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مجاہد تھے، اُن کو زمین کے کسی حکمران کا پتا نہ چلتا مگر وہ اس کو تابع کر کے لے آتے تھے اور جب وہ جہاد کے لیے جانے کا ارادہ کرتے تو اپنے لشکر کو حکم دیتے وہ اُن کے لیے لکڑیوں کا ایک تخت بناتے، پھر اس تخت کے اوپر لوگوں کو اور چوپایوں کو بٹھاتے اور جنگ کے آلات کو رکھتے، پھر اُن کے حکم سے ہوا اُن کو جہاں چاہتی لے جاتی، اور ایک ماہ کی مسافت وہ صبح کے وقت طے کرتی اور ایک ماہ کی مسافت کو شام کے وقت طے کرتی۔ اور اُن کے لشکر کے ساتھ نرم ہوا چلتی تھی اور وہ کسی پرندہ کو نقصان نہیں پہنچاتی تھی۔

اور مقاتل نے کہا کہ جنات نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ایک فرسخ لمبی اور ایک فرسخ چوڑی چادر بنادی تھی اور اُن کے لیے ایک سونے کا منبر بنادیا تھا، وہ اُس منبر پر بیٹھتے اور اس کے گرد تین سو سونے اور چاندی کی کرسیاں ہوتی تھیں، انبیاء علیہم السلام سونے کی کرسیوں پر بیٹھتے تھے اور علماء کرام چاندی کی کرسیوں پر بیٹھتے تھے اور اُن کے گرد انسانوں اور جنات میں سے لوگ ہوتے تھے اور پرندے اُن کے اوپر اپنے پروں سے سایا کرتے تھے حتیٰ کہ اُن کے اوپر دھوپ واقع نہیں ہوتی تھی۔ اور بادِ صبا اُن کو صبح سے شام تک ایک ماہ کی مسافت پر لے جاتی تھی اور شام کو غروبِ آفتاب تک ایک ماہ کی مسافت سے واپس لے آتی تھی۔

اور سعید بن جبیر نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے چھ لاکھ کرسیاں رکھی جاتی تھیں جن پر انسان بیٹھتے تھے، پھر جنات بیٹھتے تھے، پھر پرندے اُن پر سایہ کرتے تھے، پھر ہوائیں اُن کو اڑا کر لے جاتی تھیں۔

حسن بصری نے کہا: ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے مشاہدہ میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ اُن کی عصر کی نماز فوت ہو گئی تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے گھوڑوں پر غضب ناک ہوئے اور اُن کی کونچیں کاٹ ڈالیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اُس کے بدلہ میں اُن کو گھوڑوں سے بہتر سواری عطا فرمائی اور ہوا کو اُن کے مسخر فرما دیا، پس صبح کو وہ ایلیاء سے چلتے اور شام کو بابل سے لوٹ آتے۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی کرامات عطا فرمائی گئی ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور کرامات پر فائق ہیں، پس آپ کو عالمِ علوی میں تصرف عطا فرمایا اور عالمِ سفلی میں بھی تصرف عطا فرمایا، اور آپ کے لیے بارش کو روک دیا حتیٰ کہ آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں کی طرح سات سال بارش کو روکنے کی دعا کی، پھر آپ کی دعا سے بارش کو چھوڑ دیا جیسا کہ بکثرت احادیث میں ہے اور اس کے علاوہ آپ کو تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا فرمائی گئیں۔ (میں کہتا ہوں کہ معراج کا سفر ان سب معجزات سے بہت بالا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے چند جنات ان کے مسخر فرما دیے تھے جو اُن کے لیے سمندر میں غوطے لگاتے تھے اور اس کے علاوہ اور بھی کام کرتے تھے، اور ہم اُن کی نگرانی کرنے والے تھے O" (الانبیاء: ۸۲)

"وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ": یعنی ہم نے سلیمان کے لیے اُن کو تابع فرما دیا جو پانی کے اندر غوطہ لگاتے تھے اور سمندر سے جواہر نکال کر لاتے تھے۔ الغوص کا معنی ہے: پانی کے نیچے اترنا۔ اور الغواص اس کو کہتے ہیں جو سمندر میں غوطہ لگا کر موتی وغیرہ نکال کر لاتے ہیں۔

"وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ": یعنی وہ سمندر میں غوطہ لگانے کے علاوہ اور دوسرے کام بھی کرتے تھے۔ اور ایک قول ہے کہ وہ محاریب اور تماثیل بناتے تھے۔ "وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ": اور ہم اُن کے کاموں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ فراء نے کہا کہ ہم اُن کے کاموں کو خراب ہونے سے حفاظت کرتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہم اُن کے سلیمان کے پاس سے بھاگ جانے سے حفاظت کرتے تھے اور اُن کو روکتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ایوب کا ذکر کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو دعا میں پکارا کہ بے شک مجھے شدید تکلیف پہنچی ہے اور آپ سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں O" (الانبیاء: ۸۳)

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الانبیاء: ۸۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ": اور ایوب کا ذکر کیجئے جب انہوں نے اپنی دعا میں اپنے رب کو ندا کی کہ مجھے میرے بدن میں اور میرے اہل میں اور میرے مال میں ضرر پہنچا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو ایوب اس لیے فرمایا کہ ایوب کا لفظ "آب" سے بنا ہے اور آب کا معنی ہے: اللہ عزوجل کی طرف ہر حال میں

رجوع کرتا۔ روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام روم کے رہنے والے تھے اور بہت مال دار تھے اور بہت نیک، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور مسکینوں پر رحم کرنے والے تھے، وہ یتیموں، اور بیواؤں کی کفالت کرتے تھے، مہمانوں کی ضیافت کرتے تھے اور مسافروں کی مدد کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کا امتحان لیا اور اُن کے مال اور اُن کے اہل کو لے گئے اور اُن کے جسم میں تکلیفیں ڈال دیں۔ اُن کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس میں کیڑے پڑ گئے حتیٰ کہ شہر والوں نے اُن کو شہر سے باہر نکال دیا، اور اُن کی بیوی اُن کی خدمت کرتی رہتی تھیں۔

میں کہتا ہوں: یہ قصہ اور اس کی امثال اسرائیلیات سے نقل کی گئی ہیں اور یہ مردود ہیں اور جھوٹ ہیں اور بہتان ہیں، ان میں کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام ایسی بیماریوں میں مبتلا نہیں ہوتے جن سے لوگ متنفر ہوں اور فساق لوگ اُن کا مذاق اڑائیں اور ان کا استہزاء کریں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حسن بصری نے کہا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نو سال اور چھ مہینے اس تکلیف میں مبتلا رہے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اُن سے تکلیف کو دور کرنے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اُن سے ارشاد فرمایا: "اُرۡكُضۡ بِرِجۡلِكَ ۚ هٰذَا مُغۡتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ۔ (ص: ۴۲)" (زمین پر اپنا پاؤں مارو، یہ ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کے لیے ہے)۔

حافظ اسماعیل بن کثیر الشافعی الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ، الانبیاء: ۸۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے بہت زیادہ مال اور مویشی تھے، اور ان کے پاس بہت خوبصورت مکانات تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کے جسم میں جذام پیدا فرما دیا اور اُن کے جسم کا کوئی حصہ دل اور زبان کے سوا سلامت نہیں رہا، وہ دل اور زبان سے اللہ عزوجل کا ذکر کرتے تھے حتیٰ کہ لوگ اُن سے متنفر ہو گئے اور اُن کو شہر سے نکال دیا اور اُن کی بیوی کے سوا اُن کی کوئی خبر گیری نہیں کرتا تھا، حدیث میں ہے:

مصعب بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ مصائب میں اور تکالیف میں کون مبتلا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: الانبیاء، پھر جو اُن کے قریب ہوں اور پھر جو اُن کے قریب ہوں، پس مرد اپنے دین کے اعتبار سے مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہوتا ہے، پس اگر وہ اپنے دین میں متصلب ہو تو اس کی بلائیں اور مصائب شدید ہوتے ہیں، اور اگر اس کے دین میں رقت ہو تو وہ اپنے دین کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے، پس وہ ہمیشہ مصائب میں مبتلا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اس حال میں زمین پر چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(سنن ترمذی: ۲۳۹۸، سنن ابن ماجہ: ۴۰۲۳، مسند ابوداؤد طیالسی: ۲۱۲، مسند احمد: ۱۴۸۱، ۱۴۹۴، ۱۵۵۵، ۱۶۰۷، المنتخب من مسند عبد بن حمید: ۱۴۶، سنن دارمی: ۲۸۲۵، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۴۳۹، ۷۴۴۰، شرح مشکل الآثار: ۲۲۰۲، صحیح ابن حبان: ۲۹۰۰، المستدرک علی الصحیحین: ۱۲۰، شعب الایمان للبیہقی: ۹۴۱۸، کشف المشکل: ۸۵، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر ج ۶ ص ۱۲)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، الانبیاء: ۸۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام رازی نے حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ کے متعلق متعدد روایات نقل کی ہیں، دوسری روایت یہ ہے:

حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا کہ لوگوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کو کچرا کنڈی میں سات سال تک پھینکے رکھا، اُن کا نہ مال بچا اور نہ اولاد اور نہ کوئی دوست، سوائے اُن کی بیوی کے جس کا نام رحمۃ تھا۔ انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ صبر کیا اور وہ اُن کے لیے کھانا لے کر آتی تھیں اور اللہ تعالیٰ کی حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ حمد کرتی تھیں، اور حضرت ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے رہتے تھے اور اپنی بیماری اور تکلیفوں پر صبر کرتے تھے۔ حسن بصری نے کہا کہ ابلیس اُن کی بیوی رحمۃ کے پاس ایک بکری کا بچہ لے کر آیا اور کہا کہ میرے نام پر تم اس بکری کے بچے کو ذبح کر دو تو ایوب تندرست ہو جائیں گے، حضرت ایوب علیہ السلام نے رحمۃ سے کہا: تمہارے پاس اللہ کا دشمن آیا تھا اور اس نے تم میں وسوسہ ڈالا، حضرت ایوب علیہ السلام نے رحمۃ سے پوچھا: یہ بتاؤ کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کتنا عرصہ کشادہ رہیں، اُن کی بیوی نے کہا: اسی (۸۰) سال، پھر پوچھا: بتاؤ ہم ان مصائب میں کتنے عرصہ سے مبتلاء ہیں؟ اُن کی بیوی نے کہا: سات سال اور چند مہینے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، تم نے اپنے رب کے ساتھ انصاف نہیں کیا، تم نے کیوں نہ اپنے مصائب پر صبر کیا جس طرح تم اسی سال صحت میں گزارے، اگر اللہ عزوجل نے مجھے شفاء عطا فرمائی تو میں تم کو سو کوڑے ماروں گا، تم نے اللہ کے دشمن کے نام پر مجھ سے بکری ذبح کرنے کا کہا، اب مجھ پر حرام ہے کہ میں تمہارے ہاتھ سے لائی ہوئی کوئی چیز کھاؤں، پھر جب حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنا حال دیکھا کہ نہ اُن کے پاس نہ کوئی کھانے کی چیز تھی اور نہ پینے کی چیز تھی اور نہ کوئی دوست تھا اور بیوی بھی نہیں تھی، تب حضرت ایوب علیہ السلام سجدہ میں گر گئے اور کہا: "اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ"، تب اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: تم اپنا سر اٹھاؤ تمہاری دعا قبول فرمائی جا چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ" (ص: ۴۲) (زمین پر اپنا پاؤں مارو، یہ ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کے لیے ہے)۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنا پیر مارا، اس سے گرم پانی کا چشمہ نکلا، پس انہوں نے اس سے غسل کیا اور اُن کے ظاہر بدن میں کوئی بیماری نہ رہی یعنی جھڑ گئی، پھر دوسرا پیر مارا تو دوسرا ٹھنڈے پانی کا چشمہ نکلا جس سے انہوں نے پیا، پھر اُن کے جسم کے اندر کوئی بیماری نہ رہی مگر وہ نکل گئی اور وہ تندرست ہو کر کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی جوانی اور اُن کا حسن و جمال لوٹا دیا اور اُن کو حلہ پہنایا، پھر جب وہ کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے اہل اور اولاد اور مال سب لوٹا دیئے۔

پھر اُن کی بیوی رحمۃ نے کہا کہ میں اپنے شوہر ایوب کو چھوڑ آئی تھی، وہ تو بھوک سے مر چکے ہوں گے اور درندے اُن کو کھا چکے ہوں گے، اب میں جا کر اُن کا حال دیکھتی ہوں، پس جب وہ لوٹ کر گئی تو انہوں نے وہ کچرا کنڈی نہیں دیکھی اور نہ وہ حال دیکھا، سارے حالات متغیر ہو چکے تھے، پھر جس جگہ وہ کچرا کنڈی تھی وہاں پر وہ ڈھونڈتی رہیں اور روتی رہیں، پھر حضرت ایوب علیہ السلام نے اُن کو بلایا اور کہا: اے اللہ کی بندی! تم کیا چیز تلاش کر رہی ہو؟ تو وہ روئیں اور انہوں نے کہا: اس جگہ کچرا کنڈی تھا اور یہاں پر ایک مرد بیمار پڑا ہوا تھا، حضرت ایوب علیہ السلام نے اس سے کہا: تمہارا اس سے کیا تعلق تھا؟ تو وہ روئیں اور کہا: وہ میرے شوہر تھے، حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: کیا تم اس کو پہچان لوگی جب تم اس کو دیکھو گی؟ تو انہوں نے کہا: وہ مجھ پر کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں؟ حضرت ایوب علیہ السلام مسکرائے اور کہا کہ میں ہی وہ ہوں۔ پس اُن کی بیوی نے اُن کو پہچان لیا اور اُن سے لپٹ گئیں، حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: تم نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ابلیس کے نام پر ایک بکری کا بچہ ذبح کروں، میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور شیطان کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وہ ساری نعمتیں لوٹا دیں۔

اور الضحاک اور مقاتل نے کہا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیوی سے کہا: تمہارے پاس اللہ کا دشمن آیا تھا تاکہ تم کو اپنے دین سے پھیر دے، پھر انہوں نے قسم کھائی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے عافیت عطا فرمائی تو میں تم کو سو کوڑے ماروں گا۔ پھر بعد میں حضرت ایوب علیہ السلام نے سو تنکوں والی جھاڑو اُن کو مار کر اپنی قسم پوری فرمائی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَ خُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ لَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۔ (ص: ۴۴)" (اور اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اس سے (اپنی اہلیہ کو) مار دو اور قسم نہ توڑو، بے شک ہم نے انہیں صبر والا پایا، ایوب بہت اچھے بندے تھے، بے شک وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والے تھے)۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۷۳۔۱۷۶، ملخصاً وموضحاً، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں: حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کا واقعہ حافظ ابن عساکر اور حافظ ابن کثیر دونوں نے بنی اسرائیل کے علماء سے نقل کیا ہے اور ان کی اقتداء میں دیگر مفسرین نے بھی اس کو ذکر کیا ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ واقعہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو ایسے حال میں مبتلا نہیں فرماتے جس سے لوگوں کو نفرت ہو اور وہ ان سے گھن کھائیں، اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا: "وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ۔ (ص: ۴۷)" (اور بلاشبہ وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے اور پسندیدہ بندوں میں سے ہیں)۔

حضرت ایوب علیہ السلام پر کوئی سخت بیماری مسلط کی گئی تھی لیکن وہ بیماری ایسی نہیں تھی جس سے لوگ گھن کھائیں، حدیث صحیح مرفوع میں بھی اس قسم کی کسی چیز کا ذکر نہیں ہے، صرف ان کی اولاد اور ان کے مال مویشی کے مرجانے اور ان کے بیمار ہونے پر صبر کا ذکر ہے۔ علماء اور واعظین کو چاہیے کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف ایسے احوال منسوب نہ کریں جن سے لوگوں کو گھن آئے۔ اب ہم اس سلسلہ میں حدیث صحیح مرفوع کا ذکر کر رہے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری میں اٹھارہ سال مبتلا رہے، ان کے بھائیوں میں سے دو شخصوں کے سوا سب لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا اور لوگ ہوں۔ وہ دونوں روز صبح و شام ان کے پاس آتے تھے۔ ایک دن ایک نے دوسرے سے کہا: کیا تم کو معلوم ہے کہ ایوب نے کوئی ایسا بہت بڑا گناہ کیا ہے جو دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ دوسرے نے کہا: کیونکہ اٹھارہ سال سے اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم نہیں فرمایا کہ اس سے اس کی بیماری کو دور فرما دیتے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا کہ میں دو آدمیوں کے پاس سے گزرا جو آپس میں جھگڑ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے، میں اپنے گھر گیا تاکہ ان کی طرف سے کفارہ ادا کروں کیونکہ مجھے یہ ناپسند تھا کہ حق بات کے سوا اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی ضروریات کے لیے جاتے تھے اور جب ان کی حاجت پوری ہو جاتی تو ان کی بیوی ان کا ہاتھ پکڑ کر لے آتی۔ ایک دن ان کو واپس آنے میں کافی دیر ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ وحی کی: "اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ۔ (ص: ۴۲)" (زمین پر اپنا پاؤں مارو، یہ گرم چشمہ نہانے کے لیے اور ٹھنڈا چشمہ پینے کے لیے ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری بیماری کو اس پانی سے نہانے میں دور فرما دیا (اور پانی پینے سے ان میں طاقت آ گئی) اور وہ پہلے سے بہت صحت مند اور حسین ہو گئے۔ ان کی بیوی ان کو ڈھونڈتی ہوئی آئی اور پوچھا: اے شخص! اللہ تمہیں برکت دے، کیا تم نے

اللہ کے نبی کو دیکھا ہے جو بیمار تھے، اللہ کی قسم! میں نے تم سے زیادہ ان کے مشابہ اور تندرست شخص کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ہی تو وہ شخص ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے، ایک گندم کا کھلیان تھا اور ایک جو کا کھلیان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیجے، ایک گندم کے کھلیان پر برسا اور اس کو سونے سے اس قدر بھر دیا کہ سونا کھلیان سے باہر گرنے لگا اور دوسرا بادل جو کے کھلیان پر برسا اور اس کو چاندی سے بھر دیا حتیٰ کہ چاندی باہر گرنے لگی۔

(صحیح ابن حبان: ۲۸۹۸، مسند البزار: ۲۳۵۷، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۷۴۔ ۳۷۵، مسند ابویعلیٰ: ۳۶۱۷، المعجم الکبیر: ۳۰، المستدرک ج ۲ ص ۵۸۱۔ ۵۸۲، حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔ حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام ابویعلیٰ اور امام بزار نے روایت کیا ہے اور امام بزار کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۸)

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے متعلق تورات میں اس طرح مذکور ہے:

خداوند نے شیطان سے کہا کہ دیکھ وہ تیرے اختیار میں ہے، فقط اس کی جان محفوظ رہے ○ تب شیطان خداوند کے سامنے سے چلا گیا اور ایوب کو تلوے سے چاند تک دردناک پھوڑوں سے دکھ دیا ○ اور وہ اپنے کھجانے کے لیے ایک ٹھیکرا لے کر بیٹھ گیا ○

(ایوب، باب: ۲، آیت: ۶۔ ۹، پرانا عہد نامہ، ص ۳۹۵، لاہور: ۱۹۹۲ء)

تورات میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے اور کوئی کیڑا گر جاتا تو وہ اس کیڑے کو اٹھا کر اپنے زخم پر رکھ دیتے۔ یہ ہمارے مفسرین کی افسانہ طرازی ہے، حضرت ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے اور جس کے جسم میں کیڑے پڑ جائیں لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو لوگوں کے نزدیک پسندیدہ اور مکرم بناتے ہیں، اس لیے ان کے جسم میں کیڑے پڑنے کی روایت صحیح نہیں ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے جسم میں پھوڑے یا آبلے پڑ گئے تھے۔

صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ، الانبیاء: ۸۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

پھر آپ بیمار ہوئے، تمام جسم شریف میں آبلے پڑے، بدن مبارک سب کا سب زخموں سے بھر گیا، سب لوگوں نے چھوڑ دیا بجز آپ کی بی بی صاحبہ کے کہ وہ آپ کی خدمت کرتی رہیں اور یہ حالت سالہا سال رہی، آخر کار کوئی ایسا سبب پیش آیا کہ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی۔ (تفسیر خزائن العرفان مع ترجمہ کنز الایمان ص ۶۱۳، مکتبۃ المدینہ، کراچی ۱۴۳۲ھ)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء، الانبیاء: ۸۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

سورۂ ص کے چوتھے رکوع میں اس کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ''اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ۔ (ص: ۴۲)'' (اپنا پاؤں مارو، یہ ٹھنڈا پانی موجود ہے نہانے کو اور پینے کو)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر پاؤں مارتے ہی اللہ نے ان کے لیے ایک قدرتی چشمہ جاری کر دیا جس کے پانی میں یہ خاصیت تھی کہ اس سے غسل کرنے اور اس کو پینے سے ان کی بیماری دور ہو گئی۔ یہ علاج اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کو کوئی سخت جلدی بیماری ہو گئی تھی، اور بائبل کا بیان بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ ان کا جسم سر سے پاؤں تک پھوڑوں سے بھر گیا تھا۔

(تفہیم القرآن، ج ۳ ص ۱۷۹، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۱۲ء)

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، ص: ۴۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہو سکتا ہے کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنا پیر زمین پر مارا تو اس سے دو چشمے پھوٹ پڑے، ایک غسل کے لیے تھا اور دوسرا پینے کے لیے، پس جو چشمہ پانی پینے کے لیے تھا وہ ٹھنڈا تھا اور جو غسل کے لیے تھا وہ اس کے برخلاف تھا۔

بعض اہل التاویل نے کہا ہے: ان کے جسم کے ظاہر اور باطن میں بیماری تھی، پس جو ظاہر میں بیماری تھی وہ غسل سے دور ہو گئی اور جو باطن میں بیماری تھی وہ پینے سے دور ہو گئی۔ غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح حضرت ایوب علیہ السلام کو سخت بیماریوں اور مصیبتوں میں صبر پر برقرار رکھا، پس جب تم بھی کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو صبر کرو اور اللہ عزوجل کا شکر ادا کرو۔

(تاویلات اہل السنۃ، ج ۸ ص ۳۳۴ - ۳۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

ان اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کی روایت اور اُن کو گھورے اور کچرا کنڈی پر ڈالنے کی روایت بالکل غلط اور باطل ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور محبوب بندوں کو لوگوں کی نفرت کا نشانہ بننے سے محفوظ رکھتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”سو ہم نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور جو تکلیف انہیں پہنچ چکی تھی اس کو دور فرما دیا، اور ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے اُن کو اُن کے اہل وعیال اور اتنے ہی اور اُن کے ساتھ عطا فرمائے، تا کہ یہ عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت ہو O“ (الانبیاء: ۸۴)

”فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ“:

مجاہد اور عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام سے کہا گیا: ہم نے آپ کے اہل وعیال کو جنت میں جگہ دے دی ہے، پس اگر چاہیں تو ان کو جنت میں ہی چھوڑ دیں اور اگر آپ چاہیں تو ہم اُن کو آپ کے پاس دنیا میں ہی بھیج دیں۔ مجاہد نے کہا: پس اللہ عزوجل نے اُن کو جنت میں ہی چھوڑ دیا اور اُن کی مثل حضرت ایوب علیہ السلام کو دنیا میں عطا فرما دی۔

النحاس نے کہا: ان دونوں سے یہ روایت صحیح ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: المہدوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور الضحاک نے کہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے تمام اہل وعیال فوت ہو گئے تھے سوائے اُن کی بیوی کے، پس اللہ عزوجل نے اُن کو پلک جھپکنے سے پہلے زندہ فرما دیا اور جتنے وہ اہل وعیال تھے اتنے ہی اور اُن کو عطا فرمائے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ جب اُن کے تمام بیٹے فوت ہو گئے، پس حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے اُن کو زندہ فرما دیا اور اتنی ہی اور اولاد اُن کو عطا فرمائی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اُن کی اولاد میں سے سات بیٹے تھے اور سات بیٹیاں تھیں، پس جب وہ تندرست ہو گئے تو اُن کی بیوی سے سات بیٹے اور سات بیٹیاں پیدا ہوئیں اور یہ قول ظاہر آیت کے زیادہ مشابہ ہے۔

”رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا“: یعنی ہم نے یہ فعل اپنی رحمت کی وجہ سے فرمایا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے تا کہ کل قیامت کے دن اُن کو عظیم ثواب عطا فرمائیں۔ ”وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ“: یعنی بندوں کی نصیحت کے لیے، کیونکہ جب لوگ حضرت ایوب علیہ السلام کی مصیبت اور اس مصیبت پر اُن کے صبر کا ذکر کریں گے حتیٰ کہ حضرت ایوب علیہ السلام اپنے زمانہ کے سب سے افضل شخص تھے تو وہ اپنے اوپر بھی طاری ہونے والے مصائب پر اور سختیوں پر صبر کریں گے جس طرح حضرت ایوب علیہ السلام نے صبر کیا تھا، اور یہ اس پر تنبیہ ہوگی کہ وہ

ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہیں اور ضرر اور تکالیف کو برداشت کریں۔

جتنی مدت حضرت ایوب علیہ السلام اس آزمائش میں مبتلا رہے، اس کے بیان میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آزمائش کی مدت سات سال، سات مہینے اور سات دن اور سات راتیں ہیں۔ وہب بن منبہ نے کہا: تین سال آزمائش کی مدت تھی۔ حسن بصری نے کہا: سات سال اور چھ مہینے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ان اقوال میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ مدت اٹھارہ سال ہے، اس کو ابن شہاب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور علامہ ابن المبارک نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (کتاب الزہد لابن المبارک رقم: ۱۷۹، المستدرک ج ۲ ص ۵۸۱۔۵۸۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کا ذکر کیجئے، وہ سب بے حد صبر کرنے والے تھے○" (الانبیاء: ۸۵)

حضرت اسماعیل، حضرت ادریس علیہما السلام اور حضرت ذوالکفل کا قصہ

"وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ":

حضرت ادریس علیہ السلام کا نام اخنوخ ہے۔ اور حضرت ذوالکفل کے متعلق یہ روایت ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے ایک حدیث سنی، اگر میں نے اس حدیث کو آپ کے سوا کسی ایک یا دو عورتوں سے نہ سنا ہوتا حتیٰ کہ سات عورتوں کا ذکر کیا لیکن میں نے اس سے زیادہ مرتبہ سنا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل میں الکفل نام کا ایک مرد تھا، وہ اپنے کسی کیے ہوئے گناہ سے احتراز نہیں کرتا تھا، اس کے پاس ایک عورت آئی، اس نے اس عورت کو اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کے عوض ساٹھ دینار دیے، الکفل اس کے پاس اس طرح بیٹھا جیسے مرد عورت سے اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے بیٹھتا ہے تو وہ عورت کپکپانے لگی اور رونے لگی، اس نے اس سے کہا: تم کیوں روتی ہو، کیا میں نے تم کو اس کام پر مجبور کیا ہے؟ اس عورت نے کہا: نہیں لیکن میں نے ایسا برا کام اس سے پہلے کبھی نہیں کیا اور مجھے صرف مال کی ضرورت نے اس کام پر مجبور کیا ہے۔ اس نے کہا: تم جاؤ یہ مال تمہارے لیے ہے اور کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا، اسی رات کو وہ فوت ہو گئے، صبح ان کے دروازہ پر لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت فرما دی۔ (سنن ترمذی: ۲۴۹۶، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۲۵۴، صحیح ابن حبان: ۳۸۷، البدایہ ج ۱ ص ۲۲۶)

اس حدیث کی تصدیق ان آیات میں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ؕ" (النازعات: ۴۰۔۴۱) "(اور جو اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہونے سے ڈرا اور اُس نے (اپنے) نفس کو (بری) خواہش سے روکا○ تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے)، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ" (الرحمٰن: ۴۶) "(اور جو اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں)۔

ایک قول یہ ہے کہ ان کو ذوالکفل اس لیے فرمایا ہے کیونکہ وہ اپنے زمانہ کے نبیوں سے زیادہ عمل کرتے تھے، اور جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ نبی نہیں تھے۔ اور حسن بصری نے کہا: وہ حضرت الیاس سے پہلے نبی تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ہی زکریا ہیں جنہوں

نے حضرت مریم کی کفالت کی تھی۔

''كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ'': یعنی ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عبادت کی مشقت پر بے حد صبر کرنے والا اور ان کی اطاعت اور عبادت پر دوام کرنے والا اور ان کی نافرمانیوں سے اجتناب کرنے والا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت میں داخل فرما لیا، بے شک وہ بہت زیادہ نیکوکاروں میں سے تھے O'' (الانبیاء: ۸۶)

''وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ'': یعنی ہم نے اُن سب کو اپنی رحمت میں داخل فرما لیا جس کا مصداق جنت ہے، اور بے شک وہ سب بہت زیادہ نیکی کرنے والے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور مچھلی والے (یونس) کا بھی ذکر کیجئے جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے، پس انہوں نے یہ گمان کیا کہ ہم اُن پر سختی نہیں فرمائیں گے، پھر انہوں نے اندھیروں میں دعا کی: (اے اللہ!) آپ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، آپ سبحان ہیں، بے شک میں ہی اپنی جان پر زیادتی کرنے والوں میں سے تھا O'' (الانبیاء: ۸۷)

حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ

''وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ'': اس آیت میں فرمایا ہے ''وَ ذَا النُّوْنِ'' اور آپ ذوالنون کا ذکر کیجئے۔ ذوالنون حضرت یونس بن متی کا لقب ہے کیونکہ مچھلی نے ان کو نگل لیا تھا اور نون کا معنی ہے مچھلی۔ ثعلب نے ابن الاعرابی سے نقل کیا ہے کہ ''النونة'' سوراخ کو کہتے ہیں جو چھوٹے بچے کی ٹھوڑی میں ہوتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ملیح بچہ کو دیکھا تو فرمایا: اس کے نون میں تیل لگاؤ کہیں اس کو نظر نہ لگ جائے۔ ''اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا'': حسن بصری، الشعبی اور سعید بن جبیر کی روایت ہے جس کو مفضل طبری نے مختار قرار دیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے رب عزوجل کی وجہ سے غضب ناک ہو گئے اور جب اللہ عزوجل کی نافرمانی کی جائے تو مومن غضب ناک ہوتا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء، الانبیاء: ۸۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مراد ہیں حضرت یونس۔ کہیں ان کا نام لیا گیا ہے اور کہیں ''ذوالنون'' اور ''صاحب الحوت'' یعنی ''مچھلی والے'' کے القاب سے یاد کیا گیا ہے۔ مچھلی والا انہیں اس لیے نہیں کہا گیا کہ وہ مچھلیاں پکڑتے یا بیچتے تھے، بلکہ اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا تھا، جیسا کہ صافات، آیت: ۱۴۲ میں بیان ہوا ہے۔

نیز لکھتے ہیں: یعنی وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے، قبل اس کے کہ خدا کی طرف سے ہجرت کا حکم آتا اور ان کے لیے اپنی ڈیوٹی چھوڑنا جائز ہوتا۔ انہوں نے خیال کیا کہ اس قوم پر تو عذاب آنے والا ہے، اب مجھے کہیں چل کر پناہ لینی چاہیے، تا کہ خود بھی

عذاب میں نہ گھر جاؤں، یہ بات بجائے خود تو قابل گرفت نہ تھی، مگر پیغمبر کا اذن الٰہی کے بغیر ڈیوٹی سے ہٹ جانا قابل گرفت تھا۔

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۸۲۔ ۱۸۳، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۱۲ء)

"فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ": تو حضرت یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر تنگی یا سختی نہیں فرمائیں گے۔ اور "نَّقْدِرَ" کے معنی تنگی یا سختی کرنے پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص اپنی جان پر زیادتی کرتا تھا، جب اس پر موت (کی علامات) آگئیں تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا، پھر (میری ہڈیوں کو) پیس دینا، پھر مجھے سخت ہوا میں اڑا دینا، "فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ عَلَیَّ رَبِّیْ" (پس اللہ کی قسم! اگر اللہ نے مجھ پر تنگی فرمائی) تو وہ مجھے ایسا عذاب دیں گے کہ ایسا عذاب انہوں نے کسی کو نہیں دیا ہوگا، پھر جب وہ مر گیا تو اس کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا، پس اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم فرمایا کہ تم میں جو اس کے اجزاء ہیں ان کو جمع کرلو، پس زمین نے ایسا کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوا، اللہ تعالیٰ نے پوچھا: تم نے جو کام کیا اس پر تم کو کس نے برانگیختہ کیا؟ اس نے کہا: اے رب! آپ کے خوف نے، سو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا، دوسروں نے کہا: یا رب! تیری خشیت (خوف) کی وجہ سے۔ (صحیح البخاری: ۳۴۸۱، ۷۵۰۶)

بعض علماء نے اس آیت میں "نَّقْدِرَ" کو قدرت سے ماخوذ مانا ہے۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ نے قدر کا ترجمہ قدرت سے کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: "پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو"۔

(ترجمہ قرآن ص: ۴۳۸، مجمع الملک فہد للطباعۃ المصحف الشریف، سعودیہ عربیہ)

ہم نے "نَّقْدِرَ" کا معنی تنگی کرنا کیا ہے اور اس پر دلیل قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہیں:

(۱) "اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ لَهٗ۔ (العنکبوت: ۶۲)" (اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہیں رزق کشادہ فرما دیتے ہیں اور جس کے لیے چاہیں تنگ فرما دیتے ہیں)۔

(۲) "وَ مَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ۔ (الطلاق: ۷)" (اور جس پر اس کا رزق تنگ فرما دیا گیا)۔

(۳) "وَ اَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَهَانَنِ۔ (الفجر: ۱۶)" (اور رہا وہ جس کو وہ آزماتے ہیں، سو اس کی روزی تنگ فرما دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلیل کیا)۔

ان آیات کے علاوہ ہم نے صحیح البخاری: ۳۴۸۱ سے بھی استدلال کیا ہے کہ "فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ عَلَیَّ رَبِّیْ" (پس اللہ کی قسم! اگر اللہ نے مجھ پر تنگی فرمائی)، اس سے بھی واضح ہوا کہ "نَّقْدِرَ عَلَیْهِ" کا معنی تنگی کرنا ہے۔

علمائے لغت کا اس آیت میں "نَّقْدِرَ" کو قدرت سے ماخوذ ماننے کو کفر قرار دینا

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اور علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ نے لکھا ہے: اس آیت کا معنی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے گمان کیا کہ ہم ان پر ہرگز تنگی نہیں فرمائیں گے۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۱۲، مطبوعہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ، مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۲۲۸، مطبوعہ مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ اور علامہ سید محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

الفراء اور ابوالہیثم نے کہا: "فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ" کا معنی ہے: انہوں نے گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں فرمائیں گے اور زجاج نے کہا: ہم ان کے لیے مچھلی کے پیٹ میں رہنا مقدر نہیں فرمائیں گے اور "نَّقْدِرَ" تقدیر سے ماخوذ ہے، ازہری نے کہا: یہ معنی بھی صحیح ہے اور یہ اطلاقات ازروئے لغت کے جائز ہیں اور جس نے "نَّقْدِرَ" کو قدرت سے ماخوذ مانا سو یہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ کو اس پر قدرت نہیں ہوگی اس نے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ظن اور شک کفر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو کفر سے معصوم رکھا ہے اور اس معنی کی وہی تاویل کرے گا جو کلام عرب اور اس کی لغات سے جاہل ہو۔

(لسان العرب، ج ٥ ص ٧٧، ملخصاً، ایران، تاج العروس ج ٣ ص ٣٨٢، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

"فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ": اس آیت میں "الظُّلُمٰتِ" کو جمع کے صیغہ سے ذکر فرمایا ہے، اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس جمع سے کیا مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہے: رات کی ظلمت اور سمندر کی ظلمت اور مچھلی کے پیٹ کی ظلمت، یعنی ان تین اندھیروں میں حضرت یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو پکارا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لیا تو وہ اُن کو زمین کی تہ تک لے گئی، پس حضرت یونس علیہ السلام نے کنکریوں کی تسبیح سنی تو انہوں نے تین اندھیروں میں نداء کی: مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے میں، رات کے اندھیرے میں اور سمندر کے اندھیرے میں۔

"اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ": سالم بن ابی جعد نے کہا ہے کہ ایک ظلمت سمندر کی تھی اور دوسری ظلمت مچھلی کی تھی جب اس نے حضرت یونس علیہ السلام کو نگلا تھا، اور تیسری ظلمت مچھلی کے پیٹ کی تھی۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو وحی فرمائی کہ تم یونس کے ایک بال کو بھی ایذاء نہ پہنچانا، میں نے تمہارے پیٹ کو یونس کا قید خانہ بنایا ہے اور تم کو ان کا طعام نہیں بنایا، روایت ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں سجدہ کرتے تھے جب سمندر کی گہرائی میں مچھلیوں کی تسبیح کرتے تھے۔ سعید بن ابی الحسن نے بیان کیا ہے کہ جب مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لیا تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں، انہوں نے اپنی ٹانگیں لمبی کر دیں لیکن وہ فوت نہیں ہوئے تھے، پھر وہ اپنی عادت کے مطابق کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھنے لگے اور انہوں نے اپنی دعا میں کہا: میں نے آپ کے لیے اس مچھلی کو مسجد بنا دیا جب کہ کسی نے اس کو مسجد نہیں بنایا۔

حضرت یونس علیہ السلام جو اللہ کی مخصوص اجازت کے بغیر بستی سے نکل گئے تھے تو مچھلی کا اُن کو نگلنا اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کا عذاب نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو عذاب نہیں دیتے، یہ محض تادیب تھی جیسے بچوں کو ادب سکھایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے جو کہا تھا کہ "میں ظالموں میں سے ہوں" اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کے متعلق عذاب کی دعا کی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کے متعلق دعا کی تھی تو ان پر مواخذہ نہیں فرمایا گیا۔ اور الواسطی نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی ظلم سے تنزیہ کی اور اپنے نفس کی طرف اپنی خطا کا اعتراف کرنے کے لیے ظلم کی اضافت کی، اور یہ ایسا ہے جیسے حضرت آدم اور حواء علیہما السلام نے دعا کی تھی: "قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (الاعراف: ٢٣)"۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سو ہم نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور اُن کو غم سے نجات عطا فرمائی، اور اسی طرح ہم

مومنین کو نجات عطا فرماتے ہیں O'' (الانبیاء: ۸۸)

''فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ '':

امام ترمذی نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے وہ دعا کی جو حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں دعا کی تھی: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ '' تو جو مسلمان مرد بھی کسی چیز کے متعلق یہ دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرمائیں گے۔

(سنن ترمذی: ۳۵۰۵، مسند احمد: ۱۳۶۲، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۶۵۶، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۴۱۷، کتاب الدعاء للطبرانی: ۱۲۳، المستدرک علی الصحیحین: ۱۸۶۲، الاسماء والصفات للبیہقی: ۱۰۷۹، الدعوات الکبیر: ۱۸۷، شعب الایمان للبیہقی: ۶۱۱، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ۱۳ ص ۳۸۰)

یعنی جب مومنین اپنے مصائب اور تکالیف میں ہم سے ان الفاظ کے ساتھ دعا کریں گے تو ہم ان کو مصائب سے اسی طرح نجات عطا فرمادیں گے جس طرح یونس کو نجات عطا فرمائی تھی۔

امام رازی نے کہا ہے: ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ کر دعا کرتا ہے، اس کی شرط یہ ہے کہ ابتداء اللہ تعالیٰ کی توحید سے کرے، پھر بعد میں ان کی تسبیح پڑھے اور ان کی حمد اور ثناء کرے، پھر اپنی خطا کا اعتراف کرے اور استغفار کرے اور ہر دعا کے مقبول ہونے میں یہ شرط ہے۔

حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو صرف اس وجہ سے نجات عطا فرمائی کہ انہوں نے اپنے نفس پر ظلم کا اقرار کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ اِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِيْمٌ ۝ فَلَوْ لَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِيْمٌ ۝ وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۝ وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۝ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝ '' (الصافات: ۱۳۹-۱۴۸) ''(بے شک یونس رسولوں میں سے ہیں O اس وقت کا ذکر کیجئے جب وہ چھپ کے بھری ہوئی کشتی کی طرف نکل گئے O پھر کشتی والوں کے ساتھ قرعہ ڈالا تو مغلوب ہو گئے O پھر مچھلی نے انہیں اس حال میں نگل لیا کہ وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے والے تھے O پس اگر وہ تسبیح کرنے والے نہ ہوتے O تو اس دن تک ضرور اس مچھلی کے پیٹ میں رہتے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے O پھر ہم نے انہیں اس حال میں سبزے سے خالی زمین پر ڈال دیا کہ وہ بیمار تھے O ہم نے ان پر کدو کی قسم کی ایک بیل اگا دی O اور ہم نے انہیں (نینویٰ کے) ایک لاکھ بلکہ زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا O چنانچہ وہ ایمان لے آئے اور ہم نے انہیں ایک مدت تک فائدہ اٹھانے کا موقع عطا فرمایا O)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور زکریا کا ذکر کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو دعا میں پکارا: اے میرے رب! آپ مجھے تنہا نہ چھوڑیں اور آپ سب سے بہترین وارث ہیں O'' (الانبیاء: ۸۹)

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا قصہ

''وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ '': یعنی آپ زکریا کا ذکر کیجئے جب انہوں نے اپنی دعا میں اپنے رب کو پکارا کہ اے رب! مجھے تنہا نہ چھوڑیں، یعنی میں اکیلا ہوں اور میرا کوئی بیٹا نہ ہو، اور آپ سب سے بہترین وارث ہیں۔ یعنی ہر شخص کی موت کے بعد جو دنیا میں باقی رہ جاتا ہے، آپ اُن سب سے بہتر ہیں، انہوں نے کہا کہ آپ سب سے بہترین وارث ہیں جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔ (مریم: ٥۔٦)'' (سو آپ مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرمائیں ○ جو میرا اور آلِ یعقوب کا (علمی) وارث ہو، اور اے میرے رب! اس کو اپنا پسندیدہ بندہ بنائیں ○)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو ہم نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور اُن کو یحییٰ عطا فرمائے اور اُن کے لیے اُن کی بیوی کو قابلِ ولادت بنا دیا، یہ سب نیک کاموں میں سبقت کرتے تھے اور شوق اور خوف کی حالتوں میں ہم سے دعا کرتے تھے، اور سب ہمارے لیے خشوع کرنے والے تھے ○'' (الانبیاء: ٩٠)

''فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ '': اس کا مفصل بیان پہلی آیتوں میں آچکا ہے۔

قتادہ، سعید بن جبیر اور اکثر مفسرین نے کہا: اُن کی بیوی بانجھ تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو قابلِ ولادت بنا دیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء نے کہا کہ وہ بد خُلق تھی، اس کی زبان دراز تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نیک اخلاق والی بنا دیا۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں معنی مراد ہوں، اُن کی بیوی کو اچھے اخلاق والی بنا دیا اور قابلِ ولادت بنا دیا۔ ''اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ '': یعنی اس سورت میں جن انبیاء علیہم السلام کے اسماء ذکر کیے گئے ہیں، وہ سب نیک کاموں میں سبقت کرتے تھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت زکریا علیہ السلام، ان کی بیوی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے۔

''وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا '': یعنی وہ مصیبت کی حالت میں بھی ہم سے دعا کرتے تھے اور راحت کی حالت میں بھی ہم سے دعا کرتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ عبادت کے وقت بھی ہم سے دعا کرتے تھے اور وہ رغبت اور امید کی حالت میں، اور خوف اور غم کی حالت میں بھی ہم سے دعا کرتے تھے۔ ابن عطیہ نے کہا ہے کہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر دعا کرنے والے کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر رغبت سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اپنی ہتھیلیوں کے باطن کو آسمان کی طرف متوجہ کرتا ہے، اور جو خوف زدہ ہوتا ہے وہ کسی نقصان کو دور کرنے کے لیے اپنے ہاتھوں کی پشت سے دعا کرتا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا میں اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند فرماتے تو اُن ہاتھوں کو اس وقت تک نیچے نہیں جھکاتے تھے حتیٰ کہ اُن ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر پھیر لیتے۔

(سنن ترمذی: ٣٣٨٦، شرح السنہ للبغوی: ١٣٠٠، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ١٣ ص ٤٧٩)

العوفی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ سے سوال کرو تو تم ہتھیلیوں کے اندرونی حصہ سے سوال کرو اور ہتھیلیوں کی پشت سے سوال نہ کرو۔ (سنن ابوداؤد: ١٣٨٦، مصنف ابن ابی شیبہ: ٢٩٣٠٥، المنتخب من مسند عبد بن حمید: ٧١٥، الآحاد

والشافی: ۵۹ ، ۴۳۳، المستدرک علی الصحیحین: ۱۹۶۸، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرہ ج ۱۴ ص ۴۷۵)

" وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ": اور وہ سب اللہ تعالیٰ سے خشوع کرنے والے تھے اور تواضع کرنے والے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " اور اس خاتون کا ذکر کیجئے جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی، پس ہم نے اُس میں اپنی پسندیدہ روح پھونک دی اور اُن کو اور اُن کے بیٹے کو تمام جہان والوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنادیاO " (الانبیاء: ۹۱)

حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ

" وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ": یعنی حضرت مریم کا ذکر کیجئے جنہوں نے اپنی عصمت کی حفاظت کی۔ ان آیات کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر فرمایا، حالانکہ وہ انبیاء میں سے نہیں ہیں، تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر پورا ہو جائے۔ اسی لیے فرمایا: " فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ " اور یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے ان کو دو نشانیاں بنایا، کیونکہ ان کا قصہ تمام جہان والوں کے لیے نشانی ہے۔ الزجاج نے کہا: ان دونوں میں ایک نشانی ہے کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر مرد کے پیدا ہوئے۔ اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے: " يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ (التوبہ: ۶۲) " (منافقین آپ کے سامنے آپ کو راضی کرنے کی خاطر قسمیں کھاتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ ان کو راضی کرتے اگر وہ سچے مومن ہوتے)۔ جس طرح اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف واحد کی ضمیر راجع فرمائی ہے، اسی طرح حضرت مریم اور اُن کے بیٹے دونوں کی طرف واحد کی ضمیر راجع فرمائی ہے۔

اس آیت میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو تمام جہان والوں کے لیے نشانی بنادیا، ایک قول یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی نشانی یہ ہے کہ وہ پہلی عورت ہیں جن کی عبادت گاہ میں نذر قبول فرمائی اور اُن نشانیوں میں سے یہ نشانی ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت مریم علیہا السلام کو اپنے پاس سے رزق عطا فرمایا اور کسی بندہ کے ہاتھ پر اس رزق کو جاری نہیں فرمایا۔

" اَحْصَنَتْ ": یعنی انہوں نے اپنی عفت کی حفاظت کی اور بے حیائی کے کاموں سے باز رہیں۔ " فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا ": یعنی ہم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ وہ اُن کے چاک گریبان میں پھونک مارے، پھر ہم نے اس پھونک سے مریم کے پیٹ میں مسیح کو پیدا فرمادیا۔ " وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ": یعنی تمام مخلوق کے لیے ایک تعجب خیز علامت بنادیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی دلیل بنادیا۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ہم اپنی قدرت کو جہاں چاہیں جس طرح چاہیں نازل فرماتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " اے لوگو! یہ انبیاء کی جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں ہی تمہارا رب ہوں، سو تم میری ہی عبادت کروO " (الانبیاء: ۹۲)

" اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ": جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام توحید پر مجتمع ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور دیگر نے کہا: امت سے یہاں پر مراد دین ہے جو کہ دینِ اسلام ہے۔ رہے مشرکین تو انہوں نے ان تمام انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کی مخالفت کی۔

"وَ اَنَا رَبُّكُمْ": یعنی صرف میں تمہاری عبادت کا مستحق ہوں۔ "فَاعْبُدُوْنِ": سو تم صرف تنہا میری عبادت کرو۔ یعنی یہ تمہاری امت ہے جو توحید پر متفق ہے، پس جب تم اس سے تفرقہ کرو گے اور مخالفت کرو گے تو جو حق کی مخالفت کرے گا وہ برحق دین کا پیروکار نہیں ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور لوگوں نے اپنے دین کو باہم مختلف بنالیا، (حقیقت یہ ہے کہ) سب ہماری ہی طرف رجوع کرنے والے ہیں O" (الانبیاء: ۹۳)

"وَ تَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ": المکی نے کہا: یعنی انہوں نے دین میں اختلاف کرلیا اور اس سے مراد مشرکین ہیں۔ ان کی حق کی مخالفت کرنے کی وجہ سے مذمت فرمائی اور اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ عزوجل کو چھوڑ کر دیگر معبودانِ باطلہ کو اپنا معبود بنالیا۔ اس سے مراد تمام مخلوق ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے دین کی تقسیم کردی، ان میں سے بعض موحد تھے اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے والے تھے، اور بعض یہودی تھے اور بعض نصرانی تھے۔ بعض وہ تھے جو کسی فرشتہ کی عبادت کرتے تھے اور بعض وہ تھے جو کسی بت کی عبادت کرتے تھے۔

"كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ": یعنی وہ سب ہمارے ہی حکم کی طرف رجوع کریں گے، سو ہم اُن کو اُن کے اعمال کی جزا دیں گے۔

(الجامع لاحکام القرآن، جز ۱۱ ص ۲۹۸۔ ۲۹۷ ملخصاً وملتقطاً، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ، وتفاسیر قرطبی)

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ ۚ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾

پس جو شخص بھی نیک کام کرے گا بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی، اور بے شک ہم اس کے نیک اعمال کو لکھ رہے ہیں O

وَ حَرٰمٌ عَلٰى قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور جس بستی والوں کو ہم نے ہلاک فرمادیا، اُن کا اس بستی میں پلٹ کر آنا ممکن نہیں ہے O

حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾

حتیٰ کہ جب یاجوج اور ماجوج کی دیوار کھول دی جائے گی اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے O

وَ اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۹۷﴾

اور جب (قیامت کا) سچا وعدہ قریب آپہنچے گا تو اچانک کفار کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، (وہ کہیں گے:) ہائے افسوس! ہم اس دن سے غفلت میں رہے بلکہ ہم ہی ظلم کرنے والے تھے O

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۖ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿۹۸﴾

بے شک تم اور جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہو، اور تم (بھی) اس میں داخل ہونے والے ہو ○

لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَا وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۹۹﴾

اگر یہ بُت واقعی معبود ہوتے تو یہ دوزخ میں داخل نہ ہوتے، (اور یہ عابد اور معبود) ہر ایک دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○

لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿۱۰۰﴾

اُن کی دوزخ میں چیخ و پکار ہوگی اور وہ اس میں کچھ نہیں سن سکیں گے ○

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿۱۰۱﴾

جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے نیکی مقدر ہو چکی ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے ○

لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿۱۰۲﴾

وہ دوزخ کی ہلکی سی آواز بھی نہیں سن سکیں گے اور جن نعمتوں کو اُن کا دل چاہے گا وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے ○

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۱۰۳﴾

اُن کو اس دن کا ہولناک منظر غمزدہ نہیں کرے گا اور فرشتے یہ کہتے ہوئے اُن سے ملاقات کریں گے: یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ فرمایا گیا تھا ○

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿۱۰۴﴾

جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح خطوط کے انبار کو لپیٹ دیا جاتا ہے، جس طرح ہم نے انہیں پہلی بار پیدا فرمایا تھا اسی طرح اُن کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے بے شک ہم اس کو پورا فرمانے والے ہیں ○

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿۱۰۵﴾

اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے ○

إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ ﴿۱۰۶﴾

بے شک اس قرآن میں عبادت گزاروں کے لیے مکمل ہدایت ہے ○

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾

اور (اے رسول اکرم!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے صرف رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے O

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٨﴾

آپ کہیے: میری طرف صرف یہ وحی فرمائی جاتی ہے کہ بے شک تمہارے معبود، معبود واحد ہیں، پس کیا تم توحید پر ایمان لانے والے ہو O

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٩﴾

پس اگر یہ منہ پھیر لیں تو آپ کہیے: میں نے یکساں طور پر تم کو آگاہ کر دیا ہے، اور میں از خود نہیں جانتا کہ جس قیامت کا تم سے وعدہ فرمایا گیا ہے وہ قریب ہے یا دور ہے O

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿١١٠﴾

بے شک اللہ بہ آواز بلند کی ہوئی بات کو بھی جانتے ہیں اور اس بات کو بھی جانتے ہیں جس کو تم چھپاتے ہو O

وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿١١١﴾

اور میں از خود نہیں جانتا کہ شاید عذاب میں یہ تاخیر تمہاری آزمائش ہے یا ایک مقرر وقت تک تمہیں نفع دینا مقصود ہے O

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١١٢﴾ ع

نبی نے دعا کی: اے میرے رب! حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیں، اور ہمارے رب رحمٰن ہیں جن سے اے مشرکو! تمہاری غلط باتوں کے خلاف مدد طلب کی گئی ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس جو شخص بھی نیک کام کرے گا بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی، اور بے شک ہم اس کے نیک اعمال کو لکھ رہے ہیں O'' (الانبیاء: ٩٤)

نیک اعمال کے مقبول ہونے کے لیے ایمان کا شرط ہونا

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ٩٧٧ھ، الانبیاء: ٩٤ تا ١١٢ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ '': یعنی جو شخص صحیح بنیاد یعنی ایمان پر عمل کرے گا تو اس کے نیک اعمال کا انکار نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی قدردانی فرمائی جائے گی اور اس کو ثواب عطا فرمایا جائے گا۔ اور

اس کے نیک اعمال کو اس کے صحیفۂ اعمال میں لکھ دیا جائے گا، اور جس کو ہم نے ثابت کر دیا ہو وہ پھر ضائع نہیں ہوتا۔ اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص برے عمل کرے گا اور وہ حالتِ کفر میں ہوگا تو اس کے اعمال کا کوئی وزن نہیں کیا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جس بستی والوں کو ہم نے ہلاک فرما دیا، اُن کا اس بستی میں پلٹ کر آنا ممکن نہیں ہے O'' (الانبیاء: ٩٥)

جن بستیوں پر عذاب نازل فرمایا گیا، اُن کا ایمان نہ لانا

''وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن بستی والوں کو ہم نے ہلاک فرما دیا ہے اُن کے لیے ہلاک ہونے کے بعد اس بستی کی طرف لوٹنا حرام ہے۔ اور اس تقدیر پر لفظ ''لا'' زائد ہے۔ اور الزجاج نے کہا ہے: اس آیت کا معنی ہے کہ جن بستی والوں کو ہم نے ہلاک فرما دیا ہے یعنی اُن کی ہلاکت کا حکم فرما دیا ہے، اُن کے اعمال قبول نہیں کیے جائیں گے کیونکہ وہ رجوع نہیں کریں گے یعنی توبہ نہیں کریں گے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ جس نے حالتِ ایمان میں نیک اعمال کئے تو اس کے اُن نیک اعمال کی ناقدری نہیں کی جائے گی، یعنی اس کے اعمال قبول کیے جائیں گے، پھر اس کے بعد اس آیت میں فرمایا کہ کافر کے عمل کو قبول نہیں فرمایا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''حتیٰ کہ جب یاجوج اور ماجوج کی دیوار کھول دی جائے گی اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے O'' (الانبیاء: ٩٦)

قیامت کے وقوع کی نشانیاں

''حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ'': یعنی جب یاجوج اور ماجوج کی رکاوٹ یا دیوار کھول دی جائے گی اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے اور ٹیلوں کو عبور کرتے ہوئے آئیں گے اور بہت تیزی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔

النواس بن سمعان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کو بھیج دیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ اور بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد تمام مخلوق ہے یعنی تمام مخلوق قبروں سے نکلے گی، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ـــ(یس: ٥١)'' (پھر (دوسری بار) صور میں پھونکا جائے گا تو وہ سب لوگ یکدم قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے)۔

حضرت حذیفہ بن اُسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا: تم کیا ذکر کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا: ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو، پھر آپ نے دخان کا، دجال کا، دابۃ الارض کا، سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا، حضرت عیسیٰ بن مریم کے نزول کا، یاجوج اور ماجوج کے نکلنے کا، تین مرتبہ زمین کے دھنسنے کا ذکر فرمایا، ایک مرتبہ زمین مشرق میں دھنسے گی اور ایک مرتبہ مغرب میں دھنسے گی اور ایک مرتبہ جزیرۂ عرب میں دھنسے گی اور اخیر میں آگ یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو محشر کی طرف

لے جائے گی۔

(صحیح مسلم: ۲۹۰۱، سنن ترمذی: ۲۱۸۳، سنن ابوداؤد: ۴۳۱۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۳۸۰، ۱۱۳۸۴، سنن ابن ماجہ: ۴۰۴۱، شرح السنۃ للبغوی: ۴۲۳۵، مسند الحمیدی: ۸۲۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۱۶۳، صحیح ابن حبان: ۶۷۹۱، المعجم الکبیر للطبرانی: ۳۰۲۹، ۳۰۳۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور جب (قیامت کا) سچا وعدہ قریب آ پہنچے گا تو اچانک کفار کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، (وہ کہیں گے:) ہائے افسوس! ہم اس دن سے غفلت میں رہے بلکہ ہم ہی ظلم کرنے والے تھےO“ (الانبیاء:۹۷)

”وَ اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ“: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب یاجوج اور ماجوج کو کھول دیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا برحق وعدہ قریب آجائے گا۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اگر کوئی مرد اپنے گھوڑے کو یاجوج اور ماجوج کے نکلنے کے بعد تیار کرے تو اس پر سوار نہیں ہو سکے گا حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔ پھر کفار کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور وہ کہیں گے: ہائے افسوس! ہم نے اس دن کی کوئی تیاری نہیں کی تھی بلکہ ہم ظلم کرنے والے تھے کہ عبادت کو اس کے غیر محل میں رکھتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”بے شک تم اور جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہو، اور تم (بھی) اس میں داخل ہونے والے ہوO“ (الانبیاء:۹۸)

”اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ“: یعنی اے مشرکو! تم اور جن بتوں کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا: یعنی وہ جہنم کی لکڑیاں ہیں اور اہلِ یمن کی لغت میں الحصب لکڑیوں کو کہتے ہیں۔ اور عکرمہ نے کہا: یہ حبشہ کی لغت ہے۔ اور الضحاک نے کہا: ان لوگوں کو جہنم میں اس طرح جھونک دیا جائے گا جس طرح ایندھن کو جھونک دیا جائے گا اور حصب کا لغوی معنی ہے: پھینکنا، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ“ (القمر:۳۴) (بے شک ہم نے ان پر لوط کے گھر والوں کے سوا پتھراؤ کا عذاب بھیجا، ہم نے انہیں رات کے آخری حصہ میں بچا لیا)۔ یعنی ہوا نے ان کے اوپر پتھروں کو پھینک دیا۔

”اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ“: یعنی تم اس جہنم میں داخل ہونے والے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اگر یہ بت واقعی معبود ہوتے تو یہ دوزخ میں داخل نہ ہوتے، (اور یہ عابد اور معبود) ہر ایک دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیںO“ (الانبیاء:۹۹)

بتوں کی عبادت کا بطلان

”لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَاۤءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ“: یعنی اے مشرکو! جن کی تم عبادت کرتے ہو اگر یہ حقیقت میں معبود ہوتے تو ان کے عبادت گزار دوزخ میں داخل نہ ہوتے، حالانکہ یہ عبادت گزار اور معبود دونوں دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن کی دوزخ میں چیخ و پکار ہوگی اور وہ اس میں کچھ نہیں سن سکیں گے O''
(الانبیاء:١٠٠)

''لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ'': حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: جب دوزخ میں وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے تو اُن کو آگ کے تابوتوں میں ڈال دیا جائے گا، پھر اُن تابوتوں کو دوسرے تابوتوں میں ملا دیا جائے گا اور اُن پر آگ کی کیلیں ٹھونکی ہوئی ہوں گی، پس وہ کسی آواز کو نہیں سن سکیں گے۔

''اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ'' میں انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کا داخل نہ ہونا

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے اور وہاں پر حطیم کعبہ میں قریش کے سردار بیٹھے ہوئے تھے اور کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت تھے، پھر نضر بن الحارث آیا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی، پھر آپ نے اس کو خاموش کر دیا، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: ''اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ'' تو اس نے کہا: کیا یہود نے عزیر کی عبادت نہیں کی اور نصاریٰ نے المسیح کی عبادت نہیں کی اور بنو ملیح نے فرشتوں کی عبادت نہیں کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ انہوں نے شیاطین کی عبادت کی ہے جس نے ان کو ان کی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے نیکی مقدر ہو چکی ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے O'' (الانبیاء:١٠١)

''اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ'': یعنی جن لوگوں کے متعلق ہم نے ازل میں عاقبتِ حُسنیٰ کو مقدر فرما دیا تھا، وہ اللہ کی رحمت کی وجہ سے جہنم سے دور رکھے جائیں گے، کیونکہ انہوں نے اچھی طرح عبادت کی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے اور نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا تو ابن الزبعریٰ خاموش ہو گیا اور وہ کوئی جواب نہ دے سکا، پس لوگ ہنسنے لگے۔ اور ابن الزبعریٰ اس کے بعد اسلام لے آئے۔ رضی اللہ عنہ۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی مدح فرمائی۔ اور ایک جماعت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس آیت سے مراد بت ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ'' (اور جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہو)، اور اگر اس آیت سے مراد فرشتے اور دیگر لوگ ہوتے تو اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتے: ''وَمَنْ تَعْبُدُوْنَ''، کیونکہ لفظِ ''مَا'' غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے اور بت غیر ذوی العقول ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر اور فرشتے ذوی العقول ہیں لہٰذا وہ ''مَا تَعْبُدُوْنَ'' کے عموم میں داخل نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ''وَمَنْ تَعْبُدُوْنَ'' نہیں فرمایا، اس لیے حضرت عیسیٰ، عزیر اور ملائکہ اس میں داخل نہیں ہیں۔

اور روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب یہ آیت: ''اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ'' پڑھتے تو پھر فرماتے: ''میں بھی اِن لوگوں میں سے ہوں اور ابو بکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبد الرحمٰن بن عوف اور ابن الجراح بھی ان میں سے ہیں'' پھر نماز کی اقامت کہی گئی تو وہ اپنا تہبند گھسیٹتے ہوئے گئے اور یہ کہہ رہے تھے:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ دوزخ کی ہلکی سی آواز بھی نہیں سن سکیں گے اور جن نعمتوں کو اُن کا دل چاہے گا اُن میں ہمیشہ رہیں گے O'' (الانبیاء: ۱۰۲)

جنت کی نعمتوں کا دوام

''لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ '': یعنی وہ پست آواز بھی نہیں سنیں گے چہ جائیکہ بلند آواز سنیں۔ اور وہ لوگ جو پہلے نیک کام کر چکے ہیں اُن کو جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ خواہش کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ ۚ وَ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَ اَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (الزخرف: ۷۱)'' (اُن پر سونے کے تھالوں اور صراحیوں کا دور چلے گا اور جنت میں ہر وہ چیز ہوگی کہ دل جس کی فرمائش کریں اور آنکھیں جس سے لطف اندوز ہوں گی۔ اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے)۔ یعنی جنت کی نعمتیں اُن پر ہمیشہ رہیں گی اور اُن کا سرور اور اُن کی خوشی منقطع نہیں ہوگی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن کو اس دن کا ہولناک منظر غمزدہ نہیں کرے گا اور فرشتے یہ کہتے ہوئے اُن سے ملاقات کریں گے: یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ فرمایا گیا تھا O'' (الانبیاء: ۱۰۳)

''اَلْفَزَعُ الْاَكْبَرُ'' کا مصداق

''لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ '': حسن بصری نے کہا: ''اَلْفَزَعُ الْاَكْبَرُ'' سے مراد ہے جب کسی بندے کو دوزخ میں جھونکنے کا حکم دیا جائے گا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد دوسری بار صور میں پھونکنا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ كُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ۔ (النمل: ۸۷)'' (اس دن کا تذکرہ کیجئے جب صور میں پھونکا جائے گا تو جن کو اللہ چاہے گا ان کے علاوہ آسمانوں اور زمینوں کے سب لوگ انتہائی دہشت زدہ ہو جائیں گے اور سب ان کی بارگاہ میں عاجزانہ حاضر ہوں گے)۔ ابن جریج نے کہا: یہ وہ وقت ہے جب موت کو ذبح کیا جائے گا اور یہ ندا کی جائے گی: اے دوزخ والو! تم بغیر موت کے ہمیشہ رہو گے۔ اور سعید بن جبیر نے کہا: یہ وہ وقت ہے جب جہنم اُن پر منطبق ہو جائے گا، اور یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ جہنم میں سے جن کو نکالنا چاہے گا نکالیں گے، اور فرشتے اُن کا استقبال کریں گے۔ علامہ بغوی نے کہا: جنت کے دروازوں پر فرشتے اہلِ جنت کا استقبال کریں گے اور اُن کو مبارکباد دیں گے۔ اور علامہ جلال الدین محلی نے کہا: جب وہ قبروں سے نکلیں گے تو اس وقت فرشتے اُن کا استقبال کریں گے۔ اور اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ دونوں وقتوں میں فرشتے اُن کا استقبال کریں اور فرشتے اُن سے کہیں گے: ''هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ '' یعنی یہی تم کو ثواب عطا فرمانے کا وقت ہے جس کا تم سے تمہارے رب نے دنیا میں وعدہ فرمایا تھا، پس تم اُن تمام نعمتوں کی خوش خبری لو جن سے تم خوش ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح خطوط کے انبار کو لپیٹ دیا

جاتا ہے، جس طرح ہم نے انہیں پہلی بار پیدا فرمایا تھا اسی طرح اُن کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے بے شک ہم اس کو پورا فرمانے والے ہیں O ''(الانبیاء: ١٠٤)

''السِّجِلِّ'' کے معانی

''يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ'':
یہ اس دن ہوگا جس دن ہم تمام آسمانوں کو لپیٹ لیں گے گویا کہ وہ تھے ہی نہیں۔

''كَطَيِّ السِّجِلِّ'': ''السِّجِلِّ'' کے معنی میں اختلاف ہے، بعض نے کہا: یہ وہ لکھنے والا ہے جس کو اپنے لکھے ہوئے پر قدرت ہوتی ہے۔ ''لِلْكُتُبِ'' یعنی قرطاس اور کاغذ جس پر کوئی شخص لکھ کر کسی کو بھیجتا ہے۔ السدی نے کہا: یہ وہ فرشتہ ہے جو بندوں کے اعمال لکھتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ وہ کاتب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھتا تھا اور کتاب سے مراد وہ صحیفہ ہے جس پر لکھا جاتا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور اکثر مفسرین نے کہا: ''السِّجِلِّ'' کا معنی ہے: صحیفہ اور اس آیت کا معنی ہے: جس طرح صحیفہ کو اپنے مکتوب پر لپیٹ دیا جاتا ہے اور ''الطّی'' کا معنی ہے لپیٹنا اور یہ کھولنے کی ضد ہے۔ اور یہ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ ''السِّجِلِّ'' کا اطلاق کتاب پر بھی کیا جاتا ہے اور کاتب پر بھی کیا جاتا ہے، القاموس میں اسی طرح مذکور ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ سات آسمانوں کو اور اُن میں جو مخلوق ہے اور سات زمینوں کو اور اُن میں جو مخلوق ہے سب کو اپنے دائیں ہاتھ سے لپیٹ لیں گے یعنی اپنی قدرت سے حتیٰ کہ وہ سب رائی کے دانہ کی طرح ہو جائیں گے۔

''كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما ہوئے، آپ نے نصیحت فرمائی، پس فرمایا: اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے سامنے جمع کیے جاؤ گے، ننگے پیر، ننگے بدن، غیر مختون۔ یعنی جس طرح ہم نے لوگوں کو اُن کی ماؤں کے پیٹ سے نکالا تھا تو وہ ننگے پیر، ننگے بدن اور غیر مختون تھے، اسی طرح ہم انہیں قیامت کے دن لوٹائیں گے۔ اور اس کی نظیر یہ آیت ہے: ''وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔۔۔ (الانعام: ٩٤)'' (اور بے شک اب تم ہمارے پاس اسی طرح تنہا آئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار (تنہا) پیدا فرمایا تھا)۔

''وَعْدًا عَلَيْنَا'': اللہ تعالیٰ نے بطور تاکید اس کا مکرر ذکر فرمایا اور یہ اضافہ فرمایا: ''اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ'' یعنی ہماری شان یہ ہے کہ ہم جس چیز کا ارادہ فرماتے ہیں اسے کر ڈالتے ہیں اور اس میں ہمیں کوئی مشکل نہیں ہوتی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے O ''(الانبیاء: ١٠٥)

''الزَّبُوْرِ'' کا مصداق

''وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ'': سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا ہے کہ زبور سے مراد اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی تمام کتابیں ہیں اور ذکر سے مراد اُم الکتاب یعنی لوح محفوظ ہے جو اُن کے پاس ہے۔ اور اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور الضحاک نے کہا کہ الزبور سے مراد

تورات ہے اور ذکر سے مراد وہ کتابیں ہیں جو تورات کے بعد نازل فرمائی گئی ہیں۔ اور الشعبی نے کہا: زبور سے مراد حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب ہے اور ذکر سے مراد تورات ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ زبور سے مراد حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب ہے اور ذکر سے مراد قرآن مجید ہے۔

اور دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں "الْاَرْضَ" سے مراد ہے جنت کی سرزمین۔ یعنی جنت کی سرزمین کے نیک لوگ وارث ہوں گے جو اہلِ ذکر کے اخلاق سے متخلق ہوں گے اور اپنے ربِ واحد کی طرف متوجہ ہوں گے اور قیامت سے ڈرنے والے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی شوکت سے اور اُن کے رعب سے ڈرنے والے ہوں گے اور اُن کی رحمت کی طرف رغبت کرنے والے ہوں گے، اور یہ ہر صالح شخص کے حق میں عام ہے اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے اور اس کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے: "وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۔ (الزمر: ٧٤)" (اور جنتی کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جنہوں نے ہمیں (جنت عطا فرما کر) اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہمیں زمینِ جنت کا وارث بنایا کہ ہم اس کے جس حصے میں چاہیں رہیں، پس نیک عمل کرنے والوں کا ثواب بہت اچھا ہے)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس زمین سے مراد کفار کی سرزمینیں ہیں جن کو مسلمان فتح کریں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کا حکم دینِ اسلام کے غلبہ اور مسلمانوں کے اعزاز کے لیے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ "الْاَرْضَ" سے مراد ارضِ مقدس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ "الْاَرْضَ" سے مراد جنسِ ارض ہے جو تمام دنیا کی زمینوں کو شامل ہے اور محشر کی زمین کو اور جنت کی زمین کو بھی شامل ہے، اور اس کے علاوہ اور محمل بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک اس قرآن میں عبادت گزاروں کے لیے مکمل ہدایت ہے O" (الانبیاء: ١٠٦)

"اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا": یعنی اس قرآن میں مقصود تک پہنچنے کا بیان ہے، یعنی مقصود تک پہنچنے کی کفایت ہے اور امام رازی نے کہا ہے: اس میں اشارہ اُن خبروں کی اور وعد اور وعید اور مواعظ بالغہ کی طرف ہے جن کا اس سورت میں ذکر ہے۔

"لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ": یعنی اُن لوگوں کے لیے جو نیکیوں پر عمل کرنے والے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو نیکیوں کے عالم ہیں۔ اور امام رازی نے کہا: پہلا معنی زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ وہ علم اور عمل دونوں کو جامع ہے، کیونکہ علم درخت کی مثل ہے اور عمل پھل کی مثل ہے اور جو درخت بغیر پھل کے ہو وہ غیر مفید ہوتا ہے اور جو پھل بغیر درخت کے ہو تو وہ قائم نہیں رہتا۔ کعب احبار نے کہا: اس کا مصداق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے جو پانچ نمازیں پڑھتی ہے اور رمضان کے روزے رکھتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور (اے رسولِ اکرم!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے صرف رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے O" (الانبیاء: ١٠٧)

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ" کے مختلف تراجم

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ": یعنی ہم نے آپ کو احوال میں سے کسی حال میں نہیں بھیجا مگر اس حال میں بھیجا ہے کہ آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ آسمان والوں کے لیے اور زمین والوں کے لیے اور جنات کے لیے اور انسانوں کے

لیے۔ اور اس شرف کا زیادہ اظہار اس وقت ہوگا جب شفاعتِ عظمیٰ کے وقت آپ کی رحمت کا عموم ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ تمام اولین و آخرین کو جمع فرمائیں گے اور تمام فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے اور اپنے لیے کسی شفاعت کرنے والے کو طلب کر رہے ہوں گے، سو وہ اکابر انبیاء میں سے ہر نبی کا قصد کریں گے، پھر بعض انبیاء انہیں دوسرے انبیاء کی طرف بھیجیں گے اور ان میں سے ہر نبی یہ کہے گا: میں اس منصب کے لیے مقرر نہیں کیا گیا حتیٰ کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے تو آپ فرمائیں گے: میں ہی اس منصب کے لیے مقرر فرمایا گیا ہوں۔ (صحیح البخاری: ۴۷۱۰، صحیح مسلم: ۱۹۳)۔ اور آپ کے ساتھ حمد کا جھنڈا قائم ہوگا، پس اللہ عزوجل آپ کی شفاعت قبول فرمائیں گے اور یہ وہ مقام محمود ہے جس پر اولین اور آخرین رشک کریں گے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی متوفی ۱۳۶۴ھ، الانبیاء: ۱۰۷ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"اور ہم نے (ایسے مضامین نافع دے کر) آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں یعنی مکلفین پر مہربانی کرنے کے لیے"۔ (تفسیر بیان القرآن مع ترجمہ ج ۲ ص ۵۰۶، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ، الانبیاء: ۱۰۷ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کر جہان کے لوگوں پر"۔

(ترجمہ قرآن ص: ۴۳۱، مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، سعودیہ عربیہ)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء، الانبیاء: ۱۰۷ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"اے محمد! ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے"۔

(تفہیم القرآن، ج ۳ ص ۱۸۹، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۱۲ء)

شیخ عبد الماجد دریا بادی متوفی ۱۹۷۷ء، الانبیاء: ۱۰۷ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"اور ہم نے آپ کو (اے پیمبر) دنیا جہان پر (اپنی) رحمت ہی کے لئے بھیجا ہے"۔

(تفسیر ماجدی مع ترجمہ ص ۶۹۶، پاک کمپنی، لاہور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، الانبیاء: ۱۰۷ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے"۔

صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ، الانبیاء: ۱۰۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کوئی ہو، جن ہو یا انس، مومن ہو یا کافر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور کا رحمت ہونا عام ہے ایمان والے کے لئے بھی اور اس کے لئے بھی جو ایمان نہ لایا، مومن کے لئے تو آپ دنیا و آخرت دونوں میں رحمت ہیں، اور جو ایمان نہ لایا اس کے لئے آپ دنیا میں رحمت ہیں کہ آپ کی بدولت تاخیر عذاب ہوئی اور خسف و مسخ اور استیصال کے عذاب اٹھا دیئے گئے۔ تفسیر روح البیان میں اس آیت کی تفسیر میں اکابر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمتِ مطلقہ، تامہ، کاملہ، شاملہ، جامعہ، محیطہ بہ جمیع مقیدات، رحمت غیبیہ و شہادت علمیہ و عینیہ و وجودیہ و شہودیہ و سابقہ و لاحقہ وغیر ذالک، تمام جہانوں

کے لئے عالم ارواح ہوں یا عالم اجسام، ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول اور جو تمام عالموں کے لئے رحمت ہو لازم ہے کہ تمام جہان سے افضل ہو۔ (تفسیر خزائن العرفان مع ترجمہ کنز الایمان ص ۶۱۶۔۶۱۷، مکتبۃ المدینہ، کراچی ۱۴۳۲ھ)

علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام کے لئے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام ممکنات کے لیے اُن کی استعدادات کے اعتبار سے فیض الٰہی کا واسطہ ہیں، اسی لیے آپ کا نور اول المخلوقات ہے۔ (روح المعانی جز ۱۷ ص ۱۵۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ابن زید نے کہا: یعنی آپ مومنین کے لیے خصوصیت سے رحمت ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آپ کا رحمت ہونا عام ہے خواہ کوئی شخص ایمان لایا ہو یا ایمان نہ لایا ہو، اور جو ایمان لایا آپ اس کے لیے دنیا اور آخرت میں رحمت ہیں، اور جو آپ پر ایمان نہیں لایا آپ اس کے لیے دنیا میں رحمت ہیں کہ اُن سے عذاب اٹھالیا جائے گا، اور اُن کے چہرے مسخ نہیں کیے جائیں گے اور اُن کو زمین میں دھنسایا نہیں جائے گا اور اُن پر بالکلیہ عذاب نہیں آئے گا۔ (السراج المنیر)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: میری طرف صرف یہ وحی فرمائی جاتی ہے کہ بے شک تمہارے معبود معبودِ واحد ہیں، پس کیا تم توحید پر ایمان لانے والے ہو O'' (الانبیاء: ۱۰۸)

توحید پر ایمان لانے کی تاکید

''قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ'': یعنی مجھ پر جو معبود کے معاملہ میں وحی کی جاتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ تمہارے معبود صرف معبودِ واحد ہیں، اور تم جو شرک کا دعویٰ کرتے ہو اس کی میری طرف وحی نہیں کی جاتی، اور جب کہ وحی اس طریقہ پر وارد ہوتی ہے تو وہ اس کو واجب کرتی ہے کہ صرف اللہ عزوجل کی توحید کا اقرار کیا جائے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس کیا تم توحید پر ایمان لانے والے ہو۔ یعنی میری طرف جو وحدانیت کی وحی کی جاتی ہے، کیا تم اس کو تسلیم کرنے والے ہو؟

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس اگر یہ منہ پھیر لیں تو آپ کہیے: میں نے یکساں طور پر تم کو آگاہ کر دیا ہے، اور میں از خود نہیں جانتا کہ جس قیامت کا تم سے وعدہ فرمایا گیا ہے وہ قریب ہے یا دور ہے O'' (الانبیاء: ۱۰۹)

''فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ'': یعنی اگر یہ منہ پھیر لیں تو میں تم سب سے اعلانِ جنگ کر دیتا ہوں اور اس کو خاص نہیں کرتا اور ہمارے درمیان صلح نہیں ہوگی۔ یعنی اگر تم ایمان نہیں لائے تو تمہارے ساتھ بہر حال جنگ ہوگی اور صلح نہیں ہوگی۔

وقتِ وقوعِ قیامت کا کسی کو علم نہ ہونا

''وَ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ'': اور میں از خود نہیں جانتا کہ تم سے جو قیامت کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ قیامت قریب آنے والی ہے یا ابھی دور ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وقتِ وقوعِ قیامت پر (ابھی تک) مطلع نہیں فرمایا، لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ وہ لامحالہ آنے والی ہے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ میں از خود نہیں جانتا کہ اگر تم ایمان نہیں لائے تو تم پر کب عذاب آئے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ بہ آوازِ بلند کی ہوئی بات کو بھی جانتے ہیں اور اس بات کو بھی جانتے ہیں

جس کو تم چھپاتے ہو O" (الانبیاء: ۱۱۰)

"اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ": یعنی اللہ عزوجل ہر چیز کے عالم ہیں، یعنی تم جو بلند آواز سے میرے سامنے اسلام میں طعن کرتے ہو، اس کو بھی اللہ عزوجل جانتے ہیں اور جو تم اپنے دلوں کے اندر کینہ اور حسد کو چھپاتے ہو اس کو بھی وہ جانتے ہیں اور تمہیں وہ ان سب کاموں پر جزا عطا فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور میں از خود نہیں جانتا کہ شاید عذاب میں یہ تاخیر تمہاری آزمائش ہے یا ایک مقرر وقت تک تمہیں نفع دینا مقصود ہے O" (الانبیاء: ۱۱۱)

"وَ اِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ": یعنی میں از خود نہیں جانتا کہ دنیا میں تم سے جو عذاب کو موخر فرمایا ہے یہ تمہارا امتحان ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر فرمائیں کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو، اور ایک مقرر وقت تک یعنی تمہاری موت تک تمہیں نفع اٹھانے کی مہلت عطا فرمائی ہے تاکہ یہ تمہارے خلاف حجت ہو جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "نبی نے دعا کی: اے میرے رب! حق کے ساتھ فیصلہ فرمادیں، اور ہمارے رب رحمٰن ہیں جن سے اے مشرکو! تمہاری غلط باتوں کے خلاف مدد طلب کی گئی ہے O" (الانبیاء: ۱۱۲)

"قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ": نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے ہمارے رب! ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمادیں، یعنی اہلِ مکہ کے درمیان یا جن پر عذاب آنا برحق ہو چکا ہے اُن کے درمیان فیصلہ فرمادیں اور اُن پر مہربانی نہ کریں اور اُن پر شدت کریں جیسے آپ نے دعا کی تھی: آپ مُضر پر اپنی گرفت کو سخت فرمادیں۔ (صحیح البخاری: ۸۰۴، صحیح مسلم: ۶۷۵)۔ اور آپ نے دعا کی کہ ہمارے رب رحمٰن ہیں، یعنی مخلوق پر شفقت فرمانے والے ہیں۔ "الْمُسْتَعَانُ": اُن سے مدد طلب کی گئی ہے۔ "عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ": اُن باتوں کے خلاف جو تم اللہ تعالیٰ کے متعلق کرتے ہو، اور مشرکین کی یہ خواہش تھی کہ اُن کو شوکت اور غلبہ حاصل ہو، اللہ تعالیٰ نے اُن کے ظنون کی تکذیب فرمادی اور اُن کی آرزوؤں کو ناکام فرمادیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی مدد فرمائی اور کفار کو ذلیل و رسوا فرمایا۔

(السراج المنیر، ج ۳ ص ۲۶۴۔۲۷۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ، وتفاسیر اخریٰ)

الحج ۲۲
اقترب للناس ۱۷
الحج
(۲۲)
305
جلد چہارم
تبیان القرآن
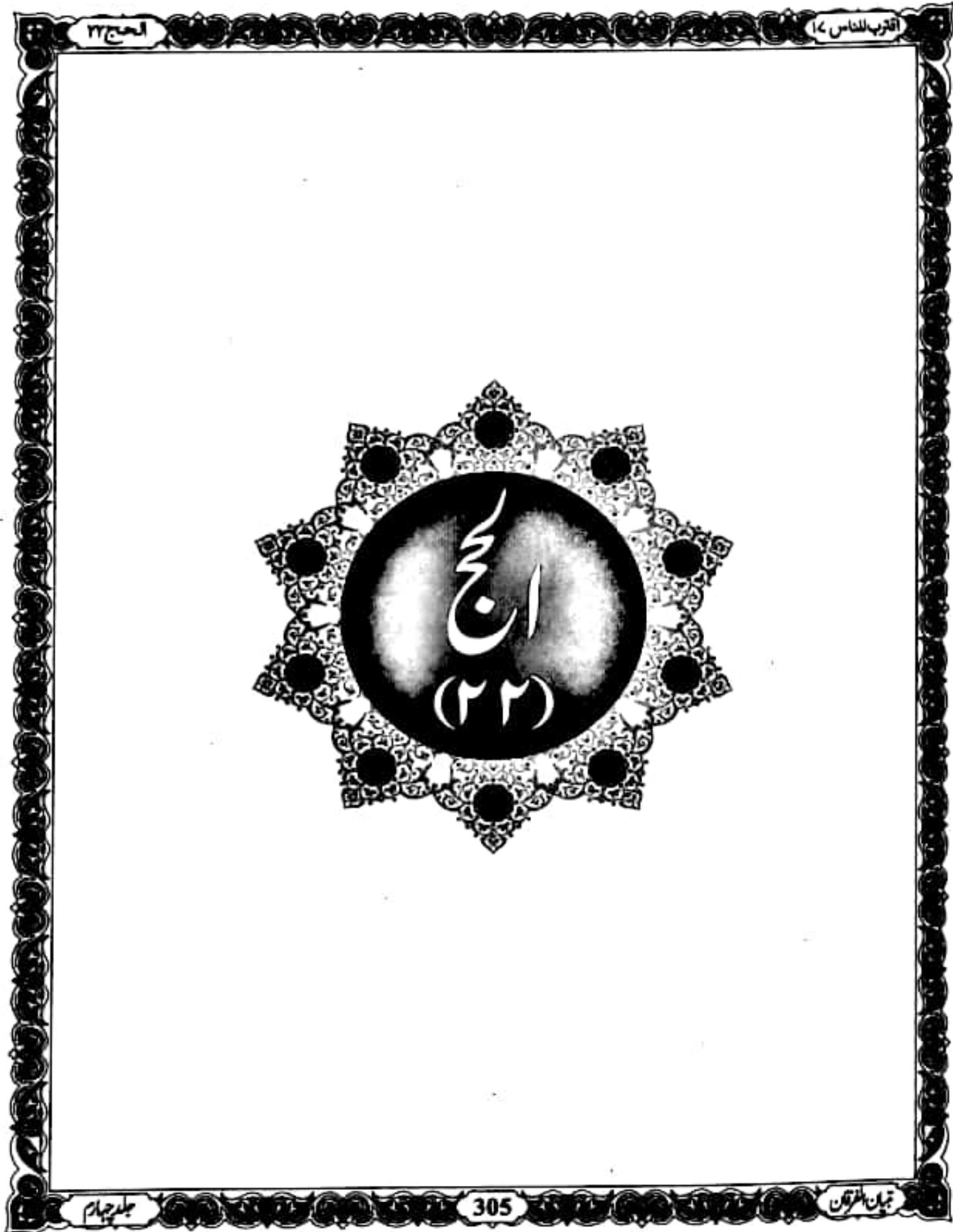
سورۃ الحج کا اجمالی تعارف

سورۃ الحج کا نام

اس سورت کا نام سورۃ الحج ہے، کیونکہ اس سورت میں حج اور قربانی کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں، اس لیے اس سورت کو سورۃ الحج کے نام سے موسوم فرمایا گیا ہے۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ سورت مکی زندگی میں نازل ہوئی یا مدنی زندگی میں نازل ہوئی۔ مکی زندگی میں صبر کرنے، مسلمانوں کی جماعت کو مضبوط بنانے، نماز کو پابندی کے ساتھ پڑھنے، روزے رکھنے اور اخلاق تعلیم پر زور دیا گیا ہے۔ اور حج کی فرضیت اور جہاد کی مشروعیت مدنی دور میں ہوئی، اس لیے بعض مفسرین اس سورت کو مدنی سورت کہتے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ اس سورت کی بعض آیات مکی زندگی میں نازل ہوئی ہیں اور چھ آیات یا کم وبیش مدنی دور میں نازل ہوئی ہیں، اس لحاظ سے اس سورت کو مدنی اور مکی سورتوں کا مرکب بھی کہا جاتا ہے۔

سورۃ الحج کے مشمولات

اس سورت میں حج کی فرضیت کو بیان فرمایا ہے اور حج کے مناسک اور احکام بیان فرمائے ہیں اور کفار اور مشرکین سے قتال کی مشروعیت کو بیان فرمایا ہے، اور اللہ عزوجل پر ایمان لانے اور ان کی توحید کا حکم دیا گیا ہے، اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور اس پر استدلال کو بیان فرمایا ہے اور اعمال کی جزا بیان فرمائی ہے۔ اور بیان فرمایا ہے کہ نیک مسلمان جنت میں ہوں گے اور کفار دوزخ میں ہوں گے، اور منافقین کے خسارے کو بیان فرمایا ہے، اور مسجد حرام کی حرمت کو بیان فرمایا ہے اور اس کی فرضیت اور اس کے مناسک بیان فرمائے ہیں، اور کفار اور مشرکین جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچاتے تھے اس پر آپ کو تسلی فرمائی گئی ہے اور ان کی تکذیب فرمائی ہے، اور جن بستیوں والے شرک اور کفر کر کے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے، ان کی ہلاکت کو بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ نیک انجام صرف متقین کا ہوگا، اور جو لوگ قرآن مجید کی تکذیب کرتے ہیں، ان کو عذاب سے ڈرایا ہے، اور جو مومنین نیک عمل کرتے ہیں اُن کو جنت کی بشارت فرمائی ہے۔

اور شرعی احکام بیان فرمائے ہیں کہ نماز قائم کی جائے اور زکوٰۃ ادا کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا جائے اور بندوں کے حقوق ادا کیے جائیں، اور بتایا ہے کہ دین اسلام پر عمل کرنا آسان ہے مشکل نہیں ہے، پھر ان کو حکم فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین، قرآن اور اسلام کے ساتھ اپنے آپ کو لازم رکھیں اور بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اپنی امت پر شہادت دیں گے اور آپ کی امت تمام گزشتہ امتوں کے متعلق شہادت دے گی کہ اُن کے انبیاء علیہم السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دی تھی۔

اس سورت کا نام سورۃ الحج رکھنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس سورت میں الحج کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۔۔۔(الحج: ۲۷)“ (اور آپ لوگوں میں حج کرنے کا اعلان کر دیجئے، لوگ آپ کے پاس پیدل اور ہر قسم کے دُبلے پتلے اونٹوں پر (بھی) دور دراز کے ہر راستہ سے آئیں گے)۔ اگرچہ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران میں بھی حج کا ذکر ہے لیکن وجہ تسمیہ کا جامع اور مانع ہونا ضروری نہیں ہے۔

آیاتہا ۷۸ | ۲۲ سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۳ | رکوعاتہا ۱۰

(سورۃ الحج مدنی ہے اور اس میں اٹھتر آیات اور دس رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی ہولناک چیز ہے O

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②

تم اس دن دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی عورت اپنے اس بچے کو بھول جائے گی جس کو وہ دودھ پلا رہی تھی، اور ہر حاملہ عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا، اور تم لوگوں کو اس طرح دیکھو گے کہ وہ حالت نشہ میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے O

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③

اور بعض لوگ بغیر علم کے اللہ کے متعلق جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں O

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④

جس کے متعلق یہ مقدر کر دیا گیا ہے کہ جو شخص شیطان سے دوستی رکھے گا وہ اس کو گمراہ کر دے گا اور اس کو دوزخ کے عذاب کا راستہ دکھائے گا O

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ

فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ۝۵

اے لوگو! اگر تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ فرمائے جانے کے متعلق شک میں مبتلاء ہو (تو یاد رکھو) پس بے شک ہم نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے، پھر نطفہ سے پیدا فرمایا ہے، پھر جمے ہوئے خون سے پیدا فرمایا ہے، پھر گوشت کی بوٹی سے پیدا فرمایا ہے، جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی تا کہ ہم تم پر اپنی تخلیق کو ظاہر فرمائیں، اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک معین مدت تک (ماں کے) رحموں میں رکھتے ہیں، پھر تم کو بچپن کی صورت میں نکالتے ہیں تا کہ تم جوانی کی عمر کو پہنچ جاؤ اور تم میں سے بعض (پہلے) مرجاتے ہیں اور تم میں سے بعض کو عمر کے بدترین حصہ تک پہنچا دیا جاتا ہے جس میں وہ بہت کچھ جاننے کے بعد بالکل بے علم ہوجاتے ہیں، اور اے مخاطب! تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک ہوتی ہے، پھر جب ہم اس پر بارش نازل فرماتے ہیں تو وہ تر وتازہ ہوجاتی ہے اور ابھر آتی ہے اور طرح طرح کی پررونق چیزیں اگاتی ہے ○

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶

کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہیں اور بے شک وہی مُردوں کو زندہ فرماتے ہیں، اور بے شک وہی ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں ○

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۷

اور بے شک قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو زندہ فرما کر اٹھائیں گے جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں ○

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۸

اور لوگوں میں سے ایک ایسا شخص ہے جو بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے اللہ کے متعلق جھگڑا کرتا ہے ○

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۹

وہ تکبر سے گردن موڑے ہوئے ہے تا کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے گمراہ کرے، اس کے لیے دنیا میں رُسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو جلانے والا عذاب چکھائیں گے ○

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۱۰ ع ۸

یہ تیرے اُن کفریہ کاموں کی سزا ہے جو تو نے پہلے کیے تھے اور بے شک اللہ بندوں پر بالکل ظلم نہیں فرماتے ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی ہولناک چیز ہے ○'' (الحج:۱)

ابواللیث نصر بن محمد بن احمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ ، الحج:۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ": اللہ عزوجل فرماتے ہیں: تم اپنے رب کی اطاعت کرو۔ اور ایک قول یہ ہے کہ تم اپنے رب سے ڈرو۔ "اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ": یعنی قیامت کا زلزلہ بہت ہولناک چیز ہے، اور زلزل اور زلزال کا معنی شدید ہولناک حرکت ہے، یہ اُن کے اس قول سے ماخوذ ہے "زلت قدمہ" یعنی جلدی سے وہ اپنی جہت سے زائل ہو جائے۔

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ ، لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے: "اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا۔ (الزلزال:۱)" (جب زمین اپنے مقررہ زلزلہ سے پوری شدت سے ہلا دی جائے گی)۔ اور لسان العرب میں لکھا ہے کہ ابن الانباری نے کہا: الزلزلۃ کا معنی ہے: ڈرانا اور خوف زدہ کرنا۔ اور الزلازل کا معنی ہے ہولناک امور اور شدائد۔ اور جب لوگوں کے دلوں میں خوف ڈال دیا جائے، حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دن دعا فرمائی: "اللّٰھم منزل الکتاب، سریع الحساب، اھزم الاحزاب، وزلزل بھم" اے اللہ! کتاب کو نازل فرمانے والے، جلد حساب لینے والے کافروں کی جماعتوں کو شکست دے اور ان کے قدم اکھاڑ دے۔

(صحیح البخاری: ۴۱۱۵، ۴۳۹۲، صحیح مسلم: ۱۷۴۲، سنن ابن ماجہ: ۲۷۹۶، سنن ترمذی: ۱۶۷۸، صحیح ابن خزیمہ: ۲۷۷۶، مسند ابی عوانہ ۶۵۷۴، صحیح ابن حبان: ۴۸۲۳، شرح السنہ للبغوی: ۱۳۵۳، کشف المشکل: ۶۹۱، السنۃ الموضوی الجامع للکتب الحمر، ج ۵ ص ۲۷۵)

(تاج العروس من جواہر القاموس، جز ۲۹ ص ۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ ، الحج:۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ": حسن بصری نے کہا: قیامت سے پہلے ایسی نشانیاں ہوں گی جو توبہ اور ایمان کے قبول ہونے کے درمیان حائل ہو جائیں گی، اُن میں سے ایک وہ زلزلہ ہے جس کا ذکر فرمایا گیا ہے اور اُن میں سے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے اور دجال کا نکلنا ہے اور دابۃ الارض کا ظہور ہے اور یاجوج اور ماجوج کا نکلنا ہے اور اس کی مثالیں ہیں۔ اور یا ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ اَوْ یَاْتِیَ رَبُّكَ اَوْ یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ؕ۔ (الانعام:۱۵۸)" (یہ کفار اس کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا ان کے پاس آپ کے رب آجائیں یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آجائے، جس دن آپ کے رب کی بعض (مخصوص) نشانیاں آجائیں گی اس دن کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک کام نہ کیا ہو)۔ اور ہمارے نزدیک یہ جائز ہے کہ یہ نشانیاں توبہ اور ایمان کے قبول ہونے کی انتہاء ہوں، ان نشانیوں کے ظہور کے وقت تک توبہ اور ایمان کو قبول فرمایا جائے گا اور ان نشانیوں کے ظہور کے بعد توبہ اور ایمان کو قبول نہیں فرمایا جائے گا خواہ کوئی توبہ کرے اور ایمان لے آئے۔

"زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ": یعنی قیامت سے پہلے جو زلزلہ آئے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد خود قیامت ہے۔

بعض مفسرین نے کہا: "زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ" یہ قیامت ہے، اس کی صفت شدت اور گھبراہٹ کے ساتھ کی گئی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تم اس دن دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی عورت اپنے اس بچہ کو بھول جائے گی جس کو وہ دودھ پلا رہی تھی، اور ہر حاملہ عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا، اور تم لوگوں کو اس طرح دیکھو گے کہ وہ حالتِ نشہ میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے O'' (الحج: ۲)

''یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا'': یعنی ہر دودھ پلانے والی قیامت کے احوال کی شدت سے دودھ پلانے سے اعراض کرے گی اور ہر حاملہ عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا، یہ اُن لوگوں کے قول کے مطابق ہے جو کہتے ہیں کہ قیامت کا زلزلہ قیامت سے پہلے آئے گا، کیونکہ دودھ پلانے والی کا دودھ کو چھوڑنا اور حاملہ عورت کے حمل کا ساقط ہونا یہ اُس زلزلہ کی ہولناکیوں کی وجہ سے ہوگا اور اس کی نظیر یہ آیت ہے: ''یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ ۔۔(عبس: ۳۴-۳۶)'' (جس دن (عام) انسان بھاگے گا اپنے بھائی سے O اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے O اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے)۔ یعنی اگر دنیا میں کسی کو ایسی ہولناکیاں پہنچیں تو وہ اس دن کی شدت اور ہولناکیوں کی وجہ سے اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر بھاگ جاتے۔

''وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ'': یعنی اگر لوگوں میں سے کسی کو یہ قوت دی گئی ہو کہ وہ اُن کو دیکھیں تو وہ اُن کو حالتِ نشہ میں معلوم ہوں گے، حالانکہ وہ حقیقت میں نشہ میں نہیں ہوں گے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: اے آدم! پس وہ کہیں گے ''لبیک وسعدیک'' میں حاضر ہوں، آپ کے حکم کی اطاعت کے لیے کھڑا ہوں۔ اور تمام بھلائی آپ کے ہاتھوں میں ہے، انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: دوزخ میں بھیجے ہوئے لوگوں کو نکالو تو وہ کہیں گے: دوزخ میں بھیجے ہوئے کتنے لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ہر ایک ہزار میں سے نوسوننانوے (دوزخ میں ہیں)، پس یہ وہ وقت ہے جب بچے بوڑھے ہو جائیں گے: ''وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ'' (اور ہر حاملہ عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا، اور تم لوگوں کو اس طرح دیکھو گے کہ وہ حالتِ نشہ میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے)، سو یہ بات صحابہ کو بہت سخت معلوم ہوئی، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ ایک شخص ہم میں سے کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: تمہیں بشارت ہو تم میں سے ایک شخص ہوگا اور ایک ہزار یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے، پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میری یہ خواہش ہے کہ تم اہلِ جنت کا تیسرا حصہ ہو۔ ابوسعید نے بیان کیا: پس ہم نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میری خواہش ہے کہ تم اہلِ جنت کا نصف ہو، بے شک تمام امتوں میں تمہاری مثال ایسی ہے جیسے سیاہ بیل کی کھال میں ایک سفید بال ہو۔ یا وہ سفید داغ جو گدھے کے اگلے پیر میں ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۳۴۸، ۴۷۴۱، ۶۵۳۰، ۷۴۸۳، صحیح مسلم: ۲۲۲، مسند احمد: ۱۰۸۹۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بعض لوگ بغیر علم کے اللہ کے متعلق جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں O'' (الحج: ۳)

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ": جولوگ بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے متعلق جھگڑا کرتے ہیں، اس آیت میں اُس جھگڑے کی تفصیل ذکر نہیں کی گئی ہے، مفسرین نے اس جھگڑے کی حسب ذیل وجوہ بیان کی ہیں:

(۱) بعض لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مشیت میں جھگڑا کرتے ہیں۔

(۲) بعض لوگ اس میں جھگڑا کرتے ہیں کہ یہ عالَم قدیم ہے یا حادث ہے۔

(۳) بعض لوگ اس بات میں جھگڑا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واحد ہیں یا ان کے کئی عدد ہیں۔

(۴) بعض لوگ انبیاء علیہم السلام کی اور رُسُل عظام کی بعثت میں جھگڑا کرتے ہیں۔

(۵) بعض لوگ کتابوں کے نازل کرنے میں جھگڑا کرتے ہیں۔

(۶) بعض لوگ اس بات میں جھگڑا کرتے ہیں کہ کون سے دین پر عمل کرنے کی اللہ تعالیٰ نے دعوت دی ہے۔

اور اس طرح اُن کے جھگڑوں کی بہت مثالیں ہیں اور اُن کا ہر جھگڑا بغیر علم کے تھا، کیونکہ اگر وہ اس جہان میں غور وفکر کرتے تو جان لیتے کہ اس عالَم کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور یہ خود بہ خود وجود میں نہیں آیا، اور اگر وہ غور وفکر کرتے تو وہ جان لیتے کہ اس عالَم کو پیدا کرنے والا واحد ہے، کیونکہ اس جہان کا تمام نظام ایک نظم پر قائم ہے، اگر یہاں متعدد خدا ہوتے تو پھر متعدد نظام ہوتے، وحدت نظام کی وحدتِ ناظم کی وحدت پر دلالت کرتی ہے، اور وہ یہ جان لیتے کہ اس جہان کا بنانے والا عالم ہے اور بذاتہٖ قادر ہے، اور اگر وہ یہ غور کرتے کہ مخلوق میں سے کسی کی یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست احکام حاصل کرسکے، اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو اور نبیوں کو بھیجیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام بندوں تک پہنچائیں، اور اگر وہ غور وفکر کرتے تو وہ یہ جان لیتے کہ اس جہان کی ہر چیز پیدا ہونے کے بعد فنا ہو جاتی ہے تو ضرور یہ پورا جہان بھی فنا ہو جائے گا، پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اس جہان میں کئی ظالم سزا کے بغیر رہ جاتے ہیں اور کئی مظلوم بغیر جزا کے رہ جاتے ہیں، تو ضروری ہوا کہ اس جہان کے بعد کوئی اور جہان ہو جس میں ظالم کو اس کے ظلم پر سزا دی جائے اور مظلوم کو اس کی مظلومیت پر جزا دی جائے۔ سو اگر یہ لوگ صحیح غور وفکر سے کام لیتے تو جان لیتے کہ اس جہان کے کوئی پیدا فرمانے والے ہیں اور وہ واحد ہیں، اور یہ جہان فنا ہوگا اور اس کے بعد دوسرا جہان ہوگا جس میں جزا اور سزا کا نظام قائم ہوگا۔

"وَ يَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ": یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شیطان سے مراد معروف شیطان ہو اور گمراہ لوگ اس کی گمراہی کی دعوت پر لبیک کہتے ہوں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہو جو شیطان کے عمل کے مطابق عمل کرتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سرکش شیاطین اپنے متبعین کی طرف جو وسوسے ڈالتے ہیں وہ اُن کی پیروی کرتا ہے جیسے فرمایا: "وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۔۔ (الانعام: ۱۲۱)" (اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں ضرور وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ شیاطین انسانوں میں سے اپنے دوستوں کی طرف وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ اہلِ حق سے جھگڑا کریں۔ اور دوسری آیت میں فرمایا: "وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۔۔ (الصافات: ۷)" (اور ہم نے اسے ہر سرکش شیطان سے خوب محفوظ فرمایا)۔ بعض مفسرین نے کہا: "مَارِدٍ" کا معنی ہے: ہر وہ جو عناد اور مکابرہ میں متمرد ہو تو وہ مارد ہے یعنی عناد میں بہت زیادہ سرکشی کرتا ہو۔ اور بعض مفسرین نے کہا: "مَارِدٍ" وہ ہے جو اپنی جنس میں سے سرکشی کرنے میں حد

سے بڑھنے والا ہو، اسی وجہ سے جس کی ڈاڑھی نہ آئے اس کو امرد کہتے ہیں، کیونکہ وہ مردوں کی جنس سے متجاوز ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس کے متعلق یہ مقدر کردیا گیا ہے کہ جو شخص شیطان سے دوستی رکھے گا وہ اس کو گمراہ کردے گا اور اس کو دوزخ کے عذاب کا راستہ دکھائے گا O'' (الحج: ۴)

''كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ'': بعض مفسرین نے کہا: شیطان کے اوپر یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو اُس سے دوستی رکھے گا اور اُس کی پیروی کرے گا وہ اس کو گمراہ کردے گا اور اُس کو دوزخ کے عذاب کا راستہ دکھائے گا۔ اور دوسری آیت میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ''۔ (لقمان: ۲۱)'' (اور جب انہیں کہا جائے: تم اُس کلام کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں: ''بلکہ ہم تو اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا'' کیا (یہ اپنے باپ دادا ہی کی پیروی کریں گے) اگرچہ شیطان انہیں دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو)۔ اور بعض مفسرین نے کہا کہ جن لوگوں نے شیطان سے دوستی رکھی یا اُس کی پیروی کی، اُن پر یہ لکھ دیا گیا ہے کہ شیطان اُن کو گمراہ کردے گا اور اُن کو گمراہی اور ہلاکت کی طرف دعوت دے گا۔ اور ''كُتِبَ'' کا یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ لوح محفوظ میں یہ ثابت کردیا گیا ہے کہ جو شخص شیطان سے دوستی رکھے گا اور اُس کی پیروی کرے گا تو وہ اس کو گمراہ کردے گا اور قرآن مجید کی کئی آیات میں شیطان کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت کی گئی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے لوگو! اگر تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ فرمائے جانے کے متعلق شک میں مبتلا ہو (تو یاد رکھو) پس بے شک ہم نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے، پھر نطفہ سے پیدا فرمایا ہے، پھر جمے ہوئے خون سے پیدا فرمایا ہے، پھر گوشت کی بوٹی سے پیدا فرمایا ہے، جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی تاکہ ہم تم پر اپنی تخلیق کو ظاہر فرمائیں، اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک معین مدت تک (ماں کے) رحموں میں رکھتے ہیں، پھر تم کو بچپن کی صورت میں نکالتے ہیں تاکہ تم جوانی کی عمر کو پہنچ جاؤ اور تم میں سے بعض (پہلے) مرجاتے ہیں اور تم میں سے بعض کو عمر کے بدترین حصہ تک پہنچادیا جاتا ہے جس میں وہ بہت کچھ جاننے کے بعد بالکل بے علم ہوجاتے ہیں، اور اے مخاطب! تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک ہوتی ہے، پھر جب ہم اس پر بارش نازل فرماتے ہیں تو وہ تر و تازہ ہوجاتی ہے اور ابھر آتی ہے اور طرح طرح کی پر رونق چیزیں اگاتی ہے O'' (الحج: ۵)

''يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ'':

اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ اس آیت کی یہ تفسیر کی گئی ہے: تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے متعلق کیوں شک کرتے

ہو اور انکار کرتے ہو، اور تمہارا انکار صرف اس وجہ سے ہے کہ تم مرنے کے بعد مٹی ہو جاؤ گے یا پانی ہو جاؤ گے، حالانکہ تم اپنی پیدائش کے حال کی ابتداء میں مٹی اور پانی تھے، پھر کس طرح تم مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے ہو۔

یا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ فرمانے کا کس طرح انکار کرتے ہو حالانکہ تم دیکھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو نطفہ سے جمے ہوئے خون کی طرف منتقل فرمایا اور جمے ہوئے خون سے گوشت کی بوٹی کی طرف منتقل فرمایا۔ اگر تمہارا مرنے کے بعد زندہ ہونا مقصود نہ ہوتا تو پھر تمہارا ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا عبث ہوتا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ" (المؤمنون:۱۱۵) "(کیا تم نے یہ گمان کیا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا فرمایا اور تم ہماری بارگاہ میں پیش نہیں کیے جاؤ گے؟) یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دوبارہ زندہ کیے جانے کے لیے پیدا نہ فرمایا ہوتا تو پھر مخلوق کو پیدا فرمانا عبث ہوتا۔ یا جیسے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے: "فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ الایۃ"۔ اور اگر تمام حکمائے بشر اور علماء مجتمع ہوں تاکہ یہ جان لیں کہ کس سبب سے بشر کو مٹی سے یا نطفہ سے پیدا فرمایا ہے تو وہ اس پر قادر نہیں ہوں گے۔ پس جو ابتداءً اس جہان کو پیدا فرمانے پر قادر ہیں مٹی سے یا نطفہ سے بغیر کسی سبب کے تو وہ ضرور ان کو دوبارہ پیدا فرمانے پر بھی قادر ہوں گے، اور تمہاری عقلوں میں کسی چیز کو دوبارہ بنانا اس کو ابتداءً بنانے سے زیادہ آسان ہے تو جو ابتداءً بشر کو پیدا فرمانے پر قادر ہیں وہ دوبارہ اس کو پیدا فرمانے پر زیادہ قادر ہوں گے۔

"مُّخَلَّقَةٍ": بعض مفسرین نے کہا: یعنی مکمل انسان بنا دیتے ہیں۔ "وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ": یعنی اس کو ناقص الخلق بناتے ہیں۔ یعنی پہلے اس کے اعضاء مکمل بناتے ہیں اور کبھی اس کے اعضاء نامکمل بناتے ہیں۔

"لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ ؕ وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا": یعنی چھ ماہ سے لے کر دو سال تک انسان کی تکمیل فرماتے ہیں، پھر اس کو ماؤں کے پیٹ سے بچپن کی حالت میں نکالتے ہیں۔ "ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ": بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد تینتیس سال کی عمر ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد اٹھارہ سال سے لے کر تیس سال تک کی عمر ہے۔ اور اشد کا معنی ہے کہ ہر چیز اپنی قوت کو پہنچ جائے اور اس کے اعضاء اور جوارح قوی ہو جائیں اور اس کی عقل کامل ہو جائے۔

"لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ": یعنی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور سلطنت کو ظاہر فرمائیں کہ جو ذات مٹی کو انسان اور بشر بنانے پر قادر ہے اور نطفہ سے علقہ یعنی جمے ہوئے خون کو بنانے پر قادر ہیں، وہ اس بات پر بھی قادر ہیں کہ جب انسان مٹی ہو جائے تو وہ اس کو دوبارہ زندہ فرما دیں۔

یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ بیان فرمائیں کہ تین اندھیروں میں بچہ کن احوال سے گزرتا ہے اور وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا ہے تاکہ لوگ یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور تدبیر کو بیان فرمائیں کہ وہ کس طرح انسان کو مٹی سے نطفہ بناتے ہیں اور نطفہ سے انسان بنا دیتے ہیں، اور اگر تمام بشری علماء اور حکماء اس کے سبب کو جاننا چاہیں کہ کس طرح انسان مٹی سے بشر بنتا ہے تو وہ اس پر قادر نہیں ہوں گے، اس لیے لوگ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں، عالم ہیں، قادر ہیں، اور کسی اور نے ان کو تعلیم نہیں دی اور نہ کسی اور نے ان کو قدرت دی ہے، پس جن کی یہ شان ہو تو ان کو ایک چیز دوسری چیز کے بنانے سے عاجز نہیں کر سکتی۔

"وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى": اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی جوانی تک پہنچ جاتے ہیں۔

"اَرْذَلِ الْعُمُرِ" کی متعدد تفسیریں

"وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ": اور بعض وہ ہیں جو عمر کے بدترین حصہ تک پہنچتے ہیں۔ اور جوں جوں وقت گزرتا ہے، اُن کی عقل اور جسمانی طاقت کم ہوتی جاتی ہے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ۔ (الروم: ۵۴)" (اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہیں کمزور مادے (نطفہ) سے پیدا فرمایا، پھر تمہیں کمزوری کے بعد طاقت (جوانی) عطا فرمائی، پھر طاقت کے بعد کمزوری (پیرانہ سالی) اور بالوں کی سفیدی دی، وہ جو چاہتے ہیں پیدا فرماتے ہیں اور وہ عظیم علم اور بڑی قدرت والے ہیں)۔

الخفی نے کہا: "اَرْذَلِ الْعُمُرِ" سے مراد سخت بڑھاپا ہے۔

مصعب بن سعد بن ابی وقاص از والد خود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ان کلمات دعائیہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح تمہیں کتابت سکھائی جاتی ہے: اے اللہ! میں بخل سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں، اور میں بزدلی سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں، اور میں اس سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاؤں، اور میں دنیا کے فتنہ اور عذاب قبر سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۸۲۲، ۶۳۶۵، ۶۳۷۰، ۶۳۷۴، ۶۳۹۰، سنن ترمذی: ۳۵۶۷، سنن نسائی: ۷: ۵۴۴، مسند احمد: ۱۶۲۳)

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، لکھتے ہیں:

ارذل عمر کا معنی ہے: ایسا بڑھاپا جس میں قوت اور عقل کم ہو جائے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۰۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اس قدر بوڑھے ہو جائیں گے کہ ان کی عقل فاسد اور خراب ہو جائے گی اور وہ عالم ہو جانے کے بعد جاہل ہو جائیں گے تاکہ اللہ تم کو اپنی قدرت دکھائیں کہ جس طرح وہ مارنے اور زندہ فرمانے پر قادر ہیں، اسی طرح وہ عالم بنانے کے بعد جاہل بنانے پر قادر ہیں۔ (زاد المسیر ج ۳ ص ۳۶۷)

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عکرمہ نے کہا ہے: جو شخص قرآن پڑھتا رہتا ہے وہ اس حالت تک نہیں پہنچتا۔

(السراج المنیر، ج ۳ ص ۲۷۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

"لِكَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْــٴًـا": تاکہ جن چیزوں کو وہ پہلے جانتا تھا، اُن کو نہ جان سکے۔

"وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً": پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور سلطنت کا ذکر فرمایا کہ تم زمین کو مردہ یعنی بنجر دیکھتے ہو، وہ بالکل خشک ہوتی ہے۔ "فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ": پھر جب وہ اُس پر بارش کا پانی نازل فرماتے ہیں تو وہ زمین اُگنے لگتی ہے اور اس کی فصل اور کھیتی زیادہ ہو جاتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَّ اٰوَیْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ۔ (المؤمنون: ۵۰)" (اور انہیں ایک بلند اور قابل رہائش جگہ پناہ عطا فرمائی جہاں چشمے جاری تھے)۔

"وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ": "بَهِیْجٍ" کا معنی ہے حسن۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور سلطنت کی خبر دیتے ہیں کہ جو اس

پر قادر ہیں کہ جو خشک اور مردہ زمین کو سرسبز اور بارونق بنادیں، وہ انسان کو مرنے کے بعد اور مٹی ہونے کے بعد دوبارہ زندہ فرمانے پر بہ طریق اولیٰ قادر ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہیں اور بے شک وہی مُردوں کو زندہ فرماتے ہیں، اور بے شک وہی ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں O'' (الحج: ٦)

''ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'': یعنی اللہ تعالیٰ تمام اوصاف کمال کے جامع ہیں اور وہ واحد برحق ہیں اور بے شک وہی مُردوں کو زندہ فرمائیں گے۔ یعنی وہ اس پر قادر ہیں، کیونکہ انہوں نے نطفہ کو اور مُردہ زمین کو زندہ فرمایا، اور بے شک وہ اپنی تمام مخلوق پر قدرت رکھنے والے ہیں۔ ''اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰس: ٨٢)''، اور جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس سے فرماتے ہیں کہ ''ہو'' پس وہ ہو جاتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو زندہ فرما کر اٹھائیں گے جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں O'' (الحج: ٧)

''وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ'': اور بے شک قیامت آنے والی ہے جس میں تمام مخلوق کا حشر کیا جائے گا اس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے اور اس کے انکار کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے، کیونکہ اللہ عزوجل اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتے، اور یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو بغیر حساب کے چھوڑ دیں۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ قبر میں پڑے ہوئے مُردوں کو اپنے وعدہ کے مطابق زندہ فرمائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قیامت کا بھی وعدہ فرمایا ہے اور مُردوں کو دوبارہ زندہ فرمانے کا بھی وعدہ فرمایا ہے، پس ضروری ہے کہ اپنے وعدہ کو پورا فرمائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور لوگوں میں سے ایک ایسا شخص ہے جو بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے اللہ کے متعلق جھگڑا کرتا ہے O'' (الحج: ٨)

''وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ'': یعنی لوگوں میں سے بعض بغیر کسی مشاہدہ کے اور بغیر کسی عقلی دلیل کے اور بغیر کسی وحی کے اللہ تعالیٰ کی ذات میں جھگڑتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''بِغَيْرِ عِلْمٍ'' کا معنی یہ ہو کہ جس کے پاس علم ہو، اس سے اذعان کے بغیر اور جس کے پاس دلیل ہو اس سے دلیل معلوم کیے بغیر اور جس کے پاس کتاب ہو اس سے علم حاصل کیے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات میں جھگڑتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ آیت ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُن کی قدرت میں اور اُن کی صفات میں بغیر علم کے جھگڑا کرتے ہیں اور بغیر اس کے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں اور انبیاء میں سے کسی سے سنا ہو یا انہوں نے کسی روشن کتاب میں پڑھا ہو۔ اور یہ معلوم ہے کہ جب یہ تینوں چیزیں نہ ہوں تو اس کا جھگڑا محض باطل ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ''وَ مِنَ النَّاسِ'' کو مکرر فرمایا ہے جس طرح باقی قصوں کو مکرر فرمایا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”وہ تکبر سے گردن موڑے ہوئے ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کرے، اس کے لیے دنیا میں رُسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو جلانے والا عذاب چکھائیں گے O“ (الحج:۹)

”ثَانِیَ عِطْفِهٖ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ نُذِیْقُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِیْقِ“: بعض لوگوں میں سے وہ شخص ہے جو تکبر سے گردن اکڑاتا ہے اور ایمان لانے سے انکار کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِیْۤ اُذُنَیْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔(لقمان:۷)“ (اور جب اسے ہماری (قرآنی) آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتے ہوئے مونہہ پھیر کر چل دیتا ہے جیسے اس نے وہ (آیات) سنی ہی نہیں اور جیسے کہ اس کے کانوں میں بہرہ پن ہے، پس اسے دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے)۔ اس آیت میں ”عطف“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: دائیں جانب یا بائیں جانب گردن پھیرنا۔ ”لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ“: یہ اس کے جھگڑا کرنے کا سبب ہے۔ یعنی اس کے جھگڑا کرنے کی صرف یہ غرض ہے کہ وہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے گمراہ کرے۔ ”لَهٗ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ“: اس کے لیے دنیا میں ذلت اور رسوائی ہے اگرچہ اس کے ڈھیل دینے کا زمانہ بہت لمبا ہو۔ اس کو ڈھیل اس لیے دی جاتی ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کرے اور گمراہی سے ہدایت کی طرف پلٹ آئے۔

”وَّ نُذِیْقُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِیْقِ“: حسن بصری نے کہا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ اُن میں سے کسی ایک کو دن میں ستر ہزار مرتبہ آگ میں جلایا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”یہ تیرے اُن کفریہ کاموں کی سزا ہے جو تو نے پہلے کیے تھے اور بے شک اللہ بندوں پر بالکل ظلم نہیں فرماتے O“ (الحج:۱۰)

”ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ یَدٰكَ“: یہ عذابِ عظیم تمہارے ہاتھوں سے کیے ہوئے اُن کاموں کی وجہ سے ہے جو تم نے کر کے بھیجے ہیں، یعنی تمہارے اعمال کی وجہ سے لیکن عرب کی عادت ہے کہ اعمال کی اضافت ہاتھوں کی طرف کرتے ہیں، کیونکہ ہاتھ عمل کرنے کا اکثر آلہ ہوتے ہیں۔ ”وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ“: اور اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال پر اضافہ نہیں فرماتے اور مبالغہ نہیں فرماتے اور اُن کے اعمال پر بالکل ظلم نہیں فرماتے۔

(تاویلات اہل السنۃ، ج ۷ ص ۳۸۷۔ ۳۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، السراج المنیر، ج ۳ ص ۲۸۳۔ ۲۸۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَیْرُ ِ۟اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِ۟انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ۫ خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ (۱۱)

اور بعض لوگ ایک کنارے پر کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، پس اگر اُن کو اچھائی پہنچے تو وہ مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر اُن کو کوئی آزمائش پہنچے تو وہ اپنے مونہہ کے بل پلٹ جاتے ہیں، انہوں نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی، یہی کھلا ہوا نقصان ہے O

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَ مَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۚ﴿۱۲﴾

وہ اللہ کو چھوڑ کر اُن بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع دے سکتے ہیں، یہی (حق سے) بہت دور کی گمراہی ہےO

یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَ لَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

وہ اُن خود ساختہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں جن کا نقصان اُن کے نفع سے زیادہ قریب ہے، وہ برا مددگار ہے اور اس کا ساتھی بھی براہےO

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾

بے شک اللہ اُن مومنین کو جنہوں نے نیک اعمال کیے تھے، ایسی جنتوں میں داخل فرمائیں گے جن جنتوں کے نیچے دریا بہتے ہیں، بے شک اللہ وہی کرتے ہیں جس کا وہ ارادہ فرماتے ہیںO

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾

جس کا یہ گمان ہو کہ اللہ اپنے نبی کی دنیا اور آخرت میں ہرگز مدد نہیں فرمائیں گے، اسے چاہیے کہ وہ آسمان تک ایک رسی لٹکائے، پھر اس رسی کو کاٹ لے، پھر یہ دیکھے کہ کیا اس کی اس تدبیر نے اس کے غیظ وغضب کو دور کر دیا ہے!O

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

اور اسی طرح ہم نے قرآن میں واضح آیات نازل فرمائی ہیں اور بے شک اللہ اسی کو ہدایت عطا فرماتے ہیں جس کو چاہتے ہیںO

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـِٕيْنَ وَ النَّصٰرٰى وَ الْمَجُوْسَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا ۖۗ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾

بے شک اللہ مومنین اور یہودیوں اور ستارہ پرستوں اور عیسائیوں اور مجوسیوں اور مشرکین کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ فرمادیں گے، بے شک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والے ہیںO

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ

وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿١٨﴾

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ بے شک آسمانوں والے اور زمینوں والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں، اور بہت سے وہ لوگ بھی جو عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں، اور جس کی اللہ اہانت فرمائیں، اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں ہے، بے شک اللہ جو چاہیں وہ کرتے ہیں ○

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ز فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿١٩﴾

(مسلمان اور کافر) یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا، سو جنہوں نے کفر کیا اُن کے لیے آگ کے کپڑے تیار کیے گئے ہیں، اُن کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا ○

يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿٢٠﴾ ؕ

جس سے جو کچھ اُن کے پیٹوں میں ہے اور اُن کی کھالوں میں ہے سب کچھ پگھل جائے گا ○

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿٢١﴾

اور اُن کو مارنے کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے ○

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٢٢﴾ ع

جب بھی (عذاب کے) غم سے وہاں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے، ان کو اسی دوزخ میں لوٹا دیا جائے اور (اُن سے کہا جائے گا:) اب جلانے والی آگ کے عذاب کو چکھو ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بعض لوگ ایک کنارے پر کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، پس اگر اُن کو اچھائی پہنچے تو وہ مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر اُن کو کوئی آزمائش پہنچے تو وہ اپنے مونہہ کے بل پلٹ جاتے ہیں، انہوں نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی، یہی کھلا ہوا نقصان ہے ○'' (الحج:١١)

الحج:١١ کے متعدد شان نزول

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ٣١٠ھ، الحج:١١ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ '': الضحاک نے کہا: یہ آیت ان دیہاتیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اپنے دیہاتوں سے ہجرت کر کے مدینہ آتے تھے، ان میں سے جب کوئی شخص مدینہ آتا اور اس کو مدینہ کی آب و ہوا موافق آجاتی، اس کی گھوڑی اچھے بچے جنتی اور اس کی بیوی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا اور اس کے مال اور مویشی بڑھ جاتے تو وہ خوش اور مطمئن ہوتا اور کہتا: جب سے میں اس دین میں داخل ہوا ہوں مجھے بھلائی اور اچھائی ہی ملی ہے، اور اگر وہ مدینہ آ کر بیمار پڑ جاتا، اس کی بیوی لڑکی جنتی اور اس کے مال میں نقصان ہو جاتا اور صدقات دیر سے ملتے تو شیطان اسے آ کر بہکاتا اور وہ کہتا: اللہ کی قسم! جب سے میں اس دین میں داخل ہوا ہوں مجھے شر اور مصائب ہی ملے ہیں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: '' وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ''۔

(جامع البیان ج ۱۶ ص ۴۳-۴۷، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۲۲ھ)

علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الحج: ۱۱ تا ۲۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی کہ ایک شخص مدینہ آتا، اگر اس کی بیوی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا اور اس کے گھوڑوں کی نسل میں افزائش ہوتی تو وہ کہتا: یہ اچھا دین ہے اور اگر اس کی بیوی کے ہاں بچہ پیدا نہ ہوتا اور اس کے گھوڑوں میں افزائش نہ ہوتی تو وہ کہتا: یہ برا دین ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۷۴۲، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۲۰ ص ۲۱۸، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر ج ۸ ص ۶۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: '' وہ اللہ کو چھوڑ کر اُن بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع دے سکتے ہیں، یہی (حق سے) بہت دور کی گمراہی ہے O '' (الحج: ۱۲)

'' يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ '': یہ اُس منافق کا بیان ہے جو دنیا سے منافع اور فوائد نہ ملنے کی وجہ سے کفرِ ظاہر کی طرف پلٹ گیا اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرنے لگا، جو بت کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں، یہ بہت دور کی گمراہی میں ہے، یہ بہت دور کی گمراہی اس لیے ہے کہ وہ یہ سمجھ کر کفر کی طرف لوٹا تھا کہ ظاہراً اسلام قبول کرنے سے تو اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا، اب اُس کے خود ساختہ معبود اسے کوئی فائدہ پہنچائیں گے، حالانکہ اس کے خود ساختہ معبود تو بالکل جامد، بے بس اور لاچار ہیں، اُن سے کسی فائدہ کی توقع رکھنا بہت دور کی گمراہی ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی کسی حکمت کی وجہ سے کوئی خیر روک لیتے ہیں، اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے مایوس ہو کر بتوں کی طرف مائل ہوتا اور شرک کی طرف جھک جاتا جو سخت جہالت اور بہت دور کی گمراہی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: '' وہ اُن خود ساختہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں جن کا نقصان اُن کے نفع سے زیادہ قریب ہے، وہ برا مددگار ہے اور اس کا ساتھی بھی برا ہے O '' (الحج: ۱۳)

مذکورہ دو آیتوں میں تعارض کا جواب

'' يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ '': اس سے پہلے آیت میں فرمایا تھا کہ بت کوئی نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ اُن کا نقصان پہنچانا ان کے نفع پہنچانے سے زیادہ قریب ہے، اس کا معنی

ہے: وہ ضرر پہنچا سکتے ہیں اور یہ تعارض ہے۔ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) بت فی نفسہا ضرر نہیں پہنچاتے لیکن ان کی عبادت کرنا اخروی عذاب اور ضرر کا سبب ہے، اور سبب کے اعتبار سے ان کی طرف ضرر کی اضافت کی ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کے متعلق فرمایا: ''رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ۔۔ (ابراہیم:۳۶)'' (اے میرے رب! ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے)۔ حالانکہ بت خود گمراہ نہیں کرتے، گمراہی کا سبب ہیں۔ پس سبب کے اعتبار سے ان کی طرف اضافت فرمائی۔

(۲) واقع میں بت نفع اور ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہیں لیکن بہ فرض محال یہ مان بھی لیا جائے تو ان کا ضرر پہنچانا نفع دینے سے زیادہ ہے۔

(۳) کفار جب اپنے دل میں انصاف کریں گے تو جان لیں کہ دنیا میں ان بتوں سے ان کو نفع یا ضرر حاصل نہیں ہوا، پھر جب وہ آخرت میں ان بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے عذاب عظیم کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ تمہارا ضرر تمہارے نفع سے بہت زیادہ ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ اُن مومنین کو جنہوں نے نیک اعمال کیے تھے، ایسی جنتوں میں داخل فرمائیں گے جن جنتوں کے نیچے دریا بہتے ہیں، بے شک اللہ وہی کرتے ہیں جس کا وہ ارادہ فرماتے ہیں O'' (الحج:۱۴)

''اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ'':
بے شک اللہ اُن مومنین کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائیں گے جنہوں نے نیک اعمال کیے تھے، جن جنتوں کے نیچے دریا بہتے ہیں، بے شک اللہ وہی کرتے ہیں جس کا وہ ارادہ فرماتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس کا یہ گمان ہو کہ اللہ اپنے نبی کی دنیا اور آخرت میں ہرگز مدد نہیں فرمائیں گے، اسے چاہیے کہ وہ آسمان تک ایک رسی لٹکائے، پھر اس رسی کو کاٹ لے، پھر یہ دیکھے کہ کیا اس کی اس تدبیر نے اس کے غیظ و غضب کو دور کر دیا ہے! O'' (الحج:۱۵)

''مَنْ كَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ ثُمَّ لْیَقْطَعْ فَلْیَنْظُرْ هَلْ یُذْهِبَنَّ كَیْدُهٗ مَا یَغِیْظُ'': یعنی جو شخص یہ گمان کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا اور آخرت میں مدد نہیں فرمائیں گے، اسے چاہیے کہ وہ رسی آسمان کی طرف لٹکائے، اور آسمان سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک گھر کی چھت ہے، یعنی اپنے گھر کی چھت میں ایک رسی باندھے، پھر اپنا گلا گھونٹ لے حتیٰ کہ مر جائے، پھر گلا گھونٹنے کے بعد اس رسی کو کاٹ لے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ رسی کو کاٹ لے حتیٰ کہ وہ رسی کٹ جائے اور وہ مر جائے اور وہ گلا گھٹ کر مر جائے۔ پھر غور کرے کہ کیا اس کی یہ تدبیر اس کے غیظ و غضب کو دور کرتی ہے یا نہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ غیظ سے گلا گھٹ کر مر جائے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ایسا کرے، کیونکہ گلا گھٹنے کے بعد اور مرنے کے بعد اس کا غور کرنا ممکن نہیں ہے، اور یہ ایسا ہے جیسے کسی حاسد سے کہا جائے کہ اگر تم راضی نہیں ہو تو اپنا گلا گھونٹ لو اور غیظ سے مر جاؤ۔

اور ابن زید نے کہا کہ آسمان سے مراد معروف آسمان ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ جس کا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہرگز مدد نہیں فرمائیں گے، وہ اپنی تدبیر کرے اور آسمان کی طرف رسی ڈال کر اس کو کاٹ لے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو وحی نازل فرمائی جاتی ہے اس کو روک لے اور دیکھے کیا وہ اس تدبیر سے اپنے غیظ وغضب کو دور کر سکتا ہے یا نہیں۔

اور روایت ہے کہ یہ آیت اسد اور غطفان کے متعلق نازل ہوئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اسلام کی دعوت دی اور اُن کے درمیان یہودی تھے تو انہوں نے کہا: ہمارے لیے اسلام لانا ممکن نہیں ہے، کیونکہ ہمیں یہ خطرہ ہے کہ کہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کی جائے اور اُن کا دین غالب نہ ہو جائے، پھر ہمارے اور یہودیوں کے درمیان جو حلف ہے وہ منقطع ہو جائے، پھر وہ ہماری مدد نہیں کریں گے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اسی طرح ہم نے قرآن میں واضح آیات نازل فرمائی ہیں اور بے شک اللہ اسی کو ہدایت عطا فرماتے ہیں جس کو چاہتے ہیں O'' (الحج:١٦)

''وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ'': جس طرح ہم نے قرآن مجید کی یہ آیات نازل فرمائی ہیں اسی طرح ہم نے باقی قرآن کو بھی نازل فرمایا ہے جس میں واضح آیات ہیں، جن کی نظم معجز ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں، ہدایت عطا فرماتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ مومنین اور یہودیوں اور ستارہ پرستوں اور عیسائیوں اور مجوسیوں اور مشرکین کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ فرمادیں گے، بے شک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والے ہیں O'' (الحج:١٧)

''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـِٕيْنَ وَ النَّصٰرٰى وَ الْمَجُوْسَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْاۤ ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ'': پہلے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں ہدایت عطا فرماتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں گمراہی پر چھوڑ دیتے ہیں، اب اس آیت میں بتایا ہے کہ کن کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرماتے ہیں، سو ارشاد فرمایا: بے شک جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے یعنی زبان سے ایمان کا اقرار کیا اور یہ ایمان لانے کا ادنیٰ درجہ ہے، اور جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دینے کا ارادہ نہیں فرمایا، اُن کا بیان فرمایا، وہ لوگ دین یہودیت کی طرف منسوب ہیں۔

اور ''الصّٰبِـِٕيْنَ'' ہیں جو نصاریٰ کا ایک فرقہ ہے، ان کو ''الصّٰبِـِٕيْنَ'' اس لیے فرمایا کہ ان کی نسبت صابی کی طرف ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے چچا تھے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف نکل گئے۔ اور ان پر الصابئہ کا اطلاق مشہور ہے، یہ لوگ کبھی اصول دین میں موافق ہوتے ہیں تب ان سے نکاح کرنا جائز ہے، اور کبھی اصول دین میں مخالف ہوتے ہیں اور تب ان سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ان کا اطلاق نصاریٰ کی پہلی قوم کی طرف بھی ہوتا ہے جو سات ستاروں کی پرستش کرتے تھے اور دنیا میں رونما ہونے والے واقعات کی اُن کی طرف نسبت کرتے تھے اور اللہ عزوجل کی جو صانع مختار ہے نفی کرتے تھے، ان لوگوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

اور "اَلنَّصٰرٰی" ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو نصرانیت کے دین کی طرف منسوب ہو گئے۔

"اَلْمَجُوْسَ": قتادہ نے کہا: یہ سورج چاند اور ستاروں کی پرستش کرنے والے ہیں۔

"وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا": یہ لوگ بت پرست ہیں۔ مقاتل نے کہا: یہ کل چھ دین ہیں، ایک دین رحمٰن کے لیے ہے اور وہ اسلام ہے، اور پانچ شیطان کے لیے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کل پانچ دین ہیں، چار شیاطین کے لیے ہیں اور ایک رحمٰن کے لیے ہے۔ اور یہ لوگ صابئین کو نصاریٰ کے ساتھ ملاتے ہیں کیونکہ صابئین اُن کی ایک شاخ ہے۔

"اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ": یعنی اللہ عزوجل جو احکم الحاکمین ہیں وہ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں گے، مومنین کو جنت میں داخل فرما دیں گے اور دوسروں کو دوزخ میں داخل فرما دیں گے۔

"اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ": پھر اس کے بعد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تمام صفات کمالیہ کے جامع ہیں اور ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کیا آپ کو معلوم نہیں کہ بے شک آسمانوں والے اور زمینوں والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں، اور بہت سے وہ لوگ بھی جو عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں، اور جس کی اللہ اہانت فرمائیں، اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں ہے، بے شک اللہ جو چاہیں وہ کرتے ہیں ○" (الحج:۱۸)

"اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِؕ وَ كَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُؕ وَ مَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ":

مجاہد نے کہا: آسمانوں اور زمینوں کو سجدہ کرنے کا مصداق یہ ہے کہ ان کے سائے منتقل ہوتے رہتے ہیں۔

اور ابوالعالیہ نے کہا کہ آسمان میں جو ستارہ ہے اور سورج ہے اور چاند ہے، جب وہ غروب ہوتا ہے تو سجدہ میں گر جاتا ہے پھر اس وقت تک سجدہ سے نہیں اٹھتا جب تک کہ اس کو اس کی اجازت نہیں دی جاتی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے سجدہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں، پس جو بھی جمادات میں سے ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے اور ان کی تسبیح کرنے والا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًاؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىٕعِیْنَ۔ (حم السجدہ:۱۱)" (پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی جب کہ وہ دھواں تھا، پس اسے اور زمین کو فرمایا: تم خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو جاؤ، دونوں نے عرض کیا: ہم بہ خوشی حاضر ہیں) اور اللہ تعالیٰ نے پتھروں کے وصف میں فرمایا: "وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُ جُ مِنْهُ الْمَآءُؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ۔ (البقرہ:۷۴)" (اور بے شک بعض پتھروں سے ضرور دریا پھوٹ نکلتے ہیں اور بے شک بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں سو ان سے پانی نکلتا ہے اور بے شک بعض پتھر ضرور اللہ کے خوف سے گر جاتے ہیں)۔ اور اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

"تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّؕ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْؕ اِنَّهٗ كَانَ

تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۔ (بنی اسرائیل: ۴۴)" (ساتوں آسمان اور زمینیں اور جو کچھ اُن میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ ان کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو، بے شک وہ بہت بردبار، بہت بخشنے والے ہیں)۔ اور یہ بہت حسین مذہب ہے جو اہل سنت کے مذہب کے موافق ہے کہ تمام چیزیں اللہ عزوجل کی تسبیح کرتی ہیں۔

"وَ كَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ": اور بہت سے وہ لوگ جو عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں، اور وہ کفار ہیں وہ اپنے کفر کی وجہ سے اپنے اختیار سے سجدہ نہیں کرتے لیکن اُن کے کفر کے باوجود اُن کے سائے اللہ عزوجل کو سجدہ کرتے ہیں۔

"وَ مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ": اور جس کو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں ذلیل کرتے ہیں، سو اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ": بے شک اللہ جو چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں، یعنی جس کی چاہتے ہیں تکریم فرماتے ہیں اور جس کی چاہتے ہیں اہانت فرماتے ہیں، پس سعادت اور شقاوت اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اُن کی مشیت کے تحت ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(مسلمان اور کافر) یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا سو جنہوں نے کفر کیا اُن کے لیے آگ کے کپڑے تیار کیے گئے ہیں، اُن کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا ○" (الحج: ١٩)

"هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ": ان دو فریقوں نے اپنے دین کے متعلق جھگڑا کیا۔ ان دو فریقوں کے مصداق کے متعلق یہ حدیث ہے۔

قیس بن عبادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ قسم کھا کر بیان کرتے تھے کہ یہ آیت "هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ۔ (الحج: ١٩)" اُن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے غزوۂ بدر کے دن مبارزت کی تھی، حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم، ان کا مقابلہ عتبہ، اور شیبہ کے دو بیٹوں ربیعہ اور الولید بن عتبہ سے ہوا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۹۶۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: یہ آیت مسلمانوں اور اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے، پس اہل کتاب نے کہا: ہم تم سے زیادہ اولیٰ ہیں اور ہم کو تم سے پہلے کتاب عطا فرمائی گئی ہے اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے تھے، اور مومنین نے کہا: ہم تم سے زیادہ حق دار ہیں، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور تمہارے نبی پر ایمان لائے اور تم پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس پر ایمان لائے، اور تم ہمارے نبی اور ہماری کتاب کو جانتے ہو اور تم نے حسد کی بناء پر ہمارے نبی اور ہماری کتاب کا کفر کیا، پس یہ وہ جھگڑا ہے جو وہ اپنے رب کے سامنے کریں گے۔

عکرمہ نے کہا: یہ آیت جنت اور دوزخ کے مباحثہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت اور دوزخ نے مباحثہ کیا، پس دوزخ نے کہا: مجھے متکبرین اور جابر لوگوں کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور جنت نے کہا: مجھے کیا ہوا کہ میرے اندر صرف کمزور اور کم حیثیت لوگ داخل ہوں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے، میں تیرے سبب سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں گا

رحم فرماؤں گا اور دوزخ سے فرمائیں گے: تو صرف میرا عذاب ہے، تیرے سبب سے میں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہوں گا عذاب فرماؤں گا، جنت اور دوزخ میں سے ہر ایک کے لیے بھرنا ہوگا، رہی دوزخ تو وہ اس وقت تک نہیں بھرے گی حتیٰ کہ رب العزت (اپنی شان کے مطابق) اس میں اپنا پیر رکھ دیں گے تو وہ کہے گی: مجھے یہ لوگ کافی ہیں، مجھے یہ لوگ کافی ہیں، پس اس وقت دوزخ بھر جائے گی اور دوزخ کے حصے ایک دوسرے پر چڑھ جائیں گے اور اللہ عزوجل اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں فرمائیں گے، اور رہی جنت تو اللہ عزوجل اس کے لیے ایک مخلوق کو پیدا فرمائیں گے۔ (صحیح البخاری: ۴۸۵۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس سے جو کچھ اُن کے پیٹوں میں ہے اور اُن کی کھالوں میں ہے سب کچھ پگھل جائے گا O اور اُن کو مارنے کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے O'' (الحج: ۲۰۔۲۱)

''یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ'': یعنی کھولتا ہوا پانی اُن پر انڈیلا جائے گا جس سے اُن کے پیٹ میں جو انتڑیاں ہیں وہ پگھل جائیں گی۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کھولتا ہوا پانی اُن کے سروں کے اوپر سے ڈالا جائے گا حتیٰ کہ اُن کی کھال، ان کی چربی اور اُن کی انتڑیاں گل جائیں گی اور اس کی گرمی سے اُن کی کھالیں جل کر گر جائیں گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ''الْحَمِیْمُ'' (کھولتا ہوا پانی) ان کے سروں کے اوپر انڈیلا جائے گا، پس وہ ان کی کھوپڑیوں سے نفوذ کرتا ہوا ان کے پیٹ تک پہنچ جائے گا، پس وہ ان کے پیٹ سے ان کے قدموں تک ان کو پگھلاتا ہوا چلا جائے گا۔

(سنن ترمذی: ۲۵۸۲، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۸۷، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۸۲۔۱۸۳، شرح السنۃ للبغوی: ۴۴۰۲، کتاب الزہد لابن المبارک: ۳۰۴، جامع البیان للطبری: ۲۴۹۹۳)

''وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ'': وہ لوہے کے گرز ہیں، اُن میں سے ایک کو مِقْمَعَۃٌ کہا جاتا ہے، اللیث نے کہا: الْمِقْمَعَۃُ لوہے کے گرز کے مشابہ ہیں، کہا جاتا ہے کہ جب کسی کے سر کے اوپر لوہے کا گرز مارا جائے تو اس کے سر پر زبردست چوٹ لگتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر لوہے کا (وہ) گرز زمین پر مارا جائے اور پھر جن اور انس اُسے اٹھانے کے لیے جمع ہو جائیں تو نہ اٹھا سکیں گے۔

(مسند ابو یعلیٰ: ۱۳۸۸، مجمع الزوائد للہیثمی ج ۱۰ ص ۳۸۸، فتح القدیر: ۱۲۶۶، الکشاف: ۷۰۵، کتاب البعث للبیہقی: ۵۹۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جب بھی (عذاب کے) غم سے وہاں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے، ان کو اسی دوزخ میں لوٹا دیا جائے اور (اُن سے کہا جائے گا:) اب جلانے والی آگ کے عذاب کو چکھو O'' (الحج: ۲۲)

''كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ'': دوزخیوں کو دوزخ میں جو غم اور کرب پہنچے گا، اس کی وجہ سے وہ دوزخ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اور جب بھی وہ نکلنے کا ارادہ کریں گے تو لوہے کے گرز مار کر اُن کو دوبارہ دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔ تفسیر میں مذکور ہے کہ دوزخ اُن کی وجہ سے جوش میں آئے گی اور اُن کو دوزخ کے اوپر کے حصہ میں پھینک دے گی، وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو دوزخ کے فرشتے لوہے کے گرز مار کر اُن کو پھر دوزخ میں دھکیل دیں گے، پس وہ ستر (۷۰) سال تک دوزخ میں دھنستے رہیں گے اور فرشتے اُن سے کہیں گے: اب تم دوزخ کے جلانے والے

عذاب کو چکھو۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۲۶-۳۳۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ، وتفاسیر اخری)

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾

بے شک اللہ عزوجل مومنین کو وہاں جنہوں نے نیک اعمال کئے ان جنتوں میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، اُن کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے، اور اُن کا لباس وہاں ریشم ہوگا○

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

اور اُن کو پاکیزہ باتوں کی طرف ہدایت کی گئی اور اُن کو حمد کیے ہوئے (رب) کے راستہ کی طرف ہدایت کی گئی○

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ؕ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ اللہ کے راستہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جس کو ہم نے تمام لوگوں کی عبادت گاہ بنایا ہے خواہ وہ مقامی باشندے ہوں یا باہر سے آنے والے ہوں، اور جو اس مسجد میں صحیح راستہ سے انحراف کر کے ظلم کا ارادہ کرے گا ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ عزوجل مومنین کو جنہوں نے نیک اعمال کئے ان جنتوں میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، اُن کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے، اور اُن کا لباس وہاں ریشم ہوگا○'' (الحج: ۲۳)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، الحج: ۲۲ تا ۲۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ'': ابوعلی نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: اُن کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے۔ اور ''لُؤْلُؤًا'' کا لفظ اُن تمام کو عام ہے جو سمندر سے نکالے جاتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اُن کو پاکیزہ باتوں کی طرف ہدایت کی گئی اور اُن کو حمد کیے ہوئے (رب) کے راستہ کی طرف ہدایت کی گئی○'' (الحج: ۲۴)

پاکیزہ قول کی تین تفسیریں

"وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ": یعنی انہیں دنیا میں پاکیزہ قول کی ہدایت عطا فرمائی گئی تھی۔ پاکیزہ قول کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(١) لا الٰہ الا اللہ (٢) الحمد للہ (٣) اللہ اکبر۔ السدی نے کہا: اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ الماوردی نے کہا: اس سے مراد نیکی کا حکم دینا ہے اور برائی سے روکنا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: "صِرَاطِ الْحَمِيدِ" سے مراد ہے اسلام کا طریقہ۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ اللہ کے راستہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جس کو ہم نے تمام لوگوں کی عبادت گاہ بنایا ہے خواہ وہ مقامی باشندے ہوں یا باہر سے آنے والے ہوں، اور جو اس مسجد میں صحیح راستہ سے انحراف کر کے ظلم کا ارادہ کرے گا، ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے O" (الحج: ٢٥)

"إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ":

"يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ": یعنی جو لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ الزجاج نے کہا: "يَصُدُّونَ" مستقبل کا لفظ ہے اور اس کا ماضی کے لفظ پر عطف ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اُن کی صفت یہ تھی کہ وہ لوگوں کو مسجد حرام میں جانے سے روکتے تھے۔

مسجد حرام کی دو تفسیریں

"وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ": اور مسجد الحرام کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(١) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد پورا حرم ہے، کیونکہ پورا حرم مسجد ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ الماوردی نے کہا: اس سے مراد خصوصیت کے ساتھ مسجد حرام ہے۔

"الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ" یہ پورا وقف ہے اور اس کے معنی میں دو قول ہیں:

(١) ایک قول یہ ہے کہ ہم نے اس مسجد کو تمام لوگوں کے لیے بنایا ہے اور اس میں بعض لوگوں کی دوسرے بعض لوگوں سے تخصیص نہیں کی، اور یہ اس قول پر مبنی ہے کہ اس سے مراد پورا حرم ہے۔

(٢) دوسرا قول یہ ہے کہ ہم نے اس کو لوگوں کی نماز کے لیے قبلہ بنا دیا ہے اور اُن کے حج کے افعال کے لیے مقرر فرما دیا ہے اور یہ اس قول پر مبنی ہے کہ اس سے مراد نفس مسجد حرام ہے۔

مکہ کے باشندوں اور باہر سے آنے والوں کے مکہ میں رہائش کے متعلق مذاہب

"سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ": اس کا معنی یہ ہے کہ مکہ کا باشندہ اور باہر سے مکہ میں آنے والا مکہ کی رہائش اختیار کرنے میں

اور مکہ میں ٹھہرنے میں برابر ہیں اور کسی ایک کو وہاں پر دوسرے کی بہ نسبت ٹھہرنے کا زیادہ حق نہیں ہے۔ ہاں البتہ کسی ایک کو اس کے گھر سے نکالا نہیں جائے گا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، قتادہ وغیرہم کا مذہب ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا بھی یہی مختار ہے، اور ان لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ مکہ کے گھروں کو کرائے پر دینا اور ان کو فروخت کرنا حرام ہے اور یہ اس وجہ سے کہ پورا حرم مسجد ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مکہ کا باشندہ اور باہر سے آنے والا مکہ کی فضیلت کے حصول میں اور اس کی تعظیم میں اور وہاں پر حج کے افعال ادا کرنے میں برابر ہیں، اور یہ حسن بصری اور مجاہد کا قول ہے۔ اور ان میں سے بعض نے مکہ کے گھروں کو فروخت کرنے کی اجازت دی ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ اور اس قول کی بناء پر جائز ہے کہ مسجد حرام سے نفس مسجد کا ارادہ کیا جائے۔

" وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ": لغت میں الحاد کا معنی ہے: میانہ روی سے عدول کرنا۔ اور باء اس میں زائد ہے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ۔ (المومنون: ٢٠)" (اور ہم نے "طور سیناء" پہاڑ سے اگنے والا درخت زیتون پیدا فرمایا اور وہ اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ اس سے تیل بھی حاصل ہوتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن بھی)۔

یہ جمہور لغویین کا قول ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا: "باء" کلام میں زائد ہوتی ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے اور جیسا کہ " اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ۔ (العلق: ١)" میں ہے۔ اور " وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ۔ (مریم: ٢٥)" (اور تم اپنی طرف کھجور کے تنے کو ہلاؤ)۔

مکہ میں الحاد کے متعلق پانچ اقوال

اور اس آیت میں الحاد سے مراد میں پانچ اقوال ہیں:

(١) العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد ظلم ہے۔ اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد برے کام ہیں، اس اعتبار سے اس میں تمام نافرمانیاں داخل ہیں۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مکہ میں طعام کی ذخیرہ اندوزی نہ کرو، کیونکہ مکہ میں طعام کی ذخیرہ اندوزی کرنا الحاد ہے۔

(٢) ابن ابی طلحہ نے کہا: اس سے مراد شرک ہے۔ حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔

(٣) عطاء نے کہا: اس سے مراد شرک اور قتل ہے۔

(٤) نیز عطاء نے کہا کہ جو چیزیں احرام میں ممنوع ہیں ان کو حلال قرار دینا الحاد ہے۔

(٥) ابن جریج نے کہا: عمداً احرام کو حلال قرار دینا الحاد ہے۔

جو شخص مکہ میں برائی کا ارادہ کرے اور برائی کا ارتکاب نہ کرے اس سے مواخذہ ہوگا یا نہیں؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کوئی شخص مکہ میں ظلم کا ارادہ کرے اور پھر ظلم نہ کرے تو کیا اس سے مواخذہ کیا جائے گا، کیونکہ اس آیت میں ہے: " وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ " کہ جو مکہ میں الحاد کا ارادہ کرے گا؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جس شخص نے خصوصیت سے حرم میں الحاد کا ارادہ کیا اس کو سزا دی جائے گی، یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر کسی مرد نے کسی گناہ کا ارادہ کیا تو جب تک وہ اس گناہ پر عمل نہیں کرے گا اس کا گناہ نہیں لکھا

جائے گا۔ اور اگر کسی مرد نے بیت اللہ کے پاس کسی مومن کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں دردناک عذاب چکھائیں گے۔ اور مجاہد نے کہا: مکہ میں برائیوں کا دگنا عذاب دیا جائے گا جیسا کہ مکہ میں نیکیوں کا دگنا اجر دیا جاتا ہے، اور امام احمد سے سوال کیا گیا کہ کیا کسی برائی کو ایک سے زیادہ لکھا جاتا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں سوائے مکہ کے! اس شہر کی تعظیم کی وجہ سے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں "مَنْ يُّرِدْ" کا معنی ہے کہ جو مکہ میں کسی برائی کا ارادہ کرے۔

(زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۳ ص ۲۲۹۔ ۲۳۲، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْــٴًـا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْقَآىٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾

اور یاد کیجئے جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ مقرر فرما دی (اور انہیں حکم فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دینا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے اور قیام کرنے والوں کے لیے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا O

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ﴿۲۷﴾

اور (ہم نے ابراہیم سے کہا:) آپ لوگوں میں حج کا اعلان کر دیجئے، وہ آپ کے پاس پیدل چل کر اور دور دراز کا راستہ طے کر کے اور دبلے پتلے اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں گے O

لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ یَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىٕسَ الْفَقِیْرَ ﴿۲۸﴾

تاکہ وہ اپنے نفع کی چیزوں پر حاضر ہوں اور قربانی کے معلوم ایام میں ذبح کے وقت اس نعمت پر اللہ کا نام لیں کہ اللہ نے ان کو بے زبان چوپایوں سے روزی عطا فرمائی، پس ان (ذبح شدہ) جانوروں میں سے تم خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ O

ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَ لْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَ لْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ﴿۲۹﴾

پھر لوگوں کو چاہیے کہ وہ میل کچیل سے خود کو صاف کریں اور اپنی نذروں کو پورا کریں اور اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں O

ذٰلِكَۗ وَ مَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖؕ وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾

اللہ کا یہی حکم ہے، اور جو شخص اللہ کی مقرر کردہ نشانیوں کی تعظیم کرے گا تو وہ اس کے رب کے نزدیک بہت بہتر ہے، اور تمہارے لیے چوپائے حلال فرما دیئے گئے ہیں سوا ان کے جن کا حکم تم پر تلاوت کیا جائے گا، پس تم بتوں کی نجاست سے احتراز کرو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو O

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَیْرَ مُشْرِكِیْنَ بِهٖؕ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ ﴿۳۱﴾

صرف ایک اللہ کے ہو کے رہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک کیا پس گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا اور (مُردار خور) پرندے اسے اُچک کر لے گئے، یا آندھی نے اسے کسی دور دراز جگہ پر پھینک دیا O

ذٰلِكَۗ وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾

اللہ کا یہی حکم ہے، اور جن لوگوں نے اللہ کی مقرر کردہ نشانیوں کی تعظیم کی تو یہ تعظیم اُن کے دلوں کے خوفِ خدا کا نتیجہ ہے O

لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ۠ ﴿۳۳﴾

ان چوپایوں میں تمہارے لیے ایک معین وقت تک کے فوائد ہیں، پھر ان کے ذبح کی جگہ اللہ کا قدیم گھر ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور یاد کیجئے جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ مقرر فرمادی (اور انہیں حکم فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دینا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے اور قیام کرنے والوں کے لیے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا O“ (الحج:۲۶)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ، الحج:۲۶ تا ۳۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْــٴًـا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْقَآىٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ“:

اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس جگہ کو یاد کیجئے جو ہم نے ابراہیم کی تعمیر کعبہ کے لیے مقرر فرمائی تھی تا کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور طوفانِ نوح کے ایام میں بیت اللہ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تھا اور وہ سرخ یاقوت کا بنا ہوا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کی جگہ دکھائی تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو قدیم بنیاد پر تعمیر فرمایا۔ اور ہم نے یہ حکم فرمایا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ قرار دینا اور میرے گھر کو بتوں سے اور نجاستوں سے پاک اور صاف رکھنا تا کہ لوگ اس میں طواف کریں اور نمازوں میں قیام کریں اور رکوع اور سجدہ کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور (ہم نے ابراہیم سے کہا:) آپ لوگوں میں حج کا اعلان کر دیجئے، وہ آپ کے پاس پیدل چل کر اور دور دراز کا راستہ طے کر کے اور دُبلے دُبلے اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں گے O“ (الحج:۲۷)

”وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ“:

(اور ہم نے ابراہیم کو حکم فرمایا) کہ لوگوں میں حج کا اعلان کریں۔ اور حج کا معنی ہے: کسی عظیم مقصد کی طرف جانے کا ارادہ کرنا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بیت اللہ کی زیارت کا قصد کرنا حج ہے۔ روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوقبیس پہاڑ پر چڑھے

پس اعلان کیا: اے لوگو! اپنے رب کے بیت کا حج کرو یعنی قصد کرو، پھر جس کے لیے بھی حج کو مقدر فرمایا گیا تھا اس نے اپنے باپوں کی پشت میں اور ماؤں کے رحم میں کہا: "لبیک اللھم لبیک"۔ پس جس نے ایک مرتبہ جواب دیا وہ ایک مرتبہ حج کرے گا اور جس نے دو مرتبہ جواب دیا وہ دو مرتبہ حج کرے گا۔ وعلیٰ ھذا القیاس۔

اور حسن بصری سے روایت ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے، آپ کو یہ حکم فرمایا گیا تھا کہ آپ حجۃ الوداع میں یہ اعلان کریں، اور پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔

اور اس امر کا جواب یہ ہے کہ لوگ پیدل چل کر آئیں گے۔ "رِجَالًا" راجل کی جمع ہے جیسے قیاماً، قائم کی جمع ہے۔

"وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ": "ضَامِرٍ" دُبلے اونٹ کو کہتے ہیں یعنی دُبلے اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں گے۔

اور پیدل چلنے والوں کا ذکر سواروں سے پہلے فرمایا، اس میں پیدل چل کر حج کرنے والوں کی فضیلت ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

سعید بن جبیر اپنی سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو سوار ہو کر حج کرتا ہے اس کو سواری کے ہر قدم پر ستر (۷۰) نیکیاں ملتی ہیں اور جو پیدل حج کرتا ہے اس کو ہر قدم پر حَرَم کی سات سو نیکیاں ملتی ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! حرم کی نیکیاں کیسی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ہر نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی: ١٢٥٢٢)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ پیدل حج کرنا سوار ہو کر حج کرنے سے زیادہ افضل ہے اور اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ سواری پر سوار ہو کر حج کرنا افضل ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر سوار ہو کر حج کیا تھا۔ نیز اس میں حج کے لیے سواری کے سفر کا خرچ ادا کرنا ہے اور جس حج میں زیادہ خرچ کیا جائے وہ حج زیادہ افضل ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "تاکہ وہ اپنے نفع کی چیزوں پر حاضر ہوں اور قربانی کے معلوم ایام میں ذبح کے وقت اس نعمت پر اللہ کا نام لیں کہ اللہ نے ان کو بے زبان چوپایوں سے روزی عطا فرمائی، پس اُن (ذبح شدہ) جانوروں میں سے تم خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ ○" (الحج: ٢٨)

"لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ": اس آیت میں منافع سے مراد وہ منافع ہیں جو حج کی عبادت کے ساتھ مخصوص ہیں خواہ دینیہ ہوں اور خواہ دنیاویہ ہوں، یہ منافع دوسری عبادات میں نہیں پائے جاتے۔ اور یہ اس لیے کہ عبادت نفس کو نماز اور روزہ کے ساتھ جلاء کرنے کے لیے مشروع کی گئی ہے، یا مالی عبادت کے ساتھ مشروع کی گئی ہے جیسے زکوٰۃ ہے، اور حج ان تمام عبادات پر مشتمل ہے۔

اور ان کے علاوہ حج بدنی مشقتوں کو برداشت کرنے پر بھی مشتمل ہے اور دوستوں سے منقطع ہونے پر اور شہر اور وطن کو چھوڑنے پر اور اولاد اور دوستوں سے جدائی پر۔

اور اس میں تنبیہ ہے کہ انسان دار الفناء سے دار البقاء کی طرف منتقل ہوتا ہے، کیونکہ حج کرنے والا جب دوسرے شہر میں داخل ہوتا ہے تو اس کا توکل صرف اللہ پر ہوتا ہے اور وہ صرف اپنے زادِ راہ سے کھاتا ہے، اسی طرح مرد جب دنیا کی زندگی سے نکلتا ہے اور موت کے سمندر میں داخل ہوتا ہے تو اُسی چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے جو اُس نے زندگی میں آخرت کے لیے اکٹھی کی ہے، اور اس کی

وحشت سے اُس کو سکون ملتا ہے جو اُس نے دنیا میں عبادات کی ہیں اور حرام چیزوں سے غسل کرتا ہے اور غیر سلا ہوا لباس پہنتا ہے اور جب اُس کو تخت پر اٹھا کر لے جایا جاتا ہے تاکہ اُس کو غسل دیا جائے اور کفن پہنایا جائے اور خوشبو لگائی جائے اور غیر سلے ہوئے کپڑے میں کفن دیا جائے، اسی طرح حشر کے دن جب وہ قبر سے نکلتا ہے تو حیران ہوتا ہے اور حج کرنے والا میدانِ عرفات کے اندر خوف اور رغبت سے وقوف کرتا ہے، وقوف کا معنی یہ ہے کہ بندہ میدانِ عرفات میں کھڑا ہو کر دونوں ہاتھ جوڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور اپنے گناہوں کی معافی چاہے اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے سوال کرے۔ وہ خوف اور طمع سے سوال کرتا ہے، اگر کوئی شخص میدانِ عرفات میں کھڑا ہو کر ہاتھ جوڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کرے بلکہ صرف پیدل یا سواری پر میدانِ عرفات سے گزر جائے تب بھی اس کا وقوف ادا ہو جاتا ہے اور حج کا عظیم رکن وقوفِ عرفات ہے تو کسی طریقہ سے بھی وہ میدانِ عرفات سے گزر جائے تو یہ فرض ادا ہو جاتا ہے۔ اور عرفات سے مزدلفہ کی طرف جانا وہ فیصلہ کے لیے جانا ہے، وقوفِ عرفات حج کا فرض ہے اور وقوفِ مزدلفہ حج کا واجب ہے، پھر لوگ مزدلفہ کے میدان میں رات گزارتے ہیں اور وہاں سے کنکریاں شیطان کو مارنے کے لیے چنتے ہیں اور صبح سویرے نمازِ فجر ادا کر کے منیٰ کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں اور منیٰ گناہگاروں کی تمناؤں کے وقوف کی جگہ ہے تاکہ شفاعت طلب کرنے والوں کی شفاعت حاصل ہو۔ اور سر منڈانا اس طرح ہے جیسا کہ وہ گناہوں سے رحمت کی طرف نکلتا ہے۔ اور البیت الحرام وہ ہے جس کے متعلق اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ (آل عمران:۹۷)“ (اور جو اس گھر میں داخل ہوا وہ بے خوف ہو گیا) یعنی وہ کسی کو ایذاء پہنچانے سے اور کسی کے ساتھ لڑائی کرنے سے محفوظ ہو گیا، اور یہ دارالسلام کا نمونہ ہے کہ جو شخص دارالسلام میں داخل ہوتا ہے وہ فناء اور زوال سے سالم رہتا ہے، البتہ جنت کو نفس کی مشقتوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے جیسا کہ کعبہ کو دیہات کی مشقتوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے، پس اس شخص کو خوش آمدید ہو جو شہروں کی ہلاکتوں سے منقطع ہو کر حج کے لیے حاضر ہوا۔

”وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ“: یعنی ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے۔ ”فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ“: اور یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دس دن ہیں اور ان کا آخری دن قربانی کا دن ہے، اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کے صاحبین کے نزدیک یہ قربانی کے ایام ہیں اور یہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

”عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ“: یعنی جانوروں کو ذبح کرنے کی نعمت پر۔ اور ”بَهِيْمَةِ“ ہر چار پاؤں والے کے لیے مبہم ہے اور یہ اونٹ، گائے، دنبہ اور بکرا ہیں۔ ”فَكُلُوْا مِنْهَا“: ان کے گوشت سے کھاؤ، اور یہ امر اباحت کے لیے ہے۔ اور نفلی قربانی سے اور تمتع سے اور قران کی قربانیوں سے بھی کھانا جائز ہے، کیونکہ یہ قربانی کے مشابہ ہیں اور باقی ہدایا سے کھانا جائز نہیں ہے۔ ”وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ“: اور جو مصیبت زدہ ہو اس کو کھلاؤ۔ ”الْفَقِيْرَ“: جو شخص تنگدست ہو اس کو بھی کھلاؤ۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”پھر لوگوں کو چاہیے کہ وہ میل کچیل سے خود کو صاف کریں اور اپنی نذروں کو پورا کریں اور اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں O“ (الحج:۲۹)

”ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ“: پھر غسل کر کے اپنے جسموں سے میل کچیل اتارو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مونچھوں کو کترواؤ اور ناخن تراشو اور بغل کے بالوں کو صاف کرو اور زیرِ ناف بالوں کو صاف کرو۔ اور تفث کے

معنی ہیں: میل کچیل اور اس سے مراد ہے میل کچیل کو صاف کرنا۔ اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا کہ قضاء التفث سے مراد ہے حج کے تمام مناسک کو ادا کرنا۔

"وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ": یعنی حج کے تمام واجبات کو ادا کرو خواہ اُن کی نذر نہ مانی ہو، یا نیک اعمال کرنے کی جو حج میں نذر مانی ہے، اُن کو پورا کرو۔ "وَلْيَطَّوَّفُوْا": اور طواف زیارت کرو جو حج کا دوسرا رکن اعظم ہے۔

"بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ": یعنی قدیم گھر کا طواف کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ" (آل عمران: ۹۶) (بے شک لوگوں کی خاطر اللہ کی عبادت کے لیے سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا یہ وہی ہے جو مکہ میں ہے (وہ گھر) برکت والا ہے اور تمام جہان والوں کے لیے ہدایت کا سبب ہے)۔ کیونکہ یہ پہلا گھر ہے جس کو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تجدید کی۔ یا "الْعَتِيْقِ" کا معنی ہے کریم، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عبودیت کی ذلت سے حریت کی عزت کی طرف نکالا، یا اس لیے کہ اس کو طوفان نوح کے غرق سے آزاد رکھا، کیونکہ طوفان کے زمانہ میں اس کو اوپر اٹھالیا گیا، یا اس کو ظالموں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھا۔ کتنے ظالموں نے کعبہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو اُن کے منہدم کرنے سے محفوظ رکھا، یا اس کو بادشاہوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھا کہ کوئی بادشاہ اس کا مالک نہیں ہوا اور یہ زمین والوں کے طواف کرنے کی جگہ ہے جیسا کہ عرش آسمان والوں کے طواف کرنے کی جگہ ہے۔

طواف کی تین قسمیں ہیں، پہلا طواف، طواف قدوم ہے اور یہ سنت ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حج میں یا عمرہ میں طواف کرتے تو سب سے پہلے تین چکر بھاگ بھاگ کر لگاتے اور چار چکر عام رفتار سے لگاتے، پھر دو رکعت نماز پڑھتے، پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے۔

(صحیح البخاری: ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، صحیح مسلم: ۱۲۶۱، جامع المسانید لابن الجوزی: ۳۳۸۰، شرح السنۃ للبغوی: ۱۸۹۲)

اور دوسرا طواف، طواف الافاضۃ ہے، اس کو طواف زیارت بھی کہتے ہیں۔ اور طواف زیارت حج کا عظیم فرض ہے۔ یہ قربانی کے دن رمی کرنے اور حلق کرنے کے بعد ہوتا ہے اور یہ طواف واجب ہے۔ اور جب تک کوئی شخص یہ طواف نہ کرلے وہ احرام کی پابندیوں سے حلال نہیں ہوتا۔

اور طواف زیارت حج کے تین فرائض میں سے آخری فرض ہے، پہلا فرض حج کا احرام باندھنا ہے اور وہ اسلام کی گرہ کو پکڑنے کے مشابہ ہے حتیٰ کہ احرام باندھنے کے بعد وہ کسی معصیت کا ارتکاب نہیں کرے گا جیسا کہ اسلام کی گرہ باندھنا اُس کو گناہوں کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے، اور حج کا دوسرا فرض میدان عرفات میں وقوف ہے، یعنی میدان عرفات میں کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، اپنے گناہوں پر رو رو کر گڑ گڑا کر معافی طلب کرنا، اور تیسرا فرض طواف زیارت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مکہ سے روانگی کی رات کو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا، پس انہوں نے کہا: میں صرف یہ گمان کرتی ہوں کہ میں تم لوگوں کو روانگی سے روکنے والی ہوں (کیونکہ انہوں نے طواف وداع نہیں کیا تھا اگرچہ طواف زیارت کرلیا تھا)، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اری یا عجبہ سرمنڈی! کیا تم نے یوم النحر کو طواف زیارت نہیں کیا تھا؟ کہا گیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا:

پھر روانہ ہو۔

(صحیح البخاری: ١٧٧١، ١٧٦٢، ٦١٥٧، ٣٢٨، ١٧٥٧، صحیح مسلم: ١٢١١، ٣٨٧، سنن ترمذی: ٩٤٣، سنن ابن ماجہ: ٣٠٧٣، سنن دارمی ج ٢ ص ٥٦٨، سنن بیہقی ج ٥ ص ١٦٢، صحیح ابن حبان: ٣٩٠٠، ٣٩٠٢)

اس سے ثابت ہوا کہ جس نے قربانی کے دن طواف زیارت نہیں کیا اس کے لیے مکہ سے جانا جائز نہیں ہے اور طواف زیارت فرض ہے۔

اور تیسرا طواف، طواف الوداع ہے، جو شخص مکہ سے جانا چاہتا ہو اس کے لیے مکہ سے جانا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ طواف وداع نہ کرلے اور بیت اللہ کے سات چکر نہ لگالے، اور جس نے طواف وداع کو ترک کر دیا اس پر ایک جانور کو ذبح کرنا لازم ہے سوا حائضہ عورت کے، اس کے لیے طواف وداع کو ترک کرنا جائز ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اللہ کا یہی حکم ہے، اور جو شخص اللہ کی مقرر کردہ نشانیوں کی تعظیم کرے گا تو وہ اس کے رب کے نزدیک بہت بہتر ہے، اور تمہارے لیے چوپائے حلال فرما دیے گئے ہیں سوا اُن کے جن کا حکم تم پر تلاوت کیا جائے گا، پس تم بتوں کی نجاست سے احتراز کرو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو○" (الحج: ٣٠)

"ذٰلِكَ ۗ وَ مَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ": یہ حکم اس لیے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حرمات کی تعظیم کی جائے۔ الحرمۃ کا معنی یہ ہے کہ جس کی پردہ دری جائز نہ ہو اور اللہ عزوجل نے حج کے جو احکام بھی دیے ہیں وہ سب حرمات ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تمام تکالیف کو شامل ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حج کے افعال کے ساتھ خاص ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ کی حرمات سے مراد البیت الحرام ہے اور المشعر الحرام ہے اور حج کا مہینہ ہے اور حج کا شہر ہے اور مسجد حرام ہے۔ پس ان حرمات کی تعظیم کرنا بندہ کے رب کے نزدیک سب سے بہتر ہے۔ اور تعظیم کا معنی یہ ہے کہ یہ جاننا کہ ان کی رعایت کرنا اور ان کی حفاظت کرنا واجب ہے اور ان کی رعایتوں کے ساتھ قیام کرنا واجب ہے۔

"وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ": یعنی قربانی کے ذبح کیے ہوئے جانوروں کو کھانا تمہارے لیے حلال فرما دیا گیا ہے سوا اُن جانوروں کے جن کی تحریم کے متعلق تم پر آیات تلاوت کی جائیں گی اور وہ یہ ہیں: "حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّیَةُ وَ النَّطِیْحَةُ وَ مَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّیْتُمْ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ...." (المائدہ: ٣) "(اور تم پر حرام فرمائے گئے ہیں: مردار اور (رگوں سے بہا ہوا) خون اور خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، اور گلا گھٹ کر مرجانے والے اور (لکڑی وغیرہ کی) ضرب سے مارا ہوا اور بلندی سے گر کر مرا ہوا اور سینگ سے مارا ہوا، اور جس جانور کو درندے نے کھایا ہو سوا اُن کے جن کو تم نے اللہ کے نام پر ذبح کرلیا ہو، اور جن جانوروں کو بتوں کے نشانات پر ذبح کیا گیا ہو، (یہ سب تم پر حرام فرمائے گئے ہیں)، اور جوئے کے تیروں سے اپنے حصوں کو تقسیم کرنا تم پر حرام فرمایا گیا ہے، یہ سب کام گناہ ہیں)۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمام جانور حلال فرما دیے ہیں سوا اُن جانوروں کے کہ جن کے حرام

ہونے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمادیا ہے۔ پس تم اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرو اور اُن چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے، جیسے مشرکین البحیرۃ، السائبۃ، الوصیلہ، اور الحام کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ اُن کو حلال قرار دو جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادیا ہے جیسے جو چوٹ کھا کر مرجائے اور مردار وغیرہ۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنی حرمات کی تعظیم پر برانگیختہ فرمایا تو اس کے بعد بت پرستی سے اجتناب کا حکم دیا اور فرمایا: ''فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ'' کیونکہ یہ سب سے بڑی حرام چیزیں ہیں۔ رجس سے مراد بت ہیں اور بتوں کو بہ طور تشبیہ رجس یعنی ناپاکی فرمایا ہے، کیونکہ تم اپنی طبیعت سے ناپاکی اور نجاست سے متنفر ہوتے ہو، پس تم پر لازم ہے کہ تم بت پرستی سے اور شرک کی تمام اقسام سے اور جھوٹ بولنے سے اور بُہتان لگانے سے اور جھوٹی شہادت دینے سے بھی متنفر ہو، کیونکہ شرک جھوٹ کا دروازہ ہے، مشرک یہ زعم کرتا ہے کہ بت عبادت کے مستحق ہیں حالانکہ یہ جھوٹ ہے بت عبادت کے مستحق نہیں ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''صرف ایک اللہ کے ہوکے رہو اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک کیا پس گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا اور (مُردار خور) پرندے اسے اُچک کر لے گئے، یا آندھی نے اسے کسی دور دراز جگہ پر پھینک دیا○'' (الحج: ۳۱)

اس آیت میں ''حُنَفَآءَ لِلّٰهِ'' فرمایا ہے، یعنی مسلمان ہوجاؤ۔ ''غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ'': اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے نہ ہو۔ ''وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ'': اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے زمین کی طرف گرتا ہے۔ ''فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ'': اور مُردار خور پرندے اس کو نوچتے ہیں۔ ''اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ'': یا آندھی اس کو کسی دور دراز جگہ پر پھینک دیتی ہے۔

گویا کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ جس نے اللہ عزوجل کے ساتھ شرک کیا، اس نے اپنی جان کو برے طریقہ سے ہلاک کر دیا۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کو آسمان کی بلندی کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا تو اس کو اس سے تشبیہ دی ہے جو آسمان سے گر گیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ کا یہی حکم ہے، اور جن لوگوں نے اللہ کی مقرر کردہ نشانیوں کی تعظیم کی تو یہ تعظیم اُن کے دلوں کے خوفِ خدا کا نتیجہ ہے○'' (الحج: ۳۲)

''ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ'': یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کی اور وہ نشانیاں قربانیاں ہیں کیونکہ وہ حج کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پھر جس نے قربانی کے لیے مہنگے جانور خریدے تو یہ اس کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے خوف کا نتیجہ ہے۔ اور دلوں کا اس لیے ذکر فرمایا کہ وہ تقویٰ کے مراکز ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان چوپایوں میں تمہارے لیے ایک معین وقت تک کے فوائد ہیں، پھر ان کے ذبح کی جگہ اللہ کا قدیم گھر ہے○'' (الحج: ۳۳)

"لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ": ان چوپایوں میں تمہارے لیے فوائد ہیں کہ تم ضرورت کے وقت ان پر سواری کرتے ہو اور ضرورت کے وقت ان کا دودھ پیتے ہو۔

"اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى": یعنی ان کو نحر کرنے یا ان کو ذبح کرنے کے وقت تم ان سے یہ فوائد حاصل کرتے ہو۔

اہل علم کا قربانی کے جانور پر سوار ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض ائمہ نے کہا ہے کہ اس پر سوار ہونا اور سامان لادنا جائز ہے بشرطیکہ اس کو ضرر نہ ہو اور یہی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا وہ اپنے قربانی کے اونٹ کو لے کر جارہا تھا آپ نے فرمایا: اس پر سوار ہو جاؤ، اس نے کہا: یہ قربانی کا اونٹ ہے، آپ نے فرمایا: اس پر سوار ہو جاؤ، اس نے کہا: یہ قربانی کا اونٹ ہے، آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، اس پر سوار ہو جاؤ، یہ آپ نے تیسری بار میں یا دوسری بار میں فرمایا۔

(صحیح البخاری: ١٦٨٩، ١٧٠٦، ٢٧٥٥، ٦١٦٠، صحیح مسلم: ١٣٢٢، الرقم المسلسل: ٣٠٩٨، سنن ابوداؤد: ١٧٦٠، سنن نسائی: ٢٧٩٥، سنن بیہقی ج ٥ ص ٢٣٦، شرح السنۃ للبغوی: ١٩٥٣، مسند احمد: ١٠٣١٥، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ قربانی کے اونٹوں پر سوار نہ ہو۔ اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ جب تک ان پر سوار ہونے کی مجبوری نہ ہو اس وقت تک ان پر سوار نہ ہو۔

"اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ": اس سے مراد حرم ہے جو بیت اللہ کے حکم میں ہے، کیونکہ حرم بیت اللہ کا حریم ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ شعائر سے مراد حج کے تمام افعال ہیں اور ان کی تعظیم کرنا اور ان کو پورا کرنا مراد ہے، اور ان کے پورا کرنے کی جگہ البیت العتیق ہے۔ (مدارک التنزیل وحقائق التاویل ج ٢ ص ٣٣٥۔ ٣٤٠، دار ابن کثیر، بیروت، ١٤٢٠ھ)

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿٣٤﴾

اور ہم نے ہر اُمت کے لیے قربانی مقرر فرمائی ہے تاکہ وہ اللہ کے عطا فرمائے ہوئے بے زبان چوپایوں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں، پس تمہاری عبادت کے مستحق معبود واحد ہیں، سو تم انہی کے لیے اطاعت کی گردن جھکاؤ، اور (اے رسول اکرم!) آپ ان عاجزی کرنے والوں کو اجرِ آخرت کی بشارت دے دیجئےO

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٥﴾

ان لوگوں کے سامنے جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور جو مصائب پر صبر کرنے والے اور پابندی سے نماز ادا کرنے والے ہیں اور اُس مال میں سے خرچ کرتے ہیں جو ہم نے اُن کو عطا فرمایا ہےO

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۳۶

اور قربانی کے اونٹوں کو بھی ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے، ان میں تمہارے لیے فوائد ہیں، پس ان کو صف بہ صف کھڑا کر کے اللہ کا نام لو، پس جب ان کے پہلو زمین پر گر جائیں (تو انہیں قربان کر کے) ان میں سے تم خود بھی کھاؤ اور قناعت کرنے والے کو اور سوال کرنے والے کو بھی کھلاؤ، ہم نے اسی طرح ان چوپایوں کو تمہارے لیے مسخر فرما دیا ہے تا کہ تم اللہ کا شکر ادا کروO

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۳۷

اللہ کے پاس نہ ان (قربانی کے) چوپایوں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون پہنچتا ہے لیکن اللہ کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے، اسی طرح ہم نے ان چوپایوں کو تمہارے لیے مسخر فرما دیا ہے تا کہ تم اللہ کی عطا فرمائی ہوئی اس ہدایت پر ان کی بڑائی بیان کرو اور (اے رسولِ اکرم!) آپ نیکوکاروں کو اجرِ آخرت کی خوش خبری دے دیجیےO

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝۳۸

بے شک اللہ مومنین کی اُن کے دشمنوں سے مدافعت فرماتے ہیں، بے شک اللہ کسی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں فرماتےO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور ہم نے ہر اُمت کے لیے قربانی مقرر فرمائی ہے تا کہ وہ اللہ کے عطا فرمائے ہوئے بے زبان چوپایوں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں، پس تمہاری عبادت کے مستحق معبودِ واحد ہیں، سو تم انہی کے لیے اطاعت کی گردن جھکاؤ، اور (اے رسولِ اکرم!) آپ اِن عاجزی کرنے والوں کو اجرِ آخرت کی بشارت دے دیجیےO“ (الحج: ۳۴)

”وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ“: اور ہم نے تم سے پہلے مومنین کے لیے قربانی کی ایک جگہ مقرر فرمائی ہے جہاں پر وہ بے زبان جانوروں کو ذبح کریں اور ذبح کے وقت اللہ کا نام ذکر کریں، اس نعمت پر کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو نحر اور ذبح کے لیے یہ جانور عطا فرمائے ہیں، پس تم سب کی عبادت کے مستحق معبودِ واحد ہیں، یعنی ذبح کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کے نام کو لو، کیونکہ تمہارے معبودِ واحد ہیں۔ اس آیت

میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنا ذبح کی شرط ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لیے یہ مقرر فرمایا ہے کہ وہ اس کے لیے قربانی دیں اور ان کا قرب حاصل کرنے کے لیے جانوروں کو ذبح کریں۔ پس انہی کے سامنے تم اپنا سر اطاعت جھکاؤ اور اخلاص کے ساتھ انہی کا نام لو اور کسی اور کو اس میں شریک نہ کرو۔ اور اے رسول اکرم! آپ تواضع کرنے والوں کو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو اور جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے مطمئن رہتے ہیں ان کو بشارت دے دیجئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو کسی پر ظلم نہیں کرتے اور جب ان پر ظلم کیا جائے تو یہ اس کا انتقام نہیں لیتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان لوگوں کے سامنے جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور جو مصائب پر صبر کرنے والے ہیں اور پابندی سے نماز ادا کرنے والے ہیں اور اُس مال میں سے خرچ کرتے ہیں جو ہم نے اُن کو عطا فرمایا ہے O'' (الحج: ٣٥)

''الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ'': یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے خوف زدہ رہتے ہیں اور اُن پر جو مشکلات اور مصائب آتے ہیں ان پر صبر کرتے ہیں اور نمازوں کو اپنے اوقات میں ادا کرتے ہیں، اور ہم نے جو اُن کو مال عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور قربانی کے اونٹوں کو بھی ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے، ان میں تمہارے لیے فوائد ہیں، پس ان کو صف بہ صف کھڑا کر کے اللہ کا نام لو، پس جب ان کے پہلو زمین پر گر جائیں (تو انہیں قربان کر کے) ان میں سے تم خود بھی کھاؤ اور قناعت کرنے والے کو اور سوال کرنے والے کو بھی کھلاؤ، ہم نے اسی طرح ان چوپایوں کو تمہارے لیے مسخر فرما دیا ہے تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کرو O'' (الحج: ٣٦)

''وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِیْهَا خَیْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ'':

''الْبُدْنَ'' بدنة کی جمع ہے، اس کو بَدَنَةٌ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا بدن بہت بڑا ہوتا ہے اور شریعت میں ''الْبُدْنَ'' اونٹ اور گائے دونوں کو شامل ہے۔ اور اس لفظ کو ''الْبُدُنَ'' بھی پڑھا گیا ہے جیسے اس آیت میں ہے: ''وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ'' (یٰس: ٣٩) (اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر فرمائی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے) اس آیت میں بھی قمر پر زبر اور پیش دونوں حرکات پڑھی گئی ہیں۔

آیا البُدن میں گائے شامل ہے یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے کہ البدن کا اطلاق اونٹوں کے علاوہ گایوں پر بھی کیا جاتا ہے یا نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عطاء اور امام شافعی کے نزدیک اس کا اطلاق گایوں پر نہیں کیا جاتا اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا اطلاق گایوں پر بھی کیا جاتا

ہے۔ ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ کسی شخص نے بدنہ کی نذر مانی اور اس کو اونٹ نہیں ملے تو اب وہ اونٹوں کی جگہ گایوں کی قربانی کرسکتا ہے یا نہیں؟ امام شافعی کے نزدیک وہ گایوں کی قربانی نہیں کرسکتا، اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ اونٹوں کی جگہ گایوں کی قربانی کرسکتا ہے اور اس کی نذر پوری ہو جائے گی۔ حدیث سے امام شافعی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص پہلی ساعت میں جمعہ کی نماز کے لیے گیا اس نے گویا بدنہ کو صدقہ کیا اور جو دوسری ساعت میں گیا اس نے گویا بقرہ (گائے) کو صدقہ کیا۔ الحدیث۔ (صحیح البخاری: ٨٨١، صحیح مسلم: ٨٥٠)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدنہ اور بقرہ کو الگ الگ ذکر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بدنہ صرف اونٹ کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق گائے پر نہیں ہوتا۔

نیز اس آیت میں ہے: "فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا" یعنی جب نحر کرتے وقت اونٹوں کو کھڑا کر کے ان کے سینہ کے بالائی حصہ پر نیزہ مارا جائے اور وہ اس کی ضرب سے پہلو کے بل گر کر ٹھنڈے ہو جائیں اور یہ وصف اونٹوں کا ہے، ان ہی کو کھڑا کر کے نحر کیا جاتا ہے، گایوں کا یہ وصف نہیں ہے کیونکہ ان کو زمین پر گرا کر ذبح کیا جاتا ہے نحر نہیں کیا جاتا، اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ اونٹوں کو بدنہ ان کی ضخامت کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور ضخامت اونٹوں اور گایوں دونوں میں پائی جاتی ہے۔ نیز خون بہا کر اللہ کا تقرب حاصل کرنے میں گائیں، اونٹوں کی مثل ہیں حتیٰ کہ گایوں اور اونٹوں دونوں میں قربانی کے سات حصے کیے جاسکتے ہیں اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گائے کی قربانی سات کی طرف سے ہوسکتی ہے اور اونٹ کی قربانی سات کی طرف سے ہوسکتی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ٢٨٠٨)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ کی قربانی دی اور سات آدمیوں کی طرف سے گائے کی قربانی دی۔ (سنن ابوداؤد: ٢٨٠٩)

"جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ": یعنی شریعت نے ان جانوروں کو اپنی نشانی قرار دیا ہے اور ان کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی تعظیم کے لیے ہے۔ "لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ": ہم نے ان میں تمہارے لیے دنیا میں نفع رکھا ہے اور آخرت میں اجر رکھا ہے۔

"فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا": پس تم ان کو نحر کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو۔

"صَوَآفَّ": یعنی جب یہ اونٹ یا اونٹنیاں کھڑی ہوں اور ان کے ہاتھوں اور پیروں کو باندھا ہوا ہو۔

زیاد بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک شخص کے پاس گئے، وہ اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اس اونٹ کو کھڑا کرو اور یہ بندھا ہوا ہو پھر نحر کرو، یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(صحیح البخاری: ١٧١٣، صحیح مسلم: ١٣٢٠، سنن ابوداؤد: ١٣٦٨)

ابوالزبیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے عبدالرحمٰن بن سابط رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اونٹ کو اس حال میں نحر کرتے تھے کہ اس کا الٹا پیر بندھا ہوا ہوتا تھا اور وہ اپنے باقی پیروں پر کھڑا ہوتا تھا۔

(سنن ابوداؤد: ١٧٦٧)

عبداللہ بن قرط بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے عظیم دن یوم النحر ہے، پھر اس کے بعد دوسرا دن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانچ یا چھ اونٹنیاں لائی گئیں، پس ان اونٹنیوں میں سے ہر ایک اونٹنی آپ کی طرف خود گردن بڑھا رہی تھی کہ آپ نحر کرنے میں اس سے ابتداء کریں، پس جب وہ اونٹنی اپنے پہلو کے بل گر گئی تو آپ نے آہستہ کوئی بات کہی، میں نے پوچھا: آپ نے کیا فرمایا تھا، آپ نے فرمایا: جو چاہے اس میں سے کاٹ کر لے جائے۔

(سنن ابوداؤد: ۱۷۶۵، شرح معانی الآثار: ۳۳۳۸، مسند الشامیین للطبرانی: ۵۷۴، معالم السنن ج ۲ ص ۱۵۷، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۰۲۱۳، ۱۰۲۳۹، شرح السنہ للبغوی: ۱۹۵۸، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر ج ۱۳ ص ۲۴۹)

عام لوگ نحر کے وقت اونٹ یا اونٹنیوں کے ہاتھ پیر باندھ کر نحر کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹنیاں پہچانتی تھیں اور ان میں سے ہر ایک از خود آپ کی طرف گردن بڑھاتی تھی کہ پہلے آپ اس کو نحر فرمادیں۔

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف
بہ امید آں کہ روزے بہ شکار خواہی آمد

یعنی جنگل کے تمام ہرن اپنے سر کو اپنے ہاتھوں پر لیے پھرتے تھے اس امید پر کہ کسی دن محبوب شکار کرنے کے لیے آئے گا تو وہ ہماری گردن کو شکار کر لے گا۔

''فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا'': اور جب یہ پہلو کے بل زمین پر گر جائیں، یعنی جب ان کے پہلو نحر کرنے کے بعد زمین پر گر جائیں اور ان کی حرکت ساقط ہو جائے۔ ''فَكُلُوْا مِنْهَا'': تو ان جانوروں میں سے کھاؤ اگر تم چاہو۔

''وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ'': اور سوال کرنے والے کو کھلاؤ۔ ''وَ الْمُعْتَرَّ'': اور اس کو کھلاؤ جو سوال نہیں کرتا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ''الْقَانِعَ'' وہ ہے کہ جو چیز اس کے پاس ہو وہ اس پر راضی ہو اور جو بغیر سوال کے اس کو عطا کیا جائے اس پر مطمئن ہو۔ اور ''الْمُعْتَرَّ'' سوال کرنے والے کو کہتے ہیں۔

''كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ'': یعنی جس طرح ہم نے تم کو ان اونٹوں کے نحر کرنے کا حکم فرمایا ہے، اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے تابع فرمادیا ہے۔ ''لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ'': تا کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ کے پاس نہ ان (قربانی کے) چوپایوں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون پہنچتا ہے لیکن اللہ کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے، اسی طرح ہم نے ان چوپایوں کو تمہارے لیے مسخر فرمادیا ہے تا کہ تم اللہ کی عطا فرمائی ہوئی اس ہدایت پر ان کی بڑائی بیان کرو اور (اے رسول اکرم!) آپ نیکو کاروں کو اجر آخرت کی خوش خبری دے دیجیے O'' (الحج: ۳۷)

''لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ'': یعنی اللہ تعالیٰ گوشت اور خون کو ہرگز قبول نہیں فرماتے لیکن وہ خدا خوفی اور تقویٰ کو قبول فرماتے ہیں۔ یہاں کا معنی ہے کہ قربانی کرنے والوں سے اور اپنے رب کا قرب حاصل کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتے، وہ صرف نیت اور

اخلاص سے راضی ہوتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ اونٹوں کو نحر کرتے تھے تو اس کے خون کو بیت اللہ کی دیواروں پر لگا دیتے تھے اور خون کے ساتھ بیت اللہ کو تھیڑ دیتے تھے، پس جب مسلمانوں نے حج کیا اور اس کی مثل کرنے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی: ''كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ'' کہ اللہ تعالیٰ نے ان اونٹوں کو تمہارے لیے مسخر فرمایا ہے تاکہ تم اُن کو ذبح کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرو۔ ''عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کو نحر یا ذبح کرنے کی ہدایت عطا فرمائی ہے۔ ''وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ'': اور اے رسول اکرم! آپ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے والوں کو ثواب کی بشارت دیجئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ مومنین کی اُن کے دشمنوں سے مدافعت فرماتے ہیں، بے شک اللہ کسی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں فرماتے O'' (الحج: ۳۸)

''اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ'': یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کے مظالم کو مومنین سے دور فرماتے ہیں جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ''۔ (المومن: ۵۱)'' (بے شک ہم دنیا کی زندگی میں اپنے رسولوں اور اُن پر ایمان لانے والوں کی ضرور امداد کرتے ہیں، نیز اس دن جب (فرشتے) گواہ بن کر کھڑے ہوں گے)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا سبب بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں فرماتے جو اس کی امانت میں خیانت کرتا ہے اور اس کو پسند نہیں فرماتے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ یعنی جو لوگ اللہ اور ان کے رسول سے خیانت کرتے ہیں اور اُن کی امانتوں میں خیانت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو پسند نہیں فرماتے۔ (مدارک التنزیل وحقائق التاویل ج ۲ ص ۴۳۱۔ ۴۳۲، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ﴿۳۹﴾

جن مسلمانوں پر ظلم کیا گیا ہے اُن کو جہاد کرنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں، اور بے شک اللہ اُن کی مدد فرمانے پر ضرور قادر ہیں O

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾

جن لوگوں کو اُن کے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا صرف اس وجہ سے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارے رب اللہ ہیں، اور اگر اللہ بعض لوگوں کے شر سے بعض دوسرے لوگوں کو دور نہ فرماتے تو عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں کی مساجد اور مسلمانوں کی وہ مساجد گرا دی جاتیں جن میں اللہ کا بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے، اور جو لوگ اللہ کے دین کی مدد کریں گے، اللہ ضرور اُن کی مدد فرمائیں

گے، بے شک اللہ زبردست قوت والے، غلبہ والے ہیں O

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

جن لوگوں کو اگر ہم زمین میں اقتدار عطا فرمادیں تو وہ زمین میں نماز کا نظام قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور نیک کاموں کا حکم دیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے، اور تمام کاموں کا نتیجہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے O

وَ اِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّ ثَمُوْدُ ۙ﴿۴۲﴾

اور (اے رسول اکرم!) اگر کفار آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود تکذیب کر چکے ہیں O

وَ قَوْمُ اِبْرٰهِیْمَ وَ قَوْمُ لُوْطٍ ۙ﴿۴۳﴾

اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم نے بھی اپنے اپنے نبیوں کی تکذیب کی تھی O

وَّ اَصْحٰبُ مَدْیَنَ ۚ وَ كُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَیْتُ لِلْكٰفِرِیْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۴۴﴾

اور مدین والوں نے بھی اپنے نبیوں کی تکذیب کی تھی، اور موسیٰ کی بھی تکذیب کی گئی تھی، سو میں نے کافروں کو مہلت دی، پھر اُن پر گرفت فرمائی، پس میرا عذاب کتنا زبردست تھا O

فَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ هِیَ ظَالِمَةٌ فَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِیْدٍ ﴿۴۵﴾

سو ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک فرمادیا جب کہ اُن بستیوں والے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، پس وہ بستیاں اپنے چھپروں پر گری ہوئی ہیں اور بہت سے کنویں بے کار پڑے ہیں اور بہت سے مضبوط محل ویران ہو چکے ہیں O

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾

کیا ان کافروں نے زمین میں سفر نہیں کیا تا کہ ان کے دل ایسے ہوتے جن سے وہ کفر کا انجام سمجھ سکتے یا ان کے کان ایسے ہوتے جو اُن کی بربادی کی خبریں سنتے، پس بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں اور لیکن سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں O

وَ یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَ لَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾

اور کفار آپ سے عجلت کے ساتھ عذاب کو طلب کرتے ہیں اور اللہ ہرگز اپنی وعید کے خلاف نہیں فرمائیں گے، اور بے شک آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال کی مثل ہے O

وَ كَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَمْلَیْتُ لَهَا وَ هِیَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿۴۸﴾

اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو مہلت دی حالانکہ اُن بستیوں کے رہنے والے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، پھر میں نے اُن پر اپنی گرفت فرمائی، اور سب نے میری ہی طرف لوٹنا ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جن مسلمانوں پر ظلم کیا گیا ہے اُن کو جہاد کرنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں، اور بے شک اللہ اُن کی مدد فرمانے پر ضرور قادر ہیں O'' (الحج: ۳۹)

کفار کے خلاف جہاد کی مشروعیت کا آغاز

علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الحج: ۳۹ تا ۴۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ'': یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اُن مشرکین سے جہاد کرنے کی اجازت عطا فرما دی جو مسلمانوں سے مسلسل جنگ کرتے رہتے ہیں۔

مفسرین نے کہا ہے کہ اہلِ مکہ کے مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ایذاء پہنچاتے تھے، ان کو مارتے تھے اور اُن کے سر پھاڑ دیتے تھے، مکہ کے مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کرتے تھے تو آپ اُن سے فرماتے تھے: ابھی تم صبر کرو، کیونکہ مجھے ابھی تک کفار سے جنگ کرنے کا حکم نہیں فرمایا گیا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی، اور یہ وہ پہلی آیت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت عطا فرمائی گئی اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی۔

اور مقاتل نے کہا: یہ آیت مخصوص لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کی طرف جا رہے تھے اور اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے سے روکا جا رہا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے اُن کفار کے خلاف مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت عطا فرمائی جن کو وہ ہجرت کرنے سے روکتے تھے، کیونکہ اُن پر ظلم کیا گیا تھا، اور بے شک اللہ تعالیٰ اُن کی مدد فرمانے پر ضرور قادر ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن زید نے کہا: مشرکین کو معاف کرنے کا حکم دینے کے دس سال بعد یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو ان سے قتال کی اجازت دی گئی۔ (تفسیر الطبری، ج ۱۶ ص ۵۷۵، دار عالم الکتب ریاض ۱۴۳۲ھ، الدر المنثور ج ۴ ص ۳۶۴)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جن لوگوں کو اُن کے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا صرف اس وجہ سے کہ وہ

کہتے تھے کہ ہمارے رب اللہ ہیں، اور اگر اللہ بعض لوگوں کے شر سے بعض دوسرے لوگوں کو دور نہ فرماتے تو عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں کی مساجد اور مسلمانوں کی وہ مساجد گرا دی جاتیں جن میں اللہ کا بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے، اور جو لوگ اللہ کے دین کی مدد کریں گے، اللہ ضرور اُن کی مدد فرمائیں گے، بے شک اللہ زبردست قوت والے، غلبہ والے ہیں O" (الحج: ۴۰)

"الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ": یعنی اُن مسلمانوں کو اُن کے گھروں سے صرف اس لیے نکالا گیا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارے رب صرف ایک اللہ ہیں۔

بعض لوگوں کے شر سے دوسرے بعض لوگوں کو بچانا

"وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ": اور اگر اللہ جہاد اور اقامت حدود کے ذریعہ بعض لوگوں کے شر کو دوسرے بعض لوگوں سے دور نہ فرماتے۔ "لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ": مجاہد اور الضحاک نے کہا: یعنی راہبوں کے گرجے اور قتادہ نے کہا: صابئین کی عبادت گاہیں، اور عیسائیوں کے گرجے، اور یہود کی عبادت گاہیں، عبرانی زبان میں ان کو "صَلَوٰتٌ" کہا جاتا تھا۔

"وَمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا": یعنی مسلمانوں کی مساجد کو منہدم کر دیا جاتا۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے شر کو جہاد سے اور ہر ملت کی شریعت سے دور نہ فرماتے تو ہر نبی کے زمانہ میں اُن کے نماز پڑھنے کی جگہوں کو منہدم کر دیا جاتا، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں گرجوں کو منہدم کر دیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں عبادت گاہوں کو تباہ کر دیا گیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مساجد کو منہدم کر دیا گیا۔

غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی توجیہات

(۱) حسن نے کہا: ان مقامات سے مراد مومنوں کی عبادات کے مقامات ہیں خواہ وہ کسی مذہب کے مومنین ہوں۔

(۲) زجاج نے کہا: اگر اللہ ہر نبی کی شریعت میں بعض لوگوں کو بعض لوگوں سے دور نہ فرماتے تو کسی نبی کے زمانہ میں نماز پڑھنے کی جگہ سلامت نہ رہتی، اور اگر اللہ بعض شریروں اور مفسدوں کو نیک لوگوں سے دور نہ فرماتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی عبادت گاہیں قائم نہ رہتیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کے معبد سلامت نہ رہتے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کی مسجدیں باقی نہ رہتیں۔ اس بناء پر یہودیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہوں سے اس وقت تک مفسدوں کو دور رکھا گیا جب تک وہ دینِ حق پر قائم تھے اور انہوں نے اپنے دین میں تحریف نہیں کی تھی اور ان کی شریعت منسوخ نہیں کی گئی تھی۔

(۳) اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ان کے معابد کی حفاظت کی گئی کیونکہ ان عبادت گاہوں میں بہر حال اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے اور وہ بت پرستوں اور مشرکوں کے بت کدوں اور مندروں کی طرح نہیں ہیں۔

(۴) اگر قتال اور جہاد کو مشروع نہ کیا جاتا تو کسی زمانہ میں اور کسی نبی کی امت میں بھی اہلِ حق کی عبادت گاہیں محفوظ نہ رہتیں۔

"وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ": یعنی اللہ تعالیٰ اپنے دین کی اور اپنے نبی کی ضرور مدد فرمائیں گے۔

"اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ": بے شک اللہ زبردست قوت والے، غلبہ والے ہیں۔

بعض اشرار کے شر سے دوسروں کو محفوظ رکھنے کے مزید محامل

(۱) جو مسلمان عذر کی وجہ سے جہاد نہیں کر سکتے، ان سے جہاد کی مشقت کو جہاد کرنے والے مسلمانوں کے سبب سے دور فرما دیتے ہیں۔

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نیک مسلمان کے سبب سے اس کے پڑوس کے سو گھروں سے مصائب کو دور فرما دیتے ہیں۔

(الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۲۷۳، جدید، العقیلی ج ۳ ص ۴۰۳، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۶۷، اس کی سند ضعیف ہے)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیکی میں سبقت کرو، نیکی میں سبقت کرو، اگر نوجوان اللہ سے ڈرنے والے اور بوڑھے نمازیں پڑھنے والے اور چرنے والے چوپائے نہ ہوتے تو تم سب پر آندھیوں کا عذاب آ جاتا۔

(مسند ابو یعلیٰ: ۶۴۰۲، مسند البزار: ۳۱۹۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۴۵، تاریخ بغداد ج ۶ ص ۶۴، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۲۷، ۲۳۰، المطالب العالیہ رقم: ۳۱۸۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”جن لوگوں کو اگر ہم زمین میں اقتدار عطا فرما دیں تو وہ زمین میں نماز کا نظام قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور نیک کاموں کا حکم دیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے، اور تمام کاموں کا نتیجہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے O“ (الحج:۴۱)

”اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ“: الزجاج نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے والوں کی صفت ہے۔ یعنی اگر ہم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے والوں کو غلبہ عطا فرمائیں اور ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد فرمائیں اور وہ شہروں پر قابض ہو جائیں اور وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں تو وہ زمین پر اللہ عزوجل کے احکامات کو نافذ فرمائیں گے۔ حسن بصری نے کہا کہ اس کا مصداق یہ امت ہے اور آخر کار انجام اللہ ہی کے قبضہ وقدرت میں ہے۔

جن مسلمانوں کو زمین پر اقتدار عطا فرمایا گیا ان کے مصادیق

(۱) یہ چار خلفاء راشدین ہیں، زمین میں ان کے علاوہ اور کسی کو ایسا اقتدار نہیں ملا۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد مہاجرین اور انصار ہیں اور جو ان کی نیکی کے ساتھ اتباع کریں۔

(۳) قتادہ نے کہا: یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔

(۴) الحسن اور ابو العالیہ نے کہا: یہ امت اس آیت کا مصداق ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو فتح عطا فرماتے ہیں تو یہ نمازوں کو قائم کرتی ہے یعنی حکمران۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور (اے رسول اکرم!) اگر کفار آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود تکذیب کر چکے ہیں O اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم نے بھی اپنے اپنے نبیوں کی

تکذیب کی تھی O اور مدین والوں نے بھی اپنے نبیوں کی تکذیب کی تھی، اور موسیٰ کی بھی تکذیب کی گئی تھی، میں نے کافروں کو مہلت دی، پھر اُن پر گرفت فرمائی، پس میرا عذاب کتنا زبردست تھا O"
(الحج: ۴۲-۴۳-۴۴)

"وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝"

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ کو تسلی عطا فرمائی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے دیگر انبیاء علیہم السلام کی بھی تکذیب کی گئی، سو اللہ تعالیٰ نے کفار کو مہلت عطا فرمائی اور اُن سے عذاب کو موخر فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر گرفت فرمائی، تو میرے انکار کا کیا نتیجہ نکلا اور میرا انکار کرنے کے نتیجہ میں اُن پر کیسا عذاب آیا اور میرے نبیوں کی مخالفت کرنے پر اُن پر کس طرح عذاب فرمایا گیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سو ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک فرمادیا جب کہ اُن بستیوں والے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، پس وہ بستیاں اپنے چھپروں پر گری ہوئی ہیں اور بہت سے کنویں بے کار پڑے ہیں اور بہت سے مضبوط محل ویران ہو چکے ہیں O" (الحج: ۴۵)

"فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ":

ایک قول یہ ہے کہ جو کنویں بے کار پڑے تھے اور جو محل ویران پڑے تھے وہ یمن میں تھے اور ان میں سے ہر ایک قوم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہلاک فرمادیا اور اُن کے کنویں اور اُن کے محل خالی پڑے رہ گئے۔ اور الضحاک نے بیان کیا ہے کہ یہ کنویں حضرموت میں تھے، اس شہر میں جس کو حاضوراء کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چار ہزار افراد اُن لوگوں میں سے تھے جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور عذاب سے نجات پا گئے تھے، وہ حضرموت میں آ گئے اور اُن کے ساتھ حضرت صالح علیہ السلام بھی تھے، پس جب وہ اس جگہ آئے تو حضرت صالح علیہ السلام کی وفات ہو گئی تو اس جگہ کا نام "حضرموت" رکھا گیا، کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام جب وہاں پر حاضر ہوئے تو فوت ہو گئے تو وہاں انہوں نے ایک شہر بنایا اور اس کا نام حاضوراء رکھا۔ اور اس کنویں کے پاس بیٹھ گئے اور انہوں نے ایک مرد کو وہاں کا امیر بنادیا اور ایک بڑے عرصہ تک وہاں رہے حتیٰ کہ اُن کی نسل پھیل گئی اور وہ بہت زیادہ ہو گئے، پھر انہوں نے بتوں کی پرستش کرنی شروع کردی اور آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے والے کا کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف ایک نبی کو بھیجا جن کا نام حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام تھا اور وہ اُن میں بوجھ اٹھانے والے تھے، ان لوگوں نے اُن کو بازار میں شہید کردیا، پس اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہلاک فرمادیا اور اُن کے کنویں ویران ہو گئے اور اُن کے محل کھنڈر بن گئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کیا ان کافروں نے زمین میں سفر نہیں کیا تاکہ ان کے دل ایسے ہوتے جن سے وہ

کفر کا انجام سمجھ سکتے یا اِن کے کان ایسے ہوتے جو اُن کی بربادی کی خبریں سنتے ، پس بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں اور لیکن سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہوجاتے ہیں O'' (الحج: ۴۶)

''اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ'' : کیا اِن کفارِ مکہ نے سفر نہیں کیا کہ یہ دیکھتے کہ پچھلی امتوں میں سے مکذبین کس طرح اوندھے پڑے ہوئے ہیں۔ پس وہ اپنے دلوں سے اُن کے کفر اور اس کے انجام پر غور کرتے یا اُن کے پاس جو پچھلی امتوں کی خبریں آتیں اُن کو سن کر نصیحت حاصل کرتے ، بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہوجاتے ہیں۔

قتادہ نے کہا: آنکھ وہ ہے جو ظاہر کو دیکھتی ہے اور دل وہ ہے جو نصیحت حاصل کرتا ہے۔

دماغ کے محلِ عقل ہونے پر دلائل

عقل کا محل دماغ ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام کی استعداد اور صلاحیت جس عضو میں رکھی ہے اس کا محل اسی عضو کو بنایا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے، اور ہم بداہۃً جانتے ہیں کہ غور و فکر اور سوچ و بچار کا کام دماغ سے لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ مطالعہ کرنے ، زیادہ غور و فکر کرنے اور زیادہ سوچ و بچار سے دماغ تھک جاتا ہے ، دل کو کوئی تھکاوٹ نہیں ہوتی۔ زیادہ پڑھنے سے بھی سر میں درد ہوجاتا ہے دل میں کوئی درد نہیں ہوتا ، اگر چربی بڑھ جانے اور موٹاپے سے عارضہ قلب کی بیماری لاحق ہوجائے اور دل کے دورے پڑنے لگیں تو اس سے انسان کی عقل متاثر نہیں ہوتی۔ اسی طرح بلڈ پریشر بڑھ جانے کی وجہ سے دل کو زیادہ مشقت اور محنت کرنا پڑے تو اس سے بھی عقل کی کارکردگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کے برخلاف اگر دماغ کو کوئی بیماری لاحق ہو جیسے عدمِ ارتکاز ، ذہنی انتشار ، انجانا خوف ، نسیان ، مالیخولیا اور جنون وغیرہ تو ان بیماریوں سے عقل کی کارکردگی کم یا فاسد ہوجاتی ہے۔ نیز اگر دماغ پر کوئی چوٹ لگ جائے تو اس سے بھی عقل متاثر ہوتی ہے، بعض اوقات دماغ کی چوٹ کی وجہ سے انسان کی یادداشت ختم ہوجاتی ہے، بعض دفعہ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کم یا ختم ہوجاتی ہے۔ یہ تمام چیزیں بہ کثرت مشاہدات اور بداہت سے ثابت ہیں۔

اور قرآن مجید اور احادیث میں جو دل کی طرف تعقل اور ادراک کی نسبت کی گئی ہے وہ مجاز ہے اور دل سے مراد دماغ ہے اور قرآن مجید میں بہ کثرت مجازات ہیں جیسے قرآن مجید میں فرمایا: ''يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۔ (البقرہ: ۱۹)'' (وہ کڑک سے (ڈر کر) موت کے خوف سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں)۔ یہاں انگلیوں کی پوروں پر انگلیوں کا اطلاق فرمایا ہے، کیونکہ کانوں میں زیادہ سے زیادہ انگلیوں کی پور ٹھونسی جاتی ہے انگلیاں نہیں ٹھونسی جاتیں ، اسی طرح قرآن مجید میں ہے: ''اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۔ (یوسف: ۳۶)'' (میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ میں خمر نچوڑ رہا ہوں)، اس آیت میں انگوروں پر مجازاً خمر کا اطلاق فرمایا ہے، کیونکہ خمر کو نہیں نچوڑا جاتا انگوروں کو نچوڑا جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے: ''حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ ۔ (الکہف: ۸۶)'' (حتیٰ کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پر پہنچے تو انہوں نے سورج کو سیاہ کیچڑ کے چشمہ میں غروب ہوتا ہوا پایا)۔ اس آیت میں سورج کو کیچڑ کے چشمہ

میں غروب ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور یہاں پر کیچڑ کے چشمہ سے مجازاً وہ جگہ مراد ہے جہاں پر خشکی کی حد ختم ہو گئی تھی اور اس کے بعد سمندر تھا، کیونکہ سورج تو بہت بڑا ہے اور اس کا چشمہ میں غروب ہونا محال ہے، سو قرآن مجید میں بہ کثرت مجازات ہیں۔ اسی طرح جہاں پر قرآن مجید میں تعقل اور ادراک کا اطلاق دل پر فرمایا ہے وہ بھی مجازاً اطلاق ہے ورنہ دل کا کام صرف خون کو پمپ کر کے تمام جسم میں پہنچانا ہے نہ کہ غور و فکر کرنا اور ادراک کرنا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کفار آپ سے عجلت کے ساتھ عذاب کو طلب کرتے ہیں اور اللہ ہرگز اپنی وعید کے خلاف نہیں فرمائیں گے، اور بے شک آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال کی مثل ہے O'' (الحج: ٤٧)

اُس دن کا مصداق جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی

''وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ'':

یہ آیت النضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے کہا تھا: اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے حق ہے تو آپ ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسائیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی وعید کے خلاف نہیں فرماتے، پس غزوۂ بدر کے دن اس وعید کو پورا فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ۔ (السجدہ: ٥)'' (وہ آسمان سے زمین تک ہر کام کی تدبیر فرماتے ہیں، پھر ہر امر ایسے دن میں اس کی بلند بارگاہ میں حاضر ہوگا جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ہزار سال ہے)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان ایام سے مراد وہ دن ہیں جن دنوں میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ اور مجاہد اور عکرمہ نے کہا کہ اس دن سے مراد ایام آخرت کے دن ہیں اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فقراء مہاجرین! قیامت کے دن کے مکمل نور کی خوش خبری قبول کرو تم مال دار لوگوں سے آدھا دن پہلے جنت میں داخل ہو گے اور اس نصف دن کی مقدار پانچ سو سال ہے۔

(سنن ابو داؤد: ٣٦٦٦، مسند احمد: ٦٦٢٣۔ ١١٩١٥، السنۃ لابن ابی عاصم ج ٢ ص ٧٣٣، المعجم الاوسط للطبرانی: ٣٠١٠٣، شعب الایمان: ١٠٠١٠، شرح السنۃ للبغوی ج ١٣ ص ١٩١، السند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ٢ ص ٣١٥)

''إِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ'': ابن زید نے کہا: یہ ایام آخرت میں سے ہے، اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ۔ (المعارج: ٤)'' (فرشتے اور جبریل اس کی بارگاہ کی طرف چڑھتے ہیں وہ عذاب اس دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے)۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ کفار دنیا میں عذاب کو عجلت سے طلب کرتے ہیں اور آخرت میں اُن کے عذاب کا ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ جس عذاب کو یہ عجلت سے طلب کرتے ہیں اس کا ایک دن اپنے ثقل اور طوالت میں اور شدت میں اُن کی گنتی کے مطابق ہزار سال کی مثل ہوگا، پس وہ کیونکر اس کو عجلت سے طلب کرتے ہیں، اور یہ اس طرح ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ غم اور

فکر کے ایام بہت طویل ہوتے ہیں اور خوشی کے ایام بہت کم ہوتے ہیں۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ایک دن اللہ کے نزدیک اُن کو مہلت دینے میں ایک ہزار سال کی مثل ہے، کیونکہ اللہ عزوجل اس پر قادر ہیں کہ جب چاہیں اُن کو عذاب سے اپنی گرفت میں لے لیں اور جب چاہیں ان کو مہلت دے کر عذاب میں تاخیر فرمادیں، پس اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ برابر ہے کہ وہ اس عذاب کو عُجلت سے نازل فرمائیں یا تاخیر سے نازل فرمائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو مُہلت دی حالانکہ اُن بستیوں کے رہنے والے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، پھر میں نے اُن پر اپنی گرفت فرمائی، اور سب نے میری ہی طرف لوٹنا ہے O" (الحج:۴۸)

"وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ": یعنی ہم اس سے پہلے کتنی ہی بستیوں کو مہلت دے چکے ہیں حالانکہ ان بستیوں کے باشندے بھی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، پھر ہم نے اُن کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف سب نے لوٹنا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۴۴۔۳۴۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ﴿۴۹﴾

(اے رسول اکرم!) آپ کہیے: اے لوگو! میں تمہیں صرف اللہ کے عذاب سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں O

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾

پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اُن کے لیے مغفرت ہے اور عزت والی روزی ہے O

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾

اور جن لوگوں نے یہ کوشش کی کہ وہ ہماری آیتوں (کو باطل قرار دینے) میں ہمیں عاجز کرنے والے ہیں، وہی لوگ دوزخ والے ہیں O

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۙ﴿۵۲﴾

اور (اے رسول اکرم!) ہم نے آپ سے پہلے جس رسول یا نبی کو بھی بھیجا سو جب اس نے (اپنی امت کی کثرت کی) تمنا کی تو شیطان نے (لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر) اس کی تمنا (پوری ہونے) میں رخنہ اندازی کی، سو اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے (وسوسوں) کو زائل فرما دیتے ہیں، پھر اللہ اپنی آیات کو پختہ فرما دیتے ہیں، اور اللہ خوب جاننے والے، بہت حکمت والے ہیں O

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

تا کہ شیطان اپنے ڈالے ہوئے فتنوں کو اُن لوگوں کے لیے آزمائش بنادے جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے اور جن کے دل پتھر کی طرح سخت ہیں، اور بے شک ظالم لوگ (دشمنِ حق کی) مخالفت میں بہت دور جا چکے ہیں O

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾

اور تا کہ علم والے جان لیں کہ اُن کو جو قرآن عطا فرمایا گیا ہے وہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے، سو وہ اس پر ایمان لائیں اور اُن کے دل اُس پر مطمئن ہو جائیں، اور بے شک اللہ مسلمانوں کو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت عطا فرمانے والا ہے O

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾

اور کفار قرآن مجید کے برحق ہونے کے متعلق ہمیشہ شک میں رہیں گے حتیٰ کہ اُن کے پاس اچانک قیامت آجائے گی یا اُن پر نامبارک دن کا عذاب نازل ہو جائے گا O

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾

اُس دن صرف اللہ ہی کی حکومت ہوگی، وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے، پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ دائمی جنتوں میں ہوں گے O

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی تو اُن کے لیے اہانت والا عذاب ہوگا O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: اے لوگو! میں تمہیں صرف اللہ کے عذاب سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں O" (الحج: ۴۹)

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، الحج: ۴۹ تا ۵۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"**قُلْ**": اے رسولِ اکرم! آپ ان لوگوں سے کہیے کہ ہم نے تم کو جو ان کے اعمال کی خبر دی ہے اس کی وجہ سے آپ اُن کو دعوتِ اسلام دینے سے نہ رکیں۔ "**يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ**": اے تمام لوگو! خواہ وہ آپ کی قوم سے ہوں یا دوسروں سے ہوں۔

"اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ": میں تمہیں کھلا کھلا عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ اس آیت میں صرف عذاب سے ڈرانے پر اقتصار فرمایا ہے، کیونکہ اس کلام کو مشرکین کے ساتھ شروع فرمایا ہے اور مومنین اور اُن کے ثواب کا دوسری آیت میں ذکر فرمایا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اُن کے لیے مغفرت ہے اور عزت والی روزی ہے O" (الحج: ٥٠)

"فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" سے مراد ہے جنہوں نے ایمان لانے کا اقرار کیا۔ "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ": یعنی انہوں نے اپنے ایمان کے دعویٰ کی تصدیق کے لیے نیک عمل کیے۔ "لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ": اُن سے جو کوتاہی ہوگئی ہے اس کے لیے مغفرت ہے۔

"وَّرِزْقٌ": اور دنیا میں مالِ غنیمت وغیرہ کی وجہ سے اُن کو رزق عطا فرمایا جائے گا اور آخرت میں ایسی نعمتیں عطا فرمائی جائیں گی جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا اور نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی بشر کے دل میں اُن کا خیال آیا ہوگا۔

"كَرِيْمٌ": یعنی اُس رزق میں انقطاع نہیں ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جن لوگوں نے یہ کوشش کی کہ وہ ہماری آیتوں (کو باطل قرار دینے) میں ہمیں عاجز کرنے والے ہیں، وہی لوگ دوزخ والے ہیں O" (الحج: ٥١)

"وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ":

جن لوگوں نے ہماری آیات کو باطل کرنے کی کوشش کی خواہ ایک مرتبہ کی ہو، تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کو عاجز کردیں اور اُن کو ایمان لانے سے روکیں۔ یہ لوگ دوزخی ہیں، یعنی اپنے ان کاموں کی وجہ سے یہ دوزخ کے عذاب کے مستحق ہیں۔ اور دوزخ میں رہیں گے تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہی عاجز تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور (اے رسولِ اکرم!) ہم نے آپ سے پہلے جس رسول یا نبی کو بھی بھیجا سو جب اس نے (اپنی امت کی کثرت کی) تمنا کی تو شیطان نے (لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر) اس کی تمنا (پوری ہونے) میں رخنہ اندازی کی، سو اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے (وسوسوں) کو زائل فرما دیتے ہیں، پھر اللہ اپنی آیات کو پختہ فرما دیتے ہیں، اور اللہ خوب جاننے والے، بہت حکمت والے ہیں O" (الحج: ٥٢)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے دوران شیطان کے اپنی طرف سے کلمات ملانے کی روایت کا بطلان

"وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ": یعنی ہم نے آپ سے پہلے کسی رسول یا نبی کو تبلیغ کرنے کے لیے نہیں بھیجا مگر اس کی امت کی کثرت کی تمنا میں شیطان نے رخنہ اندازی کی۔

اس آیت میں نبی کا لفظ رسول سے عام ہے، کیونکہ امام احمد سے سوال کیا گیا کہ انبیاء کتنے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ایک لاکھ چوبیس ہزار، پھر پوچھا گیا کہ اُن میں رسول کتنے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: تین سو تیرہ رسول ہیں۔ (مسند احمد: ٢١٧٨٥)

دوسرا قول یہ ہے کہ رسول وہ ہے کہ جس پر نازل فرمائی ہوئی کتاب معجزہ ہو اور نبی رسول کا غیر ہے جس کے پاس کتاب نہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رسول وہ ہے جس پر کتاب نازل ہوئی ہو اور نبی وہ ہے جس پر وحی فرمائی گئی ہو خواہ خواب میں۔

"اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى": مگر جب وہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تلاوت کرتے ہیں یا حدیث بیان کرتے ہیں یا اُن کے دل میں یہ تمنا ہوتی ہے کہ لوگ اُن کی تبلیغ اور اُن کے احکام کو قبول کریں کیونکہ وہ لوگوں کے ایمان لانے پر بہت حریص ہوتے ہیں "اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِىْٓ اُمْنِيَّتِهٖ" تو شیطان اُن کی تلاوت میں یا اُن کی تمنا میں رخنہ ڈال دیتا ہے اور شیطان کے متبعین اہل الالحاد سے جھگڑا کرتے ہیں اور شیاطین اپنے حمائتیوں کی طرف وسوسے ڈالتے ہیں تا کہ وہ جھگڑا کریں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِىْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۔ (الانعام: ١١٢)" (اور اسی طرح ہم نے سرکشی کرنے والے انسانوں اور جنات کو ہر نبی کے لیے دشمن بنا دیا جو دھوکہ دینے کے لیے ایک دوسرے کی طرف ملمع کی ہوئی جھوٹی باتیں خفیہ طریقوں سے پہنچاتے ہیں، اور اگر آپ کے رب چاہتے تو وہ یہ کام نہ کرتے، سو آپ ان کو ان کی بہتان تراشیوں کے ساتھ چھوڑ دیں)۔

جس طرح یہ لوگ شریعت کے اصول اور فروع میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتے تھے اور قرآن مجید کے متعلق کہتے تھے کہ یہ شعر ہے اور جادو ہے اور کہانت ہے اور جیسا کہ اُن کا یہ قول ہے: "سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَىْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۔ (الانعام: ١٤٨)" (عنقریب مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتے تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے، اسی طرح اُن سے پہلے لوگوں نے بھی (ہمارے عذاب کی) تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا ذائقہ چکھا، آپ کہیے: کیا تمہارے پاس اس پر کوئی علمی دلیل ہے؟ (اگر ہے) تو اس دلیل کو ہمارے سامنے لاؤ، تم صرف گمان کی پیروی کرتے ہو، اور تم محض غلط اندازے لگاتے ہو)۔ اور اسی طرح مسلمانوں سے کہتے تھے کہ جو جانور طبعی موت سے مرجائے تم اس کو حرام کہتے ہو اور جس کو تم خود کاٹ کر ذبح کرو اس کو حلال کہتے ہو، حالانکہ جو جانور اپنی طبعی موت سے مرا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے مارا ہے اور جس کو تم نے ذبح کیا ہے اس کو تم نے مارا ہے تو اللہ تعالیٰ کے مارے ہوئے کو تم حرام کہتے ہو اور اپنے مارے ہوئے کو حلال کہتے ہو۔ اور وہ کہتے تھے کہ ہم حرم کے رہنے والے ہیں اور اہل اللہ ہیں اس لیے ہم حرم سے باہر نہیں آئیں گے اور ہم حج میں المشعر الحرام میں وقوف کریں گے اور عام لوگ میدان عرفہ میں وقوف کریں گے، اور ہم اپنے کپڑوں کے ساتھ طواف کریں گے اور دوسرے لوگ برہنہ طواف کریں گے خواہ مرد ہوں یا عورت، سوا اس کے کہ جس کو ہم کپڑے دیں گے وہ کپڑے پہن کر طواف کرے گا، اور اس قسم کے دوسرے شبہات ڈالتے تھے اور ارادہ کرتے تھے کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں۔

"فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ": پس شیطان جو اس قسم کے شبہات اور وسوسے مسلمانوں کے دلوں میں ڈالتا تھا اللہ عزوجل اُن تمام وسوسوں اور شبہات کو باطل فرما دیتے ہیں۔ "ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ": پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو مضبوط فرما دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے تمام احوال کو جاننے والے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور محمد بن کعب القرظی اور دیگر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ اُن کی قوم آپ سے اعراض کرتی ہے تو آپ پر اُن کی دوری دشوار ہوئی اور آپ نے دل میں یہ تمنا کی کہ اللہ تعالیٰ ایسی چیز لائیں جو آپ کی قوم کو آپ کے قریب کر دے، کیونکہ آپ کو اُن کے ایمان لانے کی حرص تھی، پس ایک دن آپ قریش کی مجلس میں بیٹھے اور آپ نے یہ چاہا کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی آیت نازل فرمائیں کہ یہ قریش آپ سے متنفر نہ ہوں اور آپ نے یہ تمنا کی تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم نازل فرمائی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے سامنے سورۃ النجم کی آیات کی تلاوت فرمائی حتیٰ کہ جب آپ نے یہ آیت پڑھی: "اَفَرَءَيۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰى ۞ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الۡاُخۡرٰى ۞ ۔ (النجم: ١٩۔٢٠)" (تو کیا تم نے لات اور عزیٰ (دیویوں) کو دیکھا ۞ اور اس ایک اور تیسری (دیوی) منات کو بھی؟) تو شیطان نے آپ کی طرف وسوسہ ڈالا حتیٰ کہ آپ کی زبان سے سہواً یہ کلمات جاری ہوئے: "تِلۡكَ الۡغَرَانِيۡقُ الۡعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرۡتَجٰى" (یعنی ان بتوں کی شفاعت کی امید رکھی گئی ہے)۔ سو مشرکین اس سے بہت خوش ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری سورت کی تلاوت فرمائی اور آخر میں سجدہ کیا اور آپ کے سجدہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا اور مشرکین نے بھی سجدہ کیا، پس مسجد میں ہر مومن اور ہر کافر نے سجدہ کیا سوائے الولید بن المغیرہ اور سعید بن العاص کے، ان دونوں نے کچھ کنکریاں اٹھا کر اپنی پیشانی پر رکھ لیں اور اُن پر سجدہ کیا کیونکہ وہ دونوں بہت بوڑھے تھے اور سجدہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ اور قریش متفرق ہو گئے اور وہ اس بات سے خوش ہوئے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، انہوں نے کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے معبودوں کی شفاعت کرنے کا اچھے طریقے سے ذکر کیا ہے، اور انہوں نے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی زندہ فرماتے ہیں اور وہی مارتے ہیں اور وہی رزق دیتے ہیں لیکن ہمارے یہ معبود اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری شفاعت کریں گے۔ اور جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شفاعت کرنے کا اقرار کر لیا تو ہم اُن کے ساتھ ہیں، پھر جب شام ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کیا: اے محمد! آپ نے کیا کیا ہے، آپ نے لوگوں کے سامنے اس چیز کی تلاوت کی جو میں آپ کے پاس لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت رنجیدہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ خوف زدہ ہوئے، تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دینے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی: "وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِىٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلۡقَى الشَّيۡطٰنُ فِىۡۤ اُمۡنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنۡسَخُ اللّٰهُ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ ثُمَّ يُحۡكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ"۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو قریش نے کہا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو ہمارے بتوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتبہ بیان کیا تھا اس پر وہ نادم ہو گئے اور انہوں نے اس کو تبدیل کر دیا۔

امام رازی نے کہا: اس روایت کا عام ظاہری مفسرین نے ذکر کیا ہے لیکن اہل تحقیق نے کہا ہے کہ یہ روایت باطل، موضوع ہے اور انہوں نے اس کے بطلان پر قرآن مجید سے اور سنت صحیحہ سے اور عقلی دلائل سے استدلال کیا ہے۔ اس روایت کے بطلان پر قرآن مجید سے یہ دلیل ہے: "وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِيۡلِ ۞ لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡيَمِيۡنِ ۞ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِيۡنَ۔ (الحاقہ: ٤٤۔٤٦)" (اور (بالفرض) اگر وہ رسول ہماری طرف منسوب کر کے کوئی بات خود بنا کر بیان کر دیتے ۞ تو ہم اُن کو پوری قوت سے پکڑ لیتے ۞ پھر ہم ضرور اُن کی رگِ دل کاٹ دیتے)۔ ان آیات میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کوئی بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کر سکتے، اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ کو پوری قوت سے پکڑ لیتے اور آپ کے دل کی رگ کو

کاٹ دیتے۔

نیز قرآن مجید میں ہے: ''وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔ (یونس: ۱۵)'' (اور جب ان مشرکین کے سامنے ہماری روشن آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو جو لوگ ہماری بارگاہ میں حاضر ہونے کی امید نہیں رکھتے تھے وہ کہتے ہیں: ''(اے اللہ کے رسول!) آپ اس قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن پیش کریں یا اسی میں تبدیلی کر دیں''۔ (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: میرے اختیار میں یہ نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اس قرآن میں کوئی تبدیلی کر دوں، میں صرف اُسی وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف نازل فرمائی جاتی ہے، میں اس سے ڈرتا رہتا ہوں کہ اگر (بالفرض) میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے بہت بڑے دن کا عذاب پہنچے گا)۔ اور قرآن مجید میں ہے: ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ (النجم: ۳)'' (اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے)۔

قرآنِ مجید کی ان آیات سے آفتاب سے زیادہ روشن طریقہ سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت ''رسول اللہ ﷺ نے شیطان کے وسوسہ ڈالنے سے بُتوں کی تعریف کی'' باطل اور موضوع ہے، کیونکہ شیطان کا رسول اللہ ﷺ کی زبان پر تصرف کرنا محال ہے اور اس روایت کے بُطلان پر سنت سے بھی دلائل ہیں جن کو ہم ابھی پیش کر رہے ہیں:

اور سنت سے دلائل یہ ہیں کہ امام محمد بن خزیمہ سے اس قصہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس قصہ کو زندیقوں نے وضع کیا ہے اور اس پر ایک کتاب لکھ دی ہے، اور امام بیہقی نے کہا کہ یہ قصہ جہتِ نقل سے ثابت نہیں ہے، کیونکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۃ النجم کی تلاوت کی اور اس میں سجدہ کیا اور مسلمانوں نے سجدہ کیا اور کفار نے اور انس نے اور جن نے سجدہ کیا۔ (صحیح البخاری: ۱۰۷۰)۔ اور اس حدیث میں الغرانیق کا قصہ نہیں ہے۔

اور دلائلِ عقلیہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) جس شخص نے نبی ﷺ کے لیے بُتوں کی تعظیم کو جائز قرار دیا وہ کافر ہو گیا، کیونکہ بالبداہت یہ معلوم ہے کہ نبی ﷺ کی سب سے بڑی اور انتہائی کوشش یہ ہوتی تھی کہ بُتوں کی تعظیم اور اُن کی پرستش کو باطل قرار دیا جائے۔

(۲) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ۔ (الحج: ۵۲)'' (سو اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے (وسوسوں) کو زائل فرما دیتے ہیں، پھر اللہ اپنی آیات کو پختہ فرما دیتے ہیں)۔ اور نبی ﷺ سے شیطان کے القاء کیے ہوئے کو زائل فرما دینا اس سے زیادہ قوی ہے کہ اُن آیات کو منسوخ قرار دیا جائے جن کے ساتھ شبہ باقی رہتا ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو محکم کرنے کا ارادہ فرمائیں گے تاکہ غیرِ قرآن، قرآن مجید کے ساتھ مشتبہ اور ملتبس نہ ہو تو ضروری ہوا کہ شیطان کو ابتداءً ایسی چیز کے القاء کرنے سے روک دیا جائے۔

(۳) اور یہ سب سے قوی دلیل ہے کہ اگر ہم اس کو جائز قرار دیں کہ شیطان نبی ﷺ کی زبان سے کچھ کلمات کہلوا سکتا ہے تو شریعت سے امان اور ایقان اُٹھ جائے گا، کیونکہ ہر حکم میں یہ احتمال ہوگا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا نہ ہو بلکہ شیطان کا القاء کیا ہوا ہو، پھر اللہ عزوجل کی یہ آیت باطل ہو جائے گی: ''يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ

فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ (المائدہ: ٦٧)" (اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف نازل فرمایا گیا ہے، اس کو پہنچا دیجئے، اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا، اور اللہ آپ کو لوگوں (کے ضرر) سے بچائیں گے)۔ اس آیت میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی وحی میں سے کچھ کمی کرنا جائز نہیں ہے اور بالفرض اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحی میں سے کچھ کمی کی تو آپ نے کارِ رسالت کو انجام نہیں دیا، سو جس طرح وحی میں اپنی طرف سے کچھ کمی کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی وحی میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ سو جس طرح وحی میں کمی کرنا رسالت کے منافی ہے، اسی طرح وحی میں اضافہ کرنا بھی رسالت کے منافی ہے، سو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے نازل نہ فرمایا ہو اس کو آپ پڑھ کر سنا ئیں۔

بعض علماء نے اس باطل روایت کی یہ تاویل کی ہے کہ نبی ﷺ جب آیات کی تلاوت فرماتے تھے تو اُن کے درمیان وقفہ کرتے تھے تو اس وقفہ کے درمیان شیطان نے آپ کی آواز کے مشابہ آواز بنا کر یہ کلمات ڈال دیئے۔

(السراج المنیر، ج ٣ ص ٣٠٧۔ ٣١٠، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢٥ھ)

میں کہتا ہوں: یہ تاویل باطل ہے، کیونکہ جب شیطان آپ کی صورت کی مثل نہیں بنا سکتا تو آپ کی آواز کی مثل کیسے بنا سکتا ہے، کیونکہ صورت تو صرف دیکھنے والوں کے ساتھ خاص ہے اور آواز تو دیکھنے والا ہو یا نابینا ہو دونوں سنتے ہیں، اگر آپ کی آواز کے مشابہ شیطان آواز بنا سکتا ہے تو جو نابینا صحابی ہو وہ اس شیطان کی ڈالی ہوئی آواز کو آپ کی آواز سمجھے گا اور ہدایت گمراہی کے ساتھ مشتبہ ہو جائے گی اور شریعت پر کوئی اعتبار نہیں رہے گا۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "تا کہ شیطان اپنے ڈالے ہوئے فتنوں کو اُن لوگوں کے لیے آزمائش بنا دے جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے اور جن کے دل پتھر کی طرح سخت ہیں، اور بے شک ظالم لوگ (دینِ حق کی) مخالفت میں بہت دور جا چکے ہیں O" (الحج: ۵۳)

"لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَإِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ": تا کہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے کلمات کو لوگوں کے لیے آزمائش اور امتحان بنا دیں جن لوگوں کے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے اور جن لوگوں کے دل حق کے قبول کرنے سے بہت سخت ہو چکے ہیں اور وہ مشرکین ہیں اور جو لوگ ان اقوال اور افعال کو غیر محل میں رکھتے ہیں اور ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں، وہ حق اور ثواب سے بہت دور ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ۔ (الانعام: ١١٣)" (اور تا کہ وہ لوگ ان (شیاطین) کی باتوں کو غور سے سنیں اور اُن لوگوں کے دل ان (شیاطین) کی طرف مائل رہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تا کہ وہ ان (شیاطین) کی باتوں کو پسند کریں اور تا کہ وہ اُن گناہوں کو کرتے رہیں جو وہ کرتے ہیں)۔

جلال الدین محلی نے اس قصہ کو ثابت کیا ہے اور پھر بعد میں اس کو باطل قرار دیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تاکہ علم والے جان لیں کہ اُن کو جو قرآن عطا فرمایا گیا ہے وہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے، سو وہ اس پر ایمان لائیں اور اُن کے دل اُس پر مطمئن ہو جائیں، اور بے شک اللہ مسلمانوں کو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت عطا فرمانے والے ہیں O'' (الحج: ۵۴)

''وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ'': اور تاکہ موحدین اور قرآن کے ماننے والے مومنین اللہ تعالیٰ کے شیطان کے ڈالے ہوئے کو منسوخ کرنے کی تصدیق کریں کہ ان شبہات کا منسوخ کرنا اور ان کا باطل کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق ہے، پس وہ ان کے منسوخ کرنے پہ ایمان لائیں اور اُن کے دل ان شبہات کے منسوخ ہونے پر مطمئن ہو جائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کفار قرآن مجید کے برحق ہونے کے متعلق ہمیشہ شک میں رہیں گے حتیٰ کہ اُن کے پاس اچانک قیامت آجائے گی یا اُن پر نامبارک دن کا عذاب نازل ہو جائے گا O'' (الحج: ۵۵)

''وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ'': اس آیت میں فرمایا ہے کہ کفار ہمیشہ شک میں رہیں گے، اس شک کے متعلق چار قول ہیں: (۱) یعنی وہ تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلَىٰ کے متعلق ہمیشہ شک میں رہیں گے۔ (۲) یعنی وہ کہیں گے: اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے ہمارے معبودوں کا ذکر کیا گیا، پھر اُن کے ذکر سے رجوع کیا گیا۔ یہ دونوں قول سعید بن جبیر سے مروی ہیں۔ (۳) یا ابن جریج کا قول ہے، انہوں نے کہا کہ یہ کفار ہمیشہ قرآن مجید کے متعلق شک میں رہیں گے۔ (۴) وہ ہمیشہ دین اسلام کے متعلق شک میں رہیں گے۔ ''حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً'': اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں: (۱) حسن بصری نے کہا: حتیٰ کہ مشرکین پر قیامت واقع ہو جائے۔ (۲) الواحدی نے کہا: حتیٰ کہ انہیں موت آجائے۔

''يَوْمٍ عَقِيمٍ'' کی توجیہات

''أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ'': اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد غزوہ بدر کا دن ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عکرمہ اور الضحاک نے کہا کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ العُقم کا معنی ہے: وہ عورت جس کے ہاں اولاد نہ ہو۔ اور رجل عقیم اس مرد کو کہتے ہیں جس کے ہاں اولاد نہ ہو۔ اور الریح العقیم اس ہوا کو کہتے ہیں جو بادلوں کو نہ لائے، کیونکہ وہ اس کے پاس کسی خیر کو نہیں لاتے۔ اور یوم بدر کو جو عقیم کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دن میں کفار کے لیے کوئی برکت اور خیر نہیں تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کفار کو اس دن میں رات تک مہلت نہیں دی گئی بلکہ شام سے پہلے اُن کو قتل کر دیا گیا۔ اور جنہوں نے کہا: اس سے مراد قیامت کا دن ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دن کے بعد رات نہیں ہوگی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس دن میں مشرکین کے لیے کوئی خیر اور کشادگی نہیں ہوگی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُس دن صرف اللہ ہی کی حکومت ہوگی، وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے، پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ دائمی جنتوں میں ہوں گے O'' (الحج: ۵۶)

"اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ":
یعنی قیامت کے دن کے صرف اللہ عزوجل مالک ہیں اور اس دن کی ملکیت کا اللہ عزوجل کے سوا اور کوئی مدعی نہیں ہے، اس دن میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان فیصلہ فرما دیں گے۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کی تصدیق میں نیک عمل کئے اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُن کی رحمت سے دائمی جنات ہوں گی کیونکہ ان پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور اُن کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی تو اُن کے لیے اہانت والا عذاب ہوگا O" (الحج: ۵۷)

"وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ": اور جن لوگوں نے ہماری توحید کی معرفت کے دلائل کو چھپایا اور ہماری آیات کی تکذیب کی اور شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کی تصدیق کی، سو ان لوگوں کے لیے اہانت میں مبتلاء کرنے والا عذاب ہوگا، کیونکہ یہ ہماری آیات پر ایمان لانے سے تکبر کرتے تھے۔

(السراج المنیر، ج ۳ ص ۳۰۷۔۳۱۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ، وتفاسیر اخری)

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، پھر وہ شہید کر دیئے گئے یا طبعی موت سے وفات پا گئے تو اللہ اُن کو ضرور بہ ضرور عمدہ رزق عطا فرمائیں گے، اور بے شک اللہ سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والے ہیں O

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾

اللہ اُن کو ضرور بہ ضرور ایسی جگہوں میں داخل فرمائیں گے جن سے وہ راضی ہوں گے، اور بے شک اللہ سب سے زیادہ جاننے والے، سب سے زیادہ بُردبار ہیں O

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

ان باتوں کو یاد رکھو، اور جس مسلمان نے کسی کافر کو اتنی ہی سزا دی جتنی اسے اذیت پہنچائی گئی تھی، پھر اس مسلمان کے خلاف زیادتی کی گئی تو اللہ ضرور بہ ضرور اُس مسلمان کی مدد فرمائیں گے، بے شک اللہ سب سے زیادہ معاف فرمانے والے، سب سے زیادہ بخشنے والے ہیں O

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾

اور یہ اس لیے ہوگا کہ اللہ رات کو دن میں داخل فرما دیتے ہیں اور دن کو رات میں داخل فرما دیتے ہیں، اور بے شک اللہ سب سے زیادہ سننے والے سب سے زیادہ دیکھنے والے ہیں O

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾

یہ اس لیے ہے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہیں اور بے شک مشرکین اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہیں وہ باطل ہے، اور بے شک اللہ ہی سب سے بلند، سب سے بڑے ہیں O

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿٦٣﴾

(اے مخاطب!) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی آسمان سے پانی نازل فرماتے ہیں جس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے، بے شک اللہ ہی بہت مہربان، سب سے زیادہ خبر رکھنے والے ہیں O

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٦٤﴾ ع ١٥

جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب ان ہی کی ملکیت ہے، اور بے شک اللہ ہی مستغنی، حمد فرمائے ہوئے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، پھر وہ شہید کر دیے گئے یا طبعی موت سے وفات پا گئے تو اللہ اُن کو ضرور بہ ضرور عمدہ رزق عطا فرمائیں گے، اور بے شک اللہ سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والے ہیں O اللہ اُن کو ضرور بہ ضرور ایسی جگہوں میں داخل فرمائیں گے جن سے وہ راضی ہوں گے، اور بے شک اللہ سب سے زیادہ جاننے والے، سب سے زیادہ بُرد بار ہیں O'' (الحج: ۵۸-۵۹)

اللہ کی راہ میں موت کی فضیلت

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الحج: ۵۸ تا ۶۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ'': ان آیتوں میں طبعاً فوت ہونے والے مہاجرین اور شہید ہونے والے

مہاجرین کا ذکر باقی فوت شدگان سے الگ فرمایا ہے۔

ان آیتوں کا سبب نزول یہ ہے کہ جب مدینہ منورہ میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسلمہ بن عبد الاسد فوت ہو گئے تو بعض لوگوں نے کہا کہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوا، وہ اُن سے افضل ہے جو اپنی طبعی موت سے فوت ہو گیا، تب اُن دونوں فوت شدگان کو برابر کا درجہ دینے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن سب کو رزق حسن عطا فرمائیں گے۔ اور ظاہر شریعت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کیا گیا وہ افضل ہے۔ اور بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا گیا اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں فوت ہو گیا دونوں کا درجہ برابر ہے۔ اور اُن کا استدلال اس آیت سے ہے: ''وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔ (النساء: ۱۰۰)'' (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں گے تو وہ زمین میں بہت وسعت اور گنجائش پائیں گے اور جو لوگ اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کے لیے نکلے، پھر اُن کو (راستے میں) موت آ جائے تو بے شک اللہ (کے ذمۂ کرم) پر ان کا اجر ثابت ہو گیا، اور اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں)۔ اور اُن کا استدلال درج ذیل حدیث سے بھی ہے:

اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام حرام بنت ملحان کے پاس جاتے تھے اور وہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، پس ایک دن آپ ان کے پاس گئے، انہوں نے آپ کو کھانا کھلایا، اور وہ آپ کے سر میں جوئیں دیکھ رہی تھیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے، پھر آپ بیدار ہوئے اور اس وقت آپ ہنس رہے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اپنی عادت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کو سہلا رہی تھیں جس کو راوی نے جوئیں دیکھنے سے تعبیر کیا ہے ورنہ جوئیں میل اور کچیل سے پیدا ہوتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ نظیف اور طاہر تھے اس لیے آپ کے سر کے بالوں میں جوؤں کا پڑنا محال ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کو کیا چیز ہنساتی ہے؟ آپ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے تھے، وہ اس سمندر کے وسط میں تختوں پر اس طرح سوار تھے جس طرح تختوں پر بادشاہ بیٹھے ہوتے ہیں، یا جیسے تختوں پر بادشاہ ہوتے ہیں، راوی اسحاق کو شک ہے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے فرما دے، پس ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی، پھر آپ نے اپنا سر رکھ دیا، پھر آپ بیدار ہوئے اور اس وقت آپ ہنس رہے تھے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کو کیا چیز ہنساتی ہے؟ آپ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے تھے، اسی طرح فرمایا جس طرح پہلی بار فرمایا تھا، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے فرما دے، آپ نے فرمایا: تم پہلوں میں سے ہو، پس حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں کشتی میں سوار ہوئیں تو جس وقت وہ سمندر سے نکلیں تو سواری نے ان کو گرا دیا، پس وہ شہید ہو گئیں۔ (صحیح البخاری:

۲۷۸۸، ۲۷۹۹، ۲۸۷۷، ۲۸۹۳، ۶۲۸۲، ۷۰۰۱، ۲۷۸۹، ۲۸۰۰، ۲۸۷۸، ۲۸۹۵، ۲۹۲۳، ۷۰۰۲، صحیح مسلم: ۱۹۱۲، سنن ترمذی: ۱۶۴۵، سنن النسائی: ۳۱۷۱، سنن ابوداؤد: ۲۴۹۰، سنن ابن ماجہ: ۲۷۷۶، مسند احمد: ۱۳۷۷۹، موطا امام مالک: ۱۰۱۱، سنن دارمی: ۲۴۲۱)

حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو مرد اپنے گھر سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی نیت سے نکلا، پھر آپ نے اپنی تین انگلیوں سے اشارہ فرمایا، درمیانی انگلی سے اور انگشت سبابہ سے اور انگوٹھے سے، پھر ان تینوں کو جمع فرمایا اور ارشاد فرمایا: مجاہدین کہاں ہیں؟ پس جو شخص اپنی سواری سے گرا اور فوت ہو گیا تو اس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ پر ثابت ہو گیا یا جس کو کسی سانپ یا بچھو نے ڈس لیا، پس وہ فوت ہو گیا تو اس کا اجر بھی اللہ عزوجل کے نزدیک ثابت ہو گیا یا جو شخص اپنی طبعی موت سے فوت ہو گیا تو اس کا اجر بھی اللہ عزوجل کے نزدیک ثابت ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ ایسی حدیث ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور کسی سے نہیں سنی کہ جو ان میں سے فوت ہو گیا اس کا اجر اللہ کے نزدیک ثابت ہو گیا اور جو کسی چوٹ کھانے سے فوت ہو گیا تو اس نے بھی اپنے مطلوب کو حاصل کر لیا۔

(مسند احمد: ۱۶۴۱۳، مسند ابن ابی شیبہ: ۸۹۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹۳۳۰، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۷۷۸، الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم: ۱۴۳۳، المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۲۴۳۵، شعب الایمان للبیہقی: ۳۹۴۱، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۸۵۴۶، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ ج ۳ ص ۳۸۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کون سا جہاد سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کا خون بہایا گیا ہو اور اس کا گھوڑا زخمی کیا گیا ہو تو وہ افضل الشہداء ہے۔ پھر پوچھا گیا: کون سی نماز سب سے افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جس میں سب سے لمبا قیام ہو، پھر آپ سے پوچھا گیا: کون سا صدقہ سب سے افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: محنت مزدوری کرنے والے کا دیا ہوا صدقہ۔ پھر آپ سے پوچھا گیا: کون سی ہجرت سب سے افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جس نے اللہ اور اس کے رسول کے منع فرمائے ہوئے کاموں سے ہجرت کر لی یعنی ان ممنوعہ کاموں کو چھوڑ دیا۔ پھر آپ سے پوچھا گیا: کون سا عالم سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جو دوسروں کے لیے اسی طرح فیصلہ کرے جس طرح اپنے لیے فیصلہ کرتا ہے۔ پھر آپ سے پوچھا گیا: کون سا شخص سب سے بڑا عالم ہے؟ آپ نے فرمایا: جو لوگوں کے علم کو اپنے علم کے ساتھ جمع کر لے۔ عمرو بن دینار نے کہا کہ میرے علم کے مطابق عبید بن عمیر نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول قرار دیا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۳۸۴۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹۳۳۳، مسند احمد: ۹۶۷۹۲، ۱۴۲۳۳، ۱۹۳۳۵، المنتخب من مسند عبد بن حمید: ۳۰۰، سنن دارمی: ۱۴۶۳، ۱۵۶۷، الجہاد لابن ابی عاصم: ۲۳۲، مستخرج ابی عوانہ: ۳۰۱۸، صحیح ابن حبان: ۳۶۱، المعجم الاوسط للطبرانی: ۶۶۹۹، المعجم الصغیر للطبرانی: ۸۸۹، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۴۴۴۳)

''لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ '': یعنی اللہ تعالیٰ اُن کو جنتوں میں داخل فرمائیں گے اور بے شک اللہ عزوجل سب سے زیادہ علم والے سب سے زیادہ حلم والے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی اللہ تعالیٰ اُن کی نیتوں کو جاننے والے ہیں اور اُن کی سزا سے درگزر فرمانے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان باتوں کو یاد رکھو، اور جس مسلمان نے کسی کافر کو اتنی ہی سزا دی جتنی اسے اذیت

پہنچائی گئی تھی، پھر اس مسلمان کے خلاف زیادتی کی گئی تو اللہ ضرور بہ ضرور اُس مسلمان کی مدد فرمائیں گے، بے شک اللہ سب سے زیادہ معاف فرمانے والے، سب سے زیادہ بخشنے والے ہیں۝" (الحج:٦٠)

"ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْهِ لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ":

مقاتل نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت اُن مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی جن کا مسلمانوں سے محرم کے آخری دو دنوں میں مقابلہ ہوا تو اُن مشرکین نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب حرمت والے مہینوں میں لڑائی کو ناپسند کرتے ہیں، سو تم اِن پر حملہ کرو، مسلمانوں نے اُن سے کہا کہ وہ حرمت والے مہینوں میں اُن سے قتال نہ کریں، پس مشرکین نے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ ضرور قتال کریں گے، پس انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا اور مسلمان ثابت قدم رہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مشرکین کے خلاف مدد فرمائی اور مسلمانوں کے دلوں میں حرمت والے مہینے میں لڑائی کرنے کی وجہ سے قلق پیدا ہوا تب یہ آیت نازل ہوئی۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب مشرکین نے غزوۂ احد کے دن متعدد مسلمانوں کو قتل کر کے اُن کو مُثلہ کر دیا یعنی اُن کے اعضاء کاٹ دیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُن کو ایسی ہی سزا دی۔

"وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ": کا معنی یہ ہے کہ جس نے ظالم پر اتنا ظلم کیا جتنا اس نے ظلم کیا تھا۔ اس آیت میں ظلم کے بدلہ کو بھی ظلم فرمایا ہے حالانکہ ظلم کا بدلہ ظلم نہیں ہے بلکہ عدل ہے، کیونکہ دونوں فعل صورت میں ایک جیسے ہیں، سو یہ آیت اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی مثل ہے: "وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ" ۔ (الشوریٰ: ٤٠) "(اور برائی کی جزا اس جیسی برائی ہے، پس جو شخص معاف کر دے اور باہمی تعلق درست کر لے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمۂ کرم پر ہے، بے شک اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتے)۔ اسی طرح اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ" ۔ (البقرہ: ١٩٤) "(حرمت اور ادب والے مہینے، حرمت اور ادب والے مہینوں کے بالمقابل ہیں، اور ادب کی تمام چیزیں ایک دوسرے کا عوض ہیں، پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو اللہ ان کے ساتھ ہیں جو اللہ سے (ہر وقت) ڈرنے والے ہیں)۔ اس آیت میں بھی زیادتی کے بدلہ کو زیادتی فرمایا ہے حالانکہ زیادتی کا بدلہ زیادتی نہیں ہے بلکہ عدل ہے، کیونکہ صورتاً یہ دونوں فعل ایک جیسے ہیں۔

"ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْهِ": یعنی زبان سے اس کی مذمت کی گئی اور اس کو اس کے وطن سے نکال دیا گیا، کیونکہ مشرکین نے اپنے نبی کی تکذیب کی تھی اور اُن پر ایمان لانے والوں کو اذیت پہنچائی تھی تو جن مسلمانوں نے اُن سے بدلہ لیا اور اُن کے خلاف مشرکین نے حد سے تجاوز کیا۔ "لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ" یعنی اللہ عزوجل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے اصحاب کی مدد فرمائیں گے کیونکہ کفار نے اُن کے خلاف بغاوت کی ہے اور حد سے تجاوز کیا ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ": یعنی اللہ تعالیٰ مومنین کے گناہوں کو معاف فرمانے والے ہیں اور انہوں نے محرم کے آخری دو دنوں میں جو مشرکین کے قتال کے جواب میں قتال کیا تھا اس کو معاف فرمانے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور یہ اس لیے ہوگا کہ اللہ رات کو دن میں داخل فرما دیتے ہیں اور دن کو رات میں

داخل فرما دیتے ہیں، اور بے شک اللہ سب سے زیادہ سننے والے سب سے زیادہ دیکھنے والے ہیں O" (الحج: ۶۱)

"ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ": یعنی یہ جو بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مظلوموں کی مدد فرماتے ہیں یہ اس لیے کہ اللہ عزوجل ایسی قدرت والے ہیں جو رات کو دن میں داخل فرمادیتے ہیں، کسی شخص کو بھی اتنی قدرت نہیں ہے جتنی اللہ عزوجل کو قدرت حاصل ہے کہ وہ اپنے بندوں کی مدد فرمائیں۔

"اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ": یعنی اللہ عزوجل تمام باتوں کو سننے والے ہیں اور تمام لوگوں کے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والے ہیں، اور جو چیونٹی بھی زمین پر چلتی ہے، اللہ عزوجل اس کو جانتے ہیں اور اس کی آواز سنتے ہیں اور اس کو دیکھتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "یہ اس لیے ہے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہیں اور بے شک مشرکین اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہیں وہ باطل ہے، اور بے شک اللہ ہی سب سے بلند، سب سے بڑے ہیں O" (الحج: ۶۲)

"ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ": یعنی اللہ تعالیٰ ہی حق ہیں، سو ان کا دین حق ہے اور ان کی عبادت حق ہے اور اللہ تعالیٰ کے برحق وعدہ کی وجہ سے مومنین ان کی مدد کے مستحق ہیں۔ "وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ": یعنی بت عبادات کے بالکل مستحق نہیں ہیں۔ "وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ": یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر اپنی قدرت کے ساتھ بلند ہیں۔ اور ظالمین اللہ تعالیٰ کی صفات میں جن کو شریک کرتے ہیں وہ ان کی جلال ذات کے لائق نہیں ہیں۔ "الْكَبِيْرُ": وہ عظمت، جلال اور کبریائی کے ساتھ موصوف ہیں۔ اور کبریائی کا معنی ہے: کسی ذات کا کامل ہونا، یعنی ازلاً ابداً انہی کا وجود مطلق ہے، پس وہی اول قدیم ہیں اور آخر باقی ہیں جو خلق کے فنا ہونے کے بعد باقی رہیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے مخاطب!) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی آسمان سے پانی نازل فرماتے ہیں جس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے، بے شک اللہ ہی بہت مہربان، سب سے زیادہ خبر رکھنے والے ہیں O" (الحج: ۶۳)

"اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ":

اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال کی دلیل ہے، یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین پر بارش نازل فرما کر اس کو زندہ فرما دیتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" (حم السجدہ: ۳۹) "(اور اے سننے والے! ان کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو خشک اور بنجر پڑے ہوئے دیکھتا ہے، پھر جب ہم اس پر بارش نازل فرماتے ہیں تو وہ لہلہانے لگتی ہے اور اونچی ہو جاتی ہے، بے شک جس ذات نے اسے زندہ فرمایا یقیناً وہی مردوں کو زندہ فرمانے والا ہے، بے شک وہ جو چاہیں کریں)۔"

"اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ بارش کے مؤخر ہونے سے بندوں کے دلوں میں جب

ناامیدی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اللہ عزوجل اُن سب کی خبر رکھنے والے ہیں اور وہ لطیف ہیں جو بندوں کو رزق عطا فرماتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ لطیف ہیں کہ زمین سے پیداوار کو نکالتے ہیں، اور خبیر ہیں جو بندوں کی ضروریات سے اور اُن کو پورا فرمانے کی خبر رکھنے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب ان ہی کی ملکیت ہے، اور بے شک اللہ ہی مستغنی، حمد فرمائے ہوئے ہیں O'' (الحج: ۶۴)

''لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ'': یعنی آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور اُن کی پیدا کردہ ہے اور اُن کی ملکیت ہے۔ اور بے شک اللہ ضرور ہر چیز سے مستغنی ہیں، انہیں کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے اور وہ ہر حال میں حمد کیے ہوئے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، جز ۱۲ ص ۸۲۔۸۶، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۴۲۰ھ)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾

اے مخاطب! کیا تم کو معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے فائدہ کے لیے مسخر فرمادیا ہے اور اُن کشتیوں کو مسخر فرمادیا ہے جو اُن کے حکم سے سمندر میں چلتی ہیں، اور جو آسمان کو زمین پر اُن کی اجازت کے بغیر گرنے سے روکے ہوئے ہیں، بے شک اللہ لوگوں پر نہایت شفیق، مہربان ہیں O

وَهُوَ الَّذِيْۤ اَحْيَاكُمْ ؗ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾

اور اللہ ہی نے تم کو پیدا فرمایا، پھر وہی تم کو موت دیں گے، پھر وہی تم کو زندہ فرمائیں گے، بے شک انسان بہت ناشکرا ہے O

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾

ہم نے ہر امت کے لیے ایک شریعت مقرر فرمائی ہے جس پر وہ امت عمل کرتی ہے، سو یہ لوگ آپ سے آپ کے دین کے متعلق جھگڑا نہ کریں اور آپ اپنے رب کے دین کی طرف دعوت دیتے رہیں، بے شک آپ صحیح دین پر مستقیم ہیں O

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور اگر وہ پھر بھی آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہیے: اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں O

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾

اللہ قیامت کے دن اُن چیزوں کے متعلق فیصلہ فرمادیں گے جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے O

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۞

اے مخاطب! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو جانتے ہیں، بے شک یہ سب کچھ لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے، بے شک یہ اللہ پر آسان ہے O

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۞

اور مشرکین اللہ کو چھوڑ کر اُن بتوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے متعلق اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور نہ ان مشرکین کے پاس اس پر کوئی عقلی دلیل ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے O

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞

اور (اے رسولِ اکرم!) جب اِن کے سامنے ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو آپ کافروں کے چہروں پر ناگواری کے آثار دیکھیں گے، قریب ہے کہ یہ کفار اُن مسلمانوں پر حملہ کریں جو اِن کے سامنے ہماری آیات کی تلاوت کرتے ہیں، آپ کہیے: کیا میں تمہیں اس ناگواری سے بھی بدتر چیز کی خبر دوں، وہ دوزخ کی آگ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے کفار کو وعید سنائی ہے، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اے مخاطب! کیا تم کو معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے فائدہ کے لیے مسخر فرمادیا ہے اور اُن کشتیوں کو مسخر فرمادیا ہے جو اُن کے حکم سے سمندر میں چلتی ہیں، اور جو آسمان کو زمین پر اُن کی اجازت کے بغیر گرنے سے روکے ہوئے ہیں، بے شک اللہ لوگوں پر نہایت شفیق، مہربان ہیں O“ (الحج: ۶۵)

موت کے بعد دوبارہ زندہ فرمانے پر دلائل

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، الحج: ۶۵ تا ۷۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ":

"اَلَمْ تَرَ": اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے کہا: یہ حرف تعجب ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے تمام افعال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب میں ڈالتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے کہا: "اَلَمْ تَرَ" یہ دلائل کو واضح کرنے کا حرف ہے اور براہین کو روشن کرنے کا حرف ہے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا۔ (الفرقان: ٤٥)" ((اے رسول اکرم!) کیا آپ نے اپنے رب کی تخلیق کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے کس طرح سائے کو پھیلا دیا اور اگر وہ چاہتے تو اسے ایک ہی حالت پر رہنے دیتے، پھر ہم نے سورج کو اس سائے پر دلیل بنایا)۔

"اِنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ": اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے تاکہ اُن کا شکر ادا کیا جائے، کیونکہ اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے زمین میں موجود تمام منافع کی اقسام کو مسخر فرما دیا ہے تاکہ لوگ یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو عبث اور بے فائدہ نہیں پیدا فرمایا تاکہ اُن کو یونہی چھوڑ دیں، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہ خبر دی ہے کہ اُن کے لیے ایسے اسباب عطا فرمائے ہیں جن سے وہ زمین کے تمام منافع تک باوجود زمین کی شدت اور سختی کے پہنچ سکتے ہیں اور ایسے اسباب عطا فرمائے ہیں کہ جن سے وہ سمندر کے منافع تک پہنچتے ہیں اور وہ کشتیاں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تاکہ اُن کشتیوں میں سوار ہوکر وہ سمندر کے منافع کو حاصل کر سکیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لکڑی کو پانی کی سطح پر برقرار رہنے والا بنایا تاکہ لکڑی زمین کا پانی نہ چوس سکے۔ اور دوسری چیزیں جن کی طبیعت میں یہ رکھا ہے کہ وہ پانی میں ڈوب جاتی ہیں جیسے لوہا اور پتھر اور اس کے برخلاف لکڑی کو پانی کی سطح پر قائم اور برقرار رکھنے والا بنایا تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل اور ان کی رحمت کو پہچانیں کہ انہوں نے کشتیوں کو کس طرح پانی پر برقرار رکھا اور لوہے اور پتھر کو اس طرح نہیں بنایا۔ پھر لوہا اگر لکڑی میں پیوست ہو تو اس کو ڈوبنے سے محفوظ رکھا، کیونکہ کشتیاں جو بنائی جاتی ہیں ان میں لوہے کی میخیں لگائی جاتی ہیں۔

"وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ": یعنی اللہ تعالیٰ نے بغیر اسباب کے اور بغیر اُن چیزوں کے جو مشاہدہ میں کسی چیز کو روکتی اور ٹھہراتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے آسمان کو زمین پر اپنے اذن کے بغیر گرنے سے محفوظ رکھا ہے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا۔ (فاطر: ٤١)" (بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کو اس بات سے روکے ہوئے ہیں کہ وہ اپنی جگہ سے ٹل جائیں اور اللہ کی قسم! اگر یہ ٹل جائیں تو اللہ کے سوا کوئی اُن کو روک نہیں سکتا، بے شک وہ نہایت بردبار اور بہت بخشنے والے ہیں)۔

"اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ": یعنی اللہ تعالیٰ کی شفقت اور رحمت سے وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے فوائد کے لیے پیدا فرمائی ہیں اور اُن کے لیے سمندر میں کشتیوں کو مسخر فرما دیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اللہ ہی نے تم کو پیدا فرمایا، پھر وہی تم کو موت دیں گے، پھر وہی تم کو زندہ فرمائیں

گے، بے شک انسان بہت ناشکرا ہے 0 "(الحج:٦٦)

" وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ": یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو جامد حالت سے پیدا فرمایا اور تم کو عدم سے وجود میں لائے، پھر جب تمہاری مدت حیات پوری ہوجائے گی تو پھر اللہ تعالیٰ تم پر موت طاری فرمائیں گے، پھر قیامت کے دن حساب کتاب کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ تم کو زندہ فرمائیں گے تا کہ جزا میں عدل کا اظہار فرمائیں۔

" اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ": یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد کافر ہو جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کا منکر ہے اور اپنے رب کی نعمتوں کا منکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام فرمائی ہیں، بے شک وہ بہت ناشکری کرنے والا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ انہوں نے تمہارے منافع کے لئے کشتیوں کو مسخر فرمادیا، کیونکہ اسے چاہیے کہ وہ غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نعمتوں کے اسباب عطا فرمائے ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی طرف نہیں دیکھتا صرف اسباب کی طرف دیکھتا ہے، اس لیے فرمایا کہ وہ اپنے رب کی نعمتوں کا بہت ناشکرا ہے۔ اس کے برخلاف مومن ان اسباب اور حیلوں کی طرف نہیں دیکھتا، وہ صرف اللہ عزوجل کے فضل کی طرف اور اُن کے انعام کی طرف دیکھتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اور اُس پر احسان فرمانے کا شکر ادا کرے اور وہ ناشکری نہیں کرتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ہم نے ہر امت کے لیے ایک شریعت مقرر فرمائی ہے جس پر وہ امت عمل کرتی ہے، سو یہ لوگ آپ سے آپ کے دین کے متعلق جھگڑا نہ کریں اور آپ اپنے رب کے دین کی طرف دعوت دیتے رہیں، بے شک آپ صحیح دین پر مستقیم ہیں 0 "(الحج:٦٧)

" لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۖ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ":

اس آیت میں مَنْسَک کا ذکر ہے، حسن بصری نے کہا: ہم نے ہر امت کے لیے ایک دین بنایا ہے جس دین کی طرف وہ دعوت دیتے ہیں، یعنی ہر اُمت دینِ واحد کی طرف دعوت دیتی ہے اور وہ دینِ اسلام ہے۔

اور بعض دوسرے مفسرین نے کہا: ہم نے ہر امت کے لیے ایک شریعت بنائی ہے، یعنی ہر امت کی دوسری امت سے الگ شریعت ہے، سب کی الگ الگ شریعتیں ہیں۔

" هُمْ نَاسِكُوْهُ ": یہ آیت اس آیت کی مثل ہے: " وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۚ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ـ (المائدہ:٤٨) " (اور اے رسول اکرم! ہم نے آپ پر حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو ان (آسمانی) کتابوں کی تصدیق فرمانے والی ہے جو اس کے سامنے ہیں اور اُن پر نگہبان ہے، سو آپ ان لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے، اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اُس سے ہٹ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ شریعت اور واضح راہ عمل بنائی ہے، اور (اے لوگو!) اگر اللہ چاہتے تو تم سب کو ایک امت بنا

دیے لیکن وہ تم کو (ان) الگ الگ احکام سے آزماتے ہیں جو اس نے تم کو عطا فرمائے ہیں، پس تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پس وہ تم کو اس کی خبر دیں گے جس میں تم اختلاف کرتے تھے)۔

اور عام مفسرین نے یہ کہا ہے کہ مَنْسَكٌ سے مراد ہے ذبیحہ، کیونکہ بعض لوگوں نے اس کا انکار کیا کہ جانوروں کو ذبح کرنا اللہ تعالیٰ کی شریعت ہے، پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ جانوروں کو ذبح کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت اور تمام امتوں میں اُن کی شریعت ہے۔

''فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ'': جن مفسرین نے کہا کہ مَنْسَكٌ سے مراد دین ہے اُن کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ آپ جس دین پر قائم ہیں اس کے متعلق آپ کو یہ خلجان نہ ہو کہ یہ اللہ کا دین ہے۔ اور جو یہ کہتے ہیں کہ مَنْسَكٌ سے مراد جانوروں کو ذبح کرنا ہے تو اُن کے قول پر اس کی تفسیر یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کو جانوروں کو ذبح کرنے سے نہ روکیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ (القصص:۸۷)'' (اور اللہ کی آیتیں آپ کی طرف نازل فرمائے جانے کے بعد کفار ہرگز آپ کو ان سے نہ روک دیں، آپ لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلائیں اور آپ ہرگز شرک کرنے والوں میں شامل نہ ہوں)۔

''وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ'': یعنی آپ اپنے رب کی توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دیں، یا آپ اپنے رب کی عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دیں۔ ''اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ'': یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہم نے منسک کی تفسیر جو دین کے ساتھ کی ہے وہی صحیح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا: ''اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ'' یعنی اس کے متعلق آپ کے دل میں کوئی خلجان نہ ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر وہ پھر بھی آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہیے: اللہ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں O'' (الحج:۶۸)

''وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ'': یعنی اگر یہ کفار آپ سے دین کے معاملہ میں یا ذبیحہ کے معاملہ میں پھر بھی جھگڑا کریں تو وہ دین کے معاملہ میں پہلے بھی جھگڑا کر چکے ہیں۔

اگر وہ آپ سے دین اور توحید کے معاملہ میں جھگڑا کریں تو آپ کہیے: ''اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں۔ اور یہ آیت اس کی مثل ہے: ''فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ؕ ۔ (الشوریٰ:۱۵)'' (پس (اے رسول اکرم!) آپ توحید کی طرف ہی بلائیں، اور جس طرح آپ کو حکم فرمایا گیا ہے اس پر قائم رہیں، مشرکوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور کہہ دیں: ''اللہ نے جو کتاب نازل فرمائی ہے میں اس پر ایمان لایا اور مجھے حکم فرمایا گیا ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہمارے اور تمہارے رب ہیں، ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال (کی جزا ہوگی)، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہے، اللہ ہم سب کو (روز قیامت) جمع فرمائیں گے اور انہی کی بارگاہ میں لوٹ کر حاضر ہونا ہے)۔

اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ آیت، آیت القتال سے منسوخ ہے، کیونکہ مشرکین سے قتال کے متعلق یا اُن کو اُن کے حال پر

چھوڑ دینے کے متعلق یہ کافر جھگڑا کرتے تھے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اُس وقت فرمایا ہو جب آپ اُن کے توحید پر ایمان لانے سے مایوس ہو چکے ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اللہ قیامت کے دن اُن چیزوں کے متعلق فیصلہ فرما دیں گے جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے O" (الحج: ٦٩)

"اَللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ": یعنی تم لوگ جو دین کے معاملات میں اختلاف کر رہے ہو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ فرما دیں گے اور یہ اس آیت کی مثل ہے: "وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۔ (الشعراء: ٢٢٧)" (اور ظالم عنقریب جان لیں گے کہ وہ کس (بری) جگہ پلٹ کر جائیں گے؟)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے مخاطب! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو جانتے ہیں، بے شک یہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، بے شک یہ اللہ پر آسان ہے O" (الحج: ٧٠)

"اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ": ہم اس سے پہلے کئی مرتبہ بیان کر چکے ہیں کہ "اَلَمْ" کا لفظ کبھی تعجب کے لیے ہوتا ہے اور کبھی تنبیہ کے لیے ہوتا ہے اور کبھی حجج اور براہین کو واضح کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

"اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ": یعنی یہ تمام امور اللہ عزوجل کے علم میں ہیں اور اللہ وحدہٗ پر سہل اور آسان ہیں، کیونکہ اللہ عزوجل کا علم اُن کی ذات کا مقتضا ہے اور وہ تمام معلومات کے ساتھ یکساں متعلق ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور مشرکین اللہ کو چھوڑ کر اُن بتوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے متعلق اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور نہ ان مشرکین کے پاس اس پر کوئی عقلی دلیل ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے O" (الحج: ٧١)

"وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا لَیْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ":

یہ مشرکین اُن بتوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی حجت اور برہان نازل نہیں فرمائی اور نہ اُن کے پاس کوئی ایسا علم ہے جس سے انہیں یہ معلوم ہو کہ یہ جہالت سے اُن کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ عزوجل کے غیر کی عبادت کرتے ہیں اور اُن کے پاس اس کی کوئی دلیل اور حجت نہیں ہے اور اُن کے پاس اس کے متعلق کوئی علم نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ کسی رسول پر ایمان نہیں لاتے جو اُن کو خبر دے اور نہ ان کے پاس کوئی کتاب ہے جس سے اُن کو علم ہو اور اُس کی بناء پر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ان بتوں کی عبادت کا حکم فرمایا ہے اور ان کے پاس اس کی کوئی حجت بھی نہیں ہے اور کوئی علم بھی نہیں ہے۔

اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کی طرف رسولوں کو بھیجا باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ رسولوں کی تکذیب کریں گے، کیونکہ بعض لوگ وہ ہیں جو رسولوں کی بعثت کا انکار کرتے ہیں اور بعض لوگ وہ ہیں جو رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہے کہ یہ رسولوں کی تکذیب کریں گے اور رسولوں کے پیغام کو قبول نہیں

کریں گے، کیونکہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ''۔

اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جس کو یہ علم ہو کر لوگ اُس کے بھیجے ہوئے رسول کی تکذیب کریں گے تو وہ اس کی طرف رسول نہیں بھیجتا، کیونکہ بھیجنے والا اس لیے بھیجتا ہے کہ اُسے کوئی فائدہ ہو، پس جب اُس کو معلوم ہو کہ جس کو وہ بھیجے گا اس کی تکذیب کی جائے گی اور اس کے پیغام کو قبول نہیں کیا جائے گا تو پھر اُس کو وہ نہیں بھیجتا، اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ رسولوں کو اپنی کسی ضرورت یا اپنے کسی نفع کے لیے نہیں بھیجتے بلکہ لوگوں کی ضرورت اور اُن کے نفع کے لیے بھیجتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول کی تکذیب کرے اور اُس کا انکار کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس سے کوئی ضرر نہیں ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) جب اِن کے سامنے ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو آپ کافروں کے چہروں پر ناگواری کے آثار دیکھیں گے، قریب ہے کہ یہ کفار اُن مسلمانوں پر حملہ کریں جو اِن کے سامنے ہماری آیات کی تلاوت کرتے ہیں، آپ کہیے: کیا میں تمہیں اس ناگواری سے بھی بدتر چیز کی خبر دوں، وہ دوزخ کی آگ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے کفار کو وعید سنائی ہے، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے O''
(الحج: ۷۲)

''وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ'':

اور جب اِن کو ڈرانے کے لیے کوئی شخص بھی ان کے اوپر قرآن مجید سے ہماری آیات کی تلاوت کرے جن کا تعلق اصول اور فروع کے ساتھ ہو، جو واضح ہوں اور اُن میں کوئی خفا نہ ہو تو آپ دیکھیں گے اِن کفار کے چہروں پر ناگواری کے اثرات ہوں گے پس ان کے چہروں پر کراہت کے آثار ظاہر ہوں گے اور یہ غصہ سے تیوریاں چڑھائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا جو ان کے چہروں میں ہے۔

''يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ'': یہ عنقریب ناگواری اور غصہ سے اُن لوگوں کو پکڑنے کی کوشش کریں گے جو ان پر ہماری آیات کی تلاوت کرتے ہیں یعنی ہماری وہ آیات جو ہمارے اسماءِ حُسنیٰ پر دلالت کرتی ہیں اور ہماری بلند صفات پر دلالت کرتی ہیں اور وہ آیات جو ہماری وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں باوجود اس کے کہ وہ آیات انتہائی واضح ہیں، اور یہ لوگ اُن کا معارضہ کرنے سے عاجز ہیں۔

''قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ'': اے رسولِ اکرم! آپ کہیے: کیا میں تم کو اس سے بھی زیادہ عظیم خبر نہ دوں جو تمہارے نزدیک اس سے بہت زیادہ ناگوار ہو اور وہ دوزخ ہے، گویا کہ یہ سائل کے سوال کا جواب ہے کہ وہ انتہائی ناگوار چیز کیا ہے تو بتایا گیا کہ وہ دوزخ ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں سے ابتداء کلام شروع ہو یعنی دوزخ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے کفار سے اُن کو سزا دینے کی وعید سنائی ہے، پس وہ بہت بری وعید ہے اور وہ دوزخ بہت برا ٹھکانا ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۷ ص ۴۳۳-۴۳۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ، وتفاسیر اخریٰ)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾

اے لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے سو تم اس کو غور سے سنو، بے شک جن بتوں کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ سب مل کر بھی کبھی ایک مکھی کو پیدا نہیں کر سکتے، اور اگر مکھی اُن سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس سے چھڑا نہیں سکتے یہ بتوں کے پجاری بھی کمزور ہیں اور وہ بت بھی کمزور ہیں O

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾

ان مشرکین نے اللہ کی ایسی تعظیم نہیں کی جیسی تعظیم ان کا حق تھا، بے شک اللہ ضرور بہت قوی، بہت غالب ہیں O

اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰۤـئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ ۚ

اللہ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے رسولوں کو منتخب فرماتے ہیں، بے شک اللہ سب سے زیادہ سننے والے سب سے زیادہ دیکھنے والے ہیں O

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

جو کچھ اُن کے آگے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے، اللہ اس سب کو خوب جانتے ہیں اور تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے O

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ ۩

السجدۃ

اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز ادا کرو اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو اور نیکی کے کام کرتے رہو تا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو O

وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰٮكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰٮكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ۠ (٧٨)

اور اللہ کی راہ میں اپنی پوری طاقت کے ساتھ جہاد کرو، انہوں نے ہی تم کو بزرگی عطا فرمائی ہے، اور اللہ نے تمہارے لئے دین کی عبادات میں کوئی تنگی نہیں فرمائی، یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے جنہوں نے تمہارا نام اس سے پہلے اور اس دین میں مسلمان رکھا ہے، تا کہ رسول (قیامت کے دن) تمہارے حق میں گواہ ہوں اور تم دوسری امتوں پر گواہ ہو، پس تم نماز قائم کرتے رہو اور زکوۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کے دین پر مضبوطی سے عمل کرتے رہو، اللہ ہی تمہارے مالک ہیں، سو وہ بہترین مالک ہیں اور بہترین مدد فرمانے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے سو تم اس کو غور سے سنو، بے شک جن بتوں کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ سب مل کر بھی ایک مکھی کو پیدا نہیں کر سکتے، اور اگر مکھی اُن سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس سے چھڑا نہیں سکتے، (یہ بتوں کے پجاری) بھی کمزور ہیں اور وہ بت بھی کمزور ہیں O'' (الحج: ٧٣)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ٥٩٧ھ، الحج: ٧٣ تا ٧٨ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗؕ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْــٴًـا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ'':

''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ'': اخفش نے کہا: یہاں پر کوئی ضرب المثل تو نہیں ہے، پس کیسے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ ایک مثال بیان کی جاتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کوئی مثال نہیں ہے، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے لوگو! ایک مثال بیان فرمائی گئی ہے، یعنی تم نے بتوں کو میرے مشابہ قرار دیا ہے۔ اور اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ مشرکین نے بتوں کو میرا شریک قرار دیا ہے، سو وہ اُن بتوں کی میرے ساتھ عبادت کرتے ہیں، پس تم سنو! ان بتوں کا حال یہ ہے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو کہ یہ سارے بت مل کر بھی ایک مکھی کو پیدا نہیں کر سکتے۔ ''اَلذُّبَابُ'' واحد ہے اور ''اَذِبَّةٌ'' اس کی جمع قلیل ہے اور اس کی جمع کثیر ''الذِّبَّان'' ہے جیسے غراب واحد ہے اور اغربۃ اس کی جمع قلیل ہے اور غربان اس کی جمع کثیر ہے۔ اس مثال میں اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ مکھی کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ مکھیاں بہت کثیر ہوتی ہیں اور لوگ اِن سے گھن کھاتے ہیں۔

''وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ'': اور اگر یہ سارے بت ایک مکھی کی تخلیق پر اکٹھے ہو جائیں تب بھی وہ ایک مکھی کو پیدا نہیں کر سکتے، اور اگر مکھی ان بتوں سے کسی چیز کو چھین کر لے جائے تو یہ اس کو چھڑا نہیں سکتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مشرکین اپنے بتوں پر زعفران ملتے تھے، پھر وہ زعفران چھوٹ جاتی، پھر مکھی آکر اس پر بیٹھ کر اس کو لے جاتی۔ اور ابن جریج نے کہا کہ مشرکین اپنے بتوں کے اوپر کوئی میٹھی چیز یا شہد ملتے تھے جس پر مکھیاں آکر بیٹھتی تھیں، پھر اس میٹھی چیز کے ذرات کو مکھیاں اڑا کر لے جاتیں تو یہ

بت اُن مکھیوں کو روک نہیں سکتے تھے۔ اور السدی نے کہا کہ مشرکین بتوں کے لیے کھانے کی چیزیں رکھتے تھے، پس مکھیاں اُن آ کر بیٹھتیں اور اس سے کھاتیں اور یہ بت اُن کو روک نہیں سکتے تھے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''لَا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ'' یہ وہ فعل ہے جو آدمیوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو اس آیت میں بتوں کے لیے اس فعل کو کیوں کر استعمال فرمایا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ مشرکین ان بتوں کی اس طرح تعظیم کرتے تھے جس طرح آدمیوں کی تعظیم کی جاتی ہے، کیونکہ وہ بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جانوروں کو ذبح کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے چیونٹیوں کے لیے بھی ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔ (النمل: ۱۸)'' (یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی کے پاس آئے تو (اُن کی ملکہ چیونٹی نے کہا: ''چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں سلیمان اور ان کے لشکر بے خبری میں تمہیں کچل نہ ڈالیں'')۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چیونٹیوں سے بھی اس طرح خطاب فرمایا ہے جس طرح آدمیوں سے خطاب فرماتے ہیں، اور اسی کی نظیر یہ آیت ہے: ''اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ۔ (یوسف: ۴)'' (جب یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ اے ابا جان! میں نے خواب میں گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے، میں نے دیکھا کہ وہ سب مجھے سجدہ کرنے والے ہیں)۔ اس آیت میں ستاروں، چاند اور سورج کے لیے ''سٰجِدِیْنَ'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے، حالانکہ یہ لفظ ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔ اسی طرح اس آیت میں بھی بتوں کے افعال کو آدمیوں کے افعال کی مثل قرار دیا ہے۔

''ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ'': اس آیت کی تفسیر میں تین اقوال ہیں:

(۱) عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ طالب بت ہیں اور مطلوب مکھی ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے کہ طالب سے مراد مکھی ہے جو بتوں پر لگی ہوئی خوشبو یا مٹھائی کو چھڑانے کی کوشش کرتی ہے۔ اور مطلوب بت ہیں جو مکھی سے اس کی چھینی ہوئی چیز کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۳) السدی نے کہا کہ طالب سے مراد بتوں کے پجاری ہیں جو بتوں کی عبادت کر کے اُن کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور مطلوب بت ہیں۔

میں کہتا ہوں: بعض لوگ شرک کی نفی کرنے اور توحید کے اثبات میں حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے احترام کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور یہ آیت جو بتوں کی اور ان کی پرستش کرنے والوں کی مذمت میں نازل ہوئی ہے، اس کو انبیاء علیہم السلام پر چسپاں کرتے ہیں، یہ بہت خطرناک اور توہین آمیز طریقہ ہے اور خوارج سے بھی بدتر طریقہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خوارج کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بدتر قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے: ''جو آیات کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں یہ ان کو مومنین پر چسپاں کر دیتے ہیں''۔ (صحیح البخاری، کتاب استتابة المرتدین، باب قتل الخوارج والملحدین)

کفار کی آیات کو مومنوں پر چسپاں کرنے والے جب مخلوق میں سب سے بدتر ہیں تو ان کی برائی اور بدعقیدگی کا عالم کیا ہوگا جو کفار کے متعلق آیات کو انبیاء علیہم السلام پر چسپاں کرتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان مشرکین نے اللہ کی ایسی تعظیم نہیں کی جیسی تعظیم ان کا حق تھا، بے شک اللہ ضرور بہت قوی، بہت غالب ہیں O'' (الحج: ٧٤)

''مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ'': یعنی اُن مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی ایسی تعظیم نہیں کی جیسی تعظیم اُن کا حق تھا، کیونکہ ان مشرکین نے بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیا حالانکہ زمین اور آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ضرور بہت قوی ہیں اور بہت غالب ہیں۔

امام رازی نے کہا ہے کہ یہ آیت یہودیوں میں سے مالک بن الصیف، کعب بن اشرف اور کعب بن اسد وغیرہم کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ سات آسمان اور سات زمینیں بنانے کے بعد تھک گیا، پھر وہ لیٹ گیا اور ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھ کر آرام کیا۔ تو اُن کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی، اسی طرح حسب ذیل آیت بھی اُن کے رد میں نازل ہوئی:
''وَ لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۖۗ وَّ مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔۔(ق: ٣٨)'' (بے شک ہم نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان سب کو چھ دن میں پیدا فرما دیا اور ہم کو تھکاوٹ نے چھوا تک نہیں)۔

یہ تمام شبہات اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کے مشابہ مانا جائے اور جب یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے مشابہ نہیں ہیں اور کوئی چیز ان کی مثال نہیں ہے تو پھر کوئی اشتباہ نہیں ہوتا، پس اللہ سبحانہٗ عزیز اور غالب ہیں، وہم ان کا تصور نہیں کر سکتا اور فکر ان کا اندازہ نہیں کر سکتا اور عقل ان کی حقیقت کو نہیں جان سکتی، زمانہ ان کا احاطہ نہیں کر سکتا، جہات ان کی تحدید نہیں کر سکتیں، وہ صمدی الذات ہیں اور سرمدی الصفات ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ٨ ص ٢٥٢، ملخصاً و موضحاً، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٥ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے رسولوں کو منتخب فرماتے ہیں، بے شک اللہ سب سے زیادہ سننے والے، سب سے زیادہ دیکھنے والے ہیں O'' (الحج: ٧٥)

''اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا'': مثلاً حضرت جبریل اور حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل اور حضرت ملک الموت علیہم السلام۔ ''وَّ مِنَ النَّاسِ'': یعنی الانبیاء اور المرسلین۔ ''اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ'': اللہ عزوجل اپنے بندوں کے کلام کو سننے والے ہیں۔ ''بَصِیْرٌ'': یعنی جن کو اللہ تعالیٰ رسول بناتے ہیں اُن پر اچھی طرح بصیرت رکھتے ہیں۔ اور مقاتل نے یہ زعم کیا ہے کہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے یہ کہا: ''ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا۔۔۔(ص: ٨)'' (کیا ہم میں سے اُن پر ہی قرآن نازل فرمایا گیا؟)۔

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ٦٠٦ھ، الحج: ٧٥ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ سبحانہٗ نے اس سے پہلی آیات میں الٰہیات کا ذکر فرمایا تھا اور اب نبوت سے متعلق امور کا ذکر فرما رہے ہیں۔ مقاتل نے بیان کیا کہ الولید بن المغیرہ نے کہا: ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا۔۔(ص: ٨)'' (کیا ہم میں سے اُن پر ہی قرآن نازل فرمایا گیا؟) تب اللہ عزوجل نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ اور اس مقام پر دو سوال ہیں:

السوال الاول: اس آیت میں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ''اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا'' اور لفظ مِنْ تبعیض کے لیے آتا ہے،

اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کو منتخب فرمایا ہے نہ کہ کل رسولوں کو، اور دوسری جگہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْۤ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ۔" (فاطر:١) "(تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمانے والے، ایسے فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والے ہیں جن کے دو دو، تین تین اور چار چار بازو ہیں)۔ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ تمام فرشتے رسول ہیں، سو ان دو آیتوں میں تناقض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ الحج: ٧٥ میں جو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض فرشتوں کو رسالت کے لیے منتخب فرماتے ہیں، اس سے مراد اکابر فرشتے ہیں جیسے حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام اور وہ فرشتے جن کو اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کے اعمال کی حفاظت اور نگرانی کے لیے پیدا فرمایا ہے، باقی رہے تمام فرشتے تو اُن میں سے بعض ایک دوسرے کی طرف رسول ہوتے ہیں، پس تناقض زائل ہو گیا۔

السوال الثانی: سورۃ الزمر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ سُبْحٰنَهٗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔" (الزمر:٣) "(اگر اللہ اپنے لئے اولاد بنانا چاہتے تو وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتے منتخب فرمالیتے، وہ (اولاد وغیرہ سے) پاک ہیں، وہی اللہ ہیں یگانہ اور سب پر غالب)۔ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے کے لیے مصطفیٰ ہونا یعنی منتخب اور پسندیدہ ہونا ضروری ہے اور الحج: ٧٥ اس پر دلالت کرتی ہے کہ بعض فرشتے اور بعض انسان اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور منتخب ہیں، پس ان دونوں آیتوں سے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے کا ثبوت لازم آیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: "لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى" یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کہ ہر بیٹے کا مصطفیٰ یعنی پسندیدہ اور منتخب ہونا ضروری ہے اور اس پر نہیں دلالت کرتا کہ ہر وہ جو پسندیدہ اور منتخب ہو وہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہوگا۔ پس اس آیت کی دلالت سے یہ لازم نہیں آیا کہ جو مصطفیٰ ہوگا یعنی منتخب اور پسندیدہ ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہوگا۔ گویا کہ اللہ سبحانہٗ نے پہلی آیت میں بت پرستوں کے قول کو باطل فرمایا، اور اس آیت میں فرشتوں کی عبادت کرنے والوں کے قول کو باطل فرمایا کہ فرشتوں کا بلند درجات پر فائز ہونا اس لیے نہیں ہے کہ وہ معبود ہیں بلکہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو عبادت کے لیے پسند اور منتخب فرمالیا، پس گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ ان مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی ایسی قدر و منزلت نہیں کی جیسی قدر و منزلت کرنی چاہیے تھی، کیونکہ انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبود قرار دے دیا۔ پھر اللہ عزوجل نے فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ" یعنی اللہ تعالیٰ سن رہے ہیں جو یہ مشرکین کہتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں جو یہ مشرکین کرتے ہیں۔ اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جو کچھ اُن کے آگے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے، اللہ اس سب کو خوب جانتے ہیں اور تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے ○" (الحج:٧٦)

"یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ": بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ دنیا میں جو پہلے ہو چکا ہے اور جو بعد میں ہوگا اللہ عزوجل اس سب کو جاننے والے ہیں، اور بعض مفسرین نے کہا: "مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ" سے مراد آخرت کے امور ہیں اور "مَا خَلْفَهُمْ" سے مراد دنیا کے امور ہیں، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ

"الْاُمُوْرُ": اس میں یہ اشارہ ہے کہ قدرت تامہ اور معبود کے ساتھ منفرد ہونا یہ اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے اور ان دونوں آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معصیت کے ارتکاب پر شدید زجر و توبیخ فرمائی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ٨ ص ٢٥٣، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٥ھ)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ٣٣٣ھ، الحج: ٧٥-٧٦ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ نے بعض فرشتوں کو رسول بنایا تاکہ اُن کی عبادات اور طاعات کے ساتھ آزمائش فرمائیں اور اُن میں سے بعض رسولوں کو اس کی تبلیغ کے لیے مختار فرمایا جیسا کہ انسانوں میں سے بعض انسانوں کو رسول بنایا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض فرشتوں کو انسانوں میں سے رسولوں کی طرف بنایا جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: "اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ (الانعام: ١٢٤)" (اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتے ہیں)، اور اللہ عزوجل نے فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ" یعنی اللہ عزوجل جانتے ہیں اور بصیرت رکھتے ہیں کہ کون رسالت کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس کو رسول بناتے ہیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو رسالت کے لیے منتخب فرمایا ہے، کسی اور چیز کے لیے منتخب نہیں فرمایا۔ اور یہ صرف اللہ عزوجل کا فضل ہے۔

"یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ": حسن بصری نے کہا: اللہ عزوجل اوائل امور کو بھی جانتے ہیں اور اواخر امور کو بھی جانتے ہیں اور بعض مفسرین نے کہا: وہ دنیا کے معاملات کو بھی جانتے ہیں اور آخرت کے معاملات کو بھی جانتے ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا معنی ہو کہ لوگوں نے دنیا کی زندگی میں اپنے لیے جو عمل کیے ہیں اللہ عزوجل اُن کو بھی جانتے ہیں اور اُن اعمال کو بھی جانتے ہیں جو انہوں نے اپنے بعد دوسرے لوگوں کے لیے کیے ہیں، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ۔ (الانفطار: ٥)" (ہر شخص جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے رکھا)۔ "مَا قَدَّمَتْ" سے مراد ہے جو انہوں نے اپنے لئے عمل کیے اور "اَخَّرَتْ" سے مراد ہے جو انہوں نے بعد کے لوگوں کے لئے عمل کیے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ سے نہ اُن کا کوئی فعل مخفی ہے اور نہ اُن کا کوئی قول مخفی ہے۔

(تاویلات اہل السنۃ، ج ٧ ص ٤٤٤-٤٤٥، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز ادا کرو اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو اور نیکی کے کام کرتے رہو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو ○" (الحج: ٧٧)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ٥٩٧ھ، الحج: ٧٧ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ":

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا": مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد ہے نماز پڑھو، کیونکہ نماز رکوع اور سجود کے بغیر نہیں ہوتی۔ "وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ": یعنی اپنے رب کو واحد مانو۔ "وَ افْعَلُوا الْخَیْرَ": اس سے مراد ہے تمام نیکی کے کام کرو تاکہ تم اخروی کامیابی حاصل کرو اور جنت کے اندر رہو۔

الحج: ۷۷ کے سجدۂ تلاوت ہونے میں فقہاء کا اختلاف

اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ سورۂ حج کی یہ آیت "اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ۔ (الحج:۱۸)" سجدۂ تلاوت کو واجب کرتی ہے، اور اس آیت "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا ۔ (الحج:۷۷)" میں اختلاف ہے۔ حضرت عمر، حضرت ابن عمر، حضرت عمار، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوموسیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا کہ سورۂ حج میں دو سجدۂ تلاوت ہیں اور انہوں نے کہا کہ یہ سورت دوسری سورتوں پر اس لیے فضیلت رکھتی ہے کہ اس میں دو سجدۂ تلاوت ہیں۔ اور ہمارے اصحاب حنبلیہ کا بھی یہی قول ہے اور یہی امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سورۃ الحج میں ایک سجدہ ہے اور یہی الحسن البصری، سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، ابراہیم، جابر بن زید، امام ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب اور امام مالک کا قول ہے۔ اور جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے:

الحج: ۷۷ کے سجدۂ تلاوت ہونے پر جمہور فقہاء کی دلیل

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا سورۃ الحج میں دو سجدے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور جس نے وہ دو سجدے نہیں کیے اس نے سورۃ الحج کی قراءت نہیں کی۔

(سنن ابوداؤد: ۱۴۰۲، سنن ترمذی: ۵۷۸، مسند الرویانی: ۲۲۰، سنن الدارقطنی: ج ۱ ص ۴۰۸، المستدرک للحاکم: ۲۲۱:۱، المعجم الکبیر للطبرانی: ۸۴۳، شرح السنۃ للبغوی: ۷۶۵، المراسیل لابی داؤد: ۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۱، سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۰۸، فضائل القرآن لابو عبید ص ۲۴۹، الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۳۶۰، مسند احمد: ۶۴، ۱۷۳۶۴، ۱۷۴۱۲، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

جمہور فقہاء کی استدلال کردہ حدیث پر نقد و نظر

الشیخ شعیب الارنؤوط نے کہا: اس حدیث کے آخر میں ہے: "جس نے یہ دو سجدے ادا نہیں کیے اس نے سورۂ حج کے ان سجدوں کی قراءت نہیں کی"۔ حدیث کا یہ آخری حصہ ضعیف ہے اور اس حدیث کا مدار ابن لہیعہ پر ہے اور وہ بدحافظہ ہے۔ اسی طرح سنن ابوداؤد: ۱۴۰۱، سنن ابن ماجہ: ۱۰۵۷ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورۃ الحج میں دو سجدے ہیں اور اس کی سند ضعیف ہے۔ (حاشیہ مسند احمد: ۱۷۳۶۴، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)۔ اور اس کے معارض یہ حدیث ہے:

حضرت ربیعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن منبر پر سورۃ النحل کی تلاوت فرمائی حتیٰ کہ جب سجدہ کی آیت آئی تو منبر سے اترے اور سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا، حتیٰ کہ جب اگلا جمعہ آیا تو آپ نے پھر وہی آیت پڑھی، حتیٰ کہ جب آیت سجدہ آئی تو انہوں نے کہا: اے لوگو! ہم آیت سجدہ کے ساتھ گزرتے ہیں، پس جس نے سجدہ کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے سجدہ نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۰۷۷)

یہ حدیث اس کے معارض ہے کہ جس نے سورۃ الحج کے دو سجدے ادا نہیں کیے اس نے سورۃ الحج کی تلاوت نہیں کی، کیونکہ صحیح البخاری کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے۔

فقہاءِ احناف کے الحج: ۷۷ کے سجدۂ تلاوت نہ ہونے پر دلائل

امام ابواللیث نصر بن محمد بن احمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الحج: ۷۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت سورۃ الحج میں پہلا سجدہ ہے اور یہی اہلِ عراق کا قول ہے، اور اس آیت میں جس سجدے کا ذکر ہے وہ نماز کا سجدہ ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ رکوع کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمام فرض نمازوں میں اور نفلی نمازوں میں رکوع کرو اور سجدہ کرو۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابتداء میں جب لوگ مسلمان ہوئے تو وہ بغیر رکوع کے سجدہ کرتے تھے، سو اللہ تعالیٰ نے اُن کو حکم فرمایا کہ وہ رکوع کریں اور سجدہ کریں۔ اور اس آیت میں نماز کا سجدہ مراد ہے نہ کہ سجدۂ تلاوت۔ (تفسیر السمرقندی، ج ۲ ص ۴۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بہ ابن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ، لکھتے ہیں:

ہمارے احناف کے نزدیک سورۃ الحج کا دوسرا سجدہ نماز کا سجدہ ہے، کیونکہ یہ رکوع کے حکم کے ساتھ ملا ہوا ہے، اور معروف یہ ہے کہ یہ نماز کا رکن ہے اور وہ جو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا سورۃ الحج میں دو سجدے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جس نے وہ دو سجدے نہیں کیے اس نے ان کو نہیں پڑھا، امام ترمذی نے کہا: اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔ اور گویا کہ یہ ابن لہیعہ کی وجہ سے کہا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سورۃ الحج میں دو سجدوں کی تعلیم دی، اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں ابن منین ہے اور عبدالحق نے کہا ہے کہ اس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا، اور ابن القطان نے کہا کہ وہ مجہول راوی ہے، اس کا حال معلوم نہیں ہے، لہٰذا اس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔ (فتح القدیر، ج ۲ ص ۱۲-۱۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ سورۂ حج میں دو سجدے ہیں، حاکم نے بھی اس کی روایت کی ہے مگر اس کی سند میں عبداللہ بن مُنین ہے اور یہ مجہول راوی ہے۔ عبدالحق نے "احکام" میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن مُنین سے استدلال نہیں کیا جاتا، ابن القطان نے کہا: کیونکہ یہ مجہول راوی ہے، اس کی صرف ایک حدیث معروف ہے جس کو الحارث بن سعید نے روایت کیا ہے اور وہ بھی مجہول راوی ہے۔

اسی طرح مراسیل ابوداؤد میں خالد بن معدان سے روایت ہے کہ سورۃ الحج کی قرآن مجید میں دو سجدوں کی وجہ سے فضیلت ہے، امام ابوداؤد نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے۔ (نصب الرایہ، ج ۲ ص ۱۸۵-۱۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

صدرالافاضل سید محمد نعیم الدین حنفی مرادآبادی متوفی ۱۳۶۷ھ، الحج: ۷۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اپنی نمازوں میں اسلام کے اول عہد میں نماز بغیر رکوع و سجود کے تھی، پھر نماز میں رکوع و سجود کا حکم فرمایا گیا۔

(کنزالایمان مع تفسیر خزائن العرفان ص ۶۳۲، مکتبۃ المدینہ، کراچی، ۱۴۳۲ھ)

قرآن مجید میں سجودِ تلاوت کی تعداد

فقہاء کا قرآن مجید کے سجودِ تلاوت کے متعلق اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبل سے اس کے متعلق دو روایتیں ہیں: ایک روایت

یہ ہے کہ قرآن مجید میں چودہ سجدۂ تلاوت ہیں اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ اور امام احمد بن حنبل کی دوسری روایت یہ ہے کہ پندرہ سجدۂ تلاوت ہیں، انہوں نے سجدۂ ''ص'' کا اضافہ کیا۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ قرآن مجید میں سجدۂ تلاوت چودہ ہیں۔ اور حج کے آخر میں جو سجدہ ہے اس کو نکال دیا اور اس کے بدلہ میں سجدۂ ''ص'' کو داخل کیا۔

سجدۂ تلاوت کا شرعی حکم

امام احمد بن حنبل کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ اور سجدۂ تلاوت بغیر تکبیر تحریمہ کے اور سلام کے صحیح نہیں ہے۔ اس میں امام ابوحنیفہ کے اصحاب اور امام شافعی کے بعض اصحاب کا اختلاف ہے، اور امام احمد بن حنبل نے کہا کہ سجدۂ تلاوت کی صرف رکوع میں نیت کر لی جائے تو یہ کافی نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ سجدۂ تلاوت کی رکوع میں نیت کر لی جائے تو یہ کافی ہے۔ اور آیت سجدہ کو سننے والا اس وقت تک سجدہ نہ کرے جب تک کہ آیت سجدہ کی تلاوت کرنے والا سجدہ نہ کرے، اس کی امام احمد رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے۔

(زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۳ ص ۲۵۱ - ۲۵۲، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ کی راہ میں اپنی پوری طاقت کے ساتھ جہاد کرو، انہوں نے ہی تم کو بزرگی عطا فرمائی ہے، اور اللہ نے تمہارے لئے دین کی عبادات میں کوئی تنگی نہیں فرمائی، یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے جنہوں نے تمہارا نام اس سے پہلے اور اس دین میں مسلمان رکھا ہے، تاکہ رسول (قیامت کے دن) تمہارے حق میں گواہ ہوں اور تم دوسری امتوں پر گواہ ہو، پس تم نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کے دین پر مضبوطی سے عمل کرتے رہو، اللہ ہی تمہارے مالک ہیں، سو وہ بہترین مالک ہیں اور بہترین مدد فرمانے والے ہیں ○'' (الحج: ۷۸)

''وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ'':

''وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ'': اس جہاد کے متعلق تین اقوال ہیں:

(۱) اکثرین کا قول یہ ہے کہ اس جہاد کا تعلق اللہ تعالیٰ کی تمام اطاعات اور تمام عبادات کے ساتھ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام اطاعتوں اور تمام عبادتوں کو پوری کوشش کے ساتھ ادا کرو۔

(۲) الضحاک نے کہا ہے کہ اس جہاد کا تعلق کفار کے ساتھ جہاد کرنے سے ہے۔

(۳) عبداللہ ابن المبارک نے کہا: اس سے مراد نفس کا اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرنا ہے۔

''حَقَّ جِهَادِهٖ'': بر احق الجہاد، اس کے متعلق بھی تین قول ہیں:

(۱) مجاہدہ میں پوری کوشش کرنا اور اس میں کسی کمی کو نہ چھوڑنا۔

(۲) اللہ عزوجل کے ساتھ جہاد میں اخلاص کے ساتھ نیت کرنا۔

(۳) اللہ عزوجل کے حق کو ادا کرنے کے لیے جہاد کرنا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حق الجہاد کا معنی یہ ہے کہ جہاد میں اپنی پوری قوت اور طاقت کو خرچ کرنا، یہ آیت منسوخ ہے اور اس کے ناسخ کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا''۔(البقرۃ:۲۸۶)'' (اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں فرماتے)۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس کا مکلف نہیں فرمایا کہ وہ جہاد میں اپنی پوری قوت اور طاقت کو خرچ کریں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ''۔(التغابن:۱۶)'' (پس اللہ سے ڈرو جہاں تک تمہارے بس میں ہے)۔تو جس طرح تقویٰ کا حکم بہ حیثیتِ استطاعت ہے، اسی طرح جہاد کا حکم بھی بہ حیثیتِ استطاعت ہے۔اور طاقت سے بڑھ کر نہ تقویٰ کا حکم ہے، نہ جہاد کا حکم ہے۔اور یہی قول صحیح ہے، کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ''لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا''۔

''هُوَ اجْتَبٰىكُمْ'': یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے دین کے لیے اختیار فرمالیا اور پسند فرمالیا۔

''وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ'': حرج کے معنی ہیں تنگی۔اور انسان جس حال میں بھی مبتلا ہو، یا اُس سے جو کام بھی سرزد ہو جائے خواہ وہ کوئی گناہ ہو مگر اللہ تعالیٰ نے شریعت میں توبہ کے ساتھ یا کفارہ کے ساتھ یا عزیمت سے رخصت کی طرف منتقل ہونے کے ساتھ گنجائش رکھی ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حرج وہ ہے جو بنی اسرائیل پر تھا، اُن پر بہت سخت اور شدید احکام تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس امت سے اٹھالیا، مثلاً مسجد کے بغیر زمین پر انہیں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی، تیمم کرنے کی سہولت نہیں تھی، اور تیمم کے ساتھ بغیر وضو کے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی، اور قربانی کا گوشت کھانے کی اجازت نہیں تھی، آسمان سے ایک آگ آتی تھی جو قربانی کو لے جاتی تھی، اگر اُن سے کوئی شرکیہ قول یا فعل سرزد ہو جائے تو اس کی توبہ یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کردیں، اس طرح اور بھی کئی سخت احکام تھے جو اللہ تعالیٰ نے ملتِ اسلامیہ سے اٹھالیے۔

''مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ'': اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام مسلمانوں کے باپ نہیں ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ خطاب عام مسلمانوں کو ہے، تب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام مسلمانوں کے لیے باپ کے مرتبہ میں ہیں، کیونکہ اُن کی تعظیم اور اُن کا حق مسلمانوں پر والد کے حق کی طرح ہے، اور اگر یہ خطاب بالخصوص اہلِ عرب کے لیے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام عربوں کے والد ہیں۔یہ عام مفسرین کا قول ہے۔اور میرے نزدیک یہ خطاب صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن کے والد ہیں اور آپ کی اُمت اُن احکام میں داخل ہے جن احکام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا گیا ہے۔

''هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ'': اس آیت میں جو ''هُوَ'' فرمایا ہے، اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور جمہور نے کہا کہ اس سے مراد ہے کہ اللہ عزوجل نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

"مِنْ قَبْلُ": اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) یعنی قرآن مجید سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام اپنی نازل فرمائی ہوئی کتابوں میں مسلمان رکھا۔ (۲) اور دوسرا قول یہ ہے کہ اُمّ الکتاب یعنی لوح محفوظ میں تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

"وَفِیْ هٰذَا": یعنی اس قرآن مجید میں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ تمہارا نام جنہوں نے مسلمین رکھا ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جب انہوں نے یہ کہا تھا: "رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۔ (البقرہ: ۱۲۸)" (اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا (مزید) فرمانبردار بنادیں اور ہماری اولاد میں سے اپنی ایک فرمانبردار امت بنادیں)۔ اور آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر اب تک تمہارا نام مسلمان رکھا گیا ہے۔

"لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ": اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پسند فرمالیا اور تمہارا نام مسلمین رکھا تاکہ اللہ کے رسول یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن تمہارے حق میں گواہی دیں کہ انہوں نے تم کو تبلیغ فرمائی ہے۔ اور اس آیت کی پوری تفسیر ہم البقرہ: ۱۴۳ میں بیان کر چکے ہیں۔

"فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ": یعنی تم نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرو کہ وہ تمہیں ہر اس چیز سے بچا کر رکھیں جو اللہ عزوجل کو ناپسند ہو۔ اور حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔

"هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِیْرُ": اللہ ہی تمہارے مالک ہیں، سو وہ بہترین مالک ہیں اور بہترین مدد فرمانے والے ہیں۔ (زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۳ ص ۲۵۰۔ ۲۵۳، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، الحج: ۷۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے دین کے ظاہری دشمنوں سے جہاد کرو جیسے کہ اور فرقے اور نفسانی خواہشات پر عمل کرنے والے۔

قاضی بیضاوی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس ہوئے تو آپ نے فرمایا: ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے ہیں۔ (کتاب الزہد للبیہقی: ۳۷۳)

اس حدیث کی امام بیہقی نے روایت کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اور دوسروں نے کہا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ کہا گیا ہے کہ جہاد اصغر سے مراد کفار کے خلاف جہاد ہے اور جہاد اکبر سے مراد نفس کے ساتھ جہاد ہے۔

"وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ": مجاہد نے الکلبی سے روایت کی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ (التغابن: ۱۶)" (پس اللہ سے ڈرو جہاں تک تمہارے بس میں ہے)۔

"وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ": یعنی مومن جب کسی گناہ میں مبتلاء ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اس گناہ سے نکلنے کا راستہ رکھا ہے۔ بعض لوگ توبہ کر لیں تو وہ اس گناہ سے نکل جاتے ہیں، بعض لوگ دوسروں سے چھینی ہوئی چیزوں کو واپس کردیں اور بدلہ دے دیں تو وہ اس گناہ سے نکل جاتے ہیں اور بعض لوگ مختلف قسم کے کفارات کی وجہ سے گناہوں سے نکل جاتے ہیں مثلاً وہ بیماریوں میں اور مصائب میں مبتلاء ہوتے ہیں، وہ بیماریاں اور مصائب اُن کے گناہوں کو دھو ڈالتی ہیں۔ یہی وہ

اسلام میں کوئی ایسا گناہ نہیں ہے جس سے نکلنے کا کوئی راستہ اللہ تعالیٰ نے نہ رکھا ہو، جیسے ضرورت کے وقت نماز کو قصر کرنے کا حکم ہے اور پانی نہ ملے تو تیمم کرنے کا حکم ہے، اور جو شخص بھوک سے بے قرار ہو تو اس کے لیے مُردار کو کھانے کی اجازت ہے، اور مریض اور مسافر کے لیے روزہ چھوڑنے کی رخصت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن کاموں کو میں نے تم پر ترک کر دیا ہے ان کاموں کے متعلق تم مجھے چھوڑ دو، کیونکہ تم سے پہلی امتیں اس لیے ہلاک ہو گئیں کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام پر بہت سوالات کرتی تھیں اور ان سے اختلاف کرتی تھیں، پس جب میں تم کو کسی کام سے منع فرماؤں تو تم اس سے اجتناب کرو، اور جب میں تمہیں کسی کام کا حکم فرماؤں تو اس کام کو اپنی قوت اور طاقت کے مطابق بجالاؤ۔

(صحیح مسلم: ۱۳۳۷، سنن ترمذی: ۲۶۷۹، سنن نسائی: ۲۶۱۹، سنن ابن ماجہ: ۲، مسند احمد: ۷۳۲۰)

"لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ": یعنی مسلمان تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ فرما دی ہے، کیونکہ انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سن لیا کہ تمام نبیوں نے اپنی اپنی امتوں کی شہادت دی ہے۔

کعب سے روایت ہے کہ اس امت کو تین چیزیں ایسی عطا فرمائی گئی ہیں جو صرف انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تمام لوگوں پر گواہ بنایا اور اُن کے اوپر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی، اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کے متعلق فرمایا: "اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (المومن: ۶۰)" (مجھ سے دعا کرو تاکہ میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں)۔

اور مکحول بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل کے دو نام ہیں جو انہوں نے میری امت کے رکھے ہیں، ایک نام سلام ہے تو انہوں نے میری امت کا نام مسلمین رکھا ہے اور ایک نام المومن ہے تو انہوں نے میری امت کا نام المومنین رکھا۔

(السراج المنیر، ج ۳ ص ۳۲۱۔ ۳۲۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)
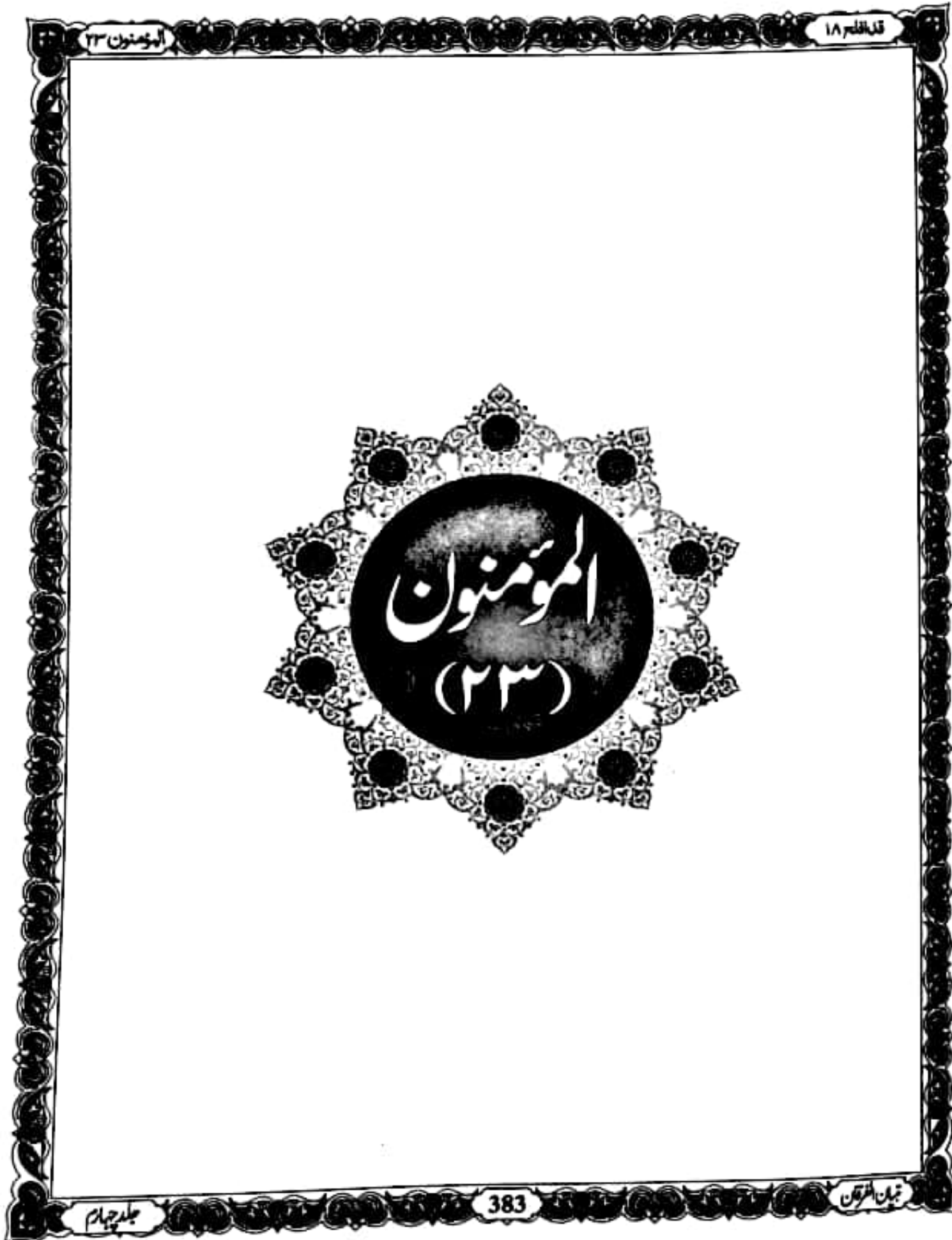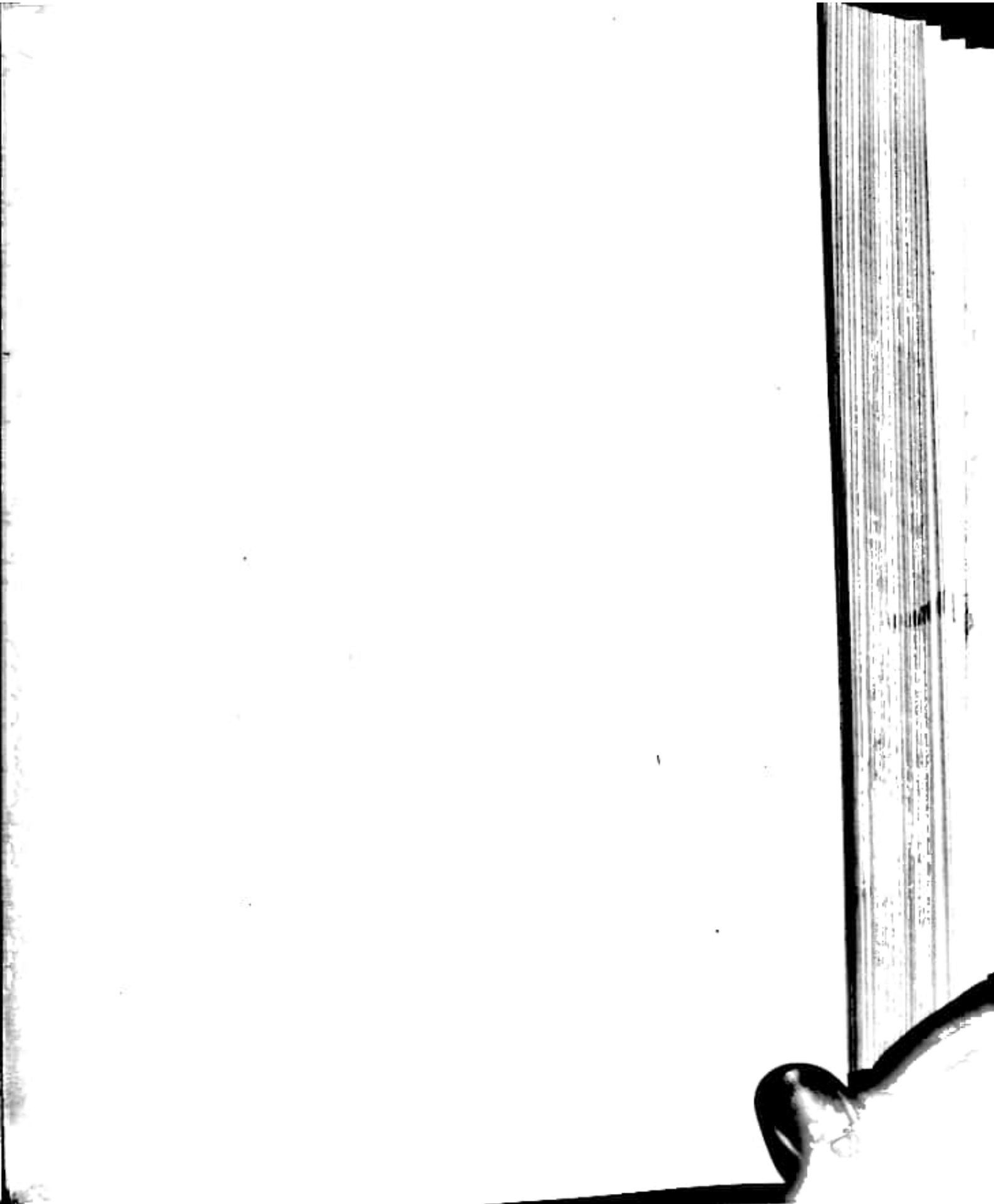
سورۃ المومنون کا اجمالی تعارف

سورۃ المومنون کا نام

اس سورت کی پہلی آیت ہے: ''قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ''، اس میں ''اَلْمُؤْمِنُوْنَ'' کا لفظ مذکور ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام المومنون رکھا گیا ہے۔ یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ مفسرین کی تصریح کے مطابق یہ سورت سورۃ الحج کے نزول کے فوراً بعد نازل ہوئی۔

سورۃ المومنون کے متعلق احادیث

حضرت عبد اللہ بن السائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ہمیں صبح کی نماز پڑھائی، آپ نے سورۃ المومنین کو شروع فرمایا حتی کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا ذکر آیا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانسی اٹھی، پھر آپ نے رکوع کر لیا۔ (صحیح مسلم: ۴۵۵، سنن ابوداؤد: ۶۴۹، سنن نسائی: ۱۰۰۷، سنن ابن ماجہ: ۸۲۰)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے منہ سے شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح آواز سنائی دیتی، ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی، ہم تھوڑی دیر ٹھہرے رہے، پھر آپ سے وہ کیفیت دور ہوگئی، آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ بلند کئے اور دعا کی کہ اللہ! ہمیں زیادہ عطا فرمائیں، ہم سے کمی نہ فرمائیں، ہمیں عزت عطا فرمائیں، ہمیں رسوائی نہ دیں، اور ہم کو عطا فرمائیں اور ہم کو محروم نہ فرمائیں، ہمیں ترجیح دیں، ہم پر ترجیح نہ دیں، اور ہم سے راضی ہو جائیں اور ہم کو راضی فرمادیں، پھر آپ نے فرمایا: مجھ پر دس آیتیں نازل ہوئی ہیں، جس نے ان دس آیتوں کے احکام پر عمل کیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، پھر آپ نے المومنون کی ابتدائی دس آیتیں پڑھیں۔

(سنن ترمذی: ۳۱۷۳، مصنف عبد الرزاق: ۶۰۳۸، مسند احمد: ۲۲۳، مسند البزار: ۳۰۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۴۳۸، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۴۶۰، الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۶۳۲، المستدرک ج ۲ ص ۳۹۲، شرح السنہ: ۱۳۷۶، المستدرک: ۳۵۳۱، دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۵۵، الدر المنثور ج ۵ ص ۳)

سورۃ المومنون کے مقاصد

قرآن مجید کی دیگر سورتوں کی طرح سورۃ المومنون میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور قیامت کا ذکر ہے، رسالت کے متعلق مشرکین جو شکوک اور شبہات بیان کرتے تھے اُن کے جوابات دیئے گئے ہیں، اور توحید کے عقلی اور نقلی دلائل پیش فرمائے گئے ہیں، سورۃ الانبیاء کی طرح اس سورت میں بھی بعض انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے جن میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی والدہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا شامل ہیں۔ اس سورت میں تمام انبیاء علیہم السلام کے دین واحد ہونے کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دین سے گمراہی کے اسباب بیان فرمائے گئے ہیں۔

اس سورت کا زیادہ تر حصہ بنیادی تعلیمات پر ہی مشتمل ہے، نیز اس سورت میں مکارم اخلاق کی ہدایت فرمائی گئی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو تسلی فرمائی گئی ہے، قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل کرنے والوں کے نیک انجام اور قرآن مجید کی تعلیمات سے اعراض کرنے والوں کے برے انجام کو بیان فرمایا گیا ہے۔

آیاتها ۱۱۸ ۲۳ سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ مَكِّيَّةٌ ۷۴ رکوعاتها ۶

(سورۃ المؤمنون مکی ہے اور اس میں ایک سو اٹھارہ آیات اور چھ رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾

بے شک ایمان لانے والے کامیاب ہو گئے O

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾

جو اپنی نمازوں میں اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں O

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾

اور جو ہر عبث اور بے فائدہ کام سے اعراض کرنے والے ہیں O

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾

اور جو لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے رہتے ہیں O

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾

اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں O

اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾

ماسوا اپنی بیویوں اور مملوکہ باندیوں کے، پس وہ ملامت زدہ نہیں ہیں O

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾

پس جس نے بیویوں اور باندیوں کے سوا کسی اور کو طلب کیا تو وہی لوگ اللہ کی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں O

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾

اور جو لوگ اپنے پاس رکھوائی ہوئی امانتوں اور اپنے کئے ہوئے عہدوں کی رعایت کرنے والے ہیں O

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾

اور جو لوگ نمازوں کی اُن کے اوقات میں حفاظت کرتے ہیں ○

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾

یہی وہ لوگ ہیں جو (اخروی انعامات کے) وارث ہونے والے ہیں ○

الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

جو لوگ جنت الفردوس کے وارث ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ○

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا فرمایا ○

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾

پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر محفوظ اور مضبوط جگہ میں رکھا ○

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۤ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾

پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا، پھر ہم نے جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا، پھر ہم نے گوشت کے لوتھڑے کو ہڈیاں بنا دیا، پس ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا، پھر ہم نے اس کی نئی صورت بنا دی، پس اللہ برکت والے ہیں جو سب سے بہتر تخلیق فرمانے والے ہیں ○

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾

پھر بے شک تم اس کے بعد ضرور مرنے والے ہو ○

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

پھر بے شک تم کو قیامت کے دن (زندہ فرما کے) اٹھایا جائے گا ○

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَاۗىِٕقَ ڰ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے، اور ہم اپنی تخلیق سے غفلت فرمانے والے نہیں ہیں ○

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖۗ وَ اِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۚ﴿۱۸﴾

اور ہم نے ایک اندازہ کے مطابق آسمان سے پانی نازل فرمایا، پھر اس پانی کو زمین میں ٹھہرایا، اور بے شک ہم اس پانی کو لے جانے پر ضرور قدرت رکھنے والے ہیں O

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ﴿۱۹﴾

پھر ہم نے تمہارے فائدہ کے لیے اس پانی سے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا فرمائے تمہارے لئے ان میں بہت قسم کے پھل ہیں جن میں سے تم کھاتے ہو O

وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ ﴿۲۰﴾

اور ہم نے پہاڑ طور سے ایک درخت پیدا فرمایا جس میں تیل ہے اور وہ کھانے والوں کے لیے سالن ہے O

وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ﴿۲۱﴾

اور بے شک تمہارے لیے مویشیوں میں غور وفکر کی جگہ ہے، ہم تم کو ان کے پیٹوں سے (دودھ) پلاتے ہیں، اور تمہارے لیے ان میں بہت زیادہ فوائد ہیں اور تم ان بعض مویشیوں کو کھاتے ہو O

وَ عَلَیْهَا وَ عَلَی الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۠﴿۲۲﴾

اور تم کو ان مویشیوں پر اور بحری جہازوں پر سوار کیا جاتا ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک ایمان لانے والے کامیاب ہو گئے O'' (المومنون:١)

مومنین کی پہلی صفت: ایمان کامل کے ساتھ نماز پڑھنا

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، المومنون: ١ تا ٢٢ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ'': اس آیت میں اللہ سبحانہٗ نے ان لوگوں کے لیے اخروی کامیابی کی بشارت دی ہے جو ان سات صفات کے جامع ہوں، ان میں پہلی صفت ہے المومنون، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مومنین اس قسم کی بشارت کی توقع رکھتے تھے اور اس میں یہ خبر دی ہے کہ وہ اس دائمی کامیابی کی بشارت کے مصداق ہوں گے جیسا کہ مومنین توقع رکھتے ہیں۔

اور اس آیت میں الفلاح کا لفظ ذکر فرمایا ہے، اس کا معنی ہے: اخروی کامیابی اور خیر کی بقاء۔ افلحہٗ اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی شخص کو فلاح کے ساتھ متصف کر دیا جائے۔ اور اس آیت میں المومنون کا لفظ فرمایا ہے، اور اس سے مراد ایمان کامل ہے جس میں زبان سے توحید کا اقرار ہو اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کیا جائے اور دل سے اس کی تصدیق ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جن لوگوں نے توحید کی تصدیق کی وہ کامیاب ہو گئے اور وہ جنت میں باقی رہیں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ الفلاح کا معنی ہے: البقاء والنجاۃ۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ مومن کون ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لغت میں مومن مُصَدِّق کو کہتے ہیں یعنی جو کسی بات یا کسی کام کی تصدیق کرے۔ اور شریعت میں مومن کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ جو توحید اور رسالت کی گواہی دے اور اس کا دل اس کی زبان کا مُصَدِّق ہو سو وہ مومن ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ مومن صفت مدح ہے، اس کا مستحق صرف وہی ہوتا ہے جو نیک اور متقی ہو، فاسق مومن کی صفت کا مستحق نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو اپنی نمازوں میں اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں ۝ ''(المومنون: ۲)

مومنین کی دوسری صفت: حضور ذہن کے ساتھ نماز پڑھنا

''الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ'': الخشوع کی تعریف میں اختلاف ہے۔ پس بعض مفسرین نے کہا: یہ افعال قلوب میں سے ہے جیسے خوف اور ڈر۔ اور بعض مفسرین نے کہا کہ خشوع کا تعلق اعضاء ظاہرہ کے افعال سے ہے جیسے سکون اور ادھر ادھر توجہ کرنے کو ترک کرنا۔ اور بعض مفسرین نے کہا کہ خشوع ان دونوں چیزوں کا جامع ہے۔ پس نماز میں خشوع کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے لیے انتہائی تذلل ہو اور اس کا دل کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہ ہو، اور اس کے دل میں صرف اللہ عزوجل کی تعظیم ہو۔ اور اس کا تعلق اعضاء ظاہرہ سے ہے یعنی وہ پرسکون سر جھکائے ہوئے کھڑا ہو اور سجدہ کی جگہ کی طرف دیکھ رہا ہو، اور وہ دائیں بائیں کسی چیز کی طرف التفات نہ کرے۔

حسن بصری اور ابن سیرین نے کہا کہ پہلے مسلمان اپنی نمازوں میں آسمانوں کی طرف دیکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس طرح کرتے تھے، پس جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے اپنے سروں کو جھکایا اور ان کی نظر نماز کی جگہ سے متجاوز نہیں ہوتی تھی۔ پس اگر کہا جائے کیا تمہارے نزدیک نماز میں اس طرح کرنا واجب ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ ہاں واجب ہے اور اس کے حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔ (محمد: ۲۴)'' (کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ بلکہ ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں)۔ اور تدبر اسی صورت میں ہو سکتا ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا۔ (المزمل: ۴)'' (اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کے معانی اور اس کے عجائب پر غور و فکر کریں۔

(۲) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔ (طٰہٰ: ۱۴)'' (اور میری یاد کیلئے نماز قائم کیجئے)۔ اس آیت کا ظاہر یہ ہے

کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا واجب ہے اور غفلت یاد کرنے کی ضد ہے، پس جو شخص اپنی پوری نماز میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل رہا وہ کس طرح نماز کو اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے قائم کرنے والا ہوگا؟۔

(۳) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ۔۔(الاعراف: ۲۰۵)'' (اور آپ اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے یاد کیجئے اور آواز بلند کیے بغیر زبان سے صبح اور شام کے وقت یاد کیجئے اور غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں)۔اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت کو حرام فرما دیا ہے۔

(۴) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔۔(النساء: ۴۳)'' (اے ایمان والو! تم نشہ کی حالت میں اس وقت تک نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو)۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حالتِ نشہ میں نماز پڑھنے سے منع فرما دیا ہے، کیونکہ نشہ کی حالت میں انسان دنیاوی معاملات میں مستغرق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوتا ہے۔

حضورِ ذہن کے ساتھ نماز پڑھنے کے متعلق احادیث

امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اس کی نماز نے بے حیائی کے کاموں سے اور برائی سے نہیں روکا تو اس کو اس نماز پڑھنے سے صرف اللہ تعالیٰ سے دوری حاصل ہوگی اور اس نماز سے اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضی حاصل ہوگی۔

(تفسیر عبد الرزاق: ۲۲۵۳، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱۰۲۵، مسند الشہاب القضاعی: ۵۰۹، شعب الایمان للبیہقی: ۲۹۹۲، ۲۹۹۳)

اور جو شخص غفلت کے ساتھ نماز پڑھے گا تو اس کی نماز اس کو بے حیائی کے کاموں سے دور نہیں کرے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے یہ سنا ہے کہ کتنے نماز میں قیام کرنے والے ایسے ہیں کہ جن کو اپنے قیام سے سوائے شب بیداری اور تھکاوٹ کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے روزہ دار ایسے ہیں جن کو اپنے روزہ سے بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

(صحیح ابن حبان: ۳۴۸۱، سنن بیہقی: ج ۴ ص ۲۷۰، صحیح ابن خزیمہ: ۱۹۹۷، شرح السنۃ للبغوی: ۱۷۴۳، سنن ابن ماجہ: ۱۶۹۰، سنن دارمی: ج ۲ ص ۳۰۱)

اس سے مراد وہ نمازی ہیں جو غفلت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ نماز کو غور و فکر کے ساتھ اور نماز میں پڑھے ہوئے الفاظ کے معانی کی طرف توجہ کرتے ہوئے پڑھا جائے۔

حضورِ ذہن کے ساتھ نماز پڑھنے کے متعلق امام غزالی کے ارشادات

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھنے والا اپنے رب سے سرگوشی اور مناجات کرتا ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے اور جو کلام غفلت کے ساتھ ہو وہ یقینی طور پر مناجات نہیں ہے۔اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ جس انسان نے غفلت کی حالت میں زکوٰۃ ادا کی تو بعض اعتبار سے اس سے مقصود حاصل ہو گیا اور وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے اس کی حرص ٹوٹ گئی اور فقیر غنی ہو گیا۔ اور اسی طرح روزہ نفس پر قہر کرنے کا نام ہے تو اگر اس نے غفلت کے ساتھ روزہ رکھا تو بہرحال نفس پر قہر تو حاصل ہو گیا، اسی طرح

حج میں سخت اور مشکل افعال ہیں تو جو آدمی غفلت کے ساتھ حج کرے گا تو وہ سخت اور مشکل افعال تو ادا ہو جائیں گے لیکن نماز میں تو صرف اللہ کا ذکر ہے، قرآن کا پڑھنا ہے، رکوع کرنا ہے، سجدہ کرنا ہے، قیام ہے اور قعود ہے۔

اور رہا ذکر تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات اور سرگوشی ہے اور جب اس کا دل حاضر نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے معمور نہیں ہوگا تو اس سے مناجات حاصل نہیں ہوگی، مناجات اسی وقت حاصل ہوگی کہ جب اس کی زبان اس کے دل کی ترجمان ہو، پس جب وہ نماز میں کہتا ہے: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ (الفاتحہ: ٦)" اور اس کا دل اس کی زبان کے ساتھ حاضر نہ ہو تو یہ کس طرح مناجات ہوگی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پڑھنے سے اور ذکر کرنے سے اور حمد و ثناء کرنے سے اور گڑگڑا کر دعا کرنے سے اس کا خطاب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے، پس جب اس کا دل غفلت کے پردوں سے ڈھکا ہوا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور اُن کی کبریائی سے غافل ہو اور اس کی زبان عادتاً حرکت کر رہی ہو تو یہ اس کے دعا کے قبول ہونے سے بہت بعید ہے۔ اور رہا رکوع اور سجود تو ان سے مقصود اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ اور اگر یہ جائز ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو کر ان کی تعظیم کرے تو پھر یہ بھی جائز ہوگا کہ وہ بت کی تعظیم کرے جو اس کے سامنے رکھا ہوا ہو اور وہ اس سے غافل ہو۔ اور جب اس کے دل میں اللہ عزوجل کی تعظیم نہیں ہوگی تو اس کے رکوع اور سجود سے سوائے اس کی پشت اور سر کی حرکت کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

حضور ذہن کے ساتھ نماز پڑھنے کے متعلق صحابہ اور تابعین کے اقوال

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے عمداً اپنے دائیں اور بائیں نماز پڑھنے والوں کو پہچانا اور وہ نماز میں ہو تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔

سعید المقبری عبداللہ بن عنمہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما مسجد میں داخل ہوئے، پس انہوں نے بہت جلدی جلدی تخفیف کے ساتھ نماز پڑھی، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ مسجد سے نکلے تو میں اُن کے پاس گیا اور میں نے اُن سے کہا: اے ابوالیقظان! آپ نے بہت تخفیف کے ساتھ نماز پڑھی ہے، انہوں نے کہا: کیا تم نے دیکھا کہ میں نے نماز کے ارکان میں سے کوئی رکن چھوڑ دیا؟ انہوں نے کہا: نہیں، انہوں نے کہا: اگر میں نے نماز جلدی پڑھی ہے تو یہ شیطان کا بھلانا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک ایک بندہ نماز پڑھتا ہے اور اس کی نماز سے اس کے لیے صرف اس کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے یا نواں حصہ لکھا جاتا ہے یا آٹھواں حصہ یا ساتواں حصہ یا چھٹا حصہ یا پانچواں حصہ یا چوتھا حصہ یا تیسرا حصہ یا آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔

(مسند احمد: ۱۸۸۹۴، ۲۱۵۵۶، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۷: ۵۲، ۳، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ۵ ص ۸۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندہ کی نماز کا صرف وہی حصہ لکھا جاتا ہے جس کو وہ حضور ذہن کے ساتھ پڑھتا ہے۔

اور عبدالواحد بن زید نے کہا: علماء کا اس پر اجماع ہے کہ بندہ کی نماز کا صرف وہی حصہ مقبول ہوتا ہے جس کو وہ غور و فکر کے ساتھ پڑھتا ہے اور انہوں نے اس بات پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ تمام فقہاء نے بغیر حضور ذہن کے پڑھی ہوئی نمازوں پر جواز کا حکم لگایا ہے تو کیا ان اصولیین اور اہل تقویٰ نے مسلمانوں پر نماز کے معاملہ کو تنگ نہیں کر دیا؟ اُن سے کہا جائے گا: آپ احتیاط پر عمل کیوں نہیں کرتے، کیونکہ بعض علماء نے متقدی

بننے کے بجائے امام بننے کو اختیار کیا ہے، اُن سے کہا گیا: آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: اگر میں نے نماز میں سورۂ فاتحہ کو ترک کیا تو امام شافعی مجھ پر عتاب کریں گے اور اگر میں نے امام کے ساتھ سورۂ فاتحہ کو پڑھا تو امام ابوحنیفہ مجھ پر عتاب کریں گے تو میں نے اس اختلاف سے جان چھڑانے کے لیے اقتداء کو ترک کر دیا اور امامت کو اختیار کیا۔

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، المومنون: ۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نمازی متواضع ہو کر نماز پڑھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے نماز پڑھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ذلت کے ساتھ نماز پڑھے۔ قتادہ نے کہا: خشوع یہ ہے کہ وہ اپنی نظر کو سجدہ کی جگہ پر لازم رکھے۔ اور جب کوئی نمازی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اللہ عزوجل سے ڈرتا ہے اور اپنی فکر کو دنیا کے تمام امور سے الگ رکھتا ہے اور وہ اللہ عزوجل کے ذکر اور ان کی خوشنودی کے سوا ہر چیز سے اعراض کرتا ہے۔ اور خشوع کے آثار یہ ہے کہ وہ ادب کو لازم رکھے۔ نمازی نماز میں اپنے کپڑوں کے ساتھ نہ کھیلے اور اپنے جسم کو نہ کھجائے اور انگلیوں میں انگلیاں نہ ڈالے جماہی نہ لے، اور منہ بند رکھے۔

امام ترمذی نے سندِ ضعیف کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نمازی کو دیکھا وہ نماز میں اپنی ڈاڑھی کو ٹھیک کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔

(المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۹۳ ،تخریج الکشاف لابن حجر ج ا ص ۲۹۳)

حسن بصری نے کہا: ہر وہ نماز جس میں حضورِ قلب نہ ہو وہ سزا کے جلدی قریب ہے۔ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: جو نماز میں اپنے دائیں بائیں دیکھتا رہا، اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اور نیز حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ بندہ کی نماز میں سے وہی حصہ لکھا جاتا ہے جس کو وہ حضورِ ذہن کے ساتھ پڑھے (اس حدیث کی تخریج نہیں مل سکی)۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کتنے نماز میں قیام کرنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کا نماز سے حصہ صرف مشقت اور تھکاوٹ ہوتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۶۹۰)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو نماز بے حیائی اور برے کاموں سے نہیں روکتی اس کی نماز اس کی صرف اللہ تعالیٰ سے دوری کو زیادہ کرتی ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱۰۹۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو ہر عبث اور بے فائدہ کام سے اعراض کرنے والے ہیں O'' (المومنون: ۳)

مومنین کی تیسری صفت: نماز میں لغو اور عبث کاموں سے اعراض کرنا اور لغو کی تعریف میں قرآن مجید کی متعدد آیات سے استشہاد

''وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ'': اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جو لوگ شرک کو ترک کرتے ہیں۔ حسن بصری نے کہا: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کو ترک کرتے ہیں۔ الزجاج نے کہا: ہر وہ قول یا فعل جس کی تحسین نہ کی جائے وہ باطل اور لہو ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہر وہ قول یا فعل جو ساقط کرنے کا مستحق ہو اور لغو قرار دینے کا مستحق ہو، اللہ تعالیٰ نے

اُن لوگوں کی مدح فرمائی ہے جو ایسے کاموں سے اعراض کرتے ہیں، اور اعراض کا معنی یہ ہے کہ وہ ایسے کام نہیں کرتے اور نہ ایسے کاموں سے راضی ہوتے ہیں اور نہ ایسے کام کرنے والوں سے میل جول رکھتے ہیں جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۔ (الفرقان: ۷۲)" (اور جب وہ کسی بے ہودہ مشغلے کے پاس سے گزرتے ہیں تو شریفانہ انداز میں گزر جاتے ہیں)، یعنی جب وہ کوئی بری بات سنتے ہیں تو اپنے آپ کو اس بری بات میں داخل ہونے سے بچاتے ہیں۔

(السراج المنیر ج ۴ ص ۳۲۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، المؤمنون: ۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ": لغو کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں:

(۱) لغو میں ہر وہ کام داخل ہے جو حرام ہو یا مکروہ ہو یا مباح ہو لیکن مرد کو اس مباح کام کرنے کی ضرورت اور حاجت نہ ہو۔

(۲) لغو ہر وہ کام ہے جو فقط حرام ہو، اور یہ تفسیر پہلی تفسیر سے زیادہ خاص ہے۔

(۳) قول اور کلام میں خصوصیت سے نافرمانی کرنے کو لغو کہتے ہیں۔ اور یہ دوسری تفسیر سے بھی زیادہ خاص ہے۔

(۴) لغو وہ مباح کام ہے جس کی ضرورت نہ ہو۔ اور اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے: "لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِكُمْ ۔ (المائدہ: ۸۹)" (تمہاری بے مقصد کھائی ہوئی قسموں پر اللہ گرفت نہیں فرمائیں گے)۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کو لغو کی تفسیر میں کیسے داخل کیا جائے گا جن میں مواخذہ ضروری ہو۔

جنہوں نے لغو کی تفسیر حرام کے ساتھ کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ لغو کبھی کفر ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۔ (حم السجدہ: ۲۶)" (اور (مکہ کے بعض) کافروں نے کہا: اس قرآن کو نہ سنو اور اس کی تلاوت کے وقت شور مچایا کرو، ہو سکتا ہے کہ تم غالب آ جاؤ)۔ اور کبھی لغو کلام کذب اور جھوٹ ہوتا ہے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "لَا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَةً ۔ (الغاشیہ: ۱۱)" (جنت میں وہ کوئی جھوٹی بات نہیں سنیں گے)۔ نیز قرآن مجید میں ہے: "لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِیْمًا ۔ (الواقعہ: ۲۵)" (وہ جنت میں کوئی بے ہودہ اور گناہ کی بات نہیں سنیں گے)۔ پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مومنین کی اس وجہ سے مدح فرمائی کہ وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں یعنی لغو کام نہیں کرتے اور نہ اس سے راضی ہوتے ہیں اور نہ لغو کام کرنے والوں سے مل جل کر رہتے ہیں اور اسی اعتبار سے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۔ (الفرقان: ۷۲)" (اور جب وہ کسی بے ہودہ مشغلے کے پاس سے گزرتے ہیں تو شریفانہ انداز میں گزر جاتے ہیں)۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے نماز میں خشوع کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ وہ لغو کاموں سے اور لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۶۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جو لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے رہتے ہیں O" (المؤمنون: ۴)

مومنین کی چوتھی صفت: زکوٰۃ کی ادائیگی

"وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ": (اور جو لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے رہتے ہیں)۔

امام رازی فرماتے ہیں: اس آیت میں زکوٰۃ کے مصداق میں دو قول ہیں:

(۱) ابو مسلم نے کہا: زکوٰۃ اس فعل کو کہتے ہیں جو قابل تحسین ہو اور پسندیدہ ہو، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۔" (الاعلیٰ: ۱۴) "(بے شک کامیاب ہوا جو پاکیزہ ہو گیا)۔ اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۔" (النجم: ۳۲) "(لہٰذا تم اپنی پاک بازی کا دعویٰ نہ کرو، وہ پرہیزگاروں کو خوب جانتے ہیں)۔ اور زکوٰۃ کے عموم میں یہ بھی داخل ہے جو انسان مال کا حق ادا کرتا ہے اور اس کو زکوٰۃ اس لیے فرمایا ہے کہ اپنے مال میں سے اللہ کا حق ادا کرنا انسان کو گناہوں سے پاک کر دیتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔" (التوبہ: ۱۰۳) "((اے رسول اکرم!) آپ ان مسلمانوں کے اموال سے زکوٰۃ وصول کیجئے، یہ زکوٰۃ ان کو پاکیزہ کر دے گی اور ان کے باطن کو صاف کر دے گی، اور آپ ان کے لیے دعائے خیر کیجئے، بے شک آپ کا دعا کرنا ان کے لیے سکون اور طمانیت کا باعث ہے، اور اللہ سب کچھ سننے والے ہیں، سب کچھ جاننے والے ہیں)۔

(۲) زکوٰۃ کے مصداق میں دوسرا قول اور یہی اکثرین کا قول ہے:

مسلمانوں کے مالوں میں جو اللہ تعالیٰ کا حق واجب ہوتا ہے اس کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے، کیونکہ شریعت میں زکوٰۃ اسی معنی کے ساتھ مخصوص ہے۔

زکوٰۃ کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کے وجوب کی شرائط کا بیان

زکوٰۃ کا لغت میں معنی ہے: کسی چیز کا بڑھنا اور پاکیزہ ہونا، اور اس کا شرعی معنی یہ ہے:

نصاب کے مطابق جس مال پر ایک سال گزر گیا ہو اس مال میں سے چالیسویں حصہ کا کسی غیر ہاشمی فقیر کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مالک بنا دینا۔ (درمختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۔ ۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

زکوٰۃ مسلمان، عاقل، بالغ اور آزاد شخص پر فرض ہوتی ہے اور اس کی فرضیت کا سبب ایسا مال ہے جو نصاب کے مطابق ہو اور اس پر ایک سال گزر گیا ہو اور اس مال پر کسی مخلوق کا قرض نہ ہو، اگر اس مال پر اللہ کا حق ہو مثلاً اس کے ذمہ پچھلی زکوٰۃ ہو، نذر یا کفارہ کی ادائیگی ہو یا حج ہو تو وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مانع نہیں ہے، البتہ وہ مال اس کی حاجات اصلیہ سے زائد ہو، حاجات اصلیہ میں اس کے اور اس کے بیوی اور بچوں یا اس کے بوڑھے ماں باپ کے کھانے، پینے، علاج، کپڑوں اور رہائش کے اخراجات شامل ہیں اور اسی طرح جو اس نے کسی کا قرضہ ادا کرنا ہے وہ بھی اس میں شامل ہے، ان چیزوں کے اخراجات منہا کرنے کے بعد جو رقم اس کے پاس بچے اور نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، فقہاء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ چاندی کا نصاب دو سو درہم یا پانچ اوقیہ چاندی ہے جو ساڑھے باون تولے یا 36.612 گرام کے برابر ہے اور سونے کا نصاب چالیس دینار یا بیس مثقال ہوتا ہے جو ساڑھے سات تولے یا 48.78 گرام کے برابر ہے۔ کرنسی نوٹوں اور مال تجارت کو چاندی کے نصاب کے تابع کیا جائے گا۔

اسٹیٹ بینک پاکستان کے اعلان کے مطابق 2015ء میں زکوٰۃ کا نصاب 33,641 روپے ہے۔

(ایکسپریس نیوز ۲۹ شعبان ۱۴۳۶ھ/ ۱۷ جون ۲۰۱۵ء بروز بدھ)

سورۃ المومنون میں زکوٰۃ سے مراد اعمال صالحہ ہیں

دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں پر زکوٰۃ سے مراد عمل صالح ہے، اس لیے کہ سورۃ المومنون مکی ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں ہجرت کے

دوسرے سال نازل ہوئی۔علامہ البقاعی نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ زکوۃ مدینہ میں صاحب نصاب پر نازل ہوئی ہے، اور زکوۃ میں اصل اس کا مکہ میں واجب ہونا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں فرمایا ہے: "وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ۔۔ (الانعام: ۱۴۱)" (فصل کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں O" (المومنون: ۵)

مومنین کی پانچویں صفت: عفت اور پاکیزگی اور المتعہ کا حرام ہونا

"وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ": بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت المتعہ کی تحریم پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ القاسم بن محمد نے روایت کی ہے، کیونکہ اس آیت میں بیوی اور باندی کے سوا ہر اجنبی عورت سے جنسی منفعت کے حصول کو حرام فرما دیا گیا ہے، اور جس عورت سے متعہ کیا گیا ہو وہ اس شخص کی بیوی نہیں ہوتی، لہٰذا واجب ہے کہ وہ ممتوعہ عورت اس کے لیے حلال نہ ہو۔ رہا یہ کہ ممتوعہ عورت اس کی بیوی نہیں ہوتی اس کی دلیل یہ ہے کہ جس عورت سے متعہ کیا گیا ہو، وہ شخص اور وہ عورت بالاجماع ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ اور اگر وہ اس کی بیوی ہوتی تو ان کے درمیان توارث ضرور حاصل ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ۔۔ (النساء: ۱۲)" (اور تمہارے لیے تمہاری (فوت شدہ) بیویوں کے چھوڑے ہوئے مال میں سے نصف حصہ ہے بشرطیکہ تمہاری بیویوں کی کوئی اولاد نہ ہو)۔ اس آیت سے واضح ہوا کہ شوہر بیوی کا وارث ہوتا ہے، اور جو شخص کسی اجنبی عورت سے متعہ کرے وہ اس کا وارث نہیں ہوتا، اس سے واضح ہو گیا کہ ممتوعہ عورت اس کی بیوی نہیں ہے اور جب وہ اس کی بیوی نہیں ہے تو بیوی کے غیر سے جنسی منفعت کا حصول اس آیت سے حرام فرما دیا گیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۶۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں: امام رازی نے اس آیت سے متعہ کو حرام قرار دیا ہے لیکن اُن کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ آیت سورۃ المومنون کی ہے اور سورۃ المومنون مکی ہے اور مکی زندگی کے بعد مدینہ میں بھی متعہ ہوتا رہا ہے اور غزوۂ خیبر اور پھر غزوہ اوطاس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو دائما حرام فرما دیا، لہٰذا اس آیت سے متعہ کی حرمت پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، المومنون: ۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ": یعنی جماع اور اس کے مقدمات میں وہ اپنی شرمگاہوں کی دائما حفاظت کرتے ہیں، اور الفرج مرد اور عورت دونوں کی شرمگاہوں کو کہتے ہیں، اور اس کی حفاظت کا معنی یہ ہے کہ اس میں حرام سے اجتناب کیا جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ماسوا اپنی بیویوں اور مملوکہ باندیوں کے، پس وہ ملامت زدہ نہیں ہیں O"

(المومنون: ۶)

"اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ":

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا استثناء فرمایا ہے "اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ" یعنی وہ عورتیں جو عقدِ نکاح سے مردوں پر حلال ہو گئیں۔

"اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ": اس آیت میں "مَا" کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے، اور "مَنْ" کا

لفظ نہیں استعمال فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مملوک غیر ذوی العقول کے درجہ میں ہے، اسی وجہ سے اس کو فروخت کیا جاتا ہے جس طرح جانوروں کو فروخت کیا جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ باندیوں میں دو وصف ہیں، ایک اُن کا مونث ہونا جو اُن کی عقل کی کمی پر دلالت کرتا ہے، دوسرا یہ کہ اُن کو بیچا اور خریدا جا سکتا ہے جس طرح باقی اجناس کو بیچا اور خریدا جا سکتا ہے۔

علامہ بغوی نے کہا ہے: یہ آیت خصوصاً مردوں سے متعلق ہے، یعنی مردوں کا ان عورتوں سے جنسی آسودگی حاصل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ عورت کے لیے کسی حال میں بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مملوک کی شرمگاہ سے جنسی آسودگی حاصل کرے۔

پھر فرمایا: ''فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ'': یعنی جب شرعی اجازت کے ساتھ اُن سے استمتاع کیا جائے گا تو اس پر ملامت نہیں ہے اور اگر شرعی اجازت کے بغیر عورتوں سے استمتاع کیا جائے مثلاً حالتِ حیض میں یا حالتِ نفاس میں یا باندی سے استبراء سے پہلے استمتاع کیا جائے تو وہ بھی حرام ہے اور جو ایسا کرے گا اس کو ملامت کی جائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس جس نے بیویوں اور باندیوں کے سوا کسی اور کو طلب کیا تو وہی لوگ اللہ کی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں O'' (المومنون: ۷)

''فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ'': یعنی جس شخص نے اِن کے علاوہ اور کسی صورت سے جنسی منفعت حاصل کی مثلاً اس نے اجنبی عورت سے زنا کیا یا لواطت کی یا مشت زنی کی یا کسی جانور سے اپنی خواہش پوری کی تو ایسے تمام لوگ ابدی فلاح سے دور کیے گئے ہیں اور یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو عذاب دیں گے جو اپنے ہاتھوں کے ساتھ اپنے مذاکیر سے کھیلتے ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ اُن کا حشر اس حال میں کیا جائے گا کہ اُن کے ہاتھ حاملہ ہوں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ اپنے پاس رکھوائی ہوئی امانتوں اور اپنے کیے ہوئے عہدوں کی رعایت کرنے والے ہیں O'' (المومنون: ۸)

مومنین کی چھٹی صفت

''وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ'': امام رازی فرماتے ہیں: جس چیز کی امانت رکھی جائے اور اس پر عہد کیا جائے اس کو امانت اور عہد کہتے ہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا'' (النساء: ۵۸) ''(بے شک اللہ تمہیں یہ حکم فرماتے ہیں کہ تم امانت رکھنے والوں کی امانتوں کو اُن کے حوالے کر دیا کرو)۔ اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ'' (الانفال: ۲۷) ''(اے ایمان والو! تم اللہ سے اور رسول سے عمداً خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو)۔ اور اس آیت کے عموم میں تمام عبادات داخل ہیں، اس لیے کہ یا تو وہ عبادات مخفی ہوں گی جیسے روزہ اور غسلِ جنابت اور تمام اعضاء پر مکمل وضو کرنا۔ یا اُن کی ادائیگی کی کیفیت مخفی ہو گی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص سب سے بڑی خیانت کرتا ہے جو پوری نماز نہیں پڑھتا''۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب سے پہلے جس چیز کو تم اپنے دین سے گم پاؤ گے وہ امانت ہے، اور سب سے آخر

میں جس چیز کو تم پاؤ گے وہ نماز ہے۔ اور امانت کے عموم میں وہ چیزیں بھی داخل ہیں جن کو پورا کرنا لازم ہے، لہٰذا کسی شخص کے مال کو چھیننا یا اُس کو خراب کرنا یا ضائع کرنا حرام ہے۔

اور رہا عہد تو اس میں تمام عقود اور قسمیں اور نذریں داخل ہیں۔ پس اللہ سبحانہٗ نے یہ بیان فرمایا کہ ان تمام امور کی رعایت کرنا دائمی فلاح کے حصول میں معتبر ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ نمازوں کی اُن کے اوقات میں حفاظت کرتے ہیں O'' (المومنون: ۹)

مومنین کی ساتویں صفت

''وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ'': (اور جو لوگ نمازوں کی اُن کے اوقات میں حفاظت کرتے ہیں)۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ (المومنون: ۲)'' تو اب اس کے بعد ''وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ'' کی کیا ضرورت ہے اور کیا یہ تکرار نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نماز میں خشوع کرنا اور نماز کی حفاظت کرنا دو الگ الگ چیزیں ہیں، کیونکہ خشوع نمازی کی صفت ہے جس وقت وہ نماز کو ادا کر رہا ہو۔ اور محافظت کا معنی یہ ہے کہ وہ نماز کو اس کے تمام فرائض اور واجبات اور سنن کے ساتھ ادا کرے، بلکہ محافظت سے مراد یہ ہے کہ نماز کی تمام شرائط کی حفاظت کرے یعنی نماز کو اپنے وقت میں پڑھے، باوضو پڑھے اور اس کے تمام ارکان اور واجبات کو ادا کرے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہی وہ لوگ ہیں جو (اخروی انعامات کے) وارث ہونے والے ہیں O'' (المومنون: ۱۰)

''اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ'': (یہی وہ لوگ ہیں جو (اخروی انعامات کے) وارث ہونے والے ہیں)۔

یہاں پر متعدد سوالات ہیں:

السوال الاول: یہ مومنین کاملین جس ثواب اور جنت کو حاصل کریں گے اس کو میراث کس وجہ سے فرمایا ہے؟ حالانکہ اللہ سبحانہٗ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جنت مومنین کا حق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ (التوبۃ: ۱۱۱)'' (بے شک اللہ نے مسلمانوں سے اُن کی جانوں اور اُن کے مالوں کو اس کے عوض خرید لیا کہ اُن کے لیے جنت ہوگی)۔ اس کا جواب متعدد وجوہ سے ہے:

پہلی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ ہر مکلف کے لیے اللہ تعالیٰ نے دوزخ بنائی ہے کہ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو وہ اس دوزخ کا مستحق ہوگا، اور اس کے لیے جنت بنائی ہے کہ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی تو اس کو اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائیں گے، پس جب اُن میں سے بعض ایمان لائے اور بعض ایمان نہیں لائے تو جو ایمان نہیں لائے اُن کے لیے جو جنتیں بنائی تھیں وہ مومنین کو بہ طور وراثت عطا فرما دی جائیں گی، اور جو ایمان لائے تھے ان کے لیے جو دوزخیں بنائی تھیں وہ کافروں کو بہ طور وراثت دے دی جائیں گی، اس اعتبار سے مومنین کو ثواب میں جو جنت عطا فرمائی جائے گی اس کو وراثت فرمایا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مومنین کو بغیر محاسبہ کے جنت میں منتقل فرمانا اور بغیر اس کی مقدار کی معرفت کے یہ ایسا ہے جیسے وارث کی طرف مال منتقل کیا جائے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ جنت ہمارے باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مسکن ہے، پس جب وہ جنت اُن کی اولاد کی طرف منتقل ہوئی تو یہ وراثت کے مشابہ ہے۔

امام رازی کی اس تقریر کی تائید میں حسب ذیل حدیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے لیے دو ٹھکانے ہیں، ایک ٹھکانا جنت میں ہے اور ایک ٹھکانا دوزخ میں ہے، پس اگر وہ مر گیا اور دوزخ میں داخل ہو گیا تو اہلِ جنت اس کے ٹھکانے کے وارث ہو جائیں گے۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۳۴۱، کتاب الزہد، باب صفۃ الجنۃ)

السوال الثانی: جو مومنین ان سات صفات کے جامع ہیں اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اُن کو دائمی فلاح حاصل ہوگی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں دیگر عبادات کا ذکر نہیں فرمایا مثلاً روزہ کا، حج کا، طہارت کا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ''وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ لِاَمٰنٰتِہِمۡ وَعَہۡدِہِمۡ رٰعُوۡنَ۔ (المومنون:۸)'' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے تمام واجبات کو ادا کریں گے اور تمام محرمات سے اجتناب کریں گے، اور طہارت کا ذکر پانچ نمازوں کی حفاظت میں آ گیا ہے۔

السوال الثالث: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ۔ (المومنون:۱۰)''، کیا اس میں یہ دلیل ہے کہ ان مومنین کے سوا اور کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ''ہُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ'' حصر کا مفید ہے، لیکن یہاں پر حصر کو ترک کرنا واجب ہے، کیونکہ دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ جنت میں مومنین کے کم سن بچے بھی داخل ہوں گے اور مجنون بھی داخل ہوں گے اور اہلِ قبلہ میں سے جن فساق کی توبہ کے بعد مغفرت فرما دی گئی ہے وہ بھی جنت میں داخل ہوں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَیَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ۔ (النساء:۴۸)'' (بے شک اللہ اس کو نہیں معاف فرمائیں گے کہ ان کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس سے کم گناہوں کو اللہ جس کے لیے چاہیں گے معاف فرما دیں گے)۔ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جس مومن نے شرک بالکل نہیں کیا اللہ تعالیٰ اس کی بھی مغفرت فرما دیں گے اور جس کی مغفرت فرمائیں گے اس کو اپنے فضل سے جنت میں داخل فرما دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: '' جو لوگ جنت الفردوس کے وارث ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ○'' (المومنون:۱۱)

''اَلَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ'': جو لوگ جنت الفردوس کے وارث ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

السوال الرابع: کیا ہر جنت ''الفردوس'' ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حبشی زبان میں فردوس کا معنی جنت ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ روم کی زبان میں فردوس کا معنی جنت ہے۔

الفردوس رومی زبان میں باغ کا نام ہے۔"هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ":یعنی وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے، نہ مریں گے اور نہ وہاں سے نکلیں گے۔(تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس ص ۳۶۱، المکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ پر ایمان لایا اور ان کے رسول پر اور نماز قائم کی اور رمضان کے مہینے کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل فرمادیں، اس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی یا اس زمین میں بیٹھا رہا جس زمین میں وہ پیدا ہوا ہے، صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو اس کی خبر نہ دے دیں؟ آپ نے فرمایا: بے شک جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار فرما رکھا ہے، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے، پس جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو ان سے الفردوس کا سوال کرو، کیونکہ وہ جنت کا اوسط ہے اور جنت کا بلند درجہ ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کے دریا نکلتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۲۷۹۰، ۷۴۲۳، مسند احمد: ۸۴۱۹، ۸۴۲۰، سنن ابن ماجہ: ۴۳۳۱، سنن ترمذی: ۲۵۳۰، المسند للشاشی: ۱۳۳۸، صحیح ابن حبان: ۴۶۱۱، المعجم الکبیر للطبرانی: ۵۳۲۳، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ۸۳۵، البعث والنشور للبیہقی: ۲۲۷، موارد الظمآن: ۱۵۸۶، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۳۵ ص ۳، ج ۲۰ ص ۱۳۶، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرج ۵ ص ۲۵۸)

السوال الخامس: کیا یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فردوس پیدا فرمائی جاچکی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قاضی نے کہا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت پیدا فرمائی جاچکی ہے، اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:"اُكُلُهَا دَآىِٕمٌ۔(الرعد: ۳۵)"(اور ان جنتوں کے پھل ہمیشہ قائم رہنے والے ہیں)۔

معتزلہ اور اہل سنت کا اس وقت جنت کے مخلوق ہونے میں اختلاف

القاضی ابوالحسن عبدالجبار بن احمد الاسد آبادی المعتزلی المتوفی ۴۱۵ھ، الرعد: ۳۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جنت ابھی تک پیدا نہیں فرمائی گئی، کیونکہ اگر جنت پیدا فرمائی گئی ہوتی تو اس کا فنا ہونا واجب تھا اور اس کے پھلوں کا منقطع ہونا بھی واجب تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔(الرحمٰن: ۲۶)"(زمین پر جو کچھ ہے فنا ہونے والا ہے)۔اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:"كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔(القصص: ۸۸)"(ان کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے)، لیکن جنت کے پھل منقطع نہیں ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:"اُكُلُهَا دَآىِٕمٌ"(اور ان جنتوں کے پھل ہمیشہ قائم رہنے والے ہیں)، پس واجب ہے کہ جنت ابھی مخلوق نہ ہوئی ہو، پھر قاضی عبدالجبار نے کہا: ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ اس وقت آسمان میں بہت ساری جنتیں ہیں جن سے فرشتے متمتع ہوتے رہتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام اور شہداء اور دوسروں میں سے جن کو زندہ شمار کیا جاتا ہے وہ بھی ان سے متمتع ہوتے ہیں جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے، مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ خصوصاً جنت الخلد اس کائنات کو فنا کرنے کے بعد پیدا فرمائی جائے گی۔(تفسیر الحیط، ص ۲۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

ہم اُن کے استدلال کے جواب میں کہتے ہیں کہ"كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ"میں جو عموم ہے، اس عموم کی ہم دوسرے دلائل سے تخصیص کرتے ہیں، اور دوسرے دلائل سے یہ واجب ہوتا ہے کہ جنت پیدا ہو چکی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:"وَجَنَّةٍ

عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ (آل عمران: ۱۳۳)" (اور اس جنت (کے حصول) کی طرف جلدی کرو جس جنت کی چوڑائی تمام آسمان اور زمینیں ہیں، جس کو اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار فرمایا گیا ہے)۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۴-۳۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ وتفاسیر اخریٰ)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے اور الفردوس جنت کا سب سے بلند درجہ ہے، اسی سے جنت کے چار دریا نکلتے ہیں اور اُسی کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے، پس جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو۔

(صحیح البخاری: ۲۳ ۷۴، سنن ابن ماجہ: ۴۵۲۹، مسند احمد: ۸۴۱۳)

اے اللہ! ہم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ہمیں اور ہمارے والدین کو اور ہمارے احباب کو ہمارے تلامذہ کو اور ہمارے قارئین کو جنت الفردوس میں داخل فرما دیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا فرمایا ○" (المؤمنون: ۱۲)

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ": اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کرنے کا حکم فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی وقت صحیح ہوگی جب خالق کی معرفت ہو، اس لیے ضروری ہوا کہ اس کے بعد اُن چیزوں کا ذکر فرمایا جائے جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور ان کی ذات اور صفات اور ان کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے مختلف انواع کے دلائل ذکر فرمائے۔

النوع الاول: اس میں انسان کی تخلیق کے مختلف ادوار ہیں اور اس کی تخلیق کے نو مراتب ہیں اور اس آیت میں پہلے مرتبہ کا ذکر ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ"۔ "السُّلٰلَة" کا معنی ہے الخلاصہ جس کو کدورت سے نکالا جاتا ہے، اور فُعالة کا وزن قلت پر دلالت کرتا ہے، جیسے القلامة (وہ تراشا جو کسی چیز کے کاٹنے سے گرے)، القمامة، (کوڑا کرکٹ)۔

اس آیت میں جو الانسان کا لفظ ہے، اس کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، قتادہ اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے نکال کر بنایا گیا ہے۔ اور اُن کی اولاد کو گندے پانی کے قطرہ سے بنایا گیا ہے۔ پھر ہم نے انسان سے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو مراد لیا، اور انسان حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی اولاد دونوں کو شامل ہے۔

اور دوسرے مفسرین نے کہا: انسان سے مراد یہاں پر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے اور "الطین" یہاں پر حضرت آدم علیہ السلام کا نام ہے اور "السلالۃ" مٹی کے وہ اجزاء ہیں جو انسان میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اور وہ منی کے ظرف میں داخل ہو کر منی بن جاتے ہیں۔ اور یہ تفسیر اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے مطابق ہے: "الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ○ ۔ (السجدہ: ۷-۸)" (وہ ذات جس نے جو چیز بنائی موزوں ترین بنائی اور انسان (آدم) کی پیدائش کی ابتداء مٹی سے فرمائی ○ پھر اس کی نسل حقیر پانی کے نچوڑ (مادۂ حیات) سے پیدا فرمائی)۔

اور اس آیت کی ایک اور تفسیر یہ ہے کہ انسان نطفہ سے پیدا ہوتا ہے اور نطفہ یعنی منی غذا سے پیدا ہوتی ہے، اور غذا یا حیوانی ہوتی ہے یا نباتی ہوتی ہے، اور حیوانی مثلاً گوشت اس کا رجوع بھی نباتات اور سبزیوں کی طرف ہوتا ہے اور نباتات اور سبزیاں بھی مٹی اور پانی سے بنتی ہیں، پس حقیقت میں انسان مٹی کے خلاصہ سے پیدا ہوتا ہے، پھر اس خلاصہ پر تخلیق کے مختلف ادوار، وارد ہوتے ہیں۔ یہ تفسیر قرآن مجید کے الفاظ کے مطابق ہے اور اس میں تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر محفوظ اور مضبوط جگہ میں رکھا○'' (المومنون: ۱۳)

''ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ '': اس آیت میں انسان کی تخلیق کے دوسرے مرتبہ کا ذکر ہے۔

اور انسان کو نطفہ بنانے کا معنی یہ ہے کہ جوہر انسان کو سب سے پہلے مٹی سے بنایا، پھر اس جوہر کو اس کے بعد اس کے آباء کی پشتوں میں نطفہ بنا کر رکھ دیا اور آباء نے اپنی پشت سے جماع کے ذریعہ اس نطفہ کو عورت کے رحم میں ڈال دیا، پس رحم اس نطفہ کے برقرار اور ٹھہرنے کی جگہ قرار پایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا، پھر ہم نے جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا، پھر ہم نے گوشت کے لوتھڑے کو ہڈیاں بنا دیا، پس ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا، پھر ہم نے اس کی نئی صورت بنا دی، پس اللہ برکت والے ہیں جو سب سے بہتر تخلیق فرمانے والے ہیں○'' (المومنون: ۱۴)

''ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ '': اور انسان کی تخلیق کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ ہم نے اس نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا۔ اور اس کی تخلیق کا چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ ہم نے اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا یا گوشت کا ٹکڑا بنا دیا، اور اس کی تخلیق کا پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ ہم نے اس گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں بنا دیا، اور اس کی تخلیق کا چھٹا مرتبہ یہ ہے کہ ہم نے اُن ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا، کیونکہ گوشت ہڈیوں کو چھپا لیتا ہے تو وہ بہ منزلہ لباس ہے اور اس کی تخلیق کا ساتواں مرتبہ یہ ہے کہ ہم نے اس کو ایک نئی مخلوق بنا دیا، یعنی وہ پہلے جماد تھا ہم نے اس کو حیوان بنا دیا، اور وہ پہلے بول نہیں سکتا تھا ہم نے اس کو ناطق بنا دیا، اور وہ پہلے سن نہیں سکتا تھا، ہم نے اس کو سننے والا بنا دیا، اور وہ پہلے دیکھ نہیں سکتا تھا تو ہم نے اس کو دیکھنے والا بنا دیا۔ اور ہم نے اس کے اعضاء میں سے ہر عضو کے اندر عجائب فطرت اور غرائب حکمت رکھے ہیں جن کا احاطہ بیان میں نہیں آ سکتا۔

العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بچپن کے زمانہ سے لے کر اس کی جوانی تک متعدد اطوار میں رکھا، اس میں فہم اور عقل پیدا فرمائی اور اس کے بعد جسمانی تصرفات پیدا فرمائے۔

''فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ '': روایت ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کو لکھتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے پہلے اس نے لکھ دیا ''فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ''، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی طرح لکھو۔ یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے، تب عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے کہا کہ اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہیں اور ان کی طرف وحی کی جاتی ہے تو میں بھی نبی ہوں اور میری طرف بھی اس آیت کی وحی کی گئی ہے۔ (تخریج الکشاف لابن حجر ج ۱ ص ۱۹۵)

پھر وہ مکہ میں جا کر کافروں سے جا ملا، پھر فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ اور روایت ہے کہ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: "فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ میرے رب نے چار چیزوں میں میری موافقت کی ہے: (۱) مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے میں، میں نے کہا تھا کہ کاش! ہم مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۔۔ (البقرہ: ۱۲۵)" ((اور ہم نے حکم دیا) مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو)۔ (۲) اجنبی مردوں سے عورتوں کے پردہ کرنے میں، میں نے عرض کیا تھا: یارسول اللہ! آپ کی ازواج کے سامنے نیک اور بد ہر قسم کے لوگ داخل ہوتے ہیں، کاش! آپ ازواج کو حجاب میں رہنے کا حکم فرمائیں تب یہ آیت نازل ہوگئی: "يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔۔ (الاحزاب: ۵۹)" (اے نبی! اپنی ازواج مطہرات، صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو فرمادیں کہ وہ (گھر سے باہر جائیں تو) اپنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں، اس طرح جلد پہچان ہوجائے گی (کہ وہ آزاد عورتیں ہیں)، اس لئے انہیں تکلیف نہیں دی جائے گی اور اللہ بہت بخشنے والے اور نہایت مہربان ہیں)۔ (۳) اور میں نے آپ کی ازواج سے کہا تھا: اللہ تعالیٰ تمہارے بدلہ میں تم سے بہتر ازواج کو لے آئیں گے تو یہ آیت نازل ہوگئی: "عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۔۔ (التحریم: ۵)" (اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو قریب ہے کہ ان کا رب انہیں بدلہ میں تم سے بہتر بیویاں عطا فرمادے: مسلمان، مخلص، ایماندار، فرمانبردار، توبہ شعار، عبادت گزار، روزہ دار اور شادی شدہ اور کنواریاں)۔ (۴) اور چوتھی موافقت یہ ہے کہ میں نے کہا: "فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

عارفین نے کہا ہے: یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سعادت کا سبب ہے اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کی شقاوت کا سبب ہے کیونکہ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ حالتِ کفر میں فوت ہوا۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۔۔ (البقرہ: ۲۶)" (اور اسی سے اللہ بہت لوگوں کو گمراہی میں مبتلا فرمادیتے ہیں اور اسی سے بہت لوگوں کو ہدایت پر قائم فرماتے ہیں)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پھر بے شک تم اس کے بعد ضرور مرنے والے ہو O" (المؤمنون: ۱۵)

"ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ": (پھر بے شک تم اس کے بعد ضرور مرنے والے ہو)۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں روح ڈال دی اور اس کی تخلیق کو مکمل فرمادیا، اور اس میں نظام معتزلی کے قول کے رد کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے کہا ہے کہ انسان صرف روح ہے بدن نہیں ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ نے بیان فرمایا ہے کہ انسان اُن صفات سے مرکب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پھر بے شک تم کو قیامت کے دن (زندہ فرما کے) اٹھایا جائے گا O" (المؤمنون: ۱۶)

"ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ": پس اللہ سبحانہٗ نے پہلے انسان کو مارا اور پھر موت کے بعد دوبارہ زندہ فرمایا، اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عظیم قدرت حاصل ہے، وہ انسان کو مارتے ہیں اور پھر دوبارہ اس کو زندہ فرمادیتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے، اور ہم اپنی تخلیق سے غفلت فرمانے والے نہیں ہیں O'' (المومنون: ۱۷)

''وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ '': یعنی تمام اوپر کی جہت میں جس کا تم مکمل ادراک نہیں کر سکتے، ہم نے سات راستے بنائے یعنی سات آسمان۔ ''طَرَآئِقَ '' طریقۃ کی جمع ہے، کیونکہ یہ فرشتے اور ان کے متعلقات کے راستے ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد افلاک ہیں، کیونکہ وہ سیارگان کے راستے ہیں اور اُن کے چلنے کی جگہیں ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ راستے ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ ''وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِیْنَ '': یعنی ہم اس سے غافل نہیں ہیں کہ ان آسمانوں کے نیچے کیا چیزیں ہیں، کہیں یہ آسمان اُن کے اوپر گر پڑیں اور اُن کو ہلاک کر دیں، بلکہ ہم اُن کو روکے رکھتے ہیں جس طرح ہم آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے رکھتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے ایک اندازہ کے مطابق آسمان سے پانی نازل فرمایا، پھر اُس پانی کو زمین میں ٹھہرایا، اور بے شک ہم اس پانی کو لے جانے پر ضرور قدرت رکھنے والے ہیں O'' (المومنون: ۱۸)

''وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ﳓ وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ '':

اکثر مفسرین نے کہا: ہم نے آسمان کے جسم سے پانی نازل فرمایا، یا بادل سے پانی نازل فرمایا اور بادل کو بھی اس کے بلند ہونے کی وجہ سے سماء کہا جاتا ہے۔ یعنی ہم نے اتنے اندازہ سے پانی نازل فرمایا جو لوگوں کی معاشی ضروریات، ان کی کھیتی باڑی، ان کی باغبانی، ان کے پینے اور ان کے مختلف منافع کے لیے ضروری ہو۔ اور جو پانی کی زیادہ مقدار مضر ہو ہم اس کو روک لیتے ہیں کیونکہ اگر اس کو نہ روکیں تو سمندر زمینوں کو غرق کر دیں۔ اور اگر وہ اس سے کم ہو تو زمینیں خشک ہو جائیں اور سبزہ اور درخت پروان نہ چڑھ سکیں، اس لئے ہم ایک اندازہ کے مطابق پانی کو نازل فرماتے ہیں جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِ جُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُهٗ حُطٰمًاؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ ۔۔(الزمر: ۲۱)'' (کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ آسمان سے پانی اتارتے ہیں، پھر اسے چشموں کی صورت میں زمین میں جاری فرماتے ہیں، پھر اس کے ذریعے مختلف رنگوں کی کھیتی نکالتے ہیں، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے، پس تو دیکھے گا کہ وہ پیلی پڑ گئی ہے، پھر اسے ریزہ ریزہ فرما دیتے ہیں، بے شک اس (نظام) میں عقل والوں کے لئے عظیم نصیحت ہے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جنت سے پانچ دریا نازل فرمائے، ہند کا دریا سیحون ہے، بلخ کا دریا جیحون ہے، اور عراق کے دریا دجلہ اور فرات ہیں اور مصر کا دریا نیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام دریاؤں کو جنت کے ایک چشمہ سے جاری فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت جبریل علیہ السلام کے پروں پر رکھا ہے، پس اُن کو پہاڑوں پر رکھا ہے اور زمینوں میں جاری فرمایا ہے اور اس میں لوگوں کی مختلف اقسام کے فوائد رکھے ہیں، اور جب یاجوج اور ماجوج کے نکلنے کا وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجیں گے، پس وہ زمین سے قرآن مجید کو اور کل علم کو اٹھا لیں گے اور حجرِ اسود کو اور بیت اللہ کے رُکن کو اور مقامِ ابراہیم کو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابوت کو اور جو کچھ اس میں ہے۔ اور یہ پانچ دریا سب آسمان کی طرف

اٹھالیے جائیں گے۔(کشف الخفاء للعجلونی:۱۵۲۵)

اور یہ اس کا مصداق ہے جو اللہ عزوجل نے فرمایا: ''وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ''۔ یعنی اللہ عزوجل کی عظیم قدرت ہے جس سے انہوں نے ان کو پیدا فرمایا، اسی طرح اللہ عزوجل اپنی عظیم قدرت سے ان کو اٹھانے پر اور ان کے ازالہ پر اور ان کے زوال پر قادر ہیں، پس جب ان چیزوں کو زمین سے اٹھالیا جائے گا تو لوگوں کے پاس سے دین اور دنیا کی خیر جاتی رہے گی، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ''۔(الملک:۳۰)''(آپ کہہ دیجئے: بتاؤ تو سہی اگر تمہارا پانی زمین میں دھنس جائے تو کون ہے جو تمہیں نگاہ کے سامنے بہتا ہوا پانی لا دے؟)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ہم نے تمہارے فائدہ کے لیے اُس پانی سے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا فرمائے، تمہارے لئے اُن میں بہت قسم کے پھل ہیں جن میں سے تم کھاتے ہو O''(المومنون:۱۹)

''فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ'':

پس ہم نے تمہارے نفع کے لئے اس پانی سے ہر زندہ چیز پیدا فرمائی اور باغات پیدا فرمائے، کھجوروں کے اور انگوروں کے باغات پیدا فرمائے۔ کھجوروں اور انگوروں کی دو قسموں کی تصریح فرمائی کیونکہ ان کو باقی پھلوں پر زیادہ فضیلت حاصل ہے، اور کیونکہ عرب کے پاس یہی پھل زیادہ ہوتے ہیں۔ اور دوسرے پھلوں کی طرف اشارہ فرمایا کہ تمہارے لیے ان باغات میں بہت پھل ہیں جن کو تم چکھتے ہو، اور ان باغات میں پھل ہیں اور کھیتوں کی فصلیں ہیں جن کو تم تر و تازہ اور خشک حالت میں کھاتے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے پہاڑ طور سے ایک درخت پیدا فرمایا جس میں تیل ہے اور وہ کھانے والوں کے لیے سالن ہے O''(المومنون:۲۰)

''وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ'':

''طورسینا'' مصر اور ایلہ کے درمیان ایک پہاڑ ہے جس پہاڑ پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ پہاڑ فلسطین میں ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی برکت ہے، یعنی وہ برکت والا پہاڑ ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی حسن ہے یعنی وہ بہت حسین پہاڑ ہے۔ الضحاک نے کہا: قبطی زبان میں اس کا معنی حسن ہے اور عکرمہ نے کہا: حبشی زبان میں حسن ہے۔ مقاتل نے کہا: اس پہاڑ کے تمام درخت پھل دینے والے ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا: ''الدُّهْن'' کو معرفہ ذکر فرمایا، کیونکہ اس سے کامل تیل نکلتا ہے۔ اور یہ تیل ایسا ہے جو پانی کے ساتھ مختلط نہیں ہوتا۔

''وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ'': یہ ''الدُّهْن'' پر عطف ہے، یعنی کھانے والوں کے لیے یہ تیل سالن کا کام دیتا ہے، اور یہ زیتون کا تیل ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ طوفانِ نوح کے بعد جو پہلا شجر پیدا ہوا وہ زیتون کا درخت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس درخت کی صفت برکت فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ''۔(النور:۳۵)''(وہ (چراغ) برکت والے درخت زیتون کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک تمہارے لیے مویشیوں میں غور و فکر کی جگہ ہے، ہم تم کو اُن کے پیٹوں

سے (دودھ) پلاتے ہیں، اور تمہارے لیے اُن میں بہت زیادہ فوائد ہیں اور تم ان بعض مویشیوں کو کھاتے ہو○" (المؤمنون: ۲۱)

"وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ كَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ":

اللہ تعالیٰ نے مویشیوں میں چار وجوہ سے انسانوں کی منفعت بیان فرمائی ہے، ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مویشیوں کے تھنوں میں اس دودھ کو جمع فرمادیا جو گوبر اور خون کے درمیان سے اللہ تعالیٰ کے اذن سے صاف اور نتھرا ہوا نکلتا ہے۔ اور یہ پاکیزہ ہوجاتا ہے اور اس کا رنگ بدل جاتا ہے، اس کا ذائقہ بدل جاتا ہے اور یہ انسانی غذا بن جاتا ہے۔ پس جس نے اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر استدلال کیا تو اس نے دنیاوی نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شمار کیا۔ اور یہ دودھ مویشیوں کے پیٹوں سے نکل کر ان کے تھنوں میں آتا ہے، اور تم اس کو خوشگوار مشروب پاتے ہو۔ اور جب تم ان مویشیوں کو ذبح کرتے ہو تو ان میں اس کا کوئی اثر نہیں پاتے، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم قدرت ہے۔

دوسری وجہ منفعت یہ ہے کہ تم ان جانوروں کو فروخت کرتے ہو اور ان کی قیمتوں سے نفع حاصل کرتے ہو۔

اور تیسری منفعت یہ ہے کہ تم ان کو کھاتے ہو۔ یعنی جس طرح ان مویشیوں سے زندہ حالت میں فائدہ اٹھاتے ہو تو اسی طرح ان کو ذبح کرنے کے بعد انہیں کھا کر ان سے منفعت حاصل کرتے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور تم کو اُن مویشیوں پر اور بحری جہازوں پر سوار کیا جاتا ہے○" (المؤمنون: ۲۲)

اور چوتھی منفعت یہ ہے: "وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ"۔ یعنی صحراء میں اونٹوں پر سفر کرنا ایسا ہے جیسے سمندر میں بحری جہازوں پر سفر کیا جائے۔ اسی وجہ سے ان دونوں کو جمع فرمایا تاکہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال کیا جائے۔

(التفسیر الکبیر، ج ۸ ص ۲۵۸۔ ۲۷۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ، السراج المنیر ج ۳ ص ۳۲۳۔ ۳۲۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور بے شک ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا، پس انہوں نے کہا: اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو، اُن کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، کیا تم (شرک کرنے سے) ڈرتے نہیں ہو؟○

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓىِٕكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآىِٕنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾

پس اُن کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: یہ محض تمہاری مثل بشر ہیں جو تم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور اگر اللہ رسول بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتا، ہم نے توحید کی یہ بات اپنے پہلے باپ دادا میں سے نہیں سنی O

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٢٥﴾

یہ محض ایک مجنون شخص ہیں، سو تم ان کے متعلق ایک معین وقت تک انتظار کرو O

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٢٦﴾

نوح نے کہا: اے میرے رب! میری مدد فرما کیونکہ ان لوگوں نے میری تکذیب کر دی ہے O

فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۙ فَاسْلُكْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾

سو ہم نے اُن کی طرف وحی فرمائی کہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنائیں، پس جب ہمارا عذاب آ جائے گا اور تنور پانی سے جوش مارنے لگے گا تو اس کشتی میں ہر قسم کے جانوروں میں سے دو دو (نر اور مادہ) سوار کریں، اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کریں سوا اُن کے جن کے متعلق پہلے ہی عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے، اور کافروں کے متعلق مجھ سے سفارش نہ کریں، بے شک وہ ضرور غرق کیے جائیں گے O

فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنتَ وَمَن مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾

پس جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی میں بیٹھ جائیں تو آپ دعا کریں: اللہ ہی کے لیے حمد ہے جنہوں نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی O

وَقُل رَّبِّ أَنزِلْنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا وَأَنتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٢٩﴾

اور آپ دعا کریں: اے میرے رب! مجھے برکت والی جگہ اتاریں اور آپ سب سے بہتر اتارنے والے ہیں O

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ وَإِن كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿٣٠﴾

بے شک اس واقعہ میں بہت سی نشانیاں ہیں اور بے شک ہم آزمائش فرمانے والے ہیں O

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٣١﴾

پھر ہم نے اُن کے بعد ایک اور قوم (عاد) پیدا فرمائیO

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾

پس اُن میں ان ہی میں سے ایک رسول (ہود) مبعوث فرمایا اور ان کو یہ پیغام پہنچانے کا حکم فرمایا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو، ان کے سوا تمہاری عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں ہے، کیا تم (شرک کے عذاب سے) نہیں ڈرتے؟O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا، پس انہوں نے کہا: اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو، اُن کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، کیا تم (شرک کرنے سے) ڈرتے نہیں ہو؟O'' (المومنون: ۲۳)

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بار بار دہرانے کی توجیہ

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، المومنون: ۲۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ'':

اللہ عزوجل اولوالعزم رسولوں کی خبروں کو بار بار دہراتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُن کا مکرر ذکر فرماتے ہیں، تا کہ آپ ہمیشہ بیدار اور متنبہ رہیں، اور جان لیں کہ اولوالعزم رسولوں نے اپنی قوموں کے ساتھ کس طرح معاملہ کیا ہے اور کس طرح اولوالعزم رسولوں نے اپنی قوم کی ایذاء اور اُن کی تکذیب پر صبر کیا، تا کہ آپ بھی اپنی قوم کے ساتھ اسی طرح معاملہ کریں جس طرح انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ معاملہ کیا تھا، اور آپ بھی اپنی قوم کی ایذاؤں پر صبر کریں جس طرح ان اولوالعزم رسولوں نے اپنی قوم کی ایذاؤں پر اور ان کے تکذیب کرنے پر صبر کیا تھا۔ اس وجہ سے اللہ عزوجل بار بار اولوالعزم رسولوں کی خبروں کو دہراتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ بہتر عاقبت اولوالعزم رسولوں کے لیے ہے نہ کہ ان کی تکذیب کرنے والی اور ان کو ایذاء پہنچانے والی قوم کے لیے ہے۔

اور ارشاد فرمایا: ''اَفَلَا تَتَّقُوْنَ'': کیا تم اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور ان کے رسول کی مخالفت کرنے سے نہیں ڈرتے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے عذاب اور ان کے انتقام اور ان کی وعید سے نہیں ڈرتے۔ اور یا اس کا معنی ہے: کیا تم غیر اللہ کی عبادت کرنے سے نہیں ڈرتے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۷ ص ۴۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت نوح علیہ السلام کا نام نوح رکھنے کی متعدد وجوہ

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، المومنون: ۲۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا'': حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے بعد دوسرے باپ ہیں، ان کا نام یشکر تھا، پھر متعدد وجوہ سے ان کا نام نوح رکھا گیا:

(۱) حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف ان کی ہلاکت کی دعا کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کو طوفان کے ساتھ ہلاک فرما دیا، تو پھر حضرت نوح علیہ السلام اپنی اس دعا پر نادم ہوئے اور بہت روئے اور افسوس کیا۔

(۲) انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بیٹے کے معاملہ میں نجات کی دعا کی تھی، پھر اس دعا پر انہیں بہت افسوس ہوا اور اس پر بہت زیادہ روئے تو ان کا نام نوح رکھا گیا۔

(۳) حضرت نوح علیہ السلام کا گزر ایک جذام زدہ کتے کے پاس سے ہوا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اس سے کہا: اے قبیح! یعنی بدشکل دفع ہو جا۔ اس پر ان کو عتاب فرمایا گیا، سو وہ اس پر نادم ہوئے اور روئے تو ان کا نام نوح رکھا گیا۔

''اِلٰى قَوْمِهٖ '': یعنی حضرت نوح علیہ السلام کو تمام روئے زمین کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ یہ معنی نہیں ہے کہ ان کو تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا، کیونکہ تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجنا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت سے ہے۔ پس حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ پیغام پہنچایا کہ صرف ایک اللہ عزوجل کی عبادت کرو، کیونکہ وہی واحد ہیں جو تمام اوصاف کمالیہ کے جامع ہیں۔ اور تمہارے لیے اُن کے سوا عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں ہے، سو تم ان کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو۔ اگر تم نے اُن کے سوا کسی اور کی عبادت کی تو کیا تم اللہ تعالیٰ کی سزا اور ان کے عذاب سے نہیں ڈرتے؟

(السراج المنیر ج ۳ ص ۳۳۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس اُن کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: یہ محض تمہاری مثل بشر ہیں جو تم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور اگر اللہ رسول بھیجنا چاہتے تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتے، ہم نے توحید کی یہ بات اپنے پہلے باپ دادا میں سے نہیں سنی ○'' (المومنون: ۲۴)

''فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ '': اس آیت کی تفسیر میں علامہ ماتریدی لکھتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کفار نے جو حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق کہا کہ یہ تم جیسے بشر ہیں اور رسالت کا دعویٰ کر کے تم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان کے اس قول میں تناقض ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے لیے بھی اپنے سے کم درجہ والے لوگوں کے اوپر فضیلت کو طلب کیا اور اُن سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اُن کے قول کی موافقت کریں اور اُن کی بات مانیں، حالانکہ وہ بھی اُن کی مثل بشر تھے۔ اور یہ اُن کے قول میں تناقض ہے۔ پھر انہوں نے اقرار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوق کو دوسری مخلوق کے اوپر فضیلت عطا فرمائی ہے، اور اس پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اقرار کیا، کیونکہ انہوں نے کہا: ''وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً '' یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو رسول بنانا ہوتا تو وہ فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ خبر دی کہ انہوں نے جو رسالت کا دعویٰ کیا ہے وہ اس سے ان لوگوں پر فضیلت حاصل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے لیکن اُن کی خیر خواہی اور نصیحت کا ارادہ رکھتے ہیں اور اُن پر عذاب کے نزول سے ڈرتے ہیں، اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نے کہا، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ؕ'' (ہود: ۳۴) ''اور اگر میں تمہاری خیر خواہی کا ارادہ کر لوں تب بھی میری خیر خواہی تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی، جب اللہ ہی تمہیں گمراہی پر برقرار رکھنا چاہیں، وہی تمہارے رب ہیں اور تم ان ہی کی طرف لوٹائے

جاؤ گے")۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۔ (الاعراف:۵۹)" (بے شک ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا، پس نوح نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اللہ کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، میں تم پر بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں)۔ نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۔ (الشعراء:۱۸۹)" (انہوں نے شعیب کو جھٹلایا تو انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے گرفت میں لے لیا، بے شک وہ بڑے خوفناک دن کا عذاب تھا)۔

میں کہتا ہوں: علامہ ماتریدی نے یہ آیت (الشعراء:۱۸۹) حضرت نوح علیہ السلام کی سنائی ہوئی وعید کے متعلق ذکر کی ہے حالانکہ یہ آیت حضرت شعیب علیہ السلام کی سنائی ہوئی وعید کے متعلق ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "یہ محض ایک مجنون شخص ہیں، سو تم اِن کے متعلق ایک معیّن وقت تک انتظار کرو O" (المومنون:۲۵)

"اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِیْنٍ": حالانکہ وہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو جنون نہیں ہے، لیکن ان لوگوں نے اپنی قوم کو تلبیس میں مبتلاء کرنے کا ارادہ کیا، کیونکہ وہ تمام باتوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی مخالفت کرتے تھے اور اُن کے سردار اور پیشوا حضرت نوح علیہ السلام سے عداوت رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ جنون کے سوا یہ بات نہیں کہتے اور ان کی عقل پر کوئی آفت آچکی ہے، حالانکہ وہ سردار اپنے دلوں میں اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام مجنون نہیں ہیں لیکن چونکہ وہ اپنی قوم کو دھوکہ میں ڈالنا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے کہا: "فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِیْنٍ"۔

ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے جو کہا تھا کہ تم ایک معیّن وقت تک انتظار کرو، اس معیّن وقت سے ان کی کیا مراد تھی؟ آیا اُن کی مراد یہ تھی کہ تم ان کی موت کا انتظار کرو یا اُن کی مراد یہ تھی کہ اس وقت تک انتظار کرو جب تک ان سے یہ جنون اُٹھ جائے اور ان میں دیوانگی نہ رہے، یا وہ کسی اور وقت کا انتظار کر رہے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "نوح نے کہا: اے میرے رب! میری مدد فرما کیونکہ ان لوگوں نے میری تکذیب کردی ہے O" (المومنون:۲۶)

"قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ": جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے پہلی بار اُن کی تکذیب کی، اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے اُن کے خلاف دعا نہیں کی، انہوں نے اُن کے خلاف اس وقت دعا کی جب وہ اُن کے ایمان لانے سے اور اُن کی تصدیق کرنے سے مایوس ہو گئے، اس وقت انہوں نے کہا، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۔ (القمر:۱۰)" (پس انہوں نے اپنے رب سے دعا کی: "میں مظلوم ہوں، آپ میرا بدلہ لیں")۔

مفسرین نے کہا ہے کہ "انْصُرْنِیْ" کا معنی یہ ہے کہ آپ نے جو ان کفار اور منکرین کے متعلق عذاب کی وعید فرمائی ہے، اس وعید کو پورا فرمائیں، اور ان پر دنیا میں عذاب نازل فرمائیں، کیونکہ جو میں نے ان سے کہا تھا کہ اگر تم نے میری رسالت کا اقرار نہ کیا

تو تم پر عذاب نازل ہوگا، انہوں نے میرے اس قول کی تکذیب کی تھی۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے جو میری تکذیب کی ہے تو اس تکذیب کے مقابلہ میں مجھے ان کے خلاف کامیابی عطا فرمائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”سو ہم نے اُن کی طرف وحی فرمائی کہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنائیں، پس جب ہمارا عذاب آجائے گا اور تنور پانی سے جوش مارنے لگے گا تو اس کشتی میں ہر قسم کے جانوروں میں سے دو دو (نر اور مادہ) سوار کریں، اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کریں سوا اُن کے جن کے متعلق پہلے ہی عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے، اور کافروں کے متعلق مجھ سے سفارش نہ کریں، بے شک وہ ضرور غرق کئے جائیں گے O“ (المؤمنون: ٢٧)

”فَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ“:

اس آیت میں فرمایا ہے: ”فَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا“۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: ہمارے سامنے کشتی بنائیں اور بعض نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: ہماری نگاہوں کے سامنے کشتی بنائیں۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ گمان کیا ہو کہ جب وہ کشتی بنائیں گے تو کفار اور منکرین آپ کو کشتی نہیں بنانے دیں گے تو اللہ عزوجل نے اُن کو خبر دی کہ جب آپ ہماری نگاہوں کے سامنے کشتی بنائیں گے تو ہم آپ کی مدد فرمائیں گے اور وہ آپ کو کشتی بنانے سے روکنے پر قادر نہیں ہوں گے۔ ”وَ وَحْيِنَا“: یعنی آپ ہمارے حکم سے کشتی بنائیں۔

”فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ“: یعنی جب ہمارے حکم پر عمل کرنے کا وقت آجائے اور تنور پانی سے ابلنے لگے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے عذاب کا جو وقت مقرر فرمایا تھا، جب وہ وقت آجائے اور تنور سے پانی بہنے لگے۔

”فَاسْلُكْ فِيْهَا“: اس کا معنی ہے کہ اس کشتی میں داخل کر دیں، جیسے اس آیت میں ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ۔۔(القصص: ٣٢)“ (اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کریں)۔ اس آیت میں بھی ”اُسْلُكْ“ کا معنی داخل کرنا ہے۔ اور یا ”اُسْلُكْ“ کی تفسیر وہ ہے جس کو دوسری آیت میں ذکر فرمایا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ۔۔(ہود: ٤٠)“ (اس کشتی میں ہر جنس سے نر اور مادہ کے دو جوڑے رکھو اور اپنے گھر والوں کو بھی اس کشتی میں سوار کر لو)۔

”مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ“: ہوسکتا ہے کہ یہ ”اثْنَيْنِ“ کی تفسیر ہو، یعنی نر اور مادہ کے دو دو جوڑے کشتی میں سوار کر لو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ”زَوْجَيْنِ“ کی تفسیر ہو، یعنی ہر دو رنگ کے جوڑے سوار کر لو۔ سفید اور سیاہ اور طیب اور خبیث۔

”وَ اَهْلَكَ“: یعنی اپنے گھر والوں کو بھی کشتی میں سوار کر لو۔ ”اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ“: یعنی اُن کے سوا جن کے متعلق ہم پہلے عذاب کی وعید سنا چکے ہیں۔ اور اس کا ذکر سورۂ ہود میں ہے۔

”وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ“: اس کی تفسیر میں اختلاف ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو

ظالموں کی سفارش کرنے سے منع فرمایا، جب انہوں نے کہا تھا: ''إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي ۔(ہود:۴۵)'' (بے شک میرا بیٹا بھی میرے اہل سے ہے)۔ اور دوسرے مفسرین نے کہا کہ اس کا تعلق تمام ظالموں کے ساتھ ہے۔

اور اگر اس طرح ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ابتداءً ظالموں کی نجات کی سفارش کرنے سے منع فرمادیا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی میں بیٹھ جائیں تو آپ دعا کریں: اللہ ہی کے لیے حمد ہے جنہوں نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی O'' (المومنون: ۲۸)

''فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ'':

اور اسی طرح واجب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ظالموں سے نجات عطا فرمائیں تو وہ اپنے رب کی اس نعمت پر حمد کریں، اور جب وہ ظالموں کی آزمائش میں مبتلاء ہوں تو ان سے نجات کے حصول کے لیے دعا کریں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو تعلیم فرمائی کہ وہ ان ظالموں سے نجات پر اللہ تعالیٰ کی حمد کریں۔ اور جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام ظالموں کے خوف کی وجہ سے نکلے تو انہوں نے دعا کی تھی، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۔ (القصص:۲۱)'' (پس موسیٰ اس شہر سے ڈرتے ہوئے (اور) یہ انتظار کرتے ہوئے نکلے کہ اب کیا ہوتا ہے، عرض کیا: ''اے میرے رب! مجھے ظالم قوم سے بچالیں'')، اور جس طرح فرعون کی بیوی نے فرعون سے اور اس کی قوم سے نجات کے لیے دعا کی تھی، جب انہوں نے کہا تھا، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۔ (التحریم:۱۱)'' (اس نے عرض کیا: ''اے میرے رب! میرے لئے اپنے پاس جنت میں گھر بنادیں اور مجھے فرعون اور اس کے کام سے نجات عطا فرمائیں اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائیں)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ دعا کریں: اے میرے رب! مجھے برکت والی جگہ اتاریں اور آپ سب سے بہتر اتارنے والے ہیں O'' (المومنون: ۲۹)

''وَقُلْ رَّبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ'': پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جو منزل مبارک کا سوال کیا، اس سے مراد تمام خیرات اور حسنات ہوں اور اعمال صالحہ ہوں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس منزل مبارک سے ایسی جگہ مراد ہو جس میں وسعت ہو اور زرخیزی ہو۔ اور بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد ہے جس زمین میں پانی ہو اور درخت ہوں، اور اگر ایسا ہی ہے تو اس میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ سے وسعت اور زرخیزی کا سوال کرنا جائز ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اس واقعہ میں بہت سی نشانیاں ہیں اور بے شک ہم آزمائش کرنے والے ہیں O'' (المومنون: ۳۰)

''إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ'': اس آیت میں جو اشارہ فرمایا ہے کہ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں، اس سے مراد ہے حضرت نوح علیہ السلام کی ہلاکت کی دعا اور ان کی قوم کو غرق فرمانے میں بعد والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔

''وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ'': ہم سورتوں کی آیتوں سے ضرور آزمائش فرمانے والے ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا معنی ہو کہ ہم

نے اُن کی قوم کو ہلاک فرمانے سے پہلے آزمائش میں مبتلاء فرمایا تھا۔

علامہ ماتریدی فرماتے ہیں: ہم نہیں جانتے کہ اس کلام کی کیا حقیقت ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ہم نے اُن کے بعد ایک اور قوم (عاد) پیدا فرمائی O'' (المؤمنون: ۳۱)

''ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ'': یعنی ہم نے نوح کی قوم کے بعد اور قوموں کو پیدا فرمایا (جیسے عاد اور دوسری قومیں تھیں)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس اُن میں ان ہی میں سے ایک رسول (ہود) مبعوث فرمایا اور اُن کو یہ پیغام پہنچانے کا حکم فرمایا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو، ان کے سوا تمہاری عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں ہے، کیا (شرک کے عذاب سے) نہیں ڈرتے؟ O'' (المؤمنون: ۳۲)

''فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ'': پھر انہی میں سے ایک رسول یعنی حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا۔ اور انہوں نے یہ پیغام سنایا ''اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ''۔ اور تمام نبیوں اور رسولوں کو جب اللہ تعالیٰ نے بھیجا تو ان سب نے اپنے زمانے کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور ان کی عبادت کی طرف بلایا اور کہا: ''اَفَلَا تَتَّقُوْنَ'' یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے سے نہیں ڈرتے، یا اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے سے نہیں ڈرتے؟ اور ان تمام نافرمانیوں سے نہیں ڈرتے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ، ج ۷، ص ۳۶۲۔۳۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اُن کی قوم کے وہ سردار جنہوں نے کفر کو اختیار کیا تھا اور آخرت میں اللہ سے ملاقات کا انکار کیا تھا اور جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں نعمتوں سے خوش حال رکھا تھا، انہوں نے کہا: ''یہ صرف تمہاری مثل بشر ہیں، یہ انہی چیزوں کو کھاتے ہیں جن کو تم کھاتے ہو اور انہی چیزوں کو پیتے ہیں جن کو تم پیتے ہو'' O

وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور اگر تم نے اپنے جیسے کسی بشر کی اطاعت قبول کر لی تو بے شک تم ضرور نقصان میں رہو گے O

اَیَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾

کیا یہ تم کو اس سے ڈراتے ہیں کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم زندہ کر کے قبروں سے نکالے جاؤ گے O

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ۝٣٦

جس کی یہ تم کو وعید سنا رہے ہیں، یہ بہت بعید ہے بہت بعید ہے ○

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝٣٧

ہماری تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے جس میں ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو (مرنے کے بعد) دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھایا جائے گا ○

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ۝٣٨

یہ رسول صرف ایسے مرد ہیں جنہوں نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا ہے اور ہم ان پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ○

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۝٣٩

اُس رسول نے دعا کی: اے میرے رب! میری مدد فرمایئے کیونکہ ان لوگوں نے میری تکذیب کر دی ہے ○

قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ۝٤٠

(اللہ نے) فرمایا: تھوڑے عرصہ کے بعد یہ منکرین پچھتانے والے ہو جائیں گے ○

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝٤١

پس اُن کو وعدۂ برحق کے مطابق ایک خوفناک چنگھاڑ نے پکڑ لیا، سو ہم نے اُن کو خس و خاشاک کر دیا، پس ظالموں کے لیے (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے ○

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ۝٤٢

پھر ہم نے اُن کے بعد دوسری قومیں پیدا فرمائیں ○

مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝٤٣

کوئی امت اپنے مقررہ وقت سے پہلے ہلاک ہو سکتی ہے اور نہ (ہلاکت سے) موخر ہو سکتی ہے ○

ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۖ كُلَّ مَا جَاءَ أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ ۚ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُم بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ۝٤٤

پھر ہم نے لگاتار اپنے رسول بھیجے، جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آتا تو وہ اس رسول کی تکذیب کرتے، سو ہم نے اُن

کے بعد اُن کو بھی ہلاک فرما کر بھولی بسری کہانیاں بنا دیا، سو اُن لوگوں کے لیے ہماری رحمت سے دوری ہو جو ایمان نہیں لاتے O

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾

پھر ہم نے موسیٰ کو اور اُن کے بھائی ہارون کو اپنے معجزات اور واضح دلائل کے ساتھ بھیجا O

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ۚ

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف، سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ تھے ہی تکبر کرنے والے لوگ O

فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ۚ

پس انہوں نے کہا: کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لے آئیں، حالانکہ ان کی قوم ہماری خدمت گزار ہے O

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾

پس انہوں نے اُن دونوں کی تکذیب کی، سو وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہو گئے O

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو الکتاب عطا فرمائی تا کہ وہ لوگ ہدایت پا جائیں O

وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّ اٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ۧ

اور ہم نے مریم کے بیٹے اور اُن کی والدہ کو اپنی قدرت کی نشانی بنا دیا اور ان کو ایسی جگہ پناہ عطا فرمائی جو بلند تھی اور رہائش کے قابل تھی اور جہاں چشمے بہتے تھے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اُن کی قوم کے وہ سردار جنہوں نے کفر کو اختیار کیا تھا اور آخرت میں اللہ سے ملاقات کا انکار کیا تھا اور جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں نعمتوں سے خوش حال رکھا تھا، انہوں نے کہا: ''یہ صرف تمہاری مثل بشر ہیں، یہ انہی چیزوں کو کھاتے ہیں جن کو تم کھاتے ہو اور انہی چیزوں کو پیتے ہیں جن کو تم پیتے ہو'' O (المومنون: ۳۳)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ، المومنون: ۳۳ تا ۵۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ'': اس آیت میں ''الْمَلَاُ'' کا لفظ ہے۔ علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: ''الْمَلَاُ'' اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی ایک رائے پر متفق ہو جائے، یعنی قوم کفار کے اشراف اور سردار۔ اور اُن کی صفت کفر کے

ساتھ اُن کی مذمت کے لیے فرمائی ہے۔

"برہان القرآن" میں مذکور ہے کہ اس آیت میں "مِنْ قَوْمِهٖ" کو مقدم فرمایا ہے یعنی "وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔(المومنون: ۳۳)" اور اس سے پہلی آیت میں "مِنْ قَوْمِهٖ" موخر فرمایا ہے، یعنی اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ ۔(المومنون: ۲۴)"۔ اور اس تقدیم اور تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ بہرحال ان لوگوں نے کفر کو اختیار کیا تھا اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تھی۔ "وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ": یعنی انہوں نے آخرت کی طرف لوٹنے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور حشر کا اور حساب کا اور ثواب اور عذاب کا انکار کیا ہے اور اس کی تکذیب کی ہے۔

"وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا": یعنی ہم نے اُن پر ان کی دنیا کی زندگی میں اپنی نعمتوں کی وسعت فرمائی تھی، کیونکہ ان کو بہ کثرت مال عطا فرمائے تھے اور بہت اولاد عطا فرمائی تھی، تو انہوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے کہا: "مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ" یعنی حضرت ہود علیہ السلام صفات میں تمہاری ہی مثل بشر ہیں، یہ فرشتوں کی صفات نہیں رکھتے، جو چیزیں تم کھاتے ہو وہی چیزیں یہ کھاتے ہیں اور جو تم پیتے ہو وہی چیزیں یہ پیتے ہیں، حتیٰ کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں پر سوار ہو گئے اور بغاوت پر اتر آئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اگر تم نے اپنے جیسے کسی بشر کی اطاعت قبول کر لی تو بے شک تم ضرور نقصان میں رہو گے O" (المومنون: ۳۴)

"وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ": یعنی اِن بشروں کے جو احوال اور اِن کی جو صفات ذکر کی گئی ہیں، اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو ضرور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گے۔ یعنی تمہاری عقل کے نزدیک یہ کمی ہو گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کیا یہ تم کو اس سے ڈراتے ہیں کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم زندہ کر کے قبروں سے نکالے جاؤ گے O" (المومنون: ۳۵)

"اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ": آیا یہ پیغمبر تم کو اس سے ڈراتے ہیں کہ جب تم مر جاؤ گے اور تم مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے اور تمہارے گوشت اور پٹھے تم سے الگ ہو جائیں گے، تو تم قبروں سے زندہ کر کے نکالے جاؤ گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جس کی یہ تم کو وعید سنا رہے ہیں، یہ بہت بعید ہے، بہت بعید ہے O" (المومنون: ۳۶)

"هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ": یعنی اُن کفار نے کہا: جس کی تم کو یہ وعید سنائی جا رہی ہے یہ بہت دور ہے، بہت دور ہے۔

"هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ" اسم فعل ہے اور اس کو مکرر تاکید کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ہماری تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے جس میں ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو (مرنے کے بعد) دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھایا جائے گا O" (المومنون: ۳۷)

" إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ": انہوں نے کہا: ہم میں سے بعض مرجاتے ہیں اور بعض پیدا ہوجاتے ہیں، اُن کی مراد یہ تھی کہ دنیا میں پہلے حیات ہے اور اس کے بعد موت ہے اور اس کے بعد کوئی اور حیات نہیں ہے۔" وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ": اور اے ہود! جیسے آپ کی قوم کا زعم ہے ہمیں موت کے بعد اٹھایا نہیں جائے گا، دیکھو کس طرح اُن کے دل اندھے ہوگئے حتیٰ کہ انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ کسی چیز کو دوبارہ بنانا پہلی بار بنانے سے زیادہ آسان ہے۔ اور جو ذات کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانے پر قادر ہے اور وجود کے بعد اسے معدوم کرنے پر قادر ہے تو وہ اس کو دوبارہ بنانے پر بھی قادر ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " یہ رسول صرف ایسے مرد ہیں جنہوں نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا ہے اور ہم ان پر ایمان لانے والے نہیں ہیں O " (المؤمنون: ۳۸)

" إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ": یعنی یہ ہود ایسے مرد ہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھ رہے ہیں، اور انہوں نے جو اپنے رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ فرمائے جانے کا دعویٰ کیا ہے" یہ محض اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان ہے۔ اور ہم ان پر ایمان لانے والے اور ان کی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " اُس رسول نے دعا کی: اے میرے رب! میری مدد فرمایئے کیونکہ ان لوگوں نے میری تکذیب کردی ہے O " (المؤمنون: ۳۹)

" قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ": جب حضرت ہود علیہ السلام ان کے ایمان لانے سے مایوس ہوگئے تو انہوں نے کہا: اے میرے رب! ان کے خلاف میری مدد فرمائیں اور ان سے میرا انتقام لیں، کیونکہ انہوں نے میری تکذیب کی ہے اور اس پر اصرار کیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " (اللہ نے) فرمایا: تھوڑے عرصہ کے بعد یہ منکرین پچھتانے والے ہوجائیں گے O " (المؤمنون: ۴۰)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کی دعا کو قبول کرتے ہوئے فرمایا: " قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ": یعنی یہ کفار تھوڑے عرصہ کے بعد جب عذاب کو دیکھیں گے، تو اپنے کفر پر اور تکذیب پر پچھتائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " پس اُن کو وعدۂ برحق کے مطابق ایک خوفناک چنگھاڑ نے پکڑ لیا، سو ہم نے اُن کو خس وخاشاک کردیا، پس ظالموں کے لیے (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے O " (المؤمنون: ۴۱)

" فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ":

یہ چنگھاڑ حضرت جبریل علیہ السلام کی خوفناک آواز تھی جس سے دل پھٹ جاتے تھے، پس وہ یہ آواز سنتے ہی مر گئے۔

ایک سوال یہ ہے کہ قرآن مجید میں قوم ثمود کے قصہ میں مذکور ہے کہ وہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اور ان کو " الریح العقیم " یعنی نامبارک آندھی نے ہلاک کردیا اور یہاں پر فرمایا ہے کہ ان کو ایک چنگھاڑ نے ہلاک کردیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جب ان پر نامبارک آندھی آئی ہو تو اس کے ساتھ ہی ایک ہولناک آواز بھی آئی ہو، جیسا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو زمین کو پلٹا کر بھی عذاب دیا گیا اور ایک چنگھاڑ سے بھی عذاب دیا گیا۔

اور روایت ہے کہ شداد بن عاد نے جب اپنا ارم میں محل تیار کر لیا تو وہ اپنے اہل دعیال کو لے کر اسے دیکھنے کے لیے نکلا، جب اس کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر آسمان سے ایک چنگھاڑ بھیجی، پس ان سب کو ہلاک کر دیا گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ "الصَّيْحَةُ" نفسِ عذاب اور موت ہے۔

"فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً": پس ہم نے ان کو خس و خاشاک کر دیا، جیسا کہ سیلاب میں کوڑا کرکٹ ہوتا ہے، اور جیسے سیلاب میں درختوں کے پتے ہوتے ہیں، اور جھاگ ہوتے ہیں اور لکڑی کے ٹکڑے ہوتے ہیں اور وہ وادی ان کو بہا کر لے جاتی ہے۔

ان لوگوں نے رسولوں پر یہ اعتراض کیا تھا کہ جو یہ کھاتے ہیں وہی رسول کھاتے ہیں اور انہوں نے یہ نہیں جانا کہ رسول اور اہل اللہ اگرچہ دنیا کی چیزوں سے کھاتے ہیں، لیکن وہ اس طرح نہیں کھاتے جس طرح یہ لوگ کھاتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ اسراف کے ساتھ کھاتے ہیں، اور اہل اللہ اسراف نہیں کرتے، حدیث میں ہے:

نافع نے بیان کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس وقت تک نہیں کھاتے تھے حتیٰ کہ ایک مسکین کو لایا جاتا جو ان کے ساتھ کھانا کھاتا۔ سو میں نے ایک مرد کو داخل کیا جو ان کے ساتھ کھا رہا تھا، اس نے بہت زیادہ کھانا کھایا، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم اس کو میرے پاس داخل نہ کرنا، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۳۹۳، ۵۳۹۴، ۵۳۹۵)

بلکہ اہل اللہ دلوں کے منہ سے کھاتے اور پیتے ہیں جو ان کو ان کے رب کھلاتے ہیں اور پلاتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے رب کے پاس رات گزارتے ہیں۔

حضرت شیخ آفندی قدس سرہٗ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے پاس رات گزارتے ہیں، آپ کے رب آپ کو کھلاتے ہیں اور اپنی تجلیات سے پلاتے ہیں۔ اور وہ جو روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوک کی شدت سے پتھر کو پیٹ پر باندھ لیتے تھے تو یہ بھوک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ آپ کی کمال لطافت کی وجہ سے تھا کہ کہیں آپ کو ملکوت کی طرف چڑھا کر نہ لے جایا جائے، بلکہ پتھروں کے وزن کی وجہ سے آپ اس ملک میں ہی مستقر رہیں۔

بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھنے پر روح البیان کی نکتہ آفرینی پر مصنف کا تبصرہ

بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھنے کی روایت حسب ذیل احادیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی، اور ہم نے اپنے پیٹوں سے پتھر اٹھا کر دکھایا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پتھر اٹھا کر دکھائے۔

(سنن ترمذی: ۲۳۷۱، شرح السنہ للبغوی: ۴۰۷۹، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ ج ۱۸ ص ۳۴۹)

شیخ ابو العلا محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم المبارک پوری المتوفی ۱۳۵۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس شخص کو شدید بھوک لگی ہو اور بھوک کی شدت سے اس کا پیٹ دبلا اور خالی ہو تو وہ اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا ہے تا کہ اس کی

پشت قائم رہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (ج ۱۱ ص ۲۸۹) میں لکھا ہے کہ پیٹ پر پتھر باندھنے کا فائدہ یہ ہے کہ یہ عمل بھوک کو چھپا لیتا ہے، جس سے کمر کے ٹیڑھے ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، پس جب اس کے اوپر پتھر رکھ دیا جائے اور اس پر پٹی باندھ دی جائے تو کمر سیدھی رہے گی، اور علامہ الکرمانی نے کہا ہے: تاکہ پتھر کی ٹھنڈک سے بھوک کی حرارت کم ہو جائے، کیونکہ یہ چپٹے پتھر تھے جو پیٹ کے مطابق تھے اور انتڑیوں کو باندھ لیتے تھے اور اس سے پیٹ خالی ہونے کی وجہ سے ضعف نہیں ہوتا تھا۔

(تحفۃ الاحوذی ج ۷ ص ۸۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۹ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو میں نے دیکھا آپ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے اور آپ نے اپنے پیٹ پر پٹی باندھی ہوئی تھی، اسامہ نے کہا: مجھے شک ہے کہ آپ نے پتھر کے اوپر پٹی باندھی ہوئی تھی، میں نے آپ کے بعض صحابہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر پٹی کس لیے باندھی ہوئی ہے؟ تو انہوں نے کہا: بھوک کی وجہ سے، پس میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور وہ حضرت ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے، میں نے کہا: اے ابا جان! میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر پٹی باندھی ہوئی ہے، میں نے آپ کے بعض اصحاب سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ بھوک کی وجہ سے، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ میری والدہ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا: کوئی کھانے کی چیز ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! میرے پاس روٹی کا ایک ٹکڑا ہے اور چند کھجوریں ہیں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا آئے تو ہم آپ کو پیٹ بھر کر کھلا دیں گے، اور اگر آپ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی آیا تو یہ کھانا ان سے کم ہوگا، پھر انہوں نے اس قصہ کی مکمل حدیث بیان کی۔

(صحیح مسلم: ۲۰۴۰، الرقم المسلسل: ۵۲۹۱، رقم حدیث الباب: ۱۴۳، مستخرج ابی عوانہ: ۸۳۱۵، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۱ ص ۲۶۵، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر ج ۱ ص ۱۳۶۹، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۵ ص ۱۰۹)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھنا حجاز کے پتھریلے علاقوں کے رہنے والوں کی عادت اور ان کا معمول تھا، کیونکہ پتھر کی ٹھنڈک جب انتڑیوں کے باطن تک پہنچے گی تو اس سے بھوک کی حرارت ٹھنڈی ہو جائے گی اور اس کی تیزی کم ہو جائے گی، یا یہ اس وجہ سے تھا کہ ان کی عادت تھی کہ جب شدید بھوک لگے تو پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی موافقت کے لیے پیٹ پر پتھر باندھے، یا اس لیے کہ صحابہ کو یہ بتائیں کہ آپ کے پاس اتنا کھانا نہیں ہے جس کو آپ نے ان سے بچا کر اپنے لیے رکھا ہو۔ اگرچہ اس باب میں یہ آپ کی عادت کے خلاف تھا، کیونکہ آپ کا ارشاد ہے: "میں تمہاری مثل نہیں ہوں، میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں، وہی مجھے کھلاتے ہیں اور وہی مجھے پلاتے ہیں"۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم، ج ۶ ص ۵۲۱، دار الوفاء، بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۷ھ، اور علامہ محمد بن محمد بن یوسف السنوسی المالکی المتوفی ۸۹۵ھ نے بھی اس حدیث کی شرح میں وہی کچھ لکھا ہے جس کو ہم قاضی عیاض مالکی سے نقل کر چکے ہیں۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۷ ص ۱۶۳، مکمل اکمال الاکمال ج ۷ ص ۱۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہم نے اس حدیث کی شرح میں اس طرح لکھا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جو بھوک کی شدت سے باہر نکلے، اس کی وجہ یہ تھی کہ شدید بھوک کی بناء پر بشری تقاضے سے انسان کامل یکسوئی اور طمانیت قلب کے ساتھ عبادت نہیں کرسکتا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو استغراق اور انہماک کے ساتھ ادا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جسم کو کوئی ایسا عارضہ لاحق نہ ہو جس کی بناء پر عبادت سے توجہ ہٹ جائے، یہی وجہ ہے کہ جب انسان کو بول و براز (پیشاب وغیرہ) کی سخت حاجت ہو تو آپ نے اس کی فراغت سے پہلے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اسی طرح جب کھانا حاضر ہو اور اس کو سخت بھوک لگی ہو تو کھانے سے پہلے نماز پڑھنے سے آپ نے منع فرمایا، اسی طرح نقش ونگار والے لباس پہن کر اور جو لوگ باتیں کر رہے ہوں ان کے پاس نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، تاکہ نمازی کی توجہ نماز کی طرف سے نہ ہٹے، قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ جب انسان شدید غصہ میں ہو، یا اس کو سخت بھوک لگی ہو یا بہت خوشی ہو تو وہ اس حالت میں مقدمات کا فیصلہ نہ کرے۔ (شرح صحیح مسلم، ج ۶ ص ۲۹۸، فرید بک اسٹال لاہور، دسمبر ۲۰۱۳ء)

میں کہتا ہوں کہ تمام محدثین اور شارحین حدیث نے یہ تصریح کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوک کی شدت کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے، اس لیے شیخ آفندی کا اس کا انکار کرنا صحیح نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ہم نے اُن کے بعد دوسری قومیں پیدا فرمائیں O'' (المومنون: ۴۲)

''ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ'': پھر ہم نے ان مذکورہ قوموں کے ہلاک ہونے کے بعد اور مشہور یہ ہے کہ قوم عاد کے ہلاک ہونے کے بعد اور قومیں پیدا فرمائیں اور وہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قومیں ہیں، تاکہ ہماری قدرت کا اظہار ہو اور تاکہ ہر امت کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم اُن سے مستغنی ہیں۔ اور لوگوں نے اگر ان انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو قبول کیا اور رسولوں کی اتباع کی تو اس اتباع اور اطاعت کا فائدہ اُن ہی کو پہنچے گا۔ یعنی ہم اُن کی اطاعت اور اتباع سے مستغنی ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کوئی امت اپنے مقررہ وقت سے پہلے ہلاک ہوسکتی ہے اور نہ (ہلاکت سے) موخر ہوسکتی ہے O'' (المومنون: ۴۳)

''مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا یَسْتَاْخِرُوْنَ'': یعنی ہم نے ہر امت کی موت اور ہلاکت کا ایک وقت مقرر فرمادیا ہے اور کوئی امت اپنے وقتِ مقررہ سے پہلے مرسکتی ہے نہ اس کے بعد متاخر ہوسکتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ہم نے لگاتار اپنے رسول بھیجے، جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آتا تو وہ اس رسول کی تکذیب کرتے، سو ہم نے اُن کے بعد اُن کو بھی ہلاک فرما کر بھولی بسری کہانیاں بنادیا، سو اُن لوگوں کے لیے ہماری رحمت سے دوری ہو جو ایمان نہیں لاتے O'' (المومنون: ۴۴)

''ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ'': پھر اس کے بعد ہم نے اور اقوام پیدا فرمائیں، اور ان کے پاس رسل آتے رہے، یہ رسل متواتر اور لگاتار آتے

رہے، ایک کے بعد دوسرا رسول آتا رہا۔ پھر جب بھی کوئی رسول تبلیغ کرنے کے لیے دلائل کو لے کر آتا تو لوگ اس کی تبلیغ کو جھوٹ کی طرف منسوب کرتے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ لَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ‘‘ (الصافات:۷۱)'' (اور اللہ کی قسم! قریش مکہ سے پہلے بہت سے اگلے لوگ گمراہ ہوئے)۔ پھر ہم نے اُن کے بعد کے لوگوں کو بھی ہلاک فرمادیا، کیونکہ وہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کا کفر کرنے اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنے اور باقی نافرمانیوں کے اندر مبتلاء تھے۔

پھر فرمایا: ''اور ہم نے اُن کو ہلاک فرمانے کے بعد، بعد والے لوگوں کے لیے بھولی بسری کہانیاں بنادیا''۔ اس آیت میں ''اَحَادِيْثَ'' کا لفظ ہے، یعنی اُن لوگوں کا کوئی اثر باقی نہ رہا سوائے حکایات کے جن کو سن کر لوگ تعجب کرتے اور غور وفکر کرنے والے نصیحت حاصل کرتے۔ ''اَحَادِيْثَ'' کا لفظ حدیث کا اسم جمع ہے یا اُحْدُوثَه کی جمع ہے۔ اور ''اُحْدُوثَه'' کا معنی ہے: مشغلہ اور تعجب کی وجہ سے جس کہانی کو بیان کیا جائے، اور یہاں پر یہی مراد ہے جیسے اعاجیب اعجوبۃ کی جمع ہے، یعنی جس بات پر تعجب کیا جائے۔

''فَتَعْسًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ'': یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لائے اور جنہوں نے اپنے نبیوں کی تصدیق نہیں کی، اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہو۔ اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لانا ہلاکت اور دوزخ کے عذاب کا سبب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کرنا اور انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کرنا نجات اور جنتوں کی نعمتوں کے حصول کا سبب ہے۔

ایک شخص حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام کی بشارت دینے کے لیے آیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تم نے یوسف کو کس دین پر چھوڑا ہے؟ اس نے کہا: اسلام پر، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اب یعقوب پر اور آلِ یعقوب پر اللہ تعالیٰ کی نعمت مکمل ہوگئی، کیونکہ دینِ اسلام سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے۔ اور جب دینِ اسلام حاصل نہ ہو تو پھر تمام نعمتیں گویا کہ معدوم ہیں۔

ایک مرد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس کو میں نہیں دیکھتا؟ اس نے پوچھا: آپ کیسے اپنے رب کو دیکھتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: آنکھیں ان کا مشاہدہ سے ادراک نہیں کر سکتیں لیکن حقائق ایمان سے دل ان کا ادراک کرتا ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ جس نے اپنے رب عزوجل کو پہچان لیا وہ بلند ہو گیا اور جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا وہ متواضع اور متذلل ہو گیا۔ یعنی رب عزوجل کا عرفان معنوی جلالت عطا فرماتا ہے اور نفس کا عرفان نفس کی ذلت اور اس کی تواضع عطا کرتا ہے۔ اور تمام ظالم اور کفار اپنے آپ کو عزت والا اور بلند قرار دیتے ہیں، پس وہ حقیقت میں ذلیل ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہیں اور ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ظاہر اور باطن میں ہلاک ہو گئے اور مومنین اور باقی نیک لوگ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے متواضع اور ذلیل قرار دیتے ہیں تو صورتاً اور معناً وہ عزت والے ہیں کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کا باطن میں قرب حاصل ہے۔ اور وہ ظاہر میں ہلاکت سے نجات پا گئے، پس تمام ہلاکتیں انسان کو اپنے رب اور نفس کی جہالت کی وجہ سے پیش آتی ہیں۔

پس صاحبِ عقل پر لازم ہے کہ وہ اہلِ حق کی اطاعت کرے، کیونکہ تمام قسم کے فیض اُن کی اطاعت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں عناد سے بچانا اور اہلِ حق کی اطاعت پر ثابت قدم رکھنا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ہم نے موسیٰ کو اور اُن کے بھائی ہارون کو اپنے معجزات اور واضح دلائل کے ساتھ بھیجا O'' (المؤمنون: ۴۵)

''ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ﴃ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ '': اس آیت میں آیات کا لفظ ہے اور اس سے مراد نو آیات ہیں: (۱) ید بیضاء (۲) عصا (۳) طوفان (۴) ٹڈیاں (۵) جوئیں (۶) مینڈک (۷) خون (۸) پھلوں کا کم ہونا (۹) اور طاعون۔ ان آیات میں سمندر کے چیرنے کا ذکر نہیں ہے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، ان آیات سے مراد وہ آیات ہیں جن کی بنی اسرائیل نے تکذیب کی تھی۔

''وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ '': اس سے مراد ہے واضح حجت جو مقابل پر اپنے مدعا کو لازم کر دے، اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہے۔ اس کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا کہ اس کو باقی نشانیوں پر فضیلت حاصل ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف، سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ تھے ہی تکبر کرنے والے لوگ O'' (المؤمنون: ۴۶)

''اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهٖ '': یعنی فرعون کی طرف اور اس کی قوم کے معزز قبطیوں کی طرف۔ ان کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا کہ بنی اسرائیل کو بھیجنا ان لوگوں کی رائے پر موقوف تھا۔

''فَاسْتَكْبَرُوْا '': یعنی انہوں نے ایمان لانے سے تکبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی توہین کی۔

''وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ '': اور وہ تھے ہی متکبر لوگ جو تکبر اور سرکشی میں حد سے تجاوز کرتے تھے۔ اور یہ وہ لوگ تھے جن کی عادت تکبر اور سرکشی کرنا تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس انہوں نے کہا: کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لے آئیں، حالانکہ ان کی قوم ہماری خدمت گزار ہے O'' (المؤمنون: ۴۷)

''فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ '': اس آیت میں ''اَنُؤْمِنُ'' بہ طور استفہام فرمایا ہے اور یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی ہم ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ہم ایسے لوگوں کو اُن دو بشروں پر ایمان لانا چاہیے جو ہماری مثل ہیں، حالانکہ ان کی قوم یعنی بنی اسرائیل ہماری خدمت گزار ہے۔ یعنی جس طرح غلام آقا کی خدمت کرتے ہیں، اسی طرح بنو اسرائیل ہماری خدمت کرتے ہیں۔ اس قول سے اُن کی مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا رسالت سے مرتبہ کم کرنا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس انہوں نے اُن دونوں کی تکذیب کی، سو وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہو گئے O'' (المؤمنون: ۴۸)

''فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ '': یعنی فرعونیوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی تکذیب پر اصرار کیا، پس وہ بھی اُن لوگوں میں سے ہو گئے جن کو بحر قلزم میں ہلاک فرما دیا گیا تھا۔

رہے، ایک کے بعد دوسرا رسول آتا رہا۔ پھر جب بھی کوئی رسول تبلیغ کرنے کے لیے دلائل کو لے کر آتا تو لوگ اس کی تبلیغ کو جھوٹ کی طرف منسوب کرتے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ۔(الصافات: ۷۱)" (اور اللہ کی قسم قریش مکہ سے پہلے بہت سے اگلے لوگ گمراہ ہوئے)۔ پھر ہم نے اُن کے بعد کے لوگوں کو بھی ہلاک فرما دیا، کیونکہ وہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کا کفر کرنے اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنے اور باقی نافرمانیوں کے اندر مبتلاء تھے۔

پھر فرمایا: "اور ہم نے اُن کو ہلاک فرمانے کے بعد، بعد والے لوگوں کے لیے بھولی بسری کہانیاں بنا دیا"۔ اس آیت میں " أَحَادِيثَ " کا لفظ ہے، یعنی اُن لوگوں کا کوئی اثر باقی نہ رہا سوائے حکایات کے جن کو سن کر لوگ تعجب کرتے اور غور وفکر کرنے والے نصیحت حاصل کرتے۔" أَحَادِيثَ " کا لفظ حدیث کا اسم جمع ہے یا أُحْدُوثَه کی جمع ہے۔ اور" أُحْدُوثَه " کا معنی ہے: مشغلہ اور تعجب کی وجہ سے جس کہانی کو بیان کیا جائے، اور یہاں پر یہی مراد ہے جیسے اعاجیب اعجوبۃ کی جمع ہے، یعنی جس بات پر تعجب کیا جائے۔

" فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ": یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لائے اور جنہوں نے اپنے نبیوں کی تصدیق نہیں کی، اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہو۔ اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لانا ہلاکت اور دوزخ کے عذاب کا سبب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کرنا اور انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کرنا نجات اور جنتوں کی نعمتوں کے حصول کا سبب ہے۔

ایک شخص حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام کی بشارت دینے کے لیے آیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تم نے یوسف کو کس دین پر چھوڑا ہے؟ اس نے کہا: اسلام پر، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اب یعقوب پر اور آلِ یعقوب پر اللہ تعالیٰ کی نعمت مکمل ہوگئی، کیونکہ دینِ اسلام سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے۔ اور جب دینِ اسلام حاصل نہ ہو تو پھر تمام نعمتیں گویا کہ معدوم ہیں۔

ایک مرد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس کو میں نہیں دیکھتا؟ اس نے پوچھا: آپ کیسے اپنے رب کو دیکھتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: آنکھیں ان کا مشاہدہ سے ادراک نہیں کر سکتیں لیکن حقائق ایمان سے دل ان کا ادراک کرتا ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ جس نے اپنے رب عزوجل کو پہچان لیا وہ بلند ہو گیا اور جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا وہ متواضع اور حسنذلل ہو گیا۔ یعنی رب عزوجل کا عرفان معنوی جلالت عطا فرماتا ہے اور نفس کا عرفان نفس کی ذلت اور اس کی تواضع عطا کرتا ہے۔ اور تمام ظالم اور کفار اپنے آپ کو عزت والا اور بلند قرار دیتے ہیں، پس وہ حقیقت میں ذلیل ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہیں اور ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ظاہر اور باطن میں ہلاک ہو گئے اور مومنین اور باقی نیک لوگ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے متواضع اور ذلیل قرار دیتے ہیں، تو صورتاً اور معناً وہ عزت والے ہیں کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کا باطن میں قرب حاصل ہے۔ اور وہ ظاہر میں ہلاکت سے نجات پا گئے، پس تمام ہلاکتیں انسان کو اپنے رب اور نفس کی جہالت کی وجہ سے پیش آتی ہیں۔

پس صاحبِ عقل پر لازم ہے کہ وہ اہلِ حق کی اطاعت کرے، کیونکہ تمام قسم کے فیوض اُن کی اطاعت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں عناد سے بچانا اور اہلِ حق کی اطاعت پر ثابت قدم رکھنا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ہم نے موسیٰ کو اور اُن کے بھائی ہارون کو اپنے معجزات اور واضح دلائل کے ساتھ بھیجاO'' (المومنون:۴۵)

''ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ '': اس آیت میں آیات کا لفظ ہے اور اس سے مراد نو آیات ہیں: (۱) یدِ بیضاء (۲) عصا (۳) طوفان (۴) ٹڈیاں (۵) جوئیں (۶) مینڈک (۷) خون (۸) پھلوں کا کم ہونا (۹) اور طاعون۔ ان آیات میں سمندر کے چیرنے کا ذکر نہیں ہے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، ان آیات سے مراد وہ آیات ہیں جن کی بنی اسرائیل نے تکذیب کی تھی۔

''وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ '': اس سے مراد ہے واضح حجت جو مقابل پر اپنے مدعا کو لازم کر دے، اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہے۔ اس کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا کہ اس کو باقی نشانیوں پر فضیلت حاصل ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف، سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ تھے ہی تکبر کرنے والے لوگO'' (المومنون:۴۶)

''اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهٖ '': یعنی فرعون کی طرف اور اس کی قوم کے معزز قبطیوں کی طرف۔ ان کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا کہ بنی اسرائیل کو بھیجنا ان لوگوں کی رائے پر موقوف تھا۔

''فَاسْتَكْبَرُوْا '': یعنی انہوں نے ایمان لانے سے تکبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی توہین کی۔

''وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ '': اور وہ تھے ہی متکبر لوگ جو تکبر اور سرکشی میں حد سے تجاوز کرتے تھے۔ اور یہ وہ لوگ تھے جن کی عادت تکبر اور سرکشی کرنا تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس انہوں نے کہا: کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لے آئیں، حالانکہ ان کی قوم ہماری خدمت گزار ہےO'' (المومنون:۴۷)

''فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ '': اس آیت میں ''اَنُؤْمِنُ '' بہ طور استفہام فرمایا ہے اور یہ استفہام انکاری ہے، یعنی ہم ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ہم ایسے لوگوں کو اُن دو بشروں پر ایمان لانا چاہیے جو ہماری مثل ہیں، حالانکہ ان کی قوم یعنی بنی اسرائیل ہماری خدمت گزار ہے، یعنی جس طرح غلام آقا کی خدمت کرتے ہیں، اسی طرح بنو اسرائیل ہماری خدمت کرتے ہیں۔ اس قول سے اُن کی مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا رسالت سے مرتبہ کم کرنا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس انہوں نے اُن دونوں کی تکذیب کی، سو وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہو گئےO'' (المومنون:۴۸)

''فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ '': یعنی فرعونیوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی تکذیب پر اصرار کیا، پس وہ بھی اُن لوگوں میں سے ہو گئے جن کو بحرِ قلزم میں ہلاک فرما دیا گیا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم نے موسیٰ کو الکتاب عطا فرمائی تاکہ وہ لوگ ہدایت پا جائیں O''
(المومنون: ۴۹)

''وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ'': یعنی فرعون اور اس کے پیروکاروں کو ہلاک فرمانے کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو اُن کے تسلط سے نجات عطا فرمائی اور اُن کو الکتاب یعنی تورات عطا فرمائی تاکہ بنی اسرائیل حق کے راستے کی طرف ہدایت پائیں اور تورات میں جو احکام شرعیہ ہیں اُن پر عمل کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے مریم کے بیٹے اور اُن کی والدہ کو اپنی قدرت کی نشانی بنا دیا اور ان کو ایک جگہ پناہ عطا فرمائی جو بلند تھی اور رہائش کے قابل تھی اور جہاں چشمے بہتے تھے O'' (المومنون: ۵۰)

''وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰیَةً'': اور ہم نے ابن مریم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ کو اپنی عظیم قدرت کی نشانی بنا دیا، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر کسی بشر کے مس کرنے کے پیدا فرمایا، اور ہم نے ابن مریم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو المہد یعنی پنگوڑے میں کلام کرنے والا بنا دیا، پس اُن سے متعدد معجزات صادر ہوئے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مُردوں کو زندہ کیا۔

اور اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اُن کی والدہ کے ذکر سے پہلے فرمایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانی ہونے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اصل تھے۔ اور دوسری آیت میں اُن کی والدہ کا ذکر پہلے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَالَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (الانبیاء: ۹۱)'' (اور اس خاتون کا ذکر کیجئے جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی، پس ہم نے اُس میں اپنی پسندیدہ روح پھونک دی اور اُن کو اور اُن کے بیٹے کو تمام جہان والوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیا)۔ کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام پاکیزگی میں اور اُن میں روح کے پھونکے جانے میں اصل ہیں۔

''وَّ اٰوَیْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ'': یعنی ہم نے اُن دونوں کو زمین کی بلند جگہ میں اتارا اور اس جگہ کو اُن کا ٹھکانا بنا دیا، اور وہ جگہ ایلیاء ہے جو بیت المقدس کی زمین ہے، پس وہ زمین بلند ہے۔

اور امام السہیلی نے کہا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن میں دمشق کی اس بستی میں عطا فرمائے گئے جس کو ناصرہ کہا جاتا ہے اور اسی وجہ سے عیسائی اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔

''ذَاتِ قَرَارٍ'': اس سے مراد ہے ایسی زمین جہاں پر پھل دار درخت تھے اور کھیت تھے، وہاں کے رہنے والے اُن پھلوں اور کھیتوں کی وجہ سے وہاں پر برقرار رہتے تھے۔ ''وَّ مَعِیْنٍ'': اور اس سرزمین میں چشمے جاری تھے۔

(روح البیان، ج ۶ ص ۱۰۷-۱۱۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ؕ﴿۵۱﴾

اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو، بے شک میں تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہوں O

وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

اور بے شک یہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے، اور میں ہی تمہارا رب ہوں، پس تم مجھ سے ہی ڈرو ○

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

پس لوگوں نے باہم اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ہر گروہ جس دین پر ہے وہ اسی پر خوش ہے ○

فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۵۴﴾

پس (اے رسول اکرم!) آپ ان لوگوں کو ایک وقت تک ان کی غفلت میں چھوڑے رکھیں ○

اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَ ﴿۵۵﴾

کیا یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کی مال اور بیٹوں سے جو مدد فرماتے ہیں ○

نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

تو اسی سے ان کی بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں ○

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾

بے شک جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں ○

وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں ○

وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے ○

وَ الَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾

اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جتنا خرچ کر سکتے ہیں وہ اس حال میں خرچ کرتے ہیں کہ ان کے دل خوف زدہ رہتے ہیں کہ بے شک وہ اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ○

اُولٰٓىٕكَ یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَ هُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾

یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی لوگ نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں ○

وَ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَ لَدَیْنَا كِتٰبٌ یَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور ہم ہر شخص کو اس کی طاقت کے مطابق مکلف فرماتے ہیں، اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو بالکل حق بتاتی ہے اور لوگوں پر بالکل ظلم نہیں فرمایا جائے گاO

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَ لَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

بلکہ ان کافروں کے دل اس قرآن سے غفلت میں ہیں، اور شرک کے علاوہ ان کے اور بھی (برے) اعمال ہیں جن کو وہ کرنے والے ہیںO

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ یَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾

حتی کہ جب ہم ان کے خوش حال لوگوں کو عذاب میں پکڑلیں گے تو اچانک وہ فریاد کریں گےO

لَا تَجْـَٔرُوا الْیَوْمَ- اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

(ان سے فرمایا جائے گا:) آج کے دن تم فریاد نہ کرو، بے شک ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں فرمائی جائے گیO

قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾

بے شک میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں سو تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتے تھےO

مُسْتَكْبِرِیْنَ ۚۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

ان آیتوں سے تکبر کرتے ہوئے رات کی مجلسوں میں ان پر بے ہودہ مثالیں چسپاں کرتے تھے اور ان آیتوں کے متعلق بکواس کرتے تھےO

اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ یَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِیْنَ٘ ﴿۶۸﴾

کیا انہوں نے قرآن کی آیات میں غور نہیں کیا، یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آ گئی تھی جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھیO

اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ٘ ﴿۶۹﴾

یا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا سو وہ اس کا انکار کرنے والے ہیںO

اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾

یا اس رسول کو یہ مجنون کہتے ہیں، (نہیں) بلکہ ان کے پاس حق آ چکا ہے اور ان میں سے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرنے والے ہیںO

وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ

بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ؕ﴿۷۱﴾

اور اگر حق ان کی باطل خواہشوں کی پیروی کرتا تو تمام آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے، سب درہم برہم ہو جاتے، بلکہ ہم نے ان کو وہ کتاب عطا فرمائی ہے جو ان کے لیے باعث فخر اور فضیلت ہے، سو وہ اپنی فضیلت ہی سے منہ موڑنے والے ہیں O

اَمْ تَسْــَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖۗ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾

کیا آپ ان سے اجرت طلب کر رہے ہیں سو آپ کے رب کا اجر سب سے بہتر ہے، اور وہ سب سے بہتر روزی عطا فرمانے والے ہیں O

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾

اور (اے رسول اکرم!) بے شک آپ ان کو ضرور سیدھے راستہ کی طرف بلا رہے ہیں O

وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے تو وہ سیدھے راستہ سے انحراف کرنے والے ہیں O

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور اگر ہم ان پر رحم فرماتے اور ان کے مصائب کو ان سے دور فرما دیتے تب بھی وہ اپنی سرکشی میں اندھا دھند بڑھتے رہتے O

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾

اور بے شک ہم نے ان کو عذاب میں جکڑ لیا تو پھر بھی اپنے رب کے سامنے نہ ذلت سے جھکے اور نہ گڑگڑا کر دعا کی O

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ؕ﴿۷۷﴾

حتیٰ کہ جب ہم (قیامت کے دن) ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اچانک وہ ہر خیر سے نا امید ہو جائیں گے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو، بے شک میں تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہوں O" (المؤمنون:۵۱)

"يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ" کے خطاب سے تمام رُسل علیہم السلام مراد ہیں یا صرف ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم؟

علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، المؤمنون:۵۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ": حسن بصری، مجاہد، قتادہ، السدی، الکلبی اور دیگر نے کہا ہے کہ اس آیت میں "يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ" سے مراد صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسا کہ عرب واحد کو جماعت کے ساتھ

خطاب کرتے ہیں۔اور بعض مفسرین نے کہا: اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے تمام رُسُل علیہم السلام مراد ہیں۔"كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ": یعنی حلال چیزوں سے کھاؤ۔"وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا": یعنی شریعت نے جو سید ھا راستہ مقرر فرمایا ہے اس پر عمل کرتے رہو۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ١١٣٧ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں تمام رسولوں سے خطاب ہے، یہ معنی نہیں ہے کہ سب رسولوں سے یکبارگی خطاب فرمایا، کیونکہ تمام رسول متفرق طور پر مختلف زمانوں میں بھیجے گئے ہیں، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہر رسول سے اس کے زمانہ میں خطاب فرمایا گیا اور اس کو ندا فرمائی گئی اور وصیت فرمائی گئی تاکہ سننے والے جان لیں کہ پاک اور حلال چیزوں کا مباح ہونا رسولوں کے لیے قدیم زمانہ سے شروع ہے۔اور یہ وہ چیز ہے جس کا تمام انبیاء علیہم السلام سے خطاب فرمایا گیا ہے اور انہیں وصیت فرمائی گئی ہے۔اور ہم نے کہا ہے کہ ہر رسول کو یہ حکم فرمایا گیا ہے کہ وہ پاک اور حلال چیزوں سے کھائیں اور نیک کام کریں اور اس کو متعدد اوامر اور احکام کے ساتھ تعبیر فرمایا گیا ہے جیسا کہ ان رسولوں سے جمع کے صیغہ کے ساتھ تعبیر فرمایا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام رُسُل علیہم السلام کے کمالات کا جامع ہونا

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں صرف ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے جیسا کہ عرب کا طریقہ ہے کہ واحد کو تعظیم کے لیے جمع کے صیغہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو ظاہر فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ تنہا ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں کے قائم مقام ہیں کیونکہ آپ کی ذات میں تمام رسولوں کے کمالات جمع ہیں جس کا اظہار اس شعر میں ہے:

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضاء داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور "الطَّیِّبٰتِ" سے مراد کھانے پینے کی لذیذ چیزیں ہیں جو مباح ہوں اور تازہ پھل اور خشک میوے ہیں۔

"وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا": یعنی ایسے عمل کریں جو آپ سے مقصود ہوں اور آپ کے رب کے نزدیک نفع آور ہوں۔اور یہ امر وجوب کے لیے ہے، اس کے برخلاف پہلا امر یعنی "كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ" وجوب کے لیے نہیں ہے۔

اس آیت میں اُن بعض لوگوں کا رد ہے جو مسلمانوں کے لیے ہر چیز کو مباح قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ سے محبت کی انتہاء کو پہنچ جائے اور اس کا دل صاف ہو جائے اور وہ ایمان کو کفر پر ترجیح دے اور اس میں نفاق نہ ہو تو اس سے عبادات ظاہرہ اور اعمالِ صالحہ ساقط ہو جاتے ہیں، اور اس کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر ہے۔اور یہ قول کفر اور گمراہی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے محبت اور ایمان میں سب سے کامل رُسُل علیہم السلام ہیں خصوصاً اللہ تعالیٰ کے محبوب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالانکہ اعمالِ صالحہ اور عبادات سے اُن کو بھی مکلف فرمایا گیا ہے بلکہ وہ دوسروں سے زیادہ مکلف ہیں۔

ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عام مسلمانوں سے زیادہ عبادات کا مکلف ہونا

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ" (النساء: ٨٤) "(سو آپ اللہ کی راہ میں لڑیے، آپ کی جان (پاک) کے سوا کسی کو (اس لڑائی کا) مکلف نہیں فرمایا جائے گا)۔

عام مسلمان پانچ فرض نمازیں پڑھنے کے مکلف ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتداء میں تہجد بھی فرض تھی، عام مسلمان طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک روزہ رکھنے کے مکلف ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصال کے روزے بھی رکھتے تھے جس میں نہ سحری تھی اور نہ افطار، اسی طرح عام لوگ اپنے مال میں سے صرف چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنے کے مکلف ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح عام مسلمان اپنے ترکہ میں سے اپنے ورثاء کو دینے کے مکلف تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکہ میں سے جو کچھ چھوڑا وہ سب مسلمانوں پر صدقہ تھا۔

"اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ": یعنی تم جو ظاہر اور باطن میں عمل کرتے ہو میں ان سب کو جاننے والا ہوں اور میں تم کو ان سب کی جزا عطا فرماؤں گا۔

اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ راہب جو پاک اور حلال چیزوں کو چھوڑنے کا کہتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ان کے دین میں لذیذ چیزوں کو کھانا جائز نہیں ہے ان کا یہ مذہب باطل ہے۔ اور عملِ صالح کو کھانے کے حکم کے بعد ذکر فرمانا اس پر دلیل ہے کہ پاک اور حلال چیزوں کو کھانے کی وجہ سے اعمالِ صالحہ صادر ہوتے ہیں۔

مالِ حلال سے عبادات کا مقبول ہونا اور مالِ حرام سے عبادات کا مردود ہونا

علامہ الراغب اصفہانی نے کہا ہے: "الطیب" اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کو حواس اور نفس لذیذ قرار دیتے ہوں۔ اور طیب طعام شریعت میں وہ ہے جس کا کھانا جائز ہو اور جتنی مقدار میں اس کا کھانا جائز قرار دیا گیا ہو اتنا وہ دنیا اور آخرت میں جائز ہے ورنہ اگر وہ دنیا میں اچھا لگے تو آخرت میں اچھا نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے: "ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا" (اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور صرف پاک چیزوں کو قبول فرماتے ہیں)۔ (صحیح مسلم: ۱۰۱۵، سنن ترمذی: ۲۹۸۹) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حرام مال سے صدقہ قبول نہیں فرمایا جاتا اور نہ مالِ حرام سے کیا ہوا حج مقبول ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے سوت کاتنے کی آمدنی سے کھاتے تھے اور ہمارے نبی علیہ السلام مالِ غنیمت سے کھاتے تھے اور مالِ غنیمت سب سے زیادہ طیب مال ہے۔

شداد کی بہن بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سخت گرمی میں دودھ کا ایک پیالا بھیجا اس وقت آپ روزہ دار تھے، آپ نے اس کو واپس فرما دیا اور دریافت فرمایا کہ یہ دودھ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ انہوں نے بیان کیا کہ یہ میں نے اپنی بکری سے دودھ نکالا ہے، آپ نے پھر اس کو واپس فرما دیا اور فرمایا: وہ بکری تمہارے پاس کہاں سے آئی؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے اس کو اپنے مال سے خریدا ہے، تب آپ نے وہ دودھ لے لیا۔ پھر وہ آپ کے پاس آئیں اور پوچھا: یا رسول اللہ! آپ نے اس کو پہلے کیوں واپس فرمایا تھا؟ آپ نے فرمایا: مجھے یہی حکم فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے رسول صرف پاک چیزوں کو کھاتے ہیں اور صرف نیک عمل کرتے ہیں۔ (مجمع الزوائد: ۱۸۱۰۰)

مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی اور ان کی غیبت کا حرام ہونا

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: جب کسی انسان کا ظاہر نیک ہو اور اس کا حال مستور ہو تو اس کی نماز اور اس کے صدقہ کے قبول

ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ لازم نہیں ہے کہ تم یہ تفتیش کرو کہ یہ مال تم نے کہاں سے حاصل کیا ہے، کیونکہ زمانہ کے حالات خراب ہیں اور یہ اس مسلمان مرد کے ساتھ بدگمانی ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ نیک گمان کرو۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘-اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًاؕ-اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُؕ-وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ-اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ۝" (الحجرات: ۱۲) (اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہیں، اور (مسلمانوں کی) جاسوسی نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ پس اس سے تو تم نفرت کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ توبہ کو بہت قبول فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں)۔

ابوسلیمان الدارانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میں دن بھر روزہ سے رہوں اور رات کو لقمہ حلال سے روزہ افطار کروں تو یہ میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں رات بھر نماز میں قیام کروں اور دن کو روزہ رکھوں۔

پھر پاک چیزوں کو کھانے کی اگرچہ رخصت دی گئی ہے لیکن کبھی پاک چیزوں کے کھانے کو ترک کر دیا جاتا ہے تاکہ طبیعت سے کھانے کی شہوتیں منقطع ہوں۔

علامہ ابوالفرج ابن الجوزی نے کہا ہے کہ دل میں مباحات کی محبت ظلمت کو پیدا کرتی ہے، پس جو شخص حرام کے حصول کی تدبیر کرتا ہے اس کا کیا حال ہوگا؟ اس لیے بعض اولیاء اللہ نے کہا ہے: جو مباحات کا عادی ہو جائے وہ مناجات کی لذت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اے اللہ! ہمیں اہل مناجات سے کر دیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور بے شک یہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے، اور میں ہی تمہارا رب ہوں، پس تم مجھ سے ہی ڈرو○" (المومنون: ۵۲)

"وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ":

علامہ بغوی لکھتے ہیں: یہ وہ ملت اور وہ شریعت ہے جس کا تمہیں حکم فرمایا گیا ہے، اور یہ ملت واحدہ ہے جو کہ اسلام ہے اور بے شک میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ہی ڈرو۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے تم کو اُن کاموں کا حکم فرمایا ہے جن کاموں کا تم سے پہلے رسولوں کو حکم فرمایا تھا، پس تم سب کے احکام واحد ہیں اور میں تمہارا رب ہوں، پس تم مجھ سے ہی ڈرو۔

دین اور شریعت کا فرق

علامہ اسماعیل حقی حنفی لکھتے ہیں: یعنی ملت اسلام اور توحید جس کے کمالِ ظہور اور کمالِ صحت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، یہی تمہاری ملت ہے اور اے رسولو! یہی تمہاری شریعت ہے۔

علامہ القرطبی نے کہا ہے: امت سے مراد یہاں پر دین ہے اور اسی سے یہ قول ماخوذ ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک امت پر پایا، یعنی یہ وہ ملت اور شریعت ہے جو تمام شریعتوں کے اصول میں متحد ہے اور زمانوں کی تبدیلی سے ان اصولوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور رہا وہ اختلاف جو احکام فرعیہ میں ہے اس اختلاف کا نام دین نہیں ہے، پس جو عورت حائض ہو اور طاہر ہو دونوں کا

دین واحد ہے اگرچہ اُن کے احکام فرعیہ مختلف ہیں۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَ مَا وَصَّیْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِیْسٰۤى اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ۔'' (الشوریٰ:۱۳) ''(انہوں نے تمہارے لئے وہی آئین مقرر فرمایا جس کا انہوں نے نوح کو حکم فرمایا تھا اور جو ہم نے وحی کے ذریعے آپ کی طرف بھیجا اور اسی کا حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو فرمایا (ان کی امتوں کو یہ حکم فرمایا گیا) کہ اسی آئین کو نافذ کرو اور اس بارے میں فرقوں میں نہ بٹ جاؤ)۔ مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: ''اوصیناك یا محمد وایاه دینا واحدا'' (اے محمد! ہم نے آپ کی طرف اور نوح کی طرف ایک دین کی وصیت فرمائی ہے)۔ (صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب الایمان وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس)

اور ''التفسیر الکبیر'' میں مذکور ہے کہ اس آیت میں یہ تنبیہ ہے کہ سب کا دین واحد ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے ساتھ متصل ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے اجتناب کا حکم دیتا ہے۔ یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کے دین میں توحید اور رسالت پر اور تقدیر پر اور مرنے کے بعد اٹھنے پر اور ثواب اور عذاب پر ایمان لانا واجب ہے، البتہ اُن کی شریعتیں مختلف ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس لوگوں نے باہم اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ہر گروہ جس دین پر ہے وہ اسی پر خوش ہے ○'' (المؤمنون:۵۳)

''فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ'':

علامہ بغوی لکھتے ہیں: لوگوں نے آپس میں دین کے مختلف ٹکڑے کر دیئے، پس بعض فرقے یہودی ہو گئے اور بعض نصاریٰ ہو گئے اور بعض مجوسی ہو گئے۔ ''زبر'' کا معنی ہے: فرق اور مختلف قطعات، اس کا واحد زبور ہے اور اس کا معنی ہے: فرقہ اور طائفہ۔ اور اس کی جمع زُبر ہے اور اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ۔'' (الکہف:۹۶) ''(تم میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے تختے لاؤ)۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: ''زبرا'' اس کا معنی ہے کتابیں، یعنی ہر فریق ایسی کتاب پیش کرتا جو اس کتاب کے خلاف ہوتی جس کو دوسرے پیش کرتے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں کے مختلف ٹکڑے کر دیئے، کتاب کے بعض حصہ پر وہ ایمان لاتے اور بعض حصہ کا کفر کرتے اور بعض حصہ کی تحریف کرتے۔

''كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ'': یعنی ہر جماعت کے پاس جو موجود تھا وہ اسی پر خوش تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس (اے رسولِ اکرم!) آپ ان لوگوں کو ایک وقت تک ان کی غفلت میں چھوڑے رکھیں ○'' (المؤمنون:۵۴)

غمرۃ کے معانی

''فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِیْنٍ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی اِن لوگوں کو ان کے کفر میں اور ان کی گمراہی میں چھوڑے رکھیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کو ان کے اندھے پن میں چھوڑے رکھیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ انہیں ان کی غفلت میں چھوڑے رکھیں یہاں تک کہ یہ مر جائیں۔

اس آیت میں ''فِیْ غَمْرَتِهِمْ'' کا لفظ ہے، غمر کا معنی ہے: پانی کا ڈھانپنا، یعنی اتنا زیادہ پانی ہو جو کسی آدمی کی قامت کو ڈھانپ

لے اور چھپا لے، کیونکہ کفار اپنی گمراہی کے اندر ڈوبے ہوئے تھے۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: الغمر کا اصل معنی ہے: کسی چیز کے اثر کو زائل کرنا اور اسی سے ماخوذ ہے کہ جو پانی بہت زیادہ ہو اور وہ سیلاب کے اثر کو ڈھانپ لے تو اس کو غمر، غامر اور الغمرۃ کہا جاتا ہے۔ اور اس کو اس شخص کی جہالت کے لیے مثال بنایا ہے جو اس کو ڈھانپ لے، اور اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے، یعنی آپ کفار کو چھوڑ دیں جو اپنے حال میں مستغرق تھا اور اپنے دل کو اُن کے ساتھ مشغول نہ رکھیں۔

''حَتّٰی حِیْنٍ'': یعنی اُس وقت تک ان کو چھوڑے رکھیں حتیٰ کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا ان کی کفر پر موت آجائے یا ان کی عذاب پر موت آجائے۔ اور اس میں اُن کفار کے لیے دنیا اور آخرت کے عذاب کی وعید ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی فرمائی ہے اور آپ کو اس سے منع فرمایا ہے کہ آپ ان کے عذاب میں عُجلت کو طلب کریں اور عذاب میں تاخیر کی وجہ سے پریشان ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کی مال اور بیٹوں سے جو مدد فرماتے ہیںO تو اسی سے ان کی بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیںO'' (المومنون: ۵۵۔۵۶)

دنیاوی لذائذ میں منہمک ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا

''اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَ'': یعنی ہم جو ان کو دنیا کا مال اور اولاد عطا فرماتے ہیں۔

''نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ'': اور ان کو دنیا کی جو اچھائیاں عطا فرماتے ہیں اور ان کو ان کے اعمال کا ثواب عطا فرماتے ہیں، اس کے متعلق یہ گمان نہ کریں کہ ہم ان سے راضی ہیں بلکہ ہم ان کو ڈھیل دیتے ہیں، یہ کسی چیز کا شعور نہیں رکھتے، یہ جانوروں کی مثل ہیں جن میں کوئی ذہانت اور شعور نہیں ہوتا تاکہ وہ غور و فکر کریں اور وہ یہ جان لیں کہ ان کی جو مال اور اولاد کے ساتھ مدد فرمائی گئی ہے، یہ استدراج ہے، ان کو ڈھیل دی گئی ہے تاکہ یہ زیادہ گناہ کریں۔ اور وہ اس کو یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ ان کے ساتھ اچھائیاں ہیں۔

بعض عارفین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی زینت اور دنیا کی لذت اور دنیا کی عزت اور مال اور دنیا کی خیرات سے لوگوں کو آزمائش میں مبتلا فرماتے ہیں، پس لوگ ان چیزوں سے لذت حاصل کرتے ہیں اور ان میں لذت کے حصول کی وجہ سے رحمٰن کے مشاہدہ سے حجاب میں رہتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ انہوں نے تمام درجات کو پا لیا اور ان فانی چیزوں کے ملنے سے وہ مقبول ہو گئے، اور وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے استدراج ہے اور ڈھیل ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیںO'' (المومنون: ۵۷)

''اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ'': یعنی جو لوگ اپنے رب سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ الاشفاق کے معنی ہیں الخوف، اور اس آیت کا معنی ہے کہ مومنین اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے خوف کے باوجود ان کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ حسن بصری نے کہا: مومن وہ ہے جو نیکیوں کو اور خدا کے خوف کو جمع کرے، یعنی مومن تمام فرائض اور واجبات کو ادا کرنے اور تمام

محرمات اور مکروہات سے اجتناب کرنے کے باوجود اس سے ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے یہ نیک کام مقبول نہ ہوں، اور منافق وہ ہے جو حرام اور ناجائز کام کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا، اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف رہتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں O'' (المومنون: ۵۸)

''وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ یُؤْمِنُوْنَ'': اس آیت میں فرمایا ہے" جو لوگ اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں'' ان نشانیوں سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پھیلائی ہوئی ہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ۔۔۔(حم السجدہ: ۵۳)'' (عنقریب ہم انہیں اطراف عالم میں اور خود ان کی جانوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے O'' (المومنون: ۵۹)

''وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِرَبِّھِمْ لَا یُشْرِکُوْنَ'': یعنی نہ وہ اللہ عزوجل کے ساتھ شرک جلی کرتے ہیں اور نہ شرک خفی کرتے ہیں۔ شرک جلی کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی اور کو واجب اور قدیم اور عبادت کا مستحق قرار دیا جائے۔ اور شرک خفی کا معنی ہے ریاکاری، لوگوں کو دکھانے کے لیے اور لوگوں کو سنانے کے لیے نیک عمل کرنا۔

الجنید قدس سرہٗ نے کہا: جس آدمی نے اپنے باطن کے حال کی تفتیش کی اور دیکھا کہ وہ کوئی چیز اپنے رب سے زیادہ عظیم پاتا ہے یا اس سے زیادہ بزرگ پاتا ہے تو اس نے شرک کیا۔

دواء اور علاج کرنے کا شرعی حکم

''التاویلات النجمیہ'' میں مذکور ہے کہ سب سے بڑا شرک یہ ہے کہ کسی چیز کے رد اور قبول میں مخلوق کی طرف نظر رکھے۔ یعنی مخلوق اگر اس کی تعریف کرے تو وہ اس سے خوش ہو اور مخلوق اگر اس کی مذمت کرے تو اس سے وہ رنجیدہ ہو۔ نیز اسباب پر اعتماد کرنا بھی شرک ہے، پس آدمی یہ وہم نہ کرے کہ دوا پینے سے اس کو شفا ہوتی ہے بلکہ یہ سمجھے کہ شفا صرف اللہ عزوجل کی عطا سے ہوتی ہے۔ اور اسباب کو اختیار کرنا محض اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے اور اُن کے رسول کی سنت کی وجہ سے ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل نے بیماری اور دواء دونوں کو نازل فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے دوا رکھی ہے، پس تم دوا اور علاج کرو اور حرام کے ساتھ دوا اور علاج نہ کرو۔

(سنن ابوداؤد: ۳۸۷۴، کتاب الآداب للبیہقی: ۷۰۳، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۹۶۸۱، معرفۃ السنن والآثار: ۱۹۴۳۳، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ ج ۱۹ ص ۲۴۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جتنا خرچ کر سکتے ہیں وہ اس حال میں خرچ کرتے ہیں کہ اُن کے دل خوف زدہ رہتے ہیں کہ بے شک وہ اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں O''

(المومنون: ۶۰)

مومن کا نیک کام کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور منافق کا برے کام کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا

''وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ'': یعنی جو مسلمان زکوۃ اور صدقات ادا کرتے ہیں اور ان زکوۃ اور صدقات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکیوں کے حصول کا قصد کرتے ہیں تو وہ نیک کاموں کے کرتے وقت خوف زدہ رہتے ہیں اور اُن کے دل ڈرتے رہتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ''وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ'' کیا اُن لوگوں کے متعلق ہے جو زنا کرتے ہیں، شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں اے صدیق کی بیٹی! اس سے مراد یہ ہے کہ ایک مرد روزہ رکھتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور صدقہ دیتا ہے اور اس کو یہ خوف ہوتا ہے کہ شاید یہ اس سے قبول نہ کیا جائے۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۱۹۸، سنن ترمذی: ۳۱۷۵، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۹۳، المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۵۵۵۹، الوسیط ج ۳ ص ۲۹۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی لوگ نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں ○'' (المومنون: ۶۱)

''اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ'': یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو نیک اعمال کی طرف سبقت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے معنی میں فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے لیے سعادت میں سبقت کو مقدر فرما دیا ہے اور الکلبی نے کہا: وہ دوسری امتوں سے نیکیوں کے حصول میں سبقت کر گئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم ہر شخص کو اس کی طاقت کے مطابق مکلف فرماتے ہیں، اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو بالکل حق بتاتی ہے، اور لوگوں پر بالکل ظلم نہیں فرمایا جائے گا○'' (المومنون: ۶۲)

''وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ'': پس جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا اسے چاہیے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھے۔ اور جو شخص سخت بڑھاپے یا شدید مرض کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا تو وہ روزہ چھوڑے اور اس کا فدیہ ادا کرے۔

''وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ'': اور وہ لوحِ محفوظ ہے جو حق کے ساتھ کلام کرتی ہے۔ اور آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس سے زیادہ مکلف نہیں فرماتے جس کے عمل کی وہ طاقت رکھتا ہو۔ اور ہم نے اس کے علم کو لوحِ محفوظ میں ثابت فرما دیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد بندوں کے صحائفِ اعمال ہیں جن کو فرشتے لکھتے ہیں اور وہ اس میں کوئی کمی نہیں کرتے نہ کسی کی نیکیوں کو کم لکھتے ہیں اور نہ کسی کی برائیوں کو زیادہ لکھتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بلکہ ان کافروں کے دل اس قرآن سے غفلت میں ہیں، اور شرک کے علاوہ ان کے اور بھی (برے) اعمال ہیں جن کو وہ کرنے والے ہیں○'' (المومنون: ۶۳)

"بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَ لَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ": یعنی کفار کے دل اس قرآن سے غفلت اور جہالت میں ہیں۔ اور ان کافروں کے اور بھی اعمال خبیثہ ہیں اور نافرمانیاں ہیں جو مومنین کے نیک اعمال سے بہت کم درجہ کے ہیں، اور وہ اُن پر عمل کرنے والے ہیں اور اُن پر وہ عمل کر کے دوزخ میں داخل ہوں گے، کیونکہ اُن کے لیے پہلے شقاوت مقدر ہو چکی ہے۔ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ اور قتادہ نے کہا: یہ آیت مومنین کی طرف راجع ہے، یعنی مومنین نے جو نیک اعمال کئے ہیں اُن کے علاوہ اُن کے اور بھی بہت سے اعمال صالحہ ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''حتیٰ کہ جب ہم ان کے خوش حال لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیں گے تو اچانک وہ فریاد کریں گے O'' (المومنون: ۶۴)

"حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ یَجْـَٔرُوْنَ": یعنی جب ہم کافروں کے خوش حال لوگوں اور سرداروں کو عذاب میں پکڑ لیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اور وہ تلوار کا عذاب ہے جو انہیں بدر کے دن پہنچایا گیا۔ اور الضحاک نے کہا: وہ بھوک کا عذاب ہے، جب اُن کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: ''اے اللہ! مضر پر اپنی سخت گرفت فرمائیں اور اُن پر قحط کے ایسے سال مسلط فرما دیں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط کے سال تھے'' پس اللہ تعالیٰ عزوجل نے ان کو قحط میں مبتلا فرما دیا حتیٰ کہ انہوں نے کتوں کو اور مرداروں کو کھایا۔

"اِذَا هُمْ یَجْـَٔرُوْنَ": اور اس وقت وہ فریاد کرتے تھے۔ الجأر کا اصل معنی ہے: بلند آواز سے گڑگڑانا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(ان سے فرمایا جائے گا): آج کے دن تم فریاد نہ کرو، بے شک ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں فرمائی جائے گی O'' (المومنون: ۶۵)

"لَا تَجْـَٔرُوا الْیَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ": یعنی آج تم گڑگڑا کر فریاد نہ کرو، بے شک ہماری طرف سے تمہاری بالکل مدد نہیں فرمائی جائے گی اور تم سے عذاب کو دور نہیں فرمایا جائے گا اور تمہارا گڑگڑانا تم کو فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں سو تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتے تھے'' (المومنون: ۶۶)

"قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ": یعنی اس سے پہلے تم پر قرآن مجید سے میری آیات کی تلاوت کی جاتی تھی تو تم اپنی پچھلی ایڑیوں پر پلٹ جاتے تھے اور ایمان نہیں لاتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان آیتوں سے تکبر کرتے ہوئے رات کی مجلسوں میں اُن پر بے ہودہ مثالیں چسپاں کرتے تھے اور ان آیتوں کے متعلق بکواس کرتے تھے O'' (المومنون: ۶۷)

کفار قریش کا تکبر

"مُسْتَكْبِرِیْنَ ۖۗ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ": اس آیت میں ''بہ'' کی ضمیر کے مرجع میں اختلاف ہے۔ پس زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ

ضمیر البیت الحرام کی طرف راجع ہے، یعنی یہ لوگ تکبر کرتے ہیں اور البیت الحرام کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ ہم حرم اللہ کے رہنے والے ہیں اور بیت اللہ کے پڑوسی ہیں، لہٰذا ہم پر کوئی غالب نہیں ہوگا اور نہ ہم کسی سے ڈریں گے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ایک جماعت کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کے مقابلہ میں تکبر کرتے تھے اور اس پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

"سٰمِرًا": یعنی یہ لوگ راتوں کو اپنی مجلسوں میں بیت اللہ کے گرد بیٹھ کر قصے کہانیاں سناتے تھے۔

"تَهْجُرُوْنَ": یہ لفظ الاھجار سے بنا ہے جس کے معنی ہیں: فحش کلام کرنا۔ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو برا کہتے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ "تَهْجُرُوْنَ" ہے جس کے معنی چھوڑنا ہے، یعنی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کرتے تھے اور آپ پر ایمان لانے سے اور قرآن پر ایمان لانے سے منہ موڑتے تھے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ الھجر سے بنا ہے جس کے معنی ہیں بری بات کرنا اور ناحق بات کرنا، جیسے جب کوئی شخص ہذیان بکے تو کہتے ہیں "ھجر الرجل فی منامہ"۔

عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کا شرعی حکم

علامہ الراغب الاصفہانی نے کہا ہے کہ "سامر" اس شخص کو کہتے ہیں جو اندھیری رات میں قصے کہانی سنائے۔ اور "سمر" کا معنی ہے رات کی سیاہی۔ اور اسی سے ماخوذ ہے جو شخص رات کی سیاہی میں باتیں کرے، کیونکہ یہ کفار رات کو بیت اللہ کے گرد جمع ہو جاتے اور قرآن مجید کا ذکر کر کے اس پر طعن کرتے۔ اور زیادہ تر وہ لوگ یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن سحر ہے اور شعر ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کو تہائی رات تک موخر فرماتے تھے اور اس سے پہلے سونے کو مکروہ قرار دیتے تھے اور اس کے بعد باتیں کرنے کو بھی مکروہ قرار دیتے تھے۔

سیار بن سلامہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو برزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ سے نماز کے اوقات کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا اور عصر اس وقت پڑھتے تھے جب مرد مدینہ کے آخر سے جا کر واپس آ جاتا اور سورج تر و تازہ ہوتا اور میں بھول گیا کہ مغرب میں انہوں نے کیا کہا تھا، اور آپ عشاء کی نماز سے پہلے سونے کو ناپسند فرماتے تھے اور عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے اور صبح کی نماز اس وقت پڑھتے جب مرد اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو پہچان لیتا تھا، اور صبح کی دو رکعتوں یا ایک رکعت میں آپ ساٹھ سے لے کر سو آیتیں پڑھتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۴۱، ۷۷۱، شرح السنۃ للبغوی: ۳۵۱، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر ج ۱۰ ص ۲۲۴)

علامہ قرطبی نے کہا ہے: عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کی کراہیت پر اتفاق ہے، کیونکہ نمازوں سے انسانوں کی خطائیں مٹادی جاتی ہیں، پس وہ نماز پڑھنے کے بعد سلامتی کے ساتھ سوتا ہے اور کراماً کاتبین اس کے اعمال نامہ میں عبادت کو لکھتے ہیں، پس اگر وہ اس کے بعد باتیں کرے تو یہ لغو کام ہے اور اس دن کا خاتمہ لغو اور باطل پر ہوگا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ عشاء کے بعد باتیں کرنے والے کو نہیں چھوڑتے تھے اور فرماتے تھے: واپس جاؤ شاید اللہ تعالیٰ تمہیں تہجد کی نماز عطا فرمائیں۔

عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کی اقسام

الفقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کی تین قسمیں ہیں:

(۱) پہلی قسم یہ ہے کہ وہ علم کے ذکر اور اذکار کی باتیں کرے اور یہ سونے سے افضل ہے۔ اور اسی کے ساتھ ہر نیکی ملی ہوئی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں رات کو ان امور میں گفتگو فرماتے تھے جن میں مسلمانوں کی خیر ہوتی تھی۔

(۲) اور دوسری قسم یہ ہے کہ رات کو عشاء کی نماز کے بعد لوگ باتیں کرنے بیٹھ جائیں اور پچھلے لوگوں کی کہانیاں سنائیں اور جھوٹی باتیں بیان کریں اور لطیفے سنائیں تو یہ مکروہ ہے۔

(۳) اور تیسری قسم یہ ہے کہ وہ اُنس اور محبت کے حصول کے لیے باتیں کریں اور جھوٹ سے اور باطل قول سے اجتناب کریں، سو اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن ان سے اپنے آپ کو روکنا افضل ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اگر وہ باتیں کریں تو اُن باتوں کا رجوع اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تسبیح اور استغفار کی طرف ہونا چاہیے۔

کفارۂ مجلس کے متعلق حدیث

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مجلس سے اٹھنے کا ارادہ فرماتے تو آپ یہ دعا کرتے: ''سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك'' (اے اللہ! آپ پاک ہیں، میں آپ کی حمد کے ساتھ کہتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، میں آپ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور آپ کی طرف توبہ کرتا ہوں)۔ پھر آپ فرماتے: ان کلمات کی تعلیم مجھے جبریل علیہ السلام نے دی ہے۔

(مصنف عبد الرزاق الصنعانی: ۲۵۶۷، مسند ابن ابی شیبہ: ۹۵۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۲۲۶، مسند احمد: ۱۹۸۱۲، سنن دارمی: ۲۷۰۰، سنن ابوداؤد: ۴۸۵۹، سنن ترمذی: ۳۴۳۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۱۵۸، ۱۰۱۸۵، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۴۲۲، مسند الرویانی: ۱۳۰۹، صحیح ابن خزیمہ: ۳۶۲، شرح معانی الآثار: ۶۹۶۰، صحیح ابن حبان: ۵۹۳، المعجم الاوسط للطبرانی: ۶۵۸۴، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۵۸۶، شعب الایمان للبیہقی: ۶۲۰، شرح السنۃ للبغوی: ۱۳۴۰، معجم ابن عساکر: ۱۳۸۳، موارد الظمآن: ۲۳۶۶، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۳۳ ص ۱۹۵، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ ج ۱۵ ص ۱۲۸)

''روضۃ الاخیار'' میں مذکور ہے کہ جس نے کسی مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ دعا کی تو اس مجلس میں اس سے جو خطائیں ہوئیں اس سے ان کا کفارہ ہو جائے گا۔ اسی طرح حدیث میں ہے:

یحییٰ بن جعدہ بیان کرتے ہیں کہ مجلس کا کفارہ یہ ہے: ''سبحانك وبحمدك استغفرك واتوب اليك''۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۳۳۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۱۸۹، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۴۲۹، شرح معانی الآثار: ۶۹۵۷، کتاب الدعاء للطبرانی: ۱۹۱۶، المعجم الاوسط للطبرانی: ۵۹۱۳، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۳۳۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسافر اور نمازی کے سوا کسی کے لیے رات کو باتیں کرنا جائز نہیں ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۷۳۰، مسند احمد: ۳۴۳۲)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مسافر اپنے سفر میں اپنی نیند کو دور کرنے کا محتاج ہوتا ہے تو اس کے لیے رات کو باتیں کرنے کی اجازت دی ہے خواہ ان باتوں میں عبادت اور اطاعت نہ ہو۔ اور نمازی جب رات کو باتیں کرتا ہے پھر نماز پڑھتا ہے تو اس کی نیند نماز پر ہوتی ہے اور اس کی باتوں کا اختتام اطاعت پر ہوتا ہے۔

پس عقلمند پر لازم ہے کہ وہ فضول باتوں سے اجتناب کرے اور اس کی عمر فضول کاموں میں خرچ نہ ہو۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں: ؎

جز یاد دوست ہرچہ کنم جملہ ضائعست
جز سرشوق ہرچہ بگویم باطلست

اللہ کی یاد کے سوا میں جو کچھ کروں وہ ضائع ہے، اور اللہ کی محبت کے سوا ہر جو بات کروں وہ باطل ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا انہوں نے قرآن کی آیات میں غور نہیں کیا، یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آ گئی تھی جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی O'' (المومنون: ۶۸)

''اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ'': یعنی انہوں نے قرآن مجید کی ان آیات پر غور کیوں نہیں کیا جن آیات میں حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے صدق پر دلائل تھے تاکہ وہ آپ کی نبوت کے برحق ہونے کو پہچان لیتے۔

بے شک ہم نے پہلے بھی رسول اپنی قوموں کی طرف بھیجے جس طرح ہم نے حضرت محمد ﷺ کو ان کی طرف بھیجا ہے۔

یعنی اگر یہ لوگ قرآن مجید میں تدبر کرتے تو پہچان لیتے کہ اس قرآن کی نظم معجز ہے اور اس میں غیب کی خبریں ہیں جو ان کے رب کی طرف سے برحق ہیں تو وہ اس پر ایمان لے آتے، چہ جائیکہ اس کا انکار کرتے۔ پھر اس دلیل سے اعراض کر کے فرمایا: کیا ان کے پاس کتاب میں کوئی ایسی چیز آ گئی ہے جو ان کے اگلے آباء کے پاس نہیں آئی تھی کہ یہ اس قرآن کو بعید قرار دیتے ہیں اور کفر اور گمراہی میں واقع ہو گئے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولوں کے پاس کتابوں کا آنا اللہ تعالیٰ کی سنت قدیمہ ہے اور قرآن مجید اسی طریقہ پر حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے، پھر یہ کیوں اس کا انکار کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا سو وہ اس کا انکار کرنے والے ہیں O'' (المومنون: ۶۹)

رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے آپ کی رسالت کے برحق ہونے پر استدلال

''اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ'': پھر اللہ تعالیٰ نے دوسرے طریقہ سے ان کو زجر و توبیخ فرمائی کہ کیا یہ حضرت محمد ﷺ کو نہیں پہچانتے اور اُن کے صدق کو اور اُن کی امانت کو اور اُن کے حسنِ اخلاق کو اور اُن کے کمالِ علم کو نہیں جانتے، حالانکہ انہوں نے کسی سے علم حاصل نہیں کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا انہوں نے حضرت محمد ﷺ کو بچپن میں اور جوانی میں نہیں دیکھا اور کیا وہ آپ کے نسب کو نہیں پہچانتے تھے اور آپ کے صدق کو اور آپ کی امانت کو اور آپ کے وعدوں کے پورا کرنے کو۔ اور یہ اُن پر زجر و توبیخ

فرمائی ہے کہ وہ آپ کے صدق اور امانت کو پہچاننے کے باوجود آپ سے کیوں اعراض کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "یا اس رسول کو یہ مجنون کہتے ہیں، (نہیں) بلکہ ان کے پاس حق آچکا ہے اور ان میں سے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرنے والے ہیں O" (المومنون: ۷۰)

"اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ": یا وہ کہتے ہیں کہ آپ کو جنون ہے اور ایسا نہیں ہے، بلکہ ان کے پاس حق آچکا ہے۔ یعنی صدق آچکا ہے اور وہ قول آچکا ہے جس کا صحیح ہونا اور اس کا حسن ہونا کسی عقل والے پر مخفی نہیں ہے۔

ہر قوم کے اکثر لوگ اپنے رسول کے منکر ہوتے ہیں

اس آیت میں فرمایا ہے کہ قوم کے اکثر لوگ کفر پر باقی ہیں اور حق کو ناپسند کرتے ہیں، اسی وجہ سے انہوں نے اپنے کفر پر اصرار کیا اور کم لوگ ایسے ہیں جو ایمان کو اختیار کرتے ہیں اور اس کو ناپسند نہیں کرتے اور اسی لیے انہوں نے آپ کی نبوت کا اقرار کیا، کیونکہ اللہ عزوجل کی حکمت یہ ہے کہ ہر نبی کی قوم کے اکثر لوگ اس سے عناد رکھتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَ لَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ ۔ (الصافات: ۷۱)" (اور اللہ کی قسم! قریشِ مکہ سے پہلے بہت سے اگلے لوگ گمراہ ہوئے)۔ سو جو کم لوگ ہیں جو ایمان اور شریعت کے قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد رکھتے ہیں وہ عمدہ جواہر کی طرح ہیں اور اکثر لوگ جو اسلام کو قبول کرنے کی استعداد نہیں رکھتے وہ ردی پتھروں اور خشک نباتات کی طرح ہیں۔

جن کفار نے حق کو ناپسند کیا حالانکہ حق طبعاً اور عقلاً مرغوب ہے اور انہوں نے طبیعت اور عقل کے تقاضے کو ترک کر دیا، اگر یہ لوگ اپنی طبیعت اور عقل کے تقاضوں کو ترک کر دیتے اور شریعت کی اتباع کرتے اور اس سے محبت رکھتے تو یہ اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں بہتر ہوتا۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو چیز انسان کے نزدیک مکروہ اور ناپسندیدہ ہو یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اللہ عزوجل کے نزدیک بھی مکروہ اور ناپسندیدہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو دائمی نعمتوں کی طرف برانگیختہ فرماتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اُن پر اپنی اطاعت کو واجب فرمایا ہے اور اس پر ثواب کو مرتب فرمایا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اگر حق اِن کی باطل خواہشوں کی پیروی کرتا تو تمام آسمان اور زمینیں اور جو کچھ اُن میں ہے، سب درہم برہم ہو جاتے، بلکہ ہم نے ان کو وہ کتاب عطا فرمائی ہے جو ان کے لیے باعث فخر اور فضیلت ہے، سو وہ اپنی فضیلت ہی سے منہ موڑنے والے ہیں O" (المومنون: ۷۱)

حق سے مراد اللہ عزوجل کی ذات ہے یا قرآن مجید؟

"وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ": ابن جریج، مقاتل، السدی اور مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ حق سے مراد اللہ عزوجل کی ذات ہے، یعنی اگر اللہ عزوجل ان کی مراد کی پیروی فرماتے۔ دوسرا قول یہ

ہے کہ اگر ان کی مراد کی پیروی فرماتے اور اپنے لیے شریک اور اولاد کو مان لیتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو تمام آسمان اور زمینیں درہم برہم ہوجاتیں۔

اور الفراء اور الزجاج نے کہا ہے کہ اس آیت میں حق سے مراد قرآن مجید ہے، یعنی اگر قرآن مجید ان کی منشاء کے مطابق نازل ہوتا اور ان کے اعتقاد کے مطابق اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد اور شریک کو قرار دیتا تو تمام آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے؛ درہم برہم ہوجاتے۔ اور یہ آیت اس طرح ہے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''لَوْ كَانَ فِيْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ لَا يُسْــٴَـلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْــٴَـلُوْنَ ۔۔(الانبیاء: ۲۲)'' (اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور عبادت کے مستحق ہوتے تو زمین و آسمان ضرور درہم برہم ہوجاتے، پس عرش کے مالک مشرکین کی ان باتوں سے بہت بلند و برتر ہیں)۔

ذکر سے مراد نصیحت ہے یا فضیلت؟

''بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ'': بلکہ ہم نے ان کے پاس ایسی کتاب بھیجی جس میں ان کی نصیحت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم نے ان کے پاس ایسی کتاب بھیجی جو اُن کے لیے باعث فخر اور باعث شرف ہے یعنی قرآن مجید، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔۔(الانبیاء: ۱۰)'' (اے لوگو! بے شک ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہارا ذکر ہے، کیا پس تم نہیں سمجھتے؟)، نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْــٴَـلُوْنَ ۔۔(الزخرف: ۴۴)'' (اور بے شک قرآن آپ کیلئے اور آپ کی امت کے لئے عظیم شرف ہے اور تم سب سے اس کے شکریے کے بارے میں پوچھا جائے گا)۔ پس یہ لوگ اپنے شرف سے اعراض کرنے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا آپ اُن سے اُجرت طلب کررہے ہیں سو آپ کے رب کا اجر سب سے بہتر ہے، اور وہ سب سے بہتر روزی عطا فرمانے والے ہیں ۝'' (المؤمنون: ۷۲)

تبلیغ دین پر اجرت لینے کی تحقیق

''اَمْ تَسْــٴَـلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ'': گویا کہ یوں فرمایا ہے: ''کیا یہ لوگ یہ ذعم کرتے ہیں کہ آپ جو ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں اس پر آپ کسی اُجرت کے طالب ہیں، اس وجہ سے یہ ایمان نہیں لاتے''۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کا انکار فرماتے ہیں کہ آپ ان سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتے کہ دنیا میں آپ کے رب نے جو آپ کو رزق عطا فرمایا ہے اور آخرت میں جو ثواب عطا فرمائیں گے وہ اجرت سے بہت بہتر ہے۔

اور ''التاویلات النجمیہ'' میں مذکور ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے علماء ہیں اور علم میں راسخ ہیں اور اُن کے قلوب دنیاوی طمع سے آلودہ نہیں ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جو لوگوں کو حق کی دعوت دیتے ہیں، اس میں وہ کسی اُجرت کی توقع نہیں رکھتے۔

حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے ''الفتوحات المکیہ'' میں کہا ہے: ہمارا مذہب یہ ہے کہ واعظ کے لیے وعظ پر اجرت لینے کا حق ہے یعنی جن چیزوں کے کھانے کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حلال فرمادیا ہے وہ لے، اگرچہ اس کا ترک کرنا افضل ہے، کیونکہ ہر نبی

نے یہ دعا کی کہ میری اجرت صرف اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، اور یہ اختیار کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اجر لے گا بندوں سے اجر نہیں لے گا۔

تعلیم قرآن، امامت، اذان اور دیگر عبادات پر اجرت لینے کے متعلق مصنف کا موقف

ہمارے نزدیک تعلیم قرآن، حج، امامت، اذان اور دیگر عبادات پر اجرت لینا جائز ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے: ''عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ'' (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن چیزوں پر تم اجر لیتے ہو، ان میں اجر کی سب سے زیادہ حق دار اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے)۔

(صحیح البخاری: ۵۷۳۷، ۲۲۷۶، ۵۰۰۷، ۵۷۳۶، ۵۷۴۹، صحیح مسلم: ۲۲۰۱، سنن ترمذی: ۲۰۶۳، سنن ابوداؤد: ۳۴۱۸، سنن ابن ماجہ: ۲۱۶۵، مسند احمد: ۱۱۰۰۶)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسول اکرم!) بے شک آپ ان کو ضرور سیدھے راستہ کی طرف بلا رہے ہیںO'' (المومنون: ۷۳)

''وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ'': یعنی آپ ان کو اس دین کی دعوت دیتے ہیں جس کے متعلق عقول سلیمہ یہ شہادت دیتی ہیں کہ اس میں کوئی کجی نہیں ہے۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور دنیا میں منہمک رہتے ہیں اور جن کا یہ زعم ہے کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد اور کوئی زندگی نہیں ہے، وہ اس سے عدول کرتے ہیں۔ اور ان آیات میں یہ خبر فرمائی ہے کہ کفار سرکشی کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے ترک کرنے میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو قبول کرنے سے بہت دور ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے تو وہ سیدھے راستہ سے انحراف کرنے والے ہیںO'' (المومنون: ۷۴)

''وَ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ'': یعنی جو لوگ دین حق سے عدول کرتے ہیں۔
کیونکہ آخرت پر ایمان لانا اور عذاب آخرت کا خوف حق کی طلب کے لیے بہت قوی محرک ہے، اور ان کفار کا نہ ایمان ہے اور نہ انہیں اخروی عذاب کا خوف ہے حتیٰ کہ یہ حق کو طلب کریں اور حق کے راستہ پر چلیں۔

رزق کی کفالت کے متعلق ہارون رشید اور بہلول کا مکالمہ

ہارون رشید جب حج کر کے واپس ہوا اور چند دن کوفہ میں ٹھہرا، پس جب کوفہ سے باہر آیا تو بہلول مجنون اس کے راستہ پر کھڑا ہوا تھا اور اس نے بلند آواز سے تین مرتبہ آواز دی اے ہارون! پس ہارون کو تعجب ہوا کہ یہ کون ہے جو مجھے پکار رہا ہے، تو ہارون کو بتایا گیا کہ یہ بہلول مجنون ہے، پس ہارون ٹھہر گیا اور اس نے حجاب اٹھانے کا حکم دیا کیونکہ وہ لوگوں سے حجاب کے پیچھے سے بات کرتا تھا، پس ہارون نے بہلول سے کہا: کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں! میں تمہیں پہچانتا ہوں، ہارون نے کہا: اچھا بتاؤ میں کون ہوں؟ اس نے کہا: تم وہ ہو کہ اگر کوئی شخص مشرق میں کسی پر ظلم کرے اور تم مغرب میں ہو تو اللہ تعالیٰ تم سے اس ظلم کے متعلق قیامت کے دن سوال فرمائیں گے، پس ہارون اس کے کلام کی تاثیر سے رو پڑا اور پوچھا: تم میرا حال کیسا پاتے ہو؟ اس نے کہا: تم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب پر پیش کرو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ۔ (الانفطار: ۱۳-۱۴)'' (بے شک نیکوکار ضرور جنت میں ہیںO اور بدکار ضرور دوزخ میں ہیں)۔ ہارون نے کہا: اور ہمارے اعمال کا

کیا ہوگا؟ تو بہلول نے کہا: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۔۔(المائدہ: ٢٧)'' (اللہ صرف پرہیزگاروں کی قربانی قبول فرماتے ہیں)۔ ہارون نے کہا: ہماری جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت ہے، اس کا کوئی فائدہ ہوگا؟ تو بہلول نے کہا: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۔۔(المؤمنون: ١٠١)'' (پھر جب دوسری بار صور میں پھونکا جائے گا تو اس دن نہ تو ان کے درمیان رشتہ داریاں رہیں گی اور نہ ہی ان (رشتہ داریوں) کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے)۔ ہارون نے کہا: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو ہمارے لئے شفاعت ہے، اس کا کیا ہوگا؟ بہلول نے کہا: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''يَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ۔۔(طٰہٰ: ١٠٩)'' (جس دن کسی کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر جس کو رحمٰن نے اجازت دی ہو اور اس کے کلام کو پسند فرمایا ہو)۔ ہارون نے کہا: کیا آپ کی کوئی حاجت ہے؟ بہلول نے کہا: ہاں! تم میرے گناہوں کو معاف کردو اور مجھ کو جنت میں داخل کردو۔ ہارون نے کہا: یہ چیز تو میرے اختیار میں نہیں ہے، لیکن ہم کو معلوم ہوا ہے کہ آپ پر کوئی قرض ہے، تو ہم آپ کا وہ قرض ادا کردیتے ہیں۔ بہلول نے کہا: قرض، قرض کے بدلہ میں ادا نہیں کیا جاتا، تم لوگوں کے اموال لوگوں کو واپس کردو۔ ہارون نے کہا: کیا ہم آپ کے لیے رزق مہیا کرنے کا حکم دیں جو آپ کو تاحیات ملتا رہے؟ بہلول نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، کیا تمہارا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یاد رکھیں گے اور مجھے بھلا دیں گے؟ اور بہلول نے اپنی اس آخری بات میں اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے ''فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّ هُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۔۔(المؤمنون: ٧٢)'' (سو آپ کے رب کا اجر سب سے بہتر ہے، اور وہ سب سے بہتر روزی عطا فرمانے والے ہیں)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر ہم ان پر رحم فرماتے اور ان کے مصائب کو ان سے دور فرمادیتے تب بھی وہ اپنی سرکشی میں اندھا دھند بڑھتے رہتے ○'' (المومنون: ٧٥)

''وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ'': اور اگر ہم ان کافروں پر رحم فرمائیں اور اُن پر جو ضرر ہے اس کو دور فرمادیں، یعنی ان پر جو قحط آیا ہوا ہے اور خشک سالی ہے اس کو دور فرمادیں تو یہ ضرور اپنی سرکشی میں اندھا دھند بڑھتے رہیں گے اور اس کو نہیں چھوڑیں گے۔

روایت ہے کہ جب ثمامہ بن اثال الحنفی نے اسلام قبول کرلیا اور وہ یمامہ چلے گئے اور انہوں نے اہلِ مکہ تک غلہ کو پہنچنے سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ مکہ کو قحط کے سالوں میں مبتلا فرمادیا حتیٰ کہ انہوں نے بھوک کی شدت سے گندی اور ناپاک چیزیں کھائیں اور مردار کھائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم نے اُن کو عذاب میں جکڑ لیا تو یہ پھر بھی اپنے رب کے سامنے نہ ذلت سے جھکے اور نہ گڑگڑا کر دعا کی ○'' (المومنون: ٧٦)

کفارِ قریش کی قحط سالی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے دور فرمانا

''وَ لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَ مَا يَتَضَرَّعُوْنَ'': اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے خلاف دعا کی کہ اے اللہ! ان کے اوپر ایسے قحط کے سال مسلط فرمادیں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں پر قحط کے سال

مسلط فرمائے تھے، تو اُن پر قحط آ گیا۔ پھر ابوسفیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں اور رحم کا واسطہ دیتا ہوں، کیا آپ یہ نہیں فرماتے کہ آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں، آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! تو اس نے کہا: آپ نے ہمارے باپ دادا کو تلواروں سے قتل کر دیا اور ہمارے بیٹوں کو بھوک سے مار دیا تو پھر رحمت کہاں ہے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے قحط کو دور کرنے کی دعا فرمائی۔

(السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۳۵۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ج ۱۱ ص ۳۷۰، رقم الحدیث: ۱۲۰۳۸، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۹۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۴ ص ۹۰)

اس کی اصل درج ذیل حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مبعوث فرمایا اور ارشاد فرمایا: "قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۔۔(ص: ۸۶)" (آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں)۔ پس بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ قریش نے آپ کی بہت نافرمانی کی ہے تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! ان کے خلاف حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے سات سالوں کی مثل سات سالوں سے میری مدد فرمائیں تو ان کو قحط نے پکڑ لیا حتیٰ کہ اس نے ہر چیز کو تباہ کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے ہڈیوں کو کھایا اور کھالوں کو کھایا۔ پس ان میں سے کسی نے کہا: حتیٰ کہ انہوں نے کھالوں کو اور مردار کو کھایا اور زمین سے دھوئیں کی مثل کوئی چیز نکلنے لگی تو ابوسفیان آپ کے پاس آیا، پس کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) بے شک آپ کی قوم ہلاک ہو گئی، آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ان سے یہ مصیبت دور فرما دیں، پس آپ نے دعا کی، پھر فرمایا: تم اس کے بعد (کفر کی طرف) پھر لوٹ جاؤ گے۔

(صحیح البخاری: ۴۸۲۳، صحیح مسلم: ۲۷۹۸، سنن ترمذی: ۳۲۵۴)

"فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ": پھر بھی انہوں نے اپنے رب کی طرف رجوع نہیں کیا اور ان کی الوہیت اور توحید کا اعتراف نہیں کیا، اور اپنی سرکشی کے خلاف گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "حتیٰ کہ جب ہم (قیامت کے دن) ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اچانک وہ ہر خیر سے ناامید ہو جائیں گے ○" (المومنون: ۷۷)

"حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی دنیا میں اُن کو بدر کے دن قتل کر دیا۔ اور مجاہد نے کہا: حتیٰ کہ ہم نے اُن پر موت طاری فرما دی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اُن پر قیامت کو قائم فرما دیا تو اس وقت وہ ہر خیر سے مایوس ہو گئے۔

مومن کے لیے دنیا کا قید خانہ ہونا اور کافر کے لیے جنت ہونا

ایک دن سہل کے پاس ایک یہودی آیا، اس نے کہا: کیا تم یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے؟ تو سہل نے فی البدیہہ جواب دیا کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرف پہنچو گے تو یہ دنیا تمہارے لیے جنت ہو گی، اور جب میں اللہ تعالیٰ کی جنت کی نعمتوں کی طرف پہنچوں گا تو یہ دنیا میرے لیے قید خانہ ہو گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کا عذاب دنیا کے

عذاب کی طرح نہیں ہے اور جو حقیقت حال کو جان لے وہ آخرت کے انجام سے ڈرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ میں نے کبھی حضرت میکائیل علیہ السلام کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا؟ تو انہوں نے کہا: جب سے دوزخ کی آگ کو پیدا فرمایا گیا ہے حضرت میکائیل علیہ السلام نہیں ہنسے۔ (مسند احمد: ۱۳۹۳۰)

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۶۷-۳۷۲، دارا حیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ، روح البیان ج ۶ ص ۱۱۵-۱۲۹، دارا حیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۷۸

اور اللہ ہی ہیں جنہوں نے تمہارے فائدہ کے لیے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل پیدا فرمائے لیکن تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو ۝

وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۷۹

اور اللہ ہی ہیں جنہوں نے تمہیں زمین میں پیدا فرمایا اور انہی کی طرف تم (قیامت کے دن) جمع کیے جاؤ گے ۝

وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۸۰

اور اللہ ہی ہیں جو زندہ فرماتے ہیں اور مارتے ہیں اور دن اور رات کا اختلاف انہی کی قدرت میں ہے، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ۝

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۸۱

بلکہ کفار نے اسی طرح کہا جس طرح اُن سے پہلے کافروں نے کہا تھا ۝

قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝۸۲

انہوں نے کہا: کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم کو ضرور زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟ ۝

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۸۳

بے شک اس سے پہلے ہم کو اور ہمارے باپ دادا کو بھی اس سے ڈرایا گیا تھا، یہ صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ۝

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۴

(اے رسول اکرم!) آپ کہیے کہ زمین اور جو زمین میں رہنے والے ہیں (بتاؤ وہ کس کی ملکیت ہیں) اگر تم جانتے ہو ۝

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۸۵

وہ عنقریب کہیں گے: وہ اللہ ہی کی ملکیت ہیں، آپ کہیے: پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے؟ ۝

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۸۶﴾

آپ کہیے: ساتوں آسمانوں کے اور عرشِ عظیم کے رب کون ہیں O

سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

عنقریب وہ کہیں گے: یہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، آپ کہیے: پھر تم اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں؟ O

قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ یُجِیْرُ وَ لَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

آپ کہیے کہ کس کے قبضہ وقدرت میں ہر چیز کی ملکیت ہے، اور وہی پناہ دیتے ہیں اور ان کے خلاف پناہ نہیں دی جاتی اگر تم جانتے ہو O

سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾

عنقریب وہ کہیں گے: یہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، آپ کہیے: پھر تم کو کہاں سے جادو کا دھوکا دیا گیا ہے؟ O

بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

بلکہ ہم ان کے پاس توحید کا دین لے کر آئے ہیں اور بے شک وہ اس کے انکار میں جھوٹے ہیں O

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾

اللہ نے اپنے لیے اولاد نہیں بنائی اور نہ ان کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے، (اگر ایسا ہوتا) تو ہر معبود اپنی مخلوق کو لے جاتا، اور ان میں سے بعض معبود دوسروں پر غالب آجاتے، اللہ ان باتوں سے بلند و برتر ہیں جو یہ مشرکین بیان کرتے ہیں O

عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والے ہیں، اور ہر اس چیز سے بلند ہیں جس کو یہ مشرکین بیان کرتے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ ہی ہیں جنہوں نے تمہارے فائدہ کے لیے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل پیدا فرمائے لیکن تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو O'' (المومنون:۷۸)

انسان کے اعضاء میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، المومنون:۷۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ'':

اے منکرینِ آخرت! اللہ تعالیٰ نے تمہارے فائدہ کے لیے کانوں کو اور آنکھوں کو ابتداءً بغیر کسی پہلی مثال کے پیدا فرمایا اور تمہارے دلوں کو پیدا فرمایا جو عقل کے مراکز ہیں تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور وفکر کرو اور اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں سے اس کی توحید پر استدلال کرو۔ اللہ تعالیٰ نے کانوں، آنکھوں اور دلوں ان تین چیزوں کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے، کیونکہ انہی کے ساتھ دینی اور دنیاوی نفع کی چیزیں متعلق ہیں نہ کہ دوسری چیزوں کے ساتھ۔ تو جس نے ان کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جن کے لیے ان کو پیدا فرمایا گیا ہے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے اس کو یہ چیزیں نہیں ملیں۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَ لَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِیْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِیْهِ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْـٕدَةً ﳲ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَ لَاۤ اَفْـٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَۙ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ۔ (الاحقاف: ۲۶)" (اور اے اہلِ مکہ! اللہ کی قسم! ہم نے قومِ عاد کو دولت وطاقت پر وہ دسترس عطا فرمائی تھی جو تمہیں نہیں دی، ہم نے انہیں کان، آنکھیں اور دل عطا فرمائے لیکن اُن کے کان، اُن کی آنکھیں اور اُن کے دل اُن کے کسی کام نہ آسکے، کیونکہ وہ اللہ کے روشن دلائل کا انکار کرتے تھے اور انہیں اس عذاب نے جکڑ لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے)۔ اور یہ ایسی نعمتیں ہیں کہ جو صاحبِ عقل بھی ان کا تصور کرے گا تو وہ اُن کا ادنیٰ شکر ادا کرنے پر بھی قادر نہیں ہوگا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: "قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ" یعنی تم کو ایسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں کہ کوئی دوسرا تم کو وہ نعمتیں نہیں دے سکتا، پھر بھی تم نے ان کا شکر ادا نہیں کیا۔ پس تم بہرے، گونگے اور اندھے جانوروں کی طرح ہو۔

ابو مسلم نے کہا: اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ شکر تو ادا کرتے تھے مگر وہ کم شکر تھا، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کا انکار کرنے والے اور ناشکرے تھے۔

انسان کے اعضاء کی نعمتوں کے شکر کا طریقہ

اس آیت میں تین معانی کی طرف اشارہ ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کی عظیم اور جسیم نعمتوں کا اظہار ہے کہ انہوں نے کان، آنکھیں اور دل عطا فرمائے۔

(۲) بندوں سے ان نعمتوں پر شکر کا مطالبہ فرمایا ہے۔

(۳) بندوں سے یہ شکایت ہے کہ اُن میں سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے والے بہت کم ہیں۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ۔ (سبا: ۱۳)" (اور میرے بندوں میں سے شکر گزار کم ہیں)۔

اور اعضاء کی صورت میں دی ہوئی ان نعمتوں کے شکر کا طریقہ یہ ہے کہ ان اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال کیا جائے اور ان کی عبادت میں صرف کیا جائے۔ پس کانوں کا شکر یہ ہے کہ کانوں کو اللہ تعالیٰ کی منع فرمائی ہوئی چیزوں کے سننے سے محفوظ رکھا جائے اور صرف اللہ ہی کے لیے اور اسی کے متعلق باتوں کو سنا جائے۔ اور آنکھوں کا شکر ادا کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ جن چیزوں کے دیکھنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے، ان چیزوں کو دیکھنے سے آنکھوں کو محفوظ رکھا جائے اور جس چیز کو دیکھا جائے تو اس سے عبرت حاصل کرنے کے لیے دیکھا جائے۔ اور دل کا شکر یہ ہے کہ دل کو اخلاقِ مذمومہ کے میل کچیل سے صاف رکھا جائے اور دنیا اور آخرت کی ہر چیز سے منقطع ہو کر دل میں صرف اللہ تعالیٰ کی یاد کو رکھا جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ ہی ہیں جنہوں نے تمہیں زمین میں پیدا فرمایا اور انہی کی طرف تم (قیامت کے دن) جمع کیے جاؤ گے O'' (المومنون:۷۹)

اللہ تعالیٰ کی توحید اور الوہیت پر دلائل

''وَهُوَ الَّذِیۡ ذَرَاَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ اِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ '': یعنی صرف اللہ وحدہٗ نے تم کو زمین میں پیدا فرمایا اور تناسل کے ذریعہ زمین میں پھیلا دیا اور انہی کی طرف قیامت کے دن تم کو جمع فرمایا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ ہی ہیں جو زندہ فرماتے ہیں اور مارتے ہیں اور دن اور رات کا اختلاف انہی کی قدرت میں ہے، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے O'' (المومنون:۸۰)

''وَهُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ وَ لَهُ اخۡتِلَافُ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ '': یعنی کیا تم اپنی عقل سے غور وفکر کر کے یہ نہیں جانتے کہ تمام ممکنات ہماری قدرت میں ہیں، اور تمہارا مرنے کے بعد اٹھنا بھی ممکنات میں سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی نطفہ میں اور مٹی میں اور انڈے میں حیات کو پیدا فرماتے ہیں، اور قیامت کے دن مُردوں میں بھی وہی حیات کو پیدا فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بلکہ کفار نے اسی طرح کہا جس طرح اُن سے پہلے کافروں نے کہا تھا O'' (المومنون:۸۱)

کفار کا اپنے آباء واجداد کی تقلید میں حشر کا انکار کرنا

''بَلۡ قَالُوۡا مِثۡلَ مَا قَالَ الۡاَوَّلُوۡنَ '': ان عرب کے لوگوں نے اسی طرح کہا جس طرح ان سے پہلے نوح کی قوم نے کہا تھا اور ان کے بعد کے لوگوں نے کہا تھا، پس ان سب لوگوں نے پہلوں کی تقلید کرتے ہوئے کہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان منکرینِ حشر کے شبہات کا ذکر فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''انہوں نے کہا: کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم کو ضرور زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟ O'' (المومنون:۸۲)

''قَالُوۡۤا ءَاِذَا مِتۡنَا وَ کُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ '': یعنی حشر اور نشر کے منکرین نے تعجب سے کہا کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے اور بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ اور ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ وہ اس سے پہلے بھی مٹی تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو زندہ فرمایا تو ان کے لیے تمہارے مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ فرمانا کون سا مشکل ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اس سے پہلے ہم کو اور ہمارے باپ دادا کو بھی اس سے ڈرایا گیا تھا، یہ صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں O'' (المومنون:۸۳)

"لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ": گویا کہ کفار نے کہا جیسا کہ یہ وعید ہم کو سنائی گئی ہے، یہ اس سے پہلے تمام انبیاء وعید سناتے رہے ہیں اور اتنا عرصہ گزرنے کے بعد ابھی تک اس وعید کا مصداق واقع نہیں آیا، گویا کہ انہوں نے یہ گمان کیا تھا کہ اسی دنیا میں ان کو دوبارہ مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا۔

اس آیت میں فرمایا ہے"اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ "یعنی یہ جھوٹی باتیں ہیں۔"اَسَاطِيْرُ "اسطورۃ کی جمع ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسطار کی جمع ہے۔اور جب منکرین حشر نے مؤکد انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تین چیزوں کی یاد دلائی جن کا وہ اقرار کرتے تھے جس سے اُن کا مرنے کے بعد اٹھنے پر اقرار لازم آجائے، پس فرمایا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:"(اے رسول اکرم!) آپ کہیے کہ زمین اور جو زمین میں رہنے والے ہیں (بتاؤ وہ کس کی ملکیت ہیں) اگر تم جانتے ہو○ وہ عنقریب کہیں گے: وہ اللہ ہی کی ملکیت ہیں، آپ کہیے: پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے؟○"(المومنون: ۸۴_۸۵)

"قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ": اس میں یہ تعجب ہے کہ انہوں نے اس چیز کا انکار کیا جس کا کوئی عقل والا انکار نہیں کر سکتا، کیونکہ بداہت عقل ان کافروں کو اس اعتراف پر مجبور کرتی ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا فرمائی ہوئی ہیں، تو اس میں یہ تعجب ہے کہ کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ جنہوں نے زمین کو اور زمین کی ان ساری چیزوں کو ابتداءً پیدا فرمایا ہے وہ ان کو دوبارہ پیدا فرمانے پر بھی قادر ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:"آپ کہیے: ساتوں آسمانوں کے اور عرشِ عظیم کے رب کون ہیں○ عنقریب وہ کہیں گے: یہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، آپ کہیے: پھر تم اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں؟○"(المومنون: ۸۶_۸۷)

"قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ": اس آیت میں تیسری چیز کا اقرار کرایا ہے اور سوال میں ترقی فرمائی ہے۔ پہلے زمین اور آسمانوں کے متعلق سوال فرمایا۔ اور سوال میں اصغر سے اعلیٰ اور اکبر کی طرف ترقی فرمائی، کیونکہ آسمان اور عرش زمین سے اعظم ہیں۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو آسمانوں میں ہو وہ زمین والوں سے افضل ہو حتیٰ کہ فرشتے جنس بشر سے افضل ہوں۔ "سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ": پھر جب وہ منکرین جواب میں یہ کہیں گے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہیں تو پھر آپ ان سے زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہیں: تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے کیوں نہیں، تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے اور تم کیوں مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں دوسروں کو شریک قرار دیتے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:"آپ کہیے کہ کس کے قبضہ و قدرت میں ہر چیز کی ملکیت ہے، اور وہی پناہ دیتے ہیں اور ان کے خلاف پناہ نہیں دی جاتی اگر تم جانتے ہو○ عنقریب وہ کہیں گے: یہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، آپ کہیے: پھر تم کو کہاں سے جادو کا دھوکا دیا گیا ہے؟○"(المومنون: ۸۸_۸۹)

اللہ تعالیٰ کے لیے اعضاء کے ثبوت کا محال ہونا

"قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ یُجِیْرُ وَ لَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ":

اس آیت میں الید کا لفظ ہے، اور الید کا لفظ کندھے سے لے کر انگلیوں کی اطراف تک کا نام ہے جو کہ گوشت اور ہڈی اور پٹھوں سے بنا ہوا ہے۔ اور یہ تینوں چیزیں جسم ہیں اور اللہ تعالیٰ اجسام سے بلند ہیں اور اجسام کی مشابہت سے مبرّا اور منزّہ ہیں، کیونکہ جو عضو مرکب ہو اس کا اللہ عزوجل پر اطلاق محال ہے، ان کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام بنو آدم کے قلوب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک قلب کی طرح ہیں، اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتے ہیں ان کو پھیرتے ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی: اے اللہ! دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دیں۔

(صحیح مسلم: ۲۶۵۴، مسند احمد: ۶۵۶۹، المنتخب من مسند عبد بن حمید: ۳۴۸، صحیح ابن حبان: ۹۰۲، کتاب الشریعہ للآجری: ۷۲۷، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۴۶۳، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ۲۹۸، السند الموضوعی الجامع للکتب العشر ج ۳ ص ۱۱۵)

اسی طرح قرآن مجید میں ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ۔ (ص: ۷۵)" (اللہ نے فرمایا: ابلیس! جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے تخلیق فرمایا تھا اس کے سامنے سجدہ کرنے سے تجھے کس نے روکا؟ کیا تو نے اب تکبر کیا یا تو پہلے سے ہی تکبر کرنے والے گروہ میں سے تھا؟)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھوں کا ثبوت ہے۔

سو اللہ تعالیٰ کے لیے جن آیات اور احادیث میں اعضاء کا ثبوت ہے، یہ سب اطلاقات مجازی ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے کسی عضو کا ثبوت محال ہے اور اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ ان آیات میں ان اعضاء سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے۔

"سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ": یعنی اے رسول اکرم! آپ ان منکرین حشر پر انکار کرتے ہوئے کہیے کہ جب تم نے اس کا اقرار کر لیا کہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، پھر تم کیوں فریب میں مبتلاء ہو اور کیوں حق سے دور کیے گئے ہو۔

کیونکہ جو شخص جادو زدہ نہ ہو اور اس کی عقل خراب نہ ہو، وہ اس طرح نہیں ہوتا، اور تمہیں دھوکے میں مبتلاء کرنے والا شیطان ہے اور تمہاری باطل خواہشات ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بلکہ ہم ان کے پاس توحید کا دین لے کر آئے ہیں اور بے شک وہ اس کے انکار میں جھوٹے ہیں O" (المومنون: ۹۰)

"بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ": بلکہ واقعہ اس طرح نہیں ہے جس طرح یہ کہتے ہیں۔ ہم ہی توحید کو لے کر آئے ہیں اور حشر کا وعدہ بیان فرما رہے ہیں، اور یہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا اور شریک کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اس میں جھوٹے ہیں۔ اور ان کا سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: "وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا۔ (مریم: ۸۸)" (اور کفار نے کہا: رحمٰن نے بیٹا بنا رکھا ہے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ نے اپنے لیے اولاد نہیں بنائی اور نہ ان کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے، (اگر ایسا ہوتا) تو ہر معبود اپنی مخلوق کو لے جاتا، اور ان میں سے بعض معبود دوسروں پر غالب آ جاتے، اللہ ان باتوں سے بلند و برتر ہیں جو یہ مشرکین بیان کرتے ہیں O'' (المومنون: ۹۱)

''مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ'': اللہ عزوجل کفار کے اس جھوٹ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کا کوئی کفو نہیں ہے، انہوں نے اپنا بیٹا نہیں بنایا اور نہ فرشتوں سے ان کا کوئی رشتہ ہے اور نہ کسی اور سے، کیونکہ دلائل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے مستغنی ہیں اور کوئی چیز ان کی جنس سے نہیں ہے۔ اور کوئی چیز الوہیت میں ان کے مشابہ نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور بھی معبود ہوتے تو ہر ایک اپنی مخلوق کو الگ لے کر دوسرے سے متمیز ہو جاتا۔ اور جب ان کے احکام ایک دوسرے سے مختلف ہوتے تو ضرور بعض معبود دوسرے معبودوں پر غالب آنے کی کوشش کرتے اور اُن میں سے کوئی اس پر راضی نہ ہوتا کہ جو اس کی مخلوق ہے اس کی دوسرے معبود کی طرف اضافت ہو۔ اور جب ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر غالب ہو جاتا تو جو مغلوب ہے وہ اپنے عاجز ہونے کی وجہ سے معبود نہیں ہو سکتا۔ اللہ عزوجل سبحان ہیں جو تمام صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہیں اور اُن چیزوں سے منزّہ اور منزّہ ہیں جن میں نقص کا شائبہ ہے اور اُن چیزوں سے پاک ہیں جن کا یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے اور ان کی اولاد ہے۔

نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور مشرکین اور بت پرست یہ کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اور چونکہ کوئی اللہ تعالیٰ کی جنس سے نہیں ہے اور نہ کوئی ان کا مماثل ہے، نہ مشابہ ہے تو وہ اس سے بھی پاک ہیں کہ ان کا کوئی بیٹا ہو اور اس سے بھی پاک ہیں کہ ان کی بیٹیاں ہوں۔ پھر اللہ عزوجل اپنے کمال پر دلیل قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والے ہیں، اور ہر اس چیز سے بلند ہیں جس کو یہ مشرکین بیان کرتے ہیں O'' (المومنون: ۹۲)

''عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ'': اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غائب نہیں ہے، اس لیے اس آیت کا معنی ہے: یعنی جو چیزیں مخلوق سے غائب ہیں اور جو مخلوق کے سامنے حاضر ہیں، وہ ان سب کے جاننے والے ہیں اور وہ اُن سے بلند اور برتر ہیں جو مشرکین اُن کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

علامہ الراغب نے کہا ہے: انسان کے دین میں شرک کی دو قسمیں ہیں:

ایک سب سے بڑا شرک ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے شریک کو ثابت کرنا ہے۔ اور دوسرا شرک صغیر ہے اور وہ یہ ہے کہ اطاعت اور عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کی رعایت کرنا جیسے ریا اور نفاق ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک دن خطبہ دیتے ہوئے کہا: اے لوگو! اس شرک سے بچو، کیونکہ یہ چیونٹی کے چلنے سے زیادہ خفیف ہے اور انہوں نے کہا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ میں ارشاد فرمایا: اے لوگو! اس شرک سے بچو، کیونکہ یہ

چیونٹی کی چال سے زیادہ مخفی ہے، پھر کسی نے کہا: ہم کیسے اس سے بچیں جو چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم یہ دعا کرو: ''اللھم انا نعوذبك من ان نشرك بك شیئا نعلمه، ونستغفرك لما لا نعلم'' (اے اللہ! ہم اس شرک سے آپ کی پناہ میں آتے ہیں جس کو ہم جانتے ہیں اور ہم اس شرک سے آپ سے استغفار کرتے ہیں جس کو ہم نہیں جانتے)۔

(مسند احمد: ۱۹۶۰۶، الادب المفرد: ۷۱۶، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۴۷۹، عمل الیوم واللیلہ لابن السنی: ۲۸۶، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۳ ص ۲۹۱، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ۳ ص ۴۷۸)

(السراج المنیر ج ۳ ص ۳۵۲ـ۳۵۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ، وتفاسیر اخری)

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾

(اے رسول اکرم!) آپ دعا کیجئے: اے میرے رب! اگر آپ مجھے وہ عذاب دکھادیں جس عذاب کی ان مشرکوں کو وعید فرمائی گئی ہے ○

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۹۴﴾

تو اے میرے رب! آپ مجھے ظالم لوگوں میں نہ رکھیں ○

وَ اِنَّا عَلٰۤی اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور بے شک ہم آپ کو اس عذاب کے دکھانے پر قادر ہیں جس کی ہم نے ان کو وعید فرمائی ہے ○

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾

آپ عمدہ خصلت کے ساتھ برائی کو دور کیجئے، یہ مشرکین ہمارے متعلق جو باطل صفات بیان کرتے ہیں ہم ان کو خوب جانتے ہیں ○

وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾

اور آپ دعا کیجئے: اے میرے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں ○

وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

اور میں اس سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں کہ وہ شیاطین میرے پاس حاضر ہوں ○

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾

حتیٰ کہ جب ان مشرکین میں سے کسی کی موت آئے گی تو وہ کہے گا: اے میرے رب! مجھے واپس دنیا میں بھیج دیں ○

لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ

بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

شاید میں اُن نیک کاموں کو کروں جن کو میں دنیا میں چھوڑ آیا ہوں، ہرگز نہیں! یہ محض ان کی زبان سے کہی ہوئی ایک بات ہے، اور ان سب مرنے والوں کے لیے قیامت کے دن تک ایک پردہ ہے O

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

پھر جب دوسری بار صور میں پھونکا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان رشتہ داریاں نہیں رہیں گی اور نہ وہ ایک دوسرے سے ان رشتوں کے متعلق سوال کریں گے O

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

پس جن کی نیکیوں کے پلڑے میزان میں بھاری ہوں گے وہی لوگ کامیاب ہوں گے O

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور جن لوگوں کی نیکیوں کے پلڑے میزان میں ہلکے ہوں گے، سو یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہیں O

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

دوزخ کی آگ ان کے چہروں کو جھلسا دے گی اور ان کے ہونٹ دانتوں سے کھلے ہوئے ہوں گے O

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

(اللہ فرمائیں گے:) کیا تم پر دنیا میں میری آیتوں کی تلاوت نہیں کی جاتی تھی، سو تم ان آیتوں کو جھٹلاتے تھے O

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾

وہ (کفار) کہیں گے: اے ہمارے رب! ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی تھی اور ہم گمراہ لوگ تھے O

رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اے ہمارے رب! ہمیں اس دوزخ سے نکال دیں، پھر اگر ہم کفر کی طرف لوٹیں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے O

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

اللہ فرمائیں گے: دفع ہو جاؤ اور مجھ سے بات نہ کرو O

اِنَّهٗ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾

بے شک میرے بندوں میں سے ایک فریق یہ کہتا تھا: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے سو آپ ہماری مغفرت فرما دیں اور ہم پر رحم فرمائیں اور آپ سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیں O

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِیًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِیْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

سو تم نے (میرے اُن بندوں کو) مذاق اڑانے کا نشانہ بنا یا حتیٰ کہ اس مذاق اڑانے نے تم سے میری یاد بھلا دی اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے O

اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآىٕزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

بے شک آج میں نے ان کو ان کے صبر کی جزا عطا فرمائی ہے، بے شک وہی کامیاب ہیں O

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

اللہ فرمائیں گے: تم زمین میں کتنے سال رہے ہو؟ O

قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْــٴَـلِ الْعَآدِّیْنَ ﴿۱۱۳﴾

وہ کہیں گے: ہم ایک دن رہے تھے یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے، پس آپ (اعمال کا) شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے O

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

اللہ فرمائیں گے: تم (آخرت کے مقابلہ میں دنیا میں) تھوڑی مدت رہے ہو، کاش! تمہیں علم ہوتا O

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾

کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ ہم نے تم کو محض بے مقصد پیدا فرمایا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے؟ O

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ ﴿۱۱۶﴾

پس اللہ بے مقصد کام کرنے سے بہت بلند ہیں، وہ سچے بادشاہ ہیں، ان کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور وہی عزت والے عرش کے رب ہیں O

وَ مَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور جو شخص اللہ کے سوا کسی ایسے معبود کی عبادت کرے جس کے معبود ہونے پر اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو اس کا حساب صرف اس کے رب کے پاس ہے، بے شک کافر اخروی کامیابی حاصل نہیں کریں گے O

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور آپ دعا کیجئے: اے میرے رب! میری مغفرت فرمائیں اور مجھ پر رحم فرمائیں اور آپ سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیںO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے رسولِ اکرم!) آپ دعا کیجئے: اے میرے رب! اگر آپ مجھے وہ عذاب دکھادیں جس عذاب کی ان مشرکوں کو وعید فرمائی گئی ہے O تو اے میرے رب! آپ مجھے ظالم لوگوں میں نہ رکھیں O" (المومنون: ۹۳۔۹۴)

بعض نیکوکاروں کو بھی عذاب دینے کا ظلم نہ ہونا

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، المومنون: ۹۳ تا ۱۱۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿﴾": ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ تعلیم فرمائی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے کس طریقہ سے دعا کریں، یعنی آپ یہ کہیں کہ اے میرے رب! اگر آپ مجھے اس عذاب کو دکھادیں جس عذاب کی ان کافروں کو وعید فرمائی گئی ہے تو ان ظالموں پر نزولِ عذاب کے وقت مجھے ان میں شامل نہ رکھیں۔ یعنی جب آپ ان پر عذاب نازل فرمانے کا ارادہ فرمائیں تو مجھے ان کے درمیان سے نکال لیں، اور نبی ﷺ کو یہ علم تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ظالموں پر عذاب نازل فرمائیں گے تو آپ کو ظالموں کے ساتھ شامل نہیں رکھیں گے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا کی تعلیم فرمائی تاکہ آپ کا اجر و ثواب زیادہ ہو اور تاکہ آپ ہر وقت اپنے رب کو یاد کرنے والے ہوں۔

اس آیت میں ظالمین سے مراد کفار ہیں اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مصیبت اور عذاب بعض اوقات نیکوکاروں پر بھی پہنچ سکتا ہے اور اللہ جو چاہیں کریں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔ (الانبیاء: ۲۳)" (وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کے متعلق ان سے سوال نہیں کیا جائے گا اور مخلوق سے ان کے کیے ہوئے ہر کام کے متعلق سوال کیا جائے گا)۔

ظالموں سے عذاب کو مؤخر کرنے کی حکمت

اگر اللہ عزوجل نیک لوگوں کو عذاب دیں تو یہ اللہ عزوجل کا ظلم نہیں ہوگا اور نہ ان کا یہ فعل قبیح ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو عذاب دینے پر قادر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے عذاب کو مؤخر فرمادیتے ہیں، کیونکہ اللہ عزوجل کو علم ہے کہ ان میں سے بعض ایمان لے آئیں گے اور بعض کی نسلوں میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں گے۔ اور یا اس لئے عذاب کو مؤخر فرمادیتے ہیں کہ جب تک آپ ان کے درمیان موجود ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم آپ کو اس عذاب کے دکھانے پر قادر ہیں جس کی ہم نے ان کو وعید فرمائی ہےO'' (المومنون:۹۵)

''وَ اِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ'': اس آیت میں یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ جو چیز معلوم کے خلاف ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین میں بھوک کا عذاب دکھایا اور ان کو تلواروں سے قتل کرنے کا عذاب دکھایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والے مسلمانوں کو اس عذاب سے محفوظ رکھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ عمدہ خصلت کے ساتھ برائی کو دور کیجئے، اور یہ مشرکین ہمارے متعلق جو باطل صفات بیان کرتے ہیں ہم ان کو خوب جانتے ہیںO'' (المومنون:۹۶)

کس قسم کی برائیوں سے درگزر کرنے کا حکم ہے؟

''اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ'': اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرکین کی زیادتیوں پر درگزر کرنے کا حکم فرمایا ہے اور مکارم اخلاق کی تعلیم فرمائی ہے، پس ان میں سے جو امور اس امت کے آپس کے معاملات کے متعلق ہیں وہ دائماً باقی ہیں۔ اور جو امور کفار سے معاملات کے متعلق ہیں اور ان سے تعرض نہ کرنے کے متعلق ہیں اور درگزر کرنے کے متعلق ہیں، وہ آیت قتال سے منسوخ ہیں۔ ''نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ'': یعنی ہمیں معلوم ہے جو یہ کفار شرک کرتے ہیں اور آپ کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق بھی کفار کے معاملات کے ساتھ ہے۔

اس آیت میں آپ کو کفار کی زیادتیوں کے خلاف بردباری کرنے اور درگزر کرنے کا حکم فرمایا ہے، یعنی ان میں سے جو لوگ آپ کو ایذاء پہنچائیں اور کوئی مکروہ کام کریں تو آپ اس کا جواب برائی سے نہ دیں۔

''التاویلات النجمیہ'' میں مذکور ہے کہ برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ دینا ہر چند کہ جائز ہے لیکن معاف کر دینا بہت عمدہ ہے، شیخ سعدی فرماتے ہیں:

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من اساء

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو، اور جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کردو، پس ایک مرد نے سوال کیا: یارسول اللہ! کیا میرے ماں باپ کے فوت ہونے کے بعد بھی اُن کے ساتھ کوئی نیکی کرنا باقی ہے؟ آپ نے فرمایا: اپنے ماں باپ کے لیے استغفار کرو اور اُن کی وصیت کو پورا کرو اور اُن کے دوستوں کی تعظیم کرو اور صلۂ رحم کرو۔

(شعب الایمان للبیہقی: ۷۵۸۵، مسند احمد: ۱۷۳۵۲، الجامع الکبیر للسنن والمسانید ج۹ ص ۳۸۰، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر ج ۶ ص ۲۲۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ دعا کیجئے: اے میرے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں سے آپ کی پناہ

میں آتا ہوں O اور میں اس سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں کہ وہ شیاطین میرے پاس حاضر ہوں O"
(المؤمنون: ۹۷_۹۸)

"هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ" کا معنی

"وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ O وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ":

اس آیت میں فرمایا ہے: "مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ"۔ "هَمَزٰتِ" "همزة" کی جمع ہے اور همز کا معنی لغت میں ٹھونگ مارنا اور دفع کرنا ہے۔ جب کوئی کسی کو ٹھونگ مارے اور دفع کرے تو کہا جاتا ہے "همزه ولمزه"۔ اللیث نے کہا: الهمز کا معنی ہے: پس پشت برائی کرنا اور اللمز کا معنی ہے: سامنے برائی کرنا۔ اور شیطان وسوسے ڈالتا ہے اور ابن آدم کے سینہ میں برے کام القاء کرتا ہے۔ اور "اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ" کا یہی معنی ہے۔ یعنی شیطان دل میں جو ایسے وسوسے ڈالے جس سے بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کر سکے، اس سے اے اللہ! میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھنے کے لیے تکبیر تحریمہ پڑھتے تو یہ دعا کرتے: "سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالٰى جدك ولا اله غيرك" (اے اللہ! آپ سبحان ہیں اور آپ کی حمد ہے اور آپ کا نام برکت والا ہے اور آپ کی بزرگی بلند ہے اور آپ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے)۔ اور جب آپ تعوذ پڑھتے تو دعا کرتے: "اعوذ بالله من همز الشيطان ونفخه ونفثه" (اے اللہ! میں شیطان کے ٹھونگ مارنے اور اس کے وسوسے ڈالنے سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں)۔ (سنن دار قطنی: ۱۱۳۲، مسند الفاروق لابن کثیر ج ۱ ص ۱۶۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مومنین کو شیطان کے ٹھونگ مارنے اور اس کے وسوسوں سے پناہ طلب کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور "هَمَزٰتِ" سے مراد انسان کے غضب کا وہ جوش ہے جس کو انسان از خود دور کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شیطان تمہارے پاس ہر چیز میں حاضر ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ تمہارے کھانے پر بھی حاضر ہوتا ہے، پس جب تم میں سے کسی ایک کا لقمہ گر جائے تو اس لقمہ پر جو نجاست ہے اس کو ہٹا دے پھر اس کو کھا لے اور اس کو شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔ پھر جب کھانے سے فارغ ہو جائے تو اپنی انگلیوں کو چاٹے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔
(صحیح مسلم: ۲۰۳۳، سنن ابن ماجہ: ۳۲۷۰، سنن ابوداؤد ۳۸۴۵، مسند احمد: ۱۴۲۲۱، المنتخب من مسند عبد بن حمید: ۱۰۶۷، مکارم الاخلاق: ۸۲۷۵، السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۷۳۶، شرح مشکل الآثار: ۲۰۱۱، صحیح ابن حبان: ۵۲۵۳، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۰۱۷۳۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ۳۹۱۸، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۴۶۱۷، شرح السنہ للبغوی: ۲۸۷۷، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر ج ۱۹ ص ۱۳۰)

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: الهمز کا لفظ العصر کی مثل ہے، کہا جاتا ہے: میری ہتھیلی میں جو چیز تھی میں نے اس کو نچوڑ لیا۔ اور شیطان کا همز یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں پر برانگیختہ کرے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو آپ دعا کرتے: "اے اللہ! میں خبث اور خبائث سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں"۔ یعنی میں مذکر شیاطین سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں اور مونث شیاطین سے۔ اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کے شر سے معصوم ہیں اور شیطان عام لوگوں کے

سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے، پس مردوں اور عورتوں میں سے ہر ایک کو بری خواہشات اور بدعات کے وسوسے ڈالتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''حتیٰ کہ جب ان مشرکین میں سے کسی کی موت آئے گی تو وہ کہے گا: اے میرے رب! مجھے واپس دنیا میں بھیج دیں O'' (المؤمنون:۹۹)

دنیا میں دوبارہ لوٹ کر جانے کی خواہش کا سب کے لیے عام ہونا

''حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ'': اب دوبارہ کلام میں مشرکین کا ذکر فرمایا ہے، پھر مشرکین کے خلاف استدلال فرمایا اور ان کے سامنے ہر چیز پر اپنی قدرت کو یاد دلایا، پھر فرمایا کہ یہ لوگ اپنے کفر اور شرک پر اصرار کرتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی ایک کے پاس موت آتی ہے تو ان کو اپنی گمراہی پر یقین ہو جاتا ہے اور ان فرشتوں کو دیکھتے ہیں جو ان کی روح کو قبض کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓىٕكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ۔ (الانفال:۵۰)'' (اور (اے رسول اکرم!) کاش! آپ وہ منظر دیکھتے جب فرشتے کفار کے جسموں سے اُن کی روحیں نکالتے ہیں (تو آپ ہولناک منظر دیکھتے) فرشتے ان کے مونہوں پر اور پیٹھوں پر ضرب لگاتے ہیں اور کہتے ہیں: ''آگ کا عذاب چکھو'')۔ اس وقت یہ کہتے ہیں: ''رَبِّ ارْجِعُوْنِ'' اور دنیا میں واپس جانے کی تمنا کرتے ہیں تا کہ دنیا میں جا کر پھر نیک عمل کریں۔ اور کبھی اُن کا یہ قول اُن کے دل میں ہوتا ہے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ یَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ یَقُوْلُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ (المجادلہ:۸)'' (اے رسول اکرم!) کیا آپ نے ان یہودیوں کو نہیں دیکھا جنہیں بری سرگوشی سے منع فرمایا گیا تھا (مگر وہ) پھر وہی کام کرتے ہیں جس سے انہیں منع فرمایا گیا تھا، اور وہ آپس میں گناہ اور حد سے بڑھنے اور رسول کی نافرمانی کے مشورے کرتے ہیں، اور جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو آپ کو ان لفظوں سے سلام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ کے اعزاز میں نہیں فرمائے اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں: ''اللہ ہمارے ان الفاظ پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟'' ان کے لئے جہنم کافی ہے، اس میں داخل ہوں گے تو وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے)۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ دنیا میں واپس لوٹ کر جانے اور نیک کام کرنے کا سوال کافر کے ساتھ خاص نہیں ہے، کیونکہ مومن بھی اس کا سوال کرے گا جیسا کہ سورۂ منافقین کے آخر میں ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ وَ لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (المنافقون:۱۰۔۱۱)'' (اور جو کچھ ہم نے تمہیں عطا فرمایا اس میں سے کچھ ہماری راہ میں اس سے پہلے خرچ کرو کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے تو وہ کہنے لگے: ''اے میرے رب! آپ نے مجھے تھوڑی مدت تک مہلت کیوں نہ عطا فرمائی کہ میں صدقہ دیتا اور نیکوں میں سے ہو جاتا'' O اور جب کسی جان کی مقرر کی ہوئی مدت آ جائے تو اللہ اس کو ہرگز مہلت عطا نہ فرمائیں گے، اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خوب خبر ہے O)۔

''المومن:۹۹'' اس پر دلالت کرتی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا حتیٰ کہ اس کو اضطراری طور پر علم ہو جائے کہ آیا وہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں سے ہے یا اللہ تعالیٰ کے اعداء میں سے ہے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ دنیا میں واپسی کا سوال نہ کرتا۔ اس کو موت کے آنے سے اور چکھنے سے پہلے اس کا علم ہو جاتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''شاید میں اُن نیک کاموں کو کروں جن کو میں دنیا میں چھوڑ آیا ہوں، ہرگز نہیں! یہ بس ان کی زبان سے کہی ہوئی ایک بات ہے، اور ان سب مرنے والوں کے لیے قیامت کے دن تک ایک پردہ ہے O'' (المومنون:۱۰۰)

''لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت میں عمل صالح سے مراد ہے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینا۔

''فِيْمَا تَرَكْتُ'': یعنی جن کاموں کو میں نے ضائع کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر عمل نہیں کیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ''فِيْمَا تَرَكْتُ'' کا معنی ہے: میں نے جو مال چھوڑا اس مال کا میں صدقہ کروں۔ اور جو شخص دنیا میں واپسی کا سوال کرے گا یہ وہ شخص ہوگا جس کو عذاب کا یقین ہو چکا ہوگا۔

''كَلَّا'': یہ اس کی بات کو رد کرنے کا کلمہ ہے، یعنی معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح اس نے گمان کیا ہے کہ اس کو دنیا کی طرف واپس بھیج دیا جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگر اس کی دعا قبول کر لی جاتی تب بھی وہ دنیا میں جا کر نیک کام نہ کرتا جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ'' (الانعام:۲۸) (بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ اب ان پر وہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے جس کو وہ اس سے پہلے چھپاتے تھے، اور اگر وہ (بالفرض دنیا کی طرف) پھر لوٹا دیے گئے تو پھر وہی کچھ کریں گے جس سے ان کو منع فرمایا گیا تھا، اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں)۔

برزخ کے مصداق کے متعلق مختلف اقوال

علامہ سید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ، لکھتے ہیں:

ہر دو چیزوں کے درمیان کو برزخ کہتے ہیں۔ علامہ الجوہری نے ''الصحاح'' میں لکھا ہے: جو چیز دو چیزوں کے درمیان حائل ہو وہ برزخ ہے۔ دنیا اور آخرت کے درمیان حشر سے پہلے موت کے وقت سے لے کر قیامت تک کا وقت برزخ ہے۔ الفراء نے کہا: موت کے وقت سے لے کر حشر کے وقت تک برزخ ہے اور جو شخص مر گیا وہ برزخ میں داخل ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے برزخ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ایمان کا اول اللہ عزوجل کا اقرار ہے اور ایمان کا آخری درجہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے، یا شک اور یقین کے درمیان براز خ ہیں۔

(تاج العروس من جواہر القاموس، ج ۷ ص ۳۲-۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، برزخ کے متعلق لکھتے ہیں:

بعض مفسرین نے کہا: برزخ وہ ہے جو دو چیزوں کے درمیان ہو، اور بعض مفسرین نے کہا کہ الکلبی اور قتادہ نے کہا ہے کہ موت

اور مرنے کے بعد اٹھنے کا جو زمانہ ہے وہ برزخ ہے، اور مجاہد نے کہا: مرنے اور دنیا کی طرف لوٹنے کے درمیان جو پردہ ہے وہ برزخ ہے۔ الکلبی اور ابوعبیدہ نے کہا کہ دنیا اور آخرت کے درمیان جو زمانہ ہے وہ برزخ ہے۔ برزخ کا اصل معنی ہے حاجز اور مانع۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا۔(الفرقان:۵۳)'' (اور اللہ ہی وہ ذات ہے جنہوں نے دو سمندر جاری فرمائے، ایک میٹھا ہے انتہائی میٹھا اور دوسرا کھاری ہے انتہائی کڑوا، اور ان کے درمیان ایک پردہ رکھا اور مضبوط آڑ قائم فرمائی)۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۷ ص ۴۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد السمر قندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، برزخ کے متعلق لکھتے ہیں:

''البرزخ'' دنیا اور آخرت کے درمیان ہے، ہر وہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو وہ برزخ ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دو مرتبہ صور میں پھونکنے کے درمیان جو زمانہ ہے وہ برزخ ہے۔ حسن بصری نے کہا: قبر دنیا اور آخرت کے درمیان ہے اور وہ برزخ ہے۔(تفسیر السمر قندی ج ۲ ص ۳۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، برزخ کے متعلق لکھتے ہیں:

البرزخ کا معنی ہے جو چیز دو چیزوں کے درمیان حاجز اور مانع ہو، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ۔(الرحمٰن:۲۰)'' (ان دونوں سمندروں کے درمیان ایسی حد ہے کہ وہ ایک دوسرے کی طرف بڑھ نہیں سکتے)۔ المومنون:۱۰۰ کا یہ معنی نہیں ہے کہ قیامت کے دن لوگ لوٹ جائیں گے، بلکہ اس میں کلی طور پر فرمایا ہے کہ مرنے کے بعد اٹھنے کے لیے سوائے آخرت کے اور کوئی جگہ نہیں ہے۔(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۹۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، برزخ کے متعلق لکھتے ہیں:

''وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ'': یعنی اُن کے آگے اور اُن کے سامنے برزخ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اُن کے پیچھے برزخ ہے۔ ''برزخ'' موت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے درمیان کے زمانہ کا نام ہے، یہ الضحاک، مجاہد اور ابن زید کا قول ہے۔ اور مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ برزخ وہ چیز ہے جو دنیا میں موت اور رجوع کی طرف پردہ ہے، اور الضحاک نے کہا: دنیا اور آخرت کے درمیان جو زمانہ ہے وہ برزخ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: برزخ حجاب کا نام ہے۔ السدی نے کہا: برزخ اجل کا نام ہے۔ قتادہ نے کہا: دنیا کے باقی زمانہ کا نام ہے۔ ابن عیسیٰ نے کہا: قیامت تک کی مہلت کا نام برزخ ہے۔ الکلبی نے کہا: دو بار صور میں پھونکنے کے درمیانی عرصہ کا نام برزخ ہے اور ان کے درمیان چالیس سال ہیں۔ اور یہ اقوال متقارب ہیں۔ اور ہر وہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو وہ برزخ ہے۔ الجوہری نے کہا: دو چیزوں کے درمیان حائل برزخ ہے۔ اور برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان موت کے وقت سے لے کر دوبارہ اٹھائے جانے تک کے وقت کا نام ہے، پس جو شخص مر گیا وہ برزخ میں داخل ہو گیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب دوسری بار صور میں پھونکا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان رشتہ داریاں نہیں رہیں گی اور نہ وہ ایک دوسرے سے ان رشتوں کے متعلق سوال کریں گے O'' (المومنون:۱۰۱)

کون سے صور میں پھونکنے کے وقت ایک دوسرے سے سوال نہیں کیا جائے گا؟

"فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىٕذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ": اس صور میں پھونکنے سے مراد ہے دوسری بار صور میں پھونکنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آخرت میں لوگ اپنے نسب کی وجہ سے دوسروں پر فخر نہیں کریں گے جیسا کہ دنیا میں فخر کرتے تھے اور نہ آخرت میں دوسروں سے اس طرح سوال کریں گے جس طرح دنیا میں سوال کرتے تھے کہ تم کس قبیلے سے ہو اور تمہارا کون سا نسب ہے، اور نہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے کیونکہ قیامت کی ہولناکیاں ان کے دل و دماغ سے ان چیزوں کو محو کر دیں گی۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ یہ پہلی بار صور میں پھونکنے کے وقت ہوگا حتیٰ کہ تمام آسمان والے اور زمینوں والے بے ہوش ہو جائیں گے، ان کے سوا جن کو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، پس اس دن ان کے درمیان کوئی نسب ثابت نہیں ہوگا اور نہ نسب کے بارے میں سوال کیا جائے گا، پھر جب دوسری بار صور میں پھونکا جائے گا تو اس وقت وہ کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے، اور ایک مرد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: "فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ۔ (الصافات: ۵۰)" (تو بعض جنتی سوال کرتے ہوئے دوسرے بعض کی طرف متوجہ ہوں گے)۔ تو انہوں نے کہا: پہلی بار صور میں پھونکنے کے وقت لوگ ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے، کیونکہ روئے زمین پر کوئی زندہ نہیں ہوگا، پس نہ کوئی نسب ہوگا اور نہ ایک دوسرے سے سوال ہوگا۔ اور رہی یہ آیت: "فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ۔ (الصافات: ۵۰)" تو یہ اس وقت ہوگا جب وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے تو پھر ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔

ایک دوسرے سے سوال کرنے کا محمل

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت سے مراد دوسری بار صور میں پھونکنا ہے۔ اور ابو عمر زاذان نے کہا: میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو میں نے دیکھا نیک لوگ مجھ سے پہلے ان کے پاس سبقت کر چکے تھے، میں نے بلند آواز سے کہا: اے عبداللہ ابن مسعود! کیا اس وجہ سے کہ میں عجمی مرد ہوں، آپ نے ان لوگوں کو اپنے قریب رکھا ہے اور مجھے اپنے سے دور کر دیا ہے؟ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کو میرے قریب کرو، پس میں قریب ہوا حتیٰ کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی اور بیٹھنے والا نہیں تھا، پس میں نے ان سے سنا وہ کہہ رہے تھے: کسی بندے یا بندی کا ہاتھ پکڑ کر قیامت کے دن اس کو اولین اور آخرین کے سامنے کھڑا کیا جائے گا، پھر ایک منادی ندا کرے گا: یہ فلاں بن فلاں ہے، جس کا اس کے اوپر کوئی حق ہو وہ آئے اور اپنا حق وصول کرے۔ پس عورت خوش ہوگی کہ اس کا جو حق اس کے باپ پر تھا یا اس کے خاوند پر تھا یا اس کے بھائی پر تھا یا اس کے بیٹے پر تھا اس کو وہ حق دلوایا جائے گا۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: "فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىٕذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ" پس رب سبحانہٗ وتعالیٰ فرمائیں گے: ان لوگوں کو ان کے حقوق ادا کرو، پس کوئی شخص کہے گا: اے رب! دنیا تو ختم ہو چکی ہے، میں کہاں سے ان کو ان کے حقوق ادا کروں، تب رب عزوجل فرشتوں سے فرمائیں گے: اس کی نیکیوں میں سے لو اور ہر انسان کو اس کے مطالبے کے برابر نیکیاں دے دو، پس اگر وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہوگا تو اس کی نیکیوں میں اضافہ فرمایا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ ان کو دوگنا چوگنا کر کے اس

شخص کو جنت میں داخل فرما دیں گے۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: "اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَ یُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ۔ (النساء: ۴۰)" (بے شک اللہ کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتے، اور اگر کسی کی نیکی ہو تو اس کو دگنا فرما دیتے ہیں، اور اپنے پاس سے اسے بہت بڑا اجر عطا فرماتے ہیں)۔ اور اگر وہ شخص بدبخت ہوگا تو فرشتے کہیں گے: اے ہمارے رب اس شخص کی نیکیاں ختم ہو چکیں اور اس سے حقوق کا مطالبہ کرنے والے باقی ہیں، تو اللہ عزوجل فرمائیں گے: اس کے اعمال میں ان لوگوں کے برے اعمال ملا دو اور پھر اس کو جہنم میں دھکا دو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس جن کی نیکیوں کے پلڑے میزان میں بھاری ہوں گے وہی لوگ کامیاب ہوں گے O اور جن لوگوں کی نیکیوں کے پلڑے میزان میں ہلکے ہوں گے، سو یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا، وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہیں O" (المؤمنون: ۱۰۲۔۱۰۳)

"فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ": اس آیت میں موازین کا ذکر ہے اور اس سے مراد عقائد اور اعمال ہیں، پس جس شخص کے عقائد صحیح ہوں گے اور اعمال نیک ہوں گے ان کا وزن ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی قدر ہوگی۔

"فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ": یعنی وہ ہر تکلیف دہ چیز سے نجات پا جائیں گے۔

"وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ": اور جن کے عقائد اور اعمال ایسے نہ ہوں جن کی اللہ عزوجل کے نزدیک کوئی قدر و منزلت ہو اور وہ لوگ کفار ہیں، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ۔ (الکہف: ۱۰۵)" (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا اور اُن سے ملاقات کا کفر کیا، سو اُن کے تمام اعمال ضائع ہو گئے، ہم قیامت کے دن ان کے اعمال کا کوئی وزن نہیں فرمائیں گے)۔

"فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ": یعنی ان لوگوں نے اپنے اعمال ضائع کر دیے اور وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "دوزخ کی آگ ان کے چہروں کو جھلسا دے گی اور ان کے ہونٹ دانتوں سے کھلے ہوئے ہوں گے O" (المؤمنون: ۱۰۴)

"كٰلِحُوْنَ" کا معنی

"تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَ هُمْ فِیْهَا كٰلِحُوْنَ": الکالح وہ شخص ہے جس کے دونوں ہونٹ ایک دوسرے سے دور ہو جائیں اور اس کے دانت ظاہر ہو جائیں، اس کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وَ هُمْ فِیْهَا كٰلِحُوْنَ ۔ (المؤمنون: ۱۰۴)"، آپ نے فرمایا: آگ اس کو جلا کر بھون ڈالے گی تو اس کا اوپر والا ہونٹ بلند ہو کر دماغ کے سر تک پہنچ جائے گا اور اس کا نچلا ہونٹ لٹک جائے گا حتیٰ کہ اس کی ناف سے ٹکرائے گا۔ (سنن ترمذی: ۳۱۷۶، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۹۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اللہ فرمائیں گے:) کیا تم پر دنیا میں میری آیتوں کی تلاوت نہیں کی جاتی تھی، سو تم ان آیتوں کو جھٹلاتے تھے○ وہ (کفار) کہیں گے: اے ہمارے رب! ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی تھی اور ہم گمراہ لوگ تھے○" (المؤمنون: ۱۰۵۔۱۰۶)

"اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ○ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ":

اس کی تفسیر یہ ہے کہ کفار نے کہا: ہم پر دنیا کی لذات اور خواہشات غالب آ گئیں جنہوں نے ہمیں اس حال تک پہنچا دیا۔ ابوتراب نے کہا: الشقوۃ کا معنی ہے: اپنے نفس کے ساتھ نیک گمان کرنا اور مخلوق کے ساتھ بدگمانی کرنا۔ اور ہم اس وجہ سے حق سے گمراہ ہو گئے، اس لیے ہم نے جو کیا اور کیا اور اللہ اور ان کے رسول کی تکذیب کی اور باقی نافرمانیاں کیں۔

اس آیت کی نظیر یہ ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۔ (النساء: ۱۰)" (بے شک جو لوگ ظلم کر کے یتیموں کے اموال کھاتے ہیں وہ صرف اپنے پیٹوں میں آگ کو بھر رہے ہیں، اور وہ عنقریب دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے)، کیونکہ یتیم لوگوں کا مال ظلماً کھانا ان کو دوزخ تک پہنچائے گا۔ اور دوسرا قول ہے کہ جو چیز آپ کے علم میں پہلے سے موجود ہے اور لوح محفوظ میں ہمارے متعلق شقاوت لکھ دی گئی تھی۔

"وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ": یعنی ہم نے جو کچھ کیا تو ہم نے ہدایت سے گمراہ ہونے کی وجہ سے کیا، اور یہ اُن کا عذر نہیں ہے بلکہ اُن کا اپنی گمراہی کا اقرار ہے جیسا کہ اس کے بعد فرمایا ہے:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے ہمارے رب! ہمیں اس دوزخ سے نکال دیں، پھر اگر ہم کفر کی طرف لوٹیں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے○" (المؤمنون: ۱۰۷)

"رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ": وہ دنیا کی طرف لوٹنے کو طلب کریں گے جیسا کہ موت کے وقت انہوں نے طلب کیا تھا کہ اگر ہم نے دوبارہ کفر کیا تو ہم ظالم لوگ ہوں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اللہ فرمائیں گے: دفع ہو جاؤ اور مجھ سے بات نہ کرو○" (المؤمنون: ۱۰۸)

اہلِ دوزخ کے نجات کے سوال کو رد فرما دینا

"قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ": تب انہیں ایک ہزار سال کے بعد جواب دیا جائے گا کہ تم جہنم میں دور چلے جاؤ، جیسا کہ کتے سے کہا جاتا ہے دفع ہو جا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہلِ جہنم دوزخ کے محافظ مالک کو چالیس سال تک پکارتے رہیں گے اور وہ اُن کو جواب نہیں دیں گے، پھر اُن کو جواب دیں گے کہ مالک کے سامنے تمہاری دعا ضائع ہو گئی، پھر وہ اپنے رب سے دعا کریں گے: "رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۔ (المؤمنون: ۱۰۷)"۔ پھر اُن سے دنیا کی مقدار کے برابر دو مرتبہ سکوت کیا جائے گا، پھر اُن کو اللہ عزوجل جواب دیں گے کہ تم دوزخ میں دفع ہو جاؤ۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل دوزخ پر بھوک ڈال دی جائے گی جو اُن پر نازل فرمائے ہوئے عذاب کے برابر ہوگی، پھر وہ فریاد کریں گے، پھر ان کو آگ کے کانٹے دیے جائیں گے جو نہ ان کو فربہ کریں گے اور نہ ان سے بھوک کو دور کریں گے، پھر وہ طعام کے لیے فریاد کریں گے تو اُن کو ایسا کھانا دیا جائے گا جو حلق سے نیچے نہیں اتر سکے گا، پھر وہ پانی کے لیے فریاد کریں گے تو اُن کو گرم پانی دیا جائے گا جو اُن کے چہرے کو جھلسا دے گا اور جب ان کے پیٹوں میں پہنچے گا تو ان کے پیٹوں کو کاٹ ڈالے گا، پھر وہ جہنم کے محافظوں کو پکاریں گے تو وہ کہیں گے: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "قَالُوْۤا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ" (المومن: ۵۰) (وہ کہیں گے: "کیا تمہارے رسول تمہارے پاس روشن معجزات لے کر نہیں آتے تھے؟" دوزخی کہیں گے: "کیوں نہیں؟" وہ کہیں گے: "پھر تم خود ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا تو صرف بھٹکنے کے لیے ہے")۔۔۔ الحدیث۔ (سنن ترمذی: ۲۵۸۶)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک میرے بندوں میں سے ایک فریق یہ کہتا تھا: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، سو آپ ہماری مغفرت فرمادیں اور ہم پر رحم فرمائیں اور آپ سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیں ○ سو تم نے (میرے اُن بندوں کو) مذاق اڑانے کا نشانہ بنایا حتیٰ کہ اس مذاق اڑانے نے تم سے میری یاد بھلادی اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے ○ بے شک آج میں نے ان کو ان کے صبر کی جزا عطا فرمائی ہے، بے شک وہی کامیاب ہیں ○" (المومنون: ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱)

فقراء مسلمین کی تعظیم اور توقیر

"اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ":
مجاہد نے کہا: یہ حضرت بلال، حضرت خباب اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہم تھے اور فلاں اور فلاں کمزور مسلمانوں میں سے تھے۔ اور ابوجہل اور اس کے اصحاب ان کا مذاق اڑاتے تھے، تو وہ مومنین دنیا میں یہ کہتے تھے: اے ہمارے رب! ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی طرف سے جو احکام اور پیغامات آئے ہم نے ان سب کی تصدیق کی، سو آپ ہماری مغفرت فرمائیں، ہم پر رحم فرمائیں، اپنی نعمتیں ہم کو عطا فرمائیں، جن میں سے بڑی نعمت دوزخ سے نجات ہے اور جنت کے حصول کی کامیابی ہے، اور آپ سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیں، کیونکہ آپ کی رحمت ہر رحمت کا منبع ہے۔

"فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ": پس اے کافرو! تم نے ان فقراء مسلمین کو اپنے مذاق کا نشانہ بنایا اور اُن کو اس دعا سے روک دیا، کیونکہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے والوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اور تم نے ان کا مذاق اڑانے کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے میرے ذکر اور میری یاد کو بھلادیا۔ اور تم اُن مومنین کا مذاق اڑاتے تھے، کیونکہ مومنین کا مذاق اڑانے کے سبب سے وہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور ان کے ذکر سے غافل ہو گئے تھے، اس لیے اس یاد کے بھلانے اور غفلت کا اسناد مومنین کی طرف فرمایا۔

"اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ": چونکہ ان فقراء مسلمین نے تمہاری ایذاء رسانی کو برداشت کیا اور

میری اطاعت کرنے پر صبر کیا، سو یہی لوگ اخروی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔ یعنی میں آج اُن کو جنت کے حصول کی کامیابی کی جزا عطا فرماؤں گا۔ اسی معنی کی طرف اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے: ''فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ۔۔ (المطففین: ۳۴)'' (تو آج ایمان والے کافروں پر ہنسیں گے)۔ اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے اس پر خبردار فرمایا ہے کہ کمزور مسلمانوں اور مسکینوں کا مذاق اڑانا اور ان کو حقارت سے دیکھنا خود کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ فرمائیں گے: تم زمین میں کتنے سال رہے ہو؟ O وہ کہیں گے: ہم ایک دن رہے تھے یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے، پس آپ (اعمال کا) شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے O'' (المومنون: ۱۱۲۔۱۱۳)

دنیا میں قیام کی مدت کے سوال کا محمل

''قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ'': ایک قول یہ ہے کہ قبور میں مشرکین سے سوال کیا جائے گا کہ تم کتنی مدت زمین میں رہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تم دنیا کے اندر کتنی مدت تک زندہ رہے تھے۔ اور یہ سوال مشرکین سے قیامت کے میدانوں میں ہوگا یا دوزخ میں ہوگا۔ ''قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ'': مشرکین کو دوزخ میں جو عذاب دیا جائے گا، اس عذاب کی شدت سے وہ بھول جائیں گے کہ وہ قبروں میں کتنی مدت تک رہے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دو صور پھونکنے کی مدت کے درمیان وہ بھول جائیں گے کہ وہ قبروں میں کتنا عرصہ عذاب میں رہے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ پہلی بار صور میں پھونکنے سے لے کر دوسری بار صور میں پھونکنے تک کی مدت میں جو رہے تھے وہ اُن کو ان دنوں کی گنتی بھلا دے گی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ دنیا میں جتنی مدت رہے تھے اور قبور میں جتنی مدت رہے تھے، اس کو آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں کم شمار کریں گے، کیونکہ خوشی کے ایام درد اور تکلیف کے ایام کے مقابلہ میں کم معلوم ہوتے ہیں۔

''فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ'': قتادہ نے کہا: آپ حساب کرنے والوں سے سوال کیجئے، وہ اس مدت کو جانتے ہیں، ہم تو اس مدت کو بھول چکے ہیں۔ مجاہد نے کہا: آپ اُن فرشتوں سے سوال کیجئے جو ہمارے ساتھ دنیا میں تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ فرمائیں گے: تم (آخرت کے مقابلہ میں دنیا میں) تھوڑی مدت رہے ہو، کاش! تمہیں علم ہوتا O'' (المومنون: ۱۱۴)

''قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ'': یعنی تم زمین میں تھوڑا عرصہ رہے ہو، کیونکہ ان کا قبروں میں رہنا اگرچہ بہت طویل زمانہ تک تھا لیکن دوزخ میں جتنی مدت انہیں عذاب دیا جائے گا، چونکہ وہ عذاب غیر متناہی مدت تک کے لیے ہوگا اس لیے وہ قبروں میں رہائش کی مدت کے مقابلہ میں کم ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ ہم نے تم کو محض بے مقصد پیدا فرمایا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے؟ O'' (المومنون: ۱۱۵)

انسانوں کی تخلیق کا عبث نہ ہونا

"اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا": یعنی کیا تم نے یہ گمان کرلیا تھا کہ ہم نے تم کو عبث اور مہمل پیدا فرمایا ہے جیسا کہ جانوروں کو پیدا فرمایا جاتا ہے، نہ اُن کے لیے کوئی ثواب ہوتا ہے اور نہ ان پر کوئی عذاب ہوتا ہے۔ یہ آیت اس آیت کی نظیر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى۔ (القیامہ:۳۶)" (کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اسے یوں ہی بے لگام چھوڑ دیا جائے گا؟)۔ یعنی جانوروں کی طرح مہمل، بے فائدہ چھوڑ دیا جائے گا۔

حکیم ترمذی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو بندوں کی صورت میں پیدا فرمایا تا کہ وہ ان کی عبادت کریں، اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی عبادت پر ثواب عطا فرمائیں اور عبادت کے ترک کرنے پر ان کو عذاب دیں۔ پس اگر انہوں نے اللہ عزوجل کی عبادت کی تو وہ آج کے دن آزاد اور معزز غلاموں کی طرح ہوں گے جنہیں دنیا کی غلامی سے آزاد فرمادیا گیا ہوگا۔ اور اگر انہوں نے اللہ عزوجل کی عبادت کو ترک کردیا تو وہ آج کے دن بھاگے ہوئے غلاموں کی طرح ہوں گے اور ملامت زدہ ہوں گے اور کل وہ دوزخ کے قید خانوں میں قید ہوں گے۔

"وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ": اور تم نے یہ گمان کرلیا تھا کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے۔ یعنی تم نے شدید غفلت کی وجہ سے یہ گمان کرلیا تھا کہ ہم نے تم کو کسی حکمت کے بغیر پیدا فرمایا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے، یعنی تم نے یہ گمان کرلیا تھا کہ تمہیں کسی منفعت یا کسی ضرر کے بغیر پیدا فرمایا ہے حتیٰ کہ تم نے اس طرح زندگی گزاری جس طرح جانور زندگی گزارتے ہیں، تم نے نیک اعمال کے ساتھ ہمارا قرب حاصل نہیں کیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس اللہ بے مقصد کام کرنے سے بہت بلند ہیں، وہ سچے بادشاہ ہیں، ان کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور وہی عزت والے عرش کے رب ہیں ○" (المومنون:۱۱۶)

"فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ": یعنی اللہ عزوجل اولاد سے اور شرکاء سے منزہ اور مقدس ہیں، اور اس بات سے منزہ ہیں کہ وہ کسی چیز کو بے مقصد اور بے فائدہ پیدا فرمائیں، کیونکہ وہ حکیم ہیں۔ اللہ عزوجل اپنی ذات سے مخلوقین کی مماثلت کی ذات اور صفات اور اُن کے افعال سے بلند ہیں۔ اور اس بات سے بلند ہیں کہ اُن کے افعال کسی حکمت اور مصلحت کے بغیر ہوں۔ اور وہ برحق بادشاہ ہیں، انہوں نے ہی مخلوق کو ابتداءً پیدا فرمایا اور وہی اُن کو فنا فرمائیں گے اور وہی ان کو دوبارہ زندہ فرمائیں گے، اور اُن کو اُن کے اعمال کے اعتبار سے ثواب عطا فرمائیں گے اور عذاب دیں گے۔ اور اُن کے سوا ہر چیز اُن کی مملوک ہے اور ان کی مقدور اور مقہور ہے اور سب ان کے ملکِ عظیم کے نیچے ہیں۔ امام غزالی نے کہا: مَلِک وہ ہوتا ہے جو اپنی ذات، صفات اور افعال میں ہر موجود سے مستغنی ہو اور ہر موجود ان کا محتاج ہو۔ اور "المفردات" میں مذکور ہے کہ حق وہ ہیں جو کسی چیز کو بغیر کسی سبب کے اپنی حکمت کے تقاضا سے پیدا فرمانے والے ہوں۔

"لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ": اللہ عزوجل کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، کیونکہ سب ان کے غلام ہیں۔

"رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ": جب وہ عرش کریم کے رب ہیں تو جو عرش کے نیچے ہیں اور موجودات عرش کے احاطہ میں ہیں وہ ان

کے بہ طریق اولیٰ رب ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جو شخص اللہ کے سوا کسی ایسے معبود کی عبادت کرے جس کے معبود ہونے پر اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو اس کا حساب صرف اس کے رب کے پاس ہے، بے شک کافر اخروی کامیابی حاصل نہیں کریں گے O" (المومنون: ۱۱۷)

"وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ": یعنی جو بغیر کسی حجت اور دلیل کے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس سے حساب لیں گے اور اس کو عذاب میں مبتلا فرمائیں گے۔ اور کفار دائمی فلاح نہیں پائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور آپ دعا کیجئے: اے میرے رب! میری مغفرت فرمائیں اور مجھ پر رحم فرمائیں اور آپ سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیں O" (المومنون: ۱۱۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغفرت اور رحمت کے حصول کی دعا کرنے کی حکمت

"وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ": اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغفرت طلب کرنے اور رحم طلب کرنے کی دعا کا حکم فرمایا، یہ جتلانے کے لیے کہ یہ دو دعائیں دنیا کے اہم امور میں سے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی اللہ تعالیٰ نے تمام اگلی اور پچھلی ظاہری خطاؤں کی مغفرت کا اعلان فرما دیا ہے، جب اُن کو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے کا حکم فرمایا ہے تو دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے کی کتنی زیادہ ضرورت ہوگی۔ اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ اپنے کمال محبوبیت اور انتہائی خصوصیت اور نبوت و رسالت کے عظیم مرتبہ کے حصول کے باوجود اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اُن کی رحمت کے محتاج ہیں تو اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اس مرتبہ کے نہیں ہیں اور جن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا نہیں۔ اور اس آیت میں آپ کو یہ بھی حکم فرمایا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے رحم کو طلب کریں، حالانکہ آپ مجسم رحمت ہیں بلکہ رحمۃ للعالمین ہیں اور آپ کی وجہ سے ان گنت گنہگاروں کی مغفرت ہوگی اور اُن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں گے، تو جب آپ کو اللہ تعالیٰ سے رحم طلب کرنے کا حکم فرمایا ہے تو ہم ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے اور رحمت طلب کرنے کی دعا کی کس قدر زیادہ ضرورت ہوگی، پس آپ کی امت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس دعا میں آپ کی اقتدا کریں۔ اور جب اللہ عزوجل اپنے کسی بندہ پر رحم فرمائیں تو پھر اس پر کبھی ناراض نہیں ہوتے، کیونکہ اللہ عزوجل کی رحمت ازلی ہے اور اس میں تغیر نہیں ہوتا۔ اور اللہ عزوجل ارحم الراحمین ہیں، کیونکہ دنیا اور آخرت کی ہر رحمت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سمندروں کا ایک قطرہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کا ایک بیماری میں مبتلا شخص کے پاس سے گزر ہوا تو انہوں نے اس کے کان میں یہ آیت پڑھی: "اَفَحَسِبْتُمْ ...... الخ" تو وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے تندرست ہو گیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم نے کیا پڑھا تھا؟ تو انہوں نے بتایا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر کوئی اس آیت کو پہاڑ پر پڑھے گا تو پہاڑ اپنی جگہ سے زائل ہو جائے گا۔ (مسند ابو یعلی ج ۸ ص ۵۸، ۳ مجمل الیم والملیلہ)

لابن السنی: ۶۳۱، ابونعیم ج ۱ ص ۷)

امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

روایت ہے کہ اس سورت کے اول سے لے کر آخر تک عرش کے خزانوں میں سے ہے، جس شخص نے اس سورت کی پہلی تین آیتوں پر عمل کیا اور اس کی آخری چار آیتوں کے ساتھ نصیحت حاصل کی تو وہ نجات پا جائے گا اور کامیاب ہو جائے گا۔ (اس حدیث کی تخریج نہیں مل سکی)۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرہ کے پاس سے شہد کی مکھیوں کی سی آواز آتی، ایک دن آپ پر وحی نازل فرمائی گئی، ہم تھوڑی دیر ٹھہرے، پھر جب آپ پر وحی کی کیفیت منکشف ہوئی تو آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور اپنے دونوں ہاتھ بلند فرمائے اور یہ دعا کی: اے اللہ! ہمیں زیادہ نعمتیں عطا فرمائیں اور ان سے کمی نہ فرمائیں اور ہماری تکریم فرمائیں اور ہمیں اہانت سے محفوظ فرمائیں اور ہمیں عطا فرمائیں اور ہمیں محروم نہ فرمائیں، اور ہم کو ترجیح عطا فرمائیں اور ہم پر کسی کو ترجیح عطا نہ فرمائیں اور ہم سے راضی ہو جائیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر ایسی دس آیات نازل ہوئی ہیں جس نے ان پر عمل کیا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، پھر آپ نے پڑھا: "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ" سے لے کر دس آیتیں۔ (سنن ترمذی: ۳۱۷۳، مسند احمد: ۲۲۳)، (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ج ۱۲ ص ۱۳۲-۱۳۱، وتفاسیر اخریٰ)
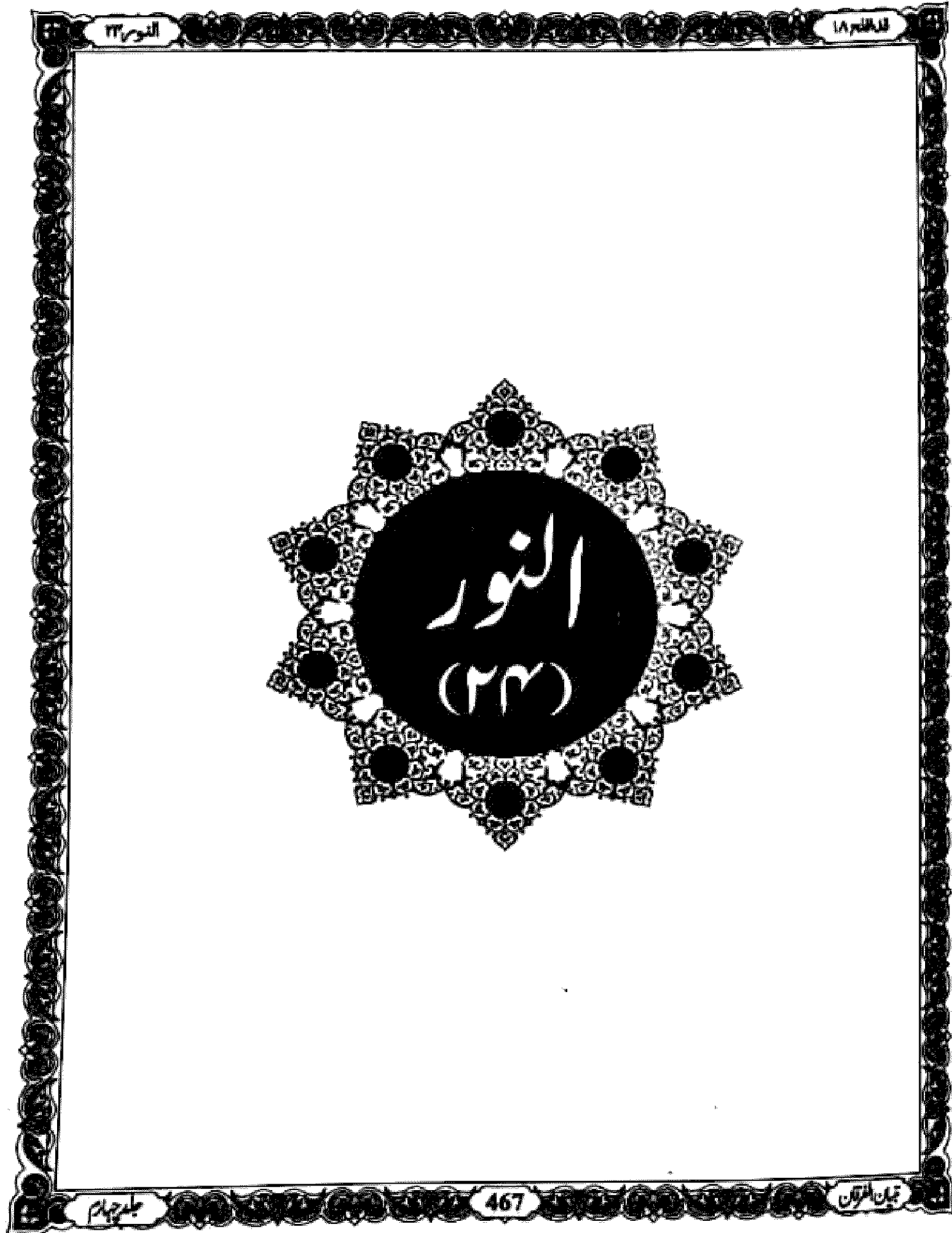
النور
(۲۴)

سورۃ النور کا اجمالی تعارف

سورۃ النور کا نام

اس سورت کا نام سورۃ النور رکھا گیا ہے، کیونکہ اس سورت میں مسلمانوں کی اجتماعی معاشرت کے احکام کو منور فرمایا گیا ہے اور ان کے آداب زندگی کو بیان فرمایا گیا ہے، اور اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں یہ آیت ہے: "اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ـ(النور: ۳۵)" یعنی اللہ عزوجل آسمانوں اور زمینوں کے منور فرمانے والے ہیں۔ پس اللہ عزوجل کے نور سے ہی آسمان اور زمین روشن ہیں اور اُن کے نور سے ہی مومنین ہدایت پاتے ہیں۔

سورۃ النور کے متعلق احادیث

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے مردوں کو سورۃ المائدہ کی تعلیم دو اور اپنی عورتوں کو سورۃ النور کی تعلیم دو۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۲۲۰۵)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سورۃ البقرہ، سورۃ النساء، سورۃ المائدہ، سورۃ الحج اور سورۃ النور کا علم حاصل کرو، کیونکہ ان میں فرائض ہیں۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۳۹۵، طبع قدیم، المستدرک طبع جدید: ۳۵۴۵)

سورۃ النور کے مقاصد اور مسائل

(۱) سورۃ النور کا اہم مسئلہ اور مقصد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین کی لگائی ہوئی تہمت سے براءت ہے۔ اس تہمت کا سبب اور اس کی تفصیل عنقریب اس سورت کی تفسیر میں آجائے گی، ہوا یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رات کو قضائے حاجت کے لیے گئی تھیں اور وہاں اُن سے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے لیا ہوا ہار ٹوٹ کر گر گیا، وہ اس ہار کو تلاش کرنے لگیں اور دیر ہو گئی اور مسلمان آپ کے ہودج کو اٹھا کر لے گئے اور اونٹ پر رکھ دیا، وہ یہ سمجھے تھے کہ آپ اس ہودج میں بیٹھی ہوئی ہیں کیونکہ آپ کا وزن بھاری نہیں تھا، پھر جب قافلہ چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی جگہ بیٹھ گئیں، آپ کو خیال تھا کہ جب لوگ آپ کو گم پائیں گے تو آپ کو تلاش کر کے لے جائیں گے، اسی اثناء میں حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو قافلہ کے پیچھے رہتے تھے تاکہ قافلہ سے جو بچھڑ گیا ہے اس کو ساتھ لے کر آجائیں، انہوں نے حجاب کے احکام آنے سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا ہوا تھا، جب وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرے، آپ سوئی ہوئی تھیں، انہوں نے آپ کو پہچان لیا اور بلند آواز سے کہا: "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیدار ہو گئیں اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے آپ کو اونٹ پر بٹھایا اور قافلہ کے ساتھ ملا دیا۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی اور اُس کے ساتھیوں نے اس واقعہ کو غلط رنگ دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ تہمت لگا دی۔ سو اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کو بیان فرمایا اور آپ کی براءت کے سلسلہ میں دس آیتیں نازل فرمائیں۔ اور جن لوگوں نے بلاوجہ اور بلاثبوت یہ تہمت لگائی تھی ان پر حد قذف لگانے کا حکم فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًاۚ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (النور: ۴)'' (اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں، پھر وہ چار گواہ پیش نہ کریں تو ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو، اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں)۔

(۲) سورۃ النور میں زنا کی حد بیان فرمائی ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اَلزَّانِیَةُ وَ الزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۪ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِۚ وَ لْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (النور: ۲)'' (ہر زنا کرانے والی عورت اور ہر زنا کرنے والے مرد کو سو کوڑے لگاؤ، اور اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کا حکم نافذ کرنے میں ان (زانی اور زانیہ) کی ہمدردی تمہارا ہاتھ نہ پکڑ لے اور چاہئے کہ ان (زانی اور زانیہ) کی سزا کو نافذ کرتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہو)۔

(۳) اس سورت میں مسئلہ لعان بیان فرمایا ہے، یعنی اگر کوئی مسلمان شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے ثبوت میں چار گواہ نہ پیش کر سکے اور اس کی بیوی اس تہمت کا انکار کرے تو فریقین ایک دوسرے پر لعنت کریں، شوہر چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، اور عورت چار مرتبہ اللہ عزوجل کی قسم کھا کر کہے کہ اس کا شوہر یقیناً جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہو تو اس عورت پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ۝ وَ الْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ۝ وَ یَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَۙ۝ وَ الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (النور: ۶۔۹)'' (اور وہ مرد جو اپنی بیویوں پر زنا کا الزام لگائیں اور ان کے پاس ان کی ذات کے علاوہ اگر کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے شخص کی گواہی یہ ہے کہ چار دفعہ اللہ کا نام لے کر گواہی دے کہ وہ الزام لگانے میں یقیناً سچا ہے ○ اور پانچویں گواہی اس طرح دے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو ○ اور یہ طریقہ عورت سے سزا کو ٹال دے گا کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے: ''بے شک مرد (الزام لگانے میں) جھوٹا ہے'' ○ اور پانچویں گواہی اس طرح دے کہ اگر مرد سچا ہے تو عورت پر اللہ کا قہر و غضب نازل ہو)۔

(۴) اس سورت میں یہ اہم قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایک دوسرے کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونا جائز نہیں ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَاؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ (النور: ۲۷)'' (اے ایمان والو! اپنے رہائشی گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ پہلے اجازت لے لو اور گھر والوں کو سلام کر لو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم اس حکم کو یاد رکھو)۔

(۵) اس سورت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کا نام لے کر بلانا جائز نہیں ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ (النور: ۶۳)'' (تم رسول اللہ کے بلانے کو آپس میں وہ حیثیت نہ دو جو تم ایک دوسرے کے بلانے کو دیتے ہو)۔

آیاتہا ۶۴ — ۲۴ سورۃ النور مدنیۃ ۱۰۲ — رکوعاتہا ۹

(سورۃ النور مدنی ہے اور اس میں چونسٹھ آیات اور نو رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

یہ عظیم سورت ہے جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے اور اس میں احکام فرض فرمائے ہیں اور اس میں واضح آیات نازل فرمائی ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَ لْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ②

ہر زناکار عورت اور ہر زناکار مرد میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو، اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کا حکم نازل کرنے میں تمھیں اُن پر رحم نہ آئے، اور اُن پر حد نافذ کرتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہو ○

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ③

زانی مرد صرف زانیہ عورت سے نکاح کرے یا مشرکہ سے اور زانیہ عورت سے صرف زانی مرد یا مشرک نکاح کرے، اور مومنین کا اُن سے نکاح کرنا حرام ہے ○

وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ④ۙ

اور جو مرد پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں پھر اس پر چار گواہ نہیں پیش کرتے، سو تم اُن کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں ○

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

سوا اُن لوگوں کے جو تہمت لگانے کے بعد توبہ کر لیں اور اپنے عمل کی اصلاح کر لیں، سو اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں ۝

وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

اور جو مرد اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور ان کے پاس ان کی اپنی ذات کے سوا اور کوئی گواہ نہیں ہے تو اس شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار دفعہ اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ وہ اس تہمت لگانے میں سچوں میں سے ہے ۝

وَ الْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝

اور پانچویں مرتبہ اس طرح گواہی دے کہ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو ۝

وَ يَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝

اور یہ طریقہ عورت سے سزا کو دور کر دے گا اگر وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک مرد تہمت لگانے میں جھوٹوں میں سے ہے ۝

وَ الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

اور پانچویں مرتبہ اس طرح گواہی دے کہ اگر وہ مرد تہمت لگانے میں سچوں میں سے ہے تو اس عورت پر اللہ کا قہر و غضب نازل ہو ۝

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والے، بہت حکمت والے نہ ہوتے (تو تم کو رسوا فرما دیتے یا تم کو جلد سزا دیتے) ۝

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "یہ عظیم سورت ہے جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے اور اس میں احکام فرض فرمائے ہیں اور اس میں واضح آیات نازل فرمائی ہیں تا کہ تم نصیحت حاصل کرو ۝" (النور: ۱)

سورت اور آیت کا معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ، لکھتے ہیں:

ابوالہیثم نے کہا ہے: ہمارے نزدیک قرآن مجید کی سورت کا معنی ہے کہ وہ قرآن مجید کا ایک ٹکڑا ہو۔ اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کو تدریجاً نازل فرمایا ہے، اور اس کی ہر سورت دوسری سورت سے منفصل ہے اور اس کی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہاء ہے۔

المحکم میں مذکور ہے کہ قرآن مجید کی سورت کو سورت اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کا مضمون دوسرے مضمون سے منفصل ہے، اور جس نے اس پر ہمزہ پڑھا یعنی سُؤر تو اس کا معنی ہے بقیہ، یعنی سورت قرآن مجید کا بقیہ ہے اور اکثر قراء نے اس میں ہمزہ کو ترک کیا ہے۔ اور "البصائر" میں مذکور ہے کہ سور اس دیوار کو کہتے ہیں جو شہر کا احاطہ کئے ہوئے ہوتی ہے، اور قرآن مجید کی سورت کو بھی سورت اس لیے فرمایا گیا ہے کہ وہ متعدد آیات اور احکام کا احاطہ کئے ہوئے ہوتی ہے جس طرح شہر کی دیوار شہر کا احاطہ کیے ہوئے ہوتی ہے۔ (تاج العروس من جواہر القاموس، جز ۱۲ ص ۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، النور: ۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ":

سورۃ النور کا نام سورت رکھا ہے اور اس کی تلاوت کو بھی سورت فرمایا ہے۔ اور دوسری سورتیں جن کی تلاوت کی جاتی ہے ان کو سورت نہیں فرمایا اگرچہ ان کو بھی سورت فرمانا جائز ہے۔ اور اس کو سورت اس لیے فرمایا ہے کہ اس میں فرائض اور آداب سے متعلق بہت زیادہ احکام ہیں، اور لوگوں کو جن امور کی ضرورت ہوتی ہے اس سے متعلق بھی بہت احکام ہیں۔

ابوعوسجہ نے کہا ہے: ہر چیز کے قطعہ اور ٹکڑے کو سورت کہتے ہیں۔ "سَوَّرْتُ الشَّيْءَ" کا معنی ہے میں نے کسی چیز کے ٹکڑے کر دیئے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ سورت کو سورت اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دوسری سورت سے منقطع ہوتی ہے۔ پھر جب بعض سورتیں دوسری سورتوں کے ساتھ مل جائیں تو اس کو قرآن کہا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ۔ (القیامۃ: ۱۷)" (بے شک ہمارے ذمہ ہے اسے محفوظ کرنا اور آپ کا اسے پڑھنا)۔ نیز فرمایا: "فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ (القیامۃ: ۱۸)" (پھر جب ہم اس کو جمع فرمائیں تو آپ اس کی اتباع کریں)، یعنی اس میں جو احکام فرمائے گئے ہیں ان پر عمل کریں اور جو امر اور نہی ہے اس کے تقاضوں پر عمل کریں۔

"وَ فَرَضْنٰهَا": اس آیت کی قراءت دو طرح ہے تشدید کے ساتھ بھی ہے "وَ فَرَّضْنٰهَا" اور بغیر تشدید کے بھی "فَرَضْنٰهَا"۔ یعنی ہم نے اس میں بہ کثرت فرائض اور احکام بیان فرمائے ہیں۔ اور اس میں یہ تفصیل فرمائی ہے کہ کن کاموں کو کیا جائے اور کن کاموں سے اجتناب کیا جائے۔

اور اگر یہ تخفیف کے ساتھ ہو یعنی "فَرَضْنٰهَا" تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس سورت میں جو فرائض اور آداب ہیں اُن کو لازم رکھو۔ القتبی نے کہا ہے: "فَرَضْنٰهَا" کا معنی ہے: ہم نے اس میں جو فرائض بیان فرمائے ہیں۔ اور ابوعوسجہ نے کہا ہے: ہم نے جو اس میں مختلف فرائض نازل فرمائے ہیں۔ اور اگر یہ تشدید کے ساتھ ہو یعنی "فَرَّضْنٰهَا" تو اس کا معنی ہے: ہم نے تم پر جو احکام فرض فرمائے ہیں اور تمہارے بعد والوں پر جو احکام فرض فرمائے ہیں، وہ بہت زیادہ ہیں۔

"وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ": "اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ" سے مراد وہ حجتیں ہیں جو ظاہر ہیں اور جن کو ہر ایک بداہتاً جانتا اور سمجھتا ہے، یا

"اٰيٰتٍ" سے مراد وہ آیات ہیں جس میں چند چیزیں جمع ہوں اور ان کی تلاوت کی جاتی ہو، کیونکہ آیت اس وقت کہا جاتا ہے جب اس میں کلمات اور حروف ہوں اور رہا ایک کلمہ یا ایک حرف تو اس کو آیت نہیں کہا جاتا۔

"لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ": تا کہ اس میں جو نصیحت کی باتیں ذکر فرمائی گئی ہیں، ان سے تم نصیحت حاصل کرو۔ اور اس میں منع فرمائے ہوئے کاموں کو دوبارہ کرنے پر زجر و توبیخ فرمائی گئی ہے اور یہ حدود ہیں جن کا اس میں ذکر فرمایا گیا ہے، کیونکہ وعظ میں دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک وہ جس سے دل نرم پڑ جائیں اور دوسری حدود جن کے ارتکاب پر زجر و توبیخ کی جاتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ہر زنا کار عورت اور ہر زنا کار مرد میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو، اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کا حکم نازل کرنے میں تمہیں اُن پر رحم نہ آئے، اور اُن پر حد نافذ کرتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہو O" (النور: ۲)

النور: ۲ سے النساء: ۱۵ اور ۱۶ کی سزا کے حکم کا منسوخ ہونا

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ، النور: ۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ":

الجلد سے مراد ہے کوڑے کی ضرب، اور اس میں اشارہ ہے کہ اس میں زیادہ مبالغہ نہ کیا جائے تا کہ درد گوشت تک پہنچے۔ اور اس آیت میں ائمہ سے خطاب ہے، کیونکہ حد کو قائم کرنا دین سے ہے اور یہ ہر ایک پر فرض ہے، مگر تمام لوگوں کا حد قائم کرنے پر اجتماع ممکن نہیں ہے، اس لیے ان کے قائم مقام امام ہے۔ اور کوڑے لگانے کا حکم اس آزاد پر ہے جو مُحصِن (یعنی شادی شدہ) نہ ہو، کیونکہ مُحصِن کا حکم رجم کرنا ہے اور احصان کی شرائط میں اس کا آزاد ہونا ہے اور عقل مند ہونا ہے اور بالغ ہونا ہے اور مسلمان ہونا ہے اور اس نے نکاح صحیح کے ساتھ عقد کیا ہو اور دخول ہے۔ اور یہ اس کی دلیل ہے کہ زنا کرنے والوں کو شہر بدر کرنا مشروع نہیں ہے، اور جن احادیث میں شہر بدر کرنے کا حکم ہے وہ اس آیت سے منسوخ ہے، جیسا کہ زنا کرنے والوں کو قید کرنا اور اُن کو اذیت پہنچانا بھی اس آیت سے منسوخ ہے جو درج ذیل آیت سے ثابت ہے:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝" ۔۔ (النساء: ۱۵۔۱۶) "(اور (اے مسلمانو!) تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدکاری کریں تو اُن عورتوں کے خلاف اپنے لوگوں میں سے چار مردوں کی گواہی طلب کرو، پھر اگر چار مرد اُن کے خلاف گواہی دے دیں تو اُن عورتوں کو گھروں میں بند کر دو تا وقتیکہ انہیں موت آجائے، یا اللہ اُن کے لیے کوئی راہ پیدا فرما دے O اور تم میں سے جو دو فرد بدکاری کا ارتکاب کریں تو تم اُن کو ایذاء پہنچاؤ، پس اگر وہ دونوں فرد توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو تم اُن دونوں کو سزا نہ دو، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں)۔

النساء:۱۵، ۱۶ میں جو زنا کرنے والی عورتوں کو گھروں میں قید کرنے اور اُن کو ایذاء پہنچانے کا حکم ہے، وہ النور:۲ سے منسوخ ہو گیا ہے، کیونکہ النور:۲ میں زنا کرنے کی سزا صرف اُن پر سو سو کوڑے مارنا ہے۔

"وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ": اس آیت کا معنی ہے کہ مومنین پر واجب ہے کہ وہ دین کے احکام پر عمل کرنے میں سخت ہوں، اور حدود نافذ کرنے میں اُن کے دلوں میں نرمی پیدا نہ ہو۔ اور حدود کو معطل نہ کریں یا ضرب میں تخفیف نہ کریں۔

"وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ": یعنی جس جگہ حد جاری کی جائے وہاں مومنین کی ایک جماعت حاضر ہو تا کہ وہ لوگ عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں۔ اور کم سے کم اُن کی تعداد تین ہے، یا چار ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ چار سے لے کر چالیس تک مومنین یعنی اللہ عزوجل کے احکام کی تصدیق کرنے والے حاضر ہوں۔

زنا کا لغوی معنی

زنا کا لغوی معنی ہے پہاڑ پر چڑھنا، سائے کا سکڑنا، پیشاب کو روک لینا، حدیث میں ہے:

لایصل احدکم وھو زناء تم میں سے کوئی شخص پیشاب روکنے کی حالت میں نماز نہ پڑھے۔

(مسند الربیع بن حبیب، ج ۱ ص ۶۰، مکتبۃ الثقافۃ العربیہ، بیروت)

اسی طرح حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس حال میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب اور پاخانے کو روک رہا ہو۔ اس حدیث کی سند قوی ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۷۲، موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۹۵، تخلیص الحبیر رقم الحدیث: ۵۶۶، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۷۱، ۶۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کھانا آ جائے تو نماز (کامل) نہیں ہوتی اور نہ اس وقت جب نمازی پیشاب اور پاخانے کو روک رہا ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۹، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۸۰۲، تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۳۳ ص ۱۶۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ زنا کا معنی ہے کسی عورت کے ساتھ بغیر عقد شرعی کے وطی (مباشرت) کرنا۔

(مختار الصحاح ص ۱۷۰، النہایہ ج ۲ ص ۲۸۳، المفردات ج ۱ ص ۲۸۳)

زنا کا شرعی معنی

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: جو شخص دار العدل میں احکام اسلام کا التزام کرنے کے بعد اپنے اختیار سے زندہ مشتہاۃ عورت کی قُبل (اندام نہانی) میں وطی کرے دراں حالیکہ وہ قُبل حقیقتاً ملکیت اور ملکیت کے شبہ اور حق ملک اور حقیقتاً نکاح اور شبہ نکاح اور ملک کے موضع اشتباہ کے شبہ سے خالی ہو۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۳) علامہ ابن ہمام نے بھی یہی تعریف کی ہے۔

(فتح القدیر ج ۷ ص ۳۳ سکھر)

زنا کی تحریم کے متعلق قرآن مجید کی آیات

(۱) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ''۔ (بنی اسرائیل: ۳۲) ''(اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی کا کام ہے اور بہت ہی برا طریقہ ہے)۔

(۲) نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَ لْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ''۔ (النور: ۲) ''(ہر زنا کار عورت اور ہر زنا کار مرد میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو، اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کا حکم نافذ کرنے میں تمہیں اُن پر رحم نہ آئے، اور اُن پر حد نافذ کرتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہو)۔

(۳) نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۙ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۗ ''۔ (الفرقان: ۶۸۔۶۹) ''(اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام فرما دیا ہے اس کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے، اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ سخت عذاب کا سامنا کرے گا ○ قیامت کے دن اس کے عذاب کو دگنا فرما دیا جائے گا اور وہ ہمیشہ ذلت والے عذاب میں رہے گا)۔

(۴) نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ''۔ (الممتحنہ: ۱۲) ''(اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں ان چیزوں پر بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی، نہ چوری کریں گی نہ زنا کریں گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کوئی ایسا بہتان باندھیں گی جس کو وہ خود اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے گھڑ لیں اور نہ کسی نیک کام میں آپ کی حکم عدولی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیں اور ان کے لیے استغفار کریں، بے شک اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔)

زنا کی حرمت کے متعلق احادیث

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت زانی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت شرابی شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت چور چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی لٹیرا کسی شریف آدمی کو لوٹتا ہے اور لوگ اس کو نظریں اٹھا کر دیکھتے ہیں تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۸۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۳۶، شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۳۶۳، تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۶ ص ۸۵، ۸۶، رقم الحدیث: ۱۲۲۳۰، ۱۲۲۳۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے زیادہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا تم اللہ کا شریک بناؤ حالانکہ انہوں نے تم کو پیدا فرمایا ہے، اس نے پوچھا: پھر کون سا ہے؟ فرمایا: تم کھانے کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دو، اس نے پوچھا: پھر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو، پھر اللہ تعالیٰ

نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی: "وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا۔ (الفرقان: ۶۸)" (اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے قتل کو اللہ نے حرام فرما دیا ہو مگر حق کے ساتھ اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے گا اس کو عذاب کا سامنا ہو گا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۶۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۱۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۳۰، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۹۸۷)

(۳) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے: بوڑھا زانی، امام کذاب اور متکبر فقیر۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۱۳۰۸، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۳، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ معمر زانی اور متکبر فقیر کی طرف نہیں دیکھیں گے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۱۹۵، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کا ایک راوی ابن لہیعہ ہے، اس کی حدیث حسن بھی ہوتی ہے اور ضعیف بھی، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عادی زنا کرنے والا بت پرست کی مثل ہے۔

(مساوی الاخلاق للخرائطی رقم الحدیث: ۴۷۷، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۱، تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۴۳ ص ۱۷۳، رقم الحدیث: ۴۹۳۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید سے رجم کا ثبوت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ۔ (المائدہ: ۴۳)" (اور یہ لوگ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم (موجود) ہے)۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ (جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث نمبر: ۴۳۲۵ میں ہے) یہود زنا کرنے والوں سے یہ کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اگر وہ منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کا حکم دیں تو اس پر عمل کرنا اور اگر رجم کا حکم دیں تو ان سے دور رہنا۔ علامہ ابن کثیر نے ان آیات کے شان نزول میں لکھا ہے کہ سنن ابوداؤد میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد اور ایک عورت کا مقدمہ لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا، آپ نے فرمایا: تم اپنے مذہب کے دو سب سے بڑے عالموں کو لاؤ، وہ صوریا کے دو بیٹوں کو لائے، آپ نے ان کو قسم دے کر پوچھا: ان زنا کرنے والوں کا حکم تورات میں کیا لکھا ہے؟ انہوں نے کہا: تورات میں ہے کہ جب چار آدمی یہ گواہی دیں کہ انہوں نے ان کو اس طرح زنا کرتے دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں جاتی ہے تو ان کو رجم کر دیا جائے، آپ نے فرمایا: تم ان کو رجم کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا: ہماری حکومت چلی گئی اور ہم قتل کو ناپسند کرتے ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہوں کو بلایا اور چار آدمیوں نے آ کر یہ گواہی دی کہ انہوں نے اس طرح دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجم کرنے کا حکم فرمایا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ

احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے حکم کے مطابق انہیں رجم کرنے کا حکم فرمایا۔
(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۸ ۔ ۶۹، دار الفکر بیروت)

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

المراد هذا الامر الخاص وهو الرجم لانهم طلبوا الرخصة بالتحكيم۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۳۶۲) اس آیت میں حکم اللہ سے مراد بالخصوص رجم ہے کیونکہ یہودیوں نے رخصت حاصل کرنے کیلئے آپ کو حکم بنایا تھا۔

قرآن مجید اور احادیث میں جو یہ ذکر ہے کہ تورات میں حکم اللہ یعنی رجم موجود ہے، اس کی تفصیل تورات میں حسب ذیل ہے:

پر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے ○ تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ بن گئی۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا ○ (استثناء: ۲۱-۲۲)

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں ○ لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنی ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا ○ (استثناء: ۲۳-۲۴)

یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ تورات میں آج تک یہ آیت موجود ہے حالانکہ ہر دور میں تورات میں تحریف ہوتی رہی، بلکہ قدرت خداوندی دیکھئے کہ یہ آیت انجیل میں بھی موجود ہے، یوحنا کی انجیل میں ہے:

اور فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی اور اسے بیچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا ○ اے استاد! یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہے۔ توریت میں موسیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ایسی عورتوں کو سنگسار کریں۔ پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟ ○ انہوں نے اسے آزمانے کے لیے یہ کہا تا کہ اس پر الزام لگانے کا کوئی سبب نکالیں مگر یسوع جھک کر انگلی سے زمین پر لکھنے لگا ○ جب وہ اس سے سوال کرتے ہی رہے تو اس نے سیدھے ہو کر ان سے کہا کہ جو تم میں بے گناہ ہو وہی پہلے اس کو پتھر مارے ○ (یوحنا: باب ۸ آیت ۳-۸)

تورات اور انجیل کے ان اقتباسات سے یہ واضح ہو گیا کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا حکم پچھلی آسمانی کتابوں میں موجود تھا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اس وقت (نزول قرآن کے وقت) کی موجودہ کتابوں کا جو مصداق قرار دیا ہے وہ اسی حکم کے اعتبار سے ہے اور اللہ کی قدرت ہے کہ ہزارہا تحریفات کے باوجود رجم کا یہ حکم تورات اور انجیل میں آج بھی موجود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زانی یہودیوں کے متعلق جو رجم کا فیصلہ فرمایا تھا اس کے متعلق سورۂ مائدہ میں جو آیات نازل ہوئی تھیں، اسی سیاق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ۔ (المائدہ: ۴۸)" (اور اے رسول اکرم! ہم نے آپ پر حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو ان (آسمانی) کتابوں کی تصدیق فرمانے والی ہے جو اس کے سامنے ہیں اور ان پر نگہبان ہے، سو آپ ان لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے، اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے

اُس سے ہٹ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آسمانی کتابیں تورات اور انجیل موجود تھیں اور خود قرآن مجید ناطق اور شاہد ہے کہ ان کتابوں میں تحریف کی جاچکی ہے، ان کے باوجود قرآن مجید فرماتا ہے کہ قرآن ان کا مصدق اور نگہبان ہے اور جس چیز کا قرآن مجید مصدق ہے وہ رجم کا حکم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم اللہ قرار دیا ہے اور اسی کا قرآن مجید نگہبان ہے اور یہی وجہ ہے کہ آئے دن کی تحریفات کے باوجود تورات اور انجیل میں رجم کا حکم آج بھی موجود ہے اور یہ قرآن مجید کا معجزہ اور اس کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔

رجم کے متعلق احادیث

(۱) شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن ایک عورت کو رجم (سنگسار) کیا تو کہا: میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے رجم کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۲، مسند احمد: ۷۱۸)

(۲) الشیبانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، میں نے پوچھا: سورۂ نور کے نازل ہونے سے پہلے یا بعد، انہوں نے کہا: مجھے پتا نہیں۔
(صحیح البخاری: ۶۸۴۰، صحیح مسلم: ۱۷۰۲، مسند احمد: ۱۸۶۳۷)

(۳) حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم میں سے ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، پس اس نے یہ بیان کیا کہ وہ زنا کر چکا ہے اور اس نے اپنے نفس کے اوپر چار مرتبہ گواہی دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم کرنے کا حکم فرمایا، سو اس کو رجم کیا گیا اور وہ محصن یعنی شادی شدہ تھا۔
(صحیح البخاری: ۵۲۷۰، ۵۲۷۲، ۶۸۱۴، ۶۸۱۶، ۶۸۲۰، ۶۸۲۶، ۷۱۶۸، صحیح مسلم: ۱۶۹۲، سنن ترمذی: ۱۴۲۹، سنن نسائی: ۱۹۵۶، سنن ابوداؤد: ۴۴۳۰، مسند احمد: ۱۴۰۵۳، سنن دارمی: ۲۳۱۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''زانی مرد صرف زانیہ عورت سے نکاح کرے یا مشرکہ سے اور زانیہ عورت سے صرف زانی مرد یا مشرک نکاح کرے، اور مومنین کا اُن سے نکاح کرنا حرام ہے ○'' (النور: ۳)

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، النور: ۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ'':

اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ زانی کے لیے صرف زانیہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے خواہ وہ زانیہ مومنات میں سے ہو یا مشرکہ ہو۔ اسی طرح زانیہ عورت جو مومنات میں سے ہو اس کا پاک دامن مومن مرد سے نکاح جائز نہیں ہے، وہ صرف زانی سے نکاح کرے یا مشرک سے۔ اور اس آیت کے ظاہر میں زانی مرد کے لیے پاک دامن عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور زانیات اور مشرکات عورتوں سے اس کا نکاح کرنا مباح ہے۔ پس اگر ایسا ہو تو اللہ عزوجل کا جو ارشاد ہے: ''وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ۔۔ (البقرۃ: ۲۲۱)'' یعنی مشرک عورتوں سے سوا تم میں سے زانیوں کے اور کسی کا نکاح نہ کرو، کیونکہ زانی مردوں کے لیے جائز ہے کہ وہ مشرک عورتوں سے نکاح کریں، اسی طرح اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِیْنَ۔۔ (البقرۃ: ۲۲۱)'' یعنی تم اپنی

عورتوں کا مشرکین سے نکاح نہ کرو سوائے زانی عورتوں کے، کیونکہ یہ بہ ظاہر حلال ہے لیکن مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ مومن کے لیے جائز نہیں ہے خواہ وہ زانی ہو کہ وہ مشرکہ عورت سے نکاح کرے۔ اسی طرح مشرکہ عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی زانی مومن سے نکاح کرے۔

پھر مفسرین کا اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

مقاتل اور محمد بن اسحاق نے کہا ہے: جو زانی اہلِ کتاب سے ہو وہ صرف اہلِ کتاب میں سے زانیہ عورت یا مشرکہ سے نکاح کرے گا اور زانیہ عورت جو اہلِ کتاب سے ہو وہ صرف زانی مرد سے نکاح کرے گی جو اہلِ کتاب سے ہو یا مشرک ہو۔ (خلاصہ یہ ہے کہ یہ حکم اہلِ کتاب سے متعلق ہے مومنین سے متعلق نہیں ہے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت اہلِ مکہ کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوئی جو ہجرت کر کے مدینہ آئے اور وہ تنگدست لوگ تھے اور مدینہ میں کچھ فاحشہ عورتیں تھیں جو اُجرت پر بدکاری کرتی تھیں، پس اُن مہاجرین نے ارادہ کیا کہ ان فاحشہ عورتوں سے نکاح کرلیں، تاکہ اُن کے مال و دولت کو حاصل کریں، سو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا اور آپ سے اجازت طلب کی تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی کہ زانی مرد (جو اہلِ قبلہ سے ہو) وہ صرف زانیہ عورت سے نکاح کرے گا (جو یہودیوں میں سے ہو) یا مشرکہ سے نکاح کرے گا۔ اور مومنین پر اس نکاح کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

لیکن یہ اس وقت صحیح ہوگا جب کہ وہ مہاجرین اُن عورتوں کی مثل زنا کار ہوں۔ رہے وہ مہاجرین جو اہلِ ایمان اور اہلِ عفت ہوں، ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اُن کے متعلق یہ کہا جائے کہ زانی مرد صرف زانیہ عورت سے یا مشرکہ سے نکاح کرے گا اور وہ زنا کار نہ ہوں، سوا اس کے کہ یہ کہا جائے کہ یہ حکم ابتداء تھا اور بعد میں اس طرح نہیں کیا گیا۔

اور سعید بن المسیب نے کہا کہ یہ آیت درج ذیل آیت سے منسوخ ہوگئی ہے: "وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآىِٕكُمْ ۔ (النور: ۳۲)" (اور اے اولیاء امور! تمہارے جس آزاد مرد یا عورت کا نکاح نہ ہو اس کا اور اپنے نیک غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح کردو)۔

امام ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، النور: ۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد جس کو مرثد بن ابی مرثد کہا جاتا تھا، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا وہ ایک ایسی عورت سے نکاح کرلے جو مکہ میں اجرت لے کر زنا کرتی تھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی: "اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۔" تو آپ نے فرمایا: اے مرثد! تم اس عورت سے نکاح نہ کرو۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اصحابِ صفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ زانی عورتوں سے نکاح کرلیں اور ان زانی عورتوں کے جھنڈے لگے ہوئے تھے جس سے معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ زانیہ عورت ہے، اصحابِ صفہ نے کہا کہ ان زانی عورتوں سے نکاح کرنے میں ہمیں یہ فائدہ ہے کہ یہ مدینہ میں سب سے زیادہ مال دار عورتیں ہیں اور ہم پر تنگدستی ہے اور مشقت ہے، پس جب اللہ تعالیٰ ہم کو مال و دولت اور خیر سے نوازیں گے تو ہم ان کو طلاق دے کر مسلمان عورتوں سے نکاح کرلیں گے تب یہ آیت نازل

ہوئی: ''اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً''۔

اور سعید بن جبیر اور الضحاک نے کہا کہ اس آیت کا محمل یہ ہے کہ جب کوئی مرد جس حال میں زنا کرتا ہو اس حال میں وہ صرف ایسی عورت سے نکاح کرے جو زنا کرتی ہو، اور زانیہ عورت جو زنا کرتی ہو وہ صرف اپنی مثل زنا کرنے والے مرد سے نکاح کرے، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘ وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (النور: ۳)''۔ یعنی زنا مومنین پر حرام فرما دیا گیا ہے۔

اور حسن بصری نے کہا: اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جس زانی پر زنا کی وجہ سے کوڑے مارے جا چکے ہوں وہ صرف ایسی زانیہ عورت سے نکاح کرے جس کو اس کی مثل زنا میں کوڑے مارے جا چکے ہوں۔

اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس مرد کو زنا کی وجہ سے کوڑے لگ چکے تھے اس نے ایسی عورت سے نکاح کیا جس کو زنا کی وجہ سے کوڑے نہیں لگے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی۔

اور سعید بن المسیب نے کہا کہ زانی مرد صرف زانیہ عورت سے نکاح کرے۔ یہ حکم اس کے بعد والی آیت سے منسوخ ہو گیا ہے اور وہ یہ ہے: ''وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىٕكُمْ۔ (النور: ۳۲)'' (اور اے اولیاء امور! تمہارے جس آزاد مرد یا عورت کا نکاح نہ ہو اس کا اور اپنے نیک غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح کر دو)۔

(تفسیر السمرقندی ج ۲ ص ۳۲۶ ۔ ۳۲۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ، النور: ۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی جو خبیث زنا کرتا ہو وہ پاک دامن عورتوں سے نکاح کرنے میں رغبت نہیں کرتا، وہ صرف اپنے جیسی خبیثہ عورت سے نکاح کرنے میں رغبت کرتا ہے یا مشرکہ عورت سے۔ اسی طرح جو خبیثہ عورت ہو اور زنا کرتی ہو وہ نیک مردوں سے نکاح کرنے میں رغبت نہیں کرتی، وہ صرف ایسے مردوں سے نکاح کرنے میں رغبت کرتی ہے جو اس کی طرح بدکار ہوں یا مشرک ہوں۔ پس اس آیت میں بدکار عورتوں سے نکاح کرنے سے روکا ہے، کیونکہ زنا قبیح ہونے میں شرک کی مثل ہے اور ایمان پاک دامنی کی مثل ہے اور اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے: ''اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ الْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِۚ وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ الطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِۚ اُولٰٓىٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ۔ (النور: ۲۶)'' (ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لائق ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لائق ہیں، پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ہیں، وہ پاک لوگ ان تہمتوں سے بری ہیں جو یہ ناپاک لوگ لگاتے ہیں، ان کے لئے مغفرت اور باعزت روزی ہے)۔

اور ایک قول یہ ہے کہ زانیہ عورت سے ابتدائے اسلام میں نکاح حرام تھا، پھر یہ حکم ''وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ۔ (النور: ۳۲)'' سے منسوخ ہو گیا۔ (مدارک التنزیل ج ۲ ص ۳۸۷ ۔ ۳۸۸، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین حنفی مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ، النور: ۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کیونکہ خبیث کا میلان خبیث ہی کی طرف ہوتا ہے نیکوں کو خبیثوں کی طرف رغبت نہیں ہوتی۔

شان نزول: مہاجرین میں بعضے بالکل نادار تھے نہ ان کے پاس کچھ مال تھا نہ ان کا کوئی عزیز قریب تھا اور بدکار مشرکہ عورتیں

دولتمند اور مالدار تھیں، یہ دیکھ کر کسی مہاجر کو خیال آیا کہ اگر ان سے نکاح کرلیا جائے تو ان کی دولت کام میں آئے گی۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے اس کی اجازت چاہی۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور انہیں اس سے روک دیا گیا۔ یعنی بدکاروں سے نکاح کرنا، ابتدائے اسلام میں زانیہ سے نکاح حرام تھا بعد میں آیت ''وَاَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ'' سے منسوخ ہوگیا۔

(تفسیر خزائن العرفان مع ترجمہ کنز الایمان ص: ۶۴۹، مکتبۃ المدینہ کراچی، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو مرد پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں، پھر اس پر چار گواہ نہیں پیش کرتے، سو تم اُن کو اسّی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں○ سوا اُن لوگوں کے جو تہمت لگانے کے بعد توبہ کرلیں اور اپنے عمل کی اصلاح کرلیں، سو اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں○'' (النور: ۴۔۵)

''الۡمُحۡصَنٰتِ'' سے مراد آزاد عورتیں ہونے پر دلیل

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، النور: ۴۔۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَالَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَاۡتُوۡا بِاَرۡبَعَۃِ شُہَدَآءَ فَاجۡلِدُوۡہُمۡ ثَمٰنِیۡنَ جَلۡدَۃً وَّلَا تَقۡبَلُوۡا لَہُمۡ شَہَادَۃً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ○ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ وَاَصۡلَحُوۡا ۚ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ'':

اس آیت میں فرمایا ہے: ''جو لوگ المحصنات کو تہمت لگاتے ہیں''، اور یہ نہیں ذکر فرمایا کہ کس چیز کی تہمت لگاتے ہیں، لیکن اس کے بعد فرمایا ہے: ''پھر اس پر وہ چار گواہ نہ لائیں'' اور چار گواہ زنا کے ساتھ مخصوص ہیں نہ کہ دیگر حرام کاموں کے ساتھ۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ اس تہمت سے مقصود زنا کی تہمت ہے۔

''الۡمُحۡصَنٰتِ'': اس آیت میں اس جگہ ''الۡمُحۡصَنٰتِ'' سے مراد آزاد عورتیں ہیں نہ کہ پاک دامن عورتیں، کیونکہ جو مرد کسی باندی پر زنا کی تہمت لگائے تو اس پر تعزیر لازم آتی ہے حد لازم نہیں آتی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''وَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ مِنۡکُمۡ طَوۡلًا اَنۡ یَّنۡکِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ فَمِنۡ مَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ مِّنۡ فَتَیٰتِکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ...'' (النساء: ۲۵) (اور تم میں سے جو شخص آزاد (کنواری) مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھے تو (وہ) (مسلمانوں کی مملوک) ایمان والی باندیوں سے نکاح کرے)۔ اس آیت میں بھی ''الۡمُحۡصَنٰتِ'' سے مراد آزاد عورتیں ہیں کیونکہ اس کے مقابلہ میں باندیوں کا ذکر فرمایا ہے۔

زنا کا قبیح ہونا

زنا کے قبیح ہونے پر یہ دلیل ہے کہ جب زنا کار شادی شدہ ہو تو اس کو رجم کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے، جس طرح کتے کو پتھر مار کر بھگا دیا جاتا ہے اور قتل کر دیا جاتا ہے۔ نیز زنا عقل اور طبیعت کے نزدیک قبیح ہے، اسی طرح شریعت میں بھی قبیح ہے اور طبیعت اور عقل کے نزدیک زنا کا قبیح ہونا اس وجہ سے ہے کہ ہر مسلمان اس سے نفرت کرتا ہے اور ہر عقل سلیم اس سے متنفر ہوتی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر زنا سے ہر عقل سلیم متنفر ہوتی ہے تو کوئی شخص زنا کا ارتکاب نہ کرے اور اس فعل کا اقدام نہ کرے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ زنا سے انسان کی طبیعت متنفر ہوتی ہے لیکن اس کی طبیعت میں جو شہوت رکھی گئی ہے وہ شہوت اس کو اس سے نفرت کرنے سے مانع ہوتی ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی انسان اپنی ماں یا اپنی بیٹی یا دیگر محارم کے ساتھ زنا کا سوچے تو اس کا دل اس کو گوارا نہیں کرے گا۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس آپ سے اس نے عرض کیا کہ کیا آپ مجھے زنا کرنے کی اجازت دیتے ہیں؟ تو لوگ اس کی طرف بڑھے اور اس کو زجر و توبیخ کی اور کہا: چپ کرو، آپ نے فرمایا: اس کو میرے قریب لاؤ، پس وہ آپ کے قریب آیا تو آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، پس آپ نے فرمایا: کیا تم اپنی ماں کے لیے اس کو پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان فرمائیں، اور نہ لوگ اپنی ماؤں کے ساتھ اس کو پسند کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: کیا تم اپنی بیٹی کے لیے اس کام کو پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان فرمائیں، اور نہ لوگ اپنی بیٹیوں کے لیے اس کام کو پسند کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: کیا تم اپنی بہن کے لیے اس کام کو پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان فرمائیں، اور نہ لوگ اپنی بہنوں کے لیے اس کام کو پسند کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: کیا تم اپنی پھوپھی کے لیے اس کام کو پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان فرمائیں، اور نہ لوگ اپنی پھوپھیوں کے لیے اس کام کو پسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم اپنی خالہ کے لیے اس کام کو پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان فرمائیں، اور نہ لوگ اس کام کو اپنی خالاؤں کے لیے پسند کرتے ہیں، پس آپ نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور یہ دعا فرمائی: اے اللہ! اس کے گناہ کو بخش دیں، اور اس کے گناہ کو پاک فرما دیں، اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرمائیں، پھر اس کے بعد وہ شخص کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا۔

(مسند احمد: ۲۲۲۱۱، المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۶۷۹، مسند الشامیین: ۱۵۲۳)

پھر ہم نے ذکر کیا ہے کہ جو آزاد عورتوں پر زنا کی تہمت لگائے اس پر اسی (۸۰) کوڑے لگانے کا حکم ہے، کیونکہ عورتوں میں عفت کا زیادہ وقوع ہے اور وہ شہوت ہے جو غالب ہوتی ہے اور مردوں میں کم ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ باندیوں میں حد کا ذکر فرمایا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ۔ (النساء: ۲۵)" (پھر (بھی) بے حیائی کا کام کریں تو اُن پر اس کی آدھی سزا ہے جو آزاد (کنواری) عورتوں کی سزا ہے)۔ اور غلام کے متعلق کسی سزا کا ذکر نہیں فرمایا، پس جب غلام زنا کا ارتکاب کرے گا تو اس پر بھی یہ حد لازم ہوگی، اس بنا پر عورتوں کے متعلق جو زنا کی حد اور تہمت کی حد کا ذکر فرمایا ہے تو مردوں میں بھی اس کی مثل ہے۔

پھر اس پر اجماع ہے کہ باندی پر زنا کی تہمت لگانے والے پر تعزیر ہے اور اس پر حد نہیں ہے۔

"احصان" کے تین معانی

اور فرمایا: "فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ۔ (النساء: ۲۵)" (پس جب وہ باندیاں نکاح کے قلعہ میں آجائیں پھر (بھی) بے حیائی کا کام کریں تو اُن پر اس کی آدھی سزا ہے جو آزاد (کنواری) عورتوں کی سزا ہے)۔ نیز اللہ عزوجل نے فرمایا: "وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ (النساء: ۲۴)" (اور تم پر وہ

عورتیں حرام فرمائی گئی ہیں جو دوسرے مردوں کے نکاح میں ہیں سوا (کافروں کی ان عورتوں کے) جو تمہاری ملکیت میں آجائیں)۔اس آیت میں باندی کو بھی مُحْصَنَه فرمایا ہے، کیونکہ اس کے بعد فرمایا ہے"اُحْصِنَّ"یعنی جب وہ شادی کرلیں۔ نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:"فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ"۔(النساء: ۲۵)"یہاں"اَلْمُحْصَنٰتِ"سے مراد آزاد عورتیں ہیں، پس اس آیت سے ظاہر ہو گیا کہ الاحصان کبھی آزادی کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی نکاح کے ساتھ ہوتا ہے۔

نیز اللہ عزوجل نے فرمایا:"مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ"۔(النساء: ۲۵)"(جب کہ وہ باندیاں نکاح کی قید میں آنے والی ہوں بدکاری کرنے والی نہ ہوں)۔اس آیت میں"مُحْصَنٰتٍ"سے مراد ہے پاک دامن عورتیں۔اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ احصان کے تین معانی ہیں: (۱) شادی شدہ ہونا (۲) آزاد ہونا (۳) اور پاک دامن ہونا۔

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ، النور: ۴-۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی جو لوگ آزاد، پاک دامن، مسلمان مکلفات عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں۔تہمت لگانا زنا کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور بغیر زنا کے بھی ہوتا ہے اور یہاں پر زنا کی تہمت لگانا مراد ہے، بایں طور کہ وہ کسی پاک دامن عورت سے کہے: اے زانیہ۔

"ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ":یعنی وہ چار گواہ نہ پیش کر سکے جو زنا پر شہادت دیں۔کیونکہ جو تہمت بغیر زنا کے ہو بایں طور کہ کہے: اے فاسق، اے سود کھانے والے، تو اس میں دو گواہ کافی ہیں اور اس پر فقط تعزیر ہے۔اور احصانِ قذف کی شروط میں آزاد ہونا، صاحبِ عقل ہونا، بالغ ہونا، اسلام کا ہونا اور زنا سے پاک دامن ہونا ہے۔اور محصن مرد حدِ قذف کے وجوب میں محصن عورت کی طرح ہے۔

"فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً":اگر تہمت لگانے والا مرد ہو تو اس کو اسّی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے۔

"وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا":اس آیت میں جھوٹی تہمت لگانے والوں کی گواہی کو رد فرمادیا ہے اور یہ ہر گواہی کو عام ہے اور ہمارے نزدیک حد کے نفاذ میں اُن کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔اور دائماً اُن کی شہادت کے رد ہونے کا معنی یہ ہے کہ اُن کی پوری زندگی میں اُن کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

"وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ":یہ نیا کلام ہے اور شرط کی جزا میں داخل نہیں ہے۔

(مدارک التنزیل، ج ۲ ص ۴۸۹، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حدود میں عورتوں کی گواہی کا معتبر نہ ہونا

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔

زہری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد دونوں خلفاء کے زمانہ میں یہ سنت تھی کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں۔

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں۔

عامر بیان کرتے ہیں کہ حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔

سفیان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حماد سے سنا ہے کہ حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حدود میں عورت کی گواہی جائز ہے نہ غلام کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۵۹۔ ۶۰، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۳۲۹۔ ۳۳۰)

زنا کے ثبوت کے لئے چار مسلمان آزاد مردوں کی گواہی کی شرط کی توجیہ

زنا کے ثبوت کے لئے چار مسلمان آزاد مردوں کی گواہی ضروری قرار دی ہے تاکہ زنا کے ثبوت کے لئے بار ثبوت سخت ہو، زنا کے ثبوت کے لئے یہ کڑی شرط اس لئے عائد فرمائی گئی ہے تاکہ لوگوں کی عزتیں محفوظ رہیں اور کوئی شخص دو جھوٹے گواہ پیش کر کے کسی کو بلا وجہ متہم نہ کر سکے، اگر کوئی شخص چار مسلمان گواہ پیش نہ کر سکا تو اس پر حد قذف لگے گی جو اسی (۸۰) کوڑے ہیں اور جس نے کسی کو زنا کرتے ہوئے دیکھا اور اس پر چار گواہ نہ ہوں تو بندوں کا پردہ رہے گا، یا اس لئے کہ زنا کا ارتکاب مرد اور عورت کرتے ہیں اور ہر دو کو سزا ملتی ہے، اس لئے اس میں چار گواہ مقرر کیے گئے تاکہ ہر ایک کے حق میں دو دو گواہ ہوں اور نصاب شہادت مکمل ہو جائے لیکن یہ کوئی قوی وجہ نہیں ہے۔

حد زنا میں چار مردوں کی گواہی پر اعتراض کا جواب

چار مرد گواہوں کی شرط پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مثلاً لڑکیوں کے ہوسٹل میں ایک لڑکی کی جبراً اور ظلماً عصمت دری کی گئی اور موقع پر صرف لڑکیاں ہیں یا کسی صورت میں کوئی بھی نہیں ہے وہ لڑکی کیسے انصاف حاصل کرے گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سزا اس وقت دی جاتی ہے جب قانونی تقاضے پورے ہوں مثلاً اگر جنگل میں جہاں کوئی نہ ہو وہاں کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو گواہ نہ ہونے کی وجہ سے قاتل کو سزا نہیں ملے گی، ایسی صورتوں میں مجرم دنیاوی سزا سے تو بچ جائے گا لیکن اخروی سزا کا مستحق ہوگا۔

کیا زانی کے خلاف استغاثہ کرنے والی لڑکی پر حد قذف لگے گی؟

ایک دہشت زدہ کنواری لڑکی جس کا لباس تار تار اور خون آلود ہے، روتی اور آنسو بہاتی ہوئی پولیس کے پاس پہنچتی ہے اور کہتی ہے کہ فلاں شخص نے اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا ہے۔ اس شخص کو فوراً موقع واردات پر گرفتار کر لیا جاتا ہے اور میڈیکل رپورٹ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اس لڑکی سے دخول کیا گیا ہے اور اس شخص کی منی اس لڑکی کے اندام نہانی میں موجود ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ اس قرینہ کی وجہ سے اس شخص پر زنا کی حد لازم ہوگی یا بغیر چار مرد گواہوں کے اس شخص کی طرف زنا کی نسبت کرنے کی وجہ سے اس لڑکی پر حد قذف لگائی جائے گی؟

اس کا حل یہ ہے کہ ثبوت زنا کے لئے یقیناً یہ قوی قرینہ ہے لیکن اس شخص پر حد لگانے کے بجائے اس کو تعزیراً سزا دی جائے جیسا کہ فقہاء شراب کی بو کی بناء پر شراب کی حد تو جاری نہیں کرتے لیکن تعزیراً سزا دیتے ہیں۔

باقی رہا یہ سوال کہ بغیر چار مرد گواہوں کے کسی شخص کی طرف زنا کی نسبت کرنا قذف ہے اور اس کو تہمت لگانا ہے، اس لئے اس لڑکی پر حد قذف لگنی چاہیے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قذف اس وقت ہوگا جب کوئی شخص کسی کو متہم اور بدنام کرنے کی حیثیت سے مسلمانوں میں ایک فحش بات

کو پھیلانے کی غرض سے اس پر زنا کی تہمت لگائے لیکن اگر کسی غرض صحیح کی وجہ سے کوئی شخص کسی کی طرف زنا کی نسبت کرے تو یہ قذف نہیں ہے، مثلاً ایک شخص حاکم کے سامنے اعتراف جرم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اس لئے مجھ پر حد جاری کی جائے۔ اب اس کے اعتراف سے اس پر تو زنا کی حد لازم ہو جائے گی لیکن اس کے اعتراف سے اس عورت پر اس وقت تک حد لازم نہیں ہوگی جب تک کہ وہ عورت خود اعتراف نہ کرے اور اس شخص نے جو اعتراف جرم کرتے ہوئے یہ کہا کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اور اس عورت کی طرف زنا کی نسبت کی ہے یہ قذف نہیں ہے، اور نہ ان کلمات سے اس شخص پر حد قذف لازم ہوگی کیونکہ ان کلمات سے اس شخص کا مقصود اپنے جرم کا اعتراف کرنا ہے نہ کہ کسی کو بدنام اور مجروح کرنا مقصود ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور جو مرد اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور ان کے پاس ان کی اپنی ذات کے سوا اور کوئی گواہ نہیں ہے تو اس شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار دفعہ اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ وہ اس تہمت لگانے میں سچوں میں سے ہے ۝ اور پانچویں مرتبہ اس طرح گواہی دے کہ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو ۝ اور یہ طریقہ عورت سے سزا کو دور کر دے گا اگر وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک مرد تہمت لگانے میں جھوٹوں میں سے ہے ۝ اور پانچویں مرتبہ اس طرح گواہی دے کہ اگر وہ مرد تہمت لگانے میں سچوں میں سے ہے تو اس عورت پر اللہ کا قہر و غضب نازل ہو ۝“ (النور: ۶۔۹)

لعان کا طریقہ اور لعان کے متعلق احادیث

”وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ “:

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ”وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ۔ (النور: ۶)“ (اور جو مرد اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں)، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جانتا ہوں کہ یہ آیت برحق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن مجھے اس پر تعجب ہے کہ اگر میں کسی شخص کو اس حال میں پاؤں کہ میری بیوی کی رانیں کسی شخص پر ہوں تو میرے لئے یہ ممکن نہیں ہوگا کہ میں ان کو باز رکھنے کے لئے چار گواہ اکٹھے کروں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہا: کیا تم نے نہیں سنا تمہارے سردار نے کیا کہا ہے! انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! اس کو ملامت نہ کریں، کیونکہ اس سے بڑھ کر ہم میں کوئی غیرت دار نہیں، اس نے جب بھی نکاح کیا تو کنواری عورت سے کیا اور اس نے اپنی جس بیوی کو طلاق دی تو کسی نے اس سے نکاح کی خواہش نہیں کی، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ کیا یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، اس کو اتنے گواہ پیش کرنے ہوں گے جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، پھر ان کے عم زاد، ہلال بن امیہ، اس سانحہ میں مبتلا ہو گئے،

انہوں نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ انہوں نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو پایا، تب اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی ۶-۹ آیتیں نازل فرمائیں، جب مرد نے اپنی بیوی کے خلاف چار مرتبہ شہادت دے دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رک جاؤ یہ شہادت واجب ہے، پھر اس سے فرمایا: اگر تم جھوٹے ہو تو توبہ کر لو، اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم میں سچا ہوں! پھر اس نے پانچویں قسم بھی کھالی، پھر اس کی بیوی نے اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ گواہی دی کہ اس کا خاوند جھوٹا ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رک جاؤ، یہ شہادت واجب ہے، پھر اس سے فرمایا: اگر تو جھوٹی ہے تو توبہ کر لے، وہ کچھ دیر خاموش رہی، پھر اس نے کہا: میں تمام دن اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی، پھر اس نے پانچویں بار قسم بھی کھالی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس کا ایسا ایسا بچہ ہوا تو وہ فلاں کا ہے، پھر اس کے ہاں ویسا ہی بچہ ہو گیا۔

(اس حدیث کی سند صحیح ہے، حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۳۱، دار الحدیث، قاہرہ، طبع جدید، مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۸ طبع قدیم، حافظ الہیثمی نے بھی کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱-۱۲)

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر العجلانی حضرت عاصم بن عدی الانصاری رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور ان سے کہا: اے عاصم! یہ بتاؤ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس کسی مرد کو پائے تو کیا کرے آیا وہ اس کو قتل کر دے؟ پھر تم اس شخص کو قتل کر دو گے؟ یا پھر وہ شخص کیا کرے؟ اے عاصم! تم میری خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کا حل دریافت کرو، پھر حضرت عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا، آپ نے اس سوال کو مکروہ جانا اور اس کی مذمت کی، حتیٰ کہ حضرت عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو جواب سنا اس سے انہیں بہت رنج ہوا، جب حضرت عاصم اپنے گھر پہنچے تو حضرت عویمر اُن کے پاس آ گئے اور ان سے پوچھا: اے عاصم! تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ حضرت عاصم نے حضرت عویمر سے کہا: میں کوئی اچھی خبر نہیں لایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سوال کیا تھا، آپ نے اس کو ناپسند فرمایا۔ حضرت عویمر نے کہا: اللہ کی قسم! جب تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہ پوچھ لوں اس وقت تک میں خاموش نہیں رہوں گا، پھر حضرت عویمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور لوگوں کے درمیان جا کر بیٹھ گئے اور کہا: یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو پائے تو آیا وہ اس کو قتل کر دے؟ پھر آپ لوگ اس کو قتل کر دیں گے تو پھر وہ شخص کیا کرے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اور تمہاری بیوی کے متعلق اللہ کا حکم نازل ہو گیا ہے جاؤ اس کو لے کر آؤ۔ سہل نے کہا: پھر ان دونوں نے ایک دوسرے پر لعان کیا (لعنت کی)۔ میں بھی اس وقت لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا، جب وہ ایک دوسرے پر لعنت کر کے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر نے کہا: یا رسول اللہ! اگر اب میں نے اس عورت کو اپنے نکاح میں رکھا تب تو پھر میں جھوٹا ہوں گا، پھر انہوں نے اپنی بیوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم فرمانے سے پہلے تین طلاقیں دے دیں، ابن شہاب زہری نے کہا لعان (ایک دوسرے پر لعنت کرنے) کا یہی طریقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۴۵،۲۲۴۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۴۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۶، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۲۴۴۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور ان کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والے، بہت حکمت والے نہ ہوتے (تو تم کو رسوا فرما دیتے یا تم کو جلد سزا دیتے)O'' (النور: ۱۰)

"وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِیْمٌ": یعنی اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوا اور ان کی رحمت نہ ہوتی، اس کا جواب محذوف ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تم کو رسوا فرما دیتے یا تم کو جلد سزا دیتے۔

(مدارک التنزیل ج ۲ ص ۴۹۱، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۲۰ھ، وتفاسیر اخری)

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱﴾

بے شک جن لوگوں نے (حضرت عائشہ پر) تہمت لگائی وہ تم ہی میں سے ایک جماعت تھی، تم اس کو اپنے لیے برا گمان نہ کرو، بلکہ یہ (انجام کار) تمہارے حق میں بہتر ہے، ان تہمت لگانے والوں میں سے ہر ایک کے لیے اتنا ہی گناہ ہے جتنا اس نے ارتکاب کیا ہے اور جس نے اس بہتان لگانے میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O

لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۲﴾

اور جب تم لوگوں نے اس بہتان کو سنا تو مومنین مردوں اور مومنات عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمان کیوں نہ کیا، اور یہ کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے O

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓىٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

(بہتان لگانے والے) اس تہمت پر چار گواہ کیوں نہیں لائے، پس جب وہ چار گواہ نہیں لائے تو اللہ کے نزدیک وہی لوگ جھوٹے ہیں O

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۴﴾

اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل نہ ہوتا تو تمہیں اس تہمت کے پھیلانے پر بہت بڑا عذاب ہوتا O

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۗ

وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ ﴿۱۵﴾

جب تم اس شرانگیز خبر کو سن کر اپنی زبانوں سے پھیلا رہے تھے اور اپنے مونہوں سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی حقیقت کا تمہیں علم نہیں تھا اور تم اس کو معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین بات تھی ○

وَ لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ﳓ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۶﴾

اور جب تم نے اس بہتان کو سنا تو تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ہمارے لیے اس جھوٹی بات کو زبان پر لانا جائز نہیں ہے، اے اللہ! آپ سبحان ہیں، یہ بہت بڑا بہتان ہے ○

یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷﴾

اگر تم ایمان دار لوگ ہو تو اللہ تمہیں نصیحت فرماتے ہیں کہ تم دوبارہ کبھی بھی ایسا کام نہ کرنا ○

وَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۸﴾

اور اللہ تمہارے لیے واضح آیات بیان فرماتے ہیں، اور اللہ سب سے زیادہ علم والے، سب سے زیادہ حکمت والے ہیں ○

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

بے شک وہ (منافقین) جو یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بدکاری کی تہمت پھیلے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ سب کچھ جانتے ہیں اور تم کچھ نہیں جانتے ○

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۰﴾ ع

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور ان کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر سخت عذاب آتا)، اور بے شک اللہ بہت شفقت فرمانے والے، بہت رحم فرمانے والے ہیں ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جن لوگوں نے (حضرت عائشہ پر) تہمت لگائی وہ تم ہی میں سے ایک جماعت تھی، تم اس کو اپنے لیے برا گمان نہ کرو، بلکہ یہ (انجام کار) تمہارے حق میں بہتر ہے، ان تہمت لگانے والوں میں سے ہر ایک کے لیے اتنا ہی گناہ ہے جتنا اس نے ارتکاب کیا ہے اور جس نے اس بہتان لگانے میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ○'' (النور:۱۱)

علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ ھ، النور: ۱۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ":

"إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ": الافک کے لفظ میں کذب اور افتراء سے زیادہ مبالغہ ہے اور اس سے مراد وہ جھوٹی تہمت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ غزوہ بنو مصطلق میں میرا ہار گم ہو گیا، پس میں پیچھے رہ گئی، اور چونکہ میرا جسم ہلکا پھلکا تھا اس لیے کجاوہ کا مجھ سے خالی ہونا لوگوں پر ظاہر نہیں ہوا، پس جب وہ چلے گئے تو حضرت صفوان بن المعطل رضی اللہ عنہ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور اس کو چلایا حتیٰ کہ وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں پر قافلہ والے پہنچے تھے۔ پس جو شخص میرے متعلق تہمت لگا کر ہلاک ہوا وہ ہلاک ہو گیا، سو میں ایک ماہ بیمار رہی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ کر مجھ سے پوچھتے: آپ کیسی ہیں اور میں آپ سے وہ لطف محسوس نہ کرتی جو اس سے پہلے میں دیکھتی تھی، حتیٰ کہ ایک دن میری خالہ مسطح کی والدہ لڑکھڑا کر گریں تو انہوں نے کہا: مسطح ہلاک ہو جائے، مجھے ان کا یہ قول برا لگا، تب انہوں نے مجھے اس تہمت کے واقعہ کی خبر دی۔ جب میں نے اس کو سنا تو میرا مرض زیادہ ہو گیا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے والدین کے گھر چلی گئی، آنسو میری آنکھوں سے تھمتے نہ تھے اور میں نیند کو سرمہ نہ بنا سکی، اور میرے والدین گمان کرتے تھے کہ یہ آنسو میرے جگر کو چیر دیں گے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حمیراء! تمہیں بشارت ہو (یعنی تمہیں مبارک ہو)، اللہ تعالیٰ نے تمہاری براءت کے متعلق آیات نازل فرما دی ہیں۔ پس میں نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتی ہوں آپ کی حمد نہیں کرتی۔ (صحیح البخاری: ۲۶۶۱، صحیح مسلم: ۲۷۷۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کی توجیہ

میں کہتا ہوں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو یہ کہا تھا کہ "میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتی ہوں اور آپ کی حمد نہیں کرتی" یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت ہے، اگر کوئی دوسرا مسلمان اس طرح کی بات کہے تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مقام ناز کے مرتبہ میں ایسا فرمایا جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں خوب جانتا ہوں جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، میں نے پوچھا: آپ کو اس کا کیسے پتا چلتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو: تو کہتی ہو رب محمد کی قسم! اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو: رب ابراہیم کی قسم! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جی ہاں! اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! میں صرف آپ کے نام کو چھوڑتی ہوں۔

(صحیح البخاری: ۵۲۲۸، صحیح مسلم: ۲۴۳۹)

حالانکہ کسی مسلمان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض ہونا نہ صرف یہ کہ جائز نہیں ہے بلکہ کفر ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے احوال سے اس تہمت کا باطل ہونا

اللہ تعالیٰ نے اس جھوٹ کو افک فرمایا ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جو حال معروف تھا یہ متعدد وجوہ سے اس کے خلاف ہے:

الاوّل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی معصوم کی زوجہ ہیں اور نبی معصوم کی زوجہ ہونا اس تہمت سے مانع ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کفار کی طرف

رسول بنا کر بھیجے جاتے ہیں، تا کہ اُن کو دینِ حق اور اسلام کی دعوت دیں۔ پس ضروری ہے کہ اُن میں کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے لوگ اُن سے متنفر ہوں۔ اور کسی شخص کی بیوی کا بدکار ہونا اس سے متنفر ہونے کی بہت بڑی وجہ ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب رسول کی بیوی کافرہ ہوسکتی ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تو کیوں جائز نہیں ہے کہ رسول کی بیوی فاجرہ ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اُن لوگوں کے نزدیک کفر متنفر ہونے کا سبب نہیں تھا بہ خلاف فسق و فجور کے، کیونکہ یہ سب کے نزدیک عار کی وجہ ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ اس بات کے جاننے والے تھے کہ یہ تہمت جھوٹی ہے تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس واقعہ کی کیفیت کے بارے کیوں دریافت نہیں فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کتنی ہی باتیں ایسی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل کفار کی باتوں سے رنجیدہ ہوتا تھا حالانکہ آپ کو اُن باتوں کے فساد کا علم تھا جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ۔ (الحجر:۹۷)" (اور بے شک ہم خوب جانتے ہیں کہ کفار کے استہزاء سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے)۔ سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا واقعہ بھی اسی قبیل سے تھا کہ یہ تہمت جھوٹی ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا: "فواللہ ما علمت علی اھلی الا خیرا۔ صحیح البخاری: ۲۶۶۱)"، (اللہ کی قسم! مجھے اپنی بیوی پر خیر کے سوا اور کسی چیز کا علم نہیں ہے)، آپ کو منافقین کے اس بہتان سے رنج ہوتا تھا، اس لیے اس بہتان کے فاسد اور باطل ہونے کے علم کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر صبر کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے متعلق دریافت نہیں فرمایا۔

الثانی: اس واقعہ سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق معروف تھا کہ وہ فسق و فجور کے مقدمات سے بہت دور اور بہت بعید ہیں اور جن کا یہ حال ہو، اُن کے متعلق واجب یہ ہے کہ اُن کے ساتھ حسنِ ظن رکھا جائے۔

الثالث: تہمت لگانے والے منافقین اور اُن کے پیروکار تھے اور افتراء باندھنے والوں کا کلام ایک قسم کا ہذیان ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت سے متعلق آیات کے نزول سے پہلے بھی یہ علم تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس تہمت سے بری ہیں۔

"عُصْبَةٌ": عصبہ اس جماعت کو کہتے ہیں جو دس سے لے کر چالیس افراد تک پر مشتمل ہو۔ اور یہ عبد اللہ بن ابی تھا جو منافقین کا سردار تھا، اور زید بن رفاعہ اور حضرت حسان بن ثابت اور حضرت مسطح بن اثاثہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی)، اور حضرت حمنہ بنت جحش (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمشیر نسبتی) اور جو اُن کے موافق تھے۔

"مِنْكُمْ": یعنی مسلمانوں کی جماعت میں سے۔ اور اُن کا یہ گمان تھا کہ یہ تہمت کفار کی طرف سے لگائی گئی ہے نہ کہ مومنین کی طرف سے۔

"لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ": یعنی تم اس تہمت کو اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برا گمان نہ کرو۔

کیونکہ تمہارے متعلق جو یہ تہمت لگائی گئی ہے اور فحش باتیں کی گئی ہیں، تم کو ان پر صبر کرنے کا اجر ملے گا اور یہ آخرت میں تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ یہ تمہارے لیے دنیا میں بہتر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس تہمت سے بری فرما دیا اور اُن کے لیے اس آیت میں جنت کا وعدہ فرمایا، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ۔'' (النور: ۲۶) (وہ پاک لوگ ان تہمتوں سے بری ہیں جو یہ ناپاک لوگ لگاتے ہیں، ان کے لئے عظیم مغفرت اور باعزت روزی ہے)۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بشارت اُن کے لیے دنیا میں خیر ہے اور جن لوگوں نے یہ تہمت لگائی تھی ان کے حق میں شر ہے۔

''بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ'': بلکہ اس میں انجام کار تمہارے لیے خیر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تم کو اس تہمت پر صبر کرنے کی وجہ سے اجر عطا فرمائیں گے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس تہمت کی براءت میں اٹھارہ آیتیں نازل فرمائیں۔ اور اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ سے خطاب ہے، اور جن مومنین کو اس تہمت سے رنج پہنچا تھا ان سے خطاب ہے۔

''لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ'': یعنی تہمت لگانے والوں کی جماعت میں سے ہر ایک کو اپنے گناہ کے اعتبار سے سزا ملے گی۔ بعض لوگ اس تہمت کو سن کر ہنستے تھے اور بعض اس کے متعلق باتیں کرتے تھے اور بعض خاموش رہتے تھے۔

''وَ الَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ'': اور جس نے اس تہمت کا بہت زیادہ چرچا کیا تھا اور وہ اس جماعت میں سے عبداللہ بن اُبی تھا۔ ''لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ'': اس کو اس پر سخت عذاب ہوگا۔ (مدارک التنزیل ج ۲ ص ۳۹۱۔ ۳۹۲، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کی مفصل حدیث

عروہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر پر جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج میں سے کسی کو ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ اندازی فرماتے تھے، پس جس کا قرعہ نکل آتا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ (غزوہ بنو مصطلق) میں ازواج کو ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ اندازی کی تو میرا قرعہ نکل آیا سو میں حجاب (پردہ) کے احکام نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلی (ابوعبیدہ اور ایک جماعت نے کہا کہ پردہ کا حکم ذوالقعدہ، تین ہجری میں نازل ہوا اور الدمیاطی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ پردہ کا حکم چار ہجری میں نازل ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنو المصطلق کے لیے شعبان پانچ ہجری میں نکلے تھے اور اسی میں یہ تہمت والا واقعہ پیش آیا تھا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳۹۸۔ ۳۹۹، بیروت، ۱۴۲۰ھ))، مجھے ہودج (کجاوہ، پالان) میں بٹھایا جاتا اور ہودج سے اتارا جاتا، ہم روانہ ہوئے حتیٰ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ سے فارغ ہوئے اور واپس لوٹے اور ہم مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو ایک رات آپ نے کوچ کا حکم فرمایا، جب آپ نے کوچ کا حکم فرمایا تو میں قضائے حاجت کو گئی اور لشکر سے دور نکل گئی، جب میں قضاء حاجت سے فارغ ہوگئی تو میں اپنے کجاوہ کی طرف بڑھی، اچانک مجھے معلوم ہوا کہ میرا سیپیوں کا ہار ٹوٹ کر گر گیا، میں نے وہ ہار تلاش کیا اور اس تلاش نے مجھے روک لیا، اور وہ لوگ جو میرے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھتے تھے انہوں نے ہودج کو اٹھا کر میرے اونٹ پر رکھ دیا، ان کا یہ گمان تھا کہ میں ہودج میں بیٹھی ہوئی ہوں، اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، ان پر گوشت چڑھا ہوا نہیں ہوتا تھا، کیونکہ وہ بہت تھوڑا کھانا کھاتی تھیں، اس لیے جب لوگوں نے میرے ہودج کو اٹھایا تو وہ ان کو خلاف معمول نہیں لگا، اور میں اس وقت کم عمر لڑکی تھی، انہوں نے اونٹ کو اٹھایا اور روانہ ہوگئے،

ادھر لشکر کے چلے جانے کے بعد مجھے ہار مل گیا، میں اپنے پڑاؤ میں پہنچی وہاں پر کوئی بلانے والا نہ تھا نہ جواب دینے والا، میں نے اس جگہ کا قصد کیا جہاں میں پہلے ٹھہری ہوئی تھی، میرا یہ گمان تھا کہ عنقریب وہ مجھے گم پائیں گے تو وہ واپس میری طرف آئیں گے، میں اس جگہ بیٹھی ہوئی تھی حتیٰ کہ مجھ پر نیند غالب آگئی اور میں سوگئی، اور حضرت صفوان بن المعطل السلمی الذکوانی رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے تھے تاکہ لشکر کی کوئی چیز پیچھے رہ جائے تو وہ اس کو ساتھ لے آئیں، وہ رات کو چلتے رہے حتیٰ کہ صبح کے وقت اس جگہ پہنچے جہاں میں سوئی ہوئی تھی، انہوں نے ایک سوئے ہوئے انسان کو دیکھا، وہ میرے پاس آئے اور جب انہوں نے مجھے دیکھا تو مجھے پہچان لیا، پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا، جب انہوں نے مجھے پہچانا تو کہا: اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ، یہ سن کر میں بیدار ہوگئی، میں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا، اور اللہ کی قسم! انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور سوائے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ کہنے کے میں نے ان سے کوئی بات نہیں سنی حتیٰ کہ انہوں نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور میں اس پر سوار ہوگئی، وہ اونٹنی کو کھینچتے ہوئے آگے آگے چلے، حتیٰ کہ ہم اس وقت لشکر کے پاس پہنچے جب وہ دوپہر کے وقت سائے میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، پس جو ہلاک ہوا وہ ہلاک ہوگیا، اور جس نے اس تہمت کو پھیلانے میں سب سے زیادہ حصہ لیا تھا وہ عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا۔

ہم مدینہ میں پہنچے، مدینہ پہنچنے کے بعد میں ایک ماہ تک بیمار رہی، اور لوگوں میں اس تہمت کا چرچا رہا، مجھے اس میں سے کسی بات کا پتا نہیں تھا اور میری بیماری میں جس چیز سے زیادہ اضافہ ہوتا تھا وہ یہ تھی کہ میں اب رسول اللہ ﷺ کی وہ توجہ نہیں دیکھتی تھی جیسی آپ بیماری کے ایام میں مجھ پر توجہ فرمایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لاتے اور پوچھتے تمہارا کیا حال ہے اور پھر واپس تشریف لے جاتے، اس سے مجھے رنج ہوتا تھا اور مجھے کسی خرابی کا پتا نہیں تھا، حتیٰ کہ ایک دن میں کمزوری کی حالت میں نکلی، میرے ساتھ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی ماں بھی میدان کی طرف گئیں، اور یہ میدان ہماری قضاء حاجت کی جگہ تھی، اور ہم صرف رات کے وقت ہی وہاں جاتے تھے، اس وقت تک ہمارے گھروں میں بیت الخلاء بنے ہوئے نہیں تھے، اور ہمارا معمول عرب کے پہلے لوگوں کی طرح تھا، ہم رفع حاجت کے لیے میدان میں جاتے تھے اور گھروں میں بیت الخلاء بنانے سے ہمیں اذیت ہوتی تھی، حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی ماں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں، میں اور وہ میدان میں گئے اور فراغت کے بعد جب ہم لوٹ رہے تھے تو حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی ماں چادر میں الجھ کر لڑکھڑا گئیں، انہوں نے کہا: مسطح ہلاک ہو جائے، میں نے ان سے کہا: آپ نے بری بات کہی ہے، کیا آپ ایسے شخص کو برا کہہ رہی ہیں جو مجاہدین بدر سے ہے، انہوں نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا وہ کیا کہتا ہے! میں نے پوچھا: وہ کیا کہتا ہے؟ تب انہوں نے مجھے تہمت لگانے والوں کی بات سنائی، پھر میری بیماری کے اوپر مزید بیماری بڑھ گئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب میں اپنے گھر لوٹی اور رسول اللہ ﷺ آئے، آپ نے سلام کیا اور پوچھا: تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے کہا: کیا آپ مجھے اپنے ماں باپ کے گھر جانے کی اجازت دیتے ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر جا کر ان سے اس خبر کی تحقیق کروں گی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اجازت عطا فرمادی، میں اپنے ماں باپ کے پاس گئی، میں نے ماں سے پوچھا: اے امی جان! یہ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: اے بیٹی! حوصلہ رکھو، کم ہی کوئی حسین عورت ہوگی جو اپنے شوہر کے نزدیک محبوب ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں مگر وہ اس پر غالب آنے کی کوشش کرتی ہیں، میں نے کہا: سبحان اللہ! کیا واقعی لوگ ایسی باتیں کر رہے ہیں! میرے آنسو تھمتے نہیں تھے اور میں نیند کو

سرمہ نہیں بنا سکی، حتیٰ کہ مجھے روتے روتے صبح ہو گئی۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو بلایا جب کہ وحی میں تاخیر ہو گئی تھی اور آپ ان سے اپنی اہلیہ کو الگ کرنے کے متعلق مشورہ فرما رہے تھے، رہے حضرت اسامہ بن زید تو انہوں نے اس چیز کی طرف اشارہ کیا جس کا انہیں علم تھا کہ آپ کی اہلیہ اس تہمت سے بری ہیں، اور جس کا انہیں علم تھا کہ آپ کو اپنی اہلیہ سے کس قدر محبت ہے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ کی اہلیہ کے متعلق سوا خیر اور نیکی کے اور کوئی بات نہیں جانتے، رہے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں فرمائی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اور بہت عورتیں ہیں، اور آپ ان کی باندی (نوکرانی) سے پوچھیں وہ آپ کو سچ سچ بتائیں گی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا، آپ نے فرمایا: اے بریرہ! کیا تم نے کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جو تم کو شک میں ڈالے؟ حضرت بریرہ نے کہا: نہیں! اس ذات کی قسم جنہوں نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میں نے اس سے زیادہ ان کی کوئی بات نہیں دیکھی کہ وہ کم عمر لڑکی ہیں، وہ آٹا گوندھتے گوندھتے سو جاتی ہیں، اور بکری آ کر آٹا کھا جاتی ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اس دن آپ نے عبداللہ بن ابی ابن سلول کی شکایت کی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: اے مسلمانو! اس شخص کے خلاف میری کون مدد کرے گا جس کی اذیت رسانی میرے گھر تک پہنچ گئی ہے، سو میں نے اپنی اہلیہ پر سوائے خیر کے اور کوئی چیز نہیں جانی اور جس شخص کا انہوں نے ذکر کیا ہے اس کے متعلق بھی میں نے سوائے خیر کے اور کوئی چیز نہیں جانی اور وہ میرے گھر میں صرف میرے ساتھ ہی گیا ہے، تب حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: اس معاملہ میں، میں آپ کی مدد کروں گا، اگر (قبیلہ) اوس میں سے کسی نے آپ کو ضرر پہنچایا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر ہمارے بھائیوں میں سے (قبیلہ) خزرج میں سے کسی نے ضرر پہنچایا ہے تو آپ ان کے خلاف ہمیں حکم دیں، ہم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے، پھر قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور اس سے پہلے وہ ایک نیک شخص تھے، لیکن عصبیت نے ان کو بھڑکا دیا، انہوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے! تم اس کو قتل نہیں کر سکتے اور نہ تم اس کو قتل کرنے پر قادر ہو، پھر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے عم زاد حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے، ہم اس کو ضرور قتل کریں گے، تم منافق ہو اور منافقین کی طرف سے جھگڑ رہے ہو، پھر دونوں قبیلے اوس اور خزرج جوش میں آ گئے، حتیٰ کہ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، حالانکہ ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مسلسل ٹھنڈا کرتے رہے حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاموش ہو گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اس پورے دن میری آنکھوں سے آنسو نہیں رکے اور میں نے نیند کو سرمہ نہیں بنایا، صبح کو میرے پاس میرے والدین بیٹھے ہوئے تھے، میں نے دو راتیں اور ایک دن رو رو کر گزارے تھے، میں نے نیند کو سرمہ نہیں بنایا تھا، نہ میرے آنسو رکے تھے، میرے والدین یہ گمان کر رہے تھے کہ میرا رونا میرے جگر کو پاش پاش کر دے گا، جس وقت میرے ماں باپ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی، انصار کی ایک خاتون نے آنے کی اجازت طلب کی، میں نے اس کو اجازت دے دی۔ وہ بھی میرے پاس بیٹھ کر رونے لگی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جس وقت ہم اسی کیفیت میں تھے، ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تشریف لے آئے، آپ سلام کر کے بیٹھ گئے اور جب سے یہ تہمت لگائی تھی آپ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے، اور ایک ماہ تک آپ کی طرف سے میرے متعلق کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے تو آپ نے کلمۂ شہادت پڑھا، پھر آپ نے فرمایا: اے عائشہ! حمد و صلوٰۃ کے بعد، مجھے تمہارے متعلق ایسی ایسی بات پہنچی ہے، اگر تم بَری ہو تو عنقریب اللہ تمہاری براءت نازل فرمادیں گے اور اگر (بالفرض) تم گناہ کی مرتکب ہوگئی ہو، تو تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور ان کی طرف توبہ کرو، کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرلیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات ختم کرلی تو میرے آنسو خشک ہوگئے حتیٰ کہ میں نے ایک قطرہ بھی محسوس نہیں کیا، میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیں، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہوں! پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیں! انہوں نے بھی کہا کہ میں نہیں جانتی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہوں! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میں نے کہا: میں کم عمر لڑکی ہوں میں بہت زیادہ قرآن مجید نہیں پڑھتی بے شک اللہ کی قسم! میں جانتی ہوں کہ تم نے یہ بات سن لی ہے اور یہ بات تمہارے دلوں میں جاگزیں ہوگئی ہے، اور تم نے اس کی تصدیق کی ہے، پس اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں اس (تہمت) سے بَری ہوں اور اللہ خوب جانتے ہیں کہ میں بَری ہوں تو تم اس کی تصدیق نہیں کرو گے اور اگر میں کسی (ناکردہ) کام کا اعتراف کرلوں اور اللہ خوب جانتے ہیں کہ میں اس کام سے بَری ہوں تو تم ضرور میری تصدیق کرو گے، اور اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے والد کی مثال دیکھتی ہوں، انہوں نے فرمایا تھا: "فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ وَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ (یوسف:۱۸)" (پس صبر جمیل کرنا ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو، اس پر اللہ سے ہی مدد مطلوب ہے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پھر میں اس مجلس سے اٹھ کر بستر پر جا کر لیٹ گئی، اس وقت مجھے یہ یقین تھا کہ میں بَری ہوں، اور اللہ تعالیٰ میری براءت کو ظاہر فرمادیں گے، لیکن اللہ کی قسم! میں یہ گمان نہیں کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق وحی نازل فرمائیں گے اور میرے نزدیک میری حیثیت اس سے بہت کم تھی کہ میرے متعلق وحی نازل فرمائی جائے جس کی تلاوت ہو، لیکن میرا گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں ایسا خواب دکھادیں گے جس سے اللہ تعالیٰ میری براءت ظاہر فرمادیں گے، پس اللہ کی قسم! ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھنے کا قصد ہی نہیں فرمایا تھا، اور نہ گھر والوں میں سے کوئی نکلا تھا کہ آپ پر وحی نازل ہوگئی، پھر جس طرح (نزولِ وحی کے وقت) آپ پر پسینہ آتا تھا اس طرح آپ پر پسینہ آگیا، وہ بہت سخت سردی کا دن تھا پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے موتیوں کی طرح پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگے، ان آیات کے ثقل کی وجہ سے جو آپ پر نازل ہورہی تھیں، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیفیت منقطع ہوئی تو آپ ہنس رہے تھے، پھر جو پہلی بات آپ نے کہی وہ یہ تھی: اے عائشہ! بے شک اللہ عزوجل نے تم کو بَری فرمادیا ہے، میری ماں نے کہا: تم حضور کی طرف کھڑی ہو، میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں حضور کی طرف کھڑی نہیں ہوں گی، اور میں اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کی حمد نہیں کروں گی، پھر اللہ عزوجل نے یہ دس آیتیں نازل فرمائیں: "اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ۔ (النور:۱۱۔۲۰)"، جب اللہ عزوجل نے یہ دس آیتیں نازل فرمادیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: مسطح نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق جو کچھ کہا ہے میں اس کے بعد اس پر کوئی چیز خرچ نہیں کروں گا، حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کو خرچ دیا کرتے تھے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔(النور: ۲۲)'' (اور تم میں سے جو صاحب فضل اور کشادہ دست ہیں، وہ قرابت داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہ کرنے کی قسم نہ کھائیں، ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو بخش دے، اور اللہ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں)۔

یہ آیت سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ کہا: کیوں نہیں! بے شک میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے بخش دے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر اسی طرح خرچ کرنے لگے جس طرح پہلے خرچ کرتے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں مسطح پر اس خرچ کو کبھی بند نہیں کروں گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اور رسول اللہ ﷺ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے میرے متعلق پوچھتے تھے: اے زینب! کیا تم کو اس کی کسی بات کا علم ہے یا تم نے کوئی بات دیکھی ہے؟ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں اپنے کانوں کی اور اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتی ہوں، میں نے ان میں سوا خیر اور نیکی کے اور کوئی چیز نہیں دیکھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی ازواج میں سے یہی وہ تھیں جو مجھ سے فائق اور برتر رہنا چاہتی تھیں، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے محفوظ رکھا اور ان کی بہن حضرت حمنہ بنت جحش ان کی حمایت میں لڑتی تھیں، پس وہ تہمت لگانے والوں کے ساتھ ہلاک ہوگئیں۔

(صحیح البخاری: ۲۶۶۱، ۴۷۵۰، صحیح مسلم: ۲۷۷۰، رقم الحدیث المسلسل: ۶۸۷۷، صفات المنافقین: ۵۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۸، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۷، ۱۹۷۰، مسند احمد: ۲۴۸۲۱، عالم الکتب، مسند احمد ج ۶ ص ۵۹۔۶۰، مصنف عبدالرزاق: ۹۸۱۱، مسند ابویعلیٰ: ۴۹۲۹۔۴۹۳۱، صحیح ابن حبان: ۷۱۰۰، المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۱۳۔۱۵۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۰۱، تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۷ ص ۲۲۸۔۲۳۱، رقم الحدیث: ۶۳۸۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب تم لوگوں نے اس بہتان کو سنا تو مومنین مردوں اور مومنات عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمان کیوں نہ کیا، اور یہ کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے O'' (النور: ۱۲)

''لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تم نے حضرت عائشہ اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ بات سنی تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے دلوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کے متعلق گمان کیوں نہ کیا اور تم نے یہ کیوں نہیں جانا کہ تمہاری ماں ایسا کام نہیں کرتیں اور تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے۔

اس آیت میں تمام مومنین سے فرمایا ہے کہ تم نے نیک گمان کیوں نہ کیا۔ کیونکہ جب کسی ایک مومن پر کوئی ناپسندیدہ بات واقع ہو تو گویا وہ تمام مومنین پر واقع ہوتی ہے، حدیث میں ہے:

حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم تمام مومنین کو رحم کرنے میں اور دوستی رکھنے میں اور شفقت کرنے میں ایک جسم کی طرح دیکھو گے، جب جسم کے ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو اس کا سارا جسم بیداری اور بخار

کے ساتھ رات گزارتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۰۱۱، صحیح ابن حبان: ۲۹۷، المعجم الکبیر للطبرانی: ۳۰۹، ۳۰۶، ۳۰۷، مکارم الاخلاق للطبرانی: ۹۰، کتاب الآداب للبیہقی: ۳۰، شعب الایمان للبیہقی: ۷۶۲۳، ۱۰۰ شرح السنہ للبغوی: ۳۰۵۹، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ۳ ص ۲۷۶)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(بہتان لگانے والے) اس تہمت پر چار گواہ کیوں نہیں لائے، پس جب وہ چار گواہ نہیں لائے تو اللہ کے نزدیک وہی لوگ جھوٹے ہیںO'' (النور: ۱۳)

''لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ'':

یعنی ان لوگوں نے اپنے زعم میں جو حضرت عائشہ اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہما پر تہمت لگائی تھی تو وہ اس کے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہیں لے کر آئے اور اپنے دعویٰ پر دلیل کیوں نہیں قائم کی۔ اور جب وہ اس دعویٰ پر دلیل نہیں لائے تو پھر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ جھوٹے ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیسے جھوٹے قرار پائیں گے جب کہ وہ گواہ نہیں لائے، اور جو شخص جھوٹ بولے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹا ہوتا ہے خواہ وہ اپنے جھوٹ پر گواہ لائے یا نہ لائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تکذیب کی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ارشاد خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ہے، کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے تھے، نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ جھوٹوں کے حکم میں ہیں، کیونکہ جھوٹے کو جھوٹ پر ملامت کرنا اور زجر و توبیخ کرنا واجب ہے، اور تہمت لگانے والا جب اپنی تہمت کے ثبوت پر گواہ نہ لائے تو اس کو بھی زجر و توبیخ کرنا واجب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل نہ ہوتا تو تمہیں اس تہمت کے پھیلانے پر بہت بڑا عذاب ہوتاO'' (النور: ۱۴)

''وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ'':

کہا گیا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو تمہیں دنیا اور آخرت میں عذاب پہنچتا۔ اور وہ فضل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں کو معاف فرما دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: العذاب العظیم سے مراد ایسا عذاب ہے جو آخرت میں منقطع نہ ہو، کیونکہ دنیا کے عذاب کا اس سے پہلے ذکر فرمایا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ (النور: ۱۱)'' (اور جس نے اس بہتان لگانے میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے) اور اس پر حدِ قذف جاری کی گئی اور حد لگائی گئی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جب تم اس شر انگیز خبر کو سن کر اپنی زبانوں سے پھیلا رہے تھے اور اپنے مونہوں سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی حقیقت کا تمہیں علم نہیں تھا اور تم اس کو معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین بات تھیO'' (النور: ۱۵)

"اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖۗ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ":

یعنی تم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایسی باتیں کرنے کو معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ عزوجل کے نزدیک یہ بہت سنگین بات تھی اور کبیرہ گناہ تھا۔الکلبی نے کہا ہے کہ ان میں سے ایک مرد جب دوسرے مرد سے ملتا تو یوں کہتا کہ مجھے یہ بات اس طرح اور اس طرح پہنچی ہے،اور الزجاج نے کہا: بعض لوگ دوسروں تک یہ بات پہنچاتے تھے۔

تہمت لگانے والوں کے تین گناہ

اللہ تعالیٰ نے ان تہمت لگانے والوں کے تین گناہ بیان فرمائے ہیں،ایک یہ ہے کہ وہ اس جھوٹی تہمت کو اپنی زبانوں سے بیان کرتے تھے،اور جب کوئی مرد دوسرے مرد سے ملتا تو اس کو یہ تہمت والی بات بیان کرتا حتیٰ کہ یہ بات بہت مشہور ہوگئی اور ہر گھر اور ہر مجلس کے اندر اس بات کا چرچا ہوگیا۔

دوسرا گناہ یہ ہے کہ وہ ایسی بات کہتے تھے جس کا انہیں علم نہیں تھا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ بغیر علم کے کسی بات کی خبر نہیں دینی چاہیے،جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:"وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۔۔(بنی اسرائیل:۳۶)"(اور(اے مخاطب!)اس چیز کے در پے نہ ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے،بے شک کان اور آنکھ اور دل،ان میں سے ہر ایک کے متعلق قیامت میں سوال فرمایا جائے گا)۔

اور تیسرا گناہ یہ ہے کہ وہ اس تہمت کو معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت سنگین بات تھی،اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد"وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا" سے تنبیہ فرمائی،اس سے معلوم ہوا کہ معصیت کا عمل معصیت کرنے والے کے گمان سے مختلف نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات وہ موکد ہوتا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت میں فرمایا ہے:"بِاَفْوَاهِكُمْ"یعنی تم اپنے مونہوں سے ایسی بات نکالتے تھے۔اور یہ بات معلوم ہے کہ جس چیز کا علم دل میں ہو تو زبان سے ہی اس کی ترجمانی کی جاتی ہے۔اور یہ تہمت ایسی تھی جو صرف اُن کی زبانوں پر جاری تھی اور اُن کے دلوں میں اس پر یقین نہیں تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:"اور جب تم نے اس بہتان کو سنا تو تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ہمارے لیے اس جھوٹی بات کو زبان پر لانا جائز نہیں ہے،اے اللہ! آپ سبحان ہیں،یہ بہت بڑا بہتان ہے O"(النور:۱۶)

"وَ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖۗ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ":یعنی تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ہمیں اس معاملہ کے متعلق بات نہیں کرنی چاہیے،اور تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ بہتان عظیم ہے۔

ابوعبیدہ نے کہا:البہتان کا معنی ہے جھوٹ۔جب کوئی شخص جھوٹ بولے تو کہا جاتا ہے"بہت"۔

یعنی اُن پر واجب تھا کہ جیسے ہی انہوں نے ابتداءً اس تہمت کو سنا تھا تو اس وقت وہ کہتے کہ ہمارے لیے اس پر بات کرنا جائز نہیں ہے۔اور وہ یہ کہتے کہ یہ بہتان عظیم ہے،یعنی بہت بڑا جھوٹ ہے۔

روایت ہے کہ حضرت اُم ایوب رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے کہا:کیا تمہیں خبر نہیں کہ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کے متعلق کیا کہہ رہے ہیں تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: ''سُبْحٰنَكَ'' یہ بہتان عظیم ہے، سو یہ آیت اُن کے قول کے موافق نازل ہوگئی۔

حضرت اُمِ ایوب انصار یہ خزرجیہ رضی اللہ عنہا، یہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ اور وہ قیس بن سعد بن امرئ القیس کی بیٹی تھیں، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۶۰)

اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا نام خالد بن یزید ہے، یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہجرت کے دن اُن کے گھر ٹھہرے تھے یہاں تک کہ مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہوگئی۔ انہوں نے اکثر غزوات میں جہاد کیا ہے اور ۵۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اگر تم ایمان دار لوگ ہو تو اللہ تمہیں نصیحت فرماتے ہیں کہ تم دوبارہ کبھی بھی ایسا کام نہ کرنا ''(النور: ۱۷)

''يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'': یعنی اللہ عزوجل تمہیں اس سنگین گناہ کے متعلق وعظ فرماتے ہیں، کیونکہ اس میں دنیا میں حد ہے اور آخرت میں عذاب ہے تا کہ تم اس قسم کے کام کو دوبارہ کبھی نہ کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم پر ایسی تہمت لگانے کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا ہے۔ اور مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی تہمت لگانے سے منع فرماتے ہیں، اگر تم مومن ہو، اور اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی براءت کے متعلق جاننے والے ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت میں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ''يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا'' تو کیا اس آیت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو واعظ کہنا جائز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو واعظ کہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے کسی فعل کے ثبوت سے اس کے اسم کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے جیسے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے: ''اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ (الرحمٰن: ۱۔۲)'' لیکن اللہ تعالیٰ کو معلم کہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ معلم اس کو کہتے ہیں جو معاوضہ لے کر تعلیم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے کسی ایسے لفظ کا اطلاق جائز نہیں ہے جس میں کوئی نقص ہو یا نقص کا شبہ ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ تمہارے لیے واضح آیات بیان فرماتے ہیں، اور اللہ سب سے زیادہ علم والے سب سے زیادہ حکمت والے ہیں ''(النور: ۱۸)

''وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ'': اور اللہ تمہارے لیے واضح آیات بیان فرماتے ہیں، اور اللہ سب سے زیادہ علم والے سب سے زیادہ حکمت والے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسی آیات بیان فرماتے ہیں جو واضح ہیں اور احکام شرائع بیان فرماتے ہیں اور نیک آداب بیان فرماتے ہیں۔ اور اللہ عزوجل تمہیں اور تمہارے کاموں کو جاننے والے ہیں۔ اور اللہ عزوجل حکیم ہیں اور تمہارے اعمال کے موافق جزا دیتے ہیں۔ یا اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کو اور اس قبیح کام

سے ان کی براءت کو جاننے والے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا ان کی عظمت کے منافی نہیں ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پہلے کئی معزز اور محترم حضرات پر تہمت لگائی گئی، بنی اسرائیل کے عابد جریج پر ایک چرواہی کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائی گئی اور ناجائز بچہ پیدا ہو گیا، لوگوں نے حضرت جریج کی مذمت کی اور اُن کی مسجد کو منہدم کر دیا، حضرت جریج نے اس نوزائیدہ بچہ سے پوچھا: بتا تیرا باپ کون ہے؟ تو اس نومولود بچے نے بتایا کہ فلاں چرواہا میرا باپ ہے، اور یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت جریج کی براءت کو اس بچے سے بیان فرما دیا۔ اسی طرح جب حضرت یوسف علیہ السلام پر زلیخا نے تہمت لگائی تو ایک بچے نے ان کی پاک دامنی کی گواہی دی، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۔ (یوسف: ۲۶۔۲۷)“ (اور اس کے گھر والوں میں سے بھی ایک گواہ نے گواہی دی، کہ اگر یوسف کی قمیص سامنے کی جانب سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت سچی ہے اور یوسف غلط بات کرنے والوں میں سے ہیں ۝ ”اور اگر یوسف کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو اس عورت نے جھوٹی تہمت لگائی، اور یوسف سچوں میں سے ہیں“)۔ اور جب حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ کے نبی نے اُن کی پاک دامنی کی گواہی دی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛؕ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۔ (مریم: ۳۰۔۳۱)“ (عیسیٰ نے کہا: بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھ کو نبی بنایا ہے ۝ اور میں جہاں کہیں بھی ہوں مجھے برکت والا بنایا ہے، اور میں جب تک زندہ رہوں، مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے)۔ یعنی میں اللہ کا نبی ہوں اور برکت والا ہوں اور اللہ کے نبی کی ماں ایسی نہیں ہو سکتی، اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی تو خود اللہ عزوجل نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کو بیان فرمایا اور آپ کی براءت کے متعلق قرآن مجید کی دس آیات نازل فرمائیں، اور اُن آیات کی قرآن مجید میں قیامت تک تلاوت ہوتی رہے گی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی اور عفت کا بیان ہوتا رہے گا، اور جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق اس قسم کی بات کرے گا وہ کافر ہو گا۔ (سعیدی غفرلہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے منفرد فضائل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُس دن ہدیہ پیش کرنے کا قصد کرتے تھے جس دن آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری میں اُن کے گھر ہوتے تھے، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میری سوکنیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر جمع ہوئیں، پس انہوں نے کہا: اے ام سلمہ! لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیے پیش کرنے کا قصد کرتے ہیں، اور ہم بھی خیر کا ارادہ کرتے ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خیر کا ارادہ کرتی ہیں، پس آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کریں کہ آپ لوگوں کو یہ حکم دیں کہ وہ جس دن جس کے بھی گھر میں ہوں وہ ہدیے پیش کریں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا تو آپ نے اُن سے اعراض کیا، پھر دوبارہ یہی عرض کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! میری سہیلیاں یہ ذکر کر رہی ہیں کہ لوگ اپنے ہدایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن پیش کرتے ہیں، تو آپ لوگوں کو حکم

فرمائیں کہ وہ جس دن بھی جس کے پاس ہوں وہ ہدیے پیش کریں، پس جب تیسری بار حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا تو آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! مجھے عائشہ کے معاملہ میں ایذاء نہ پہنچاؤ، کیونکہ عائشہ کے علاوہ میں کسی اور زوجہ کے بستر میں ہوں تو مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی۔ (صحیح البخاری: ۲۵۷۳، صحیح مسلم: ۲۴۴۱، سنن ترمذی: ۳۹۰۵، سنن نسائی: ۳۹۵۷، مسند احمد: ۲۶۵۷۳)

ابن ابی ملیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک سبز رنگ کے ریشم کے ٹکڑے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس کہا: یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ ہیں۔ (سنن ترمذی: ۳۹۰۶)

ابو سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! یہ جبریل آئے ہیں اور یہ آپ پر سلام پیش کرتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، آپ اُن چیزوں کو دیکھتے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے۔ (صحیح البخاری: ۳۲۱۷، صحیح مسلم: ۲۴۴۷، سنن ترمذی: ۳۹۰۷، سنن ابوداؤد: ۵۲۳۲، سنن نسائی: ۳۹۶۳)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو ذات السلاسل کے لشکر کا امیر بنایا، انہوں نے کہا: میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، پس میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہ، میں نے پوچھا: مردوں میں؟ تو آپ نے فرمایا: اُن کے والد۔

(سنن ترمذی: ۳۹۱۱، صحیح البخاری: ۳۶۶۲، صحیح مسلم: ۲۳۸۴، مسند احمد: ۱۷۸۲۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں پر عائشہ کی فضیلت اس طرح ہے جیسے ثرید (گوشت اور روٹی کا مرکب) کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔

(سنن ترمذی: ۳۹۱۳، صحیح البخاری: ۳۷۷۰، صحیح مسلم: ۲۴۴۶، سنن ابن ماجہ: ۳۲۸۱، مسند احمد: ۱۳۷۸۷)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دنیا اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں۔ (سنن ترمذی: ۳۹۱۵، صحیح البخاری: ۷۱۰۰، صحیح مسلم: ۲۷۶۹، سنن ابوداؤد: ۳۳۲۰، سنن ابن ماجہ: ۳۴۹۳، مسند احمد: ۲۴۲۳۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ اگر آپ ایسی وادی میں اتریں جس میں ایسے درخت ہوں جن کے پتوں سے کچھ کھالیا گیا ہو اور آپ کو ایسا درخت ملے جس کے پتوں سے کچھ بھی نہ کھایا گیا ہو تو آپ اپنے اونٹ کو کون سے درخت کے پتے کھلائیں گے؟ آپ نے فرمایا: جس درخت سے اس کے پتے نہ کھائے گئے ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا۔

(صحیح البخاری: ۵۰۷۷، ۵۲۲۸، ۶۰۶۸، صحیح مسلم: ۲۴۳۹، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۶۷، شرح السنۃ للبغوی: ۲۳۳۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تندرست تھے تو آپ فرماتے تھے: کسی نبی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی گئی حتیٰ کہ جنت میں اس کا ٹھکانا اسے دکھا دیا گیا، پھر اس پر سلام پڑھا جاتا ہے یا اختیار دیا جاتا ہے، پھر جب آپ بیمار ہو گئے اور آپ کی وفات قریب آ گئی اور آپ کا سر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زانو پر تھا تو آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی، پھر جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے اپنی نظر گھر کی چھت کی طرف بلند کی، پھر دعا کی: اے اللہ! الرفیق الاعلیٰ میں، تو میں نے دل میں کہا کہ اب آپ ہمارے ساتھ نہیں رہیں گے، پس میں نے جان لیا، یہ اسی حدیث کا مصداق ہے جو آپ ہمیں تندرستی کی حالت میں بیان فرماتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۴۴۳۷)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک وہ (منافقین) جو یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بدکاری کی تہمت پھیلے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ سب کچھ جانتے ہیں اور تم کچھ نہیں جانتےO" (النور: ۱۹)

"إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ": اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن اُبی پر اور حضرت حسّان پر اور حضرت مسطح پر حد جاری فرمائی اور اُن کو کوڑے مارے۔ (علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شر پھیلنے کے خطرہ کی وجہ سے عبد اللہ بن ابی سے حد کو ساقط فرما دیا تھا، کیوں کہ اس کا جتھا بڑا تھا مگر دوسرے مفسرین و محققین کے نزدیک آپ نے اس پر حد جاری فرمائی تھی۔ سعیدی غفرلہ) اور اگر ان لوگوں نے توبہ نہ کی تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دوزخ کے عذاب کی وعید سنائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے کہ جس نے بے حیائی کی بات کو پھیلایا اس کو کتنا عذاب ہوگا۔ یعنی جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی کی بات کو پھیلانے کو پسند کرتے ہیں تو ان پر سخت عذاب کی وعید ہے، کیونکہ ایسے لوگ منافقین ہیں۔

یہ آیت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کے متعلق نازل ہوئی ہے، لیکن اس کا حکم عام ہے، کیونکہ لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے خصوصیتِ سبب کا اعتبار نہیں ہوتا۔ نیز یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کسی گناہ کا عزم کرنا بھی گناہ ہے اور فسق کا ارادہ کرنا بھی فسق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعید بے حیائی کے کام کے پسند کرنے پر نازل فرمائی ہے۔

میں کہتا ہوں: ہمارے اس دور میں لوگ موبائل کے ذریعے ایس ایم ایس (SMS) بھیجتے ہیں جن میں فحش باتیں لکھی ہوئی ہوتی ہیں اور سوشل میڈیا کے ذریعے فحش تصاویر بھی بھیجتے ہیں، ان کا بھی یہی حکم ہے، اگر کسی شخص نے کوئی غلط تصویر یا غلط بات کسی کو بھیجی، پھر اس نے مزید آگے بھیجی تو گناہ کا یہ سلسلہ اس شخص کے مرنے کے بعد بھی جاری رہے گا اور اس کا گناہ اس کو ملتا رہے گا، اور جو لوگ اس قسم کے ایس ایم ایس بھیجتے رہیں گے وہ سب اس گناہ میں شریک ہوں گے۔ اسی طرح موضوع احادیث کو بھی ایس ایم ایس کے ذریعے پھیلایا جاتا ہے اور بھیجنے والے کو جنت کی بشارت دی جاتی ہے، وہ سب بھی اس حکم میں شریک ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور ان کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر سخت عذاب آتا)، اور بے شک اللہ بہت شفقت فرمانے والے، بہت رحم فرمانے والے ہیںO" (النور: ۲۰)

"وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللّٰهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ": یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور ان کی رحمت تم پر شامل نہ ہوتی تو کسی شخص کو گناہ سے پاک نہ کیا جاتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد حضرت مسطح اور حضرت حسان اور حضرت حمنہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خطاب عام ہو۔

(تاویلات اہل السنہ، ج ۷ ص ۵۲۸-۵۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ، اللباب فی علوم الکتاب، ج ۱۴ ص ۳۱۱-۳۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء، مدارک التنزیل، ج ۲ ص ۳۹۱-۳۹۳، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

اے ایمان والو! شیطان کے قدموں کے نشانوں کی پیروی نہ کرو، اور جو شخص شیطان کے قدموں کے نشانوں کی پیروی کرے گا تو شیطان (اس کو) بے حیائی اور برائی کے کاموں کا حکم دے گا، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک صاف نہ ہو سکتا لیکن اللہ جس کو چاہتے ہیں پاک صاف فرما دیتے ہیں، اور اللہ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O

وَ لَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۪ۖ وَ لْيَعْفُوْا وَ لْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾

اور تم میں سے جو لوگ مالی فضیلت اور وسعت والے ہیں وہ یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے، اور انہیں چاہیے کہ وہ ان کو معاف کر دیں اور ان سے درگزر کریں، کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت فرما دیں، اور اللہ بہت زیادہ مغفرت فرمانے والے، بہت زیادہ رحم فرمانے والے ہیں O

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾

بے شک جو لوگ پاک دامن، برائی سے بے خبر مومن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی گئی ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O

يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پیر ان کے کیے ہوئے کاموں کے خلاف گواہی دیں گے O

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾

جس دن اللہ لوگوں کو دین حق کے مطابق ان کو پوری پوری سزا دیں گے اور سب لوگ جان لیں گے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہیں، حق کو ظاہر فرمانے والے ہیں O

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ الْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِۚ وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ الطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِۚ اُولٰٓىٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ۠ (۲۶)

ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے ہیں، اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں، یہ پاک لوگ ناپاک لوگوں کی لگائی ہوئی تہمتوں سے بری ہیں، ان کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! شیطان کے قدموں کے نشانوں کی پیروی نہ کرو، اور جو شخص شیطان کے قدموں کے نشانوں کی پیروی کرے گا تو شیطان (اس کو) بے حیائی اور برائی کے کاموں کا حکم دے گا، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک صاف نہ ہو سکتا لیکن اللہ جس کو چاہتے ہیں پاک صاف فرما دیتے ہیں، اور اللہ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O'' (النور: ۲۱)

النور: ۲۱ کا حکم تمام مسلمانوں کے لیے ہے یا خصوصیت سے تہمت لگانے والوں کے لیے ہے؟

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، النور: ۳۵ تا ۴۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ وَ مَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًاۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے کہ اس آیت میں حضرت حسان اور حضرت مسطح اور حضرت حمنہ رضی اللہ عنہم سے خطاب ہے، کیونکہ ان صحابہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کا ساتھ دیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور ان کی رحمت ان کے شامل حال نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک نہ ہوتا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ خطاب عام ہے کہ اے ایمان والو! شیطان کے قدموں کے نشانات کی پیروی نہ کرو، یعنی شیطان جس طرح بے حیائی کے کاموں کو مزین کرتا ہے تو اس میں اس کی اتباع نہ کرو۔ اور جو شیطان کے قدموں کی پیروی کرتا ہے تو شیطان اس کو بے حیائی کے اور برائی کے کاموں کا حکم دیتا ہے، جن کاموں کو شریعت نے منکر قرار دیا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے فضل سے توبہ کی توفیق نہ عطا فرمائی ہوتی جو توبہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے تو تم میں سے کوئی بھی اپنے گناہوں سے کبھی بھی پاک نہ ہوتا۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت عام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خبر فرمائی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُن کی رحمت شامل حال نہ ہو تو تم میں سے کوئی شخص توبہ کی صلاحیت نہ رکھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ خطاب خصوصیت سے اُن لوگوں کے متعلق ہے جنھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں حصہ لیا تھا اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے کوئی بھی اس گناہ سے پاک نہ ہوتا، اور توبہ کے بعد اس کے اعمال صالح نہ ہوتے، لیکن اللہ عزوجل اپنی مخلوق کے احوال کو خوب جاننے والے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں گناہوں سے پاک فرما دیتے ہیں، اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اُن کی تمام باتوں کو سننے

والے ہیں اور جو کچھ اُن کے دلوں میں ہے اس کو جاننے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم میں سے جو لوگ مالی فضیلت اور وسعت والے ہیں وہ یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے، اور انہیں چاہیے کہ وہ اُن کو معاف کردیں اور اُن سے درگزر کریں، کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمادیں، اور اللہ بہت زیادہ مغفرت فرمانے والے، بہت زیادہ رحم فرمانے والے ہیں O'' (النور: ۲۲)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر بدستور خرچ جاری رکھنے کی تلقین

''وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ '': ''وَلَا يَأْتَلِ '': یہ لفظ باب افتعال سے بنا ہے اور اس کا مادہ الآلیۃ ہے جس کا معنی قسم ہے۔ اور آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ تم میں سے خوش حال اور مال دار ہیں وہ یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے اور انہیں چاہیے کہ ان کو معاف کردیں اور اُن سے درگزر کریں۔

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہوں نے یہ قسم کھائی کہ وہ اپنی خالہ کے بیٹے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر خرچ نہیں کریں گے اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ یتیم تھے اور اُن کے زیر پرورش تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اُن پر خرچ کرتے تھے۔ پھر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کے معاملہ میں اُن سے تقصیر ہوگئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا: تم یہاں سے اٹھ جاؤ، نہ تم مجھ سے ہو اور نہ میں تم سے ہوں۔ تب حضرت مسطح رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا: میں آپ کو اللہ کا اور اسلام کا اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں، آپ ہمیں کسی اور کی طرف محتاج نہ کریں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایسی ایسی بات نہیں کہی، تو انہوں نے کہا: ہم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سنا اور سُن کر کہہ دیا اور صحابہ میں سے بہت سے لوگوں نے یہ قسم کھائی کہ جس نے بھی اس تہمت کے لگانے میں حصہ لیا تو اس پر کوئی صدقہ نہیں کریں گے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا اور اُن پر یہ آیت پڑھی: ''کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمادیں، اور اللہ بہت زیادہ مغفرت فرمانے والے، بہت زیادہ رحم فرمانے والے ہیں''، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیوں نہیں اے میرے رب! میں چاہتا ہوں کہ میری مغفرت فرمائی جائے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اُن کے گھر گئے اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ اور اُن کے اصحاب کی طرف یہ پیغام بھیجا: اللہ تعالیٰ نے جو حکم نازل فرمایا ہے وہ میرے سر اور آنکھوں پر ہے اور میں نے تمہارے ساتھ جو پہلے سلوک کیا تھا وہ اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ تم پر ناراض تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف فرمادیا تو میں نے بھی تم کو معاف فرمادیا۔

نفس کے ساتھ جہاد کرنے کا جہادِ اکبر ہونا

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرلینا اُن کا بہت بڑا مجاہدہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کفار کے ساتھ قتال کرنے سے زیادہ شدید ہے، کیونکہ یہ نفس کے ساتھ مجاہدہ ہے اور وہ کفار کے ساتھ جہاد ہوتا ہے اور نفس کے ساتھ جہاد

کرنا کفار کے ساتھ جہاد کرنے سے زیادہ شدید ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی غزوہ سے آئے تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بہترین جگہ آئے ہو، تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے ہو، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! جہاد اکبر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: بندہ کا اپنی خواہش کے خلاف جہاد کرنا۔

(تاریخ بغداد، ج ۱۲ ص ۳۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ، الجامع الصغیر: ۶۱۰۷، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۲۰ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ پاک دامن، برائی سے بے خبر مومن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O'' (النور: ۲۳)

''اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ'':

''اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ'': یعنی جو لوگ ''الْمُحْصَنٰتِ'' پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں۔ ''الْمُحْصَنٰتِ'' سے مراد ہیں العفائف یعنی پاک دامن عورتیں۔ ''الْغٰفِلٰتِ'': جو بے حیائی کے کاموں سے بے خبر ہیں جن کے سینے اور دل پاک اور صاف ہوتے ہیں، ان کے دلوں میں کوئی بے حیائی اور برائی کا خیال نہیں آتا، کیونکہ وہ ناتجربہ کار ہوتی ہیں اور ان کو ایسی سمجھ بوجھ نہیں ہوتی جیسے تجربہ کار عورتوں کو سمجھ بوجھ ہوتی ہے، اسی طرح مردوں میں وہ لوگ ہیں جن کو ''البلہ'' کہا جاتا ہے۔

''البلہ'' کا معنی اور اس کے متعلق حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اکثر اہل الجنۃ ''البلہ'' (بھولے بھالے، جو بے حیائی اور مکر و فریب کی باتوں سے ناواقف ہوں) ہیں۔ پس میں نے اس حدیث کا احمد بن ابی عمران سے ذکر کیا، انہوں نے کہا: اس کا معنی صحیح ہے اور ''البُلْہ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ عزوجل کے حرام فرمائے ہوئے کاموں سے بے خبر ہوں اور اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ ان کی عقل ناقص ہوتی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیث مروی ہے اس کا بھی یہی معنی ہے۔

(شرح مشکل الآثار: ۲۹۸۲، مسند البزار: ۶۳۳۹، مسند الشہاب القضاعی: ۹۸۹، شعب الایمان للبیہقی: ۱۳۰۳، ۱۳۰۵، ۱۳۰۸)

دوسرا قول یہ ہے کہ ''البُلْہ'' وہ لوگ ہیں جو جنت کی نعمتوں پر راضی ہوں اور ذہین ہوں اور اللہ عزوجل کی ذات کے سوا اور کسی کی طرف دیکھنے پر راضی نہ ہوں۔ ''الْمُؤْمِنٰتِ'': یعنی وہ اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والی ہوں۔

سو جو ایسی پاک دامن اور بے حیائی سے بے خبر ایمان والی عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں گے ''لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ'' یعنی ان کو دنیا میں حد جاری کرنے کا عذاب دیا جائے گا اور آخرت میں دوزخ کا عذاب دیا جائے گا۔

''وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ'': اور ان کے عظیم گناہ کی وجہ سے ان کو عظیم عذاب دیا جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کے متعلق سب سے شدید وعید

مقاتل نے کہا: یہ وعید عبد اللہ بن اُبی ابن سلول المنافق کے ساتھ مخصوص ہے، اور روایت ہے کہ سعید بن جبیر سے یہ کہا گیا کہ جس نے کسی مومن عورت پر زنا کی تہمت لگائی، اللہ عزوجل اس پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ یہ وعید

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مخصوص ہے، اور الزمخشری نے کہا: اگر تم پورے قرآن کی چھان بین کرو اور نافرمانوں پر جو وعیدیں فرمائی گئی ہیں ان کی پڑتال کرو تو تم دیکھو گے کہ جتنی سخت وعید اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کے سلسلہ میں نازل فرمائی ہے، اتنی سخت وعید اور کسی گناہ پر نہیں فرمائی۔ اور اگر یہ تین آیتیں نازل نہ ہوتیں تو زنا کی جھوٹی تہمت لگانے والوں کا دنیا اور آخرت میں ملعون ہونا کافی تھا اور اُن کی زبانیں اور اُن کے ہاتھ اور اُن کے پیر اُن کے خلاف گواہی دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس دن اُن کی زبانیں اور اُن کے ہاتھ اور اُن کے پیر ان کے کیے ہوئے کاموں کے خلاف گواہی دیں گے ○ جس دن اللہ لوگوں کو دینِ حق کے مطابق اُن کو پوری پوری سزا دیں گے اور سب لوگ جان لیں گے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہیں، حق کو ظاہر فرمانے والے ہیں ○'' (النور: ۲۴-۲۵)

''يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ'': یعنی جس نے اپنے قول اور فعل سے جھوٹی تہمت لگائی اور بہتان باندھا، قیامت کے دن اُس کو پوری پوری سزا دی جائے گی۔ اور اس کے خلاف اس کی زبانیں، اس کے ہاتھ اور پیر گواہی دیں گے۔

''يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ'': یعنی وہ جس سزا کے مستحق ہیں، وہ سزا اُن کو دی جائے گی۔ اور مشرکین اور بت پرستوں کے متعلق قرآنِ مجید میں جو وعیدیں آئی ہیں، وہ اس سے کم ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عرفہ کے دن بصرہ میں تھے اور اُن سے قرآن مجید کی آیات کی تفسیر کے متعلق سوال کیے جا رہے تھے حتیٰ کہ اُن سے ان آیات کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: جس شخص نے کوئی گناہ کیا، پھر اس گناہ سے توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی سوا اس کے جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تہمت لگائی، اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کے سلسلہ میں بہت عظیم آیت ہے۔

چار صالحین پر لگائی ہوئی تہمت اور ان کی اس تہمت سے براءت

اللہ تعالیٰ نے چار صالحین کی چار لوگوں سے براءت بیان فرمائی، حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت شاہد کی زبان سے بیان فرمائی، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا'' (یوسف: ۲۶)، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہود نے جو تہمت لگائی تھی (کہ اُن کے خصیے بہت بڑے ہیں) تو اُن کے غسل کرنے کے وقت ایک پتھر اُن کے کپڑے لے کر بھاگا حتیٰ کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جسمانی عیب سے بری دیکھ لیا اور اس کے متعلق درج ذیل حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل برہنہ غسل کرتے تھے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں غسل کرتے تھے تو بنی اسرائیل نے کہا: اللہ کی قسم! موسیٰ کو ہمارے ساتھ غسل کرنے سے اور کوئی چیز مانع نہیں ہے سوا اس کے کہ ان کے خصیے بہت بڑے ہیں، پس ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل فرما رہے تھے تو انہوں نے اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیے، سو وہ پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے یہ

کہتے ہوئے بھاگے: اے پتھر! میرے کپڑے دے احمق کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ لیا، پس وہ آپس میں کہنے لگے: اللہ کی قسم! موسیٰ میں تو کوئی عیب نہیں ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے پتھر سے لے لیے اور اس پر اپنا عصا مارنے لگے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: اللہ کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مارنے سے اس پتھر پر چھ یا سات نشان پڑ گئے تھے۔

(صحیح البخاری: ۲۷۸، صحیح مسلم: ۳۳۹، سنن ترمذی: ۳۲۲۱، مسند احمد: ۲۷۳۹۰)

قرآن مجید میں بھی اس واقعہ کی تصدیق ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ؕ۔ (الاحزاب: ۶۹)'' (اے ایمان والو! اُن لوگوں (بنی اسرائیل) کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی، پس اللہ نے موسیٰ کو اس بات سے بری فرما دیا جو اُن لوگوں نے کہی تھی، اور موسیٰ اللہ کے ہاں معزز ہیں)۔ اور حضرت مریم علیہا السلام کو یہود کی تہمت سے بری فرمایا جب ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پنگوڑے میں کہا: ''اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۔ (مریم: ۳۰)''۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ان عظیم آیات کے ساتھ قرآن مجید کے اندر براءت بیان فرمائی جو معجز کلام ہے اور قیامت تک اس کی تلاوت کی جاتی رہے گی، پس غور کرو کہ اور لوگوں کو جو تہمت سے بری فرمایا ہے اس کے مقابلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس تہمت سے بری فرمانا کس قدر عظیم ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ کا کس قدر اظہار ہے اور اس پر تنبیہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے شوہر سید وُلدِ آدم ہیں اور تمام اولین اور آخرین میں سب سے افضل ہیں اور تمام عالمین پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں۔ اور اس پر غور کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کس قدر غضب میں آئے اور اُن کی زوجہ سے تہمت کو دور فرمانے میں کتنا مبالغہ فرمایا۔

اور بعض علماء نے کہا ہے: جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگائی یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی ازواج پر تو اس کی کوئی توبہ قبول نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر تہمت لگانے کے معاملہ میں توبہ کا ذکر نہیں فرمایا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر ان آیات سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں تو جمع کے صیغہ کے ساتھ ''الْمُحْصَنٰتِ'' کیوں فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کی تمام بیٹیوں کو بھی مراد لیا گیا ہے جو احصان، غافلات اور مومنات کے ساتھ متصف ہوں، اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ ہر اس تہمت لگانے والے کا حکم ہے جو توبہ نہ کرے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے ہیں، اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں، یہ پاک لوگ ناپاک لوگوں کی لگائی ہوئی تہمتوں سے بری ہیں، ان کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے O'' (النور: ۲۶)

''اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ'':

یعنی جو مردوں میں سے خبیث ہو وہ خبیث عورتوں کے لائق ہے اور جو عورتوں میں سے پاک دامن ہوں وہ پاک دامن مردوں کے لائق ہیں۔ اور پاک دامن مردوں میں حضرت صفوان بن المعطل رضی اللہ عنہ اور پاک دامن عورتوں میں حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔ اس آیت میں ''رِزْقٌ كَرِيْمٌ'' کا ذکر ہے اور اس سے مراد جنت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ خصوصیات جو باعثِ فخر ہیں

روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چند چیزوں کے ساتھ فخر فرماتی تھیں جو اُن کو عطا فرمائی گئیں اور کسی اور عورت کو نہیں عطا فرمائی گئیں، اُن میں سے یہ ہے:

ابن ابی مُلیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک سبز رنگ کے ریشم کے ٹکڑے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس کہا: یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ ہیں۔ (سنن ترمذی:۳۹۰۶)

اور اس پر فخر کرتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی اور کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ بتایئے کہ اگر آپ ایسی وادی میں اتریں جس میں ایسے درخت ہوں جن کے پتوں سے کچھ کھالیا گیا ہو اور آپ کو ایسا درخت ملے جس کے پتوں سے کچھ بھی نہ کھایا گیا ہو تو آپ اپنے اونٹ کو ان سے درخت کے پتے کھلائیں گے؟ آپ نے فرمایا: جس درخت سے اس کے پتے نہ کھائے گئے ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا۔

(صحیح البخاری:۵۰۷۷، ۵۲۲۸، ۶۰۶۸، صحیح مسلم:۲۴۳۹، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۷۲، شرح السنۃ للبغوی:۲۳۳۸)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر فخر فرماتی تھیں کہ ان کے سوا کسی اور زوجہ پر اس وقت وحی نازل نہیں ہوئی جب آپ اس کے بستر پر ہوں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری سہیلیاں یہ ذکر کر رہی ہیں کہ لوگ اپنے ہدایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن پیش کرتے ہیں، تو آپ لوگوں کو حکم فرمائیں کہ وہ جس دن بھی جس کے پاس ہوں وہ ہدیے پیش کریں، پس جب تیسری بار حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا تو آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! مجھے عائشہ کے معاملہ میں ایذا نہ پہنچاؤ، کیونکہ عائشہ کے علاوہ میں کسی اور زوجہ کے بستر میں ہوں تو مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی۔

(صحیح البخاری:۲۵۷۴، صحیح مسلم:۲۴۴۱، سنن ترمذی:۳۹۰۵، سنن نسائی:۳۹۵۷، مسند احمد:۲۶۵۷۴)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر فخر فرماتی تھیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض فرمائی گئی تو آپ کا سر مبارک اُن کی گود میں تھا۔ (صحیح البخاری:۴۴۳۷)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر فخر فرماتی تھیں کہ باقی لوگوں کی براءت زمین پر ہوئی اور ان کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔

(المعجم الکبیر للطبرانی:۱۰۱۷۴)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر فخر کرتی تھیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور آپ کے دوست کی بیٹی ہیں۔ آپ کو پاکیزہ پیدا فرمایا گیا اور آپ سے رزق کریم کا اور مغفرت کا وعدہ فرمایا گیا۔ اور مسروق رحمہ اللہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی حدیث روایت کرتے تو کہتے: مجھے الصدیقہ بنت الصدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ نے حدیث بیان کی جن کی براءت آسمان سے نازل ہوئی ہے۔ (السراج المنیر ج ۳ ص ۳۸۵۔۳۸۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٢٧﴾

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو حتیٰ کہ اُن سے اجازت حاصل کرلو اور اُن گھر والوں پر سلام کرلو، یہ حکم تمہارے لئے بہتر ہے تا کہ تم اس حکم کو یاد رکھو O

فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨﴾

پس اگر تم دوسروں کے گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو اُن کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو حتیٰ کہ تمہیں داخل ہونے کی اجازت دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے: واپس چلے جاؤ تو تم واپس چلے جاؤ، یہ تمہارے لئے بہت پاکیزہ طریقہ ہے، اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب جاننے والے ہیں O

لَّيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٢٩﴾

اور اُن گھروں میں داخل ہونے کی وجہ سے تم پر کوئی گناہ نہیں ہے جن گھروں میں کوئی رہتا نہ ہو اور تمہارا اُن گھروں میں کچھ سامان ہو، اور اللہ اُن سب کاموں کو جانتے ہیں جن کو تم ظاہر کرتے ہو اور جن کو تم چھپاتے ہو O

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٣٠﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ مومنین سے کہیے کہ وہ اپنی آنکھوں کو جھکا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ تمہارے لئے بہت پاکیزہ طریقہ ہے، بے شک اللہ لوگوں کے اُن کاموں کی پوری خبر رکھنے والے ہیں جو وہ کرتے ہیں O

وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ

التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی آنکھوں کو جھکا کر رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مقامات کو ظاہر نہ کریں، سوا اُن مقامات کے جو از خود ظاہر ہوں، اور وہ اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں، اور اپنی زینت کے مقامات کو کسی پر ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ دادا کے یا اپنے شوہروں کے باپ دادا کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا مسلمان عورتوں کے یا اپنی مملوکہ باندیوں کے یا ایسے مرد نوکروں کے جنہیں عورتوں کی حاجت نہ ہو، یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے باخبر نہ ہوں اور اپنے پیروں کو زمین پر اس طرح نہ ماریں جس سے اُن کے پیروں کی چھپی ہوئی زینت ظاہر ہو جائے، اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم سب اخروی کامیابی حاصل کرو O

وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰی مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىٕكُمْ ؕ اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۲﴾

اور اے سرپرستو! تم میں سے جو بے نکاح ہیں ان کا اور اپنے نیک غلاموں اور اپنی باندیوں کا نکاح کر دیا کرو، اگر وہ تنگدست ہوئے تو اللہ اُن کو اپنے فضل سے غنی فرما دیں گے، اور اللہ بہت وسعت والے، ہر چیز کو جاننے والے ہیں O

وَ لْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰی یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ الَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا ۖۗ وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَیٰتِكُمْ عَلَی الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَ مَنْ یُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۳﴾

اور جو لوگ نکاح کرنے پر (بہ طور مال) قادر نہیں ہیں اُن پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو بے حیائی کے کاموں سے روکے رکھیں حتیٰ کہ اللہ اُن کو اپنے فضل سے مال دار فرما دیں، اور تمہارے مملوک غلاموں اور باندیوں میں سے جو مکاتب بننے کو طلب کریں تو تم اُن کو مکاتب کر دو بہ شرطیکہ تم ان میں کسی بھلائی کو جانو، اور انہیں اللہ کے اس مال میں سے دو جو انہوں نے تم کو عطا فرمایا ہے، اور تمہاری جو باندیاں پاک دامن رہنا چاہیں اُن کو بدکاری پر مجبور نہ کرو تاکہ تم اس کے عوض اُن سے دنیا کا کچھ سامانِ زندگی حاصل کرلو، اور جو اُن باندیوں کو بدکاری پر مجبور کرے گا تو بے شک اللہ اُن باندیوں کو مجبور کیے جانے کے بعد بہت بخشنے والے، بے حد

مہربان ہیں O

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ۳۴

اور (اے مسلمانو!) بے شک ہم نے تمہاری طرف واضح آیات نازل فرمائی ہیں اور اُن لوگوں کے قصص بیان فرمائے ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت نازل فرمائی ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو حتیٰ کہ اُن سے اجازت حاصل کرلو اور اُن گھر والوں پر سلام کرلو، یہ حکم تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم اس حکم کو یاد رکھو O" (النور: ۲۷)

اس میں فقہاء کا اختلاف کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے سلام کرے یا اجازت طلب کرے

علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، النور: ۲۷ تا ۳۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ": اس آیت میں مذکور ہے: " حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا " - ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: حتی تستأذنوا - یعنی اے ایمان والو! تم اس وقت تک دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو حتیٰ کہ تم اُن سے اجازت حاصل کرلو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے: " حتی تستأذنوا " اور وہ کہتے تھے کہ " تَسْتَاْنِسُوْا " کاتب کی خطا ہے اور اسی طرح حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے۔ اور اس آیت کی معروف قراءت " تَسْتَاْنِسُوْا " ہے۔ اور یہ " الاستئذان " کے معنی میں ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ " الاستیناس " کا معنی ہے اُنس کو طلب کرنا اور وہ یہ ہے کہ وہ گھر میں لوگوں کی طرف نظر ڈالے، پس اُن سے اجازت حاصل کرے کہ وہ گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ اور الخلیل نے کہا ہے کہ " الاستیناس " کا معنی ہے الاستبصار اور یہ قرآن مجید کی اس آیت سے ماخوذ ہے: " اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ... (طٰہٰ: ۱۰) " یعنی میں نے آگ کو دیکھا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ گھر کے لوگوں کو دیکھ کر اُن سے اجازت حاصل کرے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ وہ گھر میں داخل ہونے کے بعد پڑھے: سبحان اللہ، یا پڑھے: اللہ اکبر، یا کھنکھارے۔ اور اس طرح گھر والوں سے دخول کی اجازت طلب کرے۔ اور اس آیت کے حکم کا حاصل یہ ہے کہ دوسرے کے گھر میں بغیر سلام کرنے یا بغیر اجازت حاصل کرنے کے داخل نہ ہو۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ اجازت طلب کرنے کو مقدم کرے یا سلام کرنے کو۔ بعض علماء نے کہا: اجازت طلب کرنے کو مقدم کرے پس کہے: کیا میں داخل ہو جاؤں تم پر سلام ہو؟ کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰى

اَھلِھا" ۔ اورا کثر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ سلام کرنے کو مقدم کرے، پس کہے: تم لوگوں پر سلام ہو، کیا میں داخل ہو جاؤں؟ اور اس آیت میں تقدیم اور تاخیر ہے ۔ اصل میں یوں ہے: "حتیٰ تسلموا علی اھلھا و تستأذنوا" حتیٰ کہ تم گھر والوں کو سلام کرو اور اُن سے اجازت طلب کرو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں اسی طرح مذکور ہے۔

کلدہ بن حنبل بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے صفوان بن امیہ کورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ اور چند چیزیں دے کر بھیجا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مکہ کے بلند حصہ میں تھے، پس میں داخل ہوا اور میں نے سلام نہیں کیا، آپ نے فرمایا: تم واپس جاؤ اور کہو: "السلام علیکم" اور یہ حضرت صفوان بن امیہ کے اسلام لانے کے بعد کا واقعہ ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۵۱۶۵، سنن ترمذی: ۲۷۱۰، الادب المفرد للبخاری: ۱۰۸۱، مسند احمد: ۱۵۴۲۵)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرد نے اُن کے پاس آنے کی اجازت طلب کی، پس کہا: کیا میں داخل ہوں؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نہیں! پھر کسی مرد نے اس کو بتایا کہ پہلے تم سلام کرو، سو اس نے سلام کیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو اجازت دی۔

اور بعض علماء نے کہا ہے: اگر اس کی نظر پہلے کسی انسان پر پڑے تو سلام کو مقدم کرے، ورنہ پہلے اجازت طلب کرے اور پھر سلام کرے۔

اور حضرت ابوموسیٰ الاشعری اور حضرت حذیفہ محرمات سے اجازت طلب کرتے تھے، اسی طرح حسن بصری سے مروی ہے۔ اگر وہ سب ایک گھر میں ہوتے تو وہ کھنکھارتے اور معمولی سی حرکت کرتے۔

دخول سے پہلے اجازت طلب کرنے کے متعلق احادیث

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی، پس گویا کہ ان کو کسی کام میں مشغول پایا، سو وہ واپس چلے گئے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں نے عبداللہ بن قیس کی آواز نہیں سنی تھی؟ ان کو آنے کی اجازت دو، سو ان کو بلایا گیا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم نے جو کیا اس پر تمہیں کس نے برانگیختہ کیا؟ تو انہوں نے کہا: ہمیں اسی چیز کا حکم دیا جاتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اس پر میرے پاس گواہ لاؤ ورنہ میں تم کو ضرور سزا دوں گا، پس حضرت ابوموسیٰ انصار کی مجلس کی طرف گئے تو انہوں نے کہا: جو ہم میں سب سے چھوٹا ہے وہ اس پر گواہی دے گا تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، انہوں نے کہا: ہمیں اس بات کا حکم دیا جاتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم مخفی رہا مجھے بازاروں میں خرید و فروخت نے اس کے سننے سے مشغول کر دیا۔ (صحیح البخاری: ۲۰۶۲، ۶۲۴۵، ۷۳۵۳، صحیح مسلم: ۲۱۵۴، سنن ابوداؤد: ۵۱۱۸، مسند احمد: ۱۹۰۸۴، موطا امام مالک: ۱۷۹۸)

ایک اور سند سے مروی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ اجازت طلب کرے، پھر اس کو اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس چلا جائے۔

حسن بصری نے کہا: پہلی مرتبہ سلام کرنا اپنے آنے کی خبر دینے کے لیے ہے، اور دوسری مرتبہ سلام کرنا مشورہ لینے کے لیے ہے، اور تیسری مرتبہ سلام کرنا واپس جانے کی اجازت طلب کرنے کے لیے ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس اگر تم دوسروں کے گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو اُن کے گھروں میں اس وقت تک

داخل نہ ہو حتیٰ کہ تمہیں داخل ہونے کی اجازت دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے: واپس چلے جاؤ تو تم واپس چلے جاؤ، یہ تمہارے لئے بہت پاکیزہ طریقہ ہے، اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب جاننے والے ہیںO" (النور:۲۸)

"فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى یُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ":
یعنی اگر تم گھر میں کسی کو نہ پاؤ جو تم کو داخل ہونے کی اجازت دے تو پھر تم گھر میں داخل مت ہو حتیٰ کہ تمہیں داخل ہونے کی اجازت دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس جاؤ تو واپس چلے جاؤ۔ یعنی اگر گھر میں کچھ لوگ ہوں، پس وہ کہیں کہ واپس جاؤ تو واپس چلا جائے اور دروازہ کے اوپر نہ ٹھہرے۔ اور یہ واپس جانا تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ اور زیادہ مناسب ہے۔ قتادہ نے کہا: جب اس کو اجازت نہ دی جائے تو وہ دروازہ پر نہ بیٹھے، کیونکہ لوگوں کو ضروریات ہوتی ہیں، اور جب وہ آئے اور اجازت طلب نہ کرے اور دروازہ پر انتظار میں بیٹھ جائے تو جائز ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کسی حدیث کی طلب کے لیے انصار کے دروازہ پر آتے پس وہ دروازہ پر بیٹھ جاتے حتیٰ کہ وہ شخص نکل آئے اور اجازت نہیں طلب کرتے تھے۔ پھر وہ مرد باہر آتا اور کہتا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے! کاش! آپ مجھے خبر دیتے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے: ہمیں اسی طرح اذن حاصل کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے، اور اگر وہ کھڑا ہو تو دروازہ کی جھری سے نہ دیکھے جب کہ دروازہ بند ہو۔

کسی کے گھر میں جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑنے کا حکم

سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں کے سوراخ میں سے جھانکا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں لوہے کی سلاخ تھی جس سے آپ اپنے سر کے بال کھجا رہے تھے، آپ نے فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم دیکھ رہے ہو تو میں اس سلاخ کے ساتھ تمہاری آنکھوں کو زخمی کر دیتا۔ آنکھ سے دیکھنے کی وجہ سے استئذان کو شروع کیا گیا ہے۔
(صحیح بخاری: ۵۹۲۴، ۶۲۴۱، ۶۹۰۱، صحیح مسلم: ۲۱۵۶، سنن ترمذی: ۲۷۰۹، سنن نسائی: ۴۸۵۹، مسند احمد: ۲۲۲۹۶، سنن دارمی: ۲۳۸۴، مشکل الآثار للطحاوی: ۹۳۴۔۹۳۵، سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۳۸، المعجم الکبیر للطبرانی: ۵۶۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۷۵۶، شرح السنہ للبغوی: ۲۵۶۱، مصنف عبد الرزاق: ۱۹۴۳۱، صحیح ابن حبان: ۶۰۰۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی مرد تمہاری اجازت کے بغیر تمہارے گھر میں جھانکے، پھر تم کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔
(صحیح البخاری: ۶۹۰۲، صحیح مسلم: ۲۱۵۸، سنن نسائی: ۴۸۱۶، سنن ابوداؤد: ۵۱۷۲، مسند احمد: ۷۱۲۴، شرح السنہ للبغوی: ۲۵۶۲، مسند الشافعی ج ۲ ص ۱۰۱، صحیح ابن حبان: ۶۰۰۲، سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۳۸، الادب المفرد للبخاری: ۱۰۶۸، مشکل الآثار للطحاوی: ۹۳۹، مصنف عبد الرزاق: ۱۹۴۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۷۵۸)

"وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ": یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کون گھروں میں اجازت لے کر داخل ہوتا ہے اور کون گھروں میں بغیر اجازت کے داخل ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اُن گھروں میں داخل ہونے کی وجہ سے تم پر کوئی گناہ نہیں ہے جن گھروں میں کوئی رہتا نہ ہو اور تمہارا اُن گھروں میں کچھ سامان ہو، اور اللہ اُن سب کاموں کو جانتا ہے جن کو تم ظاہر کرتے ہو اور جن کو تم چھپاتے ہو O'' (النور: ۲۹)

جن گھروں میں بغیر اجازت طلب کئے داخل ہونا جائز ہے، ان کے مصادیق

''لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ'':

یعنی جن گھروں میں کوئی رہتا نہ ہو اور اُن گھروں میں تمہاری کوئی منفعت ہو، اگر اُن گھروں میں تم بغیر اجازت طلب کئے داخل ہو جاؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اور ان گھروں کے مصداق میں اختلاف ہے، پس قتادہ نے کہا: یہ دکانیں اور گھر ہیں اور وہ منازل ہیں جس میں لوگوں کا ساز و سامان ہو، پس اُن میں بغیر اجازت طلب کئے داخل ہونا جائز ہے۔ اور گرمی اور سردی سے حفاظت کی جن میں سہولت ہو۔ اور ابن زید نے کہا: یہ تجارت کے گھر ہیں اور وہ دکانیں ہیں جو بازاروں میں ہوتی ہیں جن میں خرید و فروخت کے لیے جانا ہوتا ہے، اور یہی منفعت ہے۔ اور ابراہیم النخعی نے کہا: بازاروں کی دکانوں میں داخل ہونے کے لیے اذن کی ضرورت نہیں ہے۔ اور ابن سیرین جب بازار کی دکانوں میں آتے تو کہتے السلام علیکم! کیا میں داخل ہو جاؤں؟ اور پھر داخل ہو جاتے۔

اور عطاء نے کہا: اس سے مراد غیر آباد گھر ہیں اور منفعت سے مراد قضائے حاجت کی جگہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اُن گھروں کی جمع ہے جس میں کوئی رہنے والا نہ ہو، کیونکہ اجازت کو اس لیے مشروع کیا گیا ہے تاکہ کوئی شخص دوسرے کی چھپائی ہوئی چیزوں اور شرمگاہوں پر مطلع نہ ہو۔ پس اگر اس کا خوف نہ ہو تو بغیر اجازت طلب کئے اُن گھروں میں داخل ہونا جائز ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسول اکرم!) آپ مومنین سے کہیے کہ وہ اپنی آنکھوں کو جھکا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ تمہارے لئے بہت پاکیزہ طریقہ ہے، بے شک اللہ لوگوں کے اُن کاموں کی پوری خبر رکھنے والے ہیں جو وہ کرتے ہیں O'' (النور: ۳۰)

مسلمانوں کو اپنی نگاہیں پست رکھنے اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم

''قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۚ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ'':

یعنی اُن اعضاء کو دیکھنے سے مسلمان اپنی نظروں کو جھکائیں جن کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مومنین کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ وہ مطلقاً اپنی نظروں کو جھکا کر رکھیں۔ اُن کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ جن اعضاء کو دیکھنا جائز نہیں ہے، اُن کی طرف دیکھنے سے نظروں کو جھکائیں۔ ''وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ'': اور اپنی شرمگاہوں کی اُن چیزوں سے حفاظت کریں جن کا دیکھنا حلال نہیں ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: قرآن مجید میں جہاں بھی شرمگاہ کی حفاظت کا حکم فرمایا گیا ہے، اس سے مراد زنا اور حرام کا ارتکاب ہے سوا اس آیت کے، کیونکہ یہاں پر یہ حکم فرمایا گیا ہے کہ اپنی شرمگاہوں پر پردہ رکھیں حتیٰ کہ دوسرے کی نگاہ اُس پر نہ پڑے۔

''ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ'': یعنی نظر کو جھکانا اور شرمگاہ کو چھپانا اُن کے حق میں بہتر ہے اور پاکیزگی کا باعث ہے۔ اور جو کچھ لوگ کام

کرتے ہیں اللہ اُن کو خوب جاننے والے ہیں۔

اجنبی عورتوں کی طرف اچانک نظر پڑ جانے کی رخصت

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا، کیونکہ پہلی نظر میں تمہارے لیے رخصت ہے (یعنی جو نظر اچانک پڑ جائے)۔ اور دوسری نظر میں تمہارے لیے رخصت نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۴۹، سنن ترمذی: ۲۷۷۷، مشکل الآثار للطحاوی: ۱۸۶۷، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۱۹۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۹۰)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اپنی نظر کو پھیر لو۔

(صحیح مسلم: ۲۱۵۹، سنن ابوداؤد: ۲۱۴۸، سنن ترمذی: ۲۷۷۶، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۶۷۲، سنن دارمی ج ۲ ص ۲۶۸، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۹۶، المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۴۰۳، صحیح ابن حبان: ۵۵۷۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۸۹، مشکل الآثار للطحاوی: ۱۸۶۸)

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مرد دوسرے مرد کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے اور ایک عورت دوسری عورت کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے اور ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ صرف ایک کپڑے میں نہ رہے اور نہ ایک عورت دوسری عورت کے ساتھ صرف ایک کپڑے میں رہے۔

(صحیح مسلم: ۳۳۸، شرح السنۃ للبغوی: ۲۲۴۳، سنن ترمذی: ۲۷۹۳، سنن ابن ماجہ: ۶۶۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۰۶، سنن ابوداؤد: ۴۰۱۸، صحیح ابن حبان: ۵۵۷۴، مستخرج ابی عوانہ ج ۱ ص ۲۸۳، مسند ابویعلیٰ: ۱۱۳۶، المعجم الکبیر للطبرانی: ۵۴۳۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۹۸)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی آنکھوں کو جھکا کر رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مقامات کو ظاہر نہ کریں، سوا اُن مقامات کے جو از خود ظاہر ہوں، اور وہ اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں، اور اپنی زینت کے مقامات کو کسی پر ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ دادا کے یا اپنے شوہروں کے باپ دادا کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا مسلمان عورتوں کے یا اپنی مملوکہ باندیوں کے یا ایسے مرد نوکروں کے جنہیں عورتوں کی حاجت نہ ہو، یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے باخبر نہ ہوں اور اپنے پیروں کو زمین پر اس طرح نہ ماریں جس سے اُن کے پیروں کی چھپی ہوئی زینت ظاہر ہو جائے، اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم سب اخروی کامیابی حاصل کرو O'' (النور: ۳۱)

''وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ'':

''وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ'': یعنی آپ مسلمان عورتوں کو حکم دیں کہ وہ اپنی نظروں کو اُن اعضاء سے جھکا کے رکھیں جن کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔

''وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ'': اور اپنی شرمگاہوں کو اُن سے حفاظت میں رکھیں جو جائز نہیں ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ اپنی شرمگاہوں کو ڈھانپ کر رکھیں حتیٰ کہ کوئی شخص اس کو نہ دیکھے۔

اجنبی مردوں اور اجنبی عورتوں کو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کی ممانعت کی حدیث

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس تھیں، اچانک حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ (نابینا صحابی) آ گئے، اور وہ آپ کے پاس اس وقت آئے جب ہم عورتوں کو پردہ میں رہنے کا حکم فرمایا گیا تھا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں اس سے پردے میں چلی جاؤ۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا وہ نابینا نہیں ہے، ہم کو نہیں دیکھ سکتا؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو، کیا تم دونوں اس کی طرف نہیں دیکھ رہیں؟

(صحیح مسلم: ۱۴۸۰، سنن ابوداؤد: ۴۱۲۱، سنن ترمذی: ۲۷۷۸، صحیح ابن حبان: ۵۵۷۸، تاریخ دمشق ج ۸ ص ۳۳۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۹۱، المغنی لابن قدامہ ج ۶ ص ۵۶۳)

محلِ زینت

''وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ'': یعنی غیر محرم کے سامنے اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں اور اس سے مراد ہے چھپی ہوئی زینت۔ اور عورت کی دو زینتیں ہیں، ایک چھپی ہوئی اور دوسری ظاہر۔ چھپی ہوئی زینت جیسے پازیب ہے اور پیروں کی مہندی ہے، اور ہاتھوں کے کنگن ہیں، اور کانوں کی بالیاں ہیں، اور گلے کے ہار ہیں۔ پس عورت کے لیے ان چیزوں کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے اور نہ کسی اجنبی مرد کے لیے ان چیزوں کی طرف دیکھنا جائز ہے اور زینت سے مراد زینت کی جگہ ہے۔

زینتِ ظاہرہ

''اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'': یعنی زینتِ ظاہرہ کو چھپانے کا حکم نہیں ہے۔ اہل علم کا زینتِ ظاہرہ کے مصداق کے متعلق اختلاف ہے جن کے چھپانے کا حکم نہیں ہے۔ سعید بن جبیر اور الضحاک اور الاوزاعی نے کہا: اس سے مراد عورت کا چہرہ اور اس کی ہتھیلیاں ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد کپڑے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ'' (الاعراف: ۳۱) (اے اولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو)۔ اور حسن بصری نے کہا: اس سے مراد چہرہ اور کپڑے ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد سرمہ اور انگوٹھی اور ہاتھوں کی مہندی ہے۔ پس جو زینتِ ظاہرہ ہو تو اجنبی مرد کے لیے اس کو دیکھنا جائز ہے جب کہ اس سے فتنہ اور شہوت کا خوف نہ ہو۔ پس اگر اس کو ان کو دیکھنے سے فتنہ یا شہوت کا خوف ہو تو پھر اپنی نظریں جھکائے۔ اور عورت کے بدن کی اتنی مقدار کو ظاہر کرنے کے لیے اس لیے اجازت دی ہے کہ یہ مقدار شرمگاہ نہیں ہے۔ اور نماز میں ان اعضاء کو کھولنے کا حکم فرمایا گیا ہے اور اس کے علاوہ عورت کا باقی بدن شرمگاہ ہے جس کو ڈھانپنا

لازم ہے۔

"وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ": یعنی عورتیں اپنے دوپٹوں کو گریبانوں پر ڈالے رکھیں اور سینوں پر، تاکہ اس سے اپنے سر کے بالوں کو اور اپنے سینوں کو اور اپنی گردنوں کو چھپائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پہلی مہاجرات عورتوں پر رحم فرمائیں، جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے اپنی چادروں کے دو ٹکڑے کر لیے، اور ایک ٹکڑے سے اپنے سینوں کو چھپایا۔

"وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ": یعنی اس چھپی ہوئی زینت کو ظاہر نہ کریں جس کو نماز میں بھی کھولنا جائز نہیں ہے اور نہ اجنبی مردوں کے لیے اس کو ظاہر کرنا جائز ہے، اور یہ چہرے اور ہتھیلیوں کے ماسوا باقی اعضاء ہیں۔

خاوند اور محارم کے سامنے زینتِ ظاہرہ کو کھولنے کا جواز

"اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل نے کہا: یعنی وہ اپنے دوپٹوں کو اپنے شوہروں کے سوا اور کسی کے لیے نہ اتاریں۔

"اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ": یعنی ان لوگوں کے لیے جائز ہے کہ وہ عورت کی چھپی ہوئی زینت کو دیکھیں، اور ناف سے لے کر گھٹنے تک نہ دیکھیں۔ اور شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کے پورے بدن کو دیکھے، البتہ شوہر کے لیے بھی اس کی شرمگاہ کو دیکھنا مکروہ ہے۔

"اَوْ نِسَآئِهِنَّ": یعنی عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ دوسری عورت کے بدن کو دیکھے سوا ناف سے لے کر گھٹنے تک، یا اجازت اس وقت ہے کہ جب وہ عورت مسلمان ہو، اگر وہ عورت کافرہ ہو تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ مسلمان عورت کے ان اعضاء کو دیکھے؟ اس میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: جس طرح مسلمان عورت کے لیے دوسری عورت کے جسم کو دیکھنا جائز ہے، اسی طرح باقی عورتوں کے لیے بھی دیکھنا جائز ہے، اور دوسرے مفسرین نے کہا کہ غیر مسلم عورتوں کے لیے مسلم عورت کے بدن کو دیکھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اَوْ نِسَآئِهِنَّ" اور کافرہ عورت ہماری عورتوں میں سے نہیں ہے۔ اور اس لیے کہ وہ دین میں اجنبی ہے اور وہ اجنبی مرد کی طرح ہے۔ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی طرف مکتوب لکھا کہ اہلِ کتاب کی عورتوں کو حمام میں مسلمان عورتوں کے ساتھ داخل ہونے سے منع کریں۔

عورتوں کے نوکروں کا گھروں میں دخول کا جواز

"اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ": اس کے مصداق میں اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے کہا: عورت کا غلام اس کا محرم ہے، پس اس کے لیے کسی عورت کے پاس جانا جائز ہے جب کہ وہ پاک دامن ہو۔ اور غلام کے لیے اپنی مالکہ کے بدن کی طرف دیکھنا جائز ہے سوائے ناف سے لے کر گھٹنے تک جس طرح محارم کے لیے اجازت ہے، اور یہ ظاہر قرآن کا حکم ہے۔ اور حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس ایک غلام کو لے کر آئیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہبہ فرمایا تھا، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اوپر ایک چادر تھی جس سے انہوں نے اپنے سر کو ڈھانپا ہوا تھا اور وہ چادر ان کے پیروں تک نہیں پہنچتی تھی۔ اور جب پیروں کو ڈھانپ لیں تو وہ چادر ان کے سر تک نہیں پہنچتی تھی۔ پس جب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو دیکھا تو فرمایا: کوئی حرج نہیں، تمہارے والد ہیں اور تمہارا غلام ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۱۰۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۹۵، الارواء للالبانی: ۱۷۹۹)

اور دوسرے مفسرین نے کہا کہ عورت کا غلام بھی عورت کے ساتھ اجنبی مرد کی مثل ہے، اور یہ سعید بن المسیب کا قول ہے۔ انہوں نے کہا: اس آیت میں باندیاں مراد ہیں نہ کہ غلام۔ اور ابن جریج سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَوْ نِسَآىٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ''۔ انہوں نے کہا: کیونکہ مسلمان عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکہ عورت کے سامنے اپنے کپڑے اتارے، سوا اس کے کہ وہ مشرکہ عورت اس کی باندی ہو۔

''اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ'': یعنی عورتوں کے جو نوکر شہوتی ہوں، ان کے سامنے عورت کا اپنی چھپی ہوئی زینت کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی نوکری کرتے ہیں تا کہ اُن کا بچا ہوا کھانا کھالیں، اس کے سوا اُن سے اور کچھ مقصود نہیں ہوتا۔ اور اُن نوکروں کی عورتوں میں کوئی حاجت نہ ہو۔ یہ مجاہد، عکرمہ اور الشعبی کا قول ہے۔

جن مردوں کو عورتوں کی خواہش نہ ہو، اُن کے متعلق اقوال

''غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ'' کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ ہیں جو نامرد ہوں۔ اور حسن بصری نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جن کے آلے میں استادگی نہ ہو اور وہ عورتوں سے جماع کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد ہیں جو کم عقل ہوں۔ عکرمہ نے کہا: اس سے مراد ہے جس کا آلہ کٹا ہوا ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو مخنث ہو۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد ہے جو بہت بوڑھا ہو اور نامرد ہو اور خصی ہو اور جس کا آلہ کٹا ہوا ہو۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زینب کو خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گھر میں ایک ہیجڑا تھا تو اس نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ سے کہا: اے عبداللہ! اگر تمہارے لیے کل طائف فتح ہو گیا تو میں تمہیں بنت غیلان کو دکھاؤں گا، وہ جب سامنے آتی ہے تو اس میں چار (سلوٹیں) ہوتی ہیں اور جب پیٹھ موڑ کر جاتی ہے تو اس میں آٹھ (سلوٹیں) ہوتی ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شخص ہرگز تمہارے پاس نہ آیا کرے۔

امام عبداللہ (بخاری) نے کہا کہ ''تقبل باربع وتدبر'' کا معنی ہے: اس کے پیٹ میں چار سلوٹیں پڑتی ہیں، پس وہ سامنے سے چار سلوٹوں کے ساتھ آتی ہے اور تدبر بثمان کا معنی ہے: ان چار سلوٹوں کی اطراف، کیونکہ یہ سلوٹیں دونوں جانب سے محیط ہوتی ہیں حتیٰ کہ مل جاتی ہیں۔ اور اس نے ثمان کہا اور ثمانیۃ نہیں کہا اور اطراف کا واحد طرف ہے اور وہ مذکر ہے، اس لیے ثمانیۃ اطراف نہیں کہا۔

(صحیح البخاری: ۴۳۲۴، ۵۲۳۵، ۵۸۸۷، صحیح مسلم: ۲۱۸۰، سنن ابوداؤد: ۴۹۲۹، سنن ابن ماجہ: ۲۶۳۱، مسند احمد: ۲۵۹۵۱، موطا امام مالک: ۱۴۹۸)

جن چھوٹے بچوں کا گھر میں دخول منع نہیں ہے

''اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ'': اس آیت میں ''الطفل'' کا لفظ ہے اور اس سے مراد اطفال ہیں خواہ وہ ایک ہو یا زیادہ ہوں۔ اور وہ ایسے بچے ہوں جن کو عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کا معنی معلوم نہ ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اُن کو کم

عمر کی وجہ سے شرمگاہ وغیرہ کا جاننا ہو، یہ مجاہد کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ شہوت کی حد کو نہ پہنچے ہوں۔

"وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ": جب عورت زمین پر چلتی تو اپنے پیر زمین پر زور سے مارتی تا کہ اس نے پیروں میں جو زیور پہنے ہوئے ہیں ان کی آواز سنائی دے، تو اس آیت میں اس سے منع فرما دیا گیا ہے۔

مذکور الصدر احکام میں تقصیر پر توبہ کا حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرنا

"وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ": یعنی ان احکام کی ادائیگی میں اگر تم سے کوئی تقصیر ہو جائے تو تم اللہ عزوجل سے توبہ کرو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں اپنے رب سے ہر روز سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم: ۲۷۰۲، الادب المفرد للبخاری: ۶۲۱، شرح السنہ للبغوی: ۱۲۸۱، عمل الیوم واللیلہ للنسائی: ۴۴۶۔۴۴۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۹۸، صحیح ابن حبان: ۹۲۹، المعجم الکبیر للطبرانی: ۸۸۲، سنن نسائی: ۳۴۴۔۳۴۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بے شک ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں توبہ کا شمار کرتے تھے، آپ سو مرتبہ دعا کرتے تھے: "رب اغفرلی وتب علی انك انت التواب الرحیم" (اے میرے رب! میری مغفرت فرمائیں اور میری توبہ قبول فرمائیں، بے شک آپ سب سے زیادہ توبہ قبول فرمانے والے، سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں)۔

(سنن ابوداؤد: ۱۵۱۶، سنن ترمذی: ۳۴۳۴، سنن ابن ماجہ: ۳۸۱۴، عمل الیوم واللیلہ: ۴۵۸، شرح السنہ للبغوی: ۱۲۸۲، الادب المفرد للبخاری: ۶۱۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۹۷، صحیح ابن حبان: ۹۲۷، سنن نسائی: ۳۵۹۔۳۶۰)

خلاصہ یہ ہے کہ کسی مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھے۔ اور شرمگاہ ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے۔ اسی طرح ایک عورت دوسری عورت کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے اور اس کے علاوہ عورت کے دوسری عورت کے باقی بدن کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔ اور امام مالک اور ابن ابی ذئب نے کہا کہ ران شرمگاہ نہیں ہے۔

ران کے شرمگاہ ہونے یا نہ ہونے کے متعلق اختلاف

ران کے شرمگاہ نہ ہونے پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں جہاد کیا، ہم نے خیبر کے پاس منہ اندھیرے صبح کی نماز پڑھی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سوار ہوئے، اور میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی گلیوں میں گھوڑے کو دوڑایا، اور بے شک میرا گھٹنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کو چھو رہا تھا، پھر آپ نے اپنی ران سے تہبند ہٹایا حتیٰ کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کی سفیدی کو دیکھ رہا تھا۔۔۔ الحدیث

(صحیح البخاری: ۳۷۱، صحیح مسلم: ۱۸۰۲، سنن نسائی: ۳۳۸۰، سنن ابوداؤد: ۲۹۹۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۵۹۹، مسند احمد: ۱۱۹۹۲)

اور اکثر اہل علم اس پر متفق ہیں کہ ران شرمگاہ ہے، اور ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت محمد بن جحش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معمر کے پاس سے گزرے اور ان کی دونوں رانیں کھلی ہوئی

تھیں تو آپ نے فرمایا: اے معمر! اپنی دونوں رانوں کو ڈھانپو، کیونکہ دونوں رانیں شرمگاہ ہیں۔

(التاریخ الکبیر للبخاری ج ۱ ص ۱۳، شرح السنہ للبغوی: ۲۲۴۳، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۱۸۰، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۹ ص ۵۵۱، مشکل الآثار للطحاوی: ۱۶۹۹، معانی الآثار للطحاوی ج ۱ ص ۴۷۴، سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۲۸، نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۴۵)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت جرہد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ران شرمگاہ ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۷۹۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۱۱۶، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱۱۱۹، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۱۸۱، مشکل الآثار للطحاوی: ۱۶۹۸، مصنف عبدالرزاق: ۱۱۱۵، ۱۹۸۰۸، معانی الآثار للطحاوی ج ۱ ص ۴۷۵، صحیح ابن حبان: ۱۷۱۰، شرح السنہ للبغوی ج ۵ ص ۱۸)

ران کے شرمگاہ ہونے یا نہ ہونے میں دو مختلف حدیثیں ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ران شرمگاہ نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۷۳) اور حضرت جرہد رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ران شرمگاہ ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۷۹۶)۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری نے ان حدیثوں میں محاکمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے اور حضرت جرہد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں زیادہ احتیاط ہے۔

مرد اور عورت کی شرمگاہوں کا بیان

رہا عورت کی شرمگاہ کا مرد کے ساتھ حکم تو عورت اگر آزاد اجنبی ہو تو اس کا تمام بدن اجنبی مرد کے حق میں شرمگاہ ہے اور اس کا چھپانا واجب ہے اور چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا اس کے جسم کے کسی حصہ کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے۔ اگر وہ عورت باندی ہو تو اس کی شرمگاہ ناف سے لے کر گھٹنے تک مرد کی شرمگاہ کی مثل ہے۔ اور مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی اور اپنی باندی کے تمام بدن کی طرف دیکھے سوا شرمگاہ کے، کیونکہ اس کی طرف دیکھنا مکروہ ہے۔ اور جب کوئی مرد اپنی باندی کا کسی سے نکاح کر دے تو اس کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا اسی طرح حرام ہے جس طرح اجنبی عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی باندی کا نکاح اپنے غلام سے کر دے تو اس کی ناف کے نیچے اور گھٹنے کے اوپر کے حصہ کو نہ دیکھے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۰۹۶، سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۲۸۔۲۲۹)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور اے سرپرستو! تم میں سے جو بے نکاح ہیں ان کا اور اپنے نیک غلاموں اور اپنی باندیوں کا نکاح کر دیا کرو، اگر وہ تنگدست ہوئے تو اللہ اُن کو اپنے فضل سے غنی فرما دیں گے، اور اللہ بہت وسعت والے، ہر چیز کو جاننے والے ہیں O“ (النور: ۳۲)

بے نکاح مرد یا عورت کے نکاح کا اُن کے سرپرستوں کو حکم

”وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ“: اس آیت میں ”الایامٰی“ کا لفظ ہے اور ”الایامٰی“ ایّم کی جمع ہے۔ ”ایّم“ اس مرد کو کہتے ہیں جس کی کوئی بیوی نہ ہو اور اس عورت کو کہتے ہیں جس کا کوئی خاوند نہ ہو۔ کہا جاتا ہے ”رجل ایم“ اور ”امرأۃ ایمۃ“۔ اور اس آیت کا معنی ہے: اے وہ مسلمانو!

جن کا آزاد مردوں یا آزاد عورتوں سے نکاح نہیں ہے تم اُن کا نکاح اپنے نیک غلاموں اور نیک باندیوں سے کردو۔ اور یہ حکم بہ طور استحباب ہے، پس جس شخص کو نکاح کی شدید خواہش ہو اور اس کو آزاد عورت کے ساتھ نکاح کا موقع نہ ملے تو وہ کسی باندی سے نکاح کرلے، ورنہ وہ روزے رکھ کر اپنی شہوت کا زور توڑے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہو سو وہ نکاح کرلے، کیونکہ نکاح کرنا نظر کو جھکا کے رکھتا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے، اور جو گھر بسانے کی طاقت نہ رکھے تو اس پر لازم ہے کہ وہ روزے رکھے، کیونکہ روزے رکھنا اس کے لیے خصی ہونے کے قائم مقام ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۰۶۵، ۱۹۰۵، ۵۰۶۶، صحیح مسلم: ۱۴۰۰، سنن ترمذی: ۱۰۸۱، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۲، سنن نسائی ج ۳ ص ۱۶۹، سنن ابوداؤد: ۲۰۴۶، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۹۰۵، مسند ابویعلیٰ: ۵۱۱۰، ۵۱۹۲، سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۷)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرد حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: مجھے ایک خوبصورت، مال دار اور عمدہ خاندان کی عورت ملی ہے لیکن اس عورت کے ہاں اولاد نہیں ہوتی، کیا میں اس سے نکاح کرلوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! پھر وہ دوبارہ آیا تو آپ نے اس کو منع فرمایا، پھر وہ سہ بارہ آیا تو آپ نے فرمایا: تم اُن عورتوں سے نکاح کرو جن کے ہاں اولاد ہوتی ہو، کیونکہ میں قیامت کے دن تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

(سنن ابوداؤد: ۲۰۴۹، سنن نسائی ج ۶ ص ۶۵۔ ۶۶، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۱۶۲، صحیح ابن حبان: ۴۰۵۶، ۴۰۵۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۸۱، سنن سعید بن منصور: ۴۹۰، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۶، مجمع الزوائد للہیثمی ج ۳ ص ۱۰۔ ۱۱، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۷۳۔ ۲۷۴۳، مسند ابویعلیٰ: ۳۶۸)

میں کہتا ہوں: اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر اس عورت سے کوئی بھی نکاح نہ کرے تو وہ کیسے زندگی گزارے گی؟

ہوسکتا ہے آپ کی مراد یہ ہو کہ جس شخص کی اور کوئی بیوی نہ ہو وہ اس سے نکاح نہ کرے اور جس کی اور بیویاں ہوں جن سے اس کی اولاد ہو تو وہ اس عورت سے نکاح کرلے تاکہ اس عورت کی جنسی آسودگی کا سامان بھی میسر ہو اور اس کی معیشت کا سامان بھی حاصل ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (سعیدی غفرلہ)

عبید بن سعید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی میری فطرت سے محبت رکھتا ہو وہ میری سنت پر عمل کرے اور میری سنت نکاح کرنا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۰۳۷۸، سنن سعید بن منصور: ۴۸۷، مسند ابویعلیٰ: ۲۷۴۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۸، المطالب العالیہ: ۱۵۸۶، مجمع الزوائد للہیثمی ج ۴ ص ۲۵۲، الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۸۷)

نفلی عبادات سے افضل نکاح میں مشغول ہونے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

رہا وہ شخص جو نکاح کا شدید خواہش مند نہ ہو اور وہ نکاح کرنے پر قادر ہو تو اس کا عبادت کے لیے فارغ ہونا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح کرنے سے افضل ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک اس کا نکاح کرنا افضل ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایسے بندے کا تکریم کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (آل عمران: ۳۹)'' (اور یحییٰ سردار ہوں گے اور عورتوں سے دور رہنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور ہمارے نیک بندوں میں

سے ہوں گے)۔

الحصور اس شخص کو کہتے ہیں جو نکاح پر قدرت کے باوجود عورتوں کے پاس نہ جائے۔اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ بے نکاح عورتوں کا نکاح کرنا اُن کے سرپرستوں کی طرف مفوض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو خطاب فرمایا ہے، جیسا کہ غلاموں اور باندیوں کا نکاح کرنا اُن کے مالکوں کی طرف مفوض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىِٕكُمْ“۔

اور صحابہ میں سے اکثر اہل علم اور بعد کے فقہاء کا یہی موقف ہے۔یہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا موقف ہے۔اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن المسیب، حسن البصری، شریح، ابراہیم النخعی اور عمر بن عبدالعزیز کا بھی یہی مختار ہے۔

اور ائمہ میں سے الثوری، الاوزاعی، عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا بھی یہی موقف ہے۔

عورت کے از خود نکاح کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

اور فقہاء احناف نے آزاد عورت کے از خود اپنے نکاح کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔اور امام مالک نے کہا: اگر عورت پسماندہ لوگوں میں سے ہو تو اس کا اپنا نکاح از خود کرنا جائز ہے۔اور اگر عورت معزز لوگوں میں سے ہو تو اس کا از خود اپنا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔اور اس پر دلیل یہ ہے کہ احادیث میں ولی کی اجازت کو نکاح کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: بغیر ولی کے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

(سنن ترمذی: ۱۱۰۱، شرح السنۃ للبغوی: ۲۲۵۴، سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۱، مسند ابوداؤد والطیالسی: ۵۲۳، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۱۷۱، معانی الآثار للطحاوی ج ۳ ص ۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۰۷، سنن ابوداؤد: ۲۰۸۵، صحیح ابن حبان: ۴۰۷۷، المنتقیٰ لابن الجارود: ۷۰۳، مصنف عبدالرزاق: ۱۰۴۷۵، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۲۲، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۱۱۲۹۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت نے اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر از خود اپنا نکاح کیا تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا: اس کا نکاح باطل ہے۔اگر اس کے شوہر نے اس سے جماع کر لیا تو وہ عورت مہر کی مستحق ہوگی کیونکہ اس کے شوہر نے اس کی شرمگاہ کو حلال قرار دیا ہے، پس اگر سرپرستوں میں تنازع ہو تو جس کا کوئی ولی (سرپرست) نہیں ہے تو اس کا ولی سلطان ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۲۰۸۳، سنن ترمذی: ۱۱۰۲، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۹، مصنف عبدالرزاق: ۴۷۲، مسند ابوداؤد والطیالسی: ۱۴۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۸، المنتقیٰ لابن الجارود: ۷۰۰، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۲۱، صحیح ابن حبان: ۴۰۷۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۰۵، ارواء الغلیل: ۱۸۴۰، شرح السنۃ للبغوی: ۲۲۵۵)

بالغہ عورت کے از خود نکاح کے جواز پر احادیث سے دلائل

میں کہتا ہوں: فقہائے احناف کے نزدیک یہ احادیث نابالغہ لڑکی یا مجنونہ پر محمول ہیں، کیونکہ نابالغہ لڑکی کا نکاح بغیر اس کے ولی کی اجازت کے جائز نہیں ہے لیکن جو لڑکی بالغہ ہو اور صحیح الدماغ ہو اس کا نکاح فقہائے احناف کے نزدیک از خود کرنا بغیر ولی کی اجازت کے جائز ہے۔اور اس پر دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کنواری لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے حتیٰ کہ اس سے اجازت طلب کر لی جائے، اور نہ بیوہ کا نکاح کیا جائے حتیٰ کہ وہ اپنے نکاح کا حکم دے، آپ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! کنواری لڑکی کی اجازت کیسے ہوگی؟ آپ نے فرمایا: جب وہ خاموش رہے۔

(صحیح البخاری: ۵۱۳۶، ۶۹۶۸، ۶۹۷۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۰، سنن نسائی: ۳۲۶۶، مسند احمد: ۲۵۱۴۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے نکاح عورت اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری لڑکی سے اس کے نفس کے متعلق اجازت طلب کی جائے گی اور اس کا خاموش رہنا اجازت ہے۔ دوسری روایت ہے: بے نکاح عورت اپنے ولی کی بہ نسبت اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے۔ اور کنواری لڑکی سے اجازت طلب کی جائے گی اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بیوہ عورت اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری لڑکی سے اس کا والد اس کے نفس کے متعلق اجازت حاصل کرے گا اور اس کا خاموش رہنا اس کی اجازت ہے۔

(صحیح مسلم: ۶۶، ۱۴۲۱، سنن ابوداؤد: ۲۰۹۸، سنن ترمذی: ۱۱۰۸، سنن نسائی: ۳۲۶۵، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۰، سنن دارمی: ۲۱۹۰، موطا امام مالک، کتاب النکاح ۴، مشکوۃ: ۳۱۲۷)

حضرت خنساء بنت خذام الانصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا اور وہ اس وقت بیوہ تھیں، انہوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے ان کے نکاح کو مسترد فرما دیا۔

(صحیح البخاری: ۵۱۳۸، ۵۱۳۹، ۶۹۴۵، ۶۹۶۹، سنن ابوداؤد: ۲۱۰۱، سنن نسائی: ۳۲۶۸، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۳، الموطا: ۱۴۳)

اس سلسلہ میں دیگر احادیث یہ ہیں:

امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی از تفصیلی روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو ناپسند کیا، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں اور آپ سے اس بارے میں عرض کیا تو آپ نے ان کے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو مسترد فرما دیا، پھر انہوں نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر سے نکاح کر لیا۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۳)

نیز امام دارقطنی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی بیوہ بیٹی کا نکاح کر دیا جس نے اس نکاح کو ناپسند کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا: ”کیا تم نے اپنے باپ کو اس نکاح کے کرنے سے منع کیا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے اس نکاح کو اس عورت کے اختیار میں کر دیا، سو اس عورت نے اس نکاح کو مسترد کر دیا۔ (علل الحدیث: ۱۲۴۳)

امام نسائی اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت خنساء بنت خذام رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میرے والد نے میرا نکاح کر دیا اور میں اس نکاح کو ناپسند کرتی تھی اور میں اس وقت کنواری تھی، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: جب یہ نکاح کو ناپسند کرتی ہے تو اس کا نکاح نہ کرو۔ (السنن الکبریٰ: ۵۳۸۲)

امام نسائی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے اپنی کنواری بیٹی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، پس آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق فرما دی۔ (السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۸۳)

امام دارقطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے ماموں کی بیٹی سے نکاح کیا اور اس لڑکی سے اس کا نکاح اس کے چچا نے (اس کی اجازت کے بغیر) کیا تھا۔ وہ لڑکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو آپ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا۔ (سنن دارقطنی: ج ۳ ص ۲۹)

امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک کنواری لڑکی کے باپ نے اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کو نکاح کا اختیار دے دیا۔ (سنن ابی داؤد: ۲۰۹۷)

تنگدستوں کو نکاح کے بعد خوشحال کرنا

"اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ": اس آیت میں بتایا ہے کہ لوگ تنگدستی کی وجہ سے نکاح کو ترک نہ کریں، کیونکہ اگر وہ فقراء ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے خوش حال فرما دیں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ غنی سے مراد یہاں پر القناعت ہے اور دوسرا قول ہے کہ دو رزقوں کو جمع کرنا یعنی بیوی اور اس کے شوہر کے رزق کو جمع کرنا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو بغیر نکاح کے خوش حالی کو طلب کرتا ہے حالانکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں: "اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ"۔

اور بعض مفسرین نے کہا: اللہ تعالیٰ نے نکاح اور تفریق سے خوش حالی کا وعدہ فرمایا ہے۔ نکاح کے متعلق تو یہی آیت ہے اور تفریق کے متعلق یہ آیت ہے: "وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۔ (النساء: ۱۳۰)" (اور اگر وہ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ اپنی رحمت سے ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز فرما دیں گے، اور اللہ بہت وسعت والے، بے حد حکمت والے ہیں)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جو لوگ نکاح کرنے پر (بہ طور مال) قادر نہیں ہیں اُن پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو بے حیائی کے کاموں سے روکے رکھیں حتیٰ کہ اللہ اُن کو اپنے فضل سے مال دار فرما دیں، اور تمہارے مملوک غلاموں اور باندیوں میں سے جو مکاتب بننے کو طلب کریں تو تم اُن کو مکاتَب کر دو بہ شرطیکہ تم اِن میں کسی بھلائی کو جانو، اور انہیں اللہ کے اس مال میں سے دو جو انہوں نے تم کو عطا فرمایا ہے، اور تمہاری جو باندیاں پاک دامن رہنا چاہیں تو اُن کو بدکاری پر مجبور نہ کرو تا کہ تم اس کے عوض اُن سے دنیا کا کچھ سامانِ زندگی حاصل کر لو، اور جو اُن باندیوں کو بدکاری پر مجبور کرے گا تو بے شک اللہ اُن باندیوں کو مجبور کیے جانے کے بعد بہت بخشنے والے، بے حد مہربان ہیں ○" (النور: ۳۳)

"وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖۗ وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ":

"وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا": اور جو لوگ نکاح کرنے پر قدرت نہیں رکھتے، وہ اپنے نفسوں کو روکے رکھیں تاکہ حرام اور زنا سے پاک دامنی کو حاصل کریں، یعنی جن لوگوں کے پاس اتنا مال نہیں ہے جس سے وہ بیوی کا مہر ادا کرسکیں اور اس کا خرچ اٹھا سکیں تو وہ اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ "حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ": حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اُن پر رزق کی کشادگی فرمائیں۔

مُکاتَب کی تعریف اور زرِ مکاتبت میں تخفیف

"وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ": یعنی جو لوگ تمہارے غلاموں میں سے مُکاتبت کو طلب کرتے ہیں سو تم اُن کو مُکاتَب بنا دو۔ اور مُکاتبت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے غلام سے کہے کہ میں نے تم کو اتنے مال کے عوض مُکاتَب بنا دیا اور وہ مال معین بتائے اور اس مال کو وہ غلام دو قسطوں یا متعدد اقساط میں ادا کرے، پس جب وہ غلام اس مالِ مکاتبت کو ادا کردے گا تو وہ اس سے کہے کہ اب تم آزاد ہو، اور غلام اس کو قبول کرلے۔ پس جب وہ مالِ مکاتبت ادا کردے گا تو آزاد قرار دیا جائے گا، پھر غلام مالِ مکاتبت ادا کرنے کے بعد اپنی کمائی کا خود حق دار ہوگا۔ اور جب وہ مال کو ادا کرنے سے عاجز ہو تو اس کے مالک کے لیے جائز ہے کہ وہ مکاتبت کو فسخ کردے اور اس کو واپس غلام بنا دے۔ اور جو اس غلام کے قبضہ میں مال ہوگا وہ اس کے مولیٰ کے لیے ہوگا۔

اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ حویطب بن عبد العزیٰ کا ایک غلام تھا، اس نے اپنے مالک سے یہ سوال کیا کہ وہ اس کو مکاتب بنادے اور وہ اس مقررہ رقم کی ادائیگی کے بعد آزاد کردیا جائے، اس کے مالک نے اُس کا انکار کیا، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی تو حویطب نے اس کو سو دینار کے عوض مکاتب بنادیا اور اس کو بیس دینار ہبہ کیے جس کو اس نے ادا کردیا، اور وہ غلام غزوۂ حنین میں شہید ہو گئے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ فرماتے تھے کہ مکاتب اس وقت تک غلام رہتا ہے جب تک اس کے ذمہ طے شدہ مالِ مکاتبت میں سے کچھ بھی باقی ہو۔ (شرح السنۃ للبغوی: ۲۴۲۴، موطا امام مالک ج ۲ ص ۷۸۷)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مکاتب اس وقت تک غلام رہے گا جب تک اس کے اوپر زرِ مکاتبت میں سے کچھ بھی باقی ہوگا۔

(سنن ابوداؤد: ۳۹۲۶، ۳۹۲۷، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۳۲۴، سنن ابن ماجہ: ۲۵۱۹، سنن ترمذی: ۱۲۶۰)

بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ اس آیت میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فَكَاتِبُوْهُمْ" یہ امر ایجاب اور فرضیت کے لیے ہے پس مالک پر واجب ہے کہ وہ اپنے اس غلام کو مُکاتب بنادے جس کے متعلق اس کو خیر کا علم ہو، جب اس کا غلام مکاتبت کا سوال کرے۔ عطاء اور عمرو بن دینار نے کہا ہے: جب اس کا غلام اپنی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ کے عوض مکاتبت کا سوال کرے، اور اگر وہ اپنی قیمت سے کم پر مکاتبت کا سوال کرے تو پھر اس کو مکاتب بنانا واجب نہیں ہے، کیونکہ روایت ہے کہ سیرین نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا کہ وہ اُن کو مکاتب بنائیں، انہوں نے انکار کیا تو سیرین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دُرّے کو اوپر اٹھایا اور اُن کو حکم دیا کہ وہ اس کو مکاتب بنادیں۔

اور اکثر اہلِ علم کا مذہب یہ ہے کہ یہ امر فرضیت اور ایجاب کے لیے نہیں ہے، استحباب کے لیے ہے۔ اور امام شافعی کے

نزدیک اگر زرِ مکاتبت کی مقدار دو قسطوں کی ادائیگی سے کم ہو تو پھر مکاتب بنانا جائز نہیں ہے۔

اور روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے غلام نے اُن سے کہا: مجھے مُکاتب بنادیں، انہوں نے پوچھا: کیا تمہارے پاس مال ہے؟ اس نے کہا: نہیں، تو انہوں نے کہا: تمہارا ارادہ یہ ہے کہ تم لوگوں کے میل کچیل سے مجھے کھلاؤ گے اور اس کو مکاتب نہیں بنایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مردوں کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ ان کی مدد فرمائیں: ایک وہ مکاتب جو زرِ کتابت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، دوسرا وہ مرد جو پاک دامنی کے حصول کے لیے نکاح کا ارادہ کرے اور تیسرا وہ مرد جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو۔

(سنن ترمذی: ۱۶۵۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۱۸، شرح السنۃ للبغوی: ۲۲۳۲، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۲۱۶۰، صحیح ابن حبان: ۴۰۳۰، سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۸، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۵-۱۶)

"اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا": یعنی جن غلاموں کے متعلق تمہیں معلوم ہو کہ وہ نماز پابندی سے پڑھتے ہوں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ غلام بالغ اور عاقل ہو، لیکن جو نابالغ ہو اور مجنون ہو، اس کو مکاتب بنانا صحیح نہیں ہے کیونکہ نابالغ اور مجنون سے زرِ مکاتبت کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے قریب بہ بلوغ بچے کے مکاتب بنانے کو صحیح قرار دیا ہے۔

"وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ": اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اور ایک جماعت نے کہا ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے کہ اس آیت میں مالکوں کو خطاب ہے، یعنی مالک پر واجب ہے کہ وہ زرِ مکاتبت میں سے کچھ کم کردے۔ پھر کتنا کم کرے؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔

امام شافعی نے کہا: مالِ مکاتبت کا چوتھائی حصہ کم کردے اور یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ مالِ مکاتبت کا تیسرا حصہ کم کردے۔

اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے: زرِ مکاتبت سے کم کرنے کی مقدار کی کوئی حد نہیں ہے بلکہ وہ جتنا چاہے اس میں سے کم کردے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ نافع نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام کو پینتیس ہزار درہم کے عوض مکاتب بنایا، پھر اس کے زرِ مکاتبت میں سے پانچ ہزار درہم کم کردیے۔ اور سعید بن جبیر نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب اپنے کسی غلام کو مکاتب بناتے تو اس کی پہلی قسط میں سے کچھ کم نہیں کرتے، اس خوف سے کہ وہ بقیہ اقساط کو ادا کرنے سے عاجز ہو جائے گا اور اس کی آخری اقساط میں سے کم فرمادیتے۔ اور بعض مفسرین نے کہا: یہ امر استحباب کا ہے اور اس کا وجوب کے لیے ہونا زیادہ ظاہر ہے۔

"وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ": یعنی اس حصے میں سے ادا کرو جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے صدقاتِ مفروضہ میں سے مقرر فرمائے ہیں۔ نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ" (البقرۃ: ۱۷۷) (اور مال سے اپنی محبت کے باوجود رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں میں اور سوال کرنے والوں میں اور غلاموں کی گردنوں کو آزاد کرنے میں مال خرچ کرے)۔ یہ حسن بصری اور زید بن اسلم کا قول ہے اور ابراہیم نخعی نے کہا: اس میں تمام لوگوں کو مکاتبین کی مدد کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اور اگر مکاتب اقساط کی ادائیگی سے پہلے

فوت ہو گیا تو اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ وہ غلامی میں مرے گا اور زر کتابت ساقط ہو جائے گا خواہ اس نے مال چھوڑا ہو یا نہ چھوڑا ہو۔

جن باندیوں کو زنا پر مجبور کیا گیا تھا، ان کا مصداق

"وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا": یہ آیت عبد اللہ بن أبي ابن سلول المنافق کے متعلق نازل ہوئی ہے، اس کی دو باندیاں تھیں معاذۃ اور مسیکۃ۔ وہ ان کو مار مار کر زنا پر مجبور کرتا تھا اور اس کی اجرت ان سے وصول کرتا تھا، اور اسی طرح زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی باندیوں سے جبراً زنا کراتے تھے، پس جب اسلام آگیا تو معاذہ نے مسیکہ سے کہا: یہ اسی کے متعلق حکم ہے جس میں ہم مبتلا ہیں اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس شخص کو چھوڑ دیں، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(صحیح مسلم: ۳۰۲۹، سنن ابوداؤد: ۲۳۱۱، سنن نسائی: ۳۸۵، اسباب النزول للواحدی ص ۳۳۶، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۹۷، جامع البیان للطبری: ۲۶۰۷۵)

اور روایت ہے کہ اُن دو باندیوں میں سے ایک باندی ایک دن اُجرت میں چادر لے کر آئی اور دوسری ایک دینار لے کر آئی تو عبد اللہ بن ابی نے ان دونوں سے کہا: تم دوبارہ جاؤ اور زنا کرو، ان دونوں نے کہا: اللہ کی قسم! اب ہم زنا نہیں کریں گی کیونکہ اب اسلام آگیا ہے اور اس نے زنا کو حرام قرار دیا ہے، پس وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور دونوں نے عبد اللہ بن ابی کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (صحیح مسلم: ۳۰۲۹، سنن ابوداؤد: ۲۳۱۱، سنن نسائی: ۳۸۵)

"وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا": اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ اگر تمہاری باندیاں پاک دامنی پر برقرار رہنے کا ارادہ کریں تو تم ان کو زنا پر مجبور نہ کرو، یہ شرط نہیں ہے، کیونکہ باندیوں کو زنا پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ پاک دامنی پر برقرار رہنے کا ارادہ نہ کریں۔ "وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ": یعنی جس نے اُن باندیوں کو زنا پر مجبور کیا تو اس کا گناہ مجبور کرنے والے پر ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور (اے مسلمانو!) بے شک ہم نے تمہاری طرف واضح آیات نازل فرمائی ہیں اور اُن لوگوں کے قصص بیان فرمائے ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت نازل فرمائی ہے O" (النور: ۳۴)

"وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ": یعنی اللہ عزوجل نے تم پر ایسی آیات نازل فرمادی ہیں جن میں حلال اور حرام کو بیان فرمادیا گیا ہے۔ اور اُن لوگوں کی مثالیں بیان فرمادی ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں جن کا حال تمہارے حال کے مشابہ تھا۔ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید کی تکذیب کرنے والوں کو اس سے ڈرایا ہے کہ اُن پر بھی ایسا عذاب نازل نہ ہو جائے جیسا عذاب اُن سے پہلے مکذبین پر نازل ہوا تھا۔ اور اس میں متقین کے لیے نصیحت ہے، یعنی اُن مومنین کے لیے جو شرک کرنے سے اور گناہ کبیرہ کرنے کے ارتکاب سے ڈرتے ہیں۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۸۔ ۵۱۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ، وتفاسیر اخریٰ)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُؕ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳۵﴾

اللہ آسمانوں اور زمینوں کو منور فرمانے والے ہیں، اُن کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق میں چراغ ہو، وہ چراغ ایک قندیل میں ہو، قندیل گویا ایک روشن ستارہ ہے، وہ چراغ برکت والے درخت زیتون کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ صرف مشرقی ہے اور نہ صرف مغربی ہے، قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک کر روشن ہو جائے خواہ اس کو آگ نے نہ چھوا ہو، وہ نور بالائے نور ہے، اللہ جسے چاہتے ہیں اپنے نور تک ہدایت عطا فرماتے ہیں اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتے ہیں، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں ○

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗۙ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾

جن گھروں کو بلند کرنے کی اللہ نے اجازت عطا فرمائی ہے اور جن گھروں میں ان کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے لوگ اُن گھروں میں صبح اور شام ان کی تسبیح پڑھتے ہیں ○

رِجَالٌۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾

ایسے مرد جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی، وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن میں دل اور آنکھیں (خوف اور دہشت سے) اوپر کو چڑھ جائیں گے ○

لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

(اور وہ لوگ اللہ کی عبادت اس لیے کرتے ہیں) تاکہ اللہ انہیں اُن کے بہترین اعمال کی جزا عطا فرمائیں اور اپنے فضل سے اُن کو زیادہ انعام عطا فرمائیں، اور اللہ جسے چاہتے ہیں بغیر حساب کے عطا فرماتے ہیں ○

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ

یَجِدْهُ شَیْــٴًـا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۙ﴿۳۹﴾

اور جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے اعمال میدان میں چمکتی ہوئی ریت کی طرح ہیں جس کو پیاسا شخص پانی گمان کرتا ہے حتیٰ کہ جب وہ اس کے پاس پہنچتا ہے تو وہاں کچھ بھی نہیں پاتا اور اللہ کے عذاب کو اپنے پاس پاتا ہے، پس اللہ اس کا پورا حساب فرمادیں گے اور اللہ بہت جلد حساب لینے والے ہیں O

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ؕ وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ ع

یا اُن کافروں کی مثال گہرے سمندر کی تاریکیوں کی طرح ہے جس کو ایک موج نے ڈھانپ رکھا ہو اور اس کے اوپر ایک اور موج ہو اور اس کے اوپر بادل ہو، یہ تہہ بہ تہہ تاریکیاں ایک دوسرے کے اوپر ہوں، جب دیکھنے والا اپنا ہاتھ نکالے تو وہ کچھ بھی نہ دیکھ سکے، اور جسے اللہ ایمان کا نور عطا نہ فرمائیں اس کے لیے کوئی نور نہیں ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اللہ آسمانوں اور زمینوں کو منور فرمانے والے ہیں، اُن کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق میں چراغ ہو، وہ چراغ ایک قندیل میں ہو، قندیل گویا ایک روشن ستارہ ہے، وہ چراغ برکت والے درخت زیتون کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ صرف مشرقی ہے اور نہ صرف مغربی ہے، قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک کر روشن ہو جائے خواہ اس کو آگ نے نہ چھوا ہو وہ نور بالائے نور ہے، اللہ جسے چاہتے ہیں اپنے نور تک ہدایت عطا فرماتے ہیں اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتے ہیں، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں O" (النور: ۳۵)

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، النور: ۳۵ تا ۴۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّ لَا غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ":

"اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اللہ عزوجل آسمان والوں کو اور زمین والوں کو اپنے نور سے حق کی طرف ہدایت عطا فرمانے والے ہیں، وہ اُن کے نور سے گمراہی کی حیرتوں سے نجات پاتے ہیں۔ الضحاک نے کہا: اللہ عزوجل آسمانوں اور زمینوں کو منور فرمانے والے ہیں، انہوں نے کہا: آسمانوں کا نور فرشتوں سے ہے اور زمینوں کا نور انبیاء علیہم السلام سے ہے۔ اور مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اللہ عزوجل آسمانوں اور زمینوں کی تدبیر فرمانے والے

ہیں۔ اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حسن بصری اور ابوالعالیہ نے کہا: اللہ عزوجل آسمانوں اور زمینوں کو مزین فرمانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند اور ستاروں سے آسمان کو مزین فرمایا۔ اور انبیاء، علماء اور مومنین سے زمین کو مزین فرمایا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زمین کو درختوں اور سبزہ زاروں سے مزین فرمایا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمام انوار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

اللہ عزوجل کے نور کی تاویل ان مثالوں سے کی گئی ہے، کیونکہ نور اصل میں اُس کیفیت کو کہتے ہیں جس کا اولاً آنکھ ادراک کرتی ہے اور آنکھ کے واسطہ سے تمام دکھائی دینے والی چیزوں کا ادراک ہوتا ہے جیسے آگ سے روشنی کی جو کیفیت فائز ہوتی ہے اور اس سے تمام اجسام دکھائی دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نور پر اس کیفیت کا اطلاق جائز نہیں ہے، اس لیے یہاں مجازی طور پر یہ تاویلات کی گئیں۔ اور اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ عزوجل آسمانوں اور زمینوں کے نور والے ہیں، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ (البقرۃ:۲۵۷)"، یعنی اللہ تعالیٰ مومنین کو باطل سے حق کی طرف نکالتے ہیں۔

"مَثَلُ نُوْرِهٖ": اس آیت کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی اُس نور کی مثال جو مومن کو عطا فرمایا گیا ہے، یعنی اللہ کا نور جو مومن کے قلب میں ہے اور اسی نور کی وجہ سے مومن ہدایت پاتے ہیں جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ (الزمر:۲۲)" (تو وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے)۔

حسن بصری اور زید بن اسلم نے کہا: اس نور سے مراد قرآن مجید ہے اور سعید بن جبیر اور الضحاک نے کہا: اس نور سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس نور سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو نور فرمایا ہے۔ اور ان انوار کی اضافت اپنی طرف فضیلت دینے کے لیے فرمائی۔

"كَمِشْكٰوةٍ": مشکوٰۃ اس طاق کو کہتے ہیں جو دیوار میں نصب ہوتا ہے اور اس میں کوئی سوراخ نہیں ہوتا۔ اس طاق میں مختلف استعمال اور ضرورت کی چیزیں رکھی جاتی تھیں، آج کل کے زمانہ میں جو مکان بنائے جاتے ہیں ان میں طاق بنانے کا رواج نہیں ہے، اس کے بجائے دیوار میں الماری نصب کر دی جاتی ہے یا الگ سے الماری بنا کر کھڑی کر دی جاتی ہے۔ پرانے زمانہ کے جو مکانات تھے اور اب بھی گاؤں اور دیہاتوں کے مکان میں طاق بنے ہوئے ہوتے ہیں۔

"فِیْهَا مِصْبَاحٌ": یعنی ایک روشن چراغ ہے۔

"اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ": یعنی وہ چراغ ایک قندیل میں ہے۔ الزجاج نے کہا: قندیل کا ذکر فرمایا کہ نور اور دن کی روشنی ہر چیز سے زیادہ ظاہر ہے اور قندیل میں اس کی روشنی زیادہ ہوتی ہے۔

"اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ": پھر قندیل کی صفت بیان فرمائی کہ اس کا نور ایک روشن ستارے کی طرح ہے اور وہ روشن ستارے پانچ ہیں: (۱) مشتری (۲) زہرہ (۳) مریخ (۴) زحل (۵) اور عطارد۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس قندیل کی ستاروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے، سورج اور چاند کے ساتھ کیوں نہیں دی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سورج اور چاند کو گہن لگ جاتا ہے اور ستاروں کو گہن نہیں لگتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قندیل سے مراد شیشے کا فانوس ہو اور اس میں جب کسی چراغ کو رکھا جائے تو اس کی روشنی بہت زیادہ چمکدار اور واضح ہوتی ہے۔

"یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ": یعنی اس کے روشن ہونے کی ابتداء زیتون کے درخت سے ہے جس کا نفع بہت زیادہ ہے، اس لیے کہ زیتون سے روشنی بھی حاصل کی جاتی ہے اور اس کے تیل کو بطور سالن کھایا جاتا ہے اور یہ تمام تیلوں سے زیادہ صاف اور زیادہ روشن ہے۔

"لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ": یعنی وہ نہ مشرق کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی جب سورج غروب ہو جائے تو اس کو روشنی نہیں پہنچتی اور نہ مغرب کے ساتھ مخصوص ہے کہ جب سورج طلوع ہو تو اس کو روشنی نہیں پہنچتی، بلکہ وہ سارا دن روشن رہتا ہے خواہ سورج طلوع ہو یا غروب ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ درخت معتدل ہے، نہ اسے مشرق کی دھوپ پہنچتی ہے اور نہ مغرب کے وقت کی ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ درخت ملکِ شام کا ہے کیونکہ ملکِ شام زمین کے وسط میں ہے نہ شرقی ہے اور نہ غربی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ درخت دنیا کے درختوں کی طرح نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ دنیا کے درختوں کی طرح ہوتا تو یا شرقی ہوتا یا مغربی ہوتا۔

"یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ": اللہ تعالیٰ اپنے نور کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ اُن کے نور کی صفات میں سے یہ ہے کہ قریب ہے کہ وہ روشن ہو جائے اور وہ نور بغیر آگ کے روشن ہوتا ہے۔

"نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ": یعنی چراغ کا نور قندیل کے نور کے اوپر ہے۔

مفسرین کا اس تمثیل کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے کہا: یہ تمثیل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کعب احبار سے کہا: مجھے اس آیت کے متعلق خبر دو: "مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ"۔ تو کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ مثال بیان فرمائی ہے، پس مشکوٰۃ یعنی طاق سے مراد آپ کا سینہ ہے۔ اور "اَلزُّجَاجَةُ" یعنی قندیل سے مراد آپ کا قلب اطہر ہے۔ اور مصباح وہ ہے جس میں نبوت ہے، وہ نبوت ایک مبارک درخت سے روشن ہے۔ یعنی قریب تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اور آپ کا دین لوگوں پر ظاہر ہو جاتا خواہ آپ یہ نہ فرماتے کہ میں نبی ہوں، جیسا کہ زیتون کا تیل از خود بھڑک کر روشن ہو جاتا ہے خواہ اسے آگ نہ دکھائی جائے۔

اور سالم نے اس آیت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ المشکوٰۃ یعنی طاق، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ (مبارک) ہے اور زجاجہ اس میں آپ کا دل (مبارک) ہے اور مصباح وہ نور ہے جو اس میں اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے، وہ نور نہ شرقی ہے اور نہ غربی ہے، نہ یہودی ہے، نہ نصرانی ہے، وہ مبارک درخت یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے روشن ہے۔ "نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ" یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قلب اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب یہ نور بالائے نور ہے۔ اور محمد بن کعب القرظی نے کہا: مشکوٰۃ یعنی طاق سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور الزجاجۃ یعنی قندیل یا فانوس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اور مصباح یعنی چراغ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مصباح فرمایا جیسے آپ کو سراج فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۙ وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝" ۔ (الاحزاب: ۴۵۔۴۶) "(اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، ثواب کی خوش خبری دینے والا، عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۝ اور اللہ کی طرف ان کے حکم سے بلانے والا اور چمکا

دینے والا آفتاب بنا کر بھیجا ہے)۔

"یوقد من شجرۃ مبٰرکۃ زیتونۃ": یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ایک مبارک درخت سے روشن ہے اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اُن کو مبارک اس لیے فرمایا کہ اکثر انبیاء علیہم السلام اُن کی پشت سے پیدا ہوئے، نہ شرقی ہے اور نہ غربی ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے، لیکن وہ تمام ادیان باطلہ سے اعراض کرنے والے مسلمان تھے، کیونکہ یہود مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔

"یکاد زیتہا یضیٓء ولو لم تمسسہ نار": یعنی عنقریب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن اور آپ کی سیرت طیبہ تمام لوگوں کے لیے ظاہر ہو جائے گی، اس سے پہلے کہ آپ کی طرف وحی فرمائی جائے۔ اور جب آپ کی طرف وحی فرمائی گئی تو وہ "نور علیٰ نور" ہے۔

"یہدی اللہ لنورہ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی اللہ تعالیٰ دین اسلام کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں۔ دوسرا قول ہے کہ قرآن مجید کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں۔

"من یشآء": ایک قول ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں حق کو پہچاننے کے لیے اسے توفیق عطا فرماتے ہیں جو اپنی عقل سے غور و فکر کرے اور اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرے۔

"ویضرب اللہ الامثال للناس": یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کو سمجھانے کے لیے اور آسانی فرمانے کے لیے مثالیں بیان فرماتے ہیں۔ "واللہ بکل شیء علیم": اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں خواہ وہ معقول ہو یا محسوس ہو، ظاہر ہو یا پوشیدہ ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جن گھروں کو بلند کرنے کی اللہ نے اجازت عطا فرمائی ہے اور جن گھروں میں ان کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے لوگ اُن گھروں میں صبح اور شام ان کی تسبیح پڑھتے ہیں O" (النور:۳۶)

"فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ یسبح لہ فیہا بالغدو والآصال":

اس آیت کا تعلق اس سے پہلی آیت کے ساتھ ہے، یعنی مثل اس طاق کے جو بعض اللہ کے گھروں میں ہیں۔ اور اللہ کے گھروں سے مراد مساجد ہیں۔ گویا کہ یوں فرمایا کہ اللہ عزوجل کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے تم مسجد میں اس طاق کا نور دیکھتے ہو، یا جو اُن مساجد میں مرد اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے ہیں۔ اور "بیوت" سے مراد مساجد ہیں۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ مساجد زمین میں اللہ کا گھر ہیں اور یہ آسمان والوں کے لیے روشنی کرتی ہیں جیسے کہ ستارے زمین والوں کے لیے روشنی کرتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ بیوت سے مراد تین مسجدیں ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد چار مساجد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے نبی کے سوا کسی نے نہیں بنایا: (۱) الکعبہ، جس کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے بنایا، پس ان دونوں نے اس کو قبلہ بنا دیا۔ (۲) بیت المقدس، جس کو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے بنایا۔ (۳) مسجد المدینہ۔ (۴) مسجد قباء، ان دونوں مسجدوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا۔ اس آیت میں مساجد فرمایا ہے اور یہ جمع قلت نہیں ہے بلکہ جمع کثرت ہے اور یہ تعظیم کے لیے ہے۔

" أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ ": مجاہد نے کہا: یعنی ان کو بنانے اور بلند کرنے کی اللہ تعالیٰ نے اجازت عطا فرمائی ہے۔اس کی نظیر اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے: " وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ ۔۔(البقرہ: ۱۲۷)" اور (یاد کیجئے!) جب ابراہیم اور اسماعیل خانہ (کعبہ) کی بنیادیں اٹھا رہے تھے)۔حسن بصری نے کہا: یعنی ان مساجد میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جائے اور اس میں کوئی بے حیائی کی بات نہ کی جائے اور ان مساجد کو نجاستوں سے پاک اور صاف رکھا جائے۔

" وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ ": اس ذکر سے مراد عام ہے جو دینی مسائل میں مذاکرہ کو بھی شامل ہو اور احکام میں مباحثہ کو بھی شامل ہو۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان مساجد میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کی جائے۔

" يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ": یعنی صبح اور شام اس میں اللہ عزوجل کی تسبیح پڑھی جائے۔

مفسرین نے بیان کیا کہ اس سے مراد فرض نمازیں ہیں۔یعنی اس میں صبح کے وقت نماز فجر پڑھی جائے اور شام کے اوقات میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کو پڑھا جائے، کیونکہ " الْآصَالُ " اصیل کی جمع ہے اور اس کا اطلاق وقت پر آتا ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد صبح اور عصر کی نماز ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

ابوبکر بن ابی موسیٰ از والد خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ٹھنڈے وقت کی دو نمازیں پڑھیں وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۵۷۴، صحیح مسلم: ۶۳۵، الرقم المسلسل: ۱۴۱۱، سنن دارمی: ۱۴۳۲، جامع المسانید لابن الجوزی: ۴۹۴۳، مسند احمد: ۱۶۷۸۹)

اور ٹھنڈے وقت کی دو نمازوں سے مراد صبح اور عصر کی نماز ہے۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ صبح کے وقت کی تسبیح سے مراد چاشت کی نماز ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے گھر سے باوضو ہو کر فرض نماز پڑھنے کے لیے نکلا تو اس کا اجر اس شخص کے اجر کی مثل ہے جو احرام باندھ کر حج کرنے کے لیے نکلا۔اور جو اپنے گھر سے چاشت کی نماز پڑھنے کے لیے نکلا اور اس کو صرف چاشت کی نماز نے گھر سے نکالا ہو تو اس کا اجر ایسے ہے جیسے عمرہ کرنے والے کا اجر ہے۔اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز پڑھنا جن کے درمیان کوئی لغو کام نہ کیا ہو تو یہ کتاب علیین میں ہے۔(سنن ابوداؤد: ۵۵۴، مسند احمد: ۲۱۸۰۱)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " ایسے مرد جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی، وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن میں دل اور آنکھیں (خوف اور دہشت سے) اوپر کو چڑھ جائیں گے ○ " (النور: ۳۷)

" رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ":

یعنی کوئی بھی نفع بخش معاملہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور ان کی یاد سے نہیں روکتا۔دوسرا قول یہ ہے کہ تجارت سے مراد ہے خرید و فروخت، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ "۔

"وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ": یعنی نماز کو قائم کرنے سے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ نماز کو اس کے وقت میں ادا کیا جائے، کیونکہ جس نے نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے پڑھا، وہ نماز کو قائم کرنے والا نہیں ہوگا۔

اس آیت میں "اِقَامِ الصَّلٰوةِ" کا ذکر فرمایا ہے، حالانکہ اس سے مراد پانچوں نمازیں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "اِقَامِ الصَّلٰوةِ" سے نماز کے اوقات کی حفاظت کا ارادہ فرمایا ہے۔ اور سالم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ بازار میں تھے، پس نماز کی اقامت کی گئی تو وہ کھڑے ہو گئے اور دوکانوں کو بند کر دیا، پھر مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انہی لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

"وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت آجائے تو وہ زکوٰۃ کو روک کر نہیں رکھے۔ اور اپنے مال میں سے مستحقین کو وہ ادا کرتے ہیں جس کا ادا کرنا واجب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد دیگر نیک اعمال ہیں۔ "يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ": یعنی وہ ان فرائض کو ادا کرنے کے باوجود قیامت کے دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس دن میں نجات اور ہلاکت کے خوف سے دل دھڑک رہے ہوں گے اور آنکھیں دائیں بائیں دیکھ رہی ہوں گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اور وہ لوگ اللہ کی عبادت اس لیے کرتے ہیں) تاکہ اللہ انہیں اُن کے بہترین اعمال کی جزا عطا فرمائیں اور اپنے فضل سے اُن کو زیادہ انعام عطا فرمائیں، اور اللہ جسے چاہتے ہیں بغیر حساب کے عطا فرماتے ہیں O" (النور: ۳۸)

"لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ":

اس کا تعلق اس کے ساتھ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح سے کوئی چیز ان کو غافل نہیں کرے گی اور وہ اللہ عزوجل سے ڈرتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے عائد کیے ہوئے فرائض کو اچھے طریقہ سے ادا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کو وہ ثواب عطا فرمائیں گے جس کا انہوں نے وعدہ فرمایا ہے، اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ اجر عطا فرمائیں گے جس اجر کے وہ اپنے اعمال سے مستحق نہیں تھے۔ اور وہ ایسا اجر ہوگا کہ جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا نہ کسی کان نے سنا ہوگا۔

"وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ": اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں۔ پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُن کی عبادات پر ثواب عظیم عطا فرماتے ہیں اور اپنے فضل سے اتنا اجر عطا فرماتے ہیں جس کی کوئی حد نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے اعمال میدان میں چمکتی ہوئی ریت کی طرح ہیں جس کو پیاسا شخص پانی گمان کرتا ہے حتیٰ کہ جب وہ اس کے پاس پہنچتا ہے تو وہاں کچھ بھی نہیں پاتا اور اللہ کے عذاب کو اپنے پاس پاتا ہے، پس اللہ اس کا پورا حساب فرما دیں گے اور اللہ بہت جلد حساب لینے والے ہیں O"

(النور: ۳۹)

"وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ

قولہ تعالیٰ: ''وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ'':

''وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ'': یعنی جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا، اُن کا حال مومنین کے حال کے خلاف ہوگا، کیونکہ اُن کے وہ عمل جن کو وہ نیک اور نفع بخش گمان کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اُن اعمال کو لغو اور عاقبت کے اعتبار سے ناکام پائیں گے جیسے سراب۔ اور یہ وہ ہے جو چاشت کے وقت جاری پانی کی طرح دکھائی دیتا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں پانی نہیں ہوتا، لیکن دیکھنے والا دور سے اس کو دیکھ کر گمان کرتا ہے کہ یہ جاری پانی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سراب سے مراد وہ شعاع ہے جو دوپہر کے وقت سخت گرمی کے اندر ریگستان میں دکھائی دیتی ہے، دیکھنے والا اس کو جاری پانی سمجھتا ہے، پس جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

''بِقِيْعَةٍ'': ''قيعة'' قاع کی جمع ہے۔ یہ اس نرم اور ہموار زمین کو کہتے ہیں جس کے گرد پہاڑ اور ٹیلے نہ ہوں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ القيعة، القاع کے معنی میں ہے اور یہ ہموار اور کشادہ زمین ہے، اور اُسی میں سراب ہوتا ہے۔

''يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً'': ''الظمآن'' کا معنی ہے: جو شخص بہت زیادہ پیاسا ہو، وہ پیاس کی شدت اور عقل کی کمی سے اس چمکتی ہوئی ریت کو پانی گمان کرتا ہے، پس وہ اس کی طرف جاتا ہے اور چلتا رہتا ہے، حتیٰ کہ جب وہ اس کے پاس پہنچتا ہے تو وہ پانی پر قادر نہیں ہوتا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب وہ سراب کی جگہ پہنچتا ہے تو اس کو ایسا نہیں پاتا جس طرح اس نے اس کو گمان کیا تھا۔

اور اس تشبیہ کی توجیہ یہ ہے کہ کافر اپنے زعم میں جو نیک اعمال لے کر آئے گا تو وہ اُن پر کسی اجر و ثواب کا مستحق نہیں ہوگا، حالانکہ وہ یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ اس کے زعم میں کیے ہوئے اِن نیک اعمال پر اس کو ثواب ملے گا، پس جب وہ میدانِ قیامت میں پہنچے گا تو اس کو اُن مزعومہ اعمال پر اجر و ثواب نہیں ملے گا بلکہ سخت عذاب پہنچے گا، اور اس کی حسرت بہت زیادہ ہوگی، اور اس کی حالت، اس شدید پیاسے کی حالت کی طرح ہوگی جس کو پانی کی سخت ضرورت ہو اور جب وہ ریگستان میں چمکتی ہوئی ریت کو دیکھے اور اس کا دل اس کے ساتھ متعلق ہو جائے کہ وہاں پہنچ کر مجھے پانی ملے گا، لیکن جب وہ وہاں پر پہنچے تو پانی نہ پائے۔ اسی طرح کافر کا حال ہے، وہ یہ گمان کرتا ہوگا کہ اس کے عمل اس کو قیامت کے دن نفع دیں گے، پھر قیامت کے دن اس کو اس کے اعمال پر کوئی نفع نہیں ملے گا۔ مجاہد نے کہا: السراب سے مراد کافر کا عمل ہے، وہ اپنی موت کے وقت اور دنیا سے جدائی کے وقت اپنے اعمال کا کوئی نفع نہیں پائے گا۔

''حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا'': یعنی وہ کوئی نفع بخش چیز نہیں پائے گا، یعنی جب وہ سراب کی جگہ پہنچے گا تو وہاں سراب کو نہیں پائے گا، جب اس کے قریب پہنچے گا تو ہوا اس ریت کو منتشر کر کے لے گئی ہوگی۔

''وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ'': یعنی وہ اس جگہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو پائے گا جس عذاب کی کفار کو وعید سنائی گئی تھی، یا وہاں پر دوزخ کے فرشتے پائے گا۔ یا وہاں پر محاسب کو پائے گا جو اس سے اس کے اعمال کا حساب لیں گے۔

''فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ'': پس اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کا پورا پورا حساب عطا فرمائیں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت عتبہ بن ربیعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ اس نے عبادت کی اور ٹاٹ کا لباس پہنا اور زمانہ جاہلیت میں دین کو تلاش کیا، پھر جب اسلام آگیا تو اس نے اسلام کا کفر کیا، یہ ابن الخازن کا قول ہے۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت تمام کفار کے متعلق ہے۔

''وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ'': کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام معلومات کے عالم ہیں اور کسی ایک سے حساب لینا ان کو دوسرے کا حساب لینے

سے مشغول نہیں رکھتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "یا اُن کافروں کی مثال گہرے سمندر کی تاریکیوں کی طرح ہے جس کو ایک موج نے ڈھانپ رکھا ہو اور اس کے اوپر ایک اور موج ہو اور اس کے اوپر بادل ہو، یہ تہہ بہ تہہ تاریکیاں ایک دوسرے کے اوپر ہوں، جب دیکھنے والا اپنا ہاتھ نکالے تو وہ کچھ بھی نہ دیکھ سکے، اور جسے اللہ ایمان کا نور عطا نہ فرمائیں اس کے لیے کوئی نور نہیں ہے ○" (النور: ۴۰)

"اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ؕ وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ":

"اَوْ كَظُلُمٰتٍ": اس کا عطف "كَسَرَابٍ" پر ہے، یعنی وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھیروں میں مبتلا ہو۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو قریب ہے کہ اسے کچھ دکھائی نہ دے۔ اور اس آیت میں کفار کے اعمال کو اس شخص کے اعمال کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو اندھیروں میں ہو، کیونکہ اُن کے اعمال لغو ہیں، ان میں کوئی منفعت نہیں ہے جیسے سراب میں منفعت نہیں ہوتی۔ اور چونکہ وہ اعمال نور الحق سے خالی ہیں مثل پے در پے ظلمات کے جو سمندر کی موجوں کی ظلمتیں ہوں اور بادل کی۔ "فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ": اور "اللجی" "اللج" کی طرف منسوب ہے یعنی گہرا سمندر۔

"یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ": یعنی اس سمندر کو موج ڈھانپ لے گی، اس کے اوپر بھی موج ہوگی اور پے در پے امواج ہوں گی۔ "سَحَابٌ": اور اُن موجوں کے اوپر بادل ہوں۔

"ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ": یعنی وہاں پر بہ کثرت گھٹا ٹوپ اندھیرے ہوں۔ اور اوپر تلے موجیں بھی بادلوں کی طرح ہوں گی۔ "اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا": اور جب کافر اس سمندر میں اپنا ہاتھ نکالے گا تو کچھ نہیں دیکھے گا۔ اگرچہ کافر کا اس آیت میں صراحتاً ذکر نہیں ہے، لیکن سیاق کلام سے متعین ہوتا ہے کہ یہاں مراد کافر ہے۔

اس تشبیہ کی کیفیت کی کئی وجوہ ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے اندھیرے بیان فرمائے: سمندر کا اندھیرا، سمندر کی موجوں کا اندھیرا، اور بادلوں کا اندھیرا۔ اسی طرح کافر کے بھی تین اندھیرے ہیں، اس کے اعتقاد کا اندھیرا، اس کے قول کا اندھیرا اور اس کے عمل کا اندھیرا۔ چونکہ اس کا اعتقاد کفریہ ہوگا سو وہ بھی ظلمت ہے اور وہ کفریہ باتیں کہے گا اور وہ بھی ظلمت ہے، اور کفریہ کام کرے گا سو وہ بھی ظلمت ہیں۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ کافر کے دل کو اور اس کے کان کو اور اس کی آنکھ کو ان تین ظلمات کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اور تیسری توجیہ یہ ہے کہ کافر نہیں جانتا اور وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ نہیں جانتا، اور وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ جانتا ہے تو یہ تین مراتب، تین ظلمات کے مرتبہ میں ہیں۔ اور چوتھی توجیہ یہ ہے کہ اس کا دل اندھیرے میں ہے اور اس کا سینہ اندھیرے میں ہے اور اس کا جسم بھی اندھیرے میں ہے۔ اور پانچویں توجیہ یہ ہے کہ یہ ظلمات اوپر تلے ہیں، پس اسی طرح سے کافر کے کفر پر اصرار کی وجہ سے اس پر بھی کئی گمراہیاں اوپر تلے ہو گئیں حتیٰ کہ اس کے سامنے دلائل کا ذکر کیا جائے تو وہ

ان کو نہیں سوجھے گا۔

"وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ": یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ نورِ ہدایت نہ عطا فرمائیں اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ (السراج المنیر، ج ۳، ص ۴۰۳-۱۱۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍؕ-كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِیْحَهٗؕ-وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمینوں میں ہے اور پَر پھیلائے ہوئے صف باندھے ہوئے پرندے، سب اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں، اور ہر ایک کی صلاۃ اور اس کی تسبیح کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے، اور اللہ اُن کے تمام کاموں کو خوب جاننے والے ہیں O

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۚ-وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۴۲﴾

اور تمام آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت کی ملکیت اللہ ہی کے لیے ہے، اور اللہ ہی کی طرف سب نے لوٹ کر جانا ہے O

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖۚ-وَ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَیُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُؕ-یَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾

(اے مخاطب!) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی بادلوں کو تیز رفتاری سے چلاتے ہیں، پھر اس کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو یکجا فرمادیتے ہیں، پھر اُن کو تہہ بہ تہہ کر دیتے ہیں، پھر تم دیکھتے ہو کہ اس بادل کے درمیان سے بارش نکلتی ہے، اور اللہ آسمان میں پائے جانے والے پہاڑوں سے کچھ اولے نازل فرماتے ہیں، پھر اُن اولوں کو جس پر چاہتے ہیں برسادیتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں پھیر لیتے ہیں، قریب ہے کہ بادل کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی کو اُچک کر لے جائے O

یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَؕ-اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

اللہ رات اور دن کو تبدیل فرماتے رہتے ہیں، بے شک اس میں بصیرت والوں کے لیے ضرور اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں O

وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍۚ-فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰى بَطْنِهٖۚ-وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰى رِجْلَیْنِۚ-وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰۤى اَرْبَعٍؕ-یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُؕ-اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۵﴾

اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا فرمایا، پس اُن میں سے بعض اپنے پیٹ کے بل رینگتے ہیں اور اُن میں سے بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور ان میں سے بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں، اللہ جو چاہتے ہیں پیدا فرما دیتے ہیں، بے شک اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیں O

لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍؕ وَ اللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۶﴾

بے شک ہم نے وضاحت سے بیان فرمانے والی آیات نازل فرمائی ہیں، اور اللہ جسے چاہیں سیدھے راستہ کی ہدایت عطا فرماتے ہیں O

وَ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰى فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَؕ وَ مَاۤ اُولٰٓىٕكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾

اور (منافقین) کہتے ہیں: ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی، پھر اُن میں سے ایک فریق اس کے بعد پیٹھ پھیر لیتا ہے، اور وہ ایمان لانے والے ہی نہیں ہیں O

وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ اللہ اُن کے درمیان فیصلہ فرمائیں تو اُن میں سے ایک فریق اچانک منہ پھیرنے والا ہوتا ہے O

وَ اِنْ یَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْۤا اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَؕ ﴿۴۹﴾

اور اگر حق اُن کی طرف ہو تو وہ فوراً اس کو تسلیم کرنے والے ہو جاتے ہیں O

اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗؕ بَلْ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۠ ﴿۵۰﴾

کیا اُن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے یا وہ شک میں مبتلا ہیں یا اُن کو یہ خطرہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اُن پر ظلم فرمائیں گے، بلکہ وہی ظلم کرنے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمینوں میں ہے اور پَر پھیلائے ہوئے صف باندھے ہوئے پرندے، سب اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں، اور ہر ایک کی صلاۃ اور اس کی تسبیح کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے، اور اللہ اُن کے تمام کاموں کو خوب جاننے والے ہیں O“ (النور: ۴۱)

حیوانات کے ادراک پر علم کے اطلاق کی بحث

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ، النور: ۴۱ تا ۵۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِیْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ '': یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ کو ایسا علم نہیں ہے جو یقین میں مشاہدہ کے قائم مقام ہو۔

''كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِیْحَهٗ '': یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''عَلِمَ '' کی ضمیر ''كُلٌّ '' کی طرف راجع ہو۔ یعنی ہر ایک کو اپنی صلاۃ اور اپنی تسبیح کا علم ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ حیوانات کے ادراک پر بھی علم کا اطلاق ہوتا ہے اور اُن کی دلیل یہ آیت ہے، اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے، حالانکہ عرف اور لغت میں حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ اور اس آیت میں اطلاق مجازی ہے اور قرآن مجید میں مجازات بھی ہیں، اور یہاں حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق مجازاً ہے، اس کے علاوہ دیگر جواب یہ ہیں کہ ہر چیز کی صلاۃ اور تسبیح کا علم تو صرف ذوی العقول کو ہے لیکن ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ دے کر سب کے متعلق فرمادیا کہ ان کو اپنی صلاۃ و تسبیح کا علم ہے، لہٰذا یہ اطلاق باب تغلیب سے ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ''كُلٌّ قَدْ عَلِمَ '' کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے، یعنی کل قد علم اللہ صلاتہ و تسبیحہ، اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی صلاۃ و تسبیح کا علم ہے۔ علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے اور علامہ نسفی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھا کہ یہ جائز ہے کہ اس کا معنی ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی صلاۃ و تسبیح کا علم ہے، یعنی اس کو ہر نمازی کی نماز اور تسبیح کرنے والے کی تسبیح کا علم ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۶۶)

اب ہم علم کی تعریف کرتے ہیں اور اس کی تحقیق کرتے ہیں کہ متکلمین کی اصطلاح میں علم ذوی العقول کے ساتھ مختص ہے اور عرف اور لغت میں حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔

علم کی تعریف

علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

''العلم صفة یتجلی بها المذکور لمن قامت هی به '' ''علم ایک ایسی صفت ہے جس کے سبب سے وہ چیز منکشف اور واضح ہوجاتی ہے جس انسان (یا فرشتہ) کے ساتھ وہ صفت قائم ہو۔

یعنی وہ چیز ایسی ہو جس کا ذکر کیا جاسکے اور اس کو تعبیر کیا جاسکے خواہ وہ چیز موجود ہو یا معدوم ہو، یہ تعریف حواس کے ادراک اور عقل کے ادراکات کو شامل ہے، خواہ عقل کے ادراکات، تصورات ہوں یا تصدیقات ہوں اور تصدیقات خواہ یقینیہ ہوں یا غیر یقینیہ ہوں، لیکن اس تعریف میں انکشاف کو مکمل انکشاف پر محمول کرنا چاہیے جو ظن کو شامل نہیں ہے، کیونکہ علم ان کے نزدیک ظن کا مقابل ہے، اور جب اس تعریف میں انکشاف کو انکشاف تام پر محمول کریں گے تو پھر علم کی تعریف سے تصورات اور ظن خارج ہو جائیں گے اور صرف جزم باقی رہے گا۔ (شرح عقائد ص ۱۰، مطبوعہ کراچی)

شیخ تھانوی کا حیوانات اور بہائم کے ادراک پر علم کا اطلاق کرنا

شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں:

پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے۔

(حفظ الایمان ص ۷، مکتبہ تھانوی، متصل مسافر خانہ، بندر روڈ، کراچی)

شیخ تھانوی نے اس عبارت میں حیوانات و بہائم کے ادراک پر بھی نہ صرف علم کا بلکہ علم غیب کا اطلاق کیا ہے اور یہ علمی طور پر غلط ہے، کیونکہ حیوانات اور بہائم کے ادراک پر علم کا اطلاق نہیں کیا جاتا، اس کو زیادہ سے زیادہ شعور کہا جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے قائل نہیں ہیں اور حیوانات اور بہائم کے لیے علم غیب کے قائل ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تمام آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت کی ملکیت اللہ ہی کے لیے ہے، اور اللہ ہی کی طرف سب نے لوٹ کر جانا ہے O'' (النور: ۴۲)

''وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ'': کیونکہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے خالق ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مخاطب!) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی بادلوں کو تیز رفتاری سے چلاتے ہیں، پھر اس کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو یکجا فرما دیتے ہیں، پھر ان کو تہہ بہ تہہ کر دیتے ہیں، پھر تم دیکھتے ہو کہ اس بادل کے درمیان سے بارش نکلتی ہے، اور اللہ آسمان میں پائے جانے والے پہاڑوں سے کچھ اولے نازل فرماتے ہیں، پھر ان اولوں کو جس پر چاہتے ہیں برسا دیتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں پھیر لیتے ہیں، قریب ہے کہ بادل کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی کو اچک کر لے جائے O'' (النور: ۴۳)

''اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ'': یعنی اللہ تعالیٰ جہاں چاہیں بادلوں کو ہانک کر لے جاتے ہیں۔ ''سَحَابًا'': یہ سحابۃ کی جمع ہے۔ ''ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ'': یعنی بعض بادلوں کو دوسرے بعض بادلوں کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔ ''ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُكَامًا'': یعنی بعض بادلوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھ دیتے ہیں۔ ''فَتَرَى الْوَدْقَ'': ''اَلْوَدْق'' کا معنی ہے: بارش۔ ''یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ'': ان کے خارج سے بارش کو نکالتے ہیں۔ خلال، خلل کی جمع ہے جیسے جبال، جبل کی جمع ہے۔ ''وَ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ'': اس آیت میں ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے، کیونکہ بارش کو نازل فرمانے کی ابتداء آسمان سے ہوتی ہے۔ ''مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْۢ بَرَدٍ'': یہ ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے، اس لیے کہ بعض پہاڑ آسمان میں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اولوں کو نازل فرماتے ہیں۔ ''مِنْۢ بَرَدٍ'' سے پہلے ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اولوں کو ان پہاڑوں سے نازل فرماتے ہیں جو آسمان میں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمان میں اولوں کے پہاڑوں کو پیدا فرماتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں پتھروں کے پہاڑ پیدا فرمائے ہیں۔

یا "جِبَالٍ" سے مراد کثرت ہے، جیسے کہا جاتا ہے فلاں شخص سونے کے پہاڑوں کا مالک ہے۔

"فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ": پھر جہاں چاہتے ہیں اُن اولوں کو پہنچادیتے ہیں خواہ انسانوں پر یا کھیتوں پر۔

"وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ": اور جن کو چاہتے ہیں ان اولوں سے دور رکھتے ہیں، یا اس کا معنی ہے: اللہ اس کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں عذاب دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں اس کو عذاب سے دور فرمادیتے ہیں۔

"يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ": یعنی اُس بجلی کی روشنی۔ "يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ": آنکھوں کو اچک کرلے جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اللہ رات اور دن کو تبدیل فرماتے رہتے ہیں، بے شک اس میں بصیرت والوں کے لیے ضرور اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں O" (النور: ۴۴)

"يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ": یعنی اللہ تعالیٰ رات اور دن کی مقدار میں تبدیلی فرماتے رہتے ہیں۔ کبھی رات بڑی فرمادیتے ہیں اور کبھی دن بڑا فرمادیتے ہیں اور انہیں ایک دوسرے کے بعد لاتے ہیں۔

"اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ": بے شک بادلوں کو چلانے میں اور بارش اور اولوں کو نازل فرمانے میں اور رات اور دن کو تبدیل فرمانے میں ضرور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر دلائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں والوں کی تسبیح کا ذکر فرمایا اور بادلوں کے مسخر فرمانے کا ذکر فرمایا، پس یہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر واضح دلائل ہیں اور اُن کی صفات پر روشن دلائل ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور وفکر کریں اور تدبر کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا فرمایا، پس اُن میں سے بعض اپنے پیٹ کے بل رینگتے ہیں اور اُن میں سے بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور ان میں سے بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں، اللہ جو چاہتے ہیں پیدا فرمادیتے ہیں، بے شک اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیں O" (النور: ۴۵)

"وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ":

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور قدرت پر ایک اور دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو اُس مخصوص پانی کے ساتھ پیدا فرمایا جو نطفہ ہے۔ پھر اُس نطفہ سے مختلف مخلوقات پیدا فرمائیں، حشرات الارض کو پیدا فرمایا، چوپایوں کو پیدا فرمایا اور انسانوں کو پیدا فرمایا۔ اور اس آیت کی مثل یہ آیت ہے: "وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ (الرعد: ۴)" (اور زمین میں ایک دوسرے سے متصل متعدد ٹکڑے ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیت ہیں، اور کھجور کے درخت پیدا فرمائے جن میں سے بعض کی متعدد شاخیں ہوتی ہیں اور بعض کی شاخیں نہیں ہوتیں ان سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور ہم پھلوں کے ذائقہ کے اعتبار سے بعض پھلوں کو دوسرے پھلوں پر ترجیح دیتے ہیں، بے شک ان سب چیزوں میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں)۔ نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا

فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ۔(الانبیاء:۳۰)'' (کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ زمین و آسمان باہم ملے ہوئے تھے سو ہم نے ان کو الگ الگ فرمادیا، اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز کو بنایا، کیا پس وہ ایمان نہیں لاتے)۔

پھر پانی کی جنس سے مختلف قسم کے حیوانات پیدا فرمائے۔علماء نے کہا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا فرمایا، پھر اس پانی سے آگ، ہوا اور مٹی کو پیدا فرمایا، پھر آگ سے جنات کو پیدا فرمایا اور ہوا سے فرشتوں کو پیدا فرمایا، اور مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کو اور حشرات الارض کو پیدا فرمایا۔پھر یہ جاندار ایسے بھی تھے جو ایک دوسرے سے ممیز تھے اور ایسے بھی تھے جو ممیز نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تمیز بیان فرمائی۔''فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰى بَطْنِهٖ'': جیسے سانپ اور مچھلی۔''وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰى رِجْلَیْنِ'': یعنی جو دو ٹانگوں پر چلتے ہیں جیسے انسان اور پرندے۔''وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ'': جیسے چوپائے۔اور ان کا ذکر پہلے فرمایا جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت زیادہ ظاہر ہے اور یہ وہ ہیں جو بغیر آلہ کے چلتے ہیں خواہ وہ ٹانگیں ہوں یا نہ ہوں۔پھر دو ٹانگوں پر چلنے والوں کا ذکر فرمایا، پھر چار ٹانگوں پر چلنے والوں کا ذکر فرمایا۔

''یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ '': یعنی اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتے ہیں پیدا فرماتے ہیں۔بے شک اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''بے شک ہم نے وضاحت سے بیان کرنے والی آیات نازل فرمائی ہیں، اور اللہ جسے چاہیں سیدھے راستہ کی ہدایت عطا فرماتے ہیں O''(النور:۴۶)

''لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ '': یعنی اللہ تعالیٰ نے واضح آیات نازل فرمائی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے لطف اور اپنی مشیت سے جس کو چاہتے ہیں صراط مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں اور وہ دین اسلام ہے جو جنت تک پہنچاتا ہے، پس آیات کو نازل فرمانا حجت قائم فرمانے کے لیے ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''اور (منافقین) کہتے ہیں: ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی، پھر ان میں سے ایک فریق اس کے بعد پیٹھ پھیر لیتا ہے، اور وہ ایمان لانے والے ہی نہیں ہیں O''(النور:۴۷)

''وَ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰى فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ '':

جب اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ انہوں نے واضح آیات نازل فرمائی ہیں تو اس کے بعد یہ ذکر فرمایا کہ ان آیات سے لوگوں کے تین فرقے ہو گئے۔ایک فرقہ وہ ہے جس نے ظاہراً ان آیات کی تصدیق کی اور باطن میں تکذیب کی اور وہ منافقین ہیں۔اور دوسرا فرقہ وہ ہے جنہوں نے ظاہراً اور باطناً ان آیات کی تصدیق کی اور وہ مخلصون ہیں۔اور ایک فرقہ وہ ہے جس نے ظاہراً اور باطناً ان آیات کی تکذیب کی اور وہ کافرین ہیں۔اور اسی ترتیب کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا اور منافقین سے ابتداء فرمائی جو اپنی زبانوں سے کہتے ہیں''اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا'' یعنی ہم اللہ اور ان کے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی اطاعت کی۔''ثُمَّ یَتَوَلّٰى فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ'': پھر اللہ تعالیٰ کے حکم اور ان کے رسول کے حکم کی پیروی کرنے سے وہ منہ پھیر لیتے

ہیں۔ اور دوسرا فریق وہ ہے "ثُمَّ یَتَوَلّٰى فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ" جو اللہ اور ان کے رسول کی اطاعت کا اقرار کرنے کے بعد کہتے ہیں "اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا"۔ "وَ مَاۤ اُولٰٓىٕكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ": یعنی وہ مخلصین میں سے نہیں ہیں۔ اس میں اشارہ اُن کی طرف ہے جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی، نہ اُس فریق کی طرف جو پیٹھ پھیر لیتا ہے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر فرمائی ہے کہ یہ سب ایمان والے نہیں ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ اللہ اُن کے درمیان فیصلہ فرمائیں تو اُن میں سے ایک فریق اچانک مونہہ پھیرنے والا ہوتا ہے O" (النور:۴۸)

"وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ":

اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں تو ان میں سے ایک فریق اعراض کرنے والا ہوتا ہے۔ یہ آیت بشر المنافق اور اُس کے مخالف یہودی کے متعلق نازل ہوئی ہے، جب اُن دونوں کا ایک زمین میں جھگڑا ہوا تو یہودی فیصلہ کے لیے اُس منافق کو رسول اللہ ﷺ کی طرف کھینچتا تھا اور منافق کعب بن الاشرف کی طرف کھینچتا تھا اور کہتا تھا کہ محمد ہم پر ظلم کریں گے۔ (العیاذ باللہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اگر حق اُن کی طرف ہو تو وہ فوراً اُس کو تسلیم کرنے والے ہو جاتے ہیں O" (النور:۴۹)

"وَ اِنْ یَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْۤا اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ": اور جب اُن کا حق دوسروں پر ثابت ہوتا تو پھر وہ آپ کے پاس فیصلہ کے لیے آتے تھے آپ کی اطاعت میں جلدی کرتے ہوئے تاکہ اُن کو حق مل جائے، اور اُن کا مقصد رسول اللہ ﷺ کے حکم پر راضی ہونا نہیں تھا۔ الزجاج نے کہا ہے: الإذعان کا معنی ہے: طاعت میں جلدی کرنا اور بھاگنا۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ منافق یہ جانتے تھے کہ آپ کے پاس صرف حق ہے اور خالص عدل ہے، تو اس لیے وہ آپ کو اپنے جھگڑوں میں حَکم بنانے سے اعراض کرتے تھے۔ اور جب اُن کو یہ معلوم ہوتا کہ اُن کا حق دوسروں پر ثابت ہے تو وہ آپ کے پاس فیصلہ کے لیے آنے میں جلدی کرتے تھے، تاکہ انہیں اُن کا حق مل جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کیا اُن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے یا وہ شک میں مبتلا ہیں یا اُن کو یہ خطرہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اُن پر ظلم فرمائیں گے، بلکہ وہی ظلم کرنے والے ہیں O" (النور:۵۰)

"اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ بَلْ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ":

منافقین جو اپنے جھگڑوں میں آپ کو حَکم نہیں بناتے تھے، اس کی اللہ تعالیٰ نے دو قسمیں بیان فرمائیں: ایک یہ کہ ان منافقین کے دلوں میں بیماری تھی۔ دوسرا یہ کہ وہ آپ کی نبوت کی صحت کے متعلق شک میں مبتلا تھے، یا اس سے ڈرتے تھے کہ آپ فیصلہ کرنے میں اُن کے خلاف ظلم (عدل) کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس خوف کو باطل فرمایا: "بَلْ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ": یعنی وہی ظالم ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ دوسروں پر ظلم کر کے اُن کو حق دے دیا جائے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں ایسا نہیں کر سکتے تھے۔

اس لیے آپ کو حاکم بنانے سے اجتناب کرتے تھے۔ (مدارک التنزیل، ج ۲ ص ۵۱۰ ـ ۵۱۴، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾

مومنین کو جب اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول اُن کے درمیان فیصلہ کریں تو اُن کا صرف یہی کہنا ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کرلی، اور یہی لوگ اخروی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں O

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور جس نے اللہ کی اور اُس کے رسول رحمٰن کی اطاعت کی اور وہ اللہ سے ڈرتا رہا اور اُن کے عذاب سے خوف کھاتا رہا تو یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں O

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور منافقین نے اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر کہا: اگر آپ انہیں حکم دیں گے تو وہ (جہاد کے لیے) ضرور نکلیں گے، (اے رسول اکرم!) آپ کہیے کہ تم قسمیں نہ کھاؤ تمہاری اطاعت کا حال معلوم ہے، بے شک تم جو کام کرتے ہو اللہ اُس کی خبر رکھنے والے ہیں O

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

(اے رسول اکرم!) آپ کہیے کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور اُن کے رسول کی اطاعت کرو، پس اگر تم نے منہ پھیر لیا تو رسول کے ذمہ صرف وہی کام ہے جو اُن پر لازم فرمایا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہی کام ہیں جو تم پر لازم فرمائے گئے ہیں، اور اگر تم رسول کی اطاعت کرتے رہو گے تو ہدایت پا جاؤ گے، اور رسول کے ذمہ صرف صاف صاف احکام کو پہنچا دینا ہے O

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، اللہ نے اُن سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اُن کو ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائیں گے جیسے اُن سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی تھی، اور اللہ ضرور اُن کے لیے اُس دین کو مستحکم فرمادیں گے جس کو انہوں نے اُن کے لیے پسند فرمالیا ہے، اور اُن کی حالت کو اُن کے خوف کے بعد ضرور امن سے تبدیل فرمادیں گے، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے، اور جو لوگ اس (وعدہ) کے بعد ناشکری کریں گے تو وہی لوگ نافرمان ہوں گے O

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور نماز قائم کرتے رہو اور زکوۃ ادا کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے O

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ لَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۵۷﴾

کافروں کے متعلق ہرگز ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ وہ ہم کو زمین میں عاجز کرنے والے ہیں، اور اُن کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے، اور وہ ضرور برا ٹھکانا ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”مومنین کو جب اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول اُن کے درمیان فیصلہ کریں تو اُن کا صرف یہی کہنا ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کرلی، اور یہی لوگ اخروی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں O“ (النور: ۵۱)

القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، النور: ۵۱ تا ۵۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ“: یعنی مومنین کو جب اللہ کی کتاب کی طرف اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے، تاکہ اُس کے رسول اُن کے درمیان فیصلہ کریں تو اُن کا صرف یہی کہنا ہوتا ہے کہ ہم نے آپ کا حکم سُن لیا اور ہم نے آپ کے حکم کی اطاعت کرلی، اور اطاعت کا معنی ہے: خوشی کے ساتھ حکم کو مان لینا۔ اور جو لوگ یہ کہنے والے ہیں وہی دنیا اور آخرت میں اپنی مرادوں کو پہنچنے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور جس نے اللہ کی اور اُس کے رسول کی اطاعت کی اور وہ اللہ سے ڈرتا رہا اور اُن کے عذاب سے خوف کھاتا رہا تو یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں O“ (النور: ۵۲)

”وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَخْشَ اللّٰهَ وَ یَتَّقْهِ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفَآىٕزُوْنَ“: یعنی جو لوگ اللہ کے حکم کی اور اُس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں اور اُن سے جو گناہ ہو چکے ہیں اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اپنی باقی زندگی کے اندر اللہ اور اُس کے رسول کے احکام کی نافرمانی سے ڈرتے اور بچتے ہیں تو وہی لوگ نجات یافتہ ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور منافقین نے اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر کہا: اگر آپ انہیں حکم دیں گے تو وہ (جہاد کے لیے) ضرور نکلیں گے، (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے کہ تم قسمیں نہ کھاؤ، تمہاری اطاعت کا حال معلوم ہے، بے شک تم جو کام کرتے ہو اللہ اُس کی خبر رکھنے والے ہیں O“ (النور: ۵۳)

”وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَیَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ“: اور منافقین نے انتہائی پختہ قسمیں کھائیں، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے کہ آپ جہاں بھی جائیں گے ہم آپ کے ساتھ رہیں گے۔ اگر آپ جہاد کے لیے نکلیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ نکلیں گے اور اگر آپ کہیں قیام کریں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ قیام کریں گے، اور اگر آپ ہمیں جہاد کرنے کا حکم دیں گے تو ہم جہاد کریں گے۔ اے رسولِ اکرم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم قسمیں نہ کھاؤ، تمہاری ان قسموں سے بہتر ایسی اطاعت ہے جس میں کوئی شک نہ ہو، کیونکہ تم اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق نہیں کرتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والے ہیں، سو تم کو اس کی جزا عطا فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ” (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور اُن کے رسول کی اطاعت کرو، پس اگر تم نے مونہہ پھیر لیا تو رسول کے ذمہ صرف وہی کام ہے جو اُن پر لازم فرمایا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہی کام ہیں جو تم پر لازم فرمائے گئے ہیں، اور اگر تم رسول کی اطاعت کرتے رہو گے تو ہدایت پا جاؤ گے، اور رسول کے ذمہ صرف صاف صاف احکام کو پہنچا دینا ہے O“ (النور: ۵۴)

”قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ“: اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے متعلق خطاب فرمایا ہے، اس کو پہنچا دیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تو اس چیز کا پہنچا دینا ہے جس چیز کے پہنچانے کا انہیں حکم فرمایا گیا ہے، اور تم پر اس طاعت کو ادا کرنا ہے جس کا تمہیں حکم فرمایا گیا ہے۔ اور اگر تم نے رسول کی اطاعت کر لی تو حق کی طرف ہدایت پا جاؤ گے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو صرف احکام کو پہنچا دینا ہے، یہ آیت جہاد کی آیت سے منسوخ ہو گئی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے، اللہ نے اُن سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اُن کو ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائیں گے جیسے اُن سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی تھی، اور اللہ ضرور اُن کے لیے اُس دین کو مستحکم فرما دیں گے جس کو انہوں نے اُن کے لیے پسند فرمالیا ہے، اور اُن کی حالت کو اُن کے خوف کے بعد ضرور امن سے تبدیل فرما دیں گے، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے، اور جو لوگ اس (وعدہ) کے بعد ناشکری کریں گے تو وہی لوگ نافرمان ہوں گے O“ (النور: ۵۵)

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۪ وَ لَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًاؕ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْــٴًـاؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ": جب صحابہ کرام کا خوف بہت زیادہ ہو گیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد میں تاخیر کا گمان کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو اللہ تعالیٰ نے اُن سے وعدہ فرمایا کہ وہ اُن کو ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائیں گے۔ یعنی کفار کے بعد اُن کو زمین پر حکمرانی عطا فرمائیں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو اس طرح خلافت عطا فرمائیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام اور بنی اسرائیل کو جبارین کی سرزمین پر خلافت عطا فرمائی تھی۔ اور اللہ عزوجل اُن کے لیے اُس دین کو ضرور مستحکم فرما دیں گے اور وہ دین اسلام ہے بایں طور کہ وہ دین اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائیں گے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے دس سال مکہ میں خوف کی زندگی گزاری تھی، پھر انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہتھیار عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے دین کو غالب فرما دیا اور اُن کی مدد فرمائی، اور خوف کے بعد اُن کی حالت امن سے تبدیل فرما دی۔

"یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْــٴًـاؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ": وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ بالکل شرک نہ کریں، یعنی مجھے واحد مانتے رہیں۔ اور جن لوگوں سے مدد کا وعدہ فرمایا گیا تھا، اُن میں سے جنہوں نے سب سے پہلے ان نعمتوں کا کفر کیا تو وہی نافرمانی کرنے والے ہیں۔ پس یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ظلماً شہید کر دیا، پس اللہ تعالیٰ نے اُن کو جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں وہ واپس لے لیں اور اُن پر وہ خوف طاری فرما دیا جس کو اُن سے اٹھالیا تھا حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے بھائی بننے کے بعد ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو تا کہ تم پر رحم فرمایا جائے ○" (النور: ۵۶)

"وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ": یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول تم کو جو حکم دیں اس حکم میں اُن کی اطاعت کرو، اس امید پر کہ تم پر رحم فرمایا جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کافروں کے متعلق ہرگز ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ وہ ہم کو زمین میں عاجز کرنے والے ہیں، اور اُن کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے، اور وہ ضرور برا ٹھکانا ہے ○" (النور: ۵۷)

"لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِۚ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُؕ وَ لَبِئْسَ الْمَصِیْرُ":

یعنی اے رسول اکرم! جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا ہے، اُن کے متعلق ہرگز ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بھاگنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن پر قادر نہیں ہوں گے۔ ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ (فتح الرحمٰن، ج ۳ ص ۵۵۲۔۵۵۶، دار النوادر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾

اے ایمان والو! تمہارے غلاموں کو چاہیے اور تمہارے نابالغ بچوں کو چاہیے کہ وہ تمہارے پاس آنے کے لیے تین اوقات میں اجازت طلب کیا کریں، نماز فجر سے پہلے اور جب تم دوپہر کے وقت اپنے زائد کپڑے اتار دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد، یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں اور ان تین اوقات کے بعد تمہارے پاس آنے جانے میں نہ ان پر کوئی گناہ ہے اور نہ تم پر کوئی گناہ ہے، تم میں سے سب ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتوں کو وضاحت سے بیان فرماتے ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والے، سب سے زیادہ حکمت والے ہیں ○

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

اور جب تمہارے بچے بالغ ہو جائیں تو وہ بھی تمہارے پاس آنے کے لیے اسی طرح اجازت طلب کریں جس طرح اُن سے پہلے بالغ مرد اجازت طلب کرتے تھے، اللہ اسی طرح اپنی آیتوں کو تمہارے لیے وضاحت سے بیان فرماتے ہیں، اور اللہ سب کچھ جاننے والے، بے حد حکمت والے ہیں ○

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾

اور وہ بوڑھی عورتیں جو نکاح کی توقع نہیں رکھتیں، اُن پر زائد کپڑوں کے اتارنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ وہ زینت کی جگہوں کو ظاہر نہ کرتی پھریں، اور اس سے بھی اجتناب کرنا اُن کے لیے بہتر ہے اور اللہ سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں ○

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

نہ نابینا پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ تم پر کوئی حرج ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے کھاؤ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اُن گھروں سے جن کی چابیاں تمہاری ملکیت میں ہیں یا اپنے دوست کے گھر سے، تم سب مل کر کھاؤ تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے یا الگ الگ کھاؤ تب بھی کوئی گناہ نہیں ہے، پس جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو جو سلام اللہ کی طرف سے نازل شدہ برکت والا اور پاکیزہ ہے، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتوں کو وضاحت سے بیان فرماتے ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! تمہارے غلاموں کو چاہیے اور تمہارے نابالغ بچوں کو چاہیے کہ وہ تمہارے پاس آنے کے لیے تین اوقات میں اجازت طلب کیا کریں، نماز فجر سے پہلے اور جب تم دوپہر کے وقت اپنے زائد کپڑے اتار دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد، یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں اور ان تین اوقات کے بعد تمہارے پاس آنے جانے میں نہ اُن پر کوئی گناہ ہے اور نہ تم پر کوئی گناہ ہے، تم میں سے سب ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتوں کو وضاحت سے بیان فرماتے ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والے، سب سے زیادہ حکمت والے ہیں'' (النور:۵۸)

لوگوں کے گھروں میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینے کا حکم

علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، النور: ۵۸ تا ۶۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَ لَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایک غلام کو جس کو مدلج بن عمرو کہا جاتا تھا، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس دوپہر کے وقت اُن کو بلانے کے لیے بھیجا، پس وہ داخل ہوا، پس اُس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسی

حالت میں دیکھا جو اُن کے نزدیک ناپسندیدہ تھی، تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (اسباب النزول: ۶۳۸)

مقاتل نے کہا: یہ آیت حضرت اسماء بنت ابی مرثد کے متعلق نازل ہوئی، اُن کا ایک بڑی عمر کا غلام تھا، وہ اُن کے پاس اس وقت آیا جو اُن کے نزدیک ناپسندیدہ وقت تھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں پس کہا کہ ہمارے خدمت گار اور ہمارے غلام ہمارے پاس ایسے وقت میں آتے ہیں جس وقت میں اُن کا آنا ہمیں ناپسند ہوتا ہے، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تخریج الکشاف ج ۳ ص ۲۵۳)

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ": اس آیت میں لام امر کا ہے اور "الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ" سے مراد غلام اور باندیاں ہیں۔ (نوکر اور نوکرانیاں بھی اسی حکم میں ہیں)۔

"وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ": سے مراد وہ آزاد بچے ہیں جو بالغ نہیں ہوئے اور جن کو عورتوں کی پوشیدہ باتیں معلوم نہیں ہیں بلکہ وہ لڑکے جو عورتوں کے معاملات کو پہچانتے ہیں لیکن نابالغ ہیں۔ "ثَلٰثَ مَرّٰتٍ": یعنی وہ تمہارے پاس آنے کے لیے تین اوقات میں اجازت طلب کریں۔

"مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ": یعنی نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے بعد جب تم اپنے فالتو کپڑے اتارتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ ان تین اوقات کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ یہ تنہائی کے اوقات ہیں اور فالتو کپڑے اتارنے کے۔ پس بسا اوقات انسان کی کوئی ایسی جسمانی چیز ظاہر ہوتی ہے جس کے متعلق وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کو دیکھے، خواہ وہ غلام یا نوکر چاکر ہو یا بالغ بچہ ہو۔ سو ان تین اوقات میں وہ تمہارے پاس آنے کے لیے اجازت کو طلب کریں اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ تمام اوقات میں اجازت طلب کریں۔

"ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ": یعنی یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں، ان تین اوقات کو پردے کے لیے فرمایا، کیونکہ انسان ان اوقات میں اپنے زائد کپڑے اتار دیتا ہے تو اس کی شرمگاہ ظاہر ہو جاتی ہے۔

"لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَ لَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ": یعنی تمہارے غلاموں اور نوکروں اور بالغ بچوں پر ان تین اوقات کے علاوہ تمہارے پاس بلا اجازت آنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

"طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ": یعنی غلام اور نوکر چاکر تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں اور اپنے کاموں اور ضروریات کے لیے گھروں میں بلا اجازت داخل ہوتے ہیں۔

"كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ": مفسرین کا اس آیت کے حکم میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ منسوخ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پہلے لوگوں کے گھروں کے اوپر پردے لٹکے ہوئے نہیں ہوتے تھے اور نہ حجاب ہوتے تھے، پس لڑکے اور نوکر چاکر گھروں میں داخل ہوتے رہتے تھے اور لوگوں کو اس حال میں دیکھتے تھے جس حال میں وہ دکھائی دینا ناپسند کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اجازت طلب کرنے کا حکم فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رزق کی کشادگی فرمادی اور لوگوں نے اپنے گھروں میں پردے لٹکا لیے، تو اُن کا اپنے گھروں پر پردے لٹکا دینا اجازت طلب کرنے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اور دوسرے مفسرین نے کہا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ (یہ روایت بغیر سند کے ذکر کی گئی ہے)۔

سفیان نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے الشعبی سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: آیا یہ منسوخ ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا: یہ منسوخ نہیں ہے، میں نے کہا: اب لوگ اس پر عمل نہیں کرتے؟ تو انہوں نے کہا: اللہ ہی سے مدد طلب کی گئی ہے۔ اور سعید بن جبیر نے کہا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہے، اور اللہ کی قسم! یہ منسوخ نہیں ہے لیکن یہ آیت اُس قبیل سے ہے کہ لوگ اس کے حکم پر عمل کرنے میں سستی کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دو مردوں نے اُن سے سوال کیا کہ آیا ان تین اوقات میں اُن پر اجازت طلب کرنا واجب ہے؟ تو اُن سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پردہ پوش ہیں اور پردہ پوشی کو پسند فرماتے ہیں، پہلے لوگوں کے گھروں پر پردے اور حجاب نہیں ہوتے تھے، پس بسا اوقات کسی مرد کا خادم یا اُس کا بیٹا یا وہ لڑکی جو اُس کی گود میں زیر پرورش ہوتی، اس کے پاس آتی اور وہ اپنے اہل کے ساتھ مشغول ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو حکم فرمایا کہ وہ ان اوقات میں جن کا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، بغیر اجازت کے کسی کے پاس نہ جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کشادگی فرمادی اور انہوں نے اپنے گھروں پر پردے لٹکا لیے اور حجاب قائم کر دیے تو لوگوں نے سمجھا کہ یہ پردے اور حجاب اُن کے لیے اجازت طلب کرنے سے کافی ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۷۔۸۷ ۱۴، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب تمہارے بچے بالغ ہو جائیں تو وہ بھی تمہارے پاس آنے کے لیے اسی طرح اجازت طلب کریں جس طرح اُن سے پہلے بالغ مرد اجازت طلب کرتے تھے، اللہ اسی طرح اپنی آیتوں کو تمہارے لیے وضاحت سے بیان فرماتے ہیں، اور اللہ سب کچھ جاننے والے، بے حد حکمت والے ہیں O'' (النور:۵۹)

''وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ'': اس سے مراد ہے وہ آزاد لڑکے جو بالغ ہو جائیں تو وہ تمہارے پاس آنے کے لیے تمام اوقات میں اجازت طلب کریں، جیسا کہ اس سے پہلے آزاد بڑے لڑکے اجازت طلب کرتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے جیسے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام اجازت طلب کرتے تھے۔ ''كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ'': یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہاری آسانی کے لیے احکام بیان فرماتے ہیں۔ ''وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ'': اور اللہ اپنی مخلوق کے تمام احوال کو جاننے والے ہیں۔ ''حَكِیْمٌ'': اور وہ حکمت کے ساتھ تمہارے لیے تدبیر فرماتے ہیں۔

سعید بن المسیب نے کہا: مرد اپنی ماں کے پاس داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرے، کیونکہ یہ آیت اسی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کیا مرد اپنی والدہ کے پاس آنے کے لیے اجازت طلب کرے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اگر اُس نے ایسا نہیں کیا تو وہ ایسی چیز دیکھے گا جس کو اس کی والدہ ناپسند کرتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہ بوڑھی عورتیں جو نکاح کی توقع نہیں رکھتیں، اُن پر زائد کپڑوں کے اتارنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ وہ زینت کی جگہوں کو ظاہر نہ کرتی پھریں، اور اس سے بھی اجتناب کرنا اُن کے

لیے بہتر ہے اور اللہ سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں O" (النور:۶۰)

بوڑھی عورتوں کے لیے پردے کے حکم میں سہولت

"وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ": یعنی وہ عورتیں جو بڑھاپے کی وجہ سے اولاد کے حصول اور حیض کے آنے سے بیٹھ چکی ہوں، نہ اُن کے ہاں اولاد ہوتی ہو اور نہ انہیں حیض آتا ہو۔ دوسرا قول ہے کہ وہ اپنے شوہروں سے بیٹھ چکی ہوں، جیسے فرمایا: "الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا" یعنی جو عورتیں اپنے بڑھاپے کی وجہ سے مردوں سے نکاح کی اُمید نہ رکھیں۔

ابن قتیبہ نے کہا کہ عورت کو "قاعدہ" یعنی بیٹھنے والی اس لیے فرمایا کہ جب وہ بوڑھی ہو جاتی ہے تو اکثر بیٹھی رہتی ہے۔ اور ربیعہ نے کہا: یہ اُن عورتوں کا ذکر ہے کہ جب مرد اُن کو دیکھتے ہیں تو اس کو ناپسند کرتے ہیں، لیکن جن عورتوں میں خوبصورتی باقی ہو جو شہوت کا محل ہے تو وہ اس آیت میں داخل نہیں ہیں۔

"فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ": یعنی مردوں کے سامنے اگر وہ اپنے زائد کپڑے اتار لیں تو کوئی حرج نہیں ہے اور یہ لمبی چادر ہے اور اُس سے چھوٹی چادر ہے جو کپڑوں کے اوپر ڈالی جاتی ہے اور ایک اور چادر ہے جو دوپٹے کے اوپر ڈالی جاتی ہے۔ رہا دوپٹا تو اُس کا اتارنا جائز نہیں ہے۔

"غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ": یعنی بڑی چادر کے اتارنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اپنی زینت کی جگہوں کا اظہار کرے۔ اور "تبرّج" کا معنی ہے: عورت اپنے اُن محاسن کو ظاہر کرے جن کو چھپانا چاہیے۔ "وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ": اور اگر وہ اپنی بڑی چادر اور چھوٹی چادر کو نہ اتارے تو یہ اُن کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ "وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ": اور اللہ سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور نہ نابینا پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ تم پر کوئی حرج ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے کھاؤ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اُن گھروں سے جن کی چابیاں تمہاری ملکیت میں ہیں یا اپنے دوست کے گھر سے، تم سب مل کر کھاؤ تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے یا الگ الگ کھاؤ تب بھی کوئی گناہ نہیں ہے، پس جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو جو سلام اللہ کی طرف سے نازل شدہ برکت والا اور پاکیزہ ہے، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتوں کو وضاحت سے بیان فرماتے ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو O" (النور:۶۱)

دوسروں کے گھروں سے کھانا کھانے کی اجازت

"لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ

بُيُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ":

" لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ": اس آیت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: " وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔۔(البقرہ:۱۸۸)" (اور (اے مسلمانو!) تم دانستہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ، اور نہ (بہ طور رشوت) اس مال کو حاکموں تک پہنچاؤ تا کہ لوگوں کے اموال میں سے کچھ حصہ تم ناجائز طریقہ سے کھا سکو) تو مسلمانوں نے بیماروں، اپاہجوں، اندھوں اور لنگڑوں کو بھی اپنے ساتھ کھلانے سے حرج سمجھا اور انہوں نے کہا کہ کھانا ہمارے اموال میں سب سے افضل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو باطل مال کے ساتھ کھانے سے منع فرمادیا ہے۔ اور جو نابینا ہو وہ پاکیزہ طعام کی جگہ کو نہیں دیکھتا، اور جو لنگڑا ہو وہ بیٹھنے پر قادر نہیں ہوتا اور کھانے میں مزاحمت پر قادر نہیں ہوتا۔ اور بیمار کھانا اٹھانے سے کمزور ہوتا ہے، پس وہ پورا کھانا نہیں کھا سکتا، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہے کہ نابینا کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے میں اور لنگڑے کو اور بیمار کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور سعید بن جبیر، الضحاک اور دوسروں نے کہا کہ لنگڑے، اندھے اور بیمار تندرست لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے اجتناب کرتے تھے، کیونکہ لوگ اُن سے گھن کھاتے تھے اور اُن کے ساتھ کھانے کو ناپسند کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ بعض اوقات اندھا زیادہ کھا جاتا ہے، اور لنگڑا دو آدمیوں کی جگہ بیٹھ جاتا ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اور مجاہد نے کہا کہ یہ آیت ان لوگوں کو ساتھ کھلانے میں رخصت کے لیے نازل ہوئی ہے۔

سعید بن المسیب نے کہا کہ مسلمان جب کسی غزوہ میں جاتے تو وہ اپنے گھروں میں پیچھے اپاہج لوگوں کو چھوڑ جاتے تھے اور ان کو اپنے دروازوں کی چابیاں دے دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے تمہارے لیے یہ حلال کردیا ہے کہ تم ہمارے گھروں میں جو کچھ پاؤ اُسے کھاؤ تو وہ اپاہج لوگ تنگ ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ان لوگوں کے پس پشت ان کے گھروں میں داخل نہیں ہوں گے تو یہ آیت اُن کے داخل ہونے کی رخصت کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

حسن بصری نے کہا: یہ آیت اس لیے نازل ہوئی ہے کہ اس قسم کے معذور لوگ اگر جہاد کے لیے نہ جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہ کلام " وَلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ " پر مکمل ہو گیا۔ اور اللہ عزوجل کا ارشاد: " وَلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ " یہ پہلے کلام سے منقطع ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی " وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ۔۔(البقرہ:۱۸۸)" تو مسلمانوں نے کہا کہ ہم میں سے کسی ایک کا دوسرے کے ہاں کھانا جائز نہیں ہے، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: " وَلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ "۔ یعنی تم پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم اپنے گھروں سے کھاؤ۔ دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد ہے کہ تم اپنے عیال اور ازواج کے گھروں سے کھاؤ تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور عورت کا گھر اُس کے خاوند کے گھر کی مثل ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا کہ اولاد کے گھروں سے مراد ہے کہ اولاد سے لے کر باپ دادا تک کے گھروں سے کھا سکتے ہو، جیسا کہ حدیث میں ہے: "انت

وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ" یعنی تم خود اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہے۔

(سنن ابوداؤد: ٣٥٣٠، سنن ابن ماجہ: ٢٢٩٢، ابن الجارود: ٩٩٥، معانی الآثار للطحاوی ج ٤ ص ١٥٨، صحیح ابن حبان: ٤١٠، مشکل الآثار للطحاوی: ١٥٩٨)

"اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس سے مراد مرد کا وکیل اور اس کی زمین اور مویشیوں کا منتظم ہے۔ یعنی وہ منتظم اگر اس زمین کے پھلوں سے کھائے اور مویشیوں کا دودھ پیے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اٹھا کر نہ لے جائے اور اُن کو ذخیرہ نہ بنائے۔ اور الضحاک نے کہا: اس سے مراد ہے کہ اگر تم اپنے غلاموں اور مملوکوں کے گھروں سے کھاؤ تو کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ مالک غلام کے گھر کا مالک ہوتا ہے اور اُس کے خزانے کی چابیوں کا مالک ہوتا ہے۔ اور "مفاتیح" سے مراد ہیں خزانے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ" (الانعام: ٥٩) "(اور انہی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، اُن کے سوا کوئی (از خود) ان چابیوں کو نہیں جانتا)۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "مَّفَاتِحَهٗ" سے مراد چابیاں ہوں۔ عکرمہ نے کہا: جب کسی مرد کی ملکیت میں چابیاں ہوں تو وہ خازن اور محافظ ہوتا ہے اور اُس کے لیے تھوڑی سی چیز کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

السدی نے کہا: جو مرد طعام کا منتظم ہوتا ہے تو اگر وہ اس کے طعام سے کچھ کھالے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

"اَوْ صَدِيْقِكُمْ": صدیق سے مراد وہ ہے جو دوستی میں صادق ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت الحارث بن عمرو رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لیے گئے اور حضرت مالک بن زید کو اپنے گھر والوں کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا۔ جب واپس آئے تو اُن کو بہت مشقت میں مبتلا اور کمزور پایا، اُن کے حال سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے تمہارے گھر کے طعام کو تمہاری اجازت کے بغیر کھانا مکروہ جانا اور اس میں حرج سمجھا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

اور حسن اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ کوئی مرد اپنے دوست کے گھر داخل ہوا اور وہ اُس کی اجازت کے بغیر وہاں کھانے کو مکروہ سمجھے تو اُن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اِن لوگوں کے گھروں سے کھاؤ جب تم لوگوں کے گھروں میں داخل ہو اگرچہ وہ لوگ حاضر نہ ہوں، بغیر اس کے کہ تم وہاں سے کھانا اُٹھا کر لے جاؤ۔

"لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا": یہ آیت بنو لیث بن عمرو کے متعلق نازل ہوئی ہے اور وہ بنو کنانہ کا ایک قبیلہ ہے۔ اُن میں سے ایک مرد اکیلا نہیں کھاتا تھا حتیٰ کہ کوئی مہمان اُس کے ساتھ کھائے۔ اور بعض اوقات ایک آدمی کھانے کے ساتھ صبح سے شام تک بیٹھا رہتا اور بعض اوقات اُس کے پاس دودھ والی اونٹنیاں ہوتیں اور وہ اُن سے دودھ نہیں پیتا حتیٰ کہ کوئی پینے والا مل جاتا۔ پھر جب شام ہو جاتی اور وہ کوئی کھانے والا نہ پاتا تو پھر کھا لیتا۔ یہ قتادہ، الضحاک اور ابن جریج کا قول ہے۔ اور عطاء الخراسانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ کوئی مال دار شخص کسی فقیر کے پاس جاتا جو اُس کا رشتہ دار ہوتا یا اُس کا دوست ہوتا اور وہ اُسے کھانے کے لیے بلاتا تو وہ کہتا: اللہ کی قسم! اگر میں نے تمہارے ساتھ کھانا کھایا تو میں گناہ گار رہوں گا جب کہ میں خوش حال ہوں اور تم تنگدست ہو، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اور عکرمہ اور ابو صالح نے کہا: یہ آیت انصار کے لوگوں کے متعلق

نازل ہوئی کہ جب اُن کے پاس کوئی مہمان آتا تو وہ مہمان کے ساتھ نہیں کھاتے تھے، انہیں یہ اجازت دی گئی کہ وہ جس طرح چاہیں کھائیں خواہ سب مل کر کھائیں یا الگ الگ کھائیں۔

اپنے گھروں میں دخول کے وقت سلام کرنے کا حکم

''فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً'': یعنی تم میں سے بعض کو دوسرے بعض پر سلام کرنا چاہیے۔ جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرے اور جو گھر میں ہوں اُن کو سلام کرے، یہ جابر، طاؤس، زہری، قتادہ، الضحاک اور عمرو بن دینار کا قول ہے۔ اور قتادہ نے کہا کہ جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو کیونکہ جن کو تم سلام کرتے ہو تو اُن میں زیادہ حق دار تمہارے گھر والے ہیں۔ اور جب تم کسی ایسے گھر میں داخل ہو جہاں کوئی نہ ہو تو کہو: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ اور ہمیں حدیث بیان کی گئی ہے کہ فرشتے اُس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو اُسے چاہیے کہ وہ یہ کہے: السلام علینا من ربنا السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین، السلام علی اهل البیت و رحمة اللہ۔

اور عمرو بن دینار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو کہو: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک سلام ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ برکت اور طیبہ کا ذکر یہاں پر ثواب اور اجر کے لیے ہے۔

''كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ'': اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتوں کو وضاحت سے بیان فرماتے ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو۔ (معالم التنزیل، ج ۳ ص ۴۲۸-۴۳۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۲﴾

کامل مومنین صرف وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی اجتماعی مہم کے لیے حاضر ہوں تو رسول سے اجازت لیے بغیر نہ جائیں، بے شک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، پس جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کے لیے چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لیے اللہ سے استغفار کریں، بے شک اللہ بہت بخشنے والے، بہت زیادہ رحم فرمانے والے ہیں O

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۳﴾

(اے مسلمانو!) تم رسول کے بلانے کو آپس میں اس طرح نہ قرار دو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو، بے شک اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو تم میں سے کسی چیز کی آڑ لے کر چپکے سے نکل جاتے ہیں، پس جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اُن کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ اُن پر کوئی مصیبت نازل ہو یا اُن کو آخرت میں دردناک عذاب پہنچے O

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ یَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ؕ وَیَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۶۴﴾

ع ۱۵

سنو! جو کچھ آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے، سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، تم اب جس حالت میں ہو اللہ اُس کو بھی خوب جانتے ہیں، اور جس دن لوگ اللہ کی بارگاہ میں لوٹائے جائیں گے تو وہ اُن کے کیے ہوئے کاموں کی خبر دیں گے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کامل مومنین صرف وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی اجتماعی مہم کے لیے حاضر ہوں تو رسول سے اجازت لیے بغیر نہ جائیں، بے شک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، پس جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ اِن میں سے جس کے لیے چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لیے اللہ سے استغفار کریں، بے شک اللہ بہت بخشنے والے، بہت زیادہ رحم فرمانے والے ہیں O'' (النور: ۶۲)

''اَمْرٍ جَامِعٍ'' کے محامل

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، النور: ۶۲ تا ۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ'': اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے اس طرح سپرد کر دیا جس طرح مردہ غسل دینے والے کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اور وہ از خود کچھ نہیں کر سکتا۔

"وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ": یعنی کامل ایمان والے وہ ہیں جو دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور تمام احکام میں اُن کی اطاعت کی۔ اور جب وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی ایسے کام میں ہوں جس میں سب کا جمع ہونا واجب ہو جیسے جمعہ کی نماز، عید کی نماز اور مختلف غزوات میں جنگوں میں جمع ہونا۔ ابن زید سے روایت ہے کہ امر جامع جہاد ہے۔ اور الضحاک اور ابن سلام نے کہا: یہ ہر وہ نماز ہے جس میں خطبہ ہو جیسے جمعہ اور عیدین اور نمازِ استسقاء۔ اور ابن جبیر سے روایت ہے کہ اس سے مراد جہاد اور جمعہ کی نماز ہے اور عیدین کی نماز ہے۔ اور یہ مخفی نہ رہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ اس کو اپنے عموم پر رکھا جائے۔ اگرچہ یہ آیت خندق کھودنے کے معاملہ کے متعلق نازل ہوئی۔

"لَمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ": اور اُن میں سے کسی کو جب کسی کام کے لیے جانا ہو تو اس وقت جائیں جب رسول اللہ ﷺ سے جانے کی اجازت طلب کر لیں اور آپ اُن کو اجازت دے دیں، تب جائیں۔

مفسرین نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب جمعہ کے دن منبر پر کھڑے ہوتے اور کوئی مرد کسی حاجت یا کسی عذر کی وجہ سے مسجد سے باہر جانا چاہتا تو وہ مسجد سے نہ نکلتا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس طرح کھڑا ہو جاتا کہ آپ اُس کو دیکھ لیتے اور آپ جان لیتے کہ یہ جانے کی اجازت طلب کرنے کے لیے کھڑا ہوا ہے تو آپ اُن میں سے جس کو چاہتے جانے کی اجازت عطا فرما دیتے۔ (الوسیط للواحدی ج ۳ ص ۳۳۱)

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ": اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ بعض احکام رسول اللہ ﷺ کی رائے کی طرف مفوض ہوتے ہیں اور یہ مسئلہ تفویض ہے جس کے جواز میں اصولیین کے درمیان اختلاف ہے۔ یعنی کوئی حکم مجتہد کی طرف مفوض کر دیا جائے اور اُس سے کہا جائے: تم جو چاہو حکم لگاؤ، وہ صحیح ہوگا۔ پس بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے اور بعض نے اختلاف کیا ہے۔ موسیٰ بن عمران نے کہا: یہ نبی ﷺ اور علماء کے لیے جائز ہے۔ اور ابو علی الجبائی نے کہا: یہ خاص طور پر نبی ﷺ کے لیے جائز ہے۔ اور امام شافعی نے "الرسالہ" میں دو قول لکھے ہیں۔

"وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ": یعنی اگر اُن کا اجازت طلب کرنا کسی قوی عذر پر مبنی ہو اور اُس میں یہ شائبہ نہ ہو کہ اس میں دنیا کے کام کو آخرت کے کام پر ترجیح دی گئی ہے تو پھر آپ اُن کو اجازت دے دیں۔ "اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ": بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کی تقصیرات کو بے حد بخشنے والے ہیں۔ "رَّحِیْمٌ": یعنی اُن پر بے انتہا رحمت فرمانے والے ہیں۔

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کا عظیم مقام بیان فرمایا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کیے بغیر جانے کو بھی ایسا گناہ قرار دیا جو استغفار کا محتاج ہے چہ جائیکہ جو آپ سے اجازت لیے بغیر چلا جائے۔ اور علامہ جلال الدین سیوطی نے "احکام القرآن" میں لکھا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرنے کے وجوب پر دلیل ہے۔ حسن بصری نے کہا کہ اس میں دین کا ادب ہے اور نفس کا ادب ہے۔ اور ابن الفرس نے کہا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب کوئی شخص جہاد کر رہا ہو اور اس کو میدانِ جہاد سے نکلنے کا کوئی عذر پیش آئے تو وہ امام سے اجازت طلب کرے۔ اور جمعہ کی نماز میں اگر کسی آدمی کی نکسیر پھوٹ جائے تو اس کے اجازت لے کر جانے یا بغیر اجازت چلے جانے کے معاملے میں اختلاف ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے مسلمانو!) تم رسول کے بلانے کو آپس میں اس طرح نہ قرار دو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو، بے شک اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو تم میں سے کسی چیز کی آڑ لے کر چپکے سے نکل جاتے ہیں، پس جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اُن کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ اُن پر کوئی مصیبت نازل ہو یا اُن کو آخرت میں دردناک عذاب پہنچے O" (النور: ۶۳)

"لا تجعلوا دعاء الرسول" کا ایک محمل

"لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ": اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی کو بلائیں تو اس کو ایسا نہ قرار دو جیسا کہ تم آپس میں کسی کو بلاتے ہو۔

میں کہتا ہوں: کیونکہ تم اگر کسی کو بلاؤ اور وہ نہ آئے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو بلائیں تو اُس پر آپ کے بلانے پر آنا واجب اور ضروری ہے اور نہ آنا حرام اور گناہ ہے حتیٰ کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نمازی کو حالتِ نماز میں بلائیں، تب بھی اُس پر واجب ہے کہ وہ نماز توڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حاضر ہو، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۔۔(الانفال: ۲۴)"۔ (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جاؤ جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفریں ہو)۔

حضرت ابو سعید المعلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا تو مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، پس میں آپ کے پاس نہیں گیا، (بعد میں) میں نے بتایا: یارسول اللہ! بے شک میں نماز پڑھ رہا تھا تو آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا: "اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۔۔(الانفال: ۲۴)" (اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جاؤ جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفریں ہو)۔

(صحیح البخاری: ۴۴۷۴، ۴۶۴۷، ۴۷۰۳، ۵۰۰۶، مسند احمد: ۱۷۸۵۱، سنن دارمی: ۳۴۱۳، سنن ابوداؤد: ۱۴۵۸، سنن ترمذی: ۲۸۷۵، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۹۷، سنن نسائی: ۹۱۳، صحیح ابن خزیمہ: ۸۶۱، شرح مشکل الآثار للطحاوی: ۱۲۰۶، صحیح ابن حبان: ۷۷۷، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۲ ص ۳۰۳، المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۲۰۵۱، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۳۹۳۰، شعب الایمان للبیہقی: ۱۳۴۷، معرفۃ السنن والآثار: ۴۲۷۷، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ۶ ص ۱۸۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کے فوراً نہ آنے کی توجیہ اور کسی کے بلانے پر نماز چھوڑ کر جانے کی تفصیل

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اس وقت وہ نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ آپ نے ان کو نماز پڑھنے کے بعد بلایا ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فوراً بلایا تھا اور نماز میں کسی کو بلانا اور اس پر فوراً آنے کا

واجب ہونا یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، اور کسی کے بلانے پر فرض نماز کو چھوڑ کر فوراً جانا واجب نہیں ہے۔ ہاں اگر ماں بلائے تو نفل نماز کو چھوڑ کر جانا واجب ہے اور اگر باپ بلائے تو پھر نماز کو چھوڑ کر جانا جائز نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ہر دعا مستجاب نہیں ہوتی، کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے متعلق سوال کیا کہ انہیں ایک دوسرے سے جنگ کا ضرر نہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے منع فرما دیا۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دعاؤں کو رد فرما دیا جاتا ہے۔

جن احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمت کے لیے ایک دعا کرنے سے منع فرمادیا

میں کہتا ہوں: علامہ آلوسی نے اُن احادیث کا حوالہ نہیں دیا جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو امت کی باہمی جنگوں کے نہ کرنے کی دعا سے روک دیا تاہم وہ احادیث درج ذیل ہیں:

حضرت ابی بصرہ الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے چار چیزوں کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے تین چیزیں عطا فرمادیں اور ایک چیز سے مجھے منع فرمادیا۔ میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ چیز عطا فرمادی۔ اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو عام قحط میں ہلاک نہ فرمائیں جس طرح پچھلی امتوں کو عام قحط سے ہلاک فرمادیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ چیز بھی عطا فرمادی۔ اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت پر اُن کا کوئی دشمن جو اُن میں سے نہ ہو غالب نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ چیز بھی عطا فرمادی۔ اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت میں انتشار نہ ہو اور وہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہ کریں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دعا سے منع فرمادیا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۱۷۱، مسند احمد: ۲۷۲۲۴، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ۲ ص ۱۵۱)

عامر بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن "العالیہ" سے آئے حتیٰ کہ جب بنو معاویہ کی مسجد کے پاس سے گزرے اور اس میں داخل ہوئے تو آپ نے اس میں دو رکعت نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی، اور آپ نے اپنے رب سے طویل دعا کی، پس آپ ہماری طرف پلٹے، پس آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے دو چیزیں عطا فرمادیں اور ایک چیز سے منع فرمادیا، میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت عام قحط سے ہلاک نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا فرمادیا، اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری پوری امت غرق نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بھی عطا فرمادیا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت آپس میں جنگ اور لڑائی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دعا سے منع فرمادیا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۹۰، سنن ترمذی: ۲۱۷۵، الاحاد والمثانی لابن ابی عاصم: ۲۸۲، مسند البزار: ۸۶۸۶، السنن الکبریٰ للنسائی: ۳۸۹، صحیح ابن خزیمہ: ۱۲۱۷، صحیح ابن حبان ج ۱۶ ص ۲۲۰، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۸۶۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۱۷۱، مسند الشامیین للطبرانی: ۱۳۳۱، المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۱۱۸۳، مسند احمد: ۱۵۷۴، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ۲ ص ۱۵۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمت کے لیے ایک دعا سے منع فرمانے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعا سے منع فرمادیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو رد فرما

دیا ہو، بلکہ یہ ظاہر فرمایا کہ چونکہ اس دعا کا مقبول ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف ہے لہٰذا آپ یہ دعا نہ کریں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی دعا کیسے رد کی جائے گی جب کہ اللہ عزوجل نے یہ ارشاد فرمایا ہے: "اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔" (المومن:۶۰) "(مجھ سے دعا کرو تا کہ میں تمہاری دعا قبول فرماؤں)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان بھی ایسی دعا کرے جس میں کوئی گناہ نہ ہو اور نہ رحم کو منقطع کرنے کی دعا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو تین چیزوں میں سے ایک چیز عطا فرماتے ہیں، یا تو اس کی دعا جلد قبول فرما لیتے ہیں اور یا آخرت میں اس کے لیے اجر کو ذخیرہ فرماتے ہیں، یا اُس سے اُس دعا کی مثل کسی برائی کو دور کر دیتے ہیں۔

(مسند احمد: ۱۱۱۳۳، مسند البزار: ۳۱۴۴، المنتخب من مسند عبد بن حمید: ۹۳۷، الادب المفرد للبخاری: ۷۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۰۱، شعب الایمان للبیہقی: ۱۱۳۰، التمہید لابن عبد البر ج ۵ ص ۳۴۳، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۶ ص ۳۱۱، مسند ابو یعلیٰ: ۱۰۱۹، تہذیب الکمال للمزی ج ۲۱ ص ۷۵، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۹۳)

امام سہیلی نے "الروض الأنف" میں کہا ہے کہ استجابۃ یعنی دعا قبول ہونے کی کئی قسمیں ہیں، یا تو دعا کرنے والے نے جو سوال کیا ہے وہ جلدی اس کو عطا فرما دیا جائے، یا جو اُس نے طلب کیا تھا اس سے بہتر خیر کا اس کے لیے ذخیرہ کر دیا جائے، یا جتنی اُس نے خیر طلب کی ہے اُتنی اُس سے برائی اور مصیبت کو دور فرما دیا جائے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے جو سوال کیا تھا کہ اُن کی امت ایک دوسرے سے جنگ نہ کرے، اُس کے عوض میں آپ کو شفاعت عطا فرما دی گئی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری یہ امت، امتِ مرحومہ ہے اس کو آخرت میں (دائمی) عذاب نہیں ہوگا، دنیا میں اس کا عذاب فتنے ہیں اور زلزلے ہیں اور قتل ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۲۷۸، المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۷۶۵۰، شعب الایمان للبیہقی: ۳۷۳، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۸ ص ۲۵۰، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ ج ۶ ص ۱۰۸)

پس جب کہ فتنہ اُمت سے عذابِ اخروی کو دور کرنے کا سبب ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی دعا کو قبول نہیں فرمایا، کیونکہ دعا کو قبول نہ کرنا اُس وقت ہوتا جب آپ کو آپ کا سوال نہ عطا فرمایا جاتا یا اُس کے عوض میں کوئی ایسی چیز نہ عطا فرمائی جاتی جو اُس سے بہتر ہوتی۔ اور حدیث میں جو مذکور ہے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دعا سے منع فرما دیا" یہ کسی خاص چیز کے متعلق ہے اور اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا اس اعتبار سے قبول نہیں فرمائی جائے گی۔

"لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ" کا دوسرا محمل

اور اس آیت کا ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اللہ عزوجل سے کوئی دعا کریں تو اس کو ایسا نہ قرار دو جیسے تم میں سے کوئی فقیر غنی سے اپنی حاجت کا سوال کرتا ہے۔ پس بعض اوقات وہ اس کی حاجت پوری کر دیتا ہے اور بعض اوقات رد کر دیتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ جو دعا کریں وہ یقیناً اللہ عزوجل کے نزدیک مستجاب ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے واجب القبول ہونے پر دلائل

میں کہتا ہوں کہ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ آدمیوں پر میں نے لعنت کی ہے اور اللہ عزوجل نے بھی اُن پر لعنت فرمائی ہے اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے: (۱) اللہ کی کتاب میں اضافہ کرنے والا (۲) اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا (۳) جبر سے لوگوں پر مسلط ہونے والا تاکہ اُن کو عزت دے جن کو اللہ نے ذلیل فرمایا اور اُن کو ذلیل کرے جن کو اللہ نے عزت عطا فرمائی (۴) اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے والا (۵) اور میری اولاد کے متعلق حرمتوں کو پامال کرنے والا (۶) اور میری سنت کو ترک کرنے والا۔

(سنن ترمذی: ۲۱۵۴، السنۃ لابن ابی عاصم: ۴۴، شرح مشکل الآثار: ۳۲۶۲، صحیح ابن حبان: ۵۷۴۹، المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۸۸۳، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۶۶۷، المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۱۰۲، شعب الایمان للبیہقی: ۴۰۷۲، موارد الظمآن: ۵۲، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ ج ۳ ص ۳۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے میرے ولی سے عداوت رکھی سو میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں، اور میرا بندہ کسی ایسی عبادت سے میرا قرب حاصل نہیں کرتا جو مجھے ان عبادات سے زیادہ پسندیدہ ہو جو میں نے اس پر فرض فرمائیں، اور میرا بندہ نوافل کے ساتھ مسلسل میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت فرماتا ہوں، پس جب میں اس سے محبت فرماتا ہوں تو میں اس کے وہ کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اور میں اس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور میں اس کے وہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، اور میں اس کے وہ پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا فرماتا ہوں، اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ عطا فرماتا ہوں، اور میں کسی کام میں جس کو میں کرنے والا ہوں ایسا تردد نہیں فرماتا جیسا تردد میں مومن کی روح قبض کرنے میں فرماتا ہوں، وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنے کو ناپسند فرماتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۶۵۰۲، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۵ طبع جدید، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۴۶، ج ۱۰ ص ۲۱۹، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۴۹۱، صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۵، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۲۶۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۳۷۶)

سو جب اللہ عزوجل عام بندۂ محبوب کے سوال کو رد نہیں فرماتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو سید المحبوبین ہیں، اُن کے سوال کو اللہ عزوجل کس طرح رد فرمائیں گے! (سعیدی غفرلہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کی ممانعت کا تیسرا محمل

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر آپ کو ندا نہ کی جائے جیسا کہ تم ایک دوسرے کو نام لے کر بلند آواز سے ندا کرتے ہو۔ اور حجروں کے باہر سے آپ کو نہ بلایا جائے، لیکن نام لینے کے بجائے آپ کے تعظیمی القاب کے ساتھ آپ کو ندا کی جائے مثلاً یا نبی اللہ، یا رسول اللہ، کہا جائے اور بلند آواز سے نہ پکارا جائے بلکہ تواضع کے ساتھ آہستگی سے پکارا جائے۔

امام ابن ابی حاتم، امام ابن مردویہ اور امام ابونعیم نے "الدلائل" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ لوگ

کہتے تھے: یا محمد، یا ابا القاسم، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس سے منع فرما دیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے ارشاد فرمایا: "لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا"۔ پس صحابہ کہتے تھے: یا نبی اللہ! یا رسول اللہ!۔ اور قتادہ، حسن بصری، سعید بن جبیر اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور علامہ سیوطی نے احکام القرآن میں لکھا ہے: اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر آپ کو نداء کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ ممانعت آپ کی وفات سے لے کر اب تک ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بعض علماء نے اس آیت کی بناء پر ندائے یا محمد سے منع کیا ہے، حالانکہ متعدد احادیث میں یا محمد کے ساتھ نداء کا ثبوت ہے۔

یا محمد کہنے کے ثبوت میں احادیث، آثار اور عبارات علماء

امام مسلم حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں، اس میں مذکور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے اور وہ نعرے لگا رہے تھے: یا محمد یا رسول اللہ! یا محمد یا رسول اللہ۔ (صحیح مسلم: ۲۰۰۹، الرقم المسلسل: ۷۳۳۸، رقم حدیث الباب: ۷۵)

عبدالرحمٰن بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پیر سن ہو گیا، اُن سے ایک شخص نے کہا: جو تم کو سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو اس کو یاد کرو، انہوں نے کہا: یا محمد!۔ (الادب المفرد ص ۲۵۰، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل)

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، سو اس نے کہا: یا نبی اللہ! آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ مجھے عافیت میں رکھے، آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں اس دعا کو مؤخر کر دوں تو یہ آخرت کے اعتبار سے تمہارے لیے افضل ہوگا اور اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے دعا کر دوں، اس نے کہا: نہیں بلکہ آپ میرے لیے دعا کر دیں، پس آپ نے اُس کو حکم دیا کہ وہ وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے اور اِن کلمات کے ساتھ دعا کرے: "اللهم انی اسألك واتوجه اليك بنبيك محمد صلى الله عليه وسلم نبى الرحمة يا محمد انى اتوجه بك الى ربى فى حاجتى هذه فتقضى وتشفعنى فيه وتشفعه فى" (اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ کے وسیلہ سے آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد! بے شک میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں متوجہ ہوا ہوں تاکہ میری وہ حاجت پوری فرمائی جائے اور آپ اُس حاجت میں میری شفاعت کریں۔ اُس شخص نے کہا: پس وہ بار بار یہ دعا کرتا رہا، پھر بعد میں کہا کہ میرا گمان ہے کہ آپ نے اس دعا میں میری شفاعت فرمائی ہے۔ اُس مرد نے اس طرح کیا تو اس کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔

(مسند احمد: ۱۷۲۴۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۴۱۹، ۱۰۴۲۱، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۶۸۵، کتاب الدعاء للطبرانی: ۱۰۵۰، المعجم الکبیر للطبرانی: ۵۰۸، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی: ۶۲۸، المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۱۹۰۹، الدعوات الکبیر: ۲۳۵، موارد الظمآن ج ۱ ص ۶۲۹، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ ج ۶ ص ۹۵)

سعید بن ہلال العنزی نے کہا: اہل بصرہ کے بعض لوگ جمع ہوئے، پس ہم لوگ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ہمارے ساتھ ثابت البنانی بھی ان کے پاس گئے، وہ ان سے ہمارے لیے شفاعت کی حدیث کا سوال کرتے تھے، پس اس وقت

حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے محل میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے، سو ہم نے اجازت طلب کی، پس انہوں نے ہمارے لیے اجازت دی اور وہ اپنے بستر پر بیٹھے ہوئے تھے، پس ہم نے ثابت سے کہا کہ تم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے شفاعت کی حدیث سے پہلے کچھ اور نہ پوچھنا، پس ثابت نے کہا: اے ابوحمزہ! یہ آپ کے بھائی ہیں جو اہل بصرہ سے ہیں یہ آپ کے پاس شفاعت کی حدیث کے متعلق سوال کرنے کے لیے آئے ہیں، پس حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: ہم سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بیان کی آپ نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح موج در موج پھر رہے ہوں گے، پس وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے پس کہیں گے: آپ اپنے رب کے پاس ہمارے لیے شفاعت کیجئے، پس وہ کہیں گے: میں اس کا اہل نہیں ہوں لیکن تم پر لازم ہے ابراہیم کے پاس جاؤ، پس بے شک وہ خلیل الرحمٰن ہیں، پھر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، پس وہ کہیں گے: میں اس کا اہل نہیں ہوں لیکن تم پر لازم ہے کہ تم موسیٰ کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے کلیم ہیں، پس لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، پس وہ کہیں گے: میں اس کا اہل نہیں ہوں لیکن تم پر لازم ہے کہ تم عیسیٰ کے پاس جاؤ، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی روح اور ان کا کلمہ ہیں، پھر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، وہ کہیں گے: میں اس کا اہل نہیں ہوں لیکن تم پر لازم ہے کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ، سو لوگ میرے پاس آئیں گے، پس میں کہوں گا: میں ہی اس شفاعت کے لیے ہوں، پس میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا، سو مجھ کو اجازت عطا فرمائی جائے گی، اور مجھے حمد کے چند کلمات الہام فرمائے جائیں گے جن سے میں اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا، وہ کلمات اس وقت مجھے مستحضر نہیں ہیں، پس میں اللہ تعالیٰ کی ان کلمات حمد کے ساتھ حمد کروں گا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر جاؤں گا۔

پس مجھ سے کہا جائے گا: یا محمد! اپنا سر اٹھایئے اور کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو عطا فرمایا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول فرمائی جائے گی، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت، پس کہا جائے گا: آپ جائیں اور دوزخ میں سے ان کو نکال لیں جن کے دل میں جو کے برابر بھی ایمان ہو، پس میں جاؤں گا سو اس طرح کروں گا، پھر میں واپس آؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ کی ان کلمات حمد کے ساتھ حمد کروں گا، پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر جاؤں گا، پس فرمایا جائے گا: یا محمد! اپنا سر اٹھایئے اور آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور آپ سوال کیجئے آپ کو عطا فرمایا جائے گا اور آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت، پس فرمایا جائے گا: آپ جایئے اور دوزخ میں سے ان کو نکال لیں جن کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان ہو یا رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، پس میں جاؤں گا پس اس طرح کروں گا، پھر واپس آؤں گا پھر اللہ تعالیٰ کی ان کلمات حمد کے ساتھ حمد کروں گا پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر جاؤں گا، پھر کہا جائے گا: یا محمد! اپنا سر اٹھایئے، آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو عطا فرمایا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول فرمائی جائے گی، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت، پس اللہ عزوجل فرمائے گا: جایئے، پس دوزخ میں سے ان کو نکال لیں جن کے دل میں تھوڑا تھوڑا بھی رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو، پس میں دوزخ میں سے ان کو نکالوں گا، پھر میں جاؤں گا اور اس طرح کروں گا۔

(راوی نے کہا:) پس جب ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس سے نکلے تو میں نے اپنے بعض اصحاب سے کہا: اگر ہم حسن

(بصری) کے پاس جائیں اور وہ (اس وقت) ابوخلیفہ کے گھر میں (حجاج بن یوسف کے خوف سے) چھپے ہوئے ہوں، اور ان سے وہ حدیث بیان کرنی چاہیے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ابھی ہم سے بیان کی ہے سو ہم ان کے پاس آئے اور ان کو سلام کیا، پھر انہوں نے ہمیں آنے کی اجازت دی اور ہم نے ان سے کہا: اے ابوسعید! ہم آپ کے پاس آپ کے بھائی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ہاں سے آئے ہیں، اور انہوں نے ہم سے شفاعت کے متعلق جو حدیث بیان کی ہے ایسی حدیث ہم نے اس سے پہلے نہیں سنی، حسن بصری نے کہا: مجھے وہ حدیث بیان کرو، ہم نے ان کے سامنے وہ حدیث بیان کی، جب ہم اس مقام تک پہنچے تو انہوں نے کہا: اور بیان کرو، ہم نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث پر مزید اضافہ نہیں کیا، تب حسن بصری نے کہا کہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ بیس سال پہلے جوان تھے اس وقت انہوں نے میرے سامنے یہ حدیث بیان کی تھی میں نہیں جانتا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اب اس اضافہ کو بھول گئے یا انہوں نے اس کے بیان کرنے کو اس وجہ سے ناپسند کیا کہ تم اس پر اعتماد کر لو گے، ہم نے کہا: اے ابوسعید! آپ ہمارے سامنے وہ اضافہ بیان کیجئے تو حضرت حسن بصری ہنسے اور انہوں نے کہا: انسان بہت جلد باز پیدا کیا گیا ہے، میں نے تم سے یہ بات صرف اس لیے کہی تھی کہ میں تمہیں اس حدیث کو تمہارے سامنے اس طرح بیان کروں جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تم سے بیان کی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تھا کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) پھر میں چوتھی مرتبہ واپس جاؤں گا، پس اللہ تعالیٰ کی ان کلمات کے ساتھ حمد کروں گا پھر اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ میں گر جاؤں گا، پس کہا جائے گا: یا محمد! اپنا سر اٹھائیے اور آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور آپ سوال کیجئے آپ کو عطا فرمایا جائے گا، آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول فرمائی جائے گی، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! مجھے ان کے متعلق بھی شفاعت کرنے کی اجازت عطا فرمایئے جنہوں نے کہا: لا الٰہ الا اللہ، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اور میری عزت اور جلال کی اور میری کبریائی کی اور میری عظمت کی قسم! میں ضرور ان کو دوزخ سے نکال دوں گا جنہوں نے پڑھا: لا الٰہ الا اللہ۔

(صحیح البخاری: ۴۴۷۶، ۶۵۶۵، ۷۴۱۰، ۷۴۴۰، ۷۵۰۹، ۷۵۱۰، ۷۵۱۶، صحیح مسلم: ۱۹۳، سنن ترمذی: ۲۵۹۳، سنن ابن ماجہ: ۴۳۱۲، مسند احمد: ۱۲۳۶۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے شفاعت کی ایک طویل حدیث کے آخر میں بیان کیا:

پس جبار رب العزت نے فرمایا: یا محمد! آپ نے عرض کیا: لبیک و سعدیک (میں حاضر ہوں)، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میرے اس قول کو بدلا نہیں جاتا جس طرح میں نے آپ پر نمازیں فرض کی ہیں جوام الکتاب (لوح محفوظ) میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر نیکی کا اجر اس جیسی دس مثالیں ہوتی ہیں، پس ام الکتاب میں یہ پچاس نمازیں ہیں اور آپ پر پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں ۔۔۔ الحدیث۔ (صحیح البخاری: ۳۵۷۰، ۳۹۶۳، ۵۶۱۰، ۶۵۸۱، ۷۵۱۷، صحیح مسلم: ۱۶۲)

اسی طرح متعدد احادیث میں "یا محمد" کہنے کا ثبوت ہے۔

اور حافظ ابن کثیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے احوال میں لکھتے ہیں:

"وکان شعارھم یومئذ یا محمداہ" (اس زمانے میں مسلمانوں کا شعار یا محمداہ کہنا تھا)۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۲۴ طبع قدیم)

اور متعدد علماء اہلسنت نے اپنی تصانیف میں یا محمد لکھا ہے۔

عارف جامی کا مشہور شعر ہے: ؎

توئی سلطان عالم یا محمد ز روئے لطف سوئے من نظر کن

الشاہ امام احمد رضا تحریر فرماتے ہیں:

اور شفاعت کی حدیثیں خود متواتر و مشہور اور صحاح وغیرہ میں مروی و مسطور جن کی بعض ان شاء اللہ ذیل دوم میں مذکور ہوں گی، اس دن آدم صفی اللہ سے عیسیٰ کلمۃ اللہ تک سب انبیاء اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام نفسی نفسی فرمائیں گے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انا لہا انا لہا "میں ہوں شفاعت کے لیے، میں ہوں شفاعت کے لیے"، انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین سب ساکت ہوں گے اور وہ متکلم، سب سر بہ گریباں وہ ساجد و قائم، سب محل خوف میں وہ آمن و ناعم، سب اپنی فکر میں، انہیں فکر عوالم، سب زیر حکومت وہ مالک وحاکم بارگاہ الٰہی میں سجدہ کریں گے، ان کا رب انہیں فرمائے گا: یا محمد ارفع راسک وقل تسمع وسل تعطہ واشفع تشفع "یا محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو کہ تمہاری عرض سنی جائے گی اور مانگو کہ تمہیں عطا ہوگا اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول ہے"، اس وقت اولین و آخرین میں حضور کی حمد و ثنا کا غلغلہ پڑ جائے گا اور دوست دشمن موافق مخالف ہر شخص حضور کی افضلیت کبریٰ وسیادت عظمیٰ پر ایمان لائے گا والحمد للہ رب العالمین۔ (تجلی الیقین ص ۳۴۔۳۵، مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

رہا یہ سوال کہ جن علماء نے یا محمد سے نداء کرنے کو منع فرمایا ہے، اس کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے کے لیے آپ کا نام لے کر بلانے سے منع فرمایا گیا ہے، اور آپ کو متوجہ کرنے کے لیے "یا محمد" کہنا ممنوع نہیں ہے۔ اور ہم نے جن احادیث اور عبارات کے حوالے پیش کیے ہیں ان سب میں یا محمد کہہ کر آپ کو متوجہ کرنا مقصود ہے نہ کہ آپ کا نام لے کر آپ کو بلانا مقصود ہے جیسے عامیانہ طور پر لوگ ایک دوسرے کو نام لے کر بلاتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

"قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا": "تَسَلُّل" کا معنی ہے: لوگوں کے درمیان سے چپکے سے نکل جانا۔ اس آیت میں ان لوگوں کے لیے وعید ہے جو ان مومنین کے خلاف تھے جو اس وقت تک مجلس سے نہیں جاتے تھے جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب نہیں کر لیتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ضرور جانتے ہیں جو تھوڑے کر کے جماعت سے چپکے سے نکل جاتے ہیں۔

امام ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں مقاتل سے یہ روایت کی ہے کہ اگر کسی شخص کی نکسیر پھوٹ جاتی یا وضو ٹوٹ جاتا تو وہ اپنی انگلی ناک پر رکھ کر اشارہ کرتا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے اس کو جانے کے لیے اشارہ فرماتے۔ اور منافقین میں سے جن پر خطبہ سننا دشوار ہوتا اور مسجد میں بیٹھنا ان کو بھاری لگتا تو جب مسلمانوں میں سے کوئی مرد جانے کی اجازت طلب کرتا تو منافق بھی اپنی جگہ سے چپکے سے اٹھتا تاکہ نکل جائے۔ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔

"فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ": سو جو لوگ اللہ سبحانہ کے حکم کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ دنیا میں ان کے اوپر کوئی مصیبت آجائے۔

"اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ": مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ فتنہ سے مراد قتل ہے۔ اور جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اُن کے اوپر کوئی ظالم بادشاہ مسلط کر دیا جائے، یا آخرت میں اُن کے اوپر کوئی دردناک عذاب نازل ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دنیا میں عذاب آئے اور "عَذَابٌ اَلِیْمٌ" سے مراد ہے انہیں قتل کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت پر عذاب کی وعید سنائی اور اس میں آپ کے حکم کی مخالفت پر تہدید ہے اور یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ امر وجوب کے لیے ہے، کیونکہ غیر واجب پر تہدید نہیں ہوتی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سنو! جو کچھ آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے، سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، تم اب جس حالت میں ہو اللہ اُس کو بھی خوب جانتے ہیں، اور جس دن لوگ اللہ کی بارگاہ میں لوٹائے جائیں گے تو وہ اُن کے کیے ہوئے کاموں کی خبر دیں گے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں O" (النور: ۶۴)

"اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ قَدْ یَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِؕ وَ یَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْاؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ": یعنی آسمانوں اور زمینوں میں جو تمام موجودات ہیں، وہ سب اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ کی ملکیت ہیں اور اللہ ہی اُن میں تصرف فرماتے ہیں، اُن کو موجود فرماتے ہیں اور انہیں معدوم فرمائیں گے، ابتداءً اُن کو پیدا فرمایا اور پھر دوبارہ اُن کو پیدا فرمائیں گے، اس میں وہ مستقل ہیں اور کوئی اُن کا شریک نہیں ہے۔

"قَدْ یَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ": اے مکلفین! اللہ تعالیٰ تمہارے تمام احوال کو جانتے ہیں۔ تمہاری موافقت کو بھی اور تمہاری مخالفت کو بھی اور اخلاص کو اور نفاق کو بھی جانتے ہیں۔

"وَ یَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا": اس آیت میں منافقین کو بھی داخل فرمایا، حالانکہ اس سے پہلے خطاب مومنین کے ساتھ تھا، تو تغلیباً منافقین کو بھی داخل فرمادیا: جس دن سب اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اُن کے اعمال کی خبر دیں گے جو انہوں نے دنیا میں برے کام کیے اور انہی میں سے اللہ اور اُس کے رسول کے حکم کی مخالفت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کو اُن کے نیک اعمال اور برے اعمال سب کی خبر دیں گے۔ اگر نیک اعمال کیے ہیں تو اُن کی نیک جزا عطا فرمائیں گے اور اگر برے اعمال کیے ہیں تو اُن پر سزا دیں گے۔

"وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ": یعنی اللہ عزوجل سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ اور اس میں اُن فلسفیوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بعض چیزوں کا علم نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو کلیات کا علم ہے اور جزئیات کا علم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو ان فلسفیوں کی گمراہ کن باتوں سے محفوظ فرمائیں اور ہمارے لیے ایسا نور بنا دیں جس سے ہم ہدایت حاصل کریں۔

(روح المعانی، جزء ۱۸، ص ۳۲۶-۳۲۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

سورۃ الفرقان کا اجمالی تعارف

سورت کا نام

اس سورت کا نام الفرقان ہے اور یہ نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ۔(الفرقان:۱)''۔

قرآن مجید کے دو مشہور نام ہیں: ایک نام قرآن ہے۔ قرآن کا لفظ ''قَرَءَ'' سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا، کیونکہ قرآن مجید سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے، اس لیے اس کو قرآن فرمایا گیا۔ اور اس کا دوسرا مشہور نام ''الفرقان'' ہے۔ فرقان کا معنی ہے: فیصلہ کرنا، اور چونکہ اس کتاب میں حق اور باطل کے درمیان فیصلہ فرمایا گیا ہے، اس لیے اس کا نام فرقان رکھا گیا ہے۔

سورۃ الفرقان کے مشمولات

(۱) اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کی تمجید بیان فرمائی گئی ہے اور ان کی اوّلیت اور وحدانیت کی صفات بیان کی گئی ہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝ وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْــٴًـا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ وَ لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَّ لَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا حَیٰوةً وَّ لَا نُشُوْرًا ۝۔(الفرقان:۲۔۳)'' (اللہ وہی ہیں جن کے لیے تمام آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت ہے اور انہوں نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا اور نہ سلطنت میں اُن کا کوئی شریک ہے اور انہوں نے ہر چیز کو پیدا فرمایا، پس اُس کا ایک اندازہ مقرر فرمایا ○ اور لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنا لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور وہ اپنی جانوں کے لیے کسی ضرر کے مالک ہیں اور نہ کسی نفع کے، اور نہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے اور نہ ہی مرنے کے بعد اٹھنے کے مالک ہیں ○)۔

(۲) اس سورت میں قرآن مجید کی جلالت شان کو بیان فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو تمام لوگوں کے لیے وجہِ احسان قرار دیا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّ نَصِیْرًا ۔(الفرقان:۳۰۔۳۱)'' (اور رسول نے عرض کیا: اے میرے رب! بے شک میری قوم (قریش) نے اس قرآن کو متروک ٹھہرا لیا ○ اور ہم نے اسی طرح مشرکین میں سے ہر نبی کے دشمن بنائے، اور آپ کے رب ہدایت اور امداد عطا فرمانے کے لیے کافی ہیں)۔

(۳) اس سورت میں مومنین کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ الَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا ۝ وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖۗ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ۝ وَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ

اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۔ (الفرقان: ۶۴۔۶۷) ”(اور جو لوگ اپنے رب کے لئے سجدے اور قیام کرتے ہوئے رات گزار دیتے ہیں O اور جو عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب دور فرما دے، بے شک اس کا عذاب جان کے ساتھ چمٹ جاتا ہے اور چھوڑتا نہیں ہے O بے شک دوزخ بہت ہی بری رہائش کی جگہ اور بدترین قیام گاہ ہے O اور جو خرچ کرتے وقت نہ تو گناہ کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں اور نہ ہی اللہ کا حق ادا کرنے سے ہاتھ روکتے ہیں، ان کا خرچ دونوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے)۔

آیاتها ۷۷ | ۲۵ سورة الفرقان مکیة ۴۲ | رکوعاتها ۶

(سورۃ الفرقان مکی ہے اور اس میں ستتر آیات اور چھ رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ﴿۱﴾

بہت برکت والی ذات ہے جنہوں نے اپنے مکرم بندہ پر الفرقان کو نازل فرمایا تا کہ وہ تمام جہان والوں کے لیے عذاب سے ڈرانے والے ہو جائیں O

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾

اللہ وہی ہیں جن کے لیے تمام آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت ہے اور انہوں نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا اور نہ سلطنت میں اُن کا کوئی شریک ہے اور انہوں نے ہر چیز کو پیدا فرمایا، پس اُس کا ایک اندازہ مقرر فرمایا O

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾

اور لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنا لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور وہ اپنی جانوں کے لیے کسی ضرر کے مالک ہیں اور نہ کسی نفع کے، اور نہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے اور نہ ہی مرنے کے بعد اُٹھنے کے مالک ہیں O

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ۟افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚۛ﴿۴﴾

اور کفار نے کہا: یہ قرآن محض بہتان ہے جس کو اس شخص نے گھڑ لیا ہے اور اس کام میں اس کی دوسرے لوگوں نے بھی مدد کی ہے، پس بے شک کفار نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا O

وَقَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۵﴾

اور انہوں نے کہا: یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو اس رسول نے لکھوائی ہیں پس یہ ان کو صبح اور شام پڑھ کر سنائی جاتی ہیں O

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ-اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

(اے رسول اکرم!) آپ کہیے: قرآن مجید کو اس ذات نے نازل فرمایا ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتے ہیں، بے شک وہ بہت بخشنے والے بہت مہربان ہیں O

وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِؕ-لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۝

اور انہوں نے کہا: اس رسول کو کیا ہوا ہے کہ یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے اور اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا کہ وہ بھی اُن کے ساتھ عذاب سے ڈرانے والا ہوتا O

اَوْ یُلْقٰۤى اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَاؕ-وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝

یا اس رسول پر کوئی خزانہ اتار دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا اور ظالموں نے (مسلمانوں سے) کہا: تم ایسے مرد کی پیروی کررہے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے O

اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ۝

(اے رسول اکرم!) آپ دیکھیے انہوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں بنائی ہیں، سو وہ ایسے گمراہ ہو گئے کہ وہ کوئی (ہدایت کا) راستہ نہیں پا سکتے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بہت برکت والی ذات ہے جنہوں نے اپنے مکرم بندہ پر الفرقان کو نازل فرمایا تا کہ وہ تمام جہان والوں کے لیے عذاب سے ڈرانے والے ہو جائیں O'' (الفرقان:۱)

برکت کے معانی

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، الفرقان:۱ تا ۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا'': اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس سورت میں توحید، نبوت اور احوالِ قیامت کے متعلق کلام فرمایا ہے، پھر اس سورت کا اختتام مخلص مومنوں کی صفات پر فرمایا ہے، اور جب کہ اللہ عزوجل کے وجود اور اس کی صفات کا ذکر مقدم ہے تو اس لیے ان مباحث کو تمام مباحث پر مقدم فرمایا اور ارشاد فرمایا: ''تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ''۔ اس آیت کی تفسیر میں کئی مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: الزجاج نے کہا ہے کہ "تَبٰرَكَ" "برکت" سے ماخوذ ہے اور برکت کا معنی ہے خیر کی کثرت اور اس کا اضافہ۔ اور اس کے دو معنی ہیں: خیر میں کثرت اور اضافہ ہو اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ (ابراہیم:۳۴)" (اور تم نے جو کچھ اُن سے سوال کیا اس میں سے بہت کچھ تم کو عطا فرمایا، اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے)۔ یعنی اللہ عزوجل نے تم کو بہت زیادہ خیر عطا فرمائی ہے۔ اور دوسرے مفسرین نے کہا: برکت کا اصل لفظ بقا پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ بروك البعیر (یعنی اونٹوں کا بیٹھنا) اور بروك الطیر علی الماء (پرندوں کا پانی پر بیٹھنا) سے ماخوذ ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی ذات میں ازلاً اور ابداً باقی ہیں اور اُن کی صفات میں تغیر اور تبدل ممتنع ہیں۔ اور جب کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی تمام منافع اور مصالح کے خالق ہیں اور اُن کو باقی رکھنے والے ہیں تو واجب ہے کہ اللہ عزوجل کی یہ صفت کی جائے کہ وہ برکت والے اور بلند ہیں۔

فرقان کے معانی

اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ فرقان سے مراد قرآن مجید ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صفت فرقان فرمائی، کیونکہ قرآن مجید حق اور باطل میں فرق کرتا ہے اور حلال اور حرام میں فرق فرماتا ہے، یا اس لیے کہ قرآن مجید کا نزول تفریق کے ساتھ ہوا، یکبارگی نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا ـ (بنی اسرائیل:۱۰۶)" (اور ہم نے قرآن مجید کو متفرق طور پر نازل فرمایا تاکہ آپ اسے لوگوں کے سامنے وقفے وقفے سے پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا ہے)۔ اور قرآن مجید کے لیے "اَنْزَلَ" کا لفظ بھی ہے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ـ (آل عمران:۴)" (اُنہوں نے لوگوں کی ہدایت کے لیے (اس کتاب سے پہلے تورات اور انجیل نازل فرمائی) اور (پھر) قرآن نازل فرمایا جو حق اور باطل میں تفریق فرمانے والا ہے)۔

اللہ سبحانہٗ نے پہلے "تَبٰرَكَ" فرمایا جس کا معنی خیر اور کثرت ہے۔ پھر اُس کے بعد قرآن کا ذکر فرمایا، یہ اس پر دلیل ہے کہ قرآن مجید تمام خیرات کا منشاء ہے اور تمام برکات کو شامل ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: "عَلٰى عَبْدِهٖ"۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس آیت میں "العبد" سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور ابن الزبیر سے روایت ہے کہ علی عبادہ کا معنی ہے: علی عبادہ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت ہیں، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ـ (الانبیاء:۱۰)" (اے لوگو! بے شک ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہارا ذکر ہے، کیا پس تم نہیں سمجھتے؟)۔

اس آیت میں فرمایا ہے: "لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا"۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہر ماسوا کو عالم کہتے ہیں۔ اور یہ جنات، انسانوں اور ملائکہ تمام مکلفین کو شامل ہے۔ لیکن ہمارا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کی طرف رسول نہیں تھے تو واجب ہوا کہ اس کا معنی ہے کہ آپ تمام جنات اور انسانوں کی طرف رسول ہیں۔

دوسری بحث یہ ہے کہ العالمین کا لفظ تمام مخلوقات کو شامل ہے، پس اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک تمام مخلوقات کے لیے رسول ہیں، اس لیے ضروری ہوا کہ آپ خاتم الانبیاء والرسل ہوں۔

تیسری بحث یہ ہے کہ "نَذِيْرًا" کا معنی ہے: عذاب سے ڈرانے والے۔ اور "تَبٰرَكَ" کا لفظ کثرتِ خیر و برکت پر دلالت کرتا ہے، تو ضروری ہوا کہ اس کے بعد ایسی چیز کا ذکر ہو جو کثرتِ خیر اور منافع کا سبب ہو، اور انذار کا لفظ غم اور خوف کو واجب کرتا ہے، کیونکہ اس کا معنی ہے: آپ اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں، تو وہ اس مقام کے کیسے مناسب ہے؟

اُس کا جواب یہ ہے کہ یہ انذار اولاد کو تادیب یا سزا دینے کے قائم مقام ہے۔ اور جب کہ اولاد کی تادیب میں مبالغہ کرنا اُس کے لیے زیادہ احسان پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ اس سے مستقبل میں بہت عظیم منافع حاصل ہوتے ہیں۔ پس اسی طرح جب انذار زیادہ ہوگا تو مخلوق کا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع زیادہ ہوگا اور اُخروی سعادت مکمل ہو جائے گی۔ اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ دنیا میں جلد حاصل ہونے والے منافع کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت فرمائی ہے کہ وہ خیرات کثیرہ عطا فرماتے ہیں اور صرف دین کے منافع کا ذکر فرمایا اور دنیاوی منافع کا ذکر نہیں فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اللہ وہی ہیں جن کے لیے تمام آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت ہے اور انہوں نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا اور نہ سلطنت میں اُن کا کوئی شریک ہے اور انہوں نے ہر چیز کو پیدا فرمایا، پس اُس کا ایک اندازہ مقرر فرمایا O" (الفرقان: ۲)

اللہ عزوجل کی چار صفات

"اَلَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا": اس آیت میں اللہ عزوجل نے اپنی کبریائی کی چار صفات بیان فرمائی ہیں:

(۱) "اَلَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"۔ اس میں اللہ عزوجل کے وجود پر تنبیہ فرمائی ہے۔ اور چونکہ اُن کا وجود ہر چیز پر مقدم ہے، اس لیے اس کو پہلے ذکر فرمایا ہے۔ نیز فرمایا: "لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ تمام مخلوقات اپنے حدوث میں اور اپنی بقا میں اور اپنے وجود میں اللہ عزوجل کی ذات کی طرف محتاج ہے اور اللہ عزوجل ہی جس طرح چاہتے ہیں اُن میں تصرف فرماتے ہیں۔

(۲) "وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا"۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ اللہ عزوجل ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عبادت کے مستحق ہیں۔ اور اللہ عزوجل کے غیر کا معبود ہونا صحیح نہیں ہے۔ اور اس میں نصاریٰ کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے کو مانتے ہیں۔

(۳) "وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ"۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ الوہیت میں منفرد ہیں اور جب بندہ اس چیز کو جان لے گا تو باقی تمام سے اُس کا خوف اور امید منقطع ہو جائے گی اور اُس کا دل صرف اللہ عزوجل کی رحمت اور اُن کے احسان کی طرف مشغول رہے گا۔ اور اس آیت میں اُن مجوسیوں کا رد ہے جو دو خدا مانتے ہیں، خالقِ خیر کو یزداں کہتے ہیں اور خالقِ شر کو اہرمن کہتے ہیں۔ اور اس میں ستارہ پرستوں کا بھی رد ہے اور بت پرستوں کا بھی رد ہے۔

(۴) "وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا"۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کے خالق ہیں اور انہوں نے ہر چیز کو ایک مناسب اندازے سے پیدا فرمایا ہے۔

یہاں پر یہ سوال ہے کہ جب اللہ عزوجل ہر چیز کے خالق ہیں تو کیا وہ بندوں کے اعمال کے بھی خالق ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! وہ تمام چیزوں کے خالق ہیں اور تمام چیزوں میں بندوں کے افعال بھی شامل ہیں۔

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پرندوں کو بنانا اُن کے خالق ہونے کو مستلزم ہے؟

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ بعض دوسری آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بندے بھی افعال کے خالق ہیں، کیونکہ اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے: "اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۫ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۔ (المائدہ:۱۱۰)" (جب اللہ فرمائیں گے: اے عیسیٰ ابن مریم! آپ اپنے اوپر اور اپنی والدہ کے اوپر میری نعمت کو یاد کریں، جب میں نے روح القدس سے آپ کی مدد فرمائی، آپ لوگوں سے پنگوڑے میں اور ادھیڑ عمر میں کلام کرتے تھے، جب میں نے آپ کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائی، اور جب آپ میرے حکم سے پرندے کی شکل بناتے تھے، پھر آپ اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ شکل میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی اور آپ میرے حکم سے مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو تندرست کر دیتے تھے، اور جب آپ میرے حکم سے مردوں کو زندہ کر کے (قبروں سے) نکالتے تھے، اور جب میں نے بنی اسرائیل کو آپ سے روک لیا جب آپ اُن کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے، تو اُن میں سے کافروں نے کہا: یہ صرف کھلا ہوا جادو ہے)۔

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی خالق قرار دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ"۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۔ (المومنون:۱۴)" (پس اللہ برکت والے ہیں جو سب سے بہتر تخلیق فرمانے والے ہیں)۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور بھی خالق ہیں لیکن سب سے بہتر خالق اللہ عزوجل ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خالقیت پر امام رازی کی طرف سے جواب

ان دونوں آیتوں کا جواب یہ ہے کہ یہ اس آیت سے معارض ہے: "اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ۔ (الزمر:۶۲)" (اللہ ہر چیز کے پیدا فرمانے والے ہیں اور وہ ہر چیز میں تصرف فرمانے والے ہیں)۔ اسی طرح اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۔ (فاطر:۳)" (اے لوگو! اللہ کے اُن احسانات کو یاد کرو جو انہوں نے تم پر فرمائے، کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، پس تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خالقیت پر مصنف کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں کہ خلق کا معنی ہے: کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو مٹی سے پرندے بناتے تھے یعنی مٹی سے پرندے کی صورت بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ اللہ عزوجل کے اذن سے پرندہ ہو جاتی تھی، تو یہ حقیقت میں حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کی تخلیق نہیں تھی، کیونکہ وہ مٹی سے پرندے کی صورت بناتے تھے اور وہ مٹی کو وجود میں لانے والے نہیں تھے، مٹی کو عدم سے وجود میں لانے والے تو اللہ عزوجل ہیں، اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مٹی سے پرندے کی صورت بنانا حقیقت میں خلق اور تخلیق نہیں ہے پھر مٹی سے پرندے کی صورت بنانے کے باوجود وہ پرندہ نہیں بنتا تھا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا اذن نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مٹی سے پرندے کی صورت بنانا اس کو واجب نہیں کرتا کہ اللہ عزوجل کے علاوہ وہ بھی خالق ہوں خالق صرف اللہ عزوجل ہیں، وہی مٹی کو عدم سے وجود میں لائے، پھر انہوں نے ہی پرندے کی صورت بنانے کی صلاحیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دل و دماغ میں اتاری، پھر بھی اُن کے اذن کے بغیر وہ پرندہ نہیں بن سکتا تھا تو سب کچھ تو اللہ عزوجل کی تخلیق ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں سے خالق ہو گئے۔

اسی طرح ''فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ (المومنون:۱۴)'' کا معنی ہے: جن پر مجازاً خالق کا اطلاق کیا جاتا ہے وہ حقیقت میں خالق نہیں ہیں، حقیقت میں خالق صرف اللہ عزوجل ہیں، اور وہی سب سے بہتر خالق ہیں کیونکہ وہ حقیقتاً خالق ہیں اور باقی جن پر خالق کا اطلاق کیا جاتا ہے وہ سب اطلاقِ مجازی ہے، لہٰذا صرف اللہ ہی برکت والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنا لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور وہ اپنی جانوں کے لیے کسی ضرر کے مالک ہیں اور نہ کسی نفع کے، اور نہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے اور نہ ہی مرنے کے بعد اُٹھنے کے مالک ہیں O'' (الفرقان:۳)

بتوں کو معبود قرار دینے کا رد

''وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا'': اس سے پہلے اللہ سبحانہ نے اپنی صفاتِ جلال اور عزت اور علو کو بیان فرمایا، اب اس کے بعد بت پرستوں کے مذہب کو باطل فرما رہے ہیں، اور اس کی کئی وجوہ ہیں:

(۱) یہ بت کسی چیز کے خالق نہیں ہیں، اور معبود کے لیے ضروری ہے کہ وہ خلق اور ایجاد پر قادر ہو۔

(۲) یہ بت خود مخلوق ہیں اور مخلوق محتاج ہوتی ہے اور معبود کے لیے ضروری ہے کہ وہ مستغنی ہو۔

(۳) یہ بت خود اپنے لیے کسی نقصان اور نفع کے مالک نہیں ہیں اور جو اپنے لیے کسی نفع اور نقصان کا مالک نہ ہو تو وہ دوسروں کے لیے بھی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوگا، اور جو اس طرح ہو تو اس کی عبادت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(۴) یہ بت موت اور حیات پر قادر نہیں ہیں، اور جس زمانے میں لوگ مکلف ہیں اُس زمانے میں یہ کسی کو زندہ کرنے اور مارنے پر قادر نہیں ہیں۔ اور جس زمانے میں لوگوں کو اُن کے اعمال کی جزا دی جائے گی اُس زمانے میں یہ مر کر دوبارہ اُٹھنے پر قادر نہیں ہیں۔

تو جو بت اس طرح ہوں اُن کی عبادت کرنا کس طرح جائز ہوگا۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً''۔ آیا یہ آیت بت پرستوں کے ساتھ مخصوص ہے یا اس میں نصاریٰ اور ستاروں کی پرستش کرنے والے اور ملائکہ کی پرستش کرنے والے بھی داخل ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قاضی نے کہا ہے کہ نصاریٰ کو اس آیت میں داخل کرنا بعید ہے، کیونکہ انہوں نے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں بنائے۔ وہ صرف ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور اُن کی عبادت کرتے تھے۔ پس زیادہ قریب یہ ہے کہ اس سے مراد بت پرست لیے جائیں۔ اور فرشتوں کی عبادت کرنے والوں کو بھی اس میں داخل کرنا جائز ہے، کیونکہ اُن کے معبودوں کی بھی کثرت ہے۔ نیز یہ آیت مرنے کے بعد لوگوں کو زندہ کرنے پر بھی دلالت کرتی ہے، کیونکہ معبود کے لیے واجب ہے کہ وہ نیکوکاروں کو ثواب عطا کرنے پر قادر ہو اور نافرمانوں کو عذاب دینے پر قادر ہو۔ اور جو اس طرح نہ ہو وہ معبود ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کفار نے کہا: یہ قرآن محض بہتان ہے جس کو اس شخص نے گھڑ لیا ہے اور اس کام میں اس کی دوسرے لوگوں نے بھی مدد کی ہے، پس بے شک کفار نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا O'' (الفرقان: ۴)

منکرین نبوت کے شبہات کے جوابات

''وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا'':

اللہ سبحانہ نے پہلے توحید پر دلائل قائم فرمائے، پھر بت پرستوں کا رد فرمایا، اب مسئلہ نبوت میں کلام فرمایا اور منکرین رسالت جو سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے انکار میں شبہات پیش کرتے ہیں اُن کے جوابات دیئے ہیں۔

منکرین نبوت کا پہلا شبہ یہ تھا: ''اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ''۔ اور اس کی نظیر یہ آیت ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ۔ (النحل: ۱۰۳)'' (اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ کفار مکہ یہی کہتے ہیں: ''اس نبی کو کوئی بشر ہی قرآن کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ جس بشر کی طرف وہ قرآن کی تعلیم دینے کی نسبت کرتے ہیں وہ عجمی ہے، اور یہ قرآن فصیح و بلیغ عربی زبان میں نازل فرمایا گیا ہے)۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار کی مراد یہ ہو کہ نبی ﷺ خود جھوٹ بولتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن کی مراد یہ ہو کہ وہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف اس کلام کی اضافت کرتے ہیں، وہ جھوٹ ہو۔

الکلبی اور مقاتل نے کہا ہے کہ یہ آیت النضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی جس نے یہ کہا تھا کہ نبی ﷺ کو ان آیات کے گھڑنے میں ایک دوسرا شخص مدد دیتا ہے اور وہ عداس ہے جو حویطب بن عبد العزیٰ کا غلام ہے اور یسار ہے جو عامر بن الحضرمی کا غلام ہے اور جبر ہے جو عامر کا غلام ہے، اور یہ تینوں اہل کتاب سے تھے۔ اور یہ تورات پڑھتے تھے اور اس میں سے احادیث بیان کرتے تھے، پس جب یہ تینوں مسلمان ہو گئے اور نبی ﷺ سے تعلق رکھنے لگے تو اس وجہ سے النضر بن الحارث نے کہا کہ نبی ﷺ جو کچھ بیان کرتے ہیں اس میں اُن کی یہ تینوں مدد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا جواب دیا: ''فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا''۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اُن کے شبہ کے ازالے کے لیے کافی ہے، کیونکہ ہر صاحب عقل کو معلوم ہے کہ نبی ﷺ نے تمام کفار کو قرآن مجید کی نظیر لانے کا چیلنج فرمایا اور اُن کو للکارا، اور وہ عرب انتہائی فصیح و بلیغ تھے اور نبی ﷺ کے دین کو باطل کرنے کی بہت حرص رکھتے تھے۔ اگر اُن کے لیے اس قرآن مجید کی کسی آیت کی نظیر لانا ممکن ہوتا تو وہ ضرور لے آتے۔ اور جب وہ سب مل کر بھی

قرآن مجید کی کسی آیت کی نظیر نہ لا سکے تو واضح ہو گیا کہ قرآن مجید فصاحت اور بلاغت میں حدِ اعجاز کو پہنچا ہوا ہے، لہٰذا اُن کا قرآن مجید کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کی مدد سے مل کر گھڑ لیا ہے محض باطل ہے اور اُن کی جہالت اور عناد ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے جواب میں صرف اس پر کفایت فرمائی: ''فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا''۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس قول کو ظلم اور زُور فرمایا۔ ظلم اس لیے کہ انہوں نے اس قبیح فعل کی اس ذات کی طرف نسبت کی جو اس قبیح فعل سے بری ہیں تو انہوں نے ایک چیز کو اس کے غیر محل میں رکھا اور کسی چیز کو اُس کے غیر محل میں رکھنا ظلم ہے۔ اور ''زُور'' یعنی جھوٹ وہ اس لیے ہے کہ انہوں نے جھوٹ بولا۔ ابومسلم نے کہا: اُن کا ظلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔ اور ''زُور'' اُن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور انہوں نے کہا: یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو اس رسول نے لکھوائی ہیں پس یہ اُن کو صبح اور شام پڑھ کر سنائی جاتی ہیں O'' (الفرقان: ٥)

''وَقَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰى عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا'': الاساطیر وہ کہانیاں ہیں جن کو پہلے لوگوں نے لکھا تھا، جیسے رُستم اور اسفندیار کی کہانیاں ہیں۔ ''اساطیر'' اسطار یا اسطورۃ کی جمع ہے۔ اُن کا مطلب یہ تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ کتاب سے یعنی عامر سے، یسار سے اور جبر سے اُن کی کہانیوں کو لکھ لیا ہے اور یہ کہانیاں اُن پر پڑھی جاتی ہیں۔

''بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا'': یعنی صبح اور شام اُن پر یہ کہانیاں پڑھی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس قول کو رد فرمایا ہے کہ قرآن مجید کی آیات جو وحی سے معلوم ہوتی ہیں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر حال میں پڑھی جاتی ہیں اُن کی طرف یہ کیسے منسوب ہوگا کہ صبح اور شام اُن پر کہانیاں پڑھی جاتی ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: قرآن مجید کو اُس ذات نے نازل فرمایا ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتے ہیں، بے شک وہ بہت بخشنے والے بہت مہربان ہیں O'' (الفرقان: ٦)

اس پر دلیل کہ قرآن مجید کو صرف اللہ عزوجل ہی نازل فرمانے والے ہیں

''قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا'': نیز ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو قرآن مجید کی نظیر لانے کا چیلنج فرمایا تھا اور اُن کا عاجز ہونا ظاہر ہو گیا، اور وہ یہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی مدد سے قرآن مجید پیش کیا ہے تو وہ بھی کسی کی مدد سے قرآن مجید کی نظیر لے آئیں لیکن جب وہ ایسا نہ کر سکے تو واضح ہو گیا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور اُن کی طرف سے وحی ہے، اس لیے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ''۔ کیونکہ جو قرآن مجید کے الفاظ کی ترکیب پر قادر ہو، اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام معلومات کا عالم ہو خواہ وہ ظاہر ہوں یا مخفی ہوں، اور اس کی حسبِ ذیل وجوہ ہیں:

(١) قرآن مجید کی فصاحت کی مثل وہی لا سکتا ہے جو تمام معلومات کا عالم ہو۔

(۲) قرآن مجید میں غیب کی خبریں ہیں اور غیب کی خبریں وہی دے سکتا ہے جو تمام معلومات کا عالم ہو۔

(۳) قرآن مجید تناقض سے مبرا ہے اور اس کو وہی پیش کر سکتا ہے جو تمام معلومات کا عالم ہو، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا۔ (النساء: ۸۲)'' (پس کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے! اور اگر یہ قرآن اللہ کے غیر کی طرف سے نازل ہوتا تو لوگ اس میں ضرور بہت اختلاف پاتے)۔

(۴) قرآن مجید ان احکام پر شامل ہے جو اس جہان کی تمام مصلحتوں کا تقاضا کرتے ہیں اور بندوں کے نظام کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور یہ کلام وہی پیش کر سکتا ہے جو تمام معلومات کا عالم ہو۔

(۵) قرآن مجید انواع واقسام کے علوم پر مشتمل ہے اور اس کو وہی پیش کر سکتا ہے جو تمام معلومات کا عالم ہو۔ پس ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ یہ اسی ذات کا کلام ہے جو تمام معلومات کا عالم ہے اور تمام معلومات کے عالم صرف اللہ عزوجل ہیں، لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا: ''قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ'' ۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو تمام آسمانوں اور زمین کے اسرار کا عالم ہو اسی کے لیے ممکن ہے کہ وہ قرآن ایسی کتاب کو نازل فرمائے۔

اور ابو مسلم نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اس قرآن کو اس نے نازل فرمایا ہے جو پوشیدہ باتوں کو جاننے والے ہیں، پس اگر اُن پر جھوٹ باندھا جاتا تو وہ ضرور اُس سے انتقام لیتے، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ۔ (الحاقۃ: ۴۴-۴۵)'' (اور (بالفرض) اگر وہ رسول کوئی بات خود بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتے ○ تو ہم اُن کو پوری قوت سے پکڑ لیتے)۔

''اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا'': اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے الغفور الرحیم ہونے کا ذکر دو وجوں سے فرمایا:

(۱) ابو مسلم نے کہا کہ اللہ عزوجل نے اس قرآن کو عذاب سے ڈرانے کے لیے نازل فرمایا، پس ضروری ہے کہ وہ غفور رحیم ہوں اور سزا دینے میں جلدی نہ فرمائیں۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ کفار اپنے مکر وفریب اور سازشوں سے اس کے مستحق ہیں کہ اُن پر دنیا میں عذاب نازل فرما دیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کو اُن سے دور رکھا، کیونکہ وہ غفور ورحیم ہیں، سزا دینے کے معاملہ میں مہلت دیتے ہیں اور جلدی نہیں کرتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور انہوں نے کہا: اس رسول کو کیا ہوا ہے کہ یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے اور اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا کہ وہ بھی اُن کے ساتھ عذاب سے ڈرانے والا ہوتا ○ یا اس رسول پر کوئی خزانہ اتار دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا اور ظالموں نے (مسلمانوں سے) کہا: تم ایسے مرد کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے ○'' (الفرقان: ۷-۸)

''وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۙ اَوْ یُلْقٰۤى اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۞'':

کفار نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو باطل کرنے کے لیے یہ پانچ صفات بیان کیں جو اُن کے زعم میں رسالت کے منافی ہیں: (۱) انہوں نے کہا: یہ رسول کھانا کیوں کھاتے ہیں؟ (۲) انہوں نے کہا: یہ بازاروں میں کیوں چلتے ہیں؟ یعنی جب وہ کھانا بھی کھاتے ہیں اور بازاروں میں بھی چلتے ہیں تو پھر وہ ہماری طرح ہیں اور اُن کو ہم پر کیا فضیلت ہے؟ (۳) اور تیسرا اعتراض یہ تھا کہ اُن کے اوپر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل فرمایا گیا جو ان کے ساتھ مل کر عذاب سے ڈراتا، اُن کی تصدیق کرتا اور اُن کے حق میں شہادت دیتا اور اُن کے مخالفین پر رد کرتا (۴) اور اُن کا چوتھا اعتراض یہ تھا کہ ان کے اوپر آسمان سے کوئی خزانہ نازل کیوں نہیں فرمایا گیا؟ اور اُس خزانے کی وجہ سے وہ اپنی گزر بسر کے لیے کار معیشت کے محتاج نہ ہوتے (۵) اور اُن کا پانچواں شبہ یہ تھا کہ اُن کا کوئی باغ ہوتا جس سے وہ کھاتے (۶) اور چھٹا اعتراض اُن کا یہ تھا کہ تم ایسے مرد کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسول اکرم!) آپ دیکھئے! انہوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں بنائی ہیں، سو وہ ایسے گمراہ ہو گئے کہ وہ کوئی (ہدایت کا) راستہ نہیں پا سکتے 0'' (الفرقان:۹)

''اَلْمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا'': اللہ تعالیٰ نے ان شبہات کا جواب دیا۔ یعنی ان تمام شبہات کا جواب یہ ہے کہ رسول جو غیر رسول سے ممتاز ہوتا ہے وہ معجزہ سے ممتاز ہوتا ہے، اور انہوں نے اپنے اعتراضات میں جن چیزوں کو ذکر کیا ہے اُن میں سے کوئی چیز بھی معجزہ میں خرابی پیدا نہیں کرتی، لہٰذا ان میں سے کوئی چیز بھی نبوت کی نفی نہیں کرتی۔ گویا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ دیکھو! ان لوگوں نے ایسے اعتراضات کیے ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ گمراہ ہیں اور یہ آپ کی نبوت میں طعن کا ارادہ کرتے ہیں اور انہوں نے نبوت میں طعن کرنے کی کوئی راہ نہیں پائی، کیونکہ طعن اُس وقت ہوتا کہ جب یہ آپ کے معجزات میں طعن کرتے۔ اور آپ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے جس کے متعلق آپ نے دعویٰ کیا کہ کوئی اس کی نظیر نہیں لا سکتا۔ سو اگر وہ اس قرآن کی کوئی نظیر لے آتے تو آپ کی نبوت پر طعن ہوتا اور جو اعتراضات انہوں نے کیے ہیں اُن میں سے کوئی اعتراض بھی آپ کی نبوت میں طعن کا سبب نہیں ہے۔

(تفسیر الکبیر ج ۸ ص ۴۳۸۔ ۴۳۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مشرکین کے مذکورہ پانچ اعتراضات کے مفصل جوابات

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، الفرقان: ۷ تا ۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام رازی نے مشرکین کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت پر جو پانچ اعتراضات کیے تھے، اُن سب کا ایک جامع جواب ذکر کر دیا ہے، تاہم اُن کے ان اعتراضات کے الگ الگ جوابات بھی دیے جا سکتے ہیں:

اُن کا پہلا اعتراض یہ تھا: ''وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ''۔ انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس قول میں رسول کہا اور اُن کا آپ کو رسول کہنا آپ کی شان میں کمی کرنے کے اعتبار سے تھا اور آپ کا مذاق اڑانے کے لیے تھا، جیسا کہ فرعون نے کہا تھا: ''اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ'' (الشعراء: ۲۷) (تمہارے یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں ضرور دیوانے ہیں)۔ یعنی اگر وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اُن کا حال ہمارے حال کی مثل ہے، وہ اسی طرح کھانا

کھاتے ہیں جس طرح ہم کھانا کھاتے ہیں۔ لیکن اُن کا یہ کہنا غلط تھا، کیونکہ کفار جو کچھ کھاتے ہیں اُس میں جائز اور ناجائز اور حلال اور حرام کا فرق نہیں کرتے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کھاتے تھے وہ جائز اور حلال چیزوں کو کھاتے تھے۔ پھر آپ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھتے تھے اور کھانے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پڑھتے تھے، اس لیے محض کھانا کھانے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی مثل ہوں۔ پھر دوسری وجہ کفار نے یہ بیان کی: ''وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ''۔ یعنی یہ بھی معاش کی طلب کے لیے اسی طرح بازاروں میں جاتے ہیں جس طرح ہم جاتے ہیں۔ اُن کی مراد یہ تھی کہ آپ کا فرشتہ ہونا واجب ہے جو کھانے پینے سے اور سامانِ زیست فراہم کرنے سے مستغنی ہو، گویا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ آپ فرشتہ نہیں ہیں کیونکہ آپ کھانا کھاتے ہیں اور فرشتہ کھانا نہیں کھاتا اور فرشتہ بازاروں میں طلبِ معاش کے لیے نہیں جاتا اور آپ بازاروں میں جاتے ہیں۔ اور اُن کا یہ کہنا فاسد تھا، اس لیے کہ آپ کا کھانا کھانا اس وجہ سے ہے کہ آپ بنو آدم سے ہیں اور آپ کا بازاروں میں جانا آپ کی تواضع کی وجہ سے ہے، اور تورات میں آپ کی صفت یہ ہے کہ آپ بازاروں میں شور مچانے والے نہیں ہیں، اور اِن میں سے کوئی چیز نبوت کے منافی نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعویٰ نہیں فرمایا تھا کہ وہ فرشتوں میں سے فرشتہ ہیں۔

پھر کفار اس مطالبے سے نیچے اتر کر کہنے لگے: ''لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا''۔ اُن کا یہ قول بھی فاسد ہے، کیونکہ اگر آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا تو وہ فرشتہ اگر اپنی اصلی شکل میں ہوتا تو کفار اُس کو دیکھ نہیں سکتے تھے اور اگر وہ فرشتہ انسانی پیکر میں ہوتا تو کفار کو پھر یہی شبہ ہو جاتا کہ یہ فرشتہ نہیں ہے، یہ تو آدمی ہے۔ پھر کفار نے یہ کہا: ''اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ''۔ یعنی ان کے اوپر آسمان سے کوئی خزانہ نازل کیا جائے، تاکہ یہ بازاروں میں طلبِ معاش کے لیے جانے کے محتاج نہ ہوں، اُن کا یہ مطالبہ بھی غلط اور باطل تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بازاروں میں طلبِ معاش کے لیے جانا بہ طورِ تواضع تھا اور امت کی تعلیم کے لیے تھا کہ اپنی ضروریاتِ زندگی کو حاصل کرنے کے لیے کس قسم کے معاش کو اختیار کرنا چاہیے۔

پھر وہ اپنے اس دعویٰ سے نیچے اتر آئے اور کہا: ''اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا''۔ چلو مان لیا کہ وہ آدمی ہیں، تو اُن کے لیے کوئی باغ کیوں نہ ہوا؟ یعنی اُن کا ایسا باغ ہوتا جیسے امیر لوگوں کے باغات ہوتے ہیں، اور وہ اس باغ سے پھل کھاتے۔ اُن کا یہ مطالبہ بھی غلط تھا، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور افعال امت کے لیے نمونہ ہوتے ہیں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بغیر مادّی اسباب کے کوئی باغ ہوتا تو پوری امت کے لیے تو ایسے باغ نہیں ہو سکتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال تو امت کے لیے نمونہ ہیں، اس لیے بغیر مادّی اسباب کے آپ کے لیے کوئی باغ کیسے ہو سکتا تھا؟

''وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا'': یعنی جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان کر آپ کی پیروی کرتے تھے، اُن کو گمراہ کرنے کے لیے ان لوگوں نے کہا کہ تم ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہو جو سحر زدہ ہے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے فرمایا: ''اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا''۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت و رسالت کو ثابت کرنے کے لیے جو معجزات اور دلائل پیش فرمائے تھے، اُن کا جواب تو یہ لوگ نہیں دے سکتے تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ فضول اعتراضات کرتے تھے۔

(السراج المنیر، ج ۳ ص ۳۴۱-۳۴۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُۙ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾

وہ ذات بہت برکت والی ہے، اگر وہ چاہے تو آپ کے لیے اس سے بہتر نعمتیں عطا فرمادیں، ایسی جنتیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور آپ کے لیے محلات بنادیں O

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ﴿۱۱﴾

بلکہ ان منکرین نے قیامت کو جھٹلایا اور جن لوگوں نے قیامت کو جھٹلایا، ہم نے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّ زَفِیْرًا ﴿۱۲﴾

جب وہ آگ ان کو دور سے دیکھے گی تو وہ اس آگ کے غضب سے کھولنے اور دھاڑنے کی آوازیں سنیں گے O

وَ اِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًاؕ ﴿۱۳﴾

اور جب ان منکرین کے ہاتھوں اور پاؤں کو باندھ کر دوزخ کی کسی تنگ جگہ پھینکا جائے گا تو وہ اس جگہ موت کو پکاریں گے O

لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۴﴾

(اے منکرو!) آج تم صرف ایک موت کو نہ پکارو، بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو O

قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِیْرًا ﴿۱۵﴾

(اے رسول اکرم!) آپ ان سے کہیے: کیا یہ دوزخ بہتر ہے یا دائمی جنت جس کا متقین سے وعدہ فرمایا گیا ہے، وہ ان کے نیک اعمال کی بہترین جزا ہے اور ٹھہرنے کا عمدہ ٹھکانا ہے O

لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ خٰلِدِیْنَؕ كَانَ عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾

ان جنتوں میں ان کے لیے ہر وہ نعمت ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، یہ آپ کے رب کا ذمہ کرم سے وعدہ ہے جو ان پر لازم ہے O

وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ ﴿۱۷﴾

اور جس دن اللہ کفار کو اور جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے جمع فرمائیں گے، پھر اللہ ان کے خود ساختہ معبودوں سے

فرمائیں گے: کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود ہی گمراہ ہو گئے تھے؟ O

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَ لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾

وہ کہیں گے: آپ سبحان ہیں، ہمارے لیے یہ جائز نہ تھا کہ ہم آپ کو چھوڑ کر کسی اور کو کارساز بناتے، لیکن آپ نے اِن کفار کو اور ان کے آباء واجداد کو نعمتیں عطا فرمائیں حتیٰ کہ یہ لوگ آپ کی یاد کو بھول گئے اور یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے O

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّ لَا نَصْرًا ۚ وَ مَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾

(تب ہم مشرکوں سے فرمائیں گے:) تمہارے خود ساختہ معبودوں نے تمہاری باتوں کو جھٹلا دیا، پس اب نہ تم عذاب کو دور کر سکتے ہو اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہو، اور تم میں سے جس شخص نے ظلم کیا ہوگا ہم اس کو بدترین عذاب کا مزا چکھائیں گے O

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع ۱۷

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے تھے وہ سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے بھی تھے، اور ہم نے تم میں سے بعض کو دوسروں کے لیے آزمائش بنا دیا ہے (اے مسلمانو!) کیا تم صبر کرو گے؟ اور (اے رسولِ اکرم!) آپ کے رب خوب دیکھنے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ ذات بہت برکت والی ہے، اگر وہ چاہیں تو آپ کے لیے اس سے بہتر نعمتیں عطا فرما دیں، ایسی جنتیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور آپ کے لیے محلات بنا دیں O'' (الفرقان: ۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار کے اعتراضات کے جوابات

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، الفرقان: ۱۰ تا ۱۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''تَبٰرَكَ الَّذِيْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ يَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا'':

یہ دراصل کفار کی اس بات کا جواب ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں ہے اور خزانہ کیوں نہیں ہے اور باغ کیوں نہیں ہے اور دیگر چیزوں کے طعنے دیے تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے رد میں فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو آپ کو ان چیزوں سے بہتر چیزیں عطا فرما دیتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بلکہ اِن منکرین نے قیامت کو جھٹلایا اور جن لوگوں نے قیامت کو جھٹلایا، ہم نے اُن

کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O''(الفرقان:۱۱)

''بَلۡ كَذَّبُوۡا بِالسَّاعَةِ وَاَعۡتَدۡنَا لِمَنۡ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيۡرًا'': پھر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ ان کافروں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراضات کیے اور یہ طعنے دیے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ قیامت کی تکذیب کرتے تھے۔ اور انہوں نے یہ نہیں جانا کہ اُن کا انجام کیا ہوگا۔ آیا اُن کو ثواب دیا جائے گا یا اُن کو عذاب دیا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''جب وہ آگ اُن کو دور سے دیکھے گی تو وہ اُس آگ کے غضب سے کھولنے اور دھاڑنے کی آواز سنیں گے O''(الفرقان:۱۲)

کفار کے عذاب کی شدت

''اِذَا رَاَتۡهُمۡ مِّنۡ مَّكَانٍۭ بَعِيۡدٍ سَمِعُوۡا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيۡرًا'': پھر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ قیامت کو جھٹلانے کی وجہ سے اُن کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار فرمایا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُس بھڑکتی ہوئی آگ کی صفت بیان فرمائی کہ جب وہ آگ اُن کو دور سے دیکھے گی تو وہ اس کے غضب سے کھولنے اور دہاڑنے کی آواز سنیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:''رَاَتۡهُمۡ مِّنۡ مَّكَانٍۭ بَعِيۡدٍ''۔ اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ کے لیے ایسے اسباب فراہم فرما دیں گے جس سے وہ دوزخیوں کو دیکھے گی۔ اور دوسرا یہ ہے کہ دوزخی ایسی جگہ میں ہوں گے جہاں سے وہ دوزخ کی آگ کو دیکھیں گے اور گویا کہ دوزخ کی آگ بھی اُن کو دیکھے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''اور جب اِن منکرین کے ہاتھوں اور پاؤں کو باندھ کر دوزخ کی کسی تنگ جگہ پھینکا جائے گا تو وہ اس جگہ موت کو پکاریں گے O''(النور:۱۳)

''وَاِذَاۤ اُلۡقُوۡا مِنۡهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيۡنَ دَعَوۡا هُنَالِكَ ثُبُوۡرًا'': ایک قول یہ ہے کہ دوزخ کی آگ بلند کی جائے گی اور اُس کے شعلے اوپر اٹھ رہے ہوں گے۔ اور جو دوزخ میں نیچے ہوں گے، وہ اوپر اٹھ جائیں گے اور جو اوپر ہوں گے وہ نیچے گر جائیں گے، پھر اُن سب کو جمع کر دیا جائے گا اور اُن پر وہ جگہ تنگ ہوگی اور اُن پر عذاب سخت ہوگا۔ اور جتنی جگہ اُن پر تنگ ہوگی اُتنا عذاب اُن پر سخت ہوگا۔

''مُقَرَّنِيۡنَ'': بعض مفسرین نے کہا: وہ ایک دوسرے کے ساتھ باندھے ہوئے ہوں گے۔ اور بعض مفسرین نے کہا: ہر شخص کو اس کے اُس شیطان کے ساتھ باندھ دیا جائے گا جس نے اُس کو گمراہی کی دعوت دی تھی اور اُس نے اُس کی پیروی کی تھی، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ۔(الزخرف:۳۶)''(اور جو لوگ اللہ کے ذکر (قرآن) سے اعراض کرتے ہیں تو ہم اُن کے لیے شیاطین مقرر فرما دیتے ہیں، پس وہ ان کے ہم نشین ہوتے ہیں)۔ اور بعض مفسرین نے کہا: بتوں کو اور بتوں کی عبادت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کے ساتھ جکڑ دیں گے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''اُحۡشُرُوا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا وَاَزۡوَاجَهُمۡ وَمَا كَانُوۡا يَعۡبُدُوۡنَ۔(الصافات:۲۲)''(فرشتوں کو حکم ہوگا: ظالموں، اُن کے (شیطان) ساتھیوں اور اُن کے (جھوٹے) معبودوں کو جمع کرو)۔

"دعوا ھنالک ثبورا": "ثبور" کا معنی ہے: ہلاکت، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وانی لاظنک یفرعون مثبورا۔" (بنی اسرائیل: ۱۰۲) "(اے فرعون! بے شک میں ضرور گمان کرتا ہوں کہ تو ہلاک کیا جانے والا ہے)۔

"الثبور" اور "الویل" یہ ایسے دو حرف ہیں جو اُن کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں جو شدید ہلاکت میں ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے منکرو!) آج تم صرف ایک موت کو نہ پکارو، بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو O"
(الفرقان: ۱۴)

"لا تدعوا الیوم ثبورا واحدا وادعوا ثبورا کثیرا": یعنی آج تم صرف ایک ہلاکت کو نہ پکارو جیسا کہ دنیا میں جو ایک مرتبہ ہلاک ہو جائے تو دوسری مرتبہ ہلاک نہیں ہوتا۔ اور جو دوزخ میں ہوں تو اُن کے لیے بے شمار ہلاکتیں ہوتی ہیں، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ویاتیہ الموت من کل مکان وما ھو بمیت۔" (ابراہیم: ۱۷) "(اور ہر جگہ سے موت اس کے پاس آئے گی اور وہ مرے گا نہیں)۔ یعنی موت کے اسباب اُن کے پاس ہر جگہ سے آئیں گے اور وہ مریں گے نہیں، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کلما نضجت جلودھم بدلنھم جلودا غیرھا لیذوقوا العذاب۔" (النساء: ۵۶) "(جب بھی اُن کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم اُن کی جلی ہوئی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تا کہ وہ ہمیشہ عذاب (کا مزا) چکھتے رہیں)۔ وہ ہلاکت اور موت کو اس لیے پکاریں گے کہ اُن کو یہ توقع ہوگی کہ موت اور ہلاکت سے اُن کو اس عذاب سے نجات مل جائے گی۔ اور اسی طرح جو شخص شدید عذاب میں مبتلا ہوتا ہے وہ ہلاکت اور موت کی تمنا کرتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے رسولِ اکرم!) آپ ان سے کہیے: کیا یہ دوزخ بہتر ہے یا دائمی جنت جس کا متقین سے وعدہ فرمایا گیا ہے، وہ اُن کے نیک اعمال کی بہترین جزا ہے اور ٹھہرنے کا عمدہ ٹھکانا ہے O"
(الفرقان: ۱۵)

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، الفرقان: ۱۵ تا ۲۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"قل اذلک خیر ام جنۃ الخلد التی وعد المتقون کانت لہم جزآء و مصیرا": یعنی آپ ان بغض رکھنے والے لوگوں سے کہیے کہ دوزخ کی جو وعید اور صفات بیان فرمائی گئی ہیں وہ بہتر ہیں یا دائمی جنت بہتر ہے جس کو عطا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے متقین سے وعدہ فرمایا ہے۔

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ کس طرح کہا گیا ہے کہ عذاب بہتر ہے یا دائمی جنت، اور کیا اس طرح کہنا جائز ہے کہ شکر زیادہ میٹھی ہے یا صبر؟

اس کا یہ جواب ہے کہ زجر و توبیخ کے موقع پر ایسا کہنا عمدہ ہے، جیسا کہ کوئی مالک اپنے غلام کو مال عطا کرے تو وہ سرکشی کرے اور انکار کرے اور تکبر کرے، پھر مالک اُس غلام کو مارے اور کہے: یہ مار بہتر ہے یا تم کو جو مال عطا کیا تھا وہ بہتر ہے۔

جنت الخلد کہنے کی توجیہ

ابو مسلم نے کہا: جنت الخلد وہ ہے جس کی نعمتیں کبھی منقطع نہیں ہوں گی۔ اور خلد اور خلود برابر ہیں جیسے شکر اور شکور برابر ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا۔ (الدھر:۹)'' (ہم تمہیں محض اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں، تم سے بدلہ اور شکریہ نہیں چاہتے)۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جنت تو نام ہی ہمیشگی کے گھر کا ہے، پھر جنت الخلد کہنے کا کیا فائدہ ہوا؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ کبھی اضافت تعیین کے لیے ہوتی ہے اور کبھی صفتِ کمال کے اظہار کے لیے ہوتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ۔ (الحشر:۲۴)''۔ ''الْخَالِقُ'' اور ''الْبَارِئُ'' دونوں کا معنی واحد ہے۔ اور ''الْخَالِقُ'' کی صفت ''الْبَارِئُ'' اظہارِ کمال کے لیے لائی گئی ہے، یا جنت الخلد دنیا کی جنات سے تمیز کرنے کے لیے فرمایا ہے؟

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی بشارت کو مؤکد فرمایا: ''كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِيْرًا''۔ یعنی یہ اُن کے نیک اعمال کا بدلہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائیں گے اور اُن کے لوٹنے کی جگہ ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ متقین کے لیے جنت جزا اور مصیر کے بعد ہوگی تو پہلے کس طرح فرمایا کہ متقین کے لیے جنت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما دیا، پس وہ گویا کہ واقع ہوگئی۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ لوگوں کے پیدا کرنے سے پہلے لوحِ محفوظ میں اسی طرح لکھا ہوا تھا کہ جنت اُن کی جزا ہوگی اور اُن کا ٹھکانا ہوگی۔

پھر ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ''الجزا'' اور ''المصیر'' دونوں کو جمع فرمایا ہے، اس کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس طرح ہے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ يَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَ حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا۔ (الکہف:۳۱)'' (یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے دائمی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں، انہیں وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، وہ وہاں دبیز اور باریک ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے، اور مسہریوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے، یہ بہت عمدہ ثواب ہے اور بہت اچھی آرام کی جگہ ہے)۔ اس آیت میں اللہ عزوجل نے ثواب کی بھی مدح فرمائی اور ثواب کی جگہ کی بھی مدح فرمائی، اور اس لیے کہ نعیم، متنعم کے لیے اسی وقت مکمل ہوتی ہے جب کہ وہ جگہ پاک اور وسیع ہو۔ اور جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَ اِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا۔ (الکہف:۲۹)'' (اور آپ کہیے: یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے، پس جو چاہے اس پر ایمان لائے اور جو چاہے اس کا کفر کرے، بے شک ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار فرما رکھی ہے جس کی قناتیں ان کا احاطہ کرلیں گی، اور اگر وہ (پیاس کی شدت سے) فریاد کریں گے تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے کی مثل پانی دیا جائے گا جو اُن کے چہروں کو جلا دے گا، وہ بہت برا مشروب ہے اور (دوزخ) بہت بری ٹھہرنے کی جگہ ہے)۔ اور اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے عذاب کی بھی مذمت فرمائی اور عذاب کی جگہ کی بھی مذمت فرمائی۔ اور اسی طرح عقاب اُسی وقت زیادہ ہوتا ہے جب اُس کی جگہ تنگ اور اندھیری ہو۔

اس آیت میں متقین سے وعدے کا ذکر فرمایا ہے اور متقین وہ ہیں جو کفر کو ترک کریں اور اُس سے بچیں خواہ نافرمانیوں سے نہ بچتے ہوں، اگرچہ کامل متقی وہ ہے جو کفر اور شرک سے بھی بچے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بھی بچے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن جنتوں میں اُن کے لیے ہر وہ نعمت ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے، اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، یہ آپ کے رب کا ذمہ کرم سے وعدہ ہے جو اُن پر لازم ہے O'' (الفرقان:۱۶)

''لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا'': متقین کے لیے جنت میں ہر وہ نعمت ہوگی جس کو اُن کا دل چاہے گا، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۔ (حم السجدہ:۳۱)'' (ہم دنیا اور آخرت میں تمہارے کارساز ہیں اور تمہارے لئے جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جسے تمہارے دل چاہیں گے اور تمہیں اس میں وہ سب کچھ عطا فرمایا جائے گا جو تم مانگو گے)۔ نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۔ (الزخرف:۷۱)'' (اُن پر سونے کے طشت اور صراحیوں کا دور چلے گا اور جنت میں ہر وہ چیز ہوگی کہ دل جس کی فرمائش کریں اور آنکھیں جس سے لطف اندوز ہوں گی، اور تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو گے)۔

جنت میں ہر خواہش پوری کیے جانے پر ایک اعتراض کا جواب

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جو متقی جنت میں نچلے درجوں میں ہوں گے، جب وہ بلند درجات والوں کو دیکھیں گے تو ضرور وہ بلند درجات کا ارادہ کریں گے۔ پس جب وہ اپنے رب سے سوال کریں کہ وہ اُن کو وہ بلند درجات عطا فرمائیں تو جنت میں ناقص اور کامل درجات والوں کا کوئی فرق نہیں رہے گا۔ اور اگر نہ عطا فرمائیں تو یہ اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے خلاف ہوگا ''لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کے دلوں سے ایسی خواہشات کو زائل فرما دیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اُن کے ذکر کی لذات میں مشغول ہوں گے اور کسی دوسری چیز کی طرف التفات نہیں کریں گے۔

''كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا'': یعنی اللہ تعالیٰ نے متقین سے اس جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ محض اپنے فضل سے وعدہ فرمایا ہے، متقین کا اس میں کوئی استحقاق نہیں ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے ''مَسْـُٔوْلًا''۔ اس میں اختلاف ہے کہ سائل کون ہے؟ پس اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ مومنین نے اپنے رب سے دنیا میں سوال کیا تھا جیسے اس آیت میں ہے: ''رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۔ (آل عمران:۱۹۴)'' (اے ہمارے رب! جن نعمتوں کے عطا فرمانے کا آپ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے وعدہ فرمایا ہے وہ نعمتیں ہمیں عطا فرمایئے اور قیامت کے دن ہمیں شرمندہ نہ فرمایئے، بے شک آپ وعدہ خلافی نہیں فرماتے)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان بھی ایسی دعا کرے جس میں کوئی گناہ نہ ہو اور نہ رحم کو منقطع کرنے کی دعا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو تین چیزوں میں سے ایک چیز عطا فرماتے ہیں، یا تو اس کی دعا جلد قبول فرما لیتے ہیں اور یا آخرت میں اس کے لیے اجر کو ذخیرہ فرماتے ہیں، یا اُس سے اُس دعا کی مثل کسی برائی کو دور فرما دیتے ہیں۔

(مسند احمد:۱۱۱۳۳، مسند البزار:۳۱۴۴، المنتخب من مسند عبد بن حمید:۹۳۷، الادب المفرد للبخاری:۷۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۰۱، شعب

الایمان للبیہقی: ۱۱۳۰،التمہید لابن عبدالبر ج ۵ ص ۳۴۳،حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۶ ص ۳۱۱،مسند ابو یعلیٰ: ۱۰۱۹،تہذیب الکمال للمزی ج ۲۱ ص ۷۵،المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۹۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ،وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی ایک کی دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب تک وہ جلدی نہ کرے،پس وہ یہ کہے: میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

(صحیح البخاری: ۶۳۴۰،صحیح مسلم: ۲۷۳۵،سنن ترمذی: ۳۳۸۷،سنن ابوداؤد: ۱۴۸۳،سنن ابن ماجہ: ۳۸۵۳،مسند احمد: ۸۹۰۳،موطا امام مالک: ۴۹۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جس دن اللہ کفار کو اور جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے جمع فرمائیں گے،پھر اللہ اُن کے خود ساختہ معبودوں سے فرمائیں گے: کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود ہی گمراہ ہو گئے تھے؟ O'' (الفرقان: ۱۷)

اللہ تعالیٰ کے بتوں سے خطاب کی توجیہ

''وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ'':

اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر کس کی عبادت کرتے تھے۔ اکثر مفسرین نے کہا ہے: یعنی تم فرشتوں کی،جنات کی اور حضرت مسیح کی اور حضرت عزیر وغیرہ کی عبادت کرتے تھے۔ اور عکرمہ،الضحاک اور الکلبی نے کہا ہے: تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے تھے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ جامد چیزوں سے کیسے خطاب فرمائیں گے؟ پس فرمائیں گے: تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود گمراہ ہو گئے تھے۔ یعنی کیا وہ تمہارے کہنے سے گمراہی میں مبتلا ہوئے تھے اور تم نے کہا تھا کہ ان کی عبادت کرو،یا وہ خود ہی سیدھے راستے سے بھٹک گئے تھے۔

اس سوال کے دو جواب ہیں: ایک جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان جامد چیزوں کے اندر حیات پیدا فرما دیں گے اور پھر اُن سے خطاب فرمائیں گے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کلام نفسی ہوگا نہ زبانی کلام ہوگا بلکہ یہ زبانِ حال سے کلام ہوگا،جیسا کہ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جمادات بھی تسبیح کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بندوں کے ہاتھ اور پیر کلام کریں گے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس سوال کا کیا فائدہ ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ازل میں بھی جاننے والے ہیں کہ جن سے سوال کیا جائے گا اُن کا کیا حال ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال مشرکین کی زجر و توبیخ کے لیے ہوگا،جیسے اللہ عزوجل کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ارشاد ہے: ''وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؔ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ (المائدہ: ۱۱۶)'' (اور جب اللہ ارشاد فرمائیں گے: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر مجھے

اور میری والدہ کو دو معبود قرار دو، عیسیٰ عرض کریں گے: اے اللہ! آپ (ہر عیب سے) پاک ہیں، میرے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میں کوئی ناحق بات کہوں، اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو ضرور آپ اسے جان لیتے، آپ اس کو جانتے ہیں جو میرے دل میں ہے اور میں اس کو نہیں جانتا جو آپ کے علم میں ہے، بے شک آپ تمام غیوب کے جاننے والے ہیں)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ کہیں گے: آپ سبحان ہیں، ہمارے لیے یہ جائز نہ تھا کہ ہم آپ کو چھوڑ کر کسی اور کو کارساز بناتے، لیکن آپ نے اِن کفار کو اور ان کے آباء و اجداد کو نعمتیں عطا فرمائیں حتیٰ کہ یہ لوگ آپ کی یاد کو بھول گئے اور یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے O'' (الفرقان: ۱۸)

''قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَ لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا'': یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی اُن چیزوں سے تنزیہہ کریں گے جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں ہیں، یا اس پر تعجب کریں گے جو اُن سے کہا گیا ہے، کیونکہ وہ یا تو فرشتے ہیں یا انبیائے معصوم ہیں، پس وہ گمراہ کرنے سے بہت دور ہیں اور گمراہ کرنا ابلیس اور اس کے لشکر کے ساتھ مخصوص ہے، یا وہ جمادات ہیں جو کسی چیز پر قادر نہیں ہیں، یا اس میں خبر دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور توحید کے ساتھ متصف رہتے ہیں، تو یہ اُن کے کب لائق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو گمراہ کریں۔

''مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ'': یعنی ہمارے لیے یہ کیسے جائز ہے کہ ہم آپ کے ارادہ کے بغیر اپنے اختیار سے کوئی کام کریں، پس یہ کیسے ہمارے لیے جائز ہوگا کہ ہم اپنی عبادت کا حکم دیں۔

''وَ لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ'': یعنی اُنہوں نے ان کی گمراہی کا سبب ذکر کیا کہ آپ نے ان پر اور ان کے آباء و اجداد پر انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرمائیں، اُن کو صحت مند رکھا، دنیا میں طویل عمر دی تو انہوں نے اس اپنی صحت اور عمر طویل کو لوگوں کے گمراہ کرنے کا ذریعہ بنا دیا حتیٰ کہ وہ قرآن مجید کو بھول گئے اور اُس پر ایمان نہیں لائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حتیٰ کہ وہ آپ کے ذکر کو بھول گئے اور اس سے غافل ہو گئے، اور آپ کے علم میں ازل میں یہ تھا کہ وہ ایسا کریں گے۔ ''وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا'' اور وہ ہلاک ہونے والے لوگ ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(تب ہم مشرکوں سے فرمائیں گے:) تمہارے خود ساختہ معبودوں نے تمہاری باتوں کو جھٹلا دیا، پس اب نہ تم عذاب کو دور کر سکتے ہو اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہو، اور تم میں سے جس شخص نے ظلم کیا ہوگا ہم اس کو بدترین عذاب کا مزا چکھائیں گے O'' (الفرقان: ۱۹)

بتوں کی عبادت کرنے کا بُطلان

''فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّ لَا نَصْرًا ۚ وَ مَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا'': اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مشرکین کے خود ساختہ معبود اپنی عبادت کرنے والوں کی تکذیب کر دیں گے۔ یعنی اس قول کا رد کر دیں گے کہ وہ خود ساختہ معبود عبادت کے مستحق ہیں اور وہ عبادت کرنے والوں کی سفارش کریں گے۔ اور اُن کے خود ساختہ معبود

لوگوں سے کسی عذاب کو دور نہیں کر سکیں گے اور نہ کسی کی سفارش کر سکیں گے اور نہ کسی کی مدد کر سکیں گے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

"قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِیْلًا ۔ (بنی اسرائیل: ۵۶)" ((اے رسول اکرم!) آپ کہیے: اللہ کے سوا جن بتوں کے متعلق تمہارا زعم ہے (کہ وہ تمہارے کارساز ہیں) ان کو بلاؤ، پس نہ وہ تم سے تمہاری تکلیف کو دور کر سکیں گے اور نہ اس تکلیف کو کسی اور طرف منتقل کر سکیں گے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے تھے وہ سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے بھی تھے، اور ہم نے تم میں سے بعض کو دوسروں کے لیے آزمائش بنا دیا ہے، (اے مسلمانو!) کیا تم صبر کرو گے؟ اور (اے رسول اکرم!) آپ کے رب خوب دیکھنے والے ہیں ○" (الفرقان: ۲۰)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر مشرکین کے مطاعن کے جوابات

"وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ یَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِیْرًا":

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ طعن کیا تھا کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ یہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس طعن کے جواب میں ارشاد فرمایا: اے رسول اکرم! ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجے ہیں اُن کا بھی یہی حال تھا کہ وہ کھانا کھاتے تھے جیسا کہ تم کھاتے ہو اور تمہارے علاوہ دوسرے آدمی کھاتے ہیں۔ اور وہ بازاروں میں چلتے تھے جیسا کہ تم چلتے ہو، اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر رسول کے لیے دائمی عادت ہے، اور مشرکین بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ انہوں نے اس کے متعلق خبریں سنی ہیں، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "مَا یُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّ ذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ ۔ (حم السجدہ: ۴۳)" (اے رسول اکرم اللہ کی طرف سے آپ کو وہی کچھ فرمایا جائے گا جو آپ سے پہلے رسولوں کو فرمایا گیا، بے شک آپ کے رب (اہل ایمان کے لئے) بڑی مغفرت والے اور (کافروں کو) دردناک عذاب دینے والے ہیں)۔

مقبول بندوں کی آزمائش کی توجیہ

"وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً": یعنی اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو نعمتیں عطا فرمائیں اور بعض لوگوں سے نعمتیں روک لیں، اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مرسلین کو اُن کے ساتھ مبتلا فرماتے ہیں جن کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا۔ اور جن کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا وہ اُن سے عداوت رکھتے ہیں اور اُن کے متعلق نازیبا باتیں کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے دولت مند کو فقیر کے لیے آزمائش بنایا ہے اور تندرست کو مریض کے لیے آزمائش بنایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو مصائب میں مبتلا فرمایا تا کہ تم صبر کرو اور تم جو اُن کے خلاف چیزیں دیکھو تو ہدایت کی پیروی کرو۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت ابوجہل اور الولید بن عقبہ اور العاص بن وائل اور النضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ انہوں نے حضرت ابوذر، حضرت ابن مسعود، حضرت عمار، حضرت بلال، حضرت صہیب،

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے اُن لوگوں کو جو اُن سے پہلے اسلام لا چکے تھے انہیں دیکھ کر کہا: کیا ہم ان لوگوں کی مثل اسلام لے آئیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہم نے آپ کو ان کے لیے آزمائش بنا دیا، کیونکہ اگر آپ دولت مند اور خزانوں والے ہوتے اور باغات والے ہوتے تو ان لوگوں کا میلان آپ کی طرف ہوتا اور وہ دنیا کی وجہ سے آپ کی اطاعت کرتے۔ اور ہم نے آپ کو تنگدست بنا کر مبعوث فرمایا، تاکہ جو آپ کی اطاعت کرے وہ خالص اللہ کی اطاعت ہو بغیر کسی دنیاوی طمع کے۔

"اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا": یعنی تم جن مصائب میں مبتلا ہو گئے ہو، کیا تم ان پر صبر کرو گے؟ اور تمہارے رب تم پر بہت احسان فرمانے والے ہیں۔ تو آپ کا دل تنگ نہ ہو اور ان کی باتوں سے آپ پریشان نہ ہوں، کیونکہ آپ کا صبر کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔

جس پر اللہ تعالیٰ کی زیادہ نعمتیں ہوں اس کی بجائے اس کو دیکھنے کی فضیلت جس پر کم نعمتیں ہوں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اس کو دیکھے جس پر اللہ تعالیٰ نے مال اور جسم میں زیادہ فضل فرمایا ہے تو پھر جو اس سے کم درجہ کا ہے اس کو دیکھے، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر گزار رہو۔

(شعب الایمان للبیہقی: ۱۰۲۸۳، ۴۲۵۳، مسند الحمیدی: ۱۰۹۷، مسند احمد: ۷۳۲۰، کتاب الآداب للبیہقی: ۸۰۶، شرح السنۃ للبغوی: ۴۱۰۰)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی طرف دیکھو جو تم سے کم درجہ کا ہو اور اس کی طرف نہ دیکھو جو تم سے بڑے درجہ کا ہو تاکہ تم پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے تم اس کو حقیر نہ سمجھو۔

(صحیح مسلم: ۲۹۶۳، سنن ترمذی: ۲۵۱۳، سنن ابن ماجہ: ۴۱۴۲، مسند احمد: ۷۴۰۰، ۷۴۴۹، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۳۴۳، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱۰۷، مسند الشہاب القضاعی: ۷۳۶، مسند البزار: ۹۱۳۱، شعب الایمان للبیہقی: ۴۲۵۳، شرح السنۃ للبغوی: ۴۱۰۲)

(السراج المنیر، ج ۴، ص ۴۴۳-۴۵۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾

اور جن کافروں کو ہم سے ملاقات کی امید نہیں تھی، انہوں نے کہا: ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے گئے، یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیتے، بے شک انہوں نے خود کو اپنے دلوں میں بہت بڑا سمجھا اور انہوں نے بہت بڑی سرکشی کی O

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾

جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوش خبری نہیں ہوگی اور وہ کہیں گے کہ ہمارے لیے (ان فرشتوں کو دیکھنے سے) کوئی آڑ اور حجاب ہو جائے O

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

اور انہوں نے جو بھی عمل کیے تھے ہم اُن کو غبار کے باریک ذرّوں کی طرح فضا میں بکھیر دیں گے O

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَىٕذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِیْلًا ﴿۲۴﴾

اُس دن جنت والوں کا ٹھکانا بہت عمدہ ہوگا اور اُن کے آرام کی جگہ بہت اچھی ہوگی O

وَ یَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓىٕكَةُ تَنْزِیْلًا ﴿۲۵﴾

اور جس دن آسمان بادلوں کے ساتھ پھٹ جائیں گے اور فرشتوں کو پوری طرح نازل فرمادیا جائے گا O

اَلْمُلْكُ یَوْمَىٕذِ ﹰالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِؕ وَ كَانَ یَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا ﴿۲۶﴾

اُس دن حقیقی سلطنت صرف رحمٰن کی ہوگی، اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا O

وَ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى یَدَیْهِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا ﴿۲۷﴾

اور جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے کہے گا: اے کاش! میں نے رسول کے ساتھ نجات کا راستہ اختیار کیا ہوتا! O

یٰوَیْلَتٰى لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا ﴿۲۸﴾

ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا! O

لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

بے شک اُس نے میرے پاس قرآن آنے کے بعد مجھے اس سے گمراہ کردیا، اور شیطان انسان کو اس مصیبت کے وقت چھوڑنے والا تھا O

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

اور رسول نے عرض کیا: اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو متروک قرار دیا O

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّ نَصِیْرًا ﴿۳۱﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے مجرموں سے دشمن بنائے، اور آپ کے رب ہدایت دینے کے لیے اور مدد فرمانے کے لیے کافی ہیں O

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةًۚۛ كَذٰلِكَۚۛ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ﴿۳۲﴾

اور کفار نے کہا: ان کے اوپر پورا قرآن یکبارگی کیوں نہیں نازل کیا گیا، ہم نے اس کو اس لیے تدریجاً نازل فرمایا تا کہ ہم اس کے ذریعے آپ کے دل کو مضبوط رکھیں اور اسی لیے ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا O

وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾

اور یہ کفار آپ کے پاس جو بھی اعتراض کریں گے ہم اُس کا حق کے ساتھ جواب اور بہترین تفسیر لے آئیں گے O

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے مونہوں کے بل جہنم کی طرف گھسیٹ کر لایا جائے گا، ان لوگوں کا بہت برا ٹھکانا ہے اور یہ لوگ صحیح راستے سے بہت دور جا چکے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جن کافروں کو ہم سے ملاقات کی امید نہیں تھی، انہوں نے کہا: ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے گئے، یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیتے، بے شک انہوں نے خود کو اپنے دلوں میں بہت بڑا سمجھا اور انہوں نے بہت بڑی سرکشی کی O'' (الفرقان:۲۱)

کفار کے رؤیت باری اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رؤیت باری کے مطالبہ کا فرق

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ، الفرقان:۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا'': یعنی کفار نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے یہ شبہ پیش کیا کہ کیوں نہ ہمارے پاس فرشتے نازل کیے گئے جو یہ گواہی دیتے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی رسالت کے دعویٰ میں حق پر ہیں، یا ہم خود اپنے رب کو دیکھ لیتے حتیٰ کہ وہ ہمیں یہ خبر دیتے کہ انہوں نے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔

الفراء نے کہا: اس آیت میں فرمایا ہے کہ ''جو کفار ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے تھے'' اس سے مراد یہ ہے کہ جو کفار ہم سے ڈرتے نہیں تھے، جیسے قرآن مجید میں ہے: ''مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا۔ (نوح:۱۳)'' یعنی تم اللہ تعالیٰ کی عظمت سے کیوں نہیں ڈرتے؟

قاضی نے کہا ہے: اس توجیہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ جب کلام کو حقیقت پر محمول کرنا ممکن ہو تو اس کو مجاز پر محمول کرنا جائز نہیں ہے۔ اور بت پرستوں کے حال سے یہ معلوم ہے کہ وہ اخروی عذاب سے نہیں ڈرتے، کیونکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے ہیں۔ پس اسی طرح وہ نیک اعمال کے ثواب کی توقع بھی نہیں رکھتے، پس اللہ عزوجل کا ارشاد ''لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا'' حقیقت پر محمول ہے، کیونکہ کفار ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے۔ یعنی ہم نے جو عبادت پر ثواب عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے اور جنت عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے، اور وہ اس کی امید نہیں رکھتے تھے تو وہ اپنے شرک اور کفر پر عذاب سے بھی نہیں ڈرتے تھے۔

''لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا'': یعنی ہم پر فرشتوں کو کیوں نہیں نازل کیا گیا، وہ فرشتے آ کر ہم کو یہ خبر دیتے کہ

(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں، یا ہم خود اپنے رب کو دیکھ لیتے، پس ہمیں رب اس کی خبر دیتے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دعویٰ رسالت میں سچے ہیں۔ انہوں نے اس کلام سے اپنی بڑائی کو ظاہر کیا۔ الکلبی اور مقاتل نے کہا: یہ آیت ابوجہل اور الولید بن مغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکر تھے۔

اس آیت میں "عُتُوًّا" کا لفظ ہے اور سورۂ مریم میں "عتیا" کا لفظ ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے: انہوں نے سرکشی کی۔ اور مقاتل نے کہا: انہوں نے اپنے قول میں غلو کیا۔ اس آیت میں فرمایا: "فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ" یعنی انہوں نے اپنے دلوں میں سرکشی کی، کیونکہ ان کے دلوں میں جو تکبر تھا اور بڑائی کا اعتقاد تھا، اس کو انہوں نے پوشیدہ رکھا، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۔ (المؤمن: ۵۶)" (بے شک وہ لوگ (اہل مکہ) جو اللہ کی آیتوں (قرآن) کے بارے میں اللہ کی طرف سے ملنے والی دلیل کے بغیر جھگڑا کرتے ہیں، اُن کے سینوں میں صرف غلبہ پانے کی حرص ہے جس تک وہ پہنچ نہیں سکیں گے، پس آپ اللہ کی پناہ مانگیں، بے شک وہ بہت سننے والے، خوب دیکھنے والے ہیں)۔ اور "عتو" کا معنی ہے: انہوں نے ظلم میں حد سے بہت تجاوز کیا۔

"العتو" کا معنی ہے: بہت شدید کفر اور بہت زیادہ ظلم۔ اور اُن کا کفر اور ظلم یہ تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا۔

ان کے اس شبہ کا جواب کئی وجوہ سے ہے:

(۱) جب یہ ظاہر ہو گیا کہ قرآن مجید معجز کلام ہے تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دعویٰ ثابت ہو گیا۔ پس اس کے بعد دیگر معجزات کو طلب کرنا محض سرکشی اور ہٹ دھرمی ہے۔

(۲) انہوں نے فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کیا اور فرشتوں کا نازل ہونا بھی معجزات کے قبیل سے ہے۔

(۳) اگر وہ اپنے رب کو دیکھ لیں اور اُن سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق کے متعلق سوال کریں اور اللہ سبحانہٗ تعالیٰ یہ فرمائیں کہ ہاں وہ میرے رسول ہیں تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر معجزہ کے اظہار سے زیادہ نہیں ہوگا، کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ معجزہ قول سے تصدیق کے قائم مقام ہے۔

(۴) غالباً ان کافروں نے اہل کتاب سے سن لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں دکھائی نہیں دیتے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں عام لوگوں پر فرشتے نازل نہیں فرماتے، پھر انہوں نے اپنے ایمان لانے کو اس پر معلق کیا تو یہ محض اُن کا استہزاء اور استکبار تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی تو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا سوال کیا تھا، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِیْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ (الاعراف: ۱۴۳)" (اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان سے ان کے رب نے کلام کیا، آپ نے عرض کیا: اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھائیں میں آپ کا نظارہ کروں گا، فرمایا: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے، ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر

یہ پہاڑ اپنی جگہ قائم رہا تو عنقریب تم بھی مجھے دیکھ لو گے، پھر جب اُن کے رب نے پہاڑ پر جلوہ فرمایا تو اس کو ریزہ ریزہ فرما دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب موسیٰ ہوش میں آئے تو عرض کیا: آپ (ہر عیب سے) پاک ہیں، میں (اپنی جسارت پر) آپ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں)۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تکبر اور سرکشی پر محمول نہیں فرمایا، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے شوق میں یہ عرض کی تھی، اور ان کفار نے بہ طور امتحان اور سرکشی کے اپنے ایمان لانے کو اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر موقوف کیا۔ (اللباب، ج ۱۴ ص ۵۰۷۔ ۵۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اُس دن مجرموں کے لیے کوئی خوش خبری نہیں ہوگی اور وہ کہیں گے کہ ہمارے لیے (ان فرشتوں کو دیکھنے سے) کوئی آڑ اور حجاب ہو جائے O'' (الفرقان: ۲۲)

کفار کی فرشتوں سے حجاب طلب کرنے کی توجیہ

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، الفرقان: ۲۲ تا ۳۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓىٕكَةَ لَا بُشْرٰى یَوْمَىٕذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَ یَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا'': یعنی قیامت کے دن جب وہ فرشتوں کو دیکھیں گے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ موت کے وقت جب وہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو اُس دن اُن کے لیے کوئی خوش خبری نہیں ہوگی۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ''مجرمین کے لیے کوئی خوش خبری نہیں ہوگی''۔ یعنی مومنین کے لیے موت کے وقت جنت کی خوش خبری ہوگی۔ اور اس وقت یہ منکرین کہیں گے: ''حِجْرًا مَّحْجُوْرًا''۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے وہ یہ طلب کریں گے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی فرشتوں سے ملاقات کو ممنوع قرار دے، حالانکہ اس سے پہلے وہ فرشتوں کے نزول کو طلب کرتے تھے اور اس کا مطالبہ کرتے تھے، لیکن جب وہ فرشتوں کو موت کے وقت یا قیامت کے دن دیکھیں گے تو اُن کی ملاقات کو ناپسند کریں گے اور اُس سے خوف زدہ ہوں گے۔ اور اُس وقت وہ کہیں گے کہ ان کی ان فرشتوں سے کوئی دوری ہو یا کوئی آڑ اور حجاب ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ فرشتے کہیں گے کہ ان لوگوں کا جنت میں داخل ہونا حرام ہے سوا اُن کے جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب کفار قبروں سے نکلیں گے تو فرشتے اُن سے کہیں گے: تم پر یہ حرام کیا گیا ہے کہ تمہارے لیے کوئی بشارت ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور انہوں نے جو بھی عمل کیے تھے ہم اُن کو غبار کے باریک ذرّوں کی طرح فضا میں بکھیر دیں گے O'' (الفرقان: ۲۳)

''وَ قَدِمْنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا'': اور کفار نے دنیا میں جو اچھے کام کئے ہوں گے، رشتہ داروں سے ملاپ کیا ہوگا اور کسی مجبور اور بے کس کی فریاد رسی کی ہوگی تو ہم اُن کے ان کاموں کو فضا میں بکھرا ہوا غبار بنا دیں گے، کیونکہ ان کاموں کی بنیاد ایمان پر نہیں ہے، ان کاموں کا انہیں کوئی نفع نہیں ہوگا اور نہ ثواب ہوگا۔ اور اُن کو ان کاموں کی دنیا میں جزا دی جائے گی۔ پس دوزخ ہی اُن کا دن اور رات میں ٹھکانا ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُس دن جنت والوں کا ٹھکانا بہت عمدہ ہوگا اور اُن کے آرام کی جگہ بہت اچھی

ہوگی O" (الفرقان:۲۴)

مُسْتَقَر اور مقیل کا معنوی فرق

"اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا": جس دن اہلِ جنت فرشتوں کو دیکھیں گے تو اُن کا ٹھکانا کفار سے بہتر ہوگا اور عمدہ آرام کی جگہ ہوگی۔ مستقر اُس جگہ کو کہتے ہیں جس جگہ لوگ اکثر اوقات میں ٹھہرتے ہیں اور بیٹھتے ہیں، ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں۔ اور "مقیل" اُس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پر وہ آرام کرنے کے لیے اپنی ازواج کے پاس جاتے ہیں۔

روایت ہے کہ اللہ عزوجل آدھے دن میں حساب سے فارغ ہو جائیں گے، پس اہلِ جنت، جنت میں آرام کریں گے اور اہلِ دوزخ، دوزخ میں ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: قیامت کے دن، دن اُس وقت تک آدھا نہیں ہوگا حتی کہ اہلِ جنت، جنت میں آرام کریں اور اہلِ دوزخ، دوزخ میں ڈال دیے جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اُس دن حساب اُس دن کے اول میں ہوگا اور انہوں نے کہا: قیامت کے دن کی مقدار مومنین پر کم فرما دی جائے گی حتی کہ اُن پر قیامت کا دن اتنی مقدار میں ہوگا جو مقدارِ عصر سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہوتی ہے۔ دوسری جگہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِئُوْنَ۔" (یٰس:۵۵-۵۶) (بے شک جنتی آج لذت بخش کاموں میں مگن اور خوشی سے سرشار ہیں O وہ اور اُن کی بیویاں گھنے سایوں میں مسہریوں پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں)۔ مفسرین نے کہا ہے کہ اُن کا اُس دن جنت میں جو شغل ہوگا وہ یہ کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ عملِ زوجیت میں مشغول ہوں گے۔ اس آیت میں "مقیل" کا ذکر فرمایا ہے یعنی سونے کی جگہ، حالانکہ جنت میں نیند نہیں ہوگی، تو یہ تشبیہاً فرمایا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جس دن آسمان بادلوں کے ساتھ پھٹ جائیں گے اور فرشتوں کو پوری طرح نازل فرما دیا جائے گا O" (الفرقان:۲۵)

"وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا":

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ آسمانِ دنیا والوں پر پھٹے گا اور آسمان والے زمین پر نازل ہوں گے، اور وہ زمین میں رہنے والے جنات اور انسانوں سے تعداد میں زیادہ ہوں گے۔ پھر دوسرا آسمان پھٹے گا، پھر اُس کے اہل نازل ہوں گے، اور وہ تعداد میں دنیا کے آسمان سے اور زمین والوں کے جنات اور انسانوں سے زیادہ ہوں گے، پھر اسی طرح آسمان پھٹتے رہیں گے حتی کہ ساتواں آسمان پھٹے گا۔ اور ہر آسمان والے اُس سے پہلے والے آسمان پر گردش کریں گے۔ پھر کروبیوں کا نزول ہوگا، پھر حاملینِ عرش کا نزول ہوگا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ زمین کی آسمانِ دنیا کی طرف نسبت اس طرح سے ہے جیسے جنگل میں کوئی انگوٹھی کا چھلا پڑا ہو، پس زمین میں ان سب چیزوں کی کیسے گنجائش ہوگی؟

بعض مفسرین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ فرشتے بادل میں ہوں گے اور بادل فرشتوں کے استقرار کی جگہ ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو وسیع فرما دیں حتی کہ اس میں سب کی گنجائش ہو جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُس دن حقیقی سلطنت صرف رحمٰن کی ہوگی، اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا O''
(الفرقان: ۲۶)

''اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا'': یعنی جس دن آسمان بادلوں کے ساتھ پھٹ جائے گا اور کوئی چیز ثابت نہیں رہے گی، اُس دن کی سلطنت رحمٰن کے لیے ہوگی۔ رحمٰن سے مراد ہیں جن کی رحمت دونوں جہانوں کو شامل ہے۔ اور اُن کی رحمت کے عموم میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے دلوں کو اُن کے دشمنوں کو عذاب دے کر خوش کریں گے۔ اور اگر رحمٰن اس رحمت کے ساتھ متصف نہ ہوں تو کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

ایک سوال یہ ہے کہ یہ عظیم سلطنت تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہر وقت حاصل ہے، پھر اس کا کیا فائدہ ہے کہ اُس دن رحمٰن کی سلطنت ہوگی؟

اس کا یہ جواب ہے کہ اُس دن میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک نہیں ہوگا، نہ صورتاً، نہ معناً اور حقیقتاً، پس تمام بادشاہ اُن کے سامنے عاجزی سے جھک جائیں گے اور بڑے بڑے سردار ذلت کے ساتھ سرنگوں ہوں گے۔ اور یہ وہ دن ہوگا جس دن کفار نے فرشتوں کی رؤیت کو طلب کیا تھا، اور یہ دن کفار پر بہت سخت ہوگا۔

مومنین پر پچاس ہزار سال کا دن کس طرح گزرے گا؟

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ وہ دن کفار پر بہت سخت ہوگا۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ مومنین پر وہ دن سخت نہیں ہوگا، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ جس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی، وہ کتنا طویل دن ہوگا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! وہ دن مومن کے لیے خفیف فرما دیا جائے گا حتیٰ کہ مومن نے دنیا میں جتنی دیر میں فرض نماز پڑھی ہوگی اُس سے بھی کم وقت میں وہ دن گزر جائے گا۔

(مسند احمد: ۱۱۷۱۷، مسند ابو یعلیٰ: ۱۳۹۰، صحیح ابن حبان: ۷۳۳۴، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۷۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۴۸)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے کہے گا: اے کاش! میں نے رسول کے ساتھ نجات کا راستہ اختیار کیا ہوتا! O'' (الفرقان: ۲۷)

''وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا'': اس آیت میں ظالم سے مراد مشرک ہے، کیونکہ جب وہ قیامت کے ڈراؤنے احوال کو دیکھے گا تو فرطِ افسوس سے اپنی انگلیوں کو کاٹ لے گا۔

انگلیاں کاٹنے والے ظالم کا مصداق

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس آیت میں ظالم سے مراد عقبہ بن ابی معیط بن امیہ بن عبد شمس ہے۔ وہ جب بھی کسی سفر

سے واپس آتا تو کھانا تیار کرتا اور اپنے پڑوسیوں کو اور اپنی قوم کے سرداروں کو کھانے کی دعوت دیتا۔ اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں زیادہ بیٹھتا تھا اور آپ کی باتوں پر تعجب کرتا تھا۔ پس ایک دن وہ سفر سے آیا، سو اس نے کھانا تیار کیا اور لوگوں کو بلایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلایا۔ پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے کھانے کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا: میں اس وقت تک تمہارا طعام نہیں کھاؤں گا حتیٰ کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔ پس عقبہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس طعام کو کھالیا۔ اور عقبہ اُبی بن خلف کا دوست تھا، پس جب عقبہ اُبی بن خلف کے پاس آیا تو اُبی بن خلف نے اُس سے کہا: اے عقبہ! تم نے اپنا دین بدل لیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! میں نے اپنا دین نہیں بدلا۔ لیکن میرے پاس ایک ایسا مرد آیا جس نے میرے کھانے کو کھانے سے انکار کیا سوا اس کے کہ میں اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کی شہادت دوں۔ پس مجھے اس سے حیا آئی کہ ایک شخص میرے گھر سے چلا جائے اور اُس نے کھانا نہ کھایا ہو، تو میں نے اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے اور اُس کے رسول ہونے کی شہادت دی تو انہوں نے میرا کھانا کھالیا اور میں نے دل سے یہ شہادت نہیں دی تھی۔ اُبی بن خلف نے کہا: میں تم سے اُس وقت تک راضی نہیں ہوں گا حتیٰ کہ تم اُن کے پاس جاؤ اور اُن کے چہرے پر تھوکو اور اُن کے چہرے اور آنکھوں پر تھپڑ مارو، پس اُس نے دار الندوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کی حالت میں پایا تو عقبہ نے اس طرح کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ سے باہر تم سے اس وقت تک نہیں ملوں گا حتیٰ کہ میں تلوار سے تمہارا سر کاٹ دوں، پھر غزوہ بدر میں عقبہ قتل کردیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تو انہوں نے اس کو قتل کردیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اُس کو عاصم بن ثابت بن افلح انصاری نے قتل کیا۔ اور رہا اُبی بن خلف تو اُس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے غزوۂ اُحد میں قتل کیا۔ اُس پر ایک نیزہ مارا، وہ اُس کے درد سے مکہ لوٹ گیا اور وہیں مر گیا۔ (جامع البیان للطبری: ۲۰۳۴۱۵۱، اسباب النزول للواحدی: ۶۵۷، الوسیط، ج ۳ ص ۳۳۹)

الضحاک نے کہا: جب عقبہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر تھوکا تھا تو اُس کے دونوں رخسار جل گئے اور اُس کی موت تک اُن کا اثر رہا۔ اور الشعبی نے کہا کہ عقبہ اُمیہ بن خلف کا دوست تھا، عقبہ مسلمان ہو گیا، اُمیہ بن خلف نے کہا کہ اگر تم نے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیعت کی تو میرا تمہیں دیکھنا حرام ہے۔ سو اُس نے کفر کیا اور مرتد ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا"۔ یعنی جب عقبہ اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا۔ الضحاک نے کہا: وہ کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا۔ پھر اُس پر گوشت چڑھ جائے گا اور پھر دوبارہ وہ اپنے ہاتھ کاٹے گا، پھر گوشت چڑھ جائے گا۔ محققین نے کہا: یہ لفظ اظہار حسرت کے لیے اور غم کے لیے ہے، اور وہ ہر لحظہ یہ کہے گا: "يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا"۔ یعنی میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہدایت کے راستہ کو اختیار کر لیتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا!O" (الفرقان: ۲۸)

"يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا": یعنی جب اُس کو اپنے برے انجام کا علم ہو جائے گا تو اس وقت کہے گا: کاش! میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا، یا اُس کے کہنے پر عمل نہ کیا ہوتا۔ یہاں پر وہ اُس دوست کے اسم کا ذکر نہیں کرے گا اور اُس سے مراد جنس ہے۔ پس اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کو اس نے گمراہ کرنے والوں میں سے اپنا دوست بنایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اُس نے میرے پاس قرآن آنے کے بعد مجھے اُس سے گمراہ کر دیا، اور شیطان انسان کو اس مصیبت کے وقت چھوڑنے والا تھا O'' (الفرقان:۲۹)

''لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ ؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا'': یعنی اُس نے مجھے قرآن مجید کے بتائے ہوئے راستہ سے اندھا کر دیا اور اُسے بھٹکا دیا، جب کہ میرے پاس قرآن مجید پر ایمان لانے سے کوئی مانع نہیں تھا۔

''وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا'': اور اُس نے اپنے دوست کی طرف اشارہ کیا اور اُس کو شیطان قرار دیا، کیونکہ اُس نے اُس کو اس طرح گمراہ کیا جس طرح شیطان گمراہ کرتا ہے۔ یا اس طرف اشارہ کیا کہ ہر وہ شخص جو گمراہی کا سبب ہو خواہ وہ سرکش جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے ہو، وہ انسان کے لیے ناکامی اور نامرادی کا باعث ہوتا ہے۔

اس آیت میں جو حکم بیان فرمایا ہے، وہ اُن ہر دو دوستوں اور محبت کرنے والوں کے حق میں عام ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر جمع ہو جائیں۔

نیک لوگوں کو دوست بنانے کے متعلق احادیث

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک ہمنشیں اور بُرے ہمنشیں کی مثال ایسے ہے جیسا کہ مشک اٹھانے والا ہو اور بھٹی کو دھونکنے والا ہو۔ مشک والا یا تو تمہیں بہ طور تحفہ مشک دے گا یا تم اس سے مشک خرید سکو گے یا تم اس سے عمدہ خوشبو حاصل کرو گے، اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلائے گا یا تم کو اس سے ناگوار بدبو آئے گی۔

(صحیح البخاری:۲۱۰۱، ۵۵۳۴، صحیح مسلم:۲۶۲۸، سنن ابوداؤد:۴۸۲۹، مسند احمد:۱۹۱۲۷)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، پس تم میں سے ہر شخص غور کرے کہ وہ کس کو دوست بنا رہا ہے۔ (سنن ترمذی:۲۳۸۵، سنن ابوداؤد:۴۸۳۳، مسند احمد:۸۰۳۳)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم مومن کے سوا کسی کو اپنا ساتھی نہ بناؤ اور متقی کے سوا کوئی تمہارا کھانا نہ کھائے۔ (سنن ترمذی:۲۴۰۳، سنن ابوداؤد:۴۸۳۲، مسند احمد:۱۱۳۳۶)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور رسول نے عرض کیا: اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو متروک قرار دیا O'' (الفرقان:۳۰)

''وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا'': اس آیت میں لفظ ''یا'' ذکر فرمایا ہے جو بُعد کے لیے آتا ہے۔ اس میں انکسار ہے اور عاجزی میں مبالغہ ہے کہ بے شک قریش جن کے پاس قوت اور طاقت تھی، انہوں نے اس قرآن کو جو اس کا مستحق تھا کہ اس پر سب متفق ہوتے، انہوں نے اس کو متروک قرار دیا اور اس پر ایمان نہیں لائے اور اس کو قبول نہیں کیا، اور اس کو سننے سے اعراض کر رہے ہیں۔

اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ اور ابومسلم نے کہا: بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ آخرت میں اس طرح فرمائیں گے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا۔۔

(النساء: ۴۱) "(پس اس وقت کیسا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لے کر آئیں گے اور (اے رسول اکرم!) ہم آپ کو اُن سب پر گواہ بنا کر لائیں گے)۔ اور پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے مجرموں سے دشمن بنائے، اور آپ کے رب ہدایت دینے کے لیے اور مدد فرمانے کے لیے کافی ہیں O" (الفرقان: ۳۱)

"وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّ نَصِیْرًا": یعنی جس طرح ہم نے مشرکین میں سے آپ کے دشمن بنائے ہیں، اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے ہر نبی کے لیے دشمن بنائے تاکہ اُن نبیوں کے درجات بلند ہوں۔

اس آیت میں نبی ﷺ کو تسلی فرمائی ہے، گویا کہ یوں فرمایا: آپ اس طرح اُن کی ایذاؤں پر صبر کریں جس طرح پہلے نبیوں نے اپنے مخالفوں کی ایذاؤں پر صبر کیا تھا۔ اور آپ کے لیے آپ کے رب کافی ہیں، جو آپ کو ہدایت عطا فرماتے ہیں، اور آپ کی مدد فرماتے ہیں۔

اس آیت سے اہل سنت نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر اور شر کے خالق ہیں، کیونکہ اللہ عزوجل نے جو فرمایا ہے: "جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا" یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ عداوت اللہ تعالیٰ کے پیدا فرمانے سے واقع ہوئی اور نبی سے عداوت رکھنا کفر ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا"۔ یہ اس طرح ہے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے کہا تھا: "قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۙ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا"۔ (نوح: ۵۔۶) (نوح نے) عرض کیا: اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو رات دن بلایا ہے O تو میرے بلانے نے ان کے بھاگنے میں ہی اضافہ کیا)۔ پس جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کے اس قول سے مقصود یہ تھا کہ اُن کی قوم پر عذاب نازل فرمایا جائے، تو اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے بھی یہی مراد ہوگا کہ آپ کی قوم پر عذاب نازل فرمایا جائے۔ پس یہ قول اس شخص کے لیے لائق ہوگا جس کی اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ صفت بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے: "وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ"۔ (الانبیاء: ۱۰۷)"۔ (اور (اے رسول اکرم!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے صرف رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے)۔

اس کا یہ جواب ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کو ذکر کیا اور اپنی قوم کے خلاف دعا کی اور نبی ﷺ نے جب اس کو ذکر کیا تو اپنی قوم کے خلاف دعا نہیں کی، بلکہ آپ منتظر رہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا" تو گویا اس آیت میں نبی ﷺ کو دشمنوں کی ایذاؤں پر صبر کرنے کا حکم فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور کفار نے کہا: ان کے اوپر پورا قرآن یکبارگی کیوں نہیں نازل کیا گیا، ہم نے اس کو اس لیے تدریجاً نازل فرمایا تا کہ ہم اس کے ذریعے آپ کے دل کو مضبوط رکھیں اور اسی لیے ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا O" (الفرقان: ۳۲)

قرآن مجید کو تدریجاً نازل فرمانے کی حکمتیں

"وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚۛ كَذٰلِكَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا":

یہ بھی کفار اور مشرکین کا رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں شبہ تھا جو انہوں نے محض عداوت اور حسد سے پیش کیا، کیونکہ اُن کی عقلیں اس بات کی گواہی دیتی تھیں کہ یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، کیونکہ یہ معجز کلام ہے، تو انہوں نے کہا: آپ پر یہ قرآن مجید یکبارگی کیوں نہیں پیش کیا گیا؟ جیسا کہ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر اول سے آخر تک یکبارگی نازل کی گئی، تا کہ یہ واضح ہو جاتا کہ یہ قرآن مجید بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کے متعلق ہمارا جو وہم ہے وہ دور ہو جاتا۔ لیکن اُن کا یہ اعتراض بہت ضعیف ہے، کیونکہ قرآن مجید معجز کلام ہے اور اس کے اعجاز میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ پورا قرآن مکمل نازل فرمایا جائے یا تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا جائے، اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے: "كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا"۔ یعنی ہم نے قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیے نازل فرمایا ہے تا کہ آپ اپنے دل میں اس کو آسانی کے ساتھ یاد کر سکیں اور حفظ کر سکیں، کیونکہ جو کلام تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا جائے اُس کا حفظ کرنا اُس سے زیادہ آسان ہے جس کو اکٹھا نازل فرما دیا جائے۔ اور اگر قرآن مجید یکبارگی اکٹھا نازل فرمایا جاتا تو اس کو حفظ کرنا دشوار ہوتا۔ اور رسول اللہ ﷺ کا حال حضرت داؤد، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے مختلف تھا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اُمّی تھے، نہ نزول قرآن سے پہلے پڑھتے تھے اور نہ لکھتے تھے۔ اور وہ انبیاء علیہم السلام پڑھنے والے اور لکھنے والے تھے، پس اُن کے لیے اپنی کتاب کو یاد رکھنا اور محفوظ رکھنا آسان تھا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے تئیس (۲۳) سال میں نازل فرمایا۔ نیز قرآن مجید کو پیش آمدہ حوادث کے مطابق نازل فرمایا اور سوال کرنے والوں کے جوابات میں نازل فرمایا، اور اس لیے کہ قرآن مجید کی بعض آیات منسوخ ہیں اور بعض آیات ناسخ ہیں، اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا کہ جب قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا جائے۔

نیز اُن کا فساد اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی ایک قسط اور مثال کی نظیر لانے سے بھی عاجز رہے، حالانکہ اُن کو قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی سورت کی نظیر لانے کا بھی چیلنج کیا گیا تھا۔

"وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا": اور ترتیل کا معنی ہے: بیان کرنا۔ السدی نے کہا: یعنی ہم نے اُس کو تفصیل کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ مجاہد نے کہا: بعض آیتیں دوسری آیتوں کے بعد نازل فرمائی ہیں۔ حسن بصری نے کہا: ایک آیت کو دوسری آیت کے بعد نازل فرمایا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ ہم نے آپ کو ترتیل کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور اسی کے موافق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کی قراءت کی صفت بیان کرتی ہیں کہ اگر سننے والا آپ کی قراءت کے حروف گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور یہ کفار آپ کے پاس جو بھی اعتراض کریں گے ہم اُس کا حق کے ساتھ جواب اور بہترین تفسیر لے آئیں گے ○" (الفرقان: ۳۳)

"وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا": یعنی اے رسول اکرم! یہ مشرکین آپ کے پیغام کو رد کرنے کے لیے کوئی قوی اعتراض نہیں لا سکتے تھے۔ اور جب بھی وہ کوئی اعتراض کریں گے تو ہم اُس کے جواب میں ایسی آیات نازل فرمائیں گے جس سے ان کا کیا ہوا اعتراض باطل ہو جائے گا۔ پس مشرکین کے کیے ہوئے شبہات کو "مَثَل" کے لفظ سے تعبیر

فرمایا۔ اور اُن کے اعتراض کے جواب کو ''حق'' کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ ''وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا'': یعنی ان کے اعتراض کے جواب میں عمدہ بیان فرمایا، وہ جو اعتراض کرتے تھے کہ آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں ہے جو آپ کے ساتھ مل کر اللہ کے عذاب سے ڈراتا، یا اعتراض کرتے تھے کہ آپ پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، یا آپ کے لیے کوئی باغ ہوتا، یا یہ اعتراض کرتے کہ آپ کے لیے پورا قرآن یکبارگی نازل کیوں نہیں کیا گیا؟ تو وہ جب بھی اعتراض کرتے ہیں تو ہم اُس کے جواب میں بیان فرماتے ہیں کہ ہماری حکمت اور ہماری مشیت اسی طرح تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے مونہوں کے بل جہنم کی طرف گھسیٹ کر لایا جائے گا، ان لوگوں کا بہت برا ٹھکانا ہے اور یہ لوگ صحیح راستے سے بہت دور جا چکے ہیں O'' (الفرقان: ۳۴)

کافروں کو مونہہ کے بل چلانے کی توجیہ

''اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اِلٰی جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِیْلًا'': اس آیت میں فرمایا ہے کہ کافر کو مونہہ کے بل اُلٹا چلاتے ہوئے جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا، کیونکہ جس طرح انہوں نے دنیا میں انصاف کی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور آخرت دنیا کا آئینہ ہے اور دنیا آخرت کی کھیتی ہے، پس جیسا دنیا میں کوئی شخص عمل کرے گا آخرت میں اُس کا ویسا ہی پھل اُس کو دیا جائے گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرد نے کہا: یا نبی اللہ! کافر کا منہ کے بل کس طرح حشر فرمایا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: کیا جنہوں نے انسان کو دنیا میں دو ٹانگوں پر چلایا ہے وہ اس پر قادر نہیں ہیں کہ قیامت کے دن اس کو منہ کے بل چلائیں؟ قتادہ نے کہا: کیوں نہیں ہمارے رب کی عزت کی قسم۔ (صحیح البخاری: ۴۷۶۰، ۶۵۲۳، صحیح مسلم: ۲۸۰۶، مسند احمد: ۱۳۹۷۹)

کافروں کا مونہہ کے بل حشر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ کافروں کو اس بات کی سزا دی جائے گی کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ نہیں کرتے تھے، لہٰذا ان کی ذلت کو ظاہر کرنے کے لیے قیامت کے دن ان کو مونہہ کے بل گھسیٹا جائے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کفار کے متعلق فرمایا: ''اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِیْلًا''۔ ان کی بدترین جگہ جہنم ہے اور یہ دوسروں کی بہ نسبت صحیح راستے سے زیادہ گمراہ ہیں۔ (السراج المنیر ج ۳ ص ۳۵۲۔ ۳۶۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا ﴿۳۵﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو الکتاب عطا فرمائی اور ہم نے اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون کو وزیر بنا دیا O

فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا ﴿۳۶﴾

پس ہم نے اُن سے کہا: آپ دونوں اُن لوگوں کے پاس جائیں جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہے، (اور جب وہ لوگ اپنی تکذیب پر ڈٹے رہے) تو ہم نے اُن کو تباہ و برباد فرما دیا O

وَ قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَ جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰیَةً ؕ وَ اَعْتَدْنَا

لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣٧﴾

اور نوح کی قوم کا ذکر کیجئے جب اُن کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے اُن سب کو غرق کر دیا اور ہم نے اُن کو لوگوں کے لیے عبرت کی نشانی بنا دیا، اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے O

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاْ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾

اور ہم نے قوم عاد، ثمود، کنویں والوں اور اُن کے درمیان بہت سی قوموں کو ہلاک فرما دیا O

وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿٣٩﴾

اور ہم نے ہر ایک کو سمجھانے کے لیے مثالیں بیان فرمائیں، (لیکن جب وہ نہ مانے) تو ہم نے سب کو تباہ و برباد فرما دیا O

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿٤٠﴾

اور بے شک (یہ مشرکین) اس بستی (سدوم) کے پاس سے کئی بار گزر چکے ہیں جس بستی پر پتھروں کی بدترین بارش کی گئی تھی، کیا وہ اس بستی کو نہیں دیکھتے تھے، بلکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی امید نہیں رکھتے تھے O

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿٤١﴾

اور (اے رسول اکرم!) جب یہ مشرکین آپ کو دیکھتے ہیں تو صرف آپ کا مذاق اڑاتے ہیں، (اور کہتے ہیں:) کیا یہی وہ شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے! O

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٤٢﴾

(اور کہتے ہیں:) اگر ہم اپنے معبودوں پر سختی سے ڈٹے نہ رہتے تو قریب تھا کہ یہ ہم کو اپنے معبودوں سے گمراہ کر دیتے، (اللہ فرماتے ہیں:) عنقریب جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو جان لیں گے کہ کون صحیح راستے سے بھٹکا ہوا تھا؟ O

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿٤٣﴾

ذرا یہ بتائیں کہ جس شخص نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے، کیا آپ اس شخص کو ہدایت دینے کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟ O

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ

اَضَلُّ سَبِیْلًا ۴۴

کیا آپ کا یہ گمان ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں، (نہیں!) وہ تو صرف مویشیوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ صحیح راستے سے بھٹکے ہوئے ہیںO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم نے موسیٰ کو الکتاب عطا فرمائی اور ہم نے اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون کو وزیر بنادیاO'' (الفرقان: ۳۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، الفرقان: ۳۵ تا ۴۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس سے پہلے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا تھا: ''وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ـ(الفرقان:۳۱)'' (اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے مجرموں سے دشمن بنائے)، تو اس کے بعد اُن انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا جن کی اُن کی قوموں نے تکذیب کی تھی، پس فرمایا: ''وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا''۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم! آپ وہ پہلے رسول نہیں ہیں جس کی تکذیب کی گئی ہو اور جس کو ہم نے معجزات عطا فرمائے ہوں، اور اس کے باوجود قوم نے اس کو مسترد کر دیا ہو۔ پس بے شک ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی اور اُن کے بھائی ہارون سے اُن کے بازو کو قوت عطا فرمائی، اس کے باوجود اُن کی قوم نے اُن کو رد کر دیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے وزیر ہونے کا معنی

حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نبوت میں شریک تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ـ(طٰہٰ:۴۳)'' (آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں، کیونکہ وہ حد سے بڑھ چکا ہے)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں سے خطاب فرمایا ہے کہ وہ فرعون کے پاس جا کر اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام سنائیں کیونکہ وہ سرکش ہو چکا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبوت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شریک تھے اور اُن کے وزیر یعنی اُن کے مددگار تھے۔

الزجاج نے کہا ہے: لغت میں وزیر اُس کو کہتے ہیں جس کی طرف کسی مسئلہ میں رجوع کیا جاتا ہے اور اُس کی رائے سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ قاضی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کی یہ صفت نہیں کی جاتی کہ اُن کا کوئی وزیر ہے اور نہ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ کسی کے وزیر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کی رائے اور اُس کے مشورے سے فائدہ اٹھائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس ہم نے اُن سے کہا: آپ دونوں اُن لوگوں کے پاس جائیں جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہے، (اور جب وہ لوگ اپنی تکذیب پر ڈٹے رہے) تو ہم نے اُن کو تباہ و برباد کر دیاO'' (الفرقان:۳۶)

ایک سوال کا جواب

"فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا": اس آیت میں فرمایا ہے: "فَدَمَّرْنَاهُمْ" اور "فا" تعقیب کے لیے آتی ہے، اور قوم فرعون کو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے اُن کی طرف بھیجنے کے فوراً بعد نہیں ہلاک فرمایا گیا تھا بلکہ ایک مدت گزرنے کے بعد ہلاک فرمایا گیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کا اختصار سے ذکر فرمایا ہے، پس اس قصہ کی دو طرفیں بیان فرمائیں، پہلی طرف یہ تھی کہ جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا۔ اور اس کی دوسری طرف یہ تھی کہ جب وہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہلاک فرمادیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور نوح کی قوم کا ذکر کیجئے جب اُن کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے اُن سب کو غرق فرمادیا اور ہم نے اُن کو لوگوں کے لیے عبرت کی نشانی بنادیا، اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار فرمارکھا ہے O" (الفرقان: ۳۷)

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

"وَقَوْمَ نُوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا":

اس آیت میں فرمایا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی، حالانکہ انہوں نے صرف حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی، تو یہ کیسے فرمایا کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی؟

اس کا جواب یہ ہے ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب کو مستلزم ہے، کیونکہ ہر رسول نے ایک ہی پیغام سنایا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا اور اُن کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ تو جب انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تو وہ اس کو مستلزم ہے کہ انہوں نے تمام رسولوں کی تکذیب کی۔

"أَغْرَقْنَاهُمْ": الکلبی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے چالیس دن تک اُن پر مسلسل بارش نازل فرمائی اور ان دنوں میں زمین سے اُس کا پانی بھی نکال دیا، پس تمام زمین ایک سمندر کی طرح ہوگئی اور ہم نے اُن سب کو غرق فرمادیا۔

"وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا": یعنی ہر وہ لوگ جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی طرح رسولوں کی تکذیب کریں اُن پر ہم اسی طرح دردناک عذاب بھیجتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے قوم عاد، ثمود، کنویں والوں اور اُن کے درمیان بہت سی قوموں کو ہلاک فرمادیا O" (الفرقان: ۳۸)

"وَعَادًا وَثَمُودَ وَأَصْحَابَ الرَّسِّ": عاد کا عطف "ھُم" ضمیر پر ہے جو "وَجَعَلْنَاهُمْ" میں ہے، یا "الظّالمین" پر ہے۔ اور اس کا معنیٰ ہے: ہم نے ظالمین پر وعید سنائی ہے۔ "وَثَمُودَ": یہ قبیلہ کی تاویل میں ہے، کیونکہ ثمود اُن کے قبیلہ کے بڑے آدمی کا نام تھا۔

"وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ" کے مصداق کے متعلق اقوال

"وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ": امام ابوعبیدہ نے کہا: "الرَّسّ" اُس کنویں کو کہتے ہیں جس کے گرد منڈیر نہ ہو۔ ابومسلم نے کہا: شہراں میں ایک جگہ ہے جس کو "الرَّسّ" کہا جاتا ہے، پس ہوسکتا ہے کہ اُس وادی میں لوگ رہتے ہوں۔ اور عرب کے نزدیک "الرَّسّ" کا معنی ہے: دفن، اور کھودنے کو بھی "الرَّسّ" کہا جاتا ہے، جب کوئی شخص دفن کر دیا جائے تو کہا جاتا ہے "رَسَّ المَیِّتُ وَغُیِّبَ فِی الحُفرَةِ"۔ اور تفسیر میں مذکور ہے کہ اس سے مراد کنواں ہے، اور یہ جو بھی ہو، اللہ عزوجل نے خبر دی ہے کہ اھل الرس کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک فرمادیا۔

مفسرین نے "اَصْحٰبَ الرَّسِّ" کے متعلق کئی وجوہ ذکر کی ہیں:

(١) یہ بت پرستوں کی ایک قوم تھی جن کے کنویں تھے اور مویشی تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، انہوں نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے بہت زیادہ سرکشی کی اور حضرت شعیب علیہ السلام کو ایذاء پہنچائی۔ پس جس وقت وہ لوگ کنویں کے گرد تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُن کے مکانوں سمیت دھنسا دیا۔

(٢) "الرَّسّ" نام کی ایک بستی تھی جو یمامہ کے قریب تھی، انہوں نے اپنے نبی کو قتل کر دیا تھا، سواُن سب کو ہلاک فرمادیا گیا۔ اور وہی لوگ ثمود کے بقیہ تھے۔

(٣) یہ لوگ حضرت حنظلہ بن صفوان نبی علیہ السلام کے اصحاب تھے اور ان کو العنقاء کے ساتھ مبتلا کیا گیا۔ العنقاء ایک بہت بڑا پرندہ تھا جس کی گردن بہت لمبی تھی، وہ اُن کے ایک پہاڑ میں رہتا تھا، وہ اُن کے پرندوں کو جھپٹ کر لے جاتا تھا۔ حضرت حنظلہ نے اُس کے خلاف دعا کی تو بجلی کی ایک کڑک نے اس کو ہلاک کر دیا، سواُن لوگوں نے حضرت حنظلہ کو قتل کر دیا، پس اُن سب کو ہلاک فرمادیا گیا۔

ابومسلم نے کہا: اس قسم کی متعدد روایات ہیں جن کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے اور نہ کسی قوی سند کے ساتھ حدیث میں اُن کا ذکر ہے، بہرحال وہ جو بھی ہوں اللہ عزوجل نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو اُن کے کفر کی وجہ سے ہلاک فرمادیا۔

"وَ قُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا": النخعی نے کہا: چالیس سال کے عرصہ کو "القرن" کہا جاتا ہے۔ اور حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ ستر (٧٠) سال کے عرصہ کو القرن کہا جاتا ہے۔ اور ایک قول ہے کہ ایک سو بیس سال کے عرصہ کو القرن کہا جاتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے ہر ایک کو سمجھانے کے لیے مثالیں بیان فرمائیں، (لیکن جب وہ نہ مانے) تو ہم نے سب کو تباہ و برباد فرمادیا ۝" (الفرقان: ٣٩)

"وَ كُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَ كُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا": اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے درمیان جو قومیں تھیں، ہم نے کفر و شرک کے متعلق اُن کے شکوک و شبہات کو زائل فرمادیا، پھر بھی جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی تو ہم نے اُن کو ہلاک فرما دیا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کے متعلق جو شبہات وارد کیے، ہم نے اُن کا جواب دیا، جس طرح اے محمد صلی اللہ علیک وسلم! آپ کی قوم شکوک اور شبہات پیش کرتی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو ڈرایا کہ اگر وہ بھی آپ کی تکذیب پر اسی طرح قائم رہے تو اللہ تعالیٰ اُن پر بھی ایسا ہی عذاب نازل فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک (یہ مشرکین) اُس بستی (سدوم) کے پاس سے کئی بار گزر چکے ہیں جس بستی پر پتھروں کی بدترین بارش فرمائی گئی تھی، کیا وہ اس بستی کو نہیں دیکھتے تھے، بلکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے کی امید نہیں رکھتے تھے O'' (الفرقان: ۴۰)

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ

''وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا'':

اس آیت میں ''اَلْقَرْيَةِ'' کا ذکر ہے، اس سے مراد سدوم ہے، یہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں میں سے ایک بستی تھی۔ یہ پانچ بستیاں تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک فرمادیا، چار بستیوں کو اُن کے باشندوں سمیت ہلاک فرمادیا اور ایک باقی رہ گئی تو اُس کے اوپر پتھر برسا کر ہلاک فرمادیا۔ یعنی قریش نے اپنی تجارت کے سلسلے میں شام کی طرف متعدد سفر کیے اور اُس بستی کے پاس سے گزرے جس کو آسمان سے پتھر برسا کر ہلاک فرمادیا گیا تھا۔ کیا انہوں نے گزرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے آثار اور عبرت کی نشانیوں کو نہیں دیکھا؟، بلکہ یہ ایسی قوم تھی جو کافر تھی اور مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے کی امید نہیں رکھتی تھی۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ حشر نشر کی توقع نہیں رکھتی تھی۔ اور اس کا ایک معنی ہے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے سے ڈرتی نہیں تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) جب یہ مشرکین آپ کو دیکھتے ہیں تو صرف آپ کا مذاق اڑاتے ہیں، (اور کہتے ہیں:) کیا یہی وہ شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے!O'' (الفرقان: ۴۱)

''وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا'': یعنی یہ لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ مشرکین جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں تو دو قسم کے کام کرتے ہیں، ایک تو یہ کہ آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور مذاق اڑانے کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا ہے اور یہ ان کی سخت جہالت ہے، کیونکہ استہزاء یا تو آپ کی صورت کی وجہ سے ہوگا یا آپ کی صفت کی وجہ سے ہوگا، اگر وہ آپ کی صورت دیکھ کر آپ کا مذاق اڑاتے ہوں تو یہ صراحتاً باطل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سب سے زیادہ حسین خلقت میں مبعوث فرمائے گئے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صورت کی وجہ سے اُن کو دعوت نہیں دیتے تھے بلکہ دلیل اور حجت کی وجہ سے اُن کو دعوت دیتے تھے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رسول ہونے پر معجزہ سے دلیل پیش فرمائی تھی اور وہ اس معجزہ میں کوئی طعن اور عیب نہیں نکال سکے تو حقیقت میں وہ خود اس لائق تھے کہ اُن کا استہزاء کیا جاتا، پھر اُن لوگوں نے اپنی بے شرمی کی وجہ سے معاملہ الٹ کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استہزاء کیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اور کہتے ہیں:) اگر ہم اپنے معبودوں پر سختی سے ڈٹے نہ رہتے تو قریب تھا کہ یہ ہم کو اپنے معبودوں سے گمراہ کردیتے، (اللہ فرماتے ہیں:) عنقریب جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو جان لیں

گے کہ کون صحیح راستے سے بھٹکا ہوا تھا؟O" (الفرقان: ۴۲)

مشرکین کا اپنے باپ دادا کی تقلید کی وجہ سے کفر پر ڈٹے رہنا

دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے تھے: "اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا": رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ کو انہوں نے اضلال اور گمراہ کرنا قرار دیا، کیونکہ وہ لوگ اپنے خود ساختہ باطل معبودوں کی تعظیم میں بہت مبالغہ کرتے تھے اور وہ یہ اعتقاد کرتے تھے کہ یہی حق ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو کفر اور گمراہی کی طرف منسوب فرمایا۔ اُن کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو پوری پوری کوشش کرتے تھے کہ ان کو بت پرستی سے ہٹا دیں تو اس کا رد کرنے کے لیے انہوں نے کہا کہ اگر ہم اپنے معبودوں کی عبادت پر سختی سے جمے نہ رہتے تو یہ ہمیں اُن کی پرستش سے دور کر دیتے۔

اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے دلائل پر کوئی اعتراض نہیں کر سکے اور محض اپنے باپ دادا کی تقلید کی وجہ سے بت پرستی کے انکار پر ڈٹے رہے۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دلائل کے ظہور کے مقابلے میں وہ مجنونوں اور دیوانوں کی طرح تھے، کیونکہ پہلے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑایا، پھر یہ کہا کہ اگر ہم اپنے انکار اور اصرار پر قائم نہ رہتے تو یہ ہم کو ہمارے خود ساختہ بتوں کی عبادت سے منحرف کر دیں گے اور کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن لوگوں نے نبی ﷺ کے دلائل کی قوت کو تسلیم کر لیا تھا اور جاہل اور عاجز کی طرح آپ کا مذاق اڑایا۔

"وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا": پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کا تین وجہ سے رد فرمایا۔ ایک یہ کہ عنقریب یہ جان لیں گے، جب عذاب کو دیکھیں گے تو انہیں پتا چل جائے گا کہ کون زیادہ گمراہ ہے، کیونکہ انہوں نے نبی ﷺ کی تبلیغ کو الاضلال یعنی گمراہ کرنا قرار دیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عنقریب ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ کون گمراہ کرنے والا ہے جب یہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس سے کوئی مفر نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ذرا یہ بتائیں کہ جس شخص نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے، کیا آپ اُس شخص کو ہدایت دینے کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟O" (الفرقان: ۴۳)

اپنے نفس کو معبود بنانے کے متعلق اقوال

اور دوسری وجہ یہ ہے جو اس آیت میں مذکور ہے: "اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا": اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے یہ بیان فرمایا کہ ان لوگوں کی جہالت اور دلائل سے اعراض کرنا ان کے آباء و اجداد کی تقلید کی وجہ سے ہے اور انہوں نے اپنی خواہشوں کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔

"اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ" کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نفسوں کے لیے صرف اپنی خواہشوں کو معبود بنایا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الھواء وہ معبود ہے جس کی عبادت کی جائے۔ اور سعید بن جبیر نے کہا کہ مشرکین میں سے کوئی مرد جو بتوں کی عبادت کرتا تھا، جب وہ اس سے کوئی زیادہ خوبصورت بت دیکھتا تو اس بت کو پھینک دیتا اور دوسرے بت کی پرستش کرنا شروع کر دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا'' یعنی کیا آپ ان کے محافظ ہیں جو ان کو خواہش کی پرستش کرنے سے منع کریں گے، حالانکہ آپ اس طرح نہیں ہیں۔ اس آیت کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ'' (الغاشیہ: ۲۲) (آپ ان پر مسلط نہیں ہیں)، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ'' (ق: ۴۵) (اے رسولِ اکرم! کفار جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم اُسے خوب جانتے ہیں اور آپ انہیں مجبور کرنے کے پابند نہیں، آپ اس شخص کو قرآن کے ذریعے نصیحت کرتے رہیں جو میری وعید سے ڈرتا ہو)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا آپ کا یہ گمان ہے کہ اِن میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں، (نہیں!) وہ تو صرف مویشیوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ صحیح راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں O'' (الفرقان: ۴۴)

''اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ'': یہاں پر ''اَمْ'' منقطعہ ہے اور اس کا معنی ہے: بلکہ آپ یہ گمان کرتے ہیں۔ اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ مذمت پہلی مذمت سے زیادہ بڑی ہے، کیونکہ اس مذمت کا معنی یہ ہے کہ ان سے سماعت اور تعقل کو سلب فرمالیا گیا ہے، کیونکہ وہ اپنے عناد کی شدت کی وجہ سے کلام کو سنتے نہیں ہیں، اور جب سُن لیں تو اس پر غور و فکر نہیں کرتے، گویا کہ اُن کی عقل بھی نہیں ہے اور اُن کی سماعت بھی نہیں ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ ''ان میں سے اکثر ایسے ہیں'' یعنی سب ایسے نہیں ہیں، کیونکہ اُن میں سے بعض وہ تھے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے تھے اور حق کو سمجھتے تھے، مگر انہوں نے محض ریاست کی محبت کی وجہ سے اسلام لانے کو ترک کیا نہ کہ جہالت کی وجہ سے۔

کافروں کے مویشیوں سے زیادہ گمراہ ہونے کی توجیہ

''اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا'': وہ تو صرف مویشیوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ صحیح راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

ایک سوال یہ ہے کہ ان کو مویشیوں سے زیادہ گمراہ قرار دیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مویشی اور چوپائے اپنے مالکوں کی اطاعت کرتے ہیں اور جو اُن کو چارا کھلاتا ہے اور اُن کی حفاظت کرتا ہے، اُس کو پہچانتے ہیں، اور اپنے نفع کی چیزوں کو طلب کرتے ہیں اور ضرر کی چیزوں سے اجتناب کرتے ہیں، اور یہ مشرکین اپنے رب کی اطاعت نہیں کرتے تھے، اور اللہ عزوجل نے جو ان پر احسان فرمایا ہے اور اُن کے دشمن شیطان نے جو اُن کو بہکایا ہے اس میں فرق نہیں کرتے تھے اور ثواب کو طلب نہیں کرتے تھے جو سب سے بڑا نفع ہے، اور اللہ کے عذاب سے احتراز نہیں کرتے تھے جو سب سے بڑا نقصان ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مویشیوں اور حیوانات کا علم نہ ہونا کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا۔ اور ان مشرکین کی جہالت ضررِ عظیم کا منشاء ہے، کیونکہ یہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں اور گمراہی کو طلب کرتے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ مویشی اور حیوانات اپنے علم نہ ہونے کی وجہ سے عذاب کے مستحق نہیں ہوں گے، اور یہ لوگ عظیم عذاب کے مستحق ہوں گے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ

شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ۔ (بنی اسرائیل: ۴۴)" (ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں، اور ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ ان کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو، بے شک وہ بہت بردبار، بہت بخشنے والے ہیں)۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مویشی اور حیوانات بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتے ہیں، اور یہ مشرکین اُن سے بدتر ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح نہیں کرتے، تو کفار کی گمراہی ان مویشیوں کی گمراہی سے زیادہ بڑی ہے۔

اللہ سبحانہٗ نے ان مشرکین سے سماعت اور عقل کی نفی فرمادی، تو یہ سنتے اور سمجھتے نہیں ہیں اور جب وہ سنتے اور سمجھتے نہیں ہیں تو پھر اُن کی دین سے اعراض کرنے پر مذمت کیوں فرمائی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مراد نہیں ہے کہ اُن میں بالکل عقل نہیں ہے، اُن کو عقل عطا فرمائی ہے لیکن وہ اپنی عقل سے کام نہیں لیتے، جیسے کسی شخص کو کہا جاتا ہے جب وہ کوئی بات نہ سمجھے: تم تو اندھے اور بہرے ہو۔

(التفسیر الکبیر ج ۸ ص ۴۵۸۔ ۴۶۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ﴿۴۵﴾

(اے رسول اکرم!) کیا آپ نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ انہوں نے کس طرح سائے کو پھیلا دیا، اور اگر وہ چاہتے تو وہ اس سائے کو ٹھہرا دیتے، پھر ہم نے سورج کو اس سائے پر دلیل بنایا O

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا ﴿۴۶﴾

پھر ہم نے آہستہ آہستہ اس سائے کو اپنی طرف سمیٹ لیا O

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾

اور وہی اللہ ہیں جنہوں نے تمہارے لیے رات کو لباس اور نیند کو راحت بنایا اور دن کو کام کاج کے لیے اٹھنے کا وقت بنایا O

وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾

اور اللہ وہی ہیں جنہوں نے بارش برسانے کی خوش خبری دینے والی ہوائیں بھیجیں، اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی نازل فرمایا O

لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّ نُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿۴۹﴾

تاکہ ہم اس پانی سے مُردہ زمین کو زندہ فرمائیں اور اس سے اپنے پیدا فرمائے ہوئے مویشیوں اور بہت سے انسانوں کو پانی پلائیں O

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ٘ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

اور ہم نے بارش کو اُن کے درمیان اس طرح تقسیم فرمادیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، پس اکثر لوگوں نے سوا ناشکری کے اور کچھ نہیں کیا O

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ﴿۵۱﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک عذاب سے ڈرانے والا نبی بھیج دیتے O

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ﴿۵۲﴾

پس آپ کافروں کی موافقت نہ کریں اور قرآن کے ذریعے اُن سے زبردست جہاد کریں O

وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

اور اُنہوں نے ہی دو سمندروں کو ملا دیا، ایک سمندر میٹھا ہے بہت میٹھا اور دوسرا کھاری ہے بہت کڑوا، اور اُن کے درمیان ایک پردہ رکھا ہے اور مضبوط آڑ قائم فرمائی ہے O

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾

اور وہی ذات ہے جنہوں نے پانی کے قطرے سے بشر کو پیدا فرمایا، پھر اُس کو نسب اور سسرال والا بنادیا، اور آپ کے رب بہت بڑی قدرت والے ہیں O

وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَ لَا یَضُرُّهُمْ ؕ وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِیْرًا ﴿۵۵﴾

اور کفار اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتے ہیں جو نہ اُن کو نفع دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں، اور کافر اپنے رب کے مقابلہ میں ہر باغی کا مددگار ہے O

وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۵۶﴾

اور ہم نے آپ کو صرف ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے O

قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۵۷﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، ہاں جو چاہے وہ اپنے رب کے قرب کا راستہ اختیار کرلے O

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا ﴿٥٨﴾

اور آپ اُس ہمیشہ زندہ رہنے والے پر توکل کریں جسے کبھی موت نہیں آئے گی اور اُس کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے رہیں اور اس کا اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنا کافی ہے O

الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَٰنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا ﴿٥٩﴾

جنہوں نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر عرش پر اپنی شان کے مطابق جلوہ فرمایا، وہی رحمٰن ہیں، پس آپ اُن کے متعلق کسی خبر رکھنے والے سے معلوم کرلیں O

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَٰنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۩ ﴿٦٠﴾

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں: اور رحمٰن کیا چیز ہے؟ کیا ہم اُس کو سجدہ کریں جس کا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں، اور اس حکم نے اُن کے بدکنے میں اور اضافہ کیا O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ انہوں نے کس طرح سائے کو پھیلا دیا، اور اگر وہ چاہتے تو وہ اس سائے کو ٹھہرا دیتے، پھر ہم نے سورج کو اس سائے پر دلیل بنایا O" (الفرقان: ۴۵)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ، الفرقان: ۴۵ تا ۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ظل" اور "الفیء" کا فرق

"اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ": اس آیت میں فرمایا ہے کہ کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد علم اور جاننا ہو۔

حسن اور قتادہ وغیرہما نے کہا کہ "مَدَّ الظِّلَّ" یعنی سائے کو لمبا کرنا طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک ہوتا ہے۔ اور دوسرا قول ہے: وہ سورج کے غائب ہونے سے اُس کے طلوع ہونے تک ہوتا ہے اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ

اس وقت سے بڑھ کر کوئی اور وقت لوگوں کے لیے اچھا نہیں ہوتا۔ اس وقت میں بیمار راحت پاتا ہے اور مسافر اور ہر پریشان حال راحت پاتا ہے۔ اور اسی وقت میں روحیں جسموں کی طرف لوٹائی جاتی ہیں اور مغرب کے بعد یہ صفت نہیں ہوتی۔

اور ابو العالیہ نے کہا ہے: جنت میں دن کا وقت اسی طرح ہوتا ہے۔ اور اُس وقت کی طرف اشارہ کیا ہے جس وقت میں نمازی فجر کی نماز پڑھتے ہیں۔ ابوعبیدہ نے کہا: ''ظِل'' صبح کے وقت کو کہا جاتا ہے اور ''اَلْفَیْء'' دوپہر کے بعد ہوتا ہے۔ اس وقت کے سائے کو ''اَلْفَیْء'' کہا جاتا ہے، کیونکہ اس وقت میں سایا مشرق سے مغرب کی طرف لوٹتا ہے۔ اور ابوعبیدہ نے کہا ہے: ہر وہ چیز جس پر سورج ہو اور پھر وہ اُس سے زائل ہو جائے تو وہ فَیْء اور ظل ہے اور جس چیز پر سورج نہ ہو وہ ''ظِل'' ہے۔

''وَلَوْشَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا'': یعنی اگر اللہ چاہیں تو سائے کو دائمی بنا دیں، سورج اُس کو نہ مٹا سکے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو سورج کو طلوع ہونے سے روک دیں۔ ''ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا'': یعنی ہم نے سورج سے سائے کو مٹا دیا ہے، کیونکہ چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں، اگر سورج نہ ہوتا تو سایا نہ پہچانا جاتا، اور اگر نور نہ ہوتا تو ظلمت نہ پہچانی جاتی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ہم نے آہستہ آہستہ اس سائے کو اپنی طرف سمیٹ لیا O'' (الفرقان: ٤٦)

''ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا'': یعنی ہم اُس پھیلے ہوئے سائے کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں، اور ہمارے رب کا ہر کام آسان ہے۔ پس سایا اس فضا میں طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک ہے، پس جب آفتاب طلوع ہو جاتا ہے تو سایا سمیٹ لیا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد اس فضا میں سورج کی شعاعیں آ جاتی ہیں جو زمین کی ہر چیز کو غروبِ آفتاب تک روشن کر دیتی ہیں، پس جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو نہ وہاں سایا ہوتا ہے، وہاں پر صرف دن کی بقیہ روشنی ہوتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہی اللہ ہیں جنہوں نے تمہارے لیے رات کو لباس اور نیند کو راحت بنایا اور دن کو کام کاج کے لیے اٹھنے کا وقت بنایا O'' (الفرقان: ٤٧)

''وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا'': اس آیت میں چار مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا''۔ یعنی رات کو مخلوق کے لیے پردہ بنایا جو بدن کو چھپانے میں پردہ کے قائم مقام ہے۔ علامہ الطبری نے کہا ہے: رات کی صفت لباس فرمائی ہے اور اس میں تشبیہ ہے کہ جیسے رات چیزوں کو چھپا لیتی ہے اور ڈھانپ لیتی ہے، اسی طرح لباس بدن کو چھپا لیتا ہے اور ڈھانپ لیتا ہے۔

دوسرا مسئلہ: علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ بعض غافلوں کا یہ گمان ہے کہ جو شخص اندھیرے میں برہنہ ہو کر نماز پڑھے تو یہ کافی ہے، کیونکہ رات اُس کے لیے لباس ہے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے برہنہ ہو کر نماز پڑھے تو پھر بھی جائز ہے۔ اور لباس سے اپنے آپ کو مستور کرنا ایسی عبادت ہے جو نماز کے ساتھ مخصوص ہے، اس وجہ سے نہیں کہ لوگوں کی نظر اُس پر نہ پڑے۔

سُبات کا معنی اور نیند کو سُبات فرمانے کی توجیہ

تیسرا مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا''۔ سُبات کے معنی ہیں راحت، یعنی جب تمہارے بدن زندگی کے کاموں سے

فارغ ہو جائیں گے تو اُن کو راحت ملے گی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ "السبت" کا معنی ہے القطع۔ یعنی کسی چیز کو منقطع کرنا، پس نیند انسان کو دوسرے کاموں سے منقطع کر دیتی ہے، اسی وجہ سے یہود ہفتہ کے دن کو "سبت" کہتے ہیں، کیونکہ اُس دن وہ کاموں سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ "السبت" کا معنی ہے: کسی جگہ اقامت کرنا، پس نیند اس وجہ کی سبات ہے کہ اس میں اضطراب اور حرکت سے سکون ہے۔ الخلیل نے کہا: "الشبات" گہری نیند کو کہتے ہیں، یعنی ہم نے تمہاری نیند کو گہرا بنا دیا، تاکہ تمہارے لیے راحت مکمل ہو جائے۔

چوتھا مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا"۔ یعنی دن کو کار معیشت کے لیے پھیلا دیا۔ یعنی دن زندگی کو جاری رکھنے کے لیے سبب بنا دیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر جاتے تو یہ دعا کرتے "باسمك اموت واحیا" میں آپ کے نام سے مرتا ہوں اور آپ کے نام سے زندہ ہوتا ہوں" اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا کرتے "الحمد لله الذی احیانا بعد ما اماتنا والیه النشور" "تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جنہوں نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ فرمایا اور انہی کی طرف جمع ہونا ہے۔ "ہم اس کو اٹھاتے ہیں اور اس کو نکالتے ہیں"۔

(صحیح بخاری: ۶۳۱۲، ۶۳۲۴، ۷۳۹۴، صحیح مسلم: ۲۷۱۱، سنن ترمذی: ۳۴۱۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۹، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۰، ۲۲۷۶۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اللہ وہی ہیں جنہوں نے بارش برسانے کی خوش خبری دینے والی ہوائیں بھیجیں، اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی نازل فرمایا ○" (الفرقان: ۴۸)

برسانے والی ہواؤں کو دیکھ کر دعاؤں کا ثبوت

"وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا":

ابن کثیر نے "الرِّیٰحَ" کی جگہ واحد کا صیغہ "ریح" ذکر کیا اور اس سے مراد جنس لیا اور باقی قراء نے اس کا جمع کے ساتھ ذکر کیا، کیونکہ یہ ہوائیں کبھی مشرق کی طرف سے چلتی ہیں، کبھی مغرب کی طرف سے چلتی ہیں اور کبھی شمال کی طرف سے اور کبھی جنوب کی طرف سے چلتی ہیں۔ اور جب ہوائیں چل رہی ہوں تو اُس وقت دعا کرنا سنت ہے، اور ہواؤں کو برا کہنا مکروہ ہے۔ اور ریح کا لفظ "رَوحِ اللہ" سے ماخوذ ہے۔ یہ ہوائیں کبھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کو لاتی ہیں اور کبھی عذاب کو لے کر آتی ہیں۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ الریح اللہ تعالیٰ کی رَوح سے ہے، سلمہ نے کہا: پس "رَوحِ اللہ" رحمت کے ساتھ کی جاتی ہے اور کبھی عذاب کو لاتی ہے۔ سو جب تم ان ہواؤں کو دیکھو تو ان کو برا نہ کہو اور اللہ تعالیٰ سے ان کی خیر کا سوال کرو اور اللہ تعالیٰ سے ان کے شر سے پناہ طلب کرو۔ (سنن ابوداؤد: ۵۰۹۷، مسند احمد: ۷۵۷۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب آپ بادل یا آندھی کو دیکھتے تو آپ کے چہرے پر خوف کے آثار دکھائی دیتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: یارسول اللہ! بے شک جب لوگ بادل کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ اس میں بارش ہوگی اور میں آپ کو

دیکھتی ہوں کہ جب آپ بادل کو دیکھتے ہیں تو آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! مجھے کون اس چیز سے بے خوف کرے گا کہ اس بادل میں عذاب (نہیں) ہوگا، قوم عاد کو آندھی کا عذاب دیا گیا تھا اور ایک قوم نے عذاب کو دیکھ کر کہا تھا: یہ ہم پر بارش لانے والا بادل ہے۔ (صحیح البخاری: ٣٢٠٦، ٣٨٢٩)

آندھی کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا بیان

آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار دکھائی دیتے ہیں: عطاء نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کے شروع کے حصہ کی روایت کی ہے کہ جب آندھی آتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں آپ سے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جو کچھ اس میں ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جو چیز اس کے ساتھ بھیجی گئی ہے میں اس میں خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں اس کے شر سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں اور جو اس میں ہے اس کے شر سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں اور جس چیز کے ساتھ اس کو بھیجا گیا ہے اس کے شر سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں، اور جب آسمان پر بادل چھا جاتے تو آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا، آپ گھر سے نکلتے اور داخل ہوتے اور آگے بڑھتے اور پیچھے آتے، پھر جب بارش ہو جاتی تو آپ کے مبارک چہرے سے خوف اور گھبراہٹ کے آثار دور ہو جاتے۔

الطهور کا معنی اور اس کے فقہی احکام

"وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا": یعنی ہم نے بادل سے پاک کرنے والا پانی نازل فرمایا۔ طہور کے معنی ہیں جو فی نفسہٖ طاہر ہو اور دوسروں کے لیے پاک کرنے والا ہو، جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا: "اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ یُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَ لِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ وَ یُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ــ (الانفال: ١١)" ((اے مسلمانو!) اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے اپنی طرف سے تم پر سکون نازل فرمانے کے لیے ہلکی سی نیند طاری فرما دی اور آسمان سے تم پر بارش کا پانی نازل فرمایا تاکہ اس پانی سے تم کو پاک فرما دیں اور تم سے شیطان کے وسوسہ کو دور فرما دیں اور تمہارے دلوں کو مضبوط فرما دیں اور اس کی وجہ سے تمہارے پاؤں جما دیں)۔ یہاں مراد ہے تاکہ تم اس پانی سے وضو کر سکو۔ اور "طہور" کا معنی ہے: جس سے طہارت حاصل ہو سکے، جیسی سحور کا معنی ہے: جس سے رمضان میں سحری کی جا سکے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے ساتھ کم مقدار میں پانی ہوتا ہے، اگر ہم اس پانی سے وضو کر لیں تو پیاسے رہیں گے، تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سمندر کا پانی طہور ہے، یعنی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ یعنی سمندر میں مری ہوئی مچھلی۔ (سنن ترمذی: ٦٩، سنن ابوداؤد: ٨٣، سنن نسائی: ٥٩، سنن ابن ماجہ: ٣٨٦، مسند احمد: ٨٥١٨، ٨٧٤٣، سنن دارمی: ٧٢٩)

بعض ائمہ کا مذہب ہے کہ الطهور سے مراد طاہر ہے، حتیٰ کہ ان کے نزدیک ہر سیال چیز سے نجاست کو زائل کرنا جائز ہے مثلاً سرکہ سے۔ لیکن اس کو رد کیا گیا ہے، کیونکہ اگر سرکہ سے نجاست کو زائل کرنا جائز ہو تو سرکہ سے وضو کرنا بھی جائز ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ طہور اس کو کہتے ہیں جس سے بار بار تطہیر حاصل ہو جیسے صبور اس کو کہتے ہیں جس سے بار بار صبر حاصل ہو اور شکور اس کو

کہتے ہیں جو بار بار شکر ادا کرے حتیٰ کہ انہوں نے اُس پانی سے وضو کو جائز قرار دیا ہے جس سے ایک بار کے بعد دوسری بار وضو کیا گیا ہو۔ اور اس کو بھی رد کر دیا گیا ہے کہ فعول کا وزن آلہ کا اسم ہے جیسی سحور اُس کو کہتے ہیں کہ جس سے سحری کی جائے، کیونکہ صحابہ ﷺ اپنے سفروں میں تھوڑا پانی لے جاتے تھے اور جب پانی ختم ہو جاتا تو تیمم کرتے تھے۔

مصعب بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب ابن عامر جب بیمار تھے تو اُن کی عیادت کرنے کے لیے گئے، پس انہوں نے (یعنی ابن عامر نے) کہا: اے ابن عمر! آپ میرے لیے دعا نہیں کرتے؟ تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی نماز بغیر طہور کے قبول نہیں کی جاتی اور غلول سے کوئی صدقہ قبول نہیں کیا جاتا اور تم بصرہ کے حاکم رہے ہو۔

(صحیح مسلم: ۲۲۴، مسند ابوداؤد والطیالسی: ۱۳۱۶، مصنف عبد الرزاق: ۹۳۹۹، مسند ابن الجعد: ۹۶۱، مسند ابن ابی شیبہ: ۹۰۰، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۹، مسند احمد: ۴۷۰۰، سنن دارمی: ۷۱۳، سنن ابن ماجہ: ۲۷۳، سنن ابوداؤد: ۵۹، مسند البزار: ۵۹۳۶، سنن نسائی: ۱۳۹، صحیح ابن خزیمہ: ۷، مستخرج ابی عوانہ: ۶۳۵، شرح مشکل الآثار: ۳۲۹۹، صحیح ابن حبان: ۱۷۰۵، المعجم الاوسط للطبرانی: ۶۸۹۷، المعجم الکبیر للطبرانی: ۵۰۵، مسند الشامیین للطبرانی: ۲۱۰۵، شعب الایمان للبیہقی: ۲۳۵۳، معرفۃ السنن والآثار: ۳۱۷۷، موارد الظمآن: ۱۳۵)

اس حدیث میں "غلول" کا لفظ ہے اور اس کا معنی خیانت ہے، اور اس کی اصل یہ ہے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے کوئی چیز چرالی جائے، اور یہ جو فرمایا کہ تم بصرہ کے حاکم رہے ہو، اس کا معنی یہ ہے کہ تم غلول سے محفوظ نہیں ہو، کیونکہ تم بصرہ کے والی تھے اور تمہارے ذمہ اللہ تعالیٰ کے حقوق تھے اور بندوں کے حقوق تھے، اور جو ایسا شخص ہو اُس کی دعا مقبول نہیں ہوتی جیسا کہ نماز اور صدقہ اُسی وقت قبول ہوتے ہیں کہ جب وہ حلال اور پاکیزہ مال سے کیے جائیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ابن عامر کو زجر و توبیخ کرنے کا قصد کیا تھا اور اُن کو توبہ کرنے پر برانگیختہ کیا تھا، اور انہوں نے اس کی حقیقت کا ارادہ نہیں کیا تھا کہ فساق کے لیے دعا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، کیونکہ نبی ﷺ اور متقدمین اور متاخرین نافرمانوں کے لیے ہدایت اور توبہ کی دعا کرتے رہے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "تاکہ ہم اس پانی سے مُردہ زمین کو زندہ فرمائیں اور اِس سے اپنے پیدا فرمائے ہوئے مویشیوں اور بہت سے انسانوں کو پانی پلائیں O" (الفرقان: ۴۹)

"لِنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا": یعنی تاکہ ہم پانی سے مُردہ شہر کو زندہ فرمائیں، یعنی اُس میں سبزہ اگائیں۔ اور اس کو جگہ کے اعتبار سے میت فرمایا ہے۔ "وَّنُسْقِیَهٗ": یعنی اُس پانی سے پلائیں۔ ابن القطاع نے کہا: سقیتک شرابا و اسقیتک۔ یعنی میں نے تم کو مشروب پلایا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پلاتے ہیں اور زمین کو پلاتے ہیں۔

"مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا": یعنی ہم نے جن اونٹوں کو اور گایوں اور بکریوں کو پیدا فرمایا، اُن کو پلاتے ہیں۔

"اَنَاسِیَّ" کا معنی اور اس کی لفظی تحقیق

"وَاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا": اور "اَنَاسِیَّ" انسان کی جمع ہے، اس کی اصل اناسین ہے، پس نون کو یاء سے تبدیل کر دیا گیا اور یاء کا

اُس میں ادغام کر دیا گیا، اور یا یہ اَنَاسِيَّ کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبات کا ذکر مقدم فرمایا ہے، کیونکہ اسی سے مویشیوں کی حیات ہے اور انہی سے انسان پر انعام ہے کیونکہ انہی سے مکمل حیات حاصل ہوتی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جانوروں میں سے اللہ تعالیٰ نے مویشیوں کو کیوں خاص فرمایا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ پرندے اور وحشی جانور پانی کی طلب میں دور چلے جاتے ہیں یہ خلاف مویشیوں کے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اَنْعَامًا یعنی مویشیوں اور اَنَاسِيَّ یعنی انسانوں کو نکرہ ذکر کیا ہے اور اُن کی صفت کثرت کے ساتھ کی ہے؟

اس کا یہ جواب ہے کہ اکثر لوگ وادیوں اور دریاؤں کے قریب رہتے ہیں اور پانی کے چشموں کے قریب رہتے ہیں تو اُن کے لیے اُن سے پانی پینا کافی ہے اور وہ بہت زیادہ ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے بارش کو اُن کے درمیان اس طرح تقسیم فرما دیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں، پس اکثر لوگوں نے سوا ناشکری کے اور کچھ نہیں کیا○'' (الفرقان:۵۰)

الفرقان:۵۰ کی دو تفسیریں

''وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا'':

''وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ'': اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ ہم نے قرآنِ مجید کو اِن کے درمیان پھیلا دیا ہے، اس سورت کے شروع میں بھی اس کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ''۔ (الفرقان:۱)'' (بہت برکت والی ذات ہے جنہوں نے اپنے مکرم بندہ پر الفرقان کو نازل فرمایا)۔ اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا''۔ (الفرقان:۲۹)'' (بے شک اُس نے میرے پاس قرآن آنے کے بعد مجھے اُس سے گمراہ کر دیا، اور شیطان انسان کو اس مصیبت کے وقت چھوڑنے والا تھا)۔

''فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا'': پس اکثر لوگوں نے سوا ناشکری کے اور کچھ نہیں کیا۔ یعنی اکثر لوگوں نے قرآن مجید کا انکار کیا اور اُس کی تکذیب کی۔

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد بارش ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ کوئی ایسا سال نہیں ہے جس میں دوسرے سال سے زیادہ بارش ہوئی ہو، لیکن اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتے ہیں بارش کو بھیج دیتے ہیں۔ پس کسی جگہ زیادہ بارش ہوئی ہو تو دوسری جگہ بارش کم ہو جاتی ہے اور یہ تصریف کا معنی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اُن کے درمیان بارش کو تقسیم فرما دیا ہے، کہیں موسلا دھار بارش ہوتی ہے اور کہیں صرف بارش کی پھوار ہوتی ہے اور کہیں اس سے بھی کم ہوتی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ بارش کے پانی سے زمین کی پیداوار اور اُس سے سبزہ کا حصول مختلف طریقے سے ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات اور دن کے اوقات میں سے کوئی وقت نہیں ہے مگر اس وقت میں آسمان سے بارش ہوتی ہے، پھر اللہ عزوجل اُس کو جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔ (مسند الشافعی:۴۹۵)

اور جب کوئی قوم نافرمانیاں زیادہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ بارش کو دوسرے علاقوں کی طرف بھیج دیتے ہیں اور جب سب نافرمانی

کریں تو اللہ تعالیٰ بارش کو جنگلات اور سمندروں کی طرف بھیج دیتے ہیں۔

(تفسیر الطبری: ۲۶۴۱۳، ۲۶۴۱۳، ۲۶۴۱۷، ۲۶۴۱۷، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۴۰۳، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۴۳)

" لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ": عکرمہ نے کہا: اس سے ستاروں کے متعلق اُن کے اقوال ہیں۔ النحاس نے کہا کہ مفسرین کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اُن کا یہ کہنا کہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے سو یہ کفر ہے۔ اور جس نے بارش کو کسی ستارے کی طرف منسوب کیا وہ کافر ہے۔

زید بن خالد بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بارش ہوئی تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: صبح کو میرے بندے اٹھتے ہیں، بعض میرا کفر کرنے والے ہوتے ہیں اور بعض مجھ پر ایمان لانے والے ہوتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۸۴۶، ۱۰۳۸، ۴۱۴۷، ۷۵۰۳، صحیح مسلم: ۷۱، سنن نسائی: ۱۵۲۵، سنن ابوداؤد: ۳۹۰۶، مسند احمد: ۱۶۶۱۳، موطا امام مالک: ۴۵۱)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک عذاب سے ڈرانے والا نبی بھیج دیتے O پس آپ کافروں کی موافقت نہ کریں اور قرآن کے ذریعے اُن سے زبردست جہاد کریں O" (الفرقان: ۵۱۔۵۲)

" وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ": یعنی اگر ہم چاہتے تو جس طرح ہم نے بارش کو مختلف علاقوں میں تقسیم فرمایا ہے، اسی طرح اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک رسول مبعوث فرما دیتے جو اُن کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا تاکہ آپ پر نبوت کی پیغام رسانی کا بوجھ کم ہو جاتا، لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہم نے آپ کو تمام بستیوں کے لیے اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، تاکہ آپ کا درجہ بلند ہو، سو آپ اللہ کی اس نعمت پر شکر ادا کریں۔

" فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ": کفار جو آپ کو اپنے باطل معبودوں کی اطاعت اور اتباع کی دعوت دیتے ہیں، آپ اُن کی بالکل موافقت نہ کریں اور اس قرآن کے ساتھ اُن کے خلاف جہاد کریں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اور ابن زید نے کہا: اسلام کے ساتھ اُن کے خلاف بہت بڑا جہاد کریں جس میں کوئی سستی نہ ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اُنہوں نے ہی دو سمندروں کو ملا دیا، ایک سمندر میٹھا ہے بہت میٹھا اور دوسرا کھاری ہے بہت کڑوا، اور اُن کے درمیان ایک پردہ رکھا ہے اور مضبوط آڑ قائم فرمائی ہے O" (الفرقان: ۵۳)

"مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ" کی متعدد تفاسیر

" وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ":

اللہ تعالیٰ نے یہ کلام اپنی نعمتوں کے ذکر میں دہرایا ہے اور "مَرَجَ" کا معنی ہے: ملا دیا، خلط ملط کر دیا اور بھیج دیا۔ مجاہد نے کہا: اِن دونوں کو اللہ نے بھیجا اور ایک کا دوسرے پر اضافہ فرمایا۔ ابن عرفہ نے کہا: "مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ" کا معنی ہے: ان دونوں سمندروں کو ملا دیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ مرجتہ اس وقت کہا جاتا ہے جب تم کسی چیز کو خلط ملط کر دو۔ اور دین خلط ملط ہو گیا جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِیْۤ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ " (ق: ۵) "(بلکہ جب حق (قرآن) اُن کے پاس آیا تو انہوں نے اُسے جھٹلایا، پس اب وہ اُلجھن میں پڑے ہوئے ہیں)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے الفتنہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: جب تم دیکھو کہ لوگوں کے عہود خلط ملط ہو گئے ہیں اور اُن کی امانتیں اٹھ گئی ہیں اور آپ نے انگلیاں دوسری انگلیوں میں ڈال کر فرمایا: اور وہ اس طرح ہو گئے ہوں، تو میں نے کہا: میں اُس وقت کیا کروں اللہ مجھے آپ پر فدا کرے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے گھروں میں لازم رہنا اور اپنی زُبان کو بند رکھنا اور جو کام درست ہوں اُن پر عمل کرنا اور جو کام غلط ہوں اُن کو چھوڑ دینا، اور تم صرف اپنے نفس کی فکر کرنا اور عام لوگوں کو چھوڑ دینا۔

(سنن ابوداؤد: ۴۳۴۳، سنن ابن ماجہ: ۳۹۵۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۱۱۵، مسند احمد: ۶۵۰۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۹۶۲، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۲۰۳، شرح مشکل الآثار: ۱۱۷۶، صحیح ابن حبان: ۶۷۳۰، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۹۶۳، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۳۵۸۸، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی: ۴۳۹، المستدرک علی الصحیحین: ۲۶۷۱، شرح السنۃ للبغوی: ۴۲۲۱، معجم ابن عساکر: ۳۵۱، موارد الظمآن: ۱۸۴۹، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر ج ۴ ص ۱۸۶)

الازہری نے کہا ہے "مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ" کا معنی ہے: اِن دو سمندروں کے درمیان تخلیہ کر دیا، جب کسی جانور کو چرنے کے لیے چھوڑ دیں تو کہا جاتا ہے مرجت الدابۃ اور ثعلب نے کہا: المرج کا معنی ہے الاجراء، سو "مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ" کا معنی ہے: ان دونوں سمندروں کو جاری فرما دیا۔

"هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ": یعنی یہ پانی بہت شدید میٹھا ہے۔ "وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ": یعنی یہ پانی بہت نمکین اور کڑوا ہے۔

"وَ جَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا": یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان دونوں پانیوں کے درمیان ایک رکاوٹ بنا دی ہے کہ اُن میں سے ایک پانی دوسرے پانی پر غالب نہیں آتا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ۙ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ" (الرحمٰن: ۱۹۔۲۰) (انہوں نے دو سمندر بہائے جو دیکھنے میں مل رہے ہیں ○ اُن دونوں کے درمیان ایک ایسی حد ہے کہ وہ ایک دوسرے کی طرف بڑھ نہیں سکتے)۔

"وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا": یعنی ایک ایسا چھپا ہوا پردہ ہے جو اُن دونوں کو ایک دوسرے سے ملنے سے مانع ہے۔ پس البرزخ کا معنی ہے: الحاجز یعنی رکاوٹ اور پردہ۔ اور الحِجر کا معنی ہے: المانع۔ اور حسن بصری نے کہا: ان دو سمندروں سے مراد بحر فارس اور بحر روم ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے کہا: یعنی آسمان کا اور زمین کا سمندر مراد ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہر سال یہ دو سمندر مل جاتے ہیں اور ان کے درمیان ایک برزخ ہے۔

"وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا": یعنی حرام اور محروم ہے کہ میٹھا سمندر کڑوے پانی پر غالب آ جائے یا کڑوا سمندر میٹھے سمندر پر غالب آ جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور وہی ذات ہے جنہوں نے پانی کے قطرے سے بشر کو پیدا فرمایا، پھر اُس کو نسب اور سسرال والا بنا دیا، اور آپ کے رب بہت بڑی قدرت والے ہیں ○" (الفرقان: ۵۴)

"وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا": یعنی اللہ عزوجل نے نطفہ سے انسان کو پیدا فرمایا۔

نسب اور صہر کی متعدد تعریفات

''فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا'': اور انسان کو نسب اور صہر بنا دیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ''مِنَ الْمَآءِ'' میں یہ اشارہ ہے کہ ہر زندگی کی خلقت پانی سے ہوئی ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر اپنی نعمت کو دہرایا ہے کہ اُن کو عدم کے بعد وجود میں لائے۔

''فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا'': النسب اور الصھر انسانوں کے درمیان رشتہ داریوں میں عام ہیں۔ ابن العربی نے کہا کہ نسب سے مراد ہے نر اور مادہ کے درمیان پانی کو مختلف کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے نسب اور الصھر کو وجہ احسان قرار دیا ہے، اس لیے زنا سے جو اولاد پیدا ہو وہ اس میں داخل نہیں ہوگی۔

اس میں اختلاف ہے کہ کوئی مرد اپنی زنا سے پیدا ہوئی بیٹی کے ساتھ یا زنا سے پیدا ہوئی بہن کے ساتھ یا زنا سے پیدا ہوئی پوتی کے ساتھ نکاح کرے۔ امام ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب اور مالکیہ میں سے ابن القاسم نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ اور بعض فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اُن میں سے عبد الملک بن الماجشون ہیں اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

الفراء نے کہا: نسب وہ ہے کہ جس کے ساتھ نکاح جائز نہ ہو اور الصھر وہ ہے جس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ یہ الزجاج کا قول ہے اور یہی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ الاصمعی نے کہا: الصھر مرد کی بیٹی کا خاوند ہے (یعنی داماد)۔ اور اُس کا بھائی، اس کا والد اور اس کا چچا ہے۔ النحاس نے کہا کہ اولیٰ یہ ہے کہ الاصھار سے مراد وہ قول ہو جو الاصمعی نے کہا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نسب سے سات رشتے حرام ہیں اور الصھر سے پانچ رشتے حرام ہیں۔ اُن کی مراد وہ ہے جو اس آیت میں ہے: ''حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ وَ رَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ٘ وَ حَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ١ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ١ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا'' (النساء: ۲۳) (اے مسلمانو!) تم پر حرام فرمادی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور اُن کی وہ بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں، جو تمہاری اُن بیویوں سے پیدا ہوئیں جن سے تم مباشرت کر چکے ہو، پس اگر تم نے اُن سے مباشرت نہیں کی تو (اُن کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور (تم پر حرام کر دی گئی ہیں) تمہارے نسلی بیٹوں کی بیویاں، اور (تم پر حرام کر دیا گیا ہے کہ) تم دو بہنوں کو جمع کرو مگر جو گزر چکا ہے، بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں)۔

اور صھر سے مراد وہ رشتے ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے: ''وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ وَ رَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ٘ وَ حَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ١ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ'' (اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور اُن کی وہ بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں، جو تمہاری اُن بیویوں سے پیدا ہوئیں جن سے تم مباشرت کر چکے ہو، پس اگر تم نے اُن سے مباشرت نہیں کی تو (اُن کی بیٹیوں سے نکاح

کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور (تم پر حرام فرمادی گئی ہیں) تمہارے نسلی بیٹوں کی بیویاں، اور (تم پر حرام فرمادیا گیا ہے کہ) تم دو بہنوں کو جمع کرو مگر جو گزر چکا ہے)۔

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد السمر قندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، "نَسَبًا وَّ صِهْرًا" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

نسب اُس قرابت کو کہتے ہیں جس میں نکاح جائز نہ ہو اور صہر اُس قرابت کو کہتے ہیں جس میں قرابت اور غیر قرابت دونوں سے نکاح جائز ہو، یہ الکلبی کا قول ہے۔ اور الضحاک نے کہا: نسب کا معنی ہے القرابۃ، اور صہر کا معنی ہے الرضاع۔ اور صہر سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نسب وہ ہے جس سے قرابت کے رشتوں سے نکاح حرام ہوتا ہے اور صہر وہ ہے جو نسب سے حرام ہوتے ہیں، جن میں سے سات رشتے وہ ہیں جن کا النساء: ۲۳ میں ذکر ہے، اور صہر وہ رشتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں اور یہ وہ سات رشتے ہیں جن کا ذکر اسی آیت میں ہے۔

(تفسیر السمر قندی، ج ۲ ص ۴۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ، "نَسَبًا وَّ صِهْرًا" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک نطفہ سے دو قسم کے بشر پیدا فرمائے: مذکر اور مؤنث۔

"فَجَعَلَهٗ نَسَبًا": یعنی ان میں قرابت اور رشتہ داری پیدا فرمادی۔ "وَّ صِهْرًا" یعنی مصاهرۃ، جو اسباب کے ذریعے نکاح کا وسیلہ ہیں، کیونکہ اسی سے تو اصل ہوتا ہے اور مصاہرت کی وجہ سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔

(مدارک التنزیل، ج ۲ ص ۵۴۴، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، "نَسَبًا وَّ صِهْرًا" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ نسب وہ رشتہ داری ہے جس میں نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور الصہر وہ رشتہ داری ہے جس میں نکاح کرنا جائز ہے، پس نسب وہ ہے جو حرمت کو واجب کرتا ہے اور صہر وہ ہے جو حرمت کو واجب نہیں کرتا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ نسب قرابت سے ہے اور صہر اُس اختلاط سے ہے جو قرابت کے مشابہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے النساء: ۲۳ میں ذکر فرمایا ہے کہ اُس نے نسب کے سات رشتوں کو حرام فرمادیا ہے۔ (السراج المنیر، ج ۳ ص ۳۶۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

(میں کہتا ہوں: دراصل صہر سسرالی رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور کفار اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتے ہیں جو نہ اُن کو نفع دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں، اور کافر اپنے رب کے مقابلہ میں ہر باغی کا مددگار ہے ○" (الفرقان: ۵۵)

بت پرستی کا رد

"وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَا يَضُرُّهُمْ": جب اللہ عزوجل نے اپنی نعمتوں کو گنوایا اور اپنی قدرت کے کمال کو بیان فرمایا تو اس پر تعجب کا اظہار فرمایا کہ مشرکین اُن کو اللہ کا شریک بناتے ہیں جو نہ نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ ضرر پہنچانے پر۔ یعنی اللہ عزوجل وہ ہیں جنہوں نے اُن چیزوں کو پیدا فرمایا جن کا ذکر فرمایا ہے، پھر یہ مشرکین اپنی جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر

نسب اور صہر کی متعدد تعریفات

"فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا": اور انسان کو نسب اور صہر بنا دیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ "مِنَ الْمَآءِ" میں یہ اشارہ ہے کہ ہر زندہ
خلقت پانی سے ہوئی ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر اپنی نعمت کو دہرایا ہے کہ اُن کو عدم کے بعد وجود میں لائے۔
"فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا": النسب اور الصہر انسانوں کے درمیان رشتہ داریوں میں عام ہیں۔ ابن العربی نے کہا کہ نسب سے
مراد ہے نر اور مادہ کے درمیان پانی کو مختلف کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے نسب اور الصہر کو وجہ احسان قرار دیا ہے، اس لیے زنا سے جو اولاد
پیدا ہو وہ اس میں داخل نہیں ہوگی۔

اس میں اختلاف ہے کہ کوئی مرد اپنی زنا سے پیدا ہوئی بیٹی کے ساتھ یا زنا سے پیدا ہوئی بہن کے ساتھ یا زنا سے پیدا ہوئی
پوتی کے ساتھ نکاح کرے۔ امام ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب اور مالکیہ میں سے ابن القاسم نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ اور بعض
فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اُن میں سے عبد الملک بن الماجشون ہیں اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔
الفراء نے کہا: نسب وہ ہے کہ جس کے ساتھ نکاح جائز نہ ہو اور الصہر وہ ہے جس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ یہ الزجاج کا
قول ہے اور یہی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ الاصمعی نے کہا: الصہر مرد کی بیٹی کا خاوند ہے (یعنی داماد)۔ اور اس کا
بھائی، اس کا والد اور اس کا چچا ہے۔ النحاس نے کہا کہ اولیٰ یہ ہے کہ الاصہار سے مراد وہ قول ہو جو الاصمعی نے کہا ہو۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نسب سے سات رشتے حرام ہیں اور الصہر سے پانچ رشتے حرام ہیں۔ اُن کی مراد وہ ہے
جو اس آیت میں ہے: "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ
الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَرَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ
فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا
مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (النساء: ۲۳)" ((اے مسلمانو!) تم پر حرام فرمادی گئی ہیں تمہاری مائیں اور
تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم
کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور اُن کی وہ بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں، جو تمہاری
اُن بیویوں سے پیدا ہوئیں جن سے تم مباشرت کر چکے ہو، پس اگر تم نے اُن سے مباشرت نہیں کی تو (اُن کی بیٹیوں سے نکاح
کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور (تم پر حرام کر دی گئی ہیں) تمہارے نسلی بیٹوں کی بیویاں، اور (تم پر حرام کر دیا گیا ہے
کہ) تم دو بہنوں کو جمع کرو مگر جو گزر چکا ہے، بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں)۔
اور صہر سے مراد وہ رشتے ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے: "وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ
نِسَآىِٕكُمْ وَرَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ
وَحَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ" (اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم
کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور اُن کی وہ بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں، جو تمہاری
اُن بیویوں سے پیدا ہوئیں جن سے تم مباشرت کر چکے ہو، پس اگر تم نے اُن سے مباشرت نہیں کی تو (اُن کی بیٹیوں سے نکاح

اُن مردہ جمادات کی عبادت کرتے ہیں جو نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان۔

"وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ الکافر سے مراد یہاں پر ابوجہل لعنہ اللہ ہے اور وہ بتوں کی عبادت کے اوپر اپنے اولیاء کی مدد کرتا ہے۔ اور عکرمہ نے کہا: الکافر سے مراد یہاں پر ابلیس ہے جس نے اپنے رب کی عداوت کو ظاہر کیا۔ اور المطرف نے کہا: کافر سے مراد یہاں پر شیطان ہے۔ حسن بصری نے کہا: "ظَهِيْرًا" سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں پر شیطان کا مددگار ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کافر اپنے رب کے سامنے ذلیل ہے، اُس کی کوئی قدرت نہیں ہے اور نہ اللہ کے سامنے اُس کا کوئی وزن ہے۔ اور ابو عبیدہ نے کہا کہ کافروں کا کفر اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے، کیونکہ کافروں کے کفر سے اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرر نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کافر سے مراد بت ہیں جو پتھروں سے بنے ہوئے ہیں، اُن کو نہ کسی ضرر کو دور کرنے پر قدرت ہے اور نہ کسی نفع کو حاصل کرنے پر۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے آپ کو صرف ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ○ (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، ہاں جو چاہے وہ اپنے رب کے قرب کا راستہ اختیار کرلے ○" (الفرقان: ۵۶۔۵۷)

"وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا": اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت کی بشارت دینے والا بنا کر بھیجا ہے اور دوزخ سے ڈرانے والا۔ اور ہم نے آپ کو جبراً مسلمان بنانے کے لیے نہیں بھیجا۔

"قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا": اور آپ کہیے: میں نے تم پر جو قرآن مجید پیش کیا ہے اور وحی پیش کی ہے، اس پر میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، جو چاہے اپنے رب کی طرف میری اتباع کرکے (نیک) راستہ کو اختیار کرے حتیٰ کہ اُسے دنیا اور آخرت کی عزت حاصل ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور آپ اُس ہمیشہ زندہ رہنے والے پر توکل کریں جسے کبھی موت نہیں آئے گی اور اُس کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے رہیں، اور اس کا اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنا کافی ہے ○" (الفرقان: ۵۸)

"وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ": توکل کا معنی ہے کہ تمام امور میں دل کا اللہ عزوجل پر اعتماد کرنا، اور اسباب کسی کام کے وسائط ہوتے ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ اور توکل کا معنی ہے اللہ پر اعتماد کرنا اور معاملات کو اللہ پر چھوڑ دینا، اور ذوالنون نے کہا: توکل کا معنی ہے: "خلع الارباب وقطع الاسباب" یعنی دوستوں کو چھوڑنا اور اسباب سے منقطع ہوجانا۔

"وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ": یعنی کفار جو اللہ عزوجل کی صفات بیان کرتے ہیں، اُن صفات سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ بیان کیجیے۔ اور تسبیح کا معنی ہے التنزیہہ۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ "وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ" کا معنی ہے کہ آپ نماز پڑھیے۔

"وَ كَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا": یعنی اللہ عزوجل اپنے بندوں کے گناہوں کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، سو اُس کے مطابق اُن کو جزا عطا فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جنہوں نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر عرش پر اپنی شان کے مطابق جلوہ فرمایا، وہی رحمٰن ہیں، پس آپ اُن کے متعلق کسی خبر رکھنے والے سے معلوم کر لیں O" (الفرقان:۵۹)

"الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَا فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ": اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اس وقت تو سورج کا طلوع تھا اور نہ سورج کا غروب تھا اور دن سورج کے طلوع اور غروب سے متحقق ہوتا ہے، پھر کیسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چھ دنوں سے مراد چھ دنوں کی مقدار ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ چھ دنوں سے مراد آخرت کے دن ہیں اور آخرت کا ہر دن دنیا کے ایام کے اعتبار سے ہزار دنوں کے برابر ہوگا، اور سعید بن جبیر نے کہا: اللہ عزوجل آسمانوں اور زمینوں کو ایک لمحے میں پیدا فرمانے پر قادر ہیں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں اس لئے پیدا فرمایا تاکہ مخلوق کو یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اطمینان سے کام کرتے ہیں جلدی نہیں فرماتے، اور جس کام کو وہ ایک لمحہ اور ایک لحظہ میں کر سکتے ہیں اس کام کو چھ دنوں میں انجام دیتے ہیں، سو بندوں کو بھی چاہیے کہ وہ کسی کام کو کرنے میں جلدی نہ کریں، اطمینان سے کریں۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اطمینان اور تاخیر سے کام کرنا اللہ کی طرف سے ہے اور عجلت اور جلدی سے کام کرنا شیطان کی طرف سے ہے۔

(سنن ترمذی:۲۰۱۹، مسند ابو یعلیٰ:۳۲۵۶، سنن بیہقی ج۱۰ ص۱۰۴، مجمع الزوائد ج۸ ص۱۹)

"ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ": الکلبی اور مقاتل نے کہا: اللہ عزوجل عرش پر مستقر ہیں اور ابو عبیدہ نے کہا: اللہ عزوجل عرش پر چڑھے۔ المعتزلہ نے اس کی تاویل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہیں اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، ہم اس کی کیفیت کو نہیں جانتے لیکن ہمارا اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے علم کی حقیقت کو ہم اللہ عزوجل کے سپرد کرتے ہیں، ایک مرد نے امام مالک بن انس سے اس آیت کے متعلق پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر کس طرح استوا فرمایا؟ امام مالک نے تھوڑی دیر اپنا سر جھکایا، پھر سر کو اٹھا کر کہا: استواء کا معنی معلوم ہے اور اس کی کیفیت عقل میں نہیں آسکتی اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے اور میں تمہارے متعلق یہی گمان کرتا ہوں کہ تم گمراہ ہو، پھر امام مالک کے حکم سے اس شخص کو ان کی مجلس سے نکال دیا گیا۔ سفیان ثوری، الاوزاعی، اللیث بن سعد، سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن المبارک وغیرہم علماء اہلسنت نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات میں سے ہے۔ اس آیت کو اس کی کیفیت جانے بغیر مانو اور لغت میں عرش کا معنی تخت ہے۔ دوسرا قول ہے کہ عرش کا معنی ملک اور سلطنت ہے۔

"اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِہٖ خَبِیۡرًا": یہ خبیر اللہ عزوجل ہیں، کیونکہ عقل میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس کیفیت سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور کس طرح عرش پر جلوہ فرمایا اور اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں: اور رحمٰن کیا چیز ہے؟

کیا ہم اُس کو سجدہ کریں جس کا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں، اور اس حکم نے اُن کے بدکنے میں اور اضافہ کیا O" (الفرقان:۶۰)

"وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا": یعنی کفار نے بطور انکار اور تعجب کے کہا کہ رحمٰن کیا ہے؟ یعنی ہم تو صرف رحمٰن یمامہ کو پہچانتے ہیں، اُن کی مراد تھی مسیلمہ کذاب۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِیْۤ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاۡ عَلَیْهِمُ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَ هُمْ یَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَیْهِ مَتَابِ" (الرعد: ۳۰) ((اے رسول اکرم!) اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں مبعوث فرمایا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ اُن کے سامنے اُن آیات کو پڑھ کر سنائیں جن کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے حالانکہ وہ لوگ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں، آپ کہیے: وہی میرے رب ہیں، ان کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، انہی پر میں نے توکل کیا ہے اور انہی کی طرف میرا لوٹنا ہے)۔

"اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا": یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ ہمیں رحمٰن کو سجدہ کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ اور اگر وہ یہ اقرار کر لیتے کہ رحمٰن نے اُن کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا ہے تو پھر وہ کافر نہ ہوتے۔

"وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا": یعنی جب کوئی کہنے والا اُن سے کہتا کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ دین سے بدک جاتے۔ اور سفیان ثوری جب یہ آیت پڑھتے تھے تو دعا کرتے تھے: اے اللہ! میرے دل میں اپنا خشوع اور خضوع زیادہ فرما، جتنا آپ کے دشمن آپ سے دور بھاگنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، جزو ۱۳، ص ۶۳-۶۷، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ، وتفاسیر اخرٰی)

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾

برکت والی ہے وہ ذات جس نے آسمان میں (بارہ) برج بنائے اور اس میں چمکتا ہوا سورج اور روشن چاند بنایا O

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾

اور وہی ہے جس نے ایک دوسرے کے پیچھے اس کے لئے رات اور دن بنائے جس نے نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ کیا یا بہت شکر ادا کرنے کا ارادہ کیا O

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب اُن سے جاہل بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: ہماری طرف سے سلام ہو O

وَ الَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا ﴿۶۴﴾

اور جو لوگ راتوں کو اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام میں گزارتے ہیں O

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾

اور جو لوگ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب دور فرما دیں، بے شک جہنم کا عذاب چمٹنے والا ہے O

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿٦٦﴾

بے شک دوزخ بہت بری رہائش کی جگہ اور بہت بری قیام گاہ ہے O

وَالَّذِیْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَ لَمْ یَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

اور وہ لوگ جب خرچ کریں تو بہت زیادہ خرچ نہیں کرتے اور نہ نیکی کے کاموں میں خرچ سے ہاتھ روکتے ہیں، اُن کا خرچ زیادتی اور کمی کے درمیان متوازن ہوتا ہے O

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا یَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ اُس شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کو اللہ نے حرام فرمادیا ہے اور نہ زنا کرتے ہیں، اور جو اِن کاموں میں سے کوئی کام کرے گا وہ سخت سزا پائے گا O

یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ یَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾

قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ اُس عذاب میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ رہے گا O

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓىِٕكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿٧٠﴾

سوا اُن لوگوں کے جنہوں نے توبہ کرلی اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کیے تو ان لوگوں کی برائیوں کو بھی اللہ نیکیوں سے بدل دیں گے، اور اللہ سب سے زیادہ معاف فرمانے والے، سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں O

وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾

اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کیے تو بے شک اُس نے اللہ کی طرف رجوع کرلیا O

وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿٧٢﴾

اور جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب وہ کسی بیہودہ کام کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت سے گزر جاتے ہیںO

وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّ عُمْیَانًا ﴿۷۳﴾

اور جن لوگوں کو جب اُن کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اُن آیتوں پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتےO

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾

اور جو لوگ یہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں سے اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمائیں، اور ہمیں متقین کا امام بنا دیںO

اُولٰٓىٕكَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ یُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّ سَلٰمًا ﴿۷۵﴾

ان لوگوں کو جنت کا بلند بالا خانہ عطا فرمایا جائے گا کیونکہ انہوں نے عبادت کی مشقتوں پر صبر کیا اور دعائے خیر اور سلام کے ساتھ اُن سے وہاں ملاقات کی جائے گیO

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۷۶﴾

وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے، جو عمدہ رہائش اور قیام کی جگہ ہےO

قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّیْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ یَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾ (ع)

آپ کہیے: اے لوگو! اگر تم عبادت نہ کرو تو میرے رب کو اس کی کوئی پروا نہیں ہے، بے شک تم نے اللہ کے رسول کی تکذیب کی ہے، پس عنقریب اس کی سزا تم پر لازم رہے گیO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''برکت والی ہے وہ ذات جس نے آسمان میں (بارہ) برج بنائے اور اُس میں چمکتا ہوا سورج اور روشن چاند بنایاO'' (الفرقان:۶۱)

برج کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور برج کے مصادیق

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ، الفرقان: ۷۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا'': اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کفار اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے بدکتے ہیں اور بھاگتے ہیں، اب یہ ذکر فرمایا کہ اگر یہ غور و فکر کرتے تو جان لیتے کہ رحمٰن کو سجدہ کرنا اور اُن کی عبادت کرنا واجب ہے، اس لیے فرمایا: وہ ذات برکت والی ہے جس نے آسمان میں بروج بنائے۔ اور یہ سیارات تو وہ بروج مشہور ہیں، اُن کو بروج اس لیے فرمایا ہے کہ وہ بلند محلات ہیں، کیونکہ وہ ان سیاروں کے لیے منازل کی مثل ہیں اور بروج کا

لفظ تبرج سے ماخوذ ہے جس کا معنی ظہور ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ بروج بڑے بڑے ستارے ہیں اور پہلا قول راجح ہے۔ (التفسیر الکبیر ج ۸ ص ۴۷۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، الفرقان: ۶۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الزجاج، مجاہد اور قتادہ نے کہا: بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں، ان کا نام بروج اس لیے رکھا گیا کہ یہ ظاہر ہیں۔ اور عطیہ العوفی نے کہا: یہ محل ہیں جن میں محافظ ہوتے ہیں جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ؕ۔ (النساء: ۷۸)" (تم جہاں کہیں بھی ہو، موت تم کو پکڑ لے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو)۔ اور عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ بروج بارہ ہیں، اور یہ سات سیاروں کی منازل ہیں اور وہ یہ ہیں:

بارہ برجوں کے نام

لوئیس معلوف الیسوعی المتوفی ۱۸۶۷ھ/ ۱۹۴۶ء لکھتے ہیں:

یہ بارہ برج ہیں:

(۱) الحمل یا الکبش (مینڈھا) (۲) الثور (بیل) (۳) الجوزاء، یا التوأمان (اخروٹ) (۴) السرطان (کینڈا) (۵) الاسد یا اللیث (شیر) (۶) السنبلہ یا العذراء (گندم کا خوشہ) (۷) المیزان (ترازو) (۸) العقرب (بچھو) (۹) القوس یا الرامی (کمان) (۱۰) الجدی یا التیس (بکری کا بچہ) (۱۱) الدلو، یا الساقی، یا ساکب الماء (ڈول) (۱۲) الحوت یا السمکۃ (مچھلی)۔ (المنجد (عربی) ص ۱۳، انتشارات اسلام، تہران، ایران، ۱۴۳۱ھ)

میں کہتا ہوں: قدیم یونانی علماء ہیئت نے بیان کیا ہے کہ سات آسمانوں میں سے ہر آسمان میں ایک ستارہ نصب ہے:

(۱) فلک القمر (۲) زحل (۳) مشتری (۴) شمس (۵) مریخ (۶) زہرہ (۷) عطارد۔ یہ سب سیارگان ہیں جو اپنے اپنے مدار میں گردش کرتے رہتے ہیں اور آٹھویں آسمان میں ثوابت ہیں، یہ وہ ستارے ہیں جو گردش نہیں کرتے اور اپنی جگہ ثابت رہتے ہیں اور یہ تمام ستارے آٹھویں آسمان میں ہیں۔ اور نویں آسمان میں وہ صورت ہے جو ان ستاروں کے اجتماع سے مشروح ہوتی ہے، یعنی نویں آسمان میں بعض جگہ ان ستاروں کے اجتماع سے بکری کے بچہ کی شکل بن جاتی ہے، کہیں بیل کی شکل بن جاتی ہے، کہیں بکری کی شکل بن جاتی ہے اور کہیں کیکڑے کی شکل بن جاتی ہے علی ھذا القیاس۔ یہ شکلیں رصدگاہ میں قوی دوربین سے نظر آتی ہیں، علماء ہیئت نے اپنی آسانی کے لیے ان شکلوں کے یہ نام رکھ دیے ہیں۔ الحمل اور العقرب مریخ کی منزل ہے، الثور اور المیزان زہرہ کی منزل ہے، الجوزاء اور السنبلہ عطارد کی منزل ہے، اور السرطان قمر کی منزل ہے۔ الاسد، شمس کی منزل ہے۔ القوس اور الحوت، مشتری کی منزل ہے۔ اور الجدی اور الدلو، الزحل کی منزل ہے۔

(معالم التنزیل ملخصا وموضحا، ج ۳ ص ۴۵۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

عام طور پر لسان شرع کے مطابق مشہور یہ ہے کہ آسمان کل سات ہیں اور قدیم یونانی علماء ہیئت نے ان میں سے ہر آسمان کا ایک نام رکھ لیا ہے اور ہر آسمان میں ایک سیارہ نصب ہے جو اپنے مدار میں گردش کرتا رہتا ہے جیسے فلک القمر، زحل، مشتری، شمس وغیرہ، یہ سات آسمان ہیں اور یونانی علماء ہیئت نے ایک آٹھواں آسمان بھی مانا ہے جس میں وہ ستارے ہیں جو گردش نہیں کرتے اور

عموماً ہمیں رات کو جو ستارے نظر آتے ہیں وہ یہی ستارے ہیں جو ثوابت ہیں، اس کے بعد انہوں نے ایک مزید نواں آسمان مانا ہے جس میں ان ستاروں کی شکلیں مشروح ہو کر نظر آتی ہیں، کہیں یہ شکل شیر سے ملتی ہے، کہیں بکری سے، کہیں ڈول سے، کہیں کیکڑے سے، اور اس طرح بارہ شکلیں مشروح ہوتی ہیں اور ہر شکل کے اعتبار سے اس کا نام برج رکھا ہے۔ اور اس طرح بارہ شکلیں مشروح ہوتی ہیں اور اس کو وہ بارہ برج کہتے ہیں۔ قاضی بیضاوی نے اس کی تطبیق یوں دی ہے کہ آٹھواں آسمان کرسی ہے اور نواں آسمان عرش عظیم ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہی ہے جس نے ایک دوسرے کے پیچھے اُس کے لئے رات اور دن بنائے جس نے نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ کیا یا بہت شکر ادا کرنے کا ارادہ کیا ○'' (الفرقان: ۶۲)

رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے پیدا فرمانے کی حکمت

''وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا'': اللہ تعالیٰ نے دن اور رات میں سے ہر ایک کو دوسرے کے پیچھے تیار رکھا ہے تاکہ انسان کا اگر دن میں کوئی عمل کم ہو تو وہ رات میں اُس کو پورا کر لے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رات کو تم سے قرآن مجید کا پڑھنا رہ گیا، اے ابن الخطاب! اللہ نے تمہارے متعلق یہ آیت نازل فرمائی ہے: ''وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا''۔ یعنی تم سے رات میں جو نوافل فوت ہو جائیں تو دن میں اُن کی قضاء کر لو اور دن میں تم سے جو عبادت فوت ہو جائے تو اُس کی رات میں قضاء کر لو۔

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ دن کے اس وقت میں نماز پڑھ رہے تھے جس وقت میں وہ نماز نہیں پڑھتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رات کو مجھ سے یہ نماز رہ گئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا''۔

(مصنف عبدالرزاق: ۴۷۹۰، صحیح ابن حبان: ۵۵۳۴، المستدرک علی الصحیحین: ۲۵۳۴)

''لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ'': یعنی جس کا یہ ارادہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرے اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں غور کرے تو وہ جان لے گا کہ اس کائنات کے لیے کوئی ایسا حکیم بنانے والا ضروری ہے جو واجب الذات ہو اور بندوں پر رحم فرمانے والا ہو۔

''اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا'': اور اللہ کی نعمتوں پر شکر کرنا رات میں ہوتا ہے جب سکون ہوتا ہے اور دن میں آدمی کارِ معیشت میں تصرف کرتا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ (القصص: ۷۳)'' (اور انہوں نے اپنی مہربانی سے تمہارے لئے رات اور دن پیدا فرمائے، تاکہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اُن کے فضل سے روزی تلاش کرو اور اس لئے کہ تم ان کا شکر ادا کرو)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ذکر کرنے والوں کے لیے اور شکر ادا کرنے والوں کے لیے دو وقت بنائے ہیں۔ اگر کوئی انسان کوئی عبادت یا وظیفہ ایک وقت میں نہ کر سکے تو دوسرے وقت میں اُس عبادت یا وظیفہ کو کر لے۔

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کے ذکر اور شکر کرنے کا عمل دن میں رہ جائے تو وہ اس ذکر اور شکر کو رات میں کر لے اور جس شخص کا ذکر اور شکر رات میں رہ جائے تو وہ اس کو دن میں کر لے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب اُن سے جاہل بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: ہماری طرف سے سلام ہو O'' (الفرقان: ۶۳)

''ھون'' کا معنی اور اس کے متعلق احادیث

''وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا'':

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی نو صفات ذکر فرمائی ہیں۔ پہلی صفت یہ ہے کہ وہ دن میں زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں۔ اس آیت میں رحمٰن کے بندوں کی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ زمین پر ''ھون'' سے چلتے ہیں اور ھون کا معنی ہے: رفق اور نرمی۔ اور ''ھون'' کے متعلق درج ذیل حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے دوست کے ساتھ آہستگی کے ساتھ محبت رکھو، ہو سکتا ہے کہ وہ کسی دن تم سے ناراض ہو۔ اور اپنی ناراضی کو بھی آہستہ رکھو، ہو سکتا ہے وہ کسی دن تمہارا دوست بن جائے۔

(سنن ترمذی: ۱۹۹۷، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۳۹۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۵۸۷۶، کتاب الادب لابن ابی شیبہ: ۱۳۱، الادب المفرد للبخاری: ۱۳۲۱، مسند البزار: ۹۸۸۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۳۰۸۱، مسند الشہاب القضاعی: ۷۳۹، شرح السنۃ للبغوی: ۳۴۸۱، شعب الایمان للبیہقی: ۶۱۶۸، السنۃ الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ ج ۱۸ ص ۳۸۴)

اور مکحول بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''المؤمنون ھینون لینون'' (مومنین آسانی کرنے والے ہیں اور نرمی کرنے والے ہیں) جیسے اونٹ کی ناک میں نکیل ڈالی ہوئی ہو، اگر اُس کو چلایا جائے تو وہ اطاعت کرے گا۔

(شعب الایمان للبیہقی: ۷۷۷۷، شرح السنۃ للبغوی: ۳۵۰۶، کتاب الزہد والرقائق لابن المبارک: ۳۸۷، مسند الشہاب القضاعی: ۱۳۰، کتاب الآداب للبیہقی: ۱۹۰)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رحمٰن کے بندے زمین پر نرمی، سکون، وقار اور تواضع کے ساتھ چلتے ہیں، وہ اپنے قدموں کو زمین پر زور سے نہیں مارتے اور اِتراتے اور اکڑتے نہیں ہیں، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا'' (بنی اسرائیل: ۳۷) ''(اور تم زمین میں اکڑ اکڑ کر نہ چلو، بے شک نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ تم لمبائی میں پہاڑوں کے برابر پہنچ سکتے ہو)۔

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ میں ''ھون'' کی تفسیر تلاش کرتا رہا تو مجھے نہیں ملی، پھر میں نے خواب میں دیکھا، مجھ سے کہا گیا: یہ وہ لوگ ہیں جو زمین میں فساد ڈالنے کا ارادہ نہیں کرتے۔ اور ابن زید سے روایت ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تکبر نہیں کرتے اور دوسروں پر جبر نہیں کرتے اور زمین میں اپنی بڑائی اور بلندی کو نہیں چاہتے۔

جاہلوں کو سلام کرنے کا معنی

"وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا": اس کا معنی یہ ہے کہ ہم تم سے جہالت کی بات نہیں کرتے، اور جہالت کی بات میں کوئی خیر اور شر نہیں ہے۔ اور ہم تم کو سلام کرتے ہیں۔ یہاں سلام کو تسلیم کے قائم مقام قرار دیا ہے، پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُن کی مراد سلامتی کو طلب کرنا ہو اور خاموش رہنا ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُن کی مراد اس پر متنبہ کرنا ہو کہ جاہلوں کا طریقہ اچھا نہیں ہے تاکہ وہ اس سے باز آجائیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُن کی مراد جہل کے مقابلے میں حلم اور بُردباری کو ظاہر کرنا ہو۔ الاصم نے کہا ہے کہ اس سلام سے مراد رخصتی کا سلام ہے، اس سلام سے وہ سلام مراد نہیں ہے جو بہ طور تحیت کے کیا جاتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ آزر سے کہا: "قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۔ (مریم: ۴٧)" (ابراہیم نے کہا: آپ کو سلام ہے، میں عنقریب آپ کے لیے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا، بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہیں)۔

الکلبی اور ابوالعالیہ نے کہا: اس آیت کا حکم قتال کی آیت سے منسوخ ہوگیا، تاہم اس کو منسوخ قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ جاہلوں سے چشم پوشی کرنا اور اُن سے مقابلہ کو ترک کرنا عقل اور شرع کے نزدیک مستحسن ہے اور تقویٰ کے حصول کا سبب ہے۔ اور یہاں خطاب مطلقاً ہے، کیونکہ جاہل کی خصال علم اور حکمت کے خلاف ہوتی ہیں اور جہل میں کم عقلی اور قلتِ ادب ہوتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جو لوگ راتوں کو اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام میں گزارتے ہیں O"

(الفرقان: ٦۴)

سجدہ اور قیام میں رات گزارنا

"وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا": اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کی دن میں سیرت کا دو وجہوں سے ذکر فرمایا، ایک وجہ یہ ہے کہ وہ ایذاء پہنچانے کو ترک کرتے ہیں اور یہ اس ارشاد سے مستفاد ہے: "يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا"۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ ایذاء کو برداشت کرتے ہیں اور یہ اس سے مستفاد ہے: "وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا"۔ یہ تو عباد الرحمٰن کی دن میں سیرت تھی، اور رات میں اُن کی سیرت یہ ہے کہ جب لوگ راتوں کو آرام سے سوئے ہوئے ہوتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے میں اور اُس کی عبادت کرنے میں جاگتے رہتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۖ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔ (السجدہ: ١٦)" (اُن کے پہلو اُن کے بستروں سے جدا رہتے ہیں، وہ خوف اور امید کی ملی جلی کیفیت میں اپنے رب کو پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی نعمتوں میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں)۔ اور "يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ" کا معنی ہے کہ وہ اپنی راتوں میں نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ پھر علماء نے کہا: جس نے رات کو قرآن مجید کی تلاوت کی خواہ تھوڑی تلاوت کی ہو تو اُس نے بھی رات سجدہ اور قیام میں گزاری۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ جس نے مغرب کے بعد دو رکعت پڑھیں اور عشاء کے بعد چار رکعت پڑھیں تو اس نے بھی رات سجدہ اور قیام میں گزاری۔ اور اولیٰ یہ ہے کہ اُن کا وصف یہ ہے کہ وہ پوری رات کو یا رات کے اکثر حصے کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ زندہ رکھتے ہیں۔ حسن بصری نے کہا: وہ اپنے قدموں پر

راتوں کو کھڑے رہتے ہیں اور جب بستر پر جاتے ہیں تو اُن کی آنکھوں سے اُن کے چہروں پر اللہ عزوجل کے خوف سے آنسو بہ رہے ہوتے ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو گویا اُس نے آدھی رات قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو گویا اُس نے پوری رات قیام کیا۔

(سنن ترمذی:۲۲۱، سنن ابوداؤد:۵۵۵، صحیح ابن خزیمہ: ۱۴۷۳، سنن دارمی: ۱۲۲۳، مسند احمد:۴۹۱، المنتخب من مسند عبد بن حمید:۵۰، السنن الکبریٰ للبیہقی:۴۹۶۳، شرح السنۃ للبغوی:۳۸۵، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ ج۵ ص۱۱۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب دور فرما دیں، بے شک جہنم کا عذاب چمٹنے والا ہےO''(الفرقان:۶۵)

''غَرَامًا'' کا معنی

''وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ عبادت گزار لوگ اپنے سجدوں اور قیام میں یہ دعا کرتے ہیں۔ حسن بصری نے کہا: وہ دن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خشوع کرتے ہیں اور رات میں عبادت سے اپنے آپ کو تھکاتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''غَرَامًا''۔ اس کا معنی ہے ہلاکت اور نقصان، اور وہ عذاب جو دائمی اور لازم ہو۔ اسی وجہ سے جو قرض خواہ مسلسل اپنے قرض کا مطالبہ کرتا رہے، اُس کو غریم کہا جاتا ہے۔ اور جب کوئی شخص عورتوں کے ساتھ بہت زیادہ مشغول ہو تو کہا جاتا ہے یہ مغرم بالنساء ہے، اللہ تعالیٰ نے اُن کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ رات کو سجدے اور قیام میں گزارتے ہیں، پھر اُس کے بعد اُن کی اس دعا کا ذکر فرمایا ہے اور اس میں یہ خبر دی ہے کہ وہ عبادت میں دن رات کوشش کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن سے عذاب کو دور فرما دیں، جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے: ''وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ۔ (المؤمنون:۶۰)'' (اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جتنا خرچ کر سکتے ہیں وہ اس حال میں خرچ کرتے ہیں کہ اُن کے دل خوف زدہ رہتے ہیں کہ بے شک وہ اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک دوزخ بہت بری رہائش کی جگہ اور بہت بری قیام گاہ ہےO'' (الفرقان:۶۶)

''اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا'': ''سَآءَتْ'' کا لفظ بئست کے حکم میں ہے اور مخصوص بالذم ہے اور اس کا معنی ہے کہ یہ ٹھہرنے کی بہت بری جگہ ہے اور مقام کی بہت بری جگہ ہے۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ عباد الرحمٰن اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ اُن سے جہنم کے عذاب کو دو وجہوں سے دور فرما دیں، ایک تو یہ کہ جہنم کا عذاب دائمی اور لازم ہے۔ اور دوسرا یہ کہ وہ بہت بری ٹھہرنے کی اور مقام کی جگہ ہے۔ سو ان دونوں

میں کیا فرق ہے؟۔اور نیز المستقر اور المقام میں کیا فرق ہے؟۔

ہم کہتے ہیں کہ متکلمین نے بیان کیا ہے کہ کافر کا عذاب ضروری ہے کہ وہ خالص ضرر ہو اور اُس میں نفع کا شائبہ تک نہ ہو۔پس اللہ عزوجل کا ارشاد: ''اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا''،اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ خالص ضرر ہے اور اس میں نفع کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اور اللہ عزوجل کا ارشاد: ''اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا''،اس میں اشارہ ہے کہ وہ عذاب دائمی ہو۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دوزخ اہلِ ایمان میں سے نافرمانوں کے لیے مستقر ہے،وہ اُس میں تھوڑے عرصہ کے لیے ٹھہریں گے اور دائما دوزخ میں نہیں رہیں گے۔اور ''مُقَامًا'' کا مطلب ہے کہ کفار کے لیے دوزخ میں دائمی قیام ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہ لوگ جب خرچ کریں تو بہت زیادہ خرچ نہیں کرتے اور نہ نیکی کے کاموں میں خرچ سے ہاتھ روکتے ہیں،اُن کا خرچ زیادتی اور کمی کے درمیان متوازن ہوتا ہےO'' (الفرقان:۶۷)

اعتدال اور توازن سے خرچ کرنا

''وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَ لَمْ یَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا'': اس آیت میں ''لَمْ یَقْتُرُوْا'' فرمایا ہے: یہ اِقتار سے ماخوذ ہے اور اقتار کا معنی ہے: خرچ میں تنگی کرنا جو کہ اسراف اور فضول خرچی کی ضد ہے۔اسراف کا معنی ہے: خرچ میں حد سے تجاوز کرنا۔اور اِسراف اور تقتیر کے مفسرین نے کئی محمل بیان کیے ہیں:

(۱) یعنی غلو اور تقصیر کے درمیان عمل کیا جائے،جیسے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا: ''وَ لَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۔(بنی اسرائیل:۲۹)'' (اور تو اپنا ہاتھ اپنی گردن تک بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اپنے ہاتھ کو بالکل کھول دے ورنہ تو ملامت کیا ہوا حسرت زدہ بیٹھا رہے گا)۔

وہیب بن الورد نے عالم سے پوچھا: ایسا کونسا مکان ہے جس میں سرف نہ ہو؟ تو انہوں نے کہا: جتنا مکان تم کو دھوپ سے چھپالے اور بارش سے حفاظت میں رکھے،پھر انہوں نے کہا: اچھا وہ کون سا کھانا ہے جس میں سرف نہ ہو،انہوں نے کہا: اتنا کھانا جو بھوک کو مٹا دے۔انہوں نے پوچھا: اور وہ کتنا لباس ہے جس میں سرف نہ ہو؟ تو انہوں نے کہا: جو تمہاری شرم گاہ کو ڈھانپ لے اور تم کو سردی سے محفوظ رکھے۔

(۲) اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما،مجاہد،قتادہ اور ضحاک کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرنا اسراف ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کرنے سے منع کرنا اقتار ہے۔مجاہد نے کہا: اگر کوئی شخص ابوقبیس پہاڑ کی مقدار سونا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرے تو یہ اسراف نہیں ہے،اور اگر چار کلو بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرے تو یہ اسراف ہے۔حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: وہ لوگ اللہ کی نافرمانی میں خرچ نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرنے سے بخل نہیں کرتے۔

(۳) نعمتوں اور آسائشوں میں حد سے تجاوز کرنا اور دنیا کے حصول میں وسعت کرنا یہ اسراف ہے خواہ مالِ حلال سے کیا جائے،جب کہ یہ تکبر کی طرف نہ پہنچائے۔اور کھانے میں تنگی کو اختیار کرنا اقتار ہے،پس اتنا زیادہ پیٹ بھر کر کھانا کہ جس سے عبادت کرنا مشکل اور دشوار ہو،یہ سرف ہے اور بہ قدرِ ضرورت سے کم کھانا یہ اقتار ہے،اور یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی صفت ہے جو عیش و عشرت

اور لذت کے لیے نہیں کھاتے تھے اور جمال اور زینت کے لیے نہیں پہنتے تھے۔ اور وہ اتنی مقدار کھاتے تھے جس سے اُن کی بھوک دور ہو جائے اور وہ اپنے رب کی عبادت کر سکیں۔ اور اتنا لباس پہنتے تھے جس سے اُن کی شرمگاہیں مستور رہیں اور وہ اُن کو سردی اور گرمی سے بچائیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آدمی کا دل جس چیز کے کھانے کو چاہے اور وہ اس کو خرید لے تو یہ اس کے اسراف کرنے کے لیے کافی ہے۔

"وَ كَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا": یعنی ان کے درمیان متوسط حالت کو اختیار کیا جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ اُس شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کو اللہ نے حرام فرما دیا ہے اور نہ زنا کرتے ہیں، اور جو اِن کاموں میں سے کوئی کام کرے گا وہ سخت سزا پائے گا ○" (الفرقان: ۶۸)

آیت مذکورہ پر سوالات کے جوابات

"وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا یَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا":

ان آیات میں شرک کرنے سے، قتلِ ناحق سے اور زنا کرنے سے منع فرمایا۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کے لیے شریک قرار دو حالانکہ اس نے تم کو پیدا فرمایا ہے، میں نے پوچھا: پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے بیٹے کو قتل کرو اس خوف سے کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا۔ میں نے پوچھا: پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔

(صحیح البخاری: ۴۴۷۷، ۶۰۰۱، ۴۷۶۱، ۶۸۱۱، ۷۵۲۰، ۷۵۳۲، صحیح مسلم: ۸۶، سنن ترمذی: ۳۱۸۲، سنن نسائی: ۴۰۱۳، سنن ابوداؤد: ۲۳۱۰، مسند احمد: ۴۱۳۰)

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ عباد الرحمٰن کی صفت یہ ہے کہ وہ شرک، قتل اور زنا سے احتراز کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد ذکر فرمایا کہ جو لوگ یہ کام کرتے ہیں، اُن کو کیسا عذاب ہوگا؟ پھر اس عذاب سے توبہ کرنے والے کا استثناء فرمایا۔ اس جگہ چند سوالات ہیں:

پہلا سوال

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کو معمولی کاموں سے بھی منزہ فرمایا، مثلاً وہ زمین پر اکڑ اکڑ کر نہیں چلتے، پھر اُس کے بعد اُن کو اِن بڑے بڑے گناہوں مثلاً شرک، قتل اور زنا سے منزہ فرمایا، اگر ترتیب اس کے برخلاف ہوتی تو کیا وہ بہتر نہیں تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جو اُن گزشتہ صفات کے ساتھ موصوف ہو، وہ کبھی مشرک بھی ہوتا ہے اور اُس نے کسی لڑکی کو زندہ درگور کیا ہوتا ہے اور کبھی زنا کیا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ کوئی مرد صرف ان خصال کی وجہ سے عباد الرحمٰن میں سے نہیں ہوتا حتیٰ کہ

وہ ان صفات کے علاوہ کبیرہ گناہوں سے بھی مجتنب ہو۔اور حسن بصری رحمہ اللہ نے ایک اور طریقہ سے جواب دیا ہے، انہوں نے کہا: ان آیات سے مقصود مسلمانوں کی سیرت اور کفار کی سیرت کا فرق بیان کرنا ہے، گویا کہ فرمایا: عبادالرحمٰن وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں مانتے اور تم اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو بھی مانتے ہو۔اور عبادالرحمٰن وہ ہیں جو کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے اور تم ناحق قتل کرتے ہو، تم لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے ہو۔اور عبادالرحمٰن وہ ہیں جو زنا نہیں کرتے، اور تم زنا کرتے ہو۔

دوسرا سوال

کسی مسلمان کو قتل کرنا کس وجہ سے ثابت ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان معاذ اللہ مرتد ہو جائے تو اس کو قتل کرنا جائز ہے، اور شادی شدہ ہونے کے بعد اگر وہ زنا کرے تو پھر بھی اُس کو قتل کرنا جائز ہے، اور اگر وہ کسی انسان کو ناحق قتل کر دے تو اُس کو قصاص میں قتل کرنا جائز ہے۔اور اگر وہ ڈاکا ڈالے، پھر بھی اُس کو قتل کرنا جائز ہے۔

تیسرا سوال

بعض مفسرین نے "وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ" کی تفسیر ارتداد کے ساتھ کی ہے، کیا یہ تفسیر صحیح ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ قتل عام ہے اور وہ ان تمام صورتوں کو شامل ہے۔حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کا شریک بناؤ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا فرمایا ہے، میں نے کہا: یہ واقعی بہت سنگین گناہ ہے، میں نے پوچھا: پھر کونسا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے بیٹے کو اس خوف سے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا، میں نے پوچھا: پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔

(صحیح البخاری: ۴۴۷۷، ۴۷۶۱، ۶۰۰۱، ۶۸۱۱، ۶۸۶۱، ۷۵۲۰، ۷۵۳۲، صحیح مسلم: ۸۶، سنن ترمذی: ۳۱۸۲، سنن نسائی: ۴۰۱۳، سنن ابوداؤد: ۲۳۱۰، مسند احمد: ۴۱۳۰)

چوتھا سوال

اس آیت میں فرمایا ہے: "وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا"۔"اَثَامًا" کا مصداق کیا ہے؟

اس سوال کے کئی جواب ہیں: ایک یہ ہے کہ اثام، اثم کی جزا ہے الوبال اور النکال کے وزن پر۔دوسرا جواب یہ ہے کہ ابومسلم نے کہا: الاثام اور الاثم دونوں ایک ہیں۔اور یہاں پر الاثام کی جزا مراد ہے، پس کسی چیز کا اطلاق اُس کی جزا پر کیا گیا ہے۔اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حسن بصری نے کہا ہے: الاثام جہنم کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، اور مجاہد نے کہا: اثام، جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے: "شَدِيْدًا" یعنی وہ شدید گناہ کو پائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ اُس عذاب میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ رہے گا ○" (الفرقان: ۶۹)

عذاب دگنا کرنے کی توجیہ

"يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا": عذاب کے دگنا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مشرک جب شرک کے علاوہ دیگر نافرمانیوں کا ارتکاب کرے گا تو اُس کو شرک اور دیگر نافرمانیوں سب کا عذاب دیا جائے گا۔ اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کفار اُصول کے علاوہ فروعی احکام کے بھی مخاطب ہیں، یعنی جس طرح اُن کو توحید کے انکار پر عذاب ہوگا، اسی طرح اُن کو نماز، روزہ اور زکوۃ کی عدم ادائیگی پر بھی عذاب ہوگا۔ اور یہی فقہاء شافعیہ کا مذہب ہے کہ کفار احکام فرعیہ کے بھی مخاطب ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: "مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۔ (المدثر: ۴۲۔۴۴)" (تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لے گئی؟۝ وہ کہیں گے: ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۝ اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۝)۔

دیگر فقہاء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اُن کو دوزخ میں اس لیے عذاب دیا جائے گا کہ وہ نماز پڑھنے اور مسکین کو کھانا کھلانے کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سوا اُن لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کیے تو ان لوگوں کی برائیوں کو بھی اللہ نیکیوں سے بدل دیں گے، اور اللہ سب سے زیادہ معاف فرمانے والے، سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں۝" (الفرقان: ۷۰)

"اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا":

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ قاتل کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اور اُن کا زعم یہ ہے کہ یہ آیت درج ذیل آیت سے منسوخ ہے: "وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۔ (النساء: ۹۳)" (اور جو کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے تو اُس کی سزا ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے اور اللہ اُس پر غضب ناک ہوں گے اور اُس پر لعنت فرمائیں گے اور اللہ نے اُس کے لیے سخت عذاب تیار فرما رکھا ہے)۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سخت سزا کم سزا کے بعد دی جائے گی۔ الضحاک اور مقاتل نے کہا: آٹھ سال بعد یہ سزا دی جائے گی اور اس کی تفصیل سورۃ النساء میں گزر چکی ہے۔

امام ابو اسحاق احمد المعروف بالامام الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ، النساء: ۹۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بعض معتزلہ اور خوارج کا مذہب یہ ہے کہ یہ آیت (النساء: ۹۳) اُس مومن کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کر دیا اور اس کی جو سزا قرآن مجید میں مذکور ہے وہ سزا اُس کو لامحالہ ملے گی۔ اور المرجئہ نے کہا: یہ آیت اُس کافر کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے مومن کو قتل کر دیا، رہا وہ مومن جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا تو وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا، اور ہمارے نزدیک جب مومن نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا تو وہ اس فعل سے کافر نہیں قرار دیا جائے گا اور نہ ایمان سے خارج ہوگا، سوا اس صورت کے کہ اس نے مومن کے قتل کو حلال اور جائز سمجھ کر قتل کیا ہو، لیکن جب اس نے اُس کو حلال اور جائز سمجھ کر قتل نہیں کیا تو اُس پر لازم ہے کہ اس مقتول کی دیت ادا کرے اور یہ اس کا کفارہ ہے بشرطیکہ وہ اس فعل پر توبہ کرنے والا ہو۔ اور اگر وہ دنیا سے بغیر توبہ اور بغیر قصاص کے چلا گیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے اوپر موقوف ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو اُس کو معاف فرما دیں

گے اور مقتول کو اللہ تعالیٰ کسی اور طرح سے راضی فرما دیں گے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو قاتل کو اس کے قتل کے فعل پر عذاب دیں گے، پھر بعد میں اُس کو جنت کی طرف لے جائیں گے جس کا اُنہوں نے مومن سے وعدہ فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتے۔ اور اُن کا سزا کو ترک فرما دینا محض اُن کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ کا سزا نہ دینا خُلفِ وعد ہے اور کریم جب کسی مجرم کی سزا کو بیان فرماتے ہیں تو وہاں پر کوئی شرط مقدر ہوتی ہے یعنی اگر میں نے اُس کو معاف نہ فرمایا تو اُس کو یہ سزا دوں گا اور خُلفِ وعد جائز ہے اور خُلفِ وعید جائز نہیں ہے۔ (الکشف والبیان ج ۳ ص ۳۶۲۔ ۳۶۳، ملخصاً وملتقطاً، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اُن لوگوں کے مصادیق جن کی برائیاں نیکیوں سے تبدیل فرمائی جائیں گی

"فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ": اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری، مجاہد اور قتادہ نے کہا: برے اعمال کی نیک اعمال کے ساتھ تبدیلی دنیا میں ہوگی، یعنی جن لوگوں نے زمانۂ شرک میں برے اعمال کیے ہوں گے، اسلام لانے کے بعد اللہ تعالیٰ اُن کے برے اعمال کو نیک اعمال کے ساتھ تبدیل فرما دیں گے اور مومنین کے قتل کرنے کو مشرکین کے قتل کرنے کے ساتھ تبدیل فرما دیں گے، اور زنا کو پاک دامنی اور احصان کے ساتھ تبدیل فرما دیں گے۔ پس گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بشارت دی ہے کہ وہ اُن کو نیک اعمال کی توفیق دیں گے جس کی وجہ سے وہ ثواب کے مستحق ہوں گے۔

(۲) الزجاج نے کہا کہ برائی بعینہٖ اچھائی نہیں ہوگی، اور اس کی تاویل یہ ہے کہ برائی کو توبہ کے ساتھ مٹا دیا جائے گا اور توبہ کے ساتھ نیکی لکھ دی جائے گی۔ اور کافر کے اعمال ساقط ہو جاتے ہیں اور اُس کے گناہ ثابت رہتے ہیں۔

(۳) بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بندہ سے برائی کو مٹا دیں گے اور اس بندہ کے لیے اُس برائی کے بدلہ میں نیکی لکھ دیں گے۔ یہ سعید بن المسیب اور مکحول کا قول ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت سے لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! انہوں نے زیادہ گناہ کیے ہوتے! اصحاب نے پوچھا: یارسول اللہ! کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا کہ جن لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے تبدیل فرما دیں گے۔ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۷۶۴۳، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر ج ۲۰ ص ۳۶۳)

صفوان بن محرز بیان کرتے ہیں: جس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما طواف کر رہے تھے تو اُن کے پاس ایک مرد آیا اور اُس نے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! یا کہا: اے ابن عمر! کیا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے النجویٰ کے متعلق کچھ سنا ہے؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کو اس کے رب کے قریب کیا جائے گا، اور ہشام نے کہا: مومن قریب ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے اوپر اپنی رحمت کا پَر رکھ دیں گے، پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائیں گے: تم فلاں گناہ کو پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! میں پہچانتا ہوں، اور وہ دو مرتبہ کہے گا: میں پہچانتا ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میں نے دنیا میں تمہارا پردہ رکھا تھا اور آج میں تم کو بخش دیتا ہوں، پھر اس کی نیکیوں کا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا۔ رہے دوسرے لوگ یا کفار جنہوں نے اپنے رب کے اوپر جھوٹ باندھا تھا، سنو! لعنت ہے اللہ کی ظالموں پر (ہود: ۱۸)۔

(صحیح البخاری: ۲۴۴۱، ۴۶۸۵، ۶۰۷۰، ۷۵۱۴، صحیح مسلم: ۲۷۶۸، الرقم المسلسل: ۶۹۰۹، سنن ابن ماجہ: ۱۸۳، السنن الکبریٰ: ۱۱۲۴۲، صحیح ابن

ترمذی ج ۱ ص ۳۸۶، مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۵، طبع قدیم، مسند احمد: ۵۸۲۳، ج ۱۰ ص ۸۳۔۸۵، طبع جدید، موسسۃ الرسالۃ بیروت)

اسی حدیث کے مناسب درج ذیل حدیث ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں ضرور اُس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا اور سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا، اُس مرد کو قیامت کے دن حاضر کیا جائے گا، پس فرمایا جائے گا: اس کے اوپر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس کے بڑے بڑے گناہ اٹھالو۔ پس اُس کے اوپر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے، اُس سے کہا جائے گا: تو نے فلاں دن یہ کام کیا تھا اور فلاں دن یہ کام کیا تھا، وہ کہے گا: ہاں! اور وہ اُن کاموں سے انکار کرنے کی طاقت نہیں رکھے گا، اور وہ اپنے بڑے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا کہ وہ اُس پر پیش کیے جائیں گے، تو اُس سے کہا جائے گا: تیرے لیے ہر برے کام کے بدلے میں ایک نیک کام کی جزا ہے، تب وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں نے تو اور بھی گناہوں کے کام کیے ہیں جن کو میں یہاں پر نہیں دیکھ رہا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں۔

(صحیح مسلم: ۱۹۰، الرقم المسلسل: ۳۶۶، رقم حدیث الباب: ۳۱۴، سنن ترمذی: ۲۵۹۶، شرح السنۃ للبغوی: ۴۳۶۰، مسند البزار: ۳۹۸۷، مسند ابوعوانہ: ۳۳۵، کتاب الایمان لابن مندہ: ۸۴۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۹۰، البعث والنشور: ۹۸، الاسماء والصفات ص: ۳۰۵، مسند احمد: ۲۱۳۹۳، موسسۃ الرسالۃ بیروت)

حضرت ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہارے گناہ نہ ہوں جن کو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے معاف فرمائیں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا فرمائیں گے جن کے گناہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائیں گے۔

(صحیح مسلم: ۲۷۴۸، الرقم المسلسل: ۶۸۹۷، رقم حدیث الباب: ۹، سنن ترمذی: ۳۵۳۹، مسند احمد: ۸۰۸۲، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۲۷۱، مسند ابوعوانہ: ۲۶۹، الدعاء للطبرانی: ۱۸۰۱، ۱۸۰۳، شعب الایمان للبیہقی: ۷۱۰۲، الاسماء والصفات ص: ۵۵، الآداب للبیہقی: ۱۰۲۸، شرح السنۃ للبغوی: ۱۲۹۳، ۱۲۹۵، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۲۳۶، مسند احمد: ۷۵۳۲، ۲۳۴۷۲، موسسۃ الرسالۃ بیروت)

امام ابوالفضل قاضی عیاض بن موسیٰ بن عیاض الیحصبی متوفی ۵۴۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اپنی وفات کے وقت بیان کی اور کہا: میں نے تم سے یہ علم چھپایا تھا جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: "اگر تم گناہ نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا فرمائیں گے جو گناہ کریں گے، اُن کی مغفرت فرمائی جائے گی"۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے اور اُس کا کرم جسیم ہے، حضرت ابوایوب نے اس حدیث کو اس لیے چھپایا ہوا تھا کہ لوگ اس کے اوپر تکیہ کرلیں گے اور اُن پر امیدوں کا اور آرزوؤں کا غلبہ ہوگا اور عمل کو معطل کردیں گے۔ پھر موت سے پہلے انہیں خوف ہوا کہ اس حدیث کو چھپانے کی وجہ سے اُن پر کوئی تنگی ہوگی، تو انہوں نے یہ حدیث بیان کردی تاکہ اُن سے تنگی زائل ہو جائے، علاوہ اس کے اس حدیث میں اُن کے لیے بھی موت کے حضور کے وقت مغفرت کی امید ہے۔

اسی طرح لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے والوں کے لیے اور مقررین کے لیے واجب ہے کہ لوگوں کے سامنے امید کی حدیثیں

زیادہ نہ بیان کریں، تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ گناہوں اور نافرمانیوں میں مستغرق ہو جائیں اور نیک اعمال کو ترک کر دیں۔ اور ان کے وعظ میں زیادہ حصہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے کا ہونا چاہیے لیکن اس حد پر کہ وہ بالکل مایوس نہ ہو جائیں۔ اور اس مسئلہ میں امام اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اور جس شخص پر موت کا وقت حاضر ہو تو اس کو کلمۂ شہادت کی تلقین کریں اور جس شخص پر مرض شدید ہو تو اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی اور مغفرت کی آیات بیان کریں، اور مغفرت کی امید کی احادیث بیان کریں تاکہ اس کا نفس اپنے رب سے ملاقات کے لیے تیار ہو اور خوش ہو۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم، ج ۸ ص ۲۴۷۔۲۴۸، دار الوفاء، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر تم لوگ گناہ کرنا چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جنس سے ایسے لوگ پیدا فرمائیں گے جو گناہ کریں گے اور پھر اللہ عزوجل سے اُن گناہوں پر استغفار کریں گے اور توبہ کریں گے اور مغفرت کو طلب کریں گے، تو اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائیں گے، کیونکہ اُن کے غفار اور غفور ہونے کا یہی تقاضا ہے۔ زین العرب نے کہا: اس حدیث میں امید کو خوف پر غلبہ دیا گیا ہے۔

علامہ الطیبی نے کہا: اس حدیث میں اُن لوگوں کے لیے تسلی نہیں ہے جو گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا وہم ہے، کیونکہ انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم کو اس لیے مبعوث فرمایا گیا تاکہ وہ لوگوں کو گناہوں سے منع کریں بلکہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے عفو کا بیان ہے اور یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کرنے والوں سے درگزر فرماتے ہیں تاکہ وہ توبہ کرنے میں رغبت کریں، اور اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ وہ نیکی کرنے والوں کو ثواب عطا فرمائیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ وہ برے کام کرنے والوں سے درگزر فرمائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے الغفار، الحلیم، التواب، العفو، اس چیز پر دلالت کرتے ہیں۔ اور بندے ایسے نہ ہو جائیں جیسے فرشتے ہیں جن کو گناہوں سے بچنے پر پیدا فرمایا ہے بلکہ ایسے بندوں کو پیدا فرمایا جن کی طبیعت میں نفسانی خواہشوں کی طرف میلان کو رکھا، پھر اُن کو اُن نفسانی خواہشوں سے بچنے کا مکلف فرمایا۔ اور اگر وہ اُن گناہوں میں مبتلا ہو جائیں تو اُن کو توبہ کا طریقہ بتایا، سو جس بندے نے اس کو پورا کر لیا تو اس کا اجر اللہ پر ہے، اور جس نے اس میں خطاء کی تو توبہ اُس کے سامنے ہے۔ اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہ ہے کہ اگر تم اُس فطرت پر پیدا کیے جاتے جس فطرت پر فرشتے پیدا فرمائے گئے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا فرماتے جن سے گناہوں کا صدور ہوتا، پھر ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی صفات کا ظہور ہوتا، کیونکہ غفار اس کا تقاضا کرتا ہے کہ کوئی مغفور ہو جس کی وہ مغفرت فرمائیں۔

شاید اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفت کرم اور حلم اور غفران کا اظہار ہے، اور انسان زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے، اُس پر اللہ تعالیٰ کے جلال اور اکرام اور قہر، لطف اور انعام کی تجلی ہوتی ہے۔ اور فرشتوں کی نظر صرف اللہ تعالیٰ کے قہر اور جلال کی طرف ہوتی ہے، اسی لیے انہوں نے کہا تھا: "اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ـ (البقرہ: ۳۰)" (کیا آپ زمین میں اس کو (اپنا نائب) بنائیں گے جو اس زمین میں دہشت گردی کرے گا اور خوں ریزی کرے گا)۔ اور اللہ تعالیٰ نے جب اپنی صفت لطف اور اکرام کی طرف نظر کی تو فرمایا: "اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ـ (البقرہ: ۳۰)" (بے شک میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے)۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر تم لوگ گناہ نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے

بدلہ میں ایسے لوگ لے آئیں گے جو گناہ کریں گے اور گناہوں پر توبہ کریں گے۔ اور اس کی نظیر یہ حدیث ہے: کل ابن آدم خطاء وخیر الخطائین التوابون"۔ (ہر ابن آدم خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہوں)۔ (سنن ترمذی: ۲۴۹۹) (مرقات المفاتیح ج ۵ ص ۱۶۱۔۱۶۲، المکتبۃ الحقانیہ پشاور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا مقصد اللہ تعالیٰ کے عفو اور گناہوں کی مغفرت کو بیان فرماتا ہے جو اُس کے اسم العفو اور الغفار کا تقاضا ہے۔ اور تاکہ لوگ توبہ اور استغفار کرنے میں رغبت کریں، اس حدیث کا یہ مقصد نہیں ہے کہ لوگوں کو گناہوں پر برانگیختہ کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے منع فرمایا ہے اور انبیاء علیہم السلام کو اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ لوگوں کو وہ گناہوں سے روکیں۔

(لمعات التنقیح، ج ۵ ص ۱۵۲، دار النوادر، بیروت، ۱۴۳۵ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کئے تو بے شک اُس نے اللہ کی طرف رجوع کر لیا O" (الفرقان: ۷۱)

توبہ کے حکم کے تکرار کی توجیہ

"وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰهِ مَتَابًا": اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ اس آیت میں تکرار ہے، کیونکہ اس سے پہلی آیت میں بھی یہی فرمایا تھا: "اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی توبہ شرک اور نافرمانیوں سے تھی اور یہ دوسری توبہ جو ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا بیان ہے تاکہ اللہ تعالیٰ جزا عطا فرمائیں، جیسے قرآن مجید میں ہے: "كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِیْۤ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاۡ عَلَیْهِمُ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَهُمْ یَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِؕ قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ مَتَابِ۔ (الرعد: ۳۰)" ((اے رسول اکرم!) اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں مبعوث فرمایا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ اُن کے سامنے اُن آیات کو پڑھ کر سنائیں جن کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے حالانکہ وہ لوگ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں، آپ کہیے: وہی میرے رب ہیں، ان کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، انہی پر میں نے توکل کیا ہے اور انہی کی طرف میرا لوٹنا ہے)۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ توبہ میں صرف اللہ ہی کی طرف رجوع ہوتا ہے، پھر اس ارشاد کی کیا ضرورت ہے: "فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰهِ مَتَابًا" (تو بے شک اُس نے اللہ کی طرف رجوع کر لیا)۔ اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ پہلی توبہ معصیت اور نافرمانی سے رجوع ہے اور دوسری توبہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اُن کے عطا فرمائے ہوئے ثواب کی طرف رجوع ہے۔

(۲) اس توبہ کا معنی یہ ہے کہ جس نے اللہ کی طرف توبہ کی تو اُس نے ایسی توبہ کی جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور گناہوں کو مٹانے والی ہے اور ثواب عظیم عطا فرمانے والی ہے۔

(۳) پہلی توبہ کا تعلق ماضی کے ساتھ ہے جس نے زمانہ ماضی میں توبہ کر لی، اور دوسری توبہ کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہے یعنی اللہ تعالیٰ

اُس کو مستقبل میں بھی توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب وہ کسی بیہودہ کام کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت سے گزر جاتے ہیں O'' (الفرقان: ۷۲)

''الزُّوْرَ'' کے متعدد معانی

''وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا'':

ہوسکتا ہے ''الزُّوْرَ'' کا یہ معنی ہو کہ کسی باطل شہادت کو قائم کیا جائے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ عباد الرحمٰن جھوٹی شہادت پر حاضر نہیں ہوتے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ عباد الرحمٰن جھوٹی باتوں کے مواقع پر حاضر نہیں ہوتے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ''وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۔ (الانعام: ۶۸)'' (اور (اے رسول اکرم!) جب آپ اُن لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں فضول بحث کرتے ہیں تو آپ اُن سے اعراض کریں، حتی کہ وہ کسی اور بات میں بحث کرنے لگیں، اور (اے رسول اکرم!) اگر (بالفرض) شیطان آپ کو بھلا دے تو آپ یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھیں)۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہو کہ جس مجلس میں غیر شرعی باتیں ہوں، اُس مجلس میں عباد الرحمٰن حاضر نہیں ہوتے۔ اور اس میں مشرکین کی عیدیں اور فساق کے مجامع شامل ہیں، کیونکہ جو آدمی برے کام کرنے والوں کے ساتھ مختلط ہو اور اُن کے برے کاموں کو دیکھے اور اُن کی مجلسوں میں حاضر ہو تو وہ بھی اُن کی معصیت میں شریک ہو گیا، کیونکہ اُس کا اُن کی مجلس میں حاضر ہونا اور اُن کو دیکھنا اُن سے راضی ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت سے مراد مجالس اللہو ہیں، یعنی جن مجالس میں مشرکین اللہ تعالیٰ اور اُن کے رسول کے خلاف باتیں کرتے ہیں، اور محمد بن الحنفیہ نے کہا: ''الزُّوْر'' سے مراد ہے الغناء یعنی گانا بجانا۔ اور یہ تمام وجوہ مراد ہو سکتی ہیں لیکن زور کا زیادہ استعمال جھوٹ میں ہوتا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ''۔ لغو سے مراد ہر وہ کام ہے جس کو چھوڑ دیا جائے اور جس کو ترک کرنا واجب ہے۔ اور بعض علماء نے کہا کہ لغو ہر وہ کام ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ ہو۔ لیکن یہ تعریف ضعیف ہے، کیونکہ مباحات بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہوتے اور اُن کو لغو شمار نہیں کیا جاتا۔

اور اس آیت میں فرمایا ہے: ''وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ'' اور لغو سے مراد یہاں اہل اللغو ہیں، یعنی جو لوگ لغو کاموں میں مشغول ہوں تو وہ اُن کے پاس سے شائستگی سے گزر جاتے ہیں۔

''مَرُّوْا كِرَامًا'': اس آیت کا معنی یہ ہے کہ عباد الرحمٰن اپنی تکریم کرتے ہیں اور جو لوگ لغو کاموں میں مشغول ہوں، اُن سے اعراض کرتے ہیں اور اُن پر انکار کرتے ہیں اور اُن کے ساتھ موافقت اور معاونت کو ترک کرتے ہیں اور اس میں شرک بھی داخل ہے۔ قرآن مجید میں لغو کا اطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہنے اور آپ کے دین کی مذمت پر اور آپ کے دین میں لایعنی باتوں پر غور کرنے پر

ہوتا ہے،اور اس آیت کی نظیر یہ ہے: ''وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ۔۔(القصص: ۵۵)''(اور جب وہ بیہودہ بات سنتے ہیں تو اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں، تم پر سلام ہو، ہم جاہلوں کی صحبت نہیں چاہتے)۔اور اسی میں داخل ہے کہ بے حیائی کے کاموں اور باتوں سے اعراض کیا جائے اور گناہوں سے بچا جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جن لوگوں کو جب اُن کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اُن آیتوں پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے O''(الفرقان: ۷۳)

''وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا'': اس آیت کا معنی یہ ہے کہ عباد الرحمٰن کے سامنے جب قرآن مجید کی آیات کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ اُن کو سننے کی حرص میں اُن کی طرف جھک جاتے ہیں اور جو اُن کو نصیحت کرے اُس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔اُن منافقین کی طرح نہیں ہیں جو آیات کو سنتے ہیں اور اُس کے سامنے سے بہرے اور اندھے ہو کر گزر جاتے ہیں، نہ اُن آیات کو سمجھتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ یہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں سے اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمائیں، اور ہمیں متقین کا امام بنا دیں O''(الفرقان: ۷۴)

آنکھوں کی ٹھنڈک سے مراد

''وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا'':

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اُن کی ازواج اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک کے حصول سے یہ مراد ہے کہ وہ شریعت کی مکمل پیروی کرتے ہیں اور دین پر مکمل عمل کرتے ہیں تو اُن کی اس دین داری کو دیکھ کر اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں، اور یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اُن میں دنیاوی مال اور جمال کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔

اس سوال کی ایک وجہ یہ ہے کہ عباد الرحمٰن نے یہ سوال کیا کہ دنیا میں اُن کی ایسی ازواج اور ذُرّیات ہوں جو عبادات میں اُن کے شریک ہوں، تو انہوں نے چاہا کہ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ اُن کو ایسی ازواج اور اولاد عطا فرمائیں تا کہ اُن کا سرور کامل ہو۔

اس سوال کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ جنت میں اُن کو اُن کی ازواج اور اولاد کے ساتھ ملا دیں تا کہ اُن کے ملنے کی وجہ سے اُن کا سرور زیادہ ہو جائے۔

الزجاج نے کہا ہے کہ ''اقرّ اللہ عینک'' کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی چیز عطا فرمائیں جس کو تم پسند کرتے ہو اور اُس سے محبت کرتے ہو۔اور المفضل نے کہا: ''قرۃ اعین'' کی تفسیر میں تین اقوال ہیں: (۱) آنکھ سے جو آنسو نکلتے ہیں وہ آنسو خوشی کے وقت میں ٹھنڈے ہوتے ہیں اور رنج اور غم کے موقع پر جو آنکھ سے آنسو نکلتے ہیں، وہ گرم ہوتے ہیں یعنی ہم کو ایسے آنسو عطا فرمائیں جو ٹھنڈے ہوں۔ (۲) اور دوسرا معنی ہے بندوں کی نیند، کیونکہ نیند اُس وقت آتی ہے جب درد اور غم دور ہو جائے۔ (۳) اور تیسرا معنی ہے رضا کا حصول، کیونکہ جب یہ معانی حاصل ہوں تو انسان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔

آخرت میں بلند مرتبہ کے طلب کی دعا

''وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا'': زیادہ قریب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں اس درجہ پر پہنچ جائیں کہ لوگ اُن کی طرف اشارہ کریں اور اُن کی اقتداء کریں۔ اور بعض دوسرے مفسرین نے کہا: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ دینی ریاست کو طلب کرنا مستحب ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی: ''وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِيْنَ۔'' (الشعراء: ٨٤) ''(اور بعد میں آنے والی امتوں میں میرا ذکر خیر باقی رکھیں)۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی انسان کا دین میں کسی بلند مرتبہ اور منصب کو طلب کرنا جائز ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دس آیتیں اُن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

ہمارے اصحابِ اہلسنت نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ بندہ کا فعل اللہ تعالیٰ کا پیدا فرمایا ہوا ہے، کیونکہ وہ دین میں اسی وقت امام ہوگا جب اُس کو علم اور عمل حاصل ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا علم اور عمل کے ساتھ متصف ہونا اللہ تعالیٰ کے پیدا فرمانے اور اُن کی تخلیق سے ہے۔ قاضی عبدالجبار معتزلی نے کہا کہ اس سوال سے مراد اُن الطاف کو طلب کرنا ہے کہ جب وہ الطاف زیادہ ہو جائیں تو وہ چیزوں کے لائق ہو جاتے ہیں تو پھر وہ امام بن جاتے ہیں۔

(التفسیر الکبیر، ص ٤٠٣، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ٢٠٠٩ء)

اس آیت میں فرمایا: ہمیں متقین کا امام بنا دیں اور ''ائمہ'' نہیں فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو امام بنا دیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان لوگوں کو جنت کا بلند بالا خانہ عطا فرمایا جائے گا کیونکہ انہوں نے عبادت کی مشقتوں پر صبر کیا اور دعائے خیر اور سلام کے ساتھ اُن سے وہاں ملاقات کی جائے گی O'' (الفرقان: ٧٥)

تحیت اور سلام کے معانی

''أُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا'':

اس سے مراد یہ ہے کہ اُن کو جنت کے بلند بالا خانے بہ طور جزا عطا فرمائے جائیں گے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ آمِنُوْنَ۔'' (سبا: ٣٧) ''(تمہارے اموال اور تمہاری اولاد اس قابل نہیں کہ وہ تمہیں ہمارے قرب تک پہنچا دیں، مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اُن کے لیے اُن کے اعمال کا دوگنا بدلہ ہے اور وہ جنت کی بلند منزلوں میں بے خوف و خطر رہیں گے)۔ اور غرفہ لغت میں بلند جگہ کو کہتے ہیں، اور ہر بلند جگہ غرفہ ہے اور اس سے مراد بلند درجات ہیں۔ مفسرین نے کہا: ''الغرفۃ'' جنت کا نام ہے، سو اس آیت کا معنی ہے: انہیں جنت بہ طور جزا عطا فرمائی جائے گی۔

بعض علماء نے کہا: اس آیت میں فرمایا ہے ''بِمَا صَبَرُوْا''۔ یعنی وہ اپنے صبر کرنے کی وجہ سے جنت کے مستحق ہوئے۔ ہر چند کہ اُن کو جنت کا عطا فرمایا جانا اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے از راہِ کرم اُن سے جنت عطا فرمانے کا وعدہ فرمالیا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صبر کا ذکر فرمایا ہے اور مصبور کا ذکر نہیں فرمایا، یعنی کس چیز پر صبر کیا، تاکہ ہر قسم اس میں داخل ہو جائے۔ پس اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور وجود پر دلائل کو تلاش کرنے میں جو مشقت ہوتی ہے، یہ صبر اُس کو بھی شامل ہے اور عبادات کی ادائیگی میں جو مشقت ہوتی ہے یہ صبر اُس کو بھی شامل ہے۔ اور شہوات کے ترک کرنے پر جو مشقت ہوتی ہے، یہ صبر اُس کو بھی شامل ہے اور مشرکین کی ایذاء کو برداشت کرنے میں جو مشقت ہوتی ہے، یہ صبر اُس کو بھی شامل ہے، اور جہاد کرنے میں جو مشقت ہوتی ہے، یہ صبر اُس کو بھی شامل ہے، اس لیے جن لوگوں نے یہ کہا کہ اس سے مراد صرف فقر و فاقہ پر صبر کرنا ہے وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ صفات اگر غنی اور خوشحالی کے ساتھ حاصل ہوں، تب بھی وہ اسی طرح جنت کا مستحق ہوگا جس طرح فقر پر صبر کرنے والا جنت کا مستحق ہوتا ہے۔

"وَیُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّسَلٰمًا": اس آیت کی مثل یہ آیت ہے: "فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْیَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا۔ (الدہر:۱۱)" (پس اللہ انہیں اس دن کی مصیبت سے بچالیں گے اور انہیں چہرے کی چمک دمک اور خوشی عطا فرمائیں گے)۔
التحیۃ کا معنی ہے: خوشگوار زندگی گزارنے کی دعا اور سلام کا معنی ہے: سلامت رہنے کی دعا۔ اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جنت کی نعمتیں باقی رہیں گی منقطع نہیں ہوں گی۔ اور سلام کا معنی یہ بھی ہے کہ جنت کی نعمتیں ضرر کے شائبہ سے خالص ہیں۔ پھر یہ تحیت اور سلام ہو سکتا ہے کہ اللہ عزوجل کی طرف سے ہو، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ۔ (یٰس:۵۸)" (بہت ہی مہربان رب کی طرف سے انہیں سلام دیا جائے گا)، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تحیت اور سلام فرشتوں کی طرف سے ہو، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۟ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ (الرعد:۲۳-۲۴)" (وہ ہمیشگی کی جنتیں ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے آباء میں سے اور ان کی بیویوں میں سے اور ان کی اولادوں میں سے جو نیک ہوں گے اور فرشتے ان کے پاس ہر دروازہ سے داخل ہوں گے ○ (وہ یہ کہیں گے:) تم پر سلام ہو کیونکہ تم نے صبر کیا، سو آخرت کا یہ گھر کتنا اچھا ہے)۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہو کہ جنتی ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے، جو عمدہ رہائش اور قیام کی جگہ ہے ○" (الفرقان:۷۶)

"خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا": اس آیت سے مراد یہ ہے کہ پہلے اللہ سبحانہٗ نے اُن سے منافع کا وعدہ فرمایا، پھر دوبارہ اُن کی تعظیم کو ظاہر فرمایا اور یہ بیان فرمایا کہ اُن کی صفت دوام اور ہمیشگی ہے اور "خٰلِدِیْنَ فِیْهَا" سے یہی مراد ہے۔ اور چونکہ کفار کے متعلق فرمایا تھا: "سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۔ (الفرقان:۶۶)" تو اُس کے مقابلہ میں مومنین کے لیے فرمایا: "حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا"۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "آپ کہیے: اے لوگو! اگر تم عبادت نہ کرو تو میرے رب کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے، بے شک تم نے اللہ کے رسول کی تکذیب کی ہے، پس عنقریب اس کی سزا تم پر لازم رہے گی ○"
(الفرقان:۷۷)

اللہ تعالیٰ کا بندوں کی عبادت سے بے نیاز ہونا

"قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا": اللہ تعالیٰ نے متقین کی صفات بیان فرمائیں اور ان کے ثواب کے حال کا ذکر فرمایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا کہ آپ یہ کہیے: اے لوگو! اگر تم عبادت نہ کرو تو میرے رب کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی عبادت کرنے سے مستغنی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو عبادت کرنے کا اس لیے حکم فرمایا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے نفع حاصل کریں۔

اس آیت میں فرمایا ہے: "لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ"۔ اس کا ایک محمل ہے: اگر تم ایمان نہ لاؤ۔ اور دوسرا محمل ہے: اگر تم عبادت نہ کرو۔ اور اس کا تیسرا محمل ہے: اگر تم مشکلات اور مصائب میں اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کرو، جیسا کہ اس آیت میں ہے: "فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ"۔ (العنکبوت: ۶۵) "(پھر جب مشرکین کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کے لئے عبادت کو خاص کرتے ہوئے اُسی سے دعا مانگتے ہیں، پھر جب اللہ انہیں بچا کر خشکی کی طرف لے آتے ہیں تو ایک دم شرک کرنے لگتے ہیں)۔ اور اس کا چوتھا محمل ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے احسانات پر اُن کا شکر ادا نہ کرو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا"۔ (النساء: ۱۴۷) "(اور اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا! اگر تم شکر ادا کرو اور صحیح ایمان لے آؤ، اور اللہ قدر دانی فرمانے والے اور سب کچھ جاننے والے ہیں)۔

"فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا": اس کی نظیر یہ ہے کہ بادشاہ اُس سے کہے جو اُس کی نافرمانی کرے کہ میری عادت یہ ہے کہ جو میری اطاعت کرے، میں اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں اور تم نے میری نافرمانی کی ہے، پس عنقریب تم دیکھو گے کہ میری نافرمانی کی وجہ سے تم کو کیسا عذاب ہوتا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ خطاب کس سے متوجہ ہے؟

تو ہم کہیں گے کہ یہ خطاب تمام لوگوں سے علی الاطلاق ہے، ان میں مومنین بھی ہیں، عابدین بھی ہیں، مکذبین بھی ہیں، نافرمانی کرنے والے بھی ہیں، سو سب کو خطاب کر کے فرمایا کہ جس نے عبادت کی اُس کو اجر و ثواب ملے گا اور جس نے عبادت سے اعراض کیا اور اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی تو عنقریب اُس کو ایسا عذاب ہو گا جو اس کے ساتھ لازم رہے گا۔

(التفسیر الکبیر، ج ۸ ص ۴۸۹-۴۸۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)
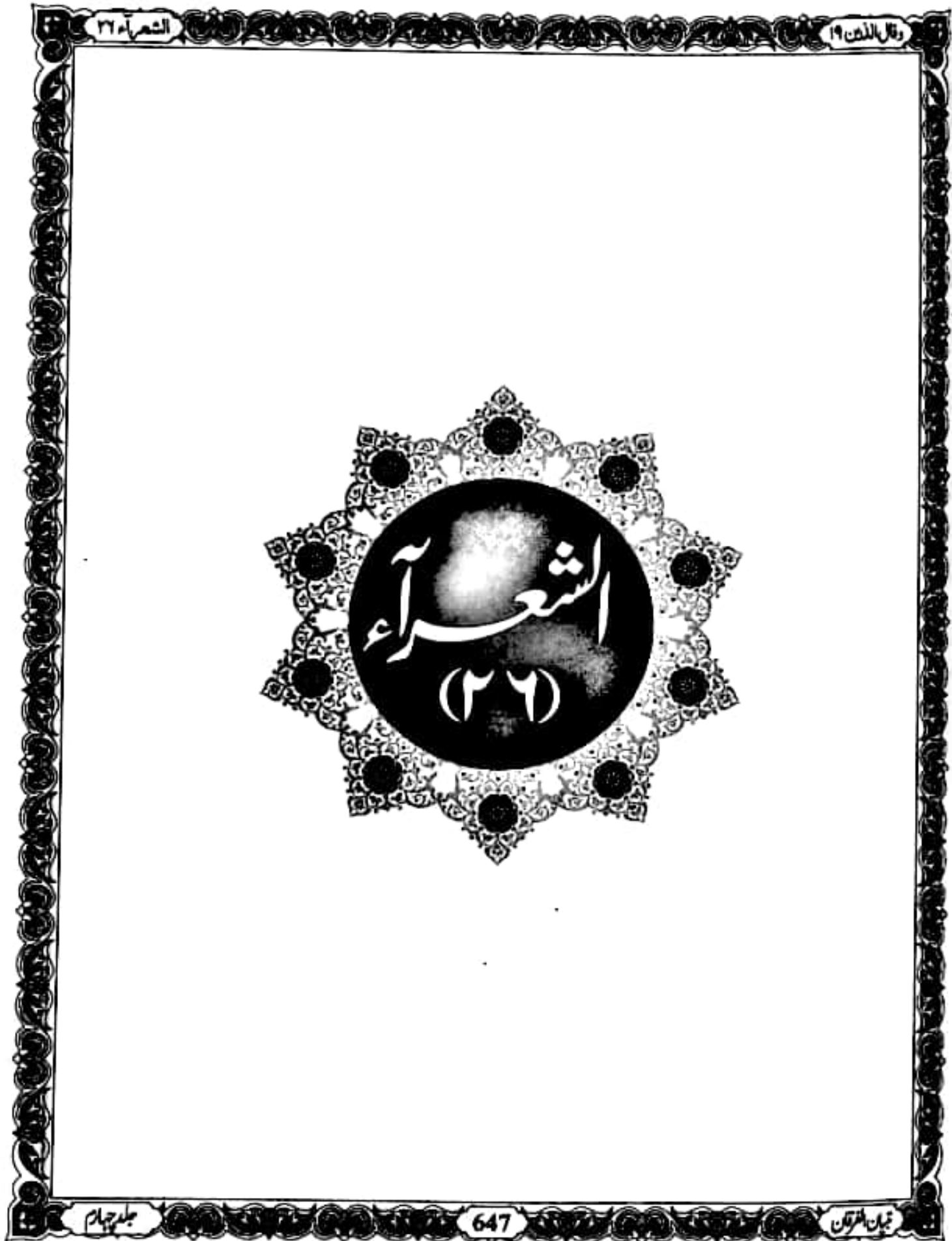
الشعرآء
(٢٦)

سورۃ الشعراء کا اجمالی تعارف

شعراء کا معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ ھ، لکھتے ہیں:

شعراء کا لفظ شاعر کی جمع ہے، شاعر اس شخص کو کہتے ہیں جو کلام کی باریکیوں کو سمجھتا ہو۔ اور اکثر مفسرین نے کہا ہے: جو کسی مقفیٰ کلام پیش کرے وہ شاعر ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: "بَلِ افۡتَرٰٮهُ بَلۡ هُوَ شَاعِرٌ ۔ (الانبیاء: ۵)" (بلکہ یہ ان کی من گھڑت باتیں ہیں بلکہ یہ شاعر ہیں)۔ بعض محققین نے کہا ہے: کفار نبی ﷺ کو جو شاعر کہتے تھے وہ اس معنی کے اعتبار سے نہیں کہتے تھے، کیونکہ ظاہر ہے قرآن مجید شعر کے اسلوب پر مسجع مقفیٰ کلام نہیں ہے، بلکہ وہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے، کیونکہ شعر میں جھوٹی باتیں بیان کی جاتی ہیں اور شاعر جھوٹا ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ لوگ جھوٹے دلائل کو دلائل شعریہ کہتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے عام شعراء کے وصف میں فرمایا: "وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الۡغَاوٗنَ ۔ (الشعراء: ۲۲۴)" (اور گمراہ لوگ (بیہودہ) شاعروں کی پیروی کرتے ہیں)۔ سو نبی ﷺ کو کفار جو شاعر کہتے تھے تو وہ اس اعتبار سے کہتے تھے کہ آپ (ان کے زعم باطل میں) جھوٹ بولتے ہیں، یعنی قرآن مجید کو جو آپ اللہ کا کلام کہتے ہیں، یہ (العیاذ باللہ) جھوٹ ہے۔ (تاج العروس من جواہر القاموس، جز ۱۲، ص ۹۱۔ ۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ ھ)

نیز خیالی باتوں کو بھی شعر کہا جاتا ہے، کفار مکہ یہ کہتے تھے کہ آپ جو جنت کی تعریف میں کہتے ہیں کہ اس میں حور و قصور ہیں اور باغات اور دریا ہیں، یہ سب خیالی باتیں ہیں جیسے غالب کا شعر ہے:

تصویر یار بہر نکیرین ساتھ ہے
رکھنا میری قبر پر شیشہ گلاب کا

سورۃ الشعراء کے مشمولات

اس سورت میں قرآن مجید کے برحق اور صادق ہونے اور اس کے فضائل کا ذکر ہے، اصول دین کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا بیان ہے، انبیاء علیہم السلام میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام کا تذکرہ ہے۔ اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے متعلق بیان ہے کہ وہ کس طرح اللہ کا پیغام اپنی امت تک پہنچاتے ہیں اور آپ کے فرائض اور ذمہ داریوں کا تذکرہ ہے۔ اس سورت کا نام طٰسٓمّٓ بھی ہے، لیکن زیادہ مشہور الشعراء ہے۔ احادیث اور آثار میں ان دونوں ناموں کا ذکر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سورہ (طٰسٓمّٓ) الشعراء مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ النحاس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ سورۃ الشعراء مکہ میں نازل ہوئی ہے سوائے آخری پانچ آیتوں کے، ان ہی میں سے "وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الۡغَاوٗنَ" بھی ہے، یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۲۶۱، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

سورۃ الشعراء کی فضیلت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے وہ سورت عطا فرمائی گئی جس میں البقرہ کا ذکر ہے اور مجھے وہ سورت عطا فرمائی گئی جس میں طٰہٰ، طٰسٓمٓ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی الواح سے ذکر ہے، اور مجھے قرآن مجید کی ابتدائی آیات اور سورۃ البقرہ کی آخری آیات عرش کے نیچے سے عطا فرمائی گئیں اور مجھے المفصل زائد عطا فرمائی گئیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۵۸)

ایاتھا ۲۲۷ | ۲۶ سُوْرَۃُ الشُّعَرَآءِ مَکِّیَّۃٌ ۴۷ | رکوعاتھا ۱۱

(سورۃ الشعراء مکی ہے اور اس میں دو سو ستائیس آیات اور گیارہ رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں

طٰسٓمٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲

طٰسٓمٓ ۝ یہ روشن کتاب کی آیات ہیں ۝

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳

(اے رسول اکرم!) کفار کے ایمان نہ لانے کے صدمہ سے کہیں آپ اپنی جان نہ کھو بیٹھیں ۝

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝۴

اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایسی نشانی نازل فرمادیں جس کے سامنے ذلت سے ان کی گردنیں جھک جائیں ۝

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝۵

اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے جب بھی نئی آیات نازل ہوتی ہیں تو یہ اُن آیات سے اعراض کرنے والے ہیں ۝

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۶

پس بے شک انہوں نے قرآن مجید کی تکذیب کی، پس ان کے پاس عنقریب اُن لوگوں کی خبریں پہنچ جائیں گی جو اللہ کے کلام کا استہزاء کرتے تھے ۝

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۷

کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا جس میں ہم نے ہر قسم کی نفیس چیزیں اگائی ہیں ۝

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸

بے شک اس اگانے میں ضرور اللہ کی قدرت پر نشانی ہے، اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں ۝

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۹

اور بے شک آپ کے رب ضرور سب پر غالب، سب سے زیادہ مہربان ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''طٰسٓمٓ O یہ روشن کتاب کی آیات ہیں O'' (الشعراء:۱-۲)

''طٰسٓمٓ'' کے معانی اور مصادیق

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ، الشعراء:۱-۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''طٰسٓمٓ'': یہ حروف مقطعہ میں سے ہے جو سورتوں کے شروع میں ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان حروف کا مجموعہ اس قول میں ہے: سرّ حصین قطع کلامه۔ ان حروف مقطعات کی تفسیر میں اہل التفسیر کا یہ کہنا زیادہ اولیٰ ہے کہ ان کی مراد کو اللہ ہی جاننے والا ہے، کیونکہ یہ باریک اسرار میں سے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر کتاب کا ایک ''سرّ'' (راز) ہے اور قرآن مجید کا ''سرّ'' المقطعات میں ہے۔ اسی طرح ''ریاض الاذکار'' میں مذکور ہے۔ اور ان حروف مقطعات کے معانی کے ساتھ جو اسرار اور حقائق متعلق ہیں اُن کو اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جن راسخین فی العلم کو اللہ تعالیٰ نے اس پر مطلع فرمایا ہے اور وہ علماء باللہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ''طٰسٓمٓ'' کے متعلق فرمایا: علماء اس کی تفسیر سے عاجز ہیں، جیسا کہ ''فتح الرحمٰن'' میں مذکور ہے۔

(فتح الرحمٰن ج ۵ ص ۲۸۱، دار المنوار، بیروت ۱۴۳۲ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''طا'' سے مراد طور سینا ہے اور ''سین'' سے مراد اسکندریہ ہے اور ''میم'' سے مراد مکہ ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ رب العزت نے ان عظیم جگہوں کی قسم کھائی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۔ (البلد:۱)'' (مجھے اس شہر (مکہ) کی قسم!)۔ رہا طور سینا، تو وہ شام اور مدین کے درمیان ایک پہاڑ ہے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے مناجات کی تھی اور اللہ عزوجل نے اُن کو اپنے کلام سے مشرف فرمایا تھا، اور یہی وہ مقام ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے تجلی فرمائی تھی، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِیْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ (الاعراف:۱۴۳)'' (اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان سے ان کے رب نے کلام کیا، آپ نے عرض کیا: اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا کہ میں آپ کا نظارا کروں گا، فرمایا: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے، ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ قائم رہا تو عنقریب تم بھی مجھے دیکھ لو گے، پھر جب اُن کے رب نے پہاڑ پر جلوہ فرمایا، اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب موسیٰ ہوش میں آئے تو عرض کیا: آپ (ہر عیب سے) پاک ہیں، میں (اپنی جسارت پر) آپ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں)۔

اور رہا الاسکندریہ تو یہ مغرب کا آخری شہر ہے اور آباد زمین میں اس کی مثل اور کوئی نہیں ہے۔ اس شہر میں بیس ہزار مساجد ہیں۔ اور ''میم'' سے مراد مکہ مشرفہ ہے، یہ بہت قدیم شہر ہے، بیان سے مستغنی ہے، اسی میں اسلام کا کعبہ ہے اور مومنین کا قبلہ ہے، اور اسی

کی طرف حج کیا جاتا ہے جو دین کے ارکان میں سے ایک ہے۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''طاء'' سے اہلِ توحید کی طہارت کے اسرار کی طرف اشارہ ہے اور ''سین'' سے اُن کے دلوں کی سلامتی کی طرف اشارہ ہے اور ''میم'' سے خالق کی اُن کے اوپر مِنّت یعنی احسان کی طرف اشارہ ہے۔

سید الطائفہ الجنید قدس سرہٗ نے کہا: ''طاء'' رحمٰن کے میدان میں توبہ کرنے والوں کے راستے ہیں اور ''سین'' وصل کے میدان میں عارفین کا سرور ہے اور ''میم'' قربت کے میدان میں محبین کا مقام ہے۔

اور نجم الدین قدس سرہٗ نے کہا: ''طاء'' سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کونین کے تعلقات سے طہارت کی طرف اشارہ ہے اور ''سین'' سے انبیاء اور مرسلین پر آپ کی سیادت کی طرف اشارہ ہے اور ''میم'' سے رب العالمین کے جمال کے مشاہدہ کی طرف اشارہ ہے۔

اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ''طٰسٓمٓ'' سے شجر طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ اور محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قرآن میں قسم کھائی ہے، پس ''طاء'' شجر طوبیٰ ہے اور ''سین'' سدرۃ المنتہیٰ ہے اور ''میم'' محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

''تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ'': یعنی یہ سورت قرآنِ مجید کی آیات ہیں جن کا معجز ہونا ظاہر ہے اور اللہ کا کلام ہونا صحیح ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ اس قرآن کی مثل لانے پر قادر ہو جاتے، اور جب کہ وہ اس کے معارضہ سے عاجز رہے تو ظاہر ہو گیا کہ یہ کتاب مبین ہے، یعنی جس میں احکامِ شرعیہ کا بیان ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) کفار کے ایمان نہ لانے کے صدمہ سے کہیں آپ اپنی جان نہ کھو بیٹھیں O'' (الشعراء: ۳)

''لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ'': بَخَعَ نَفْسَهٗ کا معنی ہے: اُس نے غم سے اپنے آپ کو مار ڈالا۔

''البخع'' کی اصل یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت ذبح کی آخری حد تک پہنچ جائے۔ اور یہ حرام مغز کے علاوہ پشت میں ایک رگ ہے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی جان کی حفاظت کیجئے اور غم سے اس کے ہلاک ہونے کی فکر کیجئے، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے ایمان نہ لانے پر افسوس کرنے سے منع فرمایا ہے۔

الکاشفی نے کہا ہے: جب قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے حالانکہ آپ کو اُن کے ایمان لانے کی بہت زیادہ حرص تھی تو یہ آپ کے دل پر بہت گراں گزرا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد! آپ اُن کے ایمان نہ لانے کے غم میں اپنے آپ کو ہلاک نہ کر دیں۔ کیونکہ یہ قرآنِ مجید انتہائی واضح بیان ہے اور متعدد آیات میں یہ بیان فرمایا جا چکا ہے کہ آپ کے ذمہ صرف قرآنِ مجید کی آیات اور اُس کے احکام کو پہنچا دینا ہے، اور اگر ہماری مشیت میں اُن کو ہدایت دینا ہوتا تو ہم اُن کی خوشی یا ناخوشی سے اُن کو ہدایت دے دیتے۔ اور لَعَلَّ کے لفظ میں یہ بتایا ہے کہ کہیں اُن کے ایمان نہ لانے کی حسرت کی وجہ سے آپ غم سے اپنے آپ کو ہلاک کر دیں۔ اور یہ بتایا ہے کہ آپ کا اُن کے ایمان نہ لانے پر افسوس کرنا اور شدید غم کرنا اُن کے لیے فائدہ مند نہیں ہوگا جس طرح اس کتاب کی واضح آیات اُن کے ایمان لانے کے لیے فائدہ مند نہیں ہیں۔

اور ''التاویلات النجمیہ'' میں مذکور ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ادب کی تعلیم دی ہے کہ آپ اُمت پر رحمت اور شفقت میں اتنا افراط نہ کریں، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ ان لوگوں کا ایمان لانا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ لہٰذا فرمایا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایسی نشانی نازل فرمادیں جس کے سامنے ذلت سے ان کی گردنیں جھک جائیں O'' (الشعراء: ۴)

''اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِیْنَ'': یعنی اگر ہم چاہتے تو اُن کو جبراً مومن بنا دیتے لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ اُس ایمان کا اعتبار نہیں ہے جو جبراً حاصل ہو، جیسے قیامت کے دن کے ایمان کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اور اس میں یہ بیان ہے کہ ایمان اور معرفت خاص اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، اُس کا بندوں کے کسب سے تعلق نہیں ہے، پس جب یہ عطیہ حاصل ہوگا تو عذاب سے ڈرانا اور ثواب کی خوش خبری دینا مفید ہوگا ورنہ انسان کو چاہیے کہ وہ جس شقاوت پر پیدا کیا گیا ہے، اُس پر روئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے جب بھی نئی آیات نازل ہوتی ہیں تو یہ اُن آیات سے اعراض کرنے والے ہیں O'' (الشعراء: ۵)

''وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ'': یعنی اُن کے پاس جب بھی قرآن کی نصیحتیں آتی ہیں یا قرآنِ مجید کی کوئی سورت اُن پر پڑھی جاتی ہے جس سے اُن کو اللہ تعالیٰ کی یاد پر متنبہ کیا جاتا ہے۔ ''مِّنَ الرَّحْمٰنِ'': یعنی رحمٰن کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر وحی فرمائی جاتی ہے۔ اور یہ اس پر دلیل ہے کہ ذکر کو لانا اللہ تعالیٰ کی بندوں پر رحمت کے آثار سے ہے۔ ''مُحْدَثٍ'': یعنی اُس کو نیا نیا نازل فرمایا جاتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا تکرار ہو، اس سے قرآنِ مجید کا حادث ہونا لازم نہیں آتا۔ ''اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِیْنَ'': یعنی جب بھی اُن پر نئی آیات پیش کی جاتی ہیں تو وہ اُن سے نیا اعراض کرتے ہیں اور ایمان لانے سے منہ موڑ لیتے ہیں اور اپنے موقف پر اصرار کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس بے شک انہوں نے قرآنِ مجید کی تکذیب کی، پس ان کے پاس عنقریب اُن لوگوں کی خبریں پہنچ جائیں گی جو اللہ کے کلام کا استہزاء کرتے تھے O'' (الشعراء: ۶)

''فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَیَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ'': سو وہ اعراض کرنے کے بعد قرآن مجید کی تکذیب کرتے ہیں، کبھی قرآنِ مجید کو کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے، اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ شعر ہے، اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

انہوں نے جو اعراض کیا اور تکذیب کی اور استہزاء کیا تو بغیر کسی مہلت کے ان کے پاس اُن لوگوں کی خبریں آجائیں گی جو اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ استہزاء کرتے تھے اور تکذیب کرتے تھے۔ اور اس آیت سے اُن کو ڈرانا اور خوف زدہ کرنا ہے۔

(روح البیان، ج ۶ ص ۳۳۲-۳۳۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا جس میں ہم نے ہر قسم کی نفیس چیزیں اگائی ہیں O'' (الشعراء: ۷)

القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، الشعراء: ۷ تا ۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ'': اس آیت میں ''مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ'' فرمایا ہے، یعنی

ہر قسم کی چیزیں اگائی ہیں جو خوبصورت ہیں اور زمین کی پیداوار میں سے نفع دینے والی ہیں جن کو انسان بھی کھاتے ہیں اور مویشی بھی کھاتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اس اگانے میں ضرور اللہ کی قدرت پر نشانی ہے، اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں O'' (الشعراء: ۸)

''اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ'': یعنی میں نے جو کچھ ذکر فرمایا ہے، یہ اپنی توحید پر اور اپنی قدرت کے کمال پر ذکر فرمایا ہے۔ ''وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ'': یعنی میرے علم سابق میں یہ مقرر ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک آپ کے رب ضرور سب پر غالب، سب سے زیادہ مہربان ہیں O'' (الشعراء: ۹)

''وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ'': یعنی اللہ تعالیٰ کفار سے انتقام لینے پر بہت غالب ہیں اور مومنین پر بہت رحیم ہیں۔

(فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن، ج ۵ ص ۵۰، دار النوادر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

وَ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰﴾

اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو ندا کی کہ آپ ظالم لوگوں کے پاس جائیں O

قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾

فرعون کی قوم کے پاس، (اور اُن سے کہیں:) کیا وہ اللہ سے ڈرتے نہیں ہیں؟ O

قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾

موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے خدشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے O

وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور میری زبان روانی سے نہیں چلتی، سو آپ ہارون کی طرف بھی وحی بھیجیں O

وَ لَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾

اور فرعونیوں کا مجھ پر ایک الزام ہے، پس مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے O

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ نے فرمایا: ہرگز نہیں! آپ دونوں ہماری نشانیاں لے کر جائیں، بے شک ہم آپ کے ساتھ سننے والے ہیں O

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۶﴾

پس آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں، سو آپ دونوں کہیں کہ بے شک ہم رب العالمین کے رسول ہیں O

أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ ﴿۱۷﴾

اور اُس سے کہیں کہ تم ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دو O

قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَّلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿۱۸﴾

فرعون نے کہا: اے موسیٰ! کیا بچپن میں ہم نے آپ کی پرورش نہیں کی تھی اور آپ نے ہمارے پاس زندگی کے کئی سال نہیں گزارے تھے؟ O

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ﴿۱۹﴾

اور آپ نے اپنا وہ کام کیا جو آپ نے کیا، اور آپ ناشکروں میں سے تھے O

قَالَ فَعَلْتُهَا إِذًا وَّأَنَا مِنَ الضَّآلِّينَ ﴿۲۰﴾

موسیٰ نے کہا: میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا جب میں بے خبروں میں سے تھا O

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَّجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۱﴾

جب مجھے تم سے خطرہ محسوس ہوا تو میں تمہارے پاس سے نکل گیا، پھر میرے رب نے مجھے علم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں شامل فرما دیا O

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَّ بَنِي إِسْرَآءِيلَ ﴿۲۲﴾

اور پرورش کی جس نعمت کا تو مجھ پر احسان جتا رہا ہے وہ اس وجہ سے تھی کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا O

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِينَ ﴿۲۳﴾

فرعون نے کہا: تمام جہانوں کا رب کون ہے؟ O

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُّوقِنِينَ ﴿۲۴﴾

موسیٰ نے کہا: وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کے اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، اُن کے رب ہیں اگر تم یقین کرنے والے ہو O

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿۲۵﴾

فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا: کیا تم ان کی بات غور سے نہیں سن رہے؟O

قَالَ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآىٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۶﴾

موسیٰ نے کہا: وہ تمہارے اور تمہارے اگلے آباء واجداد کے رب ہیں O

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾

فرعون نے کہا: بے شک تمہارے وہ رسول جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں ضرور دیوانے ہیں O

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ مَا بَیْنَهُمَاؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

موسیٰ نے کہا: وہ مشرق ومغرب اور ان کے درمیان کی ہر چیز کے رب ہیں، اگر تم عقل سے کام لو O

قَالَ لَىٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ ﴿۲۹﴾

فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں ضرور بہ ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کردوں گا O

قَالَ اَوَ لَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍۚ ﴿۳۰﴾

موسیٰ نے کہا: خواہ میں تمہارے پاس کوئی روشن دلیل لاؤں؟O

قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾

فرعون نے کہا: اگر تم سچوں میں سے ہو تو وہ دلیل لے آؤ O

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌۚۖ ﴿۳۲﴾

پس موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا تو اچانک وہ کھلا ہوا اژدھا بن گیا O

وَّ نَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ۠ ﴿۳۳﴾

اور انہوں نے اپنا ہاتھ (بغل سے) کھینچ کر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کی آنکھوں میں سفید براق دکھائی دینے لگا O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو ندا فرمائی کہ آپ ظالم لوگوں کے پاس جائیں O" (الشعراء:۱۰)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ قصہ

علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الشعراء:۱۰ تا ۳۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَ اِذۡ نَادٰی رَبُّکَ مُوۡسٰۤی اَنِ ائۡتِ الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ": اے رسول اکرم! یاد کیجئے جب آپ کے رب نے موسیٰ کو ندا فرمائی، جب موسیٰ نے درخت اور آگ کو دیکھا۔ یعنی اے موسیٰ! آپ اُن لوگوں کے پاس جائیے جنھوں نے اپنی جانوں پر کفر اور نافرمانی کر کے ظلم کیا ہے، اور انہوں نے بنی اسرائیل پر بھی ظلم کیا ہے کہ اُن کو اپنا غلام بنالیا ہے اور اُن کو سخت تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فرعون کی قوم کے پاس، (اور اُن سے کہیں:) کیا وہ اللہ سے ڈرتے نہیں ہیں؟O (الشعراء: ۱۱)

"قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوۡنَ ": یعنی آپ فرعون کی قوم سے کہیں: کیا تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اپنی جانوں سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کرتے؟

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے خدشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گےO اور میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور میری زبان روانی سے نہیں چلتی، سو آپ ہارون کی طرف بھی وحی بھیجیںO" (الشعراء: ۱۲-۱۳)

"قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ ": یعنی موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے خطرہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے۔

"وَ یَضِیۡقُ صَدۡرِیۡ وَ لَا یَنۡطَلِقُ لِسَانِیۡ فَاَرۡسِلۡ اِلٰی هٰرُوۡنَ ": اور اُن کی تکذیب کرنے کی وجہ سے میرا سینہ تنگ ہوگا اور میری زبان روانی سے نہیں چلے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ اُس گرہ کی وجہ سے کہا جو اُن کی زبان پر تھی۔ سو آپ ہارون کی طرف بھی وحی بھیجیں، تاکہ آپ کا پیغام پہنچانے میں وہ میری مدد کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور فرعونیوں کا مجھ پر ایک الزام ہے، پس مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گےO" (الشعراء: ۱۴)

"وَ لَهُمۡ عَلَیَّ ذَنۡۢبٌ فَاَخَافُ اَنۡ یَّقۡتُلُوۡنِ ": اور اُن کا مجھ پر ایک گناہ کا الزام ہے، اور وہ ایک قبطی کو قتل کرنا ہے۔ سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اللہ نے فرمایا: ہرگز نہیں! آپ دونوں ہماری نشانیاں لے کر جائیں، بے شک ہم آپ کے ساتھ سننے والے ہیںO پس آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں، سو آپ دونوں کہیں کہ بے شک ہم رب العالمین کے رسول ہیںO" (الشعراء: ۱۵-۱۶)

"قَالَ کَلَّا ۚ فَاذۡهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَکُمۡ مُّسۡتَمِعُوۡنَ ": اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہرگز نہیں! یعنی وہ تم کو ہرگز قتل نہیں کر سکیں گے۔ پس تم دونوں ہماری عطا فرمائی ہوئی نشانیوں کو لے کر جاؤ، بے شک میں تمہارے ساتھ اُن کی باتوں کو سننے والوں میں سے ہوں۔

اس آیت میں جمع کے صیغہ کے ساتھ "مَعَکُمۡ" فرمایا، حالانکہ وہ دو فرد تھے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام، مگر اُن کو ایک جماعت کے قائم مقام فرمایا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ اور بنی اسرائیل کے ساتھ ہوں اور میں سن رہا ہوں کہ فرعون

تمھیں کیا جواب دیتا ہے۔

"فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ": پس تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور تم دونوں کہو کہ بے شک ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یعنی ہم دونوں میں سے ہر ایک رب العالمین کا رسول ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اُس سے کہیں کہ تم ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دو O" (الشعراء: ۱۷)

"اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ": اور اُس سے کہیں کہ تم ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کرو، یعنی فلسطین کی طرف۔ اور تم بنی اسرائیل کو غلام نہ بناؤ۔ ایک قول ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو چار سو سال تک غلام بنائے رکھا تھا۔ اور اُس وقت وہ چھ لاکھ تیس ہزار افراد تھے۔

اور اس قصہ میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر کی طرف لوٹ کر گئے اور اُن پر ایک اون کا جبہ تھا اور اُن کے ہاتھ میں عصا تھا اور عصا پر ایک ٹوکری لٹکی ہوئی تھی، اور اُس میں اُن کا سفر خرچ تھا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر گئے اور حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرعون کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھے آپ کی طرف بھی بھیجا ہے حتیٰ کہ آپ بھی اُس کو تبلیغ کریں، اور وہ دونوں فرعون کے دروازہ کی طرف رات کو گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ پس دروازہ کے دربان گھبرا گئے اور کہنے لگے: کون ہے دروازہ پر؟ اور ایک روایت ہے کہ وہ دربانوں کے پاس پہنچ گئے، پس اس نے پوچھا: تم دونوں کون ہو؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں رب العالمین کا بھیجا ہوا ہوں، پھر دربان فرعون کے پاس گیا اور کہا کہ ایک دیوانہ دروازہ پر کھڑا ہے اور اس کا یہ زعم ہے کہ وہ رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے، پھر فرعون اترا اور ان دونوں کو بلایا۔

اور روایت ہے کہ وہ دونوں جمع ہو کر فرعون کی طرف گئے، اُس نے ایک سال تک انہیں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی، پھر دربان فرعون کے پاس گئے اور کہا: وہاں ایک انسان ہے جس کا یہ گمان ہے کہ وہ رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے، تو فرعون نے کہا: اُس کو اجازت دو شاید ہم اُس سے مذاق کریں، پس وہ دونوں فرعون کے پاس داخل ہوئے اور اللہ عزوجل کا پیغام پہنچایا، تب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا، کیونکہ انہوں نے اُس کے گھر میں پرورش پائی تھی اور فرعون نے کہا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فرعون نے کہا: اے موسیٰ! کیا بچپن میں ہم نے آپ کی پرورش نہیں کی تھی اور آپ نے ہمارے پاس زندگی کے کئی سال نہیں گزارے تھے؟ O اور آپ نے اپنا وہ کام کیا جو آپ نے کیا، اور آپ ناشکروں میں سے تھے O" (الشعراء: ۱۸-۱۹)

"قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّ لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ": کیا تم بچپن میں ہمارے پاس نہیں رہے تھے، اور تم نے اپنی عمر کے تیس سال ہم میں نہیں گزارے تھے؟ "وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ": اور تم نے وہ کام کیا جو کیا، ایک قبطی کو قتل کر دیا، اور تم ناشکروں میں سے تھے۔ یعنی تم اپنے معبود کا کفر کرنے والے تھے اور تم ہمارے اس دین کا عیب نکالتے تھے۔ اکثر مفسرین نے کہا: "وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ": کا معنی ہے: تم میری نعمت اور میری تربیت کے حق کا انکار کرنے والوں میں سے تھے۔ اُس کا مطلب یہ تھا کہ میں نے تمہاری پرورش کی، تم نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ تم نے ہم میں سے ایک جان کو قتل کر دیا اور

ہماری نعمتوں کی ناشکری کی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''موسیٰ نے کہا: میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا جب میں بے خبروں میں سے تھاO'' (الشعراء:۲۰)

''قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ'': حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں نے یہ کام اُس وقت کیا تھا جب میں بے خبروں میں سے تھا، یعنی مجھے یہ خبر نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر وحی نازل فرمائیں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مجھے اس وقت یہ پتا نہیں تھا کہ قبطی کو ایک گھونسا مارنا اس کے قتل کا سبب ہو جائے گا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ مجھے پتا نہیں تھا کہ یہ مر جائے گا اور میں نے عمداً یہ قتل نہیں کیا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جب مجھے تم سے خطرہ محسوس ہوا تو میں تمہارے پاس سے نکل گیا، پھر میرے رب نے مجھے علم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں شامل فرمادیاO'' (الشعراء:۲۱)

''فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ'': پھر جب مجھے تم سے اندیشہ ہوا تو میں مدین کی طرف بھاگ کر چلا گیا، پھر میرے رب نے مجھے نبوت عطا فرمائی۔ مقاتل نے کہا: یعنی علم اور فہم عطا فرمائی اور مجھے رسولوں میں سے بنادیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور پرورش کی جس نعمت کا تو مجھ پر احسان جتا رہا ہے وہ اس وجہ سے تھی کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھاO'' (الشعراء:۲۲)

''وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ'': اور تو جو مجھ پر اپنا احسان جتا رہا ہے، وہ اس وجہ سے ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا۔ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ پس بعض مفسرین نے اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اقرار پر محمول کیا اور بعض نے اس کو اُن کے انکار پر محمول کیا۔ جن مفسرین نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اقرار کیا، انہوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کی پرورش کرنے کے احسان کو یاد کیا، جب اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا تھا جس طرح باقی بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کیا تھا اور اُن کو غلام نہیں بنایا جس طرح بنی اسرائیل کو غلام بنایا تھا۔ کیوں نہیں! تیرا یہ مجھ پر احسان ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنایا اور مجھے چھوڑ دیا اور مجھے غلام نہیں بنایا۔

اور جن مفسرین نے کہا کہ یہ انکار ہے اور جنہوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول انکار پر محمول ہے، انہوں نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنی پرورش کا مجھ پر احسان جتا رہا ہے اور تو اپنے جرم کو بھول گیا کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا، یا اس کا معنی ہے: تو مجھ پر اپنی پرورش کا احسان کیسے جتا رہا ہے، حالانکہ تو میری قوم کو غلام بنا چکا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فرعون نے کہا: تمام جہانوں کا رب کون ہے؟O'' (الشعراء:۲۳)

''قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ'': فرعون کہتا تھا کہ رب العالمین کیا چیز ہے؟ جس کے متعلق تمہارا یہ زعم ہے کہ تم اس کے میری طرف بھیجے ہوئے رسول ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جس کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا، اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

سے پوچھا کہ جس نے تم کو رسول بنایا وہ کیا چیز ہے؟ اُس کی جنس کیا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ جنسیت سے منزہ ہیں، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اُن افعال کا ذکر کیا جن افعال کی مثل لانے سے مخلوق عاجز ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "موسیٰ نے کہا: وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کے اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، اُن کے رب ہیں اگر تم یقین کرنے والے ہو تو O" (الشعراء: ۲۴)

"قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ": حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ رب العالمین وہ ہیں جو تمام آسمانوں اور زمینوں کے رب ہیں، اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ اہل المعانی نے کہا: جیسا کہ تم ان چیزوں پر یقین رکھتے ہو جن کو تم دیکھ رہے ہو، پس یقین رکھو کہ تمام مخلوقات کو اللہ عزوجل نے پیدا فرمایا ہے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ جواب دیا تو فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب دینے میں حیران ہو گیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا: کیا تم ان کی بات غور سے نہیں سن رہے؟ O" (الشعراء: ۲۵)

"قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ": فرعون نے اپنے دربار کے معزز لوگوں سے کہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ پانچ سو مرد تھے جن کے اوپر کنگن تھے، فرعون نے اُن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو مستبعد قرار دیتے ہوئے کہا: کیا تم نہیں سن رہے؟ کیونکہ وہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اُن کے خداوہ ہیں جو اُن کے بادشاہ ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "موسیٰ نے کہا: وہ تمہارے اور تمہارے اگلے آباء و اجداد کے رب ہیں O" (الشعراء: ۲۶)

"قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ": حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: وہ تمہارے بھی رب ہیں اور تمہارے باپ دادا کے بھی رب ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فرعون نے کہا: بے شک تمہارے وہ رسول جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں ضرور دیوانے ہیں O" (الشعراء: ۲۷)

"قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ": فرعون نے کہا: بے شک یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، ضرور دیوانہ ہے، وہ ایسی باتیں کرتا ہے جس کو ہم نہیں سمجھتے، نہ اُس کی صحت سے واقف ہیں۔ اور اُن کے نزدیک جو اُن کے عقائد کے موافق عقیدہ نہ رکھے، وہ عقل مند نہیں ہوتا۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید وضاحت فرمائی:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "موسیٰ نے کہا: وہ مشرق و مغرب اور ان کے درمیان کی ہر چیز کے رب ہیں، اگر تم عقل سے کام لو O" (الشعراء: ۲۸)

"قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ": حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: وہ مشرق اور مغرب اور ان

کے درمیان کی چیزوں کے رب ہیں، اگر تم عقل سے کام لو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں ضرور بہ ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کردوں گا O'' (الشعراء: ۲۹)

''قَالَ'': فرعون پر جب حجت لازم ہوگئی اور وہ لاجواب ہوگیا تو اس نے تکبر کرتے ہوئے کہا: ''لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ''۔ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں ضرور بہ ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کردوں گا۔ ''الْمَسْجُوْنِيْنَ'' کا معنی ہے قیدی۔ الکلبی نے کہا کہ فرعون کی قید قتل سے زیادہ سخت تھی، کیونکہ وہ کسی مرد کو پکڑتا اور اس کو مکان میں تنہا چھوڑ دیتا، نہ وہ کچھ سن سکتا تھا اور نہ دیکھ سکتا تھا اور وہ بہت گہری جگہ ہوتی تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''موسیٰ نے کہا: خواہ میں تمہارے پاس کوئی روشن دلیل لاؤں؟ O'' (الشعراء: ۳۰)

''قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَىْءٍ مُّبِيْنٍ'': جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قید خانہ میں ڈالنے کی دھمکی دی تو انہوں نے کہا: اگر میں تمہارے پاس کوئی واضح نشانی اور معجزہ لاؤں، یعنی کیا تم پھر بھی ایسا کرو گے اگر میں تمہارے پاس کوئی واضح دلیل لے کر آؤں؟

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فرعون نے کہا: اگر تم سچوں میں سے ہو تو وہ دلیل لے آؤ O'' (الشعراء: ۳۱)

''قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ'': یعنی اگر تمہارے پاس کوئی ایسی واضح دلیل اور معجزہ ہے تو تم لاؤ، پھر ہم تم کو قید خانہ میں نہیں ڈالیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا تو اچانک وہ کھلا ہوا اژدھا بن گیا O اور انہوں نے اپنا ہاتھ (بغل سے) کھینچ کر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کی آنکھوں میں سفید براق دکھائی دینے لگا O''

(الشعراء: ۳۲-۳۳)

''فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ'': پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا تو وہ واضح اژدھا بن گیا۔ ''وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ'': فرعون نے کہا: کیا تمہارے پاس اس کے علاوہ کوئی اور بھی دلیل ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ بغل سے نکال کر کھینچا تو وہ بہت زیادہ سفید براق تھا۔

(معالم التنزیل، ج ۳ ص ۳۶۳-۳۶۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اس رکوع میں اور اس کے بعد والے رکوع میں جو آیات ذکر کی گئی ہیں، ان کی مفصل تفسیر تبیان الفرقان جلد دوم میں سورۃ الاعراف کی آیت: ۱۰۳ تا ۱۲۶ میں گزر چکی ہے، نیز سورۂ طٰہٰ کی آیت: ۴۲ تا ۷۳ میں بھی اس کی تفسیر مفصلاً ذکر کی جاچکی ہے، اس لیے یہاں پر ہم انتہائی اختصار کے ساتھ ان آیات کی تفسیر ذکر کررہے ہیں۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

فرعون نے اپنے گرد بیٹھے ہوئے درباریوں سے کہا: بے شک یہ بہت بڑے علم والا جادوگر ہے O

يُّرِيۡدُ اَنۡ يُّخۡرِجَكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ بِسِحۡرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ ﴿٣٥﴾

یہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دینا چاہتا ہے، پس تم ان کے متعلق کیا مشورہ دیتے ہو؟ ○

قَالُوۡۤا اَرۡجِهۡ وَاَخَاهُ وَابۡعَثۡ فِى الۡمَدَآٮِٕنِ حٰشِرِيۡنَ ۙ﴿٣٦﴾

درباریوں نے کہا: موسیٰ اور اُن کے بھائی کو مہلت دیں اور شہروں میں جمع کرنے والے بھیج دیں ○

يَاۡتُوۡكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيۡمٍ ﴿٣٧﴾

جو آپ کے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں ○

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيۡقَاتِ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۙ﴿٣٨﴾

لہٰذا ایک مقرر دن کے وعدہ پر جادوگر جمع کر لیے گئے ○

وَّقِيۡلَ لِلنَّاسِ هَلۡ اَنۡتُمۡ مُّجۡتَمِعُوۡنَ ۙ﴿٣٩﴾

اور لوگوں سے کہا گیا: کیا اُس دن تم یہ مقابلہ دیکھنے کے لیے جمع ہو جاؤ گے؟ ○

لَعَلَّنَا نَـتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنۡ كَانُوۡا هُمُ الۡغٰلِبِيۡنَ ﴿٤٠﴾

ہو سکتا ہے کہ اگر جادوگر غالب ہو جائیں تو ہم اُن کی پیروی کریں ○

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوۡا لِفِرۡعَوۡنَ اَٮِٕنَّ لَـنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ ﴿٤١﴾

پھر جب جادوگر آ گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا: اگر ہم غالب آ گئے تو کیا ہم کو اجر ملے گا؟ ○

قَالَ نَعَمۡ وَاِنَّكُمۡ اِذًا لَّمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿٤٢﴾

فرعون نے کہا: ہاں! اور بے شک اس وقت تم میرے مقربین میں سے ہو گے ○

قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰٓى اَلۡقُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ مُّلۡقُوۡنَ ﴿٤٣﴾

موسیٰ نے جادوگروں سے کہا: تم جو کچھ میدان میں ڈالنا چاہتے ہو وہ ڈال دو ○

فَاَلۡقَوۡا حِبَالَهُمۡ وَعِصِيَّهُمۡ وَقَالُوۡا بِعِزَّةِ فِرۡعَوۡنَ اِنَّا لَـنَحۡنُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿٤٤﴾

سو جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور انہوں نے کہا: فرعون کی عزت کی قسم! بے شک ہم ہی غالب ہوں گے ○

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾

پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا، پس اچانک وہ ان کی مصنوعات کو نگلنے لگا O

فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

پس تمام جادوگر بے ساختہ سجدہ میں گر گئے O

قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

(اور) انہوں نے کہا: ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے O

رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾

جو موسیٰ اور ہارون کے رب ہیں O

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾

فرعون نے کہا: تم میری اجازت سے پہلے موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو؟ بے شک موسیٰ تمہارا بڑا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے، پس عنقریب تم اپنا انجام جان لو گے، میں ضرور بہ ضرور تمہارے ہاتھوں کو اور تمہارے پیروں کو ایک دوسرے کے خلاف کاٹ ڈالوں گا اور میں ضرور بہ ضرور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا O

قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾

جادوگروں نے کہا: کوئی نقصان نہیں! ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں O

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾

ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ ہمارے رب ہمارے لیے ہماری خطاؤں کو معاف فرما دیں گے، کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”فرعون نے اپنے گرد بیٹھے ہوئے درباریوں سے کہا: بے شک یہ بہت بڑے علم والا جادوگر ہے O یہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دینا چاہتا ہے، پس تم ان کے متعلق کیا مشورہ دیتے ہو؟ O“ (الشعراء: ۳۴-۳۵)

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ الشعراء: ۳۴ تا ۵۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ": جب فرعون پر حقیقت واضح ہوگئی اور اُس کو خطرہ ہوا کہ اُس کی قوم کے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے، تو اُس نے اُن کو اپنے قابو میں رکھنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا: یہ کوئی بہت بڑا جادوگر ہے جس کو جادو کی بہت زیادہ معرفت ہے۔

"یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ﳓ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ": یہ چاہتا ہے کہ یہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دے۔ پھر اُس نے اپنی قوم سے کہا جن کے متعلق اُس کا یہ زعم تھا کہ وہ اُس کے بندے ہیں اور وہ اُن کا خدا ہے۔ اور فرعون کے قوی حیران ہوگئے اور اس کے کندھوں سے خدائی کا بوجھ اتر گیا اور اس کے کندھے کپکپانے لگے، حتیٰ کہ جب اس کے اوپر حیرت اور دہشت کا غلبہ ہوگیا تو اس نے اپنے آپ کو مامور قرار دیا حالانکہ وہ پہلے اپنے آپ کو آمر قرار دیتا تھا، اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدافعت کے متعلق اپنے درباریوں سے پوچھا: اب بتاؤ تم کیا حکم دیتے ہو؟

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "درباریوں نے کہا: موسیٰ اور اُن کے بھائی کو مہلت دیں اور شہروں میں جمع کرنے والے بھیج دیں ○ جو آپ کے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں ○" (الشعراء: ۳۶-۳۷)

"قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ ابْعَثْ فِی الْمَدَآىٕنِ حٰشِرِیْنَ": فرعون کے درباری جو اُس کے گرد بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: موسیٰ اور اُس کے بھائی کو مہلت دیں، یعنی ان کے ساتھ مناظرہ کرنے کے معاملہ کو مؤخر کردیں حتیٰ کہ تمام جادوگر جمع ہوجائیں۔

اور فرعون نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا، پس وہ ذات سبحان ہے جو اپنے حکم سے جس پر چاہے روح کو داخل فرماتے ہیں اور ہر چیز اُن سے ڈرتی ہے اور وہ کسی سے نہیں ڈرتے۔ درباریوں نے کہا: آپ شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیجیں جو جادوگروں کو جمع کریں۔ حشر کا اصل معنی ہے: زبردستی جمع کرنا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو درباریوں نے کہا: ایسا نہ کریں، کیونکہ اگر آپ نے ان کو قتل کردیا تو لوگوں کو ان کے معاملہ میں شبہ پڑ جائے گا، اس لیے آپ ان کے معاملہ کو مؤخر کردیں۔

"یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ": اور ان کے لیے جادوگروں کو جمع کریں جو ان سے مقابلہ کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "لہٰذا ایک مقرر دن کے وعدہ پر جادوگر جمع کر لیے گئے ○ اور لوگوں سے کہا گیا: کیا اُس دن تم یہ مقابلہ دیکھنے کے لیے جمع ہو جاؤ گے؟ ○ ہوسکتا ہے کہ اگر جادوگر غالب ہو جائیں تو ہم اُن کی پیروی کریں ○" (الشعراء: ۳۸-۳۹-۴۰)

"فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ": اور یہ اُن کے میلے کا دن تھا اور چاشت کے وقت میں اُن کو جمع کیا گیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ ہفتہ کا دن تھا اور یہ اُن کے سال کا پہلا دن تھا جو یوم نیروز تھا۔

"وَّ قِیْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ": اور عام لوگوں سے کہا گیا: کیا تم اس مقابلہ کے دن جمع ہو جاؤ گے اور دیکھنے کے لیے آؤ گے؟

"لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ": یعنی اگر جادوگر غالب ہوگئے تو ہوسکتا ہے کہ ہم جادوگروں کے دین کی

پیروی کریں اور موسیٰ کے دین کی پیروی نہ کریں۔اُن کی غرض جادوگروں کی پیروی کرنا نہیں تھی،اُن کی غرض کل یہ تھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی نہ کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب جادوگر آگئے تو انہوں نے فرعون سے کہا: اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہم کو اجر ملے گا؟ O فرعون نے کہا: ہاں! اور بے شک اس وقت تم میرے مقربین میں سے ہو گے O''
(الشعراء: ۴۱_۴۲)

''فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ'': پھر مصر کے تمام شہروں سے جادوگر فوراً جمع ہو کر آگئے اور انہوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم اس مقابلہ میں غالب آگئے تو کیا ہمیں کچھ اجر ملے گا؟

''قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ'': فرعون نے اُن کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا: ہاں! تمہیں اجر ملے گا، اور جب تم غالب ہو گئے تو پھر تم میرے نزدیک مقربین میں سے ہو گے۔اور جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا، اُس وقت جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ (الاعراف: ۱۱۵)'' (جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ! یا آپ (اپنا) عصا پہلے ڈالیں یا (جو کچھ ہمارے پاس ہے) ہم اس کو ڈالیں)۔

میں کہتا ہوں: جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ادب کیا اور اُن سے پوچھا: کیا آپ پہلے کچھ ڈالیں گے یا ہم ڈالیں، اور نبی علیہ السلام کے اس ادب کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی۔(سعیدی غفرلہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''موسیٰ نے جادوگروں سے کہا: تم جو کچھ میدان میں ڈالنا چاہتے ہو وہ ڈال دو O''
(الشعراء: ۴۳)

''قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ'': حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کے سحر کو باطل کرنے کے ارادہ سے کہا: تم جو کچھ میدان میں ڈالنا چاہتے ہو ڈال دو۔اور اُن کا سحر اُسی وقت باطل ہو سکتا تھا جب وہ پہلے کچھ زمین پر ڈالتے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کو جادو کا عمل کرنے کا کیسے حکم دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ وہ جادو کریں اور ملمع کاری کریں، بلکہ اُن کو یہ اجازت اس لیے دی تا کہ یہ حق کے اظہار کا وسیلہ ہو جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور انہوں نے کہا: فرعون کی عزت کی قسم! بے شک ہم ہی غالب ہوں گے O'' (الشعراء: ۴۴)

''فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ'': پھر جادوگروں نے جادو کے اظہار کے لیے جو لاٹھیاں اور رسیاں تیار کی تھیں، وہ ڈال دیں اور انہوں نے قسم کھاتے ہوئے کہا: فرعون کی عزت کی قسم! اور یہ زمانہ جاہلیت کی قسم

تھی، اور اسی طرح ہر غیر اللہ کے ساتھ جو حلف اٹھایا جائے اور اسلام میں اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا حلف اٹھانا جائز نہیں ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کوئی اسم ہو، یا اُن کی صفات میں سے کوئی صفت ہو جیسے تم کہو: اللہ کی قسم، رحمٰن کی قسم، رب العرش کی قسم، اور اللہ کی عزت اور ان کی قدرت کی قسم، ان کے جلال کی قسم اور اُن کی عظمت کی قسم۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے باپ دادا اور اپنی ماؤں کی قسم نہ کھاؤ، اور نہ اللہ کے شرکاء کی قسم کھاؤ، تم صرف اللہ کی قسم کھاؤ اور اللہ کی قسم اسی وقت کھاؤ کہ جب تم سچے ہو۔

(سنن ابوداؤد: ۳۲۴۸، سنن نسائی: ج ۷ ص ۵)

اور اب لوگوں نے اس باب میں اسلام میں ایسی قسموں کو ایجاد کرلیا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء اور اُن کی صفات کی قسم کھائے تو قبول نہیں کیا جاتا اور اس کو شمار نہیں کیا جاتا حتیٰ کہ وہ اپنے سردار کے سر کی قسم کھائے۔ پھر جادوگروں نے اپنے کلام کی تاکید کے لیے کہا کہ بے شک ہم ضرور غالب ہیں، اور انہوں نے ان شاء اللہ نہیں کہا، کیونکہ اُن کا پختہ اعتقاد تھا کہ وہی غالب ہوں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا، پس اچانک وہ ان کی مصنوعات کو نگلنے لگا○ پس تمام جادوگر بے ساختہ سجدہ میں گر گئے○ (اور) انہوں نے کہا: ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے○ جو موسیٰ اور ہارون کے رب ہیں○'' (الشعراء: ۴۵-۴۶-۴۷-۴۸)

''فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ'': پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا، اور وہ بہت سرعت کے ساتھ اُن کی جادو سے بنائی ہوئی چیزوں کو نگلنے لگا۔ انہوں نے رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈالی تھیں، جو اُن کے جادو یا ملمع کاری کی وجہ سے دیکھنے والوں کو دوڑتے ہوئے سانپ دکھائی دیتے تھے۔

''فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ'': پھر اس کے فوراً بعد جادوگر سجدہ میں گر گئے، کیونکہ اُن کو یقین ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کیا تھا وہ جادو نہیں تھا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ وہ صبح کے وقت کافر جادوگر تھے اور شام کے وقت نیک متقی مومن ہو گئے۔

روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کیا تھا، اگر یہ جادو ہوتا تو وہ ہم پر غالب نہیں آ سکتے تھے اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو ہم پر مخفی نہیں ہے۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا اور اُس نے اُن کی ڈالی ہوئی چیزوں کو نگل لیا تو اُن کو یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، پس وہ ایمان لے آئے۔ عکرمہ نے کہا: وہ صبح کو جادوگر تھے اور شام کو شہداء میں سے ہو گئے۔

''قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'': جادوگروں نے کہا: ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے، جن پر ایمان لانے کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ابتداءً دعوت دی تھی۔

''رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ'': یہ رب العالمین کا عطف بیان ہے، کیونکہ فرعون ربوبیت کا دعویٰ کرتا تھا اور جادوگروں نے اُس کے رد کا ارادہ کیا۔ اور جب تمام جادوگر ایمان لے آئے تو فرعون کو یہ خطرہ ہوا کہ لوگ کہیں گے کہ یہ جادوگر اتنی بڑی تعداد میں اور

جادو پر اتنی بصیرت رکھنے کے باوجود جو موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے ہیں تو ضرور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ کی صحت کو جان لیا ہے، اس لیے وہ ان کے طریقہ پر چل پڑے، اب فرعون کو یہ خطرہ ہوا کہ یہ لوگ فرعون سے باغی ہو جائیں گے تو اس نے اپنے لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متنفر کرنے کے لیے کئی باتیں کہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فرعون نے کہا: تم میری اجازت سے پہلے موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو؟ بے شک موسیٰ تمہارا بڑا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے، پس عنقریب تم اپنا انجام جان لو گے، میں ضرور بہ ضرور تمہارے ہاتھوں کو اور تمہارے پیروں کو ایک دوسرے کے خلاف کاٹ ڈالوں گا اور میں ضرور بہ ضرور تم سب کو سولی پر چڑھادوں گا O'' (الشعراء: ۴۹)

''قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ '':

فرعون نے پہلی بات یہ کہی کہ تم میرے اجازت دینے سے پہلے موسیٰ پر ایمان لے آئے، پس تمہارا جلدی سے موسیٰ پر ایمان لانا اس بات کی دلیل ہے کہ تم پہلے سے اُن کی طرف میلان رکھتے تھے۔

دوسری بات یہ کہی کہ بے شک موسیٰ تمہارا بڑا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ تمہاری اور موسیٰ کی ملی بھگت تھی، اسی وجہ سے تم جلدی سے اُن پر ایمان لے آئے۔

اور تیسری بات یہ کہی کہ پس عنقریب تم اپنا انجام جان لو گے۔ اور اس میں شدید وعید ہے اور سخت دھمکی ہے۔

اور چوتھی بات اُس نے یہ کہی کہ میں ضرور بہ ضرور تمہارے ہاتھوں کو اور تمہارے پیروں کو ایک دوسرے کے خلاف کاٹ ڈالوں گا اور میں ضرور بہ ضرور تم سب کو سولی پر چڑھادوں گا۔ اور میں تم میں سے ہر ایک کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ ڈالوں گا اور ضرور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جادوگروں نے کہا: کوئی نقصان نہیں! ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں O ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ ہمارے رب ہمارے لیے ہماری خطاؤں کو معاف فرمادیں گے، کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں O'' (الشعراء: ۵۰-۵۱)

''قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ '': پھر مسلمان ہونے والے جادوگروں نے جواب میں کہا: ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوگا، اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے اس فعل پر قادر فرمایا تو ہم اپنے رب کی طرف لوٹیں گے جنہوں نے ہمیں اچھے طریقہ سے ہدایت عطا فرمائی ہے، جب کہ ہماری موت کسی طریقہ سے بھی ہو، ہم آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

''اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ '': ہمیں یہ امید ہے کہ اللہ عزوجل ہمارے گناہوں پر ستر فرمائیں گے اور ہماری اُن پچھلی خطاؤں کو معاف فرمادیں گے۔ اور کہا کہ ہم ان لوگوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے

ہیں، یا فرعون کی رعیت میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں، یا اس زمانے میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔
(السراج المنیر، ج ۵ ص ۱۹۔۲۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ راتوں رات میرے بندوں کو (مصر سے نکال کر لے جائیں)، بے شک آپ لوگوں کا پیچھا کیا جائے گا O

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

پس فرعون نے اپنے کارندے لشکر جمع کرنے کے لیے شہروں میں بھیج دیے O

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾

کہ یہ لوگ ایک چھوٹا سا گروہ ہیں O

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور بے شک ان لوگوں نے ہمارے غضب کو دعوت دی ہے O

وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور ہم سب ان کی طرف سے خطرہ محسوس کر رہے ہیں O

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾

(اللہ نے فرمایا:) پس ہم نے فرعونیوں کو ان کے باغات اور چشموں سے باہر نکال دیا O

وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾

اور خزانوں سے اور عمدہ مقام سے O

كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

ہم نے ایسا ہی کیا، اور بنی اسرائیل کو ان سب کا وارث بنا دیا O

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾

پس سورج نکلتے ہی فرعونیوں نے بنی اسرائیلیوں کا پیچھا کیا O

جادو پر اتنی بصیرت رکھنے کے باوجود جو موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے ہیں تو ضرور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ کی صحت کو جان لیا ہے، اس لیے وہ ان کے طریقہ پر چل پڑے، اب فرعون کو یہ خطرہ ہوا کہ یہ لوگ فرعون سے باغی ہو جائیں گے تو اس نے اپنے لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متنفر کرنے کے لیے کئی باتیں کہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فرعون نے کہا: تم میری اجازت سے پہلے موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو؟ بے شک موسیٰ تمہارا بڑا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے، پس عنقریب تم اپنا انجام جان لو گے، میں ضرور بہ ضرور تمہارے ہاتھوں کو اور تمہارے پیروں کو ایک دوسرے کے خلاف کاٹ ڈالوں گا اور میں ضرور بہ ضرور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گاO'' (الشعراء: ۴۹)

''قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۚ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ'':

فرعون نے پہلی بات یہ کہی کہ تم میرے اجازت دینے سے پہلے موسیٰ پر ایمان لے آئے، پس تمہارا جلدی سے موسیٰ پر ایمان لانا اس بات کی دلیل ہے کہ تم پہلے سے اُن کی طرف میلان رکھتے تھے۔

دوسری بات یہ کہی کہ بے شک موسیٰ تمہارا بڑا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ تمہاری اور موسیٰ کی ملی بھگت تھی، اسی وجہ سے تم جلدی سے اُن پر ایمان لے آئے۔

اور تیسری بات یہ کہی کہ پس عنقریب تم اپنا انجام جان لو گے۔ اور اس میں شدید وعید ہے اور سخت دھمکی ہے۔

اور چوتھی بات اُس نے یہ کہی کہ میں ضرور بہ ضرور تمہارے ہاتھوں کو اور تمہارے پیروں کو ایک دوسرے کے خلاف کاٹ ڈالوں گا اور میں ضرور بہ ضرور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔ اور میں تم میں سے ہر ایک کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ ڈالوں گا اور ضرور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جادوگروں نے کہا: کوئی نقصان نہیں! ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیںO ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ ہمارے رب ہمارے لیے ہماری خطاؤں کو معاف فرما دیں گے، کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیںO'' (الشعراء: ۵۰۔۵۱)

''قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۖ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ'': پھر مسلمان ہونے والے جادوگروں نے جواب میں کہا: ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوگا، اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے اس فعل پر قادر فرمایا تو ہم اپنے رب کی طرف لوٹیں گے جنہوں نے ہمیں اچھے طریقہ سے ہدایت عطا فرمائی ہے، جب کہ ہماری موت کسی طریقہ سے بھی ہو، ہم آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

''اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ'': ہمیں یہ امید ہے کہ اللہ عزوجل ہمارے گناہوں پر ستر فرمائیں گے اور ہماری اُن پہلی خطاؤں کو معاف فرما دیں گے۔ اور کہا کہ ہم ان لوگوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے

ہیں، یا فرعون کی رعیت میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں، یا اس زمانے میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔
(السراج المنیر، ج ۵ ص ۱۶۔ ۲۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ راتوں رات میرے بندوں کو (مصر سے نکال کرلے جائیں)، بے شک آپ لوگوں کا پیچھا کیا جائے گا○

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾

پس فرعون نے اپنے کارندے لشکر جمع کرنے کے لیے شہروں میں بھیج دیے○

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾

کہ یہ لوگ ایک چھوٹا سا گروہ ہیں○

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور بے شک ان لوگوں نے ہمارے غضب کو دعوت دی ہے○

وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور ہم سب ان کی طرف سے خطرہ محسوس کررہے ہیں○

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾

(اللہ نے فرمایا:) پس ہم نے فرعونیوں کو اُن کے باغات اور چشموں سے باہر نکال دیا○

وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾

اور خزانوں سے اور عمدہ مقام سے○

كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾

ہم نے ایسا ہی کیا، اور بنی اسرائیل کو ان سب کا وارث بنا دیا○

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ﴿۶۰﴾

پس سورج نکلتے ہی فرعونیوں نے بنی اسرائیلیوں کا پیچھا کیا○

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾

پھر جب دونوں گروہ بالمقابل ہوئے تو موسیٰ کے اصحاب نے کہا: بے شک ہم ضرور پکڑے جائیں گے O

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۶۲﴾

موسیٰ نے کہا: ہرگز نہیں! بے شک میرے ساتھ میرے رب ہیں، وہ عنقریب مجھے ہدایت عطا فرمائیں گے O

فَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ﴿۶۳﴾

پس ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ اپنا عصا سمندر پر ماریں، سو سمندر اسی وقت دو ٹکڑے ہو گیا اور اس کا ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح تھا O

وَ اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۴﴾

اور اس جگہ ہم دوسروں کو (یعنی فرعونیوں کو) قریب لے آئے O

وَ اَنْجَیْنَا مُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۶۵﴾

اور ہم نے موسیٰ اور اُن کے تمام اصحاب کو نجات عطا فرما دی O

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۶﴾

پھر ہم نے دوسروں کو غرق فرما دیا O

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۶۷﴾

بے شک اس واقعہ میں عبرت کی بڑی نشانی ہے، اور اُن میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے O

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۶۸﴾

اور بے شک آپ کے رب ہی سب پر غالب، سب سے زیادہ مہربان ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ راتوں رات میرے بندوں کو (مصر سے نکال کر لے جائیں)، بے شک آپ لوگوں کا پیچھا کیا جائے گا O“ (الشعراء: ۵۲)

علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الشعراء: ۵۲ تا ۶۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ": یعنی فرعون اور اُس کی قوم تمہارا پیچھا کرے گی تا کہ وہ تمہارے اور تمہارے مصر سے نکلنے کے درمیان حائل ہو جائیں۔ ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہر چار گھر والوں کو ایک گھر میں جمع کر لیں، پھر دنبوں کے بچوں کو ذبح کریں اور اُن کا خون اپنے دروازوں پر لگا دیں اور میں عنقریب فرشتوں کو حکم فرماؤں گا تو وہ اس گھر میں داخل نہیں ہوں گے جس کے دروازے پر خون لگا ہوگا۔ اور میں عنقریب فرشتوں کو حکم فرماؤں گا کہ وہ آلِ فرعون میں سے اُن کے جوانوں کو قتل کر دیں اور اُن کے مالوں کو تباہ کر دیں۔ پھر تم میرے بندوں کو لے کر روانہ ہو یہاں تک کہ تم سمندر پر پہنچ جاؤ، وہاں تمہارے پاس میرا حکم آئے گا۔ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح کیا۔

پھر جب صبح ہوئی تو فرعون نے کہا: یہ موسیٰ اور اُن کی قوم کا کام ہے، انہوں نے ہمارے جوانوں کو قتل کر دیا اور ہمارے اموال کو لوٹ لیا، پھر اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے پندرہ لاکھ کا لشکر بھیجا اور فرعون ایک بڑی کرسی پر بیٹھ کر نکلا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس فرعون نے اپنے کارندے لشکر جمع کرنے کے لیے شہروں میں بھیج دیے ○ کہ یہ لوگ ایک چھوٹا سا گروہ ہیں ○ اور بے شک ان لوگوں نے ہمارے غضب کو دعوت دی ہے ○ اور ہم سب ان کی طرف سے خطرہ محسوس کر رہے ہیں ○" (الشعراء: ۵۳ـ۵۴ـ۵۵ـ۵۶)

"فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ": یعنی فرعون نے شہروں میں لوگوں کو جمع کرنے کے لیے بھیجا حتیٰ کہ ایک لشکر جمع ہو جائے۔ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ وہاں پر ایک ہزار شہر تھے اور بارہ ہزار بستیاں تھیں۔

"اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ": اور فرعون نے اُن سے کہا: یہ ایک تھوڑی سی جماعت ہے۔ الشرذمة کا معنی ہے: لوگوں کا تھوڑا سا ٹولہ۔ اس کی جمع شراذم ہے۔ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ وہ شراذمہ جس کو فرعون نے قلیل قرار دیا تھا، وہ چھ لاکھ تھے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ چھ لاکھ اور ستر ہزار تھے۔ اور فرعون کے لشکر کی تعداد کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو صحیح علم نہیں ہے۔

"وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ": اس آیت میں غائظ کا لفظ ہے جو غیظ سے ماخوذ ہے اور غیظ اور غضب کا ایک معنی ہے۔ فرعون کہتا تھا: انہوں نے ہمارے دین کی مخالفت کر کے ہم کو غضب ناک کیا اور انہوں نے ہمارے جوانوں کو قتل کیا اور ہمارے مالوں کو لوٹ لیا جس مال کو انہوں نے ہم سے عاریۃً لیا تھا اور ہماری زمین سے ہم سے اجازت لیے بغیر نکل گئے۔

"وَ اِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ": ہم ہتھیاروں کے ساتھ ان کا پیچھا کریں گے اور "حٰذِرُوْنَ" کا معنی ہے: وہ ان کے شر سے خوف زدہ تھے۔ الزجاج نے کہا ہے: الحاذِر اُس کو کہتے ہیں جو تیار اور مستعد ہو۔ اور الحذِر اُس کو کہتے ہیں جو بیدار ہو۔ الفراء نے کہا: الحاذِر وہ ہے جو تم کو خبردار کرتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اللہ نے فرمایا:) پس ہم نے فرعونیوں کو اُن کے باغات اور چشموں سے باہر نکال دیا ○ اور خزانوں سے اور عمدہ مقام سے ○" (الشعراء: ۵۷ـ۵۸)

"فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ": اس قصہ میں مذکور ہے کہ دریائے نیل کے دونوں طرف باغات تھے اور دریا جاری تھے۔

"وَّ كُنُوْزٍ": یعنی سونے اور چاندی کے ظاہرا موال۔ مجاہد نے کہا: اُن کو کنوز اس لیے فرمایا ہے کہ اُن سونے اور چاندی کے اموال سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کیا گیا تھا، اور جس مال سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہ کیا جائے وہ کنز ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ فرعون کے آٹھ لاکھ غلام تھے، ہر غلام ایک قوی گھوڑے پر سوار تھا اور ہر گھوڑے کے گلے میں سونے کا طوق تھا۔ "وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ": یعنی عمدہ مجلس۔ مفسرین نے کہا: اس سے امراء اور رؤساء کی مجالس مراد ہیں، جس میں فرعون کے متبعین تھے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا: یہ منبر ہیں۔ اور بعض مفسرین نے ذکر کیا کہ جب فرعون اپنے تخت پر بیٹھتا تو اُس کے سامنے سونے کی تین سو کرسیاں رکھی جاتیں جن پر معززین بیٹھتے تھے اور اُن پر ریشم کا لباس ہوتا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ہم نے ایسا ہی کیا، اور بنی اسرائیل کو ان سب کا وارث بنا دیا O" (الشعراء: ۵۹)

"كَذٰلِكَ ۖ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ": یعنی اسی طرح ہم نے فرعونیوں کے ہلاک ہونے کے بعد بنی اسرائیل کو اُن کا وارث بنا دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اُس کی قوم کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل کو مصر کی طرف لوٹا دیا۔ اور فرعون اور اُس کی قوم کے جو اموال اور مساکن تھے وہ سب بنی اسرائیل کو عطا فرما دیے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس سورج نکلتے ہی فرعونیوں نے بنی اسرائیلیوں کا پیچھا کیا O پھر جب دونوں گروہ بالمقابل ہوئے تو موسیٰ کے اصحاب نے کہا: بے شک ہم ضرور پکڑے جائیں گے O" (الشعراء: ۶۰-۶۱)

"فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ": یعنی سورج کے چمکدار ہونے کے وقت فرعون کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے اصحاب کو جالیا۔ "فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ": پس جب دونوں فریق بالمقابل ہوئے اور ہر فریق دوسرے کو دیکھ رہا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے کہا: بے شک ہم پکڑے جائیں گے۔ یعنی فرعون کی قوم ہم کو پکڑ لے گی اور ہمیں اس سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "موسیٰ نے کہا: ہرگز نہیں! بے شک میرے ساتھ میرے رب ہیں، وہ عنقریب مجھے ہدایت عطا فرمائیں گے O" (الشعراء: ۶۲)

"قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ": حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اُن کے کیے ہوئے وعدہ پر اعتماد کرتے ہوئے کہا: ہرگز نہیں! وہ ہم کو نہیں پکڑ سکیں گے، بے شک میرے ساتھ میرے رب ہیں، جو عنقریب مجھے ہدایت عطا فرمائیں گے، یعنی نجات کے راستہ کی رہنمائی فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ اپنا عصا سمندر پر ماریں، سو سمندر اُسی وقت دو ٹکڑے ہو گیا اور اس کا ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح تھا O" (الشعراء: ۶۳)

"فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ": یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

سمندر پر اپنا عصا مارا تو وہ دو ٹکڑے ہو گئے، اور پانی کا ایک ٹکڑا ایک بڑے پہاڑ کی مانند تھا۔

ابن جریج وغیرہ نے کہا ہے: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر پر پہنچے تو سمندر میں تیز ہوائیں چلیں جس سے پہاڑوں کی مثل موجیں اٹھیں، پھر حضرت یوشع علیہ السلام نے کہا: اے اللہ کے کلیم! آپ نے ہمیں کہاں پہنچنے کا حکم فرمایا ہے؟ فرعون کا لشکر ہمیں ڈھانپ رہا ہے اور سمندر ہمارے سامنے ہے، پھر حضرت یوشع علیہ السلام سمندر میں اتر گئے اور سمندر کے پار نکل گئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اُس جگہ ہم دوسروں کو (یعنی فرعونیوں کو) قریب لے آئے O اور ہم نے موسیٰ اور اُن کے تمام اصحاب کو نجات عطا فرمادی O پھر ہم نے دوسروں کو غرق فرمادیا O'' (الشعراء: ۶۴۔۶۵۔۶۶)

''وَ اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ'': یعنی ہم نے دوسروں کو اُن کے قریب فرمادیا، فرعون کی قوم کو سمندر کے قریب پہنچادیا اور اُن کو ہلاکت کے قریب فرمادیا۔ ابوعبیدہ نے کہا: ''اَزْلَفْنَا'' کا معنی ہے جمعنا۔ اور اسی سے لیلۃ المزدلفہ ماخوذ ہے۔ اور اس قصہ میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بنی اسرائیل اور قوم فرعون کے درمیان تھے، اور وہ بنی اسرائیل کو آگے چلا رہے تھے اور بنی اسرائیل کہہ رہے تھے: ہم نے اس مرد سے زیادہ تیز رفتار اور کوئی نہیں دیکھا۔

''وَ اَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ'': اور ہم نے موسیٰ اور اُن کے تمام اصحاب کو نجات عطا فرمادی۔

''ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ'': پھر فرعون اور اُس کی قوم کو ہلاک فرمادیا۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے پہلے سمندر ساکن تھا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس پر عصا مارا تو وہ مضطرب ہو گیا اور اس میں مدوجزر ہو گیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اس واقعہ میں عبرت کی بڑی نشانی ہے، اور اُن میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے O اور بے شک آپ کے رب ہی سب پر غالب، سب سے زیادہ مہربان ہیں O''
(الشعراء: ۶۷۔۶۸)

''اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ'': اس میں مصر والوں کے لیے نشانیاں تھیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مصر والوں میں سے صرف فرعون کی بیوی آسیہ ایمان لائیں اور حزقیل جو اپنے ایمان کو چھپاتے تھے، اور مریم بنت ماموسیا، جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے تابوت کی نشاندہی کی تھی۔

''وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ'': اور بے شک اللہ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے پر بہت غالب ہیں، اور مومنین پر بہت رحم فرمانے والے ہیں حتیٰ کہ بنی اسرائیل کو اُن کے دشمنوں سے نجات عطا فرمائی۔

(معالم التنزیل، ج ۳ص ۳۶۷۔۳۶۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

وَ اتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِیْمَ ﴿۶۹﴾

اور (اے رسول اکرم!) ان کافروں کے سامنے ابراہیم کی خبر کی تلاوت کیجئے O

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾

جب انہوں نے اپنے عرفی باپ اور اپنی قوم سے کہا: تم کس کی عبادت کرتے ہو؟O

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِیْنَ ﴿۷۱﴾

انہوں نے کہا: ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی کی عبادت پر جمے رہنے والے ہیںO

قَالَ هَلْ یَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾

ابراہیم نے کہا: جب تم ان بتوں کو پکارتے ہو تو یہ تمہاری بات سنتے ہیں؟O

اَوْ یَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ یَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾

یا تمہیں کوئی نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟O

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

انہوں نے کہا: بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہےO

قَالَ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾

ابراہیم نے کہا: جن کی تم عبادت کرتے رہے ہو کیا تم نے ان کو غور سے دیکھا؟O

اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾

تم نے اور تمہارے اگلے باپ دادا نے؟O

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۷﴾

بے شک یہ بت میرے دشمن ہیں، لیکن رب العالمین میرے دوست ہیںO

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾

جنہوں نے مجھے پیدا فرمایا اور وہی مجھے ہدایت عطا فرماتے ہیںO

وَ الَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾

اور وہی مجھے کھلاتے اور پلاتے ہیںO

وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾

اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا عطا فرماتے ہیںO

وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ۟ۙ (۸۱)

جو مجھے موت دیں گے، پھر زندہ فرمائیں گے ○

وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۟ؕ (۸۲)

اور جن سے مجھے یہ امید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری (ظاہری) خطاؤں کو معاف فرمادیں گے ○

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۟ۙ (۸۳)

اے میرے رب! مجھے مزید علم عطا فرمائیں اور مجھے اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملا دیں ○

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۟ۙ (۸۴)

اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر باقی رکھیں ○

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ۟ۙ (۸۵)

اور مجھے نعمت والی جنتوں کا وارث بنا دیں ○

وَاغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ۟ۙ (۸۶)

اور میرے عرفی باپ کی مغفرت فرما دیں، بے شک وہ گمراہوں میں سے ہے ○

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۟ۙ (۸۷)

اور مجھے اُس دن شرمندہ نہ کریں جس دن لوگ اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے ○

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ۟ۙ (۸۸)

جس دن نہ کسی کو اس کا مال نفع دے گا اور نہ اُس کے بیٹے ○

اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۟ؕ (۸۹)

سوا اُن کے جو اللہ کے سامنے مسلمان دل لے کر حاضر ہوئے ○

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۟ۙ (۹۰)

اور جنت متقین کے قریب فرما دی جائے گی ○

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ﴿٩١﴾

اور دوزخ کفار کے سامنے ظاہر فرما دی جائے گی ○

وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾

اور اُن سے فرمایا جائے گا: تمہارے وہ بت کہاں ہیں جن کی تم عبادت کرتے تھے ○

مِن دُونِ اللَّهِ ۖ هَلْ يَنصُرُونَكُمْ أَوْ يَنتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾

(جن کی تم) اللہ کو چھوڑ کر (عبادت کرتے تھے) کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا تمہارا بدلہ لے سکتے ہیں ○

فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿٩٤﴾

پس بتوں کو اور اُن کی عبادت کرنے والوں کو اور گمراہوں کو دوزخ میں سر کے بل جھونک دیا جائے گا ○

وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿٩٥﴾

اور ابلیس کے تمام لشکروں کو بھی ○

قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٦﴾

وہ دوزخ میں اپنے جھوٹے معبودوں سے جھگڑتے ہوئے کہیں گے ○

تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٩٧﴾

اللہ کی قسم! ہم کھلی گمراہی میں تھے ○

إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾

جب ہم تم کو رب العالمین کے برابر قرار دیتے تھے ○

وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾

اور ہم کو صرف مجرموں نے گمراہ کیا تھا ○

فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾

سو آج نہ تو کوئی ہمارا سفارش کرنے والا ہے ○

وَ لَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾

اور نہ ہی سچا دوست ہے○

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۲﴾

کاش! ہمیں دوبارہ دنیا میں لوٹ کر جانا مل جاتا تو ہم مومنین میں سے ہو جاتے○

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾

اس قصہ میں بہت بڑی نشانی ہے اور اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے○

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ ع

بے شک آپ کے رب ہی سب پر غالب سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں○

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے درج ذیل سورتوں میں گزر چکا ہے اور یہاں اب اختصار کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے:
(سورۂ مریم، آیت: ۴۱ تا ۵۰، سورۂ ابراہیم، آیت: ۳۵ تا ۴۱، سورۃ الانعام: آیت: ۷۴ تا ۸۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) ان کافروں کے سامنے ابراہیم کی خبر کی تلاوت کیجئے○''
(الشعراء: ۶۹)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، الشعراء: ۶۹ تا ۱۰۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِیْمَ '': اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء کے شروع میں کفار قریش کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شدتِ غم کا ذکر فرمایا، پھر اُس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا، تا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو جائے کہ اس قسم کا غم پہلی بار اُن کو نہیں ہوا بلکہ آپ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایسا غم ہوا تھا۔ پھر اس کے بعد اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا، تا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جان لیں کہ اس سبب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا غم اس سے بھی زیادہ شدید تھا اور وہ سخت آزمائش میں مبتلا تھے، کیونکہ انہوں نے اپنے عرفی باپ اور اپنی قوم کو دوزخ کی آگ میں دیکھا اور سوائے دعا کرنے کے اور اُن کو متنبہ کرنے کے وہ اُن کو دوزخ کے عذاب سے چھڑانے پر قادر نہ تھے، اس لیے انہوں نے اپنے عرفی باپ اور اپنی قوم سے کہا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جب انہوں نے اپنے عرفی باپ اور اپنی قوم سے کہا: تم کس کی عبادت کرتے ہو؟○ انہوں نے کہا: ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی کی عبادت پر جمنے والے ہیں○'' (الشعراء: ۷۰_۷۱)

''اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ '': جب انہوں نے اپنے عرفی باپ اور اپنی قوم سے کہا: تم کس کی عبادت کرتے ہو؟

حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ بتوں کی پوجا کرنے والے ہیں، لیکن انہوں نے اس لیے اُن سے سوال کیا تاکہ اُن کو یہ جتلائیں کہ جن کی وہ عبادت کر رہے ہیں اُن میں سے کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں ہے، جیسا کہ تم غلاموں کی تجارت کرنے والوں سے کہو: تمہارا مال کیا ہے؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ اُس کا مال غلام ہیں، پھر تم کہو کہ یہ غلام خوبصورت ہیں لیکن مال نہیں ہیں، تو اُن کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ جواب دیا:

"قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ": (انہوں نے کہا: ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی کی عبادت پر جمنے والے ہیں)۔ اس آیت میں "عٰكِفِيْنَ" کا لفظ ہے اور وہ العکوف سے ماخوذ ہے۔ اور العکوف کا معنی ہے: کسی چیز پر جم جانا۔ اور انہوں نے کہا: نَظَلُّ، کیونکہ وہ دن کے اوقات میں اُن بتوں کی عبادت کرتے تھے اور رات میں نہیں کرتے تھے، اگرچہ اُن کی قوم کے لیے جواب میں اتنا کہنا کافی تھا کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں، لیکن انہوں نے جواب میں یہ اضافہ کیا: "فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ" اور انہوں نے یہ اضافہ یہ ظاہر کرنے کے لیے کیا کہ اُن کے دلوں میں بتوں کی عبادت کرنے پر خوشی تھی اور فخر تھا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے مذہب کے فاسد ہونے پر متنبہ کرنے کے لیے کہا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ابراہیم نے کہا: جب تم اِن بتوں کو پکارتے ہو تو یہ تمہاری بات سنتے ہیں؟ O یا تمہیں کوئی نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ O" (الشعراء: ۷۲-۷۳)

بتوں کی عبادت کا ابطال

"قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۙ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۝": صاحب الکشاف نے کہا: جب تم اُن سے دعا کرتے ہو اور اُن کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری دعا اور پکار کو سنتے ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دلیل کی تقریر یہ ہے کہ جو شخص کسی کی عبادت کرتا ہے اور اُس سے سوال کرنے میں فریاد کرتا ہے تو جس سے وہ سوال کر رہا ہے، کیا وہ اُس کی پکار کو سنتا ہے؟ اور کیا وہ اس کو نفع پہنچانے یا اُس سے ضرر کو دور کرنے پر قادر ہے؟ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتایا کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو، وہ تمہاری دعا کو نہیں سنتے حتیٰ کہ وہ جان لیں کہ تمہارا اس دعا سے کیا مقصود ہے۔ اور وہ کس طرح تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں یا ضرر کو دور کر سکتے ہیں، تو جن کا یہ حال ہو تو تم اُن کی عبادت کرنے کو کس طرح جائز قرار دیتے ہو؟ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ مضبوط دلیل پیش فرمائی تو اُن کے عرفی باپ اور اُن کی قوم اس دلیل کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔ لہٰذا جواب دینے کے بجائے انہوں نے کہا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "انہوں نے کہا: بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے O" (الشعراء: ۷۴)

"قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ": گویا ہم اپنے باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں۔ اور یہ آیت (اندھی) تقلید کے فاسد ہونے پر بہت قوی دلیل ہے۔ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ابراہیم نے کہا: جن کی تم عبادت کرتے رہے ہو کیا تم نے اُن کو غور سے دیکھا؟ O

تم نے اور تمہارے اگلے باپ دادا نے؟O" (الشعراء: ۷۵-۷۶)

"قَالَ اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿ۙ۷۵﴾ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُكُمُ الۡاَقۡدَمُوۡنَ ﴿۷۶﴾": حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ جو کام باطل ہو، اُس کے پرانے یا نئے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ اس سے فرق پڑتا ہے کہ اس کے کرنے والے کم ہوں یا زیادہ ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک یہ بت میرے دشمن ہیں، لیکن رب العالمین میرے دوست ہیںO" (الشعراء: ۷۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو اپنا دشمن فرمانے کا سبب

"فَاِنَّهُمۡ عَدُوٌّ لِّیۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ": اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ بت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دشمن کیسے ہو سکتے ہیں، حالانکہ بت از قبیل جمادات ہیں۔ اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے بتوں کے متعلق فرمایا ہے: "كَلَّا ؕ سَیَكۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ وَ یَكُوۡنُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ ضِدًّا ۔۔(مریم: ۸۲)" (ہرگز نہیں! اُن کے وہ معبود اُن کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور قیامت کے دن وہ اُن کے خلاف ہوں گے)۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اُن بتوں کو زندہ فرمائیں گے جن کی عبادت ان لوگوں نے کی تھی حتیٰ کہ وہ بت اپنی عبادت کرنے والوں کو زجر و توبیخ کریں گے اور اُن سے براءت کا اظہار کریں گے، اور اس اعتبار سے بت آخرت میں کفار کے دشمن ہو جائیں گے۔ پس اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن پر عداوت کا اطلاق فرمایا۔

(۲) کفار نے جب ان بتوں کی عبادت کی اور ان کی تعظیم کی اور ان سے منفعت کے حصول اور ضرر کے دور کرنے کی امید رکھی تو کفار کے اعتقاد میں ان بتوں کو زندہ اور عقل والوں کے مرتبہ میں نازل کیا گیا۔ پھر جب یہ بت اپنے عبادت کرنے والوں کی کوئی مدد نہیں کر سکے تو وہ اُن کے دشمن ہو گئے، اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے اوپر دشمن کا اطلاق فرمایا۔

(۳) اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہ بت میرے دشمن ہیں ماسوا رب العالمین کے، سو یہ استثناء کیسا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جنہوں نے مجھے پیدا فرمایا اور وہی مجھے ہدایت عطا فرماتے ہیںO" (الشعراء: ۷۸)

رب العالمین کے استحقاقِ عبادت کی وجوہ

"الَّذِیۡ خَلَقَنِیۡ فَهُوَ یَهۡدِیۡنِ": حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب العالمین کا استثناء فرمایا اور اب یہ بتایا کہ رب العالمین کس وجہ سے عبادت کے مستحق ہیں، تو انہوں نے مستحق عبادت کے چار اوصاف بیان کیے اور پہلا وصف یہ بیان کیا: "الَّذِیۡ خَلَقَنِیۡ فَهُوَ یَهۡدِیۡنِ"۔

اللہ سبحانہٗ نے انہی دو وصفوں کے ساتھ اپنی مدح فرمائی ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ۪ۙ وَ الَّذِیۡ

فَهَدٰى۔(سورۃ الاعلیٰ: ۲۔۳)" (جنہوں نے پیدا فرمایا اور درست فرمایاO اور جنہوں نے اندازہ مقرر فرمایا، پھر ہدایت فرمائی)۔ اور تخلیق اور ہدایت سے ہی تمام منفعتوں کا حصول ہوتا ہے۔ پہلے ہم انسان کے متعلق کلام کرتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ انسان مخلوق ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ انسان عالم الخلق اور جسمانیات میں سے ہے اور بعض نے کہا: وہ عالم الامر اور روحانیات میں سے ہے، اور اُس کا بدن سے مرکب ہونا عالم الخلق سے ہے۔ اللہ عزوجل نے اس کی اپنے اس ارشاد میں خبر فرمائی ہے: "فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ۔(ص: ۷۲)" (پس جب اُس کی تخلیق مکمل فرمالوں اور اس میں اپنی طرف کی روح پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدے میں گر جانا)۔ پس اُس کی تخلیق کا مکمل فرمانا اُس کے مزاج کے اعتدال کی طرف اشارہ ہے اور روح کا پھونکنا اُس لطیفۂ ربانیہ نورانیہ کی طرف اشارہ ہے جو عالم امر سے ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ۔(المومنون: ۱۲)" (اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا فرمایا)۔ اور جب اجسام کے تغیرات کے مراتب مکمل ہو گئے تو فرمایا: "ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ۔(المومنون: ۱۴)" (پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا، پھر ہم نے جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا، پھر ہم نے گوشت کے لوتھڑے کو ہڈیاں بنا دیا، پس ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا، پھر ہم نے اس کی نئی صورت بنا دی، پس اللہ برکت والے ہیں جو سب سے بہتر تخلیق فرمانے والے ہیں)۔ اس میں اُس روح کی طرف اشارہ ہے جو عالم الملائکہ سے ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہدایت روح سے حاصل ہوتی ہے، پس ان آیات سے یہ ظاہر ہو گیا کہ انسان کی تخلیق اُس کی ہدایت پر مقدم ہے۔

پس اس سے ثابت ہو گیا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد: "خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ" یہ ایک جامع کلمہ ہے جو دین اور دنیا کے تمام منافع کو شامل ہے۔ اور یہاں پر ایک نکتہ یہ ہے کہ "خَلَقَنِیْ" کو لفظ ماضی کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور "یَهْدِیْنِ" کو لفظ مستقبل کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ذات کی تخلیق دنیا میں بار بار نہیں ہوتی، بلکہ جب تخلیق ہو گئی تو وہ آخیر وقت تک رہے گی لیکن اللہ تعالیٰ کی ہدایت بار بار مکرر ہوتی رہتی ہے، خواہ وہ ہدایت دنیاوی منافع میں ہو بایں طور کہ حواس نفع اور ضرر کے درمیان تمیز دیں یا دینی منافع میں ہو بایں طور کہ عقل حق اور باطل میں تمیز کا حکم دے اور خیر اور شر میں تمیز کا حکم دے، تو اللہ سبحانہٗ نے بتایا کہ انسان کی تخلیق جن چیزوں سے کامل ہوتی ہے اُن کو اللہ تعالیٰ نے یکبارگی پیدا فرما دیا اور اُس کو دین اور دنیا کے مصلحتوں میں ہر لحظہ ہدایت عطا فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور وہی مجھے کھلاتے اور پلاتے ہیںO" (الشعراء: ۷۹)

"وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ": اس کھلانے اور پلانے میں ہر وہ چیز داخل ہے جس سے رزق کے منافع حاصل ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے طعام کو پیدا فرمایا اور اُس کے ساتھ انسان کو یہ قدرت عطا فرمائی کہ وہ اُس طعام کو کھا سکے۔ اگر انسان میں یہ قدرت نہ پیدا فرماتے تو یہ نعمت مکمل نہ ہوتی۔ اور اس آیت میں کھانے اور پینے کا ذکر فرمایا اور ان دونوں کے ذکر سے ان کے ماسوا پر متنبہ فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا عطا فرماتے ہیں O“ (الشعراء: ۸۰)

بیماری کی نسبت اپنی طرف اور شفا کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کی توجیہ

”وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ“: (اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا عطا فرماتے ہیں)۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا: ”مَرِضْتُ“ (میں خود بیمار ہوا)، اور یہ نہیں فرمایا ”أَمْرَضَنِيْ“ یعنی اللہ نے مجھے بیمار فرمایا؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) مرض کے اکثر اسباب انسان کی کھانے اور پینے میں اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے ہوتے ہیں، اسی وجہ سے حکماء نے کہا ہے کہ اگر اکثر مُردوں سے پوچھا جائے کہ تمہاری موت کا کیا سبب ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے: بدہضمی۔

(۲) مرض اس وجہ سے ہوتا ہے کہ بعض اخلاط دوسری بعض اخلاط پر غالب ہو جاتی ہیں، اور صحت اس وقت ہوتی ہے جب اخلاط اعتدال پر ہوں۔ اور اعتدال میں بہت مشقت ہے، اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شفا کی اللہ عزوجل کی طرف نسبت فرمائی اور مرض کی اُن کی طرف نسبت نہیں فرمائی۔

(۳) شفا محبوب ہے اور نعمتوں کے اصول میں سے ہے اور مرض مکروہ ہے، نعمتوں میں سے نہیں ہے، اور جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود نعمتوں کو گنوانا تھا اور مرض نعمتوں میں سے نہیں تھا تو اس لیے ضروری ہوا کہ وہ مرض کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت نہ کریں۔

اگر تم اس پر یہ اعتراض کرو کہ موت یعنی مارنے کی اضافت تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ موت ضرر نہیں ہے، کیونکہ ضرر کی شرط یہ ہے کہ تکلیف کا احساس ہو اور جس حال میں موت آتی ہے تو تکلیف کا احساس نہیں ہوتا، تکلیف کا احساس تو موت کے مقدمات میں ہوتا ہے اور وہ عین مرض ہے۔ اور موت اُس مرض سے ازالہ اور خلاصی ہے اور عین سعادت ہے۔

حافظ اسماعیل بن کثیر الشافعی الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرض کی اپنی طرف نسبت کی، اگرچہ مرض بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اُن کی قضاء اور اُن کی تخلیق سے ہے، لیکن ادباً انہوں نے مرض کی اپنی طرف اضافت کی۔ اور اس آیت کا معنی ہے: جب میں کسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے سوا مجھے شفا دینے پر اور کوئی قادر نہیں ہے جو ایسے اسباب مقدر فرماتے ہیں جن سے شفا حاصل ہوتی ہے۔

(تفسیر القرآن العظیم، ج ۳ ص ۳۷۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جب میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کر کے بیمار ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے شفا عطا فرماتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب میں مخلوق کے معاملات میں پڑ کر بیمار ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے مشاہدۃ الحق سے شفا دیتے ہیں۔ اور جعفر بن محمد الصادق نے کہا: جب میں گناہوں کے سبب سے بیمار ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے توبہ کی توفیق دے کر شفا عطا فرماتے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، جز ۱۳ ص ۱۰۴، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

میں کہتا ہوں: عموماً لوگ جب بیمار ہوتے ہیں تو یہی دعا پڑھتے ہیں: "مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ" اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس دعا کے پڑھنے سے اُن کو شفا ہو جائے گی۔ ایسا نہیں ہے، جب اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے لیے شفا مقدر فرمائی ہوگی اور وہ اس آیت کو پڑھیں گے تو اُن کو شفا ہو جائے گی جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (المؤمن: ۶۰)" (اور آپ کے رب نے فرمایا: مجھ سے دعا کرو تا کہ میں تمہاری دعا قبول فرماؤں)۔ حالانکہ کتنی بار لوگ دعا کرتے ہیں اور اُن کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ تو اس کا بھی یہی جواب ہے کہ جب اُن کی دعا قضاء وقدر کے موافق ہوگی تو وہ دعا قبول ہوگی۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جو مجھے موت دیں گے، پھر زندہ فرمائیں گے ○" (الشعراء: ۸۱)

"وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ": اس سے مراد ہے دنیا میں مارنا اور دنیا کی آفات اور دنیا کی عقوبات سے خلاصی دینا۔ اور مجازاً اس سے زندہ کرنا مراد ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جن سے مجھے یہ امید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری (ظاہری) خطاؤں کو معاف فرما دیں گے ○" (الشعراء: ۸۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی طرف خطا کو منسوب کرنے کی حکمت

"وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ": اس میں اشارہ ہے اُس کی طرف جو ہر صاحب عقل کا مطلوب ہوتا ہے کہ وہ عذاب سے نجات پائے اور ثواب کے حصول سے کامیاب ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو اول خلق سے لے کر آخر ابد تک جمع فرمایا ہے۔ اور یہاں چند سوالات ہیں:

(۱) پہلا سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا: "وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ" اور طمع کا معنی گمان اور امید ہے، حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قطعی طور پر معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی مغفرت فرمانے والی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام صرف ہمارے مذہب پر صحیح ہو سکتا ہے، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور وہ جو بھی کریں وہ حسن ہے اور اُن کے کسی فعل پر کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے۔ اور الجبائی معتزلی نے اس کے دو جواب دیئے ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ "وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ" سے مراد تمام مؤمنین ہیں، کیونکہ انہی کو اللہ تعالیٰ سے امید اور طمع ہے اور قطعی یقین نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ طمع سے مراد یقین ہے اور یہ جواب حسن بصری سے مروی ہے اور صاحب الکشاف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس طریقہ سے ذکر کیا تا کہ اُن کی امت کو دعا کی کیفیت کی تعلیم دیں۔

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی طرف خطا کی نسبت کی ہے، حالانکہ انبیاء علیہم السلام قطعی طور پر خطاؤں اور گناہوں سے منزہ ہوتے ہیں۔ اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے تھے: "قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ۔ (الانبیاء: ۶۳)" (ابراہیم نے کہا: بلکہ اس

نے یہ کام کیا ہے، ان معبودوں میں سے سب سے بڑا یہ ہے)۔ یعنی بتوں کو توڑا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تھا اور نسبت بڑے بت کی طرف کر دی۔ (۲) دوسرا اُن کا یہ قول ہے: "فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ" (الصافات: ۸۹) "(پس کہا: میں بیمار ہونے والا ہوں)۔ (۳) اور تیسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کہا: "انّھا اختی" (یہ میری بہن ہے) حالانکہ وہ ان کی بیوی تھیں۔ تو چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے تھے، اس وجہ سے اُن کی طرف خطا کی نسبت کی۔ لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ تینوں جملے صورتاً جھوٹ ہیں، حقیقتاً جھوٹ نہیں ہیں۔

امام رازی نے اس اشکال کے جواب میں کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ باتیں بہ طور تواضع اور انکسار کہی تھیں، لیکن یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اگر وہ اس تواضع میں صادق تھے تو وہی اشکال دوبارہ لوٹ آئے گا۔ امام رازی نے کہا: صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کچھ کہا، اُس کو ترک اولیٰ پر محمول کیا جائے، اور ترک اولیٰ کو بھی کبھی خطا کہا جاتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ خطا ہے اور انبیاء علیہم السلام پر ترک اولیٰ جائز نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کچھ کہا تھا وہ حقیقتاً جھوٹ نہیں تھا صورتاً اور ظاہراً جھوٹ تھا۔ (اس پر مزید تفصیل کے لیے سورۃ الانبیاء کی آیت: ۶۳ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۳) تیسرا سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خطا کی مغفرت کو قیامت کے دن پر کیوں معلق فرمایا۔ اور دنیا میں اُن کی مغفرت کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن کی مغفرت کا اثر اُسی دن معلوم ہوگا اور دنیا میں اُس کا اثر مخفی ہے، معلوم نہیں ہے۔

(۴) چوتھا سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: "اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ" کہ میری خطا کو قیامت کے دن معاف فرما دیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام معرفت کے سمندر میں شدت سے مستغرق تھے اور دنیاوی وسائط سے گریزاں تھے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: کیا آپ کی کوئی حاجت ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تمہاری طرف تو کوئی حاجت نہیں ہے۔ اور یہاں فرمایا: "اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ" یعنی محض اس وجہ سے کہ میں آپ کا بندہ ہوں اور آپ کی طرف محتاج ہوں آپ میری خطا کو معاف فرما دیں۔ یعنی کسی شفاعت کرنے والے کی شفاعت کے بغیر محض اپنے کرم سے معاف فرما دیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اے میرے رب! مجھے مزید علم عطا فرمائیں اور مجھے اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملا دیں O" (الشعراء: ۸۳)

دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنے کی وجوہ

"رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ": پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ حکایت فرمائی کہ انہوں نے اللہ عزوجل کی حمد و ثنا کی، اُس کے بعد اُن کی دعا اور اُن کے سوال کا ذکر کیا۔ اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کو اُن سے دعا

پر مقدم کرنا مہمات میں سے ہے۔

اور تحقیق الکلام اس میں یہ ہے کہ یہ ارواح بشریہ فرشتوں کی جنس سے ہیں، جب یہ ارواح اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُن کی محبت کے ساتھ مشغول ہوں تو اُن کا عالم روحانیات کے ساتھ جذب بہت شدید ہوتا ہے اور اُن کی ملائکہ کے ساتھ مشابہت بہت قوی ہوتی ہے۔ اور جب اُن کا اشتغال اس عالم کی لذات کے ساتھ ہو اور جسمانیات کی ظلمات میں مستغرق ہو تو اُن ارواح بشریہ کی مشاکلت جانوروں کے ساتھ زیادہ شدید ہوتی ہے، تو اس عالم میں اُن کا تصرف بہت ضعیف ہوتا ہے، سو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دعا میں مشغول ہونے کا ارادہ کرے، اُس پر واجب ہے کہ اللہ عزوجل کی حمد وثنا کو اور اُن کی عظمت اور اُن کی کبریائی کے ذکر کو مقدم کرے۔ اور اس ذکر کے سبب سے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُن کی محبت میں مستغرق ہوگا اور فرشتوں کے ساتھ مشابہت میں قریب ہوگا۔ اور اس مشاکلت کے سبب سے اُس کو قوتِ الٰہیہ سماویہ حاصل ہوگی اور یہی دعا کے ساتھ مطلوب ہے۔ اور یہی دعا کی ماہیت کا کشف ہے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کا دعا پر مقدم ہونا واجب ہے اور اسی سے اس حدیث کی وضاحت ہوتی ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رب عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: جس شخص کو قرآن مجید کی تلاوت نے میرے ذکر سے اور مجھ سے دعا کرنے سے مشغول رکھا، میں اُس کو اس سے زیادہ عطا فرماتا ہوں جو میں سوال کرنے والوں کو عطا فرماتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت باقی کلاموں پر اس طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت اپنی مخلوق پر ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۹۲۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۲۷۳، حلیۃ الاولیاء: ج ۵ ص ۱۰۶، مسند الشہاب القضاعی: ۱۳۵۵، شعب الایمان للبیہقی: ۵۶۷، معجم ابن عساکر: ۳۰۱، السنۃ الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ٦ ص ١٢٥)

پس اگر کوئی شخص سوال کرے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء پر اختصار کیوں نہ کیا، خصوصاً جب کہ اُن سے یہ بھی روایت ہے کہ اللہ عزوجل کو جو میرے حال کا علم ہے، وہ مجھے اُس سے سوال کرنے سے مستغنی کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد اُن سے دعا اس لیے کی، کیونکہ اس وقت وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے رہے تھے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ انہوں نے کہا: "فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (الشعراء: ۷۷)" (بے شک یہ بت میرے دشمن ہیں، لیکن رب العالمین میرے دوست ہیں)۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کا ذکر کیا، پھر اُن سے دعا کا ذکر کیا، کیونکہ شارع علیہ السلام پر واجب ہے کہ وہ شریعت کی تعلیم دیں، لیکن جب وہ صرف اپنی ذات کے ساتھ تنہا ہوں اور اُن کی غرض شریعت کی تعلیم نہ ہو تو وہ صرف اس پر اقتصار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا میرے حال پر مطلع ہونا مجھے اُن سے سوال کرنے سے کافی ہے۔

حکم کی تفسیر میں متعدد اقوال

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور جس چیز کو طلب کیا، وہ درج ذیل ہیں:

اُن کا پہلا مطلوب یہ تھا: "رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ" (اور اے میرے رب! مجھے مزید علم عطا فرمائیں اور مجھے اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملا دیں)۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس دعا کو مقبول اور مستجاب فرمایا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَ

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔(البقرہ:۱۳۰)'' (اور ابراہیم کی ملت سے اس کے سوا کون اعراض کرے گا جس نے اپنے آپ کو جہالت میں مبتلا کر لیا ہو؟ ہم نے ان کو دنیا میں برگزیدہ بنالیا ہے اور بے شک وہ آخرت میں بھی ضرور صالحین میں سے ہیں)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا میں عرض کیا: ''رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا'' بعض مفسرین نے اس حکم کی تفسیر نبوت کے ساتھ کی ہے، یعنی اے رب! مجھے نبوت عطا فرمائیں۔ یہ تفسیر صحیح نہیں ہے، کیونکہ نبوت تو اُن کو پہلے ہی حاصل تھی، تو اب نبوت کو طلب کرنا یہ تحصیل الحاصل ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو قوتِ نظریہ میں کمال عطا فرمائیں۔ اور انہوں نے دعا میں کہا: ''وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ'' اور اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ان کو قوتِ عملیہ میں کمال عطا فرمائیں۔ اور ''رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا'' کو ''وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ'' پر مقدم فرمایا، کیونکہ قوتِ نظریہ، قوتِ عملیہ پر مقدم ہے۔ اور اس لیے کہ علم روح کی صفت ہے اور عمل بدن کی صفت ہے اور جب کہ روح بدن سے اشرف ہے تو علم عمل سے افضل ہوگا۔

اس دعا سے مطلوب اللہ تعالیٰ کی معرفت کے درجات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کے علم پر زائد ہیں بایں طور کہ اللہ تعالیٰ عالم ہیں، قادر ہیں، زندہ ہیں۔ اور یہ اُسی وقت ہوگا جب وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ جلال سے واقف ہوں یا حقیقتِ ذات سے واقف ہوں۔ یا اس معرفت کا نور اُن کے دل میں حاصل ہو۔ پھر یہاں ایسے احوال ہیں جن کو کلام سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا، نہ خیال میں آ سکتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکرِ خیر باقی رکھیں ○'' (الشعراء: ۸۴)

لسانِ صدق کی تفسیر میں متعدد اقوال

''وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ'': اس آیت کی تفسیر میں تین تاویلیں ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ابتداءً انسان کے لیے دنیا اور آخرت میں کمالِ ذاتی کو طلب کیا اور وہ علم کی طلب ہے۔ پھر اس کے بعد کمالاتِ دنیا کو طلب کیا اور پھر اس کے بعد کمالاتِ آخرت کو طلب کیا۔ رہے کمالاتِ دنیا تو اُن میں سے بعض داخلی ہیں اور بعض خارجی ہیں۔ جو کمالات داخلی ہیں وہ خُلقِ ظاہر اور خُلقِ باطن ہیں۔ اور خُلقِ ظاہر جسمانیت میں شدید ہے اور خُلقِ باطن روحانیت میں شدید ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امرِ جسمانی یعنی خُلقِ ظاہر کو ترک فرما دیا اور خُلقِ باطن کو طلب فرمایا اور اُن کی دعا میں ''وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ'' سے یہی مراد ہے۔ اور کمالاتِ خارجیہ وہ مال اور منصب ہے جو امرِ جسمانی ہے، سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مال اور منصب کو ترک فرما دیا اور امرِ روحانی کو طلب کیا۔ وہ عزت اور ذکرِ جمیل ہے اور انہوں نے جو دعا میں کہا: ''وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ'' ۔ اس سے یہی مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہ دعا عطا فرما دی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ۔ (الصافات:۷۸)'' (اور ہم نے بعد میں آنے والوں میں اُن کا ذکرِ جمیل باقی رکھا)۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا کہ اُن کی اولاد کو زمانے کے اخیر تک اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت بنائے رکھیں اور وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس ''وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ'' سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہے۔

(٣) بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ تمام ادیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی محبت پر متفق ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہ مطلوب بھی عطا فرما دیا، کیونکہ تم دیکھتے ہو کہ تمام اہلِ دین حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور مجھے نعمت والی جنتوں کا وارث بنا دیں O'' (الشعراء: ٨٥)

جنت کے حصول کی دعا کرنا

''وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ'': حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے دنیا کی سعادت طلب کی اور اُس کے بعد آخرت کی سعادت طلب کی اور وہ جنت النعیم ہے۔ اور اُس کو اس کے مشابہ قرار دیا جس میں وراثت جاری ہوتی ہے، پس آخرت کی قیمت کو دنیا کی غنیمت کے ساتھ تشبیہ دی۔

میں کہتا ہوں: ہمارے آج کل کے دور میں بعض جعلی صوفیاء جنت کی طلب سے منع کرتے ہیں اور یہ حکایت سناتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصری ایک ہاتھ میں پانی اور دوسرے ہاتھ میں آگ لیے ہوئے جا رہی تھیں، کسی نے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے کہا: لوگ جنت کی طلب کے لیے عبادت کرتے ہیں، میں جنت میں آگ لگا دیتی ہوں اور لوگ دوزخ سے نجات کے لیے عبادت کرتے ہیں میں دوزخ کی آگ کو بجھا دیتی ہوں تا کہ لوگ جنت یا دوزخ کے لیے اللہ کی عبادت نہ کریں بلکہ صرف اللہ کے لیے اُس کی عبادت کریں، ہمیں اس حکایت کی صحت کا علم نہیں ہے لیکن قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو دائمی جنت کا وارث بنا دیں۔ اسی طرح ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنت کے حصول کی دعا کی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اس دعا کی تعلیم دی ہے: اے اللہ! میں آپ سے ہر خیر کا سوال کرتا ہوں خواہ وہ دنیا کی ہو اور خواہ آخرت کی ہو، خواہ اس کا مجھے علم ہے اور خواہ مجھے اس کا علم نہیں ہے، اور میں ہر شر سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں، خواہ وہ دنیا کا شر ہو اور خواہ آخرت کا شر ہو، خواہ مجھے اس شر کا علم ہے اور خواہ مجھے اس شر کا علم نہیں ہے، اے اللہ! میں آپ سے اُس خیر کا سوال کرتا ہوں جس کا سوال آپ کے بندے اور آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، اور میں ہر اُس شر سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں جس سے آپ کے بندے اور نبی نے پناہ طلب کی، اے اللہ! میں آپ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جو قول یا عمل مجھے جنت کے قریب کر دے اُس کا سوال کرتا ہوں، اور میں دوزخ سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں، اور جو قول یا عمل دوزخ کے قریب کر دے اُس سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں، اور میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ آپ میرے لیے ہر خیر کو مقدر فرما دیں۔

(سنن ابن ماجہ: ٣٨٤٦، مسند احمد: ٢٥٠١٩، مصنف ابن ابی شیبہ: ٢٩٣٤٥، مسند اسحاق بن راہویہ: ١١٦٥، الادب المفرد للبخاری: ٦٣٩، شرح مشکل الآثار: ٦٠٢٣، صحیح ابن حبان: ٨٧٠، کتاب الدعاء للطبرانی: ٥٥، المستدرک علی الصحیحین: ١٩١٤، الدعوات الکبیر: ٢٠٢، موارد الظمآن: ٢٤١٣، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ٣٢ ص ٣٦٩، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ ج ٢ ص ٣٦)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین میں فاصلہ ہے اور فردوس جنت کا سب سے بلند درجہ ہے، اور اس سے جنت کی چار نہریں نکلتی ہیں اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے، پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(صحیح البخاری: ۶۳۹۰، سنن ترمذی: ۳۵۶۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۳۲۲۰، مسند احمد: ۲۲۰۸۷، المنتخب من مسند عبد بن حمید: ۱۸۲، صحیح ابن حبان: ۹۳۰، البعث والنشور للبیہقی: ۳۳۶، المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۲۶۷۰، شرح السنۃ للبغوی: ۱۲۶۱۰، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۷۷۶۶)

بأعمین یہ بھی کہتے ہیں کہ دوزخ کے عذاب کے ڈر سے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرنی چاہیے اور نہ دوزخ کے عذاب سے نجات کی دعا کرنی چاہیے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے دوزخ کے عذاب سے نجات کی دعا کی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں قبر کے عذاب سے اور دوزخ کے عذاب سے اور زندگی اور موت کے فتنہ سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۱۳۷۷، صحیح مسلم: ۵۸۸، الرقم المسلسل: ۱۳۰۱، مسند ابوداؤد والطیالسی: ۲۳۴۹، صحیح ابن حبان: ۱۰۱۹، المستدرک ج۱ ص ۵۴۳، کتاب الدعاء للطبرانی: ۱۳۷۳، مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۲ طبع قدیم، مسند احمد: ۱۰۷۶۸، ج۱۶ ص ۳۴۸، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور میرے عُرفی باپ کی مغفرت فرما دیں، بے شک وہ گمراہوں میں سے ہے O''
(الشعراء: ۸۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے عرفی باپ کی مغفرت کی دعا کی توجیہات

''وَ اغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ'': جب حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیا اور آخرت کی سعادات کی طلب سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے اپنے لئے اُس کو طلب کیا جس کے ساتھ سب لوگوں سے زیادہ اُن کا لگاؤ تھا اور وہ اُن کے عُرفی باپ تھے۔ سو انہوں نے دعا کی: میرے عرفی باپ کی مغفرت فرما دیں۔ اور یہاں پر کئی مباحث ہیں۔

پہلی بحث یہ ہے کہ مغفرت کی شرط اسلام ہے اور مشروط کی طلب شرط کی طلب کو متضمن ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عرفی باپ کے لیے اسلام لانے کی دعا کی کہ اے اللہ! اس کو مسلمان فرما دیں۔

دوسری بحث یہ ہے کہ اُن کے عرفی باپ نے اسلام قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ۔ (التوبۃ: ۱۱۴)'' (اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لیے مغفرت طلب کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو اُن کے (عرفی) باپ نے اُن سے کیا تھا، پس جب اُن پر یہ واضح ہو گیا کہ اُن کا عرفی باپ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے، بے شک ابراہیم بہت ہی رحم دل اور بردبار تھے)۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس کی اسلام کی شرط سے اُس کے حق میں دعا کی اور اسلام کی شرط کے ساتھ کافر کے لیے دعا کرنا ممنوع نہیں ہے۔ لیکن یہ جواب ضعیف ہے، کیونکہ اگر اسلام کی شرط کے ساتھ کافر کے لیے دعا کرنا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ اُن کو منع نہ فرماتے۔

تیسری بحث یہ ہے کہ اُن کے عرفی باپ نے اُن سے کہا تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر باطن میں ہیں اور نمرود کے دین پر ظاہر میں بہ طور تقیہ اور خوف ہیں، سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وجہ سے اُس کے لیے دعا کی کہ شاید ایسا ہی ہو، پس جب اُس کے خلاف ظاہر ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اُس سے بیزار ہو گئے، اسی لیے انہوں نے اپنی دعا میں کہا: ''اِنَّهٗ كَانَ مِنَ

الضَّآلِّيْنَ "۔ اور اگر اُن کا خیال یہ ہوتا کہ وہ اس وقت گمراہ نہیں ہے تو وہ اس طرح نہ کہتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور مجھے اُس دن شرمندہ نہ کریں جس دن لوگ اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے O" (الشعراء: ۸۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قیامت کے دن شرمندہ نہ کرنے کی دعا کی توجیہ

"وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ": صاحب الکشاف نے کہا ہے: الاخزاء، خِزْیٌ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: ذلت، یا یہ الخزایۃ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: حیا کرنا۔ اور یہاں پر کئی ابحاث ہیں:

(۱) اللہ عزوجل کا ارشاد "وَلَا تُخْزِنِي " اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، جیسا کہ ہم نے "وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـــَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۔ (الشعراء: ۸۲)" کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

(۲) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے یہ دعا کر لی: "وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ "، پس جب اُن کو جنت مل گئی تو پھر ان کے لیے شرمندگی اور رسوائی کا حصول ممتنع ہو گیا، پھر جنت کی دعا کے بعد انہوں نے کیسے یہ دعا کی: "وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ"۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۔ (النحل: ۲۷)" (پھر قیامت کے دن اللہ اُن کو ذلیل فرمائیں گے اور فرمائیں گے: "میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے متعلق تم جھگڑا کرتے تھے"، اور جن لوگوں کو دنیا میں علم عطا فرمایا گیا ہے وہ کہیں گے: "آج کے دن کافروں پر عذاب اور رسوائی ہے")۔ پس جب ذلت اور رسوائی فقط کافروں کا نصیب ہے تو نبی معصوم کو اس کا کیسے خطرہ ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے ابرار کی نیکیاں مقربین کی سیئات ہوتی ہیں، اسی طرح ابرار کے درجات مقربین کے مراتب ہوتے ہیں اور ہر شخص کے لیے شرمندگی کا معنی اُس کے حسب حال ہوتا ہے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اللہ تعالیٰ سے طلب کیا اور دعا کی کہ اُن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی شرمندگی سے محفوظ رکھیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بغیر طلب اور دعا کے ذکر فرمایا: "يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۔ (التحریم: ۸)" (جس دن اللہ اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے ساتھ ایمان لانے والوں کو بے وقار نہیں فرمائیں گے)۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جس دن نہ کسی کو اس کا مال نفع دے گا اور نہ اُس کے بیٹے O" (الشعراء: ۸۸)

"يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ": جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تنبیہ کی تھی کہ مقصود آخرت ہے تو انہوں نے دنیا سے منزہ ہونے کا بیان کیا کہ جس دن کوئی شخص عذاب سے بچنے کے لیے مال کا فدیہ نہ دے سکے گا یا جس دن عذاب سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی اُس کی شفاعت کرے گا یا مدد کرے گا اور نہ اُس کے بیٹے اُس کی مدد کریں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سوا اُن کے جو اللہ کے سامنے مسلمان دل لے کر حاضر ہوئے O '' (الشعراء:۸۹)

'' اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ '': علامہ الجلال المحلی نے یہ کہا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے پاس قلب سلیم لے کر آیا ہے تو وہ اس کو نفع دے گا۔ یعنی مال اور بیٹے کسی شخص کو فائدہ نہیں پہنچائیں گے، اُس کو وہ مال فائدہ پہنچائے گا جس کو اس نے نیکی میں خرچ کیا ہوگا اور اس کی اولاد اس کو فائدہ پہنچائے گی کیونکہ اس نے اس کو علم دیا اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔

قلب سلیم کی تفسیر میں متعدد اقوال

(ا) اس سے مراد یہ ہے کہ جو قلب جہل سے اور اخلاق رذیلہ سے سلامت ہو، جیسا کہ بدن کی صحت اور سلامتی کا معنی یہ ہے کہ اس کا مزاج موافق ہو اور مرض کا معنی یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک چیز زائل ہو جائے، سو اسی طرح قلب کی سلامتی کا معنی یہ ہے کہ اس میں وہ چیزیں حاصل ہوں جو ہونی چاہئیں اور وہ علم ہے اور عمدہ اخلاق ہیں۔ اور قلب کی بیماری یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک چیز زائل ہو جائے۔ پس اللہ عزوجل کا ارشاد: '' اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ '' کا معنی یہ ہے کہ اُس کا قلب عقائدِ فاسدہ سے خالی ہو اور دنیا کی شہوات اور لذات کی طرف میلان سے فارغ ہو۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ بہ ظاہر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا دل ان عقائد فاسدہ سے خالی ہو، وہ نجات پا جائے گا تو پھر زبان اور ہاتھوں کی سلامتی کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قلب مؤثر ہے اور زبان اور باقی اعضاء اس کے تابع ہیں۔ پس اگر قلب سلیم ہوگا تو زبان اور باقی اعضاء بھی سلیم ہوں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جنت متقین کے قریب فرما دی جائے گی O اور دوزخ کفار کے سامنے ظاہر فرما دی جائے گی O اور اُن سے فرمایا جائے گا: تمہارے وہ بت کہاں ہیں جن کی تم عبادت کرتے تھے O (جن کی تم) اللہ کو چھوڑ کر (عبادت کرتے تھے) کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا تمہارا بدلہ لے سکتے ہیں O پس بتوں کو اور اُن کی عبادت کرنے والوں کو اور گمراہوں کو دوزخ میں سر کے بل جھونک دیا جائے گا O اور ابلیس کے تمام لشکروں کو بھی O '' (الشعراء:۹۰۔۹۱۔۹۲۔۹۳۔۹۴۔۹۵)

جنت کے متقین کے قریب ہونے کے محامل

'' وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ '': حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دن کی توصیف میں کئی امور بیان فرمائے۔ اُن میں سے یہ ہیں:

(ا) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: '' وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۙ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ ﴿۹۱﴾ ''۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ نیک لوگوں کے جنت قریب ہوتی ہے، وہ جنت کی طرف دیکھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ اُن کو جنت میں جمع فرمایا جائے گا۔ اور دوزخ برے لوگوں کے سامنے ظاہر ہوتی ہے، وہ اُسے دیکھ کر حسرت میں مبتلاء ہوتے ہیں کہ انہیں دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ثواب کی صفت میں فرمایا: '' وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ غَیْرَ بَعِیْدٍ ۔ (ق:۳۱) ''(اور جنت پرہیزگاروں کے قریب فرمادی

جائے گی، وہ (اُن سے) دور نہ ہوگی)، اور اہلِ عذاب کی صفت میں فرمایا: "فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۔ (الملک:۲۷)" (پھر جب اُسے قریب آتا دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور انہیں فرمادیا جائے گا: یہی ہے وہ جسے تم طلب کرتے تھے)۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا اس لئے کریں گے تاکہ مومنین کو خوشی جلدی حاصل ہو اور کافروں کو اُن کا غم جلدی حاصل ہو۔

کفار کے باطل معبودوں کی پرستش کا بطلان

(۲) "وَ قِیْلَ لَهُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ یَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ ؕ": اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے باطل معبود کہاں ہیں، کیا وہ تمہاری مدد کرکے تمہیں نفع پہنچارہے ہیں یا وہ خود اپنی جانوں کو نفع پہنچارہے ہیں، کفار اور اُن کے معبود دوزخ کا ایندھن ہیں۔ "فَكُبْكِبُوْا فِیْهَا هُمْ وَ الْغَاوٗنَ": یعنی اُن کے باطل معبود اور اُن کے وہ عبادت کرنے والے جن کے لیے دوزخ کو ظاہر فرمادیا گیا ہے، اور "الکبکبۃ" میں الکب کی تکرار ہے اور لفظ کی تکرار معنی کی تکرار پر دلالت کرتی ہے، گویا کہ جہنم میں یکے بعد دیگرے انہیں سر کے بل گرایا جائے گا حتی کہ وہ جہنم کی گہرائی میں ٹھہر جائیں گے۔

"وَ جُنُوْدُ اِبْلِیْسَ اَجْمَعُوْنَ": "جُنُوْدُ اِبْلِیْسَ" سے مراد ہے ابلیس کے متبعین اور انسانوں اور جنات میں سے اس کی اطاعت کرنے والے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ابلیس کی ذرّیت ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وہ دوزخ میں اپنے جھوٹے معبودوں سے جھگڑتے ہوئے کہیں گے ○ اللہ کی قسم! ہم کھلی گمراہی میں تھے ○ جب ہم تم کو رب العالمین کے برابر قرار دیتے تھے ○" (الشعراء:۹۶-۹۷-۹۸)

دوزخ میں ابلیس کے پیروکاروں کا جھگڑنا

"قَالُوْا وَ هُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ": ابلیس کے پیروکار اور اس کی عبادت کرنے والے دوزخ میں آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔ "تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ": وہ کہیں گے: اللہ کی قسم! ہم ظاہری گمراہی میں تھے، یعنی ہماری گمراہی بالکل ظاہر تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم کو صرف مجرموں نے گمراہ کیا تھا ○ سو آج نہ تو کوئی ہمارا سفارش کرنے والا ہے ○ اور نہ ہی سچا دوست ہے ○" (الشعراء:۹۹-۱۰۰-۱۰۱)

"وَ مَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ": اور یہ گمراہی جو ظاہر ہے، ہم کو اس میں صرف مجرموں نے مبتلا کیا جن کی ہم نے دنیا میں پیروی کی تھی، جو دنیا میں ہمارے سردار اور بڑے تھے، جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے: "رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا ۔ (الاحزاب:۶۷)" (اے ہمارے رب! ہم نے اپنے رہنماؤں اور سرکردہ لوگوں کی بات مانی تو انہوں نے ہمیں سیدھے راستہ سے گمراہ کردیا)۔ اور ابن جریج سے روایت ہے کہ یہ جھگڑا ابلیس اور پہلے ابن آدم میں ہوا تھا جو قابیل تھا جس نے سب سے پہلے قتل کرنے کا راستہ دکھایا اور دیگر معاصی کی طرف رہنمائی کی۔

"فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ۙ وَ لَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ": کفار کہیں گے کہ جیسا کہ ہم مومنین کے لیے ملائکہ اور انبیاء میں سے

شفاعت کرنے والے دیکھ رہے ہیں، آج ہمارے لیے ایسا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے، اور جیسا کہ ہم اُن کے دوست دیکھ رہے ہیں، آج ہمارا ایسا کوئی دوست نہیں ہے، کیونکہ دوزخ والے ایک دوسرے کے ساتھ عداوت اور بغض رکھیں گے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ۔۔ (الزخرف: ٦٧)" (اُس دن سب گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیزگاروں (اولیاء) کے)۔

"الحمیم" کا معنی ہے خالص دوست۔ اور شفعاء کو جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر فرمایا اور صدیق حمیم کو واحد کے صیغہ کے ساتھ ذکر فرمایا، کیونکہ شفاعت کرنے والے بہت ہوں گے اور سچے اور گہرے دوست بہت کم ہوں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کاش! ہمیں دوبارہ دنیا میں لوٹ کر جانا مل جاتا تو ہم مومنین میں سے ہو جاتے ○" (الشعراء: ۱۰۲)

"فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ": الجبائی نے کہا ہے: یہ اُن کے ایمان لانے کی خبر نہیں ہے، لیکن اُن کے عزم کی خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا رد فرمایا: "بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُؕ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۔۔ (الانعام: ۲۸)" (بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ اب ان پر وہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے جس کو وہ اس سے پہلے چھپاتے تھے، اور اگر وہ (بالفرض دنیا کی طرف) پھر لوٹا دیے گئے تو پھر وہی کچھ کریں گے جس سے ان کو منع فرمایا گیا تھا، اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اس قصہ میں بہت بڑی نشانی ہے اور اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے ○" (الشعراء: ۱۰۳)

رسول اللہ ﷺ کو تسلی فرمانا

"اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةًؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ": اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے۔ اور اس میں ہمارے نبی ﷺ کو تسلی فرمائی ہے کہ ان عظیم دلائل کے باوجود جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے تو اگر آپ کے معجزات دکھانے کے باوجود قریش ایمان نہ لائیں تو آپ غم نہ کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک آپ کے رب ہی سب پر غالب، سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں ○" (الشعراء: ۱۰۴)

"وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ": یعنی اللہ تعالیٰ کفار اور فساق سے جلد انتقام لینے پر قادر ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ رحیم ہیں، اُن کو ایمان لانے کے لیے مہلت عطا فرماتے ہیں۔ (تفسیر الکبیر، ج ۸، ص ۵۰۸۔۵۱۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ﹰالْمُرْسَلِیْنَ ﳔ ۱۰۵

نوح کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا O

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾

جب اُن کے ہم قبیلہ نوح نے کہا: کیا تم لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے؟ O

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾

بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾

لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾

اور میں تم سے دین کی تبلیغ پر کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمۂ کرم پر ہے O

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾

پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O

قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾

اُن لوگوں نے کہا: کیا ہم آپ پر ایمان لے آئیں حالانکہ آپ کی پیروی پسماندہ لوگوں نے کی ہے O

قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾

نوح نے کہا: مجھے کیا علم کہ وہ لوگ کیا کرتے ہیں O

إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي ۖ لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾

اُن کا حساب صرف اللہ کے ذمہ ہے اگر تم شعور رکھتے ہو O

وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٤﴾

اور میں مومنین کو بھگانے والا نہیں ہوں O

إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿١١٥﴾

میں صرف کھلا کھلا عذاب سے ڈرانے والا ہوں O

قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾

اُن لوگوں نے کہا: اے نوح! اگر آپ تبلیغ دین سے باز نہ آئے تو ضرور آپ اُن لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو سنگسار کیا گیا ہے ○

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾

نوح نے کہا: اے میرے رب! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے ○

فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُمْ فَتْحًا وَّ نَجِّنِیْ وَ مَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾

پس آپ میرے اور اُن کے درمیان زبردست فیصلہ فرما دیں اور مجھے اور میرے ساتھ جو مومنین ہیں، اُن کو نجات عطا فرما دیں ○

فَاَنْجَیْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾

سو ہم نے اُن کو اور اُن لوگوں کو نجات عطا فرما دی جو بھری ہوئی کشتی میں اُن کے ساتھ تھے ○

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ ﴿۱۲۰﴾

پھر اس کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق فرما دیا ○

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾

بے شک اس قصہ میں عبرت کی بہت بڑی نشانی ہے، اور اُن میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے تھے ○

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۲﴾

اور بے شک آپ کے رب ہی سب پر غالب، سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”نوح کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا ○“ (الشعراء:۱۰۵)

حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کی قوم کا قصہ

اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنایا، تا کہ آپ کو یہ تسلی ہو کہ آپ کی قوم جو آپ کی تبلیغ کو قبول نہیں کر رہی اور اس سے آپ کو رنج ہو رہا ہے تو آپ کو تسلی دی جائے کہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی خبر سنائی، کیونکہ اُن کی نبوت کا زمانہ دوسروں کی نبوت کے زمانہ سے بہت زیادہ تھا۔ وہ اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ فرماتے رہے، اس کے باوجود اُن کی قوم نے اُن کی تکذیب کی۔

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، الشعراء:۱۰۵ تا ۱۲۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِیْنَ ": (نوح کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا)۔

اس آیت میں مؤنث کے صیغہ کے ساتھ كَذَّبَتْ فرمایا ہے۔گویا یہاں پر جماعت کا لفظ محذوف ہے، یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی جماعت نے اُن کی تکذیب کی ۔ ورنہ قوم کا لفظ مذکر بھی ہے اور مؤنث بھی ۔ اور قوم کی تصغیر قُوَیمۃ آتی ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی، حالانکہ اُن کی قوم نے صرف حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی، کیونکہ جس نے رسولوں میں سے کسی ایک رسول کی بھی تکذیب کی تو اُس نے تمام رسولوں کی تکذیب کی، کیونکہ ہر رسول مخلوق کو تمام رسولوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔علاوہ ازیں حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو اُن کے بعد آنے والے رسولوں پر بھی ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے، اس لیے فرمایا کہ ان کی قوم نے تمام رسولوں کی تکذیب کی، یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والے رسولوں کی بھی تکذیب کی ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تمام رسولوں کا پیغام واحد ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جو پیغام پہنچایا، تمام رسولوں نے وہی پیغام پہنچایا تھا، اس لیے جب اُن کی قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کے پیغام کو رد کیا اور اُس کی تکذیب کی تو گویا انہوں نے تمام رسولوں کی تکذیب کی، اس لیے فرمایا کہ نوح کی قوم نے تمام رسولوں کی تکذیب کی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جب اُن کے ہم قبیلہ نوح نے کہا: کیا تم لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے؟ O"

(الشعراء:۱۰۶)

"اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ": اہل التاویل نے کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نسب کے اعتبار سے اُن کے بھائی تھے اور دین کے اعتبار سے اُن کے بھائی نہیں تھے۔ الشیخ ابو منصور رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو آدم کے بیٹے فرمایا ہے، حالانکہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے بہت دور تھے۔ پس اسی طرح دوری کے باوجود اُن کو بھائی کہنا بھی درست ہے۔

الشعراء:۱۰۶ سے علماء دیوبند کا انبیاء علیہم السلام کو اپنا بھائی کہنے پر استدلال اور مصنف کا اس پر رد بلیغ

میں کہتا ہوں: اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی امتی کے لیے اپنے نبی کو بھائی کہنا جائز ہے، کیونکہ اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کا بھائی (ہم قبیلہ) فرمایا گیا ہے۔اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امتی بھی نبی کو اپنا بھائی کہے۔

شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ، لکھتے ہیں:

یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں، جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے، سو اس کے بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ ہے بندگی اس کو چاہیے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء و انبیاء امام و امام زادہ پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے ہم ان کے چھوٹے ہیں سو ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیے نہ خدا کی سی۔

(تقویۃ الایمان ص ۴۲، مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور)

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنا بھائی کہنے کے عدم جواز پر مصنف کے دلائل

اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے مالک و مولیٰ ہیں اور انبیاء علیہم السلام ان کے بندے ہیں، اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو جو کچھ فرمائیں وہ اُن کو زیبا

ہے مثلاً اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: "وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى"۔ (طٰہٰ:۱۲۱) "(اور آدم نے اپنے رب کی معصیت کی، پس وہ بے راہ ہوئے)۔ کیا اس آیت کو دیکھ کر حضرت آدم علیہ السلام کو عاصی، بے راہ اور گمراہ کہنا جائز ہے؟

علامہ ابن الحاج مالکی متوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے تلاوت کے دوران یا حدیث کی قراءت کے دوران حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق کہا کہ انہوں نے معصیت کی، وہ کافر ہو گیا۔ (المدخل، ج۲ ص۱۴، دار الفکر، بیروت)

شیخ اسماعیل دہلوی اور اُن کے وکلاء کے رد کے لیے خود اُن کے گھرانے کے مشہور عالم شیخ خلیل احمد سہارنپوری متوفی ۱۳۴۶ھ کی یہ عبارت کافی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"جو اس کا قائل ہو کہ نبی کریم علیہ السلام کو ہم پر بس اتنی فضیلت ہے جتنی بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی پر ہوتی ہے تو اس کے متعلق ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ دائرہ ایمان سے خارج ہے (الی قولہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل البشر اور تمام مخلوقات سے اشرف اور جمیع پیغمبروں کا سردار اور سارے نبیوں کا امام ہونا ایسا قطعی امر ہے جس میں ادنیٰ مسلمان بھی تردد نہیں کرسکتا"۔

(عقائد علماء دیوبند ص ۲۸، مطبوعہ مطبع سعیدی، کراچی)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O" (الشعراء:۱۰۷)

"اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ": (بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں)۔

اس آیت کی تفسیر میں دو محمل ہیں: (۱) یعنی اس دعویٰ نبوت سے پہلے میں تمہارے نزدیک امانت دار تھا اور تم میری دی ہوئی تمام خبروں میں میری تصدیق کرتے تھے، اب کیا وجہ ہے کہ تم میری اس بات میں تصدیق نہیں کرتے کہ میں نے تمہیں خبر دی ہے کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ (۲) حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو امین قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی وحی پر امین بنایا، پس میں تم کو اللہ کا پیغام پہنچاتا ہوں اور امانت کو ادا کرتا ہوں، خواہ تم اس کو قبول کرو یا نہ کرو، پس جب اللہ تعالیٰ نے مجھے امین بنا دیا ہے تو میں تمہاری دھمکیوں سے نہیں ڈرتا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ"۔ (ہود:۵۵) "(تم سب مل کر مجھے جو ضرر پہنچا سکتے ہو وہ پہنچاؤ، پھر مجھے بالکل مہلت نہ دو)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O" (الشعراء:۱۰۸)

"فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ": یعنی تم اللہ تعالیٰ کے انتقام اور اُن کے عذاب سے ڈرو۔ یا اللہ تعالیٰ کے احکام میں اُن کی مخالفت کرنے سے ڈرو۔ اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں جو احکام پہنچا رہا ہوں، اُن احکام کی اطاعت کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور میں تم سے دین کی تبلیغ پر کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمہ کرم پر ہے O" (الشعراء:۱۰۹)

"وَ مَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ": یعنی میں تمہیں جس دین کی طرف دعوت دیتا ہوں اور جس دین کی تبلیغ کرتا ہوں، اُس پر میں کسی اجر کا یا کسی چیز کا سوال نہیں کرتا۔ اور میں تمہارے مالوں سے اور تمہاری جانوں سے اپنی

اس تبلیغ پر کوئی حصہ طلب نہیں کرتا، بلکہ میں تم کو صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں، اور تم جو متعدد خداؤں کی عبادت کرتے ہو، تو اُس کی بہ نسبت ایک خدا کی عبادت کرنا تمہارے لیے زیادہ آسان ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O'' (الشعراء: ۱۱۰)

''فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ'': یعنی تم اللہ تعالیٰ کے انتقام اور اُن کے عذاب سے ڈرو اور اُن کے احکام میں اُن کی مخالفت کرنے سے ڈرو اور میں جس دین کی تمہیں دعوت دے رہا ہوں، اُس کی اطاعت کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن لوگوں نے کہا: کیا ہم آپ پر ایمان لے آئیں حالانکہ آپ کی پیروی پسماندہ لوگوں نے کی ہے O'' (الشعراء: ۱۱۱)

''قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ'': یعنی وہ لوگ کہتے تھے: آپ کی پیروی تو گھٹیا اور پسماندہ لوگ کرتے ہیں جن کی نہ کوئی صحیح رائے ہے اور نہ کوئی تدبیر ہے۔ اور اگر آپ سچے نبی ہوتے تو معزز لوگ اور سردار آپ کی پیروی کرتے۔

پس رسول صلوات اللہ علیہم جن کے پاس دنیاوی اموال نہیں ہوتے اور نہ ریاست ہوتی ہے اور نہ کوئی منصب ہوتا ہے، تو اُن کی کمزور اور پسماندہ لوگ پیروی کرتے ہیں اور اُن کو اِن معزز لوگوں اور سرداروں سے یہ خوف ہوتا ہے کہ وہ اُن کو اپنی مخالفت کی وجہ سے قتل کر دیں گے یا سولی پر چڑھا دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''نوح نے کہا: مجھے کیا علم کہ وہ لوگ کیا کرتے ہیں O'' (الشعراء: ۱۱۲)

''قَالَ وَ مَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ'': اس آیت کے بھی دو محمل ہیں۔ یعنی مجھے اس کا علم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ایمان کی اور توحید کی ہدایت عطا فرمائیں گے یعنی جو کمزور اور پسماندہ لوگ ہیں، اور تمہیں چھوڑ دیں گے اور تم کو ہدایت عطا نہیں فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن کا حساب صرف اللہ کے ذمہ ہے اگر تم شعور رکھتے ہو O'' (الشعراء: ۱۱۳)

''اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ'': یعنی جو پسماندہ لوگ میری پیروی کرتے ہیں، اُن کی جزا میرے رب کے ذمۂ کرم پر ہے۔ اور دوسرا محمل یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ وہ لوگ تنہائی میں کیا کرتے ہیں اور نہ یہ میرے ذمہ ہے، اگر تم سمجھتے ہو تو اُن کا حساب صرف میرے رب کے ذمۂ کرم پر ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور میں مومنین کو بھگانے والا نہیں ہوں O'' (الشعراء: ۱۱۴)

''وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ'': اہل التاویل نے کہا ہے کہ اُن لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ سوال کیا تھا کہ یہ پسماندہ لوگ جو اُن کے پاس آتے ہیں، وہ ان کو بھگا دیں حتیٰ کہ وہ بھی حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لے آئیں۔ سو اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے اُن سے کہا: ''وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ'' ۔ (میں مومنین کو بھگانے والا نہیں ہوں) ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اُن ایمان لانے والوں کے دین میں طعن کیا ہو اور انہوں نے ظاہراً ایسا کہا ہو، لیکن تنہائی میں وہ اس طرح نہیں تھے، پس حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: میں ان ایمان لانے والوں کو بھگانے والا نہیں ہوں۔ اور یہ حضرت نوح علیہ السلام کے قول پر دلالت کرتا ہے جب انہوں

نے کہا تھا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَن يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنفُسِهِمْ ۖ إِنِّي إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ـ (ہود:۳۱)" (اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے ہی پاس اللہ کے سارے خزانے ہیں، اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں از خود غیب جانتا ہوں اور نہ ہی یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، اور جو لوگ تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں نہ اُن کے متعلق میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ اُن کو کبھی بھی خیر نہیں عطا فرمائیں گے، اور جو کچھ اُن پسماندہ ایمان والوں کے دلوں میں ہے اسے اللہ ہی سب سے زیادہ جانتے ہیں، (اور بالفرض اگر میں نے ایسا کہا) تو میرا شمار ضرور حد سے بڑھنے والوں میں سے ہوگا)۔ حضرت نوح علیہ السلام کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ اُن لوگوں نے اُن ایمان لانے والوں پر طعن کیا تھا، تب ہی حضرت نوح علیہ السلام نے اُن کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوّض کیا اور کہا: اللہ تعالیٰ ہی جاننے والے ہیں اُن کے دلوں میں کیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "میں صرف کھلا کھلا عذاب سے ڈرانے والا ہوں O" (الشعراء:۱۱۵)

"إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ": یعنی میں صرف اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور اُن کے باطن کی تفتیش کرنے والا نہیں ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اُن لوگوں نے کہا: اے نوح! اگر آپ تبلیغ دین سے باز نہ آئے تو ضرور آپ اُن لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو سنگسار کیا گیا ہے O" (الشعراء:۱۱۶)

"قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ": "الْمَرْجُومِينَ" کا معنی ہے جس کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا گیا ہو۔ اور یہ اس قتل سے زیادہ سخت ہے جس کی انہوں نے دھمکی دی تھی۔

بعض مفسرین نے کہا: اس کا معنی ہے: ورنہ آپ اُن لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو زبان سے برا کہا جاتا ہے، لیکن پہلا قول زیادہ قریب ہے، کیونکہ برا تو وہ حضرت نوح علیہ السلام کو کہتے ہی رہتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "نوح نے کہا: اے میرے رب! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے O پس آپ میرے اور اُن کے درمیان زبردست فیصلہ فرما دیں اور مجھے اور میرے ساتھ جو مومنین ہیں، اُن کو نجات عطا فرما دیں O" (الشعراء:۱۱۷-۱۱۸)

"قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ۝ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَن مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝":

یعنی میری قوم کے خلاف عذاب اور ہلاکت کا فیصلہ فرما دیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَنَجِّنِي وَمَن مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ"۔ پس حضرت نوح علیہ السلام کا سوال اس پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی اور اپنے ساتھ مومنین کی نجات کے لیے دعا کی۔ اور یہ جو اُن کی دعا کا حصہ ہے: "فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا" اس میں انہوں نے اپنے رب سے اُن لوگوں کو ہلاک کرنے کی دعا کی جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔ اور یہ وہی ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: "رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ـ (الاعراف:۸۹)" (اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری مخالف قوم کے درمیان حق کے

اس تبلیغ پر کوئی حصہ طلب نہیں کرتا، بلکہ میں تم کو صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں، اور تم جو متعدد خداؤں کی عبادت کرتے ہو تو اُس کی بہ نسبت ایک خدا کی عبادت کرنا تمہارے لیے زیادہ آسان ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O'' (الشعراء: ۱۱۰)

''فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ'': یعنی تم اللہ تعالیٰ کے انتقام اور اُن کے عذاب سے ڈرو اور اُن کے احکام میں اُن کی مخالفت کرنے سے ڈرو اور میں جس دین کی تمہیں دعوت دے رہا ہوں، اُس کی اطاعت کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن لوگوں نے کہا: کیا ہم آپ پر ایمان لے آئیں حالانکہ آپ کی پیروی پسماندہ لوگوں نے کی ہے O'' (الشعراء: ۱۱۱)

''قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ'': یعنی وہ لوگ کہتے تھے: آپ کی پیروی تو گھٹیا اور پسماندہ لوگ کرتے ہیں جن کی نہ کوئی صحیح رائے ہے اور نہ کوئی تدبیر ہے۔ اور اگر آپ سچے نبی ہوتے تو معزز لوگ اور سردار آپ کی پیروی کرتے۔

پس رسول صلوات اللہ علیہم جن کے پاس دنیاوی اموال نہیں ہوتے اور نہ ریاست ہوتی ہے اور نہ کوئی منصب ہوتا ہے، تو اُن کی کمزور اور پسماندہ لوگ پیروی کرتے ہیں اور اُن کو ان معزز لوگوں اور سرداروں سے یہ خوف ہوتا ہے کہ وہ اُن کو اپنی مخالفت کی وجہ سے قتل کر دیں گے یا سولی پر چڑھا دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''نوح نے کہا: مجھے کیا علم کہ وہ لوگ کیا کرتے ہیں O'' (الشعراء: ۱۱۲)

''قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ'': اس آیت کے بھی دو محمل ہیں۔ یعنی مجھے اس کا علم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ایمان کی اور توحید کی ہدایت عطا فرمائیں گے یعنی جو کمزور اور پسماندہ لوگ ہیں، اور تمہیں چھوڑ دیں گے اور تم کو ہدایت عطا نہیں فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن کا حساب صرف اللہ کے ذمہ ہے اگر تم شعور رکھتے ہو O'' (الشعراء: ۱۱۳)

''اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ'': یعنی جو پسماندہ لوگ میری پیروی کرتے ہیں، اُن کی جزا میرے رب کے ذمۂ کرم پر ہے۔ اور دوسرا محمل یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ وہ لوگ تنہائی میں کیا کرتے ہیں اور نہ یہ میرے ذمہ ہے، اگر تم سمجھتے ہو تو اُن کا حساب صرف میرے رب کے ذمۂ کرم پر ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور میں مومنین کو بھگانے والا نہیں ہوں O'' (الشعراء: ۱۱۴)

''وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ'': اہل التاویل نے کہا ہے کہ اُن لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ سوال کیا تھا کہ یہ پسماندہ لوگ جو اُن کے پاس آئے ہیں، وہ ان کو بھگا دیں حتیٰ کہ وہ بھی حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لے آئیں۔ سو اُس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے اُن سے کہا: ''وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ''۔ (میں مومنین کو بھگانے والا نہیں ہوں)۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اُن ایمان لانے والوں کے دین میں طعن کیا ہو اور انہوں نے ظاہراً ایسا کہا ہو، لیکن تنہائی میں وہ اس طرح نہیں تھے، پس حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: میں اِن ایمان لانے والوں کو بھگانے والا نہیں ہوں۔ اور یہ حضرت نوح علیہ السلام کے قول پر دلالت کرتا ہے جب انہوں

نے کہا تھا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّ لَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًاؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ـ (ہود: ۳۱)" (اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے ہی پاس اللہ کے سارے خزانے ہیں، اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں از خود غیب جانتا ہوں اور نہ ہی یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، اور جو لوگ تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں نہ اُن کے متعلق میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ اُن کو کبھی بھی خیر نہیں عطا فرمائیں گے، اور جو کچھ اُن پسماندہ ایمان والوں کے دلوں میں ہے اسے اللہ ہی سب سے زیادہ جانتے ہیں، (اور بالفرض اگر میں نے ایسا کہا) تو میرا شمار ضرور حد سے بڑھنے والوں میں سے ہوگا)۔ حضرت نوح علیہ السلام کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ اُن لوگوں نے اُن ایمان لانے والوں پر طعن کیا تھا، تب ہی حضرت نوح علیہ السلام نے اُن کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کیا اور کہا: اللہ تعالیٰ ہی جاننے والے ہیں اُن کے دلوں میں کیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "میں صرف کھلا کھلا عذاب سے ڈرانے والا ہوں O" (الشعراء: ۱۱۵)

"اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ": یعنی میں صرف اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور اُن کے باطن کی تفتیش کرنے والا نہیں ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اُن لوگوں نے کہا: اے نوح! اگر آپ تبلیغ دین سے باز نہ آئے تو ضرور آپ اُن لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو سنگسار کیا گیا ہے O" (الشعراء: ۱۱۶)

"قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ": "الْمَرْجُوْمِیْنَ" کا معنی ہے جس کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا گیا ہو۔ اور یہ اُس قتل سے زیادہ سخت ہے جس کی انہوں نے دھمکی دی تھی۔

بعض مفسرین نے کہا: اس کا معنی ہے: ورنہ آپ اُن لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو زبان سے برا کہا جاتا ہے، لیکن پہلا قول زیادہ قریب ہے، کیونکہ برا تو وہ حضرت نوح علیہ السلام کو کہتے ہی رہتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "نوح نے کہا: اے میرے رب! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے O پس آپ میرے اور اُن کے درمیان زبردست فیصلہ فرما دیں اور مجھے اور میرے ساتھ جو مومنین ہیں، اُن کو نجات عطا فرما دیں O" (الشعراء: ۱۱۷۔۱۱۸)

"قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ۚۖ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُمْ فَتْحًا وَّ نَجِّنِیْ وَ مَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ": یعنی میری قوم کے خلاف عذاب اور ہلاکت کا فیصلہ فرما دیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَ نَجِّنِیْ وَ مَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ"۔ پس حضرت نوح علیہ السلام کا سوال اس پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی اور اپنے ساتھ مومنین کی نجات کے لیے دعا کی۔ اور یہ جو اُن کی دعا کا حصہ ہے: "فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُمْ فَتْحًا" اس میں انہوں نے اپنے رب سے اُن لوگوں کو ہلاک کرنے کی دعا کی جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔ اور یہ وہی ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: "رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ـ (الاعراف: ۸۹)" (اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری مخالف قوم کے درمیان حق کے

ساتھ فیصلہ فرما دیجئے، اور آپ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والے ہیں)۔

پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ اُس وقت نہ دعا کی ہو جب پہلی بار اُن کی تکذیب کی گئی تھی، بلکہ اس کے بعد جب حضرت نوح علیہ السلام نے بار بار تبلیغ فرمائی اور وہ اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے، کیونکہ وہ اپنی قوم میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ساڑھے نو سو سال رہے تھے، اور اس تمام عرصہ میں وہ اُن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیتے رہے۔ اور اُن پر عذاب اور اُن کی ہلاکت کی دعا اُس وقت کی جب اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام اُن کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۔ (ہود: ۳۶)'' (اور نوح کی طرف وحی فرمائی گئی: ''تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اُن کے سوا ہرگز کوئی ایمان نہیں لائے گا، لہٰذا تم اُن کے کرتوتوں پر غم نہ کرنا'')۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کو اُن کے خلاف دعا کرنے کی اجازت عطا فرمائی، کیونکہ انبیاء صلوات اللہ علیہم اپنی قوم کے خلاف ہلاکت کی دعا نہیں کرتے مگر جب اللہ تعالیٰ اُن کو اس کی اجازت عطا فرماتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت یونس علیہ السلام جو اپنی قوم کے درمیان سے نکل کر اللہ تعالیٰ سے اجازت لیے بغیر چلے گئے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر عتاب فرمایا۔ پس جب اُن پر بغیر اجازت کے اپنی قوم کے درمیان سے نکل جانے پر عتاب فرمایا گیا تو یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف اللہ تعالیٰ سے اجازت لیے بغیر ہلاکت کی دعا کی ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو ہم نے اُن کو اور اُن لوگوں کو نجات عطا فرما دی جو بھری ہوئی کشتی میں اُن کے ساتھ تھے O پھر اس کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق فرما دیا O'' (الشعراء: ۱۱۹-۱۲۰)

''فَاَنْجَیْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ ۝'': (سو ہم نے ان کو اور ان لوگوں کو نجات عطا فرما دی جو بھری ہوئی کشتی میں اُن کے ساتھ تھے O پھر اس کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق فرما دیا)۔

''الْمَشْحُوْنِ'' کا معنی ہے: المملوء، یعنی وہ کشتی بھری ہوئی تھی۔ اور وہ کشتی مختلف قسم کی مخلوق سے بھری ہوئی تھی۔ اور مومنین کی تعداد اُس میں کم تھی، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ۔ (ہود: ۴۰)'' (حتیٰ کہ جب (کافروں کو غرق کرنے کے متعلق) ہمارا حکم آ گیا اور تنور جوش سے ابلنے لگا تو ہم نے نوح کو حکم فرمایا: ''اس کشتی میں ہر جنس سے نر اور مادہ کے دو جوڑے رکھوا اور اپنے گھر والوں کو بھی اس کشتی میں سوار کر لو سوا اُن لوگوں کے جن کے متعلق پہلے غرق فرمائے جانے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اُن کے ساتھ ایمان والوں کو بھی سوار کر لو'' اور اُن کے ساتھ ایمان لانے والے صرف چند لوگ تھے)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر فرمائی ہے کہ صرف اُنہی لوگوں کو نجات عطا فرمائی گئی جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں تھے اور باقی لوگوں کو ہلاک فرما دیا گیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اس قصہ میں عبرت کی بہت بڑی نشانی ہے، اور اُن میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے تھے O'' (الشعراء: ۱۲۱)

''اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ'': یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی خبر میں اور اس کے متعلق جو آیات ہیں، اُس

میں جو دالوں کے لیے ضرور عبرت کی نشانی ہے۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک آپ کے رب ہی سب پر غالب، سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیںO'' (الشعراء: ۱۲۲)

''وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ'': اور بے شک آپ کے رب جنہوں نے آپ کو رسول بنا کر بھیج کر احسان فرمایا، وہ ضرور سب پر غالب ہیں، جو لوگوں کی معصیت کے اوقات میں بھی اُن کو ہلاک کرنے اور اپنی عبادت پر مجبور کرنے پر قادر ہیں۔

(تاویلات اہل السنۃ، ج ۸، ص ۶۹ ـ ۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

كَذَّبَتْ عَادُ ࣙالْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۲۳

قبیلۂ عاد نے (بھی) رسولوں کی تکذیب کیO

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۱۲۴

جب اُن سے اُن کے ہم قبیلہ ہود نے کہا: کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے؟O

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝۱۲۵

بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوںO

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝۱۲۶

پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کروO

وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۲۷

اور میں تم سے تبلیغ دین پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمۂ کرم پر ہےO

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝۱۲۸

کیا تم ہر بلند جگہ پر ایک تعمیر بناتے ہو جو بے فائدہ کام ہےO

وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝۱۲۹

اور تم اونچے اونچے مکان بناتے ہو شاید تم اُن میں ہمیشہ رہو گےO

وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝۱۳۰

اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو ظالمانہ طریقے سے پکڑتے ہوO

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾

پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○

وَ اتَّقُوا الَّذِيْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور اُس سے ڈرو جس نے اُن چیزوں سے تمہاری مدد فرمائی جن کو تم جانتے ہو ○

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اُنہوں نے مویشیوں سے اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائی ○

وَ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾

اور باغات اور چشموں سے ○

اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾

بے شک مجھے تمہارے اوپر سخت دن کے عذاب کا خوف ہے ○

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَاۤ اَوَ عَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

(اُن کی قوم نے) کہا: ہمارے اوپر برابر ہے خواہ آپ نصیحت کریں یا آپ نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں ○

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

یہ وعظ اور نصیحت پہلے لوگوں کا طریقہ ہے ○

وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور ہم ہرگز عذاب یافتہ نہیں ہوں گے ○

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

پس انہوں نے ہود کی تکذیب کی سو ہم نے اُن سب کو ہلاک فرما دیا، بے شک اس میں ضرور ہماری قدرت کی نشانی ہے، اور اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے ○

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾

اور بے شک آپ کے رب ہی سب پر غالب سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "قبیلۂ عاد نے (بھی) رسولوں کی تکذیب کی○" (الشعراء: ۱۲۳)

حضرت ہود علیہ السلام اور اُن کی قوم عاد کا قصہ

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، الشعراء: ۱۲۳ تا ۱۴۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِيْنَ": (قبیلۂ عاد نے (بھی) رسولوں کی تکذیب کی)۔

جب اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ سے فارغ ہوئے تو حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ شروع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "كَذَّبَتْ عَادُ" ۔ یہ وہ قبیلہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین میں جگہ عطا فرمائی تھی اور اقتدار عطا فرمایا تھا۔ قبیلۂ عاد نے رسولوں کی تکذیب کی اور جو معجزہ حضرت ہود علیہ السلام نے پیش کیا تھا، اُس سے اعراض کیا۔ رہا یہ کہ حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب کیسے ہوئی؟ تو اس کا وہی جواب ہے جس کو ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب ہے، کیونکہ ہر رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ہی پیغام لے کر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو واحد مانو اور اُن کے احکام پر عمل کرو اور اُن کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور اُن کے احکام پر عمل کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان آیات سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی فرمائی ہے کہ آپ کفار قریش کی تکذیب سے پریشان اور طول خاطر نہ ہوں، کیونکہ ہر دور میں رسولوں کے ساتھ اسی طرح ہوتا رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اُن کی قوم نے تکذیب کی، پھر اُن کے بعد جب حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا تو اُن کی قوم نے اُن کی تکذیب کی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جب اُن سے اُن کے ہم قبیلہ ہود نے کہا: کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے؟○" (الشعراء: ۱۲۴)

"اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ": اس آیت میں حضرت ہود علیہ السلام کو اُن کی قوم کا بھائی فرمایا ہے، وہ اُن کے نسبی بھائی تھے، دینی بھائی نہ تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: تمہیں اپنے رب سے ڈرنا چاہیے جنہوں نے تم سب کو پیدا فرمایا ہے، پس تم انہی کی عبادت کرو اور اُن کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کرو، جو تم کو نہ نقصان دے سکے اور نہ نفع پہنچا سکے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں○" (الشعراء: ۱۲۵)

"اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ": یعنی میں نے جو کچھ تم سے کہا ہے، اُس پر مجھے اس چیز نے برانگیختہ کیا ہے کہ میں تمہارا رسول ہوں اور امانت دار ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے جو کچھ پہنچانے کا حکم فرمایا ہے، میں اُس میں سے کسی چیز کو نہیں چھپاتا اور نہ کسی چیز میں اُس کی مخالفت کرتا ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو○" (الشعراء: ۱۲۶)

"فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ": اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو ہر چیز سے بڑے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے جو مجھے حکم فرمایا ہے کہ تم اُن کی اطاعت کرو اور اُن کی نافرمانیوں کو ترک کرو اور اُن کی مخالفت کو چھوڑو، سو ان احکام میں تم میری اطاعت کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور میں تم سے تبلیغ دین پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمۂ کرم پر ہے ''(الشعراء: ۱۲۷)

''وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'': اور حال یہ ہے کہ میں جو تمہیں دین کی تبلیغ کر رہا ہوں، اس پر میں تم سے کسی اجر کا مطالبہ نہیں کر رہا، تا کہ تم مجھ پر کوئی تہمت لگاؤ، میں تو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول اور اُن کی طرف دعوت دینے والا ہوں، اور میرا اجر یعنی میرا ثواب رب العالمین کے ذمۂ کرم پر ہے، جو بندوں کو اُن کے اعمال پر ثواب عطا فرماتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا تم ہر بلند جگہ پر ایک تعمیر بناتے ہو جو بے فائدہ کام ہے ''(الشعراء: ۱۲۸)

''اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ'': جب حضرت ہود علیہ السلام اُن کو ایمان کی دعوت دینے سے فارغ ہو گئے تو بعض کفار نے اُن کا انکار کیا جو اُس طوفان کو بھول چکے تھے جس نے جانداروں کو ہلاک کر دیا تھا اور مکانات کو منہدم کر دیا تھا۔ پس فرمایا: ''اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِیْعٍ'' ۔ ریع، ریعۃ کی جمع ہے اور یہ لغت میں بلند مکان کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''الریع کل شرف'' یعنی ہر بلند جگہ ریع ہے۔ اور مجاہد نے کہا: دو پہاڑوں کے درمیان جو کشادہ جگہ ہے، وہ ریع ہے۔ اور الضحاک نے کہا: وہ ہر راستہ ہے۔

''اٰیَةً'': یعنی تم ہر راستے پر ایک علامت بناتے ہو۔ ''تَعْبَثُوْنَ'': یعنی جو اُس راستہ سے حضرت ہود علیہ السلام کی طرف جاتا ہے تم اُس کا مذاق اڑاتے ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ بلند مکان بناتے تھے تا کہ اُس سے اُن کا غنی ہونا سمجھا جائے، پھر اُن کو اس سے منع فرمایا گیا اور اس کو بے فائدہ کام قرار دیا گیا۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ کبوتروں کے لیے بلند مقام بناتے تھے، کیونکہ وہ کبوتروں کے ساتھ کھیلتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ہر بلند جگہ پر کوئی تعمیر کرتے تھے تا کہ گزرنے والوں کا مذاق اڑائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم اونچے اونچے مکان بناتے ہو شاید تم اُن میں ہمیشہ رہو گے ''
(الشعراء: ۱۲۹)

''وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ'': مجاہد نے کہا کہ وہ مضبوط محل بناتے تھے۔ الکلبی نے کہا: وہ قلعے بناتے تھے۔ قتادہ نے کہا: وہ پانی جمع کرنے کے لیے حوض بناتے تھے اور اُن کا یہ فعل بہ ظاہر ایسا تھا جیسا کہ وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں، اس لیے فرمایا: ''لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ'' ۔ گویا کہ تم ہمیشہ رہو گے اور کبھی نہیں مرو گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے برے کاموں کا ذکر فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو ظالمانہ طریقہ سے پکڑتے ہو ''(الشعراء: ۱۳۰)

''وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ'': یعنی جب تم کسی کو پکڑ کر مارتے ہو یا قتل کرتے ہو تو ظالمانہ طریقہ اختیار کرتے ہو۔ جبار اُسے کہتے ہیں جو غضب میں آ کر کسی کو مارے یا قتل کر دے۔ کسی کو ظالمانہ طریقہ سے مارنے یا قتل کرنے کی حدیث میں مذمت فرمائی گئی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل دوزخ کی دو قسمیں ہیں، جن کو میں نے کسی میں نہیں دیکھا، وہ لوگ جن کے پاس بیلوں کی دُموں کی طرح کوڑے ہوں گے، وہ اُن کوڑوں سے لوگوں کو ماریں گے اور ایسی عورتیں

جو لباس پہنی ہوئی برہنہ ہوں گی اور اپنے سروں سے اونٹ کے کوہانوں کی طرح اشارے کریں گی، وہ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوں گی نہ جنت کی خوشبو پائیں گی، اور جنت کی خوشبو اتنی اتنی دور سے آتی ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۲۵، الرقم المسلسل: ۲۱۲۸، مسند احمد: ۸۶۶۵، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۸۱۱، ۸۵۸۳، الآداب للبیہقی: ۵۹۰، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۳۲۶۰، شعب الایمان للبیہقی: ۴۹۷۲، شرح السنۃ للبغوی: ۲۵۷۸، کشف المشکل: ۲۱۴۳، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ۴ ص ۱۱۳)

اس آیت میں "جبارین" کا لفظ ہے، جبارین اُن کو کہتے ہیں جو ناحق قتل کرنے والے ہوں۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے: "فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَاۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ﳓ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَ مَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ۔ (القصص: ۱۹)" (پھر جب موسیٰ نے اُس (قبطی) کو پکڑنے کا ارادہ کیا جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اس نے کہا: اے موسیٰ! جس طرح کل آپ نے ایک شخص کو قتل کیا تھا، کیا آج اُسی طرح مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں؟ آپ تو زمین میں صرف بہت بڑا جابر بننا چاہتے ہیں اور آپ اصلاح کرنے والوں میں سے نہیں بننا چاہتے)۔

اور جبار اُس کو بھی کہتے ہیں جو اپنے زور اور طاقت کے بل پر دوسروں پر مسلط ہو جائے۔ قرآن مجید میں ہے: "وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ۔ (ق: ۴۵)" (اور آپ ان کافروں کو جبراً مسلمان کرنے والے نہیں ہیں)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O" (الشعراء: ۱۳۱)

"فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ": پس تم اللہ سے ڈرو جو تمام صفاتِ جلال اور اکرام کے ساتھ متصف ہیں۔ اور اُن کو آخرت کی طرف مائل کرنے کے لیے اپنی دعا میں کہا، اور دنیا کی محبت اور دنیا میں مشغول ہونے سے دور کرنے کے لیے کہا کہ میری اطاعت کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اُس سے ڈرو جس نے اُن چیزوں سے تمہاری مدد فرمائی جن کو تم جانتے ہو O" (الشعراء: ۱۳۲)

"وَ اتَّقُوا الَّذِیْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ": امداد کا معنی ہے کہ اُنہوں نے تمہارے لیے ایسی چیزیں بنائیں جن سے تم اپنے مطلوب کاموں میں مدد حاصل کرتے ہو، اور اُن کاموں میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے حتیٰ کہ تم اُن کے شکر سے غافل ہو جاؤ۔ پھر اُن کاموں کی تفصیل فرمائی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اُنہوں نے مویشیوں سے اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائی O اور باغات اور چشموں سے O" (الشعراء: ۱۳۳-۱۳۴)

"اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِیْنَ ۚۙ وَ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ۚ": اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مویشی پیدا فرمائے جن سے تم اپنے کاموں پر مدد حاصل کرتے ہو، اور اُن کو ذبح کر کے کھاتے ہو، اور اُن کی خرید و فروخت سے مال کماتے ہو۔ اور تم کو بیٹے عطا فرمائے جو مشکل کاموں میں تمہاری مدد کرتے ہیں۔ اور تمہارے لیے باغات بنائے جس میں گھنے درخت ہیں اور چشمے بنائے جن سے تم خود بھی پانی پیتے ہو اور اپنے مویشیوں کو بھی پانی پلاتے ہو۔ پھر اُن کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک مجھے تمہارے اوپر سخت دن کے عذاب کا خوف ہے O" (الشعراء: ۱۳۵)

"اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اگر تم نے میری نافرمانی کی، کیونکہ تم میری قوم ہو اور مجھے ان چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جن سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے تو میں دنیا اور آخرت میں تم پر سخت عذاب سے ڈرتا ہوں، کیونکہ جو ذات انعام عطا فرمانے پر قادر ہیں، وہ انتقام لینے پر بھی قادر ہیں۔ اور قیامت کے دن کی تعظیم سے مقصود عذاب کی تعظیم ہے، اور جب حضرت ہود علیہ السلام نے اُن کو وعظ کرنے میں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر متنبہ کرنے میں بہت مبالغہ کیا اور اُن کو غفلت سے بیدار کیا، فرمایا: "اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ"۔ پھر یہ بتایا کہ جو تم پر ان نعمتوں کے عطا فرمانے پر قادر ہیں تو وہ تم سے انتقام لینے پر بھی قادر ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اُن کی قوم نے) کہا: ہمارے اوپر برابر ہے خواہ آپ نصیحت کریں یا آپ نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں ۝" (الشعراء:۱۳۶)

"قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ": حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے بتایا کہ وہ اپنے احوال پر راضی ہیں آپ اُن کو نصیحت کریں یا نہ کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "یہ وعظ اور نصیحت پہلے لوگوں کا طریقہ ہے ۝" (الشعراء:۱۳۷)

"اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ پہلوں کا دین ہے۔ الفراء نے کہا: یہ پہلوں کی عادت ہے۔ اور عرب بے کار باتوں کو خُلق کہتے ہیں۔ حدیث میں بھی خُلق کا لفظ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومنین میں سے اُس کا ایمان کامل ہے جس کا خُلق سب سے اچھا ہے۔

(سنن ترمذی: ۱۱۶۲، سنن ابوداؤد: ۴۶۸۲، مسند احمد: ۷۴۰۲، سنن دارمی: ۲۸۳۴، السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۱۰۹، شرح مشکل الآثار: ۴۴۳۱، مکارم الاخلاق للخرائطی: ۱۶، صحیح ابن حبان: ۴۱۷۶، مسند الشامیین للطبرانی: ۲۳۷۳، عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی: ۶۱۰، المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۱۷۳، الآداب للبیہقی: ۱۵۳، شعب الایمان للبیہقی: ۲۰۷۸۲، شرح السنۃ للبغوی: ۳۴۹۵)

اور جس شخص کے اخلاق اچھے ہوں، وہ فاجر نہیں ہوتا۔ اور جس کا ایمان کامل ہو وہ بداخلاق نہیں ہوتا۔

محمد بن یزید نے کہا کہ "خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ" کا معنی ہے: اُن کی تکذیب کرنا۔ اور نافع نے کہا: "خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ" کا معنی ہے: اولین کا دین۔ اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ماخوذ ہے: "فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ۔۔۔(النساء:۱۱۹)" (تو وہ ضرور بہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو تبدیل کریں گے)۔ اور اس کا معنی ہے: اللہ کا دین۔ اور "خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ" کا معنی ہے: اولین کی عادت، یعنی زندگی ہے، پھر موت ہے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم ہرگز عذاب یافتہ نہیں ہوں گے ۝" (الشعراء:۱۳۸)

"وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ": اور ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا، کیونکہ ہم طاقتور لوگ ہیں اور بہادر لوگ ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس انہوں نے ہود کی تکذیب کی سو ہم نے اُن سب کو ہلاک فرمادیا، بے شک اس

میں ضرور ہماری قدرت کی نشانی ہے، اور اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے O" (الشعراء:۱۳۹)

"فَكَذَّبُوْهُ": حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے اُن کی تکذیب کی۔"فَاَهْلَكْنٰهُمْ": تو ہم نے اُن کو دنیا میں آندھیوں کے عذاب سے ہلاک فرمادیا۔"اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ": اور مکذبین کو ہلاک کرنے میں اور مصدقین کو نجات عطا فرمانے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے ساتھ ہیں اور اُن کو ذلیل نہیں فرماتے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو عزت نہیں عطا فرماتے۔ اور قوم ہود میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے، تو اے رسول اکرم! آپ بھی کفار قریش کے ایمان سے اعراض کرنے پر رنجیدہ نہ ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور بے شک آپ کے رب ہی سب پر غالب، سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں O" (الشعراء:۱۴۰)

"وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ": بے شک آپ کے رب جنہوں نے آپ کو مبعوث فرما کر اور نعمتیں عطا فرما کر احسان فرمایا ہے، وہ اپنی نافرمانی کرنے والوں سے زبردست انتقام لینے پر قادر ہیں، اور جو اللہ عزوجل کی اطاعت کریں، اُن کو انعام اور اکرام عطا فرمانے پر بہت مہربان ہیں۔ (السراج المنیر، ج۵ ص ۳۸-۴۱ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۴۱﴾

قبیلہ ثمود نے بھی رسولوں کی تکذیب کی O

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾

جب اُن کے ہم قبیلہ صالح نے کہا: کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے؟ O

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۴۳﴾

بے شک میں تمہارے لیے دیانت دار رسول ہوں O

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾

پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O

وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور میں اس تبلیغ دین پر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمہ کرم پر ہے O

اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ﴿۱۴۶﴾

کیا تم کو جو چیزیں یہاں میسر ہیں اُن میں تم کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے گا کہ تم بے خوفی سے رہو؟ O

فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۱۴۷﴾ۙ

باغوں میں اور چشموں میں O

وَّ زُرُوۡعٍ وَّ نَخۡلٍ طَلۡعُہَا ہَضِیۡمٌ ﴿۱۴۸﴾ۚ

اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کے شگوفے نرم و نازک ہیں O

وَ تَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا فٰرِہِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾ۚ

اور تم پہاڑوں کو مہارت سے تراش کر فخریہ گھر بناتے ہو O

فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۵۰﴾ۚ

پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O

وَ لَا تُطِیۡعُوۡۤا اَمۡرَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۱۵۱﴾ۙ

اور حد سے تجاوز کرنے والوں کا حکم نہ مانو O

الَّذِیۡنَ یُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا یُصۡلِحُوۡنَ ﴿۱۵۲﴾

جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے O

قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِیۡنَ ﴿۱۵۳﴾ۚ

ثمود نے کہا: آپ صرف اُن لوگوں میں سے ہیں جن پر جادو کیا گیا ہے O

مَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۚۖ فَاۡتِ بِاٰیَۃٍ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۱۵۴﴾

آپ صرف ہماری مثل بشر ہیں، اگر آپ سچوں میں سے ہیں تو کوئی معجزہ پیش کریں O

قَالَ ہٰذِہٖ نَاقَۃٌ لَّہَا شِرۡبٌ وَّ لَکُمۡ شِرۡبُ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۱۵۵﴾ۚ

صالح نے کہا: یہ اونٹنی ہے، ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک دن تم لوگوں کے پانی پینے کی باری ہے O

وَ لَا تَمَسُّوۡہَا بِسُوۡٓءٍ فَیَاۡخُذَکُمۡ عَذَابُ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۵۶﴾

اور تم اس کو تکلیف نہ پہنچانا، ورنہ تم کو بڑے دن کا عذاب پکڑ لے گا O

فَعَقَرُوۡہَا فَاَصۡبَحُوۡا نٰدِمِیۡنَ ﴿۱۵۷﴾ۙ

پس اُنہوں نے اُس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں، پھر پچھتانے والوں میں سے ہو گئے ○

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵۸﴾

پس اُن کو عذاب نے پکڑ لیا، بے شک اس میں ضرور اللہ کی قدرت پر نشانی ہے، اور اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے ○

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۵۹﴾

اور بے شک آپ کے رب ہی سب پر غالب، سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''قبیلۂ ثمود نے بھی رسولوں کی تکذیب کی ○'' (الشعراء: ۱۴۱)

حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کی قوم ثمود کا قصہ

حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کی قوم کا قصہ سورۂ ہود کی آیت: ۶۱ تا ۶۵ میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے، یہاں مختصر تفسیر کی جارہی ہے۔

''كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ '': (قبیلۂ ثمود نے بھی رسولوں کی تکذیب کی)۔

اس آیت میں ثمود کا ذکر ہے اور وہ اہل الحجر تھے، یعنی پتھروں کو تراش کر مکان بنا کر اُن میں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ثمود نے رسولوں کی تکذیب کی۔ اس پر بھی وہی سوال ہے کہ ثمود نے تو صرف حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی تو یہ کیسے فرمایا کہ اُنہوں نے تمام رسولوں کی تکذیب کی تھی؟ اس کا بھی وہی جواب ہے کہ ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب ہے، کیونکہ تمام رسول ایک ہی پیغام کو پہنچاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو واحد مانو اور اُن کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بناؤ، اور اُن کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جب اُن کے ہم قبیلہ صالح نے کہا: کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے؟ ○'' (الشعراء: ۱۴۲)

''اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ '': جب اُن کے بھائی صالح نے اُن سے کہا، اور حضرت صالح علیہ السلام اُن کے دینی بھائی نہ تھے، نسبی بھائی تھے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے؟

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک میں تمہارے لیے دیانت دار رسول ہوں ○'' (الشعراء: ۱۴۳)

''اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ '': پھر حضرت صالح علیہ السلام نے اس پر دلیل بیان کی کہ میں تمہارے لیے رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں، اسی لیے میں نے تم پر یہ پیغام پیش کیا ہے، کیونکہ مجھے اس پیغام پہنچانے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے تمام پیغامات میں اُن کا امانت دار رسول ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○'' (الشعراء: ۱۴۴)

"فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ": پس تم اللہ سے ڈرو جو غنی مطلق ہیں اور میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام لے کر آیا ہوں اُس میں میری اطاعت کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور میں اس تبلیغ دین پر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمۂ کرم پر ہے ○" (الشعراء: ۱۴۵)

"وَ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ": اور میں اس تبلیغ دین پر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا۔ میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمہ کرم پر ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کیا تم کو جو چیزیں یہاں میسر ہیں اُن میں تم کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے گا کہ تم بے خوفی سے رہو؟ ○ باغوں میں اور چشموں میں ○ اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کے شگوفے نرم و نازک ہیں ○" (الشعراء: ۱۴۶۔۱۴۷۔۱۴۸)

"اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ": کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے شہروں میں جو نعمتیں تمہیں عطا فرمائی گئی ہیں، تم ان نعمتوں کے ساتھ ہمیشہ بے خوفی سے رہو گے۔ "فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ": وہ باغات جن میں داخل ہونے والا درختوں کی کثرت کی وجہ سے چھپ جاتا ہے، اور وہ چشمے جن سے تم پانی پیتے ہو۔ "وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ": اور مختلف انواع و اقسام کے کھیت اور کھجور کے درخت جن کے شگوفے اور پھل بہت لطیف ہیں۔

اہل المعانی نے کہا کہ وہ درخت اور پھل ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، اور شگوفوں سے مراد پھلوں کے خوشے ہیں۔

الزمخشری نے کہا: شگوفہ وہ ہے جو کھجور کے درخت سے اس طرح نکلتا ہے جس طرح تلوار کو نیام سے نکالا جاتا ہے۔

اس آیت میں "نخل" کا ذکر فرمایا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ عام کے بعد خاص کا ذکر ہو، کیونکہ باغات کھجور کے درختوں کو بھی شامل ہیں، اور اس لیے بھی کہ عرب باغ کا ذکر کرتے ہیں اور اُس سے مراد صرف کھجور کے درخت لیتے ہیں۔

"طَلْعٌ" کا معنی

طلع: خوشہ، گچھا، گابھا، کھجور کے درخت کا پہلا شگوفہ جو باہر نکلتا ہے اس کو طلع کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

"وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ۔ (ق: ۱۰)" (اور کھجور کے بلند درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں)۔

مٹھی بھر کھجوروں کو کہتے ہیں: قوس طلاع الکف۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۹۸)

"هَضِيْمٌ" کے معنی

کمزور، پتلی اور نرم چیز کو ہضیم کہتے ہیں، اس کے معنی توڑنے اور کچلنے کے بھی ہیں، معدہ جو طعام کو کچلتا اور پیستا رہتا ہے، اس کو بھی اسی اعتبار سے ہضم کرنا کہتے ہیں اور جو چیز نرم ہو وہ جلدی ہضم ہو جاتی ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۷۰۷، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم پہاڑوں کو مہارت سے تراش کر فخریہ گھر بناتے ہو O'' (الشعراء: ۱۴۹)

''وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ'': اور تم مہارت سے پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔ اس آیت میں ''فٰرِهِیْنَ'' کا لفظ ہے۔ اگر یہ الف کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے مہارت سے، اور اگر یہ بغیر الف کے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ تم فخریہ گھر بناتے ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فٰرِهِیْنَ کا معنی ہے: اپنے کاموں پر اتراتے ہوئے اور فخر کرتے ہوئے۔

عکرمہ نے کہا: اس سے مراد ہے خوش ہوتے ہوئے۔ قتادہ نے کہا: اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہوئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O'' (الشعراء: ۱۵۰)

''فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ'': پس تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو کہ تم اپنے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کے درمیان اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اتباع کر کے اور اُن کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کر کے اپنے لیے دوزخ سے حجاب بنا لو۔ اور میری اطاعت کرو کیونکہ میں تمہیں جس چیز کا بھی حکم فرماتا ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق ہوتی ہے اور اُس میں تمہاری اصلاح ہوتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور حد سے تجاوز کرنے والوں کا حکم نہ مانو O'' (الشعراء: ۱۵۱)

''وَلَا تُطِیْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ'': اور حد سے تجاوز کرنے والوں کا حکم نہ مانو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد مشرکین ہیں۔ اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد وہ نو (۹) لوگ ہیں جنہوں نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں تھیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے O'' (الشعراء: ۱۵۲)

''اَلَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ'': وہ لوگ جو زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے فساد پھیلاتے ہیں۔

''وَلَا یُصْلِحُوْنَ'': یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت نہیں کرتے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ''یُفْسِدُوْنَ'' کے بعد ''وَلَا یُصْلِحُوْنَ'' کے ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اُن کا فساد خالص تھا اور اُس میں بالکل بھی اصلاح نہیں تھی۔

بعض اوقات فساد میں کسی نیکی اور خیر کا بھی پہلو ہوتا ہے، جیسے کوئی آدمی رشوت لیتا ہے، لیکن وہ رشوت لے کر حق دار کو اس کا حق دے دیتا ہے، رشوت لینا اگرچہ ناجائز کام ہے لیکن حق دار کو اس کا حق دلوا دینا بہرحال نیکی ہے۔ ہمارے زمانے میں دفاتر میں ایسا عموماً ہوتا ہے، کسی شخص کے بقایا جات محکمہ میں پھنسے ہوئے ہیں، اس کی فائل متعلقہ افسر کے پاس دستخط کے لیے نہیں بھیجی جا رہی یا کسی ٹھیکیدار کے بل پھنسے ہوئے ہیں اور کلرک اس کے بل پیش نہیں کرتا، پھر رشوت لے کر یہ کام کر دیتا ہے، بہرحال یہ ناجائز کام ہے لیکن اس میں نیکی اور خیر کا پہلو بھی ہے۔ لیکن اگر کوئی افسر رشوت لے کر کسی بے قصور کو سزا دلوا دے یا کوئی کلرک رشوت لے کر کسی حقدار کا حق اپنے کسی عزیز کو دلوا دے اور حقدار کو محروم کر دے تو یہ ایسا ناجائز کام ہے جس میں خیر کا کوئی پہلو نہیں ہے، سو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے افراد ایسا فساد کرتے تھے جس میں اصلاح اور نیکی اور خیر کا کوئی پہلو نہیں ہوتا تھا۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ثمود نے کہا: آپ صرف اُن لوگوں میں سے ہیں جن پر جادو کیا گیا ہے O'' (الشعراء: ۱۵۳)

"قَالُوْٓا": اور جب وہ اس کے جواب سے عاجز ہو گئے تو انہوں نے کہا: "اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ": (آپ صرف اُن لوگوں میں سے ہیں جن پر جادو کیا گیا ہے)۔

مجاہد اور قتادہ نے کہا کہ "الْمُسَحَّرِيْنَ" کا معنی ہے: جس پر بار بار جادو کیا گیا ہو، حتیٰ کہ وہ جادو اُس کی عقل پر غالب ہو گیا ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "آپ صرف ہماری مثل بشر ہیں، اگر آپ سچوں میں سے ہیں تو کوئی معجزہ پیش کریں O" (الشعراء: ۱۵۴)

"مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ": یعنی انہوں نے کہا کہ آپ کھانا کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں، تو آپ فرشتے نہیں ہیں بلکہ ہماری مثل بشر ہیں۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کھانا کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں، آپ ہماری مثل بشر ہیں تو نبی کیسے ہوں گے؟ پس اگر آپ سچوں میں سے ہیں تو آپ اپنے دعویٰ نبوت کی صحت پر کوئی معجزہ پیش کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "صالح نے کہا: یہ اونٹنی ہے، ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک دن تم لوگوں کے پانی پینے کی باری ہے O" (الشعراء: ۱۵۵)

"قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ": (حضرت صالح علیہ السلام نے کہا: یہ اونٹنی ہے، ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک دن تم لوگوں کے پانی پینے کی باری ہے)۔

روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم دس سال کی اونٹنی چاہتے ہیں جو ایک چٹان سے نکلے اور وہ بچہ بھی دے، تو حضرت صالح علیہ السلام سوچ و بچار فرمانے لگے، پس حضرت جبریل علیہ السلام نے اُن سے کہا: آپ دو رکعت نماز پڑھیں اور اپنے رب سے اونٹنی کا سوال کریں، سو حضرت صالح علیہ السلام نے اسی طرح کیا تو اونٹنی چٹان سے نکل آئی اور ان کے سامنے آ کر بیٹھ گئی اور اس کا بچہ بھی نکل آیا، پھر حضرت صالح علیہ السلام نے اُن سے کہا: یہ اونٹنی ہے، ایک دن اس کے پانی پینے کا حصہ ہے اور ایک دن تمہارے پانی پینے کا حصہ ہے۔

قتادہ نے کہا کہ جس دن اس اونٹنی کے پانی پینے کی باری ہوتی تو وہ سارا پانی پی جاتی اور کچھ پانی نہ بچتا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں گئے ہوئے تھے، تو آپ نے مقام حجر پر پہنچ کر فرمایا: اے لوگو! اپنے نبی سے دلائل اور معجزات کا مطالبہ نہ کیا کرو، یہ قوم صالح ہے جس نے اپنے نبی سے سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی نشانی بھیجیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اونٹنی بھیج دی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۱۵۸۶۶)

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا: اگر تم سچوں میں سے ہو تو (اپنی نبوت پر) کوئی نشانی لاؤ، تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم اس پہاڑ کی طرف جاؤ، تو وہ پہاڑ اچانک حاملہ عورت کی طرح پھول گیا، پھر وہ پہاڑ پھٹ گیا اور اس کے وسط سے اونٹنی نکلی، حضرت صالح علیہ السلام نے اُن سے فرمایا: یہ اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے، اس کو اللہ کی زمین میں چرنے چگنے کے لیے چھوڑ دو۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۱۵۸۶۷)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور تم اس کو تکلیف نہ پہنچانا، ورنہ تم کو بڑے دن کا عذاب پکڑ لے گا O" (الشعراء: ۱۵۶)

"وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ": اور تم اس کو تکلیف نہ پہنچانا کہ اس کی کونچیں کاٹ دو یا اس کو مارو، ورنہ تم پر بڑے دن کا عذاب آئے گا۔ روایت ہے کہ مصدع نے اُس اونٹنی کو تنگ راستے سے آنے پر مجبور کر دیا، پھر اس پر تیر مارا سو وہ گر گئی، پھر قدار نے اُس کو مارا اور اُس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ پھر صبح کو وہ ندامت زدہ اٹھے۔

"پس انہوں نے اُس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں، پھر پچھتانے والوں میں سے ہو گئے O" (الشعراء: ۱۵۷)

"فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِیْنَ ": (پس انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں، پھر پچھتانے والوں میں سے ہو گئے)۔

اس آیت میں ہے: "فَعَقَرُوْهَا" ۔عقر کا معنی ہے کونچیں کاٹنا، پاؤں کے جو پٹھے پیچھے کی طرف ایڑی کے پاس ہوتے ہیں ان کو کونچیں کہتے ہیں، عرب میں یہ دستور تھا کہ جب اونٹ کو ذبح کرنا مقصود ہوتا تھا تو پہلے اس کی کونچیں کاٹتے تھے تا کہ وہ بھاگ نہ جائے، پھر اس کو نحر کرتے تھے، یعنی اس کو کھڑا کر کے اس کے سینہ کے بالائی حصہ پر نیزہ مارتے تھے یا ذبح کرتے تھے۔

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ امام محمد بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں:

جب اونٹنی پانی پی کر لوٹ رہی تھی تو وہ اس کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے، اس کے راستہ میں ایک چٹان تھی اس کے نیچے قدار نامی ایک شخص چھپ کر بیٹھا ہوا تھا اور اس چٹان کے دوسرے نچلے حصہ میں مصدع نام کا ایک اور شخص چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہ اس کے پاس سے گزری تو مصدع نے اس کی پنڈلی کے گوشت پر تاک کر تیر مارا اور قدار تلوار کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا اور اس کی کونچوں (ایڑی کے اوپر کے پٹھوں) پر تلوار ماردی۔ وہ چیخ مار کر گر پڑی، انہوں نے اس کی ٹانگوں کو باندھ دیا، پھر اس کے لبہ (گردن کا نچلا حصہ) پر نیزہ مارا اور اس کو نحر (ذبح) کر دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۱۰۹۸۸، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

ابوالہذیل نے بیان کیا ہے کہ جب اس اونٹنی کی کونچیں کاٹی گئیں تو اس کا بچہ چیختا ہوا پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا، پھر دوبارہ اس کو نہیں دیکھا گیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۱۰۹۸۹، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

یعنی انہوں نے اس اونٹنی کو قتل کر دیا اور اُس کی پنڈلیوں پر تلوار سے وار کیا۔ اور کونچیں کاٹنے کی نسبت اُن سب کی طرف کی ہے، کیونکہ جس نے کونچیں کاٹی تھیں وہ ان سب کی رضامندی سے کاٹی تھیں، تو گویا اُن سب نے یہ کام کیا۔ پھر وہ کونچیں کاٹنے کے اوپر عذاب آنے کے خوف اور ہلاکت کے خوف سے نادم ہوئے، نہ اس حیثیت سے کہ یہ اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی تھی اور نہ یہ بطور توبہ تھی۔ اور چونکہ اُن کی یہ ندامت عذاب دیکھنے کے وقت تھی، اس لیے اس ندامت نے اُن کو کوئی فائدہ نہیں دیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس اُن کو عذاب نے پکڑ لیا، بے شک اس میں ضرور اللہ کی قدرت پر نشانی ہے، اور اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے O" (الشعراء: ۱۵۸)

"فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ": پس اُن کو عذاب نے پکڑ لیا، بے شک اس میں ضرور اللہ کی قدرت پر نشانی ہے، اور اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اُن کو ندامت ہو گئی تھی تو پھر اُن پر عذاب کیوں آیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اُس وقت نادم ہوئے جب انہوں نے عذاب کو دیکھ لیا، اور عذاب کو دیکھنے کے بعد ندامت سے کوئی

فائدہ نہیں ہوتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اُن کی ندامت تائبین کی ندامت نہیں تھی بلکہ خوف زدہ لوگوں کی ندامت تھی کہ اُن کو جلد عذاب پکڑ رہا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک آپ کے رب ہی سب پر غالب، سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں O'' (الشعراء:۱۵۹)

''وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ'': آپ کے رب جو آپ پر احسن اخلاق سے احسان فرمانے والے ہیں، وہی سب پر غالب ہیں، پس کوئی چیز اُن کے قبضے اور ارادے سے خالی نہیں ہے اور وہ سب پر مہربان ہیں حتیٰ کہ وہ کسی کو اس وقت تک ہلاک نہیں فرماتے جب تک کہ اُن کی طرف رسول کو نہ بھیج دیں۔

(اللباب فی علوم الکتاب، ج ۱۵ ص ۶۳ ـ ۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء و تفاسیر اخریٰ)

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

لوط کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی O

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

جب اُن کے ہم قوم لوط نے اُن سے کہا: کیا تم لوگ اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے؟ O

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾

بے شک میں تمہارے لیے دیانت دار رسول ہوں O

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾

پس تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O

وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾

اور میں اس تبلیغ دین پر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمہ کرم پر ہے O

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾

کیا تم انسانوں میں سے لڑکوں کے ساتھ اپنی ناجائز خواہش پوری کرتے ہو؟ O

وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

اور اُن بیویوں کو چھوڑ دیتے ہو جن کو تمہارے رب نے تمہاری خواہش پوری کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے، بلکہ تم حد سے گزرنے

والے لوگ ہو○

قَالُوا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾

اُن کی قوم کے لوگوں نے کہا: اے لوط! اگر آپ اپنے وعظ ونصیحت سے باز نہ آئے تو آپ ضرور بہ ضرور اس شہر سے نکالے جانے والے لوگوں میں سے ہو جائیں گے○

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

لوط نے کہا: بے شک میں تمہارے کاموں کی وجہ سے تمہارا دشمن ہوں○

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

اے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان لوگوں کی بدکاری کے انجام سے نجات عطا فرمائیں○

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

سو ہم نے اُن کو اور اُن کے سب گھر والوں کو نجات عطا فرمائی○

اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

سوائے بوڑھی عورت کے جو پیچھے رہنے والوں میں سے تھی○

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾

پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک فرما دیا○

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾

اور ہم نے اُن پر پتھر برسائے اور جن لوگوں کو ڈرایا گیا ہو، اُن کے لیے وہ بہت بری بارش تھی○

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾

بے شک اس قصہ میں عبرت کی بہت بڑی نشانی ہے، اور ان لوگوں میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے○

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾

اور بے شک آپ کے رب ہی سب پر غالب، نہایت مہربان ہیں○

اللہ عزّ وجل کا ارشاد ہے: ''لوط کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی○'' (الشعراء: ۱۶۰)

حضرت لوط علیہ السلام اور اُن کی قوم کا قصہ

(حضرت لوط علیہ السلام اور اُن کی قوم کا قصہ سورۂ ہود کی آیت: ۷۷ تا ۸۳ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہاں پر مختصر تفسیر ذکر کی جائے گی)۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ/ امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، الشعراء: ۱۶۰ تا ۱۷۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ": اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف جو رسول بھیجے تھے، انہوں نے اُن کی تکذیب کی۔ اس آیت میں "كَذَّبَتْ" مؤنث کا صیغہ ہے، یعنی قوم لوط کی جماعت نے رسولوں کی تکذیب کی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جب اُن کے ہم قوم لوط نے اُن سے کہا: کیا تم لوگ اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے؟O" (الشعراء: ۱۶۱)

"إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ": جب اُن کے ہم قوم لوط نے اُن سے کہا: کیا تم لوگ اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے؟

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک میں تمہارے لیے دیانت دار رسول ہوںO پس تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میری اطاعت کروO" (الشعراء: ۱۶۲-۱۶۳)

"إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝": بے شک میں تمہارے لیے دیانت دار رسول ہوںO پس تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور میں اس تبلیغ دین پر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمۂ کرم پر ہےO" (الشعراء: ۱۶۴)

"وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعٰلَمِينَ": اور میں اس تبلیغ دین پر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمۂ کرم پر ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کیا تم انسانوں میں سے لڑکوں کے ساتھ اپنی ناجائز خواہش پوری کرتے ہو؟O" (الشعراء: ۱۶۵)

"أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِينَ": اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِينَ" (العنکبوت: ۲۸) "(اور لوط کا تذکرہ کیجیے جب انہوں نے اپنی قوم کو فرمایا: بے شک تم بے حیائی کا ایسا کام (ہم جنس پرستی) کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہیں کیا)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اُن بیویوں کو چھوڑ دیتے ہو جن کو تمہارے رب نے تمہاری خواہش پوری کرنے

کے لیے پیدا فرمایا ہے، بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو ○" (الشعراء:۱۶۶)

"وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ": یعنی اللہ تعالیٰ نے اس نسل کو باقی رکھنے کا جو سبب بنایا ہے، تم اس کو چھوڑ دیتے ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو صرف اس لیے نہیں بنایا کہ اُن سے شہوت پوری کی جائے، بلکہ اس لیے بنایا ہے تاکہ اُن سے یہ نسل باقی رہے اور نسل چلتی رہے، تو حضرت لوط علیہ السلام اُن لوگوں کو اس سے منع فرماتے تھے کہ وہ عورتوں کو ترک کر دیتے ہیں، کیونکہ اس سے نسلِ انسانی منقطع ہوگی اور وہ مردوں کے ساتھ شہوت پوری کرنے میں مشغول ہوتے ہیں، حالانکہ اس سے نسل باقی نہیں رہے گی۔ اور اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو نسلِ انسانی کی بقا کے لیے پیدا فرمایا ہے نہ کہ صرف شہوت پوری کرنے کے لیے۔ لیکن اُن میں یہ چیز رکھی اور اُن کو شہوت پوری کرنے پر قدرت دی تاکہ وہ اس پر راغب ہوں اور قیامت تک نسلِ انسانی چلتی رہے۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ عورت مرد کی مملوکہ ہے اور خاوند اُس کا مالک ہے۔ اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
"وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ (الروم:۲۱)" (اور اُن کی ایک نشانی یہ (بھی) ہے کہ اُنہوں نے تمہاری جنس ہی سے تمہاری بیویاں پیدا فرمائیں تاکہ تم ان کی طرف مائل ہو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا فرمائی، بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ عورتوں کو ہمارے لیے پیدا فرمایا ہے، ہمیں عورتوں کے لیے پیدا نہیں فرمایا۔ اور اس میں ہمارے اصحابِ احناف کی یہ دلیل ہے کہ مسلمان جب کسی نصرانی عورت سے دو نصرانی مردوں کی شہادت سے نکاح کرے تو یہ نکاح جائز ہے، کیونکہ مرد ہی نکاح کا مالک ہے اور عورت مملوکہ ہے۔ واللہ اعلم۔

یعنی تم نے قضائے شہوت کے لیے عورتوں کی فروج کو ترک کر دیا اور مردوں اور عورتوں کی سُرین کو اختیار کر لیا، بلکہ تم تجاوز کرنے والے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی فروج کو تمہارے لیے حلال کیا تھا اور تم نے اُس کو چھوڑ کر حرام طریقہ سے شہوت براری کو اختیار کر لیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرماتے جو اپنی بیوی کی پچھلی جانب میں جماع کرتا ہے۔

(سنن ابوداؤد:۲۱۶۲، سنن ابن ماجہ:۱۹۲۳، مصنف عبدالرزاق:۲۰۹۵۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۲، سنن دارمی: ۱۱۳۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۹۸، شرح السنۃ رقم الحدیث:۲۲۹۶)

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: بے شک اللہ حق بات سے حیا نہیں فرماتے تم عورتوں کی پچھلی جانب میں دخول نہ کرو۔

(سنن ابن ماجہ:۱۹۲۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۴ ص ۲۵۳، سنن دارمی:۱۱۳۸، ۲۲۱۹، المنتقیٰ لابن جارود:۷۲۸، صحیح ابن حبان:۴۱۹۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس مرد کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرماتے جو کسی مرد یا عورت کی دبر (مقعد/سرین) میں دخول کرے۔ (سنن ترمذی:۱۱۶۵، مسند ابویعلیٰ:۲۳۷۸، صحیح ابن حبان:۴۲۰۳، الکامل لابن

ھدیٰ ج ۳ ص ۱۱۳۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن کی قوم کے لوگوں نے کہا: اے لوط! اگر آپ اپنے وعظ و نصیحت سے باز نہ آئے تو آپ ضرور بہ ضرور اس شہر سے نکالے جانے والے لوگوں میں سے ہو جائیں گے O'' (الشعراء: ۱۶۷)

''قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ '': اُن لوگوں نے کہا کہ اے لوط! اگر آپ ہمارے ان کاموں پر ملامت کرنے سے باز نہ آئے تو آپ اُن لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو اس شہر سے نکال دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ہمیں جن نیک کاموں کی دعوت دیتے ہیں، اگر آپ نے اس دعوت کو نہ چھوڑا تو آپ کو اس شہر سے نکال دیا جائے گا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ ہم آپ کو اس بستی سے نکال دیں گے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُن کی مراد یہ ہو کہ ہم آپ کو قتل کر دیں گے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا: ''قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ -- (الشعراء: ۱۱۶)'' (اُن لوگوں نے کہا: اے نوح! اگر آپ تبلیغ دین سے باز نہ آئے تو ضرور آپ اُن لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو سنگسار کیا گیا ہے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''لوط نے کہا: بے شک میں تمہارے کاموں کی وجہ سے تمہارا دشمن ہوں O'' (الشعراء: ۱۶۸)

''قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ '': (لوط نے کہا: بے شک میں تمہارے کاموں کی وجہ سے تمہارا دشمن ہوں)۔

''اَلْقَالِیْنَ '' کا معنی ہے المبغضین۔ یعنی تم مجھے کس طرح بستی سے نکالنے کی دھمکی دے رہے ہو، حالانکہ جو کام تم کرتے ہو میں اُن کاموں کی وجہ سے تم سے بغض رکھتا ہوں اور تمہارے پاس ٹھہرنے کو ناپسند کرتا ہوں، سو تم مجھے نکالنے کی دھمکی کیوں دیتے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو اِن لوگوں کی بدکاری کے انجام سے نجات عطا فرمائیں O'' (الشعراء: ۱۶۹)

''رَبِّ نَجِّنِیْ وَ اَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ '': اس آیت کے کئی محامل ہیں:

(۱) حضرت لوط علیہ السلام نے دعا کی: اے میرے رب! اِن لوگوں کے اِن برے کاموں کی وجہ سے جس عذاب کا خطرہ ہے اُس سے مجھے اور میرے گھر والوں کو محفوظ رکھیں۔

(۲) یعنی مجھے اور میرے گھر والوں کو اِن خبیث کاموں سے محفوظ رکھیں، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی: ''وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ -- (ابراہیم: ۳۵)'' (اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے بچائیں)۔

(۳) ابوعبیدہ اور النحاس نے کہا ہے: ''مِّنَ الْقَالِیْنَ '' کا معنی ہے مِنَ الْمُبْغِضِیْنَ۔ جب کوئی شخص کسی شخص سے بغض رکھے تو کہا جاتا ہے قلیت الرجل۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے: ''مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰی -- (الضحیٰ: ۳)'' (نہ تو آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ہی وہ (آپ سے) ناراض ہوئے)۔

عمل قوم لوط کی سزا

علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ ھ، لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل کی ایک روایت یہ ہے کہ جس نے قوم لوط کا عمل کیا، اُس کو قتل کر دیا جائے گا خواہ وہ کنوارا ہو یا شادی شدہ۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ اُس کا حکم وہ ہے جو زانی کا حکم ہے۔

لواطت کے حرام ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس فعل کی مذمت فرمائی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی مذمت فرمائی ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۔ (الاعراف: ۸۰۔۸۱)" (اور ہم نے لوط کو بھیجا، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جیسی بے حیائی کے کام کو تم سے پہلے تمام جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا ۝ بے شک تم عورتوں کے بجائے مردوں کے پاس نفسانی خواہش پوری کرنے کے لیے آتے ہو، بلکہ تم (حیوانوں کی) حد سے بھی تجاوز کرنے والے ہو)۔ اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے: جس نے قوم لوط کا عمل کیا، اللہ تعالیٰ اُس پر لعنت فرماتے ہیں، جس نے قوم لوط کا عمل کیا، اللہ تعالیٰ اُس پر لعنت فرماتے ہیں۔

(سنن ترمذی: ۱۴۵۶، مسند احمد ج ۱ ص ۳۰۹، ۳۱۷، اس حدیث کی سند صحیح ہے)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس کی حد کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس کی حد یہ ہے کہ اس فعل کے مرتکب کو رجم کر دیا جائے خواہ وہ کنوارا ہو یا شادی شدہ ہو۔ اور یہی حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت جابر بن زید اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کا موقف ہے۔ اور تابعین میں سے الزہری، ابی حبیب، ربیعہ، امام مالک اور اسحاق اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ اور قتادہ، الاوزاعی، ابو یوسف اور محمد بن الحسن کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: جب مرد، مرد سے جنسی خواہش پوری کرے تو وہ دونوں زانی ہیں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۳۳)، کیونکہ مرد کی شرمگاہ میں مرد کی شرمگاہ کو داخل کرنا جو نہ اُس کی ملک ہو، نہ اُس میں ملکیت کا شبہ ہو تو یہ زنا ہے جیسا کہ عورت کی فرج میں داخل کرنا، اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ زنا ہے تو یہ آیت اور احادیث کے عموم میں داخل ہے اور اس لیے کہ یہ بے حیائی کا کام ہے، پس یہ اس طرح زنا ہے جیسے مرد اور عورت کے درمیان بے حیائی ہو۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا کہ عمل قوم لوط کرنے والے کو جلا دیا جائے۔ اور یہی حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کا قول ہے، کیونکہ صفوان بن سُلیم نے از حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ عرب کے بعض قبیلے مردوں سے اس طرح نکاح کرتے ہیں جس طرح عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے، تو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اس کا حکم معلوم کرنے کے لیے مکتوب لکھا۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ سے مشورہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس میں بہت سخت موقف تھا، انہوں نے کہا: پچھلی امتوں میں سے صرف ایک امت نے یہ کام کیا ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس امت کے ساتھ کیا کیا۔ میری رائے یہ ہے کہ اُس کو آگ میں جلا دیا جائے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اُس کو جلا دیا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۳۲، امام بیہقی نے کہا: یہ حدیث مرسل ہے اور دوسری سند کے ساتھ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس کو سنگسار کیا جائے گا اور آگ میں جلا دیا جائے گا)۔

اور الحکم اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اس فعل پر حد نہیں ہے، کیونکہ مرد وطی کا محل نہیں ہے، سو یہ اُس کے مشابہ ہے جس نے غیر فرج میں دخول کیا ہو۔

اور پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس شخص کو تم دیکھو کہ وہ قوم لوط کا عمل کرتا ہو تو فاعل اور مفعول به دونوں کو قتل کردو۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۶۲، سنن ترمذی: ۱۴۵۶، سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۱، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۵۵، مسند احمد ج ۱ ص ۳۰۰ اور اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔

اور امام ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے کہ تم اوپر والے اور نیچے والے دونوں کو قتل کردو، کیونکہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے، انہوں نے اس کے قتل پر اجماع کیا ہے۔ البتہ اُس کو قتل کرنے کی صفت میں اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبل نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ اُس کو رجم کر دیا جائے اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو سنگسار کرنے کی سزا دی، پس چاہیے کہ جو قوم لوط کا عمل کرے اُس کو اُن کی سزا کی مثل دی جائے۔ اور جس نے اُن سے حد کو ساقط کیا ہے، اُس نے نص اور اجماع کی مخالفت کی۔ اور اس مسئلہ میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جس کے ساتھ اُس نے یہ عمل کیا ہے وہ اُس کا مملوک ہے یا اجنبی ہے، کیونکہ مرد، مرد کی وطی کا محل نہیں ہے، اور اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے یا اپنی باندی سے اُس کی سرین میں دخول کیا تو یہ حرام ہے اور اس پر حد نہیں ہے کیونکہ عورت بہرحال وطی کا محل ہے۔ اور بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ فعل جائز ہے تو یہ حد سے مانع ہونے کا شبہ ہے۔

عورتوں کی باہم جنس پرستی کا حکم

اگر دو عورتیں ایک دوسرے کے ساتھ ہم جنس پرستی کریں تو وہ دونوں زانیہ اور ملعون ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب عورت، عورت پر آئے تو وہ دونوں زانیہ ہیں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۳۳، اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

اور اُن دو عورتوں پر حد نہیں ہے، کیونکہ اس میں دخول نہیں ہے، یہ اس کے مشابہ ہو گیا جب بغیر فرج کے مباشرت کی ہو، اور اُن پر تعزیر ہے۔ یہ اس کے مشابہ ہے کہ مرد کسی عورت کے ساتھ مباشرت کرے اور دخول نہ کرے، اور اگر مرد کسی عورت کے ساتھ مباشرت کرے اور بغیر فرج کے اُس سے لذت حاصل کرے تو اُس پر حد نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پس اُس نے کہا: یارسول اللہ! میں ایک عورت سے ملا اور میں نے اُس سے جماع کے علاوہ سب کچھ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ (ہود: ۱۱۴)" (اور (اے رسول اکرم!) آپ دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے قریب نمازیں پڑھتے رہیے، بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے)۔ اُس مرد نے پوچھا: کیا یہ آیت صرف میرے لیے ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے جو بھی یہ عمل کرے اُس کے لیے ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۶۸۷، صحیح مسلم: ۲۱۱۵، سنن ابوداؤد: ۴۴۶۸، سنن ترمذی: ۳۱۱۲، سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۴، مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۵)

اور اگر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ پایا جائے اور وہ ایک دوسرے سے بوس و کنار کر رہے ہوں اور یہ پتا نہ ہو کہ انہوں نے وطی کی ہے یا نہیں، تو اُن پر حد نہیں ہے۔ اور اگر انہوں نے کہا کہ ہم دونوں میاں بیوی ہیں تو اُن کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ الخ،

حماد، الشافعی اور فقہائے احناف کا بھی قول ہے۔ اور اگر اُن کے خلاف زنا کی گواہی قائم ہو جائے اور وہ دونوں کہیں کہ ہم میاں بیوی ہیں تب بھی اُن پر حد جاری ہوگی۔

جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

جس شخص نے کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کی، اُس کو تادیباً سزا دی جائے گی اور اُس جانور کو قتل کر دیا جائے گا۔

امام احمد بن حنبل سے اُس شخص کے متعلق مختلف روایات ہیں جو کسی جانور سے بدفعلی کرتا ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ اُس کو تعزیراً سزا دی جائے گی اور اُس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، الشعبی، النخعی، الحکم، امام مالک، ثوری، فقہائے احناف اور اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔

امام احمد بن حنبل سے دوسری روایت یہ ہے کہ جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والے اور لواطت کرنے والے دونوں برابر ہیں، حسن بصری نے کہا: اُس پر وہ حد جاری کی جائے گی جو زانی پر حد جاری کی جاتی ہے۔ اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ اُس کو اور اس جانور کو قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو شخص کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کرے اُس کو بھی قتل کر دو اور اُس جانور کو بھی اُس کے ساتھ قتل کر دو۔

(سنن ابوداؤد: ۴۴۶۴، سنن ترمذی: ۱۴۵۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۴، مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۹، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۳۴، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۴۲، المستدرک ج ۴ ص ۳۵۵)

پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی نص صریح نہیں ہے اور آدمی کی فرج میں وطی کرنے پر اس کو قیاس کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور زجر و توبیخ کے لیے اس پر حد جاری کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ عام لوگ اس فعل سے گھن کھاتے ہیں اور اس کو ناپسند کرتے ہیں اور اس سے متنفر ہوتے ہیں، لہٰذا یہ حد کی نفی پر برقرار رہے گا۔ اور جو اس سلسلے میں حدیث ہے، اُس کی عمرو بن ابی عمرو نے روایت کی ہے اور امام احمد کے نزدیک وہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ امام الطحاوی نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ اسماعیل بن ابی سعید کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے اُس مرد کے متعلق سوال کیا جو کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کرے تو انہوں نے اس پر توقف کیا اور عمرو بن ابی عمرو کی حدیث کو ثابت نہیں کیا۔ نیز اس لیے کہ شبہات کی وجہ سے حدود ساقط کر دی جاتی ہیں۔ لہٰذا اُس حدیث سے اس کے لیے حد کو ثابت کرنا صحیح نہیں ہے جس حدیث میں ضعف کا شبہ ہے۔ اور الخرقی نے کہا ہے کہ مستحب اور مستحسن یہ ہے کہ اُس پر ادباً تعزیر لگائی جائے اور تعزیر میں مبالغہ کیا جائے، کیونکہ یہ حرام فرج میں وطی ہے اور اس میں حد واجب نہیں ہے تو تعزیر واجب ہوگی جیسا کہ کوئی مردہ عورت سے وطی کرے تو اُس پر بھی تعزیر واجب ہے۔

(میں کہتا ہوں: 2014ء میں یہ خبر منظر عام پر آئی کہ سرگودھا کے محمد ریاض نامی شخص نے کراچی کے ایک قبرستان کی 48 مردہ عورتوں کے ساتھ بدکاری کی اور اخیر میں ایک عورت کے ساتھ جونہی وہ بدکاری کرنے لگا تو اُس مردہ عورت کی آنکھوں سے ایک نیلی روشنی نکلی جس سے وہ ڈر کر بھاگا اور پھر پکڑا گیا، اس کو سخت عبرت ناک سزا دینی چاہیے تھی لیکن ہم کو انٹرنیٹ سے معلوم ہوا ہے کہ اُس کو صرف ایک سال کی سزا دی گئی۔ سعیدی غفرلہ)

جانور کو قتل کرنے کا وجوب

ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے کہا ہے کہ اُس جانور کو قتل کرنا واجب ہے۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے خواہ وہ جانور اُس کی اپنی ملکیت میں ہو یا دوسرے کی ملکیت میں ہو، اُس جانور کا گوشت کھانا حلال ہو یا نہ ہو۔ فقیہ ابوبکر نے کہا: مختار یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے اور اگر چھوڑ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ امام طحاوی نے کہا: اگر اس جانور کا گوشت کھانا حلال ہو تو اُس کو ذبح کر دیا جائے ورنہ قتل نہ کیا جائے اور یہ امام شافعی کا دوسرا قول ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس جانور کو ذبح سے منع فرمایا ہے جس کا گوشت کھانا حلال نہ ہو۔ (الوہاج ج ۲ ص ۳۴۷۔۳۴۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۸۹، سنن ابن ماجہ: ۳۱۸۵)

ہماری (فقہاء حنابلہ کی) دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کرے اُس شخص کو بھی قتل کر دو اور اُس جانور کو بھی قتل کر دو اور آپ نے یہ فرق نہیں کیا کہ اُس جانور کا گوشت کھانا حلال ہو یا نہ ہو یا وہ جانور اُس کی ملکیت میں ہو یا کسی غیر کی ملکیت میں ہو۔

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: جس شخص کو تم جانور کے ساتھ بدفعلی کرتے ہوئے پکڑو تو اس کو بھی قتل کر دو اور جانور کو بھی قتل کر دو، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! جانور کا کیا قصور ہے؟ آپ نے فرمایا: تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ یہ وہ ہے اور یہ وہ ہے۔ (یعنی فحش بات کا تذکرہ نہ ہو)۔ اور دوسرا قول یہ ہے تاکہ اس جانور سے کوئی بدہیئت مخلوق پیدا نہ ہو۔

(المغنی ج ۱۲ ص ۱۸۳۔۱۸۷، ملخصاً وملتقطاً، دارالحدیث، قاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

جانوروں کے ساتھ بدفعلی کرنے کے متعلق فقہاء احناف کا مسلک

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، لکھتے ہیں:

جو شخص جانور سے بدفعلی کرے، ہمارے نزدیک اُس پر حد نہیں ہے، لیکن اُس کو تعزیراً سزا دی جائے گی۔ بعض فقہاء نے اُس پر اس حدیث سے حد کو واجب کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جانور سے بدفعلی کرے اُس کو قتل کر دو۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۶۴، سنن ترمذی: ۱۴۵۵)، لیکن اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔ اور اگر یہ حدیث ثابت ہو تو اس کی تاویل یہ ہے کہ جو اس فعل کو حلال سمجھے اُس کو قتل کر دیا جائے۔ اور جانور کی فرج کا وہ حکم نہیں ہے جو آدمی کی فرج کا حکم ہے حتیٰ کہ جانور کی فرج کو ستر کرنا واجب نہیں ہے۔ نیز حد کو اس لیے مشروع کیا گیا ہے تاکہ زجر و توبیخ ہو اور عقلاء کی طبیعت جانوروں کے ساتھ بدفعلی کی طرف مائل نہیں ہوتی، کیونکہ جانور بنو آدم کی طرح ایسے نہیں ہیں کہ اُن پر شہوت آئے۔ (المبسوط، جز ۹ ص ۱۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نیز شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی مزید لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی اجنبی عورت کی سرین میں دخول کیا تو امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اُس پر حد ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر تعزیر ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ کے نزدیک لواطت میں بھی فاعل اور مفعول دونوں پر تعزیر ہے۔ اور امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک اُن دونوں پر زنا کی حد لگائی جائے گی، اگر وہ شادی شدہ ہوں تو دونوں کو رجم کیا جائے گا اور اگر غیر شادی شدہ ہوں تو اُن کو کوڑے مارے جائیں گے۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اُن دونوں کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاعل اور مفعول بہ دونوں کو

قتل کر دو۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۶۲، سنن ترمذی: ۱۴۵۶، سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۱)

اور ایک روایت میں ارشاد ہے کہ اوپر والے اور نیچے والے دونوں کو رجم کر دو۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۲)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ فعل لغت کے اعتبار سے زنا نہیں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس فعل کے مرتکب کو یہ کہا جاتا ہے کہ اُس نے لواطت کی ہے اور یہ نہیں کہا جاتا کہ اُس نے زنا کیا ہے، اسی طرح اہلِ لغت نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے۔ اور جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ "جب مرد، مرد پر آئے تو وہ دونوں زانی ہیں"۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۸ ص ۴۰۶، الحدیث: ۱۷۰۳۳) سو یہ حدیث مجاز پر محمول ہے۔ (المبسوط، ج ۹ ص ۸۸۔۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سو ہم نے اُن کو اور اُن کے سب گھر والوں کو نجات عطا فرمائی ○ سوائے بوڑھی عورت کے جو پیچھے رہنے والوں میں سے تھی ○" (الشعراء: ۱۷۰)

"فَنَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ": جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے اُن کو دھمکی دی کہ اگر وہ اس بے حیائی کے کام پر منع کرنے سے باز نہ آئے تو وہ اُن کو شہر سے نکال دیں گے، تو حضرت لوط علیہ السلام نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو اُس سزا سے نجات عطا فرمائیں جو ان لوگوں کو ملنے والی ہے کہ یہ عورتوں کے بجائے مردوں سے اپنی جنسی خواہش پوری کرتے تھے، سو اللہ تعالیٰ نے اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو اُس سزا سے نجات عطا فرمائی، سوا بوڑھی عورت کے جو کئی سالوں سے اُن میں رہنے والی تھی اور اتنا عرصہ گزرنے کی وجہ سے بوڑھی ہو گئی تھی، سو اُس کو بھی اہلِ لوط سے ہلاک کر دیا گیا، کیونکہ وہ عورت لوگوں کو حضرت لوط علیہ السلام کے مہمانوں پر مطلع کرتی تھی۔ اور وہ عورت جب اُس بستی سے نکلی تو اُس پر بھی پتھر آ کر لگے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے بقیہ لوگوں کو برسنے والے پتھروں سے ہلاک فرما دیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک فرما دیا ○ اور ہم نے اُن پر پتھر برسائے اور جن لوگوں کو ڈرایا گیا ہو، اُن کے لیے وہ بہت بری بارش تھی ○ بے شک اس قصہ میں عبرت کی بہت بڑی نشانی ہے، اور ان لوگوں میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے ○ اور بے شک آپ کے رب ہی سب پر غالب، نہایت مہربان ہیں ○" (الشعراء: ۱۷۲۔۱۷۳۔۱۷۴۔۱۷۵)

"ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۷۵﴾": پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے بقیہ لوگوں کو بھی ہم نے ہلاک فرما دیا اور اُن پر پتھروں کی بارش برسائی، اُن پر آسمان سے نشان زدہ پتھر برستے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن کی زمین کو پلٹنے کے بعد اُن پر پتھر برسائے ہوں، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ۬ مَّنْضُوْدٍ۔ (ہود: ۸۲)" (پھر جب ہمارا عذاب آ گیا تو ہم نے اُن کی بستی کو الٹ پلٹ فرما دیا، اس کے اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا حصہ اوپر فرما دیا، اور ہم نے اُن پر لگاتار آگ میں تپائے ہوئے پتھر برسائے)۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن پر پتھر برسانے کے بعد اُن کی زمین کے نچلے حصہ کو اوپر کر دیا ہو اور اوپر کے حصہ کو نیچے کر دیا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ

تمام بستیاں اور اُن میں رہنے والوں کو اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر کر دیا ہو، اور جو اُن میں سے غائب ہوں اُن پر پتھروں کی بارش کی گئی ہو۔

سو جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا گیا تھا، اُن کا حال خراب ہو گیا، اور بے شک ہم نے جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو اس طریقہ سے ہلاک فرمایا، کیونکہ وہ ہمارے رسول کی تکذیب کرتے تھے تو اے رسول اکرم! آپ کی قوم کے لیے اس میں ضرور عبرت اور نصیحت ہے، کیونکہ آپ جو اپنے رب کے پاس سے حق لے کر آئے ہیں، یہ لوگ بھی اُس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے۔ بے شک آپ کے رب ضرور سب پر غالب ہیں اور جو ایمان لے آئے، اُن پر بہت مہربان ہیں۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۸ ص ۸۰۔۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ، جامع البیان للطبری ج ۱۵ ص ۱۲۹۔۱۳۲، دار عالم الکتب ریاض، ۱۴۳۲ھ)

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۶﴾

جنگل میں رہنے والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا ○

اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

جب اُن سے شعیب نے کہا: کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے؟ ○

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾

بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں ○

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾

سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○

وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور میں اس تبلیغ دین پر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمۂ کرم پر ہے ○

اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾

پیمانہ بھر کر دیا کرو اور کم ناپ کر دینے سے نقصان اٹھانے والے لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ ○

وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾

اور درست ترازو کے ساتھ وزن کرو ○

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۱۸۳﴾

اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم وزن کر کے نہ دو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے نہ پھرو○

وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۸۴﴾

اور اللہ سے ڈرو جس نے تم کو پیدا فرمایا اور تم سے پہلے دوسری قوموں کو پیدا فرمایا○

قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۸۵﴾

اُن لوگوں نے کہا: آپ تو صرف اُن لوگوں میں سے ہیں جن پر جادو کیا گیا ہے○

وَمَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۱۸۶﴾

اور آپ ہماری ہی مثل بشر ہیں اور ہم آپ کو ضرور جھوٹے لوگوں میں سے گمان کرتے ہیں○

فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۷﴾

سو اگر آپ دعویٰ نبوت میں سچے ہیں تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں○

قَالَ رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

شعیب نے کہا: میرے رب خوب جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو○

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۸۹﴾

پس انھوں نے شعیب کی تکذیب کی، سو اُن کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا، بے شک وہ بہت بڑے عذاب کا دن تھا○

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۰﴾

اس واقعہ میں ضرور عبرت کی نشانی ہے، اور اُن میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے○

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۹۱﴾

اور بے شک آپ کے رب ہی سب پر غالب، انتہائی مہربان ہیں○

ع ۱۰ / ۱۲

حضرت شعیب علیہ السلام اور اُن کی قوم کا قصہ

حضرت شعیب علیہ السلام اور اُن کی قوم کا قصہ سورۃ الاعراف کی آیت: ۸۵ تا ۹۳ اور سورۂ ہود کی آیت: ۸۴ تا ۹۵ کی تفسیر میں

تفصیل سے گزر چکا ہے، اور یہاں پر اس کی مختصر تفسیر کی جائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جنگل میں رہنے والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایاO" (الشعراء: ۱۷۶)

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، الشعراء: ۱۷۶ تا ۱۹۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"کذّب اصحٰب لئیکۃ المرسلین": (جنگل میں رہنے والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا)۔

"الئیکۃ": کا معنی ہے ایسی زمین جو پانی کو بہت زیادہ جذب کر لیتی ہو اور اس سے بہت زیادہ گھنے درخت پیدا ہوتے ہوں۔

"المرسلین": جنگل والوں نے صرف حضرت شعیب علیہ السلام کے رسول ہونے کی تکذیب کی تھی، لیکن یہاں فرمایا ہے کہ انہوں نے سب رسولوں کی تکذیب کی، کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی نبوت کے صدق پر جو معجزہ پیش فرمایا تھا اور لوگ اُس معجزہ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہو گئے تھے۔ اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی نبوت کے صدق پر معجزات پیش کیے، سو حضرت شعیب علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرنا گویا تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کرنا تھا۔

امام ابوعبیدہ نے کہا: بعض تفاسیر میں مذکور ہے کہ لیکۃ اور الأیکۃ میں فرق ہے، پس لیکہ اُس بستی یا شہر کا نام ہے جس میں وہ لوگ رہتے تھے اور "الأیکہ" تمام شہروں کا نام ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جب اُن سے شعیب نے کہا: کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے؟O" (الشعراء: ۱۷۷)

"اذ قال لھم شعیب الا تتقون": جب اُن سے حضرت شعیب علیہ السلام نے نرمی اور ملامت سے کہا: کیا تم لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے، جنہوں نے تم کو انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اس آیت میں اس طرح نہیں فرمایا کہ اُن سے اُن کے بھائی شعیب نے کہا، اس لیے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اہل الأیکہ کے نسب سے نہیں تھے، کیونکہ وہ سب دیہاتی تھے اور حضرت شعیب علیہ السلام شہری تھے اور اللہ تعالیٰ نے جو رسول بھی بھیجے، وہ شہر والوں میں سے بھیجے۔ کیونکہ برکت اور حکمت اجتماع میں ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد دیہات میں جانے سے منع فرمایا اور فرمایا: جن کے ساتھ اللہ عزوجل خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اُن کو دیہات سے شہر کی طرف منتقل فرما دیتے ہیں۔ (اس حدیث کا حوالہ ہمیں مکتبۃ الشاملۃ میں بھی نہیں مل سکا)۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے مدین کا ذکر فرمایا تو فرمایا: اُن کے بھائی شعیب نے کہا۔ کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام مدین کے رہنے والوں میں سے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اہل مدین اور اصحاب الأیکہ کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوںO" (الشعراء: ۱۷۸)

"انی لکم رسول امین": یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی پیغام پیش کرتا ہوں جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے اور اس میں کوئی خیانت نہیں کرتا، اور جو پیغام مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے، میں وہی پیغام تم تک پہنچاتا ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میری اطاعت کروO" (الشعراء: ۱۷۹)

"فاتقوا اللہ و اطیعون": سو تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو جنہوں نے اس جنگل میں تم کو نعمتیں عطا فرمائیں اور میری

پیروی کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''اور میں اس تبلیغ دین پر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمہ کرم پر ہےO''(الشعراء:۱۸۰)

''وَمَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'':یہ اس لیے فرمایا کہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ انبیاء علیہم السلام کسی ذاتی منفعت کے لیے تبلیغ کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''پیمانہ بھر کر دیا کرو اور کم ناپ کر دینے سے نقصان اٹھانے والے لوگوں میں سے نہ ہو جاؤO''(الشعراء:۱۸۱)

''اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ'':یعنی جب تم کسی کو پیمانے سے ناپ کر کوئی چیز فروخت کرو تو پورا پیمانہ بھر کر دیا کرو اور لوگوں کے حقوق میں کمی کرنے والے نہ ہو جاؤ جو ناپ اور تول میں کمی کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَۙ۝ الَّذِیْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ۝ وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ۝۔۔(المطففین:۱۔۳)''(تباہی ہے کم تولنے والوں کے لیےO جب لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا کر لیںO اور جب انہیں ناپ یا تول کر دیں تو کم کر دیںO)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''اور درست ترازو کے ساتھ وزن کروO''(الشعراء:۱۸۲)

''وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ'':یعنی ایسے میزان کے ساتھ وزن کرو جو درست ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ قسطاس رومی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے: درست ترازو۔ اللہ تعالیٰ نے ناپ اور تول میں کمی کرنے سے منع فرمایا اور یہ حرام ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم وزن کر کے نہ دو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے نہ پھروO''(الشعراء:۱۸۳)

''وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ'':اور لوگوں کو ناپ اور تول میں کمی کر کے چیزیں فروخت نہ کرو۔ اور زمین میں فساد نہ کرو جیسے ڈاکو مال لوٹنے کے لیے زمین میں فساد کرتے ہیں اور لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''اور اللہ سے ڈرو جس نے تم کو پیدا فرمایا اور تم سے پہلے دوسری قوموں کو پیدا فرمایاO''(الشعراء:۱۸۴)

''وَ اتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ'':اور اللہ عزوجل سے ڈرو جس نے تم کو نطفہ سے پیدا فرمایا اور تم سے پہلے ایک جماعت اور امتوں کو پیدا فرمایا، جو اپنی قوت اور طاقت میں پہاڑوں کی طرح تھے خصوصاً حضرت ہود علیہ السلام کی قوم، جن کی قوت یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے کہا: ہم سے زیادہ طاقت والا کون ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةًؕ اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةًؕ وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ۔۔(حم السجدہ:۱۵)''(رہی (ہود کی امت) قوم عاد تو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا، انہوں نے کہا: ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟ کیا

انہیں معلوم نہیں کہ اللہ، جنہوں نے انہیں پیدا فرمایا ہے وہ اُن سے زیادہ قوت والے ہیں، اور وہ ہمارے معجزات کا بھی انکار کرتے رہے)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو زبردست قوت کے ساتھ پکڑ لیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن لوگوں نے کہا: آپ تو صرف اُن لوگوں میں سے ہیں جن پر جادو کیا گیا ہےO''
(الشعراء:۱۸۵)

''قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ'': یعنی آپ اُن لوگوں میں سے ہیں جن پر بار بار جادو کیا گیا ہے، یعنی آپ اللہ تعالیٰ کے رسول بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ ہماری ہی مثل بشر ہیں اور ہم آپ کو ضرور جھوٹے لوگوں میں سے گمان کرتے ہیںO'' (الشعراء:۱۸۶)

''وَمَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ اِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ'': یعنی ہمیں چھوڑ کر آپ کو رسول بنانے کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ اول تو آپ ہماری طرح عام انسان ہیں اور دوسرے اس لیے کہ ہم آپ کو جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو اگر آپ دعویٰ نبوت میں سچے ہیں تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیںO''
(الشعراء:۱۸۷)

''فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ'': یعنی اگر آپ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں، یا بادل گرا دیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے پہلے اُن کو دھمکایا کہ اللہ تعالیٰ کو اُن پر قدرت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھی پیدا فرمایا اور اُن سے زیادہ طاقت ور لوگوں کو بھی پیدا فرمایا۔ اور بتایا کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اُن کو اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کے عذابوں سے ہلاک فرما دیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''شعیب نے کہا: میرے رب خوب جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہوO''
(الشعراء:۱۸۸)

''قَالَ رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ'': یعنی حضرت شعیب علیہ السلام نے اُن کے جواب میں کہا: تمہارے تمام کاموں سے اللہ تعالیٰ واقف ہیں، اگر وہ چاہیں گے تو تم پر جلد عذاب نازل فرما دیں گے۔ اور اگر وہ چاہیں گے تو تم پر عذاب کو مؤخر فرما دیں گے۔

رہا میں تو میرے ذمہ صرف اللہ کے پیغام کو پہنچا دینا ہے اور مجھے اسی کا حکم فرمایا گیا ہے۔ سو میں تم کو اپنی طرف سے نہیں ڈرا رہا، اور نہ میں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تم کو عذاب دینے پر مجھے قدرت ہے، سو تمہارا مجھ سے یہ مطالبہ کرنا کہ آپ ہم پر کوئی عذاب نازل کریں یا آسمان کا ٹکڑا نازل کریں، یہ بھی تمہارا مجھ پر ظلم ہے کہ تم مجھ پر جھوٹ باندھتے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس انہوں نے شعیب کی تکذیب کی، سو اُن کو سائبان والے دن کے عذاب نے

پکڑلیا، بے شک وہ بہت بڑے عذاب کا دن تھا ○ ''(الشعراء:۱۸۹)

''فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ '': سو وہ لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب پر برقرار رہے اور اس تکذیب کے سبب سے ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔ اس آیت میں ''يَوْمِ الظُّلَّةِ'' کا ذکر ہے اور یہ بادل تھا جیسا کہ انہوں نے آسمان کے ٹکڑے کو طلب کیا تھا۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے سات دن تک ہواؤں کو روکے رکھا اور اُن پر شدید گرمی مسلط فرمادی اور ہوائیں ساکن تھیں۔ پس اُن کو نہ سایا نفع دے رہا تھا اور نہ پانی، تو وہ مجبور ہو کر جنگل کی طرف نکلے، پس اُن پر ایک بادل نے سایا کر لیا جس میں انہوں نے ٹھنڈک محسوس کی، سو وہ سب اُس بادل کے نیچے جمع ہو گئے، پھر اُن پر آگ برسنے لگی، پس وہ سب جل گئے، اور روایت ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کو دو امتوں کی طرف بھیجا گیا، ایک اصحاب مَدیَن تھے اور دوسرے اصحاب الأیکہ تھے۔ پس مدین والوں کو حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ نے ہلاک کر دیا اور ایکہ والوں کو ''يَوْمِ الظُّلَّةِ'' کے عذاب نے ہلاک کر دیا۔ اور یہ بہت بڑے دن کا عذاب تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اس واقعہ میں ضرور عبرت کی نشانی ہے، اور اُن میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے ○ ''(الشعراء:۱۹۰)

''اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ '': یعنی اللہ عزوجل ہر رسول کی اطاعت کرنے والے کو نجات عطا فرماتے ہیں، اور ہر زمانے میں جس نے اپنے رسول کی نافرمانی کی ہو، اُس پر گرفت فرماتے ہیں، اور ان دونوں فریقوں میں سے کسی فریق کا استثناء نہیں کیا جاتا۔ سو اس میں رسولوں کے صدق پر واضح دلالت ہے اور وہ اس لائق ہیں کہ اللہ کے بندے اُن کی عطا فرمائی ہوئی خوش خبریوں میں اور اُنہوں نے جو عذاب سے ڈرایا ہے، اُس میں اُن کی تصدیق کریں۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی کرنے والے کو ہلاک فرما دیتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اُس کو اللہ تعالیٰ نجات عطا فرماتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہیں، جو چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں۔ اور جس طرح پہلے لوگوں میں سے اکثر اپنے نبیوں پر ایمان نہیں لائے تھے، اسی طرح آپ کی قوم میں سے اکثر لوگ بھی آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بیشک آپ کے رب ہی سب پر غالب، انتہائی مہربان ہیں ○ ''(الشعراء:۱۹۱)

''وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ '': اور بے شک آپ کے رب آپ پر احسان فرماتے ہیں، اور وہ ہر ایک پر غالب ہیں، کوئی اُن کو عاجز نہیں کر سکتا۔ اور جو لوگ ایمان نہیں لائے اللہ تعالیٰ اُن پر فوراً عذاب نازل نہیں فرماتے، بلکہ اُن کو مہلت عطا فرماتے ہیں تاکہ وہ خود ایمان لے آئیں یا اُن کی اولاد میں سے کوئی ایمان لے آئے۔ اور ان تمام قصوں میں جو اختصار کے ساتھ ذکر فرمائے گئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی فرمائی ہے اور آپ کی تکذیب کرنے والوں کو عذاب کی وعید سنائی ہے۔

(السراج المنیر، ج ۵ ص ۳۸۔۵۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾

اور بے شک یہ قرآن ضرور رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے ○

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾

اس کو الروح الامین (جبریل علیہ السلام) نے نازل کیا O

عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

(انہوں نے اس قرآن کو) آپ کے دل پر (نازل کیا) تاکہ آپ عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہوں O

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾

فصیح عربی زبان میں O

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾

اور بے شک اس قرآن کا ذکر پہلی کتابوں میں بھی ہے O

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾

کیا ان کافروں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ اس نبی کو بنی اسرائیل کے علماء جانتے ہیں؟ O

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾

اور اگر ہم نے اس قرآن کو کسی عجمی شخص پر نازل فرمایا ہوتا O

فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

پس وہ انہیں پڑھ کر سناتا تب بھی وہ اس قرآن پر ایمان لانے والے نہ ہوتے O

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾

اسی طرح ہم نے اس تکذیب کو مجرموں کے دلوں میں داخل فرما دیا ہے O

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾

وہ اس پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں O

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

سو وہ عذاب ان پر اچانک آئے گا اور ان کو اس کا شعور نہیں ہوگا O

فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

تب وہ کہیں گے: کیا ہم کو مہلت دی جائے گی؟O

أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٠٤﴾

کیا پس وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کرتے ہیں؟O

أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿٢٠٥﴾

آپ یہ بتائیں اگر ہم انہیں کئی سالوں تک نعمتوں سے نوازتے رہیںO

ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾

پھر اُن کے پاس وہ عذاب آجائے جس کی انہیں وعید سنائی گئی تھیO

مَآ أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾

تو جن نعمتوں سے انہیں نوازا گیا تھا، وہ اُن کے کسی کام نہیں آئیں گیO

وَمَآ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾

اور ہم نے جس بستی والوں کو بھی ہلاک فرمایا تو اُس کے لیے عذاب سے ڈرانے والے بھیجےO

ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٠٩﴾ ع

اور نصیحت کرنے والے رسول بھیجے، اور ہم کسی پر ظلم نہیں فرماتےO

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢١٠﴾

اور قرآن کو شیطان نازل نہیں کرتےO

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٢١١﴾

اور نہ یہ کام اُن کے لائق ہے اور نہ ہی وہ اس کی طاقت رکھتے ہیںO

إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿٢١٢﴾

بے شک شیاطین فرشتوں کی باتیں سننے سے دور فرمادیے گئے ہیںO

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿٢١٣﴾

سو اے مخاطب! تم اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہ کرنا ورنہ تم عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جاؤ گےO

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں O

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢١٥﴾

اور جن مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی ہے اُن کے لیے اپنے بازو جھکائے رکھیں O

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢١٦﴾

پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہیں: میں تمہارے ان کاموں سے بری ہوں O

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٢١٧﴾

اور اُس پر توکل کریں جو سب پر غالب ہیں اور انتہائی مہربان ہیں O

الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢١٨﴾

جو آپ کو حالتِ قیام میں دیکھتے ہیں O

وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ﴿٢١٩﴾

اور جو آپ کو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ پھرتے ہوئے دیکھتے ہیں O

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٢٢٠﴾

بے شک وہی سب سے زیادہ سننے والے، سب سے زیادہ جاننے والے ہیں O

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿٢٢١﴾

کیا میں تمہیں خبر دوں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟ O

تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿٢٢٢﴾

وہ ہر جھوٹے اور گناہ گار پر اترتے ہیں O

يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴿٢٢٣﴾

جو سنی سنائی باتیں اُن کے کانوں میں ڈالتے ہیں اور اُن میں سے اکثر جھوٹ بولنے والے ہیں O

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿٢٢٤﴾

اور گمراہ لوگ شاعروں کی پیروی کرتے ہیں O

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھر رہے ہیں O

وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾

اور وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ خود نہیں کرتے O

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

سوا اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور انہوں نے اللہ کا کثرت کے ساتھ ذکر کیا اور انہوں نے ظلم سہنے کے بعد بدلہ لیا، اور عنقریب ظالم لوگ جان لیں گے کہ وہ کیسی بری جگہ پلٹ کر جائیں گے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک یہ قرآن ضرور رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے O'' (الشعراء: ۱۹۲)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، الشعراء: ۱۹۲ تا ۲۲۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'': یعنی یہ قرآن بے شک رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اس کو الروح الامین (جبریل علیہ السلام) نے نازل کیا O'' (الشعراء: ۱۹۳)

''نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ'': اس آیت میں کفار کے اس قول کا رد فرمایا ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بشر قرآن کی تعلیم دیتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(انہوں نے اس قرآن کو) آپ کے دل پر (نازل کیا) تاکہ آپ عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہوں O فصیح عربی زبان میں O'' (الشعراء: ۱۹۴-۱۹۵)

''عَلٰى قَلْبِكَ'': اس آیت کے متعدد محامل ہیں:

(۱) یعنی حضرت جبریل علیہ السلام جب آپ پر قرآن مجید نازل کرتے تو وہ آپ کے قلب پر نازل کرتے تھے اور کوئی چیز اُن کو آپ کے قلب سے حاجب نہیں ہوتی تھی۔

(۲) آپ کے دل سے قرآن مجید کی کوئی آیت نکلتی نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ اُن آیات کو آپ کے دل میں جمع فرماتے ہیں جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ـ (القیامۃ: ۱۶-۱۷)'' (آپ جلد یاد کرنے کے لیے قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں O بے شک ہمارے ذمہ ہے اسے محفوظ کرنا اور آپ کا اسے پڑھانا)۔

یا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام اس قرآن کو آپ کے دل میں ثابت کرتے ہیں، کیونکہ کفار نے کہا تھا: ''وَ

قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚۛ كَذٰلِكَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ۔(الفرقان: ۳۲)" (اور کفار نے کہا: ان کے اوپر پورا قرآن یکبارگی کیوں نہیں نازل کیا گیا، ہم نے اس کو اس لیے تدریجاً نازل فرمایا تا کہ ہم اس کے ذریعے آپ کے دل کو مضبوط رکھیں اور اسی لیے ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا)۔

"لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۙ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ": اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے قلب اطہر پر عربی زبان میں اس قرآن مجید کو نازل فرمایا تا کہ آپ اللہ کے عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔

فرقہ باطنیہ یہ کہتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ پر قرآن مجید خیال کی طرح نازل فرمایا اور اس میں کسی زبان کی صفت نہیں تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فصیح عربی زبان سے ادا فرمایا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے: "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔(یوسف: ۲)" (بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے تا کہ تم لوگ اس کو سمجھ سکو)۔ لہٰذا باطنیہ کا یہ قول باطل ہو گیا کہ قرآن آپ پر عربی میں نازل نہیں ہوا تھا بلکہ آپ نے اس کو عربی زبان میں تعبیر فرمایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ۔(النحل: ۱۰۳)" (اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ کفار مکہ یہی کہتے ہیں: "اس نبی کو کوئی بشر ہی قرآن کی تعلیم دیتا ہے" حالانکہ جس بشر کی طرف وہ قرآن کی تعلیم دینے کی نسبت کرتے ہیں وہ عجمی ہے، اور یہ قرآن فصیح و بلیغ عربی زبان میں نازل فرمایا گیا ہے)۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس قول کا رد فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے قرآن کو عربی زبان میں تعبیر فرمایا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور بے شک اس قرآن کا ذکر پچھلی کتابوں میں بھی ہے O" (الشعراء: ۱۹۶)

"وَ اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ": بعض مفسرین نے کہا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور آپ کی صفت پچھلی کتابوں میں بھی مذکور تھی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہو کہ اس قرآن کا ذکر پچھلی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ اور یہ معنی نہیں ہے کہ بعینہٖ یہی قرآن پچھلی کتابوں میں بھی مذکور تھا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس قرآن کا بعض پچھلی کتابوں میں مذکور تھا نہ کہ کل۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کیا ان کافروں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ اس نبی کو بنی اسرائیل کے علماء جانتے ہیں؟ O" (الشعراء: ۱۹۷)

"اَوَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ": بعض مفسرین نے کہا کہ کیا ان لوگوں کے لیے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ کافی دلیل نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء اس قرآن کو جانتے تھے اور انہوں نے آپ کا ذکر اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پایا تھا۔

اس کی تاویل یہ ہے کہ کیا ان کے لیے بنی اسرائیل کے علماء کا یہ علم آپ کی نبوت پر کافی دلیل نہیں ہے کہ وہ جانتے تھے کہ آپ

اللہ کے رسول ہیں۔

مذکور ہے کہ اہل مکہ نے مدینہ کے یہودیوں کی طرف کسی کو بھیج کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معلوم کیا تو انہوں نے بتایا کہ آپ فلاں وقت میں نکلیں گے اور آپ کی فلاں صفت ہوگی اور یہ اب اُن کے نکلنے کا وقت ہے۔

اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء اور فقہاء اسلام قبول کر چکے ہیں جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام وغیرہ، کیونکہ وہ اُسی وقت اسلام لائے جب اُن کو یہ علم ہو گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، کیونکہ اُن کے اسلام لانے سے مدینہ میں جو اُن کا مرتبہ، مقام اور عزت تھی اور اُن کی ریاست تھی، وہ جاتی رہی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر ہم نے اس قرآن کو کسی عجمی شخص پر نازل فرمایا ہوتا O پس وہ انہیں پڑھ کر سناتا تب بھی وہ اس قرآن پر ایمان لانے والے نہ ہوتے O'' (الشعراء: ۱۹۸۔۱۹۹)

''وَ لَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰی بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ ۙ فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ؕ'': بعض مفسرین نے کہا: ہم نے اس قرآن کو اُن میں سے ایک عربی زبان والے پر نازل فرمایا، تب بھی لوگ ایمان نہیں لائے تو اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی شخص پر نازل فرماتے تو پھر وہ کیسے ایمان لاتے!

اور دوسرے مفسرین نے کہا: اگر ہم اس قرآن کو بعض عجمیوں پر نازل فرماتے اور وہ اُن کو پڑھ کر سناتا تو وہ اس وقت کہتے: یہ بہت برا شخص ہے اور اُس کی بات نہ سمجھ پاتے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہو کہ اگر ہم اس قرآن کو بعض عجمیوں پر نازل فرماتے تو وہ اس قرآن کو نہ سمجھ سکتے اور وہ ضرور کہتے: ''وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا لَّقَالُوْا لَوْ لَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِیٌّ وَّ عَرَبِیٌّ ؕ'' (حم السجدہ: ۴۴) ''(اگر ہم اسے عجمی زبان کا قرآن بناتے تو عرب کے کافر لازماً کہتے: ''اس کی آیتیں واضح کیوں نہیں کی گئیں؟ کیا کتاب عجمی زبان والی اور نبی عربی زبان والے؟'')۔ سو ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا تاکہ کفار یہ نہ کہہ سکیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اِسی طرح ہم نے اس تکذیب کو مجرموں کے دلوں میں داخل فرما دیا ہے O'' (الشعراء: ۲۰۰)

''كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ '': (اسی طرح ہم نے اس تکذیب کو مجرموں کے دلوں میں داخل فرما دیا ہے)۔

بعض مفسرین نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: ہم نے اسی طرح کفر اور تکذیب کو مجرمین کے دلوں میں داخل فرما دیا ہے۔ اور دوسرے بعض مفسرین نے کہا: ہم نے اس قرآن مجید کی حقانیت پر دلائل کو مجرمین کے دلوں میں داخل فرما دیا ہے تاکہ وہ اس کو سمجھیں اور اُن پر حجت قائم ہو جائے، لیکن انہوں نے اس پر ایمان لانے کو عناد اور سرکشی کی وجہ سے ترک کر دیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ اس پر اُس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں O'' (الشعراء: ۲۰۱)

''لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ '': یعنی یہ اس قرآن پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ

دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں اور اُس وقت اُن کا ایمان لانا اُن کو نفع نہیں دے گا، کیونکہ عذاب کو دیکھنے کے بعد ایمان لانا معتبر نہیں ہوتا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ـــ (مومن: ۸۴)" (پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے: ہم ایک اللہ پر ایمان لے آئے اور اُن بتوں کا انکار کیا جنہیں ہم اس کے شریک مانتے تھے)۔ کیونکہ اُن کا یہ ایمان اپنے نفسوں سے عذاب کو دور کرنے کے لیے تھا۔ اور یہ اضطراری ایمان ہے اختیاری ایمان نہیں ہے، اس لیے یہ ایمان اُن کو نفع نہیں دے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سو وہ عذاب اُن پر اچانک آئے گا اور اُن کو اُس کا شعور نہیں ہوگا O تب وہ کہیں گے: کیا ہم کو مہلت دی جائے گی؟ O" (الشعراء: ۲۰۲-۲۰۳)

"فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ": یعنی اُن پر اچانک اللہ کا عذاب آ جائے گا اور انہیں شعور تک نہیں ہوگا، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہے کہ وہ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن پر اچانک عذاب کو نازل فرما دیں گے اور اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ہوتا کہ وہ عذاب کو دیکھ کر حقیقتاً ایمان لے آئیں گے تو وہ اُن پر کھلم کھلا عذاب کو نازل فرماتے تاکہ وہ ایمان لے آئیں اور اُن سے عذاب کو دور کر دیا جائے، جیسے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے ایمان کے متعلق فرمایا: "فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ـــ (یونس: ۹۸)" (پس قومِ یونس کے سوا تباہ ہونے والی کوئی بستی کیوں نہ ایمان لائی تو اس کا ایمان لانا اسے فائدہ پہنچاتا، یونس کی قوم کے لوگ جب ایمان لے آئے تو ہم نے اُن سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب اٹھا لیا اور اُن کو ایک معین مدت تک اپنی نعمتوں سے نوازا)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کے عذاب کو دیکھنے کے وقت اُن سے ایمان کو قبول فرما لیا، کیونکہ اللہ عزوجل کو علم تھا کہ یہ تحقیق کے ساتھ ایمان لائے ہیں، لیکن جن کا مقصود عناد اور تکبر ہو تو وہ تحقیق کے ساتھ ایمان نہیں لاتے۔

"فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ": یعنی کفار ہمیشہ دنیا کی طرف لوٹنے کو طلب کرتے رہیں گے اور اُن کی جانوں سے عذاب کی تاخیر کو طلب کرتے رہیں گے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَ اَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَ لَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ـــ (ابراہیم: ۴۴)" (اور (اے رسولِ اکرم!) لوگوں کو اس دن کے عذاب سے ڈرائیں جس دن اُن پر عذاب آئے گا، پس جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہوگا وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑے وقت کے لیے مہلت دے دیں تو ہم آپ کی دعوت کو قبول کریں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے، (ان سے کہا جائے گا:) کیا تم نے اس سے پہلے دنیا میں قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تم پر کوئی زوال نہیں آئے گا)۔ اور جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ـــ (الانعام: ۲۷)" (کاش! آپ (ان کو اس وقت) دیکھتے جب یہ کفار دوزخ کے کنارے پر کھڑے کیے جائیں گے، پس کہیں گے: اے کاش! ہم پھر (دنیا میں) لوٹا دیے جائیں اور ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور ہم مومنین میں سے ہو جائیں)۔ پس وہ دنیا میں واپس جانے کی تمنا کریں گے اور مہلت کی تمنا کریں گے، لیکن اُن کو جواب نہیں دیا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا پس وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کرتے ہیں؟O'' (الشعراء: ۲۰۴)

''اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ'': یہ آیت اس طرح ہے جیسے یہ آیت ہے: ''وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ (یٰس: ۴۸)'' (کفار کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو بتاؤ قیامت کی یہ وعید کب پوری ہوگی؟)۔ اور جیسے یہ آیت ہے: ''وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ (الانفال: ۳۲)'' (اور آپ یاد کیجئے جب انہوں نے کہا تھا: اے اللہ! اگر یہ (قرآن) آپ کی طرف سے برحق ہے تو آپ ہم پر آسمان سے پتھر برسائیں یا ہم پر دردناک عذاب بھیج دیں)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ یہ بتائیں اگر ہم انہیں کئی سالوں تک نعمتوں سے نوازتے رہیں O پھر اُن کے پاس وہ عذاب آجائے جس کی انہیں وعید سنائی گئی تھی O تو جن نعمتوں سے انہیں نوازا گیا تھا، وہ اُن کے کسی کام نہیں آئیں گی O'' (الشعراء: ۲۰۵۔۲۰۶۔۲۰۷)

''اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾'': یعنی اُن سے عذاب کو مؤخر کرنا اُن کو عذاب کے نزول سے مستغنی نہیں کرے گا، یعنی اُن سے عذاب کو مؤخر کرنا اور اُن کو کسی وقت تک مہلت دینا اُن سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور نہیں کر سکے گا اور اُن کو نفع نہیں دے گا۔ یا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ بظاہر عذاب کا سوال کرتے تھے اور حقیقت میں مہلت کو طلب کرتے تھے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان میں سے بعض عذاب کو جلد طلب کرتے تھے اور دوسرے عذاب میں مہلت کو طلب کرتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے جس بستی والوں کو بھی ہلاک فرمایا تو اُس کے لیے عذاب سے ڈرانے والے بھیجے O'' (الشعراء: ۲۰۸)

''وَمَاۤ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ'': یعنی ہم جس بستی کو بھی مکمل ہلاک فرماتے ہیں اور جڑ سے اکھاڑ دیتے ہیں تو اُس سے پہلے اُس بستی والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں اور اُن پر حجت قائم کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور نصیحت کرنے والے رسول بھیجے، اور ہم کسی پر ظلم نہیں فرماتے O''
(الشعراء: ۲۰۹)

''ذِکْرٰی'': یعنی نصیحت۔ ''وَمَا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ'': اور اُن کو اُن کے برے کاموں سے زجر و توبیخ کرتے ہیں۔ یعنی ہم اُن پر جو عذاب نازل فرماتے ہیں تو یہ ہمارا ظلم نہیں ہے، کیونکہ ہم بغیر کسی گناہ اور جرم کے عذاب نازل نہیں فرماتے۔ لیکن کفار کے عناد اور اُن کے تکبر کی وجہ سے اُن پر عذاب نازل فرماتے ہیں، کیونکہ دنیا میں جو عذاب ہوتا ہے وہ کفر کی وجہ سے نہیں ہوتا، وہ عناد اور سرکشی کی وجہ سے ہوتا ہے اور آخرت میں جو عذاب ہے وہ کفر کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے: ''مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ؕ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ (بنی

اسرائیل:۱۵)" (جو شخص ہدایت پر چلتا ہے سو وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت پر چلتا ہے اور جس نے گمراہی کو اختیار کیا تو وہ گمراہ ہو کر صرف اپنا ہی نقصان کرتا ہے، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم کسی کو عذاب دینے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ رسول کو مبعوث فرمادیں)۔یعنی ہم کسی کو دنیا میں انتقام لینے کے لیے عذاب اُس وقت تک نہیں بھیجتے جب تک ہم رسول کو نہ بھیج دیں اور کافروں سے عناد اور تکبر ظاہر نہ ہو جائے اور اُس وقت اللہ تعالیٰ اُن کو عذاب دیتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے کہا: ہم اُن کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک کہ توحید پر دلائل نہ بیان فرمادیں اور اُن کے عذر کو منقطع نہ فرمادیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور قرآن کو شیطان نازل نہیں کرتے O اور نہ یہ کام اُن کے لائق ہے اور نہ ہی وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں O" (الشعراء:۲۱۰-۲۱۱)

"وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ": بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت اہلِ مکہ کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئی ہے، انہوں نے کہا تھا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کاہن ہیں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں، اُن کے پاس شیطان لے کر آتا ہے۔اور اس سے پہلے شیاطین آسمان میں کسی جگہ بیٹھتے تھے اور ملائکہ پر کی جانے والی وحی کو سنتے تھے، پھر وہ اس کو کاہنوں کے دلوں میں ڈال دیتے تھے، اُس میں کچھ غلط باتیں ہوتیں اور کچھ صحیح، تو انہوں نے کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اسی طرح ہیں، اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس قول کا رد فرمایا "وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ" کہ شیاطین نے قرآن کو نازل نہیں کیا اور نہ وہ اس کے لائق ہیں اور نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک شیاطین فرشتوں کی باتیں سننے سے دور فرما دیئے گئے ہیں O" (الشعراء:۲۱۲)

"اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ": اور شیاطین کی ملائکہ کی باتوں کو سننے کے درمیان شہابِ ثاقب کو حائل کر دیا گیا ہے، اور یہ خبر دی کہ وہ سننے سے معزول کر دیئے گئے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سو اے مخاطب! تم اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہ کرنا ورنہ تم عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جاؤ گے O" (الشعراء:۲۱۳)

"فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ": پس اللہ تعالیٰ جو تمام صفاتِ کمال کے جامع ہیں، انہیں چھوڑ کر کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں ورنہ آپ بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔اس آیت میں خطاب آپ سے ہے اور مراد آپ کے غیر ہیں، کیونکہ آپ اس سے معصوم ہیں کہ آپ غیر اللہ کی عبادت کریں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس آیت سے آپ کے علاوہ دوسروں کو ڈرایا ہے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: آپ اللہ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ مکرم ہیں اور تمام مخلوق سے زیادہ معزز ہیں اور اگر آپ نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں آپ کو عذاب دوں گا اور یہ وعید غیر اللہ کی عبادت سے زیادہ منع کرنے والی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " اور (اے رسولِ اکرم!) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں O "(الشعراء: ۲۱۴)

" وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ": (اور اے رسولِ اکرم! آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی: " وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ " (اور (اے رسولِ اکرم!) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صفا پہاڑ پر) کھڑے ہو کر فرمایا: اے قریش کی جماعت! یا اس کی مثل کوئی کلمہ فرمایا، تم اپنے نفسوں کو اللہ تعالیٰ سے خرید لو، میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچا سکتا، اے بنی عبد مناف! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچا سکتا، اے عباس بن عبد المطلب! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچا سکتا اور اے صفیہ! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پھوپھی، میں آپ کو اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچا سکتا اور اے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم میرے مال سے جو چاہو سوال کرو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچا سکتا۔

(صحیح البخاری: ۲۷۵۳، ۴۷۷۱، ۳۵۲۷، صحیح مسلم: ۲۰۳، الرقم المسلسل: ۳۸۹، سنن ترمذی: ۳۱۸۵، صحیح ابن حبان: ۶۳۶، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۷۷، مسند احمد: ۸۴۰۲، جامع البیان للطبری: ۲۶۷۸۹، ۲۶۷۹۰، شرح السنۃ للبغوی ج ۷ ص ۹۱، الدر المنثور ج ۵ ص ۱۷۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: " وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ " (اور (اے رسولِ اکرم!) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں)" تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑ پر چڑھے، پھر آپ بلند آواز سے ندا فرمارہے تھے: اے بنی فہر! اے بنی عدی! قریش کے قبیلوں کو، حتیٰ کہ وہ سب جمع ہو گئے، پھر جو مرد خود نکلنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا تو وہ کسی قاصد کو بھیجتا تاکہ دیکھے کیا معاملہ ہے، پھر ابولہب اور قریش آئے، تب آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ گھوڑ سواروں کا ایک لشکر تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرنے والے ہو؟ تو سب نے کہا: ہاں! ہم نے آپ کے متعلق صدق کے سوا کسی چیز کا تجربہ نہیں کیا، آپ نے فرمایا: پس میں تمہیں سخت عذاب سے ڈرانے والا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔ تو ابولہب نے کہا: تمہارے لیے سارے دن ہلاکت ہو، کیا تم نے اس لیے ہمیں جمع کیا تھا، تب یہ آیت نازل ہوئی: " تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ؕ مَاۤ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ؕ (اللہب: ۱۔۲)" (ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے O اس کے مال اور اس کی کمائی نے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا)۔

(صحیح البخاری: ۴۷۷۰، ۱۳۹۴، صحیح مسلم: ۲۰۸، سنن ترمذی: ۳۳۶۳، مسند احمد: ۲۷۹۸)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، لکھتے ہیں:

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے تمام اہل بیت کو جمع فرمایا، پس فرمایا: سنو! میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے۔ سنو! میں اللہ سے تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، سنو! میرے اولیاء وہ ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں، سنو! میں تمہیں قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ تم دنیا کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہو اور لوگ میرے پاس آخرت کو لے کر آئیں۔ (جامع البیان لابن جریر: ۲۶۸۱۱)

اس آیت میں اپنے رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کی تخصیص کی دو وجہیں ہیں: ایک وجہ یہ ہے کہ آپ کے رشتہ دار بھی تمام لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے میں داخل ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۔ (الفرقان: ۱)" (بہت برکت والی ذات ہے جنہوں نے اپنے مکرم بندہ پر الفرقان کو نازل فرمایا تا کہ وہ تمام جہان والوں کے لیے عذاب سے ڈرانے والے ہو جائیں)۔ اور العالمین میں آپ کے رشتہ دار بھی داخل ہیں۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے رشتہ دار قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کی توقع رکھتے ہوں، خواہ وہ آپ کی اطاعت نہ کریں اور خواہ وہ آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں، جیسا کہ روایت ہے: "کل نسب وسبب منقطع یوم القیامۃ الا نسبی وسببی" (قیامت کے دن میرے نسب اور سبب کے سوا ہر نسب اور سبب منقطع ہو جائے گا)۔

(سنن سعید بن منصور: ۵۲۰، المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۲۶۸۴)

سو یہ اس کے مشابہ ہے کہ آپ کے قرابت دار قیامت کے دن آپ کی شفاعت کی توقع رکھیں گے خواہ وہ آپ کی اطاعت نہ کرتے ہوں، اس لیے آپ کو حکم فرمایا کہ آپ اُن کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں تا کہ وہ آپ کی شفاعت پر اعتماد نہ کرلیں۔

(تاویلات اہل السنۃ، ج ۸ ص ۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

شیخ اسماعیل دہلوی نے اس حدیث کے فوائد میں یہ ذکر کیا ہے:

یعنی اور جو لوگ کسی بزرگ کے قرابتی ہوتے ہیں، ان کو اس کی حمایت پر بھروسا ہوتا ہے اور اس پر مغرور ہو کر اللہ کا خوف کم رکھتے ہیں، سو اس لیے اللہ صاحب نے اپنے پیغمبر کو فرمایا کہ اپنے قرابتیوں کو ڈرا دیوے، انہوں نے سب کو اپنی بیٹی تک (کو) کھول کر سنا دیا کہ قرابت کا حق ادا کرنا اسی چیز میں ہو سکتا ہے کہ اپنے اختیار میں ہو، سو یہ میرا مال موجود ہے، اس میں مجھ کو کچھ بخل نہیں اور اللہ کے یہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے، وہاں میں کسی کی حمایت نہیں کر سکتا اور کسی کا وکیل نہیں بن سکتا، سو وہاں کا معاملہ ہر کوئی اپنا درست کرے اور دوزخ سے بچنے کی ہر کوئی تدبیر کرے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقط قرابت کسی بزرگ کی اللہ کے یہاں کچھ کام نہیں آتی جب تک کچھ معاملہ اللہ ہی سے صاف نہ کرے تو کچھ کام نہیں نکلتا۔

(تقویۃ الایمان (کلاں) ص: ۲۵، مطبوعہ علمی، لاہور)

شیخ اسماعیل دہلوی نے اس حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ نبی ﷺ اپنے قریبی اعزہ کو حتیٰ کہ سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے، ہمارے نزدیک یہ کہنا قطعاً باطل ہے۔ نبی ﷺ اپنے اقارب کو اذنِ الٰہی سے ضرور فائدہ پہنچائیں گے اور اس کی دلیل درج ذیل احادیث ہیں:

امام مسلم نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس کے آخر میں ہے: میرا تمہارے ساتھ رحم کا تعلق ہے اور میں عنقریب اس کی تراوت تمہیں پہنچاؤں گا، یعنی تم کو نفع پہنچاؤں گا۔ (صحیح مسلم: ۲۰۴، الرقم المسلسل: ۳۸۹، سنن نسائی: ۳۶۴۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے میں اپنی امت میں سے اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا، پھر جو ان سے زیادہ قریب ہوں۔ الحدیث

(المعجم الکبیر: ۱۳۵۵۰، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۷۹۰، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۸۰-۳۸۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے فرمایا کہ وہ نہ تمہیں عذاب دے گا اور نہ تمہاری اولاد کو۔

(المعجم الکبیر: ۱۱۶۸۵۔ج ۱۱، حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے میرے رب نے میرے اہل بیت کے متعلق یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ان میں سے جس نے توحید کا اقرار کیا، میں ان کو عذاب نہیں دوں گا۔

(المستدرک ج ۳ ص ۱۵۰، امام حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۷۰۳)

اور جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے بنو عبد مناف، حضرت عباس، حضرت صفیہ اور حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: (اللہ کی اجازت کے بغیر) میں تم سے اللہ کا عذاب بالکل دور نہیں کروں گا۔ (صحیح البخاری: ۲۷۵۳)، اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ آپ کے رشتہ داروں میں سے جو آپ پر ایمان نہیں لایا اور موت تک کفر اور شرک پر قائم رہا، آپ اس کی شفاعت نہیں فرمائیں گے اور اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کریں گے، لیکن جو آپ پر ایمان لے آیا اور اس سے عمل میں کچھ تقصیر ہوگئی اور آپ ایسے عام مسلمانوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے تو پھر آپ اپنے خواص اور اپنے اقربین کی شفاعت کیوں نہیں فرمائیں گے!

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جن مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی ہے اُن کے لیے اپنے بازو جھکائے رکھیں O''(الشعراء: ۲۱۵)

''وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ '': (اور جن مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی ہے اُن کے لیے اپنے بازو جھکائے رکھیں)۔

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا کہ آپ مومنین کے لیے تواضع کریں اور اُن پر رحم فرمائیں جیسے اللہ تعالیٰ نے والدین کے متعلق فرمایا: ''وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ۔(بنی اسرائیل: ۲۴)''(اور ادب اور رحمت سے اُن کے سامنے انکسار کا بازو جھکائے رکھو اور ان کے لیے یہ دعا کرو: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرمائیں جس طرح ان دونوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی تھی)۔ اور آپس میں مومنین کے متعلق فرمایا: ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ۔(الفتح: ۲۹)'' (آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں)۔ نیز فرمایا: ''اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ۔(المائدہ: ۵۴)'' (وہ مومنین پر نرم ہوں گے اور کفار پر سخت ہوں گے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: '' پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہیں: میں تمہارے اِن کاموں سے بری ہوں O''(الشعراء: ۲۱۶)

''فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ '': یہ آیت ''وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ '' کی طرف راجع ہے، گویا کہ فرمایا: آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں، پس اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہیں: میں تمہارے ان کاموں سے بری ہوں۔

اس آیت کے تین محمل ہیں: ایک یہ ہے کہ یہ ضمیر کفار کی طرف راجع ہے، یعنی اگر کفار آپ کی نافرمانی کریں اور آپ کے حکم

سے توحید کو نہ مانیں تو آپ کہیے: میں تمہارے ان کاموں سے بری ہوں۔ دوسرا محمل یہ ہے کہ یہ ضمیر قریبی رشتہ داروں کی طرف لوٹتی ہے اور اکثر مفسرین نے ایسا ہی کہا ہے۔ اور تیسرا محمل یہ ہے کہ یہ ضمیر مومنین کی طرف راجع ہے، یعنی اگر مومنین اسلام کے فروعی احکام میں آپ کی نافرمانی کریں اور آپ کی تصدیق کرنے کے بعد اور آپ کی رسالت پر ایمان لانے کے بعد بعض احکام میں آپ کی نافرمانی کریں تو آپ اُن سے کہہ دیجیے: ''اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ'' یعنی میں تمہارے ان کاموں سے بری ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اُس پر توکل کریں جو سب پر غالب ہیں اور انتہائی مہربان ہیں O'' (الشعراء: ۲۱۷)

''وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ'': گویا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفار کے شر اور اُن کے مکر سے امن میں رکھا، پس فرمایا: آپ العزیز الرحیم پر توکل کریں، اور آپ انہیں جس دین کی دعوت دیتے ہیں اُس میں اُن کی مخالفت کرنے سے نہ ڈریں۔

یا آپ کو یہ حکم فرمایا کہ آپ اپنے نفس کو اللہ کے سپرد کر دیں اور تمام امور کو ہر وقت اُنہی کے سپرد رکھیں۔ ''الْعَزِيز'' کا معنی ہے: جو اپنے دوستوں کے لیے انتقام لینے والا ہو، یا دشمنوں پر سخت ہو اور اپنے دوستوں پر مہربان ہو۔ اور ''الْعَزِيز'' وہ ہے جس کو کوئی عاجز نہ کر سکے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو آپ کو حالتِ قیام میں دیکھتے ہیں O'' (الشعراء: ۲۱۸)

''الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ'': یعنی جب آپ رات کے اندھیرے میں تنہا کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر یا سجدوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، یا لوگوں کے ساتھ جماعت میں نماز پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھتے رہتے ہیں۔

اور بعض احادیث میں ہے: میں تمہارا امام ہوں، تم رکوع اور سجود میں مجھ پر سبقت نہ کرو، نہ قیام میں سبقت کرو، کیونکہ میں تم کو پس پشت بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح تم کو سامنے سے دیکھتا ہوں۔ اور اُس ذات کی قسم جن کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر تم اُن چیزوں کو دیکھ لو جن چیزوں کو میں دیکھتا ہوں تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے کیا دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے جنت اور دوزخ کو دیکھا ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۱۹، ۷۴۲، ۶۶۴۴، صحیح مسلم: ۴۲۵، ۳۳۵، سنن نسائی: ۸۱۳، مسند احمد: ۱۳۹۶۹)

میں کہتا ہوں کہ یہ نبی ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ پیٹھ کے پیچھے بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح سامنے دیکھتے تھے اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بعض علماء دیوبند کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ نبی ﷺ کو پتا نہیں ہوتا کہ دیوار کے پیچھے کیا ہے۔ اور اس پر یہ اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے کہ بعض اوقات آپ کو کسی بات کا پتا نہیں چلتا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دیکھنا اور تمام چیزوں کا علم ہونا یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا سے ہے، جب اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں تو آپ کو علم ہو جاتا ہے، آپ دیکھیں کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب ان کے بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا تھا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کا علم نہیں ہوا، اور جب ان کے بھائی مصر سے ان کا کرتا لے کر چلے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ تو دراصل انبیاء علیہم السلام کے تمام کمالات اللہ تعالیٰ کی عطاء کے تابع ہوتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو آپ کو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ پھرتے ہوئے دیکھتے ہیں O''
(الشعراء:۲۱۹)

''وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ'': (اور جو آپ کو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ پھرتے ہوئے دیکھتے ہیں)۔
عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کی ہے، جب آپ انبیاء علیہم السلام کی پشتوں میں ایک نبی سے دوسرے نبی کی طرف منقلب ہو رہے تھے تو اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھ رہے تھے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس امت میں نکالا۔
دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں اپنے اصحاب کو دیکھتے تھے کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں یا نہیں اور کس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں، اور کس طرح آخرت کے لیے عمل کر رہے ہیں۔
اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک وہی سب سے زیادہ سننے والے، سب سے زیادہ جاننے والے ہیں O''
(الشعراء:۲۲۰)

''اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ'': یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اقوال کو سننے والے ہیں اور تمہاری تمام باتوں کو جاننے والے ہیں جن کو تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو۔
اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا میں تمہیں خبر دوں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟ O وہ ہر جھوٹے اور گناہ گار پر اترتے ہیں O جو سنی سنائی باتیں اُن کے کانوں میں ڈالتے ہیں اور اُن میں سے اکثر جھوٹ بولنے والے ہیں O'' (الشعراء:۲۲۱۔۲۲۲۔۲۲۳)

''هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۞ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۞ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۞'':
کفار کے سردار اور پیشوا قرآن مجید کے متعلق بھی کہتے تھے: ''وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۔ (الانعام:۲۵)'' (اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں، اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں کہ وہ اس کو سمجھ نہ سکیں، اور ان کے کانوں میں ثقل پیدا فرما دیا ہے (کہ وہ سن نہ سکیں)، اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی وہ آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس آپ سے بحث کرنے کے لیے آتے ہیں تو جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا ہے، وہ کہتے ہیں: یہ (قرآن) صرف پہلے لوگوں کی (جھوٹی) کہانیاں ہیں)۔ اور کبھی آپ کو شاعر کہتے اور کبھی جادوگر کہتے، اور کبھی کہتے کہ ان کو ایک بشر سکھاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: ''وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۞ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۔ (الشعراء:۲۱۰۔۲۱۱)'' (اور قرآن کو شیطان نازل نہیں کرتے O اور نہ یہ کام اُن کے لائق ہے اور نہ ہی وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں)۔ نیز فرمایا: ''قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۔ (النحل:۱۰۲)'' ((اے رسول اکرم!) آپ کہیے: آیت ناسخ کو روح القدس نے آپ کے رب کی

طرف سے حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے تا کہ مومنین کو ثابت قدم رکھیں اور یہ قرآن مسلمانوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ شیاطین کس پر نازل ہوتے ہیں۔ یہ اس لیے ذکر فرمایا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ شیاطین صرف جھوٹ اور باطل کو لے کر نازل ہوتے ہیں، اور یہ معلوم تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ کبھی کسی پر تہمت لگائی تو شیاطین آپ پر کیسے نازل ہوں گے جب کہ تمہارے نزدیک یہ معروف ہے کہ آپ کذاب نہیں ہیں اور نہ افاک ہیں اور تم جانتے ہو کہ شیاطین کذب اور باطل کے ساتھ نازل ہوتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ شیطان کیا کارروائی کرتے ہیں، پس فرمایا: "يُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ"۔ بعض مفسرین نے کہا کہ شیاطین آسمانوں سے جو فرشتوں کی باتیں سنتے تھے وہ کاہنوں کے کانوں میں ڈال دیتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو آسمان کے فرشتوں کو اس پر مطلع فرماتے ہیں سو وہ آپس میں باتیں کرتے ہیں اور شیاطین اس کو سن لیتے ہیں، پھر وہ کاہنوں کو اس کی خبر دیتے ہیں اور کاہن زمین والوں تک وہ باتیں پہنچاتے ہیں کہ زمین میں فلاں وقت ایسا ہوگا اور فلاں وقت ایسا ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ"۔ یعنی شیاطین کاہنوں کو جو خبر دیتے ہیں وہ خبریں اکثر جھوٹی ہوتی ہیں۔

اور بعض مفسرین نے کہا کہ جنات آسمان کی طرف چڑھتے تھے اور چوری چھپے وہاں باتیں سنتے تھے، پھر کاہنوں کو ان باتوں کی خبر دیتے تھے۔

اور بعض مفسرین نے کہا: جنات حق بات سنتے تھے لیکن اپنی طرف سے اس میں جھوٹ ملا دیتے تھے اور لوگوں کو وہ بیان کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ"۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور گمراہ لوگ شاعروں کی پیروی کرتے ہیں O" (الشعراء: ۲۲۴)

"وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ": بعض مفسرین نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دو شاعر تھے، ایک انصار میں سے تھا اور دوسرا کسی اور قوم میں سے تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی ہجو کی اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ان کی قوم کے گمراہ لوگ تھے، تب یہ آیت نازل ہوئی: "وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ"۔ نیز انہوں نے کہا کہ مسلمان شعراء نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ مشرکین سے بدلہ لیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت عطا فرما دی تو انہوں نے مشرکین کی ہجو کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کی، اور اس کی تصدیق اس آیت میں ہے: "اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ... (الشعراء: ۲۲۷)"۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ شعراء کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں، پھر شعراء مسلمین کو اس سے مستثنیٰ فرمایا۔

اور بعض مفسرین نے کہا: یہ شعراء نافرمان جن تھے جن کی پیروی گمراہ انسان کرتے تھے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ۔ (الانعام: ۱۱۲)" (اور اسی طرح ہم نے سرکشی کرنے والے انسانوں اور جنات کو ہر نبی کے لیے دشمن بنا دیا جو دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کی طرف ملمع کی ہوئی جھوٹی باتیں خفیہ طریقوں سے پہنچاتے ہیں، اور اگر آپ کے رب چاہتے تو وہ یہ کام نہ کرتے، سو آپ ان کو ان کی بہتان تراشیوں کے ساتھ چھوڑ دیں)۔

اور بعض مفسرین نے کہا: یہ کفار ہیں جو گمراہ جنات اور گمراہ انسانوں کی پیروی کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھر رہے ہیں O اور وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ خود نہیں کرتے O'' (الشعراء: ۲۲۵۔۲۲۶)

''اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ۙ وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ '': (کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھر رہے ہیں O اور وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ خود نہیں کرتے)۔

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اس طرح کے شعراء نہیں تھے، بلکہ وہ سجدہ کرنے والے تھے، راتوں کو اٹھ کر خوف خدا سے رونے والے تھے اور دنیا سے بے رغبتی کرنے والے تھے۔ یعنی شعراء کا حال یہ ہے کہ وہ مدح اور ہجو کی ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں، سو ان شعراء کے اکثر اقوال حقائق پر مبنی نہیں ہوتے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ سخاوت کی مدح کرتے ہیں اور اُس پر برانگیختہ کرتے ہیں اور خود سخاوت نہیں کرتے، اور وہ بخل کی مذمت کرتے ہیں اور جس سے ذرا سا بھی بخل ظاہر ہو، اُس کی ہجو کرتے ہیں۔

اس سے مراد شعراء کفار ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتے تھے۔ مقاتل نے اُن کے اسماء بھی ذکر کیے ہیں، پس کہا: اُن میں سے عبداللہ بن الزبعری السہمی، ہبیرہ بن ابی وہب المخزومی، شافع بن عبد مناف، ابوعزہ عمرو بن عبداللہ الجمحی اور امیہ بن ابی الصلت الثقفی، یہ جھوٹ بولتے تھے اور باطل باتیں کرتے تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی ہجو کرتے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ نے شعراء کفار کے یہ اوصاف بیان کیے تو اُن سے شعراء مسلمین کا استثناء فرمایا جو جاہلیت کے اشعار سے اجتناب کرتے تھے اور کفار کی ہجو کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی طرف سے مدافعت کرتے تھے، اُن میں سے حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہم ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سوا اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور انہوں نے اللہ کا کثرت کے ساتھ ذکر کیا اور انہوں نے ظلم سہنے کے بعد بدلہ لیا، اور عنقریب ظالم لوگ جان لیں گے کہ وہ کیسی بری جگہ پلٹ کر جائیں گے O'' (الشعراء: ۲۲۷)

''اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ '':

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے شعر کے متعلق وہ نازل فرمایا ہے جو نازل فرمایا تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی جہاد کرتا ہے اور اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! تمہارے اشعار سے اُن کو ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسی نیزوں سے تکلیف ہوتی ہے۔ (مسند احمد: ۲۶۶۳۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کرنے کے لیے مکہ میں داخل ہوئے اور حضرت عبداللہ بن رواحہ آپ کے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ شعر پڑھ رہے تھے:

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ　　الیوم نضربکم علی تنزیلہ

اے کفار کے بیٹو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چھوڑ دو، آج ہم قرآن مجید کی تنزیل سے تم پر ضرب لگائیں گے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے رواحہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اللہ کے حرم میں شعر پڑھ رہے ہو؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! انہیں چھوڑ دو، یہ شعر ان میں تیروں سے زیادہ تیزی کے ساتھ اثر کرتے ہیں۔ (سنن ترمذی: ٢٨٤٧)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قریظہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مشرکین کی ہجو کرو، پس بے شک جبریل بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ (صحیح البخاری: ٣١٢٣)

کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو گمراہوں کی پیروی نہیں کرتے، یا یہ اس آیت سے استثناء ہے: "اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۙ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ": (کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھر رہے ہیں O اور وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ خود نہیں کرتے)۔ کیونکہ یہ لوگ ہر وادی میں بھٹکتے نہیں پھرتے اور وہی بات کہتے ہیں جو وہ کرتے ہیں اور ایسی بات نہیں کرتے جس کو وہ نہ کرتے ہوں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وعید سنائی کہ "عنقریب ظالم لوگ جان لیں گے کہ وہ کیسی بری جگہ پلٹ کر جائیں گے"۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد آخرت ہو جب وہ دوزخ کی اندھیری آگ میں پلٹ کر جائیں گے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آخرت میں وہ مشاہدہ کرلیں گے کہ وہ کہاں پلٹ کر جا رہے ہیں۔

(تاویلات اہل السنۃ، ج ٨ ص ٨٣۔ ٩٣، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٦ھ، السراج المنیر ج ٥ ص ٥٢۔ ٦٣، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢٥ھ)

النمل ۲۷
وقال الذین ۱۹
النمل
(۲۷)
جلد چہارم
745
تبیان القرآن

اے کفار کے بیٹو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چھوڑ دو، آج ہم قرآن مجید کی تنزیل سے تم پر ضرب لگائیں گے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے رواحہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اللہ کے حرم میں شعر پڑھ رہے ہو؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! انہیں چھوڑ دو، یہ شعر ان میں تیروں سے زیادہ تیزی کے ساتھ اثر کرتے ہیں۔ (سنن ترمذی: ۲۸۴۷)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قریظہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مشرکین کی ہجو کرو، پس بے شک جبریل بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ (صحیح البخاری: ۴۱۲۴)

کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو گمراہوں کی پیروی نہیں کرتے، یا یہ اس آیت سے استثناء ہے: "اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ۙ وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ": (کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھر رہے ہیں O اور وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ خود نہیں کرتے)۔ کیونکہ یہ لوگ ہر وادی میں بھٹکتے نہیں پھرتے اور وہی بات کہتے ہیں جو وہ کرتے ہیں اور ایسی بات نہیں کرتے جس کو وہ نہ کرتے ہوں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وعید سنائی کہ "عنقریب ظالم لوگ جان لیں گے کہ وہ کیسی بری جگہ پلٹ کر جائیں گے"۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد آخرت ہو جب وہ دوزخ کی اندھیری آگ میں پلٹ کر جائیں گے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آخرت میں وہ مشاہدہ کر لیں گے کہ وہ کہاں پلٹ کر جا رہے ہیں۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۸ ص ۸۴-۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ، السراج المنیر ج ۵ ص ۵۲-۶۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

سورۃ النمل کا اجمالی تعارف

اس سورت کا نام سورۃ النمل ہے، عربی میں نمل چیونٹی کو کہتے ہیں، اس کے متعلق قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہے:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗۙ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۔۔(النمل:۱۸)" (یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی کے پاس آئے تو (اُن کی ملکہ) چیونٹی نے کہا: "اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں سلیمان اور اُن کے لشکر بے خبری میں تمہیں کچل نہ ڈالیں)۔

اسی مناسبت سے اس سورت کا نام سورۃ النمل رکھا گیا ہے۔

سورۃ النمل کی سورۃ الشعراء کے ساتھ مناسبت

(۱) سورۃ الشعراء میں بھی انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے، لیکن اُن میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ مذکور نہیں ہے، اس سورت میں اُن کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ۔۔(النمل:۱۶)" (اور سلیمان (نبوت، حکومت اور علم میں) داؤد کے وارث ہوئے اور انہوں نے فرمایا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی زبان سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز میں سے حصہ عطا فرمایا گیا ہے)۔

(۲) سورۃ الشعراء کی ابتداء میں یہ آیت تھی: "طٰسٓمّٓ ○ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ○ ۔۔(الشعراء:۱۔۲)"، اور سورۃ النمل کی ابتداء میں یہ آیت ہے: "طٰسٓ تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِیْنٍ ۔۔(النمل:۱)"۔ اور سورۃ الشعراء کے آخر میں قرآن مجید کے متعلق یہ آیت ہے: "وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَ مَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّیٰطِیْنُ ۔۔(الشعراء:۱۹۲،۲۱۰)"۔ اور سورۃ النمل کے آخر میں یہ آیت ہے: "وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۔۔(النمل:۹۲)"۔ سو ان دونوں سورتوں کے اول اور آخر میں قرآن مجید کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔

(۳) سورۃ الشعراء کی ابتداء بھی حروف مقطعات سے فرمائی گئی ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "طٰسٓمّٓ ۔۔(الشعراء:۱)"، اسی طرح سورۃ النمل کی ابتداء بھی حروف مقطعات سے فرمائی گئی ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "طٰسٓ ۔۔(النمل:۱)"۔

سورۃ النمل کے مقاصد

(۱) سورۃ النمل کی ابتداء میں مومنین کی صفات بیان فرمائی ہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَۙ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ○ ۔۔(النمل:۲۔۳)" (یہ (آیتیں) مومنین کے لیے ہدایت اور خوش خبری ہیں ○ جو نماز قائم رکھتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں ○)۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور توحید پر دلائل قائم فرمائے ہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءًۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآىٕقَ ذَاتَ بَهْجَةٍۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَاؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَؕ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَ جَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًاؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَؕ ۔۔(النمل:۶۰۔۶۱)"۔

آیاتہا ۹۳ — ۲۷ سُوْرَۃُ النَّمْلِ مَکِّیَّۃٌ ۴۸ — رکوعاتہا ۷

(سورۃ النمل مکی ہے اور اس میں ترانوے آیات اور سات رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں

طٰسٓ تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِیْنٍ ①

طٰسٓ یہ قرآن مجید اور واضح کتاب کی آیتیں ہیں O

هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ ②

یہ (آیتیں) مومنین کے لیے ہدایت اور خوش خبری ہیں O

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ③

جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں O

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَیَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ ④

بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ہم نے اُن کے کاموں کو اُن کے لیے خوش نما بنا دیا ہے، پس وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں O

اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَ هُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ⑤

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے بدترین عذاب ہے اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں O

وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ عَلِیْمٍ ⑥

اور بے شک آپ کو سب سے زیادہ حکمت والے، سب سے زیادہ علم والے کی طرف سے قرآن (مجید) عطا فرمایا جائے گا O

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ⑦

آپ بیان کیجئے: جب موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہا: بے شک میں نے آگ دیکھی ہے، عنقریب میں تمہارے پاس راستہ کی کوئی خبر لاؤں گا یا تمہارے پاس اُس آگ کا کوئی انگارہ لاؤں گا شاید تم اُس سے حرارت حاصل کرو O

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَاؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۸

پھر جب موسیٰ اُس آگ کے پاس پہنچے تو یہ ندا فرمائی گئی: جو اس آگ میں ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں اُن کو برکت عطا فرمائی گئی ہے، اور وہ سبحان ہیں جو تمام عالمین کے رب ہیں O

یٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُۙ ۝۹

اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ ہوں، جو سب پر غالب، سب سے زیادہ حکمت والے ہیں O

وَ اَلْقِ عَصَاكَؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ یُعَقِّبْؕ یٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ۫ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَۗ ۝۱۰

اور آپ اپنا عصا زمین پر ڈال دیں، پس جب موسیٰ نے اُس عصا کو سانپ کی طرح لہراتے ہوئے دیکھا تو وہ پیٹھ پھیر کر چل دیے اور مڑ کر نہ دیکھا، (اُن سے فرمایا گیا:) اے موسیٰ! مت ڈریں، بے شک رسول میری بارگاہ میں ڈرتے نہیں ہیں O

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۱

سوا اُن لوگوں کے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، پھر برے کام کرنے کے بعد اُن کو نیکی سے بدل ڈالا، سو بے شک میں بہت بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہوں O

وَ اَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ۫ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝۱۲

اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کریں تو وہ بغیر کسی عیب کے سفید نکلے گا، یہ اُن نو معجزوں میں سے ہے جو فرعون اور اُس کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں، بے شک وہ لوگ نافرمان ہیں O

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌۚ ۝۱۳

پھر جب فرعونیوں کے پاس ہمارے روشن معجزات پہنچے تو انہوں نے کہا: یہ کھلا ہوا جادو ہے O

وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّاؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ۠ ۝۱۴

ع ۱ ۱۶

اور انہوں نے اُن معجزات کا تکبر اور سرکشی سے انکار کیا حالانکہ اُن کے دلوں میں اُن معجزات پر یقین تھا سو آپ دیکھیں کہ ان فساد پھیلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''طٰسٓ یہ قرآنِ مجید اور روا ضح کتاب کی آیتیں ہیںO'' (النمل:١)

حروفِ مقطعات کے محامل

علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ٥١٦ھ، النمل: ١ تا ١٤ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''طٰسٓ تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِیْنٍ'': (طٰسٓ، یہ قرآنِ مجید اور واضح کتاب کی آیتیں ہیں)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''طٰسٓ'' اللہ عزوجل کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ اور حروفِ ہجاء کے متعلق مفصل بحث کی جاچکی ہے۔ یعنی یہ قرآنِ مجید کی آیات ہیں اور ''كِتَابٍ مُّبِیْنٍ'' کی آیات ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ (آیتیں) مومنین کے لیے ہدایت اور خوش خبری ہیںO'' (النمل:٢)

دنیا اور آخرت میں مومنین کی صفات

''هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ'': یعنی یہ کتاب گمراہی سے ہدایت ہے اور اُن مومنین کے لیے جو اس کی تصدیق کرتے ہیں، اُن کے لیے جنت کی خوشخبری ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیںO'' (النمل:٣)

''الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ'': یعنی جو نماز کو اُس کے ارکان اور اُس کی شرائط کے ساتھ ادا کرتے ہیں، اور اُن کے مالوں پر جو زکوٰۃ واجب ہے اُس کو ادا کرتے ہیں، اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ہم نے اُن کے کاموں کو اُن کے لیے خوش نما بنادیا ہے، پس وہ بھٹکتے پھر رہے ہیںO'' (النمل:٤)

''اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَیَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ'': اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ہم نے اُن کے برے اعمال کو اُن کے نزدیک اس طرح خوش نما بنادیا ہے کہ وہ اپنے برے اعمال کو نیک اعمال گمان کرتے ہیں اور وہ حیران ہو کر اُس میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے بدترین عذاب ہے اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیںO'' (النمل:٥)

''اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَ هُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ'': یعنی دنیا میں اُن کے لیے شدید عذاب ہے، اُن کو قتل کیا جائے گا یا قید کیا جائے گا جیسا کہ غزوۂ بدر میں ہوا۔ اور آخرت میں اُن کو سب سے زیادہ نقصان ہوگا کیونکہ انہوں نے اپنی

جانوں کو بھی نقصان میں ڈالا اور اپنے گھر والوں کو بھی حتیٰ کہ وہ سب دوزخ میں پہنچ گئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک آپ کو سب سے زیادہ حکمت والے، سب سے زیادہ علم والے کی طرف سے قرآن (مجید) عطا فرمایا جائے گاO'' (النمل:۶)

''وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ عَلِیْمٍ'': اور بے شک سب سے زیادہ حکمت والے اور سب سے زیادہ علم والے کی طرف سے آپ پر قرآن مجید کی وحی فرمائی جائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ بیان کیجئے: جب موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہا: بے شک میں نے آگ دیکھی ہے، عنقریب میں تمہارے پاس راستہ کی کوئی خبر لاؤں گا یا تمہارے پاس اُس آگ کا کوئی انگارہ لاؤں گا شاید تم اُس سے حرارت حاصل کروO'' (النمل:۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ

''اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ'': اور اے رسول اکرم یاد کیجئے! جب موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہا، جب وہ مدین سے مصر کی طرف جا رہے تھے کہ میں نے آگ دیکھی ہے، تم یہیں ٹھہرو، میں عنقریب تمہارے پاس راستہ کی خبر لاؤں گا یا آگ کی خبر لاؤں گا اور وہ راستہ بھول چکے تھے۔ اور میں تمہارے پاس آگ کا کوئی حصہ لے کر آؤں گا، القبس کا معنی ہے: آگ کا ٹکڑا، شاید کہ تم اس سے حرارت حاصل کرو، کیونکہ وہ سخت سردی کا موسم تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب موسیٰ اُس آگ کے پاس پہنچے تو یہ ندا فرمائی گئی: جو اس آگ میں ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں اُن کو برکت عطا فرمائی گئی ہے، اور وہ سبحان ہیں جو تمام عالمین کے رب ہیںO'' (النمل:۸)

''فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'': اور جو اُس آگ میں تھے، انہیں برکت دی گئی تھی۔ اور عرب کہتے ہیں: بارك الله وبارك عليه۔ اِن دونوں کا ایک معنی ہے۔

بعض مفسرین نے کہا: یہ برکت حضرت موسیٰ اور ملائکہ کی طرف راجع ہے۔ اس کا معنی ہے: جو آگ کی طلب میں ہیں، انہیں برکت دی گئی ہے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، اور جو اُن کے گرد فرشتے تھے۔ اس آیت کا معنی ہے: اے موسیٰ! آپ میں برکت ڈالی گئی ہے اور اُن فرشتوں میں جو آگ کے گرد ہیں۔ اور یہ اللہ عزوجل کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تحیت اور سلام ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر فرشتوں کی زبان سے سلام تحیت پیش کی جب فرشتے اُن کے پاس آئے، پس انہوں نے کہا: رحمة الله وبركاته عليكم اهل البيت۔ اور اکثر مفسرین کا مذہب یہ ہے کہ اس آیت میں نار سے مراد نور ہے۔ اور اس کا ذکر لفظ نار کے ساتھ فرمایا گیا ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو آگ گمان کیا تھا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نور کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تھا، اُس میں فرشتے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس کر رہے تھے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت ابی بن کعب سے اس آیت کو اس طرح سنا ان بورکت النار ومن حولها۔ یعنی جو آگ میں تھے اور اُس کے اردگرد تھے اُن سب میں برکت ڈالی گئی ہے۔ اور اس کا معنی ہے: جو نار میں تھے اور جو اس کے اردگرد تھے اُن میں برکت ڈالی گئی ہے اور وہ فرشتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے۔ اور اس آیت میں آگ کو مبارک فرمایا ہے جیسے البقعة کو مبارک فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ" (القصص: ۳۰) "(پھر جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو میدان کے دائیں کنارے سے برکت والے مقام میں ایک درخت سے پکارا گیا: اے موسیٰ! میں ہی اللہ ہوں تمام جہانوں کا پالنے والا)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر اور حسن بصری سے بورك فی النار کی تفسیر میں یہ روایت ہے: یعنی جو نار میں تھے اُن کی تقدیس فرمائی گئی اور وہ خود اللہ عزوجل ہیں۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا فرمائی اور اپنا کلام اُن کو سنایا۔

جیسا کہ روایت ہے کہ تورات میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اللہ سیناء سے آیا اور ساعیر اور فاران کے پہاڑوں سے بلند ہوا، پس اللہ عزوجل کا سیناء سے آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہاں سے بھیجنا ہے، اور ساعیر سے حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت ہوئی تھی اور فاران کے پہاڑوں سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی، اور فاران سے مراد مکہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ بعینہٖ نار تھی اور "نار" اللہ تعالیٰ کے حجابات میں سے ایک حجاب ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ سوتے نہیں ہیں اور نہ سونا اُن کے مناسب ہے، وہ میزان کو جھکاتے ہیں اور بلند فرماتے ہیں، اُن کا حجاب نور ہے، اگر وہ اس نور کو منکشف فرمائیں تو اُن کے چہرہ (مبارک) کی تجلیات ہر چیز کو جلا دیں گی۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۹۶، مسند احمد: ۱۹۵۸۷، المنتخب من مسند عبد بن حمید: ۵۴۱، مسند الرویانی: ۵۸۴، کتاب الشریعہ للآجری: ۶۵۹، الایمان لابن مندہ: ۷۷۵، شرح اصول اعتقاد اہل السنہ والجماعہ: ۶۹۶، الاسماء والصفات للبیہقی: ۳۹۱، شرح السنہ للبغوی: ج ۱ ص ۱۷۳، السند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ۱ ص ۹۵)

پھر اللہ عزوجل نے اپنی ذات کی ہر برائی اور عیب سے تنزیہ بیان فرمائی، پس اللہ عزوجل نے فرمایا: "وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنی صفات بیان فرمائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ ہوں، جو سب پر غالب، سب سے زیادہ حکمت والے ہیں O" (النمل:۹)

"یٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ": یعنی اے موسیٰ! میں ہی عبادت کا مستحق ہوں، پھر اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قدرت کی نشانی دکھائی، پس فرمایا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ اپنا عصا زمین پر ڈال دیں، پس جب موسیٰ نے اُس عصا کو سانپ کی طرح لہراتے ہوئے دیکھا تو وہ پیٹھ پھیر کر چل دیے اور مڑ کر نہ دیکھا، (اُن سے فرمایا گیا:) اے موسیٰ! مت ڈریں، بے شک رسول میری بارگاہ میں ڈرتے نہیں ہیں O'' (النمل: ۱۰)

''وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ'': یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس عصا کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا جیسا کہ وہ چھوٹا سا سانپ ہو اور بہت زیادہ مضطرب ہو، تو وہ خوف سے پیٹھ پھیر کر چل دیے اور واپس نہ مڑے۔ تب اللہ عزوجل نے فرمایا: اے موسیٰ! آپ مت ڈریے، بے شک میرے پاس رسول ڈرا نہیں کرتے، یعنی جب میں اُن کو امن عطا فرما دوں تو وہ نہیں ڈرتے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کیا، پھر اس کام میں آپ نے رخصت دی، تو بعض لوگوں نے اس کام کو نہ کرنا اچھا سمجھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی، سو آپ نے خطبہ دیا، پس اللہ تعالیٰ کی حمد کی، پھر آپ نے فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اس کام سے پرہیز کرتے ہیں جس کام کو میں کرتا ہوں، پس اللہ کی قسم! بے شک میں ان سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں اور ان سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ (صحیح بخاری: ۶۱۰۱، ۷۳۰۱، صحیح مسلم: ۲۳۵۶، مسند احمد: ۲۴۶۶۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سوا اُن لوگوں کے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، پھر برے کام کرنے کے بعد اُن کو نیکی سے بدل ڈالا، سو بے شک میں بہت بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہوں O'' (النمل: ۱۱)

''اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'': اس آیت میں جو استثناء ہے، اُس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے جب انہوں نے ایک قبطی کو قتل کر دیا تھا اور اُس کو قتل کرنے سے خوف زدہ ہوئے، پھر انہوں نے توبہ کی، پس انہوں نے کہا: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، سو آپ میری مغفرت فرمائیں تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی مغفرت فرما دی۔

ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: میں نے تم کو ایک جان کے قتل کرنے سے ڈرایا تھا، اور انہوں نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو نہیں ڈراتے مگر اُس (ظاہری) گناہ کی وجہ سے جو اُن میں سے کسی سے ہو جائے۔ پس اگر اُن سے (ظاہری) گناہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اُن کو ڈراتے ہیں حتیٰ کہ وہ توبہ کر لیں۔

پچھلے گناہوں کو چھوڑ کر آئندہ زندگی میں توبہ کرنے والوں کے لیے نوید

اور بعض علماء نے کہا: یہ رسولوں سے استثناء نہیں ہے، کیونکہ رسولوں پر ظلم کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ اُس سے استثناء ہے جس کو کلام میں ترک کر دیا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ عام لوگوں میں سے جو لوگ ظلم کر لیں پھر وہ اللہ سے ڈریں اور توبہ کریں اور برے کام کرنے کے بعد نیک کام کریں تو اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے اور مہربانی فرمانے والے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اُس کی مغفرت فرما دیتے ہیں اور اُس سے خوف کو زائل فرما دیتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کریں تو وہ بغیر کسی عیب کے سفید نکلے گا، یہ اُن نو معجزوں میں سے ہے جو فرعون اور اُس کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں، بے شک وہ لوگ نافرمان ہیں O'' (النمل: ۱۲)

''وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ'': جیب سے مراد قمیص کا گریبان ہے۔ مفسرین نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام اون کا لباس پہنے ہوئے تھے جس میں نہ آستین تھی اور نہ چادر تھی، انہوں نے اپنا ہاتھ اپنی گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ بجلی کی طرح چمک رہا تھا۔ یعنی وہ بغیر کسی عیب مثلاً برص کے چمک رہا تھا۔ یہ اُن نو آیات (نشانیوں) میں سے ہے جن کے متعلق فرمایا: یہ نو آیات میں سے ایک آیت (نشانی) ہے۔ اور آپ فرعون اور اُس کی قوم کی طرف رسولوں میں سے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب فرعونیوں کے پاس ہمارے روشن معجزات پہنچے تو انہوں نے کہا: یہ کھلا ہوا جادو ہے O'' (النمل: ۱۳)

''فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ'': پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے پاس وہ واضح نشانی لے کر گئے تو انہوں نے کہا: یہ کھلا ہوا جادو ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور انہوں نے اُن معجزات کا تکبر اور سرکشی سے انکار کیا حالانکہ اُن کے دلوں میں اُن معجزات پر یقین تھا، سو آپ دیکھیں کہ اِن فساد پھیلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟ O'' (النمل: ۱۴)

''وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّاؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ'': اور انہوں نے ان نشانیوں کا انکار کیا اور یہ اقرار نہیں کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانیاں ہیں، حالانکہ اُن کے دل جانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانیاں ہیں، اُن کا یہ انکار ظلم اور تکبر کی وجہ سے تھا، اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے تکبر کرتے تھے۔ پس آپ دیکھیں کہ اِن فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

(معالم التنزیل، ج ۳ ص ۳۸۹۔ ۳۹۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًاۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾

اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو (عظیم) علم عطا فرمایا، انہوں نے کہا: تمام تعریفوں کے مستحق اللہ عزوجل ہیں جنہوں نے ہمیں اپنے بہت سے مؤمن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی O

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ

شَیْءٍ ؕ اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾

اور سلیمان (نبوت اور علم میں) داؤد کے وارث ہوئے اور انہوں نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز میں سے حصہ عطا فرمایا گیا ہے، بے شک یہ ہی کا واضح فضل ہے O

وَ حُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُہٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّیْرِ فَھُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور سلیمان کے لیے جنات، انسانوں اور پرندوں میں سے لشکر کو جمع کیا جاتا اور اُن کو منضبط رکھا جاتا تھا O

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَۃٌ یّٰۤاَیُّھَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰکِنَکُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُہٗ ۙ وَ ھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾

حتیٰ کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی کے پاس پہنچے تو (اُن کی ملکہ) چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہیں سلیمان اور اُن کے لشکر تمہیں بے خبری میں کچل نہ ڈالیں O

فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًا مِّنْ قَوْلِھَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾

پس سلیمان اُس کی بات سن کر مسکراتے ہوئے ہنسنے لگے اور دعا کی: اے میرے رب! آپ نے مجھے اور میرے والدین کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، مجھے توفیق عطا فرمائیں کہ میں ان نعمتوں پر آپ کا شکر ادا کروں اور میں ایسے نیک کام کرتا رہوں جن سے آپ راضی ہوں اور آپ اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما دیں O

وَ تَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَا لِیَ لَاۤ اَرَی الْھُدْھُدَ ۫ۖ اَمْ کَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ ﴿۲۰﴾

اور سلیمان نے ایک پرندے کو گم پایا تو کہا: کیا وجہ ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا، یا واقعی وہ غیر حاضروں میں سے ہے O

لَاُعَذِّبَنَّہٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّہٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۱﴾

میں اُس کو ضرور سخت سزا دوں گا یا میں اُس کو ضرور ذبح کر دوں گا سوا اس کے کہ وہ میرے پاس معقول عذر پیش کرے O

فَمَکَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِہٖ وَ جِئْتُکَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ﴿۲۲﴾

پس ہدہد نے تھوڑی دیر بعد حاضر ہو کر کہا: میں وہ کچھ دیکھ آیا ہوں جو آپ نے نہیں دیکھا اور میں آپ کے پاس شہر سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں O

إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾

میں نے ایک ایسی عورت (بلقیس) دیکھی جو لوگوں پر حکومت کر رہی ہے اور اُسے ہر چیز عطا فرمائی گئی ہے اور اُس کا بہت بڑا تخت ہے O

وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿۲۴﴾

میں نے اُس کو اور اُس کی قوم کو اللہ کے بجائے سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا ہے اور شیطان نے اُن کے کاموں کو اُن کی نظر میں خوشنما بنا دیا ہے اور انہیں سیدھے راستہ سے ہٹا دیا ہے، پس وہ ہدایت نہیں پا رہے O

أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿۲۵﴾

تاکہ وہ اللہ کے لیے سجدہ نہ کریں جو آسمانوں اور زمینوں کی چھپی ہوئی چیزوں کو باہر لے آتے ہیں، اور وہ ہر اُس چیز کو جانتے ہیں جس کو تم چھپاتے ہو اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو O

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۲۶﴾ السجدۃ

اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہی عرش عظیم کے مالک ہیں O

قَالَ سَنَنظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۲۷﴾

سلیمان نے کہا: ہم عنقریب تحقیق کریں گے، آیا تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹ بولنے والوں میں سے ہو؟ O

اذْهَب بِّكِتَابِي هَٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ﴿۲۸﴾

میرا یہ مکتوب لے جاؤ اور اُن لوگوں کی طرف پہنچاؤ، پھر وہاں سے پلٹ آؤ اور دیکھو وہ کیا جواب دیتے ہیں O

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ ﴿۲۹﴾

ملکۂ سبا نے کہا: اے میرے درباریو! بے شک میری طرف ایک معزز مکتوب پہنچایا گیا ہے O

إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿۳۰﴾

بے شک وہ مکتوب سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک وہ اللہ، الرحمٰن الرحیم کے نام سے شروع ہے O

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

(اس مکتوب میں یہ لکھا ہے) کہ تم میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور تم سب میرے پاس اطاعت گزار ہو کر آ جاؤ O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو (عظیم) علم عطا فرمایا، انہوں نے کہا: تمام تعریفوں کے مستحق اللہ عزوجل ہیں جنہوں نے ہمیں اپنے بہت سے مؤمن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی O'' (النمل: ۱۵)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ

القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ ھ، النمل: ۱۵ تا ۳۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ایسے قصوں سے ابتداء فرمائی جن میں غیب کی خبریں ہیں اور عبرت کی نشانیاں ہیں، پس فرمایا: ''وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا'' یعنی ہم نے داؤد اور سلیمان کو القضاء یعنی فیصلہ کرنے کا علم سکھایا اور پرندوں اور چوپایوں کی بولی سکھائی اور پہاڑوں کی تسبیح سکھائی۔ ''وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا''، اُن دونوں نے کہا: اللہ عزوجل کی اس نعمت پر ہم اُن کی حمد کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے لیے جنات، انسانوں اور شیاطین کو مسخر فرمادیا۔ ''عَلٰى كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ''۔ اور اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر ہم کو فضیلت عطا فرمائی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور سلیمان (نبوت اور علم میں) داؤد کے وارث ہوئے اور انہوں نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز میں سے حصہ عطا فرمایا گیا ہے، بے شک یہ اُنہی کا واضح فضل ہے O'' (النمل: ۱۶)

''وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ'': اور سلیمان نبوت اور حکومت میں داؤد کے وارث ہوئے نہ کہ اُن کی باقی اولاد میں۔ اور اُن کی نو (۹) اولادیں تھیں۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد کی وفات کے بعد اُن کے وارث ہوئے۔ اور اس آیت میں وراثت کا اطلاق مجازاً ہے، جیسے اس حدیث میں ہے: ''العلماء ورثة الانبیاء''۔ (علماء انبیاء کے وارث ہیں)۔ اور وراثت حقیقت میں مال میں ہوتی ہے اور انبیاء کسی کو مال کا وارث نہیں بناتے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ اور حضرت العباس علیہما السلام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کو طلب کرتے تھے اور وہ دونوں اس وقت فدک کی زمینوں کو اور خیبر میں جو ان کا حصہ تھا اس کو طلب کرتے تھے۔ پس ان دونوں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: کہ ہم وارث نہیں بنائے جاتے ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے، آلِ محمد صرف اس مال سے کھائے گی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ایسے کسی کام کو نہیں چھوڑوں گا جس کام کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا مگر میں اس کام کو کروں گا، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا اور ان سے بات نہیں کی حتیٰ کہ ان کی وفات ہو گئی۔ (صحیح البخاری: ۵۰۳۵، ۳۰۹۳، ۳۰

۳۴۷۱، ۳۰۳۶، ۳۲۲۱، ۳۴۴۲، ۶۷۲۶، صحیح مسلم: ۱۷۵۹، مسند احمد: ۵۶، ۵۹)

میں کہتا ہوں: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اُن سے ملنے کے لیے گئے اور اُن کو راضی کر لیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولیوں کا علم عطا فرمایا جانا

پس حضرت سلیمان علیہ السلام کو وہ مُلک عطا فرمایا گیا جو حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا تھا۔ اور اُن کے لیے جنات اور ہواؤں کی تسخیر میں اضافہ فرمایا گیا۔ اور اُن کو پرندوں کی بولی سکھائی گئی، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کیا اور کہا: "وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ" "اے لوگو! ہم کو پرندوں کی آوازوں کی سمجھ عطا فرمائی گئی ہے۔ اور منطق سے مراد کلام ہے۔ اور فاختہ نے کہا: کاش کہ مخلوق کو نہ پیدا کیا جاتا، اور مور نے کہا: تم جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، اور ہدہد نے کہا: ہر زندہ مرنے والا ہے اور ہر نئی چیز پرانی ہونے والی ہے، اور چمگادڑ نے کہا: نیکی کرو تو آخرت میں پالو گے، اور کبوتر نے کہا: سبحان ربی الاعلیٰ، اور طوطے نے کہا: جو دنیا کی فکر کرتا ہے اُس کے لیے ہلاکت ہو، اور قبر (ایک چڑیا کا نام) نے کہا: اے اللہ! محمد اور آلِ محمد سے بغض رکھنے والے پر لعنت فرمایا۔ گدھ نے کہا: اے ابن آدم! جب تک تم چاہو زندہ رہو، آخر موت ہے۔ عقاب نے کہا: لوگوں سے دور رہنے میں اُنس ہے۔ گدھے نے کہا: اے اللہ! ٹیکس وصول کرنے والے پر لعنت فرما۔ اور گھوڑے نے کہا: سبوح قدوس ربنا ورب الملائکۃ والروح۔ اور زرزور (چڑیا سے بڑا ایک پرندہ، بعض بالکل کالا ہوتا ہے اور بعض چتکبرا ہوتا ہے) نے کہا: اے اللہ! میں آپ سے ایک دن کی روزی کا سوال کرتا ہوں، اے رزاق!۔

(تفسیر بغوی: ج ۳ ص ۳۸۷-۳۸۸، تفسیر الثعلبی، ج ۷ ص ۱۹۴، کشف الخفاء للعجلونی ج ۲ ص ۱۸۳، یہ تمام روایات کعب الاحبار سے مروی ہیں)

"وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ": یعنی ہم کو وہ تمام چیزیں عطا فرمائی گئی ہیں جو چیزیں انبیاء علیہم السلام اور بادشاہوں کو دنیا اور آخرت کی ضروریات میں سے عطا فرمائی جاتی ہیں۔ "اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ": یعنی دوسروں کو جو نعمتیں عطا فرمائی گئی ہیں، اُن سے زائد جو نعمتیں ہمیں عطا فرمائی گئی ہیں، وہ اللہ عزوجل کا ظاہر فضل ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور سلیمان کے لیے جنات، انسانوں اور پرندوں میں سے لشکر کو جمع کیا جاتا اور اُن کو منضبط رکھا جاتا تھا ○" (النمل: ۱۷)

"وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ": اس آیت میں "يُوْزَعُوْنَ" کا لفظ ہے، یعنی اُس لشکر کو روکا جاتا ہے، پھر روانہ کیا جاتا ہے۔ الوزع کا لغوی معنی ہے: الکف، یعنی روکنا۔ "الوزاع" گرفتار کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر سو فرسخ در سو فرسخ تھا۔ پچیس انسانوں کے لیے تھے، پچیس جنات کے لیے تھے اور پچیس وحشی جانوروں کے لیے تھے اور پچیس پرندوں کے لیے تھے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام تیز ہوا کو حکم دیتے تو وہ اُن کو اٹھا کر لے جاتی، اور وہ ہوا کو آہستہ چلنے کا حکم فرماتے تو وہ آہستہ چلتی۔ پس جس وقت وہ آسمان اور زمین کے درمیان تھے تو اللہ عزوجل نے اُن کی طرف وحی فرمائی: بے شک میں نے تمہارے مُلک میں اضافہ فرما دیا ہے اور مخلوق میں سے کوئی بھی کوئی بات نہیں کرے گا مگر ہوا آپ کو اُس

کی خبر لا کر دے گی۔ پس جس وقت کہ حضرت سلیمان ہوا کے دوش پر جا رہے تھے تو انہوں نے اور اُن کے لشکر نے کھیتی باڑی کرنے والے کو دیکھا، اُس نے کہا: بے شک آلِ داؤد کو ملک عظیم عطا فرمایا گیا ہے، پس حضرت سلیمان علیہ السلام اُس کے پاس تشریف لے گئے اور کہا: میں اس لیے تمہارے پاس آیا ہوں تا کہ تم اُس چیز کی تمنا نہ کرو جس پر تم قادر نہیں ہو، پھر کہا: اللہ کی قسم! ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنا جس کو اللہ عزوجل قبول فرما لیں اُس سے بہتر ہے جو آلِ داؤد کو عطا فرمایا گیا ہے۔

(تفسیر الطبری ج ۱۹ ص ۴۳۷، المستدرک للحاکم: ۱۴۱۳، تفسیر بغوی ج ۳ ص ۳۸۹۔۳۹۰، تفسیر القرطبی ج ۱۳ ص ۱۷۶)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''حتیٰ کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی کے پاس پہنچے تو (اُن کی ملکہ) چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہیں سلیمان اور اُن کے لشکر تمہیں بے خبری میں کچل نہ ڈالیں O''

(النمل: ۱۸)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا چیونٹیوں کی بات سننا

''حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ'': (حتیٰ کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی کے پاس پہنچے)۔

روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اصطخر سے یمن کی طرف روانہ ہوئے حتیٰ کہ چیونٹیوں کی وادی کے پاس سے گزرے، اور یہ وادی طائف میں ہے، دوسرا قول ہے کہ یہ وادی شام میں ہے جہاں چیونٹیاں بہت زیادہ ہیں، اور مشہور ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں تھیں۔ ''قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ'' تو ایک چیونٹی نے کہا جو اُن چیونٹیوں کی ملکہ تھی، جب اُس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر دیکھا تو کہا: اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔

''لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ'': کہیں تم کو سلیمان اور اُن کا لشکر بے خبری میں روند نہ ڈالے، اور اُن کو تمہارے ہلاک ہونے کا شعور نہ ہو۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل کے فاصلے سے چیونٹی کی آواز سن لی۔ ایک قول ہے کہ اُس چیونٹی کا نام طاخیہ تھا۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کوفہ میں گئے تو لوگ اُن کے گرد جمع ہو گئے، انہوں نے کہا: تم مجھ سے سوال کرو جو چاہو۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بھی اُس مجلس میں حاضر تھے اور اُس وقت وہ نو عمر تھے، تو انہوں نے کہا: قتادہ سے سوال کرو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وہ چیونٹی مذکر تھی یا مؤنث، سو لوگوں نے اُن سے سوال کیا: وہ ساکت ہو گئے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ وہ مؤنث تھی، اُن سے پوچھا گیا: آپ نے کہاں سے جانا، انہوں نے کہا: اللہ کی کتاب سے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قَالَتْ نَمْلَةٌ''۔ اور اگر وہ مذکر ہوتی تو اللہ تعالیٰ فرماتے: قال نملة۔ کیونکہ النملة، الحمامة اور الشاة کی طرح ہے کہ اُس کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے۔ پس اُن دونوں کے درمیان کسی علامت کے ساتھ تمیز دی جاتی ہے۔ عرب کہتے ہیں: حمامة، خواہ مذکر ہو یا مؤنث، اور اس میں ھُوَ اور ھِیَ کے ساتھ تمیز دی جاتی ہے۔ (الکشاف للزمخشری ج ۳ ص ۳۶۱، تفسیر الرازی ج ۲۴ ص ۱۹۱)

روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹیوں کی سردار سے کہا: تم نے یہ کیوں کہا کہ اپنے بلوں میں گھس جاؤ؟ کیا تم کو میری طرف سے ظلم کا اندیشہ تھا؟ اس نے کہا: نہیں! لیکن مجھے یہ خوف ہوا کہ آپ کے لشکر والے آپ کے عظیم ملک کو دیکھ کر فتنہ میں پڑ

جائیں گے اور وہ اللہ عزوجل کی عبادت سے غافل ہو جائیں گے۔(تفسیر القرطبی ج ١٣ ص ١٧١)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:" پس سلیمان اُس کی بات سُن کر مسکراتے ہوئے ہنسنے لگے اور دعا کی: اے میرے رب! آپ نے مجھے اور میرے والدین کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، مجھے توفیق عطا فرمائیں کہ میں ان نعمتوں پر آپ کا شکر ادا کروں اور میں ایسے نیک کام کرتا رہوں جن سے آپ راضی ہوں اور آپ اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما دیں O "(النمل:١٩)

"فتبسم ضاحکا من قولھا" تبسم ابتدائی ہنسی کو کہتے ہیں جس میں آواز نہ ہو، حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹیوں کی احتیاط کی وجہ سے مسکرائے۔"وقال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضه وادخلنی برحمتک فی عبادک الصلحین":اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی: اے میرے رب! آپ نے مجھے اور میرے والدین کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، مجھے توفیق عطا فرمائیں کہ میں ان نعمتوں پر آپ کا شکر ادا کروں اور میں ایسے نیک کام کرتا رہوں جن سے آپ راضی ہوں اور آپ اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما دیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ کے نیک بندوں سے مراد ہے کہ مجھے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور بعد کے نبیوں کے ساتھ ملا دیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:" اور سلیمان نے ایک پرندے کو گم پایا تو کہا: کیا وجہ ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا یا واقعی وہ غیر حاضروں میں سے ہے O "(النمل:٢٠)

ہدہد پر حضرت سلیمان علیہ السلام کا عتاب

"وتفقد الطیر فقال مالی لا اری الھدھد ام کان من الغآئبین":

روایت ہے کہ ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کو پانی کی خبر دیتا تھا اور وہ جانتا تھا کہ پانی کہاں ہے، اور وہ اُس پانی کو زمین کے نیچے سے بھی شیشہ کی طرح دیکھ لیتا تھا اور اُس کے قُرب اور بُعد کو جانتا تھا، پس وہ زمین کو کُرید تا تو جنات آتے اور اُس جگہ کھدائی کر کے پانی نکال لیتے، پس حضرت سلیمان علیہ السلام ایک جگہ پہنچے، اُن کو وہاں نماز کے وقت پانی کی ضرورت تھی تو اُنہوں نے ہدہد کو طلب فرمایا تو اُس کو نہ پایا تو اُنہوں نے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:" میں اُس کو ضرور سخت سزا دوں گا یا میں اُس کو ضرور ذبح کر دوں گا سوا اس کے کہ وہ میرے پاس معقول عذر پیش کرے O "(النمل:٢١)

"لاعذبنه عذابا شدیدا اولا اذبحنه اولیاتینی بسلطن مبین": یعنی اگر اس کی غیر حاضری متحقق ہو گئی تو میں اُس کو سخت عذاب دوں گا، اُس کے پَر اور اُس کی دُم نوچ لوں گا اور اُس کو دھوپ میں پھینک دوں گا۔ یا اُس کا گلا کاٹ دوں گا سوا اس کے کہ وہ آکر اپنا کوئی واضح عذر پیش کرے۔

ہدہد کے غائب ہونے کا سبب یہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حج کرنے کے لیے

روانہ ہوگئے اور طویل مدت تک حرم میں قیام کیا اور ہر روز ایک ہزار اونٹوں کو قربان کرتے اور پانچ ہزار اونٹنیوں کو قربان کرتے، اور پانچ ہزار گائیوں کی قربانی کرتے اور بیس ہزار بکریوں کی قربانی کرتے، اور جب اُن کے پاس اُن کی قوم کے سردار آئے تو انہوں نے کہا: یہ وہ مقام ہے جہاں سے نبی عربی کا ظہور ہوگا اور اُس کی ایسی ایسی صفت ہوگی، اور اُن کی ہیبت ایک ماہ کی مسافت سے طاری ہوگی، اُن کے نزدیک حق بیان کرنے میں قریب اور بعید برابر ہوں گے اور حق گوئی میں انہیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں ہوگا، وہ دینِ حنیفیہ پر عمل کریں گے، اُس کو مبارک ہو جو اُن کو پائے اور اُن پر ایمان لے آئے، پھر وہ مکہ سے صنعاء ، الیمن کی طرف جانے کا ارادہ کر کے نکلے تو انہوں نے ایک اچھی جگہ دیکھی، وہاں اتر گئے تا کہ وہاں غذا حاصل کریں اور ظہر کی نماز پڑھیں، اور ہد ہد پانی کا نشان بتاتا تھا، اور اس کا نام یعفور تھا۔ پھر اس نے اوپر جانے کا قصد کیا تا کہ آسمان کے طول اور عرض پر مطلع ہو، پس وہ بلندی پر گیا تو بلقیس کے باغ کو دیکھا تو اُس کے سبزہ کی طرف مائل ہوا، وہاں ایک اور ہد ہد تھا جس کا نام عنفیر تھا، پس یمن کے عنفیر نے حضرت سلیمان کے یعفور سے کہا: تم کہاں سے آئے ہو؟ اُس نے کہا: شام سے، اور میرے ساتھ میرے صاحب سلیمان ہیں جو جنات، انسانوں، پرندوں، وحشیوں اور ہواؤں کے بادشاہ ہیں۔ پھر اُس سے پوچھا: تم کہاں سے ہو؟ اُس نے کہا: میں ان شہروں سے ہوں جن کی ملکہ بلقیس ہے، اور میرا یہ گمان نہیں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملک بلقیس کے ملک سے بڑا ہوگا، پس کیا تم میرے ساتھ چلو گے اور بلقیس کا ملک دیکھو گے تو ہد ہد نے کہا: مجھے خطرہ ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو نماز کے وقت پانی کی ضرورت ہوگی اور وہ مجھے نہیں پائیں گے تو ناراض ہوں گے۔ تو دوسرے ہد ہد نے کہا: تمہارے صاحب کو یہ بات خوش کرے گی کہ تم اُن کے پاس اس ملک کی خبر پہنچاؤ۔ پس وہ اُن کے ساتھ گیا اور اُن کے ملک کو دیکھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس ہد ہد نے تھوڑی دیر بعد حاضر ہو کر کہا: میں وہ کچھ دیکھ آیا ہوں جو آپ نے نہیں دیکھا اور میں آپ کے پاس شہرِ سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں O'' (النمل: ۲۲)

''فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۢ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ'':

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہد ہد نے جب اپنی غیر حاضری میں تھوڑی سی تاخیر کر دی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے گدھ سے ہد ہد کے متعلق سوال کیا۔ اُس نے کہا: اللہ آپ کے ملک کو سلامت رکھیں، میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے اور نہ یہ جانتا ہوں کہ آپ نے اُسے کہاں بھیجا ہے۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام ناراض ہوئے اور پرندوں کے سردار العقاب سے کہا: اُس کو میرے پاس لے آؤ، پس وہ ہوا میں بلند ہوا تو اُس نے ہد ہد کو یمن سے آتے ہوئے دیکھا اور اُس سے کہا: تمہارے لیے ہلاکت ہو، اللہ کے نبی نے قسم کھائی ہے کہ وہ تم کو ضرور ذبح کر دیں گے الا یہ کہ تم کوئی دلیل بیان کرو، پھر تم نجات پا جاؤ گے، پس العقاب، الہد ہد کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لے کر حاضر ہوا، جب ہد ہد قریب پہنچا تو اُس نے اپنا سر بلند کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی تواضع کے لیے اپنی دم اور پر پھیلائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس کو سختی سے پکڑا اور دھمکایا تو اُس نے کہا: اے اللہ کے نبی! آپ یاد کیجئے جب آپ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے، تو حضرت سلیمان علیہ السلام خوف سے لرزنے لگے اور اُس کو معاف فرما دیا۔ پھر اُس سے سوال فرمایا کہ تم نے اپنی غیر حاضری کے دوران کیا دیکھا تھا۔

''فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ'': یعنی مجھے اُس چیز کا علم ہو گیا جس کا آپ کو علم نہیں ہے اور میں وہاں تک پہنچا جہاں تک نہ

آپ پہنچے ہیں اور نہ آپ کا لشکر پہنچا ہے۔ اس آیت میں ''اَحَطْتُّ'' کا لفظ ہے اور یہ احاطہ سے ماخوذ ہے، اور احاطہ کا معنی ہے: کسی چیز کا جمیع جہات سے علم۔ ''وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ'': ہدہد نے کہا: میں آپ کے پاس شہر سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں۔

سبا یمن کی سرزمین کا نام ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سبا کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: ایک مرد کے دس بیٹے تھے، اُن میں سے چھ مبارک تھے اور چار منحوس تھے۔ (المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۲۴)

علامہ محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ کمال الدین الدمیری المتوفی ۸۰۸ھ نے ہدہد کے متعلق وہی کچھ لکھا ہے جس کو ہم ابھی قاضی مجیر الدین کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں (حیات الحیوان (اردو)، جلد دوم ص ۶۹۳۔ ۶۹۵، اسلامی کتب خانہ، لاہور)

غلام احمد پرویز متوفی ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء نے ان تمام تفصیلات کا انکار کیا، وہ لکھتے ہیں:

''فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ'' تھوڑا سا ہی وقت گزرا تھا کہ وہ آ گیا۔ اب نظر آتا ہے کہ اس شخص کی کتنی اہمیت تھی۔ یہ وہاں کی انٹیلی جنس کا ہیڈ نظر آتا ہے۔ محکمہ سراغ رسانی کا ہیڈ (سربراہ) اور واقعی اس کی اس وقت بڑی ضرورت تھی۔ وہ آیا ''فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ'' کہا کہ میں وہ معلومات لایا ہوں جو اس سے پہلے موجود نہیں تھیں۔ وہ معلومات لے کر آ رہا ہے۔ ''وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ'' یہ جو سبا کی مملکت ہے جس کی طرف ہم رخ کیے ہوئے ہیں میں اس کے اندرونی حالات معلوم کر کے چلا آ رہا ہوں اور وہ حالات بھی سنی سنائی خبر نہیں ہیں، آج کل کے اخباروں کی رپورٹنگ نہیں ہے، نہایت یقین ہے۔ یقینی طور پہ میں وہ خبر دینے آیا ہوں، میں خود دیکھ کر آیا ہوں، میں پوری رپورٹ پیش کرنے کے لیے آیا ہوں۔ یہ بڑی ضروری چیز تھی کہ جس ملک پر لشکر کشی ہو رہی ہے، وہاں کے جو اندرونی حالات ہیں وہ معلوم ہوں۔ اب آپ دیکھ لیجئے کہ وہ ہدہد بھی تیترا تھا تو کیا وہ یہ کچھ تھا جو وہ کرنے کے لیے آیا تھا؟ (مطالب الفرقان فی دروس القرآن، سورۃ النمل، ص ۸۲۔ ۸۳، ادارہ طلوع اسلام، لاہور ۲۰۰۸ء)

ہدہد کے واقعہ پر مصنف کا تبصرہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی بولیوں پر مطلع فرما دیا تھا اور وہ پرندوں سے باتیں کرتے تھے اور پرندے آپس میں بھی باتیں کرتے تھے، بہ ظاہر یہ چیز ماورائے عقل ہے لیکن خلاف عقل نہیں ہے، ہم اس سے بھی زیادہ ماورائے عقل حقائق پر ایمان لاتے ہیں مثلاً جنات کا وجود، فرشتوں کا وجود، حضرت جبریل علیہ السلام کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر نازل ہونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رات کے ایک لمحہ میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک کا سفر کرنا اور پھر اُسی لمحہ میں واپس آ جانا۔ یہ تمام امور ماورائے عقل ہیں اور ہمارا ان سب پر ایمان ہے، اسی طرح ہدہد کے اس واقعہ پر بھی ہمارا ایمان ہے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ہدہد کسی آدمی کا نام تھا، پرندہ نہیں تھا اور وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے محکمہ جاسوسی کا سربراہ تھا۔ لہٰذا اگر ہم قرآن مجید کے تمام مندرجات پر ایمان رکھتے ہیں تو ہمیں ہدہد کے اس واقعہ پر بھی ایمان رکھنا ہوگا۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''میں نے ایک ایسی عورت (بلقیس) دیکھی جو لوگوں پر حکومت کر رہی ہے اور اُسے ہر چیز عطا فرمائی گئی ہے اور اُس کا بہت بڑا تخت ہے O'' (النمل: ۲۳)

''اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ'': حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے پوچھا کہ تمہاری اس تاخیر کا سبب کیا تھا؟ تو اس نے بتایا

کہ میں نے ایک ایسی عورت کو دیکھا جو ایک قوم کی ملکہ ہے، اُس کا نام بلقیس بنت شراحیل ہے، وہ یعرب بن قحطان کی نسل سے ہے اور اُس کی ماں جنیہ تھی، کیونکہ وہ انسانوں سے نکاح کرنے کو جائز نہیں سمجھتی تھی اور بلقیس کے علاوہ اس کی اور کوئی اولاد نہیں تھی تو وہ اس کے ملک کی مالک ہوگئی۔

"وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ": یعنی دنیاوی چیزوں میں سے جن چیزوں کی ضرورت تھی، وہ اُس کے پاس سب موجود تھیں۔

"وَلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ": اور اُس کے پاس بہت بڑا اور بھاری تخت ہے جو سونے کا بنا ہوا ہے اور اس میں سوتی، سرخ یاقوت اور سبز زمرد جڑے ہوئے ہیں۔ اور اس کے پائے یاقوت اور زمرد کے بنے ہوئے ہیں اور اُس تخت پر سات گھر بنے ہوئے ہیں اور ہر گھر کے اوپر ایک بند دروازہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ بلقیس کا عرش لمبائی چوڑائی میں تیس تیس ہاتھ تھا اور اس کا طول بھی تیس ہاتھ تھا۔
(تفسیر بغوی ج ۳ ص ۳۹۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "میں نے اُس کو اور اُس کی قوم کو اللہ کے بجائے سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا ہے اور شیطان نے اُن کے کاموں کو اُن کی نظر میں خوشنما بنا دیا ہے اور انہیں سیدھے راستہ سے ہٹا دیا ہے، پس وہ ہدایت نہیں پارہے ۝" (النمل: ۲۴)

"وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا": یہ لوگ مجوسی تھے۔ "یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ": جو اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے تھے۔

"وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ": اور شیطان نے اُن کے لیے اُن کے ان برے کاموں کو خوشنما بنا دیا تھا۔

"فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ": سو اُن کو سیدھے راستے سے ہٹا دیا تھا۔ "فَهُمْ لَا یَهْتَدُوْنَ": پس وہ ہدایت نہیں پارہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلقیس اور اُس کی سلطنت کے لوگوں کی خبر نہ تھی، کیونکہ وہ صنعاء میں اترے تھے اور بلقیس مارب میں تھی، اور اُن کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے اور انسان کو صرف اُسی چیز کا علم ہوتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ اُسے علم عطا فرماتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "تاکہ وہ اللہ کے لیے سجدہ نہ کریں جو آسمانوں اور زمینوں کی چھپی ہوئی چیزوں کو باہر لے آتے ہیں، اور وہ ہر اُس چیز کو جانتے ہیں جس کو تم چھپاتے ہو اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو ۝" (النمل: ۲۵)

"اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ":

اس آیت کا معنی ہے: سنو اے لوگو! سجدہ کرو۔ اور اس آیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر قرار دیا۔ اور شیطان نے اُن کے کاموں کو خوشنما بنا دیا تاکہ وہ اللہ کے لیے سجدہ نہ کریں جو آسمانوں اور زمینوں میں چھپی ہوئی چیزوں کو باہر لاتے ہیں۔ آسمان میں چھپی ہوئی چیزوں سے مراد بارش ہے اور زمین میں چھپی ہوئی چیزوں سے مراد زمین کی پیداوار ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہی عرش عظیم کے مالک ہیں ۝" (النمل: ۲۶)

"اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ": یعنی اللہ ہی عبادت کے اور سجدہ کے مستحق ہیں اور اُن کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اور ملکۂ سبا کا عرش اگرچہ فی نفسہ عظیم تھا لیکن اللہ عزوجل کے عرش کے مقابلہ میں بہت چھوٹا اور حقیر تھا۔ اور یہ آیت سجدۂ تلاوت کا محل ہے اور سورۂ مریم میں سجدہ کی آیت کی تفسیر میں سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر کا حکم بیان کیا جا چکا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سلیمان نے کہا: ہم عنقریب تحقیق کریں گے، آیا تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹ بولنے والوں میں سے ہو؟O" (النمل: ۲۷)

"قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ": جب ہدہد اپنی بات سے فارغ ہو گیا تو اُس سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: عنقریب ہم غور کر کے بتائیں گے کہ تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹوں میں سے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "میرا یہ مکتوب لے جاؤ اور اُن لوگوں کی طرف پہنچاؤ، پھر وہاں سے پلٹ آؤ اور دیکھو وہ کیا جواب دیتے ہیںO" (النمل: ۲۸)

"اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا یَرْجِعُوْنَ": پھر ہدہد نے اُن کو پانی پر رہنمائی کی، پس پانی نکالا گیا اور سب نے وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مکتوب لکھا جس میں مذکور تھا: یہ اللہ کے بندے سلیمان بن داؤد کی طرف سے بلقیس ملکۂ سبا کی جانب ہے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جو ہدایت کی پیروی کرے اُس پر سلامتی ہو، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد! تم لوگ میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور میرے پاس اطاعت گزار ہو کر آ جاؤ، پھر اُس پر مشک لگائی اور اپنی انگوٹھی سے مہر لگائی اور پھر ہدہد سے فرمایا: میرے اس مکتوب کو لے جاؤ اور اُس کی طرف ڈال دو، یعنی بلقیس اور اُن کی قوم کی طرف۔ پھر واپس آ جانا، پھر دیکھنا وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "ملکۂ سبا نے کہا: اے میرے درباریو! بے شک میری طرف ایک معزز مکتوب پہنچایا گیا ہےO" (النمل: ۲۹)

"قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ": پس ہدہد نے مکتوب کو پکڑا اور بلقیس کے پاس پہنچا اور وہ اس وقت اپنے محل میں سوئی ہوئی تھی، اُس نے مکتوب کو اُس کے سینہ پر رکھ دیا۔ جب بلقیس نے مہر دیکھی تو وہ کپکپانے لگی اور اُس نے جان لیا کہ جس نے یہ مکتوب بھیجا ہے، اُس کا ملک بلقیس کے ملک سے بہت بڑا ہے، پھر ہدہد تھوڑی دیر ٹھہرا اور بلقیس اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ بیٹھ گئی اور وہ بارہ ہزار تھے، بلقیس نے کہا: اے سردارو! میرے پاس ایک مہر لگا ہوا معزز مکتوب آیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکتوب کی عزت اُس کی مہر سے ہوتی ہے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۸۷۲، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۹، حافظ الہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند میں محمد بن مروان السدی ہے اور وہ متروک ہے)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک وہ مکتوب سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک وہ اللہ، الرحمٰن الرحیم کے نام سے شروع ہےO" (النمل: ۳۰)

"اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ": یعنی بلقیس نے اُن کے سامنے اُس مکتوب کو پڑھا اور اُس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اللہ، الرحمٰن الرحیم کے نام سے ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اس مکتوب میں یہ لکھا ہے) کہ تم میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور تم سب میرے پاس اطاعت گزار ہو کر آجاؤ O" (النمل: ۳۱)

"اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ": یعنی تم میرے سامنے تکبر اور سرکشی نہ کرو اور میرے پاس ایمان لا کر اطاعت گزاری کرتے ہوئے آجاؤ۔ (فتح الرحمٰن ج ۵ ص ۱۱۸۔۱۳۲، دار النوادر، بیروت، ۱۴۳۰ھ)

قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾

بلقیس نے کہا: اے میرے درباریو! مجھے میرے اس معاملہ میں مشورہ دو، جب تک تم حاضر نہ ہو میں کسی کام کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی O

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ ۙ۬ وَّ الْاَمْرُ اِلَیْكِ فَانْظُرِیْ مَا ذَا تَاْمُرِیْنَ ﴿۳۳﴾

درباریوں نے کہا: ہم بہت طاقت ور ہیں اور سخت جنگ جو ہیں، اور آخری فیصلہ آپ نے کرنا ہے، آپ غور کر کے بتائیں کہ آپ کیا حکم دیتی ہیں O

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾

بلقیس نے کہا: بے شک جب حکمران کسی بستی میں داخل ہوں تو وہ اس بستی کو برباد کر دیتے ہیں اور اس بستی کے معززین کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ لوگ بھی اسی طرح کریں گے O

وَ اِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور میں ان کی طرف ایک تحفہ بھیجتی ہوں، پس دیکھتی ہوں کہ میرے بھیجے ہوئے نمائندے کیا پیغام لاتے ہیں O

فَلَمَّا جَآءَ سُلَیْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ٘ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَیْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِیَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾

پس جب وہ تحفہ سلیمان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا: کیا تم مال سے میری مدد کرتے ہو؟ پس مجھے اللہ نے جو عطا فرمایا ہے وہ اُس سے بہت بہتر ہے جو تم کو عطا فرمایا ہے، بلکہ اپنے تحفہ پر تم ہی خوش ہوتے رہو O

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَ لَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

(سلیمان نے نمائندہ سے کہا:) اُن کی طرف واپس جاؤ، پس ہم ضرور بہ ضرور ایسے لشکر سے ان پر حملہ کریں گے جس کے مقابلہ کی اُن میں طاقت نہیں ہوگی اور ہم ضرور بہ ضرور اُن کو وہاں سے ذلیل اور بے عزت کر کے نکال دیں گے O

قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۸﴾

سلیمان نے کہا: اے درباریو! تم میں سے کون اُن کے اطاعت گزار ہو کر میرے پاس آنے سے پہلے بلقیس کا تخت میرے پاس لاسکتا ہے؟O

قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ﴿۳۹﴾

بہت بڑے جن نے کہا: میں آپ کی مجلس برخاست ہونے سے پہلے وہ تخت آپ کے پاس لے آؤں گا، اور بے شک میں اس کی طاقت بھی رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں O

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۖ۫ لِیَبْلُوَنِیْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ﴿۴۰﴾

اللہ کی کتاب کا علم رکھنے والے ایک شخص نے کہا: میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے وہ تخت آپ کے سامنے حاضر کرسکتا ہوں، پس جب سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرے رب کا فضل ہے، تاکہ اللہ مجھے آزمائے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں، اور جو شکر کرتا ہے تو وہ اپنے فائدہ ہی کے لیے شکر کرتا ہے، اور جو ناشکری کرتا ہے تو بے شک میرے رب سب سے مستغنی، کرم فرمانے والے ہیں O

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾

سلیمان نے کہا: بلقیس کے لیے اس تخت میں کچھ تبدیلی کردو، ہم دیکھیں گے کہ آیا وہ اس تخت کو پہچانتی ہے یا ناواقف لوگوں میں سے ہو جاتی ہے O

فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا

وَ كُنَّا مُسْلِمِیْنَ ﴿۴۲﴾

پھر جب بلقیس آئی تو اُس سے پوچھا گیا: کیا یہی تمہارا تخت ہے؟ اُس نے کہا: لگتا ہے کہ یہ وہی ہے، اور ہمیں اس سے پہلے ہی اس کا علم دے دیا گیا تھا اور ہم اطاعت گزار ہو گئے تھے○

وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِؕ-اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۴۳﴾

اور سلیمان نے بلقیس کو اُن کی عبادت کرنے سے روک دیا جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتی تھی، بے شک وہ کافر لوگوں میں سے تھی○

قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَۚ-فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَاؕ-قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ۬ؕ-قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۴﴾

بلقیس سے کہا گیا: اس شیش محل میں داخل ہو جاؤ، جب وہ اس شیش محل میں داخل ہوئی تو وہ سمجھی کہ یہ حوض ہے، اُس نے اپنی دونوں پنڈلیاں کھول لیں، سلیمان نے کہا: یہ شیشوں سے بنایا ہوا محل ہے، بلقیس نے کہا: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئی○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بلقیس نے کہا: اے میرے درباریو! مجھے میرے اس معاملہ میں مشورہ دو، جب تک تم حاضر نہ ہو میں کسی کام کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی○ درباریوں نے کہا: ہم بہت طاقت ور ہیں اور سخت جنگ جو ہیں، اور آخری فیصلہ آپ نے کرنا ہے، آپ غور کر کے بتائیں کہ آپ کیا حکم دیتی ہیں○ بلقیس نے کہا: بے شک جب حکمران کسی بستی میں داخل ہوں تو وہ اس بستی کو برباد کر دیتے ہیں اور اس بستی کے معززین کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ لوگ بھی اسی طرح کریں گے○ اور میں ان کی طرف ایک تحفہ بھیجتی ہوں، پس دیکھتی ہوں کہ میرے بھیجے ہوئے نمائندے کیا پیغام لاتے ہیں○'' (النمل: ۳۲-۳۳-۳۴-۳۵)

بلقیس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت گزار ہو کر اسلام قبول کر لینا

حافظ اسماعیل بن کثیر الشافعی الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ، النمل: ۳۲-۳۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْۚ-مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ ﳔ وَّ الْاَمْرُ اِلَیْكِ فَانْظُرِیْ مَا ذَا تَاْمُرِیْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةًۚ-وَ كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ اِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ''

جب بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب پڑھا تو اُس نے اپنے اہلِ دربار سے اس کے متعلق مشورہ کیا اور کہا: میں کسی معاملہ کا اس وقت تک قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم حاضر نہ ہو۔ اہلِ دربار نے کہا: ہم بہت طاقت ور ہیں اور انہوں نے اپنی تعداد اور قوت کے بارے میں بلقیس کو بتایا، پھر اس کے بعد فیصلہ بلقیس پر چھوڑ دیا۔

حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا کہ اُن میں سے ایک شخص نے کہا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے معاملات سے زیادہ واقف تھا، اُس نے کہا کہ جتنا بڑا اُن کا لشکر ہے اُس سے پہلے ہم نے اتنا بڑا لشکر نہیں دیکھا اور جنات، انسان اور پرندے ہیں۔ اور بلقیس ہدہد کے معاملہ میں ایک تعجب خیز امر کو جان چکی تھی، اس لیے اُس نے کہا کہ حکمران جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اُس کو برباد کر دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب وہ طاقت کے بل پر کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اُس کو کھنڈر بنا دیتے ہیں اور اُس شہر کے جو حکمران اور لشکر والے ہیں، اُن سب کو قتل کر دیتے ہیں یا قید کر دیتے ہیں اور اُن کی بے عزتی کرتے ہیں۔ پھر بلقیس نے صلح کی طرف میلان کیا اور کہا: میں ان کی طرف ایک ہدیہ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ وہ میرے ہدیہ کے جواب میں کیا کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”پس جب وہ تحفہ سلیمان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا: کیا تم مال سے میری مدد کرتے ہو؟ پس مجھے اللہ نے جو عطا فرمایا ہے وہ اُس سے بہت بہتر ہے جو تم کو عطا فرمایا ہے، بلکہ اپنے تحفہ پر تم ہی خوش ہوتے رہو ○“ (النمل: ٣٦)

”فَلَمَّا جَآءَ سُلَیْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَیْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِیَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ“:

متعدد مفسرین نے کہا ہے کہ بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف عظیم ہدیہ بھیجا جس میں سونا، جواہرات اور سوتی تھے۔ اور بعض مفسرین نے کہا: اُس نے سونے کی اینٹ بھیجی اور صحیح یہ ہے کہ اُس نے سونے کے برتن بھیجے۔ اور مجاہد اور سعید بن جبیر وغیرہ نے کہا ہے کہ اُس نے باندیاں لڑکوں کی صورت میں بھیجیں اور لڑکے باندیوں کی صورت میں بھیجے، اُس نے کہا: اگر انہوں نے پہچان لیا کہ یہ باندیاں نہیں لڑکے ہیں یا لڑکے نہیں باندیاں ہیں تو پھر وہ اللہ کے نبی ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُن کو حکم فرمایا کہ وہ وضو کریں، پس لڑکی اپنے ہاتھ پر پانی ڈال رہی تھی اور لڑکا چلّو میں پانی بھر کر لے رہا تھا۔ اور یہ سب اسرائیلی روایات ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُن کے لائے ہوئے تحائف کی طرف بالکل نظر نہیں فرمائی اور اعراض فرمایا اور کہا: کیا تم مال کے ساتھ میری امداد کرتے ہو تا کہ میں تمہارے شرک اور بے دینی پر تمہارے ملک کو چھوڑ دوں، اور اللہ نے جو مجھے ملک، مال اور لشکر عطا فرمایا ہے، وہ اس سے بہت بہتر ہے۔ اور اپنے تحائف سے تم ہی خوش ہوتے رہو۔ اور میں اسلام یا تلوار کے سوا اور کسی چیز کو قبول نہیں کروں گا۔ یعنی یا تو تم سب لوگ اسلام قبول کر لو ورنہ مجھ سے جنگ کرو۔

اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم فرمایا تو انہوں نے ایک ہزار سونے اور چاندی کے محل تیار کر دیے۔ جب بلقیس کے نمائندوں نے ان کو دیکھا تو کہا: ان کے مقابلہ میں ہمارے ہدیہ کی کیا حیثیت ہے؟ اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ بادشاہوں کے لیے زینت کا اظہار کرنا جائز ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”(سلیمان نے نمائندہ سے کہا:) اُن کی طرف واپس جاؤ، پس ہم ضرور بہ ضرور ایسے

لشکر سے حملہ کریں گے جس کے مقابلہ کی اُن میں طاقت نہیں ہوگی اور ہم ضرور بہ ضرور اُن کو وہاں سے ذلیل اور بے عزت کر کے نکال دیں گے O" (النمل: ۳۷)

"اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ فَلَنَاْتِیَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَ لَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ":
اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: تم اپنے ہدیہ کو لے کر واپس جاؤ، ہم عنقریب تم پر ایسے لشکروں کے ساتھ حملہ کریں گے کہ تم کو اس سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہوگی۔ اور ہم تم کو اُن شہروں سے ذلیل ورسوا کر کے نکال دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سلیمان نے کہا: اے درباریو! تم میں سے کون اُن کے اطاعت گزار ہو کر میرے پاس آنے سے پہلے بلقیس کا تخت میرے پاس لا سکتا ہے؟O" (النمل: ۳۸)

"قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ": محمد بن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ بلقیس نے کہا: اللہ کی قسم! اب مجھے آپ کی سلطنت کا علم ہو گیا، اور ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں ہے جو ہم آپ سے مقابلہ کر سکیں۔ اور بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف اپنے نمائندوں کو بھیجا تا کہ معلوم کریں کہ وہ جس دین کی دعوت دیتے ہیں وہ کیا ہے؟ پھر اُس نے اپنے تخت کے متعلق حکم دیا جو سونے کا بنا ہوا تھا اور اُس میں یاقوت اور زمرد کے موتی جڑے ہوئے تھے۔ پھر اُس نے سات کمرے بنائے اور اُن پر تالے لگا دیے اور اُس تخت کو اُن کے اندر رکھ دیا اور کہا کہ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس تخت تک نہیں پہنچ سکتا۔ پھر اُس نے یمن کے سرداروں میں سے بارہ ہزار کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف بھیجا، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کو بھیجا جو وہاں سے ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر تھے، حتیٰ کہ جب اُن کے پاس تمام جن اور انس جمع ہو گئے تو انہوں نے کہا: "یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ" (اے درباریو! تم میں سے کون اُن کے اطاعت گزار ہونے سے پہلے بلقیس کا تخت میرے پاس لا سکتا ہے؟)

قتادہ نے کہا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر پہنچی کہ وہ اُن کے پاس آنے والی ہے اور اُس کے تخت کا ذکر کیا گیا اور اُس کی خوش نمائی کا ذکر کیا گیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بہت بڑے جن نے کہا: میں آپ کی مجلس برخاست ہونے سے پہلے وہ تخت آپ کے پاس لے آؤں گا، اور بے شک میں اس کی طاقت بھی رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں O" (النمل: ۳۹)

"قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ":
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ عفریت من الجن نے کہا کہ میں آپ کی مجلس کے برخاست ہونے سے پہلے وہ تخت لا کر آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔ السدی وغیرہ نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے صبح سے لے کر زوالِ آفتاب تک بیٹھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اُس عفریت من الجن نے کہا کہ میں اُس کو اٹھا کر لانے پر قادر ہوں اور دربار برخاست ہونے سے پہلے وہ لے آؤں گا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں، یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو حاضر کرنے کا ارادہ اس لیے کیا تا کہ ظاہر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو کتنی عظیم مملکت عطا فرمائی

ہے اور کتنے لشکر اُن کے ماتحت فرمادیے ہیں اور بعد میں وہ کسی کے لیے نہیں ہوں گے۔ اور یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت پر دلیل تھی، کیونکہ یہ عظیم خلاف عادت کام تھا کہ وہ اُس کے تخت کو اس کے شہروں سے اُن کے پہنچنے سے پہلے لے آئیں، جب کہ اُس تخت کو تالوں میں بند کر کے رکھا ہوا تھا اور اُس کی حفاظت پر محافظین موجود تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ کی کتاب کا علم رکھنے والے ایک شخص نے کہا: میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے وہ تخت آپ کے سامنے حاضر کر سکتا ہوں، پس جب سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرے رب کا فضل ہے، تا کہ اللہ مجھے آزمائیں آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں، اور جو شکر کرتا ہے تو وہ اپنے فائدہ ہی کے لیے شکر کرتا ہے، اور جو ناشکری کرتا ہے تو بے شک میرے رب سب سے مستغنی، کرم فرمانے والے ہیں O'' (النمل: ۴۰)

''قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۫ۖ لِیَبْلُوَنِیْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ اُس کا نام آصف تھا اور وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا کاتب تھا۔ اور یزید بن رومان سے روایت ہے کہ اُس کا نام آصف بن برخیا تھا اور وہ بہت سچا آدمی تھا اور اسم اعظم کا علم رکھتا تھا۔ قتادہ نے کہا: وہ انسانوں میں سے مومن تھا اور اُس کا نام آصف تھا۔ اُس نے کہا: میں وہ تخت آپ کے سامنے آپ کی آنکھ کے جھپکنے سے پہلے لا کر حاضر کر دوں گا۔ آپ جیسے ہی اپنی آنکھ جھپکیں گے، وہ تخت آپ کے سامنے حاضر ہوگا۔ وہ تخت یمن میں تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس میں تھے، وہاں سے وہ تخت غائب ہوا اور زمین کے اندر چلتا ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے نکل آیا۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس تخت کو اپنے سامنے دیکھا تو کہا: یہ میرے رب کا فضل ہے اور اُن کا مجھ پر انعام اور احسان ہے، تا کہ اللہ مجھے آزمائیں آیا میں اُن کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔

اولیاء اللہ کی کرامت کا ثبوت اور اُن کی قوت کا جنات کی قوت سے زیادہ ہونا

میں کہتا ہوں: ہمارے علمائے اہلسنت نے ان آیات سے اولیاء اللہ کی کرامات پر استدلال کیا ہے، کیونکہ تخت بلقیس یمن میں تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس میں تھے اور بیت المقدس سے یمن تک کا فاصلہ تین ماہ کی مسافت پر تھا، اور آصف بن برخیا نے پلک جھپکنے سے پہلے وہ تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر رکھ دیا، اور ظاہر ہے کہ یہ عام عادت کے خلاف ہے اور خلاف عادت کو کرامت سے تعبیر کیا جاتا ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی قوت اور طاقت جنات کی قوت اور طاقت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ عفریت من الجن نے بھی کہا: میں دربار برخاست ہونے سے پہلے وہ تخت لاؤں گا، اور آصف بن برخیا پلک جھپکنے سے پہلے وہ تخت لے آئے، اس سے معلوم ہوا کہ جنات کی قوت جہاں پر ختم ہوتی ہے اُس کے آگے سے اولیاء اللہ کی قوت شروع ہوتی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اور جو بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''مَنْ عَمِلَ صَالِحًا

فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا۔۔(حم السجدۃ:۴۶)" (جس شخص نے نیک کام کیا تو فائدہ خود اُسی کا ہے اور جس نے برا کام کیا تو وبال اُسی پر ہے)۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: اے میرے بندو! بے شک میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام فرمادیا ہے، اور تمہارے آپس کے درمیان بھی میں نے ظلم کو حرام قرار دیا ہے، پس اے میرے بندو! ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو، تم سب گمراہ ہو سوا اُس کے جس کو میں ہدایت عطا فرماؤں، تم سب مجھ سے ہدایت طلب کرو تو میں تمہیں ہدایت عطا فرماؤں گا، اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو سوا اُس کے جس کو میں کھلاؤں، سو تم مجھ سے کھانے کو طلب کرو میں تمہیں کھانا کھلاؤں گا، اے میرے بندو! تم سب برہنہ ہو مگر جس کو میں لباس پہناؤں، سو تم مجھ سے لباس طلب کرو تو میں تمہیں پہناؤں گا، اے میرے بندو! بے شک تم رات اور دن خطا کرتے ہو، اور میں تمہارے تمام گناہوں کو معاف فرماتا ہوں، سو تم مجھ سے مغفرت طلب کرو میں تمہاری مغفرت فرماؤں گا، اے میرے بندو! تم مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ تم مجھے نفع پہنچا سکتے ہو، اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جنات تم میں سے کسی ایک انتہائی متقی شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جنات کسی انتہائی بدکار شخص کے دل کی طرح ہو جائیں تو اُس سے میرے ملک میں کوئی کمی نہیں ہوگی، اے میرے بندو! بے شک تمہارے انسان اور جنات سب ایک زمین کے ٹکڑے پر کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے سوال کریں اور میں اُن کو عطا فرماؤں تو اُس سے میرے پاس جو کچھ ہے اس میں کمی نہیں ہوگی، سوا اس کے جیسا کہ سوئی کو سمندر میں داخل کیا جائے، اے میرے بندو! بے شک جو تمہارے اعمال ہیں میں اُن کو تمہارے لیے شمار کرتا ہوں، پھر میں تم کو اُن کی پوری پوری جزا عطا فرماؤں گا، پس جس کو کوئی خیر حاصل ہو، وہ اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے سوا کوئی چیز پائے تو صرف اپنے نفس کو ملامت کرے۔

(صحیح مسلم:۲۵۷۷، مسند احمد:۲۱۳۶۷، الادب المفرد للبخاری:۴۹۰، سنن ترمذی:۲۴۹۵، کتاب الدعاء للطبرانی:۱۳، المستدرک علی الصحیحین للحاکم:۷۶۰۶، کتاب الآداب للبیہقی:۸۴۷، الاسماء والصفات للبیہقی:۳۳۴، السنن الکبریٰ للبیہقی:۱۱۵۰۳، شعب الایمان للبیہقی:۶۶۸۶، شرح السنۃ للبغوی:۱۲۹۱، معجم ابن عساکر:۸۷۰، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ ج۱ص۱۰۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سلیمان نے کہا: بلقیس کے لیے اس تخت میں کچھ تبدیلی کردو، ہم دیکھیں گے کہ آیا وہ اس تخت کو پہچانتی ہے یا ناواقف لوگوں میں سے ہو جاتی ہےO" (النمل:۴۱)

"قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ": جب بلقیس کے پہنچنے سے پہلے اُس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم فرمایا کہ اس کی بعض صفات بدل ڈالو تاکہ جب بلقیس اس کو دیکھے تو پہچان لے کہ یہ وہی تخت ہے یا کوئی اور ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اُس تخت سے اس کے موتی اکھاڑ لیے گئے تھے۔ مجاہد نے کہا: اُس میں جو سرخ رنگ تھا اُس کو پیلا رنگ کر دیا اور جو پیلا رنگ تھا اُس کو سرخ رنگ کر دیا اور جو سبز رنگ تھا اُس کو سرخ کر دیا، غرض ہر چیز کو متغیر کر دیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب بلقیس آئی تو اُس سے پوچھا گیا: کیا یہی تمہارا تخت ہے؟ اُس نے کہا: لگتا ہے کہ یہ وہی ہے، اور ہمیں اس سے پہلے ہی اس کا علم دے دیا گیا تھا اور ہم اطاعت گزار ہو گئے تھے O'' (النمل: ۴۲)

''فَلَمَّا جَآءَتْ قِيلَ أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ '': یعنی بلقیس کے سامنے اُس کا تخت پیش کیا گیا جب کہ اُس میں تغیر کر دیا گیا تھا اور کچھ زیادتی اور کچھ کمی کر دی گئی تھی۔ بلقیس نے کہا: گویا کہ یہ اسی کے مشابہ ہے اور یہ بلقیس کی انتہائی ذہانت اور احتیاط تھی۔ مجاہد نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا کہ اُس کے آنے سے پہلے ہمیں علم دے دیا گیا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور سلیمان نے بلقیس کو اُن کی عبادت کرنے سے روک دیا جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتی تھی، بے شک وہ کافر لوگوں میں سے تھی O'' (النمل: ۴۳)

''وَصَدَّهَا مَا كَانَت تَّعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ إِنَّهَا كَانَتْ مِن قَوْمٍ كَافِرِينَ '': یعنی بلقیس پہلے اللہ وحدہٗ کی عبادت سے روکتی تھی اور منع کرتی تھی جس سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس کو روک دیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بلقیس سے کہا گیا: اس شیش محل میں داخل ہو جاؤ، جب وہ اس شیش محل میں داخل ہوئی تو وہ سمجھی کہ یہ حوض ہے، اُس نے اپنی دونوں پنڈلیاں کھول لیں، سلیمان نے کہا: یہ شیشوں سے بنایا ہوا محل ہے، بلقیس نے کہا: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئی O'' (النمل: ۴۴)

''قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ ۗ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ '': حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا تو انہوں نے ایک عظیم شیشے کا محل بنایا۔ زجاج نے کہا کہ اُس محل کے نیچے سے پانی جاری کر دیا تھا۔ اور جس کو حقیقتِ حال کا علم نہ ہو وہ یہ سمجھتا کہ یہ پانی ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کس سبب سے اُس کو محل میں بلایا۔ ایک قول یہ ہے کہ جب انہوں نے اُس کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا اور اُس کو اپنے لیے پسند کر لیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اُس کا حسن و جمال بیان کیا گیا، لیکن اُس کی دونوں پنڈلیوں میں بہت لمبے بال تھے اور اُس کے پیروں کا پچھلا حصہ مویشیوں کے پچھلے حصہ کی طرح تھا۔ تو اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو رنج ہوا تو انہوں نے یہ شیش محل بنایا تا کہ وہ اس خبر کی صداقت کو جان لیں۔ اسی طرح محمد بن کعب القرظی وغیرہ نے بیان کیا، پس جب وہ شیش محل میں داخل ہوئی اور اُس نے اپنی پنڈلیوں کو کھولا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ اُس کی بہت حسین پنڈلیاں تھیں اور بہت حسین پیر تھے لیکن اُس کے پیروں پر لمبے لمبے بال دیکھے۔ پس انہوں نے پسند کیا کہ یہ بال اُس سے زائل کر دیے جائیں تو اُن سے کہا گیا کہ آپ استرے سے اس کے بال مونڈ دیں، تو لوگوں نے چونا بنایا جس سے اُس کے بال صاف

کر دیے گئے۔ جب وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے کھڑی ہوئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس کو اللہ وحدہٗ کی عبادت کی دعوت دی، اور اللہ کو چھوڑ کر سورج کی عبادت کرنے پر اُس کی مذمت کی، بہر حال اُس نے بھی اسلام قبول کر لیا اور اسلام میں اچھے عمل کیے۔ (تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، ج ۳ ص ۳۹۸ ۔ ۴۰۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنِ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف اُن کے ہم قبیلہ صالح کو رسول بنا کر بھیجا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو، پس وہ اچانک دو فرقوں میں منقسم ہو کر جھگڑنے لگے O

قَالَ یٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

صالح نے کہا: اے میری قوم! تم نیکی کرنے سے پہلے برائی کے انجام کے لیے عجلت کیوں کرتے ہو؟ تم اللہ سے مغفرت کیوں نہیں طلب کرتے شاید تم پر رحم فرمایا جائے O

قَالُوا اطَّیَّرْنَا بِكَ وَ بِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓىٕرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

انھوں نے کہا: ہم تم سے اور تمہارے اصحاب سے بدشگونی لیتے ہیں، صالح نے کہا: تمہاری بدشگونی اللہ کے پاس ہے بلکہ تم آزمائش میں ڈالے ہوئے لوگ ہو O

وَ كَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَ لَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور اُس شہر (حجر) میں نو افراد تھے جن کا کام صرف زمین میں فساد پھیلانا تھا اور وہ اصلاح بالکل نہیں کرتے تھے O

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَیِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِیِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اُن لوگوں نے (آپس میں) کہا: تم اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم ضرور صالح اور اُس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے پھر ہم اُن کے وارث سے کہیں گے: ہم ان گھر والوں کے قتل کے وقت حاضر ہی نہ تھے اور ہم یہ بات پوری سچائی سے کہہ رہے ہیں O

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

انھوں نے سازش تیار کی اور ہم نے خفیہ تدبیر کی اور وہ بالکل بے خبر تھے O

فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَ قَوْمَهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۱﴾

پس آپ دیکھیے کہ اُن کی سازش کا کیسا انجام ہوا، ہم نے اُن کو اور اُن کی قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا O

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾

سو یہ اُن کے ظلم کی وجہ سے اُن کے گھروں کے کھنڈرات ہیں، بے شک اس عذاب میں جاننے والوں کے لیے ضرور عبرت کی بڑی نشانی ہے O

وَأَنجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٣﴾

اور ہم نے اُن لوگوں کو نجات عطا فرمادی جو ایمان لا چکے تھے اور اللہ سے ڈرتے تھے O

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿٥٤﴾

اور لوط کا ذکر کیجیے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ایک دوسرے کے سامنے بے حیائی کے کام کرتے ہو O

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿٥٥﴾

کیا تم جنسی خواہش پوری کرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو، بلکہ تم جاہل لوگ ہو O

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٥٦﴾

اُن کی قوم کا صرف یہی جواب تھا کہ انہوں نے کہا کہ لوط کے گھر والوں کو اُن کی بستی سے نکال دو، یہ لوگ بہت پاک باز بنتے ہیں O

فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٥٧﴾

پس ہم نے لوط کو اور اُن کے گھر والوں کو نجات عطا فرمادی سوا اُن کی بیوی کے جس کے متعلق ہم نے فیصلہ فرما لیا تھا کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے O

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ ﴿٥٨﴾ ع

اور ہم نے اُن پر پتھروں کی بارش فرمائی، پس جن لوگوں کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا اُن کے لیے پتھروں کی یہ بارش بہت بری تھی O

قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ ۗ آللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے مستحق ہیں اور اللہ کے برگزیدہ بندوں پر سلامتی نازل ہو، کیا اللہ بہتر ہیں یا وہ جن کو یہ مشرکین اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں O؟

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف اُن کے ہم قبیلہ صالح کو رسول بنا کر بھیجا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو، پس وہ اچانک دو فرقوں میں منقسم ہو کر جھگڑنے لگے O" (النمل: ۴۵)

حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کی قوم ثمود کا قصہ

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، النمل: ۴۵ تا ۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنِ یَخْتَصِمُوْنَ":

اس آیت میں حضرت صالح علیہ السلام کے وصفِ رسالت کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ سب سے عظیم وصف اللہ کا رسول ہونا ہے۔ پھر یہ ذکر فرمایا کہ رسول سے مقصود کیا ہے؟ وہ اللہ عزوجل کا پیغام پہنچانا ہے۔ اور وہ پیغام یہ ہے کہ تم صرف اللہ عزوجل کی عبادت کرو اور اُن کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، پھر یہ بتایا کہ اُن میں دو فریق ہو گئے، ایک فریق کافر تھا اور دوسرا فریق مومن تھا۔ ایک فریق حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ مخلص تھا اور اُن کی پیروی کرتا تھا اور دوسرا فریق اپنے شرک اور کذب پر برقرار تھا۔ اور ہر فریق یہ کہتا تھا کہ میں حق پر ہوں اور میرا مخالف باطل پر ہے۔ پھر حضرت صالح علیہ السلام نے اُن مکذبین کو نرمی سے نصیحت فرمائی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "صالح نے کہا: اے میری قوم! تم نیکی کرنے سے پہلے برائی کے انجام کے لیے عجلت کیوں کرتے ہو؟ تم اللہ سے مغفرت کیوں نہیں طلب کرتے شاید تم پر رحم فرمایا جائے O" (النمل: ۴۶)

"قَالَ یٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ":

حضرت صالح علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! تم برائی کی سزا کو جلدی کیوں طلب کرتے ہو، اس سے پہلے کہ تم ایمان لے آؤ اور نیک اعمال کرو؟ اُن کی قوم نے اپنے کفر پر اصرار کرتے ہوئے کہا: آپ جس عذاب کی ہمیں دھمکی دے رہے ہیں وہ عذاب لے آئیں، سو اُس وقت اللہ تعالیٰ ہماری توبہ قبول فرمائیں گے اور ہم سے عذاب کو دور فرما دیں گے۔ یعنی تم عذاب کے نازل ہونے سے پہلے مغفرت کو طلب کر رہے ہو، اور اُن کو یہ تنبیہ فرمائی کہ جب عذاب نازل ہو تو توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اس آیت میں عذاب کو سیئۃ اور برائی سے تعبیر فرمایا ہے اور رحمت کو الحسنۃ اور نیکی سے تعبیر فرمایا ہے۔

مجاہد نے کہا: تم رحمت سے پہلے عذاب کو طلب کر رہے ہو۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم ایمان لانے کو کیوں مؤخر کر رہے ہو جو تمہاری طرف ثواب کو لے کر آئے گا اور تم کفر کو کیوں مقدم کر رہے ہو جو عذاب کو واجب کرتا ہے۔ پس کفار نے انکار میں افراط کی وجہ سے کہا: ہمارے پاس عذاب لائیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو جس کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق تھے، یہ مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے عذاب کو جلدی طلب کیا تھا، اور تم اللہ عزوجل سے اپنے شرک پر توبہ کیوں نہیں کرتے تا کہ تم پر رحم فرمایا جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "انہوں نے کہا: ہم تم سے اور تمہارے اصحاب سے بدشگونی لیتے ہیں، صالح نے کہا: تمہاری بدشگونی اللہ کے پاس ہے بلکہ تم آزمائش میں ڈالے ہوئے لوگ ہو O" (النمل: ۴۷)

"قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ":

"اطَّيَّرْنَا" کا معنی تشاءمنا۔ اور الشؤم کا معنی ہے نحوست۔ اور رائے میں اور تدبیر میں سب سے زیادہ فساد بدشگونی کے اعتقاد سے ہوتا ہے۔ اور جس نے یہ گمان کیا کہ گائے کا ڈکرانا اور کوے کا کائیں کائیں کرنا تقدیر کو ٹال دیتا ہے تو اس نے جہل سے کام لیا۔ اور عرب اکثر پرندوں سے شگون لیتے تھے، جب اُن میں سے کوئی سفر کا ارادہ کرتا تو وہ پرندے کو بھگاتا، اگر وہ پرندہ دائیں جانب چلا جاتا تو اس سے وہ نیک فال لیتے تھے اور اپنے سفر پر چلے جاتے تھے۔ اور اگر وہ پرندہ بائیں جانب اڑ کر جاتا تو وہ لوٹ آتے اور اُس سے بدشگونی لیتے تھے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اُمّ کرز بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ پرندوں کو اُن کے گھونسلوں پر چھوڑ دو۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۹۳، المستدرک ج ۴ ص ۲۳۷، موارد الظمآن: ۱۳۳۱، مسند الحمیدی ج ۱ ص ۱۶۷، مسند ابوداؤد الطیالسی ج ۱ ص ۲۳۸، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۵ ص ۱۶۷، رقم: ۴۰۷)

امام شافعی نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ اُن میں سے کوئی ایک صبح کو جب اپنے گھر سے کہیں جانے کا ارادہ کرتا تو پرندہ کی طرف دیکھتا، اگر وہ بائیں جانب جاتا تو وہ اپنے سفر میں دائیں جانب چلا جاتا اور کہتا کہ یہ پرندے کی بدشگونی ہے اور لوٹ آتا۔ اور عرب زمانہ جاہلیت میں پرندے کو دیکھتے تھے، جب وہ اپنے گھونسلے میں ہوتا تو اُس کو حرکت دیتے سو وہ اڑتا، پس وہ دیکھتے کہ آیا وہ بائیں طرف اڑ کر گیا ہے یا دائیں طرف۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہی مطلب ہے کہ پرندوں کو اپنے گھونسلوں میں رہنے دو اور اُن کو اڑاؤ مت۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فال کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ وہ چیز ہے جس کو تم اپنے دلوں میں پاتے ہو، سو تم اس کے درپے نہ ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اُس شہر (حجر) میں نو افراد تھے جن کا کام صرف زمین میں فساد پھیلانا تھا اور وہ اصلاح بالکل نہیں کرتے تھے O" (النمل: ۴۸)

"وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ": یعنی حضرت صالح علیہ السلام کے شہر میں جس کا نام الحجر ہے نو (۹) مرد تھے جو اُن کے سرداروں کی اولاد میں سے تھے۔ الضحاک نے کہا: یہ نو مرد اہلِ مدینہ میں بہت عظیم تھے اور وہ زمین میں فساد پھیلاتے تھے۔ وہ ایک بڑی چٹان پر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے چٹان کو اُن پر پلٹ دیا۔ سعید بن المسیب نے کہا: اُن کا فساد یہ تھا کہ وہ لوگوں کے عیوب کی تفتیش کرتے تھے اور اُن کو چھپاتے نہیں تھے اور وہ کفار میں سے تھے۔ اور "رھط" جماعت کا نام ہے، گویا اُن میں سے ہر فرد سردار تھا اور ہر ایک شخص اُن کی پیروی کرتا تھا۔

ابن عطیہ نے ذکر کیا ہے کہ جن کا ذکر کیا گیا ہے یہ قدار کے اصحاب تھے جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔ اُن کے ناموں میں اختلاف ہے، پس الغزنوی نے کہا: اُن کے نام قدار بن سالف، مصدع، اسلم، دسم، ذہیم، ذعم، ذعیم، قتال اور صداق تھے۔

ابن اسحاق نے کہا: اُن کے سردار قدار بن سالف اور مصدع بن مہرع تھے، تو سات نے اُن کی پیروی کی۔ اور علامہ زمخشری

نے وہب بن منبہ سے اُن کے ناموں کی روایت کی ہے: (۱) الہذیل بن عبد رب (۲) غنم بن غنم (۳) ریاب بن مہرج (۴) مصدع بن مہرج (۵) عمیر بن کردبہ (۶) عاصم بن مخرمہ (۷) سبیط بن صدقہ (۸) سمعان بن صفی (۹) قدار بن سالف۔ اور یہی وہ ہیں جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے میں کوشش کی تھی۔ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے سرکش لوگ تھے اور سرداروں کے بیٹے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن لوگوں نے (آپس میں) کہا: تم اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم ضرور صالح اور اُس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے، پھر ہم اُن کے وارث سے کہیں گے: ہم ان گھر والوں کے قتل کے وقت حاضر ہی نہ تھے اور ہم یہ بات پوری سچائی سے کہہ رہے ہیں O'' (النمل: ۴۹)

''قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَیِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِیِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ'': انہوں نے ایک دوسرے سے قسم لی کہ وہ ضرور حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں کو رات کے وقت قتل کر دیں گے اور اُن کے وارث سے کہیں گے: ہم نہیں جانتے کہ ان کو کس نے قتل کیا ہے اور نہ ہم قتل کے وقت حاضر تھے اور ہم اپنے انکار میں سچے ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ انہوں نے کیسے کہا کہ ہم ضرور سچے ہیں، یعنی ہم اس قول میں ضرور سچے ہیں کہ ہم اُن کی ہلاکت کے وقت حاضر نہیں تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ جب انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر شب خون مارا اور اُن کے گھر والوں پر شب خون مارا تو انہوں نے دو شب خون مارنے کو جمع کر دیا، پس انہوں نے کہا کہ ہم اُن کے گھر والوں پر شب خون مارنے کے وقت حاضر نہ تھے، اس لحاظ سے وہ سچے ہیں اور اس میں یہ قطعی دلیل ہے کہ جھوٹ بولنا کفار کے نزدیک بھی قبیح تھا۔ جو لوگ شریعت کی معرفت نہیں رکھتے تھے اور نہ اُن کے دل میں شریعت کا کھٹکا تھا، انہوں نے اللہ کے نبی کو قتل کرنے کا قصد کیا اور پھر بھی وہ اس پر راضی نہیں تھے کہ اُن کو جھوٹا قرار دیا جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''انہوں نے سازش تیار کی اور ہم نے خفیہ تدبیر کی اور وہ بالکل بے خبر تھے O'' (النمل: ۵۰)

''وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ'':

مجاہد نے بیان کیا کہ کفار کا مکر اور اُن کی سازش یہ تھی کہ حضرت صالح علیہ السلام نے اُن پر عذاب آنے کی خبر دی تھی تو انہوں نے یہ قسمیں کھائیں کہ وہ رات کو حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر آ کر شب خون ماریں گے اور اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو قتل کر دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اگر صالح اپنی وعید میں جھوٹے ہیں تو ہم نے اُن پر اُس چیز کو واقع کر دیا جس کے وہ مستحق تھے، یعنی اُن کو قتل کر دیا۔ اور اگر وہ اپنی وعید میں صادق تھے تو اُن کی وعید کے آنے سے پہلے ہم نے اُن کو قتل کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس رات فرشتوں کو بھیج دیا اور حضرت صالح علیہ السلام کا گھر اُن فرشتوں سے بھر گیا، پس وہ نو افراد حضرت صالح علیہ السلام کے گھر برہنہ تلواریں لے کر آئے تو فرشتوں نے اُن کو قتل کر دیا اور پتھر مار مار کر اُن کو

ہلاک کر دیا، وہ پتھروں کو دیکھتے تھے اور یہ نہیں جان سکے کہ پتھر اُن پر کون مار رہا ہے۔

اور قتادہ نے کہا: وہ جلدی سے بھاگتے ہوئے حضرت صالح علیہ السلام کی طرف نکلے تو اُن پر ایک فرشتہ مسلط کر دیا گیا جس کے ہاتھ میں چٹان تھی، اُس نے وہ چٹان اُن پر دے ماری اور اُن سب کو ہلاک کر دیا۔ سو اُن کا مکر یہ تھا کہ وہ حضرت صالح علیہ السلام پر اچانک حملہ کر کے انہیں قتل کر دیں اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر اُن کے مکر کی سزا تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس آپ دیکھئے کہ اُن کی سازش کا کیسا انجام ہوا، ہم نے اُن کو اور اُن کی قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا O'' (النمل: ۵۱)

''فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ أَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِيْنَ '': یعنی ہم نے ایک چیخ کے ذریعے اُن کو ہلاک فرما دیا۔ کہا گیا ہے کہ اُن سب کو حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ یا چنگھاڑ نے ہلاک کر دیا تھا۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ وہ نو (۹) الگ عذاب سے ہلاک ہوئے، پھر باقی چیخ سے ہلاک ہو گئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو یہ اُن کے ظلم کی وجہ سے اُن کے گھروں کے کھنڈرات ہیں، بے شک اس عذاب میں جاننے والوں کے لیے ضرور عبرت کی بڑی نشانی ہے O'' (النمل: ۵۲)

''فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ '': یعنی اُن کے گھر خالی پڑے ہوئے تھے، اُن میں کوئی رہنے والا نہیں تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہلاک کرنے کا ذکر فرمایا تو اس کے بعد اس کی وجہ بیان فرمائی کہ یہ اُن کے اپنی جانوں پر ظلم کی وجہ سے ہوا، کیونکہ وہ اُن کی عبادت کرتے تھے جو عبادت کے مستحق نہ تھے اور اُن کی عبادت کو ترک کر دیا جو عبادت کے مستحق تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں بہت بڑی عبرت ہے اُن لوگوں کے لیے جو ہماری قدرت کو جانتے ہیں۔ اور جس کو یہ علم نہیں ہے تو وہ اپنے آپ کو جانوروں میں شمار کرے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے اُن لوگوں کو نجات عطا فرما دی جو ایمان لا چکے تھے اور اللہ سے ڈرتے تھے O'' (النمل: ۵۳)

''وَأَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ '': (اور ہم نے ان لوگوں کو نجات عطا فرما دی جو ایمان لا چکے تھے اور اللہ سے ڈرتے تھے)۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ چار ہزار مردوں کو نجات عطا فرمائی گئی۔ اور مقاتل وغیرہ نے اُن پر عذاب کی تفصیل میں بیان کیا کہ اُن کے بدن پر چنے کے برابر دانے نکل آئے جو پہلے دن سرخ رنگ کے تھے، پھر دوسرے دن زرد رنگ کے ہو گئے، پھر تیسرے دن سیاہ رنگ کے ہو گئے۔ اور اونٹنی کی کونچیں بدھ کے دن کاٹی گئی تھیں اور اتوار کے دن ان لوگوں کی ہلاکت ہوئی۔

حضرت صالح علیہ السلام اپنے ساتھ ایمان والوں کو لے کر حضرموت کی طرف چلے گئے۔ جب اُس شہر میں حضرت صالح علیہ السلام گئے تو اُن کی وفات ہو گئی، پس اُس شہر کا نام حضرموت پڑ گیا یعنی جو اُس میں آیا وہ مر گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ ختم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ شروع فرمایا۔

(میں کہتا ہوں کہ یہ عبارت صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام سے پہلے حضرت ہود علیہ السلام حضر موت پر پہنچے تھے اور وہیں پر سرخ ٹیلے کے پاس ان کی وفات ہوئی تھی اور وہیں ان کی قبر مبارک ہے۔ لہٰذا حضر موت کے نام کی یہ وجہ صحیح نہیں ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام وہاں حاضر ہوئے اور فوت ہوئے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ''اور لوط کا ذکر کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ایک دوسرے کے سامنے بے حیائی کے کام کرتے ہو O'' (النمل: ۵۴)

حضرت لوط علیہ السلام کا اُن کی قوم کے ساتھ قصہ

''وَلُوۡطًا إِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهِ أَتَأۡتُونَ الۡفَاحِشَةَ وَأَنۡتُمۡ تُبۡصِرُونَ'': یعنی ہم نے لوط کو بھیجا، یا آپ لوط کا ذکر کیجئے جب اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا اور وہ اہلِ سدوم تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو اور ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے ہو، اور یہ تمہارا بہت بڑا گناہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تم میں سے کوئی دوسرے کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے اور تم اُس کی طرف دیکھتے ہو۔ اور وہ سرکشی اور ہٹ دھرمی سے ستر نہیں کرتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا تم جنسی خواہش پوری کرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو، بلکہ تم جاہل لوگ ہو O'' (النمل: ۵۵)

''أَئِنَّكُمۡ لَتَأۡتُونَ الرِّجَالَ شَهۡوَةً مِّنۡ دُونِ النِّسَآءِ ۚ بَلۡ أَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تَجۡهَلُونَ'': یعنی تم بے حیائی کا کام کرتے ہو اور برے کاموں کا ارتکاب کرتے ہو، اور تم ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہتے ہو۔ کیونکہ وہ لوگ مجلس میں یہ بدفعلی کرتے تھے اور اس کو ظاہر کرتے تھے اور وہ اس پر ستر نہیں کرتے تھے، کیونکہ وہ معصیت میں منہمک تھے۔ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ یہ اُن کا ایسا فعل تھا جس کی قباحت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اور تم تو جانوروں سے بھی بدتر کام کرتے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن کی قوم کا صرف یہی جواب تھا کہ انہوں نے کہا کہ لوط کے گھر والوں کو اُن کی بستی سے نکال دو، یہ لوگ بہت پاک باز بنتے ہیں O'' (النمل: ۵۶)

''فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهِ إِلَّا أَنۡ قَالُوۡا أَخۡرِجُوۡا آلَ لُوۡطٍ مِّنۡ قَرۡيَتِكُمۡ ۚ إِنَّهُمۡ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ'':

مجاہد نے کہا: اُن کی قوم کا جواب یہ تھا، یعنی تم وہ لوگ ہو جو مردوں کی سرین میں دخول کرنے سے پاک باز بنتے ہو۔ اور یہ اُن کا مذاق اڑانے کے لیے کہتے تھے۔ اور قتادہ نے کہا: اُن لوگوں نے بغیر کسی عیب کے منع کرنے والوں کی مذمت کی کہ وہ اُن کو اس بدفعلی کے کام سے روکتے ہیں۔ اور جب کہ اِن بدفعلی کرنے والوں کے پاس اپنے افعال کی صحت پر کوئی دلیل نہیں تھی نہ کوئی شبہ تھا تو انہوں نے کہا کہ لوط اور اُن کے گھر والوں کو تم اپنے شہر سے نکال دو اور اُس کی وجہ یہ بیان کی کہ یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں، یعنی نجاست کے کاموں سے بچتے ہیں۔ اور انہوں نے اُن کے انکار پر غصہ کیا اور جب وہ اپنی خباثت میں اس انتہاء پر پہنچ گئے تو اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”پس ہم نے لوط کو اور اُن کے گھر والوں کو نجات عطا فرمادی سوا اُن کی بیوی کے، جس کے متعلق ہم نے فیصلہ فرمالیا تھا کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے ○“ (النمل: ۵۷)

”فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ٘ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِیْنَ“: پس ہم نے لوط اور اُن کے گھر والوں کو نجات عطا فرمائی تاکہ اُن پر ہمارا عذاب نہ پہنچے سوائے لوط کی بیوی کے۔ ہم اُس کے متعلق مقدر کر چکے تھے کہ وہ عذاب پانے والوں میں باقی رہنے والوں میں سے ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور ہم نے اُن پر پتھروں کی بارش فرمائی، پس جن لوگوں کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا اُن کے لیے پتھروں کی یہ بارش بہت بری تھی ○“ (النمل: ۵۸)

”وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ“: یعنی ہم نے اُن کو اس سنگ باری سے ہلاک فرمادیا اور اُن پر پتھر برسا کر ہلاک کرنے کا عذاب بہت برا تھا۔ (اس عذاب کی تفصیل سورۃ الاعراف کی آیت: ۸۰-۸۴ کی تفسیر میں اور سورۂ ہود کی آیت: ۷۷-۸۳ کی تفسیر میں گزر چکی ہے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: تمام تعریفوں کے اللہ ہی مستحق ہیں اور اللہ کے برگزیدہ بندوں پر سلامتی نازل ہو، کیا اللہ بہتر ہیں یا وہ جن کو یہ مشرکین اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں؟ ○“ (النمل: ۵۹)

”قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ؕ آٰللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِكُوْنَ“: الفراء نے کہا: حضرت لوط علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ آپ ان بدکاروں کی ہلاکت پر اللہ تعالیٰ کی حمد کیجیے۔ اور دوسرے مفسرین نے کہا: اس آیت میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ آپ کہیے: اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے گزری ہوئی امتوں کے کفار کو ہلاک فرمادیا۔ النحاس نے کہا: یہ تفسیر زیادہ بہتر ہے، کیونکہ قرآن مجید نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا ہے اور اس میں ہر آیت کے مخاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سوا اُس کے جس کا معنی آپ کے ساتھ درست نہ ہو۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: اے رسولِ اکرم! آپ کہیے: ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی“۔ اور پسندیدہ بندوں سے مراد آپ کی امت ہے۔ الکلبی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی معرفت اور اطاعت کے لیے منتخب فرمالیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سفیان نے کہا کہ اس آیت کے مصداق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اُن کی قدرت پر دلالت کرنے والی آیات کی تلاوت کریں اور اُن کی تلاوت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور اُن کے بندوں میں سے پسندیدہ اور برگزیدہ انبیاء علیہم السلام پر سلام بھیجیں۔ اور اس میں حمد و تعلیم ہے اور ہمیشہ سے علماء اور خطباء اور واعظین کا اس ادب کو اختیار کرنے کا یہ طریقہ رہا ہے، پس وہ اللہ عزوجل کی حمد کرتے ہیں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر نصیحت اور خطبہ کے شروع سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کے برگزیدہ نبیوں پر صلوٰۃ بھیجنی چاہیے۔

"اَلَّذِیْنَ اصْطَفٰی": یعنی جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لیے چن لیا اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ" (الصافات:۱۸۱) "(اور تمام رسولوں پر سلام ہو)۔

"آٰللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِكُوْنَ": اس کا معنی یہ ہے کہ یہ طریقہ بہتر ہے یا وہ طریقہ بہتر ہے جس میں تم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک بناتے ہو۔ سیبویہ نے حکایت کی ہے کہ سعادت تمہارے نزدیک پسندیدہ ہے یا بدبختی۔ اور وہ جانتے ہیں کہ سعادت سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ثواب بہتر ہے یا جو مشرکین کو ان کے شرک پر عذاب دیا جائے گا وہ بہتر ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان سے یہ اس لیے فرمایا کہ وہ یہ اعتقاد کرتے تھے کہ بتوں کی عبادت کرنا بہتر ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتقاد کے مطابق فرمایا کہ بتوں کی عبادت کرنا بہتر ہے یا واحد اللہ کی عبادت کرنا بہتر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو آپ نے کہا: بلکہ اللہ سب سے بہتر ہیں، سب سے زیادہ باقی رہنے والے ہیں، سب سے زیادہ بزرگ اور سب سے زیادہ کریم ہیں۔ (تفسیر الکشاف، ج ۳ ص ۳۸۰، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷) (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، جزء ۱۳ ص ۱۹۲۔ ۱۹۸، دارالکتاب العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ، السراج المنیر، ج ۵ ص ۹۷۔ ۱۰۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

(یہ بتاؤ کہ) آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا فرمایا اور کس نے تمہارے فائدہ کے لیے آسمان سے پانی نازل فرمایا، پس ہم نے اس پانی سے رونق والے باغات اگائے، تمہارے لیے ان درختوں کو پیدا کرنا ممکن نہ تھا، کیا اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود ہیں؟ بلکہ یہ کفار راستہ سے بھٹکنے والے ہیں O

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

(یہ بھی بتاؤ کہ) کس نے زمین کو پرسکون رکھا اور کس نے اس زمین کے درمیان دریا جاری فرمائے، اور کس نے اس زمین کو لرزنے سے روکنے کے لیے مضبوط پہاڑوں کے لنگر بنائے اور کس نے دو سمندروں کے درمیان رکاوٹ بنائی، کیا اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود ہیں؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ علم نہیں رکھتے O

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

(یہ بھی بتاؤ کہ) جب کوئی بے قرار شخص دعا کرتا ہے تو اس کی دعا کون قبول فرماتا ہے اور اُس سے مصیبت کو کون دور فرماتا ہے اور کس نے تم کو زمین میں اللہ کا نائب بنایا، کیا اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود ہیں؟ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو○

اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾

(یہ بھی بتاؤ کہ) صحراؤں اور خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہاری رہنمائی فرماتا ہے اور رحمت کی بارش کے نزول سے پہلے اس کی خوش خبری دینے والی ہواؤں کو کون بھیجتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود ہیں؟ اللہ تعالیٰ بلند و برتر ہیں ان چیزوں سے جن کو یہ مشرکین بیان کرتے ہیں○

اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۶۴﴾

(یہ بھی بتاؤ کہ) مخلوق کو پیدا فرمانے کے بعد دوبارہ کون پیدا فرمائے گا اور تمہیں آسمان اور زمین سے کون رزق عطا فرماتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود ہیں؟ آپ کہیے: تم اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو○

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾

آپ کہیے کہ آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے سوا کوئی (از خود) غیب کو نہیں جانتا، اور (انہیں یہ بھی بتائیں کہ) ان کو اس کا شعور نہیں ہے کہ وہ کب مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے○

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

ع ۵

بلکہ آخرت کے متعلق اُن کا علم ساقط ہو چکا ہے، بلکہ وہ آخرت کے متعلق شک میں ہیں، بلکہ وہ اس کے متعلق اندھے ہو چکے ہیں○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(یہ بتاؤ کہ) آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا فرمایا اور کس نے تمہارے فائدہ کے لیے آسمان سے پانی نازل فرمایا، پس ہم نے اُس پانی سے رونق والے باغات اگائے، تمہارے لیے اُن درختوں کو پیدا کرنا ممکن نہ تھا، کیا اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود ہیں؟ بلکہ یہ کفار راستہ سے بھٹکنے والے ہیں○"

(النمل: ۶۰)

اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اُن کی توحید پر دلائل

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ، النمل: ۶۰ تا ۶۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ": اس آیت میں "حَدَآئِقَ" کا لفظ ہے۔ اور یہ حدیقہ کی جمع ہے، حدیقہ اُس باغ کو کہتے ہیں جس کے گرد چار دیواری نے احاطہ کیا ہوا ہو۔ "ذَاتَ بَهْجَةٍ" کا معنی ہے: ایسے باغات جو بہت حسین ہیں اور دیکھنے والا اُن کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں کہ ان آسمانوں کو اور زمینوں کو اور آسمان سے پانی نازل کرنے کو اور پھر اُس سے ان باغات کو اُگانے میں کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود شریک ہیں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو؟

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں اور آسمان سے پانی کے نازل فرمانے میں اور زمین سے سبزہ اُگانے میں اللہ تعالیٰ ہی مخصوص ہیں۔ پھر سب سے بڑی نعمت کا ذکر فرمایا اور وہ خوش نما اور خوبصورت باغات ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا کہ ان باغات کے اُگانے میں اللہ تعالیٰ منفرد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس پر قادر نہیں ہے، اور جب اس انعام کے ساتھ اللہ تعالیٰ مخصوص ہیں تو واجب ہے کہ ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے لیے عبادت کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا جائے۔ پھر فرمایا: "بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ"۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے عدول کر کے اس کے غیر کی عبادت کرتے ہیں۔

اس جگہ یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ درختوں کو اُگانے والا انسان ہے، کیونکہ انسان یہ کہتا ہے کہ میں نے بیج کو زمین میں ڈالا اور زمین میں پانی دیا اور اس پر دھوپ پہنچانے میں کوشش کی، لہٰذا میں ہی درخت کو اُگانے والا ہوں اور جب یہ احتمال قائم تھا تو ضروری ہوا کہ اس احتمال کو زائل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے غائب کے صیغہ سے عدول فرما کر متکلم کے صیغہ کے ساتھ فرمایا کہ ہم نے اُگایا، یعنی تمہارے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ تم درخت کو اُگاتے، کیونکہ کئی مرتبہ انسان زمین میں بیج بھی ڈالتا ہے، زمین میں پانی بھی دیتا ہے اور مشقت اٹھاتا ہے، پھر بھی زمین سے پیداوار نہیں ہوتی، اس لیے لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ زمین سے درختوں کو پیدا کرنا انسان کے بس اور اُس کے اختیار میں نہیں ہے، اس کا ظہور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(یہ بھی بتاؤ کہ) کس نے زمین کو پر سکون رکھا اور کس نے اس زمین کے درمیان دریا جاری فرمائے، اور کس نے اس زمین کو لرزنے سے روکنے کے لیے مضبوط پہاڑوں کے لنگر بنائے اور کس نے دو سمندروں کے درمیان رکاوٹ بنائی، کیا اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود ہیں؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ علم نہیں رکھتے O" (النمل: ۶۱)

"اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَ جَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ":

زمین کی پہلی منفعت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پھیلا دیا اور اس کو ہموار فرمایا۔ اور اس زمین کو سختی اور نرمی کے درمیان متوسط بنایا، کیونکہ اگر یہ زمین پتھر کی طرح سخت ہوتی تو انسان اس زمین پر لیٹنے سے تکلیف اٹھاتا۔ اور اگر یہ زمین نرم ہوتی تو اس کی

شدید ٹھنڈک سے حیوانات مر جاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورج کو زمین سے اتنے فاصلہ پر رکھا کہ کبھی وہ زمین کے قریب ہوجاتا ہے اور کبھی زمین سے دور ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے مختلف فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے زمین کو ساکن بنایا، کیونکہ اگر زمین متحرک ہوتی تو یا تو سیدھی حرکت کرتی یا گولائی میں حرکت کرتی۔ اور ہر تقدیر پر زمین پر رہائش سے نفع حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔

میں کہتا ہوں: زمین کا فی نفسہٖ ساکن ہونا اور حرکت نہ کرنا زمین کی گردش کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ جس طرح اور سیارے گردش کرتے ہیں، اسی طرح زمین بھی گردش کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ" (فاطر: ۴۱) "(بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کو اپنی جگہ (محور) سے ہٹنے سے روکتے ہیں)۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ مطلب نکالا ہے کہ زمین ساکن ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو روکا ہوا ہے، اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ زمین اور آسمان اپنے محور پر گردش کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے محور سے ہٹنے نہیں دیتے۔ اب جب کہ سائنٹفک طریقہ سے زمین کی گردش ثابت ہوچکی ہے تو علم اور سائنس کے خلاف قرآن مجید کی تفسیر کرنے سے خدشہ ہے کہ سائنس کے طلباء اور ماہرین قرآن مجید کا انکار کردیں اور اس ترقی یافتہ دور میں پرانی لکیروں کو پیٹتے رہنے میں دین کی کوئی خدمت نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

"وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا": زمین سے جو پانی نکلتا ہے اس کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قسم چشموں کا بہتا ہوا پانی ہے، زمین میں جو بخارات ہیں وہ زمین کو پھاڑ کر نکلتے ہیں تو اس سے پانی حاصل ہوتا ہے، اور دوسری قسم دریاؤں کا پانی ہے، یہ بھی زمین کے بخارات سے حاصل ہوتے ہیں لیکن اتنے قوی نہیں ہوتے کہ زمین کو پھاڑ سکیں، اور تیسری قسم کنوؤں کا پانی ہے اور کنوئیں کا پانی بھی اسی طرح ہے جس طرح چشموں کا پانی ہوتا ہے۔

"وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ": اس سے مراد پہاڑ ہیں، پس ہم کہتے ہیں کہ اکثر چشمے اور معدنیات پہاڑوں میں بنائے جاتے ہیں۔ رہے چشمے تو زمین جب نرم ہو تو بخارات اس زمین کو پھاڑ کر باہر نکل آتے ہیں۔

"وَّجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا": اور دو سمندروں کے درمیان رکاوٹ بنادی، تاکہ میٹھا پانی کڑوے پانی سے مخلوط ہوکر خراب نہ ہوجائے۔ اور رہا مومن، تو اس کے دل میں بھی دو سمندر ہیں: ایک ایمان اور حکمت کا سمندر ہے اور دوسرا سرکشی اور شہوت کا سمندر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان ایک رکاوٹ بنادی ہے تاکہ کوئی ایک سمندر دوسرے کو خراب نہ کردے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۙ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۚ" (الرحمٰن: ۱۹-۲۰) "(انہوں نے دو سمندر بہائے جو دیکھنے میں مل رہے ہیں ○ ان دونوں کے درمیان ایک ایسی حد ہے کہ وہ ایک دوسرے کی طرف بڑھ نہیں سکتے)۔ پھر فرمایا: "يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۚ" (الرحمٰن: ۲۲) "(ان (دونوں سمندروں) میں سے موتی اور مرجان نکلتا ہے)۔ پس دل کے یہ دو سمندر جب حد سے تجاوز نہ کریں تو ان سے ایمان اور شکر نکلتا ہے۔

رہا آسمان سے حاصل ہونے والا پانی، تو یہ پانی کسی معین فصل میں حاصل ہوتا ہے نہ کہ دوسری فصل میں۔ پھر اللہ سبحانہٗ نے بیان فرمایا کہ زمین کو پیدا فرمانے پر اور اس میں ان عظیم منافع کے رکھنے پر اللہ تعالیٰ ہی مخصوص ہیں، لہٰذا انہی کو الوہیت کے ساتھ مخصوص ماننا چاہیے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ" یعنی اکثر لوگ اس سے ناواقف ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب

چاہیے زمین سے پانی کے منافع کو لے جانے پر قادر ہیں۔

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، ان دو آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمانے میں اور آسمانوں سے پانی کے نازل فرمانے میں اور زمین سے درختوں کے اگانے میں اپنی تخلیق اور توحید پر دلیل قائم فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان چیزوں کو پیدا فرمانے پر قادر ہیں۔ اور جب تم نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ان چیزوں کے پیدا فرمانے پر قادر ہیں تو تم عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک کیوں بناتے ہو جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے بیان فرمایا کہ ان تمام امور کو پیدا فرمانے والے اور ان کے مدبر ایک ہیں، متعدد نہیں ہیں۔ اور جب تم نے اس کو جان لیا تو تم نے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کیوں شریک کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۔" (الانبیاء: ۲۲) "(اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور عبادت کے مستحق ہوتے تو زمین و آسمان ضرور درہم برہم ہو جاتے، پس عرش کے مالک مشرکین کی ان باتوں سے بہت بلند و برتر ہیں)۔ (تاویلات اہل السنہ، ج ۸ ص ۱۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(یہ بھی بتاؤ کہ) جب کوئی بے قرار شخص دعا کرتا ہے تو اس کی دعا کون قبول فرماتا ہے اور اُس سے مصیبت کو کون دور فرماتا ہے اور کس نے تم کو زمین میں اللہ کا نائب بنایا، کیا اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود ہیں؟ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو ○" (النمل: ۶۲)

"اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ": جب کوئی مجبور شخص اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو اُس کی مجبوری یا تو کسی مرض کی وجہ سے ہوتی ہے یا فقر کی وجہ سے ہوتی ہے یا مصائب کی وجہ سے ہوتی ہے۔

یہاں پر یہ سوال ہے کہ کتنے ہی بے قرار اور مجبور لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور اُن کی دعا قبول نہیں ہوتی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے بس اور بے قرار شخص کی دعاؤں کو سنتے ہیں لیکن یہ نہیں فرمایا کہ وہ اُسی وقت اُس کی مصیبت کو ٹال دیتے ہیں۔ جب اُس کی دعائیں قضا و قدر کے مطابق ہوں تو اللہ تعالیٰ اُسی وقت قبول فرما لیتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت میں اُس کی دعا کو قبول فرمانا بہتر نہ ہو تو اُسی وقت اُس کی دعا کو قبول نہیں فرماتے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔" (البقرہ: ۲۱۶) "(اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو بہتر سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خراب ہو، اور اللہ ہی (سب کچھ) جاننے والے ہیں اور تم نہیں جانتے)۔

نیز بعض اوقات اللہ عزوجل اُسی وقت اُس کی دعا کو قبول نہیں فرماتے، لیکن جب بندہ صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کے صبر پر اُسے آخرت میں اجرِ عظیم عطا فرماتے ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اُس کی دعا کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اُس سے کوئی اور مصیبت ٹال دیتے ہیں۔

"وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ": یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین میں پہلوں کا جانشین بنا دیا۔ یعنی جب پہلے لوگ فوت ہو گئے تو اُن کی جگہ تم کو زمین پر آباد فرما دیا۔ اگر وہ پہلے لوگ فوت نہ ہوتے اور زمین پر یونہی برقرار رہتے تو تم زمین پر کیسے آباد ہوتے؟ جب تم یہ جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی بے قرار شخص کی فریاد کو سنتے ہیں اور اس کی مصیبت کو ٹالتے ہیں نہ کہ وہ بت جن کی تم پرستش کرتے ہو، پس کیوں تم اُن کو الوہیت اور عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(یہ بھی بتاؤ کہ) صحراؤں میں اور خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہاری رہنمائی فرماتا ہے اور رحمت کی بارش کے نزول سے پہلے اس کی خوش خبری دینے والی ہواؤں کو کون بھیجتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود ہیں؟ اللہ تعالیٰ بلند و برتر ہیں ان چیزوں سے جن کو یہ مشرکین بیان کرتے ہیں O" (النمل: ۶۳)

"أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ": اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو امروں کا ذکر فرمایا: ایک یہ کہ جب رات پھیل جاتی ہے اور لوگ خشکی یا سمندر میں سفر کر رہے ہوتے ہیں تو اُن کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہی ستارے بنائے ہیں۔ اور دوسرا امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوائیں پیدا فرمائی ہیں جو بادلوں کو وہاں لے جاتی ہیں جہاں اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔

اس سے مراد بارش ہے اور جو ہوائیں بارش کو لاتی ہیں وہ چار قسم کی ہیں: (۱) صبا (۲) الدبور (۳) اور اس کے دائیں جانب جنوب (۴) اور اس کی بائیں جانب شمال۔ اور ان میں سے ہر ایک کی طبیعت کا تقاضا مختلف ہے۔ پس صبا گرم خشک ہے اور دبور سرد تر ہے اور جنوب گرم تر ہے اور شمال سرد خشک ہے۔ اور یہ جنت کی ہوا ہے جو اہل جنت پر چلتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انکار کا مکرر ذکر فرمایا۔ کیا ان ہواؤں کو پیدا فرمانے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور شریک ہیں؟ پھر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو کیوں شریک کرتے ہو؟

خشکی اور سمندروں کے اندھیروں سے مراد یہ ہے کہ جب انسان رات کے اندھیروں میں خشکی یا سمندروں کا سفر کرے تو اس وقت اس کو ستاروں سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اور بارش ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ ایسی ہوائیں بھیج دیتے ہیں جن سے بارش کا پتا چل جاتا ہے، ہر چند کہ اب ایسے آلات اور اسباب ایجاد ہو چکے ہیں جن سے ان ہواؤں کے بغیر بھی علم ہو جاتا ہے کہ بارش کب متوقع ہے اور کب متوقع نہیں ہے، لیکن یہ اسباب اور آلات بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں، اور ان آلات اور اسباب سے کام لینے کی عقل بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہے، اور یہ مشرکین پتھر کے جن بے جان بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں کیا ان بتوں میں یہ طاقت ہے کہ وہ ان ہواؤں کو بھیج سکیں یا ایسے اسباب اور آلات پیدا کر سکیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(یہ بھی بتاؤ کہ) مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد دوبارہ کون پیدا فرمائے گا اور تمہیں آسمان اور زمین سے کون رزق عطا فرماتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود ہیں؟ آپ کہیے: تم اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو O" (النمل: ۶۴)

"أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ

"اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ": اللہ تعالیٰ نے پہلے دنیا میں عطا فرمائی ہوئی نعمتوں کو گنوایا، اس کے بعد آخرت کی نعمتوں کو گنوایا کہ کون مخلوق کو دوبارہ پیدا فرمائے گا، کیونکہ آخرت کی نعمتیں اور اجر و ثواب اُسی وقت حاصل ہوگا جب اس دنیا کو ابتداء کے بعد دوبارہ بنایا جائے، اس لیے فرمایا: تمہیں آسمانوں اور زمین سے کون رزق دیتا ہے، پھر انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود ہیں، پھر بیان فرمایا کہ اگر دیگر معبود ہونے پر تم سچے ہو تو اُس کی دلیل لاؤ۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے فرمایا کہ کون مخلوق کو دوبارہ پیدا فرمائے گا حالانکہ کفار اور مشرکین تو دوبارہ پیدا کرنے کے منکر تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کفار و مشرکین ابتداء کا اعتراف کرتے تھے اور ابتداء اعادہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال پر دلائل ہیں۔

"مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ": آسمان سے رزق بارش کی صورت میں حاصل ہوتا ہے اور زمین سے رزق، زمین کی پیداوار معدنیات اور حیوانات وغیرہ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "آپ کہیے کہ آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے سوا کوئی (از خود) غیب کو نہیں جانتا، اور (انہیں یہ بھی بتائیں کہ) ان کو اس کا شعور نہیں ہے کہ وہ کب مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے O" (النمل:٦٥)

"قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ":

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی قدرت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور اب یہ بیان فرمارہے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ قدرت کے ساتھ مخصوص ہیں، اسی طرح علم غیب کے ساتھ بھی مخصوص ہیں۔ اور جب یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہی عبادت کے مستحق ہیں، کیونکہ عبادت کا مستحق وہ ہوگا جس کو معلوم ہو کہ کون ثواب کا مستحق ہے اور کون عذاب کا۔ اور فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کو از خود غیب کا علم ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ تم آسمانوں اور زمینوں میں جن کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، اُن میں سے کوئی بھی از خود غیب کو نہیں جانتا، کیونکہ بعض لوگ آسمان والوں کی عبادت کرتے ہیں اور وہ فرشتے ہیں اور بعض لوگ زمین والوں کی عبادت کرتے ہیں، اور نہ آسمان والے غیب کو جانتے ہیں اور نہ زمین والے غیب کو جانتے ہیں، غیب کو جاننے والے صرف اللہ عزوجل ہیں۔

غیب کا معنیٰ ہے: جو چیز بعض لوگوں سے غائب ہو، سو جو چیز بعض لوگوں سے غائب ہے اُس کو اللہ عزوجل ہی جانتے ہیں۔ اور اب سے لے کر ابد تک جو کچھ ہوگا اُس کو صرف اللہ عزوجل ہی جانتے ہیں۔ اور بعض علماء نے کہا: غیب سے مراد یہاں قیامت اور مرنے کے بعد اٹھنا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب واقع ہوگی۔

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (الاعراف: ۱۸۷)" ((اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ اس کے آنے کا وقت کب ہوگا؟ آپ کہیے: اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے، قیامت کو اس کے وقت آنے پر صرف وہی ظاہر فرمائیں گے، قیامت آسمانوں اور زمینوں میں بہت بھاری ہے، وہ تم پر اچانک آئے گی، وہ آپ سے قیامت کے متعلق اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ اس کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں، آپ کہیے: اس کے وقوع کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے)۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وقتِ وقوعِ قیامت پر کسی کو مطلع نہیں فرمایا۔

میں کہتا ہوں کہ جو فرشتہ صور میں پھونکے گا جس سے قیامت واقع ہوگی اُس کو بہر حال اللہ تعالیٰ مطلع فرمائیں گے کہ اس نے کب صور میں پھونکنا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اُس فرشتے کو وقتِ وقوعِ قیامت کا علم ہوگا اور جب اُس فرشتہ کو علم ہوگا تو ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کے سب سے برگزیدہ نبی ہیں، اُن کو بہ طریقِ اولیٰ علم ہوگا کہ قیامت کب واقع ہوگی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بلکہ آخرت کے متعلق اُن کا علم ساقط ہو چکا ہے، بلکہ وہ آخرت کے متعلق شک میں ہیں، بلکہ وہ اس کے متعلق اندھے ہو چکے ہیں O" (النمل: ٦٦)

"بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ":

"اِدّٰرَكَ" اصل میں تدارک تھا، تاء کا دال میں ادغام کر دیا تو یہ "اِدّٰرَكَ" ہو گیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ علم کے استحکام اور اس کے کمال کا معنی یہ ہے کہ قیامت واقع ہونے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور وہ اس کی معرفت کا اقرار کرتے تھے، اس کے باوجود وہ شک کرتے تھے اور جاہل تھے، اسی لیے فرمایا: "بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ"۔

یہ آیت اس لیے لائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ علمِ غیب کے ساتھ مخصوص ہیں اور بندوں کو اس میں سے کسی چیز کا علم نہیں ہے اور بندوں کا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور حشر میں جمع ہونا یہ بھی غیب سے ہے اور انہیں اُن کا شعور نہیں ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ مشرکین کا یہ وصف بیان کرنا کہ وہ قیامت کا انکار کرتے ہیں کیسے درست ہوگا حالانکہ قیامت کے علم کے وقوع پر اسباب میسر ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ گویا کہ اللہ سبحانہٗ نے فرمایا: یہ کیسے غیب کو جان سکتے ہیں جب کہ ان کو آخرت کے ثبوت میں شک ہے، جب کہ آخرت کے ثبوت پر قوی دلائل موجود ہیں۔ اور جو اس ظاہر چیز کے علم سے غافل ہو وہ غیب کو کیسے جان سکتا ہے جو تمام چیزوں سے زیادہ چھپی ہوئی چیز ہے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے: ان کو آخرت کا علم حاصل نہیں ہے، اور جب آخرت میں علم حاصل ہوگا تو وہ بے سود ہوگا، کیونکہ اس وقت اُس علم کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے کہا ہے: اُن کو یہ معلوم ہے کہ آخرت ضرور واقع ہوگی اور وہ مشرکینِ عرب ہیں، بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں، کبھی کہتے ہیں: آخرت ہوگی اور کبھی کہتے ہیں کہ ہمیں پتا نہیں ہے کہ آخرت ہوگی یا نہیں ہوگی۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تین جگہ بل کے ساتھ اضراب فرمایا ہے۔فرمایا: "بَلِ ادّٰرَكَ" یعنی کیا ان کو قیامت کا مکمل علم ہوگیا ہے حتیٰ کہ یہ اس کے آنے کا وقت پوچھ رہے ہیں، اس طرح نہیں ہے۔ پھر دوسری جگہ فرمایا: "بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ" یعنی وہ قیامت کے متعلق شک میں ہیں جیسے کوئی شخص کسی چیز کے وقوع کے متعلق حیران ہو اور اس کو اس کے وقوع پر کوئی دلیل نہ ملے، پھر فرمایا: "بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ" یعنی وہ قیامت کے وقوع پر دلائل کا ادراک نہیں کر سکتے، کیونکہ ان کی بصیرت صحیح نہیں ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہاں پر تین اضراب ہیں، ان کی کیا تفصیل ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اُن کو اس مرتبہ میں نازل فرمایا کہ وہ نہیں جانتے کہ اُن کو دوبارہ کب اٹھایا جائے گا، پھر اس مرتبہ میں نازل فرمایا کہ وہ جانتے ہیں کہ قیامت ہوگی، پھر بتایا کہ وہ شک اور شبہ میں مبتلاء ہیں جس کو وہ زائل نہیں کر سکتے اور یہی اُن کا اندھا پن ہے۔ اور وہ جانوروں کی مثل ہیں جن کا مقصود صرف پیٹ بھرنا ہوتا ہے اور شہوت کا تقاضا پورا کرنا ہوتا ہے۔ اور اُن کے دل میں یہ نہیں آتا کہ ان چیزوں کے حصول کے لیے کون سا طریقہ حق ہے اور کون سا طریقہ باطل ہے، کیونکہ عاقبت کا کفر کرنا اور جزا کا انکار کرنا ایسی چیز ہے جس نے اُن کافروں کو جانوروں کے مرتبہ میں واقع کردیا نہ تدبر کرتے ہیں نہ بصیرت حاصل کرتے ہیں۔

(التفسیر الکبیر ج ۸ ص ۵۶۳_۵۶۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ، السراج المنیر ج ۵ ص ۱۰۳_۱۰۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ، تاویلات اہل السنۃ ج ۸ ص ۱۲۶_۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَاۤ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور کافروں نے کہا: جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم کو (قبروں سے) نکالا جائے گا؟ O

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۶۸﴾

بے شک یہ وعدہ ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے پہلے (بھی) کیا گیا تھا، یہ صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں O

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۶۹﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: تم زمین میں سفر کرو، پس دیکھو کہ (انکار کرنے والے) مجرموں کا کیسا انجام ہوا؟ O

وَ لَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَ لَا تَكُنْ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور آپ (ان کے کفر پر اصرار کی وجہ سے) غم نہ کریں اور ان کی سازشوں سے تنگ دل نہ ہوں O

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۷۱﴾

اور کفار کہتے ہیں: جس عذاب کی تم دھمکی دے رہے ہو، وہ دھمکی کب پوری ہوگی اگر تم سچے ہو O

قُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾

آپ کہیے: جس عذاب کو تم جلد طلب کر رہے ہو، ہو سکتا ہے اُس کا کچھ حصہ تمہارے سروں پر آ پہنچا ہو O

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور بے شک آپ کے رب لوگوں پر بہت فضل فرمانے والے ہیں لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے O

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَیَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور بے شک آپ کے رب اُن چیزوں کو ضرور جانتے ہیں جن کو یہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں اور جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں O

وَ مَا مِنْ غَآىٕبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۵﴾

اور آسمان میں اور زمین میں جو چیز بھی غائب ہے اُس کا ذکر لوحِ محفوظ میں مذکور ہے O

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾

بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر اُن چیزوں کو بیان فرماتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں O

وَ اِنَّهٗ لَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۷﴾

اور بے شک یہ قرآن مومنوں کے لیے ضرور ہدایت اور رحمت ہے O

اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ ﴿۷۸﴾

بے شک آپ کے رب ان اختلاف کرنے والوں کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ فرما دیں گے اور وہ سب پر غالب، سب سے زیادہ جاننے والے ہیں O

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِیْنِ ﴿۷۹﴾

سو آپ اللہ پر توکل رکھیں، بے شک آپ واضح حق پر قائم ہیں O

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۸۰﴾

بے شک آپ مُردوں کو (یعنی مُردہ دلوں کو) نہیں سناتے اور نہ بہروں کو نصیحت سناتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں O

وَ مَاۤ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

اور آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے نہیں پھیر سکتے، آپ صرف انہی لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں سو

وہی مسلمان ہیں O

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور جب قیامت کی وعید اُن کے سامنے پوری ہوگی تو ہم اُن کے لیے زمین سے ایک چوپایہ نکالیں گے جو اُن سے کلام کرے گا، بے شک لوگ ہماری آیات پر ایمان نہیں لاتے تھے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کافروں نے کہا: جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم کو (قبروں سے) نکالا جائے گا؟ O'' (النمل: ۶۷)

مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر دلائل

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ، النمل: ۶۷ تا ۸۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ'': یعنی مشرکین مکہ نے کہا: جب ہم اور ہمارے باپ دادا گل سڑ کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم کو مٹی ہونے کے بعد قبروں سے نکالا جائے گا۔ انہوں نے مٹی ہونے کا ذکر اس لیے کیا کہ یہ قبروں سے نکالنے کے منافی ہے، ورنہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے منکر تھے خواہ وہ مٹی ہو جائیں یا نہ ہو جائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک یہ وعدہ ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے پہلے (بھی) کیا گیا تھا، یہ صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں O'' (النمل: ۶۸)

''لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ'': یعنی جس طرح (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم کو ڈرایا ہے، اس سے پہلے قدیم زمانہ میں ہمارے باپ دادا کو ڈرایا گیا تھا، پھر اُن کو قبروں سے نہیں نکالا گیا اور یہ وعید تو جھوٹ ہے جیسے رستم اور اسفندیار کے قصے ہیں۔ ''اساطیر'' اُن باتوں کو کہتے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: تم زمین میں سفر کرو، پس دیکھو کہ (انکار کرنے والے) مجرموں کا کیسا انجام ہوا؟ O'' (النمل: ۶۹)

''قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ'': اے رسولِ اکرم! آپ کہیے: اے انکار کرنے والو اور تکذیب کرنے والو! زمین میں سفر کرو۔ جس طرح الحجر والوں نے، الاحقاف والوں نے اور المؤتفکات والوں نے جھٹلایا تھا، پھر دیکھو ان جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ کیونکہ وہ مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلاء فرما کے ہلاک کر دیے گئے۔ اور اس آیت میں اُن کو تکذیب اور تخویف پر وعید سنائی ہے کہ اُن پر بھی ایسا عذاب نازل ہو جائے گا جیسا ان سے پہلے جھٹلانے والوں پر عذاب نازل ہوا۔ اس آیت میں ''الْمُجْرِمِیْنَ'' کا لفظ ہے، یہ الجُرم سے ماخوذ ہے، جُرم کا معنی ہے: درخت سے پھل کو بغیر اجازت کے

اتارنا، پھر اس سے مراد ہرنا جائز کام ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور آپ (اِن کے کفر پر اصرار کی وجہ سے) غم نہ کریں اور ان کی سازشوں سے تنگ دل نہ ہوں O" (النمل:۷۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کفار کی سازش اور اس کی سزا

"وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ": آپ ان کی تکذیب اور انکار پر اصرار کرنے کی وجہ سے غمگین نہ ہوں، اس آیت میں غم کرنے سے منع نہیں فرمایا، کیونکہ غم کرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ لیکن یہ ممانعت حقیقت میں اُن اسباب سے ہے جن کی وجہ سے غم ہوتا ہے، اور غم کی ضد خوشی ہے۔ اور فرمایا: آپ "ضَيْقٍ" میں نہ ہوں۔ "ضَيْقٍ" وسعت کی ضد ہے اور اس کا استعمال فقر اور غم میں ہوتا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: "مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ"۔ اُن کی خفیہ تدبیر اور سازش یہ تھی کہ آپ کو کسی طریقہ سے ہلاک کر دیا جائے اور لوگوں کو آپ کے دین کے قبول کرنے سے روک دیا جائے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَ لَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ"۔ (فاطر:۴۳) "(بری سازش اپنے تیار کرنے والے ہی کو لپیٹ میں لیتی ہے)۔ نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ"۔ (المائدہ:۶۷) "(اور اللہ آپ کو لوگوں (کے ضرر) سے بچائیں گے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور کفار کہتے ہیں: جس عذاب کی تم دھمکی دے رہے ہو، وہ دھمکی کب پوری ہوگی اگر تم سچے ہو O" (النمل:۷۱)

کفار کی وعید کا کچھ حصہ اُن پر نازل ہونا

"وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ": (منکرین کفار کہتے ہیں: جس عذاب سے آپ ڈرا رہے ہیں اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کی جو خبر دے رہے ہیں) یہ وعید اور خبر کب پوری ہوگی اگر آپ سچوں میں سے ہیں؟

اس آیت میں جمع کا صیغہ فرمایا ہے، یعنی اگر آپ اور آپ کے متبعین اس وعید اور خبر میں سچے ہیں تو یہ وعید اور خبر کب پوری ہوگی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "آپ کہیے: جس عذاب کو تم جلد طلب کر رہے ہو، ہو سکتا ہے اُس کا کچھ حصہ تمہارے سروں پر آ پہنچا ہو O" (النمل:۷۲)

"قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ": آپ کہیے: یہ عذاب تمہارے قریب پہنچ چکا ہے۔ اس آیت میں "رَدِفَ" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، ردیف اُس شخص کو کہتے ہیں جو سوار کے پیچھے بیٹھا ہو۔ یعنی یہ عذاب تمہارے اس قدر قریب ہے جس طرح سوار کے پیچھے بیٹھنے والا سوار کے قریب ہوتا ہے۔ پھر غزوۂ بدر کے دن کفار مکہ پر یہ عذاب آیا اور باقی عذابوں کو قیامت کے دن کے لیے اُن کے واسطے ذخیرہ فرما لیا گیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ موت بھی قیامت کا ایک جز و اور حصہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "من مات فقد قامت

قیامتہ "(جو شخص مر گیا تو اُس کی قیامت قائم ہو گئی)۔

(کشف الخفاء للعجلونی: ۲۶۱۸، شرح السنۃ للبغوی ج ۱۵ ص ۹۷، فتح الباری لابن رجب ج ۳ ص ۳۶۹، عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۶، حاشیۃ السندی علی سنن النسائی ج ۸ ص ۲۳۶)

کیونکہ موت کا زمانہ دنیا کے زمانوں کا آخر ہے اور آخرت کے زمانوں کا اول ہے۔ پس جو شخص قیامت کے وقوع سے پہلے مر گیا تو اُس کی قیامت قائم ہو گئی، کیونکہ موت کا زمانہ قیامت کے زمانہ سے متصل ہے جیسے دنیا کے زمانے ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور بے شک آپ کے رب لوگوں پر بہت فضل فرمانے والے ہیں لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے O" (النمل: ۷۳)

"وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ": یعنی آپ کے رب تمام لوگوں پر فضل اور انعام فرمانے والے ہیں۔ اور اُن انعامات میں سے یہ انعام بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نافرمان کی نافرمانی پر فوراً عذاب نہیں دیتے بلکہ اُس کو موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنے نافرمانی پر توبہ کر لے لیکن اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نہیں پہچانتے اور اُن کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ اپنی جہالت کی وجہ سے جلد عذاب کے وقوع کو طلب کرتے ہیں جیسا کہ ان لوگوں کا طریقہ ہے۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکرین کا جلد عذاب کو طلب کرنا محض اُن کی جہالت ہے ورنہ عذابِ اکبر کا ایک نمونہ اُن پر دنیا کے مصائب اور تکالیف کی صورت میں آ چکا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور بے شک آپ کے رب اُن چیزوں کو ضرور جانتے ہیں جن کو یہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں اور جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں O" (النمل: ۷۴)

"الکِنّ" کا معنی

"وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ": اس آیت میں "تُكِنُّ" کا لفظ ہے اور اِکنان کا معنی ہے: کسی چیز کو حفاظت میں رکھنا۔ تاج المصادر میں لکھا ہوا ہے کہ اکنان کا معنی ہے: دل میں کسی چیز کو رکھنا، اور الکِنّ کا معنی ہے: کسی چیز کو چھپانا۔ "وَمَا يُعْلِنُوْنَ": اور وہ اپنے جن اقوال اور افعال کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس میں یہ خبر ہے کہ اپنے جن برے کاموں کو وہ ظاہر کرتے ہیں، ان کے علاوہ ان کے اور بھی برے کام ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن سب کی سزا دیں گے۔

الجنید قدس سرہٗ نے کہا: "مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ" کا معنی ہے: جو دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کو چھپاتے ہیں۔ اور "وَمَا يُعْلِنُوْنَ" کا معنی ہے: جو وہ اپنے ظاہری اعضاء سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور آسمان میں اور زمین میں جو چیز بھی غائب ہے اُس کا ذکر لوحِ محفوظ میں مذکور ہے O" (النمل: ۷۵)

"وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ": یعنی جس چیز کو وہ شدت کے ساتھ چھپاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو اُس کا علم ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے سامنے غیب اور شہادت دونوں برابر ہیں۔ بحر الحقائق میں مذکور ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ غائب چیزوں میں سے جو موجود ہوں یا معدوم ہوں، سب اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود ہیں اور اُن کے علم میں چیزوں کا وجود اور عدم برابر ہے۔ پس انسان پر لازم ہے کہ وہ نسیان اور عصیان دونوں کو ترک کر دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر مطلع ہیں اور اس کے افعال پر مطلع ہیں، خواہ وہ اپنے افعال کو چھپانے میں کتنی کوشش کیوں نہ کرے۔

کینہ اور حسد کی مذمت

پھر مومن پر لازم ہے کہ اُس کا سینہ صاف ہو اور اس کے دل میں کسی کے خلاف کینہ، حسد اور عداوت نہ ہو۔ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دروازے سے سب سے پہلے جو شخص داخل ہوگا وہ اہل جنت میں سے ہے، پس حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اُس دروازے سے داخل ہوئے۔

(مسند احمد: ۶۹۰۷، مسند ابوداؤد والطیالسی: ۱۱۵، المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۱۹۸۳)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ اُن کے گرد اکٹھے ہو گئے اور اُن کو یہ حدیث سنائی اور اُن سے کہا: کاش! آپ ہمیں بتائیں کہ آپ کا وہ کون سا عمل ہے جس پر آپ کو سب سے زیادہ ثواب کی امید ہے، انہوں نے کہا کہ میں اپنے سینہ کو حسد اور کینہ سے سلامت رکھتا ہوں اور بے مقصد باتوں سے محفوظ رکھتا ہوں۔ پس اس حدیث میں دو امر ہیں، ایک امر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے واسطہ سے غیب کی خبر دی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیب کا علم عطا فرمایا، کیونکہ علم غیب بالذات اللہ عزوجل کے ساتھ مخصوص ہے، اور دوسرا امر یہ ہے کہ سینہ کو کینہ اور حسد سے سلامت رکھنا جنت کے حصول کے اسباب میں سے ہے، کیونکہ ایک اور حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اصحاب میں سے کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے متعلق مجھے یہ خبر نہ پہنچائے، کیونکہ میں پسند کرتا ہوں کہ میں اُن کی طرف نکالا جاؤں اور میرا سینہ محفوظ ہو۔

(سنن ترمذی: ۳۸۹۶، مسند احمد: ۳۷۵۹، سنن ابوداؤد: ۴۸۶۰، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۶۶۷۵، شرح السنہ للبغوی: ۳۵۷۱)

یعنی کوئی شخص میرے صحابہ میں سے کسی ایک کے متعلق کوئی ایسی خبر نہ پہنچائے جس کو میں اُس کے لیے ناپسند کرتا ہوں، یا جس کا ضرر اُسے پہنچتا ہو۔ اس حدیث میں لوگوں کے عیوب پر پردہ پوشی کرنے پر برانگیختہ فرمایا ہے اور جو معزز لوگ ہیں اُن کی لغزشوں کو معاف کرنے پر برانگیختہ فرمایا ہے۔ اور یہ اس وقت ہوگا کہ جب میں کوئی ایسی بات نہ سنوں جس سے دل میں کسی شخص کے خلاف کوئی رنج یا غصہ ہو، میں چاہتا ہوں کہ میں جب دنیا سے جاؤں تو میرا سینہ صاف ہو۔

اور عقل والوں کے لیے یہ نصیحت ہے کہ وہ چغلی کرنے اور غیبت کرنے میں مشغول نہ ہوں، کیونکہ مومن کی عزت اُس کی جان کی طرح ہے اور کسی معمولی بات کی وجہ سے مومن کے حق میں بدگمانی کرنا مناسب نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "الفتنة نائمة لعن الله من ايقظها" (فتنہ سویا ہوا ہے اور جو شخص اس فتنہ کو جگائے، اُس پر اللہ کی لعنت ہو)۔ (کشف الخفاء للعجلونی: ۱۸۱۷، التیسیر بشرح الجامع الصغیر، ج ۲ ص ۱۸۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر اُن چیزوں کو بیان فرماتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں O“ (النمل: ۷۶)

بنی اسرائیل کن چیزوں میں اختلاف کرتے تھے

”اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ“:
بے شک یہ قرآن جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا ہے وہ بنی اسرائیل کی اکثر اُن چیزوں کے متعلق بیان فرماتا ہے جس میں وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اختلاف کرتے تھے، مثلاً وہ حضرت مسیح اور حضرت عزیر کی الوہیت کی کیفیت کے متعلق اختلاف کرتے تھے، اور جسمانی اور روحانی معاد کے متعلق اختلاف کرتے تھے، اور جنت اور دوزخ کی صفات کے متعلق اختلاف کرتے تھے، اور شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کی سزا کے متعلق اختلاف کرتے تھے اور اکثر صحیح چیزوں کا انکار کرتے تھے حتی کہ ایک دوسرے پر لعنت کرتے تھے، پس اگر وہ انصاف کرتے اور قرآن مجید پر عمل کرتے اور اسلام لے آتے تو ضرور سلامت رہتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور بے شک یہ قرآن مومنوں کے لیے ضرور ہدایت اور رحمت ہے O“ (النمل: ۷۷)

”وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ“: بے شک یہ قرآن گمراہی سے ضرور ہدایت ہے، کیونکہ اس میں توحید پر، حشر ونشر پر، نبوت پر اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے بیان پر دلائل ہیں۔ اور مومنین کے لیے رحمت اور نعمت ہے اور اکرام ہے جن مومنین کے دلوں میں ایمان راسخ ہے، جیسا کہ کفار کے لیے عذاب ہے۔ مومنین کے لیے مطلقاً رحمت ہے خواہ وہ بنی اسرائیل سے ہوں یا دوسروں سے ہوں، اُن کا خصوصیت سے ذکر اس لیے فرمایا کہ وہی ہدایت سے نفع یاب ہوتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”بے شک آپ کے رب ان اختلاف کرنے والوں کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ فرمادیں گے اور وہ سب پر غالب، سب سے زیادہ جاننے والے ہیں O“ (النمل: ۷۸)

”اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ“: یعنی جو بنی اسرائیل اِن مسائل میں اختلاف کرتے تھے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان فیصلہ فرمادیں گے۔ اور وہ سب پر غالب ہیں، اُن کے فیصلہ کو کوئی رد نہیں کرسکتا۔ اور تمام چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”سو آپ اللہ پر توکل رکھیں، بے شک آپ واضح حق پر قائم ہیں O“ (النمل: ۷۹)

”فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ“: یعنی اے رسولِ اکرم! آپ ان کافروں اور منکروں کی عداوت کی بالکل پرواہ نہ کریں اور اللہ تعالیٰ پر توکل رکھیں۔ توکل کا معنی ہے: اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا اور اللہ تعالیٰ کے غیر سے کوئی توقع نہ رکھنا۔ نیز توکل کہتے ہیں کہ دل اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو اور مطمئن ہو۔ اور توکل کرنے پر یہ دلیل قائم کی کہ آپ حق مبین پر ہیں۔ یعنی آپ حق پر ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائیں گے اور آپ کی مدد فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”بے شک آپ مُردوں کو (یعنی مُردہ دلوں کو) نہیں سناتے اور نہ بہروں کو نصیحت سناتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں O“ (النمل: ۸۰)

سماعِ موتیٰ کی تحقیق

”إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ“: کفار کو مُردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، کیونکہ کفار کے سامنے جو قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے، اس سے وہ نفع نہیں اٹھاتے۔ اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں پر کفر کی مہر لگا دی گئی ہے۔ پس ان کے دلوں میں جو کفر ہے وہ نکل نہیں سکتا اور ان کے دلوں میں ایمان داخل ہو نہیں سکتا۔ اور کفار کو مُردوں کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے تاکہ اُن کے ایمان لانے کی امید بالکل ختم ہو جائے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب کفار کو مُردوں کے ساتھ تشبیہ دے دی، پھر اُن کو اندھوں اور بہروں کے ساتھ تشبیہ دینے کا کیا فائدہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے اُن کے دلوں کو تشبیہ دینا مراد ہے نہ کہ اُن کی جانوں کو، کیونکہ انسان مُردوں کے حکم میں اس وقت قرار دیا جاتا ہے جب اُس کا دل کفر اور نفاق سے اور دنیا کی محبت سے مر جائے۔

یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ نے کہا: جو لوگ اللہ عزوجل کے عارف ہیں وہی زندہ ہیں اور جو ان کے ماسویٰ ہیں وہ مُردہ ہیں، کیونکہ روح کی حیات معرفت کی حقیقت سے ہوتی ہے۔

”وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ“: یعنی آپ بہروں کو دین کے احکام میں سے کوئی حکم نہیں سنا سکتے۔ اور ”الصُّمَّ“ کا معنی ہے: سننے کے حاسہ کا نہ ہونا، اور جو شخص حق کی طرف اپنی سماعت کو متوجہ نہیں کرتا اور اس کو قبول نہیں کرتا تو اس کو بہروں کے ساتھ مشابہ قرار فرمایا ہے۔

التاویلات النجمیہ میں مذکور ہے: آپ اُن لوگوں کو نہیں سنا سکتے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے شہوات کی محبت سے بہرا کر دیا ہے، کیونکہ کسی چیز کی محبت تمہیں اندھا کر دیتی ہے اور بہرا کر دیتی ہے۔ یعنی حق کے راستہ پر چلنے سے اندھا کر دیتی ہے اور حق کی بات سننے سے بہرا کر دیتی ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی چیز کی محبت تمہیں اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۵۱۳۰، مسند احمد: ۲۱۶۹۴، مسند ابن ابی شیبہ: ۳۹، شرح مشکل الآثار: ۲۹۸۳، المعجم الاوسط للطبرانی: ۴۳۵۹، مسند الشہاب القضاعی: ۲۱۹، کتاب الآداب للبیہقی: ۱۷۲، شعب الایمان للبیہقی: ۴۰۷، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ۱۸ ص ۳۸۴)

”إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ“: یعنی جب وہ حق بات سننے سے منہ پھیر کر یا پیٹھ پھیر کر چلے جائیں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ اس حالت میں اُن کا سننا بہت بعید ہے۔ یعنی جب کوئی شخص اُن کے کان کے قریب منہ لے جا کر بات کرے تو وہ نہیں سنتے، تو جب وہ پیٹھ پھیر کر چلے جائیں تو کیسے کوئی بات سن سکیں گے!

سماع موتیٰ کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل بدر کے احوال بیان کرتے ہوئے کہا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گزشتہ کل مشرکین کفار کے گرنے کی جگہوں کا بتایا، آپ فرما رہے تھے کہ ان شاء اللہ کل فلاں اس جگہ گرے گا، اور یہ کل فلاں کے گرنے کی جگہ ہے ان شاء اللہ۔ پھر وہ کفار انہی جگہوں پر گرے جہاں آپ نے فرمایا تھا۔ میں نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جنہوں نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! جس جگہ آپ نے ان کے گرنے کے متعلق خبر دی تھی وہ اس جگہ سے بالکل متجاوز نہیں ہوئے اور وہیں گرے، پھر آپ نے حکم دیا تو ان کو گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں ڈال دیا گیا، آپ اُن کی طرف چل کر گئے، پس فرمایا: اے فلاں! اے فلاں! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے وعدہ کو برحق پالیا؟ پس بے شک میں نے اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے وعدہ کو برحق پالیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اُن لوگوں سے کلام فرما رہے ہیں جو مُردہ ہو چکے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں تم اُس کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن یہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

(صحیح البخاری: ۳۹۷۶،۱۳۷۰، ۳۰۲۶، صحیح مسلم: ۲۸۷۳، ۲۸۷۴، مسند احمد: ۱۸۲، المنتخب من مسند عبد بن حمید: ۱۰۷۹۲، الا حاد والمثانی لابن ابی عاصم: ۱۸۹۱، مسند البزار: ۶۵۵۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۲۱۲، مسند الرویانی: ۹۷۹، سنن نسائی: ۲۰۷۵، صحیح ابن حبان: ۶۳۹۹، ۱، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۰۸۳۵، المعجم الصغیر للطبرانی: ۱۰۸۵، المعجم الکبیر للطبرانی: ۳۷۰۱، مسند الشامیین للطبرانی: ۲۶۲۵، الاسماء والصفات للبیہقی: ۳۵۵، معجم ابن عساکر: ۲۳۷، کشف المشکل: ۸۳، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ ج ۷ ص ۳۳۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ فرمایا تھا: وہ اب اس بات کو جان رہے ہیں کہ بے شک میں ان سے حق کہتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "بے شک آپ مُردوں کو نہیں سناتے" (النمل: ۸۰)۔ (صحیح البخاری: ۱۳۷۱، ۳۹۷۹، ۳۹۸۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ مُردے نہیں سنتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ مُردے سنتے ہیں، اور بہ ظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس صورت پر محمول ہے جب مُردے میں روح نہ لوٹائی گئی ہو، اسی لیے انہوں نے مُردوں کے سننے کی نفی کی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس صورت پر محمول ہے جب مُردوں میں روح لوٹائی گئی ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں مُردے دو قسم کے ہیں: ایک وہ ہیں جن کے جسم مُردہ ہوں اور دوسرے وہ ہیں جن کے دل مُردہ ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں وہ مُردے مراد ہیں جن کے جسم مُردہ ہوں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وہ مُردے مراد ہیں جن کے دل مردہ ہوں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بندہ کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اصحاب پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آواز کو سنتا ہے، اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا کر کہتے ہیں کہ تم اس شخص (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہتے تھے، جو شخص یہ کہے گا کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اس سے کہا جائے گا: دیکھو تمہارا ٹھکانا دوزخ میں تھا، اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس ٹھکانے کو جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا۔

(صحیح البخاری: ۱۳۳۸، صحیح مسلم: ۲۸۷۰، سنن ابوداؤد: ۳۲۳۱، صحیح ابن حبان: ۳۱۱۸، المستدرک ج ۱ ص ۳۷۹ طبع قدیم، المستدرک: ۱۴۰۳، مسند

البزار رقم الحدیث: ۸۷۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۷)

اس حدیث میں سماع موتی کا ثبوت ہے کہ جب مردہ قبر کے باہر چلنے والوں کی جوتیوں کی آواز سن لیتا ہے تو لوگوں کی آوازوں کو سننا اس کے لیے کب ممنوع ہوگا!

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اس شخص کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ دنیا میں جانتا تھا، پھر اس کو سلام کرے تو وہ اس کو پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے، اور جب وہ ایسے شخص کے پاس سے گزرے جس کو وہ نہیں پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرے تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(شعب الایمان ج ۷ ص ۱۷، رقم الحدیث: ۹۲۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اے اللہ کے بندو! جب تم ایسی قبروں کے پاس سے گزرو جن کو تم دنیا میں پہچانتے تھے تو تم کہو: "السلام علیکم اصحاب القبور" اور جب تم ایسی قبروں کے پاس سے گزرو جن کو تم نہ پہچانتے تھے تو تم کہو "السلام علی المسلمین"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۱۷۸۹)

بہر حال ان احادیث اور آثار سے واضح ہوگیا کہ مُردوں سے کلام کیا جائے تو وہ سنتے ہیں۔ اور قرآن مجید میں جو فرمایا ہے "اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى" تو اس میں آپ کے سنانے کی نفی ہے مُردوں کے سننے کی نفی نہیں ہے، یعنی آپ جو تبلیغ کرتے ہیں اور کفار پر وہ تبلیغ اثر انداز نہیں ہوتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مُردہ دل ہیں اور آپ کی تبلیغ مُردہ دلوں کے لیے نہیں ہے، آپ مُردہ دلوں کو نہیں سناتے، آپ زندہ دلوں کو سناتے ہیں:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے نہیں پھیر سکتے، آپ صرف انہی لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں، سو وہی مسلمان ہیں O" (النمل:۸۱)

"وَمَا أَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۖ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ": (اور آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے نہیں پھیر سکتے، آپ صرف انہی لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں، سو وہی مسلمان ہیں)۔

یہاں پر یہ سوال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو منصب ہی بے دینوں اور گمراہوں کو ہدایت دینا ہے اور خود قرآن مجید میں ہے: "وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔ (الشوریٰ:۵۲)" (اور بے شک آپ ضرور سیدھے راستہ (اسلام) کی طرف راہنمائی کرتے ہیں)۔ سو اس آیت (النمل:۸۱) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایت دینے کی نفی کیسے فرمائی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ از خود کسی کو ہدایت نہیں فرماتے بلکہ جس کے حق میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت پیدا فرمادی ہو اس کے حق میں ہدایت کو نافذ فرماتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ اُسی کو ہدایت فرماتے ہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم میں ہدایت یافتہ ہونا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے اور آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں، آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ دونوں کیسی کتابیں ہیں؟ ہم نے عرض کیا: نہیں یارسول اللہ! سوا اس کے کہ آپ ہمیں خود بتائیں، آپ نے اس کتاب کے متعلق فرمایا جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی: یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے جس

میں اہلِ جنت کے اسماء ہیں اور ان کے آباء اور قبائل کے اسماء ہیں، پھر اس کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے، پس ان میں نہ کبھی بھی کوئی اضافہ ہوگا اور نہ کمی ہوگی، پھر جو بائیں ہاتھ میں کتاب تھی اس کے متعلق فرمایا: یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے، اس میں دوزخیوں کے اسماء ہیں اور ان کے آباء اور قبائل کے اسماء ہیں، پھر آخر میں میزان کر دیا گیا ہے، پس ان میں کبھی بھی نہ کوئی اضافہ ہوگا اور نہ کمی ہوگی۔ پھر آپ کے اصحاب نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر دوزخیوں اور جنتیوں کی تعداد سے فراغت ہو چکی ہے تو پھر ہم کیوں عمل کریں؟ آپ نے فرمایا: تم درست عمل کرو اور صحت کے قریب عمل کرو، کیونکہ جو جنتی ہے اس کا خاتمہ اہلِ جنت کے اعمال پر ہوگا خواہ وہ دوزخیوں کے سے عمل کرتا ہو، اور جو دوزخی ہے اس کا خاتمہ دوزخیوں کے عمل پر ہوگا خواہ وہ جو عمل بھی کرے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اُن کتابوں کو پھینک دیا اور فرمایا: تمہارے رب فارغ ہو گئے ہیں، ایک فریق جنت میں ہے اور ایک فریق دوزخ میں ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۱۴۱، مشکوٰۃ: ۹۶، مسند احمد: ۲۵۶۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب قیامت کی وعید اُن کے سامنے پوری ہوگی تو ہم اُن کے لیے زمین سے ایک چوپایہ نکالیں گے جو اُن سے کلام کرے گا، بے شک لوگ ہماری آیات پر ایمان نہیں لاتے تھے O'' (النمل: ۸۲)

دابۃ الارض کی تحقیق

''وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ'':

اس آیت میں فرمایا ہے: جب اُن پر یہ قول واقع ہو جائے گا، اس سے مراد یہ ہے کہ جب یہ قول اُن کے قریب ہو جائے گا۔ اور قول سے مراد وہ ہے جب قیامت کے متعلق اللہ تعالیٰ کلام فرمائیں گے اور اُن ہولناک احوال کو بیان فرمائیں گے جن کی مشرکین جلدی کرتے تھے۔ یعنی جب قیامت کی علامتیں اور شدید عذاب کی علامتیں قریب آجائیں گی۔

''اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ'': دابۃ الارض کا نام الجساسۃ ہے، کیونکہ یہ دجال کی خبروں کی تفتیش کرے گی۔ کیونکہ دجال شام کے ایک جزیرے میں زنجیروں سے باندھا ہوا ہے اور جساسۃ بھی اس جزیرے میں تھی، اور وہ جساسۃ کافروں سے فصیح عربی زبان میں بات کرے گی، اور عجمیوں سے عجمی زبان میں بات کرے گی، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

اس دابۃ الارض کے متعلق کہا گیا ہے کہ اُس میں ہر حیوان کی تخلیق جمع ہوگی، اُس کا چہرہ آدمیوں کے چہرہ کی طرح روشن ہوگا اور اُس کا سر بادلوں تک پہنچ رہا ہوگا۔ اُس کو اہلِ مشرق اور اہلِ مغرب دیکھیں گے۔ حدیث میں ہے کہ اُس دابۃ کا طول ساٹھ ہاتھ کا ہوگا، کوئی شخص نہ اس کو پکڑ سکے گا اور نہ اس سے بھاگ سکے گا۔ (الفردوس بماثور الخطاب)۔

حدیث میں ہے کہ جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت اللہ کا طواف کر رہے ہوں گے اور اُن کے ساتھ مسلمان ہوں گے تو زمین ہلنے لگے گی اور صفا پہاڑ پھٹ جائے گا اور اس میں سے دابۃ الارض نکلے گا، اور تین دن کے بعد اس کا خروج مکمل ہوگا، کچھ لوگ کھڑے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے اور کچھ لوگ نماز کی طرف بھاگ رہے ہوں گے۔ اس کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا اور

حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی، وہ مومن پر مسجد میں وہ عصا مارے گا اور اس کا اثر نور کے ایک نقطہ کی طرح ہوگا اور وہ نور اس کے چہرے پر پھیل جائے گا اور وہ اس کی پیشانی پر مومن لکھ دے گا، اور کافر کی ناک پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی سے مہر لگائے گا حتیٰ کہ اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھ دے گا کہ یہ کافر ہے۔ پھر وہ اُن سے کہے گا: اے فلاں! تم اہل جنت میں سے ہو اور اے فلاں! تم اہل دوزخ میں سے ہو۔ (جامع البیان، ج ۱۸ ص ۱۲۳۔ ۱۲۴، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۲ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث یاد رکھی ہے جس کو میں اب تک نہیں بھولا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کی علامات میں سے پہلی علامت سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے اور دابۃ الارض کا چاشت کے وقت لوگوں کے سامنے نکلنا ہے، اور ان میں سے جو علامت بھی پہلے آگئی تو دوسری اس کے بعد آجائے گی۔ (صحیح مسلم: ۲۹۴۱، الرقم المسلسل: ۷۳۰۹، رقم حدیث الباب: ۱۱۸، سنن ابوداؤد: ۴۳۱۰، سنن ابن ماجہ: ۴۰۶۹)

(روح البیان، ج ۶ ص ۳۶۹۔ ۳۷۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَ یَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ یُّكَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور جس دن ہم ہر امت سے اُس گروہ کو جمع فرمائیں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتا تھا، پھر اُن کی درجہ بندی فرمائی جائے گی O

حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰیٰتِیْ وَ لَمْ تُحِیْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

حتیٰ کہ جب وہ سب آجائیں گے، اللہ عزوجل فرمائیں گے: کیا تم نے میری آیات کی تکذیب کی تھی حالانکہ تم نے اُن کے علم کا احاطہ نہیں کیا تھا، اگر یہ بات نہیں ہے تو تم اور کیا کرتے تھے O

وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا یَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور اُن کے ظلم کی وجہ سے اُن پر عذاب کا فیصلہ فرما دیا جائے گا، تب وہ کچھ بھی بول نہ سکیں گے O

اَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّیْلَ لِیَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًاؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

کیا ان کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے رات اس لیے بنائی ہے کہ لوگ اس میں آرام کریں اور دن کو روشنی والا بنایا ہے، بے شک اس تخلیقی عمل میں ایمان والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O

وَ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُؕ وَ كُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِیْنَ ﴿۸۷﴾

اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں میں اور زمینوں میں سوا اُن کے جن کو اللہ چاہے، سب گھبرا کر اٹھ جائیں گے، اور

سب اُن کے پاس عاجزی سے حاضر ہوں گے O

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۭ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور (اے مخاطب!) تم پہاڑوں کو دیکھ کر گمان کرو گے کہ وہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے، یہ اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے جنہوں نے ہر چیز کو حکمت سے مضبوط بنایا ہے، بے شک وہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والے ہیں O

مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَىِٕذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾

جو لوگ نیک کام لے کر حاضر ہوں گے اُن کے لیے اس نیکی سے بہتر اجر ہوگا اور وہ اس دن کی دہشت سے امن میں ہوں گے O

وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

اور جو لوگ برے کام لے کر آئیں گے انہیں اُن کے چہروں کے بل دوزخ میں جھونک دیا جائے گا اور تمہیں صرف انہی گناہوں کی سزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے O

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾

مجھے صرف یہی حکم فرمایا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جنہوں نے اس شہر کو حرم بنایا ہے اور ہر چیز انہی کی ملکیت میں ہے اور مجھے یہ حکم فرمایا گیا ہے کہ میں اطاعت گزاروں میں سے رہوں O

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

اور میں قرآن مجید کی تلاوت کروں، سو جس نے ہدایت کو قبول کیا اس نے اپنے نفع کے لیے ہی ہدایت کو قبول کیا ہے، اور جس نے گمراہی کو اختیار کیا تو آپ کہیے: میں تو صرف عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہوں O

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور آپ کہیے: تمام تعریفوں کے مستحق اللہ ہی ہیں، وہ عنقریب تم کو ایسی نشانیاں دکھائیں گے جن کو تم پہچان لو گے، اور (اے رسول اکرم!) آپ کے رب اُن کاموں سے غافل نہیں ہیں جو تم لوگ کرتے ہو O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور جس دن ہم ہر امت سے اُس گروہ کو جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب

کرتا تھا پھر اُن کی درجہ بندی فرمائی جائے گی ○ ''(النمل: ۸۳)

قیامت کے دن کفار کے احوال

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، النمل: ۸۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ یَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ یُّكَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ'':

یعنی جس دن مکذبین کے ہر گروہ کے سرداروں کو اور اُن کے پیروکاروں کو جمع فرمایا جائے گا اور اُن کو دوزخ کی طرف گھسیٹا جائے گا، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَ مَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ۔(الصافات:۲۲)'' (فرشتوں کو حکم ہوگا: ''ظالموں، اُن کے (شیطان) ساتھیوں اور اُن کے (جھوٹے) معبودوں کو جمع کرو'')۔ نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ سِیْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًاؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ رَبِّكُمْ وَ یُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَاؕ قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ۔(الزمر:۷۱)'' (کافروں کو گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے داروغے انہیں کہیں گے: ''کیا تمہارے پاس تمہاری جنس سے رسول نہیں آئے تھے جو تمہیں تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سناتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟'' وہ کہیں گے: کیوں نہیں لیکن عذاب کا حکم کافروں پر جاری ہو چکا)۔ نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ یَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ۔(حٰم السجدہ:۱۹)'' (اور جس دن اللہ کے دشمن آگ کی طرف ہانکے جائیں گے تو انہیں (سب کے جمع ہونے تک) روک دیا جائے گا)۔

مفسرین نے کہا ہے: ''یُوْزَعُوْنَ'' سے مراد ہے کہ اُن کے اول سے لے کر آخر تک کو روک لیا جائے گا حتی کہ وہ سب جمع ہو جائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''حتیٰ کہ جب وہ سب آجائیں گے، اللہ عزوجل فرمائیں گے: کیا تم نے میری آیات کی تکذیب کی تھی حالانکہ تم نے اُن کے علم کا احاطہ نہیں کیا تھا، اگر یہ بات نہیں ہے تو تم اور کیا کرتے تھے ○'' (النمل: ۸۴)

''حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰیٰتِیْ وَ لَمْ تُحِیْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ'': یعنی جب سب کفار جمع ہو جائیں گے تو اللہ عزوجل اُن سے فرمائیں گے: کیا تم نے میری آیتوں کی تکذیب کی تھی حالانکہ تم کو ان آیات کا علم محیط نہیں تھا۔ یعنی تم کو یہ معلوم تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں لیکن تم نے اُن کی تکذیب کی اور عناد سے اُن کے آیات ہونے کا انکار کیا۔ یعنی تم نے ان آیات میں غور و فکر نہیں کیا اور تعظیم اور اجلال سے اُن آیات کو نہیں دیکھا تاکہ تم پہچان لیتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں، حالانکہ تم کو یہ معلوم تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں، ورنہ تم بغیر حجت اور دلیل کے کیوں ان کے آیات اللہ ہونے کا انکار کرتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اُن کے ظلم کی وجہ سے اُن پر عذاب کا فیصلہ فرما دیا جائے گا، تب وہ کچھ بھی بول

نہ سکیں گے O"(النمل:۸۵)

"وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ": یعنی اُن پر عذاب کا قول واجب ہو جائے گا، اور جس عذاب کی وعید ان کو سنائی گئی تھی، وہ عذاب ان پر واقع ہو جائے گا، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔" (السجدہ:۱۳)"(ہم تمام (کافر) جنوں اور انسانوں سے دوزخ کو بھر دیں گے)۔

"فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ": یعنی وہ اپنے کفر اور شرک پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکیں گے نہ کوئی عذر بیان کر سکیں گے۔ اس آیت کی نظیر یہ ہے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ۔" (المرسلات:۳۵۔۳۶)"(یہ وہ دن ہے کہ وہ جھٹلانے والے نہ تو بول سکیں گے O اور نہ انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ عذر پیش کر سکیں)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اس لیے نہیں بول سکیں گے کہ اُن کے مونہوں پر مُہر لگی ہوئی ہوگی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "کیا اِن کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے رات اس لیے بنائی ہے کہ لوگ اس میں آرام کریں اور دن کو روشنی والا بنایا ہے، بے شک اس تخلیقی عمل میں ایمان والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O"(النمل:۸۶)

رات اور دن کے توارد اور دوسرے امور سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلائل

"اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ":

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل ہے اور اُن کے علم پر اور ان کی تدبیر اور حکمت پر دلیل ہے، اور اُن کے کرم اور جود پر دلیل ہے، اور اُن کی قدرت اور سلطنت پر دلیل ہے۔ اور اس پر دلیل ہے کہ وہ مرنے کے بعد لوگوں کو زندہ فرمائیں گے اور جب لوگ راکھ اور مٹی ہو چکے ہوں گے تو اُن کو زندہ فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے دن کو بنایا ہے تاکہ لوگ اپنی معاشی ضروریات کے حصول کے لیے اس میں گھومیں پھریں اور تصرف کریں، اور رات کو بنایا ہے تاکہ لوگوں کو راحت اور سکون حاصل ہو۔ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُن کا فضل یہ ہے کہ انہوں نے رات اور دن میں سے ایک کو راحت کے لیے بنایا اور دوسرے کو معاشی ضروریات کے حصول کے لیے بنایا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے: "وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔" (القصص:۷۳)"(اور انہوں نے اپنی مہربانی سے تمہارے لئے رات اور دن پیدا فرمائے، تاکہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اُن کے فضل سے روزی تلاش کرو اور اس لئے کہ تم ان کا شکر ادا کرو)۔

اور اللہ تعالیٰ کی نعمت یہ ہے کہ انہوں نے دن کو تمام لوگوں کے لیے حصولِ معیشت کا سبب بنایا ہے، اسی طرح رات کو بھی تمام لوگوں کے لیے راحت کا سبب بنایا ہے۔ اور ایسا نہیں ہے کہ بعض کے لیے دن حصولِ معیشت کا سبب ہو اور بعض کے لیے رات آرام کا سبب ہو، بلکہ اُن کی نعمت سب پر ہے۔

اور اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر بھی دلیل ہے، کیونکہ رات اور دن کے یہ منافع اگر متعدد خداؤں کے کرنے کی وجہ سے

ہوتے تو ایک خدا یہ منافع پہنچانا چاہتا تو دوسرا منع کر دیتا۔ لیکن جب یہ منافع سب کو ایک ہی طریقہ سے پہنچ رہے ہیں تو اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ خدائے واحد کی تدبیر ہے، متعدد کی نہیں ہے۔

اور اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سلطنت پر دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جابرہ اور فراعنہ پر بھی جو چاہتے ہیں تصرف فرماتے ہیں اور اُن میں سے کوئی ایک بھی اللہ تعالیٰ کے تصرف کو منع کرنے پر قادر نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں میں اور زمینوں میں سوا اُن کے جن کو اللہ چاہے، سب گھبرا کر اٹھ جائیں گے، اور سب اُن کے پاس عاجزی سے حاضر ہوں گے O'' (النمل:۸۷)

صور میں پھونکنے کی تحقیق

''وَ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ كُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ'':

صور میں پھونکنے کی کیفیت میں اختلاف ہے اور اس کی تعداد میں اختلاف ہے، اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ صور کیا چیز ہے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ اس سے حقیقت میں صور میں پھونک مارنا مراد نہیں ہے لیکن اس میں یہ خبر دی ہے کہ اللہ عزوجل کے نزدیک قیامت کو قائم کرنا بہت خفیف ہے، بہت معمولی ہے، کیونکہ یہ مخلوق پر سب سے زیادہ خفیف اور آسان ہے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ مَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔۔ (النحل:۷۷)'' (اور قیامت کا وقوع صرف پلک جھپکنے کی مقدار میں یا اس سے بھی جلدی ہوگا، بے شک اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے پلک جھپکنے کے ساتھ قیامت کے وقوع کو تشبیہ دی ہے، کیونکہ انسان پر پلک جھپکنے سے زیادہ خفیف اور آسان کوئی چیز نہیں ہے۔ پس اس بناء پر قیامت کو قائم کرنے کے لیے صور میں پھونکنا بھی اس لیے ہوگا کہ وہ مخلوق پر خفیف ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا: یہاں صور میں پھونکنے کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ اس سے قیامت کا نفاذ بہت جلدی ہوگا، کیونکہ پھونک مارنے سے زیادہ سرعت کے ساتھ کوئی چیز واقع نہیں ہوتی۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں حقیقت میں صور میں پھونکا جائے گا۔ اور اگر ایسا ہو تو اس میں فرشتہ کی آزمائش ہے جس طرح الکرام الکاتبین کو مخلوق کے اعمال کو لکھنے کی آزمائش میں ڈالا ہے، جب کہ اس کی ضرورت نہیں ہے، یہ فرشتوں کے امتحان کے لیے ہے۔

رہا پھونکنے کی تعداد میں اختلاف تو بعض نے کہا: ایک مرتبہ پھونکا جائے گا، اُن کی دلیل اس آیت سے ہے: ''اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ۔۔ (یٰس:۲۹)'' (وہ تو صرف ایک خوناک چنگھاڑ تھی، چنانچہ وہ سب بجھی ہوئی آگ کی طرح بے جان ہو کر رہ گئے)۔

اور بعض مفسرین نے کہا کہ دو مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا، ان کی دلیل یہ آیت ہے: ''يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۔۔ (النازعات:۶۔۷)'' (جس دن کانپنے والی کانپے گی O اس کے پیچھے آنے والی آئے گی)۔ اور نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ

يُّنْظُرُوْنَ۔ (الزمر: ٦٨)" (اور (پہلی دفعہ) صور میں پھونکا جائے گا تو اللہ جنہیں بچانا چاہیں گے ان کے علاوہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی (زندہ) ہیں سب مر جائیں گے، پھر دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا تو وہ سب اچانک کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے)۔

اور بعض مفسرین نے کہا کہ صور میں تین مرتبہ پھونکا جائے گا، اور یہ پھونکنا موت کے بعد واقع ہوگا۔ پہلی مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا تا کہ قبروں میں دہشت ہو، اور دوسری مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا تا کہ لوگ قبروں میں زندہ ہو جائیں، اور تیسری مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا تا کہ لوگ قبروں سے باہر آ ئیں۔ اور ان لوگوں نے کہا ہے کہ دوسری بار پھونکنے سے لے کر تیسری بار صور میں پھونکنے تک قبر کا عذاب ہوگا۔

بعض علماء نے کہا ہے: صور ایک سینگ ہے جس میں پھونک ماری جائے گی اور بعض نے کہا: وہ بُوق ہے یعنی بگل ہے۔ اور ہم ان میں سے کسی چیز کی صور کے ساتھ تفسیر نہیں کرتے جب تک رسول اللہ ﷺ سے صور کی تفسیر ثابت نہ ہو، اور یہ ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کے ساتھ عمل کا تعلق ہو، یہ ایسی چیز ہے جس کے ساتھ تصدیق کرنا واجب ہے، پس ہم کہتے ہیں: صور میں پھونکا جائے گا اور صور کی تفسیر نہیں کرتے۔

"فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ": (تو آسمانوں میں اور زمینوں میں سوا اُن کے جن کو اللہ چاہیں، سب گھبرا کر اٹھ جائیں گے)۔ اور دوسری آیت میں فرمایا ہے: "فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ (الزمر: ٦٨)" (تو اللہ جنہیں بچانا چاہیں گے ان کے علاوہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی (زندہ) ہیں سب مر جائیں گے)۔

ان آیتوں میں اُس دن کی ہولناکی کی شدت کی خبر دی گئی ہے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ۔ (الحج: ۲)" (تم اس دن دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی عورت اپنے اس بچہ کو بھول جائے گی جس کو وہ دودھ پلا رہی تھی، اور ہر حاملہ عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا، اور تم لوگوں کو اس طرح دیکھو گے کہ وہ حالتِ نشہ میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے)۔

"اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ": یعنی جن کو اللہ عزوجل چاہیں گے وہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے اور وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے شہداء ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نبوت کے بعد کسی آدمی کو شہادت سے افضل چیز نہیں ملی۔ قیامت کے دن شہید گھبراہٹ کو نہیں سنے گا سوا اُس مرد کے جو اپنے ساتھی سے کہے: کیا تم سن رہے ہو؟ وہ کہے گا: ہاں! میں اذان کی آواز سن رہا ہوں۔ (تاویلات اہل السنۃ، ج ۸ ص ۱۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲٦ھ)

اور بعض مفسرین نے کہا: اس سے حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت ملک الموت مراد ہیں۔ اور بعض نے کہا: اس استثناء میں حضرات انبیاء اور رسل علیہم السلام مراد ہیں۔

لیکن ہم یہ نہیں کہتے کہ اس استثناء سے فلاں مراد ہیں اور فلاں مراد ہیں، کیونکہ ہم اس چیز کو رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی خبر کے بغیر نہیں جانتے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن سے استثناء فرمایا گیا ہو جن کی اس آیت کے اخیر میں خبر دی ہے کہ وہ لوگ اُس دن کی گھبراہٹ سے مامون ہوں گے۔

علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، النمل: ۸۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
صور سے مراد وہ سینگ ہے جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے۔ حسن بصری نے کہا: صور سینگ ہے۔ اور بعض نے کہا کہ جب صور میں پھونکا جائے گا تو تمام روحوں کو جمع فرما دیا جائے گا، پھر دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا تو روحوں کو جسموں کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور جسم زندہ ہو جائیں گے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے "اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ" کے استثناء کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: وہ شہداء ہیں جو عرش کے گرد اپنی تلواریں لٹکائے ہوئے ہوں گے۔ (المستدرک للحاکم ج ۵ ص ۲۵۳)
اور سعید بن جبیر اور عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ شہداء ہیں، کیونکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہوں گے اور ان کو گھبراہٹ نہیں ہوگی۔ اور بعض آثار میں مروی ہے کہ شہداء کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرمالیا ہے۔
اور الکلبی اور مقاتل نے کہا: یعنی حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت ملک الموت، صور میں پھونکنے کے بعد ان چار کے سوا کوئی زندہ نہیں بچے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت میکائیل علیہ السلام کی روح کو قبض فرمالیں گے، پھر حضرت اسرافیل علیہ السلام کی روح کو قبض فرمالیں گے، پھر حضرت ملک الموت علیہ السلام کی روح کو قبض فرمالیں گے، پھر حضرت جبریل علیہ السلام کی روح کو قبض فرمالیں گے، پس حضرت جبریل علیہ السلام کی موت سب سے آخر میں ہوگی۔
اور روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرمائیں گے: اسرافیل کی روح قبض کرلو، پھر فرمائیں گے: اے ملک الموت اب کون باقی بچا ہے؟ وہ عرض کریں گے: اے میرے رب! آپ پاک ہیں، بلند اور برتر ہیں، یاذی الجلال والاکرام! جبریل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام اور ملک الموت باقی ہیں، اللہ عزوجل فرمائیں گے: میکائیل کی روح قبض کرلو، پھر اللہ عزوجل فرمائیں گے: اب کون باقی ہے؟ پس وہ عرض کریں گے: اے میرے رب! آپ پاک ہیں، بلند اور برتر ہیں، حضرت جبریل اور ملک الموت باقی ہیں، پس اللہ عزوجل فرمائیں گے: اے ملک الموت! تم مرجاؤ، سو وہ مرجائیں گے۔ پھر فرمائیں گے: اے جبریل! کون باقی ہے؟ پس حضرت جبریل علیہ السلام عرض کریں گے: آپ برکت والے اور بلند ہیں، اے ذوالجلال والاکرام! آپ کی ذات باقی اور دائم ہے اور جبریل میت اور فانی ہے، پس اللہ عزوجل فرمائیں گے: اے جبریل! اب تمہاری موت کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، پس وہ سجدہ میں گر جائیں گے اور اپنے دونوں پر جھکا دیں گے۔
اور روایت ہے کہ ان چاروں کے ساتھ حاملین عرش باقی ہوں گے، پس حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام کی روحیں قبض فرمائی جائیں گی پھر حاملین عرش کی روحیں قبض فرمائی جائیں گے، پھر حضرت اسرافیل علیہ السلام کی روح قبض فرمائی جائے گی، پھر حضرت ملک الموت کی روح قبض فرمائی جائے گی۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صور میں پھونکا جائے گا، پس آسمانوں میں اور زمینوں میں جو بھی ہیں، وہ سب بے ہوش ہو جائیں گے، پھر دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا، پس سب سے پہلے میں اپنا سر اٹھاؤں گا، اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کے پائے کو پکڑ کر کھڑے ہوں گے، پس میں از خود نہیں جانتا کہ آیا وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے تھے یا اللہ تعالیٰ نے ان کو بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ فرمالیا تھا، اور جس نے کہا کہ میں حضرت یونس بن متی سے افضل ہوں، اس نے

جھوٹ بولا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۱، ۳۴۰۸، ۳۴۱۴، ۳۴۷۶، ۴۸۱۳، ۵۰۶۲، ۶۵۱۷، ۶۵۱۸، ۷۴۲۸، ۷۴۷۲، صحیح مسلم: ۲۳۷۳، سنن ترمذی: ۳۲۴۵، سنن ابوداؤد: ۴۶۷۱، مسند احمد: ۷۵۳۲)۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۱۸۔۵۱۹، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خود سے افضل قرار دینے سے منع فرمانے کی توجیہات

اس حدیث میں مذکور ہے "لاتخیرونی" یعنی مجھ کو فضیلت نہ دو، اور مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خیر نہ قرار دو۔

اس پر یہ سوال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل المخلوقات ہیں، تو آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی فضیلت سے کیوں منع فرمایا؟

اس کا یہ جواب ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایسی فضیلت نہ دو جس سے ان کی شان میں کمی ہو یا ان کی توہین ہو۔ یا مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس طرح فضیلت نہ دو جس کے نتیجہ میں کوئی جھگڑا ہو، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بہ طور تواضع فرمایا۔ یا آپ نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ تمام اولادِ آدم کے سردار ہیں۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عمل میں فضیلت نہ دو، کیونکہ ان کا عمل مجھ سے زیادہ ہے۔ اور ثواب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطا فرماتے ہیں عمل کی وجہ سے عطا نہیں فرماتے۔ یا مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آزمائش اور امتحان میں فضیلت نہ دو، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ سے زیادہ آزمائش اور امتحان میں مبتلا فرمائے گئے۔

جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا ان کی تفصیل

جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا ہے ان کے متعلق دس اقوال ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) یہ مردہ لوگ ہیں کیونکہ ان کو کوئی احساس نہیں ہوتا (۲) شہداء (۳) انبیاء علیہم السلام اور امام بیہقی کا اسی طرف میلان ہے اور انہوں نے جائز قرار دیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا۔ (۴) حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت ملک الموت، پھر پہلے تین فوت ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ حضرت ملک الموت علیہ السلام سے فرمائیں گے: مر جاؤ! سو وہ مر جائیں گے۔ یہ یحییٰ بن سلام کا اپنی تفسیر میں قول ہے (۵) حاملین عرش، کیونکہ وہ آسمانوں کے اوپر ہیں اور اس آیت میں فرمایا ہے "جو آسمانوں میں ہیں وہ بے ہوش ہو جائیں گے"۔ اور حاملین عرش آسمانوں سے اوپر ہیں۔ (۶) صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام، اس کی امام طبری نے سندِ ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور قتادہ سے روایت کی ہے اور امام ثعلبی نے اس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (۷) وہ بچے جو جنت میں ہیں اور بڑی آنکھوں والی حوریں۔ (۸) جنت کے محافظین (۹) دوزخ کے محافظین اور دوزخ میں جو سانپ اور بچھو ہیں، اس کی امام الثعلبی نے حکایت کی ہے۔ (۱۰) تمام فرشتے۔ اس کو ابن حزم نے "الملل والنحل" میں وثوق کے ساتھ کہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملائکہ روحیں ہیں اور ان میں کوئی روح نہیں ہے، پس ان پر بالکل موت نہیں آتی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور (اے مخاطب!) تم پہاڑوں کو دیکھ کر گمان کرو گے کہ وہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے، یہ اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے جنہوں نے ہر چیز کو حکمت سے مضبوط

بنایا ہے، بے شک وہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والے ہیں O" (النمل: ۸۸)

"وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍؕ اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ":
بعض مفسرین نے کہا ہے کہ وہ پہاڑ اس طرح چل رہے ہوں گے لیکن اُن کی کثرت اور اژدہام کی وجہ سے دیکھنے والے یہ گمان کریں گے کہ پہاڑ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں۔ اسی طرح کوئی بہت بڑا لشکر ہو تو دیکھنے والا یہ گمان کرتا ہے کہ یہ ٹھہرا ہوا اور جامد ہے، اسی طرح وہ پہاڑ ہوں گے۔ اور دوسرے مفسرین نے کہا: اس طرح نہیں ہے، بلکہ اُس دن کی ہولناکی اور گھبراہٹ جو لوگوں پر طاری ہوگی تو اُس سے وہ یہ گمان کریں گے کہ یہ پہاڑ اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے: "یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ ۔ (الحج: ۲)" (تم اس دن دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی عورت اپنے اس بچہ کو بھول جائے گی جس کو وہ دودھ پلا رہی تھی، اور ہر حاملہ عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا، اور تم لوگوں کو اس طرح دیکھو گے کہ وہ حالتِ نشہ میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے)۔ اور یہ اس دن کی ہولناکی اور شدت کی وجہ سے ہوگا۔ اور دوسرے مفسرین نے کہا: نہیں! لیکن پہاڑ اُس دن کے ہول اور خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۔ (القارعہ: ۵)" (اور پہاڑ رنگ برنگی دھنی ہوئی اون کی طرح ہوں گے)۔ اور یہ اُس دن کی ہولناکی اور مخلوق پر شدت کی وجہ سے ذکر فرمایا ہے، تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور عبرت پکڑیں۔

"صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ": یعنی اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کا جو وصف بیان فرمایا ہے، یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو کسی چیز کو اُس کے اصل وصف سے نکال لیتے ہیں اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی حکمت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جو لوگ نیک کام لے کر حاضر ہوں گے اُن کے لیے اس نیکی سے بہتر اجر ہوگا اور وہ اس دن کی دہشت سے امن میں ہوں گے O" (النمل: ۸۹)

"مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ هُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَىٕذٍ اٰمِنُوْنَ": سب مفسرین نے کہا ہے کہ حسنہ سے مراد یہاں پر توحید اور ایمان ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ اُس کے لیے اُس سے بہتر اجر ہوگا، اس کی متعدد توجیہات ہیں:

(۱) یعنی جو اپنے رب کی توحید کو قیامت کے دن لے کر آیا اور اُس کا اپنے رب کے سامنے توحید کو لے کر آنا اُس وقت ہوگا جب اُس کا خاتمہ توحید پر ہو۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ جو کوئی نیک کام کرے اُس کے لیے اتنا اور اتنا اجر ہوگا، کیونکہ مرد نیک کام کرتا ہے پھر اُن کو فاسد کر دیتا ہے اور باطل کر دیتا ہے، سو اُس کو اُن نیک کاموں پر کوئی ثواب نہیں دیا جائے گا، تاکہ معلوم ہو جائے کہ آخرت میں اُن نیکیوں پر اجر عطا فرمایا جائے گا اور اُن نیکیوں سے نفع حاصل ہوگا جب کہ خاتمہ انہی نیکیوں پر ہو۔

(۲) اور بعض مفسرین نے کہا: "فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا" کا مطلب یہ ہے کہ اُسے آخرت میں جو خیرات عطا فرمائی جائیں گی وہ اُن سے بہتر ہوں گی جو دنیا میں اُس کو نعمتیں عطا فرمائی گئی تھیں، پس یہ اُس سے بہتر ہے جو اُس نے دنیا میں چھوڑی تھیں۔

(۳) اور بعض مفسرین نے کہا: "فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا" کا معنی یہ ہے کہ اُسے آخرت میں جو رب عزوجل کا دیدار حاصل ہوگا اور اُن سے ملاقات حاصل ہوگی، یہ اس سے بہتر ہے جو دنیا میں اسے نعمت عطا فرمائی گئی تھی۔

"وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَىٕذٍ اٰمِنُوْنَ": اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ جو لوگ اپنے رب کے پاس قیامت کے دن توحید کو لے کر آئیں گے، وہ اس دن کی گھبراہٹ سے مامون ہوں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جو لوگ برے کام لے کر آئیں گے انہیں اُن کے چہروں کے بل دوزخ میں جھونک دیا جائے گا اور تمہیں صرف انہی گناہوں کی سزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھےO" (النمل: ۹۰)

"وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ":

اس آیت میں السیئۃ سے مراد شرک ہے، یعنی جو لوگ قیامت کے دن شرک لے کر آئیں گے، انہیں اُن کے منہ کے بل دوزخ میں گرا دیا جائے گا، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا" ۔ (الاحزاب: ۶۶) "(جس دن اُن کے چہرے آگ میں الٹ کر جلائے جائیں گے اور وہ کہیں گے: اے کاش! ہم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے)۔" "هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ": یعنی تم کو تمہارے اعمال ہی کی جزا دی جائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "مجھے صرف یہی حکم فرمایا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جنہوں نے اس شہر کو حرم بنایا ہے اور ہر چیز انہی کی ملکیت میں ہے اور مجھے یہ حکم فرمایا گیا ہے کہ میں اطاعت گزاروں میں سے رہوںO" (النمل: ۹۱)

"اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَ لَهٗ كُلُّ شَیْءٍ٘ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ":

اس آیت میں فرمایا ہے کہ "مجھے اس شہر کے رب کی عبادت کا حکم فرمایا گیا ہے جنہوں نے اس شہر کو حرم فرما دیا ہے"۔ یعنی ہر کافر اور مسلمان کو زمانہ جاہلیت میں اور اسلام میں اس شہر کی حرمت کا حکم فرمایا گیا ہے حتیٰ کہ کوئی شخص اس جگہ سے شکار کو نہ بھگائے اور اس کے درختوں کو نہ کاٹے۔

"وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ": پس فرمایا: مجھے حکم فرمایا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جو ہر چیز کے رب ہیں اور مجھے حکم فرمایا گیا ہے کہ میں اُن کا اطاعت گزار رہوں اور میں اپنے نفس کو کسی اور کی اطاعت کے لیے نہ رکھوں۔ اور مجھے حکم فرمایا گیا ہے کہ میں اپنے آپ کو شرک سے محفوظ رکھوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور میں قرآن مجید کی تلاوت کروں، سو جس نے ہدایت کو قبول کیا اُس نے اپنے نفع کے لیے ہی ہدایت کو قبول کیا ہے، اور جس نے گمراہی کو اختیار کیا تو آپ کہیے: میں تو صرف عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہوںO" (النمل: ۹۲)

"وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ":

اور مجھے یہ بھی حکم فرمایا گیا ہے کہ میں تم پر قرآن مجید کی تلاوت کروں، پس میں اس قرآن مجید کی تم پر تلاوت کروں گا خواہ تم میری تکذیب کرو یا نہ کرو، میں تمہارے مکر اور سازش سے نہیں ڈرتا۔

اور اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اہل مکہ اور دوسروں کے لیے لازم ہے، کیونکہ سب اول سے لے کر آخر تک اس شہر کی حرمت کا اقرار کرتے ہیں اور انہوں نے یہ حکم صرف رسولوں سے پہچانا، اور یہ اس پر دلیل ہے کہ ان میں سے پہلے لوگ رسولوں کا اقرار کرتے تھے اور نبوت کو مانتے تھے، لہٰذا ان لوگوں پر بھی لازم ہے کہ وہ آپ کی رسالت اور نبوت کا اقرار کریں۔

''فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ'': اللہ عزوجل یہ خبر دے رہے ہیں کہ جو شخص ایمان لے آیا اور اس نے ہدایت کو قبول کرلیا تو وہ یہ کام اپنی ذات کے نفع کے لیے کرتا ہے، اور جس نے گمراہی کو اختیار کیا تو اس کا ضرر صرف اس پر ہوگا جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۔۔ (حم السجدۃ: ۴۶)'' (جس شخص نے نیک کام کیا تو فائدہ خود اُسی کا ہے اور جس نے برا کام کیا تو وبال اُسی پر ہے اور آپ کے رب بندوں پر ظلم نہیں فرماتے)۔

''فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ'': یعنی میرے ذمہ صرف تم کو آخرت کے عذاب سے ڈرانا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور کوئی چیز میرے ذمہ نہیں ہے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۔۔ (النور: ۵۴)'' (اے رسول اکرم!) آپ کہیے کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور اُن کے رسول کی اطاعت کرو، پس اگر تم نے مونہہ پھیر لیا تو رسول کے ذمہ صرف وہی کام ہے جو اُن پر لازم فرمایا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہی کام ہیں جو تم پر لازم فرمائے گئے ہیں، اور اگر تم رسول کی اطاعت کرتے رہو گے تو ہدایت پا جاؤ گے، اور رسول کے ذمہ صرف صاف صاف احکام کو پہنچا دینا ہے)۔ نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۔۔ (الانعام: ۵۲)'' (اور اُن کے حساب سے آپ کے ذمہ کچھ نہیں، اور نہ آپ کے حساب سے ان کے ذمہ کوئی چیز ہے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ کہیے: تمام تعریفوں کے مستحق اللہ ہی ہیں، وہ عنقریب تم کو ایسی نشانیاں دکھائیں گے جن کو تم پہچان لو گے، اور (اے رسول اکرم!) آپ کے رب اُن کاموں سے غافل نہیں ہیں جو تم لوگ کرتے ہو O'' (النمل: ۹۳)

''وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ'':

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب تم کو اپنی آیات دکھائیں گے، اس کے دو محمل ہیں:

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اُن کی ربوبیت اور اُن کے رسولوں کے جو معجزات ہیں، وہ عنقریب تم کو دکھائیں گے۔ پھر اُن آیات سے تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچان لو گے، جیسے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے: ''سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۔۔ (حم السجدۃ: ۵۳)'' (عنقریب ہم انہیں اطرافِ عالم میں اور خود اُن کی جانوں میں اپنی نشانیاں

دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے کہ قرآن حق ہے)۔

(۲) یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ اُن کو دکھائیں گے کہ انہوں نے جو مومنین سے مدد کا وعدہ فرمایا تھا، اُس کو وہ ظاہر اد یکھ لیں گے۔

"وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ": بعض مفسرین نے کہا کہ یہ آیت ظالم کے لیے زجر و توبیخ کے لیے ہے اور مظلوم کے لیے تسلی کے لیے ہے۔ اور بعض دوسروں نے کہا: اس آیت میں ثواب کی ترغیب بھی ہے اور عذاب سے ڈرایا بھی ہے۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۸ ص ۳۳۷۔۳۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۲۶ھ)
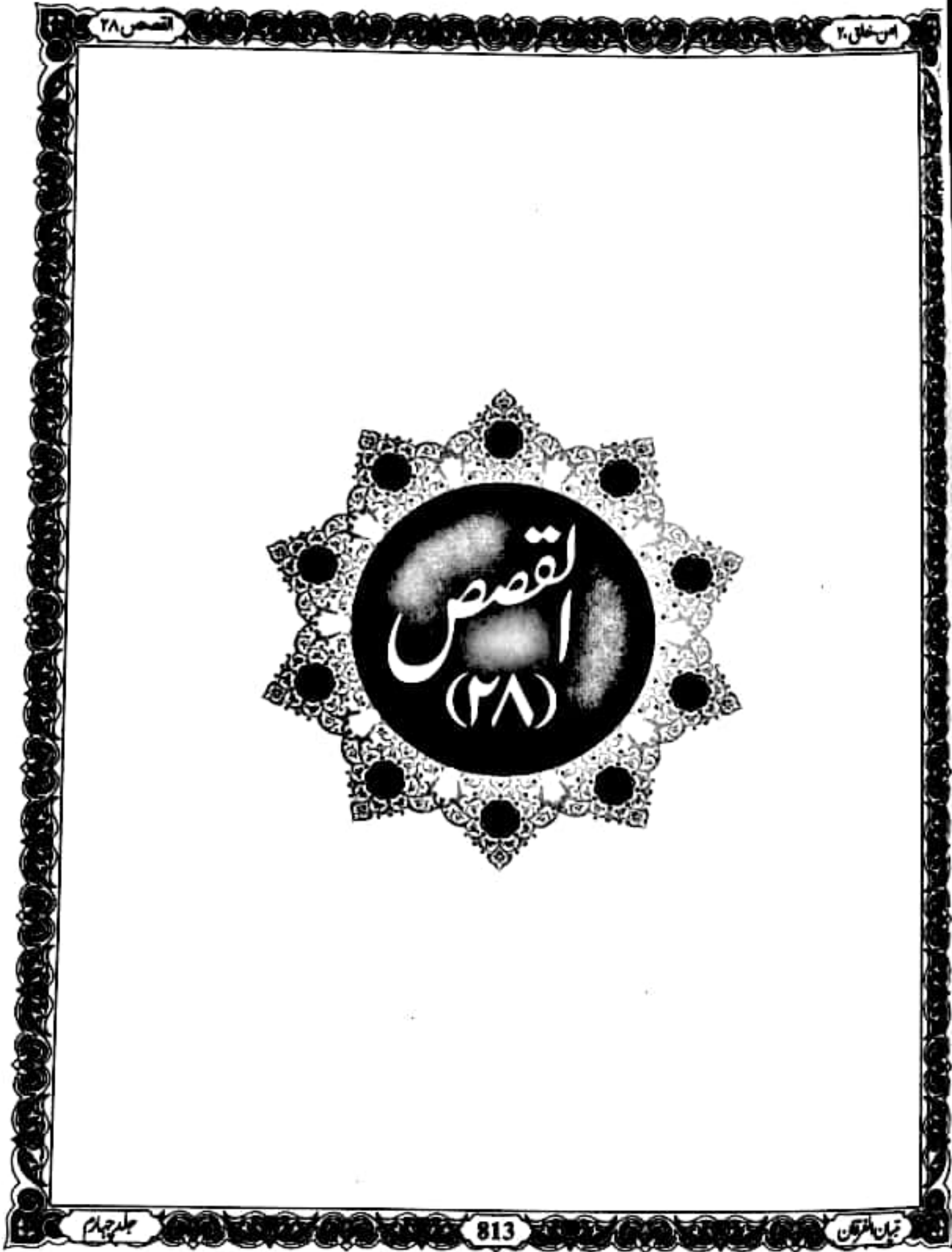
القصص
(٢٨)

سورۃ القصص کا اجمالی تعارف

سورۃ القصص کی وجہ تسمیہ

اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عجیب و غریب قصہ ان کی پیدائش سے لے کر ان کو رسالت سے سرفراز فرمانے تک تفصیل سے بیان فرمایا ہے جو تینتالیس (۴۳) آیات پر محیط ہے، پھر اس میں قارون کا قصہ بیان فرمایا ہے، نیز القصص کا ذکر درج ذیل آیت میں بھی ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَۙ قَالَ لَا تَخَفْٙ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ (القصص:۲۵)'' (پس جب موسیٰ شعیب کے پاس آئے اور انہیں اپنا پورا واقعہ سنا دیا تو انہوں نے کہا: آپ ڈریے نہیں! آپ ظالم لوگوں سے نجات پا گئے ہیں)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ دیگر سورتوں میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ سورۃ الکہف میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے سفر کا واقعہ بیان فرمایا گیا، اور سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بزرگی کا ذکر فرمایا اور اُن کو رسالت سے سرفراز فرمانے کا بیان فرمایا، سورۃ الشعراء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تبلیغی پہلو کا نمایاں ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام کس طرح فرعون اور اس کی قوم کو پہنچایا اور سورۃ القصص میں زیادہ تر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر بچپن کے حالات اور آپ کی تربیت کا ذکر ہے۔

سورۃ القصص کے مشمولات

(۱) سورۃ الشعراء، سورۃ النمل اور سورۃ القصص تینوں اس بات میں مشترک ہیں کہ ان میں عقائد کے اصول بیان فرمائے گئے ہیں۔ توحید و رسالت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر دلائل پیش فرمائے گئے ہیں اور ان کو انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔

(۲) سورۃ القصص کی ابتدائی ۴۳ آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے لے کر ان کو تورات عطا فرمائے جانے تک کے تمام واقعات تفصیل سے بیان فرمائے گئے ہیں۔

(۳) سورۃ القصص کی آیات: ۴۴۔۷۵ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے واقعات کی وحی فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس سے قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے برحق ہونے پر استدلال فرمایا ہے، کیونکہ قریش کو معلوم تھا کہ آپ اُمّی ہیں اور آپ نے تورات کو نہیں پڑھا اور نہ آپ کا یہودیوں سے میل جول رہا ہے، پھر آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات کے یہ مفصل واقعات کس ذریعہ سے معلوم ہو گئے، سوا اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل فرمائی ہو اور آپ پر وحی کا نازل ہونا قرآن مجید کے حق ہونے اور آپ کے دعویٰ نبوت میں صادق ہونے کی واضح دلیل ہے، آپ کو نبوت سے سرفراز فرما کر جس طرح آپ پر فضل فرمایا ہے، آپ کی قوم قریش پر بھی فضل فرمایا ہے کہ ان کے کفر اور شرک پر عذاب نازل فرمانے سے پہلے ان کو راہِ راست اور ہدایت کا موقع عطا فرمایا، اور کفار اور مشرکین کے شبہات کا ازالہ فرمایا ہے۔

(۴) سورۃ القصص کی آیات: ۸۵۔۸۸ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تلقین فرمائی کہ آپ کفار و مشرکین کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں، آپ اپنے موقف پر قائم رہیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی ہر مشکل مہم میں معاونت فرمائیں گے۔

آیاتها ۸۸ — ۲۸ سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ ۴۹ — رکوعاتها ۹

(سورۂ قصص مکی ہے اور اس میں اٹھاسی آیات اور نو رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ﴿۲﴾

طٰسٓمّٓ O یہ واضح کتاب کی آیات ہیں O

نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾

(اے رسولِ اکرم!) ایمان والوں کے لیے ہم آپ پر موسیٰ اور فرعون کی بعض صحیح خبروں کی تلاوت فرما رہے ہیں O

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآىٕفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ یَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۴﴾

بے شک فرعون نے مصر کی سرزمین میں سرکشی کی اور وہاں کے رہنے والوں کو کئی فرقوں میں تقسیم کر دیا، اس نے اُن میں سے ایک گروہ کو کمزور بنا کر رکھا ہوا تھا، وہ اُن کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا اور اُن کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا، بے شک وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا O

وَ نُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَىٕمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۵﴾ۙ

اور ہم اُن لوگوں پر احسان فرمانا چاہتے تھے جن کو اُس نے اس زمین میں کمزور بنا رکھا تھا اور ہم ان کو پیشوا بنانا چاہتے تھے اور ہم اُن کو سرزمینِ مصر کا وارث بنانا چاہتے تھے O

وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ نُرِیَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾

اور ہم اُن کے لیے سرزمینِ مصر میں اقتدار عطا فرمانا چاہتے تھے، اور فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکروں کو وہ چیز دکھانا چاہتے تھے جس سے وہ خطرہ محسوس کرتے تھے O

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٧

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کے ذریعہ حکم فرمایا کہ تم موسیٰ کو دودھ پلاتی رہو، پس جب تم کو موسیٰ پر خطرہ ہو تو اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا اور نہ تم ڈرنا اور نہ تم غمگین ہونا، بے شک ہم موسیٰ کو تمہارے پاس واپس لائیں گے اور ہم اُن کو رسولوں میں سے بنائیں گے ○

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝٨

پس فرعون کے کارکنان نے موسیٰ کو اٹھالیا تاکہ انجام کار وہ اُن کے لیے دشمن اور غم کا سبب بن جائیں، بے شک فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکر خطا کار تھے ○

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩

اور فرعون کی بیوی نے کہا: یہ (بچہ) میری اور تمہاری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے، اس کو قتل نہ کرو، ہوسکتا ہے یہ ہم کو کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں اور وہ انجام سے بے خبر تھے ○

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِىْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٠

اور موسیٰ کی ماں کا دل صبر سے خالی ہوگیا، اگر ہم نے ان کے دل کو مضبوط نہ فرمایا ہوتا تو قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا راز فاش کردیتیں، (اُن کو صبر اس لیے عطا فرمایا) تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے رہیں ○

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝١١

اور موسیٰ کی والدہ نے موسیٰ کی بہن سے کہا: تم موسیٰ کے پیچھے پیچھے جاؤ، سو وہ موسیٰ کو دور سے دیکھتی رہی جب کہ فرعونی اس سے بے خبر تھے ○

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝١٢

اور ہم نے موسیٰ کی بہن کے وہاں پہنچنے سے پہلے موسیٰ کو دودھ پلانے والیوں کا دودھ پینے سے روک رکھا تھا، موسیٰ کی بہن نے کہا: کیا میں تم لوگوں کو ایسے گھر والوں کی طرف رہنمائی کروں جو موسیٰ کی خیر خواہی کے ساتھ کفالت کریں O

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۱۳

پس ہم نے موسیٰ کو اُن کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو اور تاکہ وہ یقین کرلے کہ بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "طٰسٓمّٓ O یہ واضح کتاب کی آیات ہیں O" (القصص: ۱-۲)

فرعون کے ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کے احوال

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، القصص: ۱ تا ۱۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"طٰسٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ": (طٰسٓمّٓ O یہ واضح کتاب کی آیات ہیں O)۔

"طٰسٓمّٓ" یہ اس طرح کے حروف مقطعات ہیں جس طرح باقی سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات ہوتے ہیں۔

اور "تِلْكَ" سے اس سورت کی آیات کی طرف اشارہ ہے۔ اور "الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ" سے مراد یا تو لوحِ محفوظ ہے، یا اس سے وہ کتاب مراد ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ پس بیان فرمایا کہ اس سورت کی آیات اُس کتاب سے ہیں، اور اس کی صفت ذکر فرمائی کہ وہ مبین ہے، یعنی بیان کرنے والی ہے، کیونکہ اس کتاب میں حلال اور حرام کے احکام بیان فرمادیے ہیں۔ یا اس لیے کہ اس کتاب کی فصاحت سے یہ واضح ہوگیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے بندوں کا کلام نہیں ہے۔ یا اس لیے کہ یہ کتاب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق کو بیان فرماتی ہے، یا اس لیے کہ یہ کتاب اولین اور آخرین کی خبروں کو بیان فرماتی ہے، یا اس لیے کہ یہ کتاب گمراہوں کے ڈالے ہوئے شکوک اور شبہات کے ازالہ کے طریقہ کو بیان فرماتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے رسولِ اکرم!) ایمان والوں کے لیے ہم آپ پر موسیٰ اور فرعون کی بعض صحیح خبروں کی تلاوت فرمارہے ہیں O" (القصص: ۳)

ایمان والوں کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی خبروں کی تخصیص کی توجیہ

"نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ": یعنی ہم جبریل علیہ السلام کی زبان کے واسطہ سے آپ پر تلاوت فرمارہے ہیں، کیونکہ حضرت جبریل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آیات کی تلاوت کرتے تھے حتیٰ کہ آپ اُن آیات کو یاد کرلیتے تھے۔ ہم موسیٰ اور فرعون کی بعض خبروں کو حق کے ساتھ آپ پر نازل فرمارہے ہیں۔

اور فرمایا: "لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ" یعنی ہم یہ خبریں سب کے لیے تلاوت فرماتے ہیں لیکن مومنین کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا کہ وہ ان آیات کو قبول کرتے ہیں اور ان سے فیض یاب ہوتے ہیں، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ"۔

(البقرۃ:۲)" یعنی یہ قرآن ہدایت تو سب لوگوں کے لیے ہے، لیکن متقین کا ذکر اس لیے فرمایا کہ وہی اس سے نفع اٹھا کر فیض یاب ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ عزوجل کو ازل میں علم تھا کہ قرآن مجید کی آیات کی تلاوت سے وہی فائدہ اٹھائیں گے جو ایمان والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک فرعون نے مصر کی سرزمین میں سرکشی کی اور وہاں کے رہنے والوں کو کئی فرقوں میں تقسیم کر دیا، اس نے اُن میں سے ایک گروہ کو کمزور بنا کر رکھا ہوا تھا، وہ اُن کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا اور اُن کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا، بے شک وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا O" (القصص: ۴)

فرعون کا زمین میں فساد

فرمایا: "إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ" : "عَلَا" سے مراد ہے کہ فرعون نے تکبر کیا اور جبر سے حکمران بن گیا اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت کی۔ یعنی وہ اپنی قوت سے مصر کی سرزمین پر قابض ہو گیا۔

"وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا": اُس نے مصر میں رہنے والوں کو کئی فرقوں میں منقسم کر دیا اور ایک فرقہ وہ بنایا جو اس کی اطاعت کرتا تھا اور اُن میں سے کوئی بھی اس کے حکم کی مخالفت پر قادر نہ تھا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے مصر کے رہنے والوں میں سے بعض کو بعض کا خادم بنا دیا، یا خدمت لینے والوں کی کئی قسمیں بنا دیں۔ یا اُن فرقوں کے درمیان عداوت ڈال دی تا کہ وہ سب اس کے اطاعت گزار رہیں۔ "يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ": اُن میں سے ایک گروہ کو اُس نے غلام بنا رکھا تھا اور اُن سے جبری خدمت لیتا تھا۔ "يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ": فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کروا دیتا تھا اور اُن کی عورتوں کو زندہ چھوڑے رکھتا تھا۔

بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کروانے کی وجوہ

(ا) کسی کاہن نے فرعون کو بتایا کہ ایک رات کو بنی اسرائیل میں ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو تمہارے ہاتھ سے تمہارا ملک چھین لے گا، سو اُس رات بنی اسرائیل میں بارہ لڑکے پیدا ہوئے، پس فرعون نے اُن کو قتل کرا دیا۔ اور اکثر مفسرین کے نزدیک بنی اسرائیل پر یہ عذاب کئی سالوں تک جاری رہا۔

وہب بن منبہ نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طلب میں قبطیوں نے نوے ہزار بنی اسرائیل کو قتل کر دیا۔ بعض مفسرین نے کہا: اس واقعہ میں فرعون کی حماقت پر دلیل ہے، کیونکہ اگر کاہن نے سچی خبر دی تھی تو بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنے سے وہ بچ نہیں سکتا تھا۔ اور اگر انہوں نے جھوٹی خبر دی تھی تو بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہوا؟

اسی طرح یہ سوال بھی کیا جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی قضاء میں زید نیک بختوں میں سے ہے، یعنی نجات یافتہ لوگوں میں سے ہے تو پھر زید کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر وہ بدبختوں میں سے ہو اور غیر نجات یافتہ لوگوں میں سے ہو تو پھر اُس کی اطاعت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

امام رازی کے قائم کردہ اشکال کا مصنف کی طرف سے جواب

میرے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ زید کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ نجات یافتہ ہے یا نہیں ہے، وہ صرف اس کا مکلف تھا کہ اس تک جو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچے ہیں وہ اُن پر عمل کرے، اگر وہ اُن پر عمل کرے گا تو اس کی نجات ہو جائے گی اور اگر اُن پر عمل نہیں کرے گا تو اس کی نجات نہیں ہوگی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۲) السدّی نے کہا کہ فرعون نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے آگ آئی اور اُس نے مصر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اُس آگ نے قبطیوں کو جلا دیا اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دیا۔ فرعون نے اس خواب کی تعبیر معلوم کی تو اس کو بتایا کہ اس شہر سے بنی اسرائیل میں سے ایک ایسا مرد ہوگا جس کے ہاتھوں سے مصر کا ملک تباہ و برباد ہو جائے گا، اس لیے اُس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے جو لڑکے پیدا ہوں، اُن کو قتل کر دیا جائے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام آئے تھے، انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے کی بشارت دی تھی اور فرعون نے بھی اس کو سُن لیا تھا، اس لیے وہ بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کراتا تھا اور یہ تیسری وجہ قبول کرنے کے زیادہ لائق ہے۔

"اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ": یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرعون جو بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرا رہا تھا، اس سے سوائے فساد کے اور کچھ حاصل نہیں ہوا، کیونکہ اس کا یہ اقدام اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اس کی تقدیر کو ٹال نہیں سکتا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم اُن لوگوں پر احسان فرمانا چاہتے تھے جن کو اُس نے اس زمین میں کمزور بنا رکھا تھا اور ہم ان کو پیشوا بنانا چاہتے تھے اور ہم اُن کو سرزمینِ مصر کا وارث بنانا چاہتے تھے ○" (القصص:۵)

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات

"وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ":

اگر یہ سوال کیا جائے کہ فرعون کا بنی اسرائیل کو کمزور بنانا اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ فرمانا کہ وہ اُن پر احسان فرمائیں گے، کس طرح جمع ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ فرمائیں تو وہ دوسرے وقت پر موقوف نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل پر احسان فرما کر انہیں فرعون کے تسلط اور اس کی غلامی سے نجات دینا قریب الوقوع تھا تو اس کو اس طرح بیان فرمایا گویا کہ وہ واقع ہو گیا ہے۔

"وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً": یعنی ہم اُن کو دنیا اور دین میں پیشوا بنانا چاہتے تھے۔ مجاہد سے روایت ہے کہ ہم اُن کو خیر کی دعوت دینا چاہتے تھے۔ اور قتادہ نے کہا: ہم اُن کو سرزمینِ مصر کا والی بنانا چاہتے تھے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۔" (المائدہ:۲۰) "(اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اللہ نے تم پر جو احسانات فرمائے ہیں اُن کو یاد کرو کہ اس نے تم میں انبیاء پیدا فرمائے اور تم کو بادشاہ بنایا، اور تم کو وہ کچھ عطا فرمایا جو اُس زمانہ میں اور کسی کو عطا نہیں فرمایا تھا)۔

"وَنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ": یعنی تم کو فرعون کے ملک اور اس کی زمین کا وارث بنانے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم اُن کے لیے سرزمین مصر میں اقتدار عطا فرمانا چاہتے تھے، اور فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکروں کو وہ چیز دکھانا چاہتے تھے جس سے وہ خطرہ محسوس کرتے تھے O'' (القصص: ۶)

''وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَ نُرِيَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ'':
یعنی ہم اُن کو مصر اور شام کی سرزمین میں اقتدار عطا کرنے والے تھے جس میں اُن کے احکام نافذ ہوں، اور فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکر اُن چیزوں کو دیکھ لیں جن سے وہ خوف زدہ تھے کہ اُن کا ملک اُن کے ہاتھوں سے نکل جائے گا اور وہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے لڑکے کے ہاتھوں ہلاک ہو جائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کے ذریعہ حکم فرمایا کہ تم موسیٰ کو دودھ پلاتی رہو، پس جب تم کو موسیٰ پر خطرہ ہو تو اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا اور نہ تم ڈرنا اور نہ تم غمگین ہونا، بے شک ہم موسیٰ کو تمہارے پاس واپس لائیں گے اور ہم اُن کو رسولوں میں سے بنائیں گے O'' (القصص: ۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کا قصہ

''وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى'': اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص: ۵ میں اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا، اور اُن نعمتوں میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی فرمائی یعنی الہام فرمایا۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ۝ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ۔۔ (طٰہٰ: ۳۷-۳۸)'' (اور ہم اس سے پہلے بھی آپ پر ایک مرتبہ احسان فرما چکے ہیں O جب ہم نے آپ کی والدہ کی طرف وہ الہام فرمایا جس کی آپ کو وحی فرمائی جائے گی)۔

''اَنْ اَرْضِعِيْهِ'': اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلایا، اور قرآن مجید میں دودھ پلانے کی مدت کا بیان نہیں فرمایا۔ ''فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ'': یعنی جب آپ کو یہ خوف ہو کہ آپ کے پڑوسیوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتا چل جائے گا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام روئیں گے تو وہ اُن کی آواز سنیں گے۔

''فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ'': ابن جریج نے کہا کہ چار ماہ کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام روئے تو انہوں نے اُن کو دریائے نیل میں ڈال دیا۔ ''وَ لَا تَخَافِيْ وَ لَا تَحْزَنِيْ'': خوف اُس غم کو کہتے ہیں جس کا مستقبل میں حصول کا خطرہ ہو اور حزن اُس غم کو کہتے ہیں جو ماضی میں کسی مصیبت کی وجہ سے لاحق ہو، گویا کہ یوں فرمایا گیا: نہ تم ان کے ہلاک ہونے سے ڈرو اور نہ ان کے فراق سے غمگین ہو۔

''اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ'': بے شک ہم ان کو آپ کے پاس واپس لائیں گے تاکہ آپ ان کو دودھ پلانے والی ہو جائیں۔

''وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ'': اور ہم ان کو مصر اور شام کے لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجیں گے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریائے نیل میں ڈالنے کا قصہ سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ولادت کا زمانہ قریب آیا، فرعون نے دائیوں کو بنی

اسرائیل کی حاملہ عورتوں کی نگرانی کے لیے مقرر کیا ہوا تھا، ان میں سے ایک دائی حضرت موسیٰ کی ماں کی سہیلی اور مخلص دوست تھی، جب ان کو دردزہ کی سخت تکلیف ہوئی تو انہوں نے اپنی اس سہیلی کو بلوایا اور کہا تم دیکھ رہی ہو کہ مجھے کتنی تکلیف ہے، تمہاری محبت آج میرے کام آنی چاہیے، اس نے اپنی کارروائی کی حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں جو نور تھا اس سے وہ دائی دہشت زدہ ہو گئی اور اس کا جوڑ جوڑ دہشت سے کانپنے لگا، اور اس کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت سما گئی، پھر اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے کہا: جب تم نے مجھے بلایا تھا تو میرا ارادہ تھا کہ میں اس بچہ کو مار ڈالوں گی، لیکن تمہارے اس بیٹے سے مجھے اتنی شدید محبت ہو گئی کہ اتنی محبت مجھے کسی سے نہیں ہوئی تھی، تم اپنے بیٹے کی حفاظت کرنا کیونکہ اس کے بہت دشمن ہیں، جب دائی ان کے گھر سے نکلی تو فرعون کے بعض جاسوسوں نے اس کو دیکھ لیا، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے ملنے کے لیے ان کے گھر آئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا: اے اماں! دروازہ پر سپاہی کھڑے ہوئے ہیں اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کپڑے میں لپیٹ کر جلتے ہوئے تنور میں رکھ دیا، اس وقت شدت خوف سے اس کی عقل خبط ہو چکی تھی، اور اس کو کچھ ہوش نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ جب سپاہی گھر میں داخل ہوئے تو تنور جل رہا تھا، انہوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھیں، انہوں نے پوچھا: یہ دائی تمہارے ہاں کیوں آئی تھی؟ اس نے کہا: وہ میری محب اور دوست ہے وہ مجھ سے ملنے کے لیے آئی تھی، سپاہی چلے گئے، پھر اس نے حضرت موسیٰ کی بہن سے پوچھا: بچہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: مجھے پتا نہیں! پھر تنور سے بچے کے رونے کی آواز آئی، وہ دوڑ کر تنور کی طرف گئی، اللہ تعالیٰ نے اس تنور کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دیا تھا، انہوں نے بچے کو اٹھا لیا۔

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے دیکھا کہ فرعون بچوں کی تلاشی لینے میں بہت سختی کر رہا ہے تو ان کو اپنے بیٹے کا خطرہ ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ ڈالا کہ وہ بچے کو ایک تابوت میں رکھ کر اس تابوت کو دریائے نیل میں بہا دیں، وہ قوم فرعون کے ایک بڑھئی کے پاس گئیں اور اس سے ایک چھوٹا تابوت خریدا۔ بڑھئی نے پوچھا: تم اس تابوت کا کیا کرو گی؟ انہوں نے کہا: میں اس تابوت میں اپنے بیٹے کو چھپاؤں گی اور انہوں نے جھوٹ بولنے کو ناپسند کیا، جب وہ تابوت لے کر چلی گئیں تو وہ بڑھئی فرعون کے ذبح کرنے والوں کے پاس گیا اور ارادہ کیا کہ ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی کارروائی کی خبر دے، جب اس نے بولنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی سلب فرما لی، اور وہ کوئی بات نہ کر سکا، اور ہاتھوں سے اشارے کر کے بتانے لگا، ان لوگوں کو کچھ سمجھ نہ آیا، انہوں نے اس کو پاگل سمجھ کر مار پیٹ کر نکال دیا، جب وہ بڑھئی اپنے ٹھکانے پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی واپس فرما دی، وہ بولنے لگا، وہ پھر دوبارہ ذبح کرنے والوں کے پاس گیا، وہاں جا کر پھر اس کی گویائی سلب ہو گئی۔ اس نے پھر اشاروں سے بات کرنی چاہی تو انہوں نے پھر اس کو مار پیٹ کر نکال دیا، جب وہ دوسری بار مار کھا کر اپنے گھر پہنچا تو پھر اس کی گویائی واپس آ گئی، وہ پھر ذبح کرنے والوں کے پاس گیا تاکہ ان کو خبر دے، اس بار اس کی گویائی بھی جاتی رہی اور اس کی بینائی بھی جاتی رہی، اس کو نہ کچھ دکھائی دیا نہ بات کر سکا، وہ پھر تیسری بار مار کھا کر پلٹا، اس بار اس نے صدق دل سے عہد کیا کہ اگر اس بار اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی اور بینائی واپس فرما دی تو وہ یہ بات کسی کو نہیں بتائے گا، اور جب تک زندہ رہے گا اس کو راز رکھے گا، اللہ تعالیٰ نے اس کے صدق نیت کو جان لیا اور اس کی گویائی اور بینائی واپس فرما دی، وہ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ شکر میں گر پڑا اور اس نے جان لیا کہ یہ

واقعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ اس زمانہ میں فرعون کی صرف ایک بیٹی تھی اور اس کے علاوہ اس کی اور کوئی اولاد نہیں تھی، اور فرعون کے نزدیک وہ سب سے زیادہ مکرم تھی اور فرعون کے پاس ہر روز اس کی تین فرمائشیں تھیں، اس لڑکی کو برص کی شدید بیماری تھی، فرعون نے اس کے علاج کے لیے تمام اطباء اور جادوگروں کو جمع کیا تھا، انہوں نے اس کے معاملہ میں غور کر کے کہا: اے بادشاہ! تمہاری یہ بیٹی صرف دریا کی طرف سے تندرست ہو سکتی ہے، اس دریا سے انسان کے مشابہ کوئی شخص ملے گا، اس کے لعاب دہن کو جب اس کے برص پر لگایا جائے گا تو یہ تندرست ہو جائے گی، اور یہ کام فلاں دن اور فلاں وقت میں طلوع آفتاب کے بعد ہوگا، جب وہ دن آیا (وہ پیر کا دن تھا) تو فرعون ایک مجلس میں دریائے نیل کے کنارے بیٹھ گیا، اس کے ساتھ اس کی بیوی آسیہ بنت مزاحم بھی تھی، اور فرعون کی بیٹی بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی، وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھیل رہی تھیں اور ایک دوسرے پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھیں کہ دریا کی موجیں ایک تابوت کو لے کر آئیں، فرعون نے کہا: یہ دریا میں کوئی چیز ہے جو درخت کے ساتھ اٹک گئی ہے، اس کو میرے پاس لاؤ، لوگ ہر طرف سے کشتیاں لے کر دوڑے حتیٰ کہ اس تابوت کو فرعون کے سامنے لاکر رکھ دیا، انہوں نے بڑی مشکل سے اس تابوت کو کھولا تو اس میں کم سن بچہ تھا، اس کی آنکھوں کے درمیان نور تھا، اور وہ اپنے انگوٹھے سے دودھ چوس رہا تھا، اللہ تعالیٰ نے آسیہ اور فرعون کے دل میں اس کی محبت ڈال دی، جب اس بچہ کو تابوت سے نکالا تو جہاں اس کا لعاب دہن گرا تھا فرعون کی بیٹی نے اس کو اٹھا کر اپنے برص کے داغوں پر لگایا تو وہ تندرست ہو گئی، اس نے اس بچہ کو چوما اور اپنے سینہ سے لگایا، فرعون کی قوم کے گمراہ لوگوں نے کہا: اے بادشاہ! ہمارا گمان ہے کہ یہی بنی اسرائیل کا وہ بچہ ہے جس سے ہم کو خطرہ تھا، انہوں نے اس کو آپ کے ڈر سے دریا میں ڈال دیا ہے، آپ اس کو قتل کر دیں، فرعون نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آسیہ نے کہا: یہ بچہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا، آپ اس کو قتل نہ کریں، ہو سکتا ہے کہ یہ ہم کو نفع دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں اور وہ بے اولاد تھی۔ اس نے فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانگ لیا اور فرعون نے اس کو دے دیا اور کہا: مجھ کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

(میں کہتا ہوں: یہ پورا قصہ امام رازی کے علاوہ امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ، امام ابو القاسم علی ابن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ، علامہ نظام الدین الحسن بن محمد متوفی ۷۲۸ھ، امام ابو حفص عمر بن علی بن عادل الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ، علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ، الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، علامہ ابو السعود حنفی متوفی ۹۸۲ھ، علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ، علامہ سلیمان الجمل متوفی ۱۲۰۴ھ، علامہ احمد بن محمد الصاوی المالکی متوفی ۱۲۲۱ھ اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ وغیرہم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے ذکر کیا ہے، ان کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:)

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۲۲۔ ۵۲۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ، تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۰، غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۵ ص ۳۲۸۔ ۳۲۹، اللباب فی علوم الکتاب، ج ۱۵ ص ۲۱۶۔ ۲۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ، حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۶ ص ۴۳۱، السراج المنیر، ج ۵ ص ۱۲۳۔ ۱۲۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ، تفسیر ابو السعود ج ۵ ص ۱۱۳۔ ۱۱۴، روح البیان ج ۶ ص ۴۹۱، حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۳۳۵، حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۱۵۱۹، روح المعانی جز ۲۰ ص ۶۹۔ ۷۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس فرعون کے کارکنان نے موسیٰ کو اٹھالیا تا کہ انجام کار وہ اُن کے لیے دشمن اور غم کا سبب بن جائیں، بے شک فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکر خطا کار تھے O" (القصص: ۸)

"فَالْتَقَطَهُ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ":

اس آیت میں "فَالْتَقَطَهُ" فرمایا ہے۔ التقاط کا معنی ہے: بغیر طلب کے کسی چیز کو پانا۔ اور "اٰلُ فِرْعَوْنَ" سے مراد اس کے کارکنان ہیں۔ اس آیت کے معارض یہ آیت ہے: "اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰي عَيْنِيْ" (طٰہٰ: ۳۹) "(کہ اس بچہ کو صندوق میں بند کردو، پھر اس کو سمندر میں ڈال دو، پس سمندر اس صندوق کو ساحل پر لے آئے گا اور اس صندوق کو میرا دشمن اور آپ کا دشمن اٹھالے گا، اور میں نے آپ پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی اور تا کہ میری آنکھوں کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے)۔

اس وجہ سے بعض مفسرین نے یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں لام عاقبت کا ہے، یعنی تا کہ انجام کار موسیٰ اُن کے لیے دشمن اور غم کا سبب ہو جائیں۔

حسن بصری نے کہا ہے: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ خطا کرنے والے نہ تھے، اُن کو یہ پتا نہیں تھا کہ موسیٰ ہی وہ شخص ہیں جو اُن سے اُن کے ملک کے چھیننے کا سبب بنیں گے۔ اور جمہور مفسرین نے کہا ہے کہ وہ اپنے کفر اور ظلم میں خطا کار تھے، پس اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہ سزا دی کہ انہوں نے اپنے دشمن کی پرورش کی اور اس کی پرورش کی جس کے ہاتھوں اُن کی ہلاکت ہوئی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور فرعون کی بیوی نے کہا: یہ (بچہ) میری اور تمہاری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے، اس کو قتل نہ کرو، ہوسکتا ہے یہ ہم کو کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں اور وہ انجام سے بے خبر تھے O" (القصص: ۹)

"وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ":

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت فرعون کی بیوی کے دل میں ڈال دی تھی، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ میں ملاحت تھی، جو بھی اُن کو دیکھتا اُن سے محبت کرتا۔ اور جب فرعون کی بیوی نے تابوت کو کھولا تو اس نے نور دیکھا، اور جب اس نے تابوت کو کھولا تو دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی کسی انگلی کو چوس رہے تھے، اور اس لیے کہ فرعون کی بیٹی نے جب اُن کے لعاب دہن کو اپنے برص پر لگایا تو اس کا برص زائل ہو گیا، اور کہا جاتا ہے کہ فرعون کی بیٹی کی کوئی اولاد نہیں تھی تو اس نے بھی اُن سے محبت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب فرعون کی بیوی نے کہا کہ "یہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے" تو فرعون نے کہا: تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگی، مجھے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس ذات کی قسم کھائی جاتی ہے، اگر فرعون بھی یہ اقرار کر لیتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں گے جیسا کہ اس کی بیوی نے اقرار کیا تھا تو اللہ تعالیٰ اُس کو بھی ہدایت عطا فرما دیتے جیسا کہ فرعون کی بیوی کو ہدایت عطا فرمائی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ حرام فرما دیا تھا۔ (السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۲۶۳، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۱۴ ص

۱۲۲ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۷۶)

"وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ": اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں سے نیا کلام شروع ہے، یعنی اُن لوگوں کو اس کا شعور نہیں تھا کہ اس بچے کے سبب سے اُن کی ہلاکت ہوگی۔ یہ مجاہد، قتادہ، الضحاک اور مقاتل کا قول ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انہیں اس کا شعور نہیں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ کہاں تک پہنچے گا۔ اور الکلبی نے کہا کہ یہ اُس عورت کے کلام کا آخری حصہ ہے کہ بنی اسرائیل اور اہل مصر کو یہ شعور نہیں تھا کہ ہم نے اس بچہ کو اٹھالیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور موسیٰ کی ماں کا دل صبر سے خالی ہوگیا، اگر ہم نے ان کے دل کو مضبوط نہ فرمایا ہوتا تو قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا راز فاش کردیتیں، (اُن کو صبر اس لیے عطا فرمایا) تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے رہیں O" (القصص:۱۰)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے فارغ ہونے کی توجیہات

"وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ":

اس آیت میں فرمایا ہے "اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل فارغ ہوگیا"۔ اس آیت کی تفسیر میں کئی وجوہ ہیں:

(۱) حسن بصری نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل ہر فکر سے خالی ہوگیا سوائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فکر کے۔

(۲) ابو مسلم نے کہا: دل کے فارغ ہونے سے مراد ہے ڈر اور خوف، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَ اَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ" (ابراہیم:۴۳) "(وہ اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے آنکھوں کو جھپکائے بغیر میدان حشر کی طرف اس طرح دوڑیں گے کہ اُن کے دل عقلوں سے خالی ہیں)۔"

(۳) صاحب الکشاف نے کہا کہ اُن کا دل عقل سے فارغ ہے اور معنی یہ ہے کہ جب انہوں نے سنا کہ وہ بچہ فرعون کے ہاتھ میں واقع ہوگا تو گھبراہٹ اور خوف سے اُن کی عقل زائل ہوگئی۔

(۴) حسن بصری اور محمد بن اسحاق نے کہا کہ اُن کا دل اُس وحی (الہام) سے فارغ ہوگیا جو ہم نے ان کی طرف فرمائی تھی کہ اس بچہ کو دریا میں ڈال دو اور خوف اور غم نہ کرو، ہم اس کو تمہارے پاس واپس لائیں گے، پس اُن کے پاس شیطان آیا اور اُس نے اُن سے کہا: تم اس کو ناپسند کرتی ہو کہ فرعون تمہارے بیٹے کو قتل کردے، پھر تمہیں اجر ملے گا، تم اس کو ہلاک کرنے کا سبب بن جاؤ گی، اور جب اُن کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ خبر پہنچی کہ وہ فرعون کے ہاتھوں میں ہے تو شیطان نے اُن کے دل سے اس عظیم امتحان کو بھلادیا جس کا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا۔

(۵) امام ابوعبیدہ نے کہا: اُن کے دل کو غم سے فارغ کردیا، کیونکہ اُن کو علم تھا کہ فرعون اُن کے بچے کو قتل نہیں کرے گا، کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی کفالت فرمانے پر اعتماد تھا۔

ابن قتیبہ نے کہا ہے: یہ بہت عجیب بات ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل غم سے کیسے فارغ ہوسکتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" (اگر ہم نے ان کے دل کو مضبوط نہ کیا ہوتا

تو قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا راز فاش کر دیتیں، (اُن کو صبر اس لیے عطا فرمایا) تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے رہیں)۔

اور اس کا یہ جواب دینا ممکن ہے کہ کیونکہ اُن کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر شدید اعتماد تھا تو وہ اُن کے نام کو ظاہر کرنے سے نہیں گھبرائیں اور اُن کو یقین تھا کہ اگر انہوں نے اُن کے نام کو ظاہر کر دیا پھر بھی اُن کا بچہ سلامت رہے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔

''اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ'': جن لوگوں نے فراغ کی یہ تفسیر کی ہے کہ اُن کا دل غم سے فارغ ہو گیا تھا، تو انہوں نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ قریب تھا کہ وہ یہ بیان کر دیتیں کہ جس بچہ کو تم نے پایا ہے وہ میرا بیٹا ہے۔ اور عکرمہ نے کہا کہ جب انہوں نے دریا کی موجوں کی شدت کو دیکھا تو بلند آواز سے کہا: ہائے میرا بیٹا! الکلبی نے کہا: انہوں نے یہ اس وقت کہا جب لوگوں سے یہ سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ فرعون کا بیٹا ہے۔ اور السدی نے کہا: جب اُن کے بیٹے کو فرعون کے کارندوں نے پکڑ لیا تو قریب تھا کہ وہ یہ کہتیں کہ یہ تو میرا بیٹا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہ کہنے سے بچایا۔

''لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا'': یعنی وہ ضرور کہہ دیتیں اگر ہم نے اُن کے دل پر صبر کا الہام کر کے اسے مضبوط نہ کیا ہوتا۔

''لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ'': اور تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی تصدیق کرنے والی ہوتیں جو انہوں نے فرمایا تھا کہ ہم اس کو تمہارے پاس واپس لائیں گے، اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ۔ (القصص: ۷)''۔

اللہ عز وجل کا ارشاد ہے: ''اور موسیٰ کی والدہ نے موسیٰ کی بہن سے کہا: تم موسیٰ کے پیچھے پیچھے جاؤ، سو وہ موسیٰ کو دور سے دیکھتی رہی جب کہ فرعونی اس سے بے خبر تھے ○'' (القصص: ۱۱)

''وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ'': یعنی تم ان کے پیچھے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ یہ کہاں جاتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ بہن اُن کی سگی بہن تھیں اور اُن کا نام مریم تھا۔

''فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ'': یعنی انہوں نے ایک جانب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔

''وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ'': اور اُن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا حال اور اُن کی غرض کا پتا نہیں چل سکا۔

اللہ عز وجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے موسیٰ کی بہن کے پہنچنے سے پہلے موسیٰ کو دودھ پلانے والیوں کا دودھ پینے سے روک رکھا تھا، موسیٰ کی بہن نے کہا: کیا میں تم لوگوں کو ایسے گھر والوں کی طرف رہنمائی کروں جو موسیٰ کی خیر خواہی کے ساتھ کفالت کریں ○'' (القصص: ۱۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دوسری دودھ پلانے والیوں کا دودھ نہ پینے کی توجیہ

''وَ حَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ'':

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں باقی دودھ پلانے والی عورتوں کے دودھ سے نفرت کو پیدا فرما دیا، اسی لیے انہوں نے اُن کو دودھ نہیں پلایا۔ یا اُن عورتوں کے دودھ میں ایسا ذائقہ پیدا فرما دیا جس سے طبیعت متنفر ہوتی ہے۔ اور اُن کی والدہ کے دودھ میں لذت پیدا فرما دی، اس وجہ سے انہوں نے دوسری عورتوں کے دودھ کو ناپسند فرمایا۔

الضحاک نے بیان کیا کہ اُن کی والدہ نے اُن کو تین ماہ تک دودھ پلایا حتیٰ کہ انہوں نے اپنی والدہ کی خوشبو کو پہچان لیا۔

''اَلْمَرَاضِعَ'' ''مُرْضِعَةٌ'' کی جمع ہے اور یہ وہ عورت ہے جو دودھ پلاتی ہے۔

''مِنْ قَبْلُ'': یعنی اس سے پہلے کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی والدہ کی طرف لوٹاتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کے آنے سے پہلے۔ اور ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے ہی یہ مقدر فرما دیا تھا۔

''فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ'': یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے اُن لوگوں سے کہا: کیا میں تمہاری اُن گھر والوں کی طرف رہنمائی نہ کروں جو اس بچہ کی تمہارے لیے پرورش کریں اور اس کو دودھ پلائیں اور اس کی مصلحتوں کا انتظام کریں اور وہ اس کے لیے خیر خواہ ہوں۔ اور اس کی غذا تربیت کی منفعت والی چیزوں کو منع نہ کرے۔

''وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ'': السدی نے کہا: اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ گھر والے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچانتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے ہامان نے کہا: میں نے اس بچہ کو پہچان لیا ہے، مجھے اس کے گھر والوں کی طرف رہنمائی کرو، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا: میں اس کے گھر والوں کو نہیں جانتی، لیکن میں نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں اس کی خیر خواہی کرنے والی ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس ہم نے موسیٰ کو اُن کی ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو اور تا کہ وہ یقین کر لے کہ بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O''
(القصص:۱۳)

''فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ'':

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو پہلے بھی علم تھا کہ ایسا ہو گا لیکن خبر مشاہدہ کی مثل نہیں ہوتی۔

''وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ'': اس آیت کی کئی تفسیریں ہیں:

(۱) یعنی اکثر لوگوں کو اس عہد کا اور اس کے بعد کے واقعات کا علم نہیں تھا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر نہیں کرتے تھے۔

(۲) الضحاک اور مقاتل نے کہا: یعنی مصر والے یہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کے پاس واپس لے آئیں گے۔ یعنی مقصود اصلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واپس لانے سے دینی غرض تھی لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے تھے کہ یہی غرضِ اصلی ہے۔

الضحاک نے کہا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کے دودھ کو قبول کر لیا تو ہامان نے کہا: کیا تم اس کی ماں ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں! ہامان نے کہا: پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے تمام عورتوں میں سے تمہارے دودھ کو قبول کیا ہے؟ اُن کی والدہ نے کہا: اے بادشاہ! میں ایسی عورت ہوں کہ میرا دودھ خوشبودار اور میٹھا ہے، جو بچہ بھی اس کی خوشبو سونگھتا ہے وہ اس کو قبول کر لیتا ہے، تو لوگوں نے کہا: اس عورت نے سچ کہا ہے، پھر آلِ فرعون میں سے ہر ایک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو سونے اور جواہر کے ہدیے اور تحفے دیے۔ (التفسیر الکبیر ج ۸ ص ۵۷۷۔ ۵۸۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝١٤

اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچے اور اُن کی نشو و نما مکمل ہو گئی تو ہم نے اُن کو حکمت اور علم عطا فرمایا، اور ہم اسی طرح نیکوکاروں کو اجر عطا فرماتے ہیں O

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِن شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِن شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۖ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ۝١٥

اور موسیٰ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب اس کے باشندے غافل تھے، پس انہوں نے وہاں پر دو مردوں کو لڑتے ہوئے دیکھا، اُن میں سے ایک موسیٰ کی قوم سے تھا اور دوسرا اُن کے دشمنوں کی قوم میں سے تھا، سو جو موسیٰ کی قوم کا آدمی تھا اس نے موسیٰ سے اُس شخص کے خلاف مدد طلب کی جو اُن کے دشمنوں میں سے تھا، پس موسیٰ نے اس کو ایک مکا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا، پھر کہا: یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا، بے شک وہ دشمن ہے اور کھلا ہوا گمراہ کرنے والا ہے O

قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝١٦

موسیٰ نے دعا کی: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، سو آپ میری مغفرت فرمائیں، پس اللہ نے اُن کی مغفرت فرمادی، بے شک وہ سب سے زیادہ مغفرت فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں O

قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ۝١٧

موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! چونکہ آپ نے مجھ پر احسان فرمایا ہے، پس میں کبھی بھی مجرموں کا مددگار نہیں ہوں گا O

فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ ۚ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ۝١٨

سو موسیٰ نے اُس شہر میں ڈرتے ہوئے صبح کی کہ جانے اب کیا ہوگا، پس اچانک وہی شخص جس نے کل اُن سے مدد طلب کی تھی، پھر اُن سے مدد طلب کر رہا تھا، موسیٰ نے اُس سے کہا: بے شک تم کھلے ہوئے گمراہ ہو O

فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَن يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَن تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۖ إِن تُرِيدُ إِلَّا أَن تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَن

تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝۱۹

پھر جب موسیٰ نے اس شخص کو پکڑنے کا ارادہ کیا جو اُن دونوں کا دشمن تھا تو اس نے کہا: اے موسیٰ! جس طرح کل آپ نے ایک شخص کو قتل کیا تھا، آج مجھے بھی اسی طرح قتل کرنا چاہتے ہیں، آپ تو صرف زمین میں بہت بڑے جابر بننا چاہتے ہیں اور آپ اصلاح کرنے والوں میں سے نہیں بننا چاہتے O

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ؗ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝۲۰

اور ایک دوسرا شخص شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا: اے موسیٰ! فرعون کے درباری آپ کے متعلق آپ کو قتل کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں، سو آپ یہاں سے نکل جائیں بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں O

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ؗ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۱

پس موسیٰ اس شہر سے خوف زدہ ہو کر نکلے اور یہ انتظار کر رہے تھے کہ اب کیا ہوگا، انہوں نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے ظالموں سے نجات عطا فرما دیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچے اور اُن کی نشوونما مکمل ہو گئی تو ہم نے اُن کو حکمت اور علم عطا فرمایا، اور ہم اسی طرح نیکو کاروں کو جزا عطا فرماتے ہیں O'' (القصص:۱۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوانی اور جوانی کے بعد کے احوال

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، القصص: ۱۴ تا ۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ'':

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ''اَشُدَّهٗ'' اور ''اسْتَوٰى'' کے الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں، ان کے معانی میں حسب ذیل اقوال ہیں:

''الاشد'' اور ''الاستویٰ'' کے معانی

(۱) ''الاشد'' کا معنی ہے: قوتِ جسمانیہ بدنیہ کا اپنے کمال کو پہنچ جانا اور ''الاستویٰ'' کا معنی ہے: قوتِ عقلیہ کا کمال کو پہنچ جانا۔

(۲) ''الاشد'' کا معنی ہے: قوت کا کامل ہونا اور ''الاستویٰ'' کا معنی ہے: بدن کی تخلیق کا کامل ہونا۔

(۳) ''الاشد'' کا معنی ہے: بالغ ہونا، اور ''الاستویٰ'' کا معنی ہے: تخلیق کا کامل ہونا۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ اٹھارہ سال کی عمر سے لے کر تیس سال کی عمر تک کا زمانہ ''الاشد'' ہے۔ پھر تیس سال سے لے کر چالیس سال تک انسان کا جسم اُسی حال پر قائم رہتا ہے نہ اُس میں کوئی زیادتی ہوتی ہے اور نہ کوئی کمی، اور چالیس سال

کی عمر سے انسان کے جسم میں کمی شروع ہوتی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول برحق ہے، کیونکہ انسان کی ابتدائی عمر میں نشوونما ہوتی ہے، پھر وہ بغیر زیادتی اور کمی کے اسی حال پر قائم رہتا ہے، پھر اُس کے بعد اُس کے جسم میں کمی ہونا شروع ہوتی ہے، پس بیس سال سے لے کر تیس سال کی عمر تک انسان کے جسم میں زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ اور زیادتی کم ہوتی ہے اور قوت زیادہ ہوتی ہے، پھر تیس سال سے لے کر چالیس سال تک یہ سلسلہ موقوف ہو جاتا ہے، نہ زیادتی ہوتی ہے اور نہ کمی ہوتی ہے۔ اور چالیس سال سے لے کر ساٹھ سال کی عمر تک خفیف سی کمی ہوتی ہے۔ اور ساٹھ سال سے لے کر آخیر عمر تک جسم میں واضح کمی ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ مَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ ۔ (یٰسین:۶۸)'' (اور جسے ہم لمبی عمر عطا فرماتے ہیں اس کی تخلیق کو (بچپن کی طرح) الٹا فرما دیتے ہیں)۔ یعنی اُس پر اُس کی ابتدائی عمر کے احوال لوٹا دیتے ہیں اور اُس پر اُس کی کم عمری کی کمزوری طاری فرما دیتے ہیں۔

چالیس سال کی عمر میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی حکمت

اور روایت ہے کہ ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا گیا اور اس کی حکمت ظاہر ہے، کیونکہ چالیس سال کی ابتداء میں انسان کی شہوت اور غضب کی قوت کامل ہو جاتی ہے، پھر چالیس سال کی عمر کے بعد قوائے جسمانیہ کم ہونے لگتی ہیں اور قوائے عقلیہ زیادہ ہونے لگتی ہیں، پس انسان عمر کے اس حصہ میں عقل کے لحاظ سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس عمر کو وحی کے نزول کے لیے پسند فرمایا۔

''اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا'': اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) اس سے مراد نبوت ہے اور وہ علوم اور اخلاق جو نبوت کے مقارن ہوتے ہیں، اور اس صورت میں اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ نبوت قبطی کو قتل کرنے سے پہلے حاصل ہوئی تھی یا اُس کے بعد حاصل ہوئی تھی۔

(۲) اس سے مراد ہے: ہم نے موسیٰ کو حکمت اور علم عطا فرمایا۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ اذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ۔ (الاحزاب:۳۴)'' (اور تمہارے گھروں میں جو قرآن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور حکمت کی باتیں کی جاتی ہیں، انہیں یاد کرتی رہو، بے شک اللہ ہر باریکی کو خوب جاننے والا، سب سے زیادہ خبر رکھنے والا ہے)۔ اور یہ قول درج ذیل وجوہ کی وجہ سے زیادہ اولیٰ ہے:

(۱) نبوت بشری درجات کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے، پس ضروری ہے کہ وہ علم اور پسندیدہ سیرت کے بعد حاصل ہو، اور پسندیدہ سیرت وہ ہے جو عظیم لوگوں اور بڑے لوگوں کی سیرت ہوتی ہے۔

(۲) اللہ عزوجل کے ارشاد ''وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ'' میں یہ دلیل ہے کہ حکمت اور علم کا عطا فرمانا اُن کے احسان کی جزا ہے اور نبوت کسی عمل کی جزا نہیں ہوتی۔

(۳) اگر حکم اور علم سے مراد نبوت ہو تو ضروری ہوگا کہ جو بھی احسان اور نیکی کرنے والا ہو اُس کو نبوت عطا فرمائی جائے، کیونکہ فرمایا ہے: ''وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ''۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم اور علم پہلے عطا فرمایا گیا۔ پھر قبطی کو قتل کرنے سے پہلے اُن پر احسان کو بیان فرمایا ہے۔

حکمت اور علم کے متعلق دیگر مفسرین کی عبارات

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ، لکھتے ہیں:

بعض مفسرین نے کہا ہے: حکم سے مراد فقہ اور عقل ہے اور وہ علم ہے جو نبوت سے پہلے ہوتا ہے۔

"وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ" کا معنی یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو آخرت میں وہ جزا عطا فرماتے ہیں جس کا اُن سے دنیا میں وعدہ فرمایا تھا، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ جزا عطا فرمائی گئی جس کا اُن سے وعدہ فرمایا گیا تھا، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔" (القصص:۱۳)" (پس ہم نے موسیٰ کو اُن کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو اور تاکہ وہ یقین کرلے کہ بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے)۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی والدہ سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی والدہ کی طرف لوٹا دیں گے اور اُن کو رسولوں میں سے بنائیں گے۔

(تاویلات اہل السنۃ، ج ۸ ص ۱۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا": السدی نے کہا: اس سے مراد نبوت ہے یا وہ علم ہے جو نبوت کے خواص میں سے ہے۔ اور علم سے مراد ہے دین اور شریعت کا علم۔ اور کشاف میں مذکور ہے کہ علم سے مراد تورات ہے اور حکم سے مراد سنت ہے، اور انبیاء علیہم السلام کی حکمت اُن کی سنت ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بعثت سے پہلے حکماء اور علماء کی سیرت عطا فرمائی ہے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام بعثت سے پہلے کوئی ایسا فعل نہیں کرتے تھے جو جہالت کا تقاضا ہو۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبطی کو گھونسا مارنے اور مدین کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے نبوت عطا فرمائی گئی۔ اور فرعون کو غرق کرنے کے بعد اُن کو تورات عطا فرمائی گئی۔ نیز اس آیت میں فرمایا: "وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ"۔ یعنی جس طرح ہم نے حضرت موسیٰ اور اُن کی والدہ علیہما السلام کے ساتھ کیا، اسی طرح ہم محسنین کو جزا عطا فرماتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اصل نبوت اگرچہ عمل کی جزا نہیں ہوتی لیکن اس کے بعض مراتب یعنی اللہ تعالیٰ کا مزید قرب حاصل ہونا یہ عمل کی جزا ہوتے ہیں، اور انبیاء علیہم السلام کے قرب کے درجات مختلف ہوتے ہیں۔

(روح المعانی، جز ۲۰ ص ۸۷، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور موسیٰ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب اس کے باشندے غافل تھے، پس انہوں نے وہاں پر دو مردوں کو لڑتے ہوئے دیکھا، اُن میں سے ایک موسیٰ کی قوم سے تھا اور دوسرا اُن کے دشمنوں کی قوم میں سے تھا، سو جو موسیٰ کی قوم کا آدمی تھا اس نے موسیٰ سے اُس شخص کے خلاف مدد طلب کی جو اُن کے دشمنوں میں سے تھا، پس موسیٰ نے اس کو ایک مُکا مارا اور اس کا کام تمام کردیا، پھر کہا: یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا، بے شک وہ دشمن ہے اور کھلا ہوا گمراہ کرنے والا ہے O" (القصص:۱۵)

"وَ دَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰى حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ﱪ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ

"فَلَسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ":

اس آیت میں جس شہر کا ذکر ہے اُس کے مصداق کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے۔ پس جمہور مفسرین کا مختار یہ ہے کہ یہ وہ شہر ہے جس میں فرعون رہتا تھا، اور یہ شہر مصر سے دو فرسخ کے فاصلہ پر تھا۔ اور الضحاک نے کہا: جس وقت وہ شہر میں داخل ہوئے تو وہ دوپہر کا وقت تھا۔ یہاں پر کئی اقوال ہیں:

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہو گئے اور اُن کی عقل کامل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُن کے اور اُن کے آباء کے دین کا علم عطا فرمایا اور انہوں نے یہ جان لیا کہ فرعون اور اُس کی قوم باطل پر ہیں۔ پس انہوں نے حق کو بیان کیا اور اُن کے دین کی مذمت کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول مشہور ہو گیا اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اُن لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرایا اور بنی اسرائیل کا ایک گروہ تھا جو اُن کی اقتداء کرتا تھا اور اُن کی باتیں سنتا تھا، وہ خوف یہاں تک پہنچ گیا کہ وہ فرعون کے جس شہر میں بھی داخل ہوتے تو خوف زدہ ہوتے، پس ایک دن وہ اس وقت داخل ہوئے جب وہاں کے لوگ غافل تھے۔ اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دوپہر کے وقت داخل ہوئے اور وہ اس وقت قیلولہ کر رہے تھے یعنی سو رہے تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت میں داخل ہوئے، اور پہلی تفسیر زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غفلت کی نسبت وہاں کے لوگوں کی طرف فرمائی ہے، اور جب کوئی مرد خوف کی وجہ سے چھپتا ہوا داخل ہو تو لوگوں کی طرف غفلت کی نسبت نہیں کی جاتی۔

(۲) ابن زید نے کہا: اس آیت میں جو فرمایا ہے "عَلٰی حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا" اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس وقت ان پر غفلت تھی، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے معاملات سے غافل تھے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کم سن تھے تو انہوں نے فرعون کے سر پر لاٹھی ماری اور اس کی ڈاڑھی نوچ لی، پس فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ لیا، پس وہ آگ کے انگارے لایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اپنے منہ میں ڈال لیا جس کی وجہ سے ان کی زبان میں گرہ لگ گئی، فرعون نے کہا: میں اس کو قتل تو نہیں کرتا، اس کو اس گھر اور شہر سے نکال دو، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے نکال دیے گئے اور پھر اس گھر میں داخل نہیں ہوئے حتیٰ کہ بڑے ہو گئے، اور لوگ اس بات کو بھول گئے، اور یہ اس آیت کا معنی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت داخل ہوئے جب ان کے گھر والے غافل تھے۔ اور ان مختلف روایات میں سے کسی ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ قرآن میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ان روایات پر دلالت کرے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ": حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں دو مردوں کو پایا جو آپس میں لڑ رہے تھے، ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت میں سے تھا اور دوسرا ان کے دشمنوں کی جماعت میں سے تھا۔ پھر اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

مقاتل نے کہا: یہ دونوں مرد کافر تھے مگر ان میں سے ایک بنی اسرائیل میں سے تھا اور دوسرا قبطیوں میں سے تھا، اور اس پر یہ دلیل ہے کہ دوسرے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس شخص سے کہا: "اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ" (القصص: ۱۸) "(بے شک تم کھلے ہوئے گمراہ ہو)۔

اور مشہور یہ ہے کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت میں سے تھا، وہ مسلمان تھا، کیونکہ جو مرد کسی کے دین اور اس کے طریقہ کا مخالف ہو، اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ اس کی جماعت میں سے ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ جس قبطی نے اسرائیلی کو مسخر کر دیا تھا وہ فرعون کے نانبائیوں میں سے تھا، اس نے اس اسرائیلی کو مطبخ میں لکڑیاں اٹھا کر لے جانے کے لیے مسخر کیا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ جو دو مرد لڑ رہے تھے، اُن میں سے ایک سامری تھا اور یہ وہی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت میں سے تھا اور دوسرا فرعون کا نانبائی تھا اور اصل کیفیتِ حال کو اللہ ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔

"فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَى الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ": یعنی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت میں سے تھا، اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ وہ اس کو اُس سے چھڑائیں اور اس کے خلاف مدد کریں۔

"فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَیْهِ": پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مُکا مارا۔ الوکز کا معنی ہے: انگلیوں کو اکٹھا کر کے دھکا دینا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے "فَلَكَزَهٗ موسٰى"۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ الوکز سینہ پر مارنا ہے اور اللکز پیٹھ پر مارنا ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گرفت بہت سخت تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "موسیٰ نے دعا کی: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، سو آپ میری مغفرت فرمائیں، پس اللہ نے اُن کی مغفرت فرما دی، بے شک وہ سب سے زیادہ مغفرت فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں O" (القصص:۱۶)

منکرین عصمتِ انبیاء کے دلائل

"قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ": (موسیٰ نے دعا کی: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، سو آپ میری مغفرت فرمائیں، پس اللہ نے اُن کی مغفرت فرما دی، بے شک وہ سب سے زیادہ مغفرت فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں)۔

جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر طعن کرتے ہیں، انہوں نے کئی وجوہ سے عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے خلاف دلائل قائم کیے ہیں:

(۱) جس قبطی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مُکا مار کر قتل کیا تھا، وہ قتل کا مستحق تھا یا نہیں؟ اگر وہ قتل کا مستحق تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کیوں کہا: "هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ"۔ یعنی میرا قبطی کو مُکا مارنا شیطان کے کاموں میں سے تھا اور دوسری سورت میں فرمایا ہے: "قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ"۔ (الشعراء:۲۰) "(موسیٰ نے کہا: میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا جب میں بے خبروں میں سے تھا)۔

اور اگر وہ قبطی قتل کا مستحق نہیں تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اُس کو قتل کرنا معصیت اور گناہ ہے۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: "هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ"۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ وہ قبطی کافر حربی تھا اور اُس کو قتل کرنا مباح تھا تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر استغفار کیوں کیا؟ اور کسی مباح فعل پر استغفار کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے یہ وہم

ہوتا ہے کہ وہ مباح نہ ہو بلکہ حرام ہو۔

(۳) مُکا مارنے سے بہ ظاہر قتل کا ارادہ نہیں کیا جاتا، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اُس قبطی کو قتل کرنا خطا تھا تو انہوں نے اس پر استغفار کیوں کیا؟

منکرین عصمت انبیاء کے جوابات

پہلے اعتراض کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ قبطی اپنے کفر کی وجہ سے مباح الدم ہو گیا تھا، یعنی اس کو قتل کرنا جائز تھا۔ رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ کہنا "هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ"۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ کافر کے قتل کو مباح فرمایا ہو مگر اُن کے اس کے قتل کرنے کو اس زمانہ تک مؤخر کرنا کہ وہ ایمان لے آئے، یہ اولیٰ ہے۔ پس جب انہوں نے اس کو فوراً قتل کر دیا تو انہوں نے اس مستحب کام کو ترک کیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ کہنا "هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ" کہ میں نے مستحب کام کو جو ترک کیا ہے، یہ شیطان کے کاموں میں سے ہے۔

رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ کہنا "رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ"۔ سو یہ اس طرح ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے کہا تھا: "رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (الاعراف:۲۳)"۔ یعنی اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فعل گناہ نہیں تھا لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اپنی تقصیر کا اعتراف کیا۔ اور یہ اُن کی تواضع اور اُن کا انکسار ہے۔ اور یا اس وجہ سے کہ انہوں نے ایک مستحب کام کو ترک کر کے اپنے نفس پر ثواب کو حرام کر دیا تھا، اس لیے فرمایا کہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ دعا کرنا "فَاغْفِرْ لِيْ"۔ یعنی میں نے جو اس مستحب کام کو ترک کیا ہے، اس پر میری مغفرت فرمائیں۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر یہ ظلم کیا کہ اس ملعون کو قتل کر دیا، کیونکہ اگر فرعون کو اس کا پتا چل گیا تو وہ مجھے قتل کر دے گا، تو آپ میرے اس کام پر ستر فرمائیں اور یہ خبر فرعون تک نہ پہنچنے دیں۔

"فَغَفَرَ لَهٗ": سو اللہ تعالیٰ نے اس خبر کو فرعون تک پہنچنے سے مستور رکھا، اور اس تاویل کی تقویت اس سے ہوتی ہے کہ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! چونکہ آپ نے مجھ پر احسان فرمایا ہے، پس میں کبھی بھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا O" (القصص:۱۷)

"قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ": (موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! چونکہ آپ نے مجھ پر احسان فرمایا ہے، پس میں کبھی بھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا)۔

کیونکہ اگر مومن کی مدد کرنا معصیت کا سبب ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس طرح نہ کہتے۔

رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ کہنا کہ "فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ۔ (الشعراء:۲۰)" (موسیٰ نے کہا: میں نے وہ کام اس وقت

کیا تھا جب میں بے خبروں میں سے تھا) ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ میں اس قبطی کو قتل کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو گیا ، لیکن چونکہ فرعون نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس قبطی کو قتل کرنے کے وقت کافر ہو گئے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس سے کفر کی نفی کی ، یعنی وہ اس وقت کافر نہیں ہوئے تھے ۔ اور یہ اعتراف کیا کہ وہ ضالین میں سے تھے ، یعنی متحیرین (اپنے فعل پر حیران) میں سے تھے کہ وہ اب کیا کریں اور اس کے بعد کیا ہوگا ۔

رہا یہ اعتراض کہ اگر وہ قبطی کافر حربی تھا تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو قتل کرنے پر استغفار کیوں کیا ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کافر کا مباح الدم ہونا (یعنی اس کو قتل کرنے کا جائز ہونا ، مباح ہونا) ایسا حکم ہے جو مختلف شریعتوں میں مختلف تھا ۔ پس ہو سکتا ہے کہ اس وقت کافر مباح الدم کو قتل کرنا حرام ہو ، یا مباح ہو لیکن اس کو ترک کرنا اولیٰ ہو جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ۔

رہا یہ اعتراض کہ اس قبطی کو قتل کرنا قتل خطا تھا ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مرد کمزور تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت طاقت ور تھے ، تو ان کا اُس کو مکا مارنا اس کو قطعی طور پر قتل کرنا تھا ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ اس اسرائیلی کو قبطی سے مکا مارے بغیر چھڑا لیتے تو اولیٰ یہ تھا کہ وہ مکا نہ مارتے ، اس وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی ۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم یہ مان لیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ مکا مارنا معصیت تھا لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول تھے تو اُن سے یہ فعل اس وقت صادر ہوا جب وہ نبی نہیں تھے ، کیونکہ اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کو نبوت سے سرفراز فرمایا تھا ۔

امام رازی کے مذکورہ جوابات پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں : امام رازی نے پوری بحث کرنے اور کیل وقال کرنے کے بعد بالآخر یہ مان لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس قبطی کو مکا مارنا گناہ تھا ، لیکن یہ گناہ اس وقت واقع ہوا جب وہ نبی نہیں تھے لہٰذا اس سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ نبی بھی گناہ کرتے ہیں ۔

میرے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس قبطی کو مکا مارنا جس کے نتیجہ میں وہ مر گیا گناہ نہیں تھا ، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تادیباً اُس کو مکا مارا تھا تاکہ وہ ناجائز لڑائی سے باز آ جائے اور مکا مارنا عادتاً قتل کا سبب نہیں ہوتا ، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ اسے قتل کرنے کا نہیں تھا بلکہ اس کو سرزنش کرنے کا تھا لیکن ان کے مکا مارنے سے وہ قضائے الٰہی سے مر گیا ، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ انہوں نے اس قبطی کو قتل کر دیا تھا ۔ (سعیدی غفرلہٗ)

قبطی کو قتل کرنے کے متعلق دیگر مفسرین کی تحقیق

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ ھ ، لکھتے ہیں :

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس قبطی کو عمداً قتل نہیں کیا تھا نہ اُس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا ، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس قبطی کی موت کا فیصلہ فرما دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گھونسا مارنے کے بعد اُس کی عمر کو ختم فرما دیا ۔ اور بہ ظاہر وہ قاتل تھے ، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا : " اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ـ (القصص : ۳۳) " (میں نے اُن کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا ، اس لیے

مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے)۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اُس قبطی کو گھونسا مارا سو وہ مر گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس مردوں کی طاقت عطا فرمائی گئی تھی، اور اُن پر قصاص واجب نہیں تھا، کیونکہ اُس مرد نے کہا: "قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۞ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ؗ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ (القصص: ۲۰۔۲۱)" (اس مرد نے کہا: اے موسیٰ! فرعون کے درباری آپ کے متعلق آپ کو قتل کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں، سو آپ یہاں سے نکل جائیں بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں O پس موسیٰ اس شہر سے خوف زدہ ہو کر نکلے اور یہ انتظار کر رہے تھے کہ اب کیا ہوگا، انہوں نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے ظالموں سے نجات عطا فرما دیں)۔ اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قصاص واجب ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی وجہ سے وہ لوگ ظالم نہ ہوتے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی ظالم ہوتے۔ (تاویلات اہل السنہ، ج ۸ ص ۱۵۶۔۱۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ"۔

انبیاء علیہم السلام کبائر اور صغائر سے مطلقاً معصوم ہوتے ہیں، تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لیے مغفرت کی دعا کیوں فرمائی؟ کیونکہ یہ جائز ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ رائے ہو کہ ظالم کو مظلوم سے نجات دینی چاہیے اور انہوں نے اس کے قتل کا ارادہ نہیں فرمایا تھا۔ اُن کے گھونسا مارنے پر اُس قبطی کا قتل مترتب ہو گیا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصد نہیں تھا۔ اور انبیاء متقدمین علیہم السلام کی شریعت میں خطا بھی گناہ سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کو گھونسا مارنے کے بعد اور اُس پر اُس کی موت کے مترتب ہونے کے بعد غور کیا تو اُن پر یہ منکشف ہوا کہ وہ اس قبطی کو گھونسا مارے بغیر بھی اُس کے ظلم کو دور کر سکتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ اُن کا یہ فعل خلاف اولیٰ تھا، پس جس طرح مقربین کا طریقہ ہے انہوں نے بھی اس خلاف اولیٰ فعل پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ فعل اعلانِ نبوت سے پہلے سرزد ہوا تھا جیسے اس آیت سے ظاہر ہے: "فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (الشعراء: ۲۱)" (جب مجھے تم سے خطرہ محسوس ہوا تو میں تمہارے پاس سے نکل گیا، پھر میرے رب نے مجھے علم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں شامل فرما دیا)۔

اور کعب نے روایت کی ہے کہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر بارہ سال تھی۔

(روح المعانی، جز ۲۰ ص ۸۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ظالم حکمرانوں کی ملازمت کرنے کا عدم جواز

"فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ": (پس میں کبھی بھی ظالموں کا مددگار نہیں بنوں گا)۔

اس آیت کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ چونکہ آپ نے مجھ پر یہ احسان فرمایا ہے، اس لیے میں کسی مجرم کا معاون نہیں ہوں گا بلکہ مسلمانوں کا معاون ہوں گا، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو قبطی کے خلاف اسرائیلی کی مدد کی تھی، یہ طاعت تھی معصیت نہ تھی۔

قفال نے کہا: گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قسم کھائی کہ چونکہ آپ نے مجھ پر احسان فرمایا ہے، اس لیے میں کسی مجرم کی

معاونت نہیں کروں گا۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ظالموں اور فاسقوں کی معاونت کرنا جائز نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں کسی مجرم کی معاونت نہیں کروں گا اور ان شاء اللہ نہیں کہا تھا، اسی وجہ سے وہ دوسرے دن پھر اس مشکل میں مبتلاء ہو گئے، لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ دوسرے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس دن اُس کی اعانت کو ترک فرما دیا تھا۔

اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط کیا گیا ہے کہ ظالموں کی مدد کرنا جائز نہیں ہے۔ عطا نے کہا: کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ظالم کی مدد کرے، نہ اس کو کچھ لکھ کر دے اور نہ اس کی مجلس میں بیٹھے، اور اگر اس نے ان میں سے کوئی کام کیا تو وہ ظالموں کا مددگار ہو جائے گا، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ (ہود: ۱۱۳)'' (اور (اے مسلمانو!) تم اُن لوگوں کی طرف مائل نہ ہونا جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ چھوئے گی)۔

اور اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مقدمہ میں ظلم کے ساتھ مدد کی، یا ظلم کی مدد کی تو جب تک وہ اس سے رجوع نہیں کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی میں رہے گا۔

(سنن ابوداؤد: ۳۵۹۸، سنن ابن ماجہ: ۲۳۲۰، المستدرک ج ۴ ص ۹۹، جمع الجوامع: ۲۰۲۹۷، کنزالعمال: ۱۳۹۳۸، الجامع الصغیر: ۸۴۷۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مقدمہ میں علم کے باوجود ظالم کی ظلم کے ساتھ مدد کی، اس سے اللہ کا ذمہ اور اس کے رسول کا ذمہ بری ہو گیا۔ (تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۷۹، کنزالعمال: ۱۳۹۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے کسی ظالم کی مدد کہ کہ اس کے باطل موقف کو ثابت کرنے کے لیے کسی کا حق ضائع کر دے تو اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ بری ہو گا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(جمع الجوامع: ۲۰۲۹۶، الجامع الصغیر: ۸۴۷۲، المستدرک ج ۴ ص ۱۰۰، طبع قدیم، المستدرک: ۷۰۵۲، طبع جدید، تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۶ ص ۱۹۰، رقم الحدیث: ۱۲۲۹۰)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء، لکھتے ہیں:

علمائے اسلام نے بالعموم حضرت موسیٰ کے اس عہد سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایک مومن کو ظالم کی اعانت سے کامل اجتناب کرنا چاہیے، خواہ وہ ظالم فرد ہو، یا گروہ، یا حکومت و سلطنت۔ مشہور تابعی حضرت عطاء بن ابی رباح سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ میرا بھائی بنی امیہ کی حکومت میں کوفے کے گورنر کا کاتب (سیکرٹری) ہے۔ معاملات کے فیصلے کرنا اس کا کام نہیں ہے۔ البتہ جو فیصلے کیے جاتے ہیں، وہ اس کے قلم سے جاری ہوتے ہیں۔ یہ نوکری وہ نہ کرے تو مفلس ہو جائے۔ حضرت عطاء نے جواب میں یہی آیت پڑھی اور فرمایا: تیرے بھائی کو چاہیے کہ اپنا قلم پھینک دے، رزق دینے والا اللہ ہے۔

ایک اور کاتب نے عامر شعبی سے پوچھا: اے ابوعمرو! میں بس احکام لکھ کر جاری کرنے کا ذمہ دار ہوں، فیصلے کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوں، کیا یہ رزق میرے لیے جائز ہے؟ انہوں نے کہا: ہو سکتا ہے کہ کسی بے گناہ کے قتل کا فیصلہ کیا جائے اور وہ تمہارے قلم

سے جاری ہو۔ ہوسکتا ہے کہ کسی کا مال ناحق ضبط کیا جائے، یا کسی کا گھر گرانے کا حکم دیا جائے اور وہ تمہارے قلم سے جاری ہو۔ پھر امام موصوف نے یہ آیت پڑھی جسے سنتے ہی کاتب نے کہا: آج کے بعد میرا قلم بنی امیہ کے احکام جاری کرنے میں استعمال نہ ہوگا۔ امام نے کہا: پھر اللہ بھی تمہیں رزق سے محروم نہ فرمائے گا۔

ضحاک کو تو عبدالرحمن بن مسلم نے صرف اس خدمت پر بھیجنا چاہا تھا کہ وہ بخارا کے لوگوں کی تنخواہیں جا کر بانٹ آئیں، مگر انہوں نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ ان کے دوستوں نے کہا: آخر اس میں کیا حرج ہے؟ انہوں نے کہا: میں ظالموں کے کسی کام میں بھی مددگار نہیں بننا چاہتا۔ (روح المعانی، جز ۲۰ ص ۴۹)

امام ابوحنیفہ کا یہ واقعہ ان کے تمام مستند سوانح نگاروں، الموفق المکی، ابن البزاز الکردری، ملا علی قاری وغیرہم نے لکھا ہے کہ انہی کی تلقین پر منصور کے کمانڈر انچیف حسن بن قحطبہ نے یہ کہہ کر اپنے عہدے سے استعفاء دے دیا تھا کہ آج تک میں نے آپ کی سلطنت کی حمایت کے لیے جو کچھ کیا ہے، یہ اگر خدا کی راہ میں تھا تو میرے لیے بس اتنا ہی کافی ہے، لیکن اگر یہ ظلم کی راہ میں تھا تو میں اپنے نامۂ اعمال میں مزید جرائم کا اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔ (تفہیم القرآن، جلد سوم، ص ۶۲۳۔ ۶۲۴، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)

مبحث مذکور میں معتزلہ کا مذہب

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف معاصی کی نسبت کرنا باطل ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: "هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ" پس انہوں نے اس معصیت کو شیطان کی طرف منسوب فرمایا، پس اگر یہ معصیت اللہ تعالیٰ کے خلق فرمانے سے ہوتی تو پھر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی نہ کہ شیطان کی طرف سے، اور اس کی نظیر یہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے درمیان رنجش نہیں رہی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قول کو نقل فرمایا: "مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ" (یوسف:۱۰۰) (یہ سب اس کے بعد ہوا جب شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان بگاڑ پیدا کر دیا تھا)۔ اور جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد یوشع بن نون نے ان سے کہا: "وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ" (الکہف:۶۳) (اور مجھے صرف شیطان نے اس کا ذکر کرنا بھلا دیا تھا)۔ ان آیات میں شیطان کی طرف کسی فعل کو منسوب کرنے کا ثبوت ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سو موسیٰ نے اس شہر میں ڈرتے ہوئے صبح کی کہ جانے اب کیا ہوگا، پس اچانک وہی شخص جس نے کل اُن سے مدد طلب کی تھی، پھر اُن سے مدد طلب کر رہا تھا، موسیٰ نے اس سے کہا: بے شک تم کھلے ہوئے گمراہ ہو O" (القصص:۱۸)

"فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ۚ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ":

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گھونسا مارنے سے جب وہ قبطی مر گیا تو صبح کو حضرت موسیٰ علیہ السلام خوف زدہ ہو کر اٹھے، انہیں یہ خطرہ تھا کہ یہ ظاہر ہو جائے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی اس کے قاتل ہیں لہٰذا وہ چھپتے ہوئے نکلے، پھر جس اسرائیلی نے اُن سے گزشتہ روز مدد طلب کی تھی، وہ پھر فریاد کر رہا تھا اور چلا رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا: تم ضرور طوق مبین ہو، کیونکہ کل تمہاری وجہ سے

میں ایک مشکل میں مبتلاء ہو گیا تھا۔ بعض منکرین عصمت نے یہاں پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کس طرح جائز تھا کہ وہ اپنی ایک جماعت کے فریادی شخص سے کہیں کہ تم کھلے ہوئے گمراہ ہو۔

اس کے دو جواب ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بہت سخت دل تھی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھنے کے باوجود انہوں نے کہا: "اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۔" (الاعراف:۱۳۸) "(ہمارے لیے بھی ایسا معبود بنا دیجئے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں، موسیٰ نے کہا: بے شک تم جہالت کی بات کرتے ہو)۔ تو الغوی المبین سے یہی مراد ہے۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کو غوی اس لیے فرمایا کہ جو آدمی زیادہ جھگڑالو ہو اور اُس کے حمایتی کے لیے اُس کا دفاع کرنا مشکل ہو اور اُس کے دفاع کرنے سے ضرر ہو تو پھر وہ غوی ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پھر جب موسیٰ نے اس شخص کو پکڑنے کا ارادہ کیا جو اُن دونوں کا دشمن تھا تو اس نے کہا: اے موسیٰ! جس طرح کل آپ نے ایک شخص کو قتل کیا تھا، آج مجھے بھی اسی طرح قتل کرنا چاہتے ہیں، آپ تو صرف زمین میں بہت بڑے جابر بننا چاہتے ہیں اور آپ اصلاح کرنے والوں میں سے نہیں بننا چاہتے O" (القصص:۱۹)

"فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَ مَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ":

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ اسرائیلی کا کلام تھا یا قبطی کا۔ بعض مفسرین نے کہا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلی سے خطاب کر کے یہ کہا کہ وہ غوی ہے اور اُن کو غیظ و غضب میں پایا تو اُس نے یہ گمان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس کو پکڑ کر مار ڈالیں گے تب اُس نے یہ بات کہی۔ اور اُس اسرائیلی نے یہ نہیں سمجھا کہ کل انہوں نے جس شخص کو قتل کیا تھا تو وہ اُسی کی حمایت میں قتل کیا تھا۔ اور دوسرے مفسرین نے کہا: بلکہ یہ قبطی کا قول ہے۔ اور وہ اسرائیلی سے یہ قصہ جان چکا تھا۔ نیز اُس کا یہ کہنا کہ آپ تو زمین میں جبار بننا چاہتے ہیں، یہ کافر ہی کے مناسب ہے۔

جبار اُس شخص کو کہتے ہیں جو جس کو چاہے ظلم سے مارے اور قتل کر دے اور اس کے نتیجہ پر غور و فکر نہ کرے۔ پھر جب اس واقعہ کی خبر پھیل گئی اور فرعون تک پہنچ گئی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ایک دوسرا شخص شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا: اے موسیٰ! فرعون کے درباری آپ کے متعلق آپ کو قتل کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں، سو آپ یہاں سے نکل جائیں بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں O" (القصص:۲۰)

"وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰى ۫ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ

"اَلنّٰصِحِیْنَ": اس مرد کے نام میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام حزقیل ہے اور وہ آلِ فرعون میں سے مومن تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام شمعون ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام شمعان ہے، اور یہ فرعون کا چچازاد تھا۔

"یَسْعٰی": وہ شخص دوڑتا ہوا آیا اور قریب ترین راستہ اختیار کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا اور اُن کو یہ خبر دی اور اُن کو ڈرایا کہ وہ دوسرا راستہ اختیار کریں، اس شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمدردی سے ندا کرتے ہوئے کہا کہ قبطیوں کے سردار جن کے ہاتھوں میں اقتدار ہے وہ آپ کے متعلق آپ کو قتل کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں۔ لہٰذا آپ اس شہر سے نکل جائیں میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس موسیٰ اس شہر سے خوف زدہ ہو کر نکلے اور یہ انتظار کر رہے تھے کہ اب کیا ہوگا، انہوں نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے ظالموں سے نجات عطا فرمادیں O" (القصص:۲۱)

"فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ": اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ وہ مرد آلِ فرعون سے مومن تھا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچانے کے لیے آیا اور اُن کو خبر دی، اُسے خود اپنی جان پر خطرہ تھا کہ فرعون کے کارندے اس کو پکڑ کر ہلاک کر دیں گے۔

"قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ": پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوئے، کیونکہ انہوں نے جان لیا کہ اب اللہ تعالیٰ کے سوا اُن کی کوئی پناہ گاہ نہیں ہے، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے میرے رب! مجھے ظالم قوم سے نجات عطا فرمادیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس قبطی کو قتل کرنا گناہ نہیں تھا، کیونکہ اگر وہ گناہ ہوتا تو وہ خود ظالم ہوتے۔ اور فرعونی اُن پر ظلم کرنے والے نہ ہوتے جب وہ قصاص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر قتل کرنا چاہتے تھے۔ (التفسیر الکبیر ج ۸ ص ۵۸۳۔۵۸۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْیَنَ قَالَ عَسٰی رَبِّیْۤ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۲۲﴾

اور جب موسیٰ نے مدین کی طرف رُخ کیا تو کہا: عنقریب میرے رب مجھے سیدھے راستہ کی رہنمائی فرمائیں گے O

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْیَنَ وَجَدَ عَلَیْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ یَسْقُوْنَ ۬۟ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَیْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوْنَا شَیْخٌ كَبِیْرٌ ﴿۲۳﴾

اور جب موسیٰ مدین کے پانی پر پہنچے تو وہاں دیکھا کہ لوگوں کا ایک گروہ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہا ہے، اور اُن کے سوا دو لڑکیوں کو پایا جو اپنے جانوروں کو روک رہی تھیں، موسیٰ نے کہا: تم دونوں کا کیا ماجرا ہے؟ ان دونوں نے کہا: ہم اس وقت تک اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاتے جب تک کہ سب چرواہے اپنے جانوروں کو واپس نہ لے جائیں، اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں O

فَسَقٰی لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤی اِلَی الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴿۲۴﴾

پس موسیٰ نے اُن دونوں کے جانوروں کو پانی پلایا، پھر سائے کی طرف چل دیے، پس دعا کی: اے میرے رب! میں اُس کھانے کا ضرورت مند ہوں جو آپ میری طرف نازل فرمائیں O

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ؗ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٙ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

پھر اُن دونوں لڑکیوں میں سے ایک شرم وحیاء سے چلتی ہوئی آئی اور کہنے لگی: میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ کو اُس کا اجر عطا فرمائیں جو آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے، پس جب موسیٰ اُن کے والد (شعیب) کے پاس پہنچے اور اُن کو اپنا پورا واقعہ سنایا تو انہوں نے کہا: آپ مت ڈریں، آپ ظالم لوگوں سے نجات پاچکے ہیں O

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾

اُن میں سے ایک اُن کی بیٹی کہنے لگی: اے ابا جان! ان کو اجرت پر رکھ لیں، بے شک آپ کے لیے بہترین ملازم وہ ہے جو طاقت ور بھی ہو اور امانت دار بھی ہو O

قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَ مَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

شعیب نے کہا: بے شک میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کردوں، اس مہر پر کہ آپ آٹھ سال میری خدمت کریں، پس اگر آپ نے دس سال پورے کردیے تو یہ آپ کی طرف سے تبرع ہوگا، اور میں آپ کو مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا، آپ عنقریب مجھ کو ان شاء اللہ نیک لوگوں میں سے پائیں گے O

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

موسیٰ نے کہا: یہ معاہدہ میرے اور آپ کے درمیان طے ہوگیا، میں نے ان دونوں مدتوں میں سے جس مدت کو بھی پورا کردیا تو مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی، اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں، اُس پر اللہ گواہ ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جب موسیٰ نے مدین کی طرف رُخ کیا تو کہا: عنقریب میرے رب مجھے سیدھے

راستہ کی رہنمائی فرمائیں گے O" (القصص: ۲۲)

مَدْیَن کی بستی کے متعلق مؤرخین کے متعدد اقوال

"وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ": (اور جب موسیٰ نے مدین کی طرف رُخ کیا تو کہا: عنقریب میرے رب مجھے سیدھے راستہ کی رہنمائی فرمائیں گے)۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

مدین ایک قبیلہ کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھا، جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ یوں اہل مدین اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان نسبی تعلق تھا۔ یہ قبیلہ خلیج عقبہ کے مشرقی اور مغربی ساحلوں پر آباد تھا، یہ سارا علاقہ مدین کہلاتا تھا، اس علاقہ کا مرکزی شہر بھی مدین تھا اور یہی علاقہ حضرت شعیب علیہ السلام کا مولد اور مسکن تھا۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ مصر اور مدین کے درمیان آٹھ دن کی مسافت تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں سے خوف زدہ ہو کر اچانک مدین کی طرف چل پڑے تھے، پہلے سے ان کا کوئی منصوبہ نہ تھا، ان کے پاس سواری تھی نہ راستہ میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ وہ راستہ میں درختوں کے پتے کھا کر سفر کر رہے تھے۔ فرعون نے ان کی تلاش میں اپنے کارندے دوڑا دیئے تھے۔ اس نے کہا: ان کو راستہ کی گھاٹیوں سے پکڑ کر لاؤ، ان کو مدین کا راستہ معلوم نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو گھوڑے سوار کی صورت میں بھیجا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ میرے ساتھ چلیں، یوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی کہ عنقریب مجھے میرے رب سیدھا راستہ دکھائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک کنوئیں پر پہنچے، وہاں پر بہت لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے، اور کنوئیں کی نچلی جانب دو لڑکیاں کھڑی تھیں جو اپنی بکریوں کو کنوئیں کی جانب سے روک رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا: تم اس طرح الگ کیوں کھڑی ہو؟ اور کیوں اپنی بکریوں کو روک رہی ہو؟ انہوں نے بتایا کہ وہ لوگوں کے ہجوم میں اور اتنے رش میں اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں، اور ہمارے والد بہت بوڑھے اور ضعیف ہیں، اگر وہ طاقت ور ہوتے تو خود آ کر جانوروں کو پانی پلا دیتے، اس لیے جب تک کہ سب چرواہے اپنی اپنی بکریوں کو پانی پلا کر نہ چلے جائیں، وہ پانی نہیں پلا سکتیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بکریوں کو کنوئیں سے پانی نکال کر پلایا پھر آ کر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۲۵-۲۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

غلام جیلانی برق لکھتے ہیں:

مدین: ایک قبیلہ جس کا نام مدین بن ابراہیم علیہ السلام سے ماخوذ ہے۔ یہ قبیلہ خلیج عقبہ کے دونوں ساحلوں (شرقی اور غربی) پہ آباد تھا۔ اور یہ سارا علاقہ مدین کہلاتا تھا۔ اس علاقے کا مرکزی شہر بھی مدین تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا مولد و مسکن۔

(معجم البلدان (اردو) ص ۲۱۳)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء لکھتے ہیں:

یہ مقام جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پہنچے تھے، عربی روایات کے مطابق خلیج عقبہ کے غربی ساحل پر مقنا سے چند میل بجانب شمال واقع تھا۔ آج کل اسے البدع کہتے ہیں اور وہاں ایک چھوٹا سا قصبہ آباد ہے۔ میں نے دسمبر ۱۹۵۹ء میں تبوک سے عقبہ جاتے

ہوئے اس جگہ کو دیکھا ہے۔ مقامی باشندوں نے مجھے بتایا کہ ہم باپ دادا سے یہی سنتے چلے آئے ہیں کہ مدین اسی جگہ واقع تھا۔ بطلیموس سے لے کر برٹن تک قدیم وجدید سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے بھی بالعموم مدین کی جائے وقوع یہی بتائی ہے۔ اس کے قریب تھوڑے فاصلے پر وہ جگہ ہے جسے اب مغائر شعیب یا مغارات شعیب کہا جاتا ہے۔ اس جگہ ثمودی طرز کی کچھ عمارات موجود ہیں۔ اور اس سے تقریباً میل ڈیڑھ میل کے فاصلے پر کچھ قدیم کھنڈر ہیں جن میں دو اندھے کنویں ہم نے دیکھے۔ مقامی باشندوں نے ہمیں بتایا کہ یقین کے ساتھ تو ہم نہیں کہہ سکتے، لیکن ہمارے ہاں روایات یہی ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک کنواں وہ تھا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کو پانی پلایا ہے۔ یہی بات ابوالفداء (متوفی ۷۳۲ھ) نے تقویم البلدان میں اور یاقوت نے معجم البلدان میں ابوزید انصاری (متوفی ۲۱۶ھ) کے حوالے سے لکھی ہے کہ اس علاقے کے باشندے اسی مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس کنویں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت صدیوں سے وہاں کے لوگوں میں متوارث چلی آرہی ہے اور اس بنا پر اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں جس مقام کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہی ہے۔

(تفہیم القرآن، جلد ۳، ص ۶۲۶ ـ ۶۲۷، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)

غلام احمد پرویز متوفی ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء، لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر نکلے ہیں، تو مدین کی بستی کی طرف ہی آئے تھے۔ قرآن کریم میں ہے کہ یہاں انہوں نے ایک مرد بزرگ کے ہاں رہائش اختیار کرلی اور گلہ بانی کی خدمت سنبھال لی۔ اس مرد بزرگ نے اپنی بیٹی کا عقد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کردیا۔ قرآن کریم نے یہ نہیں بتایا کہ یہ مرد بزرگ کون تھے۔ لیکن بعض محققین کا خیال ہے کہ آپ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ تورات میں ان کا نام کہیں رعوایل، کہیں یترو اور کہیں حوباب لکھا ہے۔ مورخین کا خیال ہے کہ آپ کا نام حوباب ہی تھا۔ (تورات، کتاب گنتی، باب: ۱۰، آیت: ۲۹)، اور باقی نام ان کے القاب تھے۔ اور یہی حوباب قرآن کریم میں شعیب کے نام سے موسوم ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ایک ہی ہے، یعنی قریب ۱۷۰۰/ ۱۹۰۰ قبل مسیح۔

تورات میں مذکور ہے کہ مدین کا ایک اور بھائی تھا جس کا نام یقسان تھا۔ اس کا بیٹا ددان اپنے چچا مدین کے قریب ہی آباد ہوگیا۔ یہ علاقہ بہت سرسبز وشاداب اور گھنے جنگلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام قوم مدین کی طرف اور اصحاب الایکہ کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ارباب تحقیق کا خیال ہے کہ اصحاب الایکہ، بنو ددان ہی تھے۔ قرآن کریم نے قوم مدین اور اصحاب الایکہ کا ذکر اس انداز سے کیا ہے گویا یہ ایک ہی قبیلہ کے لوگ تھے۔

(لغات القرآن، ص ۹۵۹، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۴ء)

اردو دائرۃ المعارف میں مذکور ہے:

بطلیموس کے ہاں یہ ساحلی شہر کی حیثیت سے مذکور ہے اور اس کا نام موڈی آنہ یا موڈونہ ہے، مگر ایک اور عبارت میں وہ اسے ساحلی شہر کی بجائے اندرونی علاقہ بتاتا ہے جس کا نام اس نے مدی آمہ لکھا ہے۔ یہ ایک ایسا فرق ہے جو شہر کے محل وقوع سے واضح ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں شہر مدین کا ایک بار ذکر آتا ہے: جب کہ آپ نے زید بن حارثہ کی سرکردگی میں ایک سریہ اس طرف بھیجا تھا۔ کثیر شاعر کے کلام میں بھی یہ نام بعض واقعات کے ذیل میں آیا ہے، جہاں وہ رہبان مدین کا ذکر کرتا ہے۔

محمد بن الحنفیہ نے ایلہ کے سفر و سیاحت کے سلسلے میں اس کا حال لکھا ہے۔ جغرافیہ دانوں کی کتابوں میں مدین صرف ساحل سے قریب ایک شہر کا نام ہے جو تبوک سے چھ دن کی مسافت پر ہے۔ ایلہ سے مدینہ منورہ کے سفر میں شاہراہ حج پر یہ شہر دوسری منزل پر واقع تھا اور مدینہ منورہ کی حکومت کے ماتحت تھا۔ چھٹی صدی میں یعقوبی اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ ایک ایسے صوبے میں واقع ہے جس میں چشمے اور ندی نالے بہت ہیں، باغات اور نخلستانوں کی فراوانی ہے اور اس کی آبادی مخلوط قسم کی ہے۔ اصطخری لکھتا ہے کہ یہ شہر تبوک سے بڑا ہے اور اپنے مشاہدات کی بناء پر یہ کہتا ہے کہ یہاں وہ چشمہ واقع ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ اب اس چشمے کے اوپر ایک مکان تعمیر کر دیا گیا ہے۔ بعد میں یہ شہر زوال پذیر ہونے لگا۔ بارہویں صدی عیسوی میں ادریسی یوں کہتا ہے کہ یہ ایک غیر اہم اور چھوٹا سا تجارتی مرکز ہے، جس کے وسائل قلیل ہیں۔ چودھویں صدی میں ابوالفدا لکھتا ہے کہ یہ شہر کھنڈر ہو رہا ہے۔ حال ہی کے زمانے کے سیاح Burton'Ruppell اور Musil اس علاقے سے ہو آئے ہیں۔ وسیع آثار قدیمہ جنہیں عرب یہاں کے غاروں میں بنی ہوئی قبروں کی وجہ سے مغائر شعیب کہتے ہیں، مقنا کی بندرگاہ سے کوئی سولہ میل کے فاصلے پر ۲۸ درجے ۲۸ دقیقے شمال عرض بلد، البدع کی وادی کے جنوبی حصے میں واقع ہیں۔ اس وادی میں ندیاں، کھجور کے درخت اور دوسرے درخت کثرت سے ہیں۔ بقول برٹن اس تمام علاقے کو جو ۲۹ درجے ۲۸ دقیقے اور ۲۷ درجے اور ۳۰ دقیقے میں واقع ہے، ارض مدین کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں مدین کا ذکر متعدد بار دو طرح سے آتا ہے: اول حضرت شعیب علیہ السلام اور دوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کے ساتھ رہنا (طٰہٰ: ۲۸-۳۰)، (القصص: ۲۲، ۲۳، ۲۵) جہاں ان کے خسر کا نام مذکور نہیں۔ پھر قصص الانبیاء کے ذیل میں یہ ذکر ہے کہ مدین کے لوگوں پر عذاب اس لیے نازل ہوا کہ وہ اپنے نبی حضرت شعیب علیہ السلام (الاعراف: ۸۵ تا ۱۱۰، ہود: ۸۴ تا ۹۵، العنکبوت: ۳۶، ۳۷) پر ایمان نہ لائے۔ بتایا جاتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر تھے، لیکن اس کے متعلق قرآن مجید اور عہد نامہ قدیم میں کوئی سند نہیں ملتی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اصحاب الایکہ اور قوم مدین کے پیغمبر تھے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۰ ص ۲۶۱-۲۶۲، زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور)

اُردو دائرہ معارف اسلامیہ کی عبارت پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید میں اس کی کوئی سند نہیں ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر تھے، کیونکہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۔ (القصص: ۲۷)" (بے شک میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں، اس مہر پر کہ آپ آٹھ سال میری خدمت کریں)۔

تاہم اس وقت کی آباد اور متمدن دنیا میں مصر کے قریب مدین نام کی بستی کا کوئی جغرافیائی ثبوت نہیں ہے اور انٹرنیٹ سے ہم کو معلوم ہوا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر اُردن میں ہے (theislamonline.com)۔ اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مدین ہی موجودہ اُردن کا نام ہے۔ ہمیں مدین کا علم صرف قرآن مجید کی آیات سے حاصل ہے اور یہ ہمارے لیے کافی ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ ضرور کسی زمانے میں مصر کے قریب مدین نام کی کوئی بستی تھی خواہ وہ موجودہ اُردن ہو جس کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے اور

وہاں پر ان کی حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور وہ واقعات پیش آئے جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، القصص: ۲۲ تا ۲۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ":

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل گئے اور انہوں نے مدین کا قصد نہیں کیا تھا، لیکن انہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور بغیر راستہ کی معرفت کے چلنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مدین کی طرف پہنچا دیا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اور دوسرے مفسرین نے کہا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے تو انہوں نے مدین کا قصد کیا، کیونکہ اُن کے دل میں یہ خیال آیا کہ اُن کے اور مدین کے درمیان رشتہ داری ہے، کیونکہ وہ لوگ مدین بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور وہ بنی اسرائیل میں سے تھے لیکن اُن کو مدین کے راستہ کا علم نہیں تھا، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کرتے ہوئے چل پڑے۔

اور بعض مفسرین نے کہا: بلکہ حضرت جبریل علیہ السلام اُن کے پاس آئے اور اُن کو مدین کا راستہ بتایا۔ اور امام ابن جریر نے السدی سے روایت کی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سفر میں چلے تو اُن کے پاس ایک فرشتہ گھوڑے پر سوار ہو کر آیا، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خوشی سے اس کو سجدہ کیا، اس نے کہا: ایسا نہ کرو اور میرے پیچھے پیچھے چلو، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے مدین کی طرف گئے۔

اور جن مفسرین نے یہ کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے اور انہوں نے مدین کا قصد نہیں کیا تھا، اُن کی دو دلیلیں ہیں:

اس پر دلائل کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کا قصد نہیں کیا تھا

(۱) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ۔ (القصص: ۲۲)" (اور جب موسیٰ نے مدین کی طرف رُخ کیا)۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف جانے کا قصد کرنے والے ہوتے تو اللہ تعالیٰ فرماتے: "ولما توجه الی مدین" سو جب یہ نہیں فرمایا بلکہ فرمایا "تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ" تو ہمیں معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف نہیں متوجہ ہوئے تھے بلکہ بغیر علم کے ایک جانب چل پڑے تھے، انہیں یہ پتا نہیں تھا کہ یہ جانب کہاں ختم ہوگی۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: "عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ۔ (القصص: ۲۲)" (عنقریب میرے رب مجھے سیدھے راستہ کی رہنمائی فرمائیں گے)، یہ اس شخص کا کلام ہے جس کو راستہ کے متعلق شک ہو نہ کہ وہ شخص جو راستہ کا جاننے والا ہو۔ اور زیادہ قریب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کی طرف جانے کا قصد کیا اور اُن کو راستے کا پتا نہیں تھا، پھر وہ لوگوں سے راستہ کے متعلق پوچھتے رہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عقل اور ذکاوت سے یہ بعید ہے کہ وہ راستہ کے متعلق سوال نہ کرتے۔ پھر ابن اسحاق نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین کی طرف بغیر زادِ راہ اور سواری کے نکلے اور مصر اور مدین کے درمیان آٹھ دن کی مسافت تھی، لیکن اُن کے پاس درختوں کے پتوں کے سوا کوئی کھانے کی چیز نہیں تھی۔

"عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ": یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جدِ کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے قریب ہے، انہوں نے کہا تھا: "وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ۔ (الصافات: ۹۹)" (اور ابراہیم نے کہا: بے شک میں اپنے رب کی

طرف جانے والا ہوں، وہ عنقریب میری رہنمائی فرمائیں گے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب موسیٰ مدین کے پانی پر پہنچے تو وہاں دیکھا کہ لوگوں کا ایک گروہ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہا ہے، اور اُن کے سوا دو لڑکیوں کو پایا جو اپنے جانوروں کو روک رہی تھیں، موسیٰ نے کہا: تم دونوں کا کیا ماجرا ہے؟ ان دونوں نے کہا: ہم اس وقت تک اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاتے جب تک کے سب چرواہے اپنے جانوروں کو واپس نہ لے جائیں، اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں O'' (القصص:۲۳)

اس سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت شعیب علیہ السلام کی دو بیٹیوں سے ملاقات

''وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدۡيَنَ وَجَدَ عَلَيۡهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسۡقُوۡنَ ۟ وَوَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمُ امۡرَاَتَيۡنِ تَذُوۡدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطۡبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسۡقِىۡ حَتّٰى يُصۡدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوۡنَا شَيۡخٌ كَبِيۡرٌ'': یہ وہی پانی ہے جس سے مدین کے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلاتے تھے۔ روایات میں ہے کہ وہ ایک کنواں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کنوئیں کے کنارے لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت کو دیکھا اور اُس جگہ کے نیچے انہوں نے دو لڑکیوں کو دیکھا جو اپنے جانوروں کو اُس پانی تک پہنچنے سے منع کر رہی تھیں۔ اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں:

اُن لڑکیوں کے اپنی بکریوں کو پانی تک پہنچنے سے روکنے کی وجوہ

(۱) الزجاج نے کہا: اُس پانی پر بہت قوی مرد مسلط تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے جانوروں کو پانی پلانے پر قادر نہیں تھیں۔

(۲) وہ دو عورتیں پانی کے حصول کے لیے جھگڑا کرنے کو ناپسند کرتی تھیں۔

(۳) وہ اس لیے اپنی بکریوں کو روک رہی تھیں تا کہ اُن کی بکریاں لوگوں کی بکریوں کے ساتھ مختلط نہ ہو جائیں۔

(۴) تا کہ وہ عورتیں مردوں کے ساتھ مختلط نہ ہو جائیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ عورتیں لوگوں کو اپنا چہرہ دیکھنے سے روک رہی تھیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی بکریوں کے پاس جانے سے روک رہی تھیں۔ ''قَالَ مَا خَطۡبُكُمَا'': یعنی تمہارے حال کی کیا حقیقت ہے۔

''قَالَتَا لَا نَسۡقِىۡ حَتّٰى يُصۡدِرَ الرِّعَآءُ'': اُن دونوں نے کہا: ہم اس وقت تک اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاتے جب تک کہ سب چرواہے اپنے جانوروں کو واپس نہ لے جائیں، اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں۔

اور یہ اس پر دلیل ہے کہ وہ کئی وجوہ سے اس کنوئیں سے پانی نکالنے پر قادر نہیں تھیں:

(۱) عادت یہ ہے کہ مرد پانی نکالنے پر قوی ہوتے ہیں اور عورتیں کمزور ہوتی ہیں (۲) وہ عورتیں اُس پانی پر دیر سے پہنچی تھیں (۳) اُن کا یہ کہنا کہ حتیٰ کہ لوگ پانی پلا کر واپس چلے جائیں (۴) وہ انتظار کر رہی تھیں کہ لوگ پانی پلا کر چلے جائیں۔

''وَاَبُوۡنَا شَيۡخٌ كَبِيۡرٌ'': (اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں)، اُن لڑکیوں کے اس قول میں یہ دلیل ہے کہ اگر اُن کے والد طاقت ور ہوتے تو خود پانی لینے کے لیے آتے اور اگر وہ خود آجاتے تو انہیں پانی لینے میں دیر نہ ہوتی، پس اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کے لیے لوگوں کے واپس جانے سے پہلے کنوئیں سے پانی نکالا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس موسیٰ نے اُن دونوں کے جانوروں کو پانی پلایا، پھر سائے کی طرف چل دیئے، پس دعا کی: اے میرے رب! میں اُس کھانے کا ضرورت مند ہوں جو آپ میری طرف نازل فرمائیںO'' (القصص:۲۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُن لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلانے کی کیفیت

''فَسَقٰى لَهُمَا'': پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کی بکریوں کو پانی پلایا، اور پانی پلانے کی کیفیت میں کئی اقوال ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے کہا کہ اُن کو وہ پانی نکالنے کا موقع دیں تو لوگوں نے موقع دیا۔

(۲) اس کنوئیں کے اوپر ایک بھاری پتھر رکھا ہوا تھا جس کو دس آدمی بھی نہیں اٹھا سکتے تھے، دوسرا قول ہے چالیس آدمی بھی نہیں اٹھا سکتے تھے، تیسرا قول ہے کہ سو آدمی بھی اس کو نہیں اٹھا سکتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر کو اٹھایا اور پانی نکالا۔

(۳) جب لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کنوئیں سے پانی نکالنے میں مزاحمت کی تو انہوں نے اس پتھر کو کنوئیں کے منہ پر گرانے کا ارادہ فرمایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس پتھر کو اٹھا کر پھینک دیا اور اُن لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلایا اور قرآن مجید میں اس کا بیان نہیں ہے، اور اللہ ہی جانتے ہیں کہ صحیح بات کیا ہے۔ لیکن اُس لڑکی نے جا کر اپنے والد سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت کا حال بیان کیا، اور یہ اس کی دلیل ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبردست قوت کا مشاہدہ کیا تھا۔

''ثُمَّ تَوَلّٰى اِلَى الظِّلِّ'': اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن لڑکیوں کے لیے گرمی اور دھوپ میں پانی نکالا تھا۔ اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت کے کمال پر بھی دلیل ہے، الکلبی نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کنوئیں والوں کے پاس گئے اور اُن سے پانی کے ایک ڈول کا سوال کیا، اُن لوگوں نے کہا: اگر آپ چاہیں تو آپ خود ڈول لے آئیں اور پانی نکال لیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ٹھیک ہے، اور اُس ڈول پر چالیس مرد جمع ہو جاتے حتیٰ کہ اُس کو پانی سے نکالتے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اکیلے اس ڈول کو پانی سے نکالا اور اس کو حوض میں پلٹ دیا اور برکت کی دعا کی، پھر بکریوں کو قریب لائے تو انہوں نے پانی پیا حتیٰ کہ وہ سیراب ہو گئیں۔ پھر اُن لڑکیوں کو اُن کی بکریوں کے پاس چھوڑ دیا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کے لیے کیسے جائز تھا کہ وہ اپنی دو بیٹیوں کو مویشیوں کے ساتھ چھوڑ دیتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ ذکر نہیں ہے کہ اُن لڑکیوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام ہیں، اور لوگوں کا اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اُن لڑکیوں کے والد کا نام بیرون تھا جو حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور حضرت شعیب علیہ السلام نابینا ہونے کے بعد فوت ہو چکے تھے، اور امام ابو عبید کا بھی یہی مختار ہے۔

اور حسن بصری نے کہا: اُن لڑکیوں کے والد ایک مسلمان مرد تھے جنہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کے دین کو قبول کر لیا تھا۔ ان جوابات کے علاوہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم یہ مان لیں کہ اُن لڑکیوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام تھے تو اس میں کوئی خرابی نہیں ہے، کیونکہ دین اس کا انکار نہیں کرتا۔ اور رہا لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا تو اس میں لوگ مختلف ہیں اور دیہات کے احوال شہر کے

احوال سے مختلف ہوتے ہیں خاص طور پر کہ جب ضرورت کا حال ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کھانے کی طلب کی دعا کرنے کی توجیہ

"فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ": (پس دعا کی: اے میرے رب! میں اُس کھانے کا ضرورت مند ہوں جو آپ میری طرف نازل فرمائیں)۔ یہ کلام ضرورت پر دلالت کرتا ہے خواہ طعام کی ضرورت ہو یا اُس کے غیر کی، لیکن مفسرین نے اس آیت کو طعام پر محمول کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ طعام کو کھانے کا تھا۔ الضحاک نے کہا: وہ سات دن تک بغیر کھائے پیئے رہے اور انہوں نے کوئی کھانا نہیں کھایا سوائے زمین کی سبزیوں کے۔

روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ کہا تو اپنی آواز بلند کی تا کہ وہ دونوں لڑکیاں سن لیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں جب اتنی قوت باقی تھی جس کی وجہ سے انہوں نے اتنے بڑے ڈول کو اٹھالیا تو اُن کی بلند ہمت کے یہ کیسے لائق ہوا کہ وہ کھانے کو طلب کریں؟ جب کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس کے خلاف ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ غنی کے لیے صدقہ لینا جائز ہے اور نہ تندرست اور طاقت ور کے لیے صدقہ لینا جائز ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۸۳۹، مسند احمد: ۹۰۶۱، سنن دارمی: ۱۷۸۵، صحیح ابن حبان: ۳۲۹۰، معالم السنن ج ۲ ص ۶۳، حلیۃ الاولیاء ج ۱۸۴، ۱۸۳، الاستذکار ج ۳ ص ۲۰۵، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ ج ۳ ص ۳۰۴)

ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اُن لڑکیوں کو سنانے کے لیے بلند آواز سے یہ کہنا اور طعام کو طلب کرنا یقیناً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان کے لائق نہیں تھا، سو اس روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن لڑکیوں کو سنانے کے لیے یہ دعا کی تھی، لیکن شاید حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا اپنے دل میں کی ہو۔ اور اس آیت کی ایک اور توجیہ ہے گویا کہ انہوں نے دعا کی کہ اے میرے رب! آپ نے مجھے دین کی خیر کی طرف نازل فرمایا ہے تو میں دنیا میں فقیر اور محتاج ہو گیا، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ملک میں بہت عیش و عشرت کے ساتھ رہتے تھے، پس انہوں نے یہ دعا کی کہ وہ اُس عیش و عشرت کے بدلہ میں اس تنگی اور فقر پر خوش ہیں۔ اور یہ تاویل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال کے زیادہ مناسب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پھر اُن دونوں لڑکیوں میں سے ایک شرم و حیاء سے چلتی ہوئی آئی اور کہنے لگی: میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تا کہ آپ کو اُس کا اجر عطا فرمائیں جو آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے، پس جب موسیٰ اُن کے والد (شعیب) کے پاس پہنچے اور اُن کو اپنا پورا واقعہ سنایا تو انہوں نے کہا: آپ مت ڈریں، آپ ظالم لوگوں سے نجات پا چکے ہیں O" (القصص: ۲۵)

"فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ":

اس لڑکی نے یہ بات اس لیے کہی کہ کریم جب کسی دوسرے کو مہمانی کے لیے بلائے تو حیاء کرتا ہے خاص طور پر جب کوئی عورت بلائے، اور اس قول میں یہ دلیل ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس اُن لڑکیوں کے سوا اور کوئی مددگار نہیں تھا۔

روایت ہے کہ جب وہ لڑکیاں اپنے باپ کے پاس لوگوں کے آنے سے پہلے پہنچ گئیں تو اُن کے والد نے کہا: تم اتنی جلدی کیسے آگئیں؟ تو انہوں نے کہا: ہم نے ایک نیک مرد کو پایا جس نے ہم پر رحم فرمایا اور اس نے ہمارے لیے کنویں سے پانی نکال دیا، پس حضرت شعیب علیہ السلام نے اُن دو میں سے کسی ایک سے کہا: جاؤ ان کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔ رہا یہ اختلاف کہ اُن کا وہ بوڑھا باپ حضرت شعیب علیہ السلام تھے یا کوئی اور، تو اس کا بیان گزر چکا ہے۔ اور اکثر مفسرین اس پر متفق ہیں کہ اُن کے والد حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ محمد بن اسحاق نے کہا: اُن دو بیٹیوں میں سے بڑی کا نام "صفورا" تھا اور چھوٹی کا نام "لیا" تھا۔ اور دوسروں نے کہا کہ اس کا نام "صفرا" اور "صفیرا" تھا، اور الضحاک نے کہا: اس کا نام "صافورا" تھا اور جو بیٹی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی تھی وہ بڑی بیٹی تھی، یہی اکثر مفسرین کا قول ہے۔ اور الکلبی نے کہا کہ چھوٹی بیٹی آئی تھی، اور قرآن مجید میں ان تفاصیل میں سے کسی چیز کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے اپنی بیٹی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجنے کی توجیہ

"قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا": (اور کہنے لگی: میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ کو اُس کا اجر عطا فرمائیں جو آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے)۔ اس مقام پر کئی اشکال ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کیسے جائز ہوا کہ وہ ایک لڑکی کی بات پر عمل کریں اور اس کے ساتھ چل کر جائیں جب کہ وہ لڑکی اجنبی تھی، کیونکہ اس سے بہت سنگین تہمت پیدا ہوتی ہے؟ اور حدیث میں ہے: "تہمت کی جگہوں سے بچو اور لوگوں کی بدگمانی سے اپنے آپ کو بچا کر رکھو"۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۲۸۳، کشف الخفاء ج ا ص ۳۵)

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ایک عورت کے قول پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ ہم خبر واحد پر عمل کرتے ہیں عام ازیں کہ وہ خبر دینے والا آزاد ہو یا غلام ہو، مرد ہو یا عورت ہو۔ اور وہ لڑکی صرف اپنے باپ کی بات کی خبر دے رہی تھی، رہا اجنبی عورت کے ساتھ چلنا تو احتیاط اور تقویٰ کے ساتھ اُس کے ساتھ چلنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کی بکریوں کو اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے پانی پلایا، پس کیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اس پر اجرت کو لینا جائز ہوا؟ کیونکہ اس صورت میں اجرت لینا نہ مروت میں جائز ہے نہ شریعت میں۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اُس لڑکی نے یہ کہا تھا کہ میرے والد آپ کو اس لیے بلاتے ہیں کہ آپ کو آپ کی اس خدمت کا اجر عطا کریں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے پاس اجرت کو طلب کرنے کے لیے نہیں گئے تھے بلکہ اُس لڑکی کے بوڑھے والد کی زیارت اور اُس سے برکت حاصل کرنے کے لیے گئے تھے، اور یہ بھی روایت ہے کہ جب اُس لڑکی نے کہا تاکہ میرے والد آپ کو آپ کی خدمت کا اجر دیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کو ناپسند کیا، اور جب وہ اُن کے پاس پہنچے اور اُن کے سامنے کھانا رکھا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ روک لیا اور کہا: ہم لوگ اپنے دین کو دنیا کے عوض فروخت نہیں کرتے اور ہم لوگ نیکی کی کوئی قیمت نہیں لیتے، حتیٰ کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا کہ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ جو بھی ہمارے گھر آتا ہے، ہم اُس کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اور تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر کسی انسان کو شدت سے بھوک لگی ہو اور اُس کے لیے بھوک کو برداشت کرنا مشکل

اور دشوار ہو اور وہ حالتِ اضطرار میں ہو تو اُس کے لیے اُس کھانے کو کھانا جائز ہے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن لڑکیوں کے فقر کو اور اُن کے والد کے فقر کو جان لیا تھا اور اُن کے عجز کو بھی جان لیا تھا اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام انتہائی طاقت ور تھے اور اُن کے لیے معمولی کوشش سے اجر حاصل کرنا ممکن تھا۔ پس ایسی صورت میں اُن کے لیے ایک بوڑھے فقیر اور تنگدست لڑکی سے اجرت طلب کرنا مروت کے اعتبار سے کس طرح جائز ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ "الضرورۃ تبیح المحظورات" یعنی ضرورت اور اضطرار کی وجہ سے ممنوع کام بھی مباح ہو جاتا ہے، ہر چند کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اس لڑکی اور اس کے بوڑھے والد سے پانی پلانے کی اجرت لینا آدابِ اخلاق اور مروت کے خلاف تھا، لیکن اُن کو اتنی زیادہ بھوک لگی ہوئی تھی کہ انہوں نے بھوک سے بے قراری اور اضطرار کے عالم میں اُن سے معاوضہ قبول کر لیا۔

(۴) حضرت شعیب علیہ السلام جو نبی تھے اُن کے لیے یہ کیسے جائز ہوا کہ وہ اپنی جوان لڑکی کو جوان مرد کے پاس بھیجیں جب کہ اُن کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ مرد پاک دامن ہے یا فاسق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے اُن پر وحی نازل فرمائی کہ وہ اپنی جوان بیٹی کو ایک اجنبی مرد کے ساتھ بھیجیں گے تو اس سے ان کی جوان بیٹی کی عصمت اور طہارت کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ اور انہوں نے وحی پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی جوان بیٹی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لیے بھیجا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیوار بنانے کی اجرت کو طلب کرنے کو پسند کرنا اور پانی پلانے کی اجرت کی طلب کو ناپسند کرنے میں تعارض کا جواب

"فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ":

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے چل رہے تھے اور وہ لڑکی اُن کے آگے آگے چل رہی تھی، پس ہوا نے اُن کا دوپٹا اڑایا اور اُس کو منکشف کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہوں، تم میرے پیچھے پیچھے چلو حتیٰ کہ ہوا تمہارے کپڑوں کو نہ اڑائے اور میں وہ دیکھ لوں جس کو دیکھنا میرے لیے جائز نہیں ہے۔

پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے تو کھانا رکھا ہوا تھا، پس حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اے نوجوان! کھانا کھاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اعوذ باللہ، میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں، حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا: کیوں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہم ایسے لوگ ہیں جو اپنے دین کو دنیا کے عوض فروخت نہیں کرتے خواہ ہم کو تمام روئے زمین سونا بنا کر دی جائے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا: لیکن میرا اور میرے آباء و اجداد کا طریقہ یہ ہے کہ مہمان کو کھانا کھلایا جائے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام بیٹھ گئے، پھر انہوں نے کھانا کھایا۔

اور انہوں نے کھانا، کھانا اس خوف کی وجہ سے ناپسند کیا تھا کہ یہ اُن کی نیکی کی اجرت نہ ہو جائے اور انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ نیکی کی اجرت لینے کو ناپسند نہیں کیا تھا جب انہوں نے یہ کہا تھا: "قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ۔ (الکہف: ۷۷)"

(موسیٰ نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر ضرور اجرت لے لیتے)۔اُس صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیوار بنانے کی اجرت لینے کی ترغیب دی، اور یہاں پر پانی پلانے کی اجرت لینے کو ناپسند کیا، بہ ظاہر یہ تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداءً کسی کام کی مزدوری لینا جائز ہے اور جو کام بہ طور نیکی اور صدقہ کیا جائے اُس پر اُجرت لینا اس صدقہ کے ثواب کو کم کرنے کا سبب ہے، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہاں پر اُن سے اجرت لینے کو ناپسند کیا۔

"وَقَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ": الضحاک نے کہا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے ساتھ گئے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے اُن سے پوچھا: اے اللہ کے بندے! تم کون ہو؟ انھوں نے بتایا کہ میں موسیٰ بن عمران ہوں، اور اپنی پیدائش سے لے کر دائیوں اور دودھ پلانے والیوں کے معاملات اور اُن کی خبروں کو بتایا اور بچپن میں دریا میں ڈالے جانے کی خبر دی اور یہ بتایا کہ انھوں نے قبطی کو بہ طور سرزنش قتل کر دیا تھا، اور اب وہ لوگ اُن کو قتل کرنے کے لیے ڈھونڈ رہے ہیں۔تب حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا: "لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ"۔یعنی ہماری زمین پر اُن لوگوں کا کوئی تسلط اور غلبہ نہیں ہے، ہم اُن کی سلطنت میں نہیں ہیں۔اور اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ وحی سے مطلع ہو کر کہا تھا یا اپنی عادت کے مطابق کہا تھا۔

ایک سوال یہ ہے کہ مفسرین نے کہا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے نکلے تو فرعون اُن کے پیچھے لاکھوں کا لشکر لے کر سوار ہوا تو جس ملک کا یہ حال ہو تو اس کی سلطنت کے متعلق یہ کیسے تصور ہوگا کہ اُس کے ملک سے آٹھ دن کی مسافت پر جو علاقہ ہے وہ اُس کی سلطنت میں نہ ہو۔

ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اگر چہ یہ بات نادر ہے مگر بہر حال محال نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اُن میں سے ایک اُن کی بیٹی کہنے لگی: اے ابا جان! ان کو اجرت پر رکھ لیں، بے شک آپ کے لیے بہترین ملازم وہ ہے جو طاقت ور بھی ہو اور امانت دار بھی ہو O" (القصص: ۲۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قوی اور امانت دار ہونے پر قرائن

"قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ٘ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ": اس جگہ کئی مباحث ہیں:

پہلا بحث یہ ہے کہ اُس لڑکی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت کو اس لیے بیان کیا کہ اُس نے اُن کے پانی نکالنے کی کیفیت کا مشاہدہ کر لیا تھا اور اُن کی امانت کو اس لیے بیان کیا کہ اُس نے دیکھا بھی تھا کہ جب وہ لڑکیاں اپنی بکریوں کو کنوئیں پر جانے سے روک رہی تھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن بکریوں کو پانی پلایا اور وہ جاتے وقت اُن کے آگے آگے چلے اور نظریں نیچی رکھیں، اس لیے کہا کہ وہ امانت دار ہیں۔

دوسرا بحث یہ ہے کہ اس مقصود کے حصول کے لیے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت اور امانت کافی نہیں تھی بلکہ اُن کی ذہانت کا ذکر کرنا بھی ضروری تھا، اور ممکن ہے کہ اس کے جواب میں کہا جائے کہ ذہانت امانت میں داخل ہے، حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: سب سے زیادہ فراست والے تین ہیں: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب انھوں نے اپنی فراست سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں خلافت کی اہلیت کو جان لیا سو اُن کو خلیفہ بنایا، اور وہ لڑکی جس نے اپنے والد سے کہا: "اسْتَاْجِرْهُ٘ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ" (ان کو اجرت پر رکھ لیں، بے شک بہترین ملازم وہ ہے جو طاقت ور

بھی ہو اور امانت دار بھی ہو)، اور عزیز مصر جب اُس نے اپنی بیوی سے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق کہا: ''اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ۔ (یوسف: ۲۱)'' (ان کو عزت کا ٹھکانا دو)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۸۰۷ ۳، مسند ابن الجعد: ۲۵۵۵، تفسیر من سنن سعید بن منصور: ۱۱۱۳، مسند احمد: ۳۵۵۹، مکارم الاخلاق للخرائطی: ۹۲۳، المعجم الکبیر للطبرانی: ۸۸۲۹، المستدرک للحاکم: ۳۳۲۰، السنة الموضوعی الجامع للکتب العشر ہ ج ۲۱ ص ۲۲۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''شعیب نے کہا: بے شک میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں، اس مہر پر کہ آپ آٹھ سال میری خدمت کریں، پس اگر آپ نے دس سال پورے کر دیئے تو یہ آپ کی طرف سے تبرع ہوگا، اور میں آپ کو مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا، آپ عنقریب مجھ کو ان شاء اللہ نیک لوگوں میں سے پائیں گے ○'' (القصص: ۲۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی سے نکاح کی کیفیت

''قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَۚ وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ'':

حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ تمہارا نکاح کر دیتا ہوں، اس میں تعیین نہیں کی تھی، لیکن بہر حال عقد ہو گیا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ دو مدتوں سے کم مدت پر عقد ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اُس سے زیادہ مدت تک خدمت کرنا اُن کی طرف سے تبرع اور احسان تھا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی تھی؟ آپ نے فرمایا: جو مدت زیادہ تھی، اور پوچھا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو عورتوں میں سے کون سی عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا؟ آپ نے فرمایا: جو اُن میں چھوٹی تھی۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۴۴، المعجم الصغیر: ۸۱۵، مسند ابو یعلیٰ: ۲۲۰۸، المستدرک ج ۲ ص ۴۰۷، حافظ ابن عساکر نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے، تاریخ دمشق ج ۶۳ ص ۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

فقہاء نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی شخص کا کوئی کام اور مزدوری بھی مال کی طرح مہر ہو سکتی ہے اور اُس کام میں اضافہ کرنا جائز ہے لیکن یہ ہم سے پہلے نبیوں کی شریعت ہے، ہم پر لازم نہیں ہے۔ یعنی ہمارے نزدیک مال مہر بن سکتا ہے کسی شخص کی خدمت یا کام مہر نہیں بن سکتا۔ علاوہ ازیں اُن کی شریعت میں یہ جائز تھا کہ کسی عورت کا نکاح بغیر کسی معاوضہ کے کر دیا جائے۔

لڑکی والوں کی طرف سے نکاح کی پیش کش کرنے کا جواز

ہمارے معاشرہ میں لڑکی والوں کی طرف سے رشتہ کی پیش کش کو معیوب سمجھا جاتا ہے، لیکن قرآن مجید کی اس آیت میں تصریح ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی کسی ایک بیٹی کے ساتھ نکاح کی پیش کش کی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ایسا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما، حضرت خنیس بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، جب وہ مدینہ میں فوت ہو گئے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور ان کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ پیش کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس معاملہ پر غور کروں گا، چند دنوں بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا: میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ابھی نکاح نہ کروں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ کا آپ سے نکاح کردوں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ رنج پہنچا، پھر چند دنوں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے لیے پیغام دیا تو میں نے آپ سے ان کا نکاح کر دیا، بعد میں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا: جب آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ مجھے پیش کیا تھا اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا تو آپ کو اس سے رنج پہنچا ہوگا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے جواب دینے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہیں تھی کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا تھا، اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشاء کرنا نہیں چاہتا تھا، اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ترک کیا ہوتا تو میں ان کو قبول کر لیتا۔

(صحیح البخاری: ۴۰۰۵، ۵۱۲۲، ۵۱۲۹، ۵۱۴۵، سنن نسائی: ۳۲۵۹، مسند احمد: ۷۵)

"عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ": یعنی اس نکاح کا مہر یہ ہے کہ تم آٹھ سال میری خدمت کرو، اور اگر تم نے دو سال اور خدمت کر کے دس سال پورے کر دیے تو یہ تمہاری طرف سے تبرع اور احسان ہوگا۔

اور اسی طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لوگوں کے ساتھ معاملات میں چشم پوشی سے کام لیتے ہیں، حدیث میں ہے:

حضرت السائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو لوگ میری تعریف اور تحسین کر رہے تھے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں، میں نے عرض کیا: آپ پر میرے باپ اور میری ماں قربان ہوں، آپ نے سچ فرمایا: آپ میرے شریک تھے، سو بہترین شریک تھے تو نہ آپ میری مخالفت فرماتے تھے اور نہ مجھ سے جھگڑا کرتے تھے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۸۳۶، سنن ابن ماجہ: ۲۲۸۷، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۱۷۱، مسند احمد: ۱۵۵۰۲، المعجم الاوسط: ۱۵۲۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ۶۶۰۴، الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم: ۴۸۰، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ۳ ص ۶۶)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سہولت کے ساتھ اچھے طریقہ سے معاملہ فرماتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا عطا کیا جانا

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اجارہ اور عقد کے متعلق جو کلام ذکر کیا گیا، اس میں اس چیز کا اجمالی بیان ہے جس کا ان دونوں نے عزم اور ارادہ کر لیا تھا اور اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ ان کی شریعت میں عقد اجارہ اور عقد نکاح کے کیا ارکان اور شرائط تھیں۔

روایت ہے کہ جب یہ عقد منعقد ہو گیا تو حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ گھر میں جائیں، وہاں پر جو

لاٹھیاں رکھی ہیں آپ ان میں سے کوئی لاٹھی لے لیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس انبیاء علیہم السلام کی لاٹھیاں تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ لاٹھی اٹھائی جو حضرت آدم علیہ السلام کی لاٹھی تھی، جس کو وہ جنت سے لائے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نابینا ہو چکے تھے، انہوں نے اس لاٹھی کو چھو کر دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی لاٹھی ہے، انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ کوئی اور لاٹھی لے لیں لیکن ہر بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں یہی لاٹھی آئی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے جان لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی عام شخص نہیں ہیں۔ (تفسیر ابو السعود ج ۵ ص ۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

لفظ ان شاء اللہ کہنے کے ساتھ عقدِ نکاح کے جواز کی توجیہ

"سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ": اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے نیکی اور حسن معاملہ اور نرمی کی جانب اختیار کرتے ہوئے یہ کہا کہ تم ان شاء اللہ مجھے نیک لوگوں میں سے پاؤ گے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ صلاح سے مراد عام ہے اور اس میں حسن معاملہ بھی داخل ہے اور حضرت شعیب علیہ السلام نے ان شاء اللہ اس لیے کہا کہ انہوں نے اپنے صالح ہونے پر اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیا اور اُن کی توثیق اور اُن کی مدد پر بھروسا کیا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان شاء اللہ تو شرط کے لیے آتا ہے، پس شرط کے ساتھ عقد کس طرح صحیح ہوگا، کیونکہ اگر تم اپنی بیوی سے کہو کہ ان شاء اللہ تمہیں طلاق ہے، تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعتیں مختلف ہیں، ہو سکتا ہے ہماری شریعت میں ان شاء اللہ کے ساتھ عقد جائز نہ ہو اور حضرت شعیب علیہ السلام کی شریعت میں ان شاء اللہ کے ساتھ عقد جائز ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "موسیٰ نے کہا: یہ معاہدہ میرے اور آپ کے درمیان طے ہو گیا، میں نے اِن دونوں مدتوں میں سے جس مدت کو بھی پورا کر دیا تو مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی، اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں، اُس پر اللہ گواہ ہیں O" (القصص:۲۸)

"قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ ": اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عہد کیا تھا، وہ اُن دونوں کے درمیان قائم ہے۔

"اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ ": یعنی آپ نے جو دو مدتوں کا ذکر کیا ہے کہ آٹھ سال میری خدمت کرو یا دس سال میری خدمت کرو، تو میں نے ان میں سے جس مدت کو بھی پورا کر دیا "فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ " تو یہ میری کوئی زیادتی نہیں ہوگی، یعنی مجھ سے اس پر اضافہ طلب نہ کیا جائے، یا انہوں نے اختیار کی تاکید کی یعنی اگر وہ چاہیں گے تو آٹھ سال خدمت کریں گے اور اگر وہ چاہیں گے تو دس سال خدمت کریں گے۔ ان میں سے کسی ایک پر جبر نہیں ہوگا۔

"وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ": یعنی ہم نے جو معاہدہ کیا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ گواہ ہیں۔

(تفسیر الکبیر ج ۸ ص ۵۸۸۔ ۵۹۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًاۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

پھر جب موسیٰ نے (مہر کی طے شدہ) مدت پوری کر دی اور اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر چل پڑے تو انہوں نے طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی، انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا: تم یہیں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید کہ میں وہاں سے راستہ کی کوئی خبر لاؤں یا آگ کا انگارا لے آؤں تا کہ تم اس آگ سے حرارت حاصل کرو O

فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَۙ ﴿۳۰﴾

پھر جب موسیٰ اس آگ کے پاس پہنچے تو اس وادی کے دائیں کنارے برکت والی جگہ پر درخت سے ندا فرمائی گئی کہ اے موسیٰ! میں ہی اللہ رب العالمین ہوں O

وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ یُعَقِّبْؕ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾

اور یہ کہ آپ اپنی لاٹھی (زمین پر) پھینک دیں، پس جب انہوں نے اس لاٹھی کو لہراتے ہوئے دیکھا تو گویا وہ چھوٹا سا سانپ تھا، موسیٰ پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور مڑ کر نہ دیکھا، (اللہ نے فرمایا:) اے موسیٰ! سامنے آئیں اور ڈریں مت! بے شک آپ محفوظ لوگوں میں سے ہیں O

اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ٘ وَّ اضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡىٕهٖؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۳۲﴾

آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں وہ بغیر کسی مرض کے چمکتا ہوا سفید نکلے گا اور خوف دور کرنے کے لیے اپنا بازو اپنے سینہ پر رکھ دیں، پس آپ کے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کے خلاف یہ دو مضبوط دلیلیں ہیں، بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں O

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾

موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! میں نے ان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے O

وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي ۖ إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ﴿٣٤﴾

اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے، سو ان کو میرے ساتھ معاون رسول بنا کر بھیج دیں کہ وہ میری تصدیق کریں، مجھے خطرہ ہے کہ فرعونی میری تکذیب کریں گے O

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا ۚ بِآيَاتِنَا أَنتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُونَ ﴿٣٥﴾

اللہ نے فرمایا: ہم عنقریب آپ کے بھائی کے ذریعہ آپ کے بازو کو مضبوط فرما دیں گے اور آپ دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے، پس ہماری ان نشانیوں کی وجہ سے فرعونی آپ دونوں کے قریب نہیں پہنچ سکیں گے، آپ دونوں اور آپ کے پیروکار ہی غالب رہیں گے O

فَلَمَّا جَاءَهُم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿٣٦﴾

پس جب موسیٰ ان کے پاس ہمارے واضح معجزات لے کر آئے تو انہوں نے کہا: یہ تو صرف جھوٹا جادو ہے اور ہم نے ایسا جادو اپنے پہلے باپ دادا کے زمانہ میں نہیں سنا O

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِندِهِ وَمَن تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٣٧﴾

اور موسیٰ نے فرمایا: میرے رب اس کو خوب جاننے والے ہیں جو ان کے پاس سے ہدایت لے کر آیا اور جس کے لیے آخرت میں اچھا انجام ہے، بے شک ظلم کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے O

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَل لِّي صَرْحًا لَّعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٣٨﴾

اور فرعون نے کہا: اے درباریو! میں اپنے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں جانتا، اس نے کہا: اے ہامان! تم میرے لیے مٹی کی اینٹیں آگ پر پکاؤ، پھر میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تاکہ میں موسیٰ کے معبود کو دیکھ سکوں، اور بے شک میں موسیٰ کو جھوٹوں میں سے

گمان کرتا ہوں ○

وَ اسْتَكْبَرَ هُوَ وَ جُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾

فرعون اور اس کے لشکر والوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے ○

فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

سو ہم نے فرعون کو اور اُس کے لشکروں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا سو آپ دیکھیے کہ ظالموں کا کیسا انجام ہوا ○

وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور ہم نے انہیں دنیا میں کفر کا سردار بنا دیا، وہ لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن اُن کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی ○

وَ اَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع

اور ہم نے دنیا میں اُن کے پیچھے لعنت مسلط فرمادی اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب موسیٰ نے (مہر کی طے شدہ) مدت پوری کردی اور اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر چل پڑے تو انہوں نے طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی، انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا: تم یہیں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید کہ میں وہاں سے راستہ کی کوئی خبر لاؤں یا آگ کا انگارا لے آؤں تاکہ تم اُس آگ سے حرارت حاصل کرو ○'' (القصص:۲۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام سے رخصت ہو کر مصر کی طرف روانہ ہونا

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ، القصص: ۲۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْۤ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ'': پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شرط پوری کردی اور فارغ ہو گئے۔ روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو مدتوں سے بڑی مدت کو پورا کیا اور وہ دس سال تھی۔ پس حضرت شعیب علیہ السلام رونے لگے اور کہا: اے موسیٰ! آپ کس طرح مجھے چھوڑ کر جارہے ہیں، حالانکہ میں کمزور ہوں اور بوڑھا ہو گیا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میرا اپنی ماں سے، اپنی خالہ سے، اپنے بھائی ہارون سے اور اپنی بہن سے جو فرعون کی مملکت میں ہے جدائی کو بہت عرصہ ہو گیا ہے، تب حضرت شعیب علیہ السلام کھڑے ہوئے اور ہاتھ پھیلا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے میرے رب! حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت اسماعیل صفی اللہ، اور حضرت اسحاق ذبیح اللہ، (تحقیق یہ ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح نہیں تھے بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح تھے، اس کی تفصیل سورۃ

صافات کی تفسیر میں آئے گی۔ سعیدی غفرلہٗ) اور حضرت یعقوب غم برداشت کرنے والے، اور حضرت یوسف بہت سچے، ان سب کے واسطے سے میں دعا کرتا ہوں کہ میری طاقت اور میری بصارت کو لوٹا دیں، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کی دعا پر آمین کہی تب اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بینائی اور اُن کی قوت لوٹا دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ اُن کی بیٹی کے ساتھ خیر خواہی کریں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے مصر کی طرف روانہ ہوئے اور اُن کے ساتھ اُن کی بیوی صفورا بھی تھیں اور اُن کا بیٹا بھی تھا جو روانہ ہونے سے تھوڑا عرصہ پہلے پیدا ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جنگل میں تھے اور رات سرد اور اندھیری تھی، انہوں نے وادی پر اپنا خیمہ نصب کیا اور اپنی اہلیہ کو اس میں داخل کیا، آسمان سے بارش اور برف گرنے لگی، پس اُس وقت انہوں نے طور کی جانب سے آگ دیکھی اور طور ایک مخصوص پہاڑ کا نام ہے اور نار اُس شعلے کو کہتے ہیں جو ہوا کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور اُس کے اندر حرارت ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ لینے کے لیے جانا

بعض مفسرین نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ دیکھی جو انوار پر دلالت کر رہی تھی، کیونکہ انہوں نے نور کو آگ کی حالت پر دیکھا اور وہ سردی کا موسم تھا اور اللہ تعالیٰ نے اُن پر آگ کے لباس میں تجلی فرمائی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو علم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دحیہ کلبی سے محبت کرتے ہیں تو حضرت جبریل علیہ السلام اکثر دحیہ کی صورت میں اُن کے پاس حاضر ہوتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ سے کہا: ٹھہرو یعنی اسی جگہ پر میرا انتظار کرو، میں نے آگ دیکھی ہے، شاید میں تمہارے پاس اس سے کوئی انگارے لاؤں۔ مفردات میں لکھا ہوا ہے کہ ''الجذوۃ'' لکڑی کے جل جانے کے بعد والی آگ کو کہتے ہیں۔

(روح البیان ج ۶ ص ۵۱۲۔ ۵۱۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، القصص: ۲۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ '': روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن دونوں میں سے چھوٹی لڑکی سے نکاح کیا اور لمبی مدت کو پورا کر دیا۔ مجاہد نے کہا: انہوں نے دس سال پورے کیے، اس کے بعد مزید دس سال رہے۔

ہم نے سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صحرا میں تھے، رات اندھیری تھی اور تیز ہوا چل رہی تھی۔ پس انہوں نے سخت سردی محسوس کی، اس وقت انہوں نے دور سے آگ دیکھی، پس وہ اُس آگ کی طرف چل پڑے اور وہ یہ چاہتے تھے کہ کوئی اُن کو راستہ بتائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب موسیٰ اُس آگ کے پاس پہنچے تو اُس وادی کے دائیں کنارے برکت والی جگہ پر درخت سے ندا فرمائی گئی کہ اے موسیٰ! میں ہی اللہ رب العالمین ہوں O'' (القصص: ۳۰)

درخت سے اللہ عزوجل کا کلام سننے کے متعلق مفسرین کی عبارات

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، القصص: ۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ":

"شَاطِئِ الْوَادِ" کا معنی ہے وادی کا کنارا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادی کے داہنے کنارہ سے درخت سے آواز آئی۔ اس جگہ کو مبارک فرمایا ہے کیونکہ وہیں سے رسالت کی ابتداء ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی جسم میں کلام کو پیدا فرماتے ہیں، نیز اس آیت میں ہے "مِنَ الشَّجَرَةِ" اور اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ ندا درخت سے سنی تھی، اور اس ندا کے ساتھ متکلم اللہ سبحانہ ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہیں کہ وہ کسی جسم میں ہوں۔ پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی جسم میں کلام کو پیدا فرماتے ہیں۔ اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہاں پر دو مذہب ہیں: (۱) پہلا مذہب امام ابو منصور الماتریدی اور ماوراء النہر کے ائمہ کا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ کلام قدیم اللہ عزوجل کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور وہ سنائی نہیں دیتا۔ اور جو سنائی دیتا ہے، وہ آواز اور حرف ہیں اور اُن کو درخت میں پیدا فرما دیا گیا تھا اور اُسی سے آواز سنی گئی تھی، اور اس تقدیر پر سوال زائل ہو جاتا ہے۔ (۲) دوسرا مذہب ابو الحسن الاشعری کا ہے کہ جو کلام حرف اور آواز نہ ہو اُس کا سنائی دینا ممکن ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نہ جسم ہے نہ عرض ہے اور اُس کا دکھائی دینا ممکن ہے، پس اس قول کی بناء پر یہ بعید نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے حرف اور صوت کو سنا ہو اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلامِ قدیم کو سنا ہو نہ کہ درخت سے۔ پس ان دونوں امروں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ اور اہل سنت نے یہ استدلال کیا ہے کہ "اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ" کا محل اگر وہ درخت ہو، یعنی پھر درخت نے کہا کہ میں اللہ ہوں، تو اس سے لازم آئے گا کہ وہ درخت اللہ رب العالمین ہو اور یہ محال ہے۔

(تفسیر الکبیر ج ۸ ص ۵۹۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ، القصص: ۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ": بعض مفسرین نے کہا: پہاڑ (طور) کی دائیں جانب سے ندا فرمائی گئی، اور بعض دوسرے مفسرین نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب سے ندا فرمائی گئی، اور دیگر مفسرین نے کہا: درخت کی دائیں جانب سے ندا فرمائی گئی۔

اور "الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ" کی تفسیر میں بعض مفسرین نے کہا: اس جگہ کو برکت والی اس لیے فرمایا کہ وہاں پر بہ کثرت درخت تھے اور وہاں پر پانی کی کثرت تھی اور اُسی کو مبارک اور ایمن فرمایا ہے۔ اور اللہ ہی جانتے ہیں ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ انبیاء، رُسل اور نزولِ وحی کی جگہ ہے۔

"مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ": اور اللہ عزوجل اس پر قادر ہیں کہ وہ اپنا کلام سنائیں اور جس کو چاہیں خبر دیں اور جتنی چاہیں خبر دیں اور جس طرح چاہیں خبر دیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو اُن کے نیچے سے کلام سنایا، جب فرمایا: "فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا" (مریم: ۲۴) "(پس اُن کے نیچے سے فرشتہ نے

ان کو نداء کی کہ تم غمگین نہ ہو، بے شک تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری فرما دیا ہے)۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۸ ص ۱۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، القصص: ۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فَلَمَّآ اَتٰىهَا": یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ پر پہنچے۔ "نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ": یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادی کی دائیں جانب سے ندا فرمائی گئی۔ "فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ": یعنی اُس مبارک جگہ میں جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ "مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ": یعنی جو آپ سے نداء فرما رہے ہیں، وہ اللہ رب العالمین ہیں۔ (تفسیر السمرقندی ج ۲ ص ۵۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، القصص: ۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو دائیں جانب تھی وہاں سے نداء کی گئی۔ زمین کے مبارک ٹکڑے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے زمین کے ٹکڑے کو مبارک بنا دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور وہیں اُن کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ "مِنَ الشَّجَرَةِ": یعنی درخت کی جانب سے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ کیکر کا سبز رنگ کا درخت تھا جو چمک رہا تھا۔ اور قتادہ، مقاتل اور کلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ وہ عناب کا درخت تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ نداء فرمائی گئی: اے موسیٰ! بے شک میں اللہ رب العالمین ہوں۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۳۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، القصص: ۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں "شَاطِئِ الْوَادِ" کا لفظ ہے، کیونکہ وہ درخت وادی کی ایک جانب اُگا ہوا تھا۔ "الْاَیْمَنِ": یعنی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ پہاڑ کی دائیں جانب تھا۔ "مِنَ الشَّجَرَةِ": یعنی درخت کی جانب سے نداء آئی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ گندم کا درخت تھا، ایک قول یہ ہے کہ وہ عناب کا درخت تھا۔ اس سلسلے میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ مسلمان یہودیوں کو قتل کر دیں، پس مسلمان یہودیوں کو قتل کر رہے ہوں گے حتیٰ کہ یہودی پتھر کے پیچھے یا درخت کے پیچھے چھپا ہوا ہوگا تو وہ پتھر یا درخت کہے گا: اے مسلمان، اے اللہ کے بندے! یہ یہودی میرے پیچھے ہے آؤ اس کو قتل کردو، سوائے غرقد کے، کیونکہ وہ یہود کا درخت ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۹۲۲، الرقم المسلسل: ۷۲۶۸، رقم حدیث الباب: ۸۲)

"اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ": (اے موسیٰ! میں ہی اللہ رب العالمین ہوں)۔

المہدوی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے عرش کے اوپر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور درخت سے اُن کو اپنا کلام سنایا، جس طرح اللہ عزوجل نے چاہا۔ اور یہ جائز نہیں ہے کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ عرش سے منتقل ہو گیا۔ ابو المعالی اور اہل المعانی اور اہل حق نے کہا ہے کہ جس سے اللہ عزوجل نے کلام فرمایا اور اُس کو بلند مرتبہ کے ساتھ مخصوص فرمایا تو وہ اس کے کلام قدیم کا ادراک کر لیتا ہے، اور اُس کا کلام حروف، آوازوں، عبارات، نغمات اور لغات کی اقسام سے پاک ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ جس کو کرامات کے مرتبہ سے خاص فرمانا چاہیں، اُس پر اپنی نعمت کو مکمل فرما دیتے ہیں اور اس کو رزق عطا فرماتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا اجسام

کی مماثلت سے منزہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی کوئی مثل نہیں ہے۔ اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر پسندیدہ فرشتوں کو اپنے کلام سے مشرف فرمایا۔

الاستاذ ابو اسحاق نے کہا: اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام میں ایسے معانی پیدا فرمائے جن سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کا ادراک کر لیا، اور وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کے ساتھ مخصوص تھے، اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے لیے اس کی مثل پر قادر ہیں۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا یا نہیں، اور حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا، اس میں دو قول ہیں اور اس کے جاننے کا طریقہ صرف نقل اور روایت ہے اور وہ موجود نہیں ہے۔

اس پر اتفاق ہے کہ جب مخلوق قرآن مجید کی قراءت کو سنتی ہے تو وہ اس عبارت کو سنتی ہے جس کے معنی کو وہ جانتے ہیں۔ اور بعینہٖ اللہ تعالیٰ کے کلام کو نہیں سنتی۔ اور عبداللہ بن سعد بن کلاب نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام قدیم کو مختلف آوازوں سے سمجھا جن کو اللہ تعالیٰ نے بعض اجسام میں ثابت فرمایا تھا۔ ابو المعالی نے کہا: یہ قول مردود ہے بلکہ واجب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہ طور خلاف عادت اللہ تعالیٰ کے کلام کے ادراک کرنے کے ساتھ مخصوص تھے۔ اور اگر یہ نہ کہا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے کا کوئی خاصہ نہیں ہوگا۔ اور اللہ عزوجل نے اپنا کلام عظیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سنایا، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں علم بدیہی پیدا فرمایا حتیٰ کہ انہوں نے اس کو جان لیا جو انہوں نے اللہ عزوجل کا کلام سنا تھا۔ اور بے شک اللہ عزوجل نے اُن سے کلام فرمایا اور اُن کو ندا فرمائی کہ وہ اللہ رب العالمین ہیں۔ اور اقاصیص میں وارد ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں نے اپنے رب کے کلام کو اپنے تمام اعضاء سے سنا ہے اور میں نے کسی ایک جہت سے اُن کا کلام نہیں سنا ہے۔

"اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ": اللہ سبحانہٗ نے اپنے غیر کے رب ہونے کی نفی فرمائی۔ اور اس کلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ عزوجل کے خاص بندوں میں سے ہو گئے نہ کہ رسولوں میں سے، کیونکہ آپ رسول اس وقت ہوئے جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو رسالت کا حکم فرمایا، اور رسالت کا حکم اس کلام کے بعد فرمایا تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، جز ۱۳ ص ۲۵۰۔ ۲۵۲، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ، القصص: ۳۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جعفر نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ کو دیکھا جس نے اس پر دلالت کی کہ وہ انوار الٰہیہ میں سے ہے، کیونکہ انہوں نے نور کو آگ کی صورت میں دیکھا، پس جب وہ اس کے قریب پہنچے تو انوار قدسیہ نے اُن کا احاطہ فرما لیا اور انتہائی لطیف خطاب کے ساتھ اُن سے کلام فرمایا گیا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سرسبز درخت میں آگ کو دیکھا تو انہوں نے جان لیا کہ اس آگ اور سرسبز درخت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور جمع نہیں کر سکتا، پس انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ کلام کرنے والی اللہ عزوجل کی ذات ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام میں بداہتاً یہ علم پیدا فرمایا کہ متکلم اللہ عزوجل ہیں اور یہ کلام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور متکلمین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے اور انہی میں سے امام غزالی بھی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام ازلی نفسی کو بغیر آواز

کے اور بغیر حرف کے سنا، اور اس پر کوئی دلیل نہیں دی۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں جن کے ذکر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور سورۂ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا: "اِنِّىۡۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخۡلَعۡ نَعۡلَيۡكَ ۚ اِنَّكَ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًى۔ (طٰہٰ: ۱۲)" (بے شک میں آپ کا رب ہوں، پس آپ اپنے جوتے اتار دیں، بے شک آپ مقدس وادی "طویٰ" میں ہیں)۔ اور سورۂ نمل میں ارشاد فرمایا: "فَلَمَّا جَآءَهَا نُوۡدِىَ اَنۡۢ بُوۡرِكَ مَنۡ فِى النَّارِ وَمَنۡ حَوۡلَهَا ؕ وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ۔ (النمل: ۸)" (پھر جب موسیٰ اس آگ کے پاس پہنچے تو یہ ندا فرمائی گئی: جو اس آگ میں ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں ان کو برکت دی گئی ہے، اور وہ سبحان ہیں جو تمام عالمین کے رب ہیں)۔

اور ان آیات کی عبارات اگرچہ مختلف ہیں، لیکن تمام آیات سے مقصود واحد ہے۔

(روح البیان، ج ۵ ص ۱۸۳۔ ۱۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، القصص: ۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

علامہ البقاعی نے کہا: شاید کہ وہ درخت بہت بڑا تھا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس درخت تک پہنچے تو نور ایک درخت سے اس کے درمیان تک پہنچا، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس نور میں داخل ہو گئے اور اس کو درمیان سے دیکھا، پھر انہوں نے اس درخت میں ایک کلام سنا جو حقیقت میں اللہ عزوجل کا کلام تھا نہ کہ درخت کا۔

علامہ القشیری نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس رات اللہ تعالیٰ کا کلام سنا۔ اور اگر یہ درخت کی ندا ہوتی تو درخت کلام کرنے والا ہوتا۔ اور علامہ سعد الدین التفتازانی متوفی ۷۹۳ھ نے شرح المقاصد میں کہا ہے کہ حجۃ الاسلام کا مختار یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام ازلی کو بغیر آواز اور بغیر حرف کے سنا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ذات بغیر کیفیت کے دکھائی دے گی۔

اس میں اختلاف ہے کہ وہ درخت کس چیز کا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ سبز رنگ کا گندم کا درخت تھا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ درخت عناب کا تھا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ندا آئی کہ بے شک میں اللہ ہوں، جو تمام اسمائے حسنیٰ اور تمام بلند صفات کے جامع ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت فرمائی کہ وہ رب العالمین ہیں، یعنی تمام مخلوق کے خالق اور ان کے پالنے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ النمل میں فرمایا ہے: "فَلَمَّا جَآءَهَا نُوۡدِىَ اَنۡۢ بُوۡرِكَ مَنۡ فِى النَّارِ وَمَنۡ حَوۡلَهَا ؕ وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ۔ (النمل: ۸)" (پھر جب موسیٰ اس آگ کے پاس پہنچے تو یہ ندا فرمائی گئی: جو اس آگ میں ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں ان کو برکت دی گئی ہے، اور وہ سبحان ہیں جو تمام عالمین کے رب ہیں)۔ اور یہاں فرمایا ہے: "اِنِّىۡۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ" ۔ اور سورۂ طٰہٰ میں فرمایا ہے: "اِنِّىۡۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخۡلَعۡ نَعۡلَيۡكَ ۚ اِنَّكَ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًى۔ (طٰہٰ: ۱۲)" (بے شک میں آپ کا رب ہوں، پس آپ اپنے جوتے اتار دیں، بے شک آپ مقدس وادی "طویٰ" میں ہیں)۔ اور ان تمام آیات میں منافات نہیں ہے، کیونکہ سب کا مقصود واحد ہے۔ (السراج المنیر، ج ۵ ص ۱۴۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، القصص: ۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ اللہ عزوجل نے فرشتہ کے واسطے کے بغیر ندا فرمائی اور جیسا کہ آثار دلالت کرتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

کلام لفظی کو سنا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو درخت میں بغیر اتحاد اور حلول کے پیدا فرما دیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو ہوا میں پیدا فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کلام کو دائیں جانب سے سنا، یا تمام جہات سے سنا۔

الشیخ الاشعری اور الامام الغزالی کا مذہب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی قدیم کو بغیر آواز اور حرف کے سنا جیسا کہ اللہ عزوجل کی ذات آخرت میں بغیر کیفیت اور صورت کے دکھائی دے گی، اور بعض عارفین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام لفظی کو آواز کے ساتھ سنا۔ اور صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کے سامنے ایک صورت میں تجلی فرمائیں گے، پس فرمائیں گے: میں تمہارا رب ہوں، تو لوگ اس کا انکار کر دیں گے، پھر اللہ تعالیٰ دوسری صورت میں تجلی فرمائیں گے تو لوگ اس کو پہچان لیں گے اور اللہ تعالیٰ اور ان کی صفات، ان کی عزت، عظمت اور جلال کے حجابات میں ہے۔

اور بعض متقدمین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام لفظی کو ایک اجنبی آواز میں سنا جو عادتاً دوسری آوازوں کے مخالف تھی۔ اور حسن بصری نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ساتھ ندا فرمائی نہ کہ کلام کے ساتھ ندا فرمائی لیکن اکابر علماء نے اس کو رد کر دیا ہے کیونکہ یہ بات ظاہر آیت کے خلاف ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کلیم کے نام سے مخصوص فرمایا گیا ہے وہ بھی اس پر دلیل ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنا ہے، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام ازلی کو آواز اور حرف کے بغیر سنا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرشتہ یا کتاب کے واسطہ کے بغیر ایک آواز سنی جو اللہ تعالیٰ کے کلام پر دلالت کرتی تھی، خواہ وہ ایک جانب سے سنی ہو یا تمام جانبوں سے سنی ہو، کیونکہ یہ خلاف عادت ہے۔ اور جن علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تجلی فرمانے کے بعد کلام کو سنا ہے تو انہوں نے کہا ہے کہ یہ تجلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا اور کسی نبی علیہ السلام کے لیے واقع نہیں ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کیسے علم ہوا کہ جس نے ان کو ندا فرمائی ہے وہ اللہ عزوجل ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ علم بداہتاً پیدا فرما دیا۔ (روح المعانی، جز ۲۰ ص ۱۰۹۔۱۱۱، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور یہ کہ آپ اپنی لاٹھی (زمین پر) پھینک دیں، پس جب انہوں نے اُس لاٹھی کو لہراتے ہوئے دیکھا تو گویا وہ چھوٹا سا سانپ تھا، موسیٰ پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور مڑ کر نہ دیکھا، (اللہ نے فرمایا:) اے موسیٰ! سامنے آئیں اور ڈریں مت! بے شک آپ محفوظ لوگوں میں سے ہیں O''

(القصص:۳۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا سانپ بن جانا

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، القصص: ۳۱ تا ۳۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۗ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ'': حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا فرمائی گئی کہ آپ اپنے عصا کو زمین پر ڈال دیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا زمین پر ڈال دیا تو وہ سانپ بن کر تیزی سے حرکت کرنے لگا اور یہی سانپ فرعون کے سامنے اژدھا بن گیا تھا، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے ڈر کر

مڑے اور واپس نہ لوٹے، پس ندا فرمائی گئی کہ اے موسیٰ! آگے بڑھیں اور مت ڈریں، آپ خوف سے امن میں ہیں۔

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ لاٹھی کو زمین پر ڈالنے کا حکم دینے میں کیا فائدہ ہے؟ اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص اللہ کے غیر پر توکل کرتا ہو تو وہ اس کو پھینک دے گا اور جس نے اللہ پر توکل کیا وہ امن میں رہے گا اور جس نے اللہ کے غیر پر توکل کیا وہ خوف میں واقع ہو جائے گا۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان کتنا فرق ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا خطاب سن کر لوٹے تو ایک اژدھا لے کر آئے جس کو انہوں نے اپنے دشمن پر مسلط فرمایا۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب شب معراج اللہ تعالیٰ کے قرب کے محل سے لوٹے تو آپ پر وحی فرمائی گئی جو وحی فرمائی گئی اور آپ اپنی امت کے لیے نماز کو لے کر آئے جو مناجات ہے اور آپ سے کہا گیا: ''السلام علیک ایها النبی و رحمة الله و برکاته'' تو آپ نے کہا: ''السلام علینا وعلیٰ عباد الله الصالحین''۔

''**فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ**'': اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ وہ لاٹھی سانپ کے مشابہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ لاٹھی فی نفسہٖ چھوٹا سا سانپ بن گئی تھی، لہٰذا یہ آیت اس کے خلاف نہیں ہے جس میں اس کو اژدھا فرمایا ہے بلکہ اس کو چھوٹے سے سانپ کے مشابہ فرمایا ہے جس طرح وہ تیزی سے حرکت کر رہا تھا اور اس کی مقدار کے اندر تشبیہ نہیں ہے۔

وہب بن منبہ نے کہا: جب وہ لاٹھی سانپ بن گئی یا اژدھا بن گئی تو اس نے کوئی درخت اور پتھر نہیں چھوڑا مگر اس کو نگل لیا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے دانتوں کے چبانے کی آواز سنی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے متعلق مختلف اقوال

(۱) حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس انبیاء علیہم السلام کی لاٹھیاں تھیں، پس انہوں نے رات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: جب تم اس کوٹھڑی میں جاؤ یا کمرے میں تو وہاں جو عصا رکھے ہوئے ہیں اُن میں سے ایک عصا لے لینا، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ عصا اٹھا لیا جس کو حضرت آدم علیہ السلام جنت سے لے کر آئے تھے اور انبیاء علیہم السلام مسلسل اُس عصا کے وارث ہوتے رہے حتیٰ کہ وہ عصا حضرت شعیب علیہ السلام تک پہنچ گیا، حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: مجھے وہ عصا دکھاؤ، پس انہوں نے اس کو چھو کر دیکھا اور حضرت شعیب علیہ السلام نابینا ہو چکے تھے، پس انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اس کے علاوہ کوئی اور عصا لے لو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سات مرتبہ عصا اٹھایا مگر اُن کے ہاتھ میں وہی عصا آتا تھا۔

اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کو حکم دیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے عصا لے کر آئیں، پس وہ کوٹھڑی میں گئیں اور عصا لے کر آئیں، جب حضرت شعیب علیہ السلام نے اُس کو دیکھا تو بیٹی سے کہا کوئی اور عصا لاؤ، انہوں نے وہ عصا ڈال دیا اور ارادہ کیا کہ کوئی اور عصا اٹھائیں مگر اُن کے ہاتھ میں کوئی اور عصا نہیں آیا تو جب حضرت شعیب علیہ السلام نے اس کو دیکھا تو راضی ہو گئے، پھر اس کے بعد نادم ہوئے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈھونڈنے کے لیے نکلے، جب وہ ملے تو اُن سے کہا: مجھے وہ عصا دو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہ میرا عصا ہے اور اُن کو دینے سے انکار کیا، پس اُن دونوں میں جھگڑا ہوا، پھر اُن دونوں کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ جو پہلا شخص اُن سے ملے گا وہ اس کے فیصلہ کو قبول کر لیں گے، پس اُن کے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے ان دونوں کے

درمیان فیصلہ کیا، اس نے کہا: اس عصا کو زمین پر رکھ دو، جس نے اس کو اٹھا لیا وہی اس عصا کا مالک ہوگا، پس حضرت شعیب علیہ السلام نے جلدی کی مگر وہ اس کو نہ اٹھا سکے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کو سہولت سے اٹھا لیا، پس حضرت شعیب علیہ السلام نے اُن کو چھوڑ دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دس سال اُن کی بکریاں چراتے رہے۔

(۲) بعض قصوں میں مذکور ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی کے ساتھ عقد ہو گیا اور اگلے دن صبح کو حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرانے کے لیے جانے لگے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے اُن سے کہا: تم اِن بکریوں کو لے جاؤ، جب تم ایسی جگہ پہنچو جہاں راستہ تبدیل ہو رہا ہو تو تم بائیں جانب جانا اور دائیں جانب نہ جانا خواہ وہاں پر گھاس زیادہ ہو، کیونکہ اُس جگہ بہت بڑا اژدھا ہے، مجھے تم پر اور بکریوں پر خوف ہے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریوں کو لے گئے، جب اس جگہ پہنچے جہاں راستہ تبدیل ہو رہا تھا تو بکریاں دائیں جانب جانے لگیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوشش کی کہ اُن کو واپس لائیں مگر قادر نہ ہوئے، پس وہ اُن کے پیچھے گئے تو انہوں نے کافی گھاس دیکھی، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سو گئے اور بکریاں چرتی رہیں، اور اچانک وہ اژدھا آ گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اٹھا اور اس اژدھے سے لڑا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا اور پھر وہ عصا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہلو میں آ گیا، پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو دیکھا اُن کا عصا رکھا ہوا ہے اور وہ اژدھا مرا ہوا پڑا ہے تو اُن کو اس سے راحت ہوئی اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عصا میں قدرت اور علامت رکھی ہے اور وہ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس واپس گئے اور وہ نابینا تھے، انہوں نے بکریوں کو چھو کر دیکھا تو وہ پہلے سے بہتر حال میں تھیں، پس اُن سے پوچھا: کیا ہوا؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قصہ سنایا، حضرت شعیب علیہ السلام خوش ہوئے اور انہوں نے جان لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس لاٹھی میں کوئی خصوصیت ہے۔ پس انہوں نے ارادہ کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی بکریاں چرانے پر اور اُن کی بیٹی کے ساتھ حسنِ سلوک پر اچھا انعام دیں، پس انہوں نے کہا: اس سال جو یہ بکریاں بچے دیں گی وہ میں تمہیں بخش رہا ہوں، پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اپنا عصا اُس پانی پر ماریں جس سے آپ بکریوں کو پانی پلاتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس طرح کیا اور پھر بکریوں کو پانی پلایا، پس جس بکری نے بھی پانی پیا تو وہ حاملہ ہو گئی، تو حضرت شعیب علیہ السلام نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ رزق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور اُن کی بیوی کو عطا فرمایا ہے اور انہوں نے اپنی شرط پوری کر دی۔

(۳) بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ یہ عصا حضرت آدم علیہ السلام کا عصا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے وہ عصا لے لیا اور وہ انہی کے پاس رہا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک رات اپنے رب سے ملاقات کی۔

امام رازی فرماتے ہیں: قرآن مجید میں ان واقعات میں سے کسی واقعہ کا ذکر نہیں ہے اور یہ خبریں متعارض ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں وہ بغیر کسی مرض کے چمکتا ہوا سفید نکلے گا اور خوف دور کرنے کے لیے اپنا بازو اپنے سینہ پر رکھ دیں، پس آپ کے رب کی طرف سے فرعون اور اُس کے درباریوں کے خلاف یہ دو مضبوط دلیلیں ہیں، بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں O'' (القصص: ۳۲)

''أَسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ'': (آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں وہ بغیر کسی مرض کے چمکتا

ہوا سفید نکلے گا)۔ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کا تین جگہ ذکر فرمایا ہے، ایک تو یہی جگہ ہے۔ اور دوسری جگہ یہ ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”وَ اضْمُمْ یَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰى ۔“ (طٰہٰ: ۲۲) ”(اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملائیں تو وہ بغیر کسی مرض کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا، یہ دوسری نشانی ہوگی)۔ اور تیسری جگہ سورۃ النمل میں ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”وَ اَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۔“ (النمل: ۱۲) ”(اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کریں تو وہ بغیر کسی عیب کے سفید نکلے گا، یہ اُن نو معجزوں میں سے ہے جو فرعون اور اُس کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں، بے شک وہ لوگ نافرمان ہیں)۔

”وَ اضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ“: (اور خوف دور کرنے کے لیے اپنا بازو اپنے سینہ پر رکھ دیں)۔

اس آیت کی توجیہ میں علامہ زمخشری صاحب الکشاف نے دو معنی لکھے ہیں:

(۱) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کو سانپ بنا دیا تو وہ گھبرائے اور مضطرب ہوئے اور اُس کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیا جیسے کوئی آدمی کسی چیز سے خوف زدہ ہو کر اس کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے، تو انہیں بتایا گیا کہ یہ عصا آپ کے دفاع کے لیے ہے، جب آپ کے دشمن آئیں تو آپ اس عصا کو پھینکیں، سو یہ سانپ بن جائے گا۔ پھر اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے داخل کریں تو وہ سفید رنگ کا نکل آئے گا۔ اور یہ آپ کے دو معجزے ہیں۔

(۲) اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایک جگہ پر فرمایا ہے کہ اپنے بازو کو اپنی طرف ملاؤ اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ اپنے ہاتھ کو اپنے بازو تک لے جاؤ، ان میں کس طرح موافقت ہے؟

ہم کہیں گے کہ جس بازو کو ملایا گیا ہے وہ داہنا ہاتھ ہے اور جس کی طرف انہوں نے ہاتھ بڑھایا ہے وہ بایاں ہاتھ ہے۔ اور دایاں ہاتھ ہو یا بایاں ہاتھ ہو وہ ان کا بازو ہے۔ یہ صاحب کشاف کی توجیہ ہے اور بہت عمدہ ہے۔

”فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۠ئِهٖ“: یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے صدق پر اللہ تعالیٰ نے یہ دو دلیلیں عطا فرمائیں۔ اور ظاہر کلام کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو فرعون سے ملاقات سے پہلے یہ حکم فرمایا حتیٰ کہ انہوں نے جان لیا کہ اُن کے پاس سے کیسے معجزات کا ظہور ہوگا، کیونکہ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا تھا:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! میں نے اُن کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے ○“ (القصص: ۳۳)

”قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ“: (اے میرے رب! میں نے اُن کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے)۔ یہ اس کو متضمن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان دو معجزات کو لے کر فرعون کی طرف گئے، پس اُس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ طلب کیا کہ کوئی ایسی چیز عطا فرمائیں جس سے اُن کا دل قوی ہو اور خوف زائل ہو جائے، لہٰذا انہوں نے کہا کہ میں اُن کے ایک آدمی کو قتل کر چکا ہوں، مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے، سو اُن کو میرے ساتھ

معاون رسول بنا کر بھیج دیں کہ وہ میری تصدیق کریں، مجھے خطرہ ہے کہ فرعونی میری تکذیب کریں گے O" (القصص: ۳۴)

"وَاَخِىْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّىْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِىَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِىٓ ۖ اِنِّىٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ":

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں بندش تھی یا تو اصل خلقت کے اعتبار سے، یا انہوں نے اپنے مونہہ میں انگارا رکھا تھا جب انہوں نے فرعون کی ڈاڑھی نوچ لی تھی۔ "فَاَرْسِلْهُ مَعِىَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِىٓ": اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ میرے بھائی ہارون کو بھیج دیں حتیٰ کہ حجت اور بیان کو ظاہر کرنے میں وہ میری مدد کریں۔ اور جب یہ دونوں دلیلیں جمع ہو جائیں گی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے کا مقصود حاصل ہو جائے گا۔

الجبائی نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو اُن کے ساتھ بھیج دیں، یہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے دعا کی تھی، اور اُن کو یہ پتا نہیں تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو بھیجنے میں کوئی حکمت ہے یا نہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے مطلقاً یہ سوال کیا ہو جیسا کہ عام طور پر کوئی دعا کرنے والا دعا کرتا ہے اور اُسے پتا نہیں ہوتا کہ اس دعا سے کیا نتیجہ برآمد ہونے والا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اللہ نے فرمایا: ہم عنقریب آپ کے بھائی کے ذریعہ آپ کے بازو کو مضبوط فرما دیں گے اور آپ دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے، پس ہماری اِن نشانیوں کی وجہ سے فرعونی آپ دونوں کے قریب نہیں پہنچ سکیں گے، آپ دونوں اور آپ کے پیروکار ہی غالب رہیں گے O" (القصص: ۳۵)

"قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ":

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم عنقریب آپ کو آپ کے بھائی کے ذریعے قوت عطا فرمائیں گے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو معجزہ عطا فرمایا کہ اُن کا عصا سانپ بن جاتا تھا، تو جس طرح یہ معجزہ تھا اسی طرح یہ فرعون کے ضرر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام تک پہنچنے کی رکاوٹ بھی تھا، کیونکہ انہوں نے جان لیا کہ جب یہ اس لاٹھی کو پھینکیں گے تو یہ بہت بڑا سانپ بن جائے گا اور اُن کو ہلاک کر ڈالے گا، اور اس خوف نے فرعون کو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو ضرر پہنچانے سے روک دیا۔ اور اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ فرعونی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ پھر فرمایا: "اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ": اس غلبہ سے مراد یہ ہے کہ دلائل اور براہین کے اعتبار سے تم غالب رہو گے یا آئندہ مصر کی حکومت پر تم غالب رہو گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس جب موسیٰ اُن کے پاس ہمارے واضح معجزات لے کر آئے تو انہوں نے کہا: یہ تو صرف جھوٹا جادو ہے اور ہم نے ایسا جادو اپنے پہلے باپ دادا کے زمانہ میں نہیں سنا O" (القصص: ۳۶)

"فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِىٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ":

یا تو اُن لوگوں نے یہ جھوٹ بولا تھا کہ انہوں نے اپنے اگلے باپ دادا سے ایسا جادو نہیں سنا، یا یہ کہ انہوں نے فرعون کو اس کی

خبر نہیں دی تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور موسیٰ نے فرمایا: میرے رب اُس کو خوب جاننے والے ہیں جو اُن کے پاس سے ہدایت لے کر آیا اور جس کے لیے آخرت میں اچھا انجام ہے، بے شک ظلم کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے O'' (القصص: ۳۷)

''وَ قَالَ مُوْسٰى رَبِّيْۤ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ'':

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ فرعونی اُن کے دلائل اور معجزات کا جواب نہیں دے سکے اور وہ سراسر عناد کر رہے ہیں تب انہوں نے کہا کہ میرے رب خوب جاننے والے ہیں کہ کون ہدایت لے کر آیا ہے اور کس کا آخرت میں اچھا انجام ہے۔ اور جب انہوں نے فرعون سے عناد کو جان لیا تو انہوں نے کہا: میرے رب خوب جانتے ہیں کہ کس کے پاس ہدایت ہے اور کس کے پاس حجت ہے اور کون باطل پر ہے، اور پھر اُن کو وعید سنائی کہ کس کے لیے اچھا انجام ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۙ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ''۔ (الرعد: ۲۲-۲۳) (اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی رضا طلب کرتے ہوئے صبر کیا اور نماز قائم رکھی اور ہمارے عطا فرمائے ہوئے مالوں میں سے پوشیدہ طور پر اور ظاہراً خرچ کیا، اور جو لوگ برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہیں انہی کے لیے آخرت میں اچھا انجام ہے O وہ ہیشگی کی جنتیں ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے آباء میں سے اور ان کی بیویوں میں سے اور ان کی اولادوں میں سے جو نیک ہوں گے اور فرشتے ان کے پاس ہر دروازہ سے داخل ہوں گے)۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَ سَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ''۔ (الرعد: ۴۲) (ان سے پہلی امتیں بھی اپنے انبیاء کے خلاف سازشیں کرتی رہی ہیں، سو تمام مخفی تدبیروں کے اللہ مالک ہیں، ہر شخص جو کام کر رہا ہے وہ اس کو بخوبی جانتا ہے اور عنقریب کافروں کو معلوم ہو جائے گا کہ آخرت میں اچھا انجام کس کے لیے ہے)۔

''دار'' سے مراد دنیا ہے اور ''عاقبت'' سے مراد یہ ہے کہ بندہ کا خاتمہ رحمت اور رضوان کے ساتھ کیا جائے، اور اُس کی موت کے وقت فرشتے آ کر اُس کو بشارت دیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ عاقبت محمودہ ہو یا عاقبت مذمومہ ہو، دونوں کو عاقبۃ الدار کہنا صحیح ہے، کیونکہ دنیا کا خاتمہ بعض لوگوں کے لیے اچھائی کے ساتھ ہوتا ہے اور بعض لوگوں کا خاتمہ برائی کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس ان دونوں کو عاقبۃ الدار کہنا صحیح ہے، پس خیر کے خاتمہ کو عقبی الدار کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے دنیا کو آخرت کی جزا کے لیے بنایا ہے اور بندوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ نیکی کے سوا اور کوئی کام نہ کریں، تا کہ اُن کا خاتمہ خیر پر ہو۔ عاقبت اصلیہ وہ ہے جو عاقبت خیر پر ہو اور رہی عاقبت سوء یعنی برا انجام تو اس کا شمار نہیں کیا گیا کیونکہ وہ فجار کی تحریف سے ہوتی ہے۔ پھر اس کو مؤکد فرمایا: ''اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ''۔ یعنی منکرین اور کفار اخروی کامیابی کو حاصل نہیں کر سکے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور فرعون نے کہا: اے درباریو! میں اپنے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں جانتا، اُس نے

کہا: اے ہامان! تم میرے لیے مٹی کی اینٹیں آگ پر پکاؤ، پھر میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تا کہ میں موسیٰ کے معبود کو دیکھ سکوں، اور بے شک میں موسیٰ کو جھوٹوں میں سے گمان کرتا ہوں O" (القصص: ٣٨)

"وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ": فرعون کا طریقہ یہ تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حجت اور دلیل ظاہر ہوتی تو وہ اُس میں کوئی شبہ ڈالتا، اور یہاں پر اس نے یہ شبہ ڈالا کہ میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا کوئی معبود ہے اور اس نے اپنے نفس کے لیے الوہیت کو ثابت کیا اور اس پر کوئی دلیل نہیں تھی۔

دوسرا شبہ یہ تھا کہ اس نے کہا کہ "اے ہامان! تم میرے لیے مٹی کی اینٹیں آگ پر پکاؤ، پھر میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تا کہ میں موسیٰ کے معبود کو دیکھ سکوں، اور بے شک میں موسیٰ کو جھوٹوں میں سے گمان کرتا ہوں"۔

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ فرعون کو یہ کیسے پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۞ ۔ (الشعراء: ٢٣-٢٤)" (فرعون نے کہا: تمام جہانوں کا رب کون ہے؟O موسیٰ نے کہا: وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کے اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، اُن کے رب ہیں اگر تم یقین کرنے والے ہو)۔ تو اس سے فرعون یہ سمجھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رب آسمانوں میں ہے، اور یہ بھی فرعون کی خباثت تھی۔

اس میں اختلاف ہے کہ کیا فرعون نے یہ عمارت بنائی تھی۔ ایک قوم نے یہ کہا کہ اس نے عمارت بنائی اور اس نے اپنے تمام عُمّال کو جمع کیا حتیٰ کہ پچاس ہزار عُمّال جمع ہو گئے اور انہوں نے پکی اینٹیں آگ میں پکائیں اور چونے کو، لکڑیوں کو اور کیلوں کو جمع کیا اور وہ عمارت مضبوط بنائی، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو غروبِ آفتاب کے وقت بھیجا، انہوں نے اپنا ایک پَر مارا تو اُس عمارت کے تین ٹکڑے کر دیئے۔ ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر پر گرا تو اُس سے دس لاکھ فرعونی ہلاک ہو گئے، دوسرا ٹکڑا سمندر میں گرا اور تیسرا ٹکڑا مغرب کی جانب گرا اور فرعون کے جتنے بھی بنانے والے عمال تھے وہ سب ہلاک ہو گئے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ فرعون اُس عمارت پر چڑھا اور اُس نے آسمان کی طرف تیر پھینکے تو وہ تیر اُسی کی طرف خون آلودہ ہو کر لوٹ آئے، تو اُس نے کہا: "میں نے موسیٰ کے معبود کو قتل کر دیا"۔ پس اُس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اس عمارت کو منہدم کرنے کے لیے بھیجا۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس نے وہ عمارت نہیں بنائی، کیونکہ عقل والوں کے نزدیک بہت بعید ہے کہ وہ اس عمارت پر چڑھ کر آسمان کے قریب پہنچ جاتا، جب کہ انہیں علم ہے کہ وہ کسی بلند پہاڑ پر چڑھیں تب بھی آسمان کو اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح زمین سے آسمان کو دیکھتے ہیں۔ پس زیادہ قریب یہ ہے کہ اُس نے یہ وہم ڈالا تھا کہ وہ عمارت بنائے گا اور وہ اس عمارت کو نہ بنا سکا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "فرعون اور اس کے لشکر والوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے O" (القصص: ٣٩)

"وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ": حق کے ساتھ بڑائی کا اظہار کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے اور

وہی حقیقت میں کبریائی کے لائق ہیں۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: کبریائی میری چادر ہے اور عزت میرا تہبند ہے، پس جس نے ان میں سے کسی ایک کو بھی چھیننے کی کوشش کی، میں اُس کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔

(مسند احمد: ۳۸۲/۲، مسند الحمیدی: ۱۱۸۲، معرفۃ السنن والآثار: ۲۰۸۳۶، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشر، ج ۳، ص ۳۲۰)

"وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ": اس آیت سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ اللہ عزوجل کے عارف تھے لیکن وہ سرکشی اور تکبر کی وجہ سے آخرت کا انکار کرتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سو ہم نے فرعون کو اور اُس کے لشکروں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا، سو آپ دیکھیے کہ ظالموں کا کیسا انجام ہوا ○" (القصص: ۴۰)

"فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ": یعنی اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اور اُس کے لشکر کو قہر اور غلبہ کے ساتھ پکڑ لیا اور اُن کی حقارت کی طرف یہ اشارہ فرمایا کہ ہم نے اُن کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا، پس وہ سب غرق فرما دیئے گئے ہیں اور وہ اپنی کثرت اور قوت کے باوجود چھوٹی چھوٹی کنکریوں کی طرح ہو گئے جن کو کوئی شخص اٹھا کر سمندر میں پھینک دیتا ہے۔ پس غور کرنے والے لوگو! دیکھو کہ ظلم کرنے والوں کا کس طرح انجام ہوتا ہے، حتیٰ کہ وہ سب ہلاک ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کو بھی ڈرایا ہے کہ وہ بھی ایسا نہ کریں۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ ہر ظالم کا انجام اسی طرح ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے انہیں دنیا میں کفر کا سردار بنا دیا، وہ لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن اُن کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی ○" (القصص: ۴۱)

"وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ": یعنی ہم نے اُن کو دنیا میں گمراہوں کا پیشوا بنا دیا۔ اور جو اپنے انجام سے غافل ہوں اور کفر اور نافرمانی میں مشغول رہیں تو اُن کا انجام یہ ہوتا ہے کہ انہیں دوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اور جو ائمہ حق ہیں وہ اُن چیزوں کی دعوت دیتے ہیں جو جنت کو واجب کرنے والی ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور برے کاموں سے بچیں۔ اور قیامت کے دن اُن ظالموں کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے دنیا میں اُن کے پیچھے لعنت مسلّط فرما دی اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے ○" (القصص: ۴۲)

"وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ": اس کا معنی ہے کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی لعنت ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ قیامت کے دن یہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بدحال لوگوں سے مراد یہ ہے کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے اور ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی صورتوں کو بگاڑ دیں گے اور اُن کے اعمال بھی بگاڑ دیں گے۔

(التفسیر الکبیر، ج ۸، ص ۵۹۲-۶۰۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىٕرَ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور بے شک ہم نے پچھلی قوموں کو ہلاک فرمانے کے بعد موسیٰ کو کتاب (تورات) عطا فرمائی جو لوگوں کے لیے بصیرت ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے، تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں ○

وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۴۴﴾

اور (اے رسول اکرم!) جب ہم نے پہاڑ طور کی مغربی جانب موسیٰ کو رسول بنایا، اُس وقت آپ خود موجود نہ تھے اور نہ حاضرین میں شامل تھے ○

وَ لٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَ مَا كُنْتَ ثَاوِیًا فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۙ وَ لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ﴿۴۵﴾

اور بلکہ ہم نے (موسیٰ کے بعد) کئی قوموں کو پیدا فرمایا اور اُن پر ایک زمانہ گزر گیا اور نہ آپ مدین کے رہنے والوں میں سے تھے کہ اُن پر ہماری آیات کو پڑھ کر سناتے لیکن ہم آپ کو رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں ○

وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَیْنَا وَ لٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور آپ اُس وقت طور کی جانب نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ کو ندا فرمائی بلکہ (آپ کو رسول بنانا) آپ کے رب کی رحمت ہے تا کہ آپ اُن لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا شاید وہ نصیحت حاصل کر لیں ○

وَ لَوْ لَاۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَیَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾

اور ایسا نہ ہو کہ ان کافروں کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی عذاب آئے تو وہ یہ کہیں کہ اے ہمارے رب! آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم آپ کی آیات کی پیروی کرتے اور ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے ○

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُوْتِیَ مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰى ؕ اَوَ لَمْ یَكْفُرُوْا بِمَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَ قَالُوْۤا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

پھر جب ان کافروں کے پاس ہماری طرف سے برحق رسول آ گئے تو انہوں نے کہا: اس رسول کو ایسے معجزات کیوں نہیں دیے گئے جیسے موسیٰ کو دیے گئے، کیا وہ اس سے پہلے موسیٰ کو دیے گئے معجزات کا کفر نہیں کر چکے تھے، ان لوگوں نے کہا: یہ دونوں (قرآن و تورات) جادو ہیں جو ایک دوسرے کے موافق ہیں اور انہوں نے کہا: ہم ان سب کا کفر کرتے ہیں O

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۹﴾

آپ کہیے: تم اللہ کی طرف سے کوئی کتاب لاؤ جو قرآن اور تورات دونوں سے زیادہ ہدایت عطا فرمانے والی ہو، میں (بھی) اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو O

فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا یَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۰﴾ ع

پس اگر وہ آپ کی اس بات کو قبول نہ کریں تو آپ جان لیجئے کہ وہ صرف اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں اور اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرے، بے شک اللہ ظلم کرنے والے لوگوں کو ہدایت عطا نہیں فرماتا O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک فرمانے کے بعد موسیٰ کو کتاب (تورات) عطا فرمائی جو لوگوں کے لیے بصیرت ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O'' (القصص: ۴۳)

پچھلی قوموں کے کفار کو ہلاک فرمانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنانا

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ، القصص: ۴۳ تا ۵۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىٕرَ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ'':

''الْكِتٰبَ'': یعنی التوراۃ جو دارین میں ہدایت اور خیر کی جامع ہے۔ ابوحیان اندلسی نے کہا: یہ سب سے پہلی کتاب ہے جس میں فرائض اور احکام نازل فرمائے گئے ہیں۔

''مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى'': یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے لے کر فرعون کی قوم تک ہلاک ہونے والوں کے بعد۔ اس آیت میں ''الْقُرُوْنَ'' کا لفظ ہے، یہ قرن کی جمع ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایک زمانے میں جمع ہوئے، یعنی دنیا میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام کی قوموں کو ہلاک فرمانے کے بعد۔

علامہ الراغب اصفہانی نے کہا ہے: یہاں پر ہلاک بہ معنی موت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موت کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ موت کے معنی میں مذمت نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ''اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ ... (النساء: ۱۷۶)'' (اگر کوئی (ایسا) مرد فوت ہو جائے)۔ نیز اللہ

تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۔(الجاثیہ: ۲۴)'' (کافروں نے کہا: ہماری زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہے، ہم میں سے بعض مرتے ہیں اور بعض جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہلاک کرتا ہے)۔ اور نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۔(المومن: ۳۴)'' (اور اللہ کی قسم! تمہارے پاس موسیٰ سے پہلے یوسف روشن معجزات لے کر آئے تھے تو تم ان کے لائے ہوئے دین کے بارے میں شک ہی کرتے رہے یہاں تک کہ جب وہ فوت ہوئے تو تم نے کہا: ''اللہ اُن کے بعد ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا'')۔ ان تمام آیات میں ہلاکت کا معنی مرنا اور فوت ہونا ہے۔

''بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ'': البصائر بصیرت کی جمع ہے اور یہ قلب میں وہ نور ہے جس سے انسان بصیرت حاصل کرتا ہے جیسا کہ آنکھ میں ایک نور ہے جس سے انسان ظاہری اشیاء کو دیکھتا ہے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ کتاب بنی اسرائیل کے قلوب کے لیے انوار تھی جس سے وہ حقائق اشیاء کا ادراک کرتے تھے اور حق اور باطل میں تمیز کرتے تھے، جب کہ وہ فہم اور ادراک سے بالکلیہ اندھے ہو چکے تھے۔

''وَهُدًى'': اور یہ کتاب احکام شرعیہ کی طرف ہدایت دینے والی ہے۔

''انسان العیون'' میں لکھا ہے کہ تورات وہ پہلی کتاب ہے جو احکام شرعیہ پر شامل ہے، اس کے برخلاف جو پہلی کتابیں تھیں وہ احکام شرعیہ پر مشتمل نہیں تھیں اور اللہ عزوجل کے واحد ہونے پر ایمان لانے اور ان کی ذات وصفات کے بیان میں تھیں۔

''وَرَحْمَةً'': یعنی جو اس کتاب کے احکامات پر عمل کرے گا، اُس پر اللہ عزوجل رحمت فرمائیں گے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو اور نہ کسی زمانہ کے لوگوں کو اور نہ کسی امت کو اور نہ کسی بستی والوں کو کسی آسمانی عذاب سے روئے زمین پر ہلاک نہیں فرمایا، جب سے اللہ عزوجل نے تورات نازل فرمائی ہے سوا اُس بستی کے جس کو مسخ کرکے بندر بنا دیا گیا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''اور بے شک ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک فرمانے کے بعد موسیٰ کو کتاب (تورات) عطا فرمائی جو لوگوں کے لیے بصیرت ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O (القصص: ۴۳)''۔ (المستدرک: ۳۵۲۴، الجامع الصحیح للسنن والمسانید ج ۲۰ ص ۴۰۹)

''لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ'': تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) جب ہم نے پہاڑ طور کی مغربی جانب موسیٰ کو رسول بنایا، اُس وقت آپ خود موجود نہ تھے اور نہ حاضرین میں شامل تھے O'' (القصص: ۴۴)

''وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ'': یعنی اے رسولِ اکرم! آپ اس وقت پہاڑ طور کی مغربی جانب نہ تھے یا اُس جگہ کی مغربی جانب میں نہ تھے جہاں پر میقات واقع ہوا۔

''اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ'': جب ہم نے موسیٰ سے عہد لیا اور اُن پر نبوت کی وحی فرمائی اور اُن کو کتاب و تورات عطا فرمائی، اُس وقت آپ موجود نہ تھے۔ اور نہ آپ اُن لوگوں میں سے تھے جو وحی کا مشاہدہ کر رہے تھے اور یہ ستر بنی اسرائیل تھے جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے میقات کے لیے اختیار کرلیا تھا، حتیٰ کہ آپ مشاہدہ کرتے کہ اس میقات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا

معاملہ ہوا۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ اخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا ۔ (الاعراف: ۱۵۵)'' (اور موسیٰ نے ہمارے پاس حاضر ہونے کے لیے ستر مردوں کو چن لیا)۔ اور اُن کے لیے الواح یعنی تختیوں میں تورات لکھی گئی جو آپ لوگوں کو اس کی خبر دیتے۔ اور مراد یہ ہے کہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے متعلق جو خبریں دی ہیں، وہ صرف غیب کی خبریں ہیں جن کو جاننے کا وحی کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بلکہ ہم نے (موسیٰ کے بعد) کئی قوموں کو پیدا فرمایا اور اُن پر ایک زمانہ گزر گیا اور نہ آپ مدین کے رہنے والوں میں سے تھے کہ اُن پر ہماری آیات کو پڑھ کر سناتے لیکن ہم آپ کو رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں ○ ''(القصص: ۴۵)

''وَ لٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَ مَا كُنْتَ ثَاوِیًا فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۙ وَ لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ '': لیکن ہم نے آپ کے زمانہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک بہت ساری قوموں کو پیدا فرمایا، جن پر بہت مدتیں گزر گئیں، پس لوگ پچھلے عہود کو بھول گئے اور علوم مٹ گئے اور وحی منقطع ہو گئی۔

''وَ مَا كُنْتَ ثَاوِیًا فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۙ وَ لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ '': اور اس وقت آپ وہاں موجود نہیں تھے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس ٹھہرے تھے، لیکن ہم آپ کو رسول بنانے والے تھے اور آپ کی طرف ان آیات کی وحی نازل فرمانے والے تھے۔ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ زمانہ فترت (انقطاع نبوت) کے قریب تھا، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان انقطاع نبوت کا زمانہ تھا اور یہ پانچ سو پچاس سال تھا، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۔ (یٰس: ۶)'' (تا کہ آپ اس قوم (قریش) کو عذاب سے ڈرائیں جن کے باپ دادا کو عذاب سے نہیں ڈرایا گیا، لہٰذا وہ بے خبر ہیں)۔ اس سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے درمیان فترت کا زمانہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی دعوت بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ اُس وقت طور کی جانب نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ کو ندا فرمائی بلکہ (آپ کو رسول بنانا) آپ کے رب کی رحمت ہے تا کہ آپ اُن لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا شاید وہ نصیحت حاصل کر لیں ○ ''(القصص: ۴۶)

''وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَیْنَا وَ لٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ '': اور اے رسول اکرم! آپ اس وقت پہاڑ طور کی داہنی جانب نہ تھے، جس وقت ہم نے موسیٰ کو ندا فرمائی کہ اے موسیٰ! بے شک میں اللہ رب العالمین ہوں اور ہم نے اُن کو نبی بنایا اور اپنا رسول بنا کر فرعون کی طرف بھیجا جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے: ''وَ نَادَیْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَیْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا ۔ (مریم: ۵۲)'' (اور ہم نے اُن کو طور کی دائیں جانب سے ندا فرمائی اور اُن کو مقرب اور راز دار بنایا)۔ اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تکریماً نام نہیں لیا نہ اُن کو خطاب فرمایا، تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ وہ ہمیشہ جانب غربی میں رہے ہیں۔

"وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ": لیکن ہم نے آپ کو قرآن ناطق دے کر بھیجا جو ہماری طرف سے آپ کے لیے اور لوگوں کے لیے عظیم رحمت ہے۔

"لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ": تا کہ آپ اس قوم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں جس قوم کے پاس اب تک کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا، کیونکہ آپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان انقطاع نبوت کا زمانہ تھا اور یہ ساڑھے پانچ سو سال ہے۔ یا آپ کے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے درمیان انقطاع نبوت کا زمانہ تھا، کیونکہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی دعوت بنی اسرائیل کے ساتھ خاص ہے۔

"لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ": شاید کہ یہ آپ کے عذاب سے ڈرانے کی وجہ سے نصیحت حاصل کریں۔ اور اس آیت میں ندا اس پر تنبیہ کرنے کے لیے ہے کہ ان میں سے ہر ایک مستقل دلیل ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قصہ کو بیان فرمانا اللہ تعالیٰ کی وحی کی وجہ سے تھا۔

قاضی بیضاوی نے کہا ہے: القصص: ۴۶ میں جو فرمایا "وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَیْنَا"، یہ اس وقت فرمایا تھا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی تھی۔ اور جب فرمایا: "وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَاۤ" تو اس سے مراد ہے کہ جب ہم نے اُن کو نبی بنایا، کیونکہ یہ دونوں آیتیں ایک قصہ میں مذکور ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ایسا نہ ہو کہ ان کافروں کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی عذاب آئے تو وہ یہ کہیں کہ اے ہمارے رب! آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم آپ کی آیات کی پیروی کرتے اور ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے ○" (القصص: ۴۷)

"وَلَوْ لَاۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَیَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ": اس آیت میں کفار کے کفر اور اُن کی نافرمانیوں اور بدکاریوں کی نسبت اُن کے ہاتھوں کی طرف فرمائی ہے، کیونکہ اکثر اعمال ہاتھوں سے کیے جاتے ہیں، اگرچہ دل کے کام بھی ہوتے ہیں۔ اس میں اکثر کو اقل پر تغلیب دی ہے، پس وہ کفار عذاب دیکھنے کے وقت کہیں گے: "اے ہمارے رب! آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم اس کی پیروی کرتے اور ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے"۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر یہ کفار عذاب دیکھنے کے وقت یہ نہ کہتے کہ آپ نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجا تو اُن کی اس حجت کو منقطع کرنے کے لیے ہم نے رسول بھیجے۔ یعنی اُن کی طرف رسولوں کو بھیجنا اُن پر حجت قائم کرنے کے لیے تھا جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا۔ (النساء: ۱۶۵)" (اور ہم نے ثواب کی بشارت دینے والے رسول بھیجے اور عذاب سے ڈرانے والے رسول بھیجے تا کہ رسولوں کے بھیجنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے خلاف کسی الزام کی گنجائش نہ رہے، اور اللہ بہت غالب، بے حد حکمت والے ہیں)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پھر جب اِن کافروں کے پاس ہماری طرف سے برحق رسول آ گئے تو انہوں نے

کہا: اس رسول کو ایسے معجزات کیوں نہیں دیے گئے جیسے موسیٰ کو دیے گئے، کیا وہ اس سے پہلے موسیٰ کو دیے گئے معجزات کا کفر نہیں کر چکے تھے، ان لوگوں نے کہا: یہ دونوں (قرآن و تورات) جادو ہیں جو ایک دوسرے کے موافق ہیں اور انہوں نے کہا: ہم ان سب کا کفر کرتے ہیں O" (القصص:۴۸)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کفار کے اعتراض کا جواب

"فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا": پس جب اہل مکہ کے پاس حق آ گیا۔ اس آیت میں حق کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو کتاب اور سنت سے عام ہے اور جو احکام کتاب اور سنت سے بہ طور قیاس مستنبط ہوتے ہیں، اُن کو بھی شامل ہے۔ "قَالُوْا لَوْلَاۤ اُوْتِیَ مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰی": اہل مکہ اور دوسرے لوگوں نے عناد اور سرکشی سے کہا: اس نبی کے پاس ایسے معجزات کیوں نہیں ہیں جیسے موسیٰ کو دیے گئے تھے، مثلاً اُن کو ید بیضاء عطا فرمایا گیا اور لاٹھی عطا فرمائی گئی اور اُن پر تورات یکبارگی نازل فرما دی گئی۔

"اَوَلَمْ یَكْفُرُوْا بِمَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ": یعنی عرب اور جن بنی اسرائیل کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پہنچی تھی، کیا انہوں نے اس قسم کے کفریہ کلمات نہیں کہے تھے۔ کیا فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ نہیں کہا تھا کہ موسیٰ اور ہارون دونوں جادوگر ہیں اور یہ دونوں جادو کرنے پر ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں۔ یعنی اس قسم کا اعتراض جو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اہل مکہ نے کیا ہے اس سے پہلے اسی قسم کا اعتراض بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کر چکے ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ یہ ضمیر حضرت محمد اور حضرت موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام دونوں کے لیے ہو۔ علامہ البقاعی نے کہا ہے کہ یہی زیادہ قوی ہے، کیونکہ روایت ہے کہ قریش یہود کے پاس آئے اور ان سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے ان کو خبر دی کہ ان کی کتابوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت لکھی ہوئی ہے۔ تب انہوں نے یہ بات کہی کہ یہ دونوں جادو ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ابتداءِ کلام ہو گویا کہ یہ کہا گیا کہ ان کفار نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کیا ہے اس کی وجہ کیا تھی تو عربوں نے کہا: یہ دونوں مرد جادوگر ہیں یا یہ دونوں کتابیں جادو ہیں اور ان میں سے ایک نے دوسرے کی مدد کی ہے حالانکہ ہر عقل مند کے نزدیک اُن کا یہ کلام باطل تھا کیونکہ اگر معجزہ کی شرط جادو ہوتی تو اُن جادوگروں کے جادو پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا کے ذریعے غالب آ چکے تھے اور رہے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ نے تمام روئے زمین والوں کو جنات و انسانوں کو قرآن مجید کا معارضہ کرنے کی دعوت دی اور یہ خبر دی کہ وہ اس کا معارضہ کرنے سے عاجز ہیں خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد کیوں نہ کریں، پس سب عاجز ہو گئے اور قرآن مجید کی نظیر نہ لا سکے۔

علامہ نسفی لکھتے ہیں:

"فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا": یعنی جب ان کافروں کے پاس قرآن آ گیا یا وہ رسول آ گیا جو اس کتاب کے مصدق تھے تو کفار مکہ نے کہا: ان کو وہ چیز کیوں نہیں دی گئی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی، کیونکہ ان پر کتاب یکبارگی کیوں نہیں نازل کی گئی۔ "اَوَلَمْ یَكْفُرُوْا": یعنی ان جیسے لوگوں نے پہلے کفر یا عناد نہیں کیا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھے اور قرآن کے نازل ہونے سے پہلے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات عطا فرمائے گئے تھے کیا انہوں نے ان کا انکار نہیں کیا تھا اور انہوں نے حضرت

موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے متعلق کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں۔ "وَ قَالُوْۤا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ": یعنی ان میں سے ہم ہر ایک کا کفر کرتے ہیں۔ اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اہلِ مکہ نے جس طرح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا کفر کیا تھا اسی طرح انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کا کفر کیا تھا۔

اور انہوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت محمد علیہما السلام کے متعلق کہا: "سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا" یہ دونوں جادوگر ہیں، یا تورات اور قرآن دونوں کے متعلق کہا کہ یہ دونوں جادو ہیں۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے جب انہوں نے مدینہ کے یہودیوں کی طرف کسی کو بھیج کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ ان کا ذکر ہماری کتابوں میں ہے، پھر وہ یہودی قریش کی طرف گئے اور ان کو یہود کا قول بتایا تو اس وقت انہوں نے کہا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں۔

(مدارک التنزیل ج ۳ ص ۷۳۴-۷۳۸ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " آپ کہیے: تم اللہ کی طرف سے کوئی کتاب لاؤ جو قرآن اور تورات دونوں سے زیادہ ہدایت عطا فرمانے والی ہو، میں (بھی) اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو ○" (القصص:۴۹)

"قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ": یعنی اے رسولِ اکرم! آپ ان پر الزام قائم کرتے ہوئے کہیں: اگر تم لوگ اس بات میں صادق ہو کہ میں جادوگر ہوں اور میری کتاب جادو ہے اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی جادوگر تھے اور ان کی کتاب بھی جادو تھی، پس تم اللہ عزوجل کی طرف سے کوئی کتاب لے آؤ جو تورات اور قرآن سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو تو میں تمہاری اس کتاب کی پیروی کروں گا، اے کفار! اگر تم اس بات میں سچے ہو۔ علامہ بیضاوی نے کہا کہ یہ ان شروط میں سے ہے جن سے کسی پر حجت قائم کرنے اور اس کو خاموش کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " پس اگر وہ آپ کی اس بات کو قبول نہ کریں تو آپ جان لیجئے کہ وہ صرف اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں اور اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرے، بے شک اللہ ظلم کرنے والے لوگوں کو ہدایت عطا نہیں فرماتے ○"

(القصص:۵۰)

انسانی خواہش کی تین قسمیں

"فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا یَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْؕ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ": اور اگر یہ ایسی کتاب نہ لا سکیں جو زیادہ ہدایت دینے والی ہو تو آپ یقین رکھیں کہ یہ اپنے کفر اور تکذیب اور اپنی باطل خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشوں کی پیروی کرے، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں عطا فرماتے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ انسان کی خواہشات تین قسم کی ہیں: انسانی خواہش کی پہلی قسم یہ ہے کہ خواہش اس پر غالب ہو

جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ (الجاثیہ:۲۳)'' (بھلا یہ تو بتلاؤ کہ جس شخص نے نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا، اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہی میں چھوڑ دیا، اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا (کیا وہ ہدایت پائے گا؟) پس اللہ کے (گمراہی میں چھوڑ دینے کے) بعد اسے کون ہدایت دے گا؟ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو؟)۔ انسانی خواہش کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسان اُس خواہش کے خلاف جھگڑے اور مزاحمت کرے اور انہی کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدح فرمائی ہے۔ روایت میں ہے: تم اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرو جس طرح تم دشمنوں سے جہاد کرتے ہو۔ (ہمیں اس روایت کا حوالہ کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ملا۔ سعیدی غفرلہ)۔ اور انسانی خواہش کی تیسری قسم یہ ہے کہ انسان اپنی خواہش پر اس طرح غلبہ پالے جس طرح انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے قدس اللہ اسرارھم اپنی خواہشوں پر غالب ہوتے ہیں اور انہی کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ ہے: ''وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔ (النازعات:۴۰)'' (اور جو اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے (اپنے) نفس کو (بری) خواہش سے روکا ۝ تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیدا ہونے والے شیطان کا مسلمان ہونا

شریک بن طارق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میرے ساتھ بھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی سو وہ مسلمان ہو گیا۔

(صحیح ابن حبان: ۶۴۱۶، موارد الظمآن ج ۱ ص ۵۱۵، الجامع الصحیح للسنن والمسانید، ج ۳ ص ۸۳، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرہ ج ۱۱ ص ۲۱۱، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۹۷، المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۲۲۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک جن کو مؤکل کیا گیا ہے، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی، سو وہ مسلمان ہو گیا۔ پس وہ مجھے نیکی کے سوا کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۱۴، مسند ابن ابی شیبہ: ۲۸۱، مسند احمد: ۳۶۴۸، صحیح ابن خزیمہ: ۶۵۸، شرح مشکل الآثار: ۱۰۹، المسند للشاشی: ۸۲۳، صحیح ابن حبان: ۶۴۱۷، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۵۲۲، شرح السنۃ للبغوی: ۴۲۱۱، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرہ ج ۱ ص ۲۱۱)

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اور آپ کا دل اور آپ کی زبان شیطان سے محفوظ ہے اور اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ شیطان کے وسوسہ کے فتنہ اور اس کے گمراہ کرنے سے محفوظ ہیں۔

عقل مند انسان کو چاہیے کہ وہ اہلِ ہدایت میں سے رہے نہ کہ اہلِ ھویٰ میں، اور جب انسان کے سامنے دو امر پیش ہوں اور اس کو یہ پتا نہ ہو کہ ان میں سے کون سا درست ہے تو اُسے چاہیے کہ اُس کو اختیار کرے جس کو اُس کی طبیعت ناپسند کرتی ہے، نہ اُس کو جو اُس کی خواہش کے مطابق ہو، کیونکہ جب انسان اپنی خواہش کے خلاف پر عمل کرتا ہے تو اس میں بہت زیادہ مجاہدہ ہے۔

میں کہتا ہوں: جب انسان کے سامنے دو امر پیش ہوں اور اس کو یہ پتا نہ ہو کہ اُن میں سے کون سا درست ہے تو اسے چاہیے کہ اُن امروں یا کاموں کو کتاب وسنت پر پیش کرے اور جو کتاب وسنت کے مطابق ہو اُس پر عمل کرے خواہ وہ اُس کی خواہش کے موافق ہو یا خلاف ہو۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(روح البیان ج ۶ ص ۵۲۲۔۵۲۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ، السراج المنیر ج ۵ ص ۱۵۰۔۱۵۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور بے شک ہم کافروں کے پاس مسلسل ہدایت کے احکام بھیجتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

جن لوگوں کو ہم نے نزولِ قرآن سے پہلے کتاب عطا فرمائی تھی وہی اُس پر ایمان لاتے ہیں O

وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور جب اُن پر قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں، یہی ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، بے شک ہم اس کے نزول سے پہلے ہی اس کو ماننے والے تھے O

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر پر دگنا اجر عطا فرمایا جائے گا، یہ لوگ برائی کو نیکی کے ساتھ دور کرتے ہیں اور ہمارے عطا فرمائے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں O

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾

اور جب یہ کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں، تم پر سلام ہو، ہم جاہلوں کی صحبت نہیں چاہتے O

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

بے شک آپ اس شخص میں ہدایت پیدا نہیں فرما سکتے جس کو آپ چاہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس میں چاہتے ہیں ہدایت پیدا فرما دیتے ہیں، اور وہی ہدایت کی صلاحیت رکھنے والوں کو زیادہ جاننے والے ہیں O

وَ قَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَاؕ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰۤى اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ(۵۷)

اور بعض کفار نے کہا: اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو ہمیں ہماری سرزمین سے اچک لیا جائے گا، کیا ہم نے اُن کو امن والے حرم میں جگہ نہیں عطا فرمائی جس کی طرف ہماری طرف سے بطور رزق ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے تھے O

وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَاۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِیْلًاؕ وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ(۵۸)

اور ہم نے کتنی بستیوں کے رہنے والوں کو ہلاک فرما دیا جو اپنی زندگی پر اتراتے تھے، سو یہ اُن کے خالی مکانات ہیں جن میں اُن کے بعد بہت کم رہائش رکھی گئی ہے، اور بے شک ہم ہی وارث ہیں O

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى یَبْعَثَ فِیْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَاۚ وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِی الْقُرٰۤى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ(۵۹)

اور آپ کے رب اُس وقت تک بستیوں کو ہلاک نہیں فرماتے حتیٰ کہ اُن بستیوں کے مرکز میں کسی رسول کو مبعوث نہ فرما دیں جو اُن پر ہماری آیات کی تلاوت کریں، اور ہم کسی بستی کے رہنے والوں کو اُسی وقت ہلاک فرماتے ہیں جب وہ ظلم کرنے والے ہوں O

وَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتُهَاۚ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰىؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۠(۶۰)

اور تمہیں جو کچھ بھی عطا فرمایا گیا ہے، وہ دنیا کی زندگی کا حصہ ہے اور اس کی زینت ہے، اور جو اللہ عزوجل کے پاس ہے وہ سب سے بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور بے شک ہم کافروں کے پاس مسلسل ہدایت کے احکام بھیجتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O" (القصص:۵۱)

ایک کے بعد دوسرا قول نازل فرمانے کے محامل

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، القصص: ۵۱ تا ۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَ لَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ": اس آیت میں فرمایا ہے: "وَ لَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ" ـ اور توصیل

التول کا معنی ہے: ایک بیان کے بعد دوسرا بیان لانا۔ اور بعض بیان کو دوسرے بعض بیان کے ساتھ ملانا۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: اے محمد اصلی اللہ علیک وسلم، ہم آپ کی قوم قریش اور بنی اسرائیل کے یہودیوں کے لیے مسلسل ماضی کی خبریں بھیجتے رہے، اور جن قوموں نے ہمارے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور اس کی پاداش میں ہم نے ان پر عذاب نازل فرمایا تھا، ان کی خبریں سناتے رہے، تاکہ یہ لوگ ان کی طرح اللہ کا کفر نہ کریں اور ان کے رسولوں کی تکذیب نہ کریں اور ان کے واقعات سے عبرت حاصل کریں۔ اگر ایک ہی بار پورا قرآن نازل فرما دیا جاتا اور ان پر بار بار آیات نازل نہ ہوتیں تو ان کو نصیحت حاصل کرنے کے اتنے مواقع میسر نہ ہوتے۔

اور ہوسکتا ہے اس سے مراد یہ ہو کہ ہم نے قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا ہے اور اس کا بعض، بعض کے ساتھ متصل ہے تاکہ یہ نصیحت اور تجربہ میں زیادہ قریب ہو، کیونکہ وہ ہر روز ایک دوسری حکمت پر مطلع ہوں گے اور اُن کو زائد فائدہ حاصل ہوگا۔ پس یہ نصیحت حاصل کرنے کے زیادہ قریب ہوگا، اور یہ مشرکین کے اس سوال کا جواب بھی ہے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یکبارگی کتاب کیوں نہیں دی گئی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یکبارگی کتاب دی گئی تھی۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ ہم نے ایک کے بعد دوسرے انبیاء علیہم السلام کی خبروں کو بھیجا ہے اور کفار کی خبروں کو نازل فرمایا ہے اور اُن کی ہلاکت کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے، تاکہ اُن سے عبرت حاصل کرنے اور نصیحت پکڑنے کے مواقع زیادہ ہوں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ ہم نے ایک کے بعد قرآن مجید کے معجز ہونے پر دوسری دلیل بیان فرمائی تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”جن لوگوں کو ہم نے نزولِ قرآن سے پہلے کتاب عطا فرمائی تھی وہی اُس پر ایمان لاتے ہیں O“ (القصص: ۵۲)

جن لوگوں کو نزولِ قرآن سے پہلے کتاب عطا فرمائی تھی، اُن کے مصادیق

”اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ“: اس آیت کی حسبِ ذیل تفاسیر ہیں:

(۱) قتادہ نے بیان کیا کہ یہ آیت اُن اہلِ کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے جو برحق شریعت کے حاملین تھے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو وہ اُن پر ایمان لے آئے اور اُن میں حضرت سلمان فارسی اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما ہیں۔

(۲) مقاتل نے کہا: یہ آیت اہلِ انجیل میں سے چالیس مردوں کے متعلق نازل ہوئی ہے اور یہ وہ لوگ تھے جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ سے کشتی میں بیٹھ کر مدینہ آئے تھے۔

(۳) حضرت رفاعہ بن قرظہ نے کہا: یہ آیت دس افراد کے متعلق نازل ہوئی ہے اور میں بھی اُن میں سے ایک ہوں۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے خصوصیت سبب کا نہیں ہوتا۔ پس ہر وہ جو اس صفت کا حامل ہو وہ اس آیت کے عموم میں داخل ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور جب اُن پر قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان

لا چکے ہیں، یہی ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، بے شک ہم اس کے نزول سے پہلے ہی اس کو ماننے والے تھے○ "(القصص: ۵۳)

"وَ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ": یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کتاب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق نازل ہونا اس کتاب پر ایمان لانے کو واجب کرتا ہے۔ اور "اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ" اس کا اُن کے ایمان لانے کا بیان ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے وہ قریب کے زمانہ میں ایمان لائے ہوں یا بعید کے زمانہ میں۔ پس انہوں نے خبر دی کہ اُن کا ایمان لانا قریب کے زمانہ میں ہے، کیونکہ جب انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی بشارت کو لکھا ہوا پایا، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی عظیم مدح فرمائی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " یہی وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر پر دگنا اجر عطا فرمایا جائے گا، یہ لوگ برائی کو نیکی کے ساتھ دور کرتے ہیں اور ہمارے عطا فرمائے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں○ "(القصص: ۵۴)

مومنین سابقین کو دگنا اجر عطا فرمانے کی وجوہ

"اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ":

اُن کو دگنا اجر عطا فرمانے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) ان مومنین کو دگنا اجر اس لیے عطا فرمایا جائے گا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی آپ پر ایمان لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی آپ پر ایمان لائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ بیان فرمایا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بعثت کے بعد ایمان لائے اور یہ بھی بیان فرمایا کہ آپ کی بعثت سے پہلے بھی وہ ایمان لانے والے تھے، پھر ثابت فرمایا کہ اُن کو دگنا اجر ملے گا۔

(۲) اُن مومنین کو دگنا اجر اس لیے عطا فرمایا جائے گا کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء پر بھی ایمان لائے اور پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے۔

(۳) مقاتل نے کہا: جب یہ لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تو مشرکین نے ان کی مذمت کی، ان لوگوں نے مشرکین کے سب و شتم سے درگزر کیا تو اُن کو دو اجر ملیں گے، ایک اجر ایمان لانے پر اور ایک اجر مشرکین کے سب و شتم پر صبر کرنے پر۔ روایت ہے کہ جب یہ اسلام لے آئے تو ابو جہل نے ان پر لعنت کی، سو وہ خاموش رہے۔ السدی نے کہا: کہ یہود نے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی مذمت کی اور اُن کو برا کہا اور وہ یہی کہتے تھے: "سلام علیکم"۔

پھر فرمایا: "وَ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ": اس کا معنی ہے کہ وہ اپنی اطاعت اور عبادت کے ساتھ اُن کی برائیوں کو دور کرتے تھے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ عفو اور درگزر سے اُن کی ایذاؤں پر درگزر کرتے تھے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الحسنۃ سے مراد اُن کا نافرمانیوں سے رکنا ہو، کیونکہ نافرمانی سے رکنا بھی نیکی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ وہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے رہتے تھے۔

پھر فرمایا: "وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ": (اور ہمارے عطا فرمائے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے اُن کے ایمان لانے کی مدح فرمائی، پھر بدنی عبادات پر مدح فرمائی اور ارشاد فرمایا: "وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ"۔ پھر اُن کی مالی عبادات پر مدح فرمائی، ارشاد فرمایا: "وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ"۔

معتزلہ نے کہا ہے: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ حرام چیز رزق نہیں ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ "مِنْ" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کے خرچ کرنے پر اُن کی مدح فرمائی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جب یہ کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں، تم پر سلام ہو، ہم جاہلوں کی صحبت نہیں چاہتےO" (القصص: ۵۵)

"وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ": لغو اس عبث کلام یا کام کو کہتے ہیں جس کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ وہ لوگ اِن باتوں کو سنتے تھے اور ان میں غور نہیں کرتے تھے بلکہ اُن سے عمدہ طریقہ سے اعراض کرتے تھے۔

"وَقَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ": اور حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: یہ کلمہ مومن کی طرف سے تحیت ہے اور جاہلین سے درگزر کرنے کی علامت ہے۔ اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ (الفرقان: ۶۳)" (اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب اُن سے جاہل بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: ہماری طرف سے سلام ہو)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس قول کی تاکید فرمائی: "لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ"۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہم باطل کا بدلہ باطل کے ساتھ نہیں دیتے۔ اور بعض مفسرین نے کہا: یہ حکم جہاد کے حکم سے منسوخ ہو چکا ہے اور یہ بعید ہے، کیونکہ جاہلوں کی بیہودہ باتوں سے درگزر کرنا مستحب ہے خواہ قتال واجب ہو یا نہ ہو۔ (التفسیر الکبیر ج ۸ ص ۶۰۷۔۶۰۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک آپ اس شخص میں ہدایت پیدا نہیں فرما سکتے جس کو آپ چاہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس میں چاہتے ہیں ہدایت پیدا فرما دیتے ہیں، اور وہی ہدایت کی صلاحیت رکھنے والوں کو زیادہ جاننے والے ہیںO" (القصص: ۵۶)

ابوطالب کے اسلام کے متعلق مفسرین کرام کی آراء

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، القصص: ۵۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ": اس آیت میں کئی مسائل ہیں:

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ ابوطالب نے اپنی موت کے وقت کہا: اے عبد مناف کی جماعت! (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور اُن کی تصدیق کرو تم فلاح پاؤ گے اور کامیاب ہو جاؤ

گے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے چچا! آپ ان کو تو نصیحت کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو چھوڑ رہے ہیں۔ ابوطالب نے کہا: اے میرے بھتیجے! تم کیا چاہتے ہو؟ آپ نے فرمایا: میں آپ سے یہ کلمہ چاہتا ہوں کہ آپ اللہ کو واحد مانیں، کیونکہ آپ دنیا کے ایام میں سے آخری دن میں ہیں، آپ کہیں: لا الٰہ الا اللہ، میں اللہ عزوجل کے پاس آپ کے حق میں شہادت دوں گا، ابوطالب نے کہا: اے میرے بھائی! میں خوب جانتا ہوں کہ تم صادق ہو، لیکن میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ کہا جائے کہ ابوطالب موت سے گھبرا گیا، اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں یہ کلمہ پڑھ لیتا اور دنیا سے فراغ کے وقت تمہاری دونوں آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتا، کیونکہ میں تمہارے شدتِ غم اور نصیحت کو دیکھ رہا ہوں، لیکن میں عنقریب عبد المطلب اور ہاشم اور عبد مناف کے اشیاخ کی ملت پر مروں گا۔

(التفسیر الکبیر ج ۹ ص ۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ابن السیب از والد خود بیان کرتے ہیں کہ جب ابوطالب پر موت کا وقت آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے اور اس کے پاس ابوجہل تھا، آپ نے فرمایا: اے چچا! آپ یہ کلمہ پڑھیے: لا الٰہ الا اللہ، تو میں اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی وجہ سے آپ کے لیے حجت پکڑوں گا، پس ابوجہل نے اور عبد اللہ بن ابی امیہ نے کہا: اے ابوطالب! کیا تم عبد المطلب کی ملت سے اعراض کر رہے ہو؟ وہ دونوں مسلسل ابوطالب سے یہ کہتے رہے، حتیٰ کہ آخری بات جو ابوطالب نے کہی، وہ یہ تھی کہ وہ عبد المطلب کے دین پر ہے، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ضرور آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ فرما دیا جائے، تب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی: ''اللہ کے نبی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اُن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت طلب کریں، خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہوں جب کہ ان پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ مشرکین دوزخ میں رہنے والے ہیں۔۔(التوبہ:۱۱۳)'' اور یہ آیت نازل ہوئی: ''بے شک آپ اس شخص میں ہدایت پیدا نہیں فرما سکتے جس کو آپ چاہیں۔۔(القصص:۵۶)''۔

(صحیح البخاری: ۱۳۶۰، ۳۸۸۴، ۴۶۷۵، ۴۷۷۲، ۶۶۸۱، صحیح مسلم: ۲۴، الرقم المسلسل: ۱۳۱، سنن نسائی: ۲۰۳۵، السنن الکبریٰ: ۱۱۳۸۳، مصنف عبد الرزاق: ۴۶۷۵۔ ۳۸۸۴، الآحاد والمثانی: ۷۲۰، المعجم الکبیر: ۸۲۰، ج ۲۰ ص ۳۴۹، دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۴۲۔ ۳۴۳، الاسماء والصفات ص ۹۷۔ ۹۸، مسند الشامیین: ۳۰۳۳، شرح السنۃ: ۱۲۷۴، صحیح ابن حبان: ۹۸۲، شرح مشکل الآثار: ۲۳۸۶، ۲۳۸۵، ۲۳۸۴، مسند احمد ج ۵ ص ۴۳۳، طبع قدیم، مسند احمد: ۲۳۶۷۴، ج ۳۹ ص ۷۸۔ ۷۹، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، جامع المسانید لابن الجوزی: ۶۲۲۷، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ، مسند الطحاوی: ۳۳۳)

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضور کے چچا ابوطالب کا آخری وقت آپہنچا تو حضور نے جا کر کہا کہ چچا تم صرف اتنا کہہ دو کہ لا الٰہ الا اللہ، تا کہ میں اپنے رب سے تیری شفاعت کر سکوں، لیکن انہوں نے ایسا کہنے سے انکار کر دیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات بھی مروی ہے کہ آخری وقت میں ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کان لگا کر سنا۔ حضور نے جب پوچھا کہ کیا کہہ رہے تھے تو آپ نے جواباً عرض کیا کہ وہی کہہ رہے تھے جس کا آپ نے ان سے مطالبہ فرمایا۔ (سیرت ابن ہشام)

ابوطالب کے اسلام لانے کی روایت پر امام بیہقی اور علامہ ابی کا تبصرہ

بعض علماء نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی ہے اس کی سند منقطع ہے۔ امام بیہقی نے اس روایت کو مسترد کر دیا ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

احادیث میں یہ تصریح ہے کہ ابوطالب کا خاتمہ شرک پر ہوا۔ سہیلی نے کہا ہے کہ میں نے مسعودی کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ ابوطالب کی موت ایمان پر ہوئی لیکن یہ قرآن مجید کی آیات اور ان احادیث کی وجہ سے صحیح نہیں ہے جو اس باب میں مذکور ہیں۔ (الروض الانف ج ۲ ص ۲۲۶)، اور بعض سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عباس نے کہا: میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھ لیا جس کا آپ نے حکم دیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۲ ص ۳۱)۔ اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے نہیں سنا۔ اور عباس اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس لیے ان کی شہادت معتبر نہیں ہے، امام بیہقی نے کہا: اس کی سند منقطع ہے، نیز صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ اسلام لانے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوطالب کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے آخری طبقہ میں ہوتا۔ (صحیح البخاری: ۳۸۸۵، مسند احمد: ۲۱۰۱، عالم الکتب، دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۴۶)۔ اگر یہ کہا جائے کہ ابوطالب دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصدق تھا تو کیا اس وجہ سے اس کو مومن کہا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے ایمان کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ وہ عبد المطلب کی ملت پر ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۱۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ابوطالب کے اسلام لانے کی روایت پر علامہ آلوسی کا تبصرہ

امام ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں یہ لکھا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کو ان کی موت کے وقت کلمہ پڑھنے کی تلقین فرمائی اور انہوں نے اس کو مسترد کر دیا تو عباس نے ان کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھے، انہوں نے ان کے ہونٹوں کے ساتھ کان لگائے، پھر کہا: اے بھتیجے! میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے جس کے پڑھنے کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے نہیں سنا۔ علماء شیعہ نے اس روایت سے ابوطالب کے اسلام پر استدلال کیا ہے اور ابوطالب کے ان اشعار سے استدلال کیا ہے جن میں انہوں نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور ان کی حضور پر جو بہت زیادہ شفقت تھی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت تک مدد کرتے رہے، یہ بات ان کے گھر والوں سے مروی ہے اور ان کے متعلق ان کے گھر والے ہی زیادہ جانتے ہیں۔

شیعہ نے جو یہ دلیل قائم کی ہے اس پر تو رونے والی عورتیں بھی ہنس پڑیں گی، اور ابوطالب کے جو اشعار منقول ہیں، اول تو ان کی سند منقطع ہے اور اس کے علاوہ ان اشعار میں توحید اور رسالت کی شہادت نہیں ہے اور ایمان کا مدار اس شہادت پر ہے، باقی رہا ان کی حضور پر شفقت اور ان کی نصرت تو ان کا کوئی منکر نہیں ہے اور ابوطالب کے ایمان پر جو شیعہ روایات ہیں تو وہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔

ہاں مومنین پر لازم ہے کہ وہ ابوطالب کے معاملہ کو اس طرح نہ قرار دیں جس طرح ابوجہل اور اس قسم کے باقی کافروں کے

معاملہ کو قرار دیتے ہیں، کیونکہ ابوطالب کو ان پر فضیلت حاصل ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نیک سلوک کرتے تھے، احادیث میں ہے کہ ابوطالب کی ان نیکیوں کی وجہ سے ان کو آخرت میں نفع پہنچے گا تو دنیا میں ان کو کم از کم اتنا نفع تو پہنچنا چاہیے کہ ان پر عام کافروں کی طرح لعن طعن نہ کی جائے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ کے سامنے آپ کے چچا کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: شاید قیامت کے دن میری شفاعت سے اس کو فائدہ پہنچے گا اور اس کو تھوڑی سی آگ میں رکھا جائے گا جو اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی، اس سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ (صحیح البخاری: ۳۸۸۵، مسند احمد: ۱۰۷۳، عالم الکتب)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے اپنے چچا سے کس چیز کو دور کیا وہ آپ کی مدد کرتے تھے اور آپ کی خاطر غضب ناک ہوتے تھے؟ آپ نے فرمایا: وہ اب تھوڑی سی آگ میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتے۔ (صحیح البخاری: ۳۸۸۳، صحیح مسلم: ۲۰۹)

اور میرے نزدیک ابوطالب کو برا کہنا سخت مذموم ہے، خصوصاً اس لیے کہ اس سے بعض علویین کو ایذاء پہنچتی ہے اور ہم کو اس سے منع فرمایا گیا ہے، اور حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۳۳ ص ۱۹۵، رقم الحدیث: ۸۸۵۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی انسان کے اسلام کی اچھی صفات میں سے یہ ہیں کہ وہ بے مقصد باتوں کو ترک کر دے۔ (المعجم الکبیر: ۲۷۴۳، المعجم الصغیر: ۱۰۸۰)

(روح المعانی، جز ۱۱ ص ۳۸-۳۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷)

القصص: ۵۶ اور الشوریٰ: ۵۲ میں تعارض کا جواب

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: "اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ" اور دوسری آیت میں فرمایا ہے: "وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ (الشوریٰ: ۵۲)" (اور بے شک آپ ضرور سیدھے راستہ (اسلام) کی طرف راہنمائی کرتے ہیں)۔ کیونکہ جس آیت میں فرمایا ہے کہ آپ ضرور سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتے ہیں، اس سے مراد ہے لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے ہیں اور ایمان کی دعوت دیتے ہیں، اور جس آیت میں ہدایت کی نفی فرمائی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ہدایت کی توفیق دینے پر قادر نہیں ہیں۔ اور ہدایت کی توفیق ایک نور ہے جو دل میں ڈالا جاتا ہے جس سے دل زندہ ہو جاتے ہیں جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ (الانعام: ۱۲۲)" (اور کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ فرما دیا اور ہم نے اس کے لیے نور پیدا فرمایا جس نور کے ساتھ وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، کیا وہ شخص اس کی مثل ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو، ان اندھیروں سے نکل نہ سکتا ہو، اسی طرح کافروں کے لیے ان کے وہ کام خوشنما بنا دیے گئے جن کو وہ کرتے تھے)۔

القصص: ۵۶ اور الشوریٰ: ۵۲ میں تعارض کے دیگر جوابات

اس آیت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایت دینے کی نفی فرمائی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ" (بے شک آپ اس شخص میں ہدایت پیدا نہیں فرما سکتے جس کو آپ چاہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس میں چاہتے ہیں ہدایت پیدا فرما دیتے ہیں)، اور دوسری آیت میں آپ کے

ہدایت دینے کو ثابت فرمایا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ (الشوریٰ: ۵۲)'' (اور بے شک آپ ضرور سیدھے راستہ (اسلام) کی طرف راہنمائی کرتے ہیں)۔ اور بہ ظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے، اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) ہدایت دینے کے ثبوت کا معنی یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اسلام اور صراط مستقیم کی دعوت دیتے ہیں اور اس کی نفی کا معنی یہ ہے کہ آپ کسی کو مسلمان نہیں بناتے اور اس کو صراط مستقیم کی توفیق نہیں دیتے، یہ کام صرف اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(۲) نفی کا محمل یہ ہے کہ آپ کسی کے دل میں ہدایت پیدا نہیں کرتے اور ثبوت کا محمل یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی پیدا فرمائی ہوئی ہدایت کو نافذ فرماتے ہیں۔

(۳) آپ خلقاً ہدایت نہیں فرماتے اور کسباً ہدایت فرماتے ہیں۔

(۴) آپ حقیقتاً ہدایت نہیں فرماتے اور ظاہراً فرماتے ہیں۔

(۵) آپ وعظ اور تبلیغ کے ذریعے ہدایت فرماتے ہیں اور اس کا اثر اللہ تعالیٰ پیدا فرماتے ہیں۔

(۶) آپ ارادۃ الطریق (راستہ دکھاتے ہیں) اور ایصال الی المطلوب کرنا اللہ عزوجل کا منصب ہے، یعنی وہ مطلوب تک پہنچا دیتے ہیں، دنیا میں مومن بنا دیتے ہیں اور آخرت میں جنت عطا فرماتے ہیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں، ان کو علم ہے کس کا دل ہدایت قبول کرنے کے قابل ہے اور کس کے دل پر مہر لگی ہے، لہٰذا کس کو ہدایت عطا فرمائی ہے اور کس کو ہدایت عطا نہیں فرمائی، اس کے برخلاف آپ عالم الغیب نہیں ہیں، آپ ہر ایک کو وعظ اور تبلیغ کریں گے خواہ اس کے دل پر مہر لگی ہو یا نہ ہو۔ (سعیدی غفرلہ)

''وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ'': اس آیت کا معنی ہے کہ علمِ غیب کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی مخصوص ہیں، وہی جانتے ہیں کہ کون اب تک ہدایت پائے گا اور کون نہیں پائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے شبہات کا ذکر کر کے ان کے واضح جوابات فرمائے اور یہ بیان فرمایا کہ دلائل کا واضح ہونا کافی نہیں ہے جب تک کہ اُس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ہدایت نہ مل جائے۔ اور اُن کے اُس شبہ کو نقل کیا جو دنیا کے احوال سے متعلق تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بعض کفار نے کہا: اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو ہمیں ہماری سرزمین سے اچک لیا جائے گا، کیا ہم نے اُن کو امن والے حرم میں جگہ نہیں دی جس کی طرف ہماری طرف سے بطور رزق ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے تھے O'' (القصص: ۵۷)

''وَقَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰۤى اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ'': المبرد نے کہا کہ الخطف کا معنی ہے: جلدی سے کسی چیز کو چھین لینا۔

روایت ہے کہ حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: بے شک ہم ضرور جانتے ہیں کہ آپ جو کہتے ہیں وہ حق ہے، لیکن ہم کو اس حق کے قبول کرنے سے یہ چیز مانع ہے کہ ہم کو ہماری زمین سے اچک لیا جائے گا۔ یعنی لوگ ہم

سے جنگ کرنے پر جمع ہو جائیں گے اور ہم کو اس زمین سے نکال دیں گے۔

پس اللہ سبحانہٗ نے اس کے جواب میں فرمایا: ''اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا''۔ یعنی ہم نے حرم کو ایسا مسکن عطا فرمایا ہے جس میں کوئی خوف نہیں ہے، کیونکہ عرب حرم کا احترام کرتے تھے اور حرم کے رہنے والوں پر حملہ کرنے کے درپے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ روایت ہے کہ عرب حرم سے باہر لوٹ مار اور غارت گری میں مشغول رہتے تھے اور حرم کے رہنے والوں کو نقصان پہنچانے کے درپے نہیں ہوتے تھے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝''۔ (آل عمران:۹۶-۹۷) ''(بے شک لوگوں کی خاطر اللہ کی عبادت کے لیے سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا یہ وہی ہے جو مکہ میں ہے (وہ گھر) برکت والا ہے اور تمام جہان والوں کے لیے ہدایت کا سبب ہے O اس گھر میں واضح نشانیاں ہیں، ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، اور جو اس گھر میں داخل ہوا وہ بے خوف ہو گیا، اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ وہ اس کے گھر کا حج (قصد) کریں جو اس گھر کے راستہ (پر جانے) کی طاقت رکھتے ہوں، اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ تمام جہانوں سے بے پرواہ ہے)۔

''يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ'': اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ یہ جگہ آفات اور مصائب سے خالی تھی اور اس میں بہ کثرت نعمتیں تھیں اور تمام دنیا سے پھل اور رزق یہاں پر لائے جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ''۔ (النمل:۲۳) ''(اور اُسے ہر چیز عطا فرمائی گئی ہے)۔

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا اور اس میں بہ کثرت رزق عطا فرمایا، حالانکہ وہ لوگ اللہ عزوجل کی عبادت سے اعراض کرنے والے تھے اور بتوں کی عبادت میں مشغول رہنے والے تھے۔ پس اگر وہ ایمان لے آتے تو اُن کا پچھلی حالت پر باقی رہنا زیادہ لائق تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے کتنی بستیوں کے اُن رہنے والوں کو ہلاک فرما دیا جو اپنی زندگی پر اتراتے تھے، سو یہ اُن کے خالی مکانات ہیں جن میں اُن کے بعد بہت کم رہائش رکھی گئی ہے، اور بے شک ہم ہی وارث ہیں O'' (القصص:۵۸)

''وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۗ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ'': دراصل یہ کفار کے شبہ کا دوسرا جواب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ مکہ کو بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو پے در پے وہ نعمتیں عطا فرمائیں جو اس سے پہلی امتوں کو عطا فرمائی تھیں، پھر جب اُن امتوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے اُن سے اُن نعمتوں کو چھین لیا۔ اور مقصود یہ ہے کہ جب کفار نے کہا: ہم اس خوف سے ایمان نہیں لاتے کہ دنیا کی نعمتیں ہم سے زائل ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو بیان فرمایا کہ نعمتوں کو چھین لینے کا سبب کفر پر اصرار کرنا ہے نہ کہ ایمان لانا ہے۔

''فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ'': یعنی یہ اُن پچھلی امتوں کے گھر ہیں۔ حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اب ان گھروں میں صرف مسافر رہتا ہے یا راستہ سے گزرنے والا ایک دن یا دو دن رہتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی نحوست نے ان پچھلی امتوں کو ہلاک کر دیا اور ان کے آثار اور نشانات ان کے گھروں میں باقی ہیں، پس جو بھی ان کے بعد ان گھروں میں رہا، وہ تھوڑی دیر رہا۔ اور اُن کے ہلاک ہونے کے بعد ہم ہی اُن کے وارث ہیں۔ اور جب کسی معین چیز کا کوئی وارث نہ رہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی میراث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کے بعد باقی رہنے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور آپ کے رب اُس وقت تک بستیوں کو ہلاک نہیں فرماتے حتیٰ کہ اُن بستیوں کے مرکز میں کسی رسول کو بھیج دیں جو اُن پر ہماری آیات کو تلاوت کریں، اور ہم کسی بستی کے رہنے والوں کو اُسی وقت ہلاک فرماتے ہیں جب وہ ظلم کرنے والے ہوں O" (القصص: ۵۹)

"وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِى الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ": پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان بستی والوں کا ہلاک ہونا اس وجہ سے تھا کہ ان کو جو نعمتیں عطا فرمائی گئی تھیں، یہ اُن پر اتراتے تھے۔

گویا کہ کسی سوال کرنے والے نے دو سوال کیے۔ ایک سوال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کیوں کفار کو ہلاک فرما دیا جب کہ وہ کفر اور عناد میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اللہ عزوجل نے اس کا یہ جواب دیا: "وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا"۔ (اور آپ کے رب اُس وقت تک بستیوں میں رہنے والوں کو ہلاک نہیں فرماتے حتیٰ کہ اُن بستیوں کے مرکز میں کسی رسول کو مبعوث نہ فرما دیں جو اُن پر ہماری آیات کو تلاوت کریں)۔

اور اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو مبعوث نہ فرمانا لوگوں کے لیے بہ طور عذر بیان فرمایا، پس واجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو انبیاء کے مبعوث فرمانے کے بعد ہلاک فرمائیں اور پہلے ہلاک نہ فرمائیں۔ پھر مفسرین نے اس کی کئی وجوہ بیان کی ہیں، یعنی جس بستی کے مرکز کے اندر رسول کو مبعوث فرما دیا جائے اور پھر لوگ اس کی اطاعت نہ کریں تو ہم اُس پر عذاب بھیجتے ہیں۔

دوسرا یہ محمل ہے کہ اللہ تعالیٰ مکہ کے لوگوں کو ہلاک نہیں فرمائیں گے حتیٰ کہ اُن میں رسول مبعوث فرما دیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، خاتم الانبیاء ہیں۔ اور جو اُن پر ہماری آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور اُن کی تبلیغ کرتے ہیں۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ان لوگوں کو کیوں ہلاک فرمایا جو اللہ تعالیٰ کا کفر کرتے تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے تھے۔

اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد سے دیا: "وَمَا كُنَّا مُهْلِكِى الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ" (اور ہم کسی بستی کے رہنے والوں کو اُسی وقت ہلاک فرماتے ہیں جب وہ ظلم کرنے والے ہوں)۔ یعنی جب اُس بستی کے سب لوگ اپنی جانوں پر شرک کر کے ظلم کرتے ہوں تو ہم اُن کو ہلاک فرما دیتے ہیں۔ اور اہل مکہ اس طرح نہیں تھے، کیونکہ اُن میں سے بعض ایمان لا چکے تھے اور بعض

وہ تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ مستقبل میں ایمان لے آئیں گے۔ اور بعض وہ تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ یا اگرچہ ایمان نہیں لائے ہیں لیکن ان کی نسلوں سے وہ لوگ پیدا ہوں گے جو ایمان لائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور تمہیں جو کچھ بھی عطا فرمایا گیا ہے، وہ دنیا کی زندگی کا حصہ ہے اور اس کی زینت ہے، اور جو اللہ عزوجل کے پاس ہے وہ سب سے بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ؟O" (القصص: ۶۰)

"وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ":

یہ کفار کے شبہ کا تیسرا جواب ہے، اُن کے شبہ کا حاصل یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اگر ہم نے اپنے دین کو ترک کر دیا تو ہم سے دنیا کی نعمتیں زائل ہو جائیں گی، تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اُن کا یہ خیال سنگین خطا ہے، کیونکہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ زیادہ بہتر ہیں اور زیادہ باقی رہنے والی ہیں۔ وہ نعمتیں زیادہ بہتر اس وجہ سے ہیں کہ آخرت کی نعمتیں زیادہ عظیم ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آخرت کی نعمتیں نقصان سے محفوظ ہیں اور دنیا کی نعمتیں نقصانات کے ساتھ ملی ہوئی ہیں بلکہ اُن کے نقصانات زیادہ ہیں۔ رہا یہ کہ وہ زیادہ عرصہ تک باقی رہنے والی ہیں، اُس کی وجہ یہ ہے کہ آخرت کی نعمتیں دائمی ہیں، اُن میں انقطاع نہیں ہوگا اور دنیا کی نعمتیں منقطع ہو جائیں گی۔ اور جب متناہی کا غیر متناہی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو متناہی بہ منزلہ معدوم ہے، اور دنیا کی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے ایک قطرہ سمندر کے مقابلہ میں ہو۔ پس معلوم ہو گیا کہ دنیا کی منفعتیں اور دنیا کی نعمتوں کا آخرت کی منفعتوں اور نعمتوں کے ساتھ کوئی تقابل نہیں ہے، سو یہ بہت بڑی جہالت ہے کہ آخرت کی نعمتوں کو اس خوف سے چھوڑ دیا جائے کہ کہیں ہاتھ سے دنیا کی نعمتیں نہ چلی جائیں۔

"اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ": یعنی تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے کہ آخرت کی منفعتوں کو دنیا کی منفعتوں پر ترجیح دی جائے۔

اللہ تعالیٰ امام شافعی پر رحمت فرمائیں، انہوں نے کہا: جس شخص نے یہ وصیت کی کہ اس کے تہائی مال کو سب سے زیادہ عقل والوں پر خرچ کر دیا جائے تو وہ تہائی مال اُن لوگوں پر خرچ کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول رہتے ہیں، کیونکہ سب سے زیادہ عقل مند وہ ہیں جو کم چیز دیں اور زیادہ چیز لیں، اور یہ وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ گویا امام شافعی رحمہ اللہ نے اس قول کو اسی آیت سے مستنبط کیا ہے۔ (التفسیر الکبیر، ج ۹ ص ۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِیْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ هُوَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۶۱﴾

جس شخص سے ہم نے عمدہ وعدہ فرمایا اور وہ اس وعدہ کو حاصل کرنے والا بھی ہو تو کیا وہ اس شخص کی مثل ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیا کا سامانِ عشرت عطا فرمایا، پھر وہ قیامت کے دن حاضرین میں سے ہوگا O

وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور جس دن اللہ ندا فرمائیں گے، پس فرمائیں گے: میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کا تم گمان رکھتے تھے O

قَالَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَغْوَیْنَاۚ اَغْوَیْنٰهُمْ كَمَا غَوَیْنَاۚ تَبَرَّاْنَاۤ اِلَیْكَ٘ مَا كَانُوْۤا اِیَّانَا یَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾

جن شرکاء کے متعلق عذاب کا حکم صادر ہو چکا ہو گا وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا، ہم نے ان کو اسی طرح گمراہ کیا تھا جس طرح ہم خود گمراہ تھے، ہم ان سے بےزار ہو کر آپ کی طرف رجوع کر رہے ہیں، وہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے O

وَ قِیْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ وَ رَاَوُا الْعَذَابَۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا یَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور مشرکین سے کہا جائے گا: تم اُن کو بلاؤ جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے تھے، سو وہ اُن کو بلائیں گے لیکن وہ شرکاء اُن کی فریاد نہیں سنیں گے اور وہ عذاب کو دیکھیں گے اور یہ کہیں گے: کاش! وہ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوتے O

وَ یَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ مَا ذَاۤ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۶۵﴾

اور اس دن کا ذکر کیجئے جب اللہ نہیں بلائیں گے اور فرمائیں گے: تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا O

فَعَمِیَتْ عَلَیْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ یَوْمَىٕذٍ فَهُمْ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

پس اُس دن اُن سے خبریں نامعلوم ہوں گی اور وہ ایک دوسرے سے سوال بھی نہیں کر سکیں گے O

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ ﴿۶۷﴾

ہاں جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور اس نے نیک عمل کیے تو عنقریب وہ (آخرت میں) کامیابی حاصل کرنے والوں میں سے ہو گا O

وَ رَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخْتَارُؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور آپ کے رب جو چاہتے ہیں پیدا فرماتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں منتخب فرما لیتے ہیں، مشرکین کا اس میں کوئی اختیار نہیں ہے، اللہ اُن چیزوں سے بلند اور برتر ہیں جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں O

وَ رَبُّكَ یَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور آپ کے رب خوب جانتے ہیں جن چیزوں کو اُن کے سینے چھپاتے ہیں اور جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں O

وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور وہی اللہ ہیں اُن کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، انہی کے لیے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں ہر قسم کی تعریف ہے، اور انہی کا حکم جاری وساری ہے اور انہی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے O

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِضِیَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾

(اے رسول اکرم!) آپ کہیے: یہ بتاؤ کہ اگر اللہ قیامت کے دن تک تمہارے اوپر مسلسل رات طاری فرما دیں تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے پاس دن کی روشنی لے آئے، کیا تم غور سے نہیں سنتے O

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِلَیْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِیْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

آپ کہیے: یہ بتاؤ اگر اللہ تمہارے اوپر قیامت تک مسلسل دن طاری فرما دیں تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے پاس رات کو لے آئے جس میں تم سکون حاصل کرو، کیا تم (اللہ کی نشانیوں کو) غور سے نہیں دیکھتے O

وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور انہوں نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم رات میں سکون حاصل کرو اور دن میں اُن کے فضل سے روزی حاصل کرو اور تاکہ تم اللہ کا شکر بجالاؤ O

وَ یَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور جس دن اللہ مشرکین کو نداء کر کے فرمائیں گے: میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کا تم گمان رکھتے تھے O

وَ نَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْۤا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ ع

اور ہم ہر امت سے ایک گواہ نکال لائیں گے، پس ہم فرمائیں گے: تم (اپنے شرک پر) برہان پیش کرو، اُس وقت اُن کو یقین

ہو جائے گا کہ بے شک حق اللہ کے لیے ہے اور جن باتوں کا وہ افتراء باندھتے تھے وہ ان سے گم ہو جائیں گی O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس شخص سے ہم نے عمدہ وعدہ فرمایا اور وہ اس وعدہ کو حاصل کرنے والا بھی ہو، تو کیا وہ اس شخص کی مثل ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیا کا سامانِ عشرت عطا فرمایا، پھر وہ قیامت کے دن حاضرین میں سے ہوگا O'' (القصص: ۶۱)

توحید پر اللہ عزوجل کے دلائل اور کفار کو زجر و توبیخ

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ ھ، القصص: ۶۱ تا ۷۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ'':

یعنی جس سے ہم نے جنت کا حسین وعدہ فرمایا ہے، جنت جیسی حسین کوئی چیز نہیں ہے، کیونکہ جنت ہمیشہ رہنے والی ہے، اسی وجہ سے جنت کو حسن فرمایا ہے۔ پس جو جنت کو دیکھے گا اور اس کو حاصل کرے گا، کیا وہ اُس شخص کی مثل ہو سکتا ہے جو آخرت میں دوزخ میں حاضر کیا جائے گا، اور اسی کی مثل یہ آیت ہے: ''فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ۔'' (الصافات: ۱۲۷) ''(تو انہوں نے الیاس کو جھٹلایا، وہ سب جہنم میں حاضر کیے جائیں گے)۔

یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل علیہ اللعنۃ کے متعلق نازل ہوئی ہے، یا حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما اور ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہے، یا المؤمن اور الکافر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی تین قسمیں بیان فرمائیں: المؤمن، المنافق اور الکافر، پس مومن زادِ راہ لیتا ہے اور منافق زینت اختیار کرتا ہے اور کافر فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور کفار کو جبراً ایک جگہ پر حاضر کیا جائے گا اور وہ یہ خواہش کرے گا کہ کاش! وہ پوری روئے زمین کو سونا بنا دے اور اُس کو عذاب سے نجات کے لیے بہ طور فدیہ دے دے، لیکن اُس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جس دن اللہ ندا فرمائیں گے، پس فرمائیں گے: میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کا تم گمان رکھتے تھے O'' (القصص: ۶۲)

''وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ'': جس دن اللہ عزوجل کفار کو زجر و توبیخ سے ندا فرمائیں گے۔ پس فرمائیں گے: جو تمہارے زعم میں میرے شرکاء تھے، وہ کہاں ہیں؟ یعنی وہ بت وغیرہ جن کے متعلق تم یہ زعم کرتے تھے کہ وہ تمہاری سفارش کریں گے تاکہ تم سے عذاب کو دور کر دیں اور اُس عذاب کو تم سے چھڑا لیں جس میں تم مبتلا ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جن شرکاء کے متعلق عذاب کا حکم صادر ہو چکا ہوگا وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا، ہم نے ان کو اسی طرح گمراہ کیا تھا جس طرح ہم خود گمراہ تھے، ہم ان سے بے زار ہو کر آپ کی طرف رجوع کر رہے ہیں، وہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے O'' (القصص: ۶۳)

"قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ":

اللہ تعالیٰ اُن شیاطین یا ائمہ کفر کے متعلق فرمائیں گے جن پر عذاب واجب ہو چکا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۔ (السجدہ: ۱۳)" (ہم تمام (کافر) جنوں اور انسانوں سے دوزخ کو بھر دیں گے)۔ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا یعنی شرک کی طرف بلایا تھا، ہم نے ان کو گمراہ کیا تھا پس یہ گمراہ ہو گئے جیسا کہ ہم گمراہ ہوئے ہیں۔ اُن کی مراد یہ ہوگی کہ ہم صرف اپنے اختیار سے گمراہ ہوئے ہیں، پس اسی طرح یہ لوگ بھی اپنے اختیار سے گمراہ ہوئے ہیں، کیونکہ ہمارا ان کو گمراہ کرنا صرف یہ تھا کہ ہم نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا تھا سو اب ہمارے گمراہ ہونے میں اور ان کے گمراہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی کی مثل یہ آیت ہے: "وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ (ابراہیم: ۲۲)" (اور جب قیامت کے دن جزا و سزا کا فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان کہے گا: "بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا وہ سچا وعدہ تھا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا تو میں نے اس کی خلاف ورزی کی، اور میرا تم پر کوئی جبر اور تسلط نہیں تھا سوا اس کے کہ میں نے تمہیں گمراہی کی دعوت دی تو تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا، لہٰذا اب مجھے ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو، آج نہ میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا ہوں اور نہ تم میری کوئی مدد کر سکتے ہو، اس سے پہلے تم نے جو مجھے اللہ کا شریک قرار دیا تھا میں اس کا انکار کرتا ہوں"، بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے)۔

"مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ": اور وہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی خواہشوں کی عبادت کرتے تھے اور اپنی شہوتوں کی اطاعت کرتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عام مشرکین سے سوال فرمائیں گے کہ تم نے شرک کیوں اختیار کیا لیکن اُن عام مشرکین کے جواب دینے سے پہلے کفار کے ائمہ اور پیشوا یہ محسوس کریں گے کہ اب عام مشرکین یہ کہہ دیں گے کہ گمراہ کرنے والے تو یہ ائمہ کفر ہیں، اس لیے اُن ائمہ کفر کے جواب دینے سے پہلے عام مشرکین یہ کہیں گے کہ ہمیں گمراہ کرنے والے یہ ائمہ کفر ہیں اور پھر ائمہ کفر اپنی صفائی میں یہ کہیں گے کہ ہم نے ان کو گمراہ نہیں کیا تھا، ہم نے تو ان کو صرف گمراہی کی دعوت دی تھی انہوں نے خود اپنے اختیار سے گمراہی کو قبول کیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور مشرکین سے کہا جائے گا: تم اُن کو بلاؤ جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے تھے، سو وہ اُن کو بلائیں گے لیکن وہ شرکاء اُن کی فریاد نہیں سنیں گے اور وہ عذاب کو دیکھیں گے اور یہ کہیں گے: کاش! وہ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوتے ○" (القصص: ۶۴)

"وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ":

اور مشرکین سے کہا جائے گا: تم اپنے اُن بتوں کو بلاؤ جن کی تم پرستش کرتے تھے تاکہ وہ تم کو عذاب سے چھڑائیں، سو وہ اُن کو

بلائیں گے لیکن وہ اُن کو کوئی جواب نہیں دیں گے۔ اور وہ عذاب کو دیکھ کر کہیں گے: کاش کہ وہ ہدایت یافتہ ہوتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اس دن کا ذکر کیجئے جب اللہ نہیں بلائیں گے اور فرمائیں گے: تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا O'' (القصص: ۶۵)

''وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ'': جس دن اللہ عزوجل اُن کو ایسی جگہ سے نداء فرمائیں گے جہاں سے ہر کوئی سن رہا ہوگا اور دیکھ رہا ہوگا اور وہ سب اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے، اُن میں نافرمان بھی ہوں گے اور اطاعت گزار بھی ہوں گے، وہ سب ایک زمین پر ہوں گے اور اُن کے تمام بدن پر پسینہ بہہ رہا ہوگا، اُس وقت اللہ عزوجل فرمائیں گے کہ جب تمہارے پاس رسولوں کو بھیجا گیا تھا، تم نے اُن کو کیا جواب دیا تھا؟ یعنی پہلے اللہ تعالیٰ اُن سے اُن کے شرک کرنے کے متعلق سوال کریں گے، پھر انہوں نے جو انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تھی اس کے متعلق سوال فرمائیں گے، اور اُن کے پاس سوائے سکوت کے اور کوئی جواب نہیں ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس اُس دن اُن سے خبریں نامعلوم ہوں گی اور وہ ایک دوسرے سے سوال بھی نہیں کرسکیں گے O'' (القصص: ۶۶)

''فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَىِٕذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ'': پھر اُن کفار پر اُن کے دلائل مخفی ہو جائیں گے، یا اُن پر اُن کا جواب مخفی ہو جائے گا، پس وہ نہیں جان سکیں گے کہ کیا جواب دیں، کیونکہ اُن کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا اور وہ ایک دوسرے سے عذر اور حجت کے متعلق سوال نہیں کرسکیں گے، اس امید پر کہ اُن کے پاس کوئی عذر ہو اور حجت ہو، کیونکہ وہ سب جواب دینے سے عاجز ہوں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ہاں جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور اُس نے نیک عمل کیے تو عنقریب وہ (آخرت میں) کامیابی حاصل کرنے والوں میں سے ہوگا O'' (القصص: ۶۷)

''فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ'': ہاں جس نے شرک سے توبہ کرلی اور وہ اپنے رب پر ایمان لے آیا اور جو دین اُس کے پاس پہنچا ہے، اُس کے تقاضوں پر عمل کیا تو اُسے امید رکھنی چاہیے کہ وہ آخرت میں کامیابی حاصل کرنے والوں میں سے ہوگا۔ اس آیت میں مسلمانوں کو اسلام قبول کرنے پر بشارت دی ہے اور کفار کو ایمان لانے پر ترغیب دی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ کے رب جو چاہتے ہیں پیدا فرماتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں منتخب فرما لیتے ہیں، مشرکین کا اس میں کوئی اختیار نہیں ہے، اللہ اُن چیزوں سے بلند اور برتر ہیں جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں O'' (القصص: ۶۸)

''وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ'':

یہ آیت الولید بن المغیرہ کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئی ہے: ''وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ۔ (الزخرف: ۳۱)'' (اور کہنے لگے: یہ قرآن دو شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے مال دار آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا)۔ اس کی مراد یہ تھی کہ اُس پر قرآن مجید کیوں نہیں نازل کیا گیا یا ابو مسعود پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اللہ عزوجل نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا: ''وَ رَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخْتَارُ'' ۔ یعنی آپ کے رب جو چاہتے ہیں تخلیق فرماتے ہیں اور جو چاہتے ہیں اختیار فرماتے ہیں۔ ''مَا كَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ'': یعنی ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ پر کسی چیز کا اختیار نہیں ہے، اور اللہ کا اُن پر اختیار ہے۔ معنی یہ ہے کہ اختیار اللہ کے لیے ہے اور وہ اپنے افعال کی حکمت کو زیادہ جاننے والے ہیں۔ پس مخلوق میں سے کسی کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز کو اختیار کریں۔

''سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ'': اللہ تعالیٰ اُن کے بنائے ہوئے شرکاء سے منزہ ہیں۔

امام رازی نے اللوامع میں لکھا ہے: اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ بندہ اپنے اختیار میں بھی غیر مختار ہوتا ہے، اس لیے اہل الرضا نے اپنے آپ کو اپنے رب کے سامنے گرادیا اور اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیے، پس اگر اللہ تعالیٰ کسی چیز کا حکم دیں یا کسی کام سے منع فرمائیں تو اس کی تعمیل میں وہ سبقت کرتے ہیں۔ اور اگر ان کو بڑے بڑے مصائب پہنچیں تو صبر کرتے ہیں۔ اگر اللہ اُن کو عزت عطا فرمائیں تو وہ عزت سے رہتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ اُن کو ذلیل فرمائیں تو وہ اس پر راضی رہتے ہیں، اور انہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے۔ پس وہ اُسی کام سے راضی ہیں جس سے اللہ راضی ہوتے ہیں اور اُسی کام کا ارادہ کرتے ہیں جس کا اللہ ارادہ فرماتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ کے رب خوب جانتے ہیں جن چیزوں کو اُن کے سینے چھپاتے ہیں اور جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں ۝ '' (القصص: ۶۹)

''وَ رَبُّكَ یَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ'': یعنی کفار جو رسول اللہ ﷺ سے عداوت اور آپ سے حسد کو اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں اور جس طعن و تشنیع کو وہ ظاہر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو خوب جانتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہی اللہ ہیں اُن کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، انہی کے لیے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں ہر قسم کی تعریف ہے، اور انہی کا حکم جاری و ساری ہے اور انہی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے ۝ '' (القصص: ۷۰)

''وَ هُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ'': اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ الوہیت اللہ عزوجل ہی کے ساتھ مخصوص ہے، اُن کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ اور دنیا اور آخرت میں اُنہی کے لیے حمد ہے جیسا کہ اس آیت میں ارشاد فرمایا: ''وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۔ (فاطر: ۳۴)'' (اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جنہوں نے ہمارا ہر قسم کا غم دور فرما دیا، بے شک ہمارے رب بہت بخشنے والے، بڑے قدردان ہیں)۔ نیز ارشاد فرمایا: ''وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ

اَلْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ــ (الزمر: ۷۴۔۷۵)'' (اور جنتی کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جنہوں نے (ہمیں جنت عطا فرما کر) اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہمیں زمین جنت کا وارث بنایا کہ ہم اس کے جس حصے میں چاہیں رہیں، پس نیک عمل کرنے والوں کا ثواب بہت ہی اچھا ہے ۝ اور اے رسول مکرم! آپ دیکھیں گے کہ فرشتے عرش کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ ان کی تقدیس بیان کرنے میں مصروف ہوں گے، لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیا جائے گا اور کہا جائے گا: تمام تعریفیں سب جہانوں کے رب اللہ (کریم) ہی کے لیے ہیں)۔

اور جنت میں اہل جنت جو اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کریں گے، وہ بہ طور لذت کریں گے، وہ اس کے مکلف نہیں ہوں گے اور نہ ان کو اس میں مشقت ہوگی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسول اکرم!) آپ کہیے: یہ بتاؤ کہ اگر اللہ قیامت کے دن تک تمہارے اوپر مسلسل رات طاری فرما دیں تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے پاس دن کی روشنی لے آئے، کیا تم غور سے نہیں سنتے ۝'' (القصص: ۷۱)

''قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ۚ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ'': یعنی اے رسول اکرم! آپ اہل مکہ سے پوچھیے: مجھے یہ بتاؤ کہ اگر اللہ عزوجل جو سب سے بڑے بادشاہ ہیں، وہ تم پر مسلسل قیامت تک رات طاری فرما دیں اور دن نہ ہو تو اللہ عزوجل کے سوا کون ہے جو تمہارے سامنے دن کو لا سکے جس میں تم اپنا کاروبار معیشت کرتے ہو، کیا تم غور سے نہیں سنتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: یہ بتاؤ اگر اللہ تمہارے اوپر قیامت تک مسلسل دن طاری فرما دیں تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے پاس رات کو لے آئے جس میں تم سکون حاصل کرو، کیا تم (اللہ کی نشانیوں کو) غور سے نہیں دیکھتے ۝'' (القصص: ۷۲)

''قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ'': آپ کہیے: یہ بتاؤ کہ اللہ جو ہر چیز پر قادر ہیں، اگر وہ تم پر مسلسل قیامت تک دن طاری فرما دیں اور رات نہ ہو تو اللہ کے سوا کون ہے جو تمہارے پاس رات کو لا سکے جس میں تم آرام کرو، سکون حاصل کرو، دن کی تھکاوٹ کو دور کرو۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو غور سے نہیں دیکھتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور انہوں نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تا کہ تم رات میں سکون حاصل کرو اور دن میں اُن کے فضل سے روزی حاصل کرو اور تا کہ تم اللہ کا شکر بجا لاؤ ۝'' (القصص: ۷۳)

"وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ":
اللہ کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے، انہوں نے ہی تمہارے لیے رات اور دن کی دو عظیم نشانیاں بنائیں اور اُس میں تمہاری تمام مصلحتوں کو جمع فرمایا، پس انہوں نے رات بنائی تاکہ رات میں تم آرام کرو اور دن کی تھکاوٹ کو دور کرو، اور انہوں نے دن کو بنایا تاکہ اُس میں تم اپنے کارِ معیشت کو حاصل کرو اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جس دن اللہ مشرکین کو نداء کر کے فرمائیں گے: میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کا تم گمان رکھتے تھے○" (القصص: ۷۴)

"وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ": اللہ تعالیٰ نے زجر و توبیخ کے لیے اس آیت کا مکرر ذکر فرمایا۔ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ شرک سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو غضب میں لانے والی نہیں ہے جیسا کہ توحید سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی رحمت کو لانے والی نہیں ہے۔ اے اللہ! جس طرح آپ نے ہم کو اہلِ توحید میں داخل فرمایا ہے، سو ہم کو اُن لوگوں میں داخل فرمادیں جو آپ کی وعید سے نجات پانے والے ہیں اور اپنے کریم چہرہ کو دیکھنے کی ہمیں سعادت عطا فرمائیں یا ارحم الراحمین۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی آیت اُن کے عقائد کے فساد کے بیان کے لیے ہو اور اُن کی رائے کے بطلان کے لیے ہو، اور دوسری آیت اس لیے کہ اُن کا یہ عقیدہ کسی دلیل کے بغیر تھا، یہ محض ان کی ہوائے نفسانی تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم ہر امت سے ایک گواہ نکال لائیں گے، پس ہم فرمائیں گے: تم (اپنے شرک پر) برہان پیش کرو، اُس وقت اُن کو یقین ہو جائے گا کہ بے شک حق اللہ کے لیے ہے اور جن باتوں کا وہ افتراء باندھتے تھے وہ ان سے گم ہو جائیں گی○" (القصص: ۷۵)

"وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْۤا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ":
ہم ہر امت سے ایک گواہ کو لائیں گے جو اُن کے رسول ہوں گے اور اُن کے حق میں گواہی دیں گے، پھر ہم اُن کی امتوں سے فرمائیں گے: تم وہ دلیل قطعی لاؤ جس کی وجہ سے تم دنیا میں شرک کرنے پر اصرار کرتے تھے۔ پھر جب اس سوال کے جواب میں وہ کوئی سند نہیں پائیں گے تو کہیں گے: الوہیت کا حق تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو کامل بادشاہ ہیں، اُن کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور وہ جو کچھ اللہ عزوجل پر افتراء کرتے تھے وہ سب اُن سے گم ہو جائے گا، اُن کی جھوٹی باتیں سب اُن سے غائب ہو جائیں گی اور اُن کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی۔ (مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ج ۲ ص ۶۵۲۔۶۵۶، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

إِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی فَبَغٰی عَلَیْهِمْ ۪ وَاٰتَیْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ ﴿۷۶﴾

بے شک قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا، اُس نے اُن کے خلاف سرکشی کی، ہم نے اس کو اتنے خزانے عطا فرمائے تھے کہ اُن کی چابیوں کو اٹھانا بھی ایک قوی جماعت کے لیے مشکل تھا، جب اس کی قوم نے اس سے کہا: تم گھمنڈ نہ کرو، بے شک اللہ گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے ○

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾

اور اللہ نے تمہیں جو مال عطا فرمایا ہے اُس سے آخرت کے گھر کو طلب کرو اور دنیا میں سے اپنے حصہ کو فراموش نہ کرو، اور اللہ نے جس طرح تم پر احسان فرمایا ہے، تم بھی لوگوں کے ساتھ احسان کرو اور زمین میں فساد نہ کرو، بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے ○

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْــَٔـلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾

قارون نے کہا: مجھے یہ خزانے صرف میرے اُس علم کی وجہ سے دیے گئے ہیں جو میرے پاس ہے، کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ بے شک اللہ نے اس سے پہلے کتنے ایسے لوگوں کو ہلاک فرما دیا جو اس سے زیادہ طاقت ور تھے اور اس سے زیادہ دولت مند تھے، اور گناہگاروں سے اُن کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا ○

فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾

پھر وہ اپنی قوم کے سامنے مزین ہو کر نکلا، دنیا کی زندگی کے طلب گار لوگوں نے کہا: کاش! ہم کو بھی وہ مال و دولت عطا فرمایا جاتا جو قارون کو عطا فرمایا گیا ہے، بے شک وہ بہت ہی خوش نصیب ہے ○

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور علم والے لوگوں نے کہا: تم پر افسوس ہے، اللہ کا ثواب اس شخص کے لیے بہتر ہے جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے، اور وہ اجر و ثواب صرف صبر کرنے والوں کو ہی ملے گا ○

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۣ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۤ

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾

پس ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، سو اللہ کے سوا اُس کے پاس کوئی جماعت نہیں تھی جو اس کی مدد کرتی، اور نہ وہ خود مدافعت کرنے والوں میں سے تھا ○

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۖ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۱۱

اور کل جو لوگ اس کی دولت کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے لگے: افسوس ہم بھول گئے تھے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتے ہیں رزق کشادہ فرما دیتے ہیں اور جس پر چاہتے ہیں رزق تنگ فرما دیتے ہیں، اور اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ فرمایا ہوتا تو ہم کو بھی زمین میں دھنسا دیتے، اور افسوس ہم بھول گئے تھے کہ کفار اخروی کامیابی حاصل نہیں کرتے ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”بے شک قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا، اُس نے اُن کے خلاف سرکشی کی، ہم نے اس کو اتنے خزانے عطا فرمائے تھے کہ اُن کی چابیوں کو اٹھانا بھی ایک قوی جماعت کے لیے مشکل تھا، جب اس کی قوم نے اس سے کہا: تم گھمنڈ نہ کرو، بے شک اللہ گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے ○“ (القصص:۷۶)

قارون اور اس کے مال و دولت پر تکبر کرنے اور اس کو زمین میں دھنسانے کا قصہ

علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، القصص:۷۶ تا ۸۲ تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى“: قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا بیٹا تھا، اور ابن اسحاق نے کہا کہ قارون حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا چچا تھا، اور عمران کا بھائی تھا اور وہ دونوں یصہر کے بیٹے تھے۔ اور بنی اسرائیل میں قارون سے بڑھ کر تورات کو پڑھنے والا کوئی نہیں تھا، لیکن وہ اس طرح منافق ہو گیا جس طرح سامری منافق ہو گیا تھا۔

”فَبَغٰى عَلَيْهِمْ“: ایک قول یہ ہے کہ قارون فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل پر حاکم تھا، پس اُس نے اُن کے خلاف سرکشی کی اور ظلم کیا۔ اور قتادہ نے کہا: اُس نے مال کی کثرت کی وجہ سے اُن پر ظلم کیا۔ اور الضحاک نے کہا: اُس نے شرک کی وجہ سے اُن پر ظلم کیا۔ اور شہر بن حوشب نے کہا: وہ اپنے کپڑوں کی لمبائی ایک بالشت سے زیادہ رکھتا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل اس مرد کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرماتے جو اپنے کپڑے کو تکبر سے لٹکاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۶۵، ۵۷۸۳، ۵۷۸۴، ۵۷۱۹، ۶۰۶۲، صحیح مسلم: ۲۰۸۵، سنن ترمذی: ۱۷۳۰، سنن نسائی: ۵۳۳۵، سنن ابوداؤد: ۴۰۸۵،

سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۷، مسند احمد: ۵۳۲۸)

"وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ": مفاتح، مفتح کی جمع ہے اور مفتاح اس کو کہتے ہیں جس سے دروازہ کھولا جاتا ہے، یہ قتادہ، مجاہد اور ایک جماعت کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مفاتح سے مراد اس کے خزانے ہیں، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ۔ (الانعام: ۵۹)" (اور انہی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، ان کے سوا کوئی (از خود) ان چابیوں کو نہیں جانتا)۔

"لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ": یعنی اُن خزانوں کی چابیوں کے بوجھ کی وجہ سے اُن کو طاقتور لوگ نہیں اٹھا پاتے تھے۔ اور جب وہ ان کو اٹھاتے تو ان کے بوجھ کی وجہ سے جھک جاتے تھے۔

اس آیت میں "العصبة" کا لفظ ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ دس سے لے کر پندرہ لوگوں کی جماعت ہے۔ اور الضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ تین سے لے کر دس لوگوں تک کی جماعت ہے۔ اور قتادہ نے کہا: یہ دس سے لے کر چالیس لوگوں تک کی جماعت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ چالیس مرد بھی ان چابیوں کو نہیں اٹھا پاتے تھے، دوسرا قول یہ ہے کہ ستر لوگ بھی ان چابیوں کو نہیں اٹھا پاتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس کے خزانوں کی چابیوں کو چالیس قوی مرد اٹھاتے تھے۔ اور جریر نے منصور سے روایت کی ہے کہ میں نے انجیل میں یہ لکھا ہوا پایا ہے کہ قارون کے خزانوں کی چابیاں ستر خچروں پر لادی جاتی تھیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ قارون جہاں بھی جاتا تھا، اس کے ساتھ اس کی چابیوں کو اٹھا کر لے جایا جاتا تھا اور وہ چابیاں لوہے کی بنی ہوئی تھیں۔ پھر جب اُن کا اٹھانا دشوار ہو گیا تو لکڑی کی چابیاں بنادی گئیں، پھر جب اُن کا اٹھانا بھی دشوار ہوا تو گائے کی کھال کی چابیاں بنادی گئیں، اور جب وہ باہر نکلا تو چالیس خچروں پر اس کی چابیوں کو اٹھایا جاتا تھا۔

"اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ": یعنی قارون سے بنی اسرائیل نے کہا: تم نہ اتراؤ، نہ گھمنڈ کرو اور نہ اکڑ اکڑ کر چلو، اللہ تعالیٰ اترانے والوں، گھمنڈ کرنے والوں اور اکڑ اکڑ کر چلنے والوں کو پسند نہیں فرماتے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا نہیں کرتے۔

فرحت کا معنی ہے: دنیاوی لذت کے ملنے سے سینہ کا کھل جانا اور یہ زیادہ تر لذاتِ دنیویہ اور بدنیہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور دنیا کی وجہ سے خوش ہونا مطلقاً مذموم ہے، کیونکہ دنیا کی وجہ سے خوش ہونا دنیا سے محبت کی وجہ سے ہوتا ہے اور دنیا سے راضی ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، اور اس کو بھول جانے کی وجہ سے ہوتا ہے کہ دنیا تو ہاتھ سے چلی جائے گی۔ اسی لیے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۔ (الحدید: ۲۳)" (یہ اس لیے کہ تم اس چیز کا غم نہ کھاؤ جو ہاتھ سے جاتی رہی اور نہ اس چیز پر اتراؤ جو (اللہ) تمہیں عطا فرمائیں اور اللہ کسی اترانے والے متکبر کو پسند نہیں فرماتے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اللہ نے تمہیں جو مال عطا فرمایا ہے اُس سے آخرت کے گھر کو طلب کرو اور دنیا میں سے اپنے حصہ کو فراموش نہ کرو، اور اللہ نے جس طرح تم پر احسان فرمایا ہے، تم بھی لوگوں کے ساتھ احسان

کرواور زمین میں فساد نہ کرو، بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا O‘‘ (القصص: ۷۷)

’’وَ ابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ‘‘: یعنی اللہ تعالیٰ نے جو تم کو اموال اور نعمتیں عطا فرمائی ہیں، تم اُس پر اللہ تعالیٰ سے جنت کو طلب کرو۔ یعنی تم ان نعمتوں کا شکر ادا کرو اور ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں خرچ کرو۔

’’وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا‘‘: مجاہد اور ابن زید نے کہا: تم دنیا میں آخرت کے لیے عمل کرنے کو ترک نہ کرو حتیٰ کہ تم عذاب سے نجات پاؤ، کیونکہ دنیا میں انسان کا حصہ وہی ہے جو وہ آخرت کے لیے عمل کرتا ہے۔ السدی نے کہا: تم صدقہ کرو اور رشتہ داروں پر خرچ کرو۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اپنی صحت، اپنی قوت، اپنی جوانی اور اپنی دولت مندی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ بھولو اور آخرت کے اجر کو طلب کرو۔

حضرت عمرو بن میمون الاودی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مرد سے فرمایا اور آپ اس کو نصیحت فرما رہے تھے: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو: (۱) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت جانو (۲) صحت کو مرض سے پہلے غنیمت جانو (۳) خوش حالی کو تنگی سے پہلے غنیمت جانو (۴) فراغت کو مشغولیت سے پہلے غنیمت جانو (۵) اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جانو۔ (شرح السنۃ للبغوی: ۴۰۲۱، مسند الشہاب القضاعی: ۷۲۹، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۰۶، شعب الایمان للبیہقی: ۱۰۲۴۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری دنیا میں سے میرے دل میں تین چیزوں کی محبت ڈالی گئی ہے: (۱) عورتیں (۲) اور خوشبو (۳) اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بنادی گئی ہے۔

(سنن نسائی: ۳۹۳۹، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۳۴۵۴، مسند احمد: ۱۱۸۸۴)

میں کہتا ہوں کہ عورتوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ اُس زمانے میں عورتوں کو بہت حقیر سمجھا جاتا تھا، لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے یا زندہ درگور کر دیتے تھے اور عورتوں سے بہت زیادہ بدسلوکی کرتے تھے، اور خوشبو کا اس لیے ذکر فرمایا کہ آپ سے اکثر فرشتے ہم کلام ہوتے تھے اور فرشتوں کو خوشبو سے راحت ملتی ہے، اور فرمایا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، کسی شخص کی آنکھیں جب ٹھنڈی ہوتی ہیں جب وہ اپنی کسی پسندیدہ، مرغوب اور محبوب چیز کو دیکھتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز اس حال میں پڑھتے تھے کہ اللہ عزوجل کی ذات کا مشاہدہ کرتے تھے، اور جب کوئی اپنے محبوب کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حسن بصری نے کہا: اس آیت میں یہ حکم ہے کہ ضرورت سے زائد چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دو اور اتنی چیزیں اپنے پاس رکھو جن کی تم کو ضرورت پیش آئے۔ ’’وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا‘‘۔ یعنی دنیا کی صرف اتنی چیزیں اپنے پاس رکھو جو تمہاری روزمرہ کی خوراک ہو اور تمہارے گھر والوں کی خوراک ہو۔ یعنی اس مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اور ان کی راہ میں خرچ کرو، جس سے تم کو دنیا اور آخرت میں ثواب ملے گا اور دنیا سے (بھی) اپنے نصیب کو نہ بھولو، اچھے کھانے، لباس پہننے، مکان اور بیوی سے نکاح کے حصول میں اپنا مال خرچ کرو، حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے عبداللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی کہ تم دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات بھر قیام کرتے ہو! انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا:

ایمان کرو، روزہ بھی رکھو اور روزہ کو ترک بھی کرو، اور رات کو قیام بھی کرو اور نیند بھی کیا کرو، کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، اور تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے، اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے (تو ہر حق دار کا حق ادا کرو)۔

(صحیح البخاری: ۱۹۷۵، صحیح مسلم: ۱۱۵۹، سنن ابوداؤد: ۲۴۲۷، سنن نسائی: ۲۳۹۲)

"وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ": یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اور اُن کے احسانات پر حسین طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ احسان کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ احسان فرمایا ہے۔

"وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ": اور زمین میں فساد کو طلب نہ کرو۔ اور ہر وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اُس نے زمین میں فساد کو طلب کیا۔ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ": بے شک اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "قارون نے کہا: مجھے یہ خزانے صرف میرے اُس علم کی وجہ سے دیے گئے ہیں جو میرے پاس ہے، کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ بے شک اللہ نے اس سے پہلے کتنے ایسے لوگوں کو ہلاک فرما دیا جو اس سے زیادہ طاقت ور تھے اور اس سے زیادہ دولت مند تھے، اور گناہ گاروں سے اُن کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا ○" (القصص: ۷۸)

"قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ": یعنی قارون نے کہا: یہ خزانے مجھے صرف اُس علم کی وجہ سے دیے گئے ہیں جو میرے پاس ہے، اللہ عزوجل نے مجھے وہ فضل اور خیر عطا فرمائی اور مجھے اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا، پس اللہ تعالیٰ نے مجھے اس علم کا اہل پایا، پس اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مال کے ساتھ تم پر فضیلت عطا فرمائی جیسا کہ مجھے اس کے علاوہ دوسری چیزوں سے فضیلت عطا فرمائی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس علم سے مراد علم الکیمیاء ہے۔ سعید بن المسیب نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام الکیمیاء کا علم رکھتے تھے، سو انہوں نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو اس علم میں سے تہائی علم عطا فرمایا۔ اور کالب بن یوقنا نے بھی تیسرا علم حاصل کیا اور قارون نے بھی تیسرا علم حاصل کر لیا۔ پس قارون نے اُن دونوں کو دھوکہ دیا حتیٰ کہ اُن کے علم کو اپنے علم کی طرف اضافت کر لی اور یہی اس کے اموال کا سبب تھا۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ "عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ" کا معنی ہے کہ میں نے تجارتوں میں، کھیتی باڑی میں اور مختلف قسم کے کاموں میں تصرف کیا۔

"اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ": کیا وہ قارون نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کتنے کافروں کو ہلاک فرما دیا۔ "مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا": جو اس سے زیادہ قوت اور اس سے زیادہ مال رکھتے تھے۔

"وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ": قتادہ نے کہا: ان کو آگ میں بغیر عذاب اور بغیر سوال کے جھونک دیا جائے گا۔ مجاہد نے کہا: یعنی ملائکہ اُن سے سوال نہیں کریں گے، کیونکہ وہ ان کو ان کی پیشانیوں سے پہچان لیں گے۔ حسن بصری نے کہا: ان سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ انہوں نے کیا کیا ہے، ان سے زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر سوال کیا جائے گا کہ تم نے یہ کام کیوں کیے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پھر وہ اپنی قوم کے سامنے مزین ہو کر نکلا، دنیا کی زندگی کے طلب گاروں نے کہا:

کاش! ہم کو بھی وہ مال و دولت عطا فرمایا جاتا جو قارون کو عطا فرمایا گیا ہے، بے شک وہ بہت ہی خوش نصیب ہے O" (القصص: ۷۹)

"فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ": ابراہیم النخعی نے کہا: وہ اور اس کی قوم سرخ اور زرد لباس پہن کر نکلے۔ ابن زید نے کہا: اُن پر ستر ہزار زرد لباس تھے۔ مجاہد نے کہا: وہ سفید رنگ کے خچروں پر نکلے جن پر سرخ رنگ کی زین تھی۔ مقاتل نے کہا: وہ سرخ رنگ کے خچر پر بیٹھ کر نکلا اور اس پر سونے کی زین تھی اور اس کے ساتھ چار ہزار گھوڑے سوار تھے، اور اُن سواروں کی زین پر بھی سرخ رنگ کی زین تھی۔ اور اس کے ساتھ تین سو سفید رنگ کی باندیاں تھیں جن پر زیورات تھے اور سرخ رنگ کے کپڑے تھے اور وہ بھی سرخ رنگ کے خچروں پر سوار تھیں۔

"قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِىَ قَارُوْنُ ": دنیا کی زندگی کے طلب گاروں نے کہا: کاش! ہم کو بھی وہ مال و دولت عطا فرمایا جاتا جو قارون کو عطا فرمایا گیا ہے۔ "اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ": بے شک وہ بہت ہی خوش نصیب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور علم والے لوگوں نے کہا: تم پر افسوس ہے، اللہ کا ثواب اس شخص کے لیے بہتر ہے جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے، اور وہ اجر و ثواب صرف صبر کرنے والوں کو ہی ملے گا O" (القصص: ۸۰)

"وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یعنی بنی اسرائیل کے علماء نے کہا۔ مقاتل نے بیان کیا کہ جن لوگوں کو علم عطا فرمایا گیا تھا اور اُن سے آخرت کی نعمتوں کا وعدہ فرمایا گیا تھا، انہوں نے قارون کے مال و دولت کی تمنا کرنے والوں سے کہا: "وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ": تم پر افسوس ہے، اللہ عزوجل کا اجر و ثواب اس سے بہتر ہے، جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور ان کی توحید کا اقرار کرے اور نیک عمل کرے تو اس کو جو اجر عطا فرمایا جائے گا وہ اس سے کہیں بہتر ہو گا جو دنیا میں قارون کو عطا فرمایا گیا ہے۔

"وَلَا يُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ": مقاتل نے کہا: اعمالِ صالحہ صرف صبر کرنے والوں کو دیے جاتے ہیں۔ الکلبی نے کہا: اللہ تعالیٰ اُن کو یہ اجر آخرت میں عطا فرمائیں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے کہا: تم پر افسوس ہے، اللہ کا ثواب اُن لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرتے ہیں اور دنیا کی زینت سے اعراض کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، سو اللہ کے سوا اُس کے پاس کوئی جماعت نہیں تھی جو اس کی مدد کرتی، اور نہ وہ خود مدافعت کرنے والوں میں سے تھا O" (القصص: ۸۱)

"فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ":

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ قارون حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے بعد بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ علم کو جاننے والا تھا، اور سب سے زیادہ تورات کو پڑھنے والا تھا، اور سب سے زیادہ مال دار تھا، اور سب سے زیادہ خوبصورت تھا، اس کی آواز بہت حسین تھی، پھر اس نے بغاوت کی اور سرکشی کی، اور اس کی پہلی سرکشی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تھی۔

اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی تھی کہ وہ اپنی قوم کو یہ حکم دیں کہ وہ اپنے لگوں میں چار دھاری دار چادریں ڈال

پس جس کی ہر طرف آسمان کے رنگ کی طرح سبز ہو، جب وہ آسمان کی طرف دیکھیں تو مجھے یاد کریں اور یہ یاد رکھیں کہ میں اُن کی طرف اپنے کلام کو نازل فرمانے والا ہوں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! کیا آپ ان کو یہ حکم نہیں فرماتے کہ وہ اپنے گلوں میں پوری سبز رنگ کی چادریں ڈال لیں، کیونکہ بنی اسرائیل ان دھاری دار چادروں کو حقیر جانتے ہیں، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اُن کے رب نے فرمایا: اے موسیٰ! میرے حکم کو جو صغیر جانے وہ حکم حقیقت میں صغیر نہیں ہے۔ پس جب وہ کسی امر صغیر میں میری اطاعت نہیں کریں گے تو امر کبیر میں میری اطاعت کیسے کریں گے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بلایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم فرماتے ہیں کہ تم اپنے گلوں میں سبز رنگ کی دھاری دار چادریں ڈال لو تاکہ جب تم ان چادروں کو دیکھو تو اپنے رب کو یاد کرو، پس بنی اسرائیل نے وہی کیا جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کو حکم دیا تھا، اور قارون نے تکبر کیا، اس نے ان کی اطاعت نہیں کی۔ اس نے کہا: یہ کام تو غلام اپنے مالکوں کے لیے کرتے ہیں تاکہ وہ دوسروں سے ممتاز ہوں، پس یہ قارون کی نافرمانی اور بغاوت کی ابتداء تھی۔

پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر پار کر کے بنی اسرائیل سے الگ ہو گئے تو انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے امامت کردی، اور یہ ذبح کرنے کی ریاست تھی۔ پس بنی اسرائیل اپنے ہدیوں کو لے کر حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس آتے اور اُن ہدیوں کو ذبح کرنے کی جگہ پر رکھ دیتے، پس آسمان سے ایک آگ نازل ہوتی اور اُن ہدیوں کو کھا جاتی۔ پس قارون کو ان سے حسد ہوا، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے موسیٰ! آپ رئیس ہیں اور امامت ہارون کے لیے ہے، آپ کو تو کچھ بھی نہیں ملا، اور میں تورات کو پڑھتا ہوں میں اس پر صبر نہیں کرسکتا۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہارون کو میں نے امامت نہیں عطا کی، اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، تب قارون نے کہا: اللہ کی قسم! میں آپ کی اس وقت تک تصدیق نہیں کروں گا جب تک کہ آپ مجھے اپنا بیان سند دکھائیں، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو جمع فرمایا اور کہا: تم اپنی لاٹھیاں لاؤ اور اُن لاٹھیوں کو اس خیمہ میں رکھ دیا جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ پس وہ اپنی لاٹھیوں کی حفاظت کرتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی، پھر صبح کو حضرت ہارون علیہ السلام نے اس لاٹھی سے سبز پتے گرائے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے قارون! تم یہ دیکھ رہے ہو؟ قارون نے کہا: اللہ کی قسم! آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ جادو ہے، پھر قارون اپنے ساتھیوں سمیت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے الگ ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا تو انہوں نے قارون سے اس پر صلح کی کہ وہ ہر ہزار دینار میں سے ایک دینار اللہ کی راہ میں دے گا اور ہر ہزار درہم سے ایک درہم اللہ کی راہ میں دے گا اور ہر ہزار بکریوں میں سے ایک بکری اللہ کی راہ میں دے گا، اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تھا۔ پس قارون نے اپنے مال کا حساب کیا تو اس نے دیکھا کہ زکوٰۃ تو مال کی بہت بڑی مقدار کو پہنچتی ہے تو اس کے بخل اور حرص نے زکوٰۃ دینے سے منع کیا، اس نے بنی اسرائیل کے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے کہا: تم ہر بات میں موسیٰ کی پیروی کرتے ہو اور اب وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم سے تمہارے اموال لے لیں، بنی اسرائیل نے کہا: آپ ہمارے بڑے ہیں، ہمیں حکم دیں جو آپ چاہیں، قارون نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ موسیٰ کو بنی اسرائیل کے درمیان شرمندہ کروں حتیٰ کہ اس کے بعد ان کا کوئی کلام نہ سنے۔ اس نے کہا کہ تم فلاں فاحشہ عورت کو لاؤ اور اس کو اتنا مال دو حتیٰ کہ وہ موسیٰ پر اپنے ساتھ تہمت باندھے، جب اس عورت نے ایسا کیا تو بنو اسرائیل نکلے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو

چھوڑ دیا، اور قارون نے ایک ہزار دینار اور ایک سونے کا تھال اس عورت کو تہمت لگانے کی وجہ سے پیش کیا، پھر اگلے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خطبہ دیا پس فرمایا: جو چوری کرے گا ہم اس کے ہاتھ کاٹ دیں گے اور جو غیر شادی شدہ سے زنا کرے گا اُسے کوڑے ماریں گے، اور جو شادی شدہ سے زنا کرے گا اس کو رجم کریں گے، قارون نے کہا: خواہ آپ نے ایسا کیا ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں خواہ میں نے ایسا کیا ہو، تب قارون نے کہا: بنی اسرائیل کا یہ گمان ہے کہ تم نے فلاں عورت کے ساتھ بدکاری کی ہے، وہ عورت لائی گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو قسم دی کہ جس ذات نے سمندر کو چیرا اور تورات کو نازل فرمایا تم سچ بولو تو اس عورت کے دل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہیبت طاری ہو گئی، اس نے کہا: اے اللہ کے نبی! مجھے قارون نے اتنی دولت دی تھی کہ میں آپ پر تہمت لگاؤں، تب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے لیے روتے ہوئے سجدہ میں گر گئے اور قارون کی شکایت کی، اور یہ دعا کی کہ اے اللہ! اگر آپ میں آپ کا رسول ہوں تو آپ میرے لیے غضب میں آئیں، پس اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے زمین کو حکم دیا کہ آپ جو چاہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے بنی اسرائیل! اللہ عزوجل نے مجھے قارون کی طرف بھیجا جیسا کہ مجھے فرعون کی طرف بھیجا تھا، پس جو قارون کے ساتھ ہو وہ اس کے پاس رہے اور جو میرے ساتھ ہو وہ اس سے الگ ہو جائے، تو سب لوگ قارون سے الگ ہو گئے اور قارون کے ساتھ صرف دو مرد رہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون سے فرمایا کہ اے اللہ کے دشمن! تم نے بنی اسرائیل کے سامنے مجھے رسوا کرنے کے لیے ایک عورت کو بھیجا، اے زمین اس کو پکڑ لے، پس زمین نے اس کو ٹخنوں تک پکڑ لیا، پھر وہ رونے اور گڑگڑانے لگا اور امان طلب کرنے لگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی طرف توجہ نہیں کی، پھر فرمایا: اے زمین! اس کو گھٹنوں تک پکڑ لے، پھر فرمایا: اس کو کمر تک پکڑ لے، پھر فرمایا: اس کو گردن تک پکڑ لے، پھر زمین پر اس کے سر کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی، پھر قارون نے اللہ تعالیٰ کے رحم کے رشتہ کا واسطہ دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شدت غضب کی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہیں کی، پھر فرمایا: اے زمین اس کو پکڑ لے تو زمین اس پر منطبق ہو گئی۔

قتادہ نے کہا کہ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا اور قیامت تک اس کی گہرائی کو نہیں پائے گا۔

قارون کے ہلاک ہونے اور زمین میں دھنسنے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ وہ اپنے مال و دولت اور جاہ و حشم پر بہت فخر اور تکبر کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو زمین میں دھنسا دیتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص ایک حلہ (ایک قسم کی دو چادریں) پہنے ہوئے جا رہا تھا، جو اس کو اچھا لگ رہا تھا، اور وہ اس پر اتراتا ہوا چل رہا تھا، اس نے اپنے سر کے بال لٹکائے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا، اب وہ قیامت تک اسی طرح زمین میں دھنستا رہے گا۔

(صحیح البخاری: ۵۷۸۹، صحیح مسلم: ۲۰۸۸، مسند احمد: ۹۰۵۳)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پچھلی امتوں میں ایک شخص غرور کے ساتھ اپنا تہبند گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ اسی طرح قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔

(صحیح البخاری: ۳۴۸۵، ۵۷۹۰، سنن الترمذی: ۲۴۹۱، سنن نسائی: ۵۳۲۶، مسند احمد: ۵۳۱۸)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کل جو لوگ اس کی دولت کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے لگے: افسوس ہم بھول گئے

تھے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتے ہیں رزق کشادہ فرمادیتے ہیں اور جس پر چاہتے ہیں رزق تنگ فرمادیتے ہیں، اور اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ فرمایا ہوتا تو ہم کو بھی زمین میں دھنسا دیتے، اور افسوس! ہم بھول گئے تھے کہ کفار اخروی کامیابی حاصل نہیں کرتے O" (القصص: ۸۲)

"وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ":

یعنی جن لوگوں نے قارون کے مال و دولت کو دیکھ کر اس کے حصول کی تمنا کی تھی، جب انہوں نے اس کا انجام دیکھا تو وہ کہنے لگے: افسوس! ہم بھول گئے تھے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتے ہیں رزق کشادہ فرمادیتے ہیں اور جس پر چاہتے ہیں رزق تنگ فرمادیتے ہیں، اور اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ فرمایا ہوتا تو ہم کو بھی زمین میں دھنسا دیتے اور افسوس ہم بھول گئے تھے کہ کفار اخروی کامیابی حاصل نہیں کرتے۔

وہ کہتے تھے: "وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ"۔ اس لفظ کے معنی میں اختلاف ہے۔ مجاہد نے کہا: کیا تم نہیں جانتے۔ قتادہ نے کہا: کیا تم نے نہیں دیکھا۔ فراء نے کہا: یہ کلمہ تقریر ہے جیسا کہ کوئی مرد کہے: کیا تم اللہ تعالیٰ کے احسان اور ان کی نعمتوں کی طرف نہیں دیکھتے۔ اور ایک اعرابیہ نے اپنے خاوند سے کہا: تمہارا بیٹا کہاں ہے؟ اس نے کہا: ویکانہ وراء البیت، یعنی تم پر افسوس ہو وہ تو گھر کے پیچھے ہے۔ الخلیل نے کہا: یہ علیحدہ کلمہ ہے اور اس کا معنی ہے: تعجب، یعنی تم نے ایسا کیوں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قوم نادم ہوگئی، پس انہوں نے اپنے کیے ہوئے کاموں پر ندامت سے کہا: افسوس! ہم بھول گئے تھے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۴۲۔۵۴۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾

یہ آخرت کا گھر ہے جس کو ہم نے اُن لوگوں کے لیے بنایا ہے جو نہ زمین میں اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں، اور اچھا انجام صرف اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہے O

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے آخرت میں اس نیکی سے اچھی جزا ہوگی، اور جو شخص کوئی برائی لے کر آئے گا تو برے کام کرنے والوں کو انہی برائیوں کی سزا دی جائے گی جو وہ دنیا میں کرتے تھے O

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَاۗدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ

بِالْهُدٰى وَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۸۵﴾

بے شک جس ذات نے آپ پر قرآن پر عمل کرنے کو فرض فرمایا ہے وہ ضرور آپ کو آپ کے لوٹنے کی جگہ واپس لانے والے ہیں، آپ کہیے: میرے رب اس کو خوب جاننے والے ہیں جو ہدایت یافتہ ہے اور اس کو بھی خوب جاننے والے ہیں جو کھلی ہوئی گمراہی میں ہے O

وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ یُّلْقٰۤى اِلَیْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾

اور آپ (کسی سبب سے) یہ توقع نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب نازل فرمائی جائے گی سوا آپ کے رب کی رحمت کے سبب سے، سو آپ کافروں کے ہرگز ہرگز مددگار نہ بنیں O

وَ لَا یَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْكَ وَ ادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۸۷﴾

اور کفار آپ کو اللہ کی آیتیں آپ کی طرف نازل ہونے کے بعد ان آیتوں (کی تبلیغ) سے روک نہ دیں، اور آپ (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف بلائیں اور آپ ہرگز مشرکین میں سے نہ ہو جائیں O

وَ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور آپ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں، اُن کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اُن کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، انہی کا حکم نافذ ہے اور انہی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”یہ آخرت کا گھر ہے جس کو ہم نے اُن لوگوں کے لیے بنایا ہے جو نہ زمین میں اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں، اور اچھا انجام صرف اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہے O“ (القصص:۸۳)

تواضع اور انکسار کرنے والے مومنین کے لیے دائمی اجر و ثواب

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی الحنفی ۳۳۳ھ، القصص:۸۳ تا ۸۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ“:

اس آیت کا بہ ظاہر یہ معنی ہے کہ ہر وہ شخص جو دنیا میں بڑائی نہیں چاہتا اور نہ فساد کرنا چاہتا ہے، وہ اللہ عزوجل کی نعمتوں کا اہل ہے اور اسی طرح جو الدار الآخرۃ کے متعلق ذکر فرمایا ہے۔ لیکن اس آیت کی دو طرح تفسیر کی گئی ہے:

(۱) گویا کہ یہ آیت کافروں کے سرداروں کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کا مقصود تکبر کرنا تھا اور رسولوں پر اپنی بڑائی ظاہر کرنا تھا اور زمین میں فساد کرنا تھا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے اور رسولوں کی اتباع سے روکنا تھا تو فرمایا: "تِلۡكَ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ" یعنی جنت ان لوگوں کے لیے نہیں ہے، لیکن اُن لوگوں کے لیے ہے جو رسولوں کے سامنے تواضع اور عاجزی کرتے ہیں اور اُن لوگوں کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف اور رسولوں کی پیروی کی طرف بلاتے ہیں۔

(۲) یہ آیت اُن لوگوں کے لیے ہے جو نیکی کے کام کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، رشتہ داروں سے میل جول رکھتے ہیں، فقراء پر صدقہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ یہ لوگ اگر چہ ایسے اعمال کرتے ہیں لیکن یہ لوگ دنیا میں بڑائی حاصل کرنے کے لیے یہ کام کرتے ہیں، آخرت کے لیے یہ کام نہیں کرتے، پس دار آخرت ان لوگوں کے لیے نہیں ہے، وہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو نیک کام کرتے ہیں اور نیک کاموں سے دار آخرت کا ارادہ کرتے ہیں۔

دار آخرت کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۔ (یونس: ۲۵)" (اور اللہ عزوجل دائمی سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف دعوت دیتے ہیں)۔ پس دار الآخرۃ وہ ہے جس کی طرف رسولوں نے دعوت دی ہے اور وہ جنت ہے، اور جب مطلقاً الدار الآخرۃ کہا جائے تو اس سے مراد جنت ہے جیسے مطلقاً کتاب کہا جائے تو اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور جب مطلقاً دین کہا جائے تو اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔

"وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ": اور یہ دار الآخرۃ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔

علامہ علاؤ الدین علی بن محمد البغدادی الشہیر بالخازن المتوفی ۷۲۵ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ دار الآخرۃ ہم اُن لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو زمین میں ایمان لانے سے تکبر نہیں کرتے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ زمین میں بلندی اور لوگوں پر اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور لوگوں کو حقیر نہیں جانتے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو لوگ بادشاہ کے پاس شرف اور عزت کو طلب کرتے ہیں، اُن کے لیے یہ دار آخرت نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ آیت اُن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو حکام اور مقتدر لوگوں میں سے تواضع کرتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے غیر کی عبادت کی طرف نہیں بلاتے، اور جو لوگ لوگوں کا جبراً ناحق مال نہیں لیتے، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اور عاقبت محمودہ انہی کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر اُن کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور اُن کے منع فرمائے ہوئے کاموں سے رُکے رہتے ہیں۔ (لباب التاویل فی معانی التنزیل، ج ۳ ص ۳۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۰ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے آخرت میں اس نیکی سے اچھی جزا ہوگی، اور جو شخص کوئی برائی لے کر آئے گا تو برے کام کرنے والوں کو انہی برائیوں کی سزا دی جائے گی جو وہ دنیا میں کرتے تھے ○" (القصص: ۸۴)

"مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا": اس آیت کا ایک معنی یہ ہے کہ مومنوں کو آخرت میں جو خیر اور ثواب عطا فرمایا گیا ہے وہ اس خیر سے کہیں بہتر ہے جو اُن کو دنیا میں عطا فرمایا گیا تھا، کیونکہ وہ دنیا میں اپنے آپ کو اپنی شہوات اور آرزوؤں پر عمل کرنے سے روکتے تھے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ثواب اور جو اُن پر اکرام فرمایا گیا ہے، اُن کے دنیا میں کیے ہوئے نیک اعمال سے بہت بہتر ہے۔ اور تیسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اُن کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرمانا اور اُن کو ہدایت عطا فرمانا اُن کے دنیا میں کئے ہوئے نیک کاموں سے بہت بہتر ہے۔

"وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ":

تمام مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں سیئة سے مراد شرک ہے، اُس کو صرف اس کے شرک کی سزا دی جائے گی، اور وہ دوزخ میں دائماً رہنا ہے۔ اور اُن پر ظلم نہیں فرمایا جائے گا بلکہ خود انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک جس ذات نے آپ پر قرآن پر عمل کرنے کو فرض فرمایا ہے وہ ضرور آپ کو آپ کے لوٹنے کی جگہ واپس لانے والے ہیں، آپ کہیے: میرے رب اس کو خوب جاننے والے ہیں جو ہدایت یافتہ ہے اور اس کو بھی خوب جاننے والے ہیں جو کھلی ہوئی گمراہی میں ہے O" (القصص: ۸۵)

"اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّيْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ":

اس آیت میں "فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ" کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے کہا "فَرَضَ" کا معنی ہے: جس ذات نے آپ پر قرآن مجید کو نازل فرمایا ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جس ذات نے آپ پر قرآن مجید پر عمل کرنے کو فرض فرمایا ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا کہ جس ذات نے آپ پر قرآن مجید کی تبلیغ کو فرض فرمایا ہے اور لوگوں تک اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچانے کو فرض فرمایا ہے۔

"لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ" کے محامل

اسی طرح "لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ" کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے کہا: وہ آپ کو ضرور مکہ کی طرف لوٹانے والے ہیں۔ اور بعض مفسرین نے کہا: المعاد سے مراد بعثت اور قیامت ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا: المعاد سے مراد جنت ہے۔

اور ہو سکتا ہے کہ مکہ کا نام معاد رکھا جائے، کیونکہ لوگ بار بار مکہ کی طرف لوٹ کر جاتے ہیں جیسے مکہ کو مثابة کہتے ہیں، کیونکہ لوگ بار بار اس کی طرف لوٹ کر جاتے ہیں۔ لیکن جو مفسرین یہ کہتے ہیں کہ معاد سے مراد مکہ ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا گیا، سو آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کر لی، پھر آپ اپنے شہر اور اپنی پیدائش کی جگہ اور اپنے آباء و اجداد کی پیدائش کی جگہ کے مشتاق ہو گئے تو حضرت جبریل علیہ السلام اس آیت کو بشارت لے کر نازل ہوئے کہ آپ ضرور مکہ کی طرف لوٹائے جائیں گے، آپ فاتح کی حیثیت سے مکہ جائیں گے۔ اور اگر اس کا محمل مکہ نہ ہو تو پھر اس کی دو تفسیریں ہیں:

(۱) پہلی تفسیر یہ ہے کہ جب آپ مکہ سے جدا ہو گئے تو آپ کو یہ خطرہ ہوا کہ اب اہل مکہ کو ہلاک کر دیا جائے گا، کیونکہ انہوں نے رسول کو اپنے درمیان سے نکال دیا تھا، اور گزشتہ امتوں میں سے جب اُن کے درمیان سے رسول نکل جاتے تو اُن امتوں پر عذاب

آجاتا تھا تو آپ کو خطرہ ہوا کہ کیونکہ آپ کو اہلِ مکہ نے اپنے شہر سے نکال دیا ہے اور آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ اب انہیں ہلاک کر دیا جائے گا یا عذاب دیا جائے گا، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ (الشعراء:۳)'' (اے رسولِ اکرم!) کفار کے ایمان نہ لانے کے صدمہ سے کہیں آپ اپنی جان نہ دے بیٹھیں) اور جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔ (فاطر:۸)'' (کیا وہ شخص جس کے لئے اس کا برا عمل آراستہ کیا گیا تو اس نے اسے اچھا سمجھا (ہدایت والے کی طرح ہوسکتا ہے؟) پس بے شک اللہ جسے چاہتے ہیں گمراہی میں چھوڑ دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں ہدایت عطا فرماتے ہیں، لہٰذا اُن (کے ایمان نہ لانے) کی آرزو میں آپ کی جان نہ چلی جائے، بے شک وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اُسے خوب جانتے ہیں)۔

سو اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بشارت فرمائی گئی کہ آپ ضرور مکہ کی طرف لوٹائے جائیں گے اور اہلِ مکہ آپ کی پیروی کریں گے اور آپ پر ایمان لائیں گے اور اُن کو اس طرح نہیں ہلاک فرمایا جائے گا جس طرح پچھلی امتوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا تھا۔

(۴) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان کا ذکر فرمایا ہے، گویا اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ بے شک جس ذات نے آپ پر قرآن مجید کو نازل فرمایا ہے اور آپ پر اُس قرآن کو اس وقت نازل فرمایا جب آپ کو یہ توقع نہیں تھی کہ قرآن مجید آپ پر نازل فرمایا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آپ پر قرآن مجید کو نازل فرمایا، جیسا کہ فرمایا: ''وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ''۔ پس اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ کی طرف لوٹائیں گے جب کہ آپ کو اس کی توقع نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ کی طرف لوٹائیں گے۔

اور اگر معاد سے مراد قیامت کے دن لوٹایا جانا ہو تو اس کے دو محمل ہیں:

ایک محمل یہ ہے کہ اس میں آپ کو بشارت دی ہے کہ جس ذات نے آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا ہے، وہ آپ کو لوٹائیں گے اور مبعوث فرمائیں گے اور اُن لوگوں کے ساتھ مبعوث فرمائیں گے جنہوں نے آپ کو جھٹلایا تھا اور اُن لوگوں کے ساتھ بھی جنہوں نے آپ کی تصدیق کی تھی، پس اللہ تعالیٰ آپ کو جھٹلانے والوں سے انتقام لیں گے اور آپ کی تصدیق کرنے والوں کو جزا عطا فرمائیں گے۔

اور دوسرا محمل یہ ہے کہ اس آیت میں آپ کا ذکر ہے اور آپ کو خطاب ہے اور مراد اس سے آپ کی قوم ہے، یعنی یہ آپ کی قوم آخرت کی طرف لوٹائی جائے گی، اور یہ اُن آیات کی طرح ہے جن میں بہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے اور مراد اس سے آپ کی امت ہوتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ (کسی سبب سے) یہ توقع نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب نازل فرمائی جائے گی سوا آپ کے رب کی رحمت کے سبب سے، سو آپ کافروں کے ہرگز ہرگز مددگار نہ بنیں O''
(القصص:۸۶)

"وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ یُّلْقٰۤى اِلَیْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا لِّلْكٰفِرِیْنَ":

اس آیت کے دو محمل ہیں:

پہلا محمل یہ ہے کہ ہر چند کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار اور ان کے فرمانبردار تھے، اس کے باوجود آپ یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب نازل فرمائی جائے گی اور آپ کو رسول بنایا جائے گا۔ یعنی آپ کی یہ خواہش نہیں تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے آپ کو اپنا رسول اور نبی بنایا۔

دوسرا محمل یہ ہے کہ آپ یہ توقع نہیں رکھتے تھے کہ آپ کی قوم میں اور آپ کے قبیلہ میں کوئی رسول ہو، چہ جائیکہ آپ یہ امید رکھتے اور یہ آپ کی طمع ہوتی کہ آپ کو رسول بنایا جائے۔ کیونکہ آپ کی قوم بنی اسرائیل نہیں تھی اور نہ اہل کتاب سے تھی اور نہ اہل رسالت میں سے تھی، اور اس سے پہلے رسول صرف بنی اسرائیل سے ہوتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے عربوں میں بھی رسالت رکھ دی اور آپ کے نفس میں بھی اپنی رحمت اور فضل سے رسالت رکھ دی۔

مفتی احمد یار خان متوفی ۱۳۹۱ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی ظاہری اسباب کے لحاظ سے آپ کو نبوت کی امید نہ تھی، صرف خدا کی رحمت سے، امید تو کیا، یقین تھا، کیونکہ آپ کو نبوت نہ تو حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح کسی کی دعا سے حاصل ہوئی، نہ حضرت یحییٰ و سلیمان علیہما السلام کی طرح بہ طور میراث ملی بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ملی، لہٰذا اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ اپنی نبوت سے بے خبر تھے، آپ کو تو بچپن ہی سے شجر و حجر سلام کرتے تھے اور رسول اللہ کہہ کر پکارتے تھے، بحیرہ راہب نے بچپن میں ہی آپ کی نبوت کی خبر دے دی تھی، خود فرماتے ہیں: کنت نبیا و آدم لمنجدل فی طینته۔ (میں اس وقت بھی نبی تھا اور آدم ہنوز اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے)۔

(حاشیہ نور العرفان، ۶۳۱، ادارہ کتب اسلامیہ، گجرات)

یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ آپ کو کسی کی دعا سے نبوت ملی ہے، اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کے لیے نبوت کی دعا کی ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا ۔ (البقرۃ: ۱۲۹)" (اے ہمارے رب! اور ان میں ان ہی میں سے ایک (عظیم) رسول بھیج دیں)۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، لکھتے ہیں:

یہ دعا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے خصوصیت سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کی ہے اور یہ وہی دعا ہے جس کے متعلق آپ نے فرمایا: میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی بشارت ہوں۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۷۷۳، تاریخ دمشق الکبیر ج ۱ ص ۱۳۱، رقم الحدیث: ۲۰۷، شرح السنہ: ۳۶۲۶، کنز العمال: ۳۱۸۳۳)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت (اعلانِ نبوت) سے پہلے مجھ پر سلام عرض کیا کرتا تھا، میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم: ۲۲۷۷، سنن ترمذی: ۳۶۲۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۶۳، مسند احمد ج ۵ ص ۸۹، سنن دارمی: ۲۰، مسند ابویعلیٰ: ۷۴۶۹، صحیح ابن حبان: ۶۴۸۲، المعجم الکبیر: ۱۹۰۷، المعجم الاوسط: ۲۰۲۳، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۳۰۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۳، شرح السنہ: ۳۷۰۹)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے بعض راستوں میں جا رہا تھا، آپ کے سامنے جو پہاڑ یا پتھر آتا تو وہ کہتا: السلام علیکم یا رسول اللہ۔

(سنن ترمذی: ۳۶۲۶، سنن دارمی: ۲۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۲۔ ۱۵۳، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۷۱۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ پر نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: جس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (سنن ترمذی: ۳۶۰۹، المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۰)

ان تمام احادیث میں اس پر قوی دلیل ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنائے جانے سے پہلے اپنے نبی ہونے کا علم تھا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے شدت سے اس کا انکار کیا ہے کہ آپ کو نبی بنائے جانے سے پہلے اپنے نبی ہونے کا علم تھا۔ اُن کی طویل عبارت کا ہم ایک اقتباس پیش کر رہے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

پھر یہ بات کہ آپ خود بھی نبوت کے خواہش مند، یا اس کے لیے متوقع اور منتظر نہ تھے، بلکہ پوری بے خبری کی حالت میں اچانک آپ کو اس معاملے سے سابقہ پیش آ گیا، اس کا ثبوت اس واقعے سے ملتا ہے جو احادیث میں آغاز وحی کی کیفیت کے متعلق منقول ہوا ہے۔ جبریل سے پہلی ملاقات اور سورۂ علق کی ابتدائی آیات کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا سے کانپتے اور لرزتے ہوئے گھر پہنچتے ہیں۔ گھر والوں سے کہتے ہیں کہ "مجھے اڑھاؤ، مجھے اڑھاؤ"۔

میں کہتا ہوں کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ علق کی ابتدائی آیات نازل ہو گئی ہیں، جبریل علیہ السلام نے آپ پر وحی نازل فرما دی، پھر بھی آپ کو پتا نہ چلا کہ مجھے نبی بنایا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ بعد میں بھی وہی جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور وہی قرآن نازل ہوا، پھر بعد میں آپ کو کیسے یقین ہو گیا کہ آنے والے جبریل ہیں اور جو کلام نازل ہوا ہے وہ قرآن مجید ہے۔ کیا سید مودودی کی اس عبارت سے پوری اسلام کی عمارت منہدم نہیں ہو جاتی! (سعیدی غفرلہٗ)

نیز سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے نبی بننے کی فکر میں ہوتے، اپنے متعلق یہ سوچ رہے ہوتے کہ مجھ جیسے آدمی کو نبی ہونا چاہیے، اور اس انتظار میں مراقبے کر کر کے اپنے ذہن پر زور ڈال رہے ہوتے کہ کب کوئی فرشتہ آتا ہے اور میرے پاس پیغام لاتا ہے، تو غارِ حرا والا معاملہ پیش آتے ہی آپ خوشی سے اچھل پڑتے اور بڑے دم دعوے کے ساتھ پہاڑ سے اتر کر سیدھے اپنی قوم کے پاس پہنچتے اور اپنی نبوت کا اعلان کر دیتے۔ لیکن اس کے برعکس یہاں حالت یہ ہے کہ جو کچھ دیکھا تھا، اس پر ششدر رہ جاتے ہیں، کانپتے اور لرزتے ہوئے گھر پہنچتے ہیں، لحاف اوڑھ کر لیٹ جاتے ہیں، ذرا دل ٹھیرتا ہے تو بیوی کو چپکے سے بتاتے ہیں کہ آج غار کی تنہائی میں مجھ پر یہ حادثہ گزرا ہے، معلوم نہیں کیا ہونے والا ہے، مجھے اپنی جان کی خیر نظر نہیں آتی۔ یہ کیفیت نبوت کے کسی امیدوار کی کیفیت سے کس قدر مختلف ہے۔

پھر بیوی سے بڑھ کر شوہر کی زندگی، اس کے حالات اور اس کے خیالات کو کون جان سکتا ہے؟ اگر ان کے تجربے میں پہلے سے یہ بات آئی ہوتی کہ میاں نبوت کے امیدوار ہیں اور ہر وقت فرشتے کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں، تو ان کا جواب ہرگز وہ نہ ہوتا جو حضرت خدیجہ نے دیا۔ وہ کہتیں کہ میاں گھبراتے کیوں ہو، جس چیز کی مدتوں سے تمنا تھی وہ مل گئی، چلو، اب پیری کی دکان چمکاؤ،

میں بھی نذرانے سنبھالنے کی تیاری کرتی ہوں۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۶۶۸۔۶۶۹، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۱۲ء)

میں کہتا ہوں کہ اس سے قطع نظر کہ اعلانِ نبوت سے پہلے آپ کو اپنی نبوت کا علم تھا یا نہیں، سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک نبوت کی حقیقت تو صرف نذرانے وصول کرنے والے پیری چمکانے والے کی دکان ہے۔

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محب اور عقیدت مند ہو، اس سے یہ تصور نہیں ہو سکتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو نذرانے وصول کر کے پیری کی دکان چمکانے والے سے تعبیر کرے۔ (سعیدی غفرلہ)

نیز سید ابوالاعلیٰ مودودی کے رد کے لیے درج ذیل حدیث کافی ہے:

عتبہ بن عبد السلمی نے بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! آپ کی نبوت کی پہلی نشانی کیا تھی؟ آپ نے فرمایا: میں بنو سعد بن بکر کے ہاں اپنی دایہ کے پاس تھا، میں اور ان کا بیٹا بکریاں چرانے گئے، ہم نے اپنے ساتھ ناشتہ نہیں لیا تھا، میں نے کہا: اے بھائی! جاؤ ہماری ماں کے پاس سے ناشتہ لے آؤ، میرا بھائی چلا گیا اور میں بکریوں کے پاس رہا، پھر گدھ کی طرح دو سفید پرندے آئے، ایک نے دوسرے سے کہا: کیا یہ وہی ہے؟ اس نے کہا: ہاں، پھر وہ دونوں میری طرف جھپٹے، ان دونوں نے مجھے پکڑ کر زمین پر پیٹھ کے بل گرا دیا، پھر انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور میرا دل نکالا اور اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے، پھر ایک نے دوسرے سے کہا: برف کا پانی لاؤ، پھر انہوں نے اس پانی سے میرے پیٹ کو دھویا، پھر کہا: ٹھنڈا پانی لاؤ، پھر کہا: چھری لاؤ، پھر ٹھنڈا پانی میرے دل پر چھڑکا، پھر کہا: اس دل کو سیو اور اس پر نبوت کی مہر لگا دو، پھر ایک نے دوسرے سے کہا: ان کو ایک پلڑے میں رکھو اور ان کی امت کو دوسرے پلڑے میں رکھو، پھر میں اپنے اوپر ہزاروں آدمیوں کو دیکھ رہا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ ان میں سے بعض مجھ پر گر پڑیں گے، پھر ان میں سے کسی نے کہا: اگر ان کا امت کے ساتھ وزن کیا گیا تو ان کا پلڑا بھاری ہوگا، پھر میں اپنی رضاعی ماں کے پاس گیا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی، ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں مجھ پر کوئی افتاد آ جائے گی، انہوں نے کہا: میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں، وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوگئیں اور مجھے اپنے پیچھے پالان پر بٹھایا، حتیٰ کہ ہم اپنی والدہ (جن کی) تک پہنچ گئے، میری رضاعی ماں نے کہا: کیا میں نے اپنی امانت ادا کر دی اور اپنے ذمہ کو پورا کر دیا؟ اور وہ واقعہ بیان کیا جو مجھے پیش آیا تھا، میری والدہ اس سے خوف زدہ نہیں ہوئیں اور فرمایا: میں نے دیکھا تھا کہ مجھ سے ایک نور نکلا تھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۴۔۱۸۵، طبع قدیم، مسند احمد ج ۲۹ ص ۱۹۵۔۱۹۶، رقم الحدیث: ۱۷۶۴۸، المعجم الکبیر ج ۱۷ رقم الحدیث: ۳۲۳، سنن داری: ۱۳، الآحاد والمثانی رقم الحدیث: ۱۳۶۹، مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۱۸۱، المستدرک ج ۲ ص ۶۱۶۔۶۱۷، تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۷۶، الوفاء لابن الجوزی ص ۱۰۸، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۷، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۸۴۱، حافظ الہیثمی نے کہا: امام احمد کی سند حسن ہے، البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۳۳۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن میں شق صدر کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شق صدر کے اس واقعہ کو اپنی نبوت کی نشانی قرار دیا اور اس واقعہ سے اپنی نبوت کو پہچانا اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ آپ کو بچپن میں نبوت عطا فرما دی گئی تھی اور اس میں نبوت کا ثبوت ہے اور نبوت کے احکام اس وقت جاری ہوئے جب آپ کی عمر کے چالیس سال پورے ہو گئے اور آپ کو اعلانِ نبوت کا حکم فرمایا گیا۔

"فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكٰفِرِينَ": اس آیت کے کئی محمل ہیں:

(۱) ایک محمل یہ ہے کہ اس آیت میں آپ کو اس سے منع فرمایا ہے کہ آپ کفار کے مددگار بنیں۔ ہر چند کہ آپ معصوم ہیں مگر عصمت حکم دینے اور منع کرنے سے منع نہیں کرتی بلکہ امر اور نہی کے وقت عصمت مفید ہوتی ہے۔

(۲) دوسرا محمل یہ ہے کہ اس آیت میں کفار کو اس سے ناامید فرمادیا ہے کہ کبھی آپ اُن کی مدد کریں گے، گویا کہ آپ کو یہ خطرہ تھا کہ ہوسکتا ہے آپ کسی وقت اُن کی مدد کریں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ فرمادیا، آپ مت ڈریں، آپ اُن کے لیے مددگار نہیں ہوں گے۔ اس آیت کی نظیر یہ ہے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ۔ (الحجر: ۸۸)" (اور نہ اُن کے پر تعیش احوال کو دیکھ کر متاسف ہوں) اور جس طرح فرمایا: "فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ۔ (فاطر: ۸)" (لہٰذا اُن (کے ایمان نہ لانے) کی آرزو میں آپ کی جان نہ چلی جائے)۔ یعنی اُن کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ کو غم اور حسرت ہوتی ہے۔

(۳) تیسرا محمل یہ ہے کہ اس آیت میں ہر چند کہ بہ ظاہر آپ کو خطاب ہے لیکن اس سے مراد دوسرے ہیں۔ اور قرآن مجید میں ایسی بہت نظائر ہیں کہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا ہے اور مراد آپ کی امت ہوتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور کفار آپ کو اللہ کی آیتیں آپ کی طرف نازل ہونے کے بعد ان آیتوں (کی تبلیغ) سے روک نہ دیں، اور آپ (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف بلائیں اور آپ ہرگز ہرگز مشرکین میں سے نہ ہوجائیں O" (القصص: ۸۷)

"وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ":

اس آیت میں بھی خطاب آپ کو ہے اور مراد دوسرے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور آپ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں، اُن کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اُن کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، انہی کا حکم نافذ ہے اور انہی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے O" (القصص: ۸۸)

"وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُونَ":

بعض مفسرین نے کہا: اللہ عزوجل کو چھوڑ کر جس سے بھی منفعت کی امید رکھی جائے گی، وہ باطل ہے۔

اور دوسرے مفسرین نے کہا: ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے اور زائل ہونے والی ہے سوائے اللہ عزوجل کی ذات کے، کیونکہ وہ زندہ ہیں، ان کو موت نہیں آئے گی، وہ ہمیشہ ہیں اور کبھی زائل نہیں ہوں گے۔

(تاویلات اہل السنہ، ج ۸ ص ۲۰۳۔۲۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

العنکبوت
(۲۹)
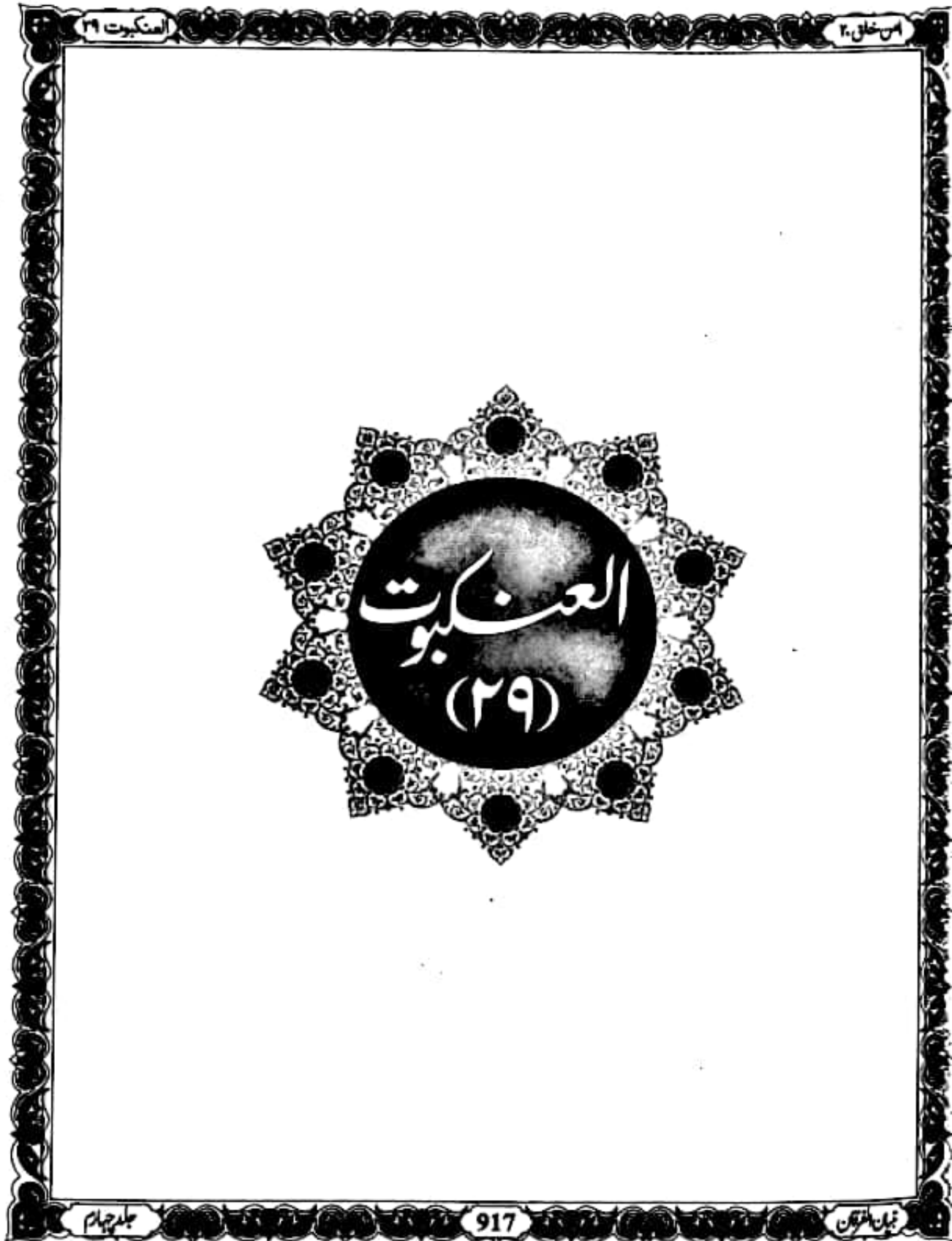
سورۃ العنکبوت کا اجمالی تعارف

سورۃ العنکبوت کے نام کی توجیہ

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا ؕ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۔(العنکبوت:۴۱)'' (وہ لوگ جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر (بتوں کو) مددگار بنالیا ہے، ان کی مثال مکڑی جیسی ہے، اس نے جالے کا گھر بنایا ہے اور بے شک سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا ہے، کتنا اچھا ہوتا کہ وہ (اس حقیقت کو) جانتے)۔ اسی آیت کی مناسبت سے پوری سورت کا نام العنکبوت رکھا گیا ہے۔ اور لوگوں کو یہ بات سمجھائی ہے کہ اللہ عزوجل کے علاوہ کسی اور کو عبادت کا مستحق قرار دینا مکڑی کے جالے کی طرح ہے جو کہ کمزور ترین گھر ہوتا ہے۔

سورۃ العنکبوت کا زمانہ نزول

یہ سورت مکہ کے متوسط دور میں نازل ہوئی، جب مکہ میں مسلمانوں کو مشرکین اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنا رہے تھے، نوجوانوں کو ان کے والدین زدوکوب کرتے تھے اور غلاموں پر ان کے آقا مشق ستم کرتے تھے، اس وجہ سے قدرتی طور پر ان نومسلموں کے دلوں میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہوتے تھے اور شبہات سر اٹھاتے تھے کہ جب ہم برحق دین پر ہیں تو ہم پر یہ مصائب کیوں آرہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اسلام کی خاطر تمہیں قربانیاں دینی ہوں گی اور ابھی تو تم پر اتنا ظلم وستم نہیں ہوا جتنا ظلم وستم پچھلی امتوں پر ہوا ہے اور جتنے مصائب انہوں نے راہ حق میں برداشت کیے ہیں۔

مصعب بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! سب سے زیادہ مصائب کس پر آتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: انبیاء پر، پھر صالحین پر، پھر جو ان جیسے ہوں، لوگوں میں سے کوئی مرد اپنے دین کے اعتبار سے آزمائش میں مبتلاء کیا جاتا ہے، پس اگر اس کے دین میں سختی ہو تو اس کے مصائب میں اضافہ کردیا جاتا ہے، اور اگر اس کے دین میں نرمی ہو تو اس سے مصائب نرم کردیے جاتے ہیں، اور بندہ ہمیشہ مصائب میں مبتلاء رہتا تھا حتیٰ کہ وہ زمین پر ایسی حالت میں چلے گا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

(مسند احمد: ۱۴۸۱، ۱۴۹۴، ۱۵۵۵، ۱۶۰۷، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۱۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۲۴۳، المنتخب من مسند عبد بن حمید: ۱۴۶، سنن دارمی: ۲۸۲۵، الادب المفرد للبخاری: ۵۱۰، سنن ابن ماجہ: ۴۰۲۳، سنن ترمذی: ۲۳۹۸، مسند البزار: ۱۱۵۰، شرح مشکل الآثار: ۲۲۰۲، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۴۴۰، صحیح ابن حبان: ۲۹۰۰، المعجم الاوسط: ۷۰۹۰۴، المعجم الکبیر للطبرانی: ۹۳۰۵، مسند الشامیین للطبرانی: ۲۵۰۷، المستدرک علی الصحیحین: ۱۱۹، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۶۵۴۳، شرح السنۃ للبغوی: ۱۴۳۴، موارد الظمآن: ۶۹۸، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ، ج۶ ص۹)

سورۃ العنکبوت کے مضامین

سورۃ العنکبوت میں جہاد اور ہجرت کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور ان دونوں چیزوں کو اہل ایمان کے لیے اخروی کامیابی کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں توحید، رسالت، مرنے کے بعد اٹھنے اور اعمال کی جزا کو بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ پچھلی سورت القصص کی طرح فرعون، ہامان اور قارون کا ذکر بھی اس سورت میں آرہا ہے۔

آیاتہا ۶۹ | ۲۹ سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ ۸۵ | رکوعاتہا ۷

(سورۃ العنکبوت مکی ہے اور اس میں انہتر آیات اور سات رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾

الٓمّٓ ○ کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ان کو (صرف) اس کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی آزمائش نہیں فرمائی جائے گی ○

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾

اور بے شک ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو آزمائش میں مبتلا فرمایا، پس اللہ ضرور (دعویٰ ایمان میں) سچوں کو ظاہر فرمائیں گے اور جھوٹوں کو بھی (دعویٰ ایمان میں) ضرور ظاہر فرمائیں گے ○

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾

جو لوگ برے کام کرتے رہتے ہیں، کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ ہم سے بھاگ جائیں گے، وہ لوگ یہ بہت برا فیصلہ کرتے ہیں ○

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۵﴾

جو لوگ اللہ سے ملاقات کی امید رکھتے ہیں تو بے شک اللہ کا مقرر کردہ وعدہ ضرور آنے والا ہے، اور وہ سب سے زیادہ سننے والے، سب سے زیادہ جاننے والے ہیں ○

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾

اور جو شخص (اللہ کی راہ میں) جہاد کرتا ہے سو وہ اپنے فائدہ ہی کے لیے جہاد کرتا ہے، بے شک اللہ تمام جہانوں سے بے پرواہ ہیں ○

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، تو ہم ضرور بہ ضرور اُن کے گناہوں کو مٹا دیں گے، اور ہم اُن کے نیک اعمال کی بہت اچھی جزا عطا فرمائیں گے ○

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑧

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا مؤکد حکم فرمایا ہے، اور (اے مخاطب!) اگر تمہارے ماں باپ تمہیں میرے ساتھ اس کو شریک بنانے پر مجبور کریں جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو تم اُن کی اطاعت نہ کرنا، تم سب نے میری ہی طرف لوٹنا ہے پھر میں تم کو تمہارے کاموں کی خبر دوں گا ○

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ⑨

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، ہم اُن کو ضرور بہ ضرور نیکوکاروں میں داخل فرما دیں گے ○

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ۖ وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِنْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۚ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ⑩

اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، پھر جب انہیں اللہ کی راہ میں کوئی ایذاء پہنچائی جائے تو وہ لوگوں کی پہنچائی ہوئی ایذاء کو اللہ کے عذاب کی مثل قرار دیتے ہیں، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے مدد آ جائے تو وہ ضرور کہیں گے کہ بے شک ہم تو تمہارے ساتھ تھے، کیا اللہ اس کو سب سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے جو تمام جہان والوں کے سینوں میں ہے؟ ○

وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ⑪

اور اللہ ایمان والوں کو ضرور بہ ضرور ظاہر فرما دے گا اور منافقین کو بھی ضرور بہ ضرور ظاہر فرما دے گا ○

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ ۖ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُمْ مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ⑫

اور کافروں نے ایمان والوں سے کہا: تم ہمارے راستہ کی پیروی کرو اور ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھا لیں گے، اور وہ اُن کے گناہوں کے بوجھ میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں، بے شک وہ ضرور جھوٹ بولنے والے ہیں ○

وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ ۖ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا

یَفْتَرُوْنَ ۝۱۳ ع

بے شک وہ اپنے بوجھوں کو اور اپنے ساتھ کئی دوسرے بوجھوں کو بھی اٹھائیں گے، اور اُن سے اُن کی افتراء پردازیوں کے متعلق قیامت کے دن ضرور سوال فرمایا جائے گا ۝

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "الٓمّٓ ۝ کیا لوگوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ اُن کو (صرف) اس کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے اور اُن کی آزمائش نہیں فرمائی جائے گی ۝" (العنکبوت: ۱-۲)

صرف دعویٰ ایمان کافی نہیں بلکہ اس کے ثبوت کے لیے آزمائشوں کی بھٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے

علامہ ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، العنکبوت: ۱ تا ۱۳ تفسیر میں لکھتے ہیں:

"الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ": یعنی کیا لوگوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ اُن کو بغیر امتحان اور آزمائش کے چھوڑ دیا جائے گا بایں طور کہ وہ صرف یہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور اُن کو اُن کے مالوں اور اُن کی جانوں میں آزمائش میں مبتلا نہیں فرمایا جائے گا؟ ہرگز نہیں! ہم ضرور اُن کا امتحان لیں گے تاکہ مخلص، منافق سے اور سچا، جھوٹے سے ممتاز ہو جائے۔

اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے۔ الشعبی نے کہا: یہ آیت مکہ میں رہنے والے اُن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے اسلام کا اقرار کرلیا تھا تو اُن کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے لکھا: تمہارے اسلام کا اقرار قبول نہیں ہوگا حتیٰ کہ تم ہجرت کرو، پس وہ مدینہ کا قصد کرتے ہوئے مکہ سے نکلے، سو مشرکین نے اُن کا پیچھا کیا اور اُن سے لڑے، پس اُن میں سے بعض شہید ہو گئے اور بعض نے نجات پائی، تو اللہ تعالیٰ نے یہ دو آیتیں نازل فرمائیں۔

(تفسیر مجاہد ص ۵۳۳، تفسیر ابن ابی حاتم: ج ۹ ص ۳۰۳۲، الدر المنثور للسیوطی ج ۵ ص ۱۳۱، تفسیر سفیان ص ۲۳۵، تفسیر عبدالرزاق ج ۲ ص ۹۱)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور بے شک ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو آزمائش میں مبتلاء فرمایا، پس اللہ ضرور (دعویٰ ایمان میں) سچوں کو ظاہر فرمائیں گے اور جھوٹوں کو بھی (دعویٰ ایمان میں) ضرور ظاہر فرمائیں گے ۝" (العنکبوت: ۳)

"وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ":

یعنی ہم نے اس سے پہلی امتوں کی آزمائش فرمائی جن کی طرف ہم نے رسولوں کو بھیجا تھا، انہوں نے بھی اسی طرح کہا جس طرح اے رسول اکرم! آپ کی امت نے کہا ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب ہم نے بنی اسرائیل کی طرف بھیجا اور اُن کو فرعون اور اس کے اصحاب کے ساتھ مقابلہ میں مبتلا فرمایا۔ اور جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہم نے بنی اسرائیل کی طرف بھیجا، پس ہم نے اُن کی اتباع کرنے والوں کو اُن کے مخالفین کے ساتھ آزمائش میں مبتلا فرمایا۔ اسی طرح ہم نے آپ کے پیروکاروں کو آپ کے دشمنوں اور مخالفین کے ساتھ آزمائش میں مبتلا فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ ضرور ظاہر فرمائیں گے کہ اُن میں سے جو اپنے اس قول میں صادق تھے کہ

ہم ایمان لے آئے ، اور اللہ تعالیٰ اُن کو بھی ضرور ظاہر فرمائیں گے جو اپنے اس قول میں یا اپنے دعویٰ ایمان میں جھوٹے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کو آزمائش میں ڈالنے سے پہلے بھی جاننے والے ہیں۔ اور جب انہیں آزمائش میں ڈالا ، اس وقت بھی اُن کے حال کو جاننے والے ہیں اور اس کے بعد بھی اُن کے حال کو جاننے والے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ضرور دعویٰ ایمان میں سچوں کو ظاہر فرمائیں گے جنہوں نے کہا تھا: ہم اللہ پر ایمان لے آئے ، اور اُن کو بھی ضرور ظاہر فرمائیں گے جو اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے تھے ، جب اُن کو اُن کے دشمنوں کے ساتھ مبتلاء فرمائیں گے تاکہ سچے جھوٹوں سے ممتاز ہو جائیں۔

ذکر کیا گیا ہے کہ یہ آیت اُن مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی کہ جن کو کفار نے طرح طرح کی ایذاؤں میں مبتلاء کیا ، پس بعض فتنہ میں مبتلاء ہو گئے اور بعض نے اُن کفار کی ایذاء پر صبر کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے اُن پر کشادگی کو لے آئے۔

عبداللہ بن عبید بن عمیر نے کہا کہ یہ آیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی جب ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں عذاب دیا جا رہا تھا۔ (طبقات ابن سعد ، ج ۳ ص ۲۵۰ ، تاریخ دمشق ج ۴۳ ص ۳۷۵ ، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۳۰۳۲)

اور مقاتل نے کہا: یہ آیت حضرت مہجع بن عبداللہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جو غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے شہید ہوئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سید الشہداء مھجع"۔ اور وہ اس امت میں سب سے پہلے شخص ہیں جن کو جنت کے دروازہ کی طرف بلایا جائے گا۔ (اسباب النزول للواحدی: ۶۶۷)

اور دوسروں نے کہا: بلکہ یہ آیت اُن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے مکہ میں اسلام کا اقرار اور اظہار کیا اور ہجرت نہیں کی ، اور ان لوگوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے آزمائش میں ڈالا گیا۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں اپنی چادر پر ٹیک لگائے ہوئے تھے ، ہم نے آپ سے عرض کیا: آیا آپ ہمارے لیے مدد طلب نہیں کرتے! آیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں کرتے! آپ نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں سے ایک شخص کو زمین پر دبا دیا جاتا ، پھر اس کے جسم پر آری رکھ کر اس کے جسم کو دو حصوں میں کاٹ دیا جاتا ، اور یہ ظلم اسے اس کے دین سے منحرف نہیں کرتا تھا ، اور اس کے جسم میں لوہے کی کنگھی چلا کر اس کے گوشت ، اس کی رگوں اور اس کے پٹھوں کو چھیل دیا جاتا اور یہ ظلم بھی اسے اس کے دین سے منحرف نہیں کرتا تھا ، اور اللہ اپنے اس دین کو مکمل فرمائیں گے حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہیں ہوگا البتہ اس کو اپنی بکریوں کے متعلق بھیڑیے کا ڈر ہوگا لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو۔ (صحیح البخاری: ۳۶۱۲ ، سنن ابوداؤد: ۲۶۴۹ ، سنن نسائی: ۲۰۴۳ ، مسند احمد: ۲۱۳/۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار تھا ، میں آپ کے پاس حاضر ہوا ، میں نے آپ پر ہاتھ رکھا تو میں نے اپنے ہاتھوں میں اس کی تپش محسوس کی ، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کو کتنا تیز بخار ہے ، آپ نے فرمایا: ہمارا حال اسی طرح ہوتا ہے۔ ہمارے لیے مصائب کو دگنا فرما دیا جاتا ہے تاکہ ہم کو اجر بھی دگنا ملے ، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ سخت مصائب کس پر آتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نبیوں پر ، میں نے پوچھا: پھر کس پر؟ آپ نے فرمایا: پھر نیک لوگوں پر ، بے شک ان میں سے کسی ایک کو فقر میں مبتلا کیا جاتا ہے ، حتیٰ کہ اس کے پاس پہننے کے لیے صرف ایک چادر ہوتی ہے ، اور بے شک ان میں سے ایک شخص مصیبت سے اس طرح خوش ہوتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی ایک شخص راحت سے خوش ہوتا

ہے۔(سنن ابن ماجہ: ۴۰۲۴، مسند ابو یعلیٰ: ۵۱۰۳، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۶۲۶، مسند احمد ج ۳ ص ۹۴)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو لوگ برے کام کرتے رہتے ہیں، کیا انہوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ وہ ہم سے بھاگ جائیں گے، وہ لوگ یہ بہت برا فیصلہ کرتے ہیں O'' (العنکبوت: ۴)

''اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۚ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ'':

یعنی جو لوگ شرک کرتے ہیں، کیا اُن کا یہ گمان ہے کہ وہ ہم سے بھاگ کر ہم کو عاجز کردیں گے اور ہم اُن سے انتقام لینے پر قادر نہیں ہوں گے، وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو لوگ اللہ سے ملاقات کی امید رکھتے ہیں تو بے شک اللہ کا مقرر کردہ وعدہ ضرور آنے والا ہے، اور وہ سب سے زیادہ سننے والے، سب سے زیادہ جاننے والے ہیں O'' (العنکبوت: ۵)

مرنے کے بعد حساب کتاب کی تیاری کی ترغیب

''مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل نے بیان کیا کہ جو شخص مرنے کے بعد اٹھنے سے اور حساب سے ڈرتا ہے۔ اور اس آیت میں ''رجاء'' بہ معنی خوف ہے، اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے ثواب کی طمع رکھتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ نے ثواب اور عذاب کے لیے جو مدت مقرر فرمائی ہے وہ ضرور آئے گی، اور مقاتل نے کہا: قیامت کا دن ضرور واقع ہونے والا ہے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے یا اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے، اُسے چاہیے کہ اس کے لیے تیاری کرے اور اس دن اور قیامت کے دن کے لیے عمل کرے، جیسے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: ''فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا۔ (الکہف: ۱۱۰)'' (پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی توقع رکھتا ہو تو اس کو نیک عمل کرنے چاہئیں، اور وہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو شخص (اللہ کی راہ میں) جہاد کرتا ہے سو وہ اپنے فائدہ ہی کے لیے جہاد کرتا ہے، بے شک اللہ تمام جہانوں سے بے پرواہ ہیں O'' (العنکبوت: ۶)

اللہ تعالیٰ کا سارے جہاں سے مستغنی ہونا

''وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ'': یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے تو وہ اپنے ثواب کے لیے ہی جہاد کرتا ہے۔ اور جہاد سے مراد ہے سختی اور مشقت پر صبر کرنا، اور یہ لڑائی اور جنگ میں ہوتا ہے، اور کبھی اپنے نفس کی خواہشات کی مخالفت کرنے سے بھی جہاد ہوتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال اور ان کی عبادات سے مستغنی ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو، سوا اس کے جس کو میں ہدایت دوں، تم مجھ سے ہدایت کا سوال کرو میں تم کو ہدایت عطا فرماؤں گا، تم سب فقیر ہو، سوا اس

کے جس کو میں غنی فرماؤں، تم مجھ سے سوال کرو میں تم کو رزق عطا فرماؤں گا، اور تم سب گنہگار ہو سوا اس کے جس کو میں عافیت سے رکھوں، سو تم میں سے جس کو یہ یقین ہو کہ میں گناہ بخشنے پر قادر ہوں، پھر وہ مجھ سے بخشش کا سوال کرے تو میں اس کو بخش دوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے، اور اگر تمہارے اول اور آخر اور زندہ اور مردہ اور تر اور خشک مل کر میرے بندوں میں سے سب سے بڑے متقی اور پرہیزگار کے دل کے مطابق ہو جائیں تو میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر اضافہ نہیں ہوگا، اور اگر تمہارے اول اور آخر اور زندہ اور مردہ اور تر اور خشک مل کر میرے بندوں میں سے سب سے بڑے فاسق وفاجر کے دل کے مطابق ہو جائیں تو میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر کمی نہیں ہوگی، اور اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے زندہ اور مردہ اور تر اور خشک مل کر ایک میدان میں جمع ہو جائیں، پھر تم میں سے ہر انسان اپنی تمام آرزوؤں کا سوال کرے اور میں ہر شخص کے سوال کے مطابق عطا فرماؤں تو میرے ملک سے صرف اتنی کمی ہوگی جیسے تم میں سے کوئی شخص سمندر میں سوئی ڈبو کر نکال لے، کیونکہ میں جواد اور واجد اور ماجد (بہت غنی اور بہت بزرگ) ہوں، جو چاہتا ہوں فرماتا ہوں، میری عطا میرا کلام ہے اور میرا عذاب (بھی) میرا کلام ہے، جب میں کسی کام کا ارادہ فرماتا ہوں تو فقط اتنا فرماتا ہوں "ہو" اور وہ کام ہو جاتا ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۴۹۵، سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۷، مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۴، صحیح ابن حبان: ۶۱۹، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۲۵، المستدرک ج ۴ ص ۲۴۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۹۳)

حدیث میں یہ مثال صرف سمجھانے کے لیے دی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے خزانے غیر متناہی سمندر ہیں اور سوئی ڈبونے سے بھی ایک غیر متناہی پانی میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، تو ہم ضرور بہ ضرور اُن کے گناہوں کو مٹا دیں گے، اور ہم اُن کے نیک اعمال کی بہت اچھی جزا عطا فرمائیں گے ○" (العنكبوت: ۷)

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ": یعنی ہم اُن کے گناہوں کو مٹا دیں گے گویا کہ انہوں نے گناہ کیا ہی نہیں ہے، اور تکفیر کا معنی ہے: برائی کو نیکی سے بدل دینا۔ اور ہم اُن کے نیک اعمال سے زیادہ ان کو اجر و ثواب عطا فرمائیں گے، جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (الانعام: ۱۶۰)" (جس نے ایک نیکی کی تو اس کو اس کی مثل دس نیکیوں کا اجر ملے گا، اور جس نے کوئی برا کام کیا تو اس کو صرف اسی ایک برائی کی سزا ملے گی، اور ان پر بالکل ظلم نہیں فرمایا جائے گا)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا مؤکد حکم فرمایا ہے، اور (اے مخاطب!) اگر تمہارے ماں باپ تمہیں میرے ساتھ اس کو شریک بنانے پر مجبور کریں جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو تم اُن کی اطاعت نہ کرنا، تم سب نے میری ہی طرف لوٹنا ہے، پھر میں تم کو تمہارے کاموں کی خبر دوں گا ○" (العنكبوت: ۸)

ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید

''وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ'': یعنی ہم نے ہر انسان کو یہ مؤکد حکم فرمایا ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔

یہ آیت اور لقمان کی چودہ (۱۴) اور الاحزاب کی بہتر (۷۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی، ان کی والدہ کا نام حمنہ بنت ابی سفیان بن امیہ تھا۔ جب حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور وہ سابقین اولین میں سے تھے اور وہ اپنی ماں کے ساتھ بہت حسن سلوک کرتے تھے تو اُن سے اُن کی ماں نے کہا: یہ کیسا نیا دین ہے، اللہ کی قسم! میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی حتیٰ کہ تو اپنے پچھلے دین کی طرف لوٹ جائے، یا پھر میں مرجاؤں تو ساری عمر تجھے ملامت ہوتی رہے گی، اور کہا جائے گا: اے اپنی ماں کے قاتل، تو اُن کی ماں ایک دن ٹھہری رہیں، نہ کھایا نہ پیا نہ سائے میں بیٹھیں، اور وہ بہت تھک گئیں، پھر دوسرا دن آیا تو پھر انہوں نے نہ کھایا، نہ پیا۔ پس حضرت سعد رضی اللہ عنہ اُن کے پاس گئے اور کہا: اے میری ماں! اگر تمہاری سو جانیں بھی ہوتیں اور ایک ایک جان کر کے تمہاری جانیں نکل جاتیں تب بھی میں اپنے دین کو نہیں چھوڑتا، تم کھاؤ اگر تم چاہو تو نہ کھاؤ، جب اُن کی ماں اُن کے دین کے چھوڑنے سے مایوس ہو گئیں تو انہوں نے کھایا اور پیا، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی اور حکم فرمایا کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور حسن سلوک کرو اور شرک میں اُن کی اطاعت نہ کرو۔

(الوسیط للواحدی ج ۳ ص ۴۱۳، صحیح مسلم: ۱۸۷۷، ۱۷۴۸، سنن ترمذی: ۳۱۸۹، مسند ابو یعلیٰ: ۷۸۲)

اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اطاعت کرنے کی ممانعت

''وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا'': (اور (اے مخاطب!) اگر تمہارے ماں باپ تمہیں میرے ساتھ اس کو شریک بنانے پر مجبور کریں جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو تم اُن کی اطاعت نہ کرنا)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر ایک مرد کو امیر بنا دیا، اس امیر نے آگ جلائی اور لشکر والوں سے کہا: اس آگ میں داخل ہو جاؤ، پس انہوں نے اس آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا اور دوسروں نے کہا: ہم آگ سے ہی تو اسلام کی طرف بھاگے ہیں، پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے اس آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تھا: اگر تم اس آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اسی آگ میں رہتے، اور دوسروں سے آپ نے فرمایا کہ معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں ہے، اطاعت صرف نیک بات میں ہوتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۳۴۰، ۷۱۴۵، ۷۲۵۷، صحیح مسلم: ۱۸۴۰، سنن نسائی: ۴۲۰۵، سنن ابوداؤد: ۲۶۲۵، مسند احمد: ۱۰۲۱، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۷۰۰، المعجم الاوسط للطبرانی: ۴۷۳ ، مسند الشہاب القضاعی: ۸۷۳)

''اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ'': (تم سب نے میری ہی طرف لوٹنا ہے پھر میں تم کو تمہارے کاموں کی خبر دوں گا)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، ہم اُن کو ضرور بہ ضرور

نیکوکاروں میں داخل فرمادیں گے O" (العنکبوت:۹)

"وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ": یعنی صالحین کے گروہ میں داخل فرمادیں گے اور وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صالحین کے داخل ہونے کی جگہ داخل فرمادیں گے اور وہ جنت ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، پھر جب انہیں اللہ کی راہ میں کوئی ایذاء پہنچائی جائے تو وہ لوگوں کی پہنچائی ہوئی ایذاء کو اللہ کے عذاب کی مثل قرار دیتے ہیں، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے مدد آجائے تو وہ ضرور کہیں گے کہ بے شک ہم تو تمہارے ساتھ تھے، کیا اللہ اس کو سب سے زیادہ جاننے والے نہیں ہیں جو تمام جہان والوں کے سینوں میں ہے؟O" (العنکبوت:۱۰)

منافقوں اور کافروں کی مذمت

"وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِؕ وَ لَىٕنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْؕ اَوَ لَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِیْنَ":

یعنی بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب ان لوگوں کو لوگوں کی ایذاء اور تکلیفیں پہنچتی ہیں تو وہ ان ایذاؤں کو آخرت کے عذاب کی مثل قرار دیتے ہیں، یعنی اُن ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں اور ان پر صبر نہیں کرتے۔ سو وہ لوگ لوگوں کی اس طرح اطاعت کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے اور لوگوں کی تکالیف سے اس طرح ڈرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔

السدی اور ابن زید نے کہا: ایسے لوگ منافق ہیں، جب ان کو اللہ کی راہ میں کوئی ایذاء پہنچائی جائے تو وہ اسلام سے نکل کر کفر میں داخل ہوجاتے ہیں۔

"وَ لَىٕنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ": اور اگر مسلمانوں کو اُن کے رب کی طرف سے فتح اور مال غنیمت حاصل ہو تو وہ منافقین ضرور مومنین سے کہیں گے: بے شک ہم بھی تمہارے ساتھ تمہارے دشمن کے خلاف تھے، اور ہم بھی مسلمان تھے اور ہمیں مجبور کیا گیا حتیٰ کہ ہم نے کہا جو کہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی: "اَوَ لَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِیْنَ"۔ یعنی کیا اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ جاننے والے نہیں ہیں جو تمام جہان کے لوگوں کے دلوں میں ہے، یعنی ایمان اور نفاق۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اللہ ایمان والوں کو ضرور بہ ضرور ظاہر فرمادیں گے اور منافقین کو بھی ضرور بہ ضرور ظاہر فرمادیں گے O" (العنکبوت:۱۱)

"وَ لَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ": یعنی اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو ضرور ظاہر فرمائیں گے جو اپنے دعویٰ ایمان میں سچے تھے، وہ مصائب اور آزمائشوں کے وقت اسلام پر ثابت قدم رہے۔ اور اللہ تعالیٰ ضرور منافقین کو بھی ظاہر فرمائیں گے جو مصیبت نازل ہونے پر اسلام کو ترک کردیتے۔

مجاہد نے کہا: یہ آیت اُن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اپنی زبانوں سے ایمان لاتے تھے اور جب اُن پر لوگوں کی طرف

سے کوئی مصیبت آتی یا اُن کی اپنی جانوں کی طرف سے کوئی مصیبت آتی تو پھر وہ فتنہ میں پڑ جاتے۔

اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جن کو مشرکین اپنے ساتھ بدر میں لے گئے تھے اور انہی کے متعلق یہ آیت بھی نازل ہوئی: "اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا فَاُولٰٓىٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا" (النساء: ۹۷) (بے شک جن لوگوں کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے فرشتے (ان سے) کہتے ہیں: تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں: ہم زمین میں کمزور تھے، فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس زمین میں کہیں ہجرت کر جاتے؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور کافروں نے ایمان والوں سے کہا: تم ہمارے راستہ کی پیروی کرو اور ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھالیں گے، اور وہ اُن کے گناہوں کے بوجھ میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں، بے شک وہ ضرور جھوٹ بولنے والے ہیں O" (العنکبوت: ۱۲)

"وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰیٰكُمْ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِیْنَ مِنْ خَطٰیٰهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ":

مجاہد نے کہا: یہ کفار مکہ کا اُن کے متعلق قول ہے جو اہل مکہ میں سے ایمان لے آئے تھے۔ اور الکلبی اور مقاتل نے کہا: اُن سے ابوسفیان نے کہا کہ قریش میں سے جو لوگ ایمان لا چکے تھے، ان سے کہا گیا کہ ہمارے طریقہ کی اور ہمارے دین کی اور ہمارے آباؤ اجداد کی ملت کی پیروی کرو، تو تم کو جو بھی مصیبت پہنچے گی ہم تمہارے لیے اس کے ضامن ہوں گے، اور کہا: ہم تمہارے گناہوں کے بوجھ کو اٹھالیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک وہ اپنے بوجھوں کو اور اپنے ساتھ کئی دوسرے بوجھوں کو بھی اٹھائیں گے، اور اُن سے اُن کی افتراء پردازیوں کے متعلق قیامت کے دن ضرور سوال فرمایا جائے گا O" (العنکبوت: ۱۳)

"وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَیُسْـَٔلُنَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ":

اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی کہ وہ ان کے گناہوں کے بوجھ کو اٹھانے والے نہیں ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں اور ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہے اور سیدھے راستہ سے بہکا دیا ہے۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے: "لِیَحْمِلُوْۤا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ" (النحل: ۲۵) (تاکہ انجام کار قیامت کے دن یہ کفار اپنے گناہوں کے پورے بوجھ کو اٹھائیں اور ان لوگوں کے گناہوں کے بوجھ کو بھی اٹھائیں جن کو یہ بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں، سنو! یہ بہت برا بوجھ ہے جسے وہ اٹھا رہے ہیں)۔

"وَلَیُسْـَٔلُنَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ": یہ سوال اُن سے جاننے کے لیے نہیں فرمایا جائے گا بلکہ اُن کو ڈانٹ ڈپٹ کے لیے فرمایا جائے گا۔ (معالم التنزیل، ج ۳ ص ۵۴۹۔ ۵۵۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور بے شک ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا، سو وہ اُن کے درمیان ساڑھے نو سو سال رہے، پس اُن کی قوم کو (ہمہ گیر) طوفان نے اپنی لپیٹ میں لے لیا جب کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے O

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

پس ہم نے نوح کو اور اُن کی کشتی والوں کو نجات عطا فرما دی اور اس کشتی کو تمام جہان والوں کے لیے نشانی بنا دیا O

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور ابراہیم کا ذکر کیجیے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اللہ کی عبادت کرو اور اُن سے ڈرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو O

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر صرف بتوں کی عبادت کرتے ہو اور جھوٹ گھڑتے ہو، بے شک وہ بت جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہارے لیے رزق کے مالک نہیں ہیں، پس تم اللہ سے رزق کو طلب کرو اور انہی کی عبادت کرو اور انہی کا شکر ادا کرو، انہی کی طرف تم سب لوٹ کر جاؤ گے O

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾

اور اے مشرکو! اگر تم نے (میری) تکذیب کی تو بے شک تم سے پہلے کتنی قومیں رسولوں کی تکذیب کر چکی ہیں، اور رسول کے ذمہ تو صرف (اللہ کے) پیغام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے O

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾

کیا ان مشرکوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح مخلوق کی ابتداء فرماتے ہیں اور پھر اس کو دوبارہ لوٹائیں گے، بے شک یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے O

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾

آپ کہیے: تم زمین میں سفر کرو، پھر دیکھو اللہ نے کس طرح مخلوق کی ابتداء فرمائی ہے، پھر اللہ (آخرت میں) ان کو دوسری بار پیدا فرمائیں گے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہیں O

یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ اِلَیْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾

وہ جسے چاہیں عذاب دیتے ہیں اور جس پر چاہتے ہیں رحم فرماتے ہیں، اور تم انہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ۫ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ﴿۲۲﴾

اور تم اللہ کو نہ زمین میں عاجز کر سکتے ہو اور نہ آسمان میں، اور تمہارے لیے اللہ کے علاوہ نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا، سو وہ اُن کے درمیان ساڑھے نو سو سال رہے، پس اُن کی قوم کو (ہمہ گیر) طوفان نے اپنی لپیٹ میں لے لیا جب کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے O'' (العنکبوت:۱۴)

حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ، العنکبوت:۱۴ تا ۲۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ'': اور اے رسولِ اکرم! بے شک ہم نے آپ کو مبعوث فرمانے سے پہلے توحید کی اور صراطِ مستقیم کی دعوت دینے کے لیے دنیا میں نوح کو بھیجا۔ علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے کتاب التعریف میں لکھا ہے کہ اُن کا نام عبدالغفار تھا۔ اور ابواللیث نے البستان میں لکھا ہے کہ اُن کا نام نوح تھا، کیونکہ نوح، نوحہ سے مشتق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہ کثرت نوحہ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اترنے کے ایک ہزار چھ سو بیالیس (۱۶۴۲) سال کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور چالیس سال کی عمر میں ان کو ان کی قوم کی طرف یعنی پوری دنیا والوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کے عموم اور ہمارے نبی علیہ السلام کی رسالت کے عموم میں یہ فرق ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ سے لے کر اپنے بعد قیامت تک کے لوگوں کے لیے رسول ہیں، اس کے برخلاف حضرت نوح علیہ السلام کو ان کے زمانہ میں تمام روئے زمین والوں کی طرف بھیجا تھا نہ کہ اُن کے بعد بھی، اور وہ پہلے نبی ہیں جن کو بت پرستوں کی طرف بھیجا گیا، کیونکہ بتوں کی عبادت ابتداء حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے شروع کی، اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا جو اُن کو بت پرستی سے منع کرتے تھے، نیز وہ پہلے نبی ہیں جن کو رشتہ داروں اور دوسروں کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔ اور رہے حضرت آدم علیہ السلام تو وہ پہلے رسول ہیں، ان کو اُن کی اولاد کی طرف ایمان کی دعوت دینے کے لیے اور احکام شرعیہ کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا۔

اور حضرت نوح علیہ السلام ہمارے دوسرے باپ ہیں اور اُن کی قبر سرزمین شام میں "کرک" کی جگہ پر ہے جیسا کہ فتح الرحمٰن میں مذکور ہے۔ پس حضرت نوح علیہ السلام مبعوث فرمائے جانے کے بعد اسی جگہ پر رہے۔

"فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا": اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے درمیان ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرماتے رہے، لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے اور لوگ اُن کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ کفار کی سختیوں پر صبر کریں جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک مسلسل تبلیغ کرتے رہے اور اپنی قوم کو بت پرستی سے منع کرتے اور روکتے رہے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ۔۔(ہود:۴۰)" (حتیٰ کہ جب (کافروں کو غرق کرنے کے متعلق) ہمارا حکم آ گیا اور تنور جوش سے اُبلنے لگا تو ہم نے نوح کو حکم فرمایا: "اس کشتی میں ہر جنس سے نر اور مادہ کے دو جوڑے رکھوا اور اپنے گھر والوں کو بھی اس کشتی میں سوار کرا سوا اُن لوگوں کے جن کے متعلق پہلے غرق فرمائے جانے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اُن کے ساتھ ایمان والوں کو بھی سوار کر لو" اور اُن کے ساتھ ایمان لانے والے صرف چند لوگ تھے)۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کے خلاف ہلاکت کی دعا کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔

"فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ": پھر اس کے بعد ان کو ہمہ گیر طوفان نے پکڑ لیا اور دنیا میں جتنے بھی کفار تھے سب کو غرق کر دیا۔ اور یہ طوفان کا پانی تمام روئے زمین پر بہتا رہا۔

"وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ": یعنی جس حال میں وہ لوگ کفر پر برقرار تھے اور حق کی طرف بلانے والے کی آواز کو نہیں سنتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس ہم نے نوح کو اور اُن کی کشتی والوں کو نجات عطا فرما دی اور اس کشتی کو تمام جہان والوں کے لیے نشانی بنا دیا ○" (العنکبوت:۱۵)

"فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ": یعنی ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو غرق کرنے سے اور کافروں کے عذاب سے نجات عطا فرمائی۔ اور نوح کو اور ان کے ساتھ جو کشتی میں تھے اور وہ اسّی (۸۰) مرد اور عورتیں تھیں۔ اور ہم نے اس کشتی کو یا اس قصہ کو تمام جہان والوں کے لیے نشانی اور عبرت بنا دیا ہے۔ یعنی تاکہ بعد والے اس قصہ سے عبرت حاصل کریں یا اس قصہ سے اللہ عزوجل کی قدرت پر استدلال کریں۔

علامہ ابو اللیث نے اپنی تفسیر میں کہا ہے: وہ کشتی الجودی پہاڑ کے قریب ٹھہری۔ اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اور اس طوفان کے درمیان تین ہزار نو سو چوہتر (۳۹۷۴) سال کا عرصہ تھا جیسا کہ فتح الرحمٰن میں مذکور ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کشتی کو دیکھا اور جنھوں نے نہیں دیکھا، اُن سب کے لیے یہ واقعہ عبرت کا نشان بن گیا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے: حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی دنیا میں پہلی کشتی تھی جو مخلوق کے لیے عبرت اور علامت بن گئی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: "وَ لَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰیَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۔۔(القمر:۱۵)" (اور ہم نے اس کشتی کو باقی رکھا تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا)۔

روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا اور انہوں نے اپنی قوم کو نو سو پچاس سال توحید کی دعوت دی، اور وہ طوفان کے بعد ساٹھ سال تک زندہ رہے حتیٰ کہ لوگ بہت زیادہ ہو گئے۔ اور اُن کی اولاد میں سے حام، سام اور یافث کی اولاد پھیل گئی، کیونکہ جب لوگ اس کشتی سے نکلے تو سب مر گئے سوائے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کے۔ حضرت نوح علیہ السلام ایک ہزار پچاس سال رہے اور وہ تمام انبیاء علیہم السلام میں سب سے زیادہ عمر والے تھے۔ اسی وجہ سے اُن کو کہا جاتا ہے "کبیر الانبیاء و شیخ المرسلین"۔ اور وہ پہلے نبی ہیں جن سے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے زمین شق ہوگی۔

عمر میں اضافہ کا باعث فضیلت ہونا

حسن بصری نے کہا ہے کہ قیامت کے دن سب سے افضل ثواب اس کا ہوگا جس کی عمر زیادہ ہوگی (بہ شرطیکہ اس نے اپنی عمر نافرمانیوں میں نہ گزاری ہو، اور اگر نافرمانیاں سرزد ہو گئی ہوں تو موت سے پہلے ان پر توبہ کر لی ہو اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کی ہوں۔ سعیدی غفرلہ)

حضرت عبید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مردوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا، پس ان میں سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو گیا اور دوسرا اس کے ایک جمعہ کے بعد فوت ہوا، صحابہ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم ان کے متعلق کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم نے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس دوسرے کی مغفرت فرمائیں اور رحم فرمائیں اور اس کو اس کے ساتھی کے ساتھ ملا دیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے اپنے صاحب کے بعد جو نمازیں پڑھیں اور اس کے بعد جو نیک عمل کیے یا اس کے بعد جو روزے رکھے، ان دونوں کے درجات کے درمیان زمین اور آسمان کے درمیان سے زیادہ فاصلہ ہے۔ (مسند احمد: ۱۷۳۶۴، سنن ابوداؤد: ۲۵۲۴)

پس اس شخص کو مبارک ہو جس کی عمر طویل ہو اور اس کے عمل نیک ہوں۔ اور جو فیض پچھلی امتوں کو طویل مدت میں حاصل ہوا ہے وہ اس امت کو مختصر مدت میں حاصل ہوگا۔ پس کسی مرد کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ پچھلی امتوں کے اعمال کی تمنا کرے، کیونکہ ستر سال کی عمر طویل ہے اور سو سال کی عمر زیادہ طویل ہے، بلکہ یہ تمنا کرے کہ نفسِ امارہ سے اس کی خلاصی ہو، پس جب اس کا نفس نیک نہیں ہوگا تو پوری عمر اس کو اللہ تعالیٰ کے قہر سے مستغنی نہیں کر سکے گی۔ اور اس کی نفس کی نیکی احکام شرعیہ پر عمل کرنے سے ہوگی۔ پس جس طرح سے کشتی اپنے سواروں کو نجات دیتی ہے اسی طرح شریعت اپنے عاملوں کو نجات دیتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ابراہیم کا ذکر کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اللہ کی عبادت کرو اور اُن سے ڈرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ○" (العنکبوت:۱۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ

"وَ اِبْرٰهِیْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ":

یعنی اے رسولِ اکرم! ہم نے آپ سے پہلے ابراہیم کو بھی مبعوث فرمایا۔ اور یاد کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اور ان کی قوم اہل بابل تھی اور انہی میں سے نمرود تھا۔ ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا: اللہ تعالیٰ کو واحد مانو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک

بنانے سے ڈرو، اور یہ جو عبادت اور تقویٰ کا حکم فرمایا گیا ہے، یہ تمہارے لیے اس کفر سے بہتر ہے جس پر تم ڈٹے ہوئے ہو۔ یہ اُن کے زعم باطل کے اعتبار سے کہا ہے ورنہ کفر میں تو کوئی خیر نہیں ہے، اگر تم خیر اور شر کی تمیز رکھتے ہو۔ تم صرف اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی مورتوں کی عبادت کرتے ہو۔

بعض مفسرین نے کہا: صنم اس کو کہتے ہیں کہ جو لکڑی یا سونے یا چاندی سے انسان کی صورت میں بنایا جاتا ہے۔ اور بت اس طرح نہیں ہوتا، بلکہ بت کو پتھر سے بنایا جاتا ہے اور انسان کی صورت پر نہیں بنایا جاتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر صرف بتوں کی عبادت کرتے ہو اور جھوٹ گھڑتے ہو، بے شک وہ بت جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہارے لیے رزق کے مالک نہیں ہیں، پس تم اللہ سے رزق کو طلب کرو اور انہی کی عبادت کرو اور انہی کا شکر ادا کرو، انہی کی طرف تم سب لوٹ کر جاؤ گے O“ (العنکبوت: ۱۷)

”إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُونَ إِفْكًا ۚ إِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۚ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ“:

”إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُونَ إِفْكًا“: الافک کا معنی ہے: تہمت۔ اور یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم جھوٹ گھڑتے ہو جب کہ تم اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کو معبود قرار دیتے ہو، اور تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس تمہاری شفاعت کریں گے۔ اور جھوٹ کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا، اس لیے فرمایا: ”إِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا“۔ یعنی جو رزق کے مالک نہیں ہیں وہ رزق دینے پر قادر بھی نہیں ہیں، اس لیے قرآن مجید میں ارشاد ہے: ”قَالَ رَبِّ إِنِّيْ لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِيْ وَأَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۔ (المائدہ: ۲۵)“ (موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں صرف اپنے اور اپنے بھائی پر قادر ہوں، پس آپ ہمارے اور نافرمان لوگوں کے درمیان تفریق فرما دیں)۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ بت اس بات پر قادر نہیں ہیں کہ تمہیں تھوڑا سا بھی رزق دیں۔

”فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ“: پس تم اللہ عزوجل سے رزق طلب کرو جو تمہیں رزق پہنچانے پر قادر ہیں۔

”وَاعْبُدُوْهُ“: اور انہی کو واحد مانو۔ ”وَاشْكُرُوْا لَهٗ“: اور ان کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرو۔

”إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ“: انہی کی طرف تم سب لوٹ کر جاؤ گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور اے مشرکو! اگر تم نے (میری) تکذیب کی تو بے شک تم سے پہلے کتنی قومیں رسولوں کی تکذیب کر چکی ہیں، اور رسول کے ذمہ تو صرف (اللہ کے) پیغام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے O“ (العنکبوت: ۱۸)

پچھلی امتوں کے احوال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

''وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ'': اور اگر تم میری اس خبر کی تکذیب کرو تو تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے (تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے) تم سے پچھلی امتیں بھی اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب کرتی رہی ہیں، اور مجھ سے پہلے جن امتوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی، وہ حضرت شیث، حضرت ادریس اور حضرت نوح علیہم السلام ہیں، ان کے منکروں کی تکذیب نے ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچایا، ان کا ضرر انہی کو پہنچا کیونکہ ان کی تکذیب کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔

''وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ'': کیونکہ رسول کے ذمہ تو صرف اللہ کے پیغام کو پہنچا دینا ہے، اور میں اپنی تبلیغ کی ذمہ داری سے عہدہ برا ہو چکا ہوں، اب اگر تم میری تکذیب کرو تو مجھے کوئی ضرر نہیں ہوگا۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے اور آپ کو صبر کرنے کی دعوت دی ہے اور آپ کے مخالفین جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں، ان کو زجر و توبیخ ہے۔ پس مومن پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور انہوں نے ان کو سلام کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا، تو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی، انہوں نے کہا: ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس کوئی عذر ہو، پھر انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پوچھا: کیا وجہ ہے کہ آپ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا، انہوں نے کہا: میں نے ان کا سلام نہیں سنا، کیونکہ میں اس مسئلہ پر غور کر رہا تھا کہ میں اور میرا اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنے عرصے سے ہیں اور ہم نے یہ آپ سے نہیں پوچھا کہ جنت کے دروازے کس چیز سے کھلیں گے اور دوزخ کے دروازے کس چیز سے بند ہوں گے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جنت کے دروازے اس کلمہ سے کھلیں گے جس کو میں نے اپنے چچا ابو طالب پر پیش کیا تھا، اس نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے سے انکار کیا تھا۔ اس روایت کی مثل مسند احمد: ۲۵۴ میں مذکور ہے۔

علامہ اسماعیل حقی کی ذکر کردہ روایت پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: ہمیں مسند احمد: ۲۵۴ میں اس حدیث کی مثل نہیں ملی، اور نہ ہی المکتبۃ الشاملہ میں اس حدیث کی مثل مل سکی۔ ضرور علامہ اسماعیل حقی کو اس حدیث کا حوالہ دینے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ نیز صحیح بخاری اور دیگر کتب میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب پر صرف توحید کو پیش فرمایا تھا اور اپنی رسالت کو پیش نہیں فرمایا تھا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ابن المسیب از والد خود بیان کرتے ہیں کہ جب ابو طالب پر موت کا وقت آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے اور اس کے پاس ابو جہل تھا، آپ نے فرمایا: اے چچا! آپ یہ کلمہ پڑھیے: لا الٰہ الا اللہ، تو میں اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی وجہ سے آپ کے لیے حجت پکڑوں گا۔۔۔۔ الحدیث۔ (صحیح البخاری: ۱۳۶۰، ۳۸۸۴، ۴۶۷۵، ۴۷۷۲، ۶۶۸۱، صحیح مسلم: ۲۴، الرقم المسلسل: ۱۳۱)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا ان مشرکوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح مخلوق کی ابتداء فرماتے ہیں اور پھر

اس کو دوبارہ لوٹائیں گے، بے شک یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے O" (العنکبوت: ۱۹)

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ فرمانے پر دلائل

"اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ": یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے دو طرفوں کے درمیان بہ طور جملۂ معترضہ ہے۔ اور اس آیت میں اہلِ مکہ کو نصیحت فرمائی ہے اور مرنے کے بعد اٹھنے کا جو وہ انکار کرتے تھے، اس کی مذمت فرمائی ہے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اہلِ مکہ اور کفارِ قریش نے یہ نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً مخلوق کو مادہ کے بغیر پیدا فرمایا ہے اور پھر وہ اس کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے۔ اور دوبارہ پیدا فرمانے کو پہلے پیدا فرمانے پر قیاس فرمایا ہے، اور ایک بار پیدا فرمانے کے بعد دوبارہ پیدا فرمانا اللہ تعالیٰ پر زیادہ آسان ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " آپ کہیے: تم زمین میں سفر کرو پھر دیکھو اللہ نے کس طرح مخلوق کی ابتداء فرمائی ہے، پھر اللہ (آخرت میں) ان کو دوسری بار پیدا فرمائیں گے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہیں O" (العنکبوت: ۲۰)

"قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ":
یعنی اے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکرین سے کہیے کہ تم زمین کی اطراف میں سفر کرو، پھر دیکھو اللہ تعالیٰ نے ابتداءً مخلوق کو اُن کی کثرت کے باوجود کس طرح مختلف شکلوں، مختلف افعال اور مختلف احوال کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ پھر اللہ عزوجل ان کو دوبارہ آخرت میں پیدا فرمائیں گے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک اور ایجاد فرمائیں گے اور نشاۃ اولیٰ کے بعد دوبارہ حیات پیدا فرمائیں گے۔ پس ابتداءً پیدا فرمانا، دوبارہ پیدا فرمانا یہ دو مرتبہ زندگی عطا فرمانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عدم سے وجود پر استدلال ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وہ جسے چاہیں عذاب دیتے ہیں اور جس پر چاہتے ہیں رحم فرماتے ہیں، اور تم انہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O" (العنکبوت: ۲۱)

"يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ": اور آخرت میں جس کو چاہیں گے عذاب دیں گے، یعنی بعثت کے منکرین پر اور جس پر چاہیں گے رحم فرمائیں گے یعنی بعثت کے مصدقین پر۔ اور عذاب کا ذکر مقدم فرمایا ہے، عذاب سے ڈرانا ثواب کی طرف رغبت دلانے سے زیادہ مناسب ہے، اور اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹایا جائے گا۔ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ جو چاہیں گے فرمائیں گے، خواہ تمہاری بداعمالیوں پر عذاب دیں خواہ تمہارے نیک اعمال پر اجر و ثواب عطا فرمائیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور تم اللہ کو نہ زمین میں عاجز کر سکتے ہو اور نہ آسمان میں، اور تمہارے لیے اللہ کے علاوہ نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار O" (العنکبوت: ۲۲)

"وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ": اور تم اللہ عزوجل کو زمین و آسمان میں عاجز کرنے والے نہیں ہو، یعنی تم اس پر قادر نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ سے کہیں بھاگ جاؤ، تم جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ تمہیں پکڑ

لیں گے اور تم پر تقدیر کے احکام جاری فرمائیں گے۔ اور اللہ کو چھوڑ کر نہ تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار ہے۔ یعنی اگر تم پر کوئی مصیبت زمین پر آئے یا آسمان سے اترے تو اللہ کے سوا اس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں ہے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے: ولی وہ ہے جو انسان سے کسی مکروہ چیز کو دور کر دے، اور نصیر وہ ہے جو مصیبت کو دور کرنے کا حکم دے، اور ولی نصیر سے زیادہ خاص ہے کیونکہ کبھی وہ بھی مدد کرتا ہے جو ولی نہیں ہوتا۔

(روح البیان، ج ۶ ص ۵۸۰-۵۸۶، دار احیاء التراث العربی بیروت)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖۤ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾

اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا اور ان سے ملاقات کا کفر کیا، یہ وہی لوگ ہیں جو میری رحمت سے مایوس ہو گئے ہیں اور انہی کے لیے دردناک عذاب ہے ○

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

پس ابراہیم کی قوم کا جواب صرف اتنا تھا کہ انہیں مار ڈالو یا زندہ جلا دو، پس اللہ تعالیٰ نے اُن کو آگ سے نجات عطا فرمائی، بے شک اس واقعہ میں ایمان والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہے ○

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور ابراہیم نے کہا: تم نے دنیا کی زندگی میں اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنے درمیان محبت کا ذریعہ بنا لیا ہے، پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا کفر کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تم سب کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے اور تمہارے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا ○

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾

پس لوط اُن پر ایمان لے آئے اور ابراہیم نے (یہ بھی) کہا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، بے شک وہ سب پر غالب، سب سے زیادہ حکمت والے ہیں ○

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي

الدُّنْیَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے، اور ہم نے ابراہیم کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی، اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی ان کا اجر عطا فرمایا، اور بے شک وہ آخرت میں ضرور صالحین میں سے ہوں گے ○

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ٘ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾

اور لوط کا ذکر کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: بے شک تم لوگ ایسی بے حیائی (ہم جنس پرستی) کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کی ○

اَىٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۬ وَ تَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾

کیا تم مردوں سے غیر فطری فعل کرتے ہو اور مسافروں کا راستہ کاٹتے ہو، اور تم اپنی مجلسوں میں کھلے عام برے کام کرتے ہو، تو لوط کی قوم کا صرف یہی جواب تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آئیں ○

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۳۰﴾ ع

لوط نے دعا کی: اے میرے رب! ان فساق و فجار کے خلاف میری مدد فرمائیں ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا اور ان سے ملاقات کا کفر کیا، یہ وہی لوگ ہیں جو میری رحمت سے مایوس ہو گئے ہیں اور انہی کے لیے دردناک عذاب ہے ○“ (العنکبوت: ۲۳)

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونے اور اُن سے مغفرت کی دعا نہ کرنے پر وعید

الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ، العنکبوت: ۲۳ تا ۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ لِقَآىٕهٖۤ اُولٰٓىٕكَ یَىٕسُوْا مِنْ رَّحْمَتِیْ وَ اُولٰٓىٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ“:

یعنی جن لوگوں کی عقلوں میں اللہ عزوجل کی آیات کے جو انوار ظاہر کیے تھے جن میں اللہ تعالیٰ کی عظیم مملکت اور دلائل تھے اور موت کے بعد اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہونے پر دلائل تھے، اُن لوگوں نے ان انوار کو چھپا لیا اور ان کا کفر کیا، یہی لوگ مبغوض ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعید ہیں۔ اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں بلکہ یہ لوگ ازل سے مایوس ہیں کیونکہ انہوں نے ایک دن بھی اللہ عزوجل سے ملاقات کی امید نہیں رکھی اور نہ ان میں سے کسی کہنے والے نے یہ کہا: اے میرے رب! میری خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرما دیں۔ اور مجھے جنت میں داخل ہونے کی عزت عطا فرمائیں۔ انہی لوگوں کے لیے دردناک

عذاب ہے۔اس آیت میں "اُولٰٓئِكَ" کو دو مرتبہ ذکر فرمایا ہے، یعنی یہی لوگ میری رحمت سے مایوس ہیں اور انہی لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔اس کی توجیہ میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کا اللہ عزوجل کی رحمت سے مایوس ہونا بہت سنگین امر تھا، کیونکہ مومن ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے، اور رہا کافر تو نہ اس کے دل میں کوئی رحمت کی امید ہوتی ہے اور نہ اس کے دل میں عذاب کا کوئی خوف ہوتا ہے۔

قتادہ بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ (یوسف: ۸۷)" (اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ کی رحمت سے صرف کفار ہی مایوس ہوتے ہیں)۔پس مومن کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور عقاب سے بے خوف ہو، پس مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس ابراہیم کی قوم کا جواب صرف اتنا تھا کہ انہیں مار ڈالو یا زندہ جلا دو، پس اللہ تعالیٰ نے اُن کو آگ سے نجات عطا فرمائی، بے شک اس واقعہ میں ایمان والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O" (العنکبوت: ۲۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے منکروں کا تذکرہ

"فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ": جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توحید کا پیغام سنانے کا حکم فرمایا کہ لوگ اللہ سے ڈریں اور ان کو واحد مانیں تو ان لوگوں نے صرف یہی جواب دیا، یا اُن میں سے کسی ایک نے جواب دیا تھا اور باقی سب اس جواب پر راضی تھے، انہوں نے کہا: ابراہیم کو مار ڈالو یا ان کو آگ میں جلا دو۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اُن کا قول یہ تھا کہ ابراہیم کو مار ڈالو یا جلا دو، اس کا نام جواب کیسے رکھا حالانکہ یہ جواب نہیں تھا؟

اس کے دو جواب ہیں: (۱) اس کلام کو متکبر کے کلام کے مرتبہ میں نازل فرمایا ہے جیسے بادشاہ اپنے مخالف سے کہے: تمہارا جواب تلوار ہے حالانکہ تلوار جواب نہیں ہے، اس کا معنی صرف یہ ہے کہ میں کسی جواب سے مقابلہ نہیں کروں گا میں صرف تلوار سے مقابلہ کروں گا۔(۲) اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ وہ ان کے کفر اور شرک میں غلو کو بیان فرمائیں۔اور جو کلام جواب نہیں تھا انہوں نے اس کو جواب کے مرتبہ میں نازل فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کا کوئی جواب نہیں تھا، کیونکہ جو شخص کسی دوسرے کے دلائل کا جواب نہ دے اور خاموش رہے تو اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص جواب دینے پر قادر نہیں ہے۔پھر جب اُن کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ پر جلانے پر رائے پختہ ہو گئی تو انہوں نے پہاڑوں کے درمیان لکڑیوں کو جمع کیا اور ان کو آگ لگا دی، حتیٰ کہ آگ نے ان سب لکڑیوں کو جلا دیا، پھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق میں ڈال کر اس آگ میں پھینکا۔

"فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ": پس اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس آگ کے جلانے سے نجات عطا فرمائی، اور بے شک اس میں قوی دلائل ہیں، اللہ تعالیٰ تمام امور میں تصرف فرمانے پر قادر ہیں۔ اور اس میں ان لوگوں کے لیے دلائل ہیں جو ایمان لانے والے ہیں، کیونکہ ایمان لانے والے ہی ان دلائل سے نفع یاب ہوتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ابراہیم نے کہا: تم نے دنیا کی زندگی میں اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنے درمیان محبت کا ذریعہ بنالیا ہے، پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا کفر کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تم سب کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے اور تمہارے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا O" (العنکبوت:۲۵)

"وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًاۙ مَّوَدَّةَ بَیْنِكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَاۚ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّ یَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا٘ وَّ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ": حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو دی ہوئی قتل کی اور جلانے کی دھمکیوں سے ڈرے بغیر کہا: تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پرستش اور عبادت کے لیے بتوں کو بنالیا ہے، تم دنیا کی زندگی میں ان سے محبت رکھتے ہو، پھر قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک اپنے بھائی کے محاسن کا انکار کرے گا اور بے زار ہوگا، اور پیروکار اپنے پرستاروں پر لعنت کریں گے اور پرستار پیروکاروں پر لعنت کریں گے۔ تم سب نے بتوں کو اپنا ٹھکانا بنایا ہے، حالانکہ تمہارا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے، اور اس آگ سے بچانے والا تمہارے لیے کوئی نہیں ہے۔

عقائد میں اندھی تقلید کا مذموم ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دلائل سے بت پرستوں کے مذہب کا فساد اور بطلان ظاہر کر دیا اور ان کی جلائی ہوئی آگ سے صحیح اور سلامت نکل آئے تو اس کے بعد فرمایا: "تم نے دنیا کی زندگی میں اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنے درمیان محبت کا ذریعہ بنالیا ہے۔" (العنکبوت:۲۵)۔ یعنی تم کسی دلیل کی بناء پر ان بتوں کی پرستش نہیں کر رہے، بلکہ اپنے آباء و اجداد اور دوستوں اور ساتھیوں کی اندھی تقلید میں ان بتوں کی عبادت کر رہے ہو، تمہارے دوستوں، رشتہ داروں اور بڑوں کی عبادت کا جو طریقہ ہے تم اس سے سر مو منحرف ہونا نہیں چاہتے اس لیے تم ان بتوں کی عبادت کر رہے ہو یہ تمہارے قومی بت ہیں، جو تمہاری اجتماعیت اور باہمی دوستی کی بنیاد ہیں اور تم نے محض دنیاوی دوستی کی خاطر دلیل اور حجت کی پیروی کو ترک کر دیا ہے، پھر فرمایا: "پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا کفر کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تم سب کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے اور تمہارے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔" (العنکبوت:۲۵)۔ جس دوستی اور محبت کی وجہ سے دنیا میں بتوں کی عبادت کی تھی، قیامت کے دن وہ محبت اور دوستی زائل ہو جائے گی اور تم پر حقیقت واضح ہو جائے گی، اس دن بتوں کی عبادت کرنے والے بتوں کے متعلق کہیں گے: یہ ہمارے معبود نہیں ہیں، ان کا انکار کریں گے اور ان پر لعنت کریں گے اور بت کہیں گے: یہ ہمارے عبادت گزار نہیں ہیں، ہم نے ان سے عبادت کرنے کے لیے نہیں کہا تھا، عبادت کرنے والے کہیں گے: ان بتوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، بت کہیں گے: ان کے عبادت کرنے کی بناء پر ہم کو دوزخ میں ڈالا گیا ہے، وہ دونوں ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔

آیت کے اس آخری حصہ سے معلوم ہوا کہ بت پرستوں نے بتوں کی محبت کی وجہ سے ان کی عبادت کی تھی کیونکہ ان پر جسمیت

غالب تھی، وہ چاہتے تھے کہ وہ اس کی عبادت کریں جس کا جسم ہو جو اُن کو دکھائی دے اور ان کو نظر آئے، اور یہ نہیں جانتے تھے کہ عبادت ان کی کرنی چاہیے جنہوں نے ان کو پیدا فرمایا ہے اور ان کو انواع واقسام کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، بلکہ وہ یہ جانتے تو تھے لیکن مانتے نہیں تھے، ان پر آباء واجداد کی اندھی تقلید غالب تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس لوط اُن پر ایمان لے آئے اور ابراہیم نے (یہ بھی) کہا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، بے شک وہ سب پر غالب، سب سے زیادہ حکمت والے ہیں O''

(العنکبوت: ۲۶)

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ

''فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَ قَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ '': حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور ہاران کے بیٹے تھے، اور وہ پہلے شخص ہیں جو مردوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میں اپنی زمین اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں، یعنی ایسی زمین کی طرف نہ جس میں میرا کوئی دوست ہے، نہ کوئی رشتہ دار ہے اور نہ وہ ہے جس سے مجھے مدد کی امید ہے اور جس سے مجھے نفع کی توقع ہے۔ پھر انہوں نے کوئی سے جو سواد کوفہ سے تھا حران کی طرف ہجرت کی، پھر وہاں سے ارضِ مقدسہ کی طرف ہجرت کی، تو ان کی یہ دو ہجرتیں ہیں۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ہر نبی نے ایک ہجرت کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دو ہجرتیں کیں۔ اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی اور ان کے ساتھ اس ہجرت میں حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ بھی تھی، مقاتل نے کہا: اس وقت ان کی عمر پچھتر سال تھی۔

''اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ '': بے شک اللہ واحد ہیں اور سب پر غالب ہیں، اور سب سے زیادہ حکمت والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے، اور ہم نے ابراہیم کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی، اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی اجر عطا فرمایا، اور بے شک وہ آخرت میں ضرور صالحین میں سے ہوں گے O'' (العنکبوت: ۲۷)

''وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ وَ اٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ '': اور ہم نے ابراہیم کی ہجرت کی قدر افزائی کے لیے انہیں اُن کی بیوی سارہ سے اسحاق عطا فرمائے، جب کہ سارہ جوانی سے بانجھ تھیں اور اولاد سے مایوس ہو چکی تھیں، اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے یعقوب عطا فرمائے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کیوں نہیں فرمایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد اسحاق کا ذکر فرمایا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحان اور ابتلا کا ذکر فرمایا ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کے ماں کے ساتھ فراق میں مبتلا فرمایا گیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کو ایک تنگ زمین میں رکھا

جہاں کوئی غم خوار نہیں تھا، اور اس کا یہاں صراحتاً ذکر نہیں فرمایا۔ اور صرف حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذکر فرمایا، کیونکہ وہ ان میں سے کسی امتحان میں مبتلا نہیں ہوئے۔ اور اُن پر بڑا احسان یہ تھا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ بوڑھی اور بانجھ تھیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اشارۃً فرمایا۔

" وَجَعَلۡنَا فِىۡ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ ": یعنی ہم نے اپنی حکمت سے حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں نبوت کو رکھا۔ اور ان کے بعد کوئی اجنبی نہیں آیا، بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کی ذریّت سے آئے سوائے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے، کیونکہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں زیادہ انبیاء کیسے ہوئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے لے کر قیامت تک کے زمانہ کی دو قسمیں فرمائیں، پس زمانہ کی پہلی قسم میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا ہے اور وہ انبیاء علیہم السلام ایک کے بعد ایک آتے رہے، پھر زمانہ کی دوسری قسم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذریّت سے صرف ایک نبی مبعوث فرمائے گئے اور اُس نبی میں اللہ تعالیٰ نے پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کے اوصاف جمیلہ کو جمع فرما دیے اور ان کو تمام مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا، اور وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور اُن کو خاتم النبیین بنایا۔ اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد کے دین کی بہ نسبت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار بہت زیادہ ہیں۔ اور کوئی بعید نہیں ہے کہ تمام مخلوق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے دین پر ہو۔

" وَالۡكِتٰبَ ": اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر کتاب کو نازل فرمایا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہاں کتاب کو الگ ذکر کیوں فرمایا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے چار کتابیں نازل فرمائیں: تورات، زبور، انجیل اور فرقان؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب کو یہاں الگ اس لیے ذکر فرمایا تا کہ یہ کتاب اس پر دلالت کرے کہ یہ ان چاروں کتابوں کی جنس سے ہے۔

" وَاٰتَيۡنٰهُ اَجۡرَهٗ فِى الدُّنۡيَا ": اور ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی ہجرت پر دنیا میں اجر عطا فرمایا، ان کو وسیع رزق عطا فرمایا اور کشادہ زندگی عطا فرمائی، کثرتِ اولاد عطا فرمائی اور بڑھاپے میں اُن کی نسل زیادہ فرمائی اور اُن کی تعریف وتوصیف فرمائی اور تمام مخلوق کے دل میں اُن کی محبت پیدا فرمائی۔

" وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ": اور بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام آخرت میں صالحین میں سے ہیں، یعنی اُن لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے سعادت کے ساتھ اور نیکی کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جیسے حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " اور لوط کا ذکر کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: بے شک تم لوگ ایسی بے حیائی (ہم جنس پرستی) کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کی ○ " (العنکبوت: ۲۸)
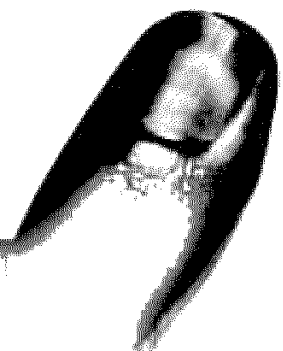
حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہم جنس پرستی

''وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ٘ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ'':

حضرت لوط علیہ السلام نے اہلِ سدوم سے کہا، جن میں وہ رہتے تھے۔ اور ان سے الگ ہو گئے اور ان کے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی الگ ہو گئے تھے، جب انہوں نے اہلِ سدوم کو برے کام کرتے ہوئے دیکھا اور کہا کہ تم بے حیائی کے کام کرتے ہو۔ یعنی برائی میں حد سے بڑھ گئے ہو اور مردوں کی دُبر میں اپنی شہوت پوری کرتے ہو۔ اس سے بڑھ کر بے حیائی اور کیا ہو گی۔ اور دنیا میں تم سے پہلے ایسی بے حیائی کا کام اور کسی نے نہیں کیا، یعنی نہ انسانوں میں سے اور نہ جنات میں سے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا تم مردوں سے غیر فطری فعل کرتے ہو اور مسافروں کا راستہ کاٹتے ہو، اور تم اپنی مجلسوں میں کھلے عام برے کام کرتے ہو، تو لوط کی قوم کا صرف یہی جواب تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آئیں O'' (العنکبوت: ۲۹)

''اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۬ وَ تَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ'': تم اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے مردوں کے پاس جاتے ہو، اور تم لوٹ مار کر کے راستوں کو منقطع کرتے ہو، لوگوں کو قتل کر دیتے ہو اور اُن کا مال لوٹ لیتے ہو۔ اور جو تمہارے راستوں سے گزرتے ہیں تم اُن کے ساتھ ہم جنس پرستی کرتے ہو۔ پھر لوگوں نے وہاں سے گزرنا چھوڑ دیا، اور تم عورتوں کی کھیتیوں سے اعراض کرتے ہو اور اس جگہ بیج ڈالتے ہو جو کھیتیاں نہیں ہیں، اور تم اپنی مجلس میں سرعام بے حیائی کی باتیں کرتے ہو، اور یہ ایسا کام ہے جس کو تمام شریعتوں میں برا سمجھا جاتا ہے، اور عقل کے نزدیک یہ نفرت انگیز کام ہے اور تم اپنی مجالس میں بھی ان کاموں کو نہیں چھوڑتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: منکر سے مراد یہ ہے کہ وہ گزرنے والوں پر کنکریاں پھینکتے تھے اور غلیل سے کنکر مارتے تھے اور مجالس میں تہبند کھول دیتے تھے اور مجالس میں بے حیائی کے ساتھ گوز لگاتے تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ اپنی مجلس میں کھلے عام اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے تھے، اسی لیے کہا گیا ہے ''جو آدمی حیا کی چادر اتار دے اس کی غیبت نہیں ہے''۔

''فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ'': پس اُن کی قوم کے سرداروں کا یہی جواب تھا جو انہوں نے اپنے جہل اور عناد سے دیا کہ ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ۔ اور انہوں نے اپنی زیادہ جرأت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا نام لیا۔ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ کام برے ہیں اور ان کاموں کے کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ ابراہیم کو مار ڈالو یا جلا ڈالو، اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے کہا: ہم پر اللہ کا عذاب لے آئیں اگر آپ سچے ہیں، اور ان کو اس طرح نہیں دھمکایا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دھمکایا تھا، حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مرتبہ میں حضرت لوط علیہ السلام سے بڑے تھے، کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام ان کی قوم سے تھے۔

اس کا یہ جواب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین کی مذمت فرماتے تھے اور ان کے خداؤں کو اور معبودوں کو اور بتوں کو برا کہتے تھے اور ان کی صفاتِ نقص کو گنواتے تھے کہ یہ نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں، نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں، اس

وجہ سے انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر زیادہ غصہ تھا، سو انہوں نے ان کو مار ڈالنے اور جلا دینے کی دھمکی دی۔ حضرت لوط علیہ السلام اُن کی بے حیائی کے کاموں کا انکار کرتے تھے اور ان کے کام کی مذمت فرماتے تھے، اور ان حرام کاموں کے ارتکاب کی اُن کی طرف نسبت کرتے تھے۔ اس وجہ سے انہیں حضرت لوط علیہ السلام پر ایسا غیظ و غضب نہیں تھا جیسا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر غیظ و غضب تھا، اس لیے انہوں نے کہا کہ تم کہتے ہو کہ یہ حرام کام ہیں اور اللہ تعالیٰ حرام کاموں پر عذاب دیتے ہیں تو اگر تم سچے ہو تو اس عذاب کو لے آؤ۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۔(النمل:۵۶)" (اُن کی قوم کا صرف یہی جواب تھا کہ انہوں نے کہا کہ لوط کے گھر والوں کو اُن کی بستی سے نکال دو، یہ لوگ بہت پاک باز بنتے ہیں) تو ان دونوں آیتوں میں کس طرح تطبیق ہوگی؟۔

اس کا یہ جواب ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام اپنے ارشاد پر ثابت قدم تھے اور بار بار انہیں منع فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی وعید سناتے تھے، اس لیے پہلے تو اہلِ سدوم نے کہا: آپ ہمارے پاس وہ عذاب لے آئیں، پھر جب حضرت لوط علیہ السلام نے زیادہ اُن کو زجر و توبیخ کی اور سکوت نہیں فرمایا تب انہوں نے کہا کہ ان کو یہاں سے نکال دو، اور جب حضرت لوط علیہ السلام اُن کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "لوط نے دعا کی: اے میرے رب! ان فساق و فجار کے خلاف میری مدد فرمائیں O" (العنکبوت:۳۰)

"قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ": یعنی ان لوگوں کے خلاف میری مدد فرمائیں جن نافرمانی کرنے والوں سے مقابلہ کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے، جو نافرمانی کرتے ہیں اور ہم جنس پرستی سے باز نہیں آتے، اور جب حضرت لوط علیہ السلام نے اُن کے خلاف دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور فرشتوں کو حکم فرمایا کہ ان سب کو ہلاک کر دو۔

(السراج المنیر ج ۵ ص ۱۹۳-۱۹۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے، انہوں نے کہا: ہم اس بستی (سدوم) کے رہنے والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، بے شک اس بستی کے رہنے والے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں O

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

ابراہیم نے کہا: بے شک اس بستی میں تو لوط بھی ہیں، فرشتوں نے کہا: ہم اس میں رہنے والوں کو خوب جانتے ہیں، ہم اُن کو اور ان

کے گھر والوں کو ضرور بہ ضرور نجات دیں گے سوا لوط کی بیوی کے، وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی O

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۳﴾

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس آئے تو اُن (بدکردار لوگوں کے انجام) کی وجہ سے لوط غمگین ہوئے اور اُن کی وجہ سے ان کا دل تنگ ہوا اور فرشتوں نے کہا: آپ مت ڈریں اور نہ غم کریں، ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو نجات دینے والے ہیں سوائے آپ کی بیوی کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی O

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾

ہم اس بستی کے لوگوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں، کیونکہ وہ اللہ کی نافرمانی کرتے تھے O

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰیَةًۢ بَیِّنَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور بے شک ہم نے اس بستی کے کھنڈرات میں عقل سے کام لینے والے لوگوں کے لیے واضح نشانی چھوڑ دی O

وَاِلٰى مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۳۶﴾

اور ہم نے اہلِ مدین کی طرف اُن کے ہم قبیلہ شعیب کو رسول بنا کر بھیجا، پس شعیب نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور قیامت کے دن کی امید رکھو، اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے نہ پھرو O

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۳۷﴾

پس ان لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی، پس ایک زبردست زلزلے نے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، پس صبح کے وقت وہ گھٹنوں کے بل مردہ پڑے رہ گئے O

وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ ﴿۳۸﴾

اور ہم نے عاد اور ثمود کو ہلاک فرما دیا، اور اُن کے گھروں سے اُن کو ہلاک کیا جانا تم پر واضح ہو چکا ہے، اور شیطان نے اُن کی بدکاریوں کو اُن کے لیے خوش نما بنا دیا تھا، پس ان کو سیدھے راستہ سے روک دیا حالانکہ وہ ارباب بصیرت تھے O

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَیِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی

الْاَرْضِ وَ مَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

اور ہم نے قارون، فرعون اور ہامان کو ہلاک فرمادیا اور بے شک اُن کے پاس موسیٰ واضح معجزات لے کر آئے تھے، سو انہوں نے زمین میں تکبر کیا اور وہ ہمارے عذاب سے بھاگنے والے نہیں تھے O

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

پس ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہوں کی وجہ سے گرفت میں لے لیا، سو ہم نے ان میں سے بعض کے اوپر پتھر برسانے والی آندھی بھیجی اور اُن میں سے بعض کو ایک زبردست چنگھاڑ نے پکڑ لیا، اور اُن میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، اور بعض کو سمندر میں غرق فرمادیا، اور اللہ عزوجل اُن پر ظلم فرمانے والے نہ تھے وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے O

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚۖ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنا مددگار بنالیا، اُن کی مثال مکڑی کی طرح ہے جس نے جالے کا گھر بنایا، اور بے شک سب سے کمزور گھر مکڑی کا بنایا ہوا گھر ہے، کاش! یہ جانتے ہوتے O

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾

بے شک اللہ اس کو خوب جانتے ہیں جس چیز کی بھی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، اور اللہ سب سے غالب، سب سے زیادہ حکمت والے ہیں O

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں اور ان مثالوں کو صرف علم والے سمجھتے ہیں O

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا، بے شک اس تخلیق میں مومنوں کے لیے ضرور نشانی ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے، انہوں نے کہا: ہم اس بستی (سدوم) کے رہنے والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، بے شک اس بستی کے رہنے

والے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں O " (العنکبوت: ۳۱)

مختلف نافرمان قوموں پر نزولِ عذاب کی مختلف کیفیات

القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، العنکبوت: ۳۱ تا ۴۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ":

یعنی جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس اسحاق اور یعقوب کی ولادت کی خوش خبری لے کر آئے تو انہوں نے بتایا کہ ہم اہلِ سدوم کو ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں، بے شک سدوم کے رہنے والے کفر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " ابراہیم نے کہا: بے شک اس بستی میں تو لوط بھی ہیں، فرشتوں نے کہا: ہم اس میں رہنے والوں کو خوب جانتے ہیں، ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور بہ ضرور نجات دیں گے سوا لوط کی بیوی کے، وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی O " (العنکبوت: ۳۲)

تنبیہ: حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے متعلق مفصل بحث سورۃ الاعراف کی آیت: ۸۰ تا ۸۴ کی تفسیر میں، سورۂ ہود کی آیت: ۶۹ تا ۸۳ کی تفسیر میں، سورۃ الشعراء کی آیت: ۱۶۰ تا ۱۷۵ کی تفسیر میں اور سورۃ النمل کی آیت: ۵۴ تا ۵۸ کی تفسیر میں کردی گئی ہے، یہاں مختصر تفسیر ذکر کی جائے گی۔

" قَالَ اِنَّ فِیْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا ٘ لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ٘ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ":

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن فرشتوں سے مسلمانوں پر شفقت فرماتے ہوئے اور فرشتوں سے بحث کرتے ہوئے کہا: کیا تم کو معلوم ہے کہ اس شہر میں سو گھر مسلمانوں کے ہیں، کیا تم اُن کو بھی ہلاک کردو گے۔ فرشتوں نے کہا: وہاں مسلمانوں کے اتنے گھر نہیں ہیں، پھر اُن میں بحث ہوتی رہی حتیٰ کہ فرشتوں نے کہا: ان میں نہ مسلمانوں کے دس گھر ہیں، نہ پانچ گھر ہیں، نہ تین گھر ہیں اور نہ دو گھر ہیں، پس اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: بے شک اُن میں لوط ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت لوط علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے، فرشتوں نے کہا: ہم خوب جانتے ہیں جو اُن میں رہتے ہیں۔ آپ نہ ڈریں، مومن پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ہم لوط کو اور اُن کے گھر والوں کو نجات دے دیں گے سوائے اُن کی بیوی کے، وہ عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: " اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس آئے تو اُن (بدکردار لوگوں کے انجام) کی وجہ سے لوط غمگین ہوئے اور اُن کی وجہ سے ان کا دل تنگ ہوا اور فرشتوں نے کہا: آپ مت ڈریں اور نہ غم کریں، ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو نجات دینے والے ہیں سوائے آپ کی بیوی کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی O " (العنکبوت: ۳۳)

" وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ٙ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ": پھر جب لوط کے پاس ہمارے فرشتے آئے تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ انسانوں میں سے ہیں تو

حضرت لوط علیہ السلام اس بات سے شدید غمگین ہوئے کہ ان کی قوم یعنی اہلِ سدوم اُن کے ساتھ بدفعلی کریں گے، فرشتوں نے کہا: آپ ہمارے متعلق مت ڈریں اور نہ غمگین ہوں، ہم انہیں ہلاک کر دیں گے اور ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو عذاب سے نجات دے دیں گے، سوائے آپ کی بیوی کے وہ عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے ہوگی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ہم اس بستی کے لوگوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں، کیونکہ وہ اللہ کی نافرمانی کرتے تھے O'' (العنکبوت: ۳۴)

''اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ'':
ہم اہلِ سدوم پر اُن کی نافرمانیوں کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کریں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم نے اس بستی کے کھنڈرات میں عقل سے کام لینے والے لوگوں کے لیے واضح نشانی چھوڑ دی O'' (العنکبوت: ۳۵)

''وَ لَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ'': اور ہم نے اس بستی میں واضح دلائل چھوڑ دیے ہیں اور وہ اُن کے گھروں کے کھنڈرات کے نشانات ہیں۔ یہ اُن لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور وفکر کرتے ہیں اور عقل سے کام لیتے ہیں۔ (شام کے قریب ایک شہر ہے جس میں حضرت لوط علیہ السلام رہتے تھے اور اس کا نام سدوم تھا)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے اہلِ مدین کی طرف اُن کے ہم قبیلہ شعیب کو رسول بنا کر بھیجا، پس شعیب نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور قیامت کے دن کی امید رکھو، اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے نہ پھرو O'' (العنکبوت: ۳۶)

تنبیہ: حضرت شعیب علیہ السلام اور اُن کی قوم کے متعلق مفصل بحث سورۃ الاعراف کی آیت: ۸۵ تا ۹۳ کی تفسیر میں، سورۂ ہود کی آیت: ۸۴ تا ۹۵ کی تفسیر میں اور سورۃ الشعراء کی آیت: ۱۷۶ تا ۱۹۱ کی تفسیر میں گزر چکی ہے، یہاں پر مختصر تفسیر ذکر کی جائے گی۔

''وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ ارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ'':
اور ہم نے مدین کی طرف اُن کے ہم قبیلہ شعیب کو رسول بنا کر بھیجا، انہوں نے کہا: تم وہ کام کرو جس سے تمہیں اچھے انجام کی امید ہو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس ان لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی، پس ایک زبردست زلزلے نے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، پس صبح کے وقت وہ گھٹنوں کے بل مردہ پڑے رہ گئے O'' (العنکبوت: ۳۷)

''فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ'': پس وہ زمین میں گھٹنوں کے بل مردہ پڑے رہ گئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے عاد اور ثمود کو ہلاک فرما دیا، اور اُن کے گھروں سے اُن کو ہلاک فرمایا جانا

تم پر واضح ہو چکا ہے، اور شیطان نے اُن کی بدکاریوں کو اُن کے لیے خوش نما بنا دیا تھا، پس ان کو سیدھے راستہ سے روک دیا حالانکہ وہ ارباب بصیرت تھے ○" (العنکبوت: ۳۸)

"وَ عَادًا وَّ ثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫ وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ": یعنی ہم نے عاد اور ثمود کو ہلاک فرما دیا اور اے اہلِ مکہ! ہم نے تمہیں اُن کے پتھروں سے بنائے ہوئے گھر بیان فرما دیئے اور شیطان نے اُن کے لیے اُن کے کفر اور نافرمانیوں کو مزین کر دیا اور اُن کو سیدھے راستہ سے ہٹا دیا، حالانکہ وہ عقل والے تھے اور غور و فکر کرنے پر قادر تھے۔

تنبیہ: حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد تھی جن کا مفصل تذکرہ سورۃ الاعراف کی آیت: ۶۵ تا ۷۲ میں اور سورۂ ہود کی آیت: ۵۱ تا ۶۰ میں گزر چکا ہے اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود تھی جن کا مفصل تذکرہ سورۃ الاعراف کی آیت: ۷۳ تا ۷۹ میں اور سورۂ ہود کی آیت: ۶۱ تا ۶۸ میں گزر چکا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم نے قارون، فرعون اور ہامان کو ہلاک فرما دیا اور بے شک موسیٰ اُن کے پاس واضح معجزات لے کر آئے تھے، سو انہوں نے زمین میں تکبر کیا اور وہ ہمارے عذاب سے بھاگنے والے نہیں تھے ○" (العنکبوت: ۳۹)

"وَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ ۫ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ وَ مَا كَانُوْا سٰبِقِیْنَ": اور ہم نے قارون، فرعون اور ہامان کو ہلاک فرما دیا، حالانکہ موسیٰ اُن کے پاس دلائل لے کر آئے تھے تو انہوں نے زمین میں تکبر کیا اور وہ ہمارے عذاب سے بھاگنے والے نہ تھے۔

تنبیہ: قارون کا مفصل تذکرہ سورۃ القصص کی آیت: ۷۶ تا ۸۲ میں گزر چکا ہے اور فرعون کا مفصل تذکرہ سورۃ البقرہ کی آیت: ۴۹ اور ۵۰ میں اور سورۂ طٰہٰ کی آیات: ۲۵ تا ۷۶ میں گزر چکا ہے اور ہامان کا تذکرہ سورۃ القصص کی آیت: ۳۸ میں گزر چکا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پس ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہوں کی وجہ سے گرفت میں لے لیا، سو ہم نے ان میں سے بعض کے اوپر پتھر برسانے والی آندھی بھیجی اور اُن میں سے بعض کو ایک زبردست چنگھاڑ نے پکڑ لیا، اور اُن میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، اور بعض کو سمندر میں غرق فرما دیا، اور اللہ عزوجل اُن پر ظلم فرمانے والے نہ تھے وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○" (العنکبوت: ۴۰)

"فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ": یعنی ہم نے ان میں سے ہر ایک کو اس کے گناہوں کی وجہ سے سزا دی۔

"فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًا": یعنی اُن میں سے بعض وہ ہیں جن پر ہم نے کنکر برسائے، اور یہ قوم لوط تھی۔ اور حاصب اس آندھی کو کہتے ہیں جو چھوٹی چھوٹی کنکریوں کو اٹھا لیتی ہے۔

"وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّیْحَةُ": اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو ایک چنگھاڑ نے پکڑ لیا، اور وہ ثمود تھے۔

"وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ": اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو ہم نے زمین میں دھنسادیا، یعنی قارون اور اس کے اصحاب کو۔ "وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا": اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو ہم نے غرق فرمادیا۔ اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہیں اور فرعون اور اس کے اصحاب ہیں۔ "وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ": اور اللہ تعالیٰ ان پر ظلم فرمانے والے نہ تھے کہ ان کو بغیر جرم کے سزا دیتے۔ "وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ": یعنی وہ خود اپنی نافرمانیوں بدکاریوں کی وجہ سے اپنے آپ کو اللہ کے عذاب پر پیش کرتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنا مددگار بنالیا، اُن کی مثال مکڑی کی طرح ہے جس نے جالے کا گھر بنایا، اور بے شک سب سے کمزور گھر مکڑی کا بنایا ہوا گھر ہے، کاش! یہ جانتے ہوتے O" (العنکبوت: ۴۱)

"مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚۖ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا ؕ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ": اور جب کہ جانداروں میں سب سے کمزور جاندار مکڑی ہے اور گھروں میں سب سے کمزور گھر مکڑی کا جالا ہے، تو بتوں اور اُن کی عبادت کرنے والوں کی مثال مکڑی کے گھر سے دی گئی ہے۔ یعنی یہ مشرکین بتوں سے نفع اور ضرر کو حاصل نہیں کر سکتے۔ مکڑی خود سے گرمی اور ٹھنڈک کو دور نہیں کر سکتی۔ اسی طرح بت اپنے عبادت گزاروں سے نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں۔ یعنی بتوں کا اپنے عبادت گزاروں کو نفع پہنچانا ایسا ہے جیسے مکڑی اپنے گھر میں کسی کو نفع پہنچائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اپنے گھروں کو مکڑی کے جالوں سے محفوظ رکھو، کیونکہ اس کو ترک کرنا فقر کو پیدا کرتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک اللہ اس کو خوب جانتے ہیں جس چیز کی بھی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، اور اللہ سب سے غالب، سب سے زیادہ حکمت والے ہیں O" (العنکبوت: ۴۲)

"اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ": یعنی آپ کافروں سے کہیے کہ اللہ خوب جانتے ہیں کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو، اُن کا یہ حال ہے۔ انہیں کسی چیز پر قدرت نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں بھی جاننے والے ہیں اور تمہارے اعمال کو بھی جاننے والے ہیں، سو اسی اعتبار سے وہ تم کو جزا دیں گے۔ اور اللہ عزوجل سب پر غالب ہیں اور سب سے زیادہ حکمت والے ہیں، اور ان کا کوئی کام بغیر حکمت اور تدبیر کے نہیں ہوتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں اور ان مثالوں کو صرف علم والے سمجھتے ہیں O" (العنکبوت: ۴۳)

"وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا یَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ":

قریش کے جاہل لوگ یہ کہتے تھے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب مکھی اور مکڑی کی مثالیں دیتے ہیں، اور وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: مکھی اور مکڑی کی مثالوں کو اور باقی مثالوں کو صرف علم والے سمجھتے ہیں۔ یعنی قرآن مجید نے کفار کے احوال کو پچھلی امتوں کے کفار کے ساتھ جو مشابہ قرار دیا ہے، تو اس کو صرف علم والے سمجھتے ہیں۔

عالم دین کی تعریف اور اس کی شرائط

عالم دین وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم ہو اور اس کو علم ہو کہ کن چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ واجب ہے، اسی طرح اس کو انبیاء علیہم السلام اور ان کے مراتب اور ان کی صفات کا علم ہو اور اس کو علم ہو کہ مکلف پر کیا چیزیں فرض ہیں اور کیا چیزیں واجب ہیں اور اس کو سنن اور مستحبات اور مباحات کا علم ہو، اور اس کو معلوم ہو کہ کیا چیزیں حرام ہیں اور کیا چیزیں مکروہ تحریمی ہیں اور کیا مکروہ تنزیہی ہیں اور کیا خلاف اولیٰ ہیں، اور وہ علم کلام اور عقائد، علم تفسیر، علم حدیث اور علم فقہ و اصول فقہ پر عبور رکھتا ہو، علم صرف، علم نحو، علم معانی اور علم بیان میں ماہر ہو اور بہ قدر ضرورت مفردات لغت کا حافظ ہو اور اس میں اتنی صلاحیت ہو کہ اس سے دین کے جس مسئلہ کا بھی سوال کیا جائے وہ اس کا جواب دے سکے، خواہ وہ جواب اس کو مستحضر ہو یا وہ کتب متعلقہ سے از خود تلاش کر سکے۔ اور جو شخص ان صفات کا حامل نہیں ہے وہ عالم دین کہلانے کا مستحق نہیں ہے، کیونکہ اگر اس کو صرف اور نحو پر عبور نہیں ہے تو وہ احادیث کی عربی عبارت صحیح نہیں پڑھ سکتا اور اگر عبارت غلط پڑھے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس قول کو منسوب کرے گا جو آپ نے نہیں فرمایا، اور اگر وہ بہ قدر ضرورت مفردات لغت کا حافظ نہیں ہے اور علم معانی اور بیان پر دسترس نہیں رکھتا تو وہ نہ عقائد کو صحیح بیان کر سکتا ہے اور نہ ہی صحیح عقائد پر دلائل قائم کر سکتا ہے، اور نہ باطل فرقوں کا رد کر سکتا ہے اور اگر اس کو فقہ پر عبور نہیں ہے تو وہ حلال اور حرام کے احکام کو جان سکتا ہے اور نہ بیان کر سکتا ہے، سو ایسا شخص عالم دین کس طرح ہوگا، اور اس پر عالم دین کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے۔ ہر چند کہ عالم دین کے مصداق کے لیے ان امور کو جان لینا کافی ہے لیکن کامل عالم کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم کے تقاضوں پر عامل ہو ورنہ وہ اس آیت کا مصداق ہوگا: "مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ (الجمعہ: ۵)" (جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم فرمایا گیا، پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا، بے شک اس تخلیق میں مومنوں کے لیے ضرور نشانی ہے O" (العنکبوت: ۴۴)

"خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ": یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو تنہا بغیر کسی کی شرکت کے پیدا فرمایا ہے اور ان کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، عبث اور بے فائدہ نہیں پیدا فرمایا اور شان کو محض لعب اور بہ طور مشغلہ کے پیدا فرمایا ہے، ان کو پیدا فرمانا برحق ہے اور ان میں اللہ تعالیٰ کی بہت حکمتیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور ان میں مومنین کے لیے حق کو مستور رکھا ہے کیونکہ مومنین کاملین اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتے ہیں، ان کو اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے افعال کا عکس نظر آتا ہے، وہ اس کائنات میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات ظاہر ہوتے ہیں۔ (فتح الرحمن، ج ۵ ص ۲۴۵۔۲۵۲، دار النوادر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

تبیان القرآن جلد رابع کی تکمیل

الحمد للہ رب العالمین حمد الشاکرین، والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد افضل المرسلین خاتم النبیین،

رحمۃ للعالمین، شفیعنا یوم الدین!

آج ۲۰ ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ/5 اکتوبر 2015ء بروز پیر ''تبیان الفرقان'' کی جلد رابع مکمل ہوگئی۔

اے باراِلٰہ! اس جلد کی تصنیف میں میری کم فہمی اور ناقص مطالعہ کی بناء پر جو فروگزاشت ہوگئی ہیں ان کو آپ معاف فرما دیں اور درگزر فرمائیں اور مجھے اپنی عنایات بے غایات سے محروم نہ فرمائیں، اس جلد کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائیں اور اپنے حبیب اکرم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میری اس کاوش کو سند قبول عطا فرمائیں اور تا قیام قیامت اس تفسیر کو سلامت اور فیض آفریں رکھیں، محبین کے لیے اس کو مسلکِ حق پر استقامت کا سبب بنائیں اور معاندین اور مخالفین کے لیے اس تفسیر کو رشد و ہدایت کا ذریعہ بنائیں، مجھے، میرے والدین، میرے اساتذہ، میرے احباب، میرے تلامذہ اور جملہ قارئین کو بخش دیں، ہماری خطاؤں کو معاف فرمائیں، ہم سب کو دنیا اور آخرت کے اس عذاب سے مامون اور محفوظ فرمائیں جس عذاب کے ہم اپنی کوتاہیوں اور تقصیرات کی وجہ سے مستحق ہیں اور ہم کو محض اپنے فضل و کرم سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مقبولہ سے جنت الفردوس عطا فرمائیں۔

اس جلد میں سورۃ الکہف کی آخری ۳۶ آیات، سورۂ مریم، سورۂ طٰہٰ، سورۃ الانبیاء، سورۃ الحج، سورۃ المومنون، سورۃ النور، سورۃ الفرقان، سورۃ الشعراء، سورۃ النمل، سورۃ القصص اور سورۃ العنکبوت کی ابتدائی ۴۴ آیات کی تفسیر آگئی ہے۔

اس جلد کی ابتداء ''۳ر جون ۲۰۱۵ء / ۱۵ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ بروز بدھ'' کو ہوئی اور تکمیل ۵ر اکتوبر ۲۰۱۵ء/ ۲۰ر ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ، بروز پیر کو ہوئی۔ یعنی اس جلد کی تکمیل میں چار ماہ اور دو دن کا عرصہ لگا۔

اس جلد کی پروف ریڈنگ اولاً سید عمیر الحسن برنی نے عمیق نظر سے کی ہے، پھر طباعت سے پہلے اس جلد کی پروف ریڈنگ حضرت مولانا محمد اکرم ساجد صاحب زید مجدہٗ نے بہت گہری نظر سے کی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

کلمات تشکر

اس جلد کی تکمیل پر میں حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ منیب الرحمٰن زید حبہم، محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب دامت الطافہم العالیہ، پیرزادہ احمد سلمان شاہ، حافظ محمد اکرم ساجد، جناب محمد مختار (منیجر ضیاء القرآن پبلی کیشنز)، مولانا حافظ عبدالمجید زید علمہٗ (برٹل)، مولانا سید جمیل الرحمٰن شاہ زید فضلہٗ (کاسوکی)، سید عمیر الحسن برنی زید حبہٗ، الحاج محمد شفیق قریشی، مفتی محمد اسماعیل نورانی اور دیگر احباب کا شکر گزار اور ان کے حق میں دعا گو ہوں۔ اس جلد کی کمپوزنگ اسی دار العلوم میں حافظ محمد جمشید ہاشمی سلمہٗ نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے نوازیں، ہماری خطاؤں کو معاف فرمائیں اور ہم کو ہمیشہ نیکی کی راہ پر گامزن رکھیں اور خصوصاً اس تفسیر میں مجھے کج روی اور اغلاط سے محفوظ اور مامون رکھیں۔ اور اس کے بعد تبیان الفرقان کی بقیہ مجلدات کو مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ وما ذالك على الله بعزيز

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم القرآن والحدیث

دار العلوم نعیمیہ، بلاک ۱۵، فیڈرل بی ایریا کراچی

۵ر اکتوبر ۲۰۱۵ء/ ۲۰ ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ، بروز پیر

تبیان الفرقان فی تفسیر القرآن جلد رابع کی ڈائری

افتتاح ۱۵ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ/3/جون 2015ء بروز بدھ

اختتام: ۲۰ ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ/5/اکتوبر 2015ء بروز پیر

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات
3/جون ۲۰۱۵	۱۵ شعبان المعظم، ۱۴۳۶ھ	بدھ	=	=
یکم جولائی ۲۰۱۵ء	۱۴/رمضان المبارک، ۱۴۳۶ھ	بدھ	۱۳۸	۱۳۸
یکم اگست ۲۰۱۵ء	۱۵/شوال المعظم، ۱۴۳۶ھ	ہفتہ	۲۱۵	۳۵۳
یکم ستمبر ۲۰۱۵	۱۶/ذوالقعدہ، ۱۴۳۶ھ	منگل	۳۰۷	۶۶۰
۵/اکتوبر ۲۰۱۵ء	۲۰ ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ،	پیر	۲۵۰	۹۱۰

مصادر التحقیق فی تبیان الفرقان

کتب سماویہ

۱۔	قرآن مجید فرقان حمید
۲۔	تورات
۳۔	زبور
۴۔	انجیل

کتب تفاسیر اہل السنۃ والمعتزلۃ

رقم مسلسل	اسم الکتاب	اسم المصنف	اسم المطبع
۵	تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس	محمد بن یعقوب بن فضل اللہ الفیروزآبادی المتوفی ۸۱۷ھ	المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۳ھ
۶	معانی القرآن	امام ابوزکریا یحیٰی بن زیاد فراء حنفی، المتوفی ۲۰۷ھ	------ بیروت
۷	تفسیر عبد الرزاق	امام ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ	دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۱۱ھ
۸	تفسیر ابوبکر الاصم	عبد الرحمٰن بن کیسان المعتزلی المتوفی ۲۲۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۹	تفسیر ابوعلی الجبائی	ابوعلی الجبائی المعتزلی المتوفی ۳۰۳ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۱۰	جامع البیان	امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ	دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۲۳ھ
۱۱	کتاب تفسیر القرآن	امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ	دار المآثر، المدینۃ المنورۃ ۱۴۲۳ھ
۱۲	تفسیر الکعبی البلخی	ابوالقاسم الکعبی البلخی المعتزلی المتوفی ۳۱۹ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۱۳	تفسیر ابومسلم	ابومسلم محمد بن بحر الاصفہانی المعتزلی المتوفی ۳۲۲ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۱۴	تفسیر القرآن العظیم	امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم الرازی المتوفی ۳۲۷ھ	نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ
۱۵	تاویلات اہل السنۃ	امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ
۱۶	احکام القرآن	امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص المتوفی ۳۷۰ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ
۱۷	بحر العلوم	ابواللیث نصر بن محمد بن احمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ

۱۸	تفسیر ابوالحسن الرمانی	ابوالحسن الرمانی علی بن عیسیٰ المعتزلی المتوفی ۳۸۴ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۱۹	تفسیر القرآن العزیز	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن ابی زمنین المتوفی ۳۹۹ھ	الفاروق الحدیثۃ للطباعۃ والنشر، قاہرہ، ۱۴۲۶ھ
۲۰	التفسیر الکبیر او التفسیر المحیط	القاضی ابوالحسن عبدالجبار بن احمد الاسد آبادی المعتزلی المتوفی ۴۱۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۲۱	الکشف والبیان	امام ابو اسحاق احمد بن محمد الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ
۲۲	النکت والعیون	علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی المصری المتوفی ۴۵۰ھ	مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت
۲۳	لطائف الاشارات	امام ابو القاسم بن ہوازن القشیری الشافعی المتوفی ۴۶۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۲۴	اسباب نزول القرآن	ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۵	الوسیط	علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری المتوفی ۴۶۸ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۶	تفسیر القرآن	علامہ ابوالمظفر السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ	دار الوطن، ریاض ۱۴۱۸ھ
۲۷	معالم التنزیل	علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۲۸	الکشاف عن حقائق التنزیل	علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ	—
۲۹	المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز	ابو محمد عبدالحق بن عطیہ الاندلسی المتوفی ۵۴۱ھ	دار ابن حزم، ۱۴۲۳ھ
۳۰	احکام القرآن	علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ
۳۱	زاد المسیر فی علم التفسیر	علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ	دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ
۳۲	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۳۳	اسرار التنزیل وانوار التاویل (تفسیر صغیر)	امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ	دار الکتب الوثائق، بغداد، عراق ۱۹۹۰ء
۳۴	تفسیر القرآن العظیم	علامہ ابوالحسن علی بن محمد علم الدین السخاوی الشافعی المتوفی ۶۴۳ھ	دار النشر للجامعات، القاہرہ، ۱۴۳۰ھ
۳۵	الجامع لاحکام القرآن	علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ	دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۳۶	انوار التنزیل واسرار التاویل	قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ	دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
۳۷	عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی	قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المتوفی ۱۰۶۹ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۸	مدارک التنزیل	علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ	دارابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ
۳۹	لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر خازن)	علامہ علاؤالدین علی بن محمد البغدادی الشہیر بالخازن المتوفی ۷۲۵ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۰ء
۴۰	تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان	علامہ نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین القمی النیشاپوری المتوفی ۷۲۸ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ
۴۱	فتوح الغیب حاشیۃ علی الکشاف	امام شرف الدین الحسین بن عبداللہ الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۳ھ	جائزۃ دبی الدولیۃ للقرآن الکریم، ۱۴۳۴ھ
۴۲	البحر المحیط فی التفسیر	علامہ محمد بن یوسف الشہیر بابی حیان الاندلسی المالکی المتوفی ۷۵۴ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۴۳	تفسیر القرآن العظیم	حافظ اسماعیل بن کثیر الشافعی الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۴۴	تفسیر القرآن العظیم	حافظ اسماعیل بن کثیر الشافعی الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ	دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۲ھ
۴۵	اللباب فی علوم الکتاب	علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء
۴۶	تفسیر جلالین	علامہ محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم بن احمد بن ہاشم المحلی الشافعی المتوفی ۸۶۴ھ/ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۴۷	الدر المنثور فی التفسیر بالماثور	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۴۸	فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن	القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ	دارالنوادر، لبنان، ۱۴۳۲ھ
۴۹	حاشیۃ شیخ زادہ علی البیضاوی	علامہ محمد بن مصباح الدین مصطفیٰ القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۵۰	السراج المنیر	الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ
۵۱	ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم	قاضی ابوسعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۵۲	التفسیرات الاحمدیہ	علامہ مولوی رحیم بخش المتوفی ۱۱۳۰ھ	مکتبہ حقانیہ، پشاور
۵۳	روح البیان	علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۵۴	حاشیۃ الجمل علی الجلالین	شیخ سلیمان الجمل المتوفی ۱۲۰۴ھ	قدیمی کتب خانہ، کراچی
۵۵	تفسیر المظہری	القاضی محمد ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری المتوفی ۱۲۲۵ھ	مکتبہ حنفیہ، کوئٹہ، ۱۴۲۵ھ

۵۶	حاشیۃ الصاوی علی الجلالین	علامہ احمد بن محمد الصاوی المصری المالکی المتوفی ۱۲۴۱ھ	دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۵۷	فتح القدیر	شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ	دار الوفاء، المنصورہ، ۱۴۱۸ھ
۵۸	روح المعانی	علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ	دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۵۹	فتح البیان	نواب صدیق حسن بھوپالی (غیر مقلد) متوفی ۱۳۰۷ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۶۰	تفسیر القرآن وھو الھدی والفرقان	سر سید احمد خان متوفی ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء	سر سید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء
۶۱	حاشیۃ القرآن	شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ	دار التصنیف، شاہراہ لیاقت، کراچی
۶۲	مجموعہ تفاسیر فراہی	شیخ حمید الدین فراہی متوفی ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء	فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۲۰۰۸ء
۶۳	بلغۃ الحیران	مولانا حسین علی متوفی ۱۳۶۳ھ	اسد پرنٹرز، لاہور
۶۴	تفسیر بیان القرآن	شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی متوفی ۱۳۶۴ھ	مکتبہ رحمانیہ، لاہور
۶۵	خزائن العرفان	صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ	مکتبۃ المدینہ، کراچی، ۱۴۳۲ھ
۶۶	المقتطف من عیون التفاسیر	علامہ مصطفی الخیری الحصنی المنصوری الحمصی المتوفی ۱۳۹۰ھ	دار القلم، دمشق ۱۴۱۶ھ
۶۷	تفسیر کبیر	مرزا بشیر الدین محمود احمد قادیانی متوفی ۱۹۶۵ء	نظارت اشاعت، ربوہ
۶۸	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۹۷۶ء	ادارہ معارف القرآن، کراچی
۶۹	نور العرفان	مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفی ۱۳۹۱ھ	دار الکتب الاسلامیہ، گجرات
۷۰	تفسیر ماجدی	شیخ عبد الماجد دریا آبادی متوفی ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء	پاک کمپنی، لاہور
۷۱	تفہیم القرآن	سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء	ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۲۰۱۲ء
۷۲	التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم	علامہ سید احمد سعید کاظمی حنفی متوفی ۱۴۰۶ھ	فانوس پبلی کیشنز، پاکستان، ۲۰۰۳ء
۷۳	مطالب الفرقان	غلام احمد پرویز متوفی ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء	ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۱ء
۷۴	مطالب القرآن	غلام احمد پرویز متوفی ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء	ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۲۰۱۲ء
۷۵	تدبر قرآن	شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء	فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۳۴ھ
۷۶	ضیاء القرآن	ضیاء الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی متوفی ۱۴۱۸ھ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
۷۷	سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی	علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی حنفی	گلوبل اسلامک مشن، نیویارک (USA) ۱۴۳۰ھ

۷۸	معالم العرفان	شیخ صوفی عبدالحمید سواتی متوفی ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء	مکتبہ دروس القرآن، گوجرانوالہ ۱۴۳۳ھ
۷۹	البیان	جاوید احمد غامدی	المورد، لاہور، ۲۰۱۰ء
۸۰	التفسیر المنیر	الاستاذ الدکتور وہبہ الزحیلی	دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ
۸۱	تذکیر القرآن	مولانا وحید الدین خان	دار التذکیر، لاہور، ۲۰۰۹ء
۸۲	آسان ترجمہ قرآن وتشریحات کے ساتھ	شیخ محمد تقی عثمانی	مکتبہ معارف القرآن، کراچی
۸۳	تفسیر قرآن	شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ، از ابتداء تا سورۂ آل عمران/ شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی متوفی ۱۳۶۹ھ، از سورۃ النساء تا آخر قرآن	الملک فہد بن عبدالعزیز آل سعود، المملکۃ العربیۃ السعودیہ
۸۴	تفسیر قرآن	شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ، از ابتداء تا سورۂ آل عمران/ شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی متوفی ۱۳۶۹ھ، از سورۃ النساء تا آخر قرآن	دار التصنیف لمیٹڈ، شاہراہ لیاقت، صدر کراچی، پاکستان
۸۵	صفوۃ التفاسیر	شیخ محمد علی صابونی	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۸۶	البیان	سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
۸۷	انوار الفرقان فی معانی القرآن	عبدالحکیم شرف قادری رحمہ اللہ متوفی ۱۴۲۸ھ	مکتبہ قادریہ، لاہور
۸۸	ترجمہ قرآن	مولانا محمد جوناگڑھی	مملکۃ العربی سعودیہ
۸۹	ترجمہ قرآن	سید فرمان علی	عمران کمپنی لاہور
۹۰	تبیان القرآن	علامہ غلام رسول سعیدی حنفی	فرید بک اسٹال، لاہور
۹۱	عرفان القرآن	ڈاکٹر محمد طاہر القادری	منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور

کتب تفاسیر شیعہ

۹۲	تفسیر القمی	ابو الحسن علی بن ابراہیم القمی المتوفی ۳۲۹ھ	مؤسسۃ الاعلمی، بیروت، ۱۴۳۵ھ
۹۳	التبیان فی تفسیر القرآن	ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت
۹۴	مجمع البیان فی تفسیر القرآن	شیخ ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی المتوفی فی القرن السادس	دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۰۶ھ
۹۵	المیزان فی تفسیر القرآن	محمد حسین طباطبائی المتوفی ۱۴۰۲ھ	دار الکتب الاسلامیہ طہران، ۱۳۹۷ھ

کتب احادیث اہل السنۃ

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
۹۶	مسند امام اعظم	امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ	المکتبۃ الامدادیہ، مکہ مکرمہ ۱۴۳۱ھ
۹۷	موطا امام مالک	امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ	دار الحدیث، قاہرہ، ۱۴۲۶ھ
۹۸	موطا امام مالک	امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ	دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۹۹	موطا امام مالک	امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ	المکتبۃ التوفیقیۃ
۱۰۰	کتاب الزہد	امام عبداللہ بن مبارک حنفی متوفی ۱۸۱ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۱۰۱	کتاب الآثار	امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ	مکتبہ عصریہ، سانگلہ ہل
۱۰۲	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ	ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۷ھ
۱۰۳	موطا امام محمد	امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ	نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۱۰۴	المسند	امام محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۰ھ
۱۰۵	مسند ابوداؤد الطیالسی	امام سلیمان بن داؤد شافعی متوفی ۲۰۴ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ
۱۰۶	کتاب المغازی	امام محمد بن عمر بن واقد شافعی متوفی ۲۰۷ھ	عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ
۱۰۷	مصنف عبدالرزاق	امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۰۸	مسند ابوعوانہ	ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی متوفی ۲۱۶ھ	دار المعرفہ، بیروت
۱۰۹	مسند الحمیدی	امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی شافعی متوفی ۲۱۹ھ	عالم الکتب، بیروت
۱۱۰	سنن سعید بن منصور	امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی متوفی ۲۲۷ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۱۱۱	مصنف ابن ابی شیبہ	امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ	ادارۃ القرآن، کراچی ۱۴۰۶
۱۱۲	مصنف ابن ابی شیبہ	امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۱۳	مصنف ابن ابی شیبہ (محمد عوامہ)	امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ	المجلس العلمی، دار قرطبہ بیروت ۱۴۲۷ھ
۱۱۴	مسند احمد	امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۱۱۵	مسند احمد	امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۱۶	مسند احمد	امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ	عالم الکتب، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۱۷	مسند احمد	امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ	مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۱۱۸	المنتخب من مسند عبد بن حمید	علامہ ابو محمد عبد بن حمید الکشی المتوفی ۲۴۹ھ	مکتبہ ابن عباس، المنصورہ، مصر ۱۴۳۰ھ

۱۱۹	سنن دارمی	امام عبداللہ ابو عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی شافعی متوفی ۲۵۵ھ	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۱۲۰	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	مکتبہ دارالعلم الحدیث، ۱۴۲۶ھ
۱۲۱	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۱۲۲	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دارارقم، بیروت
۱۲۳	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	المکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ
۱۲۴	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۲۵	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ
۱۲۶	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ
۱۲۷	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دارابن الجوزی، القاہرہ، ۲۰۰۹ء
۱۲۸	الادب المفرد	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۲۹	صحیح مسلم	امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری الشافعی متوفی ۲۶۱ھ	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ
۱۳۰	سنن ابن ماجہ	امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی متوفی ۲۷۳ھ	المکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ
۱۳۱	سنن ابوداؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ	المکتبۃ التوفیقیہ، القاہرہ، ۲۰۱۰ء
۱۳۲	سنن ترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۵ھ
۱۳۳	سنن ترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ	مکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۳۰ھ
۱۳۴	شمائل محمدیہ	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ	المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۵ھ
۱۳۵	موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی المعروف بابن ابی الدنیا المتوفی ۲۸۱ھ	المکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ
۱۳۶	الاحاد والمثانی	امام ابن ابی عاصم شافعی متوفی ۲۸۷ھ	دارالرایہ، ریاض، ۱۴۱۱ھ
۱۳۷	البحر الذخار المعروف بہ المسند البزار	امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار شافعی متوفی ۲۹۲ھ	موسسۃ الرسالہ، بیروت
۱۳۸	سنن نسائی	عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی متوفی ۳۰۳ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۳۹	عمل الیوم واللیلۃ	عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی متوفی ۳۰۳ھ	موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ
۱۴۰	السنن الکبریٰ	عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی متوفی ۳۰۳ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۱ھ
۱۴۱	السنن الکبریٰ	عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی متوفی ۳۰۳ھ	موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
١٤٢	مسند ابو یعلی موصلی	امام احمد بن علی المثنی التمیمی الشافعی المتوفی ٣٠٧ھ	دار المامون التراث، ١٤٠٣ھ
١٤٣	المنتقی	امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی متوفی ٣٠٧ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٧ھ
١٤٤	صحیح ابن خزیمہ	امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی متوفی ٣١١ھ	مکتب اسلامی، بیروت، ١٣٩٥ھ
١٤٥	مسند ابو عوانہ	امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی متوفی ٣١٦ھ	دار الباز مکہ مکرمہ
١٤٦	الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف	امام ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ٣١٨ھ	دار الفلاح، ١٤٣٠ھ
١٤٧	تحفۃ الاخیار	امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ٣٢١ھ	دار بلنسیہ، ریاض ١٤٢٠ھ
١٤٨	مشکل الآثار	امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ٣٢١ھ	دار الباز، ١٤١٥ھ
١٤٩	شرح معانی الآثار	امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ٣٢١ھ	قدیمی کتب خانہ، کراچی
١٥٠	شرح مشکل الآثار	امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ٣٢١ھ	مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ١٤٢٧ھ
١٥١	مسند الطحاوی	امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ٣٢١ھ	مکتبۃ الحرمین، دبئی، ١٤٣٦ھ
١٥٢	کتاب الضعفاء الکبیر	امام ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی متوفی ٣٢٢ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٨ھ
١٥٣	الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان	امام ابو حاتم محمد بن حبان التمیمی الشافعی المتوفی ٣٥٤ھ	مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ١٤٠٧ھ
١٥٤	کتاب الشریعہ	امام ابو بکر محمد بن الحسین بن عبد اللہ الآجری الشافعی المتوفی ٣٦٠ھ	مؤسسۃ الریان، ١٤٢٩ھ
١٥٥	المعجم الصغیر	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی المتوفی ٣٦٠ھ	مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ، ١٣٨٨ھ
١٥٦	المعجم الصغیر	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی المتوفی ٣٦٠ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
١٥٧	المعجم الکبیر	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی المتوفی ٣٦٠ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت
١٥٨	المعجم الاوسط	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی المتوفی ٣٦٠ھ	مکتبۃ المعارف، ریاض، دار الفکر، بیروت، ١٤٢٠ھ
١٥٩	المعجم الاوسط	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی المتوفی ٣٦٠ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٠ھ
١٦٠	مسند الشامیین	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی المتوفی ٣٦٠ھ	مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ١٤٠٩ھ
١٦١	کتاب عمل الیوم واللیلۃ	حافظ ابو بکر احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری المعروف بہ ابن السنی شافعی متوفی ٣٦٤ھ	مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، ١٤٠٨ھ
١٦٢	الکامل فی ضعفاء الرجال	امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی الشافعی المتوفی ٣٦٥ھ	دار الفکر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٨ھ

نمبر	کتاب	مصنف	مطبوعہ
۱۶۳	الناسخ والمنسوخ	امام ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن الشاہین المتوفی ۳۸۵ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۶۴	سنن الدارقطنی	حافظ علی بن عمر الدارقطنی متوفی ۳۸۵ھ	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ
۱۶۵	المستدرک علی الصحیحین	امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری شافعی متوفی ۴۰۵ھ	دارالباز، مکہ مکرمہ، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ، المکتبۃ العصریہ بیروت، ۱۴۲۰ھ
۱۶۶	المستدرک علی الصحیحین	امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری شافعی متوفی ۴۰۵ھ	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ
۱۶۷	کتاب المغازی	امام ابوعبداللہ محمد بن عمر الواقدی المتوفی ۲۰۷ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ
۱۶۸	حلیۃ الاولیاء	امام ابونعیم احمد بن عبداللہ شافعی متوفی ۴۳۰ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ، دارالکتب العربی، ۱۴۰۷ھ
۱۶۹	دلائل النبوۃ لابی نعیم	امام ابونعیم احمد بن عبداللہ شافعی متوفی ۴۳۰ھ	دارالنفائس، بیروت
۱۷۰	سنن کبریٰ	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	نشر السنۃ، ملتان
۱۷۱	کتاب الاسماء والصفات	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۱۷۲	معرفۃ السنن والآثار	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۷۳	دلائل النبوۃ للبیہقی	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ
۱۷۴	کتاب فضائل الاوقات	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	مکتبۃ المنارہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ
۱۷۵	شعب الایمان	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۱ھ
۱۷۶	الجامع لشعب الایمان	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۳ھ
۱۷۷	کتاب البعث والنشور	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۷۸	جامع بیان العلم وفضلہ	امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر قرطبی مالکی متوفی ۴۶۳ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۷۹	الجمع بین الصحیحین	امام محمد بن فتوح الحمیدی الشافعی المتوفی ۴۸۸ھ	دارابن حزم، ۱۴۲۳ھ
۱۸۰	الفردوس بماثور الخطاب	امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی الشافعی متوفی ۵۰۹ھ	دارالکتب، العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۶ھ
۱۸۱	شرح السنۃ	امام حسین بن مسعود بغوی شافعی متوفی ۵۱۶ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۸۲	القبس فی شرح موطا بن انس	امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی ۵۴۳ھ	مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۹ھ
۱۸۳	تاریخ دمشق الکبیر	امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی متوفی ۵۷۱ھ	داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ

۱۸۴	جامع المسانید	امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ	مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ
۱۸۵	جامع الاصول	امام مجدالدین بن محمد الشیبانی المعروف بہ ابن الاثیر الجزری شافعی متوفی ۶۰۶ھ	دارابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ
۱۸۶	الترغیب والترہیب	امام زکی الدین عبدالعزیز بن عبدالقوی المنذری الشافعی المتوفی ۶۵۶ھ	دارالحدیث، قاہرہ، ۱۴۰۷ھ دارابن کثیر بیروت، ۱۴۱۳ھ
۱۸۷	المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم	امام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ	دارابن کثیر، بیروت ۱۴۲۰ھ
۱۸۸	التذکرۃ فی امور الآخرۃ	علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ	دارالبخاری، مدینہ منورہ
۱۸۹	الاذکار من کلام سید الابرار	علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ	مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ کرمہ ۱۴۱۷ھ
۱۹۰	ریاض الصالحین	علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ	قدیمی کتب خانہ، کراچی
۱۹۱	اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب	علامہ ابومحمد علی بن زکریا المنبجی الحنفی المتوفی ۶۸۶ھ	دارخضر، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۹۲	مشکوۃ المصابیح	امام محی الدین تبریزی شافعی متوفی ۷۴۲ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ
۱۹۳	مشکوۃ المصابیح	امام محی الدین تبریزی شافعی متوفی ۷۴۲ھ	دارابن حزم، بیروت، ۱۴۲۳ھ
۱۹۴	شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	امام علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی الشافعی المتوفی ۷۵۶ھ	دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن، انڈیا
۱۹۵	جلاء الافہام فی فضل الصلوۃ والسلام علی محمد خیر الانام	علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر المعروف بہ ابن القیم الجوزیہ الحنبلی المتوفی ۷۵۱ھ	دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۱۹۶	نصب الرایہ	حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ	مجلس علمی سورۃ ہند، ۱۳۵۷ھ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۹۷	اللآلی المنثورہ	امام محمد بن عبداللہ بن بہادر الزرکشی المتوفی ۷۹۴ھ	المکتب الاسلامی، بیروت ۱۴۱۷ھ
۱۹۸	احوال القبور واحوال اہلہا الی النشور	حافظ ابوالفرج زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفی ۷۹۵ھ	دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۱۹۹	مجمع الزوائد	حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی المتوفی ۸۰۷ھ	دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ، دارالفکر، بیروت ۱۴۱۴ھ

۲۰۰	كشف الاستار	حافظ نور الدين علی بن ابی بکر الہيثمی الشافعی المتوفی ۸۰۷ھ،	موسسۃ الرسالہ، بيروت، ۱۴۰۴ھ
۲۰۱	اتحاف الخيرۃ المہرۃ بزوائد المسانيد العشرۃ	امام ابو العباس احمد بن ابو بکر بوصيری شافعی متوفی ۸۴۰ھ	دار الکتب العلميہ، بيروت، ۱۴۲۲ھ
۲۰۲	المطالب العاليہ	حافظ شہاب الدين احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ	دار الباز مکہ مکرمہ، دار الکتب العلميہ، بيروت، ۱۴۲۴ھ
۲۰۳	تلخيص الحبير فی تخريج احاديث رافعی الکبير	حافظ شہاب الدين احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ	نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ
۲۰۴	نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس	امام عبد الرحمٰن بن عبد السلام بن عبد الرحمٰن بن عثمان الصفوری الشافعی المتوفی ۸۹۴ھ	دار الکتب العلميہ، بيروت، ۱۴۱۹ھ
۲۰۵	القول البديع فی الصلوٰۃ علی الحبيب الشفيع	حافظ شمس الدين محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی الشافعی، متوفی ۹۰۲ھ	مکتبۃ المؤيد دمشق، ۱۴۰۸ھ
۲۰۶	المقاصد الحسنۃ فی بيان کثير من الاحاديث المشتہرۃ علی الالسنۃ	حافظ شمس الدين محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی الشافعی، متوفی ۹۰۲ھ	دار الکتب العلميہ بيروت، ۱۴۰۷ھ
۲۰۷	الجامع الصغير	حافظ جلال الدين سيوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دار المعرفہ بيروت، ۱۳۹۱ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ
۲۰۸	جامع الاحاديث الکبير	حافظ جلال الدين سيوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دار الفکر بيروت، ۱۴۱۴ھ
۲۰۹	جمع الجوامع	حافظ جلال الدين سيوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دار الکتب العلميہ، بيروت، ۱۴۲۱ھ
۲۱۰	البدور السافرہ	حافظ جلال الدين سيوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دار الکتب العلميہ، بيروت، ۱۴۱۶ھ، دار ابن حزم بيروت، ۱۴۱۴ھ
۲۱۱	شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور	حافظ جلال الدين سيوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دار الکتب العلميہ، بيروت، ۱۴۱۴ھ
۲۱۲	الخصائص الکبریٰ	حافظ جلال الدين سيوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دار الکتب العلميہ، بيروت، ۱۴۰۵ھ
۲۱۳	کنز العمال	علامہ علی متقی بن حسام الدين ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ	موسسۃ الرسالہ، بيروت
۲۱۴	کشف الخفاء ومزيل الالباس	علامہ اسماعيل بن محمد العجلونی، متوفی ۱۱۶۲ھ	مکتبۃ الغزالی، دمشق

۲۱۵	موسوعۃ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی الشریف للکتب الستۃ	الدکتور الشیخ خلیل مامون شیحا	دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ
۲۱۶	عون الباری لحل ادلۃ البخاری	شیخ ابو الطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی غیر مقلد، متوفی ۱۳۰۷ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۹ھ

کتب شروح حدیث

۲۱۷	البحر الذخار بمعروف المسند البزار	امام ابوبکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار المتوفی ۲۹۲ھ	مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ ۱۴۲۴ھ
۲۱۸	اعلام السنن فی شرح صحیح البخاری	امام ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی متوفی ۳۸۸ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۲۱۹	اکمال المعلم بفوائد مسلم	قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ	دار الوفاء، بیروت ۱۴۱۹ھ
۲۲۰	المفہم	علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، متوفی ۶۵۶ھ	دار ابن کثیر، بیروت ۱۴۱۷ھ
۲۲۱	بہجۃ النفوس	امام ابو محمد عبد اللہ بن ابی جمرۃ الاندلسی المتوفی ۶۹۹ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۲۲۲	فتح الباری	حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ	دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور
۲۲۳	نخب الافکار	علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ	قدیمی کتب خانہ، کراچی
۲۲۴	کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنۃ	علامہ ابو عبد اللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی ۶۶۱ھ	مکتبہ نزار مصطفیٰ ۱۴۲۲ھ
۲۲۵	مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد ابراہیم المتوفی ۹۵۶ھ	المکتبۃ الغفاریہ، کوئٹہ، پاکستان ۱۴۱۹ھ
۲۲۶	عمدۃ القاری	حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۲۲۷	اشرف الوسائل الی فہم الشمائل	علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی ۹۷۴ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۹ھ
۲۲۸	کنز العمال	علامہ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی المتوفی ۹۷۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ
۲۲۹	البنایہ فی شرح الہدایہ	علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی ۸۵۵ھ	مکتبہ حقانیہ، ملتان، پاکستان

۲۳۰	تذکرۃ الموضوعات	علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی متوفی ۹۸۶ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۱ھ
۲۳۱	تذکرۃ الموضوعات	علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی ۹۸۶ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۳۲	المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع	امام الفقیہ المحدث علی القاری الہروی المالکی المتوفی ۱۰۱۴ھ	المطبوعات الاسلامیہ، حلب ۱۴۱۴ھ
۲۳۳	الجامع الصحیح	محدث احمد علی سہارنپوری حنفی متوفی ۱۲۹۷ھ	دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۳۲ھ
۲۳۴	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح	ملا علی سلطان بن محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ	المکتبۃ الحقانیہ، پشاور، پاکستان
۲۳۵	لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح (عربی)	شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ	مکتبہ محمدیہ، کراچی ۱۴۳۳ھ
۲۳۶	اشعۃ اللمعات شرح مشکاۃ المصابیح (فارسی)	شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ	مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان
۲۳۷	حاشیہ مسند امام احمد بن حنبل	علامہ ابو الحسن نور الدین محمد بن عبد الہادی السندی المتوفی ۱۱۳۸ھ	دار النوادر بیروت، ۱۴۳۴ھ
۲۳۸	تیسیر القاری فی شرح صحیح البخاری	شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی ۱۰۷۳ھ	مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
۲۳۹	فتح المبدی بشرح مختصر الزبیدی	علامہ شیخ عبد اللہ بن حجازی الشرقاوی المتوفی ۱۲۲۷ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء
۲۴۰	نیل الاوطار	امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ۱۲۵۵ھ	دار الوفاء بیروت، ۱۴۲۱ھ
۲۴۱	کشف مطالب مسلم بن الحجاج	ابو الطیب محمد صدیق خان بن حسن بن علی القنوجی البخاری المتوفی ۱۳۰۷ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۵ھ
۲۴۲	کتاب الجامع فی الاحادیث القدسیہ	مولانا عبد السلام بن محمد بن عمر علوش	المکتبۃ الاسلامی، ۱۴۲۲ھ
۲۴۳	الفتح الربانی	شیخ احمد بن عبد الرحمٰن البنا الساعاتی متوفی ۱۳۷۸ھ	بیت الافکار الدولیہ، ۲۰۰۷ء
۲۴۴	کشف الاسرار	علامہ علاؤ الدین عبد العزیز بن احمد البخاری الحنفی متوفی ۷۳۰ھ	مطبوعہ: دار الکتاب العربی ۱۴۱۱ھ

کتب لغت

۲۴۵	المعجم المفہرس لالفاظ القرآن	محمد فؤاد عبد الباقی	دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۴۶	کتاب العین	امام اللغۃ خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ	انتشارات اسوہ، ایران، ۱۴۱۴ھ
۲۴۷	معجم الصحاح	علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی المتوفی ۳۹۸ھ	دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ
۲۴۸	الصحاح	علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی المتوفی ۳۹۸ھ	دار العلم، بیروت، ۱۴۰۳ھ
۲۴۹	المفردات	علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی متوفی ۵۰۲ھ	مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ
۲۵۰	نہایہ	علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی متوفی ۶۰۶ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۵۱	مختار الصحاح	علامہ محمد بن ابوبکر بن عبد القادر رازی حنفی متوفی ۶۶۰ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ
۲۵۲	لسان العرب	علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ	دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء
۲۵۳	کتاب التعریفات	علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی المتوفی ۸۱۶ھ	دار الفکر، بیروت
۲۵۴	القاموس المحیط	علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت
۲۵۵	مجمع بحار الانوار	علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی متوفی ۹۸۶ھ	مکتبہ دار الایمان، مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ
۲۵۶	تاج العروس	علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ
۲۵۷	لغات القرآن	غلام احمد پرویز متوفی ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء	ادارہ طلوع اسلام گلبرگ، لاہور ۱۹۸۳ء
۲۵۸	دستور العلماء	قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری حنفی	دار الکتب الاسلامیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ
۲۵۹	فیروز اللغات	مولوی فیروز الدین	فیروز سنز، لاہور
	المنجد (عربی)	لوئیس معلوف الیسوعی المتوفی ۱۸۶۷ھ/۱۹۳۶ء	انتشارات اسلام، تہران، ایران ۱۳۷۹ھ

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

۲۶۰	المدخل لابن الحاج	ابو عبد اللہ محمد بن محمد العبدری المالکی الشہیر بابن الحاج المتوفی ۸۸ھ	دار الفکر، بیروت
۲۶۱	السیرۃ النبویہ	امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام المعافری، متوفی ۲۱۸ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ
۲۶۲	التاریخ الکبیر	ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم الجعفی البخاری المتوفی ۲۵۶ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ

۲۶۳	الشمائل المحمدیہ والخصائص المصطفویہ	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ	المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۵ھ
۲۶۴	الشمائل المحمدیہ والخصائص المصطفویہ	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ	دار الیسر، مدینہ منورہ ۱۴۲۸ھ
۲۶۵	الکامل فی ضعفاء الرجال	ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی المتوفی ۳۶۵ھ	المکتبۃ الاثریہ شیخوپورہ، پاکستان
۲۶۶	دلائل النبوۃ	الحافظ الکبیر ابو نعیم الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ	دار النفائس
۲۶۷	الاستیعاب	حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ
۲۶۸	تاریخ بغداد	امام ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ	دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ
۲۶۹	الشفاء	قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ	عبد التواب اکیڈمی، ملتان دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۷۰	الروض الانف	امام ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ بن احمد بن ابو الحسن السہیلی المتوفی ۵۸۱ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۷۱	الوفاء باحوال المصطفیٰ	علامہ عبد الرحمن بن علی جوزی حنبلی، متوفی ۵۷۹ھ	مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
۲۷۲	اسد الغابۃ	علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر شافعی متوفی ۶۳۰ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، دار الفکر، بیروت
۲۷۳	جلاء الافہام	امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابو بکر ابن قیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ	دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۲۷۴	الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ	امام ابو جعفر احمد الشہیر بالمحب الطبری المتوفی ۶۹۴ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۷۵	الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ وتاریخ من بعدہ من الخلفاء	حافظ علاؤ الدین ابو عبد اللہ مغلطائی بن قلیج، متوفی ۷۶۲ھ	مطبوعہ: دار القلم، دمشق ۱۴۱۶ھ
۲۷۶	الاصابہ	حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۷۷	اللفظ المکرم بخصائص النبی المعظم ﷺ	الحافظ قطب الدین محمد بن محمد بن عبد اللہ الخضری الشافعی المتوفی ۸۹۴ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ

۲۷۸	وفاء الوفاء	علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ
۲۷۹	المواہب اللدنیہ	علامہ احمد قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ
۲۸۰	سبل الہدیٰ والرشاد	علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی المتوفی ۹۴۲ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۸۱	تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ	ابو الحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی المتوفی ۹۶۳ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۱ھ
۲۸۲	مدارج النبوۃ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی ۱۰۵۲ھ	مکتبہ نوریہ، سکھر، پاکستان ۱۳۹۷ھ
۲۸۳	السیرۃ النبویۃ	احمد بن زینی دحلان الحسنی الہاشمی متوفی ۱۳۰۴ھ	مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۲۸۴	سیرت رسول عربی	علامہ نور بخش توکلی	مکتبہ غوثیہ، کراچی

کتب فقہ حنفی وفقہ حنبلی

۲۸۵	عیون المسائل	امام ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ	مکتبہ مکۃ المکرمہ، کوئٹہ، پاکستان
۲۸۶	بدائع الصنائع	علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
۲۸۷	ہدایہ اولین وآخرین	علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ	شرکت علمیہ، ملتان
۲۸۸	المحیط البرہانی	علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری متوفی ۶۱۶ھ	ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۲۴ھ
۲۸۹	المغنی	علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ	دار الحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۵ھ
۲۹۰	مجموعۃ الفتاویٰ	تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ	دار الجیل، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۲۹۱	الشرح الکبیر	شمس الدین عبد الرحمٰن بن محمد ابن احمد بن قدامہ المقدسی المتوفی ۶۸۲ھ	دار الحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۵ھ
۲۹۲	بنایہ	علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ	دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ
۲۹۳	کشف الغمہ	الشیخ عبد الوہاب بن احمد بن علی الشعرانی المصری المتوفی ۹۷۳ھ	دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۸ھ
۲۹۴	البحر الرائق	علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ	علمیہ، مصر ۱۳۱۱ھ
۲۹۵	الدر المختار	علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۶ھ
۲۹۶	رد المحتار	علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۹ھ

۲۹۷	احسن الفتاویٰ	شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی متوفی ۱۳۲۳ھ	ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۴۲۵ھ
۲۹۸	جد الممتار	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ	المجمع الاسلامی، انڈیا
۲۹۹	اعلاء السنن	ظفر احمد العثمانی التھانوی المتوفی ۱۳۹۴ھ	دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۳۰۰	الفقہ الحنفی وادلتہ	الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی الحنفی المتوفی ۱۴۱۴ھ	دار الکلم الطیب، بیروت ۱۴۲۰ھ
۳۰۱	تفہیم المسائل	مفتی اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

کتب احادیث شیعہ

۳۰۲	الاصول من الکافی	شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ	دار الاضواء، ۱۴۳۱ھ
۳۰۳	الفروع من الکافی	شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ	دار الاضواء، ۱۴۳۱ھ
۳۰۴	تہذیب الاحکام	شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۴۶۰ھ	دار الاضواء، ۱۴۳۱ھ
۳۰۵	الاستبصار	شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۴۶۰ھ	دار الاضواء، ۱۴۳۱ھ

کتب فقہ شیعہ وکلامیہ

۳۰۶	وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ	محمد بن حسن بن علی بن الحسین الحر العاملی المتوفی ۱۱۰۴ھ	مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۲۷ھ
۳۰۷	حق الیقین	ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ	خیابان ناصر خسرو، ایران
۳۰۸	جلاء العیون	ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ	انصاف پریس، لاہور
۳۰۹	حیات القلوب	ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ	حمایت اہل بیت وقف، لاہور

کتب علم کلام

۳۱۰	شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی ۸۱۲ھ	منشورات الشریف الرضی، قم، ایران ۱۳۲۵ھ
۳۱۱	شرح العقائد النسفیہ	امام مسعود بن عمر بن عبد اللہ الشہیر سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ	سکندر علی بہادر علی، تاجران کتب دستگیر، کراچی
۳۱۲	شرح المقاصد	امام مسعود بن عمر بن عبد اللہ الشہیر سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ	منشورات الشریف الرضی، قم، ایران ۱۴۰۹ھ
۳۱۳	لوامع الانوار البہیہ وسواطع الاسرار الاثریہ	علامہ شیخ محمد السفارینی الحنبلی المتوفی ۱۱۸۸ھ	المکتب الاسلامی، بیروت ۱۴۱۱ھ

۳۱۴	النبراس شرح عقائد	مولانا عبدالعزیز پرہاروی	مکتبہ رضویہ، لاہور ۱۳۹۷ھ

کتب متفرقہ

۳۱۵	الاقتصاد فی الاعتقاد	امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی ۵۰۵ھ	دار و مکتبۃ الہلال، بیروت، ۱۹۹۳ء
۳۱۶	اتحاف السادۃ المتقین	امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی ۵۰۵ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۳ھ
۳۱۷	الیواقیت والجواہر	الشیخ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی المصری المتوفی ۹۷۳ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۱۸	المیزان الکبریٰ	الشیخ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی المصری المتوفی ۹۷۳ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۱۹	الکبریت الاحمر	الشیخ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی المصری المتوفی ۹۷۳ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۲۰	الطبقات الکبریٰ	الشیخ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی المصری المتوفی ۹۷۳ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۲۱	المنن الکبریٰ	الشیخ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی المصری المتوفی ۹۷۳ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۳۲۲	ملفوظات	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ	حامد اینڈ کمپنی، لاہور
۳۲۳	من عقائد اہل السنۃ	عبدالحکیم شرف قادری متوفی ۱۴۲۸ھ	منظمۃ الدعوۃ الاسلامیہ، لاہور
۳۲۴	ہدایۃ الحنفۃ بذہب الحیر ان فی الاستعانۃ باولیاء الرحمٰن	شیخ الحدیث مولانا اشرف علی سیالوی	جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام، سرگودھا
۳۲۵	نسائیات	پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج متوفی ۱۴۳۵ھ	کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، جون ۲۰۱۲ء
۳۲۶	افکار شگفتہ	پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج متوفی ۱۴۳۵ھ	فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ کراچی، اپریل ۲۰۱۳ء
۳۲۷	التفسیر	پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج متوفی ۱۴۳۵ھ	مجلس التفسیر کراچی، جون ۲۰۱۴ء